چولا راجگان

کے۔ اے۔ نیل کنٹھ شاستری

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

مدراس یونیورسٹی کی تاریخی سیریز نمبر ۸

چولاراجگان

طبع دوم

چولا راجگان

مصنفہ

کے اے نیلکنٹھ شاستری۔ ایم اے
امیرٹس پروفیسر تاریخِ ہند و علمِ آثارِ قدیمہ
یونیورسٹی آف مدراس
پروفیسر آف انڈولاجی، یونیورسٹی آف مدراس

مترجمہ

شریمتی رپدمن سیٹھی۔ ایم اے

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل
حکومت ہند
ویسٹ بلاک-1، آر-کے-پورم، نئی دہلی-110066

Chola Rajgan

By : K.A. Nilkanta Shastri

سنہ اشاعت :

پہلا اڈیشن : 1984

دوسرا اڈیشن : 1999 تعداد 1100

قیمت : -/209

سلسلۂ مطبوعات : 460

ناشر : ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔1، آر۔کے۔پورم،
نئی دہلی۔110066

طابع : لاہوتی پرنٹ ایڈز، پہاڑی املی، جامع مسجد، دہلی۔

پیش لفظ

"ابتدا میں لفظ تھا۔ اور لفظ ہی خدا ہے"

پہلے جمادات تھے۔ ان میں نمو پیدا ہوئی تو نباتات آئے۔ نباتات میں جبلت پیدا ہوئی تو حیوانات پیدا ہوئے۔ ان میں شعور پیدا ہوا تو بنی نوع انسان کا وجود ہوا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ کائنات میں جو سب سے اچھا ہے اس سے انسان کی تخلیق ہوئی۔

انسان اور حیوان میں صرف نطق اور شعور کا فرق ہے۔ یہ شعور ایک جگہ پر ٹھہر نہیں سکتا۔ اگر ٹھہر جائے تو پھر ذہنی ترقی، روحانی ترقی اور انسان کی ترقی رک جائے۔ تحریر کی ایجاد سے پہلے انسان کو ہر بات یاد رکھنا پڑتی تھی، علم سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں کو پہنچتا تھا، بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا تھا۔ تحریر سے لفظ اور علم کی عمر میں اضافہ ہوا۔ زیادہ لوگ اس میں شریک ہوئے اور انھوں نے نہ صرف علم حاصل کیا بلکہ اس کے ذخیرے میں اضافہ بھی کیا۔

لفظ حقیقت اور صداقت کے اظہار کے لیے تھا، اس لیے مقدس تھا۔ لکھے ہوئے لفظ کی، اور اس کی وجہ سے قلم اور کاغذ کی تقدیس ہوئی۔ بولا ہوا لفظ، آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ ہوا تو علم و دانش کے خزانے محفوظ ہو گئے۔ جو کچھ نہ لکھا جا سکا، وہ بالآخر ضائع ہو گیا۔

پہلے کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں اور علم سے صرف کچھ لوگوں کے ذہن ہی سیراب ہوتے تھے۔ علم حاصل کرنے کے لیے دور دور کا سفر کرنا پڑتا تھا، جہاں کتب خانے ہوں اور ان کا درس دینے والے عالم ہوں۔ چھاپہ خانے کی ایجاد کے بعد علم کے پھیلاؤ میں وسعت آئی کیونکہ وہ کتابیں جو نادر تھیں اور وہ کتابیں جو مفید تھیں آسانی سے فراہم ہوئیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اچھی کتابیں، کم سے کم قیمت پر مہیا کرنا ہے تاکہ اردو کا دائرہ نہ صرف وسیع ہو بلکہ سارے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی اس زبان کی ضرورتیں پوری کی جائیں اور نصابی اور غیر نصابی کتابیں آسانی سے مناسب قیمت پر سب تک پہنچیں۔ زبان صرف ادب نہیں، سماجی اور طبعی علوم کی کتابوں کی اہمیت ادبی کتابوں سے کم نہیں، کیونکہ ادب زندگی کا آئینہ ہے، زندگی سماج سے جڑی ہوئی ہے اور سماجی ارتقاء اور ذہن انسانی کی نشوونما طبعی، انسانی علوم اور ٹکنالوجی کے بغیر ممکن نہیں۔

اب تک بیورو نے اور اب تشکیل کے بعد قومی اردو کونسل نے مختلف علوم اور فنون کی کتابیں شائع کی ہیں اور ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ کتاب اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے یہ اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔ میں ماہرین سے یہ گذارش بھی کروں گا کہ اگر کوئی بات ان کو نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں نظر ثانی کے وقت خامی دور کردی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائریکٹر
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند، نئی دہلی

دیباچہ طبع دوم

یہ کتاب کئی برسوں سے مطبوعہ صورت میں نایاب تھی۔ میں مدراس یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور سنڈیکیٹ کا اِس امر کے لیے شکر گزار ہوں کہ اُنھوں نے اِس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کی غرض سے اِس پر نظر ثانی کے لیے مجھے دعوت دی۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۷ء میں دو جلدوں میں شائع ہوا تھا اور ہر جلد کے ساتھ منتخب کتبوں کا ایک ضمیمہ بھی شائع کیا گیا تھا جس میں کچھ غیر مطبوعہ کتبات کے اقتباسات بھی شامل تھے۔ موجودہ ایڈیشن میں یہ ضمیمہ عدم گنجائش کے باعث حذف کر دیا گیا ہے اور کچھ حد تک اِس لیے بھی کہ اب قارئین متعلقہ شہادتوں سے بخوبی روشناس ہو چکے ہیں۔ ایک اور وجہ بھی اس کے لیے ذمہ دار ہے۔ محکمہ آثارِ قدیمہ سے متعلق مرکزی مشاورتی بورڈ نے ایک قرارداد میں مرکزی حکومت کے محکمہ آثارِ قدیمہ کو یہ مشورہ دیا کہ یہ محکمہ بہت جلد جنوبی ہند کے تاریخی کتبوں کی تا دمِ تحریر ایک تازہ فہرست مقام وار شائع کرے جو مدراس پریسیڈنسی کی اُس مشہورِ عام فہرستِ کتبات کی ایس ہو جسے پروفیسر وی۔ رنگا چاری نے مرتب کیا تھا۔ جہاں تک مجھے علم ہے اِن فہرستوں پر کام شروع ہونے والا ہے۔ اِس کے علاوہ اِن کتبات کے متن شائع کرنے کے کام میں بھی تیز رفتاری لانے کے لیے ضروری اقدامات کیے جا رہے ہیں۔

طبعِ اوّل کے دیباچے میں چولا آرٹ کے علیٰحدہ جائزے کا جو وعدہ کیا گیا تھا اُسی کی تکمیل نہیں کی جا سکی۔ بدقسمتی سے اب بھی اِس کے مکمل جائزے کی راہ میں بہت مشکلات حائل ہیں۔ یہ مشکلات اسی وقت دُور ہوں گی جبکہ محکمہ آثارِ قدیمہ یا جنوبی ہند کی کوئی یونیورسٹی تاریخی یادگاروں کے باضابطہ جائزے اور باوضاحت تشریح کا بیڑہ

اٹھانے اور اُن کے فوٹوگراف، نقشے اور تمام رُخوں کی بلندی وغیرہ بھی اُن کے ہمراہ اسی نمونے پر شائع کریں جس نمونے پر فرانسیسی اور ولندیزی ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے کمبُجا، انام، اور جاوا میں کام کرتے ہوئے اُن ملکوں کی تاریخی یادگاروں کے متعلق شائع کیے ہیں۔ یہ کام اِس مصنف کے بس کا نہیں ہے کیونکہ اس کے پاس ضروری وسائل موجود نہیں ہیں۔ البتہ اس نے مدراس یونیورسٹی کے حکّام کی اجازت سے اِس کتاب میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے جس میں مختصر طور پر چولا آرٹ کی تاریخ کے اہم پہلو کافی وضاحتی تصاویر کے ساتھ واضح کر دیے گئے ہیں۔ مصنف کو اِس باب کی تیاری کے لیے جناب کے۔ آر۔ سری نواسن اور محکمۂ آثارِ قدیمہ کے کیمیائی شعبے کے ماہر ڈاکٹر ایس۔ پرماشِوَن سے قابلِ قدر امداد ملی ہے۔ یہ امداد اُن کی تحریروں سے بھی ملی ہے اور اُن کے ساتھ گفت گو سے بھی۔

تمام متن پر احتیاط کے ساتھ نظرِ ثانی کی گئی ہے اور جزوی طور پر اِس کے بعض حصّوں کو تازہ انکشافات اور تاویلوں کی روشنی میں از سرِ نو بھی لکھا گیا ہے۔ چند جاگیرداروں کے خاندان سے متعلق کچھ ضمنی مواد، جو بیان میں کچھ رُکاوٹ ڈالتا دکھائی دیتا تھا، چھوڑ دیا گیا ہے اور حاشیے اب ہر باب کے خاتمے پر یکجا کر دیے گئے ہیں۔ پہلے یہ حاشیے ہر صفحے کے نیچے بکھرے ہوئے تھے۔

اِن حاشیوں سے مجھ سے پہلے لکھنے والے مصنّفین کے تئیں میری احسانمندی ظاہر ہوگی۔ آرٹ پر لکھے گئے نئے باب کے لیے میں نے مرحوم جوُو لوڈ بریل .
اور بالخصوص پرسی براؤن کی تحریروں سے استفادہ کیا ہے۔ تصاویر اور وضاحتی اشکال کے ماخذ تختیوں کی وضاحت کے تحت درج کر دیے گئے ہیں۔ زیادہ تر اشکال و تصاویر میں نے ڈائرکٹر جنرل محکمۂ آثارِ قدیمہ کی مہربانی سے حاصل کی ہیں۔ جناب کے۔ آر۔ سری نواسن نے مجھے اجازت دی کہ میں اُن سے نجی مجموعۂ تصاویر سے کچھ تصاویر زیرِ نظر کتاب میں چھاپ لوں۔ جناب این۔ لکشمی نارائن راؤ نے جو ہندوستان کے سرکاری کتبہ شناس ہیں، نہ صرف کتبوں کے متنوں کے مطالعے کے لیے کافی سہولیات فراہم کیں بلکہ کچھ قیمتی حوالے بھی مہیا کیے۔ اُنھوں نے اپنا کرن دنی کی تختیوں کا قلمی نسخہ بھی استفادے کے لیے میرے حوالے کر دیا۔ نیز ان تختیوں کی نو مہروں میں سے چ

بہتر حالت میں تھیں اس کے چھاپنے کی اجازت بھی دی۔ پہلے ایڈیشن کے پہلے حصے میں جو ترووالنگاڈو کی تختیوں کی مُہر شامل تھی اب اُس کی جگہ یہ نئی چھاپ نئے ایڈیشن میں شائع کی جارہی ہے۔

مدراس کے عجائب گھر کے سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر اے۔ آئیپن، اُن کے آثارِ قدیمہ سے متعلق اسسٹنٹ جناب پی۔ آر سری نواسن، نیز عجائب خانۂ مدراس کے تاریخی سکوں کے شعبے کے اسسٹنٹ نے بخوشی مجھے دھولیشورم کے سکوں کے انبار سے استفادہ کرنے کی اجازت دی، اگرچہ اِس سے کئی مرتبہ اُن کے کام کے اوقات کا کافی ہرج ہوا۔ جناب پی۔ آر۔ سری نواسن نے ازراہِ نوازش تمام تصاویر کی تشریح و وضاحت کا کام اپنے ذمّے لے لیا اور یہ اُنہی کے نام سے اِس کتاب میں شامل کیا جارہا ہے۔

میں ان سب دوستوں کا ممنون ہوں۔ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر اے لکشمن سوامی مُدالیار اِس کتاب کی صحیح شکل میں اور بہ عجلت اشاعت میں ذاتی دلچسپی کا اظہار کرتے رہے ہیں اور میں نہیں جانتا کہ میں کس زبان سے اُن کا شکریہ ادا کروں۔ یونیورسٹی کے رجسٹرار جناب آر۔ روی ورما بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں کیونکہ مختلف مواقع پر انھوں نے دفتری انتظامیہ فیصلوں کو جلد کروانے اور دیگر کئی متعلقہ معاملوں میں میری فوری مدد کی۔ جی ایس پریس کے مالک جناب جی سری نواسا چاری نے اِس کتاب کو جلد از جلد اور نہایت نفیس اور پُرسلیقہ شکل میں چھاپنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، جو بطور طابع اُن کی حاصل کردہ اعلیٰ شہرت کے عین شایاں ہے۔ میں اُن کا بھی شکرگزار ہوں۔

کے۔ اے۔ نیلکنٹھ شاستری

میسور

۲۴ر جنوری ۱۹۵۵ء

دیباچہ طبعِ اوّل

چولوں کے دورِ حکومت میں جو جنوبی ہند کی تاریخ کا بہترین تخلیقی دور تھا، تمام

جنوبی ہند پہلی مرتبہ ایک واحد حکومت کے زیرِ نگیں لایا گیا اور نئے حالات سے پیدا ہونے والے عام نظم و نسق کے مسائل کا سامنا کرنے اور انھیں حل کرنے کی سنجیدگی سے کوشش کی گئی۔ تامل ریاست نے اس دور میں شہری اور دیہی انتظامیہ، آرٹ، مذہب اور لٹریچر کے میدانوں میں عروج کی اُن بلندیوں کو چھوا جن تک پھر آنے والے زمانوں میں دوبارہ رسائی نہ ہو سکی۔ ان تمام میدانوں میں، نیز غیر ملکی تجارت اور جہاز رانی میں، اُن تحریکوں اور سرگرمیوں کے کو چولا عہد کے دَوران عروج پر پہنچایا گیا جن کا آغاز چولوں کے پیش رو پلّوا راجاؤں کے عہد میں ہوا تھا۔

چولوں کی تاریخ ایک عظیم اور یادگار عہد کا پہلا باضابطہ اور باقرینہ مطالعہ ہے اور یہ آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا (محکمہ آثارِ قدیمہ ہند) کے پچاس برسوں کے مسلسل کام کے باعث ممکن ہو سکا ہے۔ میں ان فضلا کا احسان مند ہوں جنھوں نے اس محکمے کی متعدد مطبوعات میں چولا تاریخ کی بنیادیں رکھیں جو اگلے صفحات میں ہمیں ہر صفحے پر دکھائی دیں گی۔ تاہم میں نے اپنے تذکرے کی بنیاد اصل ماخذ کے آزاد مطالعے پر رکھی ہے جس کے لیے مجھے ڈائرکٹر جنرل آف آرکیالوجی اور اُن کے مدراس کے دفتر کے نگران افسروں نے کافی سہولیات فراہم کیں۔

کیتے، اس تاریخ کو مرتب کرنے میں کہیں نویں صدی میں جاکر وجیالیہ کی تخت نشینی کے دنوں سے معاون ہوتے ہیں، اور اُس وقت بھی زمین و زماں کے اعتبار سے ان کی تقسیم بڑی غیر مساوی دکھائی دیتی ہے۔ اس سے پہلے کے قدیم زمانے کی اطلاعات کے لیے ہمیں اس وقت تک موجود تامل لٹریچر پر ہی انحصار کرنا پڑتا ہے جو مختلف ٹکڑوں اور شعری تالیفات کی شکل میں بکھرا پڑا تھا اور جس کی تصنیف کی تاریخیں بھی صحیح طور پر معلوم نہیں تھیں۔ اس کام کے دوران میں بعض مراحل پر مجھے چولا تاریخ کے ماخذوں پر وہ ابتدائی بحث کرنی پڑی ہے جو ان کی صحیح تشریح کی کسی بھی کوشش سے قبل کر لینی لازمی ہوتی ہے۔ میں نے

میں جن موضوعات پر مفصل بحث کی ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں اُن

کا صرف سرسری جائزہ لیا ہے۔

اِس کتاب کی پہلی جلد جو اِس وقت شائع کی جا رہی ہے، چولا عہد کی داستان کو

کلوتنگا اوّل کی تخت نشینی تک پہنچاتی ہے۔ دوسری جلد میں سیاسی تاریخ مکمل ہو جائے گی اور اس میں چولا سلطنت کے نظم و نسق اور مجلسی زندگی کا بیان بھی آ جائے گا۔ میں نے کولوتنگا چولا راجاؤں کے سوائے باقی تمام متعلقہ شاہی خاندانوں کے مقام و حیثیت کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ اِس کتاب میں چولا آرٹ کے مطالعہ کو شامل نہیں کیا جا سکا اور یہ کوتاہی وضاحت طلب ہے۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ اس دلچسپ موضوع پر اتنا قلیل کام ہوا ہے اور میرے پاس اِس کے متعلق اِس قدر وسیع اور مختلف النوع مواد تھا کہ میں جو کچھ اِس موضوع پر کہنا چاہتا تھا، اُسے ایک ایسی کتاب کے جو پہلے ہی سے کچھ زیادہ ضخیم ہو چکی تھی، محض ایک باب میں محدود نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں امید کرتا ہوں کہ میں اِس موضوع پر ایک علیٰحدہ مقالے میں بحث کروں گا۔

ضمیمے میں کچھ منتخب کتبوں کی ایک فہرست دی گئی ہے جن پر اس تاریخ کی بنیاد ہے۔ جو خلاصے یہاں شامل کیے گئے ہیں، خصوصاً غیر مطبوعہ کتبات کے، وہ حتی الامکان ایسے معاملات کی بھی تفصیلات مہیّا کرتے ہیں جو دوسری تصنیفات میں نہیں ملتیں۔

کے۔ اے۔ نیلکنٹھ شاستری

شعبۂ تاریخ ہند
یونیورسٹی آف مدراس
۲۲ جولائی ۱۹۳۴ء

فہرست مضامین

صفحہ

نقشوں اور خاکوں کی فہرست

بابِ اوّل

مآخذ

تمہید

بھارت کی قدیم تاریخ کے متعدد دوسرے موضوعات کی طرح چولا خاندان کی تاریخ کے بارے میں بھی ہماری واقفیت جس کو معتبر اور مستند کہا جا سکے، بہت کم تھی۔ گذشتہ صدی کے ابتدائی دَور میں کرنل میکنزی نے صوبۂ مدراس کے قدیم آثارِ باقیہ کا جائزہ لینے اور اُن کو جمع کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی، تاہم ضلع تنجور میں اُس کے کارندے قدیم چولا حکمرانوں کے متعلق "چولا ونسا کرتم" نامی کتاب سے زیادہ نمایاں کوئی اور مآخذ دریافت نہ کر سکے۔ یہ کتاب زمانۂ مابعد کا ایک "ستھل پُران" ہے جس میں زیادہ تر فرضی افسانے اور معجزے مذکور ہیں۔ پُرانی روایتوں سے اِس خطّے کے قدیم حکمرانوں کی تاریخ معلوم ہونا تو درکنار، یہ پتہ بھی نہیں چلتا کہ چولا خاندان کے چوراسی راجہ ہوئے ہیں یا سولہ۔ علم کتبات میں گذشتہ پچاس سال کے دَوران جنوبی ہند میں نمایاں ترقی ہوئی ہے۔ ہلٹش، وینکیا اور کرشنا شاستری جیسے مؤرخین نے بیشتر کتبات کی عالمانہ تفسیریں شائع کی ہیں۔ سنگم لٹریچر کا جو اب تک محفوظ تامل تصانیف میں قدیم ترین مجموعۂ تصانیف ہے، بیشتر حصہ دستیاب ہو کر شائع ہو چکا ہے، لہٰذا اب یہ ممکن ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہے کہ چولا حکمرانوں کی تاریخ کا ایک سیر حاصل مطالعہ کیا جائے تاکہ اب تک کے برآمد شدہ نتائج کی روشنی میں اس خاندان کی صحیح تاریخ مرتب کی جا سکے۔

اِس نوعیت کے کام کا بیڑہ اٹھانا سچ مُچ ایک بڑا خطرہ مول لینا ہے، بالخصوص

انسانی علوم کی ایسی شاخ جس میں تازہ انکشافات اور پرانے مواد کی جدید تفسیر و تاویل
کے پیشِ نظر یہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ ہماری معلومات کی عمارت تعمیر ہونے سے پہلے ہی
منہدم نہ ہو جائے۔ اِس کی بنیادوں کا نئے نئے انکشافات کے باعث گاہے گاہے
متزلزل ہو جانا قدرتی امر ہے۔ لیکن جہاں تک چولا خاندان کی تاریخ کا تعلق ہے، اِس
طرح کے خدشات بے بنیاد ہیں۔ اِس لیے کہ اب تک کے حاصل کردہ نتائج مستقل اور
معتبر نوعیت کے ہیں۔ اگر ان اقدامات کو بہ نظرِ غور دیکھا جائے جن سے چولا خاندان کی
تاریخ کی ترتیب تو اس وقت سے ہو رہی ہے جب سے مشرقی چالوکیہ خاندان کے تانبے
کے کتبوں سے حاصل شدہ معلومات اور تنجور اور تامل پردیش کے دوسرے مقامات
کے کتبوں سے ملنے والی شہادت کا باہمی تعلق دریافت ہوا ہے تو شکی سے شکی دانشور
بھی اِس امر کا قائل ہو جائے گا کہ جنوبی ہند کی تاریخ میں اکتسابی علم کے ایک مستقل
باب کا اضافہ ہوا ہے۔ حال ہی میں راجندر اوّل کے کرن دئی کے کتبے اور دیر راجندرا
کے عہد کے "چارالا" کتبے[1] دریافت ہوئے ہیں مگر اِن سے بھی چولا خاندان کی سیاسی
تاریخ کے عمومی خاکے میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں آ سکی۔ اس لیے اب چولا حکمرانوں کی
سیاسی تاریخ کا واضح بیان نہ صرف ممکن ہے بلکہ اُس کی ایک مستقل افادیت بھی ہے۔
ایسے کام کو شروع کرنے کا جواز اور بھی مل جاتا ہے جب ہمارے مشاہدے میں یہ بات آتی
ہے کہ اپنے نظامِ حکومت اور ادبی اور فنی ترقی کے اعتبار سے دسویں صدی سے
تیرھویں صدی عیسوی تک چولا سلطنت کا زمانہ تامل تہذیب کے انتہائی عروج کا زمانہ
تھا۔ اِسی سلطنت کے زمانۂ اقتدار میں جنوبی ہند کے لوگوں نے فنِ جہاز رانی میں اتنا
کمال حاصل کیا کہ مشرقِ بعید کے ممالک میں نہ صرف اپنی تجارت کو فروغ دینے میں کامیاب
ہوئے بلکہ خاصے عرصے تک سمندر پار کے ممالک پر بھی حکمراں رہے۔ ایک داستان
کے سنانے میں جو ملک کی گذشتہ زندگی کے ایک طویل حصّہ پر حاوی رہی ہو اور رنگینی
اور واقعات سے بھرپور ہو دیر نہیں کرنی چاہیے۔ ساتھ ہی ساتھ ہمیں اِس حقیقت
پر بھی نظر رکھنی ہوگی کہ اِس داستان کے چند پہلو ابھی تک تشنۂ تحقیق ہیں۔ یہ تحقیق
اگر مکمل ہو چکی ہوتی تو اُس سے استفادہ کرنا ہمارے لیے ممکن ہوتا۔ تاہم مجموعی طور پر
ہم اِس داستان کی جو تصویر پیش کریں گے وہ نہ صرف اِس تحقیق کی ضرورت و اہمیت

کی نشان دہی کرے گی بلکہ اُس کو بروئے کار لانے میں بھی معاون ہوگی۔

موضوع کی تقسیم

قدرتی طور پر چولان خاندان کی تاریخ چار حصّوں میں منقسم ہے:-
(۱) سنگم لٹریچر کا زمانہ (۲) سنگم کے اختتام اور وجیالہ خاندان کی ابتدا کا درمیانی وقفہ (۳) وجیالہ خاندان کی حکومت جس کو نویں صدی عیسوی میں عروج حاصل ہوا اور (۴) کلوتنگا اوّل اور اس کے جانشینوں کا زمانہ، گیارہویں صدی کے تیسرے ربع سے تیرہویں صدی کے وسط تک۔ تنجور کے نواح میں وجیالہ راجاؤں کے برسرِ اقتدار آنے سے تقریباً دو صدی پہلے کوڈپاہ۔ کرنول اور اننت پور کے تیلگو اضلاع میں جس چولا ریاست کا عروج تھا (۲) اُس کے حکمران خود کو کاریکل کی نسل سے منسوب کرتے تھے۔ لیکن قدیم چولا راجاؤں سے اُن کے تعلق کا کوئی صاف پتہ نہیں چلتا۔ اس کے علاوہ بارہویں صدی عیسوی سے متعدد مقامی شاہی خاندانوں کا بھی پتہ چلتا ہے جو خود کو کاریکل کی اولاد اور اپنا گوتر کیشپ بتاتے تھے۔ لیکن سوائے روایتی شجرۂ نسب کے اُن کا تامل خطّے کے چولا حکمرانوں سے کسی حقیقی واسطے کے موجود ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ لہٰذا زمانہ مابعد کے اِن تیلگو چوڈا راجاؤں کا محض سرسری ذکر ہی اِس تاریخ میں کافی ہوگا۔ اِن راجاؤں نے تانبے اور پتھر کی تختیوں پر کندہ تحریروں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے۔

قدیم زمانے کے مآخذ

قدیم چولا حکمرانوں کے متعلق ہماری معلومات کا سب سے اہم مآخذ قدیم تامل زبان کا وہ لٹریچر ہے جو تیسرے سنگم کے نام سے موسوم ہے۔ "پیرپیلس" اور مؤرخ ٹالیمی کے یہاں چولا سلطنت اور اُس کے شہروں، بندرگاہوں اور تجارت کے متعلق جو مختصر حوالے ملتے ہیں، سنگم لٹریچر کی روشنی میں اُن کی بہترین تشریح ملتی ہے۔ کلاسیکی مصنّفین کی تحریروں اور سنگم لٹریچر میں حیرت انگیز ہم آہنگی یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ یہ لٹریچر عیسوی سن کی ابتدائی صدیوں کی تخلیق ہے۔ اس زمانے کی ایک قابلِ ذکر کتاب "مہاوسا" میں شری لنکا کے اصلی باشندوں اور تامل علاقے سے وہاں گئے ہوئے مہاجروں کے

درمیان کچھ تنازعات کا ایک دھندلا سا ذکر ملتا ہے۔ سنگم لٹریچر کی نظموں اور "مہاومسا" میں افراد و مقامات کے جو نام دیے گئے ہیں، اُن کے باہمی تقابل سے اِن تنازعات کی اچھی خاصی وضاحت مل جاتی ہے۔ کنکسبھائی نے راجا گج باہو اوّل اور چیرا خاندان کے حکمران شینگو ٹوّن کے ہم عصر ہونے پر کچھ شبہات کا اظہار کیا تھا۔ لیکن اِس کا ثبوت صرف بات سے ہی نہیں ملتا کہ "مہاومسا" اور "سشلپدیکارم" جیسی کتابوں میں سری لنکا کے حکمرانوں کے نام ایک جیسے دیے گئے ہیں بلکہ اِس بات سے بھی اِس کی تصدیق ہوتی ہے کہ جنوبی ہند اور اُس کے پڑوسی جزیرہ سری لنکا کے مابین گہرے سیاسی اور ثقافتی تعلقات موجود تھے۔

اب تک سنگم لٹریچر سے جو اِس وقت موجود ہے کتنی مدت کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے، بدقسمتی سے اِس امر کی صحیح نشان دہی کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن اغلب ہے کہ یہ مدت پانچ یا چھ پشتوں سے زیادہ نہیں ہے۔ "شلپدی کارم" اور "منی میکلائی" کی ایسی طویل رزمیہ داستانوں کو چھوڑ کر جو متفقہ طور سے سنگم زمانے کے بعد کی تصانیف ہیں ہم تک منظم شعری مجموعوں کی شکل میں پہنچی ہیں۔ اُن میں سے "پتّانوُدُو" کی طرح کی بعض کتابوں کی ترتیب نہایت پیچیدہ ہے۔ اِن کی ہر نظم کے ساتھ نظم کے خالق اور اُس کے موضوع کے متعلق ایک تتمّہ بھی شامل ہے۔ اس لٹریچر کے "پورم" نامی حصّے میں وہ نظمیں دی گئی ہیں جن میں واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ ان نظموں میں متعلقہ راجاؤں اور سرداروں کے نام بھی دیے گئے ہیں۔ اُن حالات کا ذکر بھی ہے جو اُن کی مدح کے محرک ہوتے۔ دراصل ان نظموں کے تتمّوں ہی سے راجاؤں اور سرداروں کے ناموں اور اُن شاعروں اور شاعرات کے ناموں کا پتہ لگتا ہے، جو اُن کی زیرِ سرپرستی رہے۔ ان نظموں سے شاذ ہی اُن ناموں پر کوئی روشنی پڑتی ہے۔ ان ناموں کی ایسی ترتیب وار فہرستیں تیار کرنا جن کی مدد سے مختلف دور کے ہم عصر شعراء اور حکمران ایک دوسرے سے ممتاز ہو سکیں کوئی آسان کام نہ تھا۔ بعض مصنفین نے محض تخیّل کے زور پر ایسے شجرۂ نسب گھڑ دیے ہیں جن کی تاریخی ماخذ سے کوئی تصدیق نہیں ہوتی۔ دوسروں نے اِس لاحاصل کوشش میں اپنی ناکامی کا اعتراف کیا ہے اور ان نظموں کے تتمّوں کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا ہے کہ یہ بعد کی غیر معتبر اور من گھڑت قیاس آرائیاں ہیں۔ جن پر جدید مؤرّخوں کو اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اِس سے پیشتر کہ ہم اِس مشورے کو قبول کریں اِس بات کو یاد رکھنا بہتر ہوگا کہ "کالیتوگائی" جیسے بعض شعری مجموعوں

کے متعلق یہ تسلیم شدہ ہے کہ وہ ایسے شاعر نے مرتب کیے ہیں جس کا اپنا کلام بھی اس میں شامل ہے۔ اور یہ بھی کہ ان شعری تصانیف اور اس میں شمولہ نظموں سے متعلق ادبی روایات کی صحت سے انکار کی کوئی مدلل وجوہ اب تک سامنے نہیں آئی ہیں[5]۔ ان نظموں سے جو معلومات بہم پہنچی ہیں ان کو زیر بحث لاتے ہوئے ہمیں یہ بات بھی نظر میں رکھنی ہوگی کہ ان کی حیثیت اتفاقی ہے، نیز یہ کہ ان کے مؤلف کا، جس نے ان کو ایک شعری مجموعے کی شکل میں یکجا کیا، جو مقصد تھا وہ تاریخ کے جدید محقق کا نہیں ہے۔ اگر یہ فرق ہمارے پیشِ نظر رہے گا تو ہم منتشر مواد سے ایک مربوط افسانہ تیار کر دینے کی غلطی کے آسانی سے مرتکب ہو جائیں گے۔

وجیالا خاندان

وجیالا کے چولا حکمرانوں کے بارے میں ہمیں کثیر قابلِ اعتبار مواد مختلف مآخذ سے مل جاتا ہے۔ اس سے اُن کی تاریخ بیان کرنا مقابلتاً آسان ہو گیا ہے۔ لیکن زمانۂ سنگم کے اختتام سے سلطنت وجیالا کی ابتدا تک کے درمیانی وقفے یعنی پانڈیا پلو کے تسلط کے زمانے میں چولا حکمرانوں کے حالات کے متعلق ہمارے پاس کوئی تاریخی دستاویز نہیں ہے۔ پلوا اور چالوکیہ عہد کے کتبات میں ان کے متعلق دو ایک حوالے ملتے ہیں۔ اُن پر اُس زمانے کے رشومت اور دشمنوں کے رشتہ سے سوانح حیات سے کوئی خاص اضافہ نہیں ہوتا۔

کتبات

وجیالا خاندان نے پتھر پر کندہ تحریروں کی ایک بڑی تعداد اور تانبے کی تختیوں پر کھدے ہوئے چند عطیہ نامے جو ایک مورخ کے لیے بہت بیش قیمت ہیں اپنے پیچھے چھوڑے ہیں۔ نامور حکمران راج راجا اوّل کو جس کے عہد میں جنوبی ہند کی بادشاہت کو اتنا عروج حاصل ہوا جتنا کہ پہلے کبھی نہ ہوا تھا ایک ترکیب یہ سوجھی کہ اپنے تمام کتبات کے آغاز میں ایک غیر متبدل تاریخی تمہید کندہ کروائی جس میں اس کے عہد کے اہم کارنامے ایک مرصع اور شاعرانہ طرز میں بیان کیے جائیں اور ان میں گاہے گاہے اضافے کر کے تازہ واقعات بھی شامل کر دیے جائیں۔ راج راجا کی تخت نشینی سے صدیوں پہلے راجاؤں اور سرداروں میں یہ عام رواج تھا کہ وہ کتبات میں اپنے حسب و نسب اور ضمناً اپنے اور اپنے بزرگوں کے

نمایاں کارناموں کا ذکر کرتے تھے ۔ ایسا کرنے میں وہ اُن قواعد کی پابندی کرتے تھے جو رعایا
کے حقوق کے متعلق فرمان جاری کرنے اور عطیے دینے کے لیے ملک کے دھرم شاستر اور سمرتی
نے وضع کیے تھے ۔ لیکن اِس طرح کی تحریریں عموماً صرف تانبے کی تختیوں پر کندہ منظوری ناموں
(اتہاسں) ہی میں پائی جاتی ہیں اور یہ ہر نئے موقع پر از سرِ نو لکھی جاتی تھیں ۔ اِس سے
جہاں منظوری نامے (پرستی) کو شعری سانچے میں ڈھالنے والے شاعر کو پروازِ تخیل کے
لیے وسیع میدان مل جاتا تھا وہاں مختلف منظوری ناموں میں ایک ہی راجا کے متعلق متضاد
اور گمراہ کن بیانات بھی ملتے تھے ۔ اِس لیے راج راجا نے پتھر پر اپنے عہدِ حکومت کے اہم واقعات
کا سرکاری اور معتبر بیان ایک غیر متبدّل صورت اور عوام کی زبان میں کندہ کروانے کے احکام
صادر کرکے جسے اُس کے جانشینوں نے بھی جاری رکھا ایک ایسا رواج ڈالا کہ اُس سے نہ صرف
اُس نسل کے حکمرانوں کی خود پسندی کو تسکین ملی بلکہ مؤرّخ کو بھی اُن میں سے ہر راجا کے عہدِ
حکومت کے بارے میں غیر معمولی اہمیت کی تاریخی دستاویزیں دستیاب ہو گئیں[۱۲] ۔ اِن میں
سے بیشتر تاریخی تمہیدیں" جنوبی ہند کے کتبات" نامی کتاب کے ابتدائی حصص میں مؤرّخین
ہلتش اور وینکیا کی عالمانہ بحث اور تشریح کا موضوع رہی ہیں اور اگرچہ اِن "نمے کیرتی کل "
تمہیدوں کو کبھی ازراہِ مذاق "بوئے کیرتی کل" بھی کہہ دیا گیا ہے یہ عموماً اُس عہد کے ملکی
واقعات اور عام تاریخ کی نگارش کے لیے رہنمائی کرتی اور خاص خاص واقعات کا آزاد دلکش
اور معتبر موقع پیش کرتی ہیں ۔

اِن میں سے بہت کم کتبات اپنے مقصد اور نوعیت کے اعتبار سے واقعی تاریخی ہیں
مگر چند جو ایسے ہیں اُن میں " ترُوَدینڈی پُورم " کا وہ کتبہ ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے[۱۳] جس
میں راج راجا سوئم کی مصیبتوں اور اُس کے ہم عصر ہولسیالا حکمران کے بیچ میں پڑکر اُسے
اُن سے نجات دلانے کا تفصیلی ذکر ہے ۔ عام طور پر ان کتبات میں سرکاری اور نجی اوقاف
اور عطیوں کا ذکر ہے جو مندروں، اور برہمنوں کو دیے جاتے تھے ۔ کبھی کہیں مندر کی تعمیر یا
مرمّت یا کسی نئی مورتی کی ستھاپنا کے لیے امداد اِن کتبات کا موضوع ہے ۔ کسی مندر میں چراغ
جلائے رکھنے کے لیے انتظام عام طور پر ثواب کمانے یا گناہ کا کفارہ ادا کرنے کا ذریعہ سمجھا جاتا
تھا ۔ اِس کے اخراجات کے لیے کوئی رقم یا چند مویشی فی چراغ دیے جاتے تھے ۔ یہ بھی ہوتا تھا
کہ دو یا اُس سے زیادہ افراد مشترکہ طور پر ایک چراغ کے لیے عطیہ دیں اور اُس کا ثواب

اپنے اپنے حصے کے مطابق تقسیم کرلیں۔ اکثر یہ چراغ تمام دن اور تمام رات روشن رہتے تھے اور یہ دوامی طریقہ (نندا دِلکو) بن جاتا تھا۔ صرف دن کے چراغوں کا رواج بھی تھا اور تہوارلت کے چراغوں کا بھی جو عبادت والی راتوں (شِشدی) ہی میں جلائے جاتے تھے۔ جب چراغوں کا انتظام مویشیوں کے عطیہ سے ہوتا تھا تو اُس کے لیے "شا وا مُووا پراڈُو" کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی جس کے معنی ہیں وہ جسیم بھیڑیں جو نہ کبھی مرتی ہیں اور نہ بوڑھی ہوتی ہیں۔ دراصل اِس اصطلاح کے استعمال سے اوقاف اور عطیات کی دوامی حیثیت کا بیان کرنا مقصود ہوتا تھا۔ یہ اِس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ جہاں بھیڑوں کی بجائے گائیں عطیہ میں دی گئی ہیں وہاں بھی یہی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ اگر عطا شدہ مویشیوں کی تعداد بعد میں کسی وجہ سے کم ہوجاتی، جیسے ایک واقعہ میں گایوں کی تعداد تین سال کے اندر پچاس سے گھٹ کر چھبیس رہ گئی تھی تو معطی کی آئندہ ذمہ داری معین کرنے کے لیے اِس کمی کا لحاظ کیا گیا تھا۔ عطیے دینے والوں میں محض راجاؤں اور اُن کے عہدہ داروں ہی کا ذکر نہیں ملتا بلکہ اکثر انجمنوں کا ذکر بھی ملتا ہے جس میں کاروباری ادارے، پیشہ ور جماعتیں، ذات برادریاں، فوجی گروہ، دیہی پنچایتیں ہی نہیں بلکہ انفرادی طور سے مرد اور عورتیں بھی شامل ہیں۔ حُسن فروشوں کا ایک طبقہ "دیوراڈیار" (خدائی خدمت گار) بھی اکثر مندروں کے لیے قابلِ قدر عطیات دیتا تھا جس کے اعتراف میں مندر میں ہونے والی عبادتوں اور میلوں میں اُن کو خاص حقوق دیے جاتے تھے۔

بعض کتبات صریحًا ایسے فیصلوں اور اقرار ناموں کی اشاعت اور اُس کے مستقل تحفظ و بقاء کے لیے کندہ کرائے گئے تھے جو عوام کے لیے اہمیت رکھتے تھے۔ اِس قسم کے کتبات کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ مگر اِس میں شک نہیں کہ وہ تاریخ کے طالب علم کے عطیات کے کتبوں کے مقابلہ میں زیادہ دلچسپ اور مفید ہیں۔ اِن میں مالگذاری اور دیگر ٹیکسوں سے متعلق شاہی فرمان دیہی پنچایتوں کی اپنے آئینی انتظامات کے متعلق قرار دادیں مختلف برادریوں اور جماعتوں کے تنازعات میں پنچایتوں کے فیصلے۔ چوری، زنا، قتل اور دیگر جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو دی گئی سزائیں، اور خاص خاص علاقوں کے با اقتدار جاگیرداروں کے باہمی سیاسی معاہدے درج پائے جاتے ہیں۔ اکثر اوقات مندروں کی دیواروں پر منقش تحریریں عوامی دفترِ اندراجات کا کام دیتی تھیں۔ کیونکہ اُن کے ذریعہ سے دیہی اراضی کے حقوق کے انتقال، رہن اور بیع وغیرہ کی معتبر یادداشت محفوظ کردی،

جاتی تھی[1]۔ کئی جگہ ایسی یادداشت کے متعلق واضح طور پر درج ہے کہ یہ کسی اور تحریر کی نقل ہے۔ جو تانبے کی تختی پر کندہ ہے[12]۔ ترووِڈانے وائل (تنجور) کے ایک بے نظیر کتبے میں ایک مقامی مندر کے "ناتامم بندر" کی غیر معروف "دیوارم" کو اِس طرح محفوظ رکھا گیا ہے۔

چولا کتبات کی زبان اور رسم الخط

چولا کتبات کی زبان اور رسم الخط اُن کے مقام اور وقت کے لحاظ سے بدلتے رہے۔ عام طور پر اُن میں تامل زبان استعمال کی گئی ہے کئی کتبات سنسکرت میں بھی ہیں اور بعض میں سنسکرت اور تامل دونوں زبانوں میں کام لیا گیا ہے۔ کرناٹک اور تیلگو علاقوں میں بالترتیب کنڑ اور تیلگو زبانیں استعمال کی گئی ہیں۔ اکثر یہ فرض کر لیا گیا ہے[13] کہ جن علاقوں میں چولا حکمرانوں کے ایسے کتبات پائے جاتے ہیں جو تامل زبان میں کندہ ہیں۔ اُن سب میں چولا عہدِ حکومت میں تامل ہی مروّجہ زبان تھی جو چولا عہد کے بعد اِن علاقوں سے رفتہ رفتہ معدوم ہو گئی۔ یہ کتبات کم سے کم اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ چولا حکمرانوں نے کچھ عرصہ کے لیے جن غیر تامل علاقوں پر اپنا تسلط جما لیا تھا۔ اُن میں کچھ تامل آ کر آباد ہو گئے تھے۔ وجے نگر کے حکمرانوں اور اُن کے "نائک" نائبینِ سلطنت کے کتبوں کا کنڑ اور تیلگو زبان میں تحریر ہونا اور پھر ہوئسالیہ خاندان کی تیلگو اور کنڑ تحریروں کا ایسے علاقوں سے دستیاب ہونا جو واضح طور پر تامل علاقے تھے یہ ثابت نہیں کرتے کہ تامل علاقوں نے اِن کتبات کی تحریر کے وقت اپنی زبان بدل کر تیلگو یا کنڑ کر لی تھی۔ ۱۸۰۳ء کا تنجور کا طویل مراٹھی کتبہ اِس کی ایک اور مثال ہے۔ سن عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں پانڈیہ اور کیرا تامل زبان کے لیے "واٹے لُتّو" رسم الخط رائج تھا۔ پانڈیہ کے علاقوں پر چولا راجاؤں کا قبضہ ہو جانے کے بعد اس کی جگہ تامل نے لے لی[14]۔ البتہ "ملائے ناڈو" یعنی مالابار کے علیٰحدہ خطّے میں یہ اٹھارھویں صدی کے وسط تک رائج رہی۔ سنسکرت زبان کے لیے "گرنتھا" رسم الخط استعمال کیا جاتا تھا، جو تامل رسم الخط سے ملتا جلتا تھا۔ بہت سے ایسے کتبات شائع ہو چکے ہیں جن سے رسم الخط کی ارتقائی منزلوں کا صحیح پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن قدیم کتبات کی روشنی میں سلسلہ وار تاریخ مرتّب کرنا اِس کی صحت کی قطعی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اور اس لیے اِس پر بھروسہ کرنے میں احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ تانبے کی تختیوں کے مقابلے میں پتھر پر کندہ کتبات کے جعلی ہونے کا امکان کم ہے اور یہی

بات تو یہ ہے کہ چولا کتبات میں بہت کم کتبے غیر معتبر ہیں۔ اِس کی ایک بہت نمایاں مثال ایک ایسی تحریر ہے جس کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ راجا راجندر چولا راج کیسری کے عہدِ حکومت کے اُنتیسویں[29] سال میں کندہ کرائی گئی تھی[15]۔ اِس تحریر کی تاریخی تمہید میں مختلف راجاؤں کے عہدِ حکومت کے واقعات خلط ملط کر دیے گئے ہیں۔ جس کے باعث اِس کا معتبر ہونا شبہ سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اِس کی قدامت چودھویں صدی عیسوی کی ہے اور یہ ایک ایسے مندر میں پائی گئی جس کی دیواروں پر راجہ راجندر سوئم کے زمانے سے قبل کی کوئی تحریر نہیں ملتی۔

منادر (مندر)

چولا عہد میں عمارتی پتھر کے مندروں کی تعمیر کا سنہری زمانہ دسویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا تھا نئے تعمیر ہونے والے مندروں کی دیواریں، ستون اور کرسیاں کندہ عبارتوں سے پُر ہوتی جاتی تھیں۔ اِس ضمن میں تنجور میں راج راجیشور کے بڑے مندر سے اُس زمانے کے ایک عام رواج سے پتہ چلتا ہے[16] کہ جب کبھی کسی پُرانے مندر کو اُس کی از سرِ نو تعمیر کی غرض سے مسمار کیا جاتا تھا۔ تو اُس کی دیواروں پر کندہ عبارات کو کتابوں میں نقل کر لیا جاتا تھا اور بعد میں نئی عمارت کی دیواروں پر ثبت کر دیا جاتا تھا۔ کبھی کبھی اینٹ کے مندروں کی دیواروں پر بھی کتبے ہوتے تھے[17]۔ یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ حال میں ان قدیم عبادت گاہوں کی مرمت کرانے والوں کی جاہلانہ پارسائی نے اِن کتبوں کو کس قدر نقصان پہنچایا ہے[18]۔ اِس طرح کے نقصان کا سدِ باب کرنے میں ناروا تاخیر ہوتی ہے۔ بلکہ اُس نے تو ایسا طریقہ کار تک وضع نہیں کیا جس پر عمل کر کے اِن عمارات کی مرمت کرنے والے اِن کو کم سے کم نقصان پہنچا سکیں۔ بعض جگہوں پر کچھ عبارات چٹانوں اور ایسے بڑے بڑے پتھروں پر کندہ ملی ہیں جو کسی مندر کا حصّہ نہیں ہیں۔ لیکن ایسی مثالیں بہت کم ہیں۔

قدیم داستانوں میں مذکور راجگان

تانبے کی تختیوں پر منقوش کچھ عطیات کے فرامین ہیں جنھیں "ان بل"، "ہترہ الگاتد"

اور "کرن وائی" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ نیز کنیا کماری کے پتھر کے کتبوں اور راجا ویندر چولا کی "چارالا" تختیوں میں کچھ طویل فرضی شجرۂ نسب درج ہیں، جن کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ چولا حکمران سورج ونشی خاندان سے ہیں۔ پرتھوی پتی دوم ہستی مل کے زمانے کے کتبات میں وجیالیہ کے روایتی اسلاف کی مقابلتاً بہت مختصر فہرست ملتی ہے۔ ان روایتی فہرستوں میں جو ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں[۱۸]۔ مذکورہ ناموں سے صرف دو باتیں ہی تاریخی حیثیت رکھتی ہیں: ان میں سے صرف کاریکل، کوچن گنان اور شاید کلی بھی ان ناموں سے مشابہت رکھتے ہیں، جن کا ذکر ہمیں سنگم لٹریچر میں ملتا ہے۔ ان بادشاہوں کے ناموں اور چند قصوں کے علاوہ مثلاً منو نے اپنے بیٹے کو رتھ کے پہیوں کے نیچے کچل کر ایک بچھڑے کو مار ڈالنے پر موت کی سزا دی۔ یا شبی نے اپنا گوشت دے کر ایک فاختہ کی گدھ سے جان بچائی، ایسی کسی بات کا پتہ نہیں چلتا جس سے یہ معلوم ہو کہ چولا خاندان کی وجیالیہ شاخ کا ان قدیمی چولاؤں سے کیا واسطہ تھا جس کا ابتدائی تامل لٹریچر میں ذکر ہے۔ "کاریکل" اور "کوچن گنان" کے بارے میں بھی تانبے کی تختیوں میں درج شدہ حالات کی نوعیت تاریخی کم اور افسانوی زیادہ ہے اور اس سے قبل کے ادبی تذکروں کے ساتھ ان کی کوئی کڑی مشترک نہیں ہے۔

علم ہیئت پر مبنی حقائق

پتھر کے کتبات میں بیشتر ایسے علمی اعداد و شمار دیے گئے ہیں جو بعد کے پانڈیا عہد کے کتبات سے کم پیچیدہ ہیں اور جن سے کیلہارن اور دوسرے مؤرخین نے چولا تاریخ کے سلسلہ وار واقعات کے تعین کے لیے بہت مفید نتائج برآمد کیے ہیں۔ لیکن ان اعداد و شمار کی اہمیت کے بارے میں مبالغہ آرائی کرنا بھی آسان ہے۔ "اگر کوئی تاریخ کسی تحریر میں صحیح درج کر دی گئی ہے تو اسی طرح کسی تذکرے میں غلط تاریخ کے اندراج سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ یہ تذکرہ ہی جھوٹا ہے[۲۱]۔" بہت کم کتبات میں شک سمت یا کلی یگ سمت دیا گیا ہے[۲۲]۔ لیکن اکثر اوقات ان میں دی ہوئی تفصیلات اتنی مکمل اور صحیح ہیں کہ اُن کی اور تاریخی تمہیدوں کی جو اکثر راجہ خصوصیت سے درج کراتے تھے ان کی مدد سے اہم اور سلسلہ وار تاریخی حقائق معلوم ہو جاتے ہیں۔ جو نتائج ان کتبات سے اخذ کیے گئے ہیں اُن سے پتہ چلتا

ہے کہ جہاں تک ممکن ہوتا تھا چولا حکمران اپنے جانشین کا انتخاب خود ہی کرتے تھے اور اپنی حیات ہی میں اُن کو ملک کے نظم و نسق میں شریک کر لیتے تھے۔ اِس سے دو فائدے ہوتے تھے۔ ایک تو جانشینی کے وقت کسی تنازعہ کی گنجائش نہیں رہتی تھی۔ دوسرے ملک کے حکمرانوں کو اوائل عمر ہی میں انتظام سلطنت کی تربیت کے مواقع حاصل ہو جاتے تھے۔

نظم و نسق

اکثر کسی شاہی فرمان کے جاری ہونے یا کسی معاملے کے طے ہونے کے بعد اُس کو پتھر پر کندہ کرانے تک برسوں کا وقفہ ہو جاتا تھا۔ مثال کے طور پر راجہ پرانتکا اوّل کے عہد کے تیسویں سال میں ایک رقم بطور وقف منظور کی گئی تھی لیکن پتھر کے کتبے میں بتایا گیا ہے کہ اِس رقم کا کچھ حصّہ اِس راجہ کے عہد کے پینتیسویں برس میں پڑوس کے ایک گاؤں کی پنچایت میں لگایا گیا۔ چند اہم کتبات میں اُن مختلف مراحل کا ذکر آیا ہے جو کسی شاہی فرمان، بالخصوص محکمۂ مال کے معاملات سے متعلق کسی حکم کے صادر ہونے اور اُس کی تعمیل کیے جانے کے درمیان پیش آتے تھے۔ ان کے بغور مطالعہ سے اُس کے انتظامیہ ڈھانچے اور کام کے طریقوں کی بابت کافی مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ان سے بہت سے ٹیکسوں، محصولوں اور دیگر کئی طرح کے واجبات کا بھی پتہ چلتا ہے، اگرچہ ان ٹیکسوں کے لیے جو نام استعمال کیے گئے ہیں وہ بعض جگہ آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے۔ اکثر جگہوں کے ناموں کی تبدیلی کا بھی پتہ چلتا ہے جو چولا عہدِ حکومت کی ایک امتیازی خصوصیت رہی ہے۔ ان کتبات سے اُس وقت کی سوسائٹی، مذہب اور علوم و فنون کے متعلق بھی واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

دیگر خاندانوں کے عہد کے کتبات

پڑوسی خاندان کے کتبات سے بھی چولا حکمرانوں کی تاریخ پر براہِ راست روشنی پڑتی ہے۔ چولا عہدِ حکومت کی یادداشتیں جو تصوّرات دیتی ہیں، ان کی تصدیق اور تصحیح میں کرشنا سوئم کے عہد کے "راشٹرکتا" کتبات، مشرقی چالوکیہ خاندان اور مشرقی گنگا خاندان کے کتبات اور مغربی چالوکیہ خاندان کے کتبات سے کافی مدد ملتی ہے۔ چولا اقتدار کے زوال کے وقت تک تو بعض ممتاز جاگیردار خاندانوں اور کوپیرن چنگا جیسے بعض مقتدر افراد کے

کے متعلق ریکارڈ بھی کافی اہمیت حاصل کر لیتے ہیں۔ چولا عہد کے زوال کے وقت کی سیاست کا کچھ پتہ ہوئیالا خاندان کے عہد کی یادداشتوں سے بھی چلتا ہے۔

عمارتی یادگاریں

کتبات کے بعد جو تاریخی ماخذ سب سے زیادہ دلچسپ اور سبق آموز ہے وہ عمارتیں ہیں۔ مندر، اُن کے منقش وسیع کرے اور اُن کے بُرج چولا عہد پر سب سے زیادہ روشنی ڈالتے ہیں۔ یہی وہ زمانہ تھا جب کانسے کی مورتیاں ڈھالنے کا فن اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا۔ چولا عہد کے بہت سے مندر اگرچہ ابھی تک اچھی حالت میں ہیں لیکن ان کے فن تعمیر اور فن بُت گری کی بابت باضابطہ تحقیق کرنے کی بہت کم کوشش کی گئی ہے۔ "ایم جوویوڈُوبریل" نے اپنی کتاب "آرکیالوجی ڈُو دُکّن ڈیل انڈی" میں اُس عہد کے اِن فنون کے عام خصوصیات، بڑی خوبصورتی سے بیان کی ہیں، لیکن مزید معلومات کے لیے ہمیں محکمہ آثارِ قدیمہ کی رپورٹوں پر جگہ جگہ بکھرے ہوئے بے ترتیب تذکروں ہی پر اکتفا کرنی پڑتی ہے۔ جب سطحِ زمین پر استادہ عمارتوں کی طرف اتنی کم توجہ دی گئی ہے تو اُن قدیم عمارتوں کی کھدائی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے جو زیرِ زمین دفن ہیں پھر بھی جنوبی ہند کی قدیم تاریخ کے لیے علمِ آثارِ قدیمہ کی اس شاخ کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔[۲۲]

سِکّے

سکّوں کی چھان بین باقیماندہ ہندوستان کی تاریخ مرتب کرنے کے لیے علمِ آثارِ قدیمہ کی ایک اہم اور دلچسپ شاخ ہے۔ لیکن جنوبی ہند کی عام تاریخ کے بارے میں، صرف چند مثالوں کو چھوڑ کر ان سے کچھ زیادہ استفادہ حاصل نہیں ہوتا۔ البتہ جنوبی ہند کے سکّوں کا "ابھی تک اتنا سائنٹفک مشاہدہ نہیں کیا گیا ہے۔ جتنا کہ شمالی ہند کے سکّوں کا جس سے ان کے متعلق بیش بہا تاریخی معلومات حاصل ہوئی ہیں"[۲۳] رومن سکّوں اور مدورا کے سلاطین کے عہد کے سکّوں کی مقابلتاً زیادہ چھان بین کی گئی ہے اور اُس سے خاصی اچھی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ جنوبی ہند میں چولا حکمرانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں سونے اور چاندی اور تانبے کے سکّوں کے ٹکڑے تو آئے دن دستیاب ہوتے رہتے ہیں۔ مجموعی طور پر ان

سکّوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ ہے جس میں سکّے کے دونوں طرف بیچ میں چولاؤں کا علامتی شیر کا نشان ثبت کیا گیا ہے اور اس کے دائیں بائیں، تحت ریاستوں کے نشان ہیں، یعنی چیرا خاندان کی کمان کا اور پانڈیہ خاندان کا مچھلی کا نشان، اس کے علاوہ حکمران کا نام بھی سکّوں پر پرو دیا ہوا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جنھیں مؤرخین پرنسپ اور ایلیٹ نے "لنکا چھاپ" سکّے کا نام دیا ہے۔ جن کے سیدھے رُخ پر ایک کھڑے ہوئے نیم مہذب انسان کی شبیہہ اور پشت کی طرف اِسی انسان کی شبیہہ بیٹھی ہوئی حالت میں دی گئی ہے۔[29]

چونکہ "لنکا چھاپ" سکّے پہلے پہل راجا راجندر اوّل کے زمانے میں ملتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ اِس چھاپ کے سکّے کافی بعد تک، یعنی راجہ کلوتنگا اوّل کے عہدِ حکومت تک رائج رہے۔ اِس لیے اِس خیال کو کہ یہ "لنکا چھاپ" سکّے اوّل الذکر قسم کے سکّوں سے بعد کے زمانے کے ہیں تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ابھی اِس بات میں بھی شبہ ہے کہ راج راجا اوّل سے پہلے کے سکّوں کے نمونے دستیاب ہوئے ہیں یا نہیں۔ اِس لیے "لنکا چھاپ" اور دوسری قسم کے سکّوں کو ایک ہی زمانے کا ماننا پڑے گا۔ چولا حکمرانوں کے جو بھی سکّے ہمارے علم میں آئے ہیں اُن کا ابھی تک اُس وقت کے کتبات میں مذکور سکّوں کے ساتھ موازنہ نہیں کیا گیا ہے۔

لٹریچر

دوسرے ممالک میں لٹریچر تاریخ کا سنگِ بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں اکثر اِس اصول کو تسلیم کرنے سے دھوکا ہوا ہے۔ کئی جدید مؤرخین نے افسوس ظاہر کیا ہے کہ قدیم تاریخ کے کسی بھی حصّے کی صرف لٹریچر کی شہادتوں پر بنیاد قائم کرنا ناممکنات سے ہے۔ نہ صرف یہ کہ ہمارے پاس ایسی تصانیف کی کمی ہے جن کو تاریخی کہا جا سکے بلکہ بہت تھوڑی قدیم تصانیف ایسی ہیں جن کے بارے میں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ کب اور کہاں تصنیف کی گئیں۔ رامائن اور مہابھارت جیسی عظیم تصانیف پر بھی جو صدیوں سے ہماری قومی ثقافت کا سرمایہ سمجھی جاتی رہی ہیں، بار بار نظرِ ثانی کی گئی ہے۔ لیکن اِس پر نظرِ ثانی کرنے والے کون تھے اور کب اور کس حد تک انھوں نے اِن پر نظرِ ثانی کی، اِس کی تصویر اِس قدر دھندلی ہے کہ اِن تصنیفات سے اخذ کردہ نتائج کا تاریخ نگاری میں ہوش مندی سے استعمال کرنا

تقریباً ناممکن ہے۔[11] آخر یہ اُن چند تصانیف میں بھی، جن کے مصنفین اور مقام تصنیف کا ہمیں علم ہے، زیادہ تر صفحات اسی قسم کے بیانات میں ضائع کیے گئے ہیں اور شاذ ہی ان میں کوئی بات صاف کہی گئی ہے۔

تامل لٹریچر میں سنگم کے زمانے کی نظمیں حقیقت پر مبنی ہیں اور ظاہراً دیکھنے میں معتبر بھی ہیں۔ ان میں خامیاں نہیں ہیں جو کسی طویل عہد کے لٹریچر میں در آتی ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ان میں واقعات کا تاریخ وار بیان بہت مبہم ہے۔ نیز ان نظموں میں بالخصوص جو چولا عہد حکومت میں لکھی گئیں اور جن کے مصنفین اور لکھے جانے کی تاریخیں ہمارے علم میں ہیں، درباری شاعری کے تمام نقائص بدرجہ اتم موجود ہے۔ پھر بھی ان خامیوں کو ممکن حد تک نظر انداز کرنے کے بعد اس ملکی لٹریچر سے یا چولا سلطنت کی تاریخ کے متعلق جو شہادتیں ملتی ہیں اُن کو بہت حقیر نہیں کہا جا سکتا اور یہ علم آثار قدیمہ سے ملنے والی شہادتوں کی کمی کو پورا کر سکتی ہیں بشرطیکہ احتیاط سے ان کا استعمال کیا جائے۔

وجیالیہ اور اُس کے جانشینوں کا عہد حکومت جنوبی ہند میں ایک عظیم ادبی اور مذہبی تجدید واحیا کا زمانہ تھا۔ دسویں یا گیارہویں صدی عیسوی میں جنوبی ہند کے شیومت کی کتابوں کو نامبی اندار نامبی نے موجودہ شکل میں ترتیب دیا۔ وہ اس دور کا پہلا ہی مصنف تھا اور اس کی ان تصانیف کی بنا پر ایک زیادہ مفصّل کتاب "تروتوندر پُرانم" جسے عام طور پر "پیریا پُرانم" کہا جاتا ہے شیکی لار بارہویں صدی میں یا بہ کلوتنگا دوم کا ہم عصر تھا۔ اُن مصنفوں نے جن روایات کو کتابی شکل دے کر محفوظ کر دیا ہے وہ بے شک بڑی اہمیت رکھتی ہیں لیکن اِن کی حیثیت صرف اس قدر ہے کہ وہ اس عہد کے عقائد کی شہادت دیتی ہیں۔ نہ کہ اس لیے کہ ان کے شیومت کی ابتدائی تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔ اس فرق کو وہ مصنفین نہیں سمجھ سکے ہیں جنھوں نے ان معاملات کے متعلق جی کھول کر شیکلار سے استفادہ کیا ہے۔ جو اس کی زندگی کے سینکڑوں برس پہلے پیش آ چکے تھے۔ اس کے علاوہ "پیریا پُرانم" کا اگر احتیاط سے مطالعہ کیا جائے تو اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نامبی اندار نامبی نے سنتوں کے متعلق جو مختصر یادداشتیں مرتب کی ہیں اُن میں بعض تفصیلات نہیں پائی جاتیں جو شیکلار کی تصانیف میں پہلے پہل دیکھی گئی ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ شیکی لار نے اپنے تخیل اور عوامی عقائد ہی کو اپنے لیے شمع راہ بنایا ہو۔ یہ تفصیلات اِس لحاظ سے کتنی ہی اہم ہوں کہ یہ شیومت

کی مقدّس کتابوں کے فروغ کی نشاندہی کرتی ہیں، تاہم اُنھیں ہندوستان میں شیومت کی ابتدائی تاریخ کا اس وقت تک حصّہ تسلیم نہیں کرنا چاہیے جب تک کتبات یا ایسے ہی معتبر ذرائع سے اِن کی تصدیق نہ ہو جائے۔ اِس لیے مناسب یہ ہے شیکی لار کی عظیم تصنیف میں جو خوبصورت قلمی تصاویر افراط سے ملتی ہیں ہم اُنھیں ایک گزرے ہوئے عہد کا حقیقی عکس ماننے کے بجائے اُس زمانے کی زندگی اور معاشرے کی، جو مصنّف نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی، صرف ایک مثالی تصویر سمجھیں۔ اِس طرح اچھوت سنت نندا کی کہانی میں برہمنوں کے گاؤں آدنور اور اُس سے ملے اچھوتوں کے گاؤں کا جو ذکر آیا ہے، اُسے چولا عہد کی دیہاتی زندگی کی تصویر کھینچنے میں استعمال کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اُس وقت کی اُن جانی بوجھی ادبی روایات کا جن کا ایسے بیانات کی تخلیق میں بہت بڑا حصّہ ہوتا ہے، لحاظ رکھا جائے۔

ایک ایسی ہی کتاب "چار ہزار مقدس بھجن" ہے جس میں ویشنو دھرم کے عقائد یکجا کیے گئے ہیں۔ یہ بھی لگ بھگ اُس زمانے کی ہے جب نامبی آندار نامبی نے شیو دھرم کے اصول یکجا کیے تھے۔ "دِویہ سورِن چرتیا" اور "گُرو پرم پرائے"، "ہیر یہ پُرانم" ویشنو نقطۂ نظر سے تکمیل کرتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ ویشنو دھرم کے سنتوں کی جنھیں "آنوار" کہا جاتا تھا، زندگی کی ایک مفصّل لیکن ناقابلِ یقین سلسلہ وار تاریخ پیش کرتی ہیں۔ یہ کتابیں جہاں اپنے زمانے کے مذہبی عقائد اور روایات بیان کرتی ہیں وہاں راماٗنج کی قدر و قیمت اور شیو دھرم کی تاریخ میں اُن کا مقام متعین کرنے کے لیے ضروری پس منظر بھی فراہم کرتی ہیں۔ ان آلوار کتابوں میں جو تبصرے کیے گئے ہیں وہ ایک مبہم زبان میں ہیں جو سنسکرت زیادہ اور تامل کم ہے۔ یہ تبصرے اگرچہ چولا عہد کے کچھ عرصے بعد لکھے گئے ہیں، ہمارے لیے خاصے اہم ہیں کیونکہ اُن میں چولا عہد کے بعض واقعات کا سرسری ذکر بھی ملتا ہے۔ اُن کی یہ خصوصیت اور زبان جو ان میں استعمال کی گئی ہے اکثر ہمیں چولا عہد کے کتبات کی تشریح میں مدد دیتی ہے۔

غیر مذہبی لٹریچر میں جن کتابوں کے سنِ تصنیف کا ہمیں صحیح علم ہے، اُن میں ہمارے نقطۂ نظر سے دلچسپ ترین کتابیں بُدھ مترکی "ویرا شرویتم" جیین گونڈا کی "کالنگتوپرانی" اور "اوٹا کوتن" کی تینوں "اُلائیں" اور "کُوتنگن پلیت تامل" ہیں۔ اوّل الذکر کتاب

ویرراجندر کے عہد کے ایک بدھ مصنف کی لکھی ہوئی تامل کی گرامر ہے۔ گرامر اور علم عروض کی دوسری کتابیں "پیپا رنگلم" اور "پیپار نگلک کاریکائی" ہیں جو ایک جین مصنف امیتا ساگر نے کچھ عرصہ پہلے لکھی تھیں۔ ان تینوں کتابوں میں، بعد کے زمانے کے لکھے ہوئے کچھ حاشیے بھی شامل ہیں جن میں گرامر کے بعض خاص اصولوں کی وضاحت کے لیے اُن کے لکھنے والوں نے جو مثالیں دی ہیں وہ غیر معمولی دلچسپی کی حامل ہیں۔ یہ حاشیے نہ صرف کتبات سے جو کچھ ہم کو معلوم ہوا ہے۔ اس میں اضافہ کرتے ہیں بلکہ اس کی تصدیق اور وضاحت بھی کرتے ہیں۔ جے انگوندار کی کتاب "کالنگاتو پرانی" "روایتی "پرانی" صنف کی ایک رزمیہ نظم ہے جس میں راجہ کلوتنگا اوّل کے مشہور سپہ سالار "کروناکرت توندائمان" کی کالنگ دیش کی فتح کا ذکر ہے یہ نظم اپنے اندازِ بیان کی خوبی اور بحر کی موزونیت کے باعث بجا طور سے تعریف کی مستحق ہے اس نظم نے شاعر کو "کاوِک چکرورتی" (شاہنشاہِ نظم) کا خطاب دلوایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب اُس وقت کے ملک الشعراء کو دیا جاتا تھا۔ اوتاکتن کو بھی یہ خطاب دیا گیا تھا۔ وہ اگرچہ خود بھی کچھ کم پایہ کا شاعر نہیں تھا۔ لیکن اُس نے مشہور دلیالائی موضوع پر ہی اپنے پیش رو کے اندازِ بیان کی ہو بہو نقل کرکے اُسے شاندار خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ یہ کتاب من گھڑت اور ا فوق الفطرت بیانات اور بے معنی مبالغہ آرائی کے باوجود ایک مؤرخ کے لیے بہت کارآمد ہے کیونکہ اس سے چولا خاندان کے شجرۂ نسب اور راجا کلوتنگا کی کالنگ دیش کو فتح کرنے کی مہم کی تفصیلات اور اُس کی فوجوں کے اختیار کردہ کالنگ دیش کے راستے کے متعلق بیش بہا معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ چند سال پہلے وی کناکا سابھائی نے اِس طویل نظم کے بعض حصّوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ جو "انڈین اینٹکویری" میں شائع ہوا تھا۔ "اوتاکتن" نے کلوتنگا اوّل کے یکے بعد دیگرے تین جانشینوں کی مدح کے لیے "اُلا" کی صنف کا انتخاب کیا۔ "اُلا" بھی "پرانی" کی مانند شاعری کی ایک روایتی صنف ہے۔ اگر "پرانی" ایک بہترین رزمیہ نظم ہے تو "اُلا" اُس کی ضد ہے۔ اِس میں کچھ ایسا دکھایا جاتا ہے کہ اپنے بلند عہدے کے تفکرات سے بے نیاز اور مُلکی اور غیر مُلکی جھگڑوں سے بے فکر ہو کر راجہ اپنے اُمراء و وزراء کے ہمراہ اپنی راجدھانی میں سیر کے لیے جا رہا ہے۔ "اُلا" کے ابتدائی حصّے میں حکمران اور اُس کے اسلاف کے کارناموں کا کافی اہتمام سے بیان کیا جاتا ہے۔ نیز ان درباریوں یعنی مقتدر ہستیوں کے بارے میں مفصّل حالات دیے جاتے ہیں، جو راجہ کے ہمراہ سیر کے لیے جاتے ہیں اور یہ بھی بتایا جاتا

ہے کہ ان میں سے کون کون ملک کے انتظامیہ ڈھانچے میں کیا کیا مقام رکھتا ہے۔ نظم کے اِس حصّہ کی کافی تاریخی اہمیت ہے۔ "اُلا" میں بعد کو جو باتیں بیان کی جاتی ہیں وہ ہمارے لیے براہِ راست کسی قسم کی دلچسپی نہیں رکھتیں۔ تاریخ کے جدید طالب علم کی نظر میں "اُلا" کا یہ حصّہ شہر کی بیواؤں کی عاشقانہ نگاہوں اور محبت کی غمّازیوں کی غیر دلچسپ داستان کے سوا کچھ نہیں ہے جس میں راجہ پر نظر پڑتے ہی یہ عورتیں اُس کی محبت میں دیوانی ہو جاتی ہیں۔ وِکرم، کلوتنگا دوم اور راجا راج دوم پر لکھی گئیں تینوں "اُلاؤں" کے علاوہ اوٹّا کُوتن نے ایک اور کتاب "کلوتنگا شولن پلائت تامِل" لکھی ہے جو کلوتنگا دوم کی بال کتھا ہے۔ اگرچہ یہ کتاب اپنی پرزور فصاحت اور اعلیٰ جذبات نگاری کے اعتبار سے ایک قابلِ ذکر کارنامہ ہے لیکن مورخ کے لیے یہ "اُلاؤں" کی مانند کارآمد نہیں ہے۔

بعد کے زمانے کے سوانح اور "ستھل پُرانوں" کی تو تعداد بے شمار ہے۔ کنڑ زبان میں دیر شیوا کی کتاب "نو چولا چریتا" اور اُس کا تیلگو ترجمہ، سنسکرت میں "چول ونس چریتا" یا "برہا دیشور مہاتما" (جس کا تامل ترجمہ میکنزی کے قلمی نسخوں میں موجود ہے) اور "کونگو دیشارا جاکل" جو انھیں نسخوں کے مجموعے میں شامل ہے۔ ان کی قابلِ ذکر مثالیں ہیں۔ لیکن جیسا کہ فلیٹ کا خیال ہے[29] اگر ذرا بھی غور سے اُن پر نظر ڈالی جائے تو قدیم تاریخ نگاری کے مقصد کے لیے اُن کا افسانوی اور غیر معتبر ہونا فوراً ظاہر ہو جاتا ہے۔

غیر ملکی شہادتیں

چینی تصنیفات سے جو شہادت ملتی ہے گو وہ تھوڑی ہے لیکن اس اعتبار سے بہت کارآمد ہے کہ اِس کی بنیاد سلسلہ وار واقعاتی مواد پر ہے۔ عرب سیاحوں، مسلمان مورخوں اور مارکوپولو جیسے قدیم یورپین سیاحوں کے سوانح میں ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہند اُس زمانے کے غیر ملکی مشاہدین کو کس قسم کا تاثر دیتا تھا۔ اِس قسم کی خارجی شہادت اِس زمانے کی غیر ملکی تجارت کی نوعیت اور اُس کی وسعت کو سمجھنے کے لیے کافی اہمیت رکھتی ہے۔

پہلا باب

حاشیے

۱ کرن دئی کی تختیاں (غیر مطبوعہ)۔ ہم بھارت کے سرکاری کتبہ شناس شری این ایل راؤ کا شکر گزار ہیں کہ انھوں نے اِن تختیوں کے متن کا ایک قلمی نسخہ مجھے فراہم کیا۔ جار آلا تختیوں کے متعلق دیکھیے EI - XXV/25 صفحات ۲۴۱ تا ۲۶۶؛

۲ ای۔سی، iii X۔ (۷) اور ای آئی۔ (iX)۔ مالے پاڈو کی تختیاں۔

۳ معلوم ہوتا ہے کہ اِس نظم کی ایک مقابلتاً بعد کی تاریخ تصنیف، یعنی ۴۰۰ عیسوی کے بعد کی، قبول کرنے کے لیے ہم کو مجبور کیا گیا ہے۔ اِس نظم کے انیسویں باب اور "نیائے پردیش" دونوں تصانیف کے باہمی تعلق پر چھڑی ہوئی بحث کا رُجحان کچھ ایسا ہی تھا۔ دراصل جب تک یہ فرض کر لیا جائے کہ مذکورہ بالا اُنتیسویں باب پر بعد میں محض نظرِ ثانی کی گئی تھی، ہمیں اِسی تاریخ کو ماننا پڑے گا۔ ملاحظہ ہو "نیائے پردیش" (بڑودہ) صفحات xiii - xvi جہاں شری اے۔بی۔ دھرؔوا کی بحث پر جامع تبصرہ کیا گیا ہے۔

۴ پلائی ڈسری نواسا آئینگر۔ ہسٹری اف دی تامل صفحات ۲۱۶ - ۱۷

۵ اِس موضوع پر مفصّل بحث کے لیے ملاحظہ کیجیے سٹڈیز حصّہ اوّل

۶ کچھ کتبوں میں یہ تمہیدیں جگہ کی قلّت کے باعث جزوی طور پر حذف کر دی گئی تھیں مثلاً ۱۹۲۵ کے ۹۶ میں، جو راجندر دوم کے گیارھویں سالِ حکومت کا ہے۔ مزید دیکھیے

II - ۲۹ / ۲۶-۱۹۲۵ - ARE

۷ ۱۹۰۲ کا ۴۲ — EI - vii - صفحہ ۱۹۱۔

۸ یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ پرتی میلانگر "پویادکم" کے جملے کی جو "کرل" ۷۵۴ میں آیا ہے، تشریح "نندا ولکو" بتلاتا ہے۔

۹ مجھ کو یقین ہے کہ یہ "شنڈی ولکو" کے جملے کی صحیح تشریح ہے جو کتبوں میں اکثر استعمال ہوا ہے اور عام طور پر اس کا ترجمہ "شفق کے وقت کا چراغ" کیا جاتا ہے۔ دیکھیے "فرہنگ تامل"

۱۰ ۱۹۲۶ کا ۱۲۰ (راجندر اوّل کا چھٹا سالِ حکومت)

۱۱ ۱۹۲۶ کا ۱۴۴ (راج کیسری-۱۶) ہماری نظر میں ایک مندر کی مثال ہے جس نے اپنی کچھ اراضیات مہارانی کی ایک خادمہ کے پاس رہن رکھ کر ضروری رقم حاصل کی۔

۱۲ ۱۸۹۴ کا ۱۸۰ (کلوتنگا اوّل-۲۲)

۱۳ ARE ۱۸۹۵-I-۷، اور ۱۹۰۸-II-۴۶ - مزید دیکھیے دینکیا JA-xxxvii- صفحات ۱۹۹-۲۰۰

۱۴ TAS-i- صفحہ ۲۸۶

۱۵ ۱۹۲۶ کا ۴۹۰: ARE ۱۹۲۷-II-۴۲

۱۶ A.S.I-۱۹۰۹-۱۰ صفحات ۱۲۸-۲۹؛ نیز ۱۸۹۵ کا ۹۲- اور A.R.E ۱۹۲۰-II ۱۷

۱۷ ۱۹۰۰ کا ۱۲۲: EI-vii صفحات ۱۴۵-۴۶

۱۸ ARE-۱۹۰۲-۱۸، اور جی۔او۔ (مدراس)-۷۶۲ پبلک مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۰۲ء ترُوُنا مَلوُر کے باشندوں کی طرف سے کلی تری ایشورا کے مندر کی تباہی کی جانب توجہ دلانے کے بعد سرکاری کتبہ شناس نے اپنی رپورٹ میں یوں لکھا ہے: "نالوٹ کوٹائی کے "چیٹی" لوگ ہر سال اپنی کثیر کمائی کا ایک حصّہ جنوبی ہند کے قدیم شو مندروں کی مرمّت پر خرچ کر رہے ہیں۔ اس مرمّت کے دوران میں انھوں نے مندرجہ ذیل مندروں اور اُن کے تمام کتبوں کو مکمّل طور پر تباہ کر دیا ہے اور کو نجیورَم کا ایکامرناتھ مندر، شری رنگم کے جزیرے پر واقع جمبوکیشورا مندر، ترُوُونا ملائی کے مندر کی مرکزی عبادت گاہ۔ اور ترُوُڈیمی نلوُر اور ترُوُ پنگلور (ضلع تنجور) کے مندروں کی مرکزی عبادت گاہیں۔ پہلے دو مندروں کے کتبوں کی تو میرے دفتر میں روشنائی لگا کر حاصل کی ہوئی چھاپ موجود ہے۔ باقی ماندہ کتبے ہمیشہ کے لیے تلف ہو گئے۔ کیونکہ کندہ شدہ پتھروں کو مندروں کو از سرِ نو تعمیر کرنے سے پہلے پھر سے گڑھ لیا گیا ہے۔ اب بہت سے اور مندروں کا بھی یہی حال کیا جانے والا ہے۔" حکومت نے مندروں کی تجدید اور مرمّت کرنے والوں کی کارروائیوں

کے خلاف حکم امتناعی جاری کرنے سے انکار کردیا ہے جیساکہ محکمہ کتبات شناسی نے صلاح دی تھی۔ اس پر محکمہ نے اُن "کتبوں کی چھاپ حاصل کرنے کی کوششیں تیز کردیں جن کے مسمار کیے جانے کا خطرہ تھا"۔ اس کے نتیجے میں کتبہ شناس کے دفتر میں کتبوں کی چھاپ کے ہزاروں نسخے جمع ہوگئے ہیں جن کے موجودہ حالات میں شائع کیے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ یہاں تک کہ یہ اُس سادہ شکل میں بھی شائع نہیں کیے جاسکتے جو SII (Texts) قلمی نسخوں کے لیے اپنائی گئی تھی۔ ایک حقیقی خطرہ اس بات کا بھی ہے کہ اِن چھاپوں کو جمع کرنے اور شائع کرنے کی باہمی دوڑ میں اشاعت کو بھی فائدہ نہ ہوگا اور انھیں جمع کرنے کے کام کو بھی نقصان پہنچے گا۔

۱۹ SII - ii، 46

۲۰ ان فہرستوں کے باہمی موازنے اور تنقید کے لیے دیکھیے TAS iii اور EL-XV

۲۱ فلیٹ کا حوالہ رائس نے دیا ہے EL-XIV صفحہ ۲۴۰

۲۲ پرانتکا اوّل کے گرام کے کتبے کے بارے میں لکھتے ہوئے، جس کی تاریخ تحریر کلی سمت میں درج ہے اور جس میں اِس کے کندہ کیے جانے کا دن اِس حساب سے بتایا گیا ہے کہ اُس وقت کلی یگ شروع ہونے کے بعد کتنے دن گزر چکے تھے۔ کیلہارن لکھتا ہے:۔
"میں یہ بھی بتادوں کہ یہ قدیم ترین چولا تاریخ ہے جس کا ہمیں علم ہے اور جس کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ نیز اب تک جن ۱۴۶ تاریخوں کی تحقیق کی گئی ہے، اُن میں یہی واحد تاریخ ایسی ہے جس میں کلی یگ کے سمت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ان تاریخوں میں سے ۱۸ تاریخیں شک سمت میں بتائی گئی ہیں۔ اُن میں بارہ کنڑ بھاشا کے کتبوں کی تاریخیں ہیں، ۴ تاریخیں تیلگو زبان کے اور صرف ۲ تامل کے کتبوں میں دی ہوئی تاریخیں ہیں۔ ایک تامل کتبے کی تاریخ میں شک سمت 991 درج ہے۔ یہ کتبہ ویرا جندر کے عہد کا ہے اور اس کی تصدیق ممکن نہیں ہے"۔ E.I.-VIII، صفحہ ۲۶۱۔

۲۳ ۱۹۱۲ کا ۱۶۴

۲۴ ARA ۱۹۱۲-۱۳-I-۱۰۰، ۱۹۱۵-۱۶-A-I

۲۵ رَیپسن کی تصنیف "تاریخِ ہند کے ماخذ: سکے" صفحہ ۱۲۳

۲۶ ایلیٹ۔ صفحہ ۱۰۸

ہمیں چولوں کی تاریخ کے بارے میں اُس وقت بہت کم علم تھا جب ایلئٹ نے اپنی عظیم کتاب "جنوبی ہند کے سکے" تصنیف کی۔ اس میں وہ لنکا کی طرز کے سکوں کی شروعات گیارہویں صدی بتاتا ہے (صفحہ ۱۰۸) اور اسے پہلے کی قسم کے مقابلہ میں "معرکہ خیز تبدیلی" بتاتا ہے۔ اُس نے جن چولا سکوں کی تصویر کشی کی ہے اور حال بیان کیا ہے (جن میں سے کچھ سکوں پر ہلٹش نے بھی بحث کی ہے I A-I xx صفحہ ۲۲۲) وہ اس رائے کی تائید کرتے ہیں۔

ریپسن (حوالہ سابقہ سیکشن ۱۲۶) نے بھی ایلئٹ کے نظریے ہی پر صاد کیا ہے اور بلاشبہ اُس نے سہواً ۱۰۲۲ عیسوی کو نہ صرف لنکا کے طرز کے سکوں کے چولا سلطنت میں اجرا کا سال قرار دیا ہے بلکہ راج راجا چولا کے عہدِ حکومت کے آغاز کا سال بھی۔ وہ لنکا چھاپ کے سکوں کی وضاحت اس طرح کرتا ہے: "سیدھی طرف راجہ کھڑے ہونے کی وضع میں۔ اُلٹے رُخ پر راجہ بیٹھی ہوئی حالت میں۔ یہ بات مشکوک ہے کہ وہ اُجڈ انسانی شکل (ایلئٹ) جسے لفٹ نیل نے (اشارات صفحہ ۱۱) ایک اکشس سمجھا ہے، دراصل راجہ کی شبیہہ ہے۔ ایک نادر چاندی کے سکے میں جس پر یہ عبارت لکھی ہے: "شری راج راجا دیوا" (ہلٹش IA-۷ xx صفحہ ۲۱۷) سکے کی پیشانی پر دی ہوئی بیٹھے ہوئے راجہ کی شبیہہ اور پشت پر دیے ہوئے نشانات اور عبارت کو مخلوط کر دیا گیا ہے۔

۲۸ "ہندوستان زمانۂ سلف کی تحقیق" میں فولکیس کے مقالے جو "دکن کی تہذیب چھٹی صدی قبلِ مسیح سے لے کر" Civilization of the Deccan down to the 6th century B.C. کے زیرِ عنوان تحریر کیے گئے ہیں (۱۱۱xx ص ص۔ ا۔ صفحاتِ ذیل) اس امکان کا پیمانہ ہیں کہ ہمارے دستیاب شدہ محدود ماخذ سے کیا استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

۲۹ I. A xxx صفحات ۲۰۷۔

دوسرا باب

ابتدائی معلومات

حدودِ ملک

روایتوں کے مطابق چولا ریاست کے حدود یہ تھے :-
شمال اور جنوب میں دو دریا جن کا دونوں کا نام ویلارُ[1] تھا۔ مشرق میں سمندر اور مغرب میں "کوٹائی کرائی"۔ اس رقبے میں موجودہ ترچناپلی و تنجور اضلاع کے علاوہ سابق ریاست "پڈو کوٹاہ" کا کچھ حصّہ بھی شامل تھا۔ اِس قریب قریب ہموار خطے[2] کا نشیب سمندر کی طرف ہے اور دریائے کاویری اور اُس کی شاخیں جن میں کولرون (کولی ڈم) بھی شامل ہے۔ اگر کہیں ہموار سطح نہیں ہے تو صرف وہم کی نشیبی سطح مرتفع ہیں۔ جنوب اور جنوب مغرب میں ریتیلے پتھر اور کنکر کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے سلسلے ہیں اور چند ابھری ہوئی چکنی شفّاف چٹانیں ہیں جن میں قلعے کے مرکز میں ابھری ہوئی ترچناپلی کی چٹانیں بہت نمایاں ہے۔ اہم پہاڑیاں ہمیں ترچناپلی ضلع کے شمالی حصّہ میں ملیں گی۔ یہ علاقہ چولا ملک سے بالکل باہر نہیں تو اس کی سرحد پر ضرور ہے۔ کاویری ندی کا ڈیلٹا ایک سیلابی زمین ہے جو قدرتی بلندیوں سے یکسر خالی ہے البتہ اُس میں آندھیوں سے اُڑ کر آنے والی ریت کے ٹیلے ہیں جو شمال سے ملحق تنگ میدان کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں: "سمندر کی لہریں ڈھلوان ریتیلے ساحل پر جس میں چٹانیں بالکل نہیں ہیں، جاتی اور واپس آتی رہتی ہیں" اس طرح ساحل کا منظر بالکل غیر دلچسپ ہے۔ ڈیلٹا کی سطح دھان کے کھیتوں کی ایک ہموار چادر ہے جس میں کہیں کہیں ناریل، آم اور دوسرے پھلوں کے پیڑ نظر آجاتے ہیں۔ یہاں نہ بن ہیں اور نہ بلند درختوں کے جنگل[2]۔ یہاں کی مٹی بانس اور کیلے کی پیداوار

کے لیے بڑی موافق ہے۔

دریائے کاویری

دریائے کاویری کی عظمت ایک ایسا پائیدار اور لازوال موضوع رہا ہے جس پر تامل شاعر کا قلم لکھتے لکھتے تھکتا نہیں۔ یہ عظیم دریا سورج دیوتا کی اولاد کی سرفرازی کے لیے راجہ کانت کی دعا پر اگستیہ رشی کے ذریعہ سے وجود میں آیا۔ یہ چولا راجاؤں کی عادل نسل کا خصوصی نشان تھا۔ اور طویل سے طویل خشک سال میں بھی اُس نے کبھی انھیں دھوکا نہیں دیا۔ ہر سال کاویری میں جب باڑھ آتی تو سالانہ جشن منایا جاتا جس میں راجہ سے لے کر حقیر ترین کاشتکار تک شرکت کرتے۔

شہر

سمندر کے ساحل پر کاویری پٹنم، ٹرانکے بار کے آٹھ میل شمال کی طرف واقع تھا۔ یہ شہر اصل دریائے کاویری کو اُس کی زیادہ بڑی شاخوں سے الگ کرتا ہے، جو آگے جا کر سمندر میں مل جاتی ہیں۔ یہ چھوٹا سا گاؤں اُس جگہ کی نشاندہی کرتا ہے جہاں چولا عہدِ حکومت کی مشہور قدیمی منڈی واقع تھی۔ ساحلی میدان میں کاریکل سے دس میل جنوب کی طرف تما کاپٹم " جو، سے غالباً تالیمی واقف تھا، ایک اہم شہر تھا۔ اِس میں شبہ نہیں کہ قبل اس کے کہ اِس شہر پر فرنگی تاجروں اور عیسائی مذہب کے مبلغوں کی نظریں پڑیں، یہ تجارت اور کئی مذہبی فرقوں کی جن میں بُدھ دھرم بھی شامل ہے سرگرمیوں کا مرکز بن چکا تھا۔ تنجور، ترچناپلی اور کمبا کونم چولا ملک کے دوسرے قابلِ ذکر شہر ہیں۔ ترچناپلی دراصل قدیم شہر اُرایور کی جدید شکل ہے جو اب ترچناپلی کی صرف ایک نواحی بستی رہ گئی ہے۔ گنگائی کونڈا، چولا پورم اس جگہ واقع ہے جہاں موجودہ اضلاع ترچناپلی، تنجور اور جنوبی ارکاٹ کی سرحدیں ملتی ہیں۔ یہ شہر گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں چولا سلطنت کے دارالخلافہ کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ اب یہ ایک چھوٹا سا مقام ہے۔ جہاں ایک شاندار مندر کے کھنڈر ہیں۔

چولا خاندان کی وجہ تسمیہ

چولا نام کیسے پڑا اس کے متعلق ہمیں کوئی علم نہیں۔ مشہور عالم پانسی لالہ گر کی رائے میں پانڈیہ اور چیرا کی طرح چولا بھی ایک بہت قدیم اور مشہور حکمران خاندان یا قبیلہ[۳] تھا۔ اس قبیلہ سے تین بھائی چیرن۔ شولن اور پانڈین تھے۔ جن کے نام پر شاہی خاندانوں کا نام پڑا ان کی کہانی بلاشبہ ایک فرضی داستان کو تاریخی قالب دینے کی کوشش ہے[۴]۔ چولا نام جس طرح بھی پڑا ہو[۵]، زمانہ قدیم ہی سے یہ لفظ اُس علاقے اور اُن لوگوں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا جو چولا حکمرانوں کے زیر نگیں تھے۔ کرنل گیرینی کا یہ کہنا کہ اس لفظ کا رشتہ سنسکرت کے لفظ 'کالا' (سیاہ) سے ہے' یا 'کول' سے' جس نام سے زمانہ قدیم میں آریوں سے پہلے کے جنوبی ہند کے سیاہ فام باشندے پکارے جاتے تھے' اتنا ہی غیر قابل وثوق ہے جتنا کہ یہ کہنا کہ یہ لفظ تامل زبان کے لفظ "چولم" (جوار باجرہ) یا سنسکرت کے لفظ "چورا" (چور) سے نکلا ہے[۶]۔

اور دوسرے نام

یہ چولا راجاؤں کے لیے عام طور پر جو دوسرے نام استعمال کیے گئے ہیں وہ کِلّی۔ ولون اور شیمبین ہیں۔ کِلّی غالباً "کِل" لفظ سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں کھودنا یا چیرنا اور اس سے مراد "کھودنے والا" ہو سکتا ہے[۷]۔ یہ لفظ شروع شروع میں چولا ناموں کا ایک لازمی حصہ تھا۔ جیسے نیڈن کِلّی۔ نالن کِلّی وغیرہ۔ لیکن بعد کے زمانے میں اِس کا استعمال متروک ہو گیا۔ "ولون" غالباً "ولم" سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کا مطلب ہے "زرخیزی"۔ جس کا مفہوم "ایک زرخیز مُلک کا حکمران" ہو سکتا ہے۔ جیسے کاویری کی سرزمین فی الواقعی زرخیز تھی۔ "شیمبین" کے معنی عام طور پر شبی کی اولاد[۱۰] دیے جاتے ہیں جو ایک روایتی ہیرو تھا، جس کے ایثار کا ذکر جو اس نے باز کے تعاقب سے ایک فاختہ کو بچانے کے لیے کیا تھا۔ قدیم چولا داستانوں میں ملتا ہے اور بُدھ دھرم کی "جاتکا" کہانیوں میں سے ایک مشہور کہانی "شیبی جاتکا" کا مرکزی موضوع ہے[۱۱]۔

شاہی نشان

چولا راجاؤں نے شیر کی شبیہہ کو اپنا شاہی نشان بنایا تھا۔ اُن کے جھنڈے پر بھی اسی جانور کی شبیہہ ہوتی تھی۔ اگرچہ چولا خاندان کے اِس شاہی نشان کے متعلق تامل کتابوں میں بے شمار حوالے آئے ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک میں بھی اِس نشان کے آغاز کے متعلق وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ تیلگو علاقے کے بعد کے کچھ مقامی سرداروں نے بھی، جو کاریکل خاندان کے جانشین ہونے کا دعویٰ کرتے تھے شیر کی شبیہہ کو اپنا نشان بنایا۔ ناگ خاندان کے "سندا" راجاؤں کے بارے میں بھی جو "دیا گھر لانچن" کو قومی نشان کے طور پر استعمال کرتے تھے، ایک روایت یہ بھی تھی کہ اُن کے جس بزرگ سندا کے نام پر اُن کے خاندان کا نام پڑا، وہ سندھو پردیش کے مقام پر ہی چھتر پر سانپوں کے راجہ دھرنیندر کے یہاں پیدا ہوا تھا، اور اُس کی پرورش ایک شیرنی کی تھی اِس کہانی سے ذرا سی مختلف ایک اور کہانی میں یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ شِو جی اور سیندھو کے جسمانی ملاپ سے پیدا ہوا تھا اور سانپوں کے راجہ نے شیرنی کے دودھ پر اُس کی پرورش کی تھی۔ ان اختراعی کہانیوں سے اِس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ شیر کے نشان کی اصلیت اُن لوگوں ہی نے بہت پہلے فراموش کر دیا تھا جنہوں نے اسے اپنی شاہی علامت قرار دیا تھا۔

ابتدائی حوالے

گرامر کے عالم کاتیائن کے یہاں چوڈا راجاؤں کا ذکر ملتا ہے[۱۲]۔ سب سے قدیم دستاویزات جن میں چولا راجاؤں کا تذکرہ آیا ہے اور جن کی تاریخ کا ہم کو صحیح علم ہے مہاراجہ اشوک کے کتبات ہیں[۱۳]۔ ان میں چولوں کا ذکر ایک ایسی سلطنت کے طور پر آیا ہے جو اشوک کی مطیع نہیں تھی بلکہ جس کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے۔ اشوک کے مختلف کتبات میں پانڈیہ راجاؤں کی طرح چولا راجاؤں کا ذکر بھی صیغۂ جمع میں کیا گیا ہے۔ جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اشوک کے زمانے میں پانڈیہ اور چولا حکمران ایک سے زیادہ تعداد میں تھے۔
"سنگم" کے دو تین شاعروں نے جنوبی ہند پر موریار (موریہ خاندان) کے حملے کے کچھ ایسے حوالے دیے ہیں جو مشکل سے سمجھ میں آتے ہیں ان شعراء میں سے "ماموُلنار"

نامی ایک شاعر نے پاٹلی پُتر شہر میں دریائے گنگا کے زیرِ زمیں چھپے ہوئے نند خاندان کے خزانوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ تینوں شعراء اِس بات پر متفق ہیں کہ اِس حملے کے دوران میں موریاؤں نے پتھریلے پہاڑوں کو عبور کرنے کے لیے اپنے رتھوں کے واسطے ایک نیا راستہ نکال لیا تھا۔ صرف "مامولنار" نے کچھ مزید تفصیل بھی دی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "واڈوگر" موریاؤں کے ہراوّل دستے میں تھے (حوالے کے لیے اہم ۲۸۱ دیکھیے)۔ ایک اور مقام پر وہ لکھتا ہے کہ "کوسروں" نے جنوبی ہند کی تسخیر اپنے ذمہ لی تھی اور چونکہ "موہور" سردار نافرمانی سے باز نہیں آیا موریاؤں نے جنگی مہم کے طور پر اپنی عظیم فوجوں کے ساتھ جنوبی ہند پر یلغار کردی۔ اب چونکہ اشوک نے صاف صاف تسلیم کیا ہے کہ تامل سلطنتیں سیاسی طور پر اس کی اطاعت گزار تھیں اِس بات کا بھی بہت کم امکان ہے کہ اشوک کے بعد جنوب بعید پر موریا حملہ ہوا ہو۔ ہمیں لازمی طور پر مامولنار کے بیان کردہ واقعات کو اشوک کی تخت نشینی سے قبل کے زمانے سے منسوب کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ سمجھنا چاہیے کہ اس شاعر نے غالباً راجہ بندوسار کی دکن اور جنوبی ہند کی فتوحات کی اُن کہانیوں کی قدرے مختصر لیکن زیادہ قابلِ یقین تصدیق کی ہے جو تبتی مؤرخ تاراناتھ نے تحریر کی ہیں۔ کوسر، جن کے زیرِ نگیں تلوکا پردیش تھا، غالباً جنوبی ہند میں موریا سلطنت کی فوجوں کی پیش قدمی کے نگران بننے پر رضامند ہو گئے تھے لیکن جب "موہور" سرداروں نے اُن کو دِق کیا اور وہ ان کی تسخیر نہ کر سکے تو اُن کی مدد کے لیے موریا فوجیں پہنچیں، جن کے ہراوّل دستے میں "واڈوگا" لوگ تھے۔ آج "موہور" کے قائم مقام غالباً ضلع جنوبی ارکاٹ میں اِس کے موجودہ ہم نام ہیں۔ یہ ضلع مشہور درّہ "آتور" سے زیادہ دور نہیں ہے جس سے گزر کر مستقبل قریب میں حیدر علی نے کئی بار جنوبی میدانوں پر حملے کیے تھے۔[۱۵]

موریا سلطنت سے تعلقات

اگر جنوبی ہند کی ریاستوں کے ساتھ موریا راجاؤں کے تعلقات کے متعلق مذکورہ بالا رائے کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جنوبی ہند میں موریا اقتدار کو راجہ بندوسار کے عہدِ حکومت کے آخر میں یا مہاراجہ اشوک کے عہدِ سلطنت کے شروع میں کچھ دھکا لگا۔ کیونکہ ایسا معلوم ہوتا کہ اُن ریاستوں نے خاص طور پر "ستیہ پُوت" نے اشوک

کے کتبات نمبر II اور نمبر XIII کی تعمیر سے پیشتر موریا سلطنت سے تعلقات میں اپنے سیاسی رتبہ کو بہتر بنالیا تھا۔

پیری پلس

چھٹی صدی قبل مسیح سے جنوبی ہند نے مغربی ممالک اور چین تک پھیلے ہوئے مشرقی ممالک کے درمیان بڑھتی ہوئی تجارت میں جو حصہ لیا اس کا کافی علم ہو چکا ہے۔[۱۹] اس تجارت کے رخ اور نوعیت اور اس کی اقتصادی اہمیت کا ذکر آگے آئے گا۔ یہاں یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ پیشتر اس تجارت کے بارے ہمیں دو بیش بہا معلومات جن میں نصف صدی کا وقفہ ہے جنوبی ہند اور چولا ریاست کے بارے میں حاصل ہوئی ہیں۔ "پیری پلس، ماریس ایری تھرائے" اسکندریہ کے ایک تاجر کی دلچسپ یادداشت ہے جو ڈومیشین کے عہدِ حکومت (۸۱ تا ۹۶ عیسوی) میں پلینی دی ایلڈر (بزرگ) کے مشاہدات کی مدد سے تحریر کی گئی ہے۔[۲۰] اس تحریر کے گمنام مصنف نے چولا ریاست کے بارے میں خصوصاً کچھ باتیں بتائی جو کارومنڈل ساحل کے متعلق ابتدائی معلومات کی کمی کے پیشِ نظر تاریخ کے طالب علم کے لیے غیر معمولی دلچسپی رکھتی ہیں۔ یہ مصنف رقم طراز ہے، کولچی سے آگے ایک اور ضلع ہے جسے ساحلی علاقہ کہا جاتا ہے۔ یہ ایک خلیج پر واقع ہے جس کے اوپر ایک خطّہ ہے جسے "ارگارو" کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ چولا ریاست دو حصّوں میں تقسیم تھی۔ ایک ساحلی ضلع اور ایک ضلع اندرونِ ملک۔ جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔ اس بات کی شہادت موجود ہے کہ چولا ریاست کی حکومت کے اس زمانے میں دو مرکز تھے۔ ایک "پہار" یا "کاویری پٹنم" تھا جو ساحلی ضلع میں تھا اور دوسرا "اُرائیور" جو اندرونِ ملک کے ضلع میں تھا۔ "پٹنم" کے معنی ہیں بندرگاہ اور یہ ساحل پر واقع چولا راجدھانی کا نام تھا۔ "پیری پلس" میں مذکورہ جملے میں "ساحلی علاقہ جو خلیج کے کنارے واقع ہے" یقیناً "پٹناپلی" کے "پٹنم" کی طرف اشارہ کرتا ہے۔[۲۱] خاص طور سے اس لیے کہ یہ "ارگارو نامی اندرونِ ملک کے خطّے" سے جو کہ بلاشبہ "اُرائیور" ہی تھا اس کے فرق کو ظاہر کرتا ہے۔ مصنف نے ہر ضلع کا نام اُس کے مشہور ترین شہر کے نام پر رکھا ہے۔ تعجب یہ ہے کہ جہاں وہ "چیر۔ بوتھرا" اور "پانڈین" کے ناموں سے واقف ہے وہ "چولا" کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ اس کی

معلومات ہندوستان کے مشرقی ساحل کے بارے میں بہت قلیل ہیں اور بظاہر سُنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں۔[121] دو تین منڈیوں اور بندرگاہوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ "جہاں سمندری جہاز ڈامریکا سے اور شمالی علاقوں سے آتے رہتے ہیں" اور "جو اس ترتیب سے لنگر انداز ہوتے ہیں کہ پہلے "کامرا" پھر "پرودُکا" پھر "سوپتا" اب اِن ناموں کو آسانی سے پہچانا نہیں جاسکتا۔[122] ممکن ہے کہ "سوپاتنا" وہی "شوپٹنم" ہو جس کا ذکر تامل لٹریچر میں ہے جس کو اب "مارکانم" کہتے ہیں۔

ٹالیمی

گو جغرافیہ دان ٹالیمی نے اپنی یادداشت تقریباً نصف صدی بعد تحریر کی ہے لیکن اس سے ہمیں چولا ریاست اور اُس کے اندرون ملک شہروں و بندرگاہوں کی بابت زیادہ تفصیلی حالات ملتے ہیں۔[123] اِن تمام مبہم ناموں سے قطع نظر کرکے جن کی شناخت اب ممکن نہیں ہے وہ ہمیں کاویری پٹنم (کھابیریس)، جو کاویری کے دہانے پر واقع تھا اور نیگاپٹنم (نکاما) کے جائے وقوع کے متعلق کافی صحیح تفصیلات فراہم کرتا ہے۔ جیسا کہ کنگم نے کہا ہے ٹالیمی کو جو نام معلوم تھا اُس کا "ارتھورا ریجیا سورناتی" ضرور "اُرایُور سری ہوگا جو "سورناتھ" یا "سورنگائی" کے راجہ کی راجدھانی تھا۔ سورنگائی، سورا، "چورا" یا "چولا" ایک ہی بات ہے۔[124] ٹالیمی سورائی خانہ بدوشوں کا ذکر کرتے ہوئے "سورا" کو "ارکاٹس" راجدھانی بتاتا ہے۔ جیسا کالڈویل کہتا ہے "یہ یقین کرلینے کو جی چاہتا ہے کہ یہاں کے دیسی باشندوں نے اپنے پوچھنے والے کو جگہوں کے جو نام بتائے تحریر میں لاتے وقت اُن میں اُلٹ پھیر ہوگیا" اور یہ کہ اس کے نتیجے میں ہمیں ارکاٹاس کو سورائی خانہ بدوشوں کا دارالخلافہ سمجھنا چاہیے۔" ارکاٹ" اصل میں اتنا دور حاضر کا نام نہیں ہے جتنا کہ سمجھا جاتا ہے۔[125] کہتے ہیں ایک چولا جاگیردار نے جس کا نام اَتیتی تھا ارکاڈو کو جو کہ دھان کے کھیتوں سے گھرا ہوا تھا اپنا رہائشی مقام بنایا۔[126] غالباً "ارکاڈ" کے معنی ہیں "آر کا جنگل" آر یا آتی چولاؤں کا شاہی نشان تھا۔ ارکاڈ ضروری نہیں ہے کہ ارکاٹ ہو جو بعد میں کرناٹک کے نوابوں کے دارالخلافہ کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ لیکن یہ غالباً وہی "ارکاٹس" ہے جس کا ذکر ٹالیمی نے کیا ہے۔[127] سورائی خانہ بدوشوں اور "ارکاٹاس" کے بارے میں ٹالیمی کے بیان

سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے[29] کہ دو مختلف ریاستیں ایک ہی زمانے میں تھیں۔ البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ خود چولا ریاست کے اندر سورآئی نام کا کوئی خانہ بدوش قبیلہ رہتا ہو۔ تامل کتابیں اِس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ اس طرح کے قبیلے اُن دنوں موجود تھے اور بعض ابتدائی چولا حکمرانوں بالخصوص کاریکل نے انھیں مہذب بنانے اور ایک جگہ آباد ہو کر زندگی گزارنے کی تعلیم دینے کی کوشش بھی کی تھی۔

پالی کتابیں

مشہور پالی کتاب "مہاوامسا" کے ابتدائی ابواب میں ریاست چولا اور جزیرہ لنکا کے مابین قدیم باہمی میل جول کی کافی صحیح اور معتبر شہادتیں ملتی ہیں۔ پالی بدھ مت کی قدیم کتابوں میں عام طور پر چولا ملک اور اُس کی نامور منڈی کاویری پٹنم کے بارے میں کم لیکن بہت بیش بہا حوالے ملتے ہیں۔ ان میں سے بعض حوالے اگر زیادہ نہیں تو اتنے قدیم ضرور ہوں گے جتنے کہ "پیری پلس" کے حوالے۔ سن عیسوی کے آغاز میں لکھی گئی بدھ مت کی "راجہ ملیندہ کے سوالات" نامی کتاب میں کولاتیسن کا ذکر اُس زمانے کی مشہور بندرگاہوں میں کیا گیا ہے۔ رہس ڈیوڈس کہتا ہے کہ کولاتیسن کارومنڈل ساحل پر واقع کوئی مقام ہوگا غالباً یہ اشارہ کاویری پٹنم کی طرف ہے جو کارومنڈل ساحل پر واقع ایک شاندار بندرگاہ تھی۔ اور جس کا ذکر پالی کتابوں میں بھی آیا ہے۔ ایم سلوین لیوی نے اِس امر کی جانب اشارہ کیا ہے کہ "پُہار" جو جنوبی ہند اور مجمع الجزائر مشرق الہند کے درمیان آمد و رفت کا عظیم مرکز تھا۔ سمندر کی ایک غیر معروف دیوی "منی میکھلا" کی اصلی اقامت گاہ تھا۔ منی میکھلا کے معنی ہیں "جواہرات کی پیٹی" اِس دیوی کے نام پر مادھوی کی مشہور بیٹی اور اُس کی روحانی زندگی کی کہانی بیان کرنے والی نظم "شاتن" کا نام پڑا۔[30] "جاتکا کی کہانی" کے مطابق "اکیتی" نے اپنے مدّاحوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے بنارس کے نواح کو چھوڑ کر تامل دیش کا رخ کیا اور وہاں اس نے کچھ وقت کاویری پٹنم کے نزدیک باغ میں گزارا۔

"مہاوامسا" میں لکھا ہے کہ لنکا کا جزیرہ اپنی تاریخ کے شروع سے طاقتور چولا راجاؤں کے زیر اثر آنے لگا تھا۔ ڈمیلا خاندان اور اِس جزیرہ کے باشندوں کے تعلقات اِس بیش قیمت سرگذشت کا خاص عنصر ہیں۔ اِس سرگذشت سے ایک ہی زمانے میں دو قوموں کے

ہونے والے جن واقعات کا پتہ چلتا ہے وہ ہمارے لیے تامل تاریخ اور اس کے تعینِ سنین
کے اہم مآخذ ہیں۔ اگرچہ اس سرگزشت میں اکثر ذیل راجاؤں ہی کا نام آتا ہے تاہم "مہاونسا"
میں تامل دیش کے "پانڈیہ" اور چولا خطوں کے امتیاز کا ذکر وضاحت سے موجود ہے۔ دوسری
صدی قبل مسیح کے وسط میں ایلارا نامی ایک عالی خاندان ڈیلارا بر چولا ملک سے (چولا رتھا)
لنکا پہنچا وارد ہوا۔ وہاں حکومت کی۔ قانونی تنازعات فیصل کرنے میں راجہ کی منصف مزاجی
دوست اور دشمن میں کوئی امتیاز روا نہ رکھتی تھی۔ اس کے عہد کے انصاف کی بہت سی
مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں ایک مثال یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے اکلوتے بیٹے کو غیر
ارادی طور پر ایک چھوٹے بچھڑے کو اپنے رتھ کے پہیے سے کچل کر مار ڈالنے کے جرم میں
سزائے موت دے دی تھی۔ یہ راجہ اگرچہ بدھ مت کا پیرو نہیں تھا لیکن ریاست کے
بدھ بھکشوؤں کے ساتھ اس کے تعلقات دوستانہ تھے۔ اس کے تمام دورِ حکومت میں
رعایا ہمیشہ اس سے راضی رہی۔ اس کی سلطنت جزیرۂ لنکا کے انتہائی شمالی حصے میں ہی
محدود تھی۔ جنوب میں اس کی سلطنت صرف مہاگنگا تک تھی جو اب مہادیلی گنگا کہلاتی
ہے۔ بعد ازاں "ایلارا" اور "دُتھاگامنی" کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ "دُتھاگامنی" اس
نام سے اس لیے پکارا جاتا ہے کہ وہ اپنے باپ سے ناراض ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ ڈیمل راجاؤں
سے اس کو جنگ کرنے نہیں دیتا تھا۔ "دُتھاگامنی" کے پیشِ نظر اس جنگ چھیڑنے کے دو
مقاصد تھے۔ پہلا لنکا کو سیاسی طور پر متحد کرنا۔ دوسرا باطل عقائد رکھنے والے ڈمیل
راجاؤں کو باہر نکال کر بدھ دھرم کو عروج دینا۔ اس سلسلے میں جو معرکے ہوئے۔ ان کی
تفصیلات "مہاوامسا" میں صاف درج ہیں۔ "دُتھاگامنی" کو فتح نصیب ہوئی۔ اس
نے اپنے مفتوح دشمن کا انورادھاپور تک تعاقب کیا۔ اور "ایلارا"، "دُتھاگامنی" کے ساتھ
بہادری سے لڑتا ہوا اس شہر کی فصیل کے نیچے مارا گیا۔ اب دُتھاگامنی شہر میں داخل ہوا
اور ایک ۹ یوجن تک آباد رعایا کو بلانے کے بعد اس نے ایلارا کی آخری رسومات ادا
کیں۔ ایلارا اسی جگہ جہاں وہ کام آیا تھا رتھ سمیت آگ کے سپرد کیا گیا۔ دُتھاگامنی
نے وہاں ایک سمادھی بنوائی اور پوجا کے احکام جاری کیے۔ یہاں تک کہ "مہاوامسا" کے
اس حصے کے مصنف مہاناما کے دنوں میں بھی یعنی چھٹی صدی عیسوی میں جب کبھی
لنکا کے شہزادے اس مقام کے نزدیک پہنچتے تھے تو اس پوجا کی تعظیم میں اپنے باجے

بند کرا دیتے تھے۔ ان واقعات کا جو لنکا کی قدیم تاریخ میں اس قدر نمایاں حیثیت رکھتے ہیں تامل کتابوں میں کوئی بھی ذکر نہیں ہے[۵۶] سوائے راحکمار اور بچھڑے والے قصے کے جیسے ان کتابو میں منو کے عہد سے وابستہ کیا گیا ہے۔ اس لیے ہمارے پاس یہ فیصلہ کرنے کے لیے کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ لنکا میں راجہ ایلارا کے اقتدار کو قائم کرنے یا اُس کا تختہ الٹنے میں برِصغیر کے چولا حکمرانوں کا کس حد تک ہاتھ تھا۔

۴

دوسرا باب

حاشیے

کُڈل کِلکٹ تیرُنگک کرئی پرُل ویلاڑو
کُڈلا۔ تشائیل کوٹیاکریم وڈا اِتشائیل
ایناڑُو ویلاڑی رُپچوُ ناڑ کا دم
شوناٹک کیلاتیے یخ۔ چول

اگرچہ اس دنیا کو بعض لوگ مو کبنؔ سے منسوب کرتے ہیں (مثال کے طور پر دیکھیے "شولامنڈل شتکر" کا صفحہ ۵۶) لیکن اس کی اصل و ابتدا بہت قدیم معلوم ہوتی ہے۔ کچھ دوسرے لوگ اسے آؤتیاڑ کی تخلیق بتاتے ہیں (شیلر : ۴۴۔ "کوٹائیک کرئی" کے معنی ہیں "حفاظتی باندھ" اور روایات کے مطابق یہ اُس عظیم باندھ کی طرف اشارہ ہے جس کے آثار ضلع ترچناپلی کے کُلتلائی تعلقے میں ابھی باقی ہیں۔ (تنجور کا گزیٹیر صفحہ ۱۵۔

تنجور مینوئل، صفحات ۴۔۵ : ترچناپلی مینوئل صفحات ۲۔۳
"منی میکلائی" : ۱۲۔۹ : ۲۳۔۴

بعض لوگوں کے خیال میں بین ٹالیمی نے پہلی صدی عیسوی کی قرش کی مشہور منڈی کا ذکر کیا ہے۔ موجودہ کاویری پٹنم اور اس کے گرد و نواح سے دستیاب شدہ کتبات سے اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ یہ دراصل کاویری پٹنم عرف پہار کی منڈی تھی۔ اگرچہ پلوٗنی چرم اور شایا ذیشور کی یادگار عمارتیں اتنی قدیم نہیں ہیں جتنی کے ان کے بارے میں امید کی جاسکتی تھی۔ ۲۔۲۱۔۱۹۱۹ ۶۷
دیکھیے "کرُل" ۹۵۵ اور اُس پر اُس مؤلف کا تبصرہ۔

کالڈویل کی "تینے ویلی"۔ صفحہ ۱۲

جب میں نے ایں دی۔ راماسوامی آئر کی رائے اس معاملے میں پوچھی تو انھوں نے مجھے لکھا: "تامل چولا لفظ ضروری نہیں ہے کہ موجودہ تامل یا کسی دراوڑ بنیاد سے براہِ راست وابستہ ہو۔ البتہ اس حقیقت سے ہم کو یہ قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ اس لفظ کا منبع کسی دیسی زبان میں ہے ..... اگر یہ قیاس صحیح ہو کہ" "بعض حالات میں "س" "ی" سے بدل گیا ہے (جس کی متوازی مثالیں ہمارے پاس دراوڑ بھاشا میں موجود ہیں) تو "چولا" کو "چُول" سے منسوب کرنے کی بات ہماری سمجھ میں آسکتی ہے۔ "چُول" کے معنی ہیں چکر کاٹنا یا منڈلانا۔ لہذا چولا کا مفہوم منڈلانے والا ہو سکتا ہے۔

دیکھیے "جیرینی ریسرچز" صفحہ ۸۵ اور اُس کے بعد کے صفحات، نیز صفحات ۱۰۱ تا ۱۰۲۔

تاہم جیرینی کے نظریے کی تائید کچھ اور شہادتوں سے بھی ہوتی ہے کہ جنوبی ہند سے نیگریٹو نسل کے سیاہ فام مہاجروں کا ایک سیلاب ملایا میں آگیا۔ یہ لوگ زمانۂ قدیم کے نام نہاد راکھشسوں کی اولاد تھے۔ ان کے بعد اُن کے ابتدائی دور کے جانشین دراوڑ ان کے پیچھے پیچھے آئے جو آریوں سے قبل کے ہندوستانی باشندے تھے۔

مقابلہ کیجیے ایلیٹ سمتھ کی "ہیومن ہسٹری" ص۔ ص ۶۹۔ ۱۷۰۔ لیکن جیرینی نے زمانۂ قبل از تاریخ کی آبادی کی ان ہجرتوں کی تمدنی اہمیت بیان کرنے میں مبالغے سے کام لیا ہے۔ اس نے ان ہجرتوں کو بعد کی ہجرتوں سے غلط ملط کر دیا ہے جو تاریخی زمانے میں وقوع پذیر ہوئیں جبکہ جنوبی ہند تمدنی اعتبار سے کم و بیش سارے کا سارا ہی آرین رنگ میں رنگا جا چکا تھا۔ اور وہ یہ رائے دینے کی حد تک بھی چلا جاتا ہے کہ سیام، کمبوج اور دوسرے بدیشی مقامات کے ہندوستانی تمدن کی جڑیں بھی زمانۂ قبل از تاریخ میں ہیں (صفحہ ۱۰۱)۔ پنولا یا چورا کے معنی چور بھی بتائے گئے ہیں۔ اس کے لیے دیکھیے بھنڈارکر کی تصنیف "کارمائیکل لیکچرز" ۱۹۱۸ء ص ۸۰۔

ڈاکٹر پوپ نے ایک خیالی مساوات سُجھائی ہے کہ رکھی: پلوون (K111 =
صفحہ ۲۵۰)۔ اگر پلو کی بجائے پتوا (پڑوا) کو ہی لفظ کی صحیح شکل تسلیم کر لیا جائے (سنسکرت "آگنا")، تو اس کا زیادہ معقول مفہوم ہوگا "پلم" یعنی نشیبی علاقے

میں بسے ہوئے لوگ" یا "کرہ کھودنے والے" اس بات میں شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ ابتدا ہی سے جنوبی ہند کے باشندے تھے اور جب تک یہ بات مسلّم نہ ہو کہ وہ یہیں کے اصل باشندے تھے، اُس وقت تک ان کے نام کا کوئی منبع دراوڑ زبان میں تلاش کرنا بے سود ہوگا۔ لیکن یہ کسی طرح وہ لوگ نہیں تھے جو چولا کہلاتے تھے۔

۱۰ مثال کے طور پر "دیر شولیم" میں دیا ہوا "تیتا" پر تبصرہ - جلد سوم Bora Bud

۱۱ یزدانی کی تصنیف "اجنتا" حصۂ اوّل ص ص ۴-۷ کروم کی "بورو بدر" جلد اوّل۔ ص ص ۲۷۵-۷

۱۲ ص ۳۳۸

۱۳ " ۲۲۱-۲

۱۴ "مہابھاسیہ" مؤلفہ کیلہارن۔ III ص۔ ۲۷۰

۱۵ ہلتش "اشوک کے کتبات" اشاریہ۔ ایس وی چولا Asoka Inscriptions

۱۶ ڈی آر بھنڈارکر۔ "اشوک" ص ۳۸۔

۱۷ سمتھ کی تصنیف EHI -۴- ص ۴۷۱۔ اس موضوع پر شہادتوں کے مختصر اور جامع خلاصے کے لیے ملاحظہ ہو ایم ایس راما سوامی آئر کی تصنیف "سٹڈیز آف ساؤتھ انڈین جینزم۔ ص ص ۱۴۷۔ اور اس کے آگے۔ ڈاکٹر ایس کے آئینگر کی تصنیف "بگننگز" ص ص ۸۸۔ اور اس کے آگے۔ پنڈت ایم راگھو آئنگر کی تقلید کرتے ہوئے ایم ایس راما سوامی آئر "دیمبا مور تر کے جملے میں لفظ "دیمبا" پر غیر ضروری زور دیتا ہے (دیکھیے سابقہ حوالہ والی تصنیف کا صفحہ ۱۲۴ و آگے کے صفحات، اور (ا ہم ۲۵۱) اپنے اس نظریے کی تائید میں بہت بعد کی غیر معروف و مبہم گرنتھ کی کہانیوں کے حوالے دیتا ہے جو دسویں صدی عیسوی کی ہیں کہ ماموُلنار نے گپتا شہنشاہوں کو اپنے سے پہلے کے قدیم موریوں سے خلط ملط کر دیا ہے اور اُس نے ماموُلنار اور اُس کے دورِ سنگم کے ہم عصروں سے پانچویں صدی عیسوی کی ایک تاریخ منسوب کرنے کی کوشش کی ہے۔ پنڈت راگھو آئینگر کو ان دلیلوں میں اب وہ اہمیت نظر نہیں آتی جو کبھی وہ سمجھتے تھے اور اُنھوں نے اپنی کتاب

شیرن شینگو ٹنوُن ارکی طبعِ دوم میں اُن کو حذف کر دیا ہے۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر مذکورہ نظریات پر اب کوئی بھی مفصل بحث بے مصرف ہو جاتی ہے۔ ماموُلنار نے "ویمبا موریَر" کا جملہ صرف ایک بار استعمال کیا ہے۔ ایک اور جگہ پر خود اس نے صرف "موریَر" کی بات کی ہے اور اسی طرح دوسرے شعراء پرن کوڑناڑ (اہم۔ ۶۹) اور آتر تینسلد دیوُرم۔ ۱۷۵) نے صرف موریَر کا ذکر کیا ہے۔ لہٰذا اِس جُملے کو زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ بالخصوص اس لیے کہ "ویمبا" ایک اسم صفت ہے جس کے مختلف مفہوم ہیں اور جن میں سے غیر مستقل مزاج یا مضطرب مسلّم طور پر ایک ہے۔ اور اگر ایک لمحہ کے لیے یہ فرض کر لیا جائے کہ موُلنار کے ذہن میں موریا شہنشاہوں کا خیال تھا تو اُسے نند شہنشاہوں اور ان کی دولت کا بھی پتہ تھا۔ لہٰذا اُسے ان موریوں کے "اضطراب" سے زیادہ واقعی کوئی چیز متاثر نہیں کر سکتی تھی جو ہندوستان کی تمام ریاستوں کو اپنی سلطنت میں ملانے کے لیے بہت زیادہ خواہش مند تھے۔ اگر بالفرض ہم "ویمبا" کے دوسرے معنی یعنی "نیا" کو بھی تسلیم کر لیں تو بھی یہ فرض کرنے میں کوئی ناقابلِ حل دشواری نظر نہیں آتی کہ جب ماموُلنار اپنی کتاب تصنیف کر رہا تھا اُس وقت جنوب کی جانب موریا سلطنت کی توسیع تاریخ کا ایک واقعہ بن چکی تھی۔ مزید براں یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ موریا اور گپتا خاندانوں کے متعلق الجھن جس نے شمالی ہند کے بعد معروف حکمران خاندان کے افسانوی نسب نامے کو متاثر کیا ہے، کس طرح غیر متعین زمانے کے جنوبی ہند کے ایک تامل شاعر کے ذہن میں غلط فہمی پیدا کر سکتی ہے اور اس کو ایک شاعر کے دورِ حیات اور اس کی تصنیفات کی تاریخ متعین کرنے کے لیے بنیاد بنانے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایم ایس راما سوامی آئینگر ہندوستان کے نپولین، سمدر گپت کی جنوبی ہند کی فوجی مہم کے متعلق سمتھ کے اس نظریے سے شدید طور پر متاثر تھا کہ الہ آباد کے ستون کے کتبے میں مذکور پلکا واقعتاً پال گھاٹ تھا۔ لیکن یہ شناخت اب صحیح نہیں مانی جاتی۔ "اہم" ۲۸۱ کے بارے میں پی ٹی سری نواس آئینگر کا کہنا ہے "یہاں کوشر کو "وڈوگر" کہا گیا ہے"۔ ہو سکتا ہے کہ یہ درست ہو۔ اس صورت میں اس اشلوک میں "وڈوگر منترا" موہجیر کو مغلوب کرنے میں کوشر کی ناکامی کی طرف

مختصر اشارہ ہونا چاہیے۔ یہ واقعہ "اہم" ۲۵۱ میں زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن شری آئینگر کا یہ دعویٰ ہمیں قائل نہیں کرتا کہ کونگن موریا وہی راجہ ہو سکتا تھا جس نے کوشر کے ساتھ مل کر تامل خطے پر فوج کشی کی تھی۔ دیکھیے اسی مصنف کی تصنیف "تاملز"، ص ص ۲۲ ۵ - ۲۳

۱۸ سبتھیہ: ان ساؤتھ انڈین جینزم صفحہ ۱۴۰۔ بہت سے اور مقامات کا نام بھی موہور ہے۔ لہٰذا اس مقام کی موجودہ شناخت کو عارضی تصور کرنا چاہیے۔

۱۹ اس موضوع پر مکمل بحث کے لیے ملاحظہ ہو کینیڈی کی - ۱۸۹۸ء ص ص ۲۴۸ - ۸۷۔ پروفیسر جولیس بلاخ نے اپنے مقالے "نام۔ ڈو۔ ریز۔ یین ریوائیوڈز ایشیاٹکیز کی جلد اوّل میں صفحات ۴۲ تا ۴۷ میں دیا گیا ہے) اس بات کو غلط قرار دیا ہے کہ چاول کے لیے مستعمل یونانی لفظ، تامل زبان کے لفظ "ارشی" سے لیا گیا ہے۔ اس کی رائے میں اس تجارت میں جنوبی ہند کا بھی حصہ ہونے کی کچھ زیادہ شہادتیں موجود نہیں ہیں۔ دونوں ملکوں کی یہ تجارت کافی مدت بعد تک صرف بری راستوں سے شمالی ہندوستان ہی میں محدود رہی ہوگی۔ یونانی لفظ "اورزدن" کے ماخذ کے متعلق بلاخ کے نظریے کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ایل وی راما سوامی آئر نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "وَرِگی" یا "وَرِزی" کو دراوڑ لفظ قیاس کیا جا سکتا ہے جس میں روایتی ردوبدل کے بعد یونانیوں نے اسے مستعار لیا ہوگا۔ کینیڈی کا یہ خیال کہ جنوبی ہند اور مغربی ممالک کے درمیان بحری تجارت چھٹی یا ساتویں صدی قبل مسیح سے جاری تھی، آج بھی درست معلوم ہوتا ہے۔

۲۰ ۔ روز ٹوورف کی کتاب سوشل اینڈ اکنامک ہسٹری آف دی رومن ایمپائر صفحہ ۹۱۔

۲۱ یہ حوالے سکاف کی کتاب "پیری پلس" سے ہیں۔ سکاف کا کہنا ہے کہ لفظ کوسٹ (ساحل) لفظ چولا سے نکلا ہے۔ یعنی چولا کوسٹ۔ چولا منڈلم (صفحہ ۲۴۱)۔ لیکن یہ خیال تسلی بخش نہیں ہے کیونکہ چولا منڈلم کے معنی صرف چولا دیش ہیں نہ کہ ساحل۔

۲۲ وارمنگٹن کی کتاب "انٹرکورس بٹوین انڈیا اینڈ دی ویسٹرن ورلڈ" کے صفحات ۱۲۱ - ۱۲۲ دیکھیے۔

۲۳ سکاف۔ ص۔ ۲۴۲۔ کنکا سبھائی ص۔ ۲۹۔ علاوہ ازیں دیکھیے صفحہ ۱۴۹

حاشیہ۔ صفحات ۴۱۲۔۴۰۔

۲۴ دیکھیے میں کے کے ایڈیشن میں پہلے باب کے حصص ۱۱۔۱۲۔ ۶۸۔ اور ۹۱۔ مزید دیکھیے کالڈویل کی "کمپ گرامر" ص ص ۹۲۔ اور اُس کے آگے۔ کنکا سبھائی (ص۔ ۲۹) میں ٹالیمی کی ناموں کی شناخت کے متعلق بہت سی دانش مندانہ رائیں دی گئی ہیں۔

قدیم جغرافیہ صفحہ ۶۲۱۔ مزید دیکھیے کالڈویل کی "کمپ گرامر" صفحہ ۹۳۔

کالڈویل لکھتا ہے: جنرل کننگھم اِس شناخت پر معترض ہے کہ ارکاٹ ایک بالکل جدید نام ہے۔ لیکن جیسا کہ کرنل یول نے واضح کیا ہے کہ یہ اتنا قدیم ضرور ہوگا کہ ۱۳۴۰ء میں موجود تھا، کیونکہ ابن بطوطہ نے اپنے سفر ناموں میں اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ نام اصل میں "آر۔ کاڈ" ہے۔ تامل زبان کے اس لفظ کے معنی ہیں "چھ جنگل" اِس مقام کے ہندو لوگ اسے بہت زیادہ قدیم شہر مانتے ہیں گو اس کا ذکر پُرانوں میں کہیں بھی اِس نام سے نہیں آیا ہے اور وہ اُن چھ جنگلات کی نشان دہی بھی کرتے ہیں جن میں زمانۂ سلف کے چھ رشیوں نے اپنے آشرم بنائے تھے (صفحات ۹۳۔۹۴ میں حوالہ دیا گیا ہے)۔ لیکن اِس سے پہلے جن زیادہ مضبوط شہادتوں کا حوالہ دیا جا چکا ہے۔ ان کے مقابلہ میں ان مقامی روایات اور قصّے کہانیوں کی زیادہ وقعت نہیں ہے۔ ٹالیمی، ارکاٹس کا محلِ وقوع ماؤنٹ بیٹگو اور ادی ساتھرس کے درمیانی خطّے میں بتاتا ہے۔ (دیکھیے جلد ۔ ۱۔ ۶۸) لیکن چونکہ وہ اِن ناموں میں سے دوسرے نام پر جا کر ایک ناقابلِ ازالہ غلط فہمی میں پڑ جاتا ہے (۔ صفحہ ۲۲۷) لہذا اِس سے جدید نقشے میں ارکاٹس کا مقامِ وقوع ڈھونڈنے میں ہمیں کچھ مدد نہیں ملتی۔ البتہ تامل زبان کے قدیم لٹریچر میں دیے ہوئے حوالے اس معاملے میں زیادہ کارآمد ہیں۔ کننگھم بلاشبہ اس وقت چولین کے متعلق ہُوان چوانگ کے فراہم کردہ اعداد و شمار سے متاثر تھا جب اُس نے ارکاٹس کے دارالخلافے کی، جس کا ذکر ٹالیمی نے سورا کے نام سے کیا ہے، شناخت کرتے ہوئے اسے زورایا یورا سمجھ لیا تھا (جس کا نام جغرافیائی نقشوں میں جورمبّ درج ہے)، اور جو کرنول کی فصیلوں کے نیچے ہی آباد تھا (دیکھیے "قدیم جغرافیہ" صفحہ ۶۲۶)

۲۷ "نڑی نیئ" کی نظم نمبر ۱۹۰ (مصنف نامعلوم) میں مندرجہ ذیل اشعار بھی ہیں:-

تینگ ل ورِتار ایاڑیریشی
ونڈومو شو نیئے دائیل ڈنی طرو
مریالنگلین۔ یارکاڈنا۔

اس میں اتفاقیہ ایک "دیمنیا" بھی ہے ("پرُ ندوگئی" نمبر ۹۸۸) جس میں "ارشی کاڈو" یعنی ارشی کے کاڈو (جنگل) کا ذکر آیا ہے۔ اِس راجہ کا ایک بیٹا شیندن نامی تھا جسے بعض اوقات چولا راجدھانی اُرایئور سے منسوب کیا جاتا ہے ("کُرندوگئی" نمبر ۲۵۸)۔ "نڑی نیئ" کے مؤلف نے بھی آرکاڈو کا مقام وقوع چولا ریاست میں بتایا ہے۔

۲۸ ملاحظہ ہو یُول اور برنیل کی تصنیف "ہابسن یابسن" ارکاٹ، جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اس نام کے متعدد مقامات میں سے جو جنوبی اضلاع میں واقع تھے، ایک مقام ارکاٹ تو دیلور کے نزدیک تھا۔ اس کے علاوہ ایک تنجور میں واقع تھا، وہی ابن بطوطہ کے "ہرکاتو" سے سب سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔

۲۹ ڈی آر بھنڈارکر کی تصنیف "اشوک" صفحہ ۳۹

۳۰ رہائس ڈیوڈز کی تصنیف
صفحہ ۲۶۹۔

۳۱ ۵۹۷، اور اس سے آگے کے صفحات۔ معاملے پر تفصیل سے بحث کرنے کی بجائے ایم سیلوین لیوی "تامل قوم پرستی" کو اس نظریے کے لیے ذمہ دار گردانتا ہے جو اس نظم کو ایک بہت پہلے کی پرانی تاریخ سے منسوب کرتا ہے (صفحہ ۶۰۷)۔ اور یہ ایک آسان جواب میں ہی قصہ ختم کرنے کی ہے۔ دِناگا کی تصنیف "نیائے پرویش" اور منی میکلائی کا باہمی رشتہ آسان نہیں ہے جیسا کہ پروفیسر کرشنا سوامی آئینگر کی تصنیف "منی میکلائی اِن اِٹس ہسٹاریکل سیٹنگ" سے معلوم ہوگا۔ اِس باب میں جن دوسرے فلسفوں کی تشریح کی گئی ہے، ان کے محتاط جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بہت سے نظریات ایسے ہیں جنھیں چھٹی صدی عیسوی جیسی بہت بعد کی تاریخ سے منسوب کرکے پھر اُن کی وضاحت کرنا آسان

نہیں ہوگا۔ دیکھیے ایس ایس سُوریہ نرائن شاستری۔
مجھے اس بات پر خود اپنے بھی کچھ شکوک ہیں کہ باب ۴۹ کی نئے سرے سے تشکیل نہیں کی گئی۔

۴ اس بیانیہ نظم کے لیے دیکھیے جیجر کی "مہاوِمسا: ابواب جیجر کی رائے میں "چولا دیش" کا مطلب ہے "جنوبی ہند" (۔صفحہ ۱۴۲۔ حاشیہ ۴) یہ غیر ضروری ہے اور یہ اُن جملوں کے خلاف ہے جو چولا دیش کے بارے میں اصل متن ... دیے ہوئے ہیں مثلاً چولا رتھ (۱۳۔) اور "دکشِنم مُدھرم پوم پانڈو راجتا" وغیرہ (۵۰۰)۔ یہ جملے اس مشترک لفظ "ڈمیلا" کے علاوہ ہیں جو دونوں دیشوں کے متعلق استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ نیز "مہاوِمسا" میں ایلار کے متعلق جو اُس گائے کے ساتھ انصاف کرنے کی کہانی آتی ہے جس کا بچھڑا مارا گیا تھا، اُس کا مقام وقوع تروّوارُور ہے جو برصغیر ہند میں بتایا گیا ہے اور اس مقام پر ایک پتھر کی یادگار بھی موجود ہے جو اس کہانی کے مرکزی واقعے کی یاد دلاتی ہے۔ ملاحظہ ہو " ۔ ص ص ۱ تا ۴۷ ، جو "مہاوِمسا" کی تاریخ کے بارے میں ہے۔ راجہ ایلار کے عہدِ حکومت کی مدت صحیح تسلیم کرنی چاہیے۔ ایضاً۔ ص ۵ ۔ حاشیہ ۱

۴۳ مہاوِمسا: ۔ ۶ تا ۲۱

۴۴ مہاوِمسا ۔ ۸۶ ۔ اور ۴۰

۴۵ جیجر کے (ترجمہ) ص ص ۔ ۲۹۰ ۔ ۲۹۱ پر اس جنگ کی تفصیلات دی دی گئی ہیں۔ ایک موقعے پر ایک ہی دن میں ڈمیلا کے سات راجاؤں کو شکست ہوئی تھی (۔ ۱۰)۔ اور لگ بھگ بتیس راجاؤں کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ سب جنگ میں مغلوب ہوئے۔ (ایضاً ۵ ۷)۔ یہ غالباً راجہ ایلار کی فوجوں کے سپہ سالار تھے۔ یہ فوجیں سرحدوں کے نزدیک اور دیگر مقامات کے قلعوں میں رہتی تھیں۔

۴۶ دیکھیے ۱۹۱۴ ۔ ص ص ۵۲۹ ۔ ۳۱ ۔ کچھ مبہم کہانیاں جو عوام میں مشہور تھیں، "کرل" کے شاعر تروّولوُور کو ایک بیوپاری راجہ ایلیل سنگا سے منسوب

کرتی ہیں (وی آر آر دکشتار کی
کا صفحہ ۱۲۹ ۔ اور ذیل صفحات) لیکن کسی کو یہ معلوم نہیں کہ یہ قصے کہانیاں کہاں سے
آئی ہیں۔ وہ غیر معتبر ہیں اور ترڈ و تو ور کا زمانۂ حیات متعین کرنے کے لیے بنیاد نہیں
مانی جا سکتیں۔ لنکا میں تاملوں کے اثر کی، جیسے خصوصی طور پر چولوں کا اثر نہیں سمجھا
گیا ہے، اور مثالیں دیکھنی ہوں تو ملاحظہ فرمائیے " مہاومسا : ۱×× - ۱۰ " سیناور گنگا"
- ۵۶ - گیتھا اور دوسرے صفحہ ۱۹ اور بعد کے صفحات۔ جن میں
اَنلا دیوی کی غیر معروف زندگی کے بارے میں بتایا گیا ہے جس نے اپنی ریاست
اپنے چند آشناؤں کو جانشین بنا کر ان کے حوالے کر دی۔

تیسرا باب

قدیم تامل کتابوں میں مذکور چولا حکمران

قدیم کتابوں کی نوعیت

سب سے پرانے چولا حکمران جن کے متعلق ہمارے پاس واضح شہادتیں موجود ہیں، وہ ہیں جن کا ذکر "سنگم" میں آیا ہے۔ اب عام طور پر فضلا اس بات پر متفق ہیں کہ یہ لٹریچر عیسوی سن کی شروع کی چند صدیوں میں تیار ہوا تھا۔ اس کی اندرونی تاریخ وار ترتیب کا ہنوز تعین نہیں ہوسکا ہے اور اُس زمانے کی تاریخ کو کوئی مربوط بیان پیش کرنے کے راستے میں یہ بات اس وقت ایک بہت بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ سنگم لٹریچر سے ہمیں راجاؤں اور راجکماروں کے نام معلوم ہوتے ہیں اور ان شاعروں کے نام بھی جنھوں نے اُن کی تعریف میں نظمیں لکھیں۔ اس سے ہمیں رعایا کی زندگی اور مشاغل کے متعلق بھی بہت سی غیر معمولی دلچسپی کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ بلاشبہ ان میں سے بعض راجہ حقیقی امتیازی خصوصیات کے مالک اور شہرت کے مستحق تھے۔ شاعر بھی ایسے فنکار تھے کہ اپنے زورِ بیان سے سچائی میں حسن پیدا کر دیتے تھے۔ اِس قدیم تامل لٹریچر میں جن افراد کا بیان ہے اُن کی بہت صاف تصویر کشی کی گئی ہے۔ اور اُن کے خصوصی خدوخال ہم پر بلا کم و کاست ظاہر کیے گئے ہیں۔ اس لیے یہ اور بھی قابلِ افسوس ہے کہ ہم ان مشاہدات کو ایک مربوط تاریخ کی شکل میں پیش نہیں کر سکتے۔ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ وجیالہ شاخ کے چولا راجاؤں تک پہنچتے پہنچتے جب تاریخ کا سلسلہ وار تعین ہو جاتا ہے، یہ لٹریچر اپنی حقیقت نگاری اور زورِ بیان کی ابتدائی خوبیاں کھو بیٹھتا ہے اور درباری شاعری کا جامہ پہن لیتا ہے۔ خاص طور سے اُس وقت جب افراد کی تصویر کشی منظور ہوتی ہے۔

دو عظیم راجگان

سنگم لٹریچر میں جن راجاؤں کا ذکر آتا ہے ان میں دو بہت نمایاں ہیں۔ ان کو بعد کی نسلیں گیتوں اور کہانیوں میں محبت سے یاد کرتی رہی ہیں۔ یہ راجہ کریکال اور کوچن گنان ہیں۔ ان میں سے کون پہلے ہوا اور کون بعد میں اس کا فیصلہ کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی یقینی ذریعہ موجود نہیں ہے۔ اُن کا آپس میں اور اُس زمانے کے دوسرے راجاؤں اور سرداروں سے کیا رشتہ تھا یہ بھی یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا۔ اگر پُہار یا کاویری پٹنم کو صرف کریکال کے عہد میں اہمیت حاصل ہوئی تو چولوں کی دونوں شاخوں کے درمیان خانہ جنگی جن میں سے ایک اُرائیور میں رہتی تھی اور ایک پُہار میں کاریکل کے عہد حکومت کے بعد کے زمانے میں ہوئی ہوگی۔ کچھ بھی ہو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں شاخوں کا یہ جھگڑا سنگم زمانے کے چولوں کی تاریخ کا ایک مستقل باب تھا۔ یہاں تک کہ راجہ کری کال کو بھی جو ان راجاؤں میں سب سے نامی راجہ ہوا ہے، ابتدا میں کچھ ایسی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

راجاؤں کے افسانے

اس سے پیشتر کہ ہم زمانۂ سنگم کے راجاؤں پر بحث کریں، ہمیں سنگم لٹریچر میں مذکورہ چند فرضی چولا راجاؤں کے افسانوں پر بھی توجہ کرنی ہوگی۔ اس زمانے میں بھی چولوں کو سوریہ دیوتا کی اولاد مانا جاتا تھا۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جس پر بعد کے زمانے میں بہت زور دیا گیا ہے۔ بالخصوص ان روایتی نسب ناموں میں جو تانبے کی تختیوں پر کندہ شاہی فرمانوں میں (جو دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی میں جاری ہوئے)، ویرراجندر کے تعمیر کردہ کنیاکماری کے پتھر کے کتبے میں اور "کالنگا توپرانی" اور "وکرم چولن الا" جیسی ادبی کتابوں میں درج ہیں۔ اگستیہ رشی اور پرشورام کا ہم عصر راجہ کانتن تھا، جس کی اوّل الذکر کے ساتھ عقیدت کے صلے میں دریائے کاویری کا ظہور ہوا اور جس نے پاروتی (کنی) کے کہنے پر کچھ عرصے کے لیے اپنی سلطنت اپنے ناجائز بیٹے کندن کے حوالے کر دی تھی تاکہ وہ رشی پرشورام کے عتاب سے بچ جائے جس نے چھتریوں کے خلاف نہایت بے رحمی سے جنگ کی تھی۔

وہ "چمپا" جسے بعد میں "کاکنڈی" کہا جانے لگا، "پُہار" اور "کاویری پٹّینم" سے حکومت کرتا رہا۔ پرانی روایتوں کا ایک اور ہیرو "تھنگیلِ ہدا تُوڈی توٹ چیمبیاں" تھا جس نے اسرُوں کا ایک پُراسرار اُڑنے والا قلعہ مسمار کر دیا[7] تھا اور اگستیہ رشی کے ایما پر "پُہار" میں اندر دیوتا کی خوشنودی کے لیے ایک سالانہ تیوہار کی بُنیاد ڈالی جو اٹھائیس روز تک رہتا تھا[8]۔
اِس پُرانے لٹریچر میں اُس راجہ کی کہانی بھی درج ہے جس نے اپنے بیٹے کو رتھ تیز چلاکر ایک بچھڑے کو کچلنے کے جرم میں سزائے موت دی[9] تھی۔ اور ایک راجہ کی بھی جس نے باز کے پنجے سے فاختہ کو چھڑایا تھا۔ لیکن یہاں منو اور شِبی کے نام نہیں پائے جاتے[10]۔ البتہ پرندوں کی کہانی والے راجہ کا نام ایک جگہ سیمبیان[11] درج ہے۔ ان میں سے کچھ قصّے مثلاً شہزادے اور بچھڑے کی روایت[12]، یا دریائے کاویری کے ظہور اور اندر دیوتا کے ساتھ عقیدت کا تیوہار جاری کرنے کی کہانیاں "سنگم" لٹریچر میں نہیں پائی جاتیں اور ان کا ذکر پہلی بار "شیلپادی کارم" اور "منی میکھلا" نامی دو رزمیہ نظموں میں آیا ہے۔

راجہ کری کال

سنگم عہد کے چولوں کا عظیم ترین حکمران کری کال تھا۔ کری کال "الینجیٹ چینی" کا جو اپنے بے شمار جنگی رتھوں کی خوبصورتی کے لیے مشہور[13] تھا بیٹا تھا۔ "کری کال" کے معنی ہیں "جلی ہوئی ٹانگ والا آدمی"۔ یہ نام ہمیشہ اُس آگ کے حادثہ کی یاد دلاتا ہے جو اس کی زندگی کے ابتدائی دور میں پیش آیا تھا[14]۔ بعد کے زمانے میں سنسکرت زبان کے زیرِ اثر اس نام کے معنی "دشمنوں کے ہاتھیوں کی موت" بتائے جانے لگے۔ کیونکہ 'کال' کے معنی موت ہیں اور "کاری" کے معنی ہاتھی۔

تخت نشینی

کری کال کو اپنے پیدائشی حقوق سے محروم کر دیا گیا تھا اور اس کے دشمنوں نے اسے چند سال کے لیے قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ اُس کی حوصلہ مندی اور جرأت جن سے وہ قید سے بچ نکلا اور برسرِ اقتدار آیا، شاعروں کی طبع آزمائی کے لیے پسندیدہ موضوع رہی ہیں[15]۔ ایک شاعر کہتا ہے:۔

"شیر کی طرح جس کے تیز ناخن اور خمدار دھاریاں، پنجرے میں قوی ہوتے رہتے ہیں اس کی طاقت (دھاریوں کی طرح جو لکڑی میں ہوتی ہیں) دشمنوں کی قید ہی پختہ ہو گئی۔ جس طرح لمبی سونڈ والا ہاتھی اُس گڑھے کے کناروں کو مسمار کر دیتا ہے، جس میں وہ گرفتار ہو جاتا ہے، اور گڑھے کو پاٹ کر نکل بھاگتا اور اپنی مادہ سے جا ملتا ہے۔ اسی طرح خوب غور و خوض کے بعد اُس نے اپنی تلوار سونت لی اور قید خانے کے محافظی دستے کو مغلوب کر کے بچ کر نکل گیا۔ اور کچھ ہی عرصے میں اپنی پُر شوکت میراث کو دوبارہ حاصل کر لیا۔"

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے :-

یہ راجہ جس سے اُس کے دشمن اس طرح ڈرتے تھے جس طرح مروگن کے غصّے سے، اپنی ماں کے بطن سے تخت کا وارث بنا۔ اُس نے اپنے دشمنوں کو مجبور کر دیا کہ اس کی اطاعت کریں اور جنھوں نے اطاعت قبول نہیں کی، اُن کو ہمیشہ لرزاں اور ترساں رکھا۔ جس طرح صبح کا آفتاب طلوع ہونے سے پہلے نور کی کرنیں سمندر پر پھیلا دیتا ہے، اسی طرح جس دن سے اس نے زمین پر بچوں کی طرح گھٹنا شروع کیا اسی دن سے اپنے شاداب ملک کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اُٹھالی اور روز بروز اس کی خوشحالی میں اضافہ کرتا چلا گیا۔ جیسے شیر کا بچہ جو خود کو موت سے زیادہ طاقتور سمجھتا ہے اپنے پہلے ہی شکار میں ہاتھی کو مار گراتا ہے حالانکہ اُس وقت اُس نے ماں کا دودھ بھی نہیں چھوڑا ہوتا۔

وینی کی لڑائی

چنانچہ "چولا راجہ کری کال نے "آر" کی آنکھوں کو بھانے والی مالا پہن کر "وینی" کے مقام پر ایک گھمسان کی لڑائی لڑی جس میں "پانڈیہ" اور "چیرا" دونوں ریاستوں کو شکست فاش ہوئی۔ وینی آج کل کا "کوول وینی" ہے۔ جو تنجور کے پندرہ میل مشرق میں واقع ایک گاؤں ہے۔ اگرچہ ہمیں اس کے بارے میں بہت کم معلوم ہے کہ کن وجوہ سے یہ جنگ ہوئی لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ لڑائی کری کال کی زندگی میں ایک موڑ ثابت ہوئی۔ اس جنگ میں اس نے اپنے خلاف ایک بہت بڑی جتھے بندی کو ختم کر دیا۔ "چیرا" اور "پانڈیہ" تاجداروں کے علاوہ اس مہم میں گیارہ چھوٹے رجواڑے اور بھی ان کی طرف سے شریک تھے اور انھیں کری کال کے ہاتھوں شکست

نصیب ہوئی[18]۔ چیرا راجہ کی پیٹھ میں زخم لگا۔ یہ ایک بہت بڑی ذلت تھی جو کسی سپاہی کی میدانِ جنگ میں ہو سکتی تھی اس بزدلی کے داغ کو دھونے کے لیے چیرا راجہ نے خودکشی کرلی[19]۔ کری کال کے ایک دوست شاعر " دینی کنیتیار " نے جو غالباً دینی کا باشندہ تھا اور اُس جنگ کا عینی شاہد تھا، راجہ کو اس طرح خطاب کیا ہے[20]:-

"اے سمندر کی اولاد جس نے وسیع سمندر میں سفر کرتے ہوئے ہواؤں کو مجبور کر دیا کہ وہ اس کے جہازوں کے بادبانوں کو بھریں[21]۔ اے طاقتور ہاتھیوں کے والی راجہ کری کال ولّو! اِس عظیم فتح سے تونے اپنی شجاعت کا جو تونے جنگ میں دکھائی اور جو تیری فتح کا باعث ہوئی سکہ بٹھا دیا ہے۔ کیا وہ شخص تجھ سے بہتر نہیں ہے جس نے دُنیا میں عظیم شہرت کا حامل ہونے کے باوجود پیٹھ میں زخم کھایا اور اُس کی شرم سے دینی کے میدان میں جسے کاویری سیراب کرتی ہے فاقہ کشی کرکے مرگیا؟"

جنگیں

اگرچہ وینی کی لڑائی کری کال کے عہدِ حکومت کی پہلی لڑائی تھی جس نے اُسے اپنے تخت پر مستحکم کر دیا، اور اُسے تامل دیش کے "تینوں تاجداروں" میں ایک طرح کا اقتدارِ اعلیٰ بخش دیا، تو دوسرے جنگی کارناموں کے مواقع کی بھی اس کے لیے کمی نہ تھی اُس نے " واکی پراندلائی " کی لڑائی میں تو چھوٹے راجواڑوں کی ایک گروہ بندی کو شکست دی "پرانار" جو کری کال اور اس کے والد دونوں کا ہم عصر تھا اس کا ذکر کرتا ہے[22]۔ لیکن نہ وہ اس لڑائی کی وجہ ظاہر کرتا ہے اور نہ کری کال کے دُشمنوں کی بابت کچھ بتاتا ہے "پیٹنا پلائی" جس شاعر نے لکھی ہے وہ اس تباہی اور غارت گری کا مفصل بیان کرتا ہے جو کری کال نے اپنے دشمنوں کے ملکوں میں کی تھی اور اُس خوف پر اس کا ذکر کرتا ہے جو اس کے بہادری کے کارناموں کی وجہ سے طاری ہو گیا تھا[23]۔

فتوحات

آگے چل کر یہ شاعر کہتا ہے کہ اُس کی مہموں کے نتیجے میں " لاتعداد اولیا رہ کری کال

کے مطیع ہو گئے۔ قدیمی "اروُوالار" بھی اُس کے فرمان بجالانے لگا۔ شمالی راجاؤں کی شان و شوکت ختم ہو گئی اور مغربی راجگان بھی دل شکستہ ہو گئے۔ اپنی کثیر فوج کے بل بوتے پر جو دشمن راجاؤں کے گڑھوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے تیار تھی، کری کال نے اپنے غیض و غضب کی نظر پانڈیہ ریاست پر ڈالی۔ جس نے ہتھیار ڈال دیے۔ راجہ "ارُن گوویل" کے خاندان کو جڑ سے اُکھاڑ دیا اور اس طرح بیچ گواوں کے خاندان کا خاتمہ کر دیا۔ اگر ہم "پٹینا پلائی" میں درج شمالی اور مغربی راجاؤں کے متعلق اس مبہم بیان کو نظر انداز کر دیں تو ہم دیکھیں گے کہ میدان جنگ میں اس قدر جوانمردی دکھانے کے باوجود کری کال کی مستقل فتوحات دریائے کاویری کے خطے سے زیادہ آگے نہیں بڑھیں۔ "آروُوالر" "اروُوانا ڈ" کے باشندے تھے جو دریائے کاویری کے ڈیلٹا کے شمال میں پنّار کی نشیبی وادی میں واقع ہے۔ "اولیار" غالباً ناگ نسل کا ایک جنگلی قبیلہ تھا جس کو کری کال نے ایک جگہ قیام کر کے رہنا سکھایا تھا۔[14] "پٹِنا پلائی" میں "کاویریپ پمپا ٹنم" اور اس کے زرخیز شاداب ساحلی علاقوں کی بابت بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ جس سے کری کال عہد کی صنعت و تجارت کی حالت کا صحیح اندازہ لگ جاتا ہے۔ کری کال کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے جنگلوں کو صاف کرا کے اُن کی اراضی کو قابلِ کاشت بنایا اور آبپاشی کے تالابوں میں اضافہ کر کے ملک کی خوشحالی میں اضافہ کیا۔[15]

نجی زندگی

کری کال کی نجی زندگی کے بارے میں ہم بہت کم جانتے ہیں۔ جہاں "پٹنا پالائی" کا مصنف "اُرُتی رنگا نار" مبہم طور پر یہ بتاتا ہے کہ وہ عورتوں اور بچّوں کی صحبت سے لطف اندوز ہوتا تھا۔[16] وہاں بعد کا ایک مفسّر "نچی نارکنّی یار" غالباً ایک صحیح روایت کو از سرِ نو بیان کرتے ہوئے، لکھتا ہے کہ کاری کال نے نانگور کی ایک ویلیر لڑکی کو اپنی بیوی بنایا۔[17] "تیرومنگائی آلوار" نے اپنی نظموں میں نانگور کے ویلاؤں کی شجاعت کا بیان کیا ہے۔ کری کال کی ایک لڑکی "آدی مندی" بھی بہت سی نظموں کا موضوع ہے۔ اس کا شوہر آتن اتّی ایک چیرا شہزادہ تھا جو کاویری میں ڈوب کر مر گیا تھا۔ لیکن آدی مندی نے اپنی عصمت مآبی کی طاقت سے اُسے پھر سے زندہ کر دیا۔[18]

مذہب۔ موت

کرن گُڈل آدنار اپنی مندرجہ ذیل سُطور میں کری کال کی ویدک دھرم سے عقیدت اور اس کی موت پر اپنے غم کی شدّت نہایت اثرانگیز پیرائے میں بیان کرتا ہے[۲۹]

"وہ شخص جس نے اپنے دشمنوں کے قلعوں پر بے باکی سے یلغار کی۔ جو اپنے بھائیوں اور اُن کے کنبوں کی ضیافتیں کرتا تھا اور انھیں جی بھر کے تاڑی پلاتا تھا۔ جس نے برہمنوں کی سبھا میں جو دھرم گیان اور اپنی زندگی کی پاکیزگی کے باعث ممتاز تھے اور اپنے فاضل پروہتوں کی رہنمائی اور اپنی نیک اور پاکدامن مہارانی کی موجودگی میں ویدک قربانیاں دیں۔ جن میں قربان گاہ ایک لمبے احاطہ میں ایک پرندنما چبوترے پر نصیب ہوتی تھی۔ اس کے چاروں طرف ایک بلند چار دیواری تھی جس پر گول بُرج تھے۔ افسوس آج وہی عظیم مہاراجہ نہیں رہا۔ دُنیا اس کو کھو کر نقصان میں رہی۔ اُس کی حسین رانیوں نے اپنے جواہرات اور زیورات اُتار پھینکے اور وینگئی درخت کی شاخوں کی طرح ہو گئیں جن کو گڈریے اپنے مویشیوں کے لیے چارے کی فکر میں پتیاں توڑ کر برہنہ کر دیتے ہیں۔"

قدیم افسانوی روایات

اگلے وقتوں ہی سے کری کال افسانوں کا موضوع بن گیا تھا جن کو اُس زمانے میں بھی تاریخی اہمیت دے گئی ہے۔ "شلپدی کارم" میں جس میں تینوں راجاؤں راجاؤں نے شمالی آرین راجاؤں کے مقابلہ میں جو امتیازی کامیابیاں حاصل کیں، ان کا منصفانہ اعتراف کیا گیا ہے، کری کال کی شمالی مہم کا بڑا شاندار تذکرہ ہے[۳۰]۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اِس مہم کے سلسلے میں کری کال ہمالیہ تک جا پہنچا تھا اور وجر، مگدھ اور اونتی ریاستوں کے راجاؤں نے اُس کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ کری کال کاویری ندی کی باڑھ روکنے کے لیے اس کے کنارے اونچے کروائے[۳۱]۔ اِس کا ذکر سب سے پہلے ساتویں یا آٹھویں صدی کے تیلگو چوڑا راجہ پنیہ کمار کی جاری کردہ "مالی پاڈو" تانبے کی تختیوں میں آیا ہے۔ افسانے کس طرح آگے بڑھتے ہیں اِس کی اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی کہ مذکو بالا افسانہ مانی کی داستانوں کے ایک اور سلسلے سے جا ملتا ہے۔ جس کا تعلق تری نیتر پلو ے ہے اور پھر

آگے بڑھ کر تیلگو عہد حکومت کے آخر کی تانبے کی تختیوں پر حسب ذیل مترنم عبارت پر ختم ہوتا ہے:۔

"چرنا سرورو ہا۔ وہانا دیوچنا یتوا ترلوچنا۔ پر مکھا کھلا۔ پر تھونیشورا کارتا۔ کاویری تیرا"[۲۴]

اسی کو جنوبی ہند کی قدیم سلسلہ وار تاریخ کے متعلق جو اہم نتائج اخذ کیے گئے ہیں اس کا سنگ بنیاد بنایا گیا ہے۔ چولا ریاست کے تخت کے لیے کری کال کا ایک ہاتھی کے ذریعے انتخاب جو اس مقصد کے لیے "کالوملم" سے چھوڑا گیا تھا اور جس نے کاروزر میں کری کال کو ڈھونڈ نکالا تھا، پھر کری کال کی کانچی کی فتح اور "تونڈا منڈلم" میں اس کا زرعی بستیاں بسانا اس سے منسوب افسانوں کے کچھ عناصر ہیں، جن کی کوئی تصدیق اس کے عہد کے ماخذ سے نہیں ہوتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کری کال کے زمانے میں "تونڈائے ناد" پر "تونڈمان السند پرائن" حکومت کرتا تھا۔ مگر اس خیال کی تصدیق میں کوئی معتبر شہادت موجود نہیں کہ یہ سردار کری کال کا پوتا تھا یا اس کا نائب تھا جسے اس نے کانچی کی فتح کے بعد تعینات[۲۵] کیا تھا۔

خانہ جنگی

آگے چل کر نلن گلی اور نیڈن گلی کا ذکر آتا ہے۔ ان کی آپس کی خانہ جنگی سے نیڈن گلی کی موت تک جو "کاریار" کے مقام پر واقع ہوئی چھڑی رہی، اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دونوں راجہ چولا خاندان کی دو مختلف شاخوں سے تعلق رکھتے ہوں گے جن میں باہمی رقابت تھی اور جن کی الگ الگ راجدھانیاں "پہار" اور "اُرایور" تھیں۔ نلن گلی کا ایک چھوٹا بھائی مارکلان تھا جس کی یاد تامل کنناد نامی شاعر نے ایک نظم میں محفوظ کر دی ہے۔ ایک بار جب ماولتان چوسر کی بازی اُس شاعر سے ہار گیا تو اس نے غصے میں پانسہ اٹھا کر اس پر دے مارا۔ پھر ماولتان نے اس کو ایسی ملامت کی کہ وہ معافی مانگنے پر مجبور ہو گیا [illegible] ایک بہترین نظم کہی۔[۲۵] یہ نظم اس غصیلے شہزادے اور اس کے [illegible] شاعر دونوں کی واحد یادگار ہے۔[۲۶] "منی میکھلائی" میں ایک بڑی لڑائی کا [illegible] جس میں "ماون کلی" عرف نیڈ منڈی گلی کے عہد حکومت

میں پانڈیہ اور چیرا راجاؤں کو ایک معمولی چولا شہزادے 'النگون' نے شکست دے دی۔ یہ وہی معرکہ ہے جس میں نیڈن گلی کا انجام موت کی شکل میں ہوا اور خانہ جنگی ختم ہو گئی[28]۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ 'النگون' جس کا ذکر "منی میکھلائی" میں ہے۔ دراصل نلن گلی تھا اور یہ کہ نلن گلی نیڈ وڈک گلی کا چھوٹا بھائی تھا بعض مصنفین اس سے بھی آگے جا کر یہ دلیل دیتے ہیں کہ چونکہ نلن گلی کا پورا نام "شیت چینی نلن گلی" بتایا گیا ہے[29] وہ الن جیت چینی کا پوتا ہو سکتا ہے۔ جو کہ کری کال کا والد تھا اس طرح نیڈ و موڈک گلی نلن گلی اور ماولتان تینوں کری کال کے بیٹے ہوئے۔ لیکن نام کے علاوہ 'کاردیارو' کی شناخت کی جس کا ذکر "پورنا نورو" اور "منی میکھلائی" نامی کتابوں میں ہے اور کوئی معتبر دلیل نہیں ہے۔ "کاردیارو" میں "نیڈمن گلی" کی موت کن حالات میں ہوئی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا ہے اور اس موت کا ذکر بھی پورم نمبر ۲۷ کے ضمیمے میں سرسری انداز سے کیا گیا ہے۔ اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ چونکہ نلن گلی اور نیڈن گلی میں خانہ جنگی ہوئی اور کاریارو کی لڑائی میں موخر الذکر ہلاک ہو گیا۔ ~~اس لیے یہ خانہ جنگی~~ ختم ہو گئی ہو گی۔ اس کے برعکس "منی میکھلائی" میں کاریارو کی لڑائی کی مختصر مگر ایسی چلتی پھرتی تصویر دکھائی گئی ہے کہ یہ لڑائی ریاست چولا کے بدیشی تعلقات کا ایک نہایت اہم واقعہ معلوم ہوتی ہے، نہ کہ محض دونوں کے رشتہ داروں کے آپس کے تنازعوں کا نتیجہ ہے۔ اس سلسلے میں اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ چیرا اور پانڈیہ ریاستیں اس لڑائی میں ایک چولا حکمران کو دوسرے کے خلاف مدد دے رہی تھیں۔ "شیت چینی نلن گلی" کی روشنی میں یہ آخری تاویل بھی بے وزن نہیں معلوم ہوتی اور اس بات کا کافی امکان ہے کہ وہ اور ماولتان دونوں کری کال کے بیٹے رہے ہوں۔

نلن گلی

"پورنا نورو" میں نلن گلی پر کم از کم چودہ باب لکھے گئے ہیں۔ اور "کودور کلار" کا جو اس میں سے لیف کا مصنف ہے یہ کہنا ہے کہ راجا نلن گلی خود کری کال کی طرح تامل ریاستوں میں ایک طرح کا غیر واضح اقتدار اعلیٰ رکھتا تھا۔ وہ مبالغہ کے ساتھ جس کا واقعی جواز ہے یوں اس کی عظمت کے گیت گاتا ہے[30]:-

"جس طرح کہ دولت اور مسرت راست بازی کے پیچھے پیچھے چلتی ہیں۔ اسی طرح

تیرے دو حریفوں پانڈیہ اور چیرا چھتریاں، تیرے لاثانی چھتر کے پیچھے پیچھے چلتی
ہیں۔ اور جو آسمان میں پورنماشی کے چاند کی طرح آب وتاب کے ساتھ بلند ہوتا
ہے۔ تو شہرت کی اس قدر امنگ رکھتا ہے کہ سوائے فتح ونصرت کے پڑاؤ کے
اور کہیں قیام نہیں کرتا۔ تیرے ہاتھی جن کے لیے نوکدار دانت تیرے دشمنوں
کے قلعوں کی فصیلوں کو منہدم کرنے میں کند ہوگئے ہیں، غصّے میں بپھرے
ہوئے ہیں۔ تیرے جنگجو سپاہی، جو ٹخنوں میں آہنی حلقہ پہنے ہوئے ہیں۔ دشمن
کے مُلک تک پہنچنے کی غرض سے وسیع جنگلوں کو قطع کرنا ایک کھیل سمجھتے ہیں۔
تیرے جنگی گھوڑے مشرقی سمندر سے روانہ ہو کر اس وقت تک نہیں رکتے
جب تک مغربی سمندر کی لہریں ان کی پابوسی نہ کرلیں۔ مختصر یہ کہ شمال کے
راجہ اطمینان کی نیند نہیں سوتے کیونکہ اُنھیں اپنے مُلک میں ہر وقت تیری
پیش قدمی کے امکان کا خوف رہتا ہے۔"

یہ شاعر جس نے اتنی بلند آہنگی سے اپنے آقا کی تعریف کی ہے کوئی ذلیل خوشامدی
نہیں تھا کیونکہ اس کے بالکل برعکس اس نے راجہ کو جب وہ نیڈن گلّی کو مطیع کرنے کے لیے
"اُرائیور" کا محاصرہ کر رہا تھا۔ بڑے مؤثر پیرائے میں صلح کی تلقین بھی کی ہے[11]!

"وہ (تیرا حریف) نہ کھجور کے سفید پھولوں کی مالا پہنتا ہے اور نہ گہرے رنگ کی
ٹہنیوں والی نیم کا ہار۔ تیرا گجرا بھی "آر" کی بنی ہوئی مالا ہے اور اس کا ہار بھی وہی ہے
جس نے تیرے خلاف جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ تم دونوں میں سے کوئی بھی جنگ ہارے،
وہ تمھارے ہی خاندان کی ہار ہے۔ قانونِ قدرت کے مطابق تم دونوں کا جیتنا ناممکن ہے
لہٰذا تمھاری کارروائی سے تمھاری نسل کے لیے کسی بھلائی کی امید نہیں ہو سکتی؛ اس
تنازعے سے تو صرف دوسرے راجہ خوش ہوں گے جو تمھاری ہی طرح جھنڈے والے رتھوں
میں سوار ہیں۔"

معلوم ہوتا ہے شاعر کی یہ نیک صلاح سُنی اَن سُنی کر دی گئی۔ کیونکہ نیڈن گلّی کے لیے جو
لقب "کاریارُت تُنجیا" استعمال کیا گیا ہے، اُس سے یہی مطلب نکلتا ہے کہ اس کی
موت پر ہی جنگ کا خاتمہ ہوا۔

اس عہد کے متعدد دیگر راجاؤں کی مانند نلن گلّی نے بھی خود ادب کی تخلیق کی۔ اور

اُس کی تخلیقات میں سے جو دو نظمیں محفوظ ہیں، اُن میں سے ایک اِس رونگٹے کھڑے کر دینے والی قسم کی شکل میں ہے[۴۲]

"اگر شرافت سے میرے قدموں میں آکر کوئی مجھ سے کسی احسان کی درخواست کرے تو میں اُسے اپنی قدیمی ریاست بھی خوشی سے دے دوں گا، نہیں بلکہ اس کی خاطر میں اپنی جان تک دے دوں گا۔ اور اگر ایک اندھے آدمی کی طرح جو کھُلے میدان میں سوئے ہوئے شیر سے ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ کوئی شخص میری طاقت کی تحقیر کرے اور میری مرضی کی مخالفت کرے تو وہ جان بچا کر نہیں جا سکتا۔ اگر میں جنگ کے لیے پیش قدمی نہ کروں اور اپنے دشمنوں کی وہی حالت نہ کروں جو ایک بڑے ہاتھی کے پاؤں کے نیچے کچلے ہوئے لمبے بانس کی ہوتی ہے تو خدا خیر کرے میری شاہی مالا اُن سیاہ زلفوں والی حسن فروشوں کے شہوانی آغوش میں مسل جائے جو کبھی خلوص دل سے محبت نہیں کرتیں۔"

ہمارے ماخذوں سے اس کی بخوبی تصدیق ہوتی ہے کہ "کاویریپ پمپائیم" مع اپنی وسیع تجارت کے نلن گلی کے قبضے میں تھا[۴۳] اور ویدک قربانیاں اس کے عہدِ حکومت میں عام تھیں[۴۴]۔ نلن گلی کے بارے میں اُرائیور مدوکنن شاتنار نامی شاعر کی بعض نظموں میں شدید افسردگی کا رنگ پایا جاتا ہے[۴۵]۔ اور یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے کہ یہ شاعر کے اپنے رجحانِ طبع کا نتیجہ ہے یا خانہ جنگی کے سانحات کا اثر معلوم ہوتا ہے کہ نلن گلی کی موت "الازوریکاتے پتی" کے مقام پر ہوئی[۴۶]۔

نیڈن گلی

خانہ جنگی میں نلن گلی کا حریف نیڈن گلی تھا۔ شاعر کوُوُرکلار نے اپنی جو نظمیں اُسے مخاطب کر کے لکھی ہیں۔ یہ وہ شاعر تھا جس نے اپنی ایک نظم میں دونوں راجاؤں کو اپنا تنازعہ ختم کرنے کی تلقین کی تھی۔ ان نظموں سے جنگ کے واقعات کے متعلق ہماری واقفیت میں صرف ایک معمولی سا اضافہ ہوتا ہے۔ ایک نظم میں یہ ذکر ہے کہ ایک بار نیڈن گلی کو آوُدُر میں محصور کر دیا گیا تھا۔ جس کو اُرائیور کی مانند نلن گلی کی فوجوں نے گھیر لیا تھا۔ اس نظم میں محاصرے کے اثرات کی ہو بہو منظر کشی کی گئی ہے[۴۷]۔

"نر ہاتھی جنھیں ہتھنیوں کے ساتھ قلعے سے باہر بڑے تالابوں میں نہلانے کے لیے

نہیں لے جایا جاتا اور نہ گھی ملائے ہوئے چاول کھانے کو دیے جاتے ہیں، اپنے تھانوں پر زنجیروں میں بندھے ہوئے بپھرتے اور لمبی آہیں بھرتے ہیں اور اپنی سونڈوں کو زمین پر لڑھکاتے ہوئے بادل کی گرج کی طرح چنگھاڑتے ہیں۔ بچے دودھ کی قلت کے باعث بلبلاتے ہیں۔ عورتیں بغیر پھولوں کے اپنے بال گوندھ لیتی ہیں۔ شہر کے عالیشان مکانات پانی کی نایابی سے بلکتے ہوئے لوگوں کی چیخ و پکار سے گونجتے ہیں۔ آئے تیز گام گھوڑوں کے والی! اب یہاں زیادہ دیر تک مقابلہ جاری رکھنا غیر ممکن ہے۔ اگر تم مہربانی کرو تو قلعے کے دروازے دشمنوں کے لیے کھول دو اور کہو کہ "یہ سب کچھ تمھارا ہے" اگر تم بہادری دکھاؤ تو فتح حاصل کرو اور اگر تم نہ یہ چاہتے ہو نہ وہ تو بہتر ہے کہ قلعے کے مستحکم دروازوں کو اچھی طرح بند کر کے خود کو بلند فصیل کی اوٹ میں کسی کونے میں بند کر لو۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ یہ بڑی شرمناک بات ہوگی۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ نیڈن کِلّی حوصلہ تو رکھتا تھا۔ لیکن جرأت سے عاری تھا۔ چنانچہ اس کی بزدلی کے باعث اُس پر اور اس کی رعایا پر بہت مصیبتیں پڑیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام بزدلوں کی طرح وہ بھی غداری اور فریب دیے جانے کے مستقل اندیشے میں مبتلا رہتا تھا۔ جن دنوں وہ اُرایُور میں محصور تھا۔ اِلندتن نامی ایک بھاٹ نلن کِلّی کے پڑاؤ کی سمت سے اُرایُور میں داخل ہوگیا۔ اُسے جاسوس سمجھ کر قتل کیا جارہا تھا کہ کووُر کِلار نے اس کی طرف سے ایک عذر پیش کیا اور اُس کی جان بچانے میں کامیاب ہوا۔ مندرجۂ ذیل نظم سنگم عہد کے بھاٹوں کی زندگی کی ایک عمدہ تصویر پیش کرتی ہے:[۴۴]

"وہ پرندوں کی طرح تیز رفتار ہیں اور سرپرستوں کی تلاش میں بڑے بڑے طویل اور بے آب و گیاہ راستے طے کرتے ہیں۔ بغیر کسی کے سکھائے ہوئے اُن کی تعریفیں کرتے ہیں۔ جو کچھ مل جائے اُسی میں خوش رہتے ہیں۔ خود کھاتے ہیں اور کنبے کو کھلاتے ہیں۔ خرچ کرنے سے ہاتھ نہیں روکتے۔ اپنے لیے کچھ بچا کر نہیں رکھتے وہ صرف عزت کے بھوکے ہیں۔ اُن کی زندگی جس کا دار و مدار اُن کے سرپرستوں کی فیاضی پر ہے، کیا اس سے کبھی کسی کی دلآزاری ہوتی ہے؟۔ یقیناً نہیں۔ اپنے حریف بھاٹوں کو ہرا کر البتہ وہ مسرور ہوتے ہیں اور جب اُن کے حریف ہار کر منھ لٹکا لیتے ہیں۔ تب وہ فخر سے تن کر چلتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں۔ انھیں اپنے ہی ڈھنگ کی ایک فضیلت حاصل ہے جو

آپ جیسے لوگوں سے کسی طرح کم نہیں جنھیں اس زمین کی حکمرانی عطا ہوئی ہے۔"

کلّی وتّون

تلن کلّی اور نیڈن کلّی کے قریب ترین زمانے میں راجہ کلّی وتّون ہوا ہے جس کی وفات کلّامرسم کے مقام پر ہوئی۔ قریب ترین زمانہ اس لیے کہ اوّل الذکر دو راجاؤں کی توصیف جن شاعروں نے کی ہے انھوں نے راجہ کلّی وتّون کی تعریف بھی کی ہے۔ ایک اور کلّی وتّون تھا جو کوودور کلاور کی ایک نظم کا موضوع تھا۔ جس کی موت کہا جاتا ہے کہ اپ پلّی کے مقام پر ہوئی۔ غالبًا یہ دونوں ہم نام راجہ تھے[58] اور اگر یہ صحیح ہے تو کوودور کلار کی یہ نظم جو راجہ کے کارودور فتح کرنے کے بعد تحریر کی گئی ہے۔ ایک ایسے قلعہ کا بیان کرتی ہے جو چیزوں کے خلاف اس کی جنگ میں اس واقعہ کے بعد پیش آیا تھا۔ جس کا ذکر آلتور کلار کی نظم میں ہے[59] اور جس میں کارودور کو محاصرے میں دکھایا گیا ہے۔ کلّی وتّون کی تعریف دس مختلف بھائیوں نے اٹھارہ گیتوں میں کی ہے۔ خود اُس نے ایک نظم کہی ہے جس میں اپنے دوست پتّن کی تعریف کی ہے[60] جو "شیر وکدّی" کا راجہ تھا۔ اور اپنے دارالخلافہ آرائیور سے حکومت کرتا تھا[61]۔ کلّی وتّون ہمارے خیال میں کافی قابلیت کا مالک تھا وہ بہادر اور فیاض تھا۔ لیکن قدرے خودسر بھی تھا۔ لیکن بھائیوں نے بڑی فراست سے ان گیتوں میں اسے کچھ نصیحتیں کی ہیں اور ان سے اس نے نصیحت بھی پکڑی۔ مندرجہ ذیل اشعار "ولائی گڈی ناکنار[62]" کے ہیں۔ جسے ان اشعار کے پیش کرتے ہی فورًا انعام سے نوازا گیا۔ یہ انعام اُس کے لگانِ اراضی کے بقایا کی معافی کی شکل میں تھا:

" سہانی تامل ریاستوں کی زمینوں کی سرحد وسیع سمندر بناتا ہے۔ ان زمینوں کی پیشانی پر آسمان جس میں طوفانوں کی عملداری نہیں ہے ایک تاج کی طرح رکھا ہوا ہے۔ یہاں کی زمین جو کاشت کی جاتی ہے وسیع اور زرخیز ہے۔ زبردست افواج کے مالک تین راجاؤں میں یہ ملک تقسیم ہے۔ لیکن ان تینوں میں سے میدانِ کارزار کا تیز غیظ ہنگامہ بپا کرنے کے لیے کس کے نقارے بجتے ہیں؟ وہ تو ہی ہے اے جلیل القدر ہستی!

درخشاں آفتاب چاہے مختلف سمتوں سے طلوع ہو اور یہ نقرئی ستارہ چاہے جنوب میں غروب ہو۔ تیرا ملک جہاں گہری گھاٹیوں میں دریائے کاویری کا تابندہ اور فرحت بخش

دھارا بہتا ہے اور جس کے کنارے پر گنّے کے سفید پھول ایسے لہراتے ہیں جیسے میدانوں میں نیزوں پر پھریرے، ہمیشہ پھلے پھولے گا۔ میں اس پُرحشمت ملک کے تاجدار سے اتنا صاف صاف عرض کر دوں کہ مناسب اوقات میں تجھ تک سائلوں کی رسائی ہونی چاہیے۔ جیسے کہ انصاف کا دیوتا فریاد سننے اور انصاف کرنے کے لیے بیٹھتا ہے ایسے بادشاہوں کی سلطنت میں بارشیں ان کی مرضی سے ہوتی ہے۔ گہرے بادل سورج کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور آسمان کے گنبد میں آرام کرتے ہیں۔ تو ایسا بن کہ تیری حکومت کا چھتر آسمان کا مقابلہ کرے اور اپنے اردگرد میں امن و سکون کی چھاؤں بکھیرے نہ کہ غم کے اندھیرے تیری تمام فتوحات سے محنت کش کسان کا فائدہ ہو۔ بارشیں کم ہوں یا باڑھ آئے ہر بات کا الزام راجاؤں پر آتا ہے اُن کی تعریف کم ہوتی ہے۔ دنیا کا یہی دستور ہے۔ اگر تو نے اچھی طرح اس بات کو دیکھ سمجھ لیا ہے تو بدباطنوں کے عیّارانہ مشوروں کو ٹھکرا کر ان لوگوں کے بوجھ کو ہلکا کر جو زمین جوتتے ہیں۔ اور اپنے باشندوں کی رکھوالی کر۔ اگر تو ایسا کرے گا تو ضدی اور سرکش دشمن تیرے قدموں پر عاجزی سے جُھک جائیں گے۔"

چیرا کی راجدھانی "کارور" کا محاصرہ اور اس کی فتح بلاشبہ اس راجہ کا عظیم ترین فوجی کارنامہ تھا۔ جو بے شمار منظومات کی تخلیق کا سبب ہوا جیسے آلتور کِلاّر نے نرمی سے ملامت کر کے وہ ایسے دشمن کا مقابلہ کر رہا ہے جو شجاعت میں اس کے سامنے بالکل ہیچ ہے، راجہ کی توجہ مبذول ہوئی سے ہٹائی اور "کارور" کو غارتگری سے بچالیا:[55]

"تو انھیں تباہ کرے یا چھوڑ دے تو ہی اس پر غور کر کہ تیرے نام کے شایانِ شان کیا ہے۔ سیاہ ہاتھوں والے لوہار کی ریتی سے تیز کیا ہوا، لمبے دستے اور تیز دھار والا کلہاڑا، اردگرد کے ہر باغ میں درختوں کی نکہت بار ٹہنیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا ہے۔ وہ زور سے ٹوٹ کر گرتی ہیں اور "آن پورنتم" ندی کی سفید ریت کو بکھیر دیتی ہے۔ جہاں خوبصورت طلائی بازو بند باندھے حسینائیں رقص کرتی ہیں۔ ان کی گونج شہر بھر میں اور محلوں میں جن کی رکھوالی ہوتی ہے سُنائی دیتی ہے اور پھر بھی اُن کا راجہ عیّاشیوں میں مست پڑا سو رہا ہے۔ اپنے تیرانداز لشکر کے ساتھ، جس کا جنگی نقارہ بلند آہنگ سے بج رہا ہے۔ ایسے کمزور دشمن سے لڑ کر تجھے ندامت محسوس ہوگی۔"

بیچ بچاؤ کی یہ کوشش ناکام رہی اور شہر فتح ہو گیا۔ تب ایک شاعرہ ماروکتّونیاتِّیاؔ

نے اپنے افسوس کا اظہار ان الفاظ میں کیا:-[۵۶]

"اے اُس چولا تاجدار کے فرزند جس نے ایک فاختہ کو مصیبت سے چھڑایا تھا۔ اے غضبناک فوجوں کے سربراہ جو تباہی خیز چمکیلے نیزوں سے مسلح ہیں، جو ایسی تباہی مچاتے ہیں جیسے کوئی غضبناک خونخوار اور آتش بار اژدہا اپنے چمکتے ہوئے زہریلے دانتوں والے پانچ پھن اٹھائے پہاڑ کی کسی کشادہ گپھا میں گھس جائے۔ جہاں سنہری رنگ والی بیلیں پُل کھاتی ہو اور آسمانوں سے آگ برستی ہے اور بجلی کڑکتی ہے۔ تُو نے اس شاہانہ نگر کو دیکھا جس کے راجہ کے گرد کمربستہ ہاتھیوں کا پہرہ لگا تھا۔ وہاں گہری اور اندھیری خندق میں مگرمچھ جمع ہیں۔ جھیل کے پھیلے ہوئے پانی میں جس کے چاروں طرف پہرا لگا ہے تند اور لڑاکے گھڑیال ان پرچھائیوں پر جھپٹتے ہیں جو نصف شب میں پہرے کے سنتری کی مشعل کی روشنی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی دیواریں چمکاتے ہوئے تانبے کی مانند دمکتی ہیں۔ اے پُرشوکت راجہ! یہ سب تیری آنکھوں کو بھلا نہیں لگا کیونکہ تو نے پوری شدّت کے ساتھ تباہی و بربادی کی۔"

مغرور فاتح (کلی دوَن) کو مخاطب کرکے فرعون مزاجی کے خلاف اسے انتباہ[۹] دیتے ہوئے آدوُر کے رہنے والے مُوگلم کلار نے جو نظم کہی، کارُوُر فتح ہونے کے فوراً بعد لکھی گئی ہوگی:-[۵۵]

"تُو وہ زور آور راجہ ہے جو محفوظ قلعے کی تباہی سے باز نہیں آیا۔ تو اسے توڑ کر اندر گھسا۔ اِس کے حکمران کو قتل کیا اور زرد سونے کو جو قبل ازیں اُس کے تاج میں لگا تھا، اپنے پاؤں کی پازیب بنایا۔ اے سورما! تیرے نصرت مآب قدموں کے کیا کہنے!

تیری زمین اتنی زرخیز ہے کہ اس کا ایک چھوٹا سا قطعہ جس میں ایک ہتھنی بیٹھ سکتی ہے۔ سات بڑے ہاتھیوں کی پرورش کے لیے کافی ہے۔

خدا کرے کہ ہم آج کی طرح ہمیشہ یہی دیکھیں کہ تیرے بدخواہوں کی گردنیں جھکتی رہیں اور تیرے خیر خواہ سرفراز ہوں۔ اے عظیم حکمران تُو شیریں زبان بن اور آسانی سے تجھ تک رسائی ممکن ہو۔"

کووُرُو کلار نے بھی اپنی ایک نظم میں اس واقعے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ لیکن یہ نظم تسلسل کے ساتھ کہیں محفوظ نہیں ہے۔[۵۵]

"پُورنا نُورُو" میں شامل نظمیں کِلّی وَلّون اور اس کے جنوبی ہمسایہ پانڈیہ راجاؤں کے مابین تعلقات کے متعلق خاموش ہیں۔ لیکن شاعر نکّی رار کی ایک نظم میں جو "اہنانورُو" میں شامل ہے، پانڈیہ سپہ سالار پلائین ماریں کے ہاتھوں، مدوران کی فصیلوں کے باہر کِلّی وَلّون کی فوجوں کی شکست کے متعلق واضح اشارات ملتے ہیں۔ اس کی تردید میں چونکہ کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ اسلئے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جس راجہ کی ہزیمت کی طرف نکّی رار نے اشارہ کیا ہے، وہ وہی ہے جو "کُلامُرّم" میں فوت[91] ہوا تھا۔ کِلّی وَلّون نے غالباً ایک محاذ پر ملاڈو کے سردار ملائے یمن کے خلاف جنگ چھیڑ دی تھی۔ ملاڈو دریائے پنّار کے کنارے پر واقع ایک ضلع تھا جس کا صدر مقام "تیرُکوئیلور" تھا۔ اگرچہ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے لیکن ملائے یمن جس کے خلاف یہ مہم چھیڑی گئی تھی، دراصل ملائے یمن تِرُومُڈِک کارِی تھا جس کی تعریف 'پورم' میں دی ہوئی کپلار اور مارُوکتو نپّاشالیار' کی متعدد نظموں میں کی گئی ہے۔ یہ تعریف اس لیے کی گئی ہے کہ وہ بھائیوں کی سرپرستی نہایت فراخدلی سے کرتا تھا۔ اس کی اس خوبی کو کارُور کلار نے بھی اپنی مندرجہ ذیل نظم میں اُجاگر کیا ہے۔ اس نظم کے طفیل میں شاعر ملائے یمن کے بچوں کی اس بے رحمی کی موت سے بچانے میں کامیاب ہوگیا جس کے لیے فاتح چولا راجہ نے حکم دے دیا تھا۔[91]

"تو اُس شاہی خاندان سے ہے جس نے ایک فاختہ کو دکھ درد سے چھڑایا اور بہت سے دوسرے مظلوموں کو بھی۔

تو اُس خاندان سے ہے جس کے راجہ دانشوروں اور عالموں کی ہمدردی میں انھیں اپنے دسترخوان میں شریک کرلیتے ہیں اور اُنھیں مفلسی سے بچاتے ہیں۔ جن کے زیرسایہ لوگ سُکھ کی زندگی گزارتے ہیں۔

ان معصوموں کی طرف دیکھ کہ کس طرح وہ پہلے تو تیرے ہاتھیوں کو دیکھ کر سہمے کھڑے تھے اور پھر انھیں بھول کر، تیرے دربار کے رعب وداب سے خوفزدہ ہوئے اور اب وہ دوسرے نئے خطروں سے کانپ رہے ہیں۔

میری بات سُن اور پھر اپنی خواہش کے مطابق عمل کر۔"

مارُوکتو نپّاشالائیار کے لکھے ہوئے ایک قصیدے میں اُس راجہ کی فیاضی، انصاف پسندی اور مردانگی کی ایسی تعریف، لیکن ایک بڑے فنکارانہ انداز میں کی گئی ہے۔[92]

" اے اس عظیم شخص کی اولاد جو ایک فاختہ کو دکھ سے بچانے کے لیے خود اس ترازو میں بیٹھ گیا۔ جس کی ڈنڈی کے دونوں سروں پر بھاری پیروں والے ہاتھی کے منقش دانت مڑھے ہوئے تھے۔ سخاوت تیری پیدائشی خصلت ہے اور یہ کوئی تیری خاص ثنا خوانی نہیں۔

اور جب ہم غور کرتے ہیں کہ کیسے تیرے قدیم بزرگوں نے اس قلعے کو تباہ کر دیا جو آسمان میں معلق تھا اور دشمن جس تک پہنچنے سے خوف کھاتے تھے تو پھر تیرا اپنے دشمنوں کو قتل کر دینا تیرے لیے کوئی بڑی بات نہیں اور چونکہ "اُرائیور" جو بہادر شولاز کا ناقابلِ تسخیر شہر ہے انصاف کی مجلسِ شوریٰ کا مسکن ہے۔ انصاف پسندی تیری کوئی خاص تعریف کی بات نہیں۔"

اے وتون! اے برق یا شہسوار جن کے قوی بازو قلعے کی سلاخوں کی طرح ہیں اور جس کا سہرا جاذبِ نظر ہے۔ میں کس طرح تیری تعریف کر سکتی ہوں؟ میں تیری شہرۂ آفاق بہادری کے نغمے گاؤں گی جس نے لازوال "وینی" کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا اور اس کے چیرا راجہ کو جس نے اپنا دھنش والا پرچم ہمالیہ کی ناقابلِ پیمائش بلند اور سنہری چوٹیوں پر نصب کر دیا تھا اُس کی خوبصورت اور مضبوط رتھ سمیت غارت کر دیا۔"

راجہ کی موت پر لکھے گئے دو مرثیے بھی اپنی انوکھی خود بینی کے باعث قابلِ توجہ ہیں گویہ کلام مرسم کی جائے وقوع کے متعلق، جہاں راجہ کی موت ہوئی یا اس کی موت کے حالات اور اسباب کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے اُن میں سے ایک مرثیہ خداداد ملکہ رکھنے والی شاعرہ مارو کتونپاشالا نیار کا ہے:[123]

"اگر اپنے دل میں بھی وہ تجھ سے خفا ہوتا
یا اپنے ظاہری اقدامات سے اپنے عتاب کا اظہار کرتا
یا اگر تجھے وہ کبھی اپنے ایذارساں ہاتھ سے چھو لیتا
تو اے موت! تو بچ کر نہیں جا سکتی تھی۔
تو عظیم وتون کو اُچک لے گئی

بھائیوں کی طرح اس کی خدمت میں التجا کر کے، اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر اور میٹھی میٹھی باتیں کر کے تو نے اس شخص کی جان لی جو ان لشکروں کا سردار ہے جن کا میدانِ کارزار میں ہجوم ہے۔ جو زبردست رتھ کا مالک ہے۔ جس کا سر سونے کے

سہرے سے مزین ہے !"

دوسرا مرثیہ جو "آڈتورائی" کے رہنے والے شاعر ماشاتنار کا لکھا ہوا ہے، اگرچہ ڈاکٹر پوپ کے قول کے مطابق معمولی سا ہے، پھر بھی اثر سے خالی نہیں:-[64]

"اے بے رحم موت! تو بھی کیسی احمق ہے،
اپنی عقل کی کمی کے باعث تو اپنے بونے والے تخم کو کھا جاتی ہے
تُو دیکھے گی کہ جو میں نے کہا ہے صحیح ہے
چمکتی ہوئی تلواروں والے جنگجو سپاہی، ہاتھی اور گھوڑے
میدانِ جنگ میں کٹ مرتے تھے، جس میں خون کی ندیاں بہتی تھیں
لیکن کبھی اس کی پیاس نہیں بجھتی تھی۔ وہ روزانہ اپنے دشمنوں کو تلوار کے گھاٹ
اُتارتا تھا اور تیری بھوک مٹاتا تھا۔
اس میں تیری ہی سی طاقت تھی جو رحم کرنا نہیں جانتی تھی
اور نہ کسی انتقام سے ڈرتی تھی
یہ دلاور جو سونے کے بھاری زیورات پہنتا تھا
جس کے پھولوں کے گجرے میں شہد کی مکھیاں بھنبھناتی رہتی تھیں
تو اُسے لے گئی
اب تیری بھوک کون مٹائے گا؟"

کوپے رُنجولن

اس زمانے کا ایک نامور چولا تاجدار کوپے رُنجولن تھا۔ وہ بھی اُرائیور سے حکومت کرتا تھا۔ خود شاعر ہوتے ہوئے وہ دو شاعروں، "پشر" (رازم)، کے رہنے والے آندآئیا اور پوئی یار کا گہرا دوست تھا۔ "آندائی" جس کے معنی ہیں اُتو، عرفیت معلوم ہوتی ہے[65] لیکن شاعر کے کسی اور نام کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ وہ پانڈیہ ریاست کا باشندہ تھا اور اس نے اپنے ملک کے راجہ اریوڈئی کو کچھ نیک مشورے دیئے۔ پوئی یار چولا ریاست کا باشندہ تھا اور اُرائیور شہر میں رہتا تھا۔ ان شعراء اور راجہ کوپے رنجولن کی دوستی بعد کے لٹریچر میں ڈیمن اور پائی تھیاس کی طرح ایک مثالی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ آندائی ایک

خوش طبع شخص تھا۔ اُس کی نظموں میں زندگی کی سچی لطف اندوزی جھلکتی ہے۔ ایک بار جب اس سے دریافت کیا گیا کہ ضعیف ہو جانے کے باوجود بھی اُس کے بال کیوں سفید نہیں ہوئے تو اس نے جواب دیا:-[19]

"میری عمر بہت ہو گئی ہے۔ پھر بھی میرے بال سفید نہیں ہوئے
تم اس کی وجہ دریافت کرتے ہو۔ وجہ یہ ہے
کہ میری ایک لائق بیوی ہے اور میرے بچے بھی ہیں۔
میرے خادم میرے منشا کے مطابق چلتے ہیں
میرا راجہ مجھے نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ میری حفاظت کرتا ہے۔
اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میرے پڑوس میں اچھے لوگ بستے ہیں
جو نیک اور راستباز ہیں پاکیزہ روحوں والے اور ذی علم ہیں"

ذیل میں ایک اور نظم دی جاتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کو اپنے وطن کے راجہ کے مقابلہ میں کوپے رُنجولن سے زیادہ اُنس تھا:-[20]

"اگر تم مجھ سے پوچھو کہ تمہارا راجہ کون ہے؟
تو ہمارا راجہ وہ ہے جو مزدوروں کو تیز۔ پکی۔ چھنی ہوئی کھجور کی شراب پلاتا ہے۔
اور کھجوروں کی چربی سے ان کی بھوک مٹاتا ہے
اور بھنی ہوئی تیار "لیری" مچھلی سے ان کے منہ بھر دیتا ہے۔
وہ دعوت کھانے کے لیے اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں اور دعوت دیر تک چلتی ہے۔
اس اچھے زرخیز ملک میں بھاٹ اور ان کے کنبے ہمارے راجہ کو بھوک اور افلاس کا دشمن پاتے ہیں۔
وہ راجہ "کولی" کا والی، توی کا چولا راجہ ہے۔
وہ پوتی (شاعر کا نام) کے ساتھ گفتگو پسند کرتا ہے جس کی دوستی میں کوئی خامی نہیں[21] اور تمام دن وہ مسرت بھرے دل سے ہنستا رہتا ہے"

پلاڑور ایڑی یانار کی لکھی ہوئی ایک خوبصورت[22] نظم جس کے ذریعے سے اس نے راجہ کی پدری شفقت کے جذبات کو اُبھار کر اُس کو خانہ جنگی سے باز رکھنے کی کوشش کی ہے اس تنازعے کی شہادت ہے جو کوپے رُنجولن اور اُس کے دو بیٹوں کے مابین ایک خطرناک صورت

باختیار کر گیا تھا۔ قدرت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ یہ ہردلعزیز راجہ، جسے زندگی بھر اور مرنے کے بعد بھی دو شاعروں کی محبت حاصل رہی، اپنی اولاد کے ساتھ اپنے اختلافات ختم نہ کر سکا۔ خودکشی کے بارے اس کا الوداعی قول اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ وہ زندگی کی تکالیف سے خودکشی کو ذریعہ نجات سمجھنے لگا تھا:۔

"وہ لوگ جنھوں نے ابھی تک یقینِ محکم حاصل کرکے اپنے قلوب کو تسکین نہیں دی
یہ نہیں کہتے کہ ہم اچھے کام کریں یا نہ کریں
جو ہاتھی کا شکار کرتا ہے، وہ ہاتھی پا سکتا ہے
جو بٹیر کا شکار کرتا ہے، وہ خالی ہاتھ واپس آ سکتا ہے
اس لیے اگر لوگوں کے عزائم بلند ہوں
تو انھیں ان کو عملی جامہ پہنانا چاہیے۔
تاکہ وہ اس دنیا کا لیش حاصل کر سکیں جو محسوسات سے ورے ہے۔
اگر انھیں یہ حاصل نہ ہو سکے تو کسی اگلے جنم میں انھیں نجات حاصل ہو جائے گی۔
اور اگر کوئی اگلا جنم نہ ہو تو ہمالیہ کی بلند چوٹی کی طرح زمین پر اپنی شہرت کی بنیاد ڈالنا
اور گناہ سے بے داغ رہ کر اس دنیا سے رحلت کر جانا یقیناً ریاضت کا سب سے اچھا صلہ ہے۔"

دو اور مختصر نظموں میں آندآئی سے اپنی موت سے پہلے ملنے کے اشتیاق اور اس یقین کا اظہار ملتا ہے کہ اس کا دوست اس کی توقع ضرور پوری کرے گا۔ جب آندائی وقت سے پہنچ گیا اور راجہ کے اس فیصلے میں شریک ہو گیا کہ اس بدخصلت دنیا کو چھوڑ دیا جائے تو پوتئیار نے راجہ کی شرافت اور آندآئی کی فراست کی بہت تعریف کی اور اس ریاست کے لیے بے حد تشویش کا اظہار کیا جو اس راجہ سے محروم ہو رہی تھی۔ جس کے اعلیٰ محاسن نے آندآئی کا دل جیت لیا تھا، حالانکہ اس پر راجہ کی اطاعت لازمی نہیں تھی۔ دو چھوٹی نظموں میں آندآئی کی راجہ کی رفاقت میں خودکشی کی یادگار زندگی رکھی گئی ہے۔ ان میں سے ایک میں یہ ہے کہ آندائی نے دریا کے کنارے ایک درخت کے سائے میں فاقہ کشی سے اپنی زندگی ختم کر دی۔ جب پوتئیار نے اس کی تقلید کرنی چاہی تو راجہ نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ اپنے ہاں بیٹا

پیدا ہو جانے تک وہ اپنے خودکشی کے ارادے کو ملتوی کر دیتے۔ لہٰذا پونی یار کو واپس جانا پڑا
جب شاعر آرا ئیور کو واپس لوٹا تو اس نے اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کیا :
" نگہبان جو اس بڑے ہاتھی سے محروم ہو گیا ہو جسے وہ روز ڈھیر ساری خوراک
کھلاتا تھا،
اور برسوں تک جس کی پرورش کی ہو
وہ اس کھمبے کو خالی دیکھ کر، جہاں وہ بندھا رہتا تھا، بہت غمگین ہوتا ہے
اور روتا ہے ـــــ اس طرح کیا میرا دل خون نہیں ہو گیا۔
جب میں نے اس قدیم شہر کے صحن کو خالی دیکھا
جہاں کلی رہتا تھا اور مرے ؟
کلی جس کے پاس رتھوں کی دولت تھی
جن پر فاتح کی مالا لہراتی تھیں ؟ "
جب کچھ عرصہ بعد اُس نے اس مقام کی زیارت کی جہاں راجہ فوت ہوا تھا اور جہاں ایک
پتھر بطور نشان رکھا گیا تھا تو اس کے دل پر مرحوم کے نیک اوصاف کو یاد کر کے رقت طاری
ہو گئی۔
" بھاٹ اور شاعر جن کی ضروریات پوری کرتا تھا اس کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔
وہ رقاصوں کا محبوب تھا جنھوں نے اس کے دربار کا رخ کیا تھا۔
وہ رشیوں کی تعلیم کے مطابق اپنے شاہی عصا کو گھماتا تھا۔ اس کی دوستی میں وہ استحکام
تھا جس کے دانشمند معترف تھے۔ وہ عورتوں کے لیے نرم تھا اور زبردستوں کے سامنے
بہادر۔
وہ بے داغ عالموں کے لیے جائے پناہ تھا۔
ایسے شخص کو موت نے جنینہ بخشا اور اُس کی نیک روح کی ہمراہ لے گئی۔ اس لیے آؤ میرے
غمزدہ عزیزو
ایک دوسرے کے گلے لگ کر موت کو کوسیں آؤ سارے بھاؤ جن کے اقوال سچے ہیں وہ
ویرانے میں نصب کیا ہوا ایک ستون بن چکا ہے
لازوال توصیف کا تاج پہنے ہوئے۔

جبکہ یہ وسیع دنیا اس کے غم میں مصروف ماتم ہے
اس شخص کا یہ حشر ہوا ہے جو ہمارا مربی تھا"

پیرونار کلّی

پیرونار کلّی یقیناً بہت ہی طاقتور حکمراں ہوا ہوگا۔ کیونکہ "سنگم" عہد کے تامل خودمختار حکمرانوں میں وہ واحد حکمراں تھا جس نے راجو یگیہ منعقد کیا۔ اغلب ہے کہ پیرونار کلّی کی حکومت کے اس شاندار افتتاح میں چیرا راجہ ماری وینکو اور پانڈیہ راجہ اُگر پیرو ولوڈی دونوں شریک تھے جیسا کہ کنکا سبھائی کا خیال ہے۔ آیو دا تیار کا آشیرواد جس میں ان تینوں کے نام شامل ہیں اسی موقع پر دیا گیا ہوگا۔

"یہ جنتِ ارضی مع اپنے طبقات کے خواہ یہ تمھاری ہو یا ان کی جو تمھارے ساتھ نہیں بلکہ تمھارے خلاف ہیں، حقیقت میں درویشوں کی ہے۔ خدا کرے تم اپنی زندگی میں برہمنوں کے ہاتھوں میں جو انھوں نے تمھارے سامنے پھیلائے ہیں پانی کے ساتھ پھول اور سونا بھی ڈالو اور وہ میٹھی شراب پیو جو تمھاری کنیزیں درخشاں جواہرات پہنے، سنہرے جاموں میں تمھارے سامنے پیش کریں اور تم فرطِ شادمانی میں ضرورت مندوں کو بیش قیمت تحفے بے حساب عطا کرو۔ تمھارے نیک اعمال ہی جو تم اس وقت کروگے موت کے وقت تمھارے کام آئیں گے۔ اے سفید چھتر اور جھنڈے والے رتھ کے مالک راجاؤ! یکجا بیٹھے ہوئے تم تینوں کی تین مقدس اگنیوں کی طرح معلوم ہوتے ہو۔ جنھیں برہمن دوامی ہوشیاری سے دن رات روشن رکھتے ہیں۔ میں تو اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ تمھاری عمر کے دن اتنے ہوں جتنے آسمان میں ستارے یا برسات کی جھڑی میں بوندیں۔"

اِس راجہ کے عہدِ حکومت کے واقعات کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ یہ کہ جنگ و جدل میں اُس نے بھی حصّہ لیا، اُس کا اندازہ ہم ایک نظم سے لگا سکتے ہیں جس میں اس کی فوجوں نے جس طرح دشمن ممالک کو تباہ و برباد کیا اس کا ذکر ہے۔ ایک دوسری نظم کے خاتمے سے پتہ چلتا ہے کہ اس راجہ اور چیرا راجہ ماندرن جیرال اُرامپوراے کے درمیان بھی جنگ ہوئی تھی۔ جس میں تیرون ملایمن نامی سردار چولا راجہ کی طرف سے شریک ہوا تھا۔ اس جنگ میں کون چولا راجہ کے دشمن تھے اور کون دوست، اس کا پتہ نہیں چلتا

چھوٹے چولا راجواڑے

کوچن گنان کا حال بیان کرنے سے پہلے جو سنگم لٹریچر میں مذکور چولا راجاؤں میں اگر بالکل آخری نہیں تو آخری راجاؤں میں ضرور تھا، ہم چولا خاندان کے چند چھوٹے مگر مشہور سرداروں کا ذکر کریں گے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان میں سے بیشتر معمولی سردار تھے۔ یہ شاہی خاندان کے افراد تھے نہ کہ خود راجہ۔ ان میں دو شہزادوں کا ایک ہی نام تھا۔ یعنی "الن جیت چینی" ان دونوں میں امتیاز ان کے القاب نیڈا انگانی اور شیرو پالی پیرندا سے کیا جاتا تھا۔ ان کی تعریف ایک گمنام شاعر اُدن پوڈی پاشنگو ڈائیار نے کی ہے۔ نیڈا لنگانی نے پاموکوڑ کے چیرا قلعہ کو فتح کر کے ناموری حاصل کی۔[۱] لیکن یہ لقب اُس نے کیسے حاصل کیا اُس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ شیرو پالی جس کا دوسرے شہزادے نے تختہ اُلٹ دیا تھا، محض ایک نام ہی ہے۔ چولا راجہ مُدیتا لا ئیک کو پیرو نارکِلی جس کے معنی ہیں "عظیم اور نیک نام راجہ کِلی جس کے سر پر تاج ہے"، کی یاد شاعر مُڈ موشیار (موشی لنگ)، کی واحد نظم ہی میں محفوظ ہے۔ یہ شاعر اُرائیور کے ایک حصے 'اینی چیری' میں رہتا تھا۔ اس کی نظم شاعری کا ایک عمدہ نمونہ ہے[۲] جس میں چولا راجہ کی سلامتی کے متعلق شاعر کی شدید تشویش کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ راجہ ایک ہاتھی پر سوار تھا، جو یکایک پاگل ہو گیا تھا اور راجہ کو کارو ڈور سے بھی آگے لیے جاتا تھا۔ شاعر اس وقت ایک چیرا شہزادے کے ساتھ تھا اور اُس نے شہزادے کو بتایا کہ ان کی آنکھوں کے سامنے کیا ہو رہا ہے۔ بھاگتے ہوئے ہاتھی کو اُس نے سمندر کی بلند لہروں پر تیرتے ہوئے جہاز سے تشبیہ دی ہے۔

پیرُم ترد ماوُلون[۳] جس کی وفات "کُراپلی" میں ہوئی پانڈیہ شہزادہ پیرو دلوُدی کا ہم عصر اور حلیف تھا، جس کی موت 'ویلی یمبلم' میں ہوئی۔ کاویری پپا تم کے شاعر کاریک کنّا نار نے ان کے اتحاد کی تعریف کرتے ہوئے، ان کو غلط مشورے دینے والوں سے ہوشیار بھی کیا ہے جو ان میں نفاق ڈالنے کے درپے رہتے تھے۔[۴]

" تم دریائے کاویری اور اُس کے سرد پانی کے والی ہو۔ یہ راجہ پنچوا کی جنگجو نسل کا شیر ہے۔ جو اپنے بزرگوں کی موت سے پست ہمت نہ ہو کر، اپنی خیر خواہ رعایا کی بیداد سے حفاظت کرتا ہے۔ جیسے برگد کی لمبی سایہ دار ٹہنیاں جو زمین میں اپنی جڑیں گاڑ دیتی

ہیں اور چاہے منہ سوکھ بھی جائے وہ درخت کو زندہ رکھتی ہیں۔ یہ راجہ اگرچہ کم عمر ہے لیکن اُس نے بہت جلد اپنے دشمنوں کو یوں منتشر کر دیا ہے جیسے بجلی سانپوں کے پورے جھنڈ کا صفایا کر دیتی ہے۔ تو اَراندائی کا جنگجو سورما ہے جو نیکی کا مسکن ہے۔ اس راجہ نے یہ سمجھتے ہوئے کہ دھان اور پانی تو سستے ہیں خود کو ڈنکے کی چوٹ پہاڑ کے صندل اور سمندر کے موتیوں کا مالک بنا لیا ہے اور رحملی کے ساتھ کوڈل پر جو تامل دیش کے علم کا مرکز ہے حکومت کرتا ہے۔ تو باوقار ہے ان دو دیوتاؤں کی طرح جو ایک ساتھ کھڑے ہیں جن میں سے ایک گورے رنگ کا ہے جس کے ہاتھ میں کھجور والا جھنڈا ہے اور دوسرا سانولا ہے جس کے پاس چکر ہے اور اپنے دشمنوں کے لیے دہشت کا سامان ہے۔ کیا اس سے زیادہ اچھی بھی کوئی بات ہو سکتی ہے ؟ پھر بھی میری بات سُن۔ خدا کرے کہ تیری شہرت ہمیشہ قائم رہے۔ تم ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہو اور اگر تم اپنی دوستی برقرار رکھو گے تو تم سمندر سے گھری ہوئی اس تمام دنیا کو فتح کرنے میں ناکام نہیں ہو گے۔ لہٰذا خدا کرے کہ ناعاقبت اندیش لوگوں کے دکھاوے کے الفاظ سے تم دھوکا نہ کھاؤ۔ جو دیکھنے میں اچھے، دانش مندانہ اور پرانی روایات کے مطابق معلوم ہوتے ہیں لیکن جن کا مقصد تمہارے دلوں کو متحد رکھنے والی محبت میں رخنہ ڈالنا ہے، تمہاری دوستی عین اسی طرح برقرار رہے جیسے کہ آج ہے۔ خدا کرے تمہارے نیزے جنگ کے خونیں میدان میں ظفر مند ہو کر بلند ہوں اور تمہارے دشمنوں کی ریاستوں میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر دھاری دار شیر اور سیم ماہی کے شاہی نشان بلند ہوں۔"

ترد مالون کی یہ بدقسمتی تھی کہ اُسے ایک جھلائے ہوئے شاعر نے جس کو انعام کے لیے بہت انتظار کرنا پڑا تھا۔ مجرموں کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا ہے، ایک بہت ہی دلکش اور اثر انگیز گیت میں یہ ناراض شاعر فخر سے اعلان کرتا ہے کہ ایک شاعر بے رحم راجاؤں کی متکبرانہ شان و شوکت کے مقابلے میں چھوٹے قدر شناس سرداروں کی مفلسی کا زیادہ احترام کرتا ہے۔

کری کال اور اس کے والد کے زمانے کا ایک اور چولا شہزادہ جس کی ثنا خوانی پرانار اور کلا تلیار نامی شعرا نے کی ہے، ویرپہڑاؤ کا باپ۔ پیرو ورنار کلی نامی تھا "پورنا نورو" کی بعض نظموں میں اس شہزادے اور اس کے مخالف چیرا شہزادے کدکّو نیدو چیرال کے حسرتناک انجام کا بیان ہے جو دونوں میدانِ جنگ میں کام آئے۔ خصوصی انفرادیت کا مالک ایک

اور شہزادے پوروانک کو پیرُونارک رِتی تھا. جس کا ذکر نصف درجن نظموں میں آیا ہے۔ ان میں سے تین تو چھوٹے چھوٹے گیت ہیں. جنھیں ریکا نامی شاعرہ[89] نے لکھا ہے، جو معلوم ہوتا ہے کہ اُس سیلانی شہزادے پر دل وجان سے فدا تھی. ستاتن دانیار نے جو باقی تین نظموں کا مصنف ہے[90] شہزادے کی مُکّے بازی کے فن میں مہارت اور شہر کو فتح کرنے میں اُس کی تیزی کی بڑی مدح کی ہے۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ اس کے اور اس کے باپ تیتن کے درمیان اختلاف تھا۔ تیتن کا ذکر دسنگم کے، شعری[91] مجموعوں کی کئی نظموں میں اُرائیور کے ایک نامور راجہ کی حیثیت سے آیا ہے۔ اس نے ایک دفعہ سردار کٹی اور اُس کے ساتھی پانن کو ان کی ارائیور کے خلاف پیش قدمی پر شکست دے کر پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا[92]۔ چونکہ اس واقعہ کو پارانار نے تحریر کیا ہے، اس لیے تیتن اور اس کا سنگی بیٹا کری کال سے پہلے ہوئے ہوں گے۔ تیتن کی آیاآئی نامی ایک بیٹی بھی تھی[93]۔ شولن تلوُرتی رن اور نامبی نیڈن جیلیین کا ذکر علیٰحدہ علیحدہ ایک ایک نظم میں ہے۔ اوّل الذکر شہزادہ تو خود بھی شاعر تھا اور درحقیقت سوائے اس کے کہ وہ مصنّف تھا اس کے بارے میں ہم کو اور کچھ نہیں معلوم ہے۔ "کالتوگائی" نامی شعری مجموعے میں سترہ[94] گیتوں پر مشتمل "مُلائی" کا ایک پورے کا پورا حصّہ ہی اس کی تخلیق مانا جاتا ہے۔ "پورنانورا" میں شامل ایک مختصر نظم میں[94] وہ بے فکری کی زندگی بسر کرنے کے لیے بخیلوں سے دور رہنے اور شریف اور طاقتور دوستوں کی رفاقت حاصل کرنے کا نسخہ تجویز کرتا ہے۔ شہزادہ نامبی نیڈن جیلیین ایک اعلیٰ پایہ کے قصیدے کا ممدوح ہے[95] جسے پیریئیل مُرُو دلار (بڑے قلعے کا ہنستا ہوا آدمی) نے لکھا ہے۔ یہ نظم چھوٹے چھوٹے جملوں کی ترتیب اور ہوبہو تصویر کشی کا ایک نادر نمونہ ہے

کوچن گنان

کری کال کی طرح کوچن گنان کی زندگی کی تصویر بھی افسانوں میں گھِر کر دھندلی ہو گئی ہے اندریں ضروری ہے کہ اس زمانے کے مآخذ سے حاصل کردہ نتائج کو بعد کے زمانے کے عقیدوں سے الگ رکھا جائے۔ "پورنانورا" کا ایک گیت[96] اور چالیس اشعار جن پر پوئیگیا کی نظم "کلا ولی" مشتمل ہے، اس راجہ کی زندگی کے بارے میں سب سے قدیم شہادت مہیا کرتے ہیں۔ ترُوگنان سمبندار، ترومنگائی آلوار اور سندرآمورتی کے بھجن جن میں راجہ کا

ذکر ہے۔ اس کی زندگی کے مذہبی پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں۔ چولا عہد کی گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی کی تانبے کی تختیوں پر لکھے ہوئے افسانوی شجروں میں بھی اس کا نام ہے۔ اگرچہ اس فہرست میں اس کا سلسلہ وار مقام کہیں کہیں بدل گیا ہے[97]۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ بُدھ دھرم کی "جاتک" کہانیوں کے طرز کی ایک کہانی جس میں بتایا گیا ہے کہ یہ راجہ اپنے پچھلے جنم میں ایک مکڑی تھا، سب سے پہلے اَنبار کی تختیوں میں ملتی ہے[98]۔ بعد ازاں راجہ راجندر چولا کے عہد کے تیروالنگاڈو کی تختیوں میں[99] اس کہانی کو دہرایا گیا ہے۔ "کالنگا تو پرانی" اور "وِکرما شولن اُلا" بھی کم و بیش اس کہانی پر متفق ہیں جو ان تختیوں پر درج ہے۔ لیکن اِن افسانوں کا اصل چشمہ نامبی اندار نامبی کی کتاب "اندادی" میں سے بہتا ہوا شیکی لر کی تصنیف "پیریا پُرانم" میں گرتا ہے جو ایک سمندر ہے۔ جس میں تامل دیش کے شیو افسانوں کے تمام دھارے مِل جاتے ہیں۔

"کلادی[100]" ایک چھوٹی نظم ہے جس میں کونگو ریاست میں "کارو وُور" کے نزدیک "کالُومالم" کی ہولناک لڑائی کا روایتی بیان ہے۔ اس لڑائی میں شینگا نن نے چیرا راجہ کنائیکل اِرُمپورائے کو شکست دے کر گرفتار کر لیا تھا۔ پوئیگائی نامی شاعر نے جو فاتح چولا راجہ کا دوست تھا اُس کی شجاعت کے گیت گا کر اُسے راضی کر لیا اور اس طرح چیرا راجہ کو قید سے رہائی دِلائی۔ "پورنا نور" کی نظم جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے، اسی چیرا تاجدار کی کہی ہوئی ہے۔ یہ ان دنوں کہی تھی جب "کُڈوائر کوٹم" (مغربی پھاٹک والا جیل خانہ) میں چولا راجہ کی قید میں تھا۔ یہ نظم اُس چیرا راجہ کی بزدلی کا ایک دِلگیر اعتراف ہے جو اتنی ذلت اٹھا کر بھی زندہ رہا۔

"اور تو اور کوئی بچہ بھی مرتا ہے یا کوئی چھچھوندر بھی بیدار ہوتی ہے، تو انھیں بھی تہِ تیغ کر دیا جاتا ہے[101]۔ حالانکہ یہ مرد نہیں ہوتے۔ کیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسا خاندان ایک اس طرح کے فرد کو جنم دے جو تسمے سے بندھے کُتے کی طرح ذلت میں گرفتار ہو اور پھر بھی اپنے نامہربان قید کرنے والوں سے پانی مانگے اور پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے اپنی کمزوری سے اسے پی جائے؟"

کہا جاتا ہے کہ اس نے اس طرح بے مانگا ہوا پانی پینے سے انکار کر دیا اور سو کر اپنی پیاس بجھائی[102]۔ پوئیگائی کی کامیاب سفارش اُس کے فوراً بعد کا واقعہ معلوم ہوتی ہے۔ اس وقت

کی کتابوں سے ہم کو یہ شہادتیں دستیاب ہوتی ہیں۔ ان میں جس صورتِ حال کا نقشہ کھینچا گیا ہے وہ غیر معتبر نہیں معلوم ہوتی۔ ان دونوں راجاؤں کے اقدامات کسی عمومی اصول کے تحت نہیں ہوتے تھے اُن کے آپس کے تعلقات نجی سطح پر ہوتے تھے۔ ایسی صورت میں یہ امر بالکل قدرتی معلوم ہوتا ہے کہ ایک راجہ جو اپنے زمانے کے معیارِ شجاعت پر پورا نہ اُترا ہو، اور جو اسیری کے غم میں گھُل رہا ہو، ایک ہوشیار شاعر کی سفارش پر رہا کر دیا گیا ہو جس نے فاتح راجہ کو اس کی کامرانی پر شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین ادا کر کے راضی کر لیا ہو۔[103] اگر کوچین گنان کے مذہبی عقائد کے متعلق ہمارے پاس کوئی اس وقت کی شہادت نہیں ہے۔ تاہم اس کی مذہبی سرگرمیوں کے بارے میں سترومنگائی اور سمبندار نے جو اشارے کیے ہیں وہ غالباً صحیح ہیں۔ یہ قیاس اور بھی پختہ ہو جاتا ہے کہ پوئیگار جو "کلادل" کا مصنف ہے اور آلوار دونوں ایک ہی شخص کے نام ہیں۔[104] تیرومنگائی آلوار نے ترونارائیور کے متعلق اپنے ایک بھجن[105] میں کوچین گنان کے کارناموں اور اس کی "ترونارائیور" میں پوجا کو ٹیپ کا مصرع بنایا ہے۔ اب اس بات میں شبہ کی کوئی وجہ نہیں رہ جاتی کہ آلوار دراصل اس ممتاز چولا حکمران کو اس کی میدانِ کارزار میں بہادری کی وجہ سے اُس شیو بھگت کے روپ میں دیکھ رہا ہے جس نے ترونارائیور میں وشنو کی پوجا کرنے کے علاوہ شیو کے ستر خوبصورت مندر تعمیر کروائے تھے۔ اس نے شینگانن کے حریف کی ہاتھیوں کی پلٹن، خود اُس کے گھوڑ سوار دستے، اور جنگلوں میں اُس کے کردار کا جو خصوصی ذکر کیا ہے، وہ ایک اہم کڑی ہے جو اس تذکرے کو "کلاول" سے ملا دیتی ہے۔[106] جس میں اس طرح بار بار اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ چیرا راجہ کے ہاتھیوں کے مقابلے میں چولا راجہ کی کامیابی کی بڑی وجہ اس کی فوج کے پیدل اور گھوڑ سوار دستے تھے۔
ترومنگائی سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ سنگانن کی حکومت چولا ملک کے باہر بھی بہت دُور تک پھیلی ہوئی تھی،[107] "آلندا" اور "دینی" کے مقامات پر اُس نے لڑائیاں لڑی تھیں اور ویلندائی ویل نام کے ایک سردار کو جنگ میں مار ڈالا تھا۔ ناناسمبندا اور سندرموری کے بھجنوں میں صاف طور پر بتایا گیا ہے کہ آمبر، وائیگل اور ننی لم کے شِو مندر شینگانن ہی نے تعمیر کرائے تھے۔ راجہ سُندر چولا کے عہد کی[108] "اَن بِل" کی تانبے کی تختیوں میں یہ ذکر عام ہے کہ کوچین گنان نے سارے ملک میں گوزیش کے مندر بنوائے۔ جب کہ ترِدُوالنگاڈو کی تختیوں میں مکڑی والی کہانی کی طرف اشارہ ہے۔ اَن بِل میں شینگانن کے بیٹے نلاڈکن کا ذکر بھی

ہے۔ "پیریا پُرانم" تک پہنچتے پہنچتے یہ نام اتنا بدل جاتا ہے کہ پہچانا نہیں جا سکتا۔ یہاں اس کا ذکر شیبھ دیو اور کملاوتی کے بیٹے کی حیثیت سے آتا ہے جس نے "جمبوکیشورا" کی تعمیر کرائی تھی۔ شیکی لار کے تذکرے میں یہ بے بنیاد واقعہ بھی درج ہے کہ مصنوعی ذرائع سے شینگانن کی پیدائش میں تاخیر کرادی گئی تھی۔ تاکہ وہ ایک خاص مبارک گھڑی میں پیدا ہو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بعض بھولے بسرے قصوں کو یہاں مبالغہ آرائی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ شیکی لار کے تذکرے میں شینگانن کا نام اُس کی چولا خاندان میں پیدائش اور "جمبوکیشورا" کے علاوہ بہت سے شِو مندروں کی تعمیر، چند ایسے عناصر ہیں جو نائینار کی شخصیت کی قطعی طور سے نشان دہی کرتے ہیں۔

تاریخ وار سلسلۂ واقعات

اس سے پیشتر کہ ہم قدیم چولا راجاؤں کی منتشر سوانح کا ذکر کریں، یہ ضروری ہے کہ ہم ان کے عہد کا تعین جیسا کہ اب تک کر چکے ہیں اس سے زیادہ قطعیت کے ساتھ کریں۔ ایک بات البتہ صاف ہے کہ یہ راجا اس قدیم عہد سے بھی بہت پہلے گزرے ہیں جہاں تک موجودہ تاریخی دور کی یادگاروں کی مدد سے ہماری رسائی ہو سکتی ہے۔ اگرچہ اُرائیور اور کاویری پٹنم کے نام ابھی تک باقی ہیں۔ لیکن ان مقامات پر ابھی تک کوئی ایسی چیز دریافت نہیں ہو سکی ہے جو ان کی گذشتہ عظمتوں کا تھوڑا سا بھی سراغ دے[109]۔ اب صرف ادبی کتابوں کی شہادتیں اور پاس کی ہم عصر ریاستوں کی تاریخ ہی ہمارے علم کا ذریعہ ہو سکتی ہیں۔ جب پہلی بار یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ لنکا کا راجہ گجا باہو جو چیرا راجہ شینگوٹوَن کا ہم عصر تھا، دراصل "مہاوسا" میں مذکور راجہ گجا باہو اوّل تھا جس نے ۱۱۳ عیسوی سے ۱۲۵ عیسوی تک حکومت کی تو ڈاکٹر ہلتش نے اس پر یہ اعتراض کیا تھا[110] کہ "شری کنگا را سوامی کی دانش مندی کے مناسب احترام کے ساتھ یہ عرض کروں گا کہ میں اس نظریے کو قبول کرنے کو تیار نہیں۔ جب تک کہ ان دونوں گجا باہو راجاؤں کا ایک ہی شخص ہونا محض ان کے ناموں کی مطابقت ہی سے نہیں بلکہ داخلی وجوہ سے بھی تصدیق نہ ہو جائے اور تاوقتیکہ لنکا کے تاریخ وار سلسلۂ واقعات کا تنقیدی جائزہ نہ لیا جائے"۔ اس تاریخ وار سلسلہ واقعات پر اب بہت کافی بحث کی جا چکی ہے اور اس کے نتیجہ میں[111] لنکا کے قدیم راجاؤں

کے عہد کا تعین جتنا ممکن تھا کیا جا چکا ہے۔ لنکا کے راجاؤں کی فہرست میں بارہویں صدی عیسوی سے پہلے صرف ایک ہی گجا باہو کا ذکر آیا ہے، جس نے ۱۷۳ء سے ۱۹۵ عیسوی تک حکومت کی۔[۱۱۱] لہذا سوال صرف یہ ہے کہ نظم "شلپدی کارم" میں راجہ "شینگوتون" اور راجہ "گجا باہو" میں جو مطابقت ظاہر کی گئی ہے اس سے تسلیم کر لیا جائے یا اس کے رومانی اور مافوق الفطرت عناصر کے پیش نظر اس کو غیر معتبر قرار دے کر نظر انداز کر دیا جائے۔ اگر ہمارے پاس کوئی اور حقائق نہ ہوتے جن پر غور کیا جا سکتا تو ایسے سوال کا ہم کوئی شافی جواب نہ دے سکتے۔ لیکن کئی ایسی باتیں ہیں جو اس مطابقت کو اور اس سے جو تاریخ وار سلسلۂ واقعات معلوم ہوتا ہے اس کو، رد کر دینا اگر نا ممکن نہیں تو مشکل ضرور بنا دیتی ہیں۔

سنگم کی شعری تصانیف، سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیوں کی کلاسیکی کتابوں مثلاً پیری پلس اور ٹالیمی کے جغرافیہ میں جنوبی ہند کے تذکرے اور وہاں کے متعدد واقعات سے قدیم رومن سلطنت کے سکے جو کثیر تعداد میں برآمد ہوئے ہیں، ان میں مکمل مطابقت پائی جاتی ہے۔ اس سے تاریخ کا کوئی بھی غیر متعصب طالب علم اس نتیجے پر پہنچے گا کہ تامل شعری تصانیف، مذکورہ بالا کلاسیکی کتابیں اور رومن سکے سب ایک ہی زمانے کی تخلیق ہیں۔[۱۱۲]

اس بات کی جانب پہلے بھی توجہ دلائی جا چکی ہے کہ "مہاوامسا" میں جہاں تامل دیش اور لنکا کے قدیمی تعلقات کا ذکر ہے۔ وہاں کئی جگہ تامل سرداروں اور راجواڑوں کے نام آتے ہیں۔ یہی نام حالات کے تقاضے کے مطابق قدرے بدلی ہوئی صورت میں "پورنا نورو" اور "پتو پالٹو" نامی کتابوں میں مذکور ہیں۔ "مہاوامسا" میں ایلارا کی کہانی بلاشبہ تامل دیش کے اس چولا راجہ کی کہانی ہے جو لنکا میں دہرائی گئی اور جس میں ایک بچھڑے کو کچل دینے کے جرم میں راجہ نے اپنے بیٹے کو سزائے موت دی تھی۔ "مہاوامسا" راجہ ایلارا کے عہد حکومت کا تعین دوسری صدی قبل مسیح کے دوسرے نصف اور دوسرے تامل راجاؤں کا عہد پہلی صدی قبل مسیح کے دوسرے نصف میں متعین کرتی ہے۔ اگر ہم یہ یاد رکھیں کہ "مہاوامسا" کے ابتدائی باب پانچویں صدی عیسوی میں اور پہلے کے تذکروں کی مدد سے تالیف کیے گئے تھے،[۱۱۳] تو ہم دیکھیں گے کہ جزیرۂ لنکا کی قدیم تاریخ کے اس حصے

میں تامل راجاؤں کے اس جزیرے پر حملوں کے بے ترتیب تذکرے محض بے بنیاد افسانے نہیں ہیں بلکہ یہ ہمارے لیے اصل واقعات کی ایک دھندلی تصویر فراہم کرتے ہیں اور ان واقعات کی جو تاریخیں بتائی گئی ہیں وہ تامل دیش کی سلسلہ وار تاریخ مرتب کرنے کے لیے بے کار نہیں ہیں۔[115]

اس کے بعد ہم یہ دیکھیں گے کہ تینوں "دیورم" بھجن لکھنے والوں، اور تیرومنگائی الوا کی تاریخیں جو ساتویں صدی میں اور اس کے بعد تعین کی گئی ہیں، اس کے لیے کافی وجوہ ہیں۔ اپار، جو ان میں سب سے پرانا مصنف ہے اس صدی کے ابتدائی حصے میں رہا ہوگا۔ تامل لٹریچر کا ایک بالکل سرسری مطالعہ کرنے والا طالب علم بھی ان متبرک نفوس کی تصنیفات اور سنگم لٹریچر میں جو فرق زبان، الفاظ، اندازِ بیان کا ہے اس کو ضرور محسوس کرے گا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سنگم لٹریچر کی تصنیف کئی صدیوں میں ہوئی ہے۔ اپار کو سنگانن کے ایک مکڑی سے چولا راجہ بن جانے کی کہانی کا علم ہونا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی شخصیت پہلے ہی سے قدیم افسانوں کا موضوع بن چکی تھی، اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جن قدیم چولا راجاؤں کا ہم نے اس باب میں ذکر کیا ہے شینگانن بظاہر اُن کے متاخرین میں سے ایک تھا۔

مندرجہ بالا باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ گجا باہو نام کے دو راجاؤں کو ایک ہی شخص صرف ناموں کی مطابقت ہی پر منحصر ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو یہ نتیجہ ناگزیر ہوگا کہ چونکہ شینگوتون اور اس کے ہم عصروں کی کچھ نسلیں پہلے گزر چکی تھیں اور کچھ بعد میں ہوئیں اس لیے سنگم کا زمانہ عیسوی سن کی پہلی تین یا چار صدیوں میں رہا ہوگا۔

منی میکھلائی اور دِنّاگا

"منی میکھلائی" نامی نظم کے انتیسویں باب کا دِنّاگا کے "نیائے پرواسا" سے کیا تعلق تھا، اس پر جو بحث حال میں چھڑی تھی وہ اتنی تصفیہ کُن نہیں ثابت ہوئی جتنا کہ پہلے سمجھی جاتی تھی یہ باب اور "نیائے پرواسا" اس طرح ایک دوسرے سے مشابہ ہیں کہ یا تو "نیائے پرواسا"، "منی میکھلائی" سے مستعار لی گئی ہے یا "منی میکھلائی" میں

اُس کا اضافہ کیا گیا ہے[116]۔ ایسے بھی قرینے ہیں جن کی بنا پر یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ "منی میکھلائی" میں "نیائے پرواسا" شامل کر دی گئی ہے[117]۔ لیکن یہ بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ انتیسویں[29] باب کے شروع میں منطقی اصولوں کی ایک سادہ تشریح دی ہوئی ہے[118] اور یہ کہ "نیائے پرواسا" میں جس طرح مغالطوں کا پردہ فاش کیا گیا ہے وہ بعد کی ایک بھونڈی توجیہ ہے جس کی بنیاد اس غیر ممکن مفروضے پر ہے[119] کہ "دِرِشٹانت" میں "اُپنائے" اور "نگمن" شامل ہیں۔ ہماری رائے میں تو یہ بیان خود اس باب کی اصل حقیقت ظاہر کر دیتا ہے۔ اپنی اصلی صورت میں اس باب کے شروع میں محض تشریح ہی شامل تھی۔ جو اپنے مواد کے اعتبار سے "دِنّاگا" سے پہلے تھی اور پانچ بند کے ایک قطعہ کی صورت میں تھی۔ "دِنّاگا" کے کسی عقیدت مند طالب علم نے تامل دنیا کو "نیائے پرواسا" سے روشناس کر کے اپنے گورو کی شہرت کو چار چاند لگانے کے لیے یہ ترکیب سوچی کہ اُسے تامل بدھ مت کی معیاری داستانوں میں شامل کر دیا جائے۔ لیکن پانچ قطعہ میں جب ایسا کرنے میں مشکل پڑی تو اس نے اس مشکل کو بڑے بڑے طریقے سے حل کیا۔ یعنی یہ کہ مغالطوں کے متعلق ایک بحث جس کی بنیاد تین بند کے قطعہ پر تھی اصل باب میں شامل کر دی۔

تیسرا باب

حاشیے

اب بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس رائے کو تسلیم نہیں کرتے تاہم دیکھیے
ص ص ۱۶ صفحاتِ ذیل اور "   " ص ص ۱تا ۱۸ اور ۷۰ تا ۷۲۔
جدید مصنفین نے ایک مبہم اور مہمل سطر " پڑنگوُ ۔ نلیَ ۔ باڈ توُ ۔ اُڑاندلَ ۔ یو کی " کا
مفہوم عام طور پر یہی سمجھا ہے۔ یہ عبارت " پٹناپالالیَ " کے پہلے باب کی سطر ۱۸۵
۔لیکن کاکندی کے نام سے (جو "منی میکھلائیَ " II × ×، ۱ ، ۲۷ میں دیا ہوا
ہے) یہ شہر قدیم زمانے ہی سے بہت مشہور تھا۔ مقابلہ کیجیے "پتّو پانوُ ۲ " (۱۹۳۱)
کے صفحہ ۱۶۵ پر حاشیہ نمبر ۲ سے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کی ایک سوما نامی راہبہ
کا ذکر دوسری صدی قبل مسیح کے برہُت کے کتبوں میں آیا ہے (لوُدرس۔ نمبر ۸۱۷)۔
"شلبدی کارم" میں اُرائیور (کولی) کے آباد ہونے کا باعث یہ بتایا گیا ہے کہ اس
مقام پر ایک مرغ ایک ہاتھی کے ساتھ لڑائی میں جیت گیا تھا (۱۱ × ۔ ۲۴۷ ۔ ۸
کنکا سبھائیَ کی تصنیف
(۱۹۰۴) آج بھی کئی لحاظ سے ...... لیکن چونکہ اسے تنہا ایسے مسوّدات پر
کام کرنا پڑا جو اُن دنوں میں ٹھیک طرح سمجھے نہیں جا سکے تھے، اس لیے وہ ان سے
کچھ نتائج اخذ کرنے کی فطری خواہش کا شکار ہو گیا۔ ان مسوّدات پر اس وقت تک
کوئی صحیح تنقید نہیں ہو سکی تھی۔ پنڈت ایم راگھوا آئینگر کی تصنیف "شیرن شینگوٹونَ"
(طبع دوم۔ ص ص ۱۰۲ تا ۱۰۶۔ حاشیہ) میں چیرا اور چولا خاندانوں کے ان شجرہ
ہائے نسب کی ترتیب پر کئی معقول اور جائز اعتراضات اٹھائے گئے ہیں جو کنکا سبھائی
نے فراہم کیے ہیں۔ لیکن پنڈت نے چولا شجرۂ نسب کی جو ترتیب پیش کی ہے خود وہ

بھی یقین کے قابل نہیں ہے) گو یہ ماننا پڑے گا کہ اب تک پیش کیے گئے خاندانی شجروں میں سے یہ بہترین شجرہ ہے۔ مندرجہ ذیل حقائق اور بیانات محض ایسے مفروضات پر مبنی ہیں جو بظاہر خواہ کتنے ہی معقول اور مدلل ہوں، یقینی شہادتوں کا درجہ نہیں رکھتے مثلاً یہ کہ کری کال کے دو بیٹے تھے منارگی اور پیرڈورڈگی، اور یہ کہ نیڈن رگی بھائی تھا نرچونی کا۔ اور یہ دونوں منارگی کی اولاد تھے اور یہ بھی کہ پیرڈنزرگی جو "راجسوتم" کے باعث مشہور تھا، (پورم نمبر ۱۶) نیڈن رگی کا بیٹا اور وہی شہزادہ تھا جس نے ملائیامان ترڈنڈی کاری کے پاس پناہ لی تھی۔ (پورم نمبر ۱۷۴) اور یہ کہ رگی وتون جس کا ذکر "منی میکھلائی" میں ہے اور نلن رگی جو نیڈن رگی کا دشمن تھا، دونوں ورزگی کے بیٹے تھے۔ پھر یہ بات بھی غیر ممکن دکھائی دیتی ہے کہ ارائے سوتم دیٹا پیرونزرگی کی امداد یک وقت شینگوٹون اور ملائیامان ترڈنڈی کاری دونوں نے کی ہو۔" شلپدی کارم" ۱۱ : ص ۱۱۸-۲۲ : اور پورم نمبر ۱۷۴ کی عبارتوں میں کوئی بھی یہ تاثر نہیں دیتی کہ یہ شناخت درست ہے بلکہ ان میں اس کے برعکس دونوں میں فرق ظاہر کرنے والی باتیں زیادہ ہیں۔

۴ منی میکھلائی : شینگدرج چیلون ترکلم - پدگم - ۱-۹ - شل - - ۲۷ : ۱۱ : نمبر ۱-۲

۵ منی میکھلائی - پدگم ، ۱۱ : ۱۰ - ۱۲

۶ منی میکھلائی اا xx ۱۱ - ۲۵ تا ۲۷

۷ پورم ۳۹ - اور اس کے تحت حوالہ - اس میں شبو کے ترپر راکھشس کے قتل کرنے کی کہانی کا حوالہ ہے۔

۸ منی میکھلائی - ا ، ۱۱ - ۱ تا ۹

۹ منی میکھلائی - iii xx - ۱ ، ۲۱۰ - اور حاشیہ - یہ بات قابل غور ہے کہ مذکورہ کہانی کا پہلی تالیفات میں ذکر نہیں آیا۔

۱۰ پورم ۳۷ - ۱۱ ، - ۶ - اور حاشیہ

۱۱ ایضاً ا ، ۶

۱۲ اس کہانی کا مقام وقوع "پیریاپرانم" میں ، جو کہ بارہویں صدی عیسوی کی تصنیف

تھی، ترُدُوارُوَر بتایا گیا ہے۔

۱۳ اُرُوُوپیہرِ یر "پرنار (پُوَدم ۴) اور پیرَن گنُرُوُر کلار نے (پُورم) ۲۶۶ میں) اس کی تعریف کی ہے " پوُرُنزآرُوُپڈئی " کی سطر نمبر ۱۳۰ میں اس کا کرِی کاَل کے ساتھ رشتہ واضح کیا گیا ہے۔

۱۴ " پورُوُنزآرُوُپڈئی " کے آخری حِصّے میں شعر نمبر ۲

۱۵ " پٹنا پالائی " III، ۲۲۰ تا ۲۲۸ - اور پوُرُنز ۱۱ - ۱۳۱ وصفحاتِ ذیل - جن کا ترجمہ نیچے دیا گیا ہے۔ " پلمول " میں ایک دیبا، میں بتایا گیا ہے کہ پڈرتلائی نامی ایک شخص نے کرِی کاَل کی بہت مدد کی تھی۔

۱۶ نچِی نار کنیار نے ایک مہل سی کہانی کے ذریعے اس کی وضاحت کی ہے۔ اس کا مطلب صاف طور پر یہی ہے کہ وہ بالواسطہ چولا خاندان کی اولادِ نرینہ میں سے نہیں تھا اور یہی حقیقت اس کی ابتدائی مصیبتوں کا باعث بنی اور اس کے والد کے نام الاّئیوَن کا باعث بھی، جس کے معنی ہیں " شہزادہ " ڈاکٹر ایس کے آئینگر کی تصنیف " قدیم بھارت " صفحہ ۹۲

۱۷ اصل متن میں یہ عبارت یوں ہے " اِرُدُپیرُو دینڈُم اورُدُکلت تویا " رپورونار کا صفحہ ۱۴۲) - نچِی نار کنیار اس کے یہ معنی لیتا ہے کہ وہ مر گئے۔ (پڈُم پڈی)، لیکن ہم جانتے ہیں کہ چیرا حکمران کی پیٹھ میں زخم لگا تھا اور اس نے دانستہ بھوکے رہ کر خودکشی کر لی۔ " وڈکرُمتل " اس پر ملاحظہ ہو پوُرم نمبر ۶۵ - II - ۹ تا ۱۱ - اور اس کے نیچے پنڈت وی سوامی ناتھ ناٹر کا حاشیہ۔ نیز دیکھیے کا صفحہ ۲۰ اور اس کا حاشیہ۔

۱۸ " اہم " ۵۵ - ۲۴۶، نیز پوُرم ۶۵ - ۶۶

۱۹ " وال وڈکرِنُدنن " (پورم ۶۵، ۱ - ۱۱) کے معنی یہ معلوم نہیں ہوتے کہ راجہ نے اپنا گلا تلوار سے کاٹ لیا (پی ٹی۔ سری نواسا آئینگر کی تصنیف " تامل " صفحہ ۳۳۶) بلکہ یہ کہ جب وہ فاقہ کشی سے مر رہا تھا تو اس کے ہاتھ میں تلوار تھی جس سے اس کے اقدام کا سبب ظاہر ہو جاتا ہے - والوڈو وڈکرُمدان " (تفسیر)

۲۰ میں یہ بات ایک بار قطعی طور پر کہہ دوں کہ ذیل کے ترجموں میں مَیں نے تمام

موجودہ تراجم سے استفادہ کیا ہے۔ کنکا سبھائی۔ پوپ۔ پی ٹی۔ سری نواس آئینگر۔

۲۱ یہ قصے کہانیوں میں مذکور ایک اور چولا راجہ کا حوالہ ہے۔

۲۲ "اہم" ۱۱۵

۲۳ ۱۱: ۲۲۸ تا ۲۷۳۔ مندرجہ سطور نمبر ۲۷۳ تا ۲۸۲ کا یہاں ترجمہ درج کیا گیا ہے۔

۲۴ "اہم" ۱۴۱: "سشیلگڈسی بزمتا پیڑ مبیارک کری کال"۔ اس نظم کے بارے میں غلط طور پر یہ سمجھا گیا ہے کہ اس میں کُرُ سبر کی جانب اشارہ ہے۔

۲۵ کاڈوکو نترُونا ڈا کی کُندرو ٹو ولم بیُرگی یعنی قابلِ آبادی رقبے میں اضافے اور توسیع کے لیے جنگلات کو کاٹنا اور اراضی کی زرخیزی بڑھانے کے لیے تالاب کھودنا
پٹنا پالائی۔ ٹا۔ ۲۸۳۔ ۸۴

۲۶ ایضاً۔ ٹا۔ ۲۹۵-۹۹

۲۷ تولکا پیتم۔ پورل۔ ۱اہم۔ ۳۰۰۔ باب مٹ

۲۸ سشِلپدی کارم۔ ۱۱۔ ۱۱ صفحہ کے آگے اور حاشیہ

۲۹ پورم ۲۲۴

۳۰ سشِلپدی کارم ۸۹-۱۱۰

۳۱ کاویر۔ تنیا۔ ویلونگنا۔ پرشنا۔ پرکھا۔ دیانیکا تشائے کارناہ۔ کریکالسیہ۔
نمبر ۳۵، ۱۱، ۳ تا ۵

۳۲ "وہ جس نے اپنے تمام مطیع راجاؤں سے کاویری کے کنارے تعمیر کروائے۔ اور ان راجاؤں کا سربراہ پلو حکمران تری نیتر تھا جس کی تیسری آنکھ اس کے کنول جیسے پاؤں نے اندھی کر دی تھی۔"

۳۳ ان نکات پر مفصل بحث کے لیے دیکھیے " " مقالہ نمبر

۳۴ اگرچہ بعض حاشیوں میں نیڈن گلی کا ذکر بغیر اُس کے اوصاف کے کیا گیا ہے تاہم ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے یہ غلط معلوم ہو کہ وہ وہی حکمران تھا جو کاریاڑ میں مارا گیا تھا۔

۳۵ پورم ۴۳

۳۶ پُورنا نورو کی تمہید۔ ص ص۔ ۳۹-۴۰۔

۲۷ XIX ۱۱ ۵ ۱۲۵-۲۷

۲۸ پنڈت ایم راگھو آئینگر۔ حوالہ سابقہ ص ص ۱۰۱-۲۔

۲۹ پورم ۲۷-۱-۱۰

۴۰ پورم ۳۱-کنکا سبھائی۔ ص۔ ۴۳

۴۱ پورم ۴۵۔ کنکا سبھائی۔ ص۔ ۴۳ تار کا درخت چیرا خاندان کا اور نیم کا درخت پانڈیا خاندان کا شاہی نشان تھا۔

۴۲ پورم ۳۷۔کنکا سبھائی۔ ص ص۔ ۷۴-۷۵

۴۳ پورم ۳۰، ۱۱، ۱۰-۱۲

۴۴ ایضاً ۴۰۰، ۱-۱۹

۴۵ ایضاً ۲۷، ۲۹

۴۶ پورم ۶۱ کے حاشیے میں دیکھیے جہاں اس کا ذکر نلن کِلّی شیت چینی کے نام سے کیا گیا ہے۔

۴۷ پورم ۴۴۔ کنکا سبھائی ص ص ۴۳-۴۴

۴۸ پورم ۴۷۔ کنکا سبھائی ۴۳

۴۹ پورم ۳۷۳

۵۰ ص ۲۵۰ حاشیہ نمبر ۲۔ ڈاکٹر پوپ کا کہنا ہے کہ کراپ پالی اور "کُل مُرّم" (تالاب کے کنارے کی حویلی) ایک ہی چیز ہیں۔

۵۱ پورم ۳۶

۵۲ پورم ۱۷۳

۵۳ پورم ۶۹-۱-۱۲

۵۴ ص ص ۲۵۱-۵۲؛ پورم ۳۵: میں نے پوپ کا کیا ہوا ترجمہ جوں کا توں لکھ دیا ہے۔

۵۵ پورم ۳۶- ۸ تا ایضاً۔ ص۔ ۲۵۲

۵۶ پورم ۳۷- ۸ تا ایضاً

۵۷ پورم ۴۰ ۸ تا ایضاً ۲۵۴

۵۸ پورُم ۳۷۳

۵۹ ایم ۳۴۵

۶۰ یہ شناخت سب سے پہلے کنکا سبھائی نے صفحہ ۷۶ پر کی تھی۔ لیکن جب وہ اس راجہ کی شناخت کرتے ہوئے اُسے ذیل کے دو حکمرانوں میں سے ایک قرار دینے کی مزید کوشش کرتا ہے تو اس کی بات میری سمجھ میں نہیں آتی (۱) وکّوتن کلّی جو چیرا راجہ شینگوٹّون کا "میتّن" تھا اور جسے چیرا حکمران ہی نے ایک بغاوت کو فرو کرنے کے بعد تخت پر بٹھایا تھا جس میں شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے نو شہزادوں نے حصہ لیا تھا، لیکن جو نیری وائل کی جنگ میں ہار گئے تھے (صفحہ ۷۵) (ب) منی میکھلائی میں مذکور چولا راجہ جو اُدے کمارن کا والد تھا۔ یہ یقینی نہیں ہے کہ پاؤں کے کڑے اور جواہرات کے کمربند والی دونوں رزمیہ داستانیں بھی اسی عہد کی تخلیقات تھیں جس عہد میں "پورنا نورُو" اور دیگر تالیفات قلم بند کی گئیں۔ اور یہ بات بھی واضح نہیں ہے کہ کس حد تک ان داستانوں میں بیان کیے گئے واقعات تاریخی حقائق قرار دیے جانے کی بجائے ایک رومانی افسانہ سمجھے جا سکتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر ان مختلف حکمرانوں سے تعلق رکھنے والے واقعات میں کوئی مطابقت نہیں پائی جاتی جن کی شناخت کنکا سبھائی کو مقصود ہے۔ "شلپدی کارم" (۱۱۸) کی اصطلاح "میتّنا وکّوں کلّی" دراصل کلّی وکّون کے ہم معنی نہیں ہے اور چونکہ پورُم میں کسی بات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ موخر الذکر کی تخت نشینی متنازعہ تھی لہذا ہمیں اس شناخت کو درست تسلیم کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے۔ یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ جیسے پنڈت ایم۔ راگھو آئینگر نے واضح کیا ہے۔ (حوالہ سابقہ صفحہ ۴۴) شینگوٹّون کا چولا ہم عصر "شلپدی کارم" کے مطابق پیرُن کلّی تھا جسے اویار کُنّلار نے پیرُو نرکلّی کے نام سے موسوم کیا ہے اور خود پنڈت نے اسے راجہ سُوکّم ذیت پیرو نرکلّی شناخت کیا ہے اور یہ خیال کنکا سبھائی کی رائے کے مقابلہ میں زیادہ معقول ہے۔ کاریاڑد کی لڑائی کے ذکر کی اس تصنیف میں عدم موجودگی اور کُل مّرتو تُنجّیا کلّی والون کے خلاف پانڈیہ اور چیرا حکمرانوں کا ایک ساتھ ہونا اور ونجی کے محاصرے اور تسخیر، نیز مدّورا میں اس کی شکست

ان سب باتوں کے ذکر کا نہ آنا اس کے دوسرے نظریے کی یکسر تردید کرتا ہے، کیونکہ یہ تمام باتیں گنگا سہائی نے درست تسلیم کی ہیں (مزید ملاحظہ ہو بنی ٹی سری نواس آئینگر کی د ص ص ۴۳۰ - ۳۱ -

۶۱ پورم ۴۶ : ص ۲۵۶
۶۲ پورم ۴۹ : ص ص ۲۵۳ - ۵۴
۶۳ پورم ۲۲۶ : ۲۸۳
۶۴ پورم ۲۲۷ : ۲۸۴
۶۵ کرنتُدگائی نمبر ۲۰ - ۵۳ - ۱۲۹ - اور ۱۴۷ کا مصنف
۶۶ لیکن گرامر کے ماہر اس کی تشریح " آدن تند ئی " (یعنی آدن کا باپ) کرتے ہیں
۶۷ پورم ۱۸۴
۶۸ "کُرل" پر پریمیلا لگر کا اظہار خیال صفحہ ۷۸۵ - اور " تولکاپیتم " پر نچی نارکنیار کا اظہار رائے ۔ کرپو ۔ سُوتر - ۵۲
۶۹ پورم ۱۹۱ : ص ۳۰
۷۰ پورم ۲۱۲ : ایضاً
۷۱ الفاظ کی شعبدہ بازی ہے " پوتی " کے معنی ہیں کھوکھلا ۔ لیکن اس " پوتی " میں کوئی کھوکھلا پن نہیں ہے ۔
۷۲ پورم ۲۱۳ : ایضاً ۔ ص ۔ ۲۹
۷۳ پورم ۲۱۴ : ص ص ۲۹ - ۳۰
۷۴ پورم ۲۱۵ - ۲۱۶
۷۵ پورم ۲۱۷
۷۶ پورم ۲۱۸ - ۲۱۹
۷۷ پورم ۲۲۲ - واضح طور پر اس کا مطلب ہے کہ حاملہ بیویوں کے شوہر " وڈکرتل " کا استحقاق نہیں رکھتے
۷۸ پورم ۲۲۰ - ص ۳۲
۷۹ پورم ۲۲۱ - ایضاً

۸۰ پورم ۲۶۷ - کنکا بھائی - ص ۸۷

۸۱ پورم ۱۶ - پی ٹی سری نواس آئینگر نے یہ قیاس کیا ہے کہ یہ نظم اس جنگ کی روداد ہے جس میں " راجہ کو تمام کی تمام چولا سلطنت کو اپنے قبضے میں لانے سے پہلے سرکش چولا حکمرانوں کو شکست دینی پڑی تھی یہ تاملز " صفحہ ۴۳۲ - اوپر جس دوسری نظم کا ذکر کیا گیا ہے وہ "پورم " ۱۲۵ ہے -

۸۲ درحقیقت پنڈت وی سوامی ناتھ آئر نے یہ رائے ظاہر کی ہے (آئینگرو نورو " کی تمہید ملاحظہ ہو صفحہ ۱۵ پر) کہ دشمن چیرا راجہ وہی تھا جس کا نام یا نائیکت چیاندرن جیرل اڑمپورائے - بتایا گیا ہے اور جسے پانڈیہ راجہ نیڈن جیلین نے جوتلا تیا لنگنم کا فاتح تھا، شکست دے کر گرفتار کر لیا تھا - اگرچہ اس مؤرخ کی رائے بہت بڑا وزن رکھتی ہے لیکن یہاں مجھے اُس کی یہ رائے ماننے میں تامل ہے - تاہم دیکھیے شری کے وی ایس نائر کی کتاب. صفحہ ۲۰۲

۸۳ پورم ۲۰۳

۸۴ پورم ۱۳

۸۵ کنکا بھائی نے اس راجہ کو غلطی سے کری کال شناخت کیا ہے - ملاحظہ ہو پی ٹی سری نواسا آئینگر کی تصنیف .صفحہ ۲۶۷ - حاشیہ

۸۶ پورم ۵۸ : کنکا بھائی ۶۸ - ۶۹

۸۷ پورم ۱۹۷

۸۸ پورم ۹۲ - ۹۳ - ۳۶۸

۸۹ پورم ۸۳ - ۸۴ - ۸۵

۹۰ پورم ۸۰ - ۸۲

۹۱ پورم ۸۰ - ۳۵۲ - ۳۹۵ : اہم ۶ - ۱۲۲ - ۱۵۲ - ۱۸۸ - ۲۲۶

۹۲ اہم ۲۳۶,

۹۳ اہم ۶ - پرنار

۹۴ پورم ۱۹۰

۹۵ پورم ۹۳۹

۹۶ پورم ۴۳

۹۷ اس پرگنش کی بحث دیکھیے۔ ص ص۔ ۱۵۲۔ ۵۳، ۲۵۳، ۳۷۷-۹

۹۸ "پڑ کرُ دکئی"۔ ۴۔ ترُ دُپاشوُر (ترُدُمساندکم)۔ ۱۔ ۶۔ نیز "سندرر ترُدُ واڈ توُرائی" ۷۔ ۲: ترُ دوالنگاڈو کی تختیاں۔ ۷۔ ۴۳۔ ٹوُنا۔ ٹوتانگ۔ بندھا۔

۹۹ اس نظم کے ترجمے اور تنقید کے لیے جو کنکا سبھائی نے قلم بند کی ہے، دیکھیے۔ ص ص ۲۵۹۔ ۶۵

۱۰۰ دیکھیے شیرن آشینگوٹن۔ ص۔ ۱۸۳: اہم ۳۴ میں لڑائی سے قبل کی کچھ تفصیلات دی گئی ہیں۔

۱۰۱ یہ اشارہ اس رواج کی طرف ہے جس کے تحت وہ راجگان جو طبعی مرجاتے تھے۔ "ویرسوُرگ" کو پراپت نہیں سمجھے جاتے تھے اگر ان کی لاشوں کا آخری سنسکار کرنے سے پہلے اُن کو تلوار سے کاٹ دیا جاتا تھا۔ م۔ یہ۔ منی میکھلائی ۱۱، ۱۳

۱۰۲ اس پورم کے حاشیے میں درج لفظ "تنجیا" کے معنی "سوگیا" لینے چاہئیں نہ کہ "مرگیا"۔ صرف یہی طریقہ ہے جس سے اس حاشیے اور "کل ولی" کے حاشیے میں باہمی معنوی مطابقت ڈھونڈی جاسکتی ہے۔ دیکھیے ص ص۔ ۱۴۔ ۱۶

۱۰۳ اگر اہم ۴۴ میں ہم "کنائیتن" کو کنال کال رُمپوراسئے کا مخفف قرار دیں تو زیادہ پریشانی سے بچا جاسکتا ہے۔ اس کے خلاف دیکھیے پنڈت اننت راما آئرکی "کل ولی" کی تمہید۔ صفحات ۶۔ ۷

۱۰۴ لیکن یہاں یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ بہت سے نامور علما دونوں پوتیگئیوں کو ایک ہی پوتیگئی قرار دینے کے نظریے کے مخالف ہیں۔ ان عالموں میں پنڈت ای۔ وی۔ اننت راما آئر بھی ہیں جن کی رائے میں تیننگاان بھی دو تھے (ملاحظہ ہو "کل ولی" کے ان کے لکھے ہوئے ایڈیشن کی تمہید۔ ص ۹) یہ بحث تمام تر علمی نوعیت کی نہیں ہے کیونکہ اس میں کسی نہ کسی طرح مذہب بھی خلط ملط ہوگیا ہے جو ایک اشتعال انگیز موضوع ہے۔ دسویں صدی یا زیادہ سے زیادہ گیارھویں صدی عیسوی کی ایک تصنیف "یاپرنگلا ورُتی" کے اعداد و شمار کی بنا پر پنڈت راگھو آئنگر نے

Sen Tamil
عہدِ سنگم کے مشہور پوئیگئی کو آلوار قرار دیا ہے (دیکھیے "تمین تاریخ" جلد اوّل۔ ا۔
Alwar K
صفحہ ۲۔ نیز "آلوار کل کال نلئ" طبع دوم ص ص ۲۳۔ اور اس کے بعد کے صفحات)۔
"دِرُتی" کا مصنف متعدد ایسے اشلوکوں کے حوالے دیتا ہے جن کو وہ پوئیگیار کی تخلیق بتاتا ہے اور ان میں سے بعض اشلوک آلوار کی پہلی "ترُدُونداری" میں سے لیے گئے ہیں (دیکھیے دِرُتی۔ صفحہ ۲۲۰۔ جہاں متن قدرے مسخ شدہ معلوم ہوتا ہے۔ صفحات ۳۵۰۔ اور ۴۵۹۔۔۴۶۰۔ وہ مذکورہ شاعر کو ان رِشیوں میں شمار کرتا جن کی بصیرت میں ابدیت تھی (۳۵۰)۔ تاہم اس پوری کتاب میں جن اشعار کے حوالے دیے گئے ہیں ان میں ایک بھی اشلوک "کل دلی" سے نہیں ہے اور ترُدُمنگائی کا "پاشرمُ" بھی "کلوُکلم" اور "کل وَلی" کے متعلق یکسر خاموش ہے۔ لیکن اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ پوئیگئی آلوار کے مذہبی بھجن بھی "وینبا" بحر میں لکھے ہوئے ہیں اور "کاوَلی" بھجنوں کی طرح ہیں، یہ امر قرینِ قیاس دکھائی دیتا ہے کہ وہ ایک ہی مصنف کی تخلیقات ہیں۔ (بالخصوص اس لیے کہ دونوں کی طرزِ تحریر میں کوئی بنیادی فرق نظر نہیں آتا)۔ اس رائے کے خلاف جو دلیل پیش کی جاتی ہے وہ بھی سنجیدگی سے غور کرنے کے قابل ہے، یعنی یہ ہے کہ پوئیگئی آلوار جیسا بھگت اس حد تک نہیں گر سکتا کہ وہ دنیاوی حکمرانوں کی بیکار خوشامد کرنے لگتا۔ اور آلوار نے خود بھی اس بات کا اظہار اپنے بھجنوں میں واضح طور پر کیا ہے۔ اس گتھی کا مکمل حل اس حقیقت میں مل جاتا ہے کہ "یاپرُنگلا درُتی" میں جن چند اشعار کا حوالہ دیا گیا ہے اور جو اس آلوار سے منسوب کیے گئے ہیں، دراصل دنیاوی موضوعات پر کہے گئے ہیں اور اُن میں راجاؤں کی ثنا و توصیف بھی شامل ہے۔ ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ آلوار کا یہ بیان کہ اس نے اپنی زندگی کُلّی طور پر وشنو کے لیے وقف کر دی ہے، دراصل اس کی زندگی کے کافی بعد کے مرحلے کا ہے جب اس نے اپنی حقیقت کو پہچان لیا تھا۔ اس لیے جب تک ہم اس کی عمر کے متعلق "گُرُپرمپرائی" کی کافی دیر بعد کی روایات کو "یاپرُنگلا درُتی" کے مصنف گن ساگر کی قطعی گواہی کا تردیدی حربہ نہ بنائیں تب تک ہمیں پنڈت راگھو آئینگر کے نظریے کی صداقت کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ دوسری جانب کے۔ ی۔ سری نِواس پلئے کی تصنیف

تامل ورلاڈو" کے صفحات ۷۶ا - ۷۷۔ ملاحظہ کیجیے اور پنڈت ایں ایم وینکا ٹسمی نتار کا پونگیّار پر قلم بند کیا ہوا مقالہ پڑھیے جو "شین تامل چیلوتی" نامی تصنیف کی جلد دوم میں دیا گیا ہے۔ نیز پنڈت اننت رام آئر کی تالیف کردہ "کل وٗل" کے ایڈیشن کی تمہید پڑھیے: پنڈت اننت رام آئر کا نیا خیال کہ شیئو نائنار شینگنان دراصل "کل وٗل" میں مذکور کوچنگنان سے ایک مختلف شخصیت ہے، "کل وٗل" کے متعلق "پیریاپُرانم" کی خاموشی پر مبنی ہے۔ پنڈت نے اپنی یہ رائے قائم کرنے کے لیے بڑی معصومیت سے ایک اور سبب بھی ڈھونڈا ہے۔ اس کے قول کے مطابق شیکی لار نے بھی مذکورہ نائینار کو دوسری شخصیت سے اس طرح ممیز کیا ہے کہ وہ موخر الذکر کو سابقہ شینگنان یا شینگنان اوّل کہہ کر پکارتا ہے۔

۱۰۵ پیریا ترُو مول۔ ۶

۱۰۶ اس بھجن کے تیسرے بند کی تیسری سطر بحر اور وزن کے فرق کی گنجائش چھوڑ کر تقریباً "کل وٗل" کی نقل ہے۔ "کوائی۔ مالکرندی۔ وینی۔ پیر گُل منزمنی مُنڈی میسل کاک میرا" نیز دیکھیے شعر نمبر ۴-۱-۳

۱۰۷ تین تا ہلن وڈ پکون شولن (۵)؛ تینا ڈن گڈ کونگن شولن (۶)؛ ملاحظہ ہو بھجن کی سطر نمبر ۴-۶-۹۔ نیز پنڈت راگھو آئینگر کی "آلوار کل کالنائی" کا صفحہ ۱۵۵۔ اور اس کے بعد کے صفحات ولندائی کا "ویل" یقیناً چیرا کا ایک سپہ سالار کا ہوگا۔

۱۰۸ اکھلا۔ جن پدا۔ کلپتا۔ گورلیث۔ دھاما (۱۳:)، صفحہ ۶۰

۱۰۹ - ۱۹۰۹ - ۱۹۱۰ صفحات ۱۶ - ۱۷

۱۱۰ صفحہ ۲۷۸

۱۱۱ دیکھیے صفحات ۱ تا ۴۷

۱۱۲ ایضاً۔ صفحہ ۹۔ شمار ۴۴

۱۱۳ اوپر صفحہ ۲۸ پر ہم نے "پیری پلس" اور "تالیمی" کا جائزہ لیا ہے۔

(۱۹۰۴) میں جنوبی ہند میں رومن آثار کی دریافت پر جو بحث کی گئی ہے وہ جامع ترین ہے شمار ۲۔ ص ص ۱۱۶ - ۲۱ بھی دیکھیے۔ رومن سلطنت کا بیرونی تجارت کی نوعیت ا ہمت سے ہماری رائے کی صحت کی توثیق ہوتی ہے۔

۱۱۴ بیجز کا انگریزی ترجمہ ص ص .

۱۱۵ پچھلا صفحہ ۴۲ اور اس کے بعد کے صفحات دیکھیے ۔ نیز لنکا کی فہرست میں پنیامارک اور پلینیامارک کے ناموں پر غور کیجیے جو تامل لٹریچر میں مذکور پلینین مارن کی یاد دلاتے ہیں ۔

۱۱۶ اے بی دھروا کی " نیائے پردیش " کا صفحہ

۱۱۷ اس نظریے کی وجوہات مختصراً یہاں بیان کی جارہی ہیں ۔ " نیائے پرویش " کے سنسکرت کے متن کے شائع ہوجانے سے " منی میکھلائی " کی داستاں اس وقت کی نسبت سے زیادہ قابلِ فہم ہوگئی ہے جب ڈاکٹر ایس کے آئنگر نے اپنی کتاب،
تصنیف کی تھی ۔ حالانکہ " نیائے پرویش "
میں تمام مغالطوں اور غلط فہمیوں کو لفظ بلفظ شائع کیا گیا ہے پھر بھی " منی میکھلائی "
بعض اہم پہلوؤں میں اس سے اختلاف رکھتی ہے (دیکھیے منی میکھلائی
- ۴۶۸) - کہیں کہیں اس میں " نیائے پردیشں " کے کچھ حصّوں کو سمیٹ کر اختصار کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے اور کہیں کہیں اسے وسعت دے کر زیادہ مفصّل کردیا گیا ہے جیسے " ونیدھرمیا درشٹانت بھاش " میں " اُبھے ویاورتی " پر بحث کرتے ہوئے سنسکرت متن کی ڈھائی سطروں کو یہاں ۱۱ - ۴۲۹ - ۹ م پر پھیلا دیا گیا ہے ۔ پھر تامل مصنف نے اس میں بعض لطیف نکتوں کا اضافہ بھی کیا ہے جو " نیائے پردیش " میں ملتے تو نہیں لیکن ان کی طرف اشارہ ضرور ہے ۔ اوپر دی ہوئی مثال اس کی بھی ایک اچھی مثال ہے ۔ " آکاشوت " کو " ادِدیہ مان اُبھایا سِدّھ سادھرمیہ درشٹانت بھاش " کی مثال قرار دے کر اُس پر بحث کرتے ہوئے " نیائے پرویش " اس کی تشریح محض ' استوَوادی ' کی مثال کی حیثیت سے کرتی ہے ۔ لیکن " منی میکھلائی " میں اس مثال کا اطلاق " ستوَوادی " پر بھی کیا گیا ہے ۔ پھر اصطلاحوں میں بھی کئی طرح کے فرق دیکھنے میں آتے ہیں ۔ جو بلا تنقید ہی نوٹ کیے جانے چاہئیں کیونکہ ان میں سے بعض محض تامل کتاب کے متن میں املائی غلطیاں ہیں ۔ (۱) منی میکھلائی ' میں " پکش بھاشوں " کا شمار کرتے ہوئے نویں قسم میں " پرسِدّھ سمبندھ " کو رکھا گیا ہے ۔ جبکہ " نیائے پرویش " کے مطابق نویں قسم میں

"پرہیدہ سبندھ" آتا ہے (ب) "نیائے پرویش" میں ہیت بھاشوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے "انیتر ہیدہ" اور "سندگدھ سدّہ" کے بجائے "منی میکھلائی" میں "انیتا ہیدہ" اور "ہیدھا ہیدہ" کو رکھا گیا ہے۔ (ج) "نیائے پرویش" کے "وِرُدھا وِیَبھچاری" کی جگہ ہم "منی میکھلائی" میں "وِرُدھ۔ وِیَبھ چاری" کی اصطلاح دیکھتے ہیں (د) درشٹانت بھاشوں کے نام گنواتے ہوئے "نیائے پرویش" میں جہاں "سادھن دھرم اسِدّہ" وغیرہ کا ذکر آیا ہے وہاں "منی میکھلائی" میں "سادھن دھرم وکل" وغیرہ مذکور ہیں۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ "دھرم کیرتی" میں بھی "اَسِدّہ" کی بجائے "وکل" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ دیکھیے "نیائے پرویش" (دھرو ایڈیشن) کے تبصرے کے لیے مصنفہ ایس ایس سوریہ نارائن شاستری

۱۱۸   ۱۱ - ۴۵ - ۱۰۸

۱۱۹   ۱۱ - ۱۰۹ - ۱۱۰ - ۱۱۱: اس پہ شری دھرو نے یوں اظہار رائے کیا ہے: "منی میکھلائی" کا مصنف یہ محسوس نہیں کرتا کہ آخری دو "اُوا ئیو" درشٹانت میں شامل نہیں کیے جا سکتے جیسا کہ وہ نادانی سے سمجھتا ہے" (صفحہ)

۱۲۰   شری ایس ایس سوریہ نارائن شاستری نے "منی میکھلائی" میں سانکھیہ شاستر کا مطالعہ کیا ہے اور اس کی قدیم نوعیت کو ثابت کر دیا ہے۔ دیکھیے ۔ جلد ہشتم (۱۹۲۹) "بُدھسٹ لاجک اِن منی میکھلائی" پر اس کے مقالے کے لیے اور دیکھیے۔

چوتھا باب

سنگم عہد میں سماجی زندگی اور حکومت

اپنی واقفیت کی موجودہ حالت میں ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم سنگم عہد کے سیاسی واقعات کا ایک "مربوط کل" جائزہ لے سکیں اور ان کا ترتیب وار مطالعہ کر سکیں۔ یہ ہمارے سامنے سے ایک متحرک اور منقلب منظر کی طرح گذرتے ہیں اور راجاؤں اور سرداروں کی اولوالعزمی اور خدشات، امیدوں اور حماقتوں کے ایک ہی قسم کے اتفاقیہ نتائج ہیں جو ان کے ہمعصروں کو نظر آتے ہیں۔ ان کے باہمی ربط اور پس منظر کا ہم کو پتہ نہیں چلتا جن کی بنیاد پر تاریخ ماضی کے واقعات کو ترتیب دیتی ہے؛ اس سمت میں ہمارے ہاں جو کمی ہے وہ دوسری طرف پوری ہو گئی ہے۔ کوئی بھی زمانہ ایسا نہیں گذرتا جس کا سماجی اور ثقافتی خیالات میں اپنا ایک مخصوص پس منظر نہ ہو۔ یہ ایک طرح کی قومی نفسیات ہوتی ہے۔ جو انسانوں کے خیالات پر چھائی رہتی ہے بڑی حد تک ان کے قوانین کو جواز بخشتی ہے اور ان کے اقدامات کی محرک بنتی ہے۔ اس نفسیاتی پس منظر کی سچی اور مکمل تصویر ہمیں "سنگم" لٹریچر میں ملتی ہے۔

مخلوط تمدن

اس عہد کی ثقافت کا سب سے نمایاں پہلو اس کی مخلوط نوعیت ہے۔ یہ تامل اور آرین دو ثقافتوں کے امتزاج کا نتیجہ ہے جو ابتدا میں ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ جنوبی ہند کے تاریخی دور سے پہلے کے مطالعات میں اس سے زیادہ دلچسپ لیکن مشکل کام کوئی اور نہیں ہے۔ کہ ان جداگانہ تمدنوں کے ابتدائی عناصر کو الگ الگ پہچانا جائے، ان مختلف مراحل کا جائزہ لیا جائے جن سے گذر کر ان میں اختلاط ہوا اور یہ دیکھا جائے کہ اس اختلاط سے کیا نتائج برآمد

ہوئے۔ ہمارا کام نسبتاً سہل ہے اور وہ ہے دونوں تمدنوں کے اختلاط سے جو مشترکہ تمدن وجود میں آیا، اور جس کی سنگم لٹریچر میں منظرکشی کی گئی ہے، اس کا مطالعہ کرنا، تاریخ وار سلسلۂ واقعات اور اس عہد میں تامل زبان کے متعلق معتبر اعداد و شمار کی غیر موجودگی میں نظموں کی تاریخیں وثوق سے انفرادی طور سے متعین کرنا مشکل ہے۔

طریقہ

کریکال کی حکومت کے پانچویں صدی میں تعین کی، یا اس مفروضے کو کہ اس کا عہد ختم ہونے پر راجگان کا دور شروع ہوا، یا اس خیال کو کہ چھوٹے چھوٹے سردار اس وقت صفحۂ تاریخ پر ابھرے جب کلابھرا کی تینوں نسلوں کا زوال ہو چکا تھا، اگر نتائج کی بنیاد بنایا جائے تو اسے شبہ کی نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ ہم کو سنگم لٹریچر کے پورے مجموعے کو تین صدیوں پر پھیلے ہوئے ایک مخصوص زمانے کے تمدن کی عکاسی کرنے والے ادب کی حیثیت سے دیکھنا چاہیے۔ اس مجموعے میں "شلپدی کا مرم" اور "منی میکھلائی" بھی شامل ہیں۔ لیکن ان سے کام لینے میں دوسری نظموں کے مقابلے میں زیادہ احتیاط برتنی ہوگی۔ اس سے ہم کو اس پس منظر کی کچھ واقفیت حاصل ہوگی جو گذشتہ باب میں بیان کی ہوئی جنگوں، تنازعوں، دوستیوں اور رقابتوں سے متعلق ہے۔

تمدنوں کا اختلاط

آرین زمانے سے پہلے کے تامل تمدن کے ان عناصر کا پتہ لگانے کے لیے جن کا وجود زمانے کے تاریخی دور کے شروع ہونے تک قائم رہا۔ ہم کو سنگم عہد کے لٹریچر کا تقابلی طریقوں سے جائزہ لینا پڑے گا۔ لیکن ایسا کرنا یہاں ممکن نہیں ہے۔ یہ عناصر اکثر ان رسوم و رواج کے جو بعد میں اختیار کیے گئے بہلو بہ پہلو اس طرح موجود نظر آئیں گے جیسے کہ بجلی سے چلنے والی ٹرین اور دیہاتی بیل گاڑی دونوں آج زیر استعمال ہیں۔ اسی طرح "منی میکھلائی" سے مُردوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے کم از کم پانچ مختلف طریقوں کے بیک وقت رائج ہونے کا پتہ چلتا ہے جن میں لاش کو جلا دینا، اس کو کھلا چھوڑ دینا یا اس کو دفن کر دینا شامل تھے۔ دفن یا تو لاش یا کسی ظرف میں رکھ کر اس کی جلی ہوئی خاک کی جاتی تھی۔ بعض دوسری مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ پرانے اور نئے رواجوں کو ملانے کی اور ایسے طریقوں کو جو ابتدا ہی سے متاثر اور بذات خود مکمل تھے ایک

دوسرے سے ہم آہنگ کرنے کی دیدہ ودانستہ کوشش بھی کی جاتی رہی۔ یہ مشہور بات ہے کہ سب سے قدیمی دھرم سوتریں[ملتا] آٹھ قسم کی شادیاں مذکور ہیں، جو کہ آرین قوانین کا ایک حصہ ہیں۔ ان آٹھوں قسموں کا ذکر "تولکاپیم" اور "اراتینار کلاویل" کے سوتروں میں بھی کیا گیا ہے اور انھیں تامل قوانین میں جگہ دینے کے لیے بڑی خوش تدبیری سے کام لیا گیا ہے۔ تامل سماج میں شادی کا تصور مقابلتاً سادہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مرد اور عورت قدرتی طور سے ایک دوسرے کی طرف کھنچتے ہیں۔ (کام کوٹم) ان کے اظہار محبت کے طریقے میں جو فرق تھا وہ مختلف حصوں کے مختلف جغرافیائی حالات کے باعث ہو سکتا ہے۔ ان ازدواجی رواجوں کو وہ پانچ "تنائے" کہتے تھے ان کے یہاں یک طرفہ محبت[مثلا] کا نام "کائیکلائی" تھا اور خلاف رواج محبت کا نام "پیرندنائی"۔ اس سادے ڈھانچے میں آٹھ آرین ازدواجی رواجوں کو شامل کر دینے کا نتیجہ کچھ بہت خوشگوار نہیں نکلا۔[مثلا] حذکرہ پانچ "تنائے" کو وہ گندھرو کی پانچ قسمیں مانتے تھے اور "اسر" "راکھشس اور "پشاچ" طریقوں کو وہ "کیکلائی" زمرے میں شامل کرتے تھے۔ یہ تقسیم کچھ بہت معقول نہیں تھی۔ لیکن باقی ماندہ آرین ازدواجی رواجوں یعنی "براہم" "پرجاپتیہ" "ارس" اور "دیو" کو "پیرندنائی" کے زمرے میں شامل کرنا اور بھی غیر معقول تھا اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ امتزاج نہ تو آسان تھا اور نہ فطرت کے مطابق۔ البتہ آرین اور تامل قوموں کے یکجا ہونے کا ایک یہ نتیجہ ہوا کہ تامل زبان کے محاورات کو بہت وسعت اور نمو حاصل ہو گیا اور ایک ایسے ادب کی بنیاد پڑی جس میں ایک بلیغ لطافت بھی تھی اور ملکی زبان کا زور اور استحکام بھی۔ یہی ادب سنگم عہد کا لٹریچر ہے۔

دیہات کی زندگی

"پیٹناپالائی" کے مصنف شاعر نے قدیم چولا ملک جس میں لاتعداد چھوٹے چھوٹے گاؤں چاروں طرف بکھرے ہوئے ہیں کی تصویر اپنے قلم کی چند جنبشوں[مثلا] سے ہمارے سامنے کھینچ دی ہے دریائے کاویری اپنے پانی سے کھیتوں کو سیراب کر کے زرخیز بناتا کہ وہ سنہری فصلیں اگلتے۔ شاداب کھیتوں میں لہرانے والے سفید کنول کے پھول گرم چولہوں سے نکلنے والے دھوئیں کے مرغولوں میں جھلس جاتے تھے جن پر گہرے رنگ کے گنے کا رس ابالا جاتا تھا۔ بھینسیں نرکُلے کے موٹے جھنڈوں سے اپنا پیٹ بھرتی تھیں۔ ان کے بچھڑے کھلیانوں کی چھاؤں میں سوتے تھے۔ ہر گاؤں

کے چاروں طرف ناریل کے درخت، پھلوں سے لدے ہوئے کیلوں کے جھنڈ، سپاری کے درخت، خوشبودار ہلدی کے پودے، قسم قسم کے آم، کھجور کے ثمردار پیڑوں کے جھنڈ، نرم اورک اور چوڑے تنے والے سیمبو کے درخت بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ روشن مکھڑوں والی دوشیزائیں، خوبصورت جواہرات پہنے، اپنی معصوم نگاہوں سے کھلیانوں میں سوکھنے والے دھان کی نگرانی کرتی تھیں۔ جب پرندے اناج کھانے کے لیے آتے تو یہ دوشیزائیں چونکتیں، جس سے ان کے کانوں کی طلائی بالیاں ہلنے لگتیں۔ ننھے منے بچے اپنے پاؤں میں پازیب پہنے گھروں کے چبوتروں پر اپنی تین پہیوں مگر بغیر گھوڑے والی گاڑیوں سے کھیلتے اور لوگوں کو پکار کر کہتے کہ وہ راستے سے ہٹ جائیں۔ ایسے تھے وہ کثیر تعداد گاؤں جن میں وسیع چولا ملک کے امیر خاندان بستے تھے۔ زمین کی حیرت انگیز زرخیزی شاعروں کا محبوب موضوع رہی ہے اور ان کی، بالخصوص درباری شاعروں کی، مبالغہ آرائی کے لیے گنجائش رکھ کر کوئی بھی کو ودر کلار کے ان اقوال کی صداقت سے منکر نہیں ہو سکتا: مثلاً

"اے سب کچھ دینے والے! جس کی پیشانی پر دینے کی مشقت سے پسینہ نہیں آتا بلکہ کھانا کھلانے سے جس طرح بارش کی بوندیں جھیل میں گرتی ہیں اسی طرح گوشت سے
جو تیرے خادم کھانے کے لیے پیش کرتے ہیں چربی ٹپکتی ہے۔
بھنا ہوا گوشت کاٹ کاٹ کر کھایا جاتا ہے۔
اپنے خالی کیے ہوئے کٹوروں سے دودھ کے لمبے لمبے گھونٹ پیتے ہیں۔
تیرے دھان کے کھیت —— ان کی سرحدیں بہت وسیع ہیں۔
جہاں شیریں گنے کے پودے پھولتے ہیں
تیری چراگاہوں میں
جہاں مویشیوں کے گلوں کے لیے تھان بنے ہیں
مویشی چرتے ہیں ——
قلعہ بند مورچوں سے تیر انداز گلوں کی حفاظت کرتے ہیں
اور ساحل کے گھنے درختوں کی چوٹیوں سے جہازوں کو گنتے ہیں جن سے
تیرا سمندر ڈھکا ہوا ہے۔
کھاڑی میں جہازوں پر کثیر مقدار میں نمک لادا جا رہا ہے

جو تیرے پہاڑوں کی چٹانوں میں بھرا پڑا ہے۔"

"آڈور تھوتم کلدر[64] اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ زمین کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے میں جس پر ایک ہاتھی بیٹھ جائے اتنی پیداوار ہوئی تھی جس سے سات آدمی پل سکتے تھے۔ ایک اور شاعر[65] نے کہا ہے کہ اراضی کی ایک "ویلی" سے ایک ہزار "کلم" دھان پیدا ہوتا تھا۔

بادشاہت

ملک کی حکومت ایک طرح کی موروثی بادشاہت کی تھی۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں جانشینی کی خاطر تنازعے اور خانہ جنگیاں کوئی نئی بات نہ تھی اور اگر فتح کے بعد ہونے والی غارتگری کے تذکروں میں جو ہمارے علم میں ہیں کچھ بھی سچائی ہے تو جنگ، جیسا کہ اکثر کہا جاتا ہے، محض پیشہ وروں کی دلچسپ تفریح کا سامان نہیں تھی جو کسی ریاست کی روزمرہ کی زندگی پر اثرانداز نہ ہو۔[66] حکومت کا تسلیم شدہ سنسکرتی تصور یہ تھا کہ وہ ایک جسم ہے جس کے سات اعضا ہیں۔ "کرل"[67] میں اس میں ایک معمولی لیکن اہم تبدیلی یہ کی گئی کہ چھ اعضا کو ساتویں یعنی راجہ کے تابع قرار دیا گیا۔ دوسرے کئی پہلوؤں سے بھی سیاست کے تصورات کو تیروولوور نے ایک ایسی وضاحت اور قطعیت عطا کر دی تھی جو ان کے ماخذ میں نہیں تھی۔ وہ دس اشعار جن میں ترووولوور نے "ناڈو" (راشٹر) کے لوازم پر بحث کی ہے، ریاست کی زندگی کی فطری بنیاد کا تجزیہ کرنے میں ان توضیحات سے جو ارتھ شاستروں میں، جن کا ہم کو علم ہے، دی گئی ہیں، کہیں زیادہ واضح ہیں اور ان کے اختتامی اعلان[68] :-

"چاہے اسے دوسری ہر طرح کی برکتیں حاصل ہوں، ناڈو (ریاست) کے لیے سب کچھ بے مصرف ہے۔ اگر راجہ اور پرجا کے درمیان صلح و آشتی نہ ہو۔"

سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف سیاسی آزادی کی حقیقی اخلاقی بنیادوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ آگے چل کر جہاں اس نے ریاست کی زندگی میں خزانے کے مقام کے متعلق بحث کی ہے[69] وہاں بھی اپنی عملی ذہانت اور اعلا سیاسی اصولوں کی پابندی کا ثبوت دیا ہے۔ یہیں ہم کو یہ قابل ذکر بیان ملتا ہے کہ راجہ کا خزانہ نہیں ذرائع[70] سے پر ہوتا ہے، لگان اراضی، درآمد اور برآمد پر محصول اور راہداری ٹیکس اور فتوحات (سے حاصل کردہ دولت)۔ کوٹلیہ کے "بدریہ" (پرجا کی جانب سے دان) کے اصولوں کے خلاف ترووولوور کا صحیح فیصلہ ہے۔[71]

ایک شاہی عصا رکھنے والا راجہ جو عطئے کے لیے التجا کرتا ہے' ایک ایسے لٹیرے کی مانند ہے جو ہاتھ میں نیزہ لے کر دھمکاتا ہے کہ "لاؤ" "دو"! اس ضمن میں یہ بات بھی بتا دی جائے کہ "استا فورد" کے ایک شعر میں یہ ذکر ہے کہ چولا راجاؤں کا خزانہ گنبا کو نم میں تھا جس پر بہت سخت پہرہ رہتا تھا۔

بادشاہت کی نوعیت

راجہ ہر اعتبار سے ایک مطلق العنان فرمانروا تھا جس کی مطلق العنانی کو دانشمندوں کے مشورے اور وزیر کی گہری نگاہ سے سفارشات حد اعتدال میں رکھتی تھیں۔ لیکن ریاست کی سرگرمیوں کا دائرہ محدود تھا اور ایک ایسے سماج میں جہاں موروثی رسم و رواج کے احترام کی جڑیں بہت مضبوط تھیں، سرکش سے سرکش راجہ بھی زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اس زمانے کی کتابیں بھی ہم کو عام طور پر یہی تاثر دیتی ہیں کہ رعایا کو چین و اطمینان حاصل تھا۔ وہ اپنے راجہ کی وفادار تھی' اور اس پر فخر کرتی تھی۔ "کیرل" نامی کتاب کا عظیم مصنف جس کی تصنیف کے بیشتر حصہ میں سیاست کے امور پر بحث کی گئی ہے۔ اس زمانے میں رائج نظریات کا ایک قابل اعتبار رہبر ہو سکتا ہے' کیونکہ نظریہ اور عمل میں اتنا مکمل تضاد کبھی نہیں ہوتا کہ ایک سے دوسرے کے متعلق کوئی اندازہ نہ لگایا جا سکے۔ تامل بادشاہت کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے متعلق تردد لوور کے کچھ نمایاں اقوال پر بحث کی جائے۔ مثال کے طور پر وہ راجاؤں کو غیر محدود طاقت کے مخرب اخلاق اثرات کے خلاف ان الفاظ میں تنبیہ کرتا ہے[۱۴]!

"جس راجہ کو تنبیہ کرنے والا کوئی نہیں' وہ ہر طرح کے تحفظ سے محروم ہے' کوئی اور اس کو برباد نہیں کرے گا۔ لیکن وہ خود ہی تباہ و برباد ہو جائے گا"

ظلم و ستم کے امکانات اور ظالم راجہ کے لیے اس کے نتائج چند لفظوں کا موضوع ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناقابل برداشت بدنظمی کے باوجود رعایا کے لیے کوئی چارہ کار نہیں تھا[۱۵]۔

"اس کی رعایا کے غم کے آنسو جو اس برداشت کے باہر ہیں' کیا وہ ایسے تیز ہتھیار نہیں ہیں جو راجہ کی دولت کے پرخچے اڑا دیں؟"

"جہاں رعایا دکھ سے یہ کہتی ہے —— ہائے ہمارا راجہ ظالم ہے'! بس راجہ کی عمر کم ہو گی اور جلد اس کی زندگی کی مسرتیں ختم ہو جائیں گی"

اس طرح جاسوسی کو جو اہمیت دی گئی ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ راجہ کے پاس رائے عامہ کا پتہ چلانے کے لیے براہ راست ذرائع نہ ہونے کے برابر تھے:

• ملکی قانون اور جاسوس۔ ان دو پر راجہ کو اپنی آنکھیں سمجھ کر بھروسہ کرنا چاہیے۔"

یہ فرض وزیر کے کندھوں پر ڈالا گیا ہے کہ نااہل راجہ کی ناراضگی کا خطرہ مول لے کر وقت پڑے تو بھلا برا اس کو سمجھائے:

"اگرچہ کم عقل ہونے کے باعث راجہ اس کی دانشمندانہ صلاح نہ مانے، پھر بھی وزیر کا فرض ہے کہ وہ اس کے سامنے کھری بات کرے۔"

سب سے آخر میں "کرل" میں ریاست کے انتظام میں دانشوروں کا اہم مقام اور ملک اور دربار میں ان کے اثر و رسوخ کی قوت صاف صاف بیان کی گئی ہے:

"چاہے تم ان کی نفرت مول لو جن کے ہتھیار ان کی کمانیں ہیں۔ لیکن ان لوگوں کو دشمن مت بناؤ جن کے الفاظ ان کے ہتھیار ہیں۔"

راجہ اور پرجا کے درمیان جو خلیج حائل تھی، اس کا ثبوت اس دہشت سے زیادہ کیا ہوگا جو رعایا پر راجہ کی مطلق العنانی کی رو سے طاری تھی۔ اصولاً وہ نہ صرف اندرونی اور بیرونی مادّی خطروں سے اپنی رعایا کا تحفظ کرنے والا تھا بلکہ وہ قانونِ قدرت کا نگہبان بھی تھا۔ اس کی منصفانہ حکومت پر ہی رِشی کی ریاضت، بیوی کی عصمت، بلکہ موسموں کے تغیّر و تبدّل کا بھی دار و مدار تھا۔ "کرل" اس کی یوں تصدیق کرتی ہے:

"رشیوں کا علم اور حُسنِ سیرت راجہ کے شاہی عصا سے برآمد ہوتے ہیں۔
جہاں اس کی حکومت ہے۔
جو راستبازی کے قوانین کا احترام کرتا ہے۔
وہاں بارش ہوتی ہے اور کھیت زرخیز ہوتے ہیں
نیزے سے راجہ کو فتح نصیب نہیں ہوتی
بلکہ انصاف کے ساتھ اپنے شاہی عصا کا استعمال کرکے۔"

تو یہ معلوم ہوا کہ ظلم اور بے انصافی کا نتیجہ بغاوت کی نہیں بلکہ قحط کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ ان میں سے اگرچہ اتنی واضح شکل میں نہیں، کچھ افکار ان سنسکرت مقالوں میں پائے جاتے ہیں۔ جو دستورِ حکومت پر لکھے گئے ہیں۔ ان میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کو صرف اس کے لفظی معنوں ہی میں

نہیں لینا چاہیے۔ ان کا مدعا صرف ایک منصفانہ حکومت کی عظمت اور اہمیت پر زور دینا ہے۔ یہ اُن پند و نصائح کے خزینے کا ایک حصہ ہیں جن کا مقصد راجاؤں کی رہنمائی اور رعایا کی بھلائی ہے۔ لیکن بادشاہت کے اس عارفانہ تصور سے اس منزل تک کا سفر جہاں بادشاہ کی طاقت پر عوامی نمائندگی کے ذریعے روک لگائی جا سکے بہت لمبا ہے۔ قدیم سنسکرتی سیاسی مفکرین نے بھی سولہویں صدی کے روسی کھتولک مصنفین کی طرح مخصوص حالات میں راجہ کا قتل جائز قرار دیا ہے۔ لیکن تامل کتابوں میں راجہ کے منشا کی مزاحمت کی اجازت کہیں نہیں دی گئی ہے۔

گُلو اور آیم

"شلپدی کارم" اور "منی میکھلائی" میں کچھ جماعتوں کا ذکر آیا ہے جنھیں "آیمپیر نگلو" اور "اینپیرائم" کہتے تھے۔ پانچ طرح کے لوگوں کی ایک جماعت بعض اوقات ان میں شامل کر دی جاتی ہے جس سے اٹھارہ "کلائی پالور" بن جاتے ہیں۔ یہ نام قدیمی فرہنگ "دواکرم" میں ملتا ہے۔ عوامی زبان میں انھیں "اٹھارہ تنترم" کہا جاتا ہے۔ "ایمپیر نگلو" اور "اینپیرائم" میں کون کون لوگ شامل ہیں اس بات پر قدیم مستند ماخذوں میں اختلاف ہے۔[21] فرہنگوں سے باہر جماعتوں کا جس جس ضمن میں ذکر آیا ہے ان سے اور ماخذوں کی اختلافی عبارات سے تامل لٹریچر کے طالب علم پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ مختلف جماعتیں شاہی جلوس کا حصہ ہوتی تھیں جو ہر رسمی موقع پر راجہ کے ہمراہ ہوتا تھا۔ "کرل" میں ان کا ذکر کہیں نہیں آتا۔ کنکا سبھائی کو جنھوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ "اینپیرائم" "شاہی ملازموں کی وہ آٹھ جماعتیں تھیں جو راجہ کی شان و شوکت بڑھانے کے لیے اس کی جلو میں رہا کرتی تھیں، .... کسی طرح اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ "ایمپیر نگلو" ایک اور تنظیم کا حصہ تھا اور اس نے اس ضمن میں متعدد ایسے بیان دیے ہیں جن میں سے کسی کی توثیق ان کے ماخذوں سے نہیں ہوتی۔ مثلاً "مجلس نمایندگان رعایا کے حقوق اور مراعات کی حفاظت کرتی تھی۔ مذہبی رسومات کی ادائیگی پروہتوں کے زیر ہدایت ہوتی تھی، طبیب راجہ اور رعایا کی صحت سے متعلق تمام دیکھ بھال کرتے تھے۔ نجومی عوامی رسوم کے لیے مبارک تاریخیں طے کرتے اور اہم واقعات کی پیشگوئیاں کرتے تھے۔ اور وزرا سرکاری آمدنی کی فراہمی اور خرچ نیز مقدموں کے فیصلوں کا کام سرانجام دیتے تھے۔ ان تمام اداروں کے اجلاس اور کارروائی کے لیے دارالخلافہ میں الگ الگ جگہیں مخصوص ہوتی تھیں۔ حکومت

کی جملہ طاقت راجہ اور " پانچ بڑی مجالس " کے ہاتھوں میں مرکوز تھی۔ سب سے زیادہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس طرح کا نظام سلطنت چیرا، چولا اور پانڈیہ تینوں ریاستوں میں رائج تھا گو یہ تینوں خود مختار ریاستیں تھیں۔ اس لیے یہ بات ناقابل یقین نہیں ہے کہ انھوں نے اس نظام حکومت کی تقلید کی جو اس ملک میں رائج تھا جہاں سے ان کے بانی ہجرت کرکے آئے تھے " یعنی مگدھ کی شہنشاہی "۔ ان تعجب انگیز دعووں کی طویل لڑی میں ہم کو یہی نظر آتا ہے کہ ان جماعتوں کے ناموں کے علاوہ اور سب فرضی باتیں ہیں اور ان بیانات کی توثیق کی تلاش کتابوں میں بے سود ہوگی۔ یہاں جس تنظیم کو " مجلسِ نمائندگان " کہا گیا ہے، اس کے لیے ایک مبہم سی اصطلاح " ماشم " استعمال کی گئی ہے جس کے معنی ہیں : " بزرگ "۔[1]

مجلسِ نمائندگان

عوامی مجلس کی بنیاد کس طرح پڑی اس کے معلوم کرنے کے لیے ہمیں ان اداروں کی طرف توجہ کرنی ہوگی، جنھیں اس قدیم لٹریچر میں " منرم " (بڑا کمرہ یا ہال) اور " پوڈی یل " (عوام کے جمع ہونے کی جگہ) کہا گیا ہے۔ یہ ادارے نمایندگی کی کسی سائنٹفک بنیاد پر منظم نہیں کیے گئے تھے لیکن وہ رائے عامہ کی، جیسی بھی اس زمانے میں تھی، فی الواقعی نمایندگی کرتے تھے۔ " کرل " میں دو حصے جو " اوائی " (سبھا) پر ہیں۔ ان میں عام باتیں ہی کہی گئی ہیں اور ان میں کچھ اشعار سے تو یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ان اداروں کا مقصد سوائے عالمانہ بحثوں کے لیے اکٹھا ہونے کے اور کچھ نہ تھا لیکن " اوائی " کی اصطلاح کا استعمال چند دوسری کتابوں میں " منرم " کے لیے کیا گیا ہے اور خود " کرل " میں " اوائی " کو صاف طور پر سیاست کی مشنری کا ایک حصہ بتایا گیا ہے۔ لہٰذا ہمیں پر تیے لانگر کی

شہری ادارے

اس رائے سے اتفاق کرنا پڑے گا کہ ان حصوں میں جو حوالے ہیں وہ راجہ کی سبھا (مجلس) کے بارے میں ہیں گو اس زمانے کی تصانیف میں سبھا یا " منرم " کی طرف اکثر اشارے کیے گئے ہیں لیکن اس کی نوعیت اور طریقۂ کار کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی البتہ عدل گستری میں اس کے مقام کی خاص طور سے راجہ کے دارالخلافہ میں، بخوبی تصدیق ہوتی ہے اراثیور کی " منرم " میں ملائے یمن کے بیٹوں پر مقدمہ چلایا گیا تھا اور سزا کا اعلان کیا گیا تھا جو بعد میں شاعر کو ودر کلار کی سفارش پر رہا کر دیے گئے تھے[2] اور اسی " منرم " کو اپنے دوست کوپیر نجولن سے اس کی موت کے بعد خالی دیکھا پوتی یار کی برداشت سے باہر ہوگیا تھا۔

"پورونار آزو پدائی" میں ایک بڑا پُرمعنی بیان ہے کہ "سبھا" میں داخل ہوتے ہی لوگ اپنے تنازعات کو فراموش کر دیتے تھے جس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ یا تو ان تنازعوں کا فیصلہ کر دیا جاتا تھا یا وہ اپنے عام فرائض کی تکمیل تک ان جھگڑوں کو بھول جاتے تھے۔ اس سے یہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ راجہ سبھا یا منرم سے معمولی مشورے بھی کیا کرتا تھا۔ ترووَلوور مجلس میں فی البدیہہ تقریر کی اہمیت پر بڑا زور دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس آدمی کی علمیت جو مجلس میں بولنے سے ڈرتا ہے، اس چمکتی ہوئی تلوار کی طرح ہے جو میدانِ جنگ میں کسی ہیجڑے کے ہاتھ میں ہو۔

دیہی ادارے

دیہی علاقوں میں جو "منرم" تھے وہ کچھ بہت کارآمد ادارے نہ تھے اور گاؤں کی زندگی کے معاشرتی اور مذہبی نظام میں الجھے بھی رہتے تھے۔ ہر گاؤں میں گاؤں والوں کے بیٹھنے کی ایک جگہ ہوتی تھی جو عام طور سے کسی بڑے درخت کی چھاؤں میں ہوتی تھی۔ یہاں مرد، عورتیں اور بچے گاؤں کے مشترک کاموں کے لیے جمع ہوتے تھے۔ یہیں لوک ناچ ہوتے تھے۔ جن میں عورتیں بھی حصّہ لیتی تھیں۔ یہ ناچ جنگ یا محاصرہ کے دنوں میں بند کر دیے جاتے تھے۔ اگرچہ اس بات کی بہت کم شہادت ہے کہ "منرم" کا دیہات کی سیاسی زندگی میں کیا مقام تھا۔ تاہم انھیں عوامی اجتماعوں سے کم سے کم جزوی طور پر، اس اعلا ترقی یافتہ دیہی حکمران ادارے کی بنیاد پڑی جو بعد کے چولا عہد میں وجود میں آیا اور نہایت کامیابی سے سرگرم عمل رہا۔

ٹیکس

معلوم ہوتا ہے کہ شاہی آمدنی کے سب سے بڑے ذرائع اراضی اور تجارت تھے۔ زمین کے پیمانے "ما" اور "ویلی" پہلے سے لوگوں کے علم میں تھے۔ لیکن ہمارے پاس صحیح طور پر یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ زرعی پیداوار میں راجہ کا حصّہ کتنا ہوتا تھا۔ ریاست کی خوشحالی میں کسان کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی تھی اور اسے بڑے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ "کرل" کے مصنف کا قول ہے کہ حقیقت میں زندگی صرف کسان ہی کی تھی۔ باقی طبقوں کی زندگی غلامی اور چاپلوسی کی زندگی تھی۔ "پٹنا پلائی" میں اس زمانے کی غیر ملکی تجارت کی اہمیت، اور اشیائے درآمد و برآمد پر جو محصول لیا جاتا تھا اس کے متعلق سرکاری ملازموں کی سرگرمیوں کا ذکر بہت حد تک اس بات کا یقین دلاتا ہے کہ ذرائع آمدنی میں اس محصول کو ایک بہت اہم مقام حاصل تھا۔

"ساحل سمندر کے قریب کی چوڑی سڑک پر جہاں لمبی پتیوں والے "قلائی" (ملّی Panda جھم) کے جھنڈ نظر آتے ہیں، معتبر سرکاری ملازمین شفیق راجہ کی دولت کی حفاظت کرتے ہیں اور ہر روز محصول وصول کرتے ہیں، گرم کرنوں والے سورج دیوتا کے رتھ میں جتے ہوئے گھوڑوں کی طرح وہ کبھی تکان محسوس نہیں کرتے اور برسات کی بوچھاروں کی طرح جب کہ بادلوں کا جذب کیا ہوا پانی پہاڑوں پر برستا ہے اور پہاڑوں پر برس کر پھر سمندر کی جانب چل پڑتا ہے، بہت سی اشیا بے اندازہ مقدار میں سمندر سے ساحل پر لائی جارہی ہیں۔ اور خشکی سے سمندر کی طرف لے جائی جارہی ہیں۔ اس میں کبھی کسی طرح کی کمی نہیں آتی۔ بھاری گانٹھوں میں بیش قیمت اشیا محفوظ احاطوں میں ایک لامتناہی سلسلے میں چلی آتی ہیں اور پھر تند اور طاقتور شیر کی مہر ثبت کرنے کے بعد گودام میں بھیج دی جاتی ہیں۔"

قید خانے

قید خانے انتظامیہ کے نظام کا حصہ تھے۔ "چیرا" راجہ کنائی کال ارمپورائے کو راجہ شنگ نان نے ایک قید خانہ میں قید کر دیا تھا۔ اس کے نام "کڈاوائر کوٹم" کی وجہ سے خیال جاتا ہے کہ یہ قید خانہ "کمبا کوٹم" یا اس کے نزدیک کسی چھوٹے سے مقام پر واقع تھا جسے آجکل "کوڑا واشل" کہتے ہیں۔

فوج

ماہر اور پیشہ ور سپاہیوں کی ایک مسلح فوج مستقل طور پر رکھی جاتی تھی اور بلاشبہ اس زمانے میں جب جنگ کرنا فخر سمجھا جاتا تھا وہ بے کار نہیں رہ سکتی تھی۔ فوج کے کپتانوں کو "ایادی" کا لقب دیا جاتا تھا جو ایک رسمی تقریب میں عطا کیا جاتا تھا۔ اس تقریب میں راجہ اپنے منتخب سردار فوج کو ایک انگوٹھی اور اعلیٰ فوجی عہدے کا تمغہ پیش کرتا تھا۔ "پورنانورو" میں ایسے فوجی سرداروں کے متعلق جو چولا راجاؤں کی ملازمت میں تھے دو نظمیں ہیں۔ ان میں سے ایک نظم میں ایک اچھا سپاہی جنگ کے جس تصور کو عزیز رکھتا تھا اس کا بیان ہے:۔

"تم — جب تم کوئی لڑائی دیکھتے ہو تو تم فوراً آگے بڑھتے ہو۔ اپنے دشمن کی

فوجوں کو منتشر کر دیتے ہو۔ ان کے مقابلے پر ڈٹ جاتے ہو اور ان کی تلواروں کے گہرے چرکوں سے تمہارا جسم چھلنی ہو جاتا ہے۔ اس طرح تمہاری شہرت کانوں کو بھلی لگتی ہے۔ لیکن تمہارا جسم آنکھوں کو بھلا نہیں لگتا۔ جہاں تک تمہارے دشمنوں کا تعلق ہے۔ وہ جب تمہیں دیکھتے ہیں تو پیٹھ دکھاتے ہیں اور ان کے بے داغ جسم جن پر زخموں کے نشان نہیں ہوتے چاہے دیکھنے میں بھلے لگیں لیکن کانوں کو ان کی رسوائی بھلی نہیں لگتی۔ لہٰذا ایک طریقے سے تم بھلے لگتے ہو اور دوسرے طریقے وہ اور کسی بات میں وہ تمہاری برابری نہیں کر سکتے۔ پھر بھی اے عالی مرتبہ شخص ایسا کیوں ہے کہ دنیا تجھ سے پیار کرتی ہے؟ اے بگٹٹ برق رفتار گھوڑے والے! فتح مندی بڑھ کر جس کے پازیب سے آراستہ پاؤں لیتی ہے۔"

سورماؤں کے یادگاری پتھر

ایک معمولی سپاہی بھی جب لڑتا لڑتا مارا جاتا تھا تو اس کے ہم وطن اس کی یاد تازہ رکھنے کے لیے اس کی موت کے مقام پر پتھر کا کتبہ نصب کرتے تھے جس پر اس سورما کا نام اور کارنامے لکھے جاتے تھے۔ یادگاری پتھروں کی بعض اوقات پرستش ہونے لگتی تھی۔ یہ رواج کنڑ اور تامل ملکوں میں کم از کم دسویں صدی تک باقی رہا۔ جہاں اس طرح کے کندہ یادگاری پتھر کافی تعداد میں ملے ہیں۔ ان پر نویں اور دسویں صدی کی تاریخیں درج ہیں اور سنگم لٹریچر میں ان کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اس سے وہ مطابقت رکھتے ہیں اور دوسرے مقاصد کے لیے بھی یادگا ری کتبے نصب کرنا اتنا عام تھا کہ ایسے مواقع پر جو کچھ کیا جاتا تھا اس کا ایک مدت سے ادبی روایتوں کے ذریعے ایک معیار قائم ہو گیا تھا۔

جنگ

راجہ اکثر میدان جنگ میں خود فوجوں کی کمان کرتا تھا اور عام سپاہیوں کے ساتھ ان کی مہم جوئی اور خوشیوں میں شریک ہوتا تھا۔ دوسری طرف اگر راجہ لڑائی میں مارا جاتا یا شدید طور پر زخمی ہوتا تھا تو اس کی فوج لڑائی ترک کر دیتی اور اپنی ہار تسلیم کر لیتی تھی۔ لیکن میدان جنگ کی موت ہی راجہ کے شایان شان سمجھی جاتی تھی۔ ایک چیرا راجہ نے جیسا کہ

ہم پچھلے صفحات میں بیان کر چکے ہیں، اپنی پیٹھ میں زخم کھانے کی ندامت سے بھوکا رہ کر خودکشی کر لی تھی۔ ایک دوسرے نے جو اتنا باہمت نہیں تھا۔ بڑے ترحم انگیز الفاظ میں اپنی اسیری کا ماتم کیا ہے۔ یہ ایک عام رواج تھا کہ جن راجاؤں کی موت لڑائی میں نہیں ہوتی تھی ان کی لاشوں کو کشا گھاس پر لٹا کر دفن کرنے یا جلا دینے سے پہلے تلوار سے چیر دیتے تھے تاکہ ان کا داخلہ اس   میں جس میں سورما مرنے کے بعد داخل ہوتے ہیں یقینی ہو جائے[45]۔ فاتح اپنے غرور میں اکثر مفتوح دشمن کو بری طرح ذلیل کرتا تھا جس کی تلخ یادیں مزید جھگڑوں کا باعث ہوتی تھیں۔ شکست خوردہ راجاؤں کے تاجوں میں لگے ہوئے سونے سے فاتح راجہ کے لیے پازیب بنوائے جاتے تھے۔[46] اس زمانے کے لٹریچر میں جن جنگی لوازمات کا بار بار ذکر آیا ہے ان میں گھوڑا، ہاتھی، جنگی رتھ، تلوار، نیزہ، کمان اور جنگی نقارہ شامل ہیں۔ ہاتھی اکثر جھنڈے لہراتے میدانِ جنگ میں لے جائے جاتے تھے۔ جو بلاشبہ فریقین کے شاہی نشان ہوتے تھے۔ پھولوں یا کسی خاص قسم کے گجروں کی شکل میں ان سے کم درجے کے نشان بھی ہوتے تھے۔ جن تذکروں میں تامل دیش کے میدانِ جنگ کا نقشہ کھینچا گیا ہے ان میں سے ایک تذکرہ "کلادلی" ہے۔ یہ نظم میں ہے اور ضمناً جنگی معاملات کے متعلق بہت سی مفید معلومات بہم پہنچاتی ہے[47]۔ سوار اور پیدل سپاہی دونوں اپنے پیروں کی حفاظت کے لیے چمڑے کے جوتے پہنتے تھے[48]۔ شہزادے اور سردار ہاتھیوں پر اور کمان والے افسر علم بردار رتھوں میں سوار ہو کر میدانِ جنگ میں جاتے تھے۔ پوئی گائیار کا کہنا ہے کہ "کلومالم" کے میدان میں جن عورتوں کے شوہر مارے گئے تھے وہ ان کی موت پر نوحہ کناں تھیں[49]۔ اگر یہ محض مبالغہ نہیں ہے تو ضرور اونچے درجہ کے سرداروں کی بیویاں کبھی کبھی میدانِ جنگ میں شوہروں کے ہمراہ جاتی ہوں گی۔

بھاٹ یا شاعر

حکومت کا سربراہ اور جنگ میں سردار اعلیٰ ہونے کے علاوہ راجہ کا سماجی زندگی میں بھی سب سے اونچا مقام تھا۔ وہ شاعری اور فنونِ لطیفہ کی سرپرستی کرتا تھا اور اس کی مہمان نوازی عام تھی۔ سماج کے اونچے اور خوشحال طبقے شراب اور موسیقی کے علاوہ جنگ اور عورتوں سے شغل رکھتے تھے۔ راجہ اور ان کے "اینادیوں" اور ان کے مصاحبوں

نے سماج میں بے فکروں کا ایک اونچا طبقہ بنا لیا تھا۔ جو زندگی کی ادنا خوشیوں، جیسے شراب، کباب، میں مست رہتے تھے۔

ضیافتیں

ضیافت کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نکلنے نہیں دیا جاتا تھا۔ شاعروں نے ان لذیذ کھانوں کی تعریف میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیے ہیں جن پر انھیں اکثر مدعو کیا جاتا تھا۔ ایک شاعر اپنے سرپرست سے کہتا ہے:-[۵۴]

"میں آپ سے ملنے آیا تھا تاکہ ہم مل بیٹھیں اور اُبال کر ٹھنڈے کیے ہوئے چربی دار گوشت کے ٹکڑے کھائیں جو چرخہ کاتنے والی عورت کے ہاتھوں دھنی ہوئی روئی کی طرح نرم ہو اور تاڑی کے بڑے بڑے پیالے پئیں۔"

ایک اور شاعر عظیم چولا راجہ کریکال کی جانب سے دی ہوئی فرحت بخش دعوت کی تفصیل بڑے تشکر آمیز پیرائے میں بیان کرتا ہے:-[۵۵]

"اس کے ایوان میں، عمدہ جواہرات سے سجی ہوئی اور لبوں پر شیریں تبسم لیے حسینائیں، نشہ آور شراب سے بھر کر سنہری جام پیش کرتی تھیں جس کا دور برسات کی طرح جاری رہتا تھا۔ اس طرح جی بھر کر پینے اور اپنی تکان اور شدید مصیبت کو دل سے دور کرنے کے بعد میں نے ایک نئے انبساط کا احساس کیا — ان لمحات عیش میں وہ مجھے میٹھی گھاس پر پلی ہوئی بھیڑ کی نرم ابلی ہوئی رانیں کھانے کے لیے پیش کرتا تھا اور گرم کباب۔ جو بڑی بڑی بوٹیوں کی شکل میں سیخوں کی نوکوں پر تیار کیا جاتا تھا اور جس کو منھ میں ایک طرف سے دوسری طرف چکر دے کر ٹھنڈا کیا جاتا تھا۔ جب میں کہتا کہ بس اب میں اور نہیں لوں گا تو وہ اصرار کر کے کھلاتا اور مجھے قسم قسم کی ذائقے دار مٹھائیاں دیتا۔ اس طور سے شیریں ڈھول کی موسیقی اور روشن چہرے والی "وڑالیا" کی خوش آہنگ ستار کی نوا میں میں نے خوشگوار دن گذارے۔ اکثر وہ مجھ سے چاول سے بنا ہوا پکوان کھانے کے لیے اصرار کرتا تو میں عمدہ قسم کے چاول دودھ سے تیار کی ہوئی شیریں کڑھی کے ساتھ اتنی مقدار میں کھا جاتا کہ میرا پیٹ گلے تک

بھر جاتا - یہ چاول جو ٹوٹے نہیں ہوتے تھے اور انگلیوں کی طرح سیدھے ہوتے تھے
مُلائی (پھول) کی کلیوں کی مانند تھے۔ اس طرح میں بہت چین سے اس کے یہاں
رہا اور دن رات گوشت کھا کھا کر میرے دانتوں کی نوکیں کند ہو گئیں، جیسے خشک
زمین پر ہل چلا کر ہل کا پھل کند ہو جاتا ہے۔ چونکہ مجھے کھانے میں مشغول رہنے سے
آرام کے لیے وقت نہیں ملتا تھا میں کھانے سے بیزار ہو گیا اور ایک دن میں نے
کہا اے خوشحال راجہ جو اپنے غضب ناک دشمنوں سے خراج حاصل کرنے میں
طاق ہے، اب مجھے یہاں سے اپنے پرانے نگر واپس جانے دے "

پان

کھانا کھانے کے بعد پان کھایا جاتا تھا۔ عورتیں جن کے شوہر جنگ میں مارے جاتے
تھے پان کھانا اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا چھوڑ دیتی تھیں۔[۱۲۶] کوولن کی بیوی کنکی نے اپنے
شوہر کو آخری بار کھانا کھلانے کے بعد پان کے پتے اور سپاری پیش کی تھی جب وہ مدورا میں
پازیب فروخت کرنے کے لیے روانہ ہو رہا تھا۔[۱۲۵] اور جہاں سے وہ واپس نہیں آسکا۔

لٹریچر

تفریح کے مشغلوں میں سوسائٹی کے اونچے طبقات کے لیے اس زمانے میں مہذب ترین
مشغلے شاعری، رقص اور موسیقی تھے۔ شاعر ہر طبقے سے اور مرد اور عورت دونوں ہوتے تھے
ان کی شاعری موقع کے لحاظ سے ہوتی تھی اور انھیں اپنی ادبی کاوشوں کے لیے اکثر انعامات
دیے جاتے تھے۔ ہم ان مختلف مواقع پر کہے ہوئے اشعار کے جنھیں بعد میں جمع کر کے سنگم کے آٹھ
شعری مجموعوں میں ترتیب دی گئی کتنے ممنونِ احسان ہیں یہ ان متعدد مثالوں سے بخوبی
واضح ہے جو ہم اوپر دے چکے ہیں۔ اس زمانے میں شاعری کا جو معاوضہ ملتا تھا اسے کو کم
سے کم بعد کے لوگ زیادہ سمجھتے تھے۔ "کلنگو پرانی" کا مصنف بتاتا ہے کہ کاڈیا لور رودرانگن
نار کو اپنی تصنیف "پٹینا پلائی" کے صلے میں راجہ کری کال نے پندرہ لاکھ سے کچھ زیادہ سونے
کے سکے دیے تھے۔[۱۲۸] اگر قدیم روایتیں صحیح ہیں تو قدیم تامل شاعری کا ایک قلیل حصہ ہی ہمارے
ہاتھوں تک پہنچا ہے۔ لیکن اس میں سے جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ اس شاعری کی عمدہ خصوصیات

کی گواہی دیتا ہے۔ نظمیں بالخصوص وہ جو مختصر ہیں بڑی رنگین ہیں اور زندگی کی سچی تصویریں ہیں۔ وہ ایسے نفیس جملوں سے پر ہیں جن میں شاعر کے مادّی اور روحانی تجربات کا مختصر لیکن فصیح بیان ہے۔ اس وہ یکسانی اور تصنّع نہیں ہے جس نے بعد کے زمانے کی تامل شاعری کو بگاڑ دیا ہے۔ ان میں خیالات کی وسعت ہے۔ مختصر نظم، طویل قصیدہ، ڈرامائی طرز کی رزمیہ نظم، غرض یہ سبھی اصناف شاعری میں موجود تھے۔ ترووکوور کی تصنیف "کرل" ہمارے پاس ایک ایسی کتاب ہے جو زمان ومکان کی قیود سے آزاد ہے۔

مغنّی شعراء

ان شعراء کے علاوہ، جن میں سے بعض راجاؤں اور سرداروں کے مصاحب ہوتے تھے اور انھیں کے ہاں رہتے تھے بعض ادنیٰ درجے کے شاعر بھی تھے جو سرپرستی کی تلاش میں ایک دربار سے دوسرے دربار کا چکّر لگاتے رہتے تھے، کچھ موسیقاروں کی گشتی ٹولیاں بھی ہوتی تھیں جن کے ساتھ عورتیں ہوتی تھیں جو موسیقی کی گت پر ناچتی تھیں۔ یہ لوگ "پانز" اور "ویرالیار" کہلاتے تھے اور ٹولیاں بنا کر عجیب عجیب آلاتِ موسیقی لیے ملک بھر میں گشت لگاتے پھرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ قدیم قبائلی گروہوں سے تعلق رکھتے تھے۔[۵۵] جن میں پرانے زمانوں کے رقص اور لوک گیت محفوظ چلے آتے تھے۔ ان کی کثیر التعداد اور مفلسی اس زمانے کی شاعری کا عام موضوع تھی اور تمام تذکروں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا گذارہ مشکل سے ہوتا تھا اور شاذ و نادر ہی انھیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ دوسرے وقت کا کھانا انھیں کہاں ملے گا۔ یہاں ایک فیاض سرپرست سے ان کی ملاقات کا مزاحیہ انداز میں[۵۶] بیان کیا گیا ہے:-

> "چولا راجہ نے بہت سی دولت عمدہ اور قیمتی جواہرات کی شکل میں دی۔ جو ہمارے مصرف کے نہیں تھے۔ اس پر میرے لیے چوڑے قبیلے کے کچھ لوگوں نے جو انتہائی مفلسی کے خوگر تھے، وہ زیورات جو انگلیوں کی آرائش کے لیے تھے، اپنے کانوں میں آویزاں کر لیے اور کچھ اوروں نے کانوں کے زیورات انگلیوں میں پہن لیے۔ چند اوروں نے جو جواہرات کمر کے لیے تھے وہ اپنی گردنوں میں ڈال لیے اور گردن میں پہنے جانے والے زیورات سے اپنی کمر آراستہ کرلی اور ہم لوگ

اسی طرح لوگوں کے تمسخر کا سامان بن گئے۔ جس طرح زور آور راکشس کے تیز رفتار رتھ والے رام کی پتنی سیتا کو اٹھائے جانے کے بعد، لال منہ والے بندروں کی بھاری ٹولی نے زمین پر گرے ہوئے سیتا کے جواہرات اپنے بدن پر سجا لیے تھے۔"

نظموں کی ایک صنف میں جو "آڑو پڑائی" کہلاتی ہے۔ شاعر اپنے سرپرست کے متعلق اپنے تجربات بیان کرتا ہے اور دوسروں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ بھی اپنے سے اس کو روشناس کرائیں۔ ان میں سے کچھ نظمیں پانڑ کو مخاطب کرکے لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک مختصر نظم یہاں نقل کی جاتی ہے:-

"اے مطرب جس کے پاس میٹھی آواز والا ستار ہے، جو قدیم حکمت و دانش سے لبریز الفاظ میں اپنا مدعا عرض کرتا ہے۔

تم مجھ سے کچھ دیر اطمنان سے بیٹھ جانے اور اپنی ڈھولک کی خوش آہنگ موسیقی سننے کے لیے اصرار کر رہے ہو۔

لیکن میں جو تم سے کہتا ہوں غور سے سنو!

پانڑ جس کے ہاتھ تحفوں سے بھرے ہوئے ہیں کا سادہ گھر وسیع شہر کے قریب واقع ہے۔

وہاں جنوری کے چاند کے نیچے تالاب کے ٹھنڈے پانی کی طرح خوراک ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ جہاں خوشبودار کنول کے پھولوں میں گنگناتی ہوئی شہد کی مکھیاں شیرینی تلاش کرتی ہیں۔

وہاں وہ کلی دلون کی تعریف و عظمت پر غور کرتا ہے۔ جو ایسے سرسبز ملک کا مالک ہے جہاں چاول اور پانی کی افراط ہے اور جہاں آگ پکاتی ہے جلا کر برباد نہیں کرتی۔

اگر اس طرف تو اپنی روشن جبیں اور شیریں تبسم والی مطربہ کو، جس کی زلفوں سے جوہی کے پھولوں کی خوشبو آتی ہے ہمراہ لے کر جائے تو تو آسودہ و خوشحال ہو جائے گا۔

اس کی داد و دہش محض اتفاقیہ نہیں ہوتی جیسے جنگل میں لکڑہارے کو اچانک

سونا بل کیا تھا۔
تا تل نہ کر ــــــ
پرماتما کرے وہ مدتوں تک پھولے پھلے!"

رقص و موسیقی

موسیقی اور رقص کے فنونِ لطیفہ بہت ترقی کر چکے تھے۔ اس بات کی تصدیق نظم "شلپدی کارم" کے مشہور تیسرے باب "ارنگیرو کادئی" سے ہوتی ہے جس میں رقص، تھیٹر، اور رقص کی موسیقی اور اس کے ساتھ بجائے جانے والے سازوں کی تکنیک کا پورا حال دیا گیا ہے۔ اگر ہم "شلپدی کارم" کے اس بے حد مشکل باب کے اس قدیم شارح پر بھروسہ کریں، جس تک ہماری رسائی ہے، تو رقص و موسیقی، اعلا سوسائٹی میں جن کی نمایندگی مادھوی جیسی حسن فروش عورتیں کرتی تھیں کم سے کم دو الاپوں پر مشتمل تھے جو آپس میں مل کر ایک دوسرے پیچیدہ اسلوب میں تبدیل ہو گئے۔ یہ دونوں الاپ "دیسی" اور "مارگ" تھے جن میں سے پہلا بلاشبہ ملک کا اپنا راگ تھا، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے اور دوسرا ایک دلکش آرین راگ تھا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس زمانے میں ان فنون کے متعلق ایک وسیع لٹریچر موجود تھا جس میں سے بہت سا معدوم ہو چکا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آرین دیو مالا سے گیارہ سین اسٹیج پر کھیلے جانے کے لیے منتخب کیے گئے تھے اور ان کو اس فن میں کلاسیکی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ واتسائن کی تصنیف "کام سوتر" کی طرح "منی میکھلائی" سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ناڈکا مگالیر (حسن فروش عورتیں) کئی سال تک باقاعدہ نصابی تربیت حاصل کرتی تھیں جس میں درباری رقص، لوک ناچ، گانا، ستار بجانا، بانسری بجانا، کھانا پکانا، عطریات، مصوری اور پھولوں کی اشیا بنانا وغیرہ شامل تھے۔ "دینا" اور "پال" کی متعدد قسموں کا ذکر ان کتابوں میں آیا ہے۔ اب ان کی صحیح شکل یا ہئیت کو سمجھنا آسان نہیں ہے۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ یہ سب فنون بتدریج ترقی کر کے ایک اعلا سطح پر پہنچ گئے تھے۔

مکانات اور اعلا طبقات کی زندگی

سماج کے امیر طبقوں کے لوگ اینٹ اور چونے کے مسالے سے تعمیر شدہ مکانات

میں رہتے تھے۔[90] جن کی دیواروں پر اکثر دیوی دیوتاؤں یا جنگل کی زندگی کی تصاویر بنائی جاتی تھیں[91] اور جن کے اردگرد تفریح کے لیے نفاست سے باغ لگائے جاتے تھے۔ ان باغات میں واقع محلات کے مکینوں کی تفریح کے لیے ان میں کم گہرے کنوئیں یا تالاب جن میں کلیں لگی ہوتی تھیں، مصنوعی پہاڑیاں، ندیاں، آبشار، پھولوں کے کنج، شیشے کے مکان وغیرہ تعمیر کیے جاتے تھے۔ آئینوں سے بھی لوگ واقف تھے اور انھیں استعمال میں لاتے تھے۔[92]

بیاہ شادی

"شلپدی کارم" کے پہلے باب میں ایک شادی کی تقریب کا ذکر آیا ہے۔ اگرچہ اس میں کچھ مبالغے سے کام لیا گیا ہے پھر بھی اس میں حقیقت کا شائبہ موجود ہے۔ دلہن جس کا نام کنکی تھا بارہ برس کی تھی اور دولہا جس کا نام کودلن تھا سولہ برس کا تھا۔ ان کی شادی ان کے ماں باپ نے طے کی تھی جو مالدار سوداگر تھے۔ "پہار" کے شہریوں کی واقفیت کے لیے اس کا اعلان کچھ عورتوں نے ہاتھی پر سوار ہو کر کیا تھا:-

> "اس دن جب کہ چاند روہنی نکھشتر میں تھا پھولوں اور موتیوں سے آراستہ
> منڈپ میں جو جواہرات سے جڑے ہوئے ستونوں پر جن کی چوٹیوں پر پھولوں کے
> گجرے بندھے تھے، استادہ تھا، نیلگوں چھتر کے نیچے کودلن نے، ویدک رسومات
> بجالانے میں ایک معمر برہمن کی ہدایات کی پیروی کرتے ہوئے اگنی کے گرد
> اس کے ساتھ پھیرے لیے جو اروندھتی کی ہمسری کرتی ہے۔ مبارک ہیں وہ
> آنکھیں جنھوں نے یہ منظر دیکھا۔"

بیاہ کی رسومات کی ادائیگی کے بعد عورتیں پھول بکھیرتی تھیں اور جوڑے کی عمر بھر کی خوشی اور راجہ کی ترقی و خوشحالی کے لیے دعا کرتی تھیں۔ اس کے بعد پھر خلوت ہوتی تھی۔[93]

عوامی زندگی

قدیم کتابوں میں عوام کی زندگی کے متعلق اور بھی تفصیل ملتی ہے۔ "پیٹناپالئی" میں "پاراڈاور" لوگوں کی جو پہار کے سمندری ماہی گیر تھے، زندگی اور ان کی فرصت کی تفریحات کا مفصل بیان دیا گیا ہے، سیاہ ریت کے اونچے اونچے ٹیلوں پر محنت کش "پاراڈاور" قبیلے کے

لوگ سمندری مچھلی اور ابلے ہوئے کچھوے کا گوشت کھاتے تھے: "آدمیو" اور کنول کے پھولوں سے سج کر وہ لوگ وسیتا "منرم" میں یوں جمع ہوتے تھے جیسے نیلے آسمان میں گردش کرتے ہوئے ستارے اور سیارے۔ ان میں سے جو زیادہ قوی تھے وہ اکھاڑے میں اترتے تھے اور زبردست کشتیاں لڑتے تھے جس میں وہ ایک دوسرے کو گھونسوں اور ہتھیاروں سے مضروب کرتے تھے۔ غلیلوں سے پھینکے ہوئے پتھروں سے خوفزدہ ہو کر پرندے کھجور کے درختوں سے جن پر وہ جھنڈ بنائے ہوتے تھے اڑتے تھے۔ باہر کے راستوں پر سور اپنے بچوں کے ساتھ گندے پانی کے گڑھوں میں لوٹتے تھے وہیں کئی طرح کی مرغابیاں بھی تیرتی تھیں اور مینڈھے اور بٹیر لڑتے نظر آتے تھے۔ ان کے جھونپڑوں کی چھت نیچی اور پھوس کی ہوتی تھی جس میں پنسیوں کے لمبے لمبے دستے لگے ہوئے ہوتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یادگاری پتھروں کے اردگرد نیزوں اور ڈھالوں کی قطاروں سے ایک حلقہ بنا دیا گیا ہو۔ ان جھونپڑوں کے بیچ میں مچھلی پکڑنے کے جال ریت کے چبوتروں پر سوکھتے ہوئے یوں دکھائی دیتے تھے جیسے اجلی چاندنی میں اندھیرے کے دھبے۔ کیتکی کے پودے کے قدموں میں اگنے والے "ہرن پدی" کے سفید اور خنک پھولوں کے گجرے پہنے ہوئے وہ کنار مچھلی کے جبڑے کی ہڈی کو گاڑ کر طاقتور دیوتا کو بلاتے تھے کہ وہ اس میں آن بسے۔ لمبی پنکھڑیوں والے "تالئی" کے پھولوں سے آراستہ سرخ بالوں والے مچھیرے اپنی سیاہ فام عورتوں کے ساتھ بیٹھ کر جو ہرے پتوں کی پوشاک پہنتی تھیں، تاڑ جن کے پتوں کو ہوا کھڑکھڑاتی رہتی تھی کی تاڑی پیتے تھے۔ وسیع نیلے سمندر میں مچھلی پکڑنے کے لیے کبھی کبھی نہ جا کر وہ ریتلے ساحل پر، جس سے مچھلی کی تیز بو آتی تھی کھیل کود اور کھانے پینے میں وقت گذارتے تھے۔ کاویری کا سرخ پانی اپنے دہانے پر گرجتے ہوئے سمندر کے نیلے شفاف پانی کے ساتھ یوں ملتا تھا جیسے سرخ رنگ کا بادل کسی اونچے پہاڑ سے بغل گیر ہو رہا ہو، یا کوئی بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے چمٹ رہا ہو۔ وہاں پارادار قبیلے کے لوگ سمندر میں اپنے گناہ دھوتے تھے اور پھر سمندر کا نمک دریا میں جا کر دھوتے تھے۔ سمندر کی پھیلتی ہوئی لہروں میں ریت کی گڑیاں بناتے اور دوسرے طریقوں سے بھی لطف حاصل کرتے ہوئے سارا دن کھیل کود میں گذار دیتے۔ رات کو وہ موسیقی سنتے، اونچے ستونوں پر کھڑی ہوئی عمارتوں پر ناٹک دیکھتے تھے۔ عاشق مزاز ریشمی ملبوسات تبدیل کر کے ہلکے کپڑے پہنتے اور خوب شراب پی کر اور نشے میں چور ہو کر رات کے آخری پہر وہیں ریت پر سو جاتے تھے۔

پُہار

"پُہار" یا "کاویری پمپانم" اس زمانے کے چند بڑے شہروں میں سے ایک تھا اور ساحل سمندر پر واقع ہونے کے باعث ریاست کی ایک عظیم منڈی بھی تھا۔ اس شہر اس کی بندرگاہ اور اس کی تجارت کی مکمل تفصیل نظموں میں بیان کی گئی ہے۔ "شلپدی کارم" کا مصنف کہتا ہے کہ دانشمند لوگ پُہار کی خوشحالی کو ہمالیہ اور پوڈیا پہاڑوں کی طرح مستحکم سمجھتے تھے۔ "مشہور شہر، جس میں دولت کی فراوانی ہے جس پر راجہ حریص ہیں جو سمندری سفر کرنے والوں سے پٹا پڑا ہے۔ اس کے بھنڈاریوں بھرے ہوئے ہیں، کہ اگر تمام دنیا بھی جس کا احاطہ گرجتا ہوا سمندر کیے ہوئے ہے، آکر اس کی مہمان بن جائے تو بھی اس کو مہمان نوازی میں مشکل نہیں ہوگی۔ درحقیقت جہازوں اور بیل گاڑیوں میں لائے ہوئے تجارتی سامان کے انباروں میں یہ شہر یوں لگتا ہے، جیسے دنیا کی بیش قیمت اشیائے تجارت پیدا کرنے والے بدیشی خطے سب یکجا ہو گئے ہوں۔"

بازار

ایک شاعر "چولا" راجہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ بڑے بڑے جہاز اپنے بادبانوں کو ڈھیلا کیے بغیر "پُہار" کی بندرگاہ میں داخل ہوتے تھے اور ساحل پر، جہاں عام جنتا رہتی ہے سمندر پار کے ممالک سے لایا ہوا بیش قیمت تجارتی سامان اگل دیتے تھے۔ "پٹینا پالئی" کا مصنف بتاتا ہے کہ "پُہار" کے وسیع بازاروں میں چبوتروں سے گھیری ہوئی بلند عمارات دکھائی دیتی تھیں، جن تک پہنچنے کے لیے اونچے اونچے زینے ہوتے تھے۔ عمارات کے بہت سے حصے ہوتے تھے۔ جن میں چھوٹے بڑے دروازے لگے ہوتے تھے، وسیع برآمدے اور راہداریاں ہوتی تھیں۔ بالائی منزل کی کھڑکیوں سے زیورات اور جواہرات میں ملبوس خوش پوش دوشیزائیں جھانکتی تھیں اور "مروگا" کی تعظیم میں ان کی سامنے جڑی ہوئی ہتھیلیاں یوں معلوم ہوتی تھیں جیسے پربتوں کی اونچی ڈھلانوں پر "شینگاندل" کے پھولوں کے گچھے۔

جھنڈے

جب بازاروں میں "مرُدگا" کی جھانکی نکالی جاتی تھی، جیسا کہ اکثر ہوتا تھا، تو ناچنے گانے والی ٹولیاں اس کے ہمراہ ہوتی تھیں اور بانسری، ستار اور ڈھول کی صدا بھی سڑک کے شور و غل میں شامل ہوتی تھی۔ شہر کے تمام حصّوں میں مختلف انواع و اقسام اور مختلف شکلوں کے جھنڈے لہراتے رہتے تھے۔[99] کچھ ایسے جھنڈے ہوتے تھے جن کی بہت سے لوگ دیوتا سمجھ کر پرستش کرتے تھے اور جن احاطوں میں وہ بلند ہوتے تھے ان میں داخلے کے دروازوں کو پھولوں سے آراستہ کیا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ سفید جھنڈے ہوتے تھے، جن کو کھمبوں کے سہارے کھڑے کیے گئے چوکھٹوں کے اوپر نصب کیا جاتا تھا۔ جس کے نیچے چاول اور شکر سے لے کر قیمتی تجارتی اشیا کے صندوقوں تک کی نذر دی جاتی تھی۔ ان کے علاوہ وہ جھنڈے ہوتے تھے جو عظیم شہرت یافتہ استادوں کے، جنھوں نے بہت سے علموں میں مہارت حاصل کرلی تھی دعووں کے اعلان کے لیے نصب کیے جاتے تھے۔[100] "پُہار" کی بندرگاہ میں داخل ہونے والے جہازوں کے مستولوں پر بھی جھنڈے یوں لہراتے تھے جیسے گرانڈیل ہاتھی اپنے تھانوں پر پیچ و تاب کھا رہے ہوں۔ کچھ دوسرے جھنڈے ان دکانوں پر لہراتے تھے جہاں گوشت اور مچھلی کے ٹکڑے کاٹے اور تلے جاتے تھے اور جن کی دہلیزوں پر تازہ ریت اور پھول بکھیر دیے جاتے تھے۔ یہ جھنڈے دکان کے لاتعداد گاہکوں کی اطلاع کے لیے ہوتے تھے کہ یہاں اعلا قسم کی شراب فروخت ہوتی ہے۔

سوداگر یا بیوپاری

اس نظم میں جس میں شہر کی ظاہری صورت کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اس کے سوداگروں کی خوبیاں اور ان کی اخلاقی حالت یوں بیان کی گئی ہیں:-[101] "وہ قتل سے بچتے تھے۔ چوری سے گھبراتے تھے۔ اگنی کو بھینٹ دے کر دیوتاؤں کو خوش کرتے تھے۔ اچھے گائے بیل پیدا کرتے تھے۔ برہمنوں کی عظمت کا پرچار کرتے تھے۔ اپنے مہمانوں کی مٹھائی اور بعض اوقات خام جنس سے تواضع کرتے تھے۔ اس طرح ان کی زندگی اَن گنت بھلائی کے کاموں سے معمور تھی۔ وہ ہر چیز میں اعتدال کا راستہ اختیار کرتے تھے، جھوٹ سے ڈرتے اور ہمیشہ سچ بولتے تھے، دوسروں کے حقوق کا اتنا ہی خیال کرتے تھے جتنا کہ اپنے حقوق کا، اپنے حق سے زیادہ نہیں

لیتے تھے اور دینے میں کبھی کسی قسم کی کمی نہیں کرتے تھے اس طرح وہ بہت سی اشیا کی تجارت کرکے اپنے باپ دادا کی مانند خوشحال رہتے اور ایک دوسرے سے میل ملاپ کے ساتھ رہتے تھے۔"

شہر کی تقسیم

"پُہار" شہر کا خاکہ "شلپنڈی کارم" کے پانچویں باب میں کافی تفصیل سے دیا گیا ہے۔ یہ شہر جو دریائے کاویری کے شمالی کنارے پر دریا کے دہانے کے قریب تعمیر کیا گیا تھا، دو حصّوں میں منقسم تھا۔ ایک حصّہ "مارُودر پاکم" تھا جو سمندر سے متصل تھا اور دوسرا حصّہ پٹنپ پاکم۔ اس کے مغرب میں واقع تھا۔ دونوں حصّوں کے بیچ میں ایک کھلا میدان تھا۔ جو انھیں ایک دوسرے سے جدا کرتا تھا۔ اس میدان میں درختوں کا ایک باغ تھا جن کے سائے میں روزانہ شہر کی منڈی لگتی تھی۔ "مارودر پاکم" میں ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ اونچے چبوتروں والی عظیم الشان عمارات اور گودام تھے جن کی کھڑکیاں ہرن کی آنکھوں کی شکل کی ہوتی تھیں۔

مارُوور

مارُودر میں دولت مند "یُونوں" کے گھر تھے جن کے خوبصورت خدّوخال دیکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے تھے۔ یہاں دوسرے غیر ملکیوں کے مکانات تھے۔ جو اپنی بحری تجارت سے منافع حاصل کرنے کی خاطر ایک دوسرے کے نزدیک نہایت دوستانہ طریقہ سے رہتے تھے۔ خوشبودار غازے اور اپٹنے فروخت کرنے والے، پھولوں اور عطریات بیچنے والے، سوتی اور اونی کپڑے بننے والے، صندل، آگل، (داگر) سونگے، موتیوں، سونے اور قیمتی نگینوں کے بیوپاری، غلّے کے سوداگر، دھوبی، مچھلی اور نمک کا کاروبار کرنے والے، پان اور مسالہ بیچنے والے، قصاب، جہازوں پر کام کرنے والے۔ ٹھٹھیرے۔ تانبے کا کام کرنے والے، بڑھئی، لوہار، مصوّر اور بت تراش (نقلی سنگ مرمر کا کام کرنے والے)، زرگر، درزی، اور موچی، کپڑے اور گودڑے سے کھلونے بنانے والے اور بے شمار "پانڑ" جو بانسری اور ستار بجانے میں مشّاق ہوتے تھے، یہ سب لوگ اور دیگر کئی ہستیوں کے لوگ مارُوور پکم میں آباد تھے۔

پٹنم

"پتی نپ پالم" میں کشادہ شاہی سڑک تھی اور ایک سڑک گاڑیوں کے لیے اور ایک بازار کی سڑک تھی۔ وہاں مالدار بیوپاری، برہمن، کسان، طبیب اور نجومی اپنے اپنے مکانوں میں رہتے تھے۔ شاہی محل کے ارد گرد رتھ بانوں، گھوڑ سواروں، فیل بانوں اور شاہی محافظ دستے کے سپاہیوں کے مکانات تھے۔ بھاٹ، قصیدہ خواں، مراثی، اداکار، موسیقار اور مسخرے، پتی کاٹنے والے، پھولوں کے گجرے اور موتیوں کے ہار بنانے والے، وقت کا اعلان کرنے والے جن کے ذمے یہ کام ہوتا تھا کہ "نالیکائیاں" یا وقت کے پہر اور گھڑیاں جوں جوں گذرتی جائیں، ساتھ ساتھ پکار کر لوگوں کو بتاتے جائیں۔ یہ سب لوگ اور ان کے علاوہ شاہی محل کے دیگر ملازمین بھی "پتی نپ پالم" کے حدود میں رہتے تھے۔

غیر ملکی تجارت

سنگم عہد میں چولا ریاست کی سمندر پار کے دیشوں سے تجارت کا ایک اچھا اندازہ ہمیں "پٹنا پالئی" کی چند سطروں میں مل جاتا ہے۔ "پُہار" شہر میں دنیا کے مختلف حصّوں سے آئے ہوئے غیر ملکی تاجروں کی ایک بڑی آبادی موجود تھی۔

"جیسے پرانے مشہور شہروں میں کسی تہوار کے روز بہت بڑا ہجوم اکٹھا ہو جاتا تھا جب کہ مختلف مقامات سے لوگ اپنے عزیز و اقربا کے ساتھ شہر میں آتے تھے، ویسے ہی بہت سے اچھے ملکوں کے رہنے والے اور مختلف زبانیں بولنے والے اپنے وطن کو چھوڑ کر پُہار میں آباد ہو گئے تھے اور یہاں باہمی میل جول اور دوستی کے ماحول میں رہتے تھے۔"

ی ماخذ سے ہمیں غیر ملکی تجارت کی اشیا کے متعلق مندرجہ ذیل تفصیل دستیاب ہوئی۔

"پائدار شوکت و عظمت والے دیوتاؤں کے تحفظ میں خوبصورت چال والے گھوڑے سمندر کے راستے سے لائے گئے تھے۔ کالی مرچ کی بوریاں چھکڑوں میں لاد کر لائی گئی تھیں۔ شمالی پہاڑوں سے نکالا ہوا سونا اور جواہرات، مغربی پربتوں سے لایا ہوا صندل اور اگر، جنوبی سمند کے موتی، مغربی سمندر

کے موتی گنگا کی وادی کی مصنوعات' دریائے کاویری سے حاصل کی ہوئی چیزیں' لنکا کی اشیائے خوردنی اور کالا گم (ملایا) کا مال[31] اُن سب قیمتی اور کثیر التعداد اشیا کے انبار کشادہ سڑکوں پر جن میں دولت کی فراوانی تھی لگے رہتے تھے۔ تامل ریاست کے دیگر حصوں کی بندرگاہوں کی بھی ایسی ہی تفصیل سنگم لٹریچر میں ملتی ہے[32] مدورا جیسے شہروں میں بھی جو اندرونِ ملک واقع ہوئے تھے زرہ بکتر میں ملبوس "گونگے ملیچھوں" اور "یونوں" پر مشتمل محافظ دستے راجہ کے محلوں پر پہرہ دیتے تھے۔ اسی عہد کی ایک نظم "پیرم باناڑپڈئی"[33] میں ساحل سمندر پر واقع بلند روشنی کے میناروں کا ذکر ملتا ہے جو رات کو جہازوں کو بندرگاہ کا راستہ دکھاتے تھے۔"

کلاسیکی مصنفین

اگر ہم مذکورہ بالا کتابوں کی فراہم کردہ شہادتوں کا موازنہ ان معلومات سے کریں جو عیسوی سن کی ابتدائی صدیوں کے کلاسیکی مصنفین نے مہیا کی ہیں تو ہم دیکھیں گے کہ ان دو مختلف نوع کے ماخذ سے حاصل ہونے والے اعداد و شمار ایک دوسرے سے اس قدر ملتے جلتے ہیں کہ ان کا ایک ہی زمانۂ تاریخ سے وابستہ ہونا صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے۔ "پیری پلس" کا مصنف قطعی طور سے کہتا ہے کہ روم کے سوداگر ہر سال ہندستانی راجاؤں کے حرم کے لیے حسین دوشیزائیں فراہم کرتے تھے۔ اس امر کی تصدیق بعض ہندستانی ناٹکوں کے مناظر[34] سے بھی ہوتی ہے۔ پیوٹنگر [illegible] نقشے کے جو سلطنت سوم کے عروج کے زمانے میں بنایا گیا تھا۔ اس ورق میں جو ہندستان سے متعلق ہے تنڈس اور موزی رس کے ناموں کے پہلو بہ پہلو "آگسٹس کا مندر"[35] کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ تامل ملک کے اندرونی علاقوں میں رومن سکوں کی کثیر تعداد میں دستیابی[36] سے رومن آباد کاروں کی تامل ریاست میں موجودگی' ان کی تجارت کی وسعت اور اس تجارت کی ابتدا' عروج وزوال کے زمانوں کا علم ہوتا ہے۔ کلاسیکی مصنفین کے اتفاقیہ بیانات' بالخصوص قدیم چینی تذکروں کی شہادتوں' سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ مشرق بعید سے مغرب تک کے کل بحری راستے پر جو تجارت ہوتی تھی وہ کئی نسلوں تک ہندستان کے واسطے سے ہوتی تھی۔ ابتدائی عیسوی صدیوں میں بحرِ...

کی سمندری تجارت بذاتِ خود اتنا وسیع موضوع ہے[41] اور اس کے بارے میں معتبر شہادتیں بھی اتنی کثرت سے ہیں کہ ان پر قلم اٹھانا یہاں ممکن نہیں۔ صرف اتنا ہو سکتا ہے کہ اس کے چند پہلوؤں کو جو جو لا تاریخ کے طلبا کے لیے باعثِ دلچسپی ہو سکتے ہیں اجاگر کر دیا جائے۔

سمندر پار ملکوں سے تجارت کی تاریخ

سلطنتِ روم اور ہندستان کے درمیان تھوڑی بہت تجارت، گو یہ پہلے پہل صرف سامانِ تعیش تک محدود تھی، اگسٹس کے عہد میں شروع ہو گئی تھی۔ پہلے پہل رومی سلطنت کی مشرق کی جانب توسیع اور استحکام کا ایک بڑا مقصد مشرقی ممالک سے تجارت تھی اور آئیلیس گالس کی عرب کے خلاف مہم اگرچہ مکمل طور پر کامیاب نہ ہو سکی، تاہم اس ملک کے جنوب میں واقع بہت سی عمدہ بندرگاہیں اس کے ہاتھ لگیں جو مصر سے ہندستان جانے میں رومن تاجروں کے راستے میں پڑتی تھیں۔ آگسٹس کے عہدِ حکومت میں باوجود اس کے کہ پانڈیہ راجہ نے اس کے پاس اپنے سفیر بھیجے یہ تجارت کچھ زیادہ وسیع اور اقتصادی اعتبار سے اہم نہ تھی۔ بعض ہمعصر مصنفوں کے بیانات سے جنھوں نے اس تجارت کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ آجکل کے بعض دانشوروں کو اکثر دھوکا ہو جاتا ہے اور وہ اس تجارت کی اہمیت کے متعلق مبالغہ آرائی کرنے لگتے ہیں۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد یہ تجارت بہت بڑھ گئی اور اب یہ رومن تجارت کی ایک برائے نام شاخ نہ رہی جیسی کہ پہلے تھی۔ جولیانی اور کلاڈیائی کے عہدِ حکومت میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا اور اگرچہ بری راستے سے بھی بہت کافی تجارت ہوتی تھی پھر بھی مصر کی بحری تجارت عرب سے اور عرب کے راستے سے ہندستان سے اس کی مشرقی ممالک سے تجارت کا ایک بہت بڑا حصہ بن گئی۔ جب تک یہ تجارت صرف سامانِ تعیش تک محدود تھی اور عرب تاجروں کے توسط سے ہوتی تھی۔ اس وقت تک رومی اس کی قیمت زیادہ تر سونے اور چاندی میں ادا کرتے تھے اور پلینی کلاں کا یہ بیان جس کا اکثر حوالہ دیا جاتا ہے کہ کوئی سال ایسا نہیں گذرتا تھا جس میں رومن سلطنت ہندستان، چین اور عرب کو دس کروڑ سسٹرسیز (دس لاکھ ستاسی ہزار پانچ سو پونڈ) زرمبادلہ ادا نہ کرتی ہو[42] غالباً اسی ابتدائی زمانے کے متعلق ہے۔ آگسٹس کے بعد ہندستان کے ساتھ تجارت میں قدرتی طور پر اس لیے اور اضافہ ہوا کہ رومی سلطنت کی طاقت و ثروت کی وجہ سے حالات بہت سازگار

ثابت ہوئے۔ ٹالیمی کے زمانے کے آخر میں یا ابتدائی رومن عہد میں اسکندریہ کے ایک باشندے ہیرکس نے موسمی ہواؤں کی دریافت کیا۔ نیز ایک ترقی پذیر تجارت کے قدرتی رجحان نے جو محض اشیائے تعیش پر قانع نہیں رہ سکتی تھی بلکہ اس سے اور آگے بڑھنے کے لیے کوشاں تھی، مصر اور ہند کے درمیان ایک سیدھا بحری راستہ دریافت کرنے میں مدد کی۔ اب (تجارتی مال کی) آمدورفت کا خاص مرکز اسکندریہ بن گیا۔ عرب کی بندرگاہیں اپنی اہمیت کھو بیٹھیں۔ "پیری پلس" کے زمانہ یعنی ڈومیشین کے عہد حکومت تک، یہ نیا بحری راستہ اچھی طرح قائم ہو چکا تھا۔ ہندستان کے ساتھ تجارت بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گئی کہ مختلف اقسام کے مال کے تبادلے کا ایک باقاعدہ سلسلہ قائم ہو گیا۔ جس میں عرب اور ہندستان کے مال کا تبادلہ مصر کے مال سے ہوتا رہتا تھا۔ کپاس ہندستان سے باہر جانے والی اہم ترین اشیا میں سے ایک تھی۔[92] دوسری غالباً ریشم تھی۔ ان دونوں سے اسکندریہ کے کارخانوں میں مصنوعات تیار کی جاتی تھیں۔ جہاں سے تبادلہ میں شیشہ، دھات کا سامان اور غالباً سوتی کپڑے ہندستان بھیجے جاتے تھے۔[93] ہندستان کے ساتھ رومن سلطنت کی تجارت کی روزافزوں ترقی کا اس سے بہتر کوئی ثبوت نہیں کہ "پیری پلس" کے مصنف نے ہندستان کے ساتھ تجارت کے راستے کا ایک بہت مختصر نقشہ کھینچا ہے۔ لیکن اس کے برعکس ٹالیمی نے دوسری صدی عیسوی کے پہلے نصف میں اسی راستے کو بہت زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ٹالیمی کے تذکرے سے پتہ چلتا ہے کہ رومن تجارت اب ہندستان سے آگے بڑھ کر ہند چینی اور سماترا تک پہنچ گئی تھی۔ نیز یہ کہ ہندستان اور چین کے درمیان تجارت بہت ترقی پا گئی تھی اور پابندی سے ہونے لگی تھی۔ رومی تاجر عام طور سے خود بہت کم مشرق بعید کے ملکوں کو جاتے تھے۔ کیونکہ چین اور مغربی ممالک کے درمیان تجارت ہندستان کے راستے سے ہوتی تھی۔ مشرق میں جزیرہ نمائے ملایا اور سماترا اور مغرب میں ساحل مالابار کے مابین، مال لے جانے کا کام بیشتر تامل لوگوں کے ہاتھ میں تھا۔[94] روم اور جنوبی ہندستان کے درمیان براہ راست بیوپار تیسری صدی عیسوی میں رومی سلطنت کے اندر فوجی بدنظمی کی وجہ سے کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو گیا۔ ہندستان میں تیسری صدی کے رومن سکے بالکل دستیاب نہیں ہوئے ہیں۔ یہ کاروباری تعلقات اس وقت بحال ہوئے جب بزنطینی عہد میں دوبارہ نظم و نسق قائم ہوا اور سونے کے سکے کو پھر استحکام حاصل ہوا۔[95] لیکن اس وقت بھی

زیادہ تر دوسروں ہی کے ذریعے سے تجارت ہوتی رہی۔

چولوں کا حصہ

بحرِ ہند اور بحرۂ عرب میں مال لانے اور لے جانے کے کام میں چولا حکمرانوں کا بہت بڑا حصہ تھا اور ساحل کالہ ومنڈل کی وسیع ترین جہاز رانی ان کے تسلط میں تھی۔

تامل جہاز رانی

"پیری پلس" کا مصنف کہتا ہے کہ چولا ریاست کی بندرگاہوں میں ریاست کے جہاز اور "سنگارا" جو شہتیروں کو ایک ساتھ باندھ کر بنائے جاتے تھے۔ "ڈماریکا" تک ساحل کے ساتھ ساتھ جاتے ہیں۔ لیکن جو جہاز چرائسی اور گنگا کی جانب سمندری سفر کرتے ہیں وہ "کولندیا" کہلاتے ہیں اور بہت بڑے ہوتے ہیں۔ "پیری پلس" کے مصنف نے یہاں تین قسم کے جہازوں کا حال بیان کیا ہے۔ ساحلی کشتیاں جو مقامی آمد ورفت کے لیے استعمال کی جاتی تھیں، زیادہ بار برداری کی اہلیت رکھنے والے پیچیدہ ساخت کے بڑے جہاز اور وہ بحری جہاز جو ملایا، سماترا اور دریائے گنگا تک سفر کرتے تھے۔ غالباً یہی ہلکی ساحلی کشتیاں شاعر جور ورانگن نار کے ذہن میں اس وقت تھیں جب اس نے ایسی کشادہ کشتیوں کا ذکر کیا ہے جو سفید نمک فروخت کر کے اس کی بجائے غلے سے لدی ہوئی واپس آتی تھیں اور پہار کی بندرگاہ کے ٹھہرے ہوئے پانی میں کھونٹوں کی قطاروں سے بندھی ہوئی ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے بے شمار جنگی گھوڑے بندھے ہوئے ہوں۔ ایک اور مقام پر یہی مصنف بڑے جہازوں کا ذکر کرتا ہے۔ جن کے مستولوں پر جھنڈے نصب ہوتے تھے۔ اور جنھیں اس نے دراز قامت ہاتھیوں سے تشبیہ دی ہے۔ گہرے سمندروں کی جہاز رانی میں ناموافق موسم کی وجہ سے جو خطرات لاحق ہوتے تھے ان کی منظر کشی "منی میکھلائی" میں ایک بڑی زوردار تشبیہ سے کی گئی ہے۔ "منی میکھلائی" کی تلاش میں آدیے کمار کی مجنونانہ کوششوں کو سمندری طوفان میں گھرے ہوئے جہاز کی جدوجہد سے تعبیر کیا گیا ہے:۔

> کپتان بڑا ہوشیار اور تندام تھا، بیچ کا بلند مستول نیچے سے ڈھیلا ہو گیا تھا۔ مضبوط گرہیں ڈھیلی ہو گئی تھیں اور طوفانی ہوا سے رسی ٹوٹ گئی تھی ڈھانچے کے نقصان

پہنچ چکا تھا۔ بادبان پھٹ گئے تھے اور ان سے شور بلند ہو رہا تھا۔ جیسے ایک
بڑے طوفان میں پھنسا ہوا جہاز جسے سمندر کی چڑھتی ہوئی موجیں اِدھر سے اُدھر
پھینک رہی ہوں۔"

سن عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں ہندستانی سمندروں کے ذریعے سے ہونے والی تجارت کے
حالات جو تامل لٹریچر میں ملتے ہیں یا جو "پیری پلس" کے تذکروں میں پائے جاتے ہیں حیرت انگیز
حد تک ہم آہنگ ہیں۔ اگر ہم ہند چینی اور مجمع الجزائر مشرقی میں زمانۂ قدیم سے ہندستانی تمدنی
اثرات کے مرتب کرنے کی اس شہادت کی روشنی میں جو ہم کو ان ممالک سے دستیاب ہوئی ہے
غور کریں تو ہم کو وہی نتیجہ صحیح معلوم ہوگا جس پر اسکاف پہنچا[۱] یعنی "عیسوی سن کے آغاز سے
پیشتر اور بعد میں بھی، ہندستان سے ہند چینی کی جانب کثرت سے ہجرت ہمارے لیے اس
یقین کا باعث ہے کہ جنوبی ہندستان اور لنکا کی بندرگاہیں درحقیقت جیساکہ "پیری پلس" میں
تحریر ہے، مشرق بعید کے ساتھ تجارت کا مرکز تھیں، جس میں مصر سے آنے والے جہازوں
سے زیادہ بڑے اور زیادہ کثیر تعداد میں جہاز استعمال ہوتے تھے"—————— ہم
دیکھیں گے کہ جب ایک طویل عرصہ تک زائل رہنے کے بعد چولا راجاؤں کا اقتدار دسویں اور
گیارھویں صدی عیسوی میں پھر بحال ہوا تو معلوم ہوا کہ لوگوں کی جہازرانی کا فن ابھی ان کے
پاس موجود ہے اور انھوں نے اس وقت کے سازگار حالات میں اپنے پہلے کارناموں کے مقابلے
میں کہیں زیادہ جوکھم کے کام دکھائے۔

لمپساکس کی چاندی کی طشتری

اس سے پیشتر کہ ہم جنوبی ریاست کی اندرونی تجارت اور صنعت کے مطالعہ کی طرف توجہ
کریں۔ دوسری اور تیسری صدی عیسوی کے دوران رومی سلطنت کے تمدن اور فنونِ لطیفہ
کے ہندستان پر اثر انداز ہونے کا ذکر ضروری ہے۔ ہندستان میں، گندھارا اور امراوتی کے
فنِ سنگ تراشی پر یونان و روم کے وسیع اثرات اب عام طور پر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ لمپساکس
میں ایک چاندی کی طشتری ملی ہے جس کے کچھ حصے پر سونے کا جڑاؤ کام ہے اور کچھ پر میناکاری
کی ہوئی ہے[۲]۔ یہ اس بات کا ثبوت مہیا کرتی ہے کہ رومی ہندستان کے بارے میں اچھی واقفیت
رکھتے تھے اور اس ملک میں دلچسپی لیتے تھے۔ اس طشتری پر نسوانی شکل میں "ہندستان کا ایک

مجسمہ کندہ ہے جس کی نشست ایک خاص قسم کی ہندستانی کرسی پر ہے۔ اس کرسی کے پاتے ہاتھی دانت کے بنے ہوئے ہیں۔ اس مجسمہ کا دایاں ہاتھ پرارتھنا کی علامت کے طور پر اوپر کو اٹھا ہوا ہے۔ اور اس کے بائیں ہاتھ میں ایک دھنش ہے۔ اس کے ارد گرد چند ہندستانی جانور ہیں۔ جن میں ایک طوطا۔ ایک گِنی مرغی اور دو پالتو بندر ہیں۔ اس مجسمے کے قدموں میں دو ہندستانی سلام کرتے ہوئے دکھائے گئے ہیں جو ایک پالتو شیر اور ایک پالتو تیندوے کو جو آپس میں لڑنے کے لیے تیار ہیں، لا رہے ہیں[94]۔ بہت ممکن ہے کہ اس طشتری پر بنے ہوئے جانور ہندستان سے بڑی راستے کے ذریعے روم سلطنت کو برآمد کیے جاتے رہے ہوں۔

زراعت وصنعت

چولا ریاست کی صنعتوں میں ہمیشہ کی مانند اس زمانے میں بھی جنوبی ہند کی عام صنعتوں کی طرح سب سے اہم مقام زراعت کو حاصل تھا: جیسا کہ ہمیں معلوم ہے قومی اقتصادیات میں زراعت کا اہم ترین مقام اور دریائے کاویری کی گھاٹی میں اراضی کی زرخیزی کا واضح ذکر اس عہد کی تصانیف میں ملتا ہے۔ زراعت کے بہت سے کام کاج عورتیں کرتی تھیں بالخصوص نچلے طبقے کی عورتیں جن کو "پورنا نورو" کے شاعروں میں سے ایک نے سب سے آخری طبقات[95] (کڈائی شیار) کہا ہے۔ زرعی غلامی اس عہد میں موجود ہونے کی کوئی واضح شہادت نہیں ملتی۔ البتہ اس بات کا امکان ہے کہ ان "آخری طبقات" کے مزدوروں کا سماجی مقام غلاموں سے زیادہ مختلف نہ تھا۔ اراضی کا بہت بڑا حصہ "ویلالار" طبقے کی ملکیت تھا جو بہترین کاشتکار شمار کیے جاتے تھے۔ اُن کا سماج میں ایک باعزت مقام تھا۔ بعد کے ایک مبصر نچی نارکنیار نے امیر "ویلالوں" اور غریب "ویلالوں" میں امتیاز کیا ہے[96]۔ امیر "ویلال" مزدوروں سے زراعت کا کام لیتے تھے اور غریب ویلال خود زمین جوت کر اپنی گذر اوقات کرتے تھے؛ اوّل الذکر کے متعلق اس کا کہنا ہے کہ وہ زمین کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ راجہ کے ماتحت شہری اور فوجی نظم و نسق میں سرکاری عہدوں پر بھی فائز ہوتے تھے۔ چولا ریاست میں انھیں "ویل" اور "ارشو" کے القاب حاصل تھے اور پانڈیہ ریاست میں "کاویڈی" کا لقب ملا ہوا تھا۔ اور انھیں شاہی خاندان کے ساتھ شادی بیاہ کا شرف حاصل تھا۔ بلا شبہ یہ طبقہ ریاست کے امرا و شرفا کا تھا جو جنگ، شکار اور کھانے پینے کے مشاغل میں راجہ کے

شریک تھے۔ غریب "ویلال" جسمانی مشقت سے بھی اعتراض نہیں کرتے تھے لیکن بیشتر اپنی ہی زمینوں میں کام کرتے تھے۔ دوسروں کی زمینوں پر اُجرت پر مزدوری نہیں کرتے تھے۔ درحقیقت ہر ملک کے کسانوں کا وہ طبقہ تھا جو خود کام کرتا تھا اور ضرورت پڑنے پر اجرت پر مزدور لگا کر ان کی مدد لے لیتا تھا۔ "پورنا نورو" میں ایک جگہ یہ ذکر ہے[19] کہ غریب کسانوں کو جنھیں اپنی زمین سے کوئی آمدنی نہیں ہوئی تھی بونے کا بیج ہی کھا کر گذارہ کرنا پڑتا تھا اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خشک سالی اور پیداوار کا نہ ہونا انوکھی بات نہ تھی۔ اس زمانے میں مزارعوں کے حقوق اور اراضی کے لگان کے متعلق ہمیں کوئی معلومات نہیں ملتیں۔

روئی سے سوت کی کتائی اور بنائی اور شاید ریشم کے کپڑے کی تیاری بھی حدِ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ بعد کے زمانوں کی طرح اس وقت بھی کتائی عورتوں کا ایک ضمنی مشغلہ تھا۔[20] سوتی کپڑے اور ریشم پر پیچیدہ نمونوں کی بنائی کا ذکر اکثر کتابوں میں ملتا ہے اور "پیری پلس" کی مستند شہادت کے مطابق اُرائیور کا شہر عمدہ سوتی مال کی تجارت کا عظیم مرکز تھا۔ "پورونار آر پدئی" نامی نظم میں ایسے سوتی کپڑے کا ذکر ملتا ہے[21] جو سانپ کی کینچلی کی طرح باریک ہوتا تھا۔ اس پر پھول دار ڈیزائن بنے ہوتے تھے اور وہ اس قدر نفاست سے بُنا ہوا ہوتا تھا کہ اس کے سُوت پر نگاہ نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ اسی نظم میں ایک اور مقام پر ایک ریشمی کپڑے کا ذکر ہے[22] جس کے دونوں کناروں پر دھاگے چھوٹی چھوٹی گانٹھوں کی صورت میں بندھے ہوتے تھے۔ "منی میکھلائی" میں کپڑے کے خوبصورت نمونوں کا ذکر ملتا ہے[23] جس سے ماہر بافندوں کی حیرت انگیز چابکدستی کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ روئی اور ریشم کی تجارت آبادی کے ایک بہت بڑے حصّے کی روزی کا ذریعہ تھی۔

دوسرے پیشوں کے بارے میں کوئی مفصّل اور واضح بات معلوم نہیں ہوتی البتہ ان کے متعلق شہر کی عام زندگی کی ابھری ہوئی کیفیت سے کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چمڑے کے تسموں سے بُنی ہوئی چارپائیوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جن کے لکڑی کے چوکھٹوں پر چمڑے کے تسموں سے جال بُنا جاتا تھا۔ چمڑے کے کام کرنے والے نچلے طبقے کے "پُلائیا" لوگ ہوتے تھے۔[24] اگر "منی میکھلائی" میں[25] مگدھ کے دستکاروں، مراٹھا سناروں، "اونتی" کے لوہاروں اور "لون" ترکھانوں کا ذکر جو تامل دستکاروں کے ساتھ کام کرتے تھے، محض زیبِ داستان کے لیے نہیں آیا ہے تو ہم یہ باور کر سکتے ہیں کہ ہندستان کی دیگر ریاستوں اور باہر کے ملکوں سے آئے ہوئے تاجروں کے پہلو بہ پہلو کچھ ایسے بدیشی کاریگر بھی تھے جنھیں اپنے مخصوص ہنر میں غیر معمولی استعداد حاصل ہونے کے باعث

تامل ریاست میں کم و بیش مستقل روزگار ملا ہوا تھا۔

بدلے کی تجارت

بیشتر اندرونی تجارت اشیا کے باہمی تبادلہ کی صورت میں ہوتی تھی دھان کی جنس تبادلے کا ایک عام مروّج پیمانہ تھی۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ نمک دھان کے عوض فروخت ہوتا تھا۔ ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شہد اور جڑیں مچھلی کے تیل اور تاڑی کے عوض اور میٹھا گنا اور "اَدَل" ہرن کے گوشت اور شراب کے عوض ملتا تھا۔ پانڈیہ ریاست کے خوشحال کاشتکار گھرانوں کی عورتیں اپنے کھلیانوں سے سفید دھان نکال کر شکاریوں کے ان برتنوں میں ڈالتی تھیں جن میں وہ جنگل سے ہرن کا گوشت لاتے تھے یا گوالنیں جن میں دہی لاتی تھیں۔ دسویں صدی میں اور اس کے بعد چولا سلطنت کے دیہات کی اقتصادیات میں عام طور سے دھان قیمت مقرر کرنے کا پیمانہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس عہد کے کتبات اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ روزمرّہ کے لین دین میں سکّے کو محض ثانوی حیثیت حاصل تھی۔ تامل پردیش کے دیہاتی علاقوں میں تو زمانۂ حال تک یہ طریقہ رائج رہا ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عیسوی سن کی ابتدائی صدیوں میں اندرونی تجارت کے لیے دھان ہی قیمتوں کے تعیّن کا مروّجہ پیمانہ تھا۔ دھات کے سکّے غیر ملکی تجارت کے لین دین ہی میں کام آتے تھے تاہم یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اکثر شہادتوں سے جو بالکل قطعی تو نہیں ہیں، یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر مدورا میں، لیکن کہیں اور نہیں، اس وقت کچھ ایسے غیر ملکی آباد تھے جو اپنے روزمرّہ کے لین دین میں باقاعدگی سے تانبے کے چھوٹے سکّے استعمال کرتے تھے۔

مذہب اور دیومالا

قدیم تاریخی زمانے میں تامل تمدّن کے کسی اور دائرۂ کار میں آریہ افکار کا اثر اس قدر واضح نہیں تھا جتنا کہ مذہب اور اخلاقیات پر۔ یہ افکار قدیم قصّے کہانیوں، افسانوں اور رسوم و رواج کی صورت میں جو کہ تمام ہندستان کا مشترکہ سرمایہ ہیں، تامل تہذیب کا ایک اہم جزو بن چکے تھے اور سنگم لٹریچر کی فراہم کردہ لاتعداد مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ تامل شاعر سنسکرت کی ویدک اور رزمیہ دیومالا سے بخوبی واقف تھے اور دھرم شاستر کے اخلاقی تصوّر سے بھی آگاہ تھے۔ اس بات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کہ ہندستانی دیومالا کے افسانوں کی ابتدا کیوں کر

ہوئی، اپنی ارتقائی منازل میں انھوں نے کیا کیا روپ بدلے، اور ان کی آخری شکل کیا ہے جو اب ہمیشہ قائم رہے گی اگر ہم اس کا مطالعہ کریں تو ہم کو بعض ایسے کار آمد نتائج حاصل ہو سکتے ہیں جو سنگم لٹریچر کی تاریخوں کے سلسلہ وار تعین میں معاون ہوں گے۔ یوں بھی اتنا تو صاف ظاہر ہے کہ "شلپدی کارم" اور "منی میکھلائی" جیسی نظمیں، جو سنگم تصانیف کی دیگر نظموں سے مختلف ہیں، نہ صرف اپنے طول اور ادبی صورت کے اعتبار سے، بلکہ اس لیے بھی کہ ان میں شمالی ہند کے قصے اور قدیم افسانے دل کھول کر استعمال کیے گئے ہیں، اگر سنگم تصانیف کے بعد کی تخلیق نہیں ہیں تو کم از کم اس عہد کے آخری حصے میں لکھی گئی ہیں۔ بہرحال بہتر یہی ہے کہ ہم ان معاملات میں ان شعری مجموعوں کی فراہم کردہ شہادتوں کو "شلپدی کارم" اور "منی میکھلائی" کی شہادتوں کے ساتھ مخلوط نہ کر دیں بلکہ انھیں جُدا جُدا رکھیں۔

شیو جی کا تین شہروں (ترپورا) کے جلانے کا واقعہ نیز ایک افسانوی چولا راجہ سے بھی وابستہ کیا جاتا ہے، راجہ شبی کا ایک فاختہ کو عقاب کے چنگل سے چھڑانا۔ ساگرس کا مشرقی سمندر کی کھدائی کرنا اور رامائن اور مہابھارت کی کہانیاں، ان قدیم افسانوں میں ہیں جو "سنگم کے شاعروں کے علم میں تھیں۔ "شلپدی کارم" اور "منی میکھلائی" میں ہمیں مقابلتاً بہت زیادہ تعداد میں آرین خیالی افسانوں کے حوالے ملتے ہیں، جو مصنفین نے مختلف مواقع پر بہت آزادی سے استعمال کیے ہیں۔ کرشن جی سے وابستہ تمام افسانے جن میں گوپیوں کے ساتھ ان کے عشق و محبت کے کارنامے شامل ہیں، وشوامتر کا کتے کا گوشت کھانا، اہلیا کے ساتھ اندر کی بدچلنی اور گوتم کی بددعا۔ بھگوان وشنو کا ایک بونے کے روپ میں اوتار لے کر دیتوں کے راجہ بلی کو تباہ و برباد کرنا[۱۱] یہ اور دوسرے افسانے ان رزمیہ داستانوں میں اس سرسری انداز سے استعمال کیے گئے ہیں کہ تامل دیش میں اُن کا اِن ادبی شاہکاروں کی تصنیف کے زمانے میں عام طور سے لوگوں کے علم میں ہونا شبہ سے بالاتر ہے۔

کچھ سماجی رسومات

جس لٹریچر سے ہم بحث کرتے رہے ہیں اس میں کچھ انوکھے رسوم و عقائد کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جو اصلاً غیر تابل علاقوں کے ہیں۔ مہمان کو رخصت کرتے وقت چند قدم ساتھ جانے کی رسم "پورُونار آروپڈائی" میں صاف طور پر مذکور ہے[۱۲]۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ راجہ کریکال اپنے

مہمان کے ہمراہ سات قدم چلا اور اس کے بعد اس سے سفید رنگ کے سات گھوڑوں والے رتھ پر سوار ہونے کی درخواست کی۔ ہر گرہست کوؤں کے کھانے کے لیے روزانہ اپنے کھانے سے پیشتر کچھ گوشت ملے چاول، نکال کر رکھ دیتا تھا۔ گائے کا ذبیحہ، اسقاطِ حمل اور برہمن کا قتل سنگین ترین جرائم میں شمار ہوتے تھے۔ لیکن احسان فراموشی ان سب سے بدتر جرم سمجھا جاتا تھا۔ عصمت فروش عورتیں اگر کبھی کسی غیر پیشہ ورانہ حرکت کی مرتکب ہوتی تھیں تو انھیں سزا کے طور پر سر پر سات اینٹیں رکھ کر عوامی جلسہ گاہ (ارانگو) کا چکر لگانا پڑتا تھا اور بعد میں برادری سے خارج کر دیا جاتا تھا۔ کنیا کماری میں سمندر کا اشنان عورت کو کسی رشتہ دار کے ساتھ زنا کے گناہ سے پاک کر سکتا تھا اور نہیں تو اس گناہ کی مرتکب عورتوں کے لیے یہ کفارہ ضرور سمجھا جاتا تھا۔ بچہ پیدا ہونے کے دسویں دن زچائیں رات کے وقت تالابوں میں غسل کرتی تھیں۔ بھوت پریت اور بُری نظر لگ جانے پر لوگ اعتقاد رکھتے تھے اور بچوں کے بالوں میں گھی اور سفید سرسوں لگا کر ان سے حفاظت کی جاتی تھی۔ پیشگوئیاں کرنے کا رواج تھا۔ اور اچھے بُرے شگون پر عام اعتقاد تھا۔ "شلپدی کارم" کا مصنف بڑے دلکش انداز میں کہتا ہے کہ راجہ اندر کے جشن کے دن کنگی کی بائیں آنکھ اور مادھوی کی دائیں آنکھ پھڑکنے سے پیش آنے والے واقعات کا پہلے سے پتہ چل گیا تھا۔

مُردوں کو ٹھکانے لگانا

مُردوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے کوئی ایک طریقہ رائج نہیں تھا۔ لاشوں کو جلانے اور راکھ کے برتن کے ساتھ یا اس کے بغیر دفن کر دینے کا عام ذکر ملتا ہے اور ایک ہی گھرانے میں مختلف مواقع پر ان طریقوں سے کسی ایک پر عمل کرنے کی آزادی تھی۔ "منی میکھلائی" میں اینٹوں سے مختلف شکلوں کی سمادھیاں تعمیر کرنے کا ذکر ملتا ہے جو مرنے والے کے اعزّا بناتے تھے چاہے مرنے والا رشی رہا ہو یا راجہ یا کوئی عورت جو ستی ہو گئی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سمادھیوں کی شکلیں مرنے والوں کی ذات، اور مرتبے کے حساب سے مختلف ہوتی تھیں۔ اسی نظم میں ماتمی ڈھول کا بھی ذکر ملتا ہے جو سننے والوں کے دلوں میں ہراس پیدا کر دیتا تھا۔

ستی

ستی کا اکثر ذکر ملتا ہے اور اس کا رواج کافی عام تھا لیکن ہمہ گیر نہیں تھا۔ بھوتاپانڈیہ کی

رانی کے مشہور الفاظ ظاہر کرتے ہیں[121] کہ یہ عام رواج تھا کہ جن عورتوں کے شوہر مر جاتے تھے۔ ان کو ستی ہونے سے باز رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی اور اس رسم کو جبراً نافذ کرنا تو کیا اس کی حوصلہ افزائی بھی نہیں کی جاتی تھی۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ستی ہونے والی عورت کی دلیری اور خلوص کو تحسین کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ سچی بیوی وہی ہوتی تھی جو اپنے شوہر کی موت پر اس کی جلتی چتا میں اس طرح داخل ہو جائے جیسے ٹھنڈے پانی کے تالاب میں نہانے کے لیے اتر رہی ہو۔[122] اس سے قدرے کم دلیرانہ لیکن مقابلتاً زیادہ انسانیت نواز نصب العین کا اظہار جس کو اختیار کرنے کی امید عورت سے کی جاتی تھی، شاید "منی میکھلائی" کی سطور میں بہترین طریقہ سے کیا گیا ہے۔[123] ان سطور میں ایک گھریلو اور ایک عصمت فروش عورت کی روز مرّہ کی زندگی کے فرق کو ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے کہ اوّل الذکر اپنی دوشیزگی کے دنوں میں اسی طرح زیرِ حفاظت رہتی ہے، جیسے کہ اپنی شادی شدہ زندگی میں یا اپنے شوہر کے مرنے کے بعد۔ وہ ہمیشہ اپنے جذبات پر قابو رکھتی ہے، اجنبیوں سے نہیں ملتی، اور وہ شوہر کے علاوہ کسی دوسرے دیوتا کی پوجا نہیں کرتی۔ "کرل" میں ستی کی رسم کا ذکر نہیں ملتا۔ بیوگی کے زمانے میں خدا سے لَو لگا کر زندگی بسر کرنا سبھی طبقوں کی عورتوں کے لیے مناسب سمجھا جاتا تھا۔ ستی کا ان دنوں عام رواج نہیں تھا۔ شاذ و نادر ہی کوئی عورت ستی ہوتی تھی۔ ہم کو ایک بھی ایسی مثال نہیں ملتی جس میں کسی عورت کو اس کی مرضی کے خلاف ستی ہونے پر مجبور کیا گیا ہو۔

برہمنی عقیدہ

قدیم زمانے کے چولا فرمانرواؤں کی جانب سے قیمتی قربانیوں کی رسومات کی ادائیگی:- جن کے بارے میں پہلے بھی کئی حوالے دیے گئے ہیں، یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اس قدیم زمانے میں بھی برہمنی ہندو مت تامل ریاست میں جڑ پکڑ چکا تھا۔ "منی میکھلائی" میں برہمنوں کی روزانہ بلاناغہ آگ کی پرستش کا ذکر ملتا ہے۔[124] "پورنانورو" میں بھی آوور سولم کلار کے ایک گیت میں کونڈنیہ گوتر کے ایک برہمن وِنندا آئن کی بہت تعریف کی گئی ہے جو پنجار دور میں رہتا تھا۔[125] جس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ادیچے "شرد تریہ" گھرانوں کو سماج میں کتنا اعلا مرتبہ حاصل تھا:-

"اے اُن دانشمندوں کی نامور نسل کے نونہالو، جنھوں نے شیو جی کی قدیم تعلیم کی مخالفت کرنے والوں کی طاقت کو نیچا دکھایا۔ جو جھوٹے نظریات کی غلط

دلیلوں کی تہ تک پہنچ گئے اور جنھوں نے حق کو مقدم سمجھتے ہوئے اور باطل سے بچتے
ہوئے ویدک قربانی کے اکیس طریقے پورے کر دیے۔ گھاس کھانے والے بارہ سنگھے
کی کھال جو تم قربانی کے وقت اوڑھے ہوئے ہوتے ہو کندھوں پر پڑے ہوئے جنیو پر
جھلملاتی رہتی ہے۔ تمھاری بیویاں تمھاری ہم رتبہ ہیں نیک اور بڑی خوبیوں والی
ہیں، شاستروں کی ہدایت کے مطابق جالی دار کپڑے کی پوشاک پہنتی ہیں جو
ایسے مواقع کے لیے مخصوص ہے، کم گو ہیں، چھوٹی پیشانی، بھاری کولھے اور گھنی زلفیں
رکھتی ہیں۔ مقررہ فرائض تن دہی سے انجام دیتی ہیں۔ جنگل سے اور شہر سے چودہ
"پشو" والی جو پانی سے بھی زیادہ افراط سے گھی مہیا کرتی ہیں۔ تم اتنی قربانیاں
دیتے ہو جنھیں ہندسے گن ہی نہیں سکتے اور تم اپنی شہرت اس طرح دور دور پھیلاتے
ہو کہ تمام دنیا تم سے حسد کرنے لگتی ہے اور قربانی کے اختتام کے وقت تمھارے
مرتبے میں ایک اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ پرماتما کرے کہ ہم اِسے اسی طرح دیکھتے
رہیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو ٹھنڈے دریائے کاویری کے کنارے آباد
اپنے گاؤں میں جا کر کھاؤں پیوں گا، شہسواری کروں گا اور موج اُڑاؤں گا۔ وہ
کاویری جس میں اُس وقت باڑھ آتی ہے جب مغربی گھاٹ کے پربت کی سنہری
چوٹیوں پر بجلی والا بادل گرجتا ہے۔ تم بھی اپنی طرف سے، اسی طرح غیر متقلب
اور مستحکم کھڑے رہو جیسے بلند ہمالیہ جو بادلوں سے اونچا ہے اور جس کی
ڈھلانیں بانس کے جنگلوں سے ڈھکی ہوئی ہیں۔"

اس قصیدے سے نہ صرف ویدک ارکان عبادت کی بالادستی کا پتہ چلتا ہے بلکہ ویدوں اور دوسرے مذاہب کے پیرؤوں کے درمیان نزاع کی طرف اشارے بھی ملتے ہیں۔ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو باطل کے پرستار اور غلط استدلال کرنے والے، جو باطل کو حق بنا کر پیش کرتے ہیں، کہہ کر رسوا کیا گیا ہے۔ دیگر مذاہب کیا تھے اس کے متعلق قیاس سے کام لیا جا سکتا ہے اغلب ہے کہ یہ بدھ مت اور جین مت تھے جو قدیم زمانے سے تامل ریاستوں میں رائج تھے۔ "آپ نیئن" کی رسم کا ذکر "منی میکھلائی" میں آیا ہے جس میں ایسے برہمنوں کا ذکر کیا گیا ہے جو جنیو پہننے کی رسم کے فوراً ہی بعد ویدوں کا مطالعہ شروع کر دیتے تھے۔ "پورم" میں دو بار جنم لینے والوں کا ذکر موجود ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں تاجروں کے گھروں تک میں شادیاں ویدک رسوم کے

مطابق ہوتی تھیں۔" تولکاپیّم "میں "کرپو" کی تعریف جس طرح سے کی گئی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک اعتبار سے "کلاوُو" اور "کرپو" کے درمیان جو فرق کیا گیا ہے وہ اس بنیاد پر ہے کہ اوّل الذکر تامل پردیش میں شادی کی ملکی صورت ہے' اور موٴخر الذکر غیر ملکی آرین صورت' جو اس پر مسلط کر دی گئی ہے۔" "کرپو" شادی کا وہ طریقہ ہے جس میں دولہا جو ایسے خاندان کا ایک فرد ہوتا ہے جس کو دلہن کو قبول کرنے کا حق ہے' دوسرے خاندان کے افراد کی دی ہوئی دلہن کو جس کو دینے کا ان کو حق ہوتا ہے قبول کرتا ہے اور ویدک رسوم کے مطابق اس کو اپنی بیوی بناتا ہے۔[119]

اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ شادی کی رسوم ایسی حالت میں ادا ہو سکتی تھیں جب قابلِ شادی لڑکی کو دینے والا کوئی نہ ہو اور جو رسوم صرف تین اونچی ذاتوں کے لیے مخصوص تھیں۔ اکثر ان کو چھوٹی ذاتوں والے بھی ادا کر سکتے تھے۔[120] مختصر یہ کہ ہم کو بتایا جاتا ہے کہ رشیوں (آئروں) نے یہ رسوم اس وقت متعیّن کیں جب جھوٹ اور گناہ نے سر اٹھایا۔[121] یہ بات ان افسانوں کی یاد دلاتی ہے جو یہ بتاتے ہیں کہ انسانی شادی کی ابتدا کس طرح سے ہوئی اور جن کا ذکر سنسکرت مصنفین نے اکثر کیا ہے اور جن کی تفصیل مہابھارت میں دی گئی ہے جیسا کہ صحیح کہا گیا ہے کہ[122] "ایسے دیومالائی افسانے دلچسپ تو ضرور ہیں لیکن ان کی کوئی سائنٹیفک قیمت نہیں ہے۔ جب لوگ شادی کے نظام اور اس کے رسوم کے بارے میں غور کرنے بیٹھے ہوں گے تو قدرتی طور پر انھوں نے اس زمانے کا تصوّر بھی کیا ہوگا جب نہ صرف یہ کہ کوئی رسوم ادا نہیں کی جاتی تھیں بلکہ سرے سے شادی کا ادارہ ہی نہیں تھا۔"

ہندومت کے دیوتا

تمام تذکروں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہندومت ہی اس عہد میں تامل پردیش کے زیادہ لوگوں کا مذہب تھا۔ اس کے وسیع دامن میں لاتعداد دیوتا پناہ لیتے تھے۔ جن کی پرستش کی جاتی تھی اور جن میں پیشانی پر ایک آنکھ رکھنے والے عظیم خدا سے لے کر چوراہے کے معمولی دیوتا (بھوت) تک شامل تھے۔[123] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چار دیوتاؤں کو اوروں کے مقابلے میں فوقیت حاصل تھی۔[124] یہ دیوتا تھے شِو جن کا دیوتاؤں میں سب سے اعلیٰ مرتبہ تھا' بلرام اور کرشن جن کا ذکر اکثر ایک ساتھ کیا جاتا ہے اور "مُرُوگن" تامل لوگوں کا مقبول دیوتا تھا۔ مُرُوگن کی پوجا میں "ویل ناڈل"

کی طرح کچھ ملکی رسوم بھی شامل تھیں۔ اِندر کی بھی خاص خاص مواقع پر پوجا کی جاتی تھی جیسے کہ تہوار
کے جشن میں جو اس کے اعزاز میں ہوتا تھا۔ "شلپدی کارم" میں "دیئوؤر" کے "کوروائی" کی پوجا
کرنے کا، گوپیوں کے کرشن کی پوجا کرنے کا اور "کرؤوں" کے "مُرُدگن" کی پوجا کرنے کا جو ذکر ہے
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رقص اور موسیقی قدیم زمانے سے مذہبی رسوم کا جزو تھے۔ "منی میکھلائی" میں
سرسوتی کے ایک مندر کا ذکر آیا ہے۔ "جوکا پالکوں" کی موجودگی کی خبر دیتا ہے۔ اگر "کلاولی"
کا مصنف وشنو دھرم کا مشہور سنت ہوتی گیا رہی تھا جیسے تین قدیمی "الواروں" (بھگتوں) میں شمار
کیا جاتا ہے تو وشنو دھرم کی بھگتی تحریک کی ابتدا ہمیں اسی قدیم زمانے سے ماننی پڑے گی، اور یہ
بات غیر ممکن بھی نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ "منی میکھلائی" میں "وشنو پُران" کا ذکر بھی آیا ہے۔

بُدھ مت کے اثرات

تناسخ ارواح۔ ایک جنم کے اعمال کا آنے والے تمام جنموں پر اثر اور قسمت کی طاقت، یہ تین
اعتقادات ہندستان کے تمام مذاہب کی مشترک بنیاد کا حصّہ تھے۔ تامل پردیش میں بھی لوگ
انھیں پر عامل تھے۔ رہبانیت کو مستحسن خیال کیا جاتا تھا اور سمجھا جاتا تھا کہ اس سے بہت سے فائدے
حاصل ہوتے ہیں۔ سنگم عہد کی نظموں میں خوش دلی سے زندگی بسر کرنے پر اعتقاد دکھائی دیتا ہے
اس پر رفتہ رفتہ قنوطیت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ بُدھ دھرم کی تعلیمات میں زندگی کے مصائب پر
جو زیادہ زور دیا گیا ہے اور ان سے نجات کا صرف ایک راستہ بتایا گیا ہے کہ زندگی کی خواہش
کو دبایا جائے، یہ قنوطیت دراصل ـــــ اسی کی دین ہے۔ حُزن ویاس کا یہ احساس جو "اُرائیور مدو
کتی شاتنار" میں پہلے ہی سے موجود ہے "منی میکھلائی" میں اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے جس میں ان
کم عقلوں کی مذمت کی گئی ہے جو موت کی سنگدلی پر غور و فکر نہیں کرتے اور اپنا وقت
نفسانی لذات سے لطف اٹھانے میں صَرف کرتے ہیں۔ تامل پردیش کے تمام اہم
مراکز میں جینیوں کے مندر اور بُدھوں کے "چیتیہ" اور خانقاہیں تھیں جن میں بُدھ اور جین
راہب رہتے تھے اور اپنے عقیدوں کی تبلیغ ان لوگوں میں کرتے تھے جو اُن کی باتیں خوشی
سے سننے کو تیار ہوتے تھے۔ نامور بُدھ بھکشو اراونواد یگل، جسے "منی میکھلائی" میں
یکے بعد دیگرے تہوار۔ وانچی اور کانچی سے وابستہ بتایا گیا ہے، خواہ کوئی تاریخی شخصیت
نہ رہی ہو، پھر بھی ہم اسے کم از کم ان بھکشوؤں کا نمایندہ سمجھ سکتے ہیں جن سے

اس زمانے کے شہری باشندے واقف تھے۔ ان مذاہب کے کتنے کتنے پیرو تھے۔
اور ان کا کس قدر اثر سماج پر تھا۔ اس کا اندازہ کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی
ذریعہ نہیں ہے۔
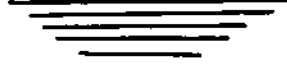
چوتھا باب

حاشیے

" دراوڑ" کی پرانی اصطلاح جسے اب چند اہل قلم حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس سے الگ کوئی خاص معنی نہیں رکھتی۔ زبان یا تمدن سے نسل یا قوم کے متعلق رائے قائم کرنا جائز نہیں قرار دیا جاسکتا۔

۲ اس موضوع پر میری حالیہ تحریریں وِنگ فیلڈ سٹر ٹیغور' کے اس اظہار رائے کے جواز پر غور کرنے پر مجبور کرتی ہیں جو اس نے کسی اور ضمن میں کیا تھا۔ یہ ایک ایسا میدان ہے جو اس سے پہلے زیادہ تر آزاد اہلِ قلم کے لیے خالی چھوڑ دیا گیا تھا' اور غالباً یہ ایک ستم ظریفی ہے کہ قدامت پرست مؤرخین اور اُن بلند تخیّل رہنماؤں کے مابین کوئی رابطہ قائم نہیں رکھا گیا جن کے اخذ کیے ہوئے جرأت مندانہ نتائج ہم کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں اور ایسی تنقیدی صلاحیتوں کے متقاضی ہوتے ہیں جن سے خود مصنّف بھی اکثر عاری ہوتا ہے۔ الفاظ سے پیدا کیے ہوئے دلائل کو جو آزاد اہل قلم اپنی طباعی سے روز ایجاد کرتے رہتے ہیں' استعمال کرنے میں ہم کو بہت احتیاط برتنی چاہیے اور اس بات کو مدِ نظر رکھنا چاہیے کہ کس طرح ذرا سی ہوشیاری سے بڑی سے بڑی مہمایت کو لسانیات کا ایک مسلۂ بنادیا جاتا ہے۔ (دیکھیے The History of [illegible] ۔ا۔ صفحہ ۱۴)

۳ دیکھیے پی ٹی سری نواس آئینگر کی کتاب "تامل" ([illegible]) کا صفحہ ۴۸۵۔ اگے مَن سے قبل یقیناً ہیرو ہوتے تھے۔

۴ ایضاً۔ صفحہ ۵۲۰

۵ ۷۱-۱۱: ۹۹-۹۷

۶ ۔ گوتم ۱۰۔ صفحہ ۶ اور بعد کے صفحات (میسور ایڈیشن)

۷ مٹر ایئویز۔ تے۔ ایتو۔ منرل۔ اتنل "پوژل" کا شوتر ۹۲ اڑاینار۔ شوتر نمبر

۸ تولکا پیم۔ پوژل ۱۰۴ تا ۱۰۶

۹ ۱۱ - ۱ تا ۲۸

۱۰ پورم ۲۶۸۔ ص ص ۲۸۲ - ۸۳

۱۱ پورم - ۴ - ۱۱ - ۱۰ - ۱۱

۱۲ "پوژدُ ترآژُ پدیُ" ۱۱۰ - ۲۲۵ - ۴۹

۱۳ نمبر شمار ۳۸۱

۱۴ نمبر شمار ۷۳۱ - ۴۰۰

۱۵ نمبر شمار - ۷۴۰

۱۶ نمبر شمار ۷۵۱ - ۷۶۰

۱۷ نمبر شمار ۷۵۶۔ پریمیلا لگرتے" اُڑو پوژل" کے معنی ضبطی بحق سرکار اور دفینہ لیے ہیں بیکن "دواکرم" کا نواں حصّہ دیکھیے۔

۱۸ نمبر شمار ۵۲۲

۱۹ نمبر شمار ۱۱۰۶ ۱۳ تا ۱۵ کورچ۔ چولر۔ گڈ ندیُ دیت ناژُ تر ژُ ندی ین جیر یا درن گڈی۔

۲۰ نمبر ۴۴۰: پوپ کا ترجمہ

۲۱ نمبر شمار ۵۵۵ - ۹۶۴

۲۲ نمبر شمار ۵۸۱

۲۳ نمبر شمار ۹۳۸

۲۴ نمبر شمار ۸۶۲

۲۵ منی میکھلائی

۲۶ نمبر شمار ۵۴۳ - ۵۴۵ - ۵۴۶ - منی میکھلائی۔ ۱۱۰۰ - صفحہ ۸ - اور بعد کے صفحات سے بھی مقابلہ کیجیے۔

۲۷ دیکھیے "۲"۔ صفحات ۲۲-۲۳

۲۸ دی تاملز ایٹین ہنڈرڈ ائیگو۔ صفحات ۱۰۹-۱۱۰

۲۹ جیسا کہ خیال تھا وہ علما جو کنکا سبھائی کے بیانات کو اس کے ماخذوں تک نہ پہنچنے کے باعث سمجھ نہیں سکے ہیں بہت تعجب کا اظہار کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر آر۔ سی مجمدار اپنی پُر فکر تصنیف ہیں اس مقام سے ایک بہت بڑا قدم آگے بڑھاتا ہے جہاں پہلے اسے کنکا سبھائی نے پہنچایا تھا اور وہ تصدیق کرتا ہے کہ "مجھے ایسا لگتا ہے کہ نام نہاد پانچ اسمبلیاں دراصل ایک بڑی اسمبلی کی پانچ چھوٹی کمیٹیاں تھیں۔ مصنف نے ان کا آغاز مگدھ سامراج کے دنوں سے بتایا گیا لیکن میرے نزدیک یہ ویدوں کے زمانے کی "سمتی" کی جدید شکلیں تھیں جن سے اپنے آثار ہندستان کے ہر خطے میں چھوڑے ہیں" اور یہ قدیم اسمبلیاں شاید کسی معجزے کے تحت سیاسی تنظیم کی جدید ترین تبدیلیوں کو پہلے ہی سے سمجھ گئی تھیں کیونکہ مجمدار آگے چل کر کہتا ہے "بہرصورت ان تنظیموں یا اسمبلیوں کی نمایندہ حیثیت اور انتظامیہ پر ان کا اثر انداز ہونا صاف ثابت ہے۔ یہ بھی ایک دلچسپ بات ہے کہ ان میں سے ایک اسمبلی صرف وزرا پر مشتمل ہوتی تھی۔ اجتماعی طور پر ان اسمبلیوں کو مذکورہ بالا "پریوی کونسل" سے مشابہت دی جا سکتی ہے۔ وزرا کی اسمبلی کو جو چند منتخب اور ممتاز افراد پر مشتمل ہوتی تھی۔ کابینہ کا ہم منصب قرار دیا جا سکتا ہے"
(طبع دوم ص ص۔ ۱۲۰-۱۲۱)۔ اہو نرنگشت دَم اُتیہ رکھشایاہ!

۳۰ ۔ ایضاً ص ۴۶

۳۱ ۔ ۱۱، ۱۸۷-۸۸ مُدی یور۔ آزئی نگو۔ پولیر۔ رم۔ پکّی مُرن شیادَم۔ یہاں "مُدی یور" کا مفہوم "الائیور" کا متضاد سمجھنا چاہیے جو "الائیور وِنڈل آئراوَم" کے جملے میں "مُدی یور" سے فوراً پہلے آتا ہے۔ حقیقت میں نچی نار کینیار اس کے یہ معنی نہیں لیتا۔ وہ "مُدی یور" کے معنی "بوڑھے لوگ" سمجھتا ہے اور یہاں اسے کریکال کا قصہ بیچ میں لانے کا موقع مل جاتا ہے کہ وہ مصنوعی سفید بال اپنے سر میں لگاتا تھا تا کہ وہ ان لوگوں سے زیادہ بزرگ دکھائی دے جو اس کے سامنے اپنے تنازعات کا فیصلہ کروانے آتے تھے۔

۳۲ نمبر شمار ۲۰۷

۳۳ پورم ۲۷۳

۳۴ ملاحظہ ہو ص ص ۴۷ و صفحات ذیل

۳۵ پورُو نر - ۱۱، ۱۸۰ - ۲۴۶

۳۶ نمبر شمار ۱۰۲۲

۳۷ نمبر شمار ۲، ۱۱۸ - ۱۲۷

۳۸ منی میکھلائی - ۱۱۰ - ۴۲ - ۴۳

۳۹ ملاحظہ ہو "کلوَل" کا اننت رام آئر کا ایڈیشن صفحہ ۱۰ - (تمہید)

۴۰ دیکھیے مارایم پیٹر بندو مولیا ٹم (تولکاپیّم - پورُل - پُرتنائی - سوتر ۸) پر گھی نارکنیار کا تبصرہ -

۴۱ نمبر شمار ۱۴۷ - ۲۹۴

۴۲ گُرل ۷۷۱ : اہم ۱۳۱ ؛ پورم ۲۰۶، ۴۰۱

۴۳ تولکاپیّم - پورُل - سوتر ۶۳ (خاتمہ)

۴۴ پورم ۶۲ + ۱ - ۱۳

۴۵ منی میکھلائی xxiii - ، صفحہ ۳ - اور بعد کے صفحات نیز حاشیہ

۴۶ پورم ۴۰ - جدید جنگ بھی اس طرح کے خلاف مردانگی طریقوں سے ناآشنا نہیں ہے . دشمن کی توپوں کو یادگاری ڈھالوں میں بنا ہوا دیکھیے -

۴۷ نظم صفحہ ۲۵۸ کا کنکا سبھائی نے تالیف و ترجمہ کیا ہے - ایک پُرانے تبصرے کے مطابق "کلوَل" شہنشاہ وجیالیہ کو مخاطب کر کے لکھی گئی تھی اگر یہ بات صحیح ہو تو اس نظم کی تاریخ تحریر بدل جائے گی جس میں شینگنان کا کوئی واضح حوالہ موجود نہیں ہے -

۴۸ "کلوَل" ۹

۴۹ مصرعہ ۲۹۰

۵۰ پورم ۱۲۵

۵۱ پورُ نرآؤُ وپدی ۱۱ - ۸۴ - ۹۸ - اور ۱۰۲ تا ۱۲۱، نیز دیکھیے پورم ۲۴، ترجمہ پوپ

صفحہ ۲۵۱۔

۵۲ پورم ۲۴‘ ۱-۱۴

۵۳ شلپدی کارم۔ ۱-۵۵

۵۴ مفرد ۱۸۵۔اس میں دی ہوئی تعداد ۱۶ لاکھ ہے۔"توڈاڑو نُورائرم"

۵۵ پُورم ۳۲۵

۵۶ پورم ۳۷۸‘ ۱۱-۱۰-۳۲

۵۷ پورم۔۷۰‘ ۱۸۔ ۱x xx۔ صفحہ ۲۸۱

۵۸ شلپدی کارم -۷۱ ۔ صفحہ ۲۹۔اور اس کے بعد کے صفحات میں ان کی تفصیل دی گئی ہے۔

۵۹ منی میکھلائی -ii - ۱۱‘ ۱۸-۳۲

۶۰ پورم ۳۷۸

۶۱ منی میکھلائی iii - ۱۱ - صفحہ ۱۲۷۔اور اس کے بعد کے صفحات

۶۲ منی میکھلائی -x آ x - ۱۱‘ صفحہ ۱۰۲۔اور اس کے بعد کے صفحات

۶۳ منی میکھلائی xi x ۔صفحہ ۹۰

۶۴ مزید دیکھیے "ابم" ۸۶ جس کا حوالہ پی ٹی سری نواس آئینگر کی تصنیف"   " کے صفحات ۷۸-۸۰ میں دیا گیا ہے

۶۵ ۱۱ - ۹۵ تا ۱۱۷

۶۶ i - ۱۱‘ - ۱۴ تا ۱۹ ii‘ ۱ صفحہ ۱۔اور اس کے بعد کے صفحات

۶۷ پُورم ۳۰- ۱۱‘ ۱۱ تا ۱۴

۶۸ "پٹناپالائی" ۱۱ ۱۴۲ تا ۱۵۸

۶۹ ایضاً ۱۱‘ ۱۵۹ تا ۱۸۲

۷۰ عام بحث و مباحثہ میں اپنی علمیت کا مظاہرہ کرنے کا یہ طریقہ "منی میکھلائی‘ i - ۱۱‘ ۴۰-۱۴۶ میں بھی درج ہے۔ یُوروپ میں یہ رواج حالیہ وقتوں تک بھی عام رہا ہے اور ہندوستان میں تو یہ پنڈتوں میں اب تک مشہور اور رائج ہے۔

۷۱ - ۱۹۹ تا ۲۱۲

۷۲ "منی میکھلائی" کا صفحہ ۲۵ ملاحظہ ہو۔

III v x x ، II ، ۲۱۳ تا ۲۷۵ میں کاپگی پورم کا مفصل احوال درج ہے جو بظاہر تمہار کے اس احوال سے ملتا جلتا ہے جو ہم نے شلپدی کارم سے لے کر اوپر کے پیراگراف میں درج کیا ہے لیکن کاپگی پورم کا یہ تذکرہ استار داتی لگتا ہے جسے حقائق سے اُسے دُور کا بھی واسطہ نہ ہو۔ لیکن شلپدی کارم والا تذکرہ زیادہ معتبر اور قابلِ اعتماد دکھائی دیتا ہے۔

۷۳ II - ۲۱۲ تا ۲۱۹

۷۴ II - ۱۸۴ تا ۱۹۳

۷۵ حاشیہ نگار اسے ملایا میں واقع کذارم (کیدہ) قرار دیتا ہے

۷۶ ۶،۲،۶ - صفحہ ۳۵ - کھنکا سبھائی - حوالۂ سابقہ باب ii ، iii -

۷۷ II ، ۲۴۶ تا ۲۵۰

۷۸ ریٹ ناڈ (مخطوطہ ۹۲۲)

i - ص ص ۲۰۱ - ۲۰۲ - پیری پلس کے حصہ نمبر ۴۹ سے مقابلہ کیجیے۔

۷۹ ایضاً - صفحہ ۱۸۲

۸۰ تھرسٹن ( ) کی "فہرست نمبر ۲ (عجائب خانۂ مدراس) طبع دوم ۱۸۹۴ء - سی ڈیل ( ) ۱۹۰۴ء " نمبر ۲

۸۱ وارمنگٹن ((مطبوعہ کیمبرج ۱۹۲۸ء)

۸۲ وارمنگٹن ( ) حوالۂ سابقہ - صفحہ ۲۷۴ - اور آگے کے صفحات۔
وارمنگٹن کا خیال ہے کہ پلینی ( ) نے جن "شیرا" راجاؤں کا ذکر کیا ہے وہ دراصل چیرا حکمران تھے۔ لیکن اس کے مقابلے میں مطالعہ کیجیے ہڈسن ( ) کی "یورپ اینڈ چائنا" (آرنلڈ کی تالیف ۱۹۳۱ء) ص ص ۱۰۰ - ۱۰۲ - رومن سکوں کے چین پہنچنے کی اصل میں کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔

۸۳ "پیری پلس": حصہ ۹۶

۸۴ روستوورزف ( ) کی تصنیف (سوشل اینڈ اکنامک ہسٹری آف رومن ایمپائر)

صفحہ ۲۹ (آکسفورڈ ۱۹۲۷ء ایڈیشن)۔ مقابلہ کیجیے وارمنگٹن حصہ اول باب ۱۔

۸۵ وارمنگٹن حوالہ سابقہ ص ص ۱۲۸-۴۱

۸۶- روستووزف حوالہ سابقہ صفحہ ۲۲۱ - وارمنگٹن ص ص ۱۲۹، ۴۰

۸۷ وارمنگٹن، صفحہ ۷۵

۸۸ اس کا مطلب ہے ہندستان کا مغربی ساحل۔ نورا ایڈ منڈس 'دی فرسٹ مارکٹس آف ڈمریکا' "صفحہ ۴۲

۸۹ حصہ ۶۰۔ اور اس پر اسکاف کے حاشیے۔ المر "پیری پس" میں ہندستانی کشتیوں کی ساخت سے متعلق اس عبارت پر بحث کا مطالعہ کرنا ہو تو ارنیل (کی کتاب) کا صفحہ ۲۱۵۔ اور اس کے بعد کے صفحات دیکھیے۔ اس کی رائے کے مطابق پہلی صدی کا "چولندیا" جادا کے دو مستولوں والے جہازوں کا (جن کا کنارے باہر کو نکلے ہوئے ہوتے ہیں) قریب قریب ہم شکل ہوتا تھا جن کی شبیہہ بوروبدھر کے سنگتراشی کے نمونوں میں دکھائی گئی ہے۔ لیکن آندھرا اور گرمبر کے سکوں پر باہر کو نکلے ہوئے کناروں کے بغیر جو دو مستولوں والے جہاز دکھائے گئے ہیں، وہ یقیناً اُن جہازوں سے زیادہ ملتے جلتے ہیں جن کا ذکر "پیری پلس" میں آیا ہے، نہ کہ آٹھویں اور نویں صدی عیسوی کے جادا کے سنگتراشی کے نمونوں دکھائے گئے جہازوں سے۔

۹۰ پنتا پالائی۔ ۱۱-۲۹ تا ۲۲

۹۱ ۱۷-۱۱-۲۹ تا ۲۴

۹۲ پیری پلس صفحہ ۲۶۱

۹۳ روستووزف۔ حوالہ سابقہ ص۔ ۱۲۶

۹۴ اس کی قدرے مختلف تاویل کے لیے دیکھیے وارمنگٹن کی تصنیف۔ حوالہ سابقہ ص ۱۴۳

۹۵ پادرم۔ ۱۱-۱-۶۱-۱

۹۶ ۔ نولکاپیم۔ پورُل۔ اہتّی نائی۔ مجموعہ ۳۰

۹۷ ۔ نمبر ۲۳۰-۱۱، ۱۲-۱۳

۹۸ پادرم ۱۷۵-۱-۱

۹۹ II۔ ۸۲-۸۳

۱۰۰ ۱۰۔ ۱۵۵

۱۰۱ iii۔ ۱۹۷-۹۸

۱۰۲ پلزرم ۸۲

۱۰۳ xix۔ II، ۱۰۷-۱۰۹

۱۰۴ پلزروتر۔ II۔ ۲۱۳-۱۷

۱۰۵ چاول جو بھنی ہوئی دھان کی بالیوں کو کوٹ کر تیار کیا جاتا تھا

۱۰۶ پلزرم ۲۲ج II۔ ۱ تا ۷

۱۰۷ سی ذیل (۔۔۔۔۔) ۔
۱۹۰۴ء صفحات ۹۹ تا ۶۱۵

۱۰۸ منی میکلائی۔ xi ۔ ۸۴ تا ۸۷، xviii ۔ صفحہ ۹۰ اور بعد کے صفحات،
صفحہ ۱۰۵ اور بعد کے صفحات

۱۰۹ II۔ صفحات ۱۶۵ تا ۱۶۷

۱۱۰ پلزروتر۔ II، ۱۸۲-۸۴

۱۱۱ پلزرم ۲۴۔ II، ۱ تا ۷

۱۱۲ منی میکلائی viii ۔ x، ۲۳-۲۴؛ مقابلہ کیجیے "شلپدی کارم" ۱۷۔ IX ۔ ۱۴۶،

۱۱۳ منی میکلائی v ۔ ۲۷، xiii ۔ ۵ تا ۷

۱۱۴ ایضاً iv صفحات ۷۲-۷۶ اور حاشیہ

۱۱۵ ایضاً v ۔ ۱۲۷، iii ۔ ۱۳۴

۱۱۶ ایضاً xxi ۔ ۱۲۸-۲۹

۱۱۷ شلپدی کارم v ۔ صفحات ۲۲۷ تا ۲۴۰

۱۱۸ پلزرم ۲۳۹۔ II۔ ص ۲۰-۲۱

۱۱۹ منی میکلائی۔ vi ۔ ۵۴-۵۹

۱۲۰ ایضاً۔ ا ۔ ۷۱

۱۲۱ پلزرم ۲۴۶

۱۲۲ پورم ۲۴۶۔اور منی میکھلائی ii-۱۱-۴۲-۴۵ ؛ xvi ا - صفحہ ۲۳-اور بعد کے
viii x صفحات۔ ۔ص ۱۱ تا ۱۵

۱۲۳ -viii x-۱۱' صفحات ۹۸ تا ۱۰۲

۱۲۴ ۷-۱-۱۳۲

۱۲۵ پورم ۱۹۶

۱۲۶ یعنی اس نے اکیس قسموں کی ویدک بلی دی (قربانیاں دیں)

۱۲۷ x iii -۱۱' ۲۲-۲۴

۱۲۸ نمبر ۳۶۷-۱-۱۲

۱۲۹ تولکاپیم-پورل-کرکو-سوتر-۱

۱۳۰ ایضاً-سوتر ۲-۲

۱۳۱ ایضاً-سوتر ۳

۱۳۲ کرآئے ( )کی تصنیف .ii-صفحہ ۲۵۹

۱۳۳- منی میکھلائی-۱-۱۱' ۵۴-۵۵-

۱۳۴ شلپدی کارم ۷-۱۱' ۱۴۹-۲۷۰, ۱۷۴۔۱۷۴-۱۱' ۷ تا ۱۰

۱۳۵ xiii-۱-۱۰۶

۱۳۶ vi - ۸۶

۱۳۷ ii. xxvii ' ۹۸-دیکھیے ۴۴-صفحات ۲۰-۲۱

۱۳۸ پورونر-۱۱ ' ۹۱-۹۲

۱۳۹ پورم ۲۷-دیکھیے گذشتہ صفحہ ۲۹ پر

۱۴۰ ۹۷-اور اس کے آگے کے صفحات

۱۴۱ شلپدی کارم اور منی میکھلائی کے اشاریہ جات-نیز "مدورائی کانچی" - کے صفحات
۴۷۵-۸۷

۱۴۲ اسے ناکافی اسباب کی بنا پر دھرم پال شناخت کیا گیا ہے -IIOR-۱۹۲۷-صفحہ ۱۹۷-
اور اس کے آگے کے صفحات۔

پانچواں باب

سنگم عہد سے وجیالہ تک

سنگم عہد کے بعد

سنگم عہد سے اس زمانے تک کی تبدیلیاں جس میں تامل پردیش تین صدیوں تک "کلبھرن گوتر" کے پانڈیہ راجاؤں اور سمہا وشنو نسل کے پلوو راجاؤں کے درمیان تقسیم رہا، ہماری نظروں سے بالکل پوشیدہ ہیں۔ بعد کی تین صدیوں تک بھی جب تک کہ نویں صدی کی دوسری چوتھائی میں وجیالا تخت نشین نہیں ہوا چولا راجاؤں کے حالات پر یوں ہی تاریکی کا پردہ پڑا رہا۔ اس طویل وقفے میں قدیمی راجاؤں کی اس نسل نے جو دلچسپ انقلابات دیکھے ان کی جھلکیاں ہم ان چند دریچوں سے دیکھ سکتے ہیں جو اس زمانے کے ادب اور کتبات نے ہم پر وا کیے ہیں۔ البتہ ایک بات یقینی ہے کہ جن دنوں چولا راجاؤں کا اقتدار زوال پذیر ہوا اور پلوو پانڈیہ راجاؤں کی سلطنت کی توسیع ان کے شمال اور جنوب میں ہوئی تو اس قدیم شاہی نسل کی اولاد نے خود کو اپنے سے زیادہ کامیاب حریفوں کی سرپرستی اور ملازمت حاصل کرنے پر مجبور پایا۔ ایسا حشر ہندستانی راجاؤں کے اکثر خاندانوں کا عام طور سے مصیبت کے زمانے میں ہوا ہے۔ راشٹرکوٹا راجاؤں کے زمانے میں مغربی چالوکیہ خاندان، راج راجا کی وینگی کی فتح اور کلوتنگا اول کے چولا ریاست کا تخت نشین بننے کے درمیانی زمانے میں مشرقی چالوکیہ خاندان، خود پانڈیہ اور پلوو خاندان، اور وجیالا کے جانشینوں کے عہد میں چولا اقتدار کی توسیع کے بعد گنگا اور بان خاندان ہندستانی تاریخ کی اس مشترک خصوصیت کی بہت نمایاں مثالیں ہیں۔

قدیم یادیں دلوں سے محو نہیں ہوتیں اور بڑے بڑے خاندانوں کے نام چاہے کچھ عرصے کے لیے دنیا ان کو بھول جائے قسمت کا پانسہ پلٹنے سے اکثر اقتدار و شوکت کی تجدید اور بحالی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اس زمانے میں چولا راجاؤں کی تمام مشکلات و مصائب کے باوجود

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انھوں نے اراینگور پر اپنا غلبہ مکمل طور پر کھو دیا ہوگا۔ وجیالا کا جب عروج ہوا تو وہ بھی اس نواح سے ہوا۔ اور تیلگو پردیش ہی کے نہیں بلکہ دور شمالی پردیش والے بھی جو چولا خاندان سے دور کا واسطہ رکھنے کے دعویدار ہیں کاویری اور اراینگور کے نام پر فخر کرتے ہیں۔ عصری کتبات کی شہادت بھی ہمیں اس نتیجے کی طرف لے جاتی ہے۔

چولوں کا منتشر ہونا

اپنے زمانۂ انحطاط میں چولوں کے منتشر ہو جانے اور ان میں سے مفلس اور معزول راجاؤں اور شہزادوں کے روزگار کی تلاش میں باہر چلے جانے کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ چولا خاندان سے تعلق رکھنے کے دعویدار راجاؤں اور سرداروں کے ناموں کا ذکر بعض ایسے مقامات پر آیا ہے جو ایک دوسرے سے بہت دور دور واقع ہیں۔ مثلاً کوڈمبا لور (پڑدکوٹاہ شمالی (شمالی) اور مالے پاڈو۔ آبجگی کے پانڈیا راجگان۔ کونکن کے موریا اور گنگل (بمبئی) کے گنتار اجگان؛ تیلگو پردیش کے چولا راجاؤں کی طرح ہندستان کی تاریخ میں خاندانوں کے انتشار کی چند اور مثالیں ہیں [1]

کلابھرا خاندان

پانڈیا حکمرانوں کے ویلوی کڈی کے عطیے اور پلّو راجاؤں کے کچھ فرامین میں کلابھرا نالی ایک غیر معروف خاندان کا ذکر آتا ہے جو ملک میں بیشتر سیاسی ناپائیداری کے ذمے دار تھے، اور چھٹی صدی عیسوی کے اختتامی سالوں میں پانڈیا اور پلّو اقتدار کی تجدید و احیا کے لیے پہلا قدم اسی (کلابھرا) خاندان کا تختہ الٹنا تھا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ کلابھروں ہی کی لوٹ مار قدیم چولا خاندان کے اقتدار کے خاتمے کا باعث بنی۔ چولا کتبات اور وجیالا خاندان کی تختیوں میں اس امر کی طرف اگر اشارہ نہیں ہے تو اس کی وجہ ڈھونڈنا مشکل نہیں۔ پانڈیا اور پلّو خاندان کے برعکس جنھوں نے کلابھروں سے جو کچھ ان سے چھین لیا گیا تھا جلد ہی واپس لے لیا، چولا خاندان پانڈیہ اور پلّو خاندانوں کے اقتدار کے چڑھتے طوفان میں تین سو سال تک کھویا رہا۔ یہ خاندان اس وقت تک اپنے قدم پھر سے نہ جما سکا جب تک یہ نوخیز طاقتیں باہمی رقابت میں خود اپنی طاقت نہ گنوا بیٹھیں۔

بُدھ دت

بدھ دت کی تحریروں سے ہمیں چولا ریاست میں کلابھروں کی حکومت کی ایک دلچسپ شہادت ملتی ہے۔ بدقسمتی سے بُدھ دت کا زمانہ اتنا قطعی نہیں ہے جتنا کہ اکثر سمجھا جاتا ہے۔ وہ روایت جو اسے بدھ گھوش کا ہمعصر بتاتی ہے کافی بعد کی ہے اور ان دونوں مقدس ہستیوں کی کثیر تصانیف میں سے کسی میں بھی کوئی بیان ایسا نہیں پایا جاتا جس سے اس کی تصدیق ہوتی ہو ان میں سے بدھ دت ہی غالباً بدھ دھرم کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے پہلے لنکا گیا ہوگا۔ تاہم یہ بات یقینی ہے کہ وہ جنوبی ہند کی تاریخ کے اس دور کا باشندہ تھا جس پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس وقت سنگم تصانیف کی روشنی بجھ چکی تھی اور پانڈیا اور پلوشاہی فرمانوں کی صبح ابھی طلوع نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا اس کی شہادت اور بھی قابلِ لحاظ ہو جاتی ہے۔ اپنی تصنیف "ابھی دھما وتار" کے آخر میں بُدھ دت نے "کاویری پٹنم" کا حال بڑی خوبصورتی سے تحریر کیا ہے۔ اس نے اس شہر میں بیوپاریوں کے ہجوم اور تفریحی باغوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس نے کانہاداس کے تعمیر کردہ ایک عظیم وہار (خانقاہ) میں کچھ عرصہ قیام کیا اور سمتی کی درخواست پر جو غالباً اس کا چیلا رہا ہوگا اس کتاب کو تصنیف کیا۔ اسی طرح "ونے ونچیا" کے آخر میں وہ ہمیں بتاتا ہے کہ اس نے اسے بُدھ سِہا کی خاطر ان دنوں تصنیف کیا جب وہ دریائے کاویری کے کنارے پر واقع "بھوت منگلم" نامی شہر میں وینھو داس کے خوبصورت وہار میں قیام پذیر تھا۔[8] اس شہر کو وہ چولا رٹھ یعنی چولا سلطنت کا دُھرا کہتا ہے۔

راجا اچیوت کلابھا

آگے چل کر وہ بتاتا ہے کہ اس نے یہ تصنیف ان دنوں کی تھی جب کلابھرا خاندان کے راجہ اچیوت وکنتا کا راج تھا۔ یہ راجہ اسی نام والے اس حکمران کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا جس کے متعلق ادبی حکایتوں میں مذکور ہے کہ اس نے چیرا۔ چولا اور پانڈیا تینوں تاجداروں کو قید میں رکھا تھا۔ دسویں صدی عیسوی میں امیتا ساگر ار نے "یاپرنگلیک کاریکائی" کا مصنف تھا، اس راجہ کے متعلق کچھ گیتوں کا ذکر کیا ہے۔ اچیوت غالباً خود بدھ دھرم کا داعی تھا جیوی کلاڈی" کے کہتے ہیں کلابھراؤں کو" کل راجاؤں کا ایک قبیلہ بتایا گیا ہے۔ جس نے بہت سے

ادھیر ماجز (آدھی راجاؤں) کو برباد کر دیا تھا اور "برہمدیہ" حقوق میں مداخلت کی تھی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان غاصبوں اور ان کے تاخت و تاراج کیے ہوئے علاقے کے باشندوں کے درمیان اَن بَن رہتی تھی۔ بدھ دت کی تصانیف کے ضمیموں میں اسے "اُراگ پورہ" کا باشندہ بتایا گیا ہے۔ جس کا مطلب غالباً یہ ہے کہ اُراگیور اس کا آبائی وطن تھا۔

چولوں کی گمنامی کا دور

راجہ اچیوت کے دورِ حکومت کے کچھ دنوں بعد، مگر یہ نہیں معلوم کہ کتنے دنوں بعد پَلّوا اور پانڈیا حکمرانوں نے کلابھروں کا تختہ الٹ کر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ لیکن وہ اپنی آزاد حیثیت از سرِ نو حاصل نہ کر سکے اور دریائے کاویری کے ساحلی علاقوں میں گمنامی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شمال اور جنوب میں نئی ابھرنے والی طاقتوں نے بہت حد تک انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ البتہ انھوں نے غالباً ان خاندانوں کی دیرینہ شہرت کے پیشِ نظر ان کی لڑکیوں کے رشتے ضرور قبول کیے اور بعض ایسے چولا شہزادوں کو اپنی ملازمت میں بھی رکھا جنھوں نے ان کی ملازمت کرنا منظور کیا۔

چولیا جس کا بیان یوآن چوانگ نے کیا ہے

چینی سیاح یوآن چوانگ نے جس نے ۶۲۹ء اور ۶۴۰ء میں کئی مہینے امراوتی اور کانچی پورم میں گذارے، جنوب کی طرف جاتے ہوئے چولیا (چولیکا؟) ریاست کی سیاحت بھی کی۔ اس کے سفرنامے کے اندراجات کی روشنی میں کننگھم نے موجودہ ضلع کرنول کو اس ریاست کا علاقہ قرار دیا ہے[9]۔ ضلع کڈاپہ میں جو پتھر کے کتبات دستیاب ہوئے ہیں اور تانبے کی تختیوں پہ کندہ دو دلچسپ منظوری نامے جن میں حکمران خاندانوں کی چار پشتوں کے نام درج ہیں، چولا نام رکھنے والے ایک خاندان کی حکمرانی کی توثیق کرتے ہیں۔ ان کا نسب راجہ کریکال سے ملاتے ہیں اور مذکورہ خطے میں ان کی عملداری کی تصدیق کرتے ہیں۔ جس علاقے پر ان کی حکومت تھی، وہ ریناڈو ...، کہلاتا تھا اور کڈاپہ اور کرنول اضلاع کے ان علاقوں پر مشتمل تھا جو دریائے کنڈیرو کے کنارے واقع تھے۔ قدیم کتبات کے مطالعے کے فن کی مدد سے دیکھا جائے تو پتھر کے مذکورہ کتبات آٹھویں صدی عیسوی سے پہلے کے کندہ کیے ہوئے

معلوم ہوتے ہیں اور ان کتبات نیز "مالی پاڈو" کی تانبے کی تختیوں کا زمانۂ تحریر ساتویں صدی عیسوی قرار دینے کے لیے ہمارے پاس معقول وجوہ ہیں۔ ان راجاؤں کے القاب سے ظاہر ہے کہ پلّو اور چالوکیہ حکمرانوں کے ساتھ ان کے گہرے سیاسی تعلقات تھے ہرچند کہ وہ خود مختاری کے مدعی تھے' انھوں نے اس حیثیت کو برقرار بھی رکھا تھا' لیکن اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ حکمتِ عملی کے تقاضوں کے پیش نظر قدرے موہوم انداز سے اپنے سے زیادہ طاقتور ہمسایوں کی برتری تسلیم کرتے تھے۔ ان کا شاہی نشان جو مالی پاڈو تختیوں میں دکھایا گیا ہے' شیر کی بجائے ایک گھنی ایال والا شیر ببر ہے جس کی دُم اس کی پیٹھ پر گولائی میں مُڑی ہوتی ہے۔ یہ نشان وشنو کنڈن اور پلّو خاندانوں کے نشانوں سے مشابہ ہے اور شاید اس کی ابتدا بدھ دھرم سے متعلق ہے۔ مالی پاڈو تختیوں میں تریناندو کے چولوں کا جو شجرۂ نسب درج ہے وہ یوں ہے:۔

(تندی ورمن دکشیپ گوتر)

دھننجے ورمن — سندرانند — سمہا وشنو

چولا مہاراجہ مہندر وکرم ورمن، تما تشلا کشرا

نوراما — "وائی ریاست ہائے چولا' کیرالا' و پانڈیا"

پنیہ کمارا' پونر کمر راما۔ مار دو لچتا۔ مدن ولاس وغیرہ — گن مدیتا
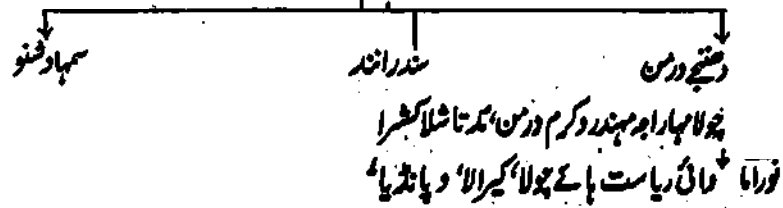
ان میں سے دھننجے کا ذکر ضلع کڈاپہ کے صرف ایک پتھر کے کتبے میں کیا گیا ہے۔ اگرچہ مذکورِ بالا پتھر کے کتبات اکثر چولا مہاراجہ کے تحریر کروائے ہوئے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی اس حکمران کے عہد حکومت کے متعلق ہماری واقفیت میں اضافہ نہیں کرتا اور اس کے القابات کی وضاحت کے لیے ہمارے پاس کوئی براہ راست ذریعہ موجود نہیں ہے۔ ان القابات میں جنوبی ہند کی تینوں تامل ریاستوں کا تاجدار اعلا ہونے کا بلند بانگ دعوا کیا گیا ہے پنیہ کمار کے لقب "پرتھوی ولبھ" سے اور اس کی مہارانی وسنتت پوری چولا مہادیوی کے نام سے چالوکیہ خاندان سے اس کے رشتے کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ جب ہیوان چوانگ آیا تو یہاں یہی راجہ حکومت کرتا تھا یا اس کا باپ۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس خاندان کے حکمران اس عہد کے پلّو اور چالوکیہ تاجداروں کے جھگڑوں میں شریک تھے۔ راجہ چولا مہاراجا

ادھیراج وکرمادتیہ ستیہ آدتیہ اور اس کی ماں چولامہادیوی بلاشبہ اس خاندان کے وہ ارکان ہیں جن کا ذکر مالی پاڑو کی تانبے کی تختیوں میں دیے ہوئے شجرہ نسب میں نہیں ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ دوسرے چولا مہاراجاؤں کے مقابلے میں اس تاجدار کا لقب اعلا ہے۔ اس کی حدود سلطنت میں رنیانڈو ۷۰۰۰ کے علاوہ سِدّھی ۱۰۰۰ (سدھاوٹ پردیش) بھی شامل تھا۔ پلو راجہ نندی ورمن سوم کے عہد حکومت کے چھٹے سال میں کندہ کرائی گئی ویلور پالائم تختیوں میں ایک چولا مہاراجہ کماران گش کو "دجناپتی" بتایا گیا ہے۔ لیکن جب تک کچھ اور معلومات حاصل نہ ہوجائیں اس خاندان کی تاریخ مکمل طور پر سمجھنا ممکن نہیں ہے لیکن اس میں البتہ واضح ہے کہ اس نسل کے راجگان تامل خطے کے قدیم چولا راجاؤں اور تیلگو اور کرناٹک کے متعدد چھوٹے راجواڑوں کے درمیان جن کو کشیپ گوہر سے تعلق رکھنے اور راجہ کری کال کی اولاد ہونے اور اورائیور پر حکومت کرچکنے کا دعوا تھا ایک کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

تامل پردیش کے چولا

تامل پردیش کے چولا راجاؤں کے متعلق ہماری معلومات رنیانڈو کے چولا حکمرانوں کے مقابلہ میں بھی قلیل تر ہیں۔ کتبات اور اس عہد کی معلومات بہم پہنچانے والی تصانیف میں کچھ سرسری حوالے تو ان چولوں کے متعلق ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام عرصے میں دریائے کاویری کے ساحلی علاقوں میں ان کی حکومت تھی۔ لیکن ان سے اور کوئی تاریخی انکشاف نہیں ہوتا۔ اس عہد کا کوئی بھی یادگاری کتبہ یا عمارت اس وقت تک دریافت نہیں ہوئی ہے۔ جسے براہِ راست چولوں سے منسوب کیا جاسکے۔ سمدرگپت کے تعمیر کردہ الہ آباد کے ستون پر کندہ عبارت میں چولا سلطنت کا کوئی ذکر اگر نہیں ہے تو محض اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کیونکہ سمدرگپت کی فتوحات کی وسعت جتنی کسی زمانے میں خیال کی جاتی تھی۔ اس سے کہیں محدود ثابت ہوئی ہے۔ اس عہد کے چولوں کے متعلق معلومات فراہم کرنے والے کتبات زیادہ تر پلو راجاؤں کے فرامین ہیں۔ مغربی چالوکیہ اور پانڈیا راجاؤں کے منظوری ناموں نے ان معلومات میں کارآمد اضافے کیے ہیں۔ "ویلور پالائیم" کی تختیوں میں چوتھی صدی عیسوی کے اواخر یا پانچویں صدی کے آغاز میں حکومت کرنے والے راجا بدھو

علم کتبات | ورما کو چولا فوج کے سمندر کی "آبدوز آگ" بتایا گیا ہے۔ بھادشنو (۵۰۰ء تا

۷۰۰ء) کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اس نے دریائے کاویری سے سیراب ہونے والے سپاری کے پیڑوں کے جھنڈوں اور دھان کے کھیتوں سے بھرے ہوئے تامل علاقے کو بزور چھین لیا تھا۔ تقریباً اسی زمانے میں چولوں کو تسخیر کرنے کا دعوا چالوکیہ تاجداروں نے بھی کیا ہے۔ اب یہ اتو یہ دعوا جھوٹا ہے، یا یہاں چولوں سے مراد "ریناڈو" کے چولا راجگان ہیں۔ مہندر ورمن (۶۰۰ء تا ۶۳۰ عیسوی) کو بھی اس بات پر ناز تھا کہ چولا علاقے پر اس کا قبضہ ہے۔ اور اس کے کتبات میں ترچناپلی کی چٹان کو چولا خطے کا تاج بتایا گیا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیو جی نے مذکورہ راجہ کو ہدایت کی تھی کہ اس چٹان پر وہ ان کا مندر تعمیر کرے ورنہ وہ چولا ریاست کے تحمل اور شان و شوکت کا منظر نہیں دیکھ سکے گا۔ راجہ پرمیشور ورمن اوّل کے "کورم" کے منظوری نامے کے کتبے میں پر شوکت لیکن بے معنی الفاظ میں ان حکمرانوں کی ایک فہرست دی گئی ہے۔ جنھیں نرسمہا ورمن اوّل (۶۳۰ء تا ۶۶۰ عیسوی) نے تخت و تاج سے محروم کر دیا تھا۔ ان مفتوحہ ریاستوں میں چولا ریاست بھی شامل کی گئی ہے۔ راجہ پلکشن دوم (۶۲۲ عیسوی) کے "ایہول" کتبے میں بتایا گیا ہے کہ اس نے پلّووں کی طاقت کو کانچی پورم کی چار دیواری کے اندر محدود کر دیا تھا اور اس طرح چولا، کیرل، اور پانڈیا ریاستوں میں خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا تھا۔ پلکشن دوم کے جانشین وکرمادتیہ اوّل نے بھی چولا ریاست کی تسخیر کا دعوا کیا ہے اور اس کی تحریر کروائی ہوئی (۶۷۴ء) گدوال کی تانبے کی تختیوں میں کاویری کے جنوبی کنارے پر واقع چولا دار لخلافے اُرائیور میں اس کے فاتحانہ قیام کا ذکر کیا گیا ہے۔ "ویلوی کڈی" کے منظوری نامے میں بتایا گیا ہے کہ پانڈیا راجہ کو چاڈائین رندھیر (۷۱۰ء تا ۷۴۰ء) نے کچھ دوسرے القابات کے علاوہ شمبیان کا لقب بھی اختیار کیا تھا۔ جس سے مراد یہ تھی کہ قدیم چولا ریاست کا ایک حصّہ اس کی عملداری میں شامل کر لیا گیا تھا۔ ترچناپلی کے راجہ مار نجاوائن کے کتبے میں اُسے سورج ونشی اور چندر ونشی دونوں نسلوں کا تلک کہا گیا ہے۔ سینمنو کی تختیوں میں چولوں کا شمار پلّووں کے اتحادیوں میں کیا گیا ہے جنھیں "کنبا کونم" کے مقام پر راجہ شری مار شری ولبھ (۸۱۵ء تا ۸۶۲ء) کے ہاتھوں شکست فاش ہوئی تھی۔

لٹریچر

قدیم مذہبی روایات سے ہمارے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ چولا راجگان اگرچہ

اقتدار کھو بیٹھے تھے، پھر بھی ان دنوں وہ دریائے کاویری کے ساحلی علاقوں سے مکمل طور پر معدوم نہیں ہوئے تھے۔ بارھویں صدی عیسوی کی تصنیف "پیریہ پرانم" میں کچھ کارآمد قدیمی معلومات ملتی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ تیروناناسمندر کے پانڈیا ہمعصر راجہ کی رانی ایک چولا خاندان کی شہزادی منگائرک کرشی تھی۔ پگل چولا نائینار ارائیور کا ایک چولا حکمران تھا۔ کاردور اس کے زیر نگیں تھا۔ اس نے ایک آدی گن پر فتح پائی اور شیو دھرم کو فروغ دیا۔ "پرانم" سے بھی اس واقعہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ جب کالندرائی نامی ایک معمولی سردار نے، جو بعد میں کوڑوانائینار کے لقب سے مشہور ہوا، چدمبرم کے برہمنوں سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اسے شاہی تاج سے سرفراز کریں اور اس کی وسیع فتوحات کے اعتراف میں اس طرح اسے شاہی مرتبے سے نوازیں تو انھوں نے اس بنا پر ایسا کرنے سے انکار کر دیا کہ صرف قدیم چولا خاندان ہی اس اعلا مرتبے کو پانے کا مستحق تھا۔ اس انکار کے بعد مزید پریشانیوں سے بچنے کے لیے تمام برہمن اجتماعی طور پر چیرا ریاست کو ہجرت کر گئے۔ ایک اور نائینار جس کا نام ایارکون کلیکامن تھا، کا خاندان، دریائے کاویری کے کنارے پر واقع ایک گاؤں میں تھا اور زراعت کے پیشہ کے ساتھ چولا راجاؤں کے یہاں فوجی ملازمت بھی کرتا تھا۔ آخری بات یہ کہ ایک چولا شہزادے نے ایک پانڈیا شہزادی کے ساتھ شادی کی اور جب سندرمورتی نے شیرمان پیرومل کے ہمراہ مدورا کا سفر کیا تو یہ شہزادہ مدورا میں رہتا تھا۔ اگرچہ ان بیانات کے لیے ہماری سند "پیریہ پرانم" کا مصنف شیکلار ہے لیکن ان میں سے بیشتر بیانات نمبی آندار نمبی کی مختصر تصنیف "اندادی" میں بھی موجود ہیں، یہی تصنیف "پرانم" کی سنگ بنیاد ہے اور اس میں دیے ہوئے کم از کم راجاؤں اور سرداروں کے نام تو سندرمورتی کے زمانے تک پرانے نام ہیں جو آٹھویں صدی عیسوی میں ہو گزرا تھا۔ دیشنوگرنتھوں میں "دویہ سوری چرتا" اور "گوروپرمپرا" بھی اسی کہانی کو دہراتے ہیں۔ دیودیوی نامی ایک طوائف جس نے آلوار تونڈراڈیپودی کو اپنے دام عشق میں اسیر کر لیا تھا اس مقدس شخص سے پہلی بار اس وقت ملی تھی جب وہ ارائیور میں چولا راجہ کے دربار سے واپس آرہی تھی۔ ارائیور ناچیار بھی ایک چولا شہزادی تھی جس نے کسی فانی انسان سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا اور خود رنگاناتھ دیوتا کے ساتھ ازدواجی رشتے کے لیے اصرار کر کے اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئی تھی۔ یہ شہزادی ارائیور کے سورج ونشی راجہ دھرم ورما کی بیٹی تھی۔

ترومنگائی آلوار نے بھی اپنی زندگی چولا راجہ کے مقرر کردہ ایک فوجی افسر کے طور پر شروع کی تھی
یہ ممکن ہے کہ چولوں کے متعلق ان میں سے بعض ادبی حوالے اس وجہ سے آئے ہیں کہ یہ کتابیں چولوں
کے زمانۂ اقتدار میں تصنیف کی گئی تھیں۔ لیکن ان میں جو واضح حوالے[4] آلواروں[5] اور نائینارول
نے ہمعصر پلّو راجاؤں کے متعلق دیئے ہیں[6] اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ کچھ قدیمی اور صحیح روایات
اس زمانے تک باقی تھیں اور ان کتابوں میں چولوں کے متعلق جو حوالے دیے گئے ہیں وہ سب
نہیں تو کچھ تو ضرور معتبر ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ تیسری یا چوتھی صدی عیسوی سے نے کر نوی صدی
تک چولا حکمرانوں کے ارد گرد تاریخی ظلمت کا ایک پردہ پڑا ہوا ہے جسے ہم عارضی تعطل کہہ سکتے ہیں۔
انھوں نے کسی نہ کسی طریقے سے، جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے، رنیانادو کے خطّے میں اپنے لیے
ایک دوسرے گھر کا بندوبست کر لیا تھا۔ اپنے اصل وطن میں تو وہ ہر طوفان کے آگے جھکتے چلے گئے
اور سازگار وقت کا انتظار کرتے رہے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے وہ اپنی اولاد کے لیے مناسب رشتے
ڈھونڈنے میں مصروف رہے بیشتر ان اقدامات کی غرض اپنے کامیاب حریفوں میں سیاسی اثر و رسوخ
بڑھانا ہوتی تھی اس کے علاوہ وہ اس وقت کی مذہبی تحریکوں کو بھی فروغ دیتے رہے۔ کچھ عرصے تک
اس خطّے میں بدھ اور جین دھرموں کا غلبہ رہا۔ کلابھر راجہ اچیوت بدھ دھرم کا معتقد تھا اور پانڈیا
دپلّو راجاؤں میں سے کچھ جین دھرم کے پیرو تھے۔ "گرو پرمپرا" میں لکھا ہے کہ نیگاپٹم کی مالدار خانقاہ[7]
کو جس میں بدھ کی خالص سونے کی مورتی موجود تھی ترومنگئی آلوار نے لوٹا تھا۔ بدھ دت بھی اس امر
کا شاہد ہے کہ اس سے قبل کے ایک زمانے میں چولا ریاست میں دو بڑی بدھ خانقاہیں تعمیر کی گئی
تھیں۔ آلواروں اور نائینارول کی کوششوں کی بدولت جنھوں نے ہندو دھرم کے احیا کی
ایک عظیم تحریک کی قیادت کی، اور عوام کی زبان میں بھگتی کے عقیدے کا پرجوش اظہار کیا، ان
اصلاح پسند مذاہب کی توسیع رک گئی اور قدامت پرست مذاہب کو از سر نو غلبہ حاصل ہو گیا
چولوں نے وشنومت اور شیومت دونوں کے مبلّغوں کی غیر جانب داری سے حمایت کر کے
نہایت خاموشی سے ہندو دھرم کے احیا میں ہاتھ بٹایا۔

پانچواں باب

حاشیے

ونکیّا یوں اظہارِ رائے کرتا ہے۔ فی الحال یقین سے بتانا ممکن نہیں ہے کہ مذکورہ تیلگو راجاؤں نے کریکال کے ساتھ اپنی رشتہ داری کا دعوا کس بنا پر کیا (ARE-۱۹۰۰ پیراگراف ۴۵) لیکن واقعی یہ بات صحیح ہے۔ تاہم جہاں تک میں اس معاملے کو سمجھ سکا ہوں، تیلگو خطّے (رینانڈو) کے چولوں اور تامل چولا حکمرانوں کے درمیان ایک جیتا جاگتا رشتہ موجود تھا۔ میرے خیال میں اور شہادتوں کے علاوہ اس کے ثبوت میں پُنیہ کاری کی مالےپاڈو کی تختیاں ایک اہم حیثیت رکھتی ہیں اور یہ ظاہر کرتی ہیں کہ سمہا وشنو کی نسل کے پلّو مقبوضات وہ وسیلہ بنے ہوں گے جن کے باعث شمال کی جانب چولوں کی پیش قدمی عمل میں آئی ہوگی۔ تیلگو چوڑوں کی اصل و ابتدا کی وضاحت کرنے کے لیے یہ فرض کر لینا کہ تیلگو خطّہ بھی قدیم چولا شہنشاہ کریکال کی سلطنت کا حصّہ تھا، محض ایک سعیٔ رائیگاں دکھائی دیتا ہے۔ ہم گیارھویں اور بارھویں صدی کے قصّے کہانیوں کو تیسری یا چوتھی صدی کی تاریخ کیسے تصوّر کر سکتے ہیں۔ مطالعہ کیجیے "   " ص ص۔ ۲۲-۲۶، ۴۱ تا ۴۴۔ اس کے خلاف دیکھیے۔ ونکیّا۔ A S I-۱۹۰۵-۰۶۔ ص ۱۷۵۔ حاشیہ ۸

۲ ۔ دیکھیے PK۔ ص ص ۴۷-۴۹

۳ ۔ بدھ دتّا کے مسوّدات حصّۂ اول (مطبوعہ ۱۹۱۵ء) اور حصّۂ دوم (مطبوعہ ۱۹۲۸ء)۔ اے پی۔ بدھ دتّا (پالی ٹیکسٹ سوسائٹی)

۴ مقابلہ کیجیے۔ اے پی بدھ دتّا کے مسوّدات حصّۂ دوم کی تمہید۔ اس کے خلاف دیکھیے پی ٹی سری نواس آئینگر کی تصنیف   ص۔ ۵۲۸۔ اس سطر کا ترجمہ کرکے اس نے اسے

خرافات میں تبدیل کر دیا ہے۔ آیم شمتنا سادھو یا چتین کتو تتو " ترجمہ یہ کیا گیا ہے۔
اسے میں نے، جو ذہین یا نیک اور گداگر ہوں، تصنیف کیا اور تفصیل سے بیان کیا۔

۵ اس نفیس اور خوبصورت بیان سے ایک شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا جوار بھاٹے کی ایک لہر سے مذکورہ شہر کی تباہی کی داستان کو حرف بحرف سچ سمجھا جائے۔ (بحوالہ منی میکھلائی خلاصہ xx - ۱۱ صفحات ۱۹۴ تا ۲۰۴)

۶ اس مقام کی شناخت بطور بدّ تور (پی ٹی۔ سری نواس آئینگر۔ حوالۂ سابقہ۔ ص ۵۲۱) مشکوک ہے۔ اصل میں یہ کوروچیری۔ منرگدی سڑک کے کنارے واقع ایک گاؤں ہے

۷ اچّت اچّنا دِکنتے کلبنّو کُل ودھنے
مہم سمنسا سنتے آر دھتو پ سماپتو۔
اے پی بدھو دتا کلپ گل کی عبارت کو قبول کرکے انھیں "کذبیا" قرار دیتا ہے۔

۸ " تمل ناڈ لٹریچر تانی" ۷۷۔ ۱۵۴۔ ۵۷

۹ واٹرز۔ جلد دوم۔ صفحات ۲۲۵۔ اور ۲۴۱

۱۰ رنگاچاری۔ Cd۔ نمبر ۲۰۹۔ ۲۱۸۔۔ ۲۵۰۔ ۴۰۵۔ ۴۰۹۔ ۴۲۵۔ ۴۵۲۔۔ ۵۵۔ نیز ۴۵۵۔۔ ۵۶۔

۱۱ EI - xl۔ ص۔ ۲۴۲، ۔ xxvii۔ صفحہ ۲۶۸

۱۲ ARE - ۱۹۰۵۔ II، ۶۰۵

۱۳ مدراس کرسچین کالج میگزین کا جنوری ۱۹۲۹ء کا شمارہ۔ صفحات ۷ تا ۱۸۔ مقابلہ کیجیے۔ EI - xxvii - صفحہ ۲۴۸۔ اس کے خلاف دیکھیے ایضاً صفحہ ۲۷۱

۱۴ EI - xi - صفحہ ۲۲۲۔ ۴۴

۱۵ EI - xi - صفحہ ۲۲۵

۱۶ ۱۹۰۴ کا ۲۸۰ (رنگاچاری۔ Cd۔ ۴۲۵)

۱۷ ۱۹۰۴ کا ۲۸۴ (رنگاچاری۔ Ca۔۔ ۵۶)

۱۸ ۱۹۰۴ کے نمبر ۲۹۲۔ ۳۰۰۔ وکرمادتیہ دوم نے دوسرے مفتوحین کے ساتھ چولوں کو بھی مطیع کرنے کا دعوا کیا ہے۔ SII - i - صفحہ ۱۴۶: EI - V - صفحہ ۲۰۴

۱۹ SII - ۹۰۔ ۵۰۔ ۲۶۷

۲۰ ۱۹۰۸ کا ۲۲|۲ (بستر) EI - xi - صفحہ ۲۲۸ - بعض مرتبہ تو کا کتبوں ( ) نے بھی کریکال کے ساتھ رشتے کا دعوا کیا ہے۔ مزید دیکھیے EI - v - صفحہ ۱۴۴ - حاشیہ اور تانبے کی تختیوں کی فہرست (عجائب خانہ مدراس) شری کنٹھا کی بلا تاریخ تختیوں کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ ۱۴۔

۲۱ گوتمی پتر اکی فتوحات کے متعلق ساتواہن، ، کے جن کتبوں میں ذکر آیا ہے، ان کی خاموشی کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کے خلاف دیکھیے دینکیا - ASI - ۱۹۰۵ - ۶ ص ۱۶۷ - حاشیہ

۲۲ SII - ii : ص ۵۰۸ ۔ ۱ - ۱۴

۲۳ ایضاً - ۱۱، ۱۶ - ۱۷

۲۴ کیلہارن کی SII کی فہرست۔ نمبر سلسلہ ۵ (EI - vii)

۲۵ SII - i - ۲۲

۲۶ وِجُوتم چولانام کتم اہم اویکشیا دِپلام - ایضاً ۲۴ - ہلتش نے "وبھوتم چولانام" کے معنی "چولوں کی عظیم طاقت" لیے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ اس وقت کی چولوں کی حالت وحیثیت کا صحیح بیان نہیں ہے کیونکہ سمہا وشنو نے انھیں مطیع کر لیا تھا، اس لیے پلو حکمرانوں کے کسی فرمانِ عطیہ میں اس طرح کا کوئی تذکرہ شامل ہونا قرینِ امکان نہیں ہے، لہٰذا میں "چولانام" کا مفہوم چولا ریاست سمجھتا ہوں۔

۲۷ SII - i - صفحہ ۱۵۱ ۱۱ ۱۴ - ۱۶

۲۸ EI - vi - ص - ۶ - اشعار ۲۹ تا ۳۱

۲۹ EI - x - صفحہ ۱۰۲ - اُرگ پورا حقیقت میں ناگ پٹنم نہیں ہے جیسا کہ ہلتش نے سمجھا تھا، بلکہ یہ ترچناپلی کے قریب واقع اُرائیور ہے

۳۰ ASI - ۱۹۰۳ - ۱۹۰۴ - صفحہ ۲۷۵

۳۱ تگدور کے سرداروں کا خاندانی نام ہے۔

۳۲ "پیریا پرانم" کے کسی بھی ایڈیشن میں اس کے حوالے باآسانی مل جائیں گے۔ ASI - ۱۹۰۵ - ۶ کے صفحات ۱۷۶ - ۱۷۷ بھی ملاحظہ کیجیے۔ میں پتہ نہیں لگا سکا کہ اس دور کے چولوں کے حالات میں دینکیا نے کوناڈو (پڈوکوٹہ) کے ایک "ویل" سردار اڈ نگلی

، کا ذکر کیوں کیا ہے۔ تاہم یہ بات قابل توجہ ہے کہ اڈگنگی کو راجادتیہ کے اسلاف میں سے ایک بتایا جاتا ہے جس نے کونگو سے لوٹ کر لائے ہوئے سونے سے چدامبرم کے مندر کو ڈھک دیا تھا۔ یہ اشارہ آدتیہ اوّل کی جانب بھی ہو سکتا ہے جس نے کونگو کو تسخیر کر کے تونڈائی ناڈُر کو چولا سلطنت میں ملا لیا تھا۔ اڈگنگی نے یقیناً چولوں سے اپنا ناطہ اس طرح قائم کر لیا ہوگا کہ اس نے چولا شہزادے کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی ہوگی۔ بہرحال ہمارے پاس اس بات کی تصدیق کے لیے کوئی شہادت نہیں ہے کہ چولا راجگان "دیل" خاندان کے حکمرانوں کی نسل سے تھے۔

۴۳ شیرمان پیرومال۔ نائنار پرانم۔ ۹۲۰۷

چھٹا باب

وجیالہ خاندان کا عروج

راجہ آدتیہ اوّل (۸۵۰ء تا ۹۰۷ء)

سری پور مبیم

سری پور مبیا کی عظیم جنگ کی کمان کر کے پرتھوی پتی اوّل نے پانڈیا خاندان کے والی راجہ ورگن کو جلد شکست دے دی اور اپنی جان دے کر اس نے اس بات کا تحفظ کر دیا کہ اس کا دوست واقعتاً اور اپنے نام کے مطابق اپراجت (غیر مفتوح) رہے گا اور خود عالم بالا کی طرف پرواز کر گیا۔ بلسان الفاظ میں گنگا پرتھوی پتی دوم کے عہدِ حکومت کی ادتندرم کی تانبے کی تختیوں پر اس جنگ میں اس کے پیش رو کے کردار کو بیان کیا گیا ہے۔ جنوبی ہند کی تاریخ میں یہ جنگ ایک اہم موڑ ثابت ہوئی کیونکہ پانڈیا اس کاری ضرب سے پھر کبھی سنبھل نہ سکے اور پلّو اگرچہ جنگ میں فتح یاب ہو گئے لیکن ان کی یہ فتح دراصل ان کی اپنی قوت کے بجائے ان کے اتحادیوں کی مرہونِ منت تھی۔ مسلسل جنگ آزمائی سے تھک کر، جو انھیں دو محاذوں پر جاری رکھنی پڑی تھی، یعنی چالوکیہ اور پانڈیا دونوں کے خلاف، وہ اب خود ایسی حالت میں نہیں رہے تھے کہ اس فتح سے کوئی فائدہ اٹھا سکیں۔ پلّووں کے اتحادیوں میں گنگا خاندان کے باجگذار راجہ کے علاوہ، چولا راجہ آدتیہ اوّل بھی تھا جو شاید شری پور مبیم کی لڑائی میں زیادہ حصّہ نہ لیتا۔ لیکن چونکہ جلد ہی اسے یہ احساس ہو گیا کہ اس لڑائی میں اس کا مفاد پنہاں ہے اس لیے اس نے اس جنگ کی تکمیل میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ پرتھوی پتی اوّل کی سب سے آخری تاریخ جو ہمارے علم میں ہے ۸۷۹ء ہے۔ جس لڑائی میں وہ مارا گیا وہ لگ بھگ اسی کے قریب ہوئی ہو گی۔

وجیالہ

آدتیہ اوّل چولا شہنشاہوں کی نسل کے اوّلین تاجدار وجیالیہ کا بیٹا تھا۔ ضلع ترچناپلی کے ایک کتبے میں پراکیسری وجیالیہ کے ایک فرمان کے مطابق دیے ہوئے زمین کے ایک عطیے کا ذکر آیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چولا اقتدار کا از سرِ نو عروج اُرائیور کے مضافات ہی سے ہوا جو دریائے کاویری کے کنارے ان کا قدیمی وطن تھا۔

تنجور کی تسخیر

" ترووالنگاڈو " کی تختیوں میں تنجور کی تسخیر ان الفاظ میں کندہ ہے کہ " وجیالیہ نے تنجور کو اپنی راحت و آسائش کے لیے یوں اپنے قبضے میں لیا جیسے وہ شہر اس کی قانونی بیوی ہو اور وہاں اس نے دیوی نشمبھ سودنی (درگا) کا ایک مندر تعمیر کیا۔ ہلتش کی رائے ہے کہ پراکیسری کے بعض دُور و دراز مقامات مثلاً کانچی پورم اور سچندرم میں پائے جانے والے کتبات وجیالیہ ہی سے متعلق ہیں اگرچہ یہ بات شبہ سے بعید نہیں ہے کہ وہ اس قدر طاقت ور ہو گیا تھا کہ اس نے چولوں کے زمانۂ عروج کے بالکل ابتدا ہی میں اتنے وسیع علاقے میں اپنے پتھر کے کتبات چھوڑے۔ لیکن ایسی شہادتیں مل رہی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ راجہ واقعی بہت طاقتور تھا۔ جنوبی ارکاٹ کے تعلقہ " ترو کوئیلور " میں واقع ایک مقام " دیر چولا پورم " میں اس کی حکومت کے تیسرے سال کی ایک یادداشت ہے تو اسے واضح طور پر " تنجائی کونڈا پراکیسری " یعنی " پراکیسری تنجور " کہا گیا ہے۔ تنجور کے گرد و نواح میں دستیاب ہونے والی بعض پراکیسری یادداشتیں یقیناً اسی سے تعلق رکھتی ہیں۔ ضلع شمالی ارکاٹ کے ایک مقام کلپتو سے ملی ہوئی ایک یادداشت میں جو راجہ وکرم چولا کے عہد کے پانچویں برس کی ہے، وجیالیہ عہد کے چوتھے برس کے ایک پتھر کے کتبے کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ وجیالیہ نے ' اگرچہ وہ پلّو حکمران کا باجگزار تھا ' اپنے دورِ حکومت میں یادداشتوں پر تاریخیں لکھوائی ہوں کیونکہ یہ خاص استحقاق بعض باجگزاروں کو ہمیشہ حاصل رہا اور جب کبھی اقتدارِ اعلیٰ رکھنے والے کی طاقت زوال پذیر ہوتی تھی تو سبھی باجگزار اس استحقاق کو استعمال کر لیتے تھے۔

وجیالہ کا سیاسی مقام

وجیالیہ کا سیاسی مقام کیا تھا اور تجور کا شہر اس نے کس سے فتح کیا ان سوالات کے جواب کے لیے ہمیں وجیالیہ عہدِ حکومت کی امکانی تاریخ تعین کرنی ہوگی۔ وجیالیہ کے پوتے پرانتکا اوّل کی تخت نشینی کے سال سے پیچھے کی جانب شمار کر کے مطلوبہ تاریخ کا بآسانی پتہ لگایا جا سکتا ہے۔

تاریخ وار سلسلۂ واقعات

کیلہارن نے راجہ پرانتکا اوّل کی تخت نشینی کی تاریخ کا تعین ۹۰۷ء کی پندرہ جنوری اور ۲۵ جولائی کے درمیان کیا ہے جبکہ تاریخ لاتعداد پتھر کے کتبات سے حاصل کیے گئے جبکہ سے بالاتر ان اعداد و شمار کی شہادت پر مبنی ہے جو اس وقت کے سیارگان کی تقویم بتاتے ہیں۔ یہی شہادت اس زمانے کی چولا ترتیبِ سنین میں حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ پرانتکا کے والد راجہ آدتیہ اوّل کی حکومت کی مدت کم از کم ۲۷ سال یا غالباً اس سے کچھ زیادہ تھی۔ راج کیسری کے عہدِ حکومت کے ستائیسویں برس کی محررہ "تردکلوکندم"[۱] کی ایک دلچسپ یادداشت[۵] کو آدتیہ راجہ سے منسوب کرنے کے لیے چند معقول وجوہ ہیں۔ علم کتبات قدیم کے مطابق یہ یادداشت یقیناً پرانتکا کے عہدِ حکومت سے پہلے کی ہے اور مقامی مندر کے نام کچھ زمین کے وقف کے حکم کی تجدید کے متعلق ہے۔ جو ابتدا میں راجہ سکند شِشیہ نے کیا تھا جس کو بعد میں راجہ پاوا آد کونڈا نرسنگھ پوترا نیار نے برقرار رکھا۔ یہ دونوں نامور راجہ پلو خاندان سے تھے۔ اس طرح کی تجدید کسی بھی فتح کے بعد معمولاً کی جاتی تھی اور چونکہ آدتیہ اوّل کے متعلق یہ معلوم ہے کہ اس نے پلووں پر فتح پا کر "توندائی منڈلم" کو چولا سلطنت میں ملا لیا تھا۔ لہٰذا یہ بات بالکل یقینی ہے کہ یہ کتبہ آدتیہ راجہ کے کتبات میں سے تھا۔ اس بات پر بھی نظر رکھنی چاہیے کہ اس نسل کے راجاؤں کے قدیم ترین فرامین وقف ہیں اب تک جو ہمارے علم میں آئے ہیں، راجہ آدتیہ اوّل کو صرف راج کیسری کے نام سے یاد کیا گیا ہے[۵۲] اور دوسرا کوئی نام اس کے لیے استعمال نہیں کیا گیا ہے آدتیہ نے "تردکلوکندم" کے کتبے کی تحریر کے بعد مزید کتنے عرصہ تک حکومت کی، اس کے

متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن راج کیسری، جو بلا شبہ راجہ آدتیہ اوّل ہی تھا، کے عہدِ حکومت کے چوبیسویں برس میں لکھوائے گئے ایک کتبے میں ایک سورج گرہن کا ذکر آیا ہے جو ۸۹۴ء یا ۸۹۵ء میں لگا تھا[۱۱]۔ اس تاریخ سے حساب لگا کر آدتیہ کی تخت نشینی کا سال ۸۷۰ء یا ۸۷۱ء ہوتا ہے اور اس کی مدّت حکومت ۳۶ سال جس کا سال اختتام ۹۰۷ء میں ہوتا ہے۔ اس طرح وجیالیہ کے دور حکومت کا خاتمہ ۸۷۰ء میں قیاس کر سکتے ہیں اور اس کی ابتدا ۸۵۰ء سے کچھ قبل[۱۲]

وجیالہ کے ہم عصر

اس طرح وجیالیہ کی حکومت کے آغاز کی جو تاریخ نکلتی ہے وہ ورگن ورمن کے پانڈیا ریاست کے تاجدار رہنے کی تاریخ سے چند سال پہلے کی ہے جسے تنجور میں "کمبا کونم" کے نزدیک "شری پورا جیم" کے مقام پر شکست ہوئی تھی۔ ورگن کی تخت نشینی کے وقت پانڈیا خاندان کافی طاقتور تھا۔ گو اس کے والد کے زمانے میں اری شل کے معرکے میں اس خاندان کا وقار مجروح ہو چکا تھا[۱۳]۔ اس کے علاوہ اس زمانے میں کچھ باہمت سردار جو تاریخ میں "مترییار" کے نام سے موسوم ہیں۔ ضلع تنجور کے زرخیز دریائی دہانے کی زمین کے کچھ حصّے پر قابض تھے۔ "شیندلائی" میں ان کے جو کتبات دستیاب ہوئے ہیں[۱۴] ان میں انھیں تنجور کا بھی حکمراں بتایا گیا ہے۔ اگرچہ ان کا دارالحکومت "سیندلائی" یا "تنجم" میں تھا۔ چولوں کی طرح مترییاروں نے بھی محسوس کیا کہ خود مختار حکومت قایم کرنا غیر ممکن ہے۔ لہٰذا پانڈیوں یا پلوؤں کا سہارا لے کر ہی وہ اپنے اقتدار کو قائم رکھ سکے۔

مُترییار راجگان

ان راجاؤں کے کتبات اور القاب سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے بڑی شاطرانہ چالیں چلیں اور وہ ہمیشہ اپنے مفاد کے مطابق بدلنے کے لیے آمادہ رہتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ورگن کے عہدِ حکومت میں، یا تو اپنی رضامندی سے اور یا ورگن کی جانب سے لالچ دیے جانے پر، انھوں نے اپنی قسمت پانڈیوں کے ساتھ وابستہ کر لی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تنجور سے ہاتھ دھو بیٹھے جسے پلوؤں کے لیے راجہ وجیالیہ نے تسخیر کر لیا۔ پلو حکمران

کو کبھی یہ گمان بھی نہ تھا کہ اپنے چولا ماتحت راجہ کو اس فتح کا کام سپرد کر کے وہ شیر کے بچے کو خون کے ذائقے سے آشنا کر رہا تھا۔ وجیالیہ کے خیال میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ اس کی یہ فتح ہندستان کی تاریخ میں ایک عظیم الشان سلطنت کے آغاز کی بانی ہو گی۔

وجیالیہ کی کامیابی پانڈیا تاجدار ورگن ورمن کے اتحادی متریا سرداروں کی طاقت کے زوال کے مترادف تھی۔ لہٰذا اس واقعہ سے طاقت کے بگڑے ہوئے توازن کو بحال کرنے کے لیے ورگن نے ایک جنگی مہم شروع کی۔ اس مہم کا آغاز بہت اچھا رہا اور وہ چولا ریاست میں دریائے کاویری کے شمالی کنارے پر واقع "اِڈوائی" کے مقام تک پیش قدمی کر گیا۔[15] لیکن پلّو راجہ اپراجت نے، جو اس حملے سے پہلے تخت نشین ہوا تھا۔ مزاحمت کی۔ اس نے اپنے تمام اتحادیوں کو یکجا کیا جن میں سب سے ممتاز گنگا خاندان کا حکمران پرتھوی پتی اوّل تھا۔ گنگا اور پلّو خاندان کے درمیان اتحاد بہت قدیمی تھا اور باوجود یہ کہ اس امر کا کوئی قطعی ثبوت موجود نہیں ہے ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ چولا راجہ آدتیہ بھی، جو اس اثنا میں اپنے والد کے بعد تخت نشین ہو چکا تھا، اپراجت کی طرف سے "شری پور مبتم" کی جنگ میں شریک ہوا۔[16] گنگا راجہ تو زیادہ خوش قسمت نکلا اور اس فتح سے فائدہ اٹھانے کے لیے وہ زندہ رہا۔ اغلب ہے کہ اپنے چولا اتحادی اپراجت کو اظہارِ احسانمندی کے لیے اس نے صرف وہ علاقے اپنے پاس رکھنے کی اجازت دے دی جو اس کے والد نے متریا راجاؤں سے حاصل کیے تھے۔ بلکہ اس کی حدودِ سلطنت میں کچھ اور قریبی علاقے بھی اپنی جانب سے شامل کر دیے۔

آدتیہ اوّل

آدتیہ (۸۷۱ تا ۹۰۷) کے متعلق "انبل" کی تختیوں میں صرف اتنا درج ہے کہ اس نے دریائے کاویری کے دونوں کناروں پر شیو جی کے احترام میں پتھر کے بلند قامت مندروں کی قطاریں تعمیر کرا دیں جو سہیادری کے پہاڑوں سے لے کر سمندر تک اس کی کامرانی کی یادگاریں پھیلی ہوئی تھیں۔[17] "ترودالنگاڈو" کی تختیوں میں درج ہے کہ اس نے طاقتور پلّو تاجدار اپراجت کا تختہ الٹ دیا[18] اور اس کی ریاست اس سے چھین لی۔ کنیاکماری کے کتبے میں اس کا لقب "کودنڈ راما" بتایا گیا ہے۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک معرکے میں[19] وہ ایک بلند و بالا ہاتھی پر سوار پلّو تاجدار پر ٹوٹ پڑا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

"تلائی ستھانم" کی ایک یادداشت" بھی واضح طور پر یہ کہہ کر اس واقعہ کی توثیق کرتی ہے کہ راج کیسری نے اپنی حدودِ سلطنت کو تونڈائی ناڈ تک بڑھالیا تھا۔

اپراجیت کی معزولی

لہٰذا یہ یقینی سمجھنا چاہیے کہ آدتیہ نے "تونڈائی منڈلم" کو اپنی سلطنت میں شامل کر کے پلّو اقتدار کا خاتمہ کر دیا تھا اور چولا سلطنت کی اس حد تک توسیع کی تھی کہ وہ راشٹر کوٹوں کی حدود کو چھونے لگی تھیں۔ اپراجیت کے زمانے کی تختیوں میں اس کی حکومت کے آٹھویں برس کا ذکر ملتا ہے۔ "تونڈئی منڈلم" سے آدتیہ سے منسوب کوئی بھی ایسی یادداشت دستیاب نہیں ہوئی جس میں اس کے عہدِ حکومت کے تیئسویں برس سے پہلے کی کسی تاریخ کا حوالہ ملتا ہو۔ لیکن ایک "دیودان" یا عطیہ اس کے عہد کے اکیسویں سال میں دیا گیا تھا۔" اس لیے اندازاً پلّو ریاست کی تسخیر اور الحاق کی تاریخ ۸۹۰ فرض کی جا سکتی ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ تونڈئی منڈلم کے نو تسخیر علاقے کے بندوبست میں کئی برس لگ گئے ہوں گے اور اس کے لیے تازہ مہم آرائی کی ضرورت پڑی ہوگی۔ کرن دائی کی تختیوں میں درج ہے کہ آدتیہ اوّل کے جانشین اور بیٹے راجہ پرانتکا اوّل نے جن حکمرانوں کا تختہ الٹ دیا تھا ان میں پلّو راجہ بھی شامل تھا۔ یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے کہ پلّو راجہ کے ساتھ جو لڑائی پرانتکا نے لڑی تھی وہ اپنے والد کے دورِ حکومت میں بطور ولی عہد لڑی تھی یا پلّو خود مختاری کی کچھ نشانیاں خود اس کے دورِ حکومت میں برقرار رہ گئی تھیں۔ (۱۲-الف) کا پلّور (شمالی ارکاٹ) سے ملی ہوئی سمت ۸۲۶ (۹۰۴ء) کی ایک یادداشت میں کسی حکمران راجہ کا ذکر کیے بغیر ایک سردار کی جانب سے کسی مقامی مندر کو دیے گئے عطیے کا اندراج موجود ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دنوں میں حالات غیر مستحکم تھے۔

گنگا راجاؤں سے تعلقات

گنگا راجہ نے اس فتح میں غالباً راجہ آدتیہ کی مدد کی ہوگی۔ جو صورت بھی ہو ہم دیکھتے ہیں کہ اس فتح کے فوراً بعد اس نے آدتیہ کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کر لیا۔ مار سنگھ کے فرزند پرتی پتیارنے جو "اودائیندرم" کے منظوری نامے میں درج مار سمہا کے پسر پرتھوی پتی دوم کے

علاوہ اور کوئی نہیں تھا، راج کیسری (آدتیہ) کے عہد حکومت کے چوبیسویں سال میں تکوکم کے مندر کو ایک چاندی کے برتن (کینڈی) کا نذرانہ پیش کیا۔ چولوں کے اقتدار اعلا کو زمرف "ادائیبدرم" کی تختیوں میں راجہ پرانتکا کے عہد میں واضح طور سے تسلیم کیا گیا ہے بلکہ اس عجری کتبے میں بھی راج کیسری ورمن کا سن جلوس دے کر مختصراً اس کا اعتراف کیا گیا ہے۔ "تردکلوکندم" کے کتبے کی طرف پہلے ہی توجہ مبذول کرائی جا چکی ہے جس میں پلّو راجہ کی جانب سے ایک مقامی مندر کو دیے گئے ایک عطیے کے پرانے فرمان کی تجدید کا اندراج کیا گیا ہے۔ جیسا کہ آدتیہ کے عہد کے تینتیسویں سال میں کندہ کرائے گئے ایک کتبے سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اس راجہ کی شادی ایک پلّو شہزادی سے ہوئی تھی۔ کتبے میں درج ہے کہ چولا مہارانی کی والدہ ایک "کاڈوپتیل" تھی۔ آدتیہ کے عہد کے ستائیسویں برس کی ایک تحریر میں وکورنیار (راشٹر کوٹا راجہ کرشنا دوم) کی ایک بیٹی النگون پچی کو آدتیہ کی سب سے بڑی رانی بتایا گیا ہے۔ (۲۳-الف) "نیاکم" سے دستیاب ہوئی ایک اور یادداشت میں ذکر آیا ہے کہ پلّو تلک نسل کے راجہ بندی پوتریار کی مہارانی اڈیگل کنڈن مارمبادئی نے مقامی مندر کے واسطے چند مخصوص مقاصد کے لیے کچھ رقم منظور کی تھی۔ راج کیسری (آدتیہ اوّل) کے عہد کے اٹھارھویں سال میں اس خاتون نے اسی مقام کے "پڈاری" مندر کو کچھ اور عطیہ دیا تھا۔ اس کے شاہی القاب کے باوجود اس خاتون اور اس کے پلّو شوہر کی شناخت قدرے مشکوک ہی رہی ہے۔

کونگو کی تسخیر

"کونگو دیش راجکل" نامی تصنیف سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ تنجاوور تیم کے مقام پر اپنی تاجپوشی کے بعد راجہ آدتیہ کونگو دیش میں آیا تھا اور اس کو فتح کر کے اپنی ریاست کے علاوہ اس پر بھی حکومت کرتا رہا۔ اس تصنیف میں یہ بھی درج ہے کہ اس نے تلکاڈ شہر کو بھی فتح کر لیا تھا۔ یہ یادداشت بہت بعد کے زمانے کی ہے اور عام طور پر غیر معتبر ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ بیان بظاہر درست معلوم ہوتا ہے۔ البتہ ایک بات ہے کہ پرانتکا کی یادگاریں گو کونگو دیش میں ملتی ہیں لیکن وہ اسے فتح کرنے کا دعوے دار نہیں ہے۔ اس کے ایک ایسے افسر کا ذکر ملتا ہے جو اس کے عہد کے ابتدائی حصے میں کونگو دیش میں مندروں کے معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ لہٰذا یہ قیاس کرنا صحیح ہوگا کہ آدتیہ نے کونگو دیش فتح کر لیا تھا۔ تلکاڈ کے ذکر سے

ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ آدتیہ نے اس خطے کو مغربی گنگا خاندان سے حاصل کیا تھا۔ یہ کوئی ناممکن بات نہیں تھی اور ہم یہ تو دیکھ ہی چکے ہیں کہ پرتھوی پتی دوم نے بھی آدتیہ کے اقتدارِ اعلا کا اعتراف کیا تھا۔ قریب قریب انھیں دنوں میں کونگو دیش میں جنگ آزمائی کا دعوا پانڈیا تاجدار شری پرانتکا ویر نارائن نے بھی کیا ہے۔ آدتیہ نے کانگو علاقے کا کچھ حصہ[۴۷] اسی سے حاصل کیا ہوگا۔ "ان پل" کی تختیوں سے بھی جن میں درج ہے کہ آدتیہ نے دریائے کاویری کے کنارے سہادری سے سمندر تک مندر بنوا دیے تھے، کونگو راجاؤں کی تاریخ کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے۔

چیر راجاؤں کے ساتھ تعلقات

"تلائی ستھانم" کے ایک کتبے سے جس پر تاریخ درج نہیں ہے[۴۸] پتہ چلتا ہے کہ آدتیہ سے اس کے چیر ہمعصر ستھانو روی کے دوستانہ تعلقات تھے۔ اس کتبے میں کادمبب مادیوی کی جانب سے دیے گئے ایک نذرانے کا اندراج ہے۔ اس عورت کے شوہر وگی اتن کو دونوں راجاؤں یعنی چیر اور چولا نے مشترکہ طور پر "تخت، چنور، پالکی، نقارے، محل" پوتکم (؟) شنکھ اور فیل سوار دستے" کے استعمال کی مراعات عطا کی تھیں اور موروثی لقب "شیمبین تامل ویل" بھی بخشا تھا۔ یہاں ایک واضح اشارہ ملتا ہے کہ وگی اتن نے، جسے اس طرح اعزاز بخشا گیا تھا، کوئی ایسا امتیازی کارنامہ انجام دیا ہوگا جس سے یہ دونوں راجگان بہت خوش ہوئے ہوں گے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ ایک چیر فوجی جرنیل رہا ہو جسے ستھانو روی نے پانڈیوں کے خلاف راجہ آدتیہ کی کونگو دیش پر چڑھائی کی مہم میں مدد کرنے کے لیے تعینات کیا ہو۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ آدتیہ کے بیٹے پرانتکا نے چیر راجہ کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ اس لیے یہ بعید از قیاس نہیں ہے کہ ان دو قدیم نسلوں کے راجگان کے مابین دوستی کا آغاز چولا حکومت کی کونگو تک توسیع کے ساتھ ہوا ہوگا[۴۹]۔ اس عہد کے ایک گنگا راجہ کے لکھوائے ہوئے کتبے میں پرتھوی پتی کے فرزند وگی ین کا ذکر ملتا ہے[۵۰]۔

عبادت گاہیں

آدتیہ کے تعمیر کروائے ہوئے مندروں کی وثوق کے ساتھ نشاندہی کرنا ممکن نہیں۔ ہمیں

کچھ ایسے پتھر کے مندروں کے بارے میں علم ہے جن کی رسم افتتاح آدتیہ کے بیٹے اور جانشین کے عہد حکومت میں ہوئی۔ ان میں سے بعض کی تعمیر راجہ آدتیہ کے عہد میں شروع ہوئی ہوگی۔

وفات

راجہ آدتیہ کا انتقال ضلع چتور میں کال ہستی کے نزدیک تونڈائیمناڈ کے مقام پر ہوا۔ اس کے جسدِ خاکی کی راکھ پر اس کے دیندار بیٹے پرانتکا نے ایک مندر تعمیر کروایا، جس کا نام "کورنڈرمیشورا" یا "آدتیشیور" رکھا گیا۔[۴۲] اس نے وہاں مخصوص تہواروں پر ایک ہزار آدمیوں کو کھانا کھلانے کا انتظام بھی کیا۔ پرانتکا کے علاوہ آدتیہ کا ایک اور بیٹا بھی تھا جس کا نام کنّر دیو تھا۔[۴۳]

شیو دھرم

یہ بات قابلِ غور ہے کہ وجیالیہ کی نسل کے تمام راجگان کٹر شیو تھے۔ وجیالیہ نے خود بھی تنجاور کو فتح کرنے کے بعد وہاں درگا کا ایک مندر قائم کیا۔ آدتیہ نے شیو جی کے مندر تعمیر کروائے۔ اس کے بیٹے نے اس کی سمادھی پر ایک عبادت گاہ تعمیر کی اور اس میں "لنگ" نصب کیا جو بودھوں کے یادگاری ستوپ بنانے کے رواج کی نقل تھی۔

چولا خاندان کے متعلق خیالی داستانیں

چولا راجاؤں نے اپنا الگ شجرۂ نسب وضع کرنے میں دیر نہیں لگائی اور جلد ہی ان کو سورج دیوتا کی اولاد ثابت کرنے کے لیے ایک فرضی نسب نامہ تیار کر لیا گیا۔ اس نسب نامے میں کچھ چندر ونشی راجاؤں کو بھی شامل کر دیا گیا۔ اس کی سب سے پرانی صورت "انبل" کی تختیوں میں درج ہے جن میں وجیالیہ کے پندرہ پیش رو بزرگوں کا ذکر ہے۔ ان ناموں میں کچھ واقعی تاریخی راجاؤں مثلاً کری کال۔ کلّی اور کوچین گنان کے نام بھی شامل ہیں۔ "تروولنگاڈو" کی تختیوں میں یہ تعداد بڑھا کر چوالیس کر دی گئی ہے۔ کنیاکماری کے کتبات میں دی ہوئی ایک ایسی ہی فہرست باون ناموں پر مشتمل ہے جب کہ لیڈن کے فرمانِ وقف میں صرف ایک درجن نام ہیں۔ ایسے ہی بعض چھوٹے بڑے دوسرے شجروں کا پتہ ادبی تصانیف مثلاً

"کالنگا توپرانی" اور آدٹا کوتن کے "الاؤن" وغیرہ سے چلتا ہے۔ ان میں سے کوئی دو شجرے بھی ایک دوسرے سے متفق نہیں ہیں۔ گو ان تمام شجروں میں کچھ نام اور تفصیلات ضرور مشترک ہیں۔ ایک قدیم چولا نام جس سے خاندان شروع ہوا ہوگا تمام تختیوں میں شامل کیا گیا ہے اور کنیا کماری کے کتبے میں تو جنوبی ہند میں اس بانی خاندان کے وارد ہونے کا واقعہ ایک خوبصورت کہانی کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ اسے جنوب کی سمت ایک راکشش کے تعاقب میں آنا پڑا جس نے ہرن کی شکل اختیار کرلی تھی۔ اس کے کچھ فوجی افسر بھی اس کے پیچھے پیچھے آرہے تھے تب اس نے مذکورہ راکشش کو مار دیا اور دریائے کاویری کے ساتھ ساتھ چلتا رہا جو پانی کی شکل میں اس امرت کو زمین پر لاتا ہے۔ جو دیوتاؤں نے دودھ کے سمندر کو بلو کر حاصل کیا تھا۔ اس کے پانی میں غسل کرکے جب اس نے دان دینے کے لیے برہمنوں کی تلاش کی، تو وہاں اسے کوئی برہمن نہیں ملا۔ لہٰذا اس نے آریہ ورت سے بہت سے اچھے اچھے برہمن بلوائے اور انھیں دریا کے کناروں پر بسا دیا۔ اس کے بعد اس نے جنگل صاف کیے، سپاری کے درخت اور پھلوں کے باغات لگائے اور اس علاقے کو اور ہر طرح سے ترقی دی۔ یہ ہے چولا ریاست کی ابتدا کی عجیب سی سرگذشت جو راجہ ویر راجندر کے درباری شاعر کے تخیل کی رہین منت ہے[۲۳]

چھٹا باب

حاشیے

۱ SII. ii. سلسلہ نمبر ۶۷ ۔ ۷ ، ۱۸ ۔ ۱۹۱۲ کا ۳۳۷ ۔

۲ رنگاچاری ۔ N.A. ۔ سلسلہ نمبر ۵۳۶ ۔ ۳۷ ، EI ۔ ۱۷ ۔ ص ص ۱۸۰ ۔ ۸۳

۳ ۱۹۰۹ کا ۵۷۵ ۔ ایک وجیالیہ چترویدی منگلم کا ذکر ان "برہم دیہ" دیہاتوں میں آیا ہے جن کو اس بات کا پابند کیا گیا تھا کہ راج راجا کے عہد میں تنجور کے مندر کی ملازمت کے لئے آدمی مہیا کریں ۔ (SII ۔ ii ۔ ۶۹ ۔ پیراگراف ۱۲۹) ضلع شمالی ارکاٹ میں وجیالیہ کے چوتھے سال حکومت کے "کلویٹو" (Kalvettu) کے حوالے کے لیے مزید دیکھیے ۱۹۱۵ کا ۱۴۴ (وِکرم چولا ۵) ۔ نارتا ملائی (پڈوکوٹہ ۲۸۲) سے دستیاب شدہ تیرھویں صدی کے پانڈیا راجاؤں کے ایک کتبے میں ایک ایک وجیالیہ چولیشورا مندر کا ذکر آیا ہے ۔ دیکھیے ۱۹۴۳ ۔ ۴۴ کا سلسلہ نمبر ۱۲۵ ، ۱۲۶ جو ترووتی (Tiruvati) ضلع چتور سے ملے ہیں ۔ اگرچہ وجے نگر کے صرف بعد کے کتبوں میں ہی ایک ایسے مندر کا ذکر آتا ہے جس کا نام وجیالیہ کے نام پر رکھا گیا ہے ۔

۴ SII ۔ iii ۔ نمبر ۲۰۵ ، ۷۲ ۔ ۴۵ ۔ ۴۶ ۔ ویر راجندر کے کنیا کماری کے کتبے (TAS ۔ iii ۔ صفحہ ۱۴۲ ، ۷ ۔ ۵۴) میں اس کے متعلق کافی مبالغہ آرائی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ وجیالیہ ہی نے تنجور کی بنیاد رکھی تھی ۔ انبل (Anbil) کی تختیوں میں میدانِ جنگ میں اس کی شجاعت کا ذکر کرتے ہوئے اس کے نام کو دو معنی بنا کر پیش کیا گیا ہے (۷ ۔ ۱۴)

۵ SII ۔ iii ۔ صفحہ ۱۷ ، حاشیہ نمبر ۱۴ ، ET ۷ ، صفحہ ۴۲ ، SII ۔ iii سلسلہ نمبر ۱۱ ۔ اُتم چولا کے عہد حکومت کا معلوم ہوتا ہے ۔ ARE ۱۹۲۹ ، ۱۹۴۳-۴۴ ، ii ۲۰ ۔

۶ ۱۹۲۶ کا ۵۱-ARE ۱۹۲۵-۲۶، II - ۲۴، پراکیسری کے آٹھویں سال حکومت
کا ایک اور کتبہ بھی جس کا عنوان نہیں ہے اور جو دیر چولاپورم کے ۵۰ میل شمالی میں واقع
کاپلور سے ملا ہے، اسی کا ہو سکتا ہے۔ ۱۹۲۸-۲۹ کا ۲۸۲-ARE۔
II ۱۲-MAR-۱۹۰۹- پیراگراف ۲۸ میں میسور کے خطے میں کودلور سے دستیاب
شدہ ایک واحد سطر والے ٹکڑے پر قیاساً تبصرہ کیا گیا ہے۔ مزید دیکھیے ARE-۱۹۰۹-
پیراگراف ۲۵- اور ۱۹۱۶- II-۱۷

۷ ۹ - E ۱۹۰۸ کا ۴۲۶- اور ۱۹۰۸ کا ۴۲۹ جو ترودیلی ملائی سے ملے ہیں

۸ EI - viii - صفحہ ۲۶۰

۹ ۱۸۹۴ کا ۱۶۷، EI-iii- صفحہ ۲۷۹

۱۰۔ انبل کی تختیاں (EI-XV) ۷۷-۱۷-۱۸

۱۱ EI-XIX - نمبر ۱۲

۱۲ کے وی سبرامنیا آئر لکھتا ہے: "اگر وجیالیہ اسی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا جو چولا مہارلبو
کماران کش کا خاندان تھا تو یہ بات عین قرین امکان ہے کہ وہ مؤخر الذکر کا پوتا تھا۔"
TAS-iii- صفحہ ۱۰۸۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں نندی ورمن سوم کی ویلوپالیم کی تختیوں
میں کمارن کش کا ذکر وجیاپتی کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ تاہم یہ امر
انتہائی مشکوک ہے کہ وہ اور وجیالیہ، چولا خاندان کی ایک ہی شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔
ملاحظہ ہو پچھلا صفحہ

۱۳ AK - صفحہ ۷۲- اور اس کے بعد کے صفحات

۱۴ EI-XIII - صفحہ ۱۲۴- اور اس کے بعد کے صفحات جن میں عارضی طور پر ان کتبوں کو آٹھویں
صدی کے پہلے نصف حصے سے وابستہ کیا گیا ہے؛ (صفحہ ۱۳۶) ان صفحات میں مذکور مندرجہ
ذیل الفاظ کو خصوصی طور پر نوٹ کیجیے:- تنجائی ترم پاڈی نسٹرار، تنجائک کون، تنجائی
نر پوگلالن۔

۱۵ ۱۹۰۵ کا ۶۰۹ (رنگاچاری AMR ۸)۔ بعد کے ایک کتبے (۱۹۱۴ کا ۴۲) میں جو شاکا سمت
۱۲۶۹ کا ہے، اس مقام کا نام پانڈیائی دینکنڈ شولا چترویدی منگلم درج ہے۔ یہ ورگن
ورمن کی شکست کا حوالہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے خلاف دیکھیے رنگاچاری صفحہ ۱۸۵۔

۱۶ پردونیا کا ۱۹۱۲ کا نمبر ۲۴۳ کتبہ (رنگا چاری ۲۲۶) جس میں چولا راجہ کا ذکر آیا ہے
اتنا بے ربط اور ٹکڑوں میں بٹا ہوا ہے کہ اس سے متعلقہ عہد کے سیاسی تعلقات پر کوئی
روشنی نہیں پڑتی۔ اس کے خلاف دیکھیے ڈبریل کی تصنیف "پلّواز"
صفحہ ۸۲۔ ٹی اے گوپی ناتھ راؤ لکھتا ہے (ملاحظہ ہو E I XVII۔
صفحہ ۴۹) کہ دوسرے کتبوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ راجا آدتیہ اور پانڈیا حکمران ورگن
نے پلّو راجہ نرپتنگا ورمن کے خلاف پیش قدمی
کی، اسے شکست دی اور موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ پلّو راجہ اپراجت ورمن کے
نام سے بھی موسوم تھا۔" اپراجت اور نرپتنگا کو ایک ہی شخص قرار دیے جانے کے
باوجود (جس کا کوئی ثبوت نہیں ہے) یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ جو فوجی مہم اپراجت کا
تختہ الٹنے کے لیے ذمہ دار تھی، اس کا ورگن ورمن کی فوجی مہم سے بھی کوئی تعلق تھا۔
جہاں تک میں مختلف شہادتوں کی بنا پر سمجھ سکا ہوں یہ ایک مختلف جنگی مہم تھی جو
غالباً کچھ سال بعد بھیجی گئی تھی۔ (دیکھیے ڈبریل کی کتاب پلّو، صفحہ ۸۴)
لیکن ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وجیالیہ کے زمانے میں اور آدتیہ اوّل کے عہد حکومت کے ابتدائی
سالوں میں چولوں اور پلّووں کے باہمی تعلقات کے متعلق ہماری رائے قطعی اور آخری
نہیں ہے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ مترئیار، کا نقصان کرکے وجیالیہ
کی عظمت و ترقی کا پانڈیوں اور پلّووں کی باہمی کشاکش سے قطعاً کوئی تعلق نہ ہو۔
اس صورت میں وجیالیہ نے پانڈیا اور پلّو ریاستوں کے درمیانی سرحدی علاقوں
میں انتشار کا فائدہ اٹھایا اور اس کے بیٹے نے بھی شری پورمبیم کے بعد دونوں ریاستوں
کے کمزور ہونے کا پورا فائدہ اٹھایا۔ تاہم دیکھیے .... صفحہ ۸۰۔ حاشیہ ۶۔
اس کے متعلق ایک اور رائے بھی قائم کی جا سکتی ہے۔ چونکہ مترئیار پلّووں کے اتحادی
تھے۔ اس لیے وجیالیہ کے تحت چولوں کو یہ موقع ملا ہوگا کہ پانڈیوں کے ساتھ اشتراک
کریں اور پلّووں کے جُوئے کو اتار پھینکیں۔ اس قیاس کی بنا پر وجیالیہ کی جانب سے
تنجور کی تسخیر ایک ایسا اقدام تھا جو بیک وقت پلّووں کے خلاف جارحیت بھی تھا جس
سے پانڈیوں کو مدد ملتی تھی، اور پلّووں کے غلبے سے چولوں کی آزادی کے دعوا کا ایک
فیصلہ کن اقدام بھی۔ اس مفروضے کی بنیاد پر یہ غیر ممکن نہیں ہے کہ آدتیہ نے ورگن

کی طرف سے شری پورمبتم میں جنگ کی ہو۔ لیکن اس موقعے پر شکست کھانے کے
بعد آدتیہ نے ازسرِنو خود کو اتنا مضبوط بنا لیا کہ بعد میں اس نے اپراجت کا تختہ
الٹ دیا۔ یہ کیسے ممکن ہوا، اس امر کی وضاحت کرنا مشکل ہے اور یہ بتانا بھی آسان
نہیں ہے کہ شری پورامبتم میں اپنی کامیابی کے بعد دوبارہ چولوں پر غلبہ حاصل کرنے
میں اپراجت کیوں ناکام ہوا۔

۱۷۔ ۷، ۱۸۰

۱۸۔ ۷، ۱۹

۱۹۔ ۷، ۵۵

۲۰۔ ۱۹۱۱ کا ۲۸۹

۲۱۔ II، S iii۔ نمبر ۱۴۲

۲۱ الف)۔ ۱۹۲۸-۲۹ کا ۲۷۱، ۲۷۲۔ اور دیکھیے
XIX - صفحات ۱۴۸-۴۹۔ اور پوتدار
تبصرے کی جلد۔ ص ص ۲۹-۳۱

۲۲ ۱۸۹۷ کا ۵۔ I E XIX۔ نمبر ۱۲

۲۳ ۱۹۲۸ کا ۱۹۱

۲۴ - I -)۔ ۱۹۲۰ کا ۱۳، E I - XXVI۔ ص ۲۴۴

۲۴ - ۱۸۹۹ کا ۱۶۔ کرشن شاستری نے چوبیسواں سالِ حکومت بتایا ہے (.II
نمبر ۹۴) لیکن کتاب کے متن سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔

۲۵ ۱۸۹۹ کا ۱۳

۲۶ اپراجت کا مقام بخوبی واضح اور مصدقہ ہے اگرچہ اپنے پیش رو نرپتنگا کے ساتھ
اس کے رشتے کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اس کے کتبوں کے ماخذ کے محدود حلقے کی وضاحت
کی ضرورت ہے۔ یہ بات عجیب سی لگتی ہے کہ شری پورمبتم کے فاتح نے کانچی پورم
کے جنوب میں اپنی کوئی یادگار کتبوں کی شکل میں نہیں چھوڑی۔ غالباً میدانِ جنگ
میں پرتھوی پتی کی موت نے اپراجت کو اپنی ضرورت سے زیادہ طاقتور اتحادی کے
رحم و کرم پر چھوڑ دیا جس نے اپنے تعاون کی قیمت اس طرح وصول کی کر جونی ... ی

تونڈئی منڈلم کو اپنے قبضے میں لے لیا اور پلوّوں کی تباہی کو مکمل کرنے کے لیے پھر اس
نے اگلے موقعے کا انتخاب کیا۔

یہ ممکن ہے کہ مازمبا دئی (تیلاڑو کے راجہ نندی سوم کی
رانی ہو۔ اس راجہ کا عہد حکومت ۸۶۰ء تک رہا۔ قدیم ترین چولا کتبہ جس میں اس
رانی کا ذکر آتا ہے۔ راج کیسری کے اٹھارہویں سالِ حکومت ۸۸۹ء کا ہے۔
اس کا ذکر راجہ نرپتنگا کے دو کتبات میں بھی آتا ہے۔ یہ دونوں کتبے ضلع تنجور سے
ملے ہیں (۱۹۰۱ کا ۳۰۰۔ اور ۳۰۲)۔ ملاحظہ کیجیے ARE - ۱۹۰۱، پیراگراف ۱۰،
SII - اا ص ۵۱۳۔ حاشیہ

۱۸ ۱۹۰۰ کا ۲۵۸۔ یہ کتبہ راجا کے دسویں سالِ حکومت کا ہے نہ کہ تیسویں سال کا

۱۹ ۱۹۱۱ کا ۲۸۹

۲۱ ARE - ۱۹۱۲ - II ، ۱۱ میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ قدیم دستاویز شناسی کی رو سے
ستھانو روی اور چندر آدتیہ خاندان کا کوکندن روی
) دونوں حقیقت میں ایک ہی شخص تھے (۱۹۱۰
کا ۱۲۸)۔ تلائی ستھانم کے کتبے کے عنوان "پل۔ یائی۔ کوک۔ کنڈن" کا اطلاق
بھی دراصل "تونڈئی۔ ناڈو۔ پاونا۔ شولن" کے جملے کی طرح راج کیسری ہی پر ہوتا
ہے نہ کہ ستھانو روی پر۔ جیسا کہ ARE (ایضاً) سے اندازہ ہوتا ہے "یہ غیر
ممکن نہیں ہے کہ ستھانو روی نے پلوّوں پر فتح پانے اور ان کے علاقے پر قبضہ کرنے
میں آدتیہ کی اچھی خاصی مدد کی ہو اور دکّی انّ نے اس
موقعے پر بطور ایک قابل فوجی جرنیل کے خود کو ممتاز کیا ہو" (ایضاً)۔ اسی پیراگراف
میں ہم اس رائے سے بھی دوچار ہوتے ہیں کہ اپنی بیوی کا ڈب ما دیوی
کی طرح وکّی انّ بھی کرناٹک خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور یہ کہ
وہ کوڈمبالور (پڈوکوٹہ) کا ایک ویلر (؟) سردار تھا

۲۰ ۱۹۱۲ کا ۲۲۲۔ شیمبین مہا بلی
جس کا ذکر اس کتبے میں کیا گیا ہے، پرنتک اول دوم کے علاوہ کوئی اور شخص نہیں تھا۔

۲۱ EI - XV، صفحہ ۵۰

۲۲ ۔ ۱۹۰۶ کا ۲۸۶، نیز ۱۹۰۳ کا ۲۲۰۔ جب کنیا کماری کے کتبے سے ہمیں یہ علم ہوا کہ آدتیہ کا دوسرا نام کودنڈ راما بھی تھا، اس سے قبل جو کودنڈ راما کے نام سے مشہور تھا وہ اس کا پوتا راج آدتیہ تھا۔ لیکن راج آدتیہ اپنے والد کے عہدِ حکومت کے چونتیسویں[۳۴] سال میں ضرور زندہ رہا ہوگا۔ E. I. xviii ۔ صفحات ۲۲-۲۴

۲۳ ۱۸۹۵ کا ۳۸

۲۴ ۷۷، ۲۸-۳۵

۲۵ اس کتبے میں مذکورہ پرانے قصّے کہانیوں پر مفصّل بحث کے لیے دیکھیے TAS ۔ iii۔ نیز تانبے کی تختیوں میں دیے ہوئے قصّے کہانیوں پر بحث کے لیے ملاحظہ ہو S I I ۔ iii۔ تمہید۔ صفحات ۴-۵۔ اور E I ۔ xviii ۔ صفحہ ۲۶۔ اور اس کے آگے کے صفحات

ساتواں باب

راجہ پرانتکا اوّل
(۹۰۷ء تا ۹۵۵ء)

چولا سلطنت کی توسیع

شری پورامبیئم کی لڑائی کے وقت چولا ایک چھوٹی سی جاگیر کے مالک تھے جو تنجور اور اُرائیور پر مشتمل تھی اور وہ غالباً پلّو تاجداروں کے اطاعت گزار تھے۔ لیکن پچیس برس کے اندر اندر وہ ایک زبردست طاقت کے مالک بن گئے۔ ان کی طاقت کی یہ توسیع آدتیہ اوّل کا کارنامہ تھی جو ایک زبردست جنگ جو سورما اور صاحب فراست سیاستداں تھا۔ حالات نے اس کا ساتھ دیا اور اس نے ملے ہوئے موقعوں کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ شری پورامبیئم کی جنگ کے بعد پانڈیا اپنے گھریلو جھگڑوں میں الجھ گئے۔ اس لڑائی کے بعد ہی ورگن کا انتقال ہوگیا اور اس کے جانشیں سری پرانتکا ویر نارائن کو ایک زبردست بغاوت کا مقابلہ کرنا پڑ گیا جو مغرور اگر کی زیر سرگردگی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ شری پورامبیئم کے بعد کچھ سالوں تک پلّو راجہ اپراجیت کے ساتھ آدتیہ کے تعلقات دوستانہ رہے۔ پھر وہ اس کے خلاف ہوگیا اور اس نے اپراجیت کا 'اگر تمام علاقہ نہیں' تو اس کا زیادہ حصہ اس سے چھین لیا۔ ممکن ہے کہ اس کے ہمعصر گنگا خاندان کے راجہ نے اس کی مدد کی ہو اور کچھ غیر واضح تنازعات جن میں بان' وائی دمبا' گنگا اور نولمبا خاندانوں کے حکمرانوں الجھے ہوئے تھے اور جن کا مرکزی واقعہ سورے متی کی لڑائی تھی' بالواسطہ طور پر آدتیہ کی کامیابی میں معاون ہوئے ہوں۔ اپنے عہد کے خاتمے سے پہلے آدتیہ نے کونگو کا خطہ بھی فتح کر لیا تھا اور اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ اس طرح ۹۰۷ء میں اس کے بیٹے پرانتکا کی جانشینی کے وقت چولا ریاست کی حدود میں

شمال میں مدراس اور کال ہستی کے درمیان کا تمام علاقہ شامل ہو چکا تھا، اور جنوب میں یہ حدود دریائے کاویری تک پھیلی ہوئی تھیں البتہ میسور کی سطح مرتفع اور مغربی ساحلی علاقے ان میں شامل نہیں تھے۔ گنگا طاقت کی حیثیت ایک اطاعت گزار اتحادی کی رہی اور میر راجاؤں سے بھی دوستانہ تعلقات قائم رہے۔ پانڈیا طاقت کے ساتھ اولین معرکہ شاید کونگو دیش میں پہلے ہی ہو چکا تھا۔[4]

پرانتکا اوّل

پرانتکا اوّل نے اڑتالیس سال تک حکومت کی۔ کیونکہ اس کے عہد کا سب سے آخری کتبہ اس کے سن جلوس سے اڑتالیسویں سال کا ہے۔[5] اپنی حکومت کے ابتدائی سالوں میں اس نے راشٹرکوٹا راجہ کرشن دوم کی اس کوشش کو ناکام بنا دیا جو اس نے اپنے پڑوتے کنڑدیو کو چولا ریاست کے تخت پر بٹھانے کے لیے کی تھی۔ بعدازاں پرانتکا کے دورِ حکومت کا بیشتر حصہ کامیابی اور خوشحالی کا دور ثابت ہوا۔ پانڈیوں کی آزادی و خودمختاری کا خاتمہ کر کے اور جنوب میں اپنی حدودِ سلطنت کو کنیا کماری تک بڑھا کر اپنے والد کی فتوحات میں اور اضافہ کیا۔ یہاں تک کہ اس نے سری لنکا پر بھی حملہ کر دیا، اگرچہ جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے اس کا حملہ اپنے مقصد میں ناکام رہا۔ دوسری طرف اس نے بان حکمرانوں کو مطیع کیا اور گنگا راجہ ہستی مل نے بھی اس کی اطاعت قبول کر لی۔ اب پلوا اقتدار کی آخری نشانیاں معدوم ہو گئیں اور شمال میں پرانتکا کے زیرِ نگیں علاقہ نیلور تک پھیل گیا۔ لیکن اس کے عہدِ حکومت کے آخری حصے میں شمال مغرب کی جانب سے کرشن سوم نے چولا سلطنت پر زبردست حملہ کیا اور اس جنگ میں پرانتکا کا سب سے بڑا بیٹا راجادتیہ (راج آدتیہ) اپنی جان گنوا بیٹھا۔ پرانتکا خود بھی اس تباہی کے بعد زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکا۔ اس کے بعد تیس برس سے کچھ زیادہ عرصے تک چولا سلطنت پر تاریکی کے بادل چھائے رہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آن پہنچا جب نامور حکمران راج راجہ اوّل کی ۹۸۵ء میں تاجپوشی ہوئی۔

پانڈیوں سے جنگ

پرانتکا نے اپنی تخت نشینی کے بہت جلد بعد پانڈیا ریاست پر حملہ کر دیا تھا۔ اس کے عہدِ حکومت کے تیسرے سال سے ہی مدورائی کونڈا (فاتح مدورائی) کا لقب اس کے نام کے ساتھ منسلک ہو گیا تھا۔ تاہم پانڈیہ ریاست کی تسخیر رفتہ رفتہ ہوتی رہی پانڈیا ریاست کی حدود کے اندر راجہ پرانتکا کا سب سے پُرانا کتبہ، جو اب تک ہمیں دستیاب ہو سکا ہے، اس کے عہدِ حکومت کے چوبیسویں برس کا تحریر کیا ہوا ہے۔ شنمنور اور ادائیندرم کی تختیاں اس بات پر متفق ہیں کہ پانڈیا راجہ راج سمہا ہی تھا جو پرانتکا کے ہاتھوں حکومت سے محروم اور ریاست سے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔

مہاوامسا" میں لکھا ہے:۔[6]

"جن دنوں لنکا کے حکمران (کیشپ پنجم ۹۱۳ء تا ۹۲۳ء) کی منصفانہ حکومت قائم تھی، چولا راجہ نے پانڈو راجہ کو جنگ میں ترغیب دی۔ فوجی امداد حاصل کرنے کے لیے اس نے بہت سے تحائف بھیجے۔ لنکا کے حکمران راجہ نے اپنے افسروں کے ساتھ مشورہ کیا۔ اپنی فوجوں کو مسلح کیا اپنے "سکسیناپتی" کو فوجوں کا سردار مقرر کیا اور خود مہاتیتھ چلا گیا۔ سمندر کے ساحل کے کنارے کھڑے ہو کر اس نے اپنے لشکر کو پچھلے حکمرانوں کی فتوحات کی یاد دلائی اور اس طرح لشکر میں جوش پیدا کر کے اس کو جہاز پر سوار کرایا۔ اس کے بعد سکسیناپتی نے اپنی فوج سمیت سمندر کو سلامتی سے عبور کر لیا اور پانڈو ریاست میں پہنچ گیا۔ جب پانڈو راجہ نے اسے اور اس کی فوج کو دیکھا تو خوش ہو کر کہا "میں تمام جمبودیپ کو ایک ہی چھتر کے نیچے یکجا کر دوں گا۔" راجہ نے دونوں فوجوں کو لے کر مہم آرائی کی لیکن چونکہ سکسیناپتی چولا راجہ کو مغلوب نہیں کر سکا تھا، وہ ایک بار پھر اس کے خلاف مزید نبرد آزمائی کے لیے روانہ ہو گیا۔ اس نے ایک جگہ پر قیام کیا اور طاعون کے عارضے سے مر گیا جس سے پانڈو راجہ کی سب امیدیں خاک میں مل گئیں۔ جب لنکا کے حکمران نے یہ سنا کہ فوج بھی اسی بیماری سے مر رہی ہے تو رحم

کھا کر اس نے اپنے لشکر کو واپس بلا لیا۔"

مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تنازعہ تین مرحلوں سے گذرا۔ پہلے مرحلے میں پانڈیہ راجہ چولا حکمران پرانتکا کے ہاتھوں شکست کھا جاتا ہے۔ دوسرے مرحلے کا آغاز اس کی لنکا کے راجہ سے مدد کی درخواست سے ہوتا ہے اور اختتام اس لڑائی سے ہوتا ہے جس میں پانڈیا اور لنکا کی فوجیں چولا فوج سے شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئیں۔ لنکا کے فوجی کمانڈر کی ایک آخری کوشش بھی طاعون کی وبا کے باعث بیکار ہو گئی۔ جس میں وہ خود موت کا شکار ہو گیا اور جس کے باعث لنکا کی فوجوں کو واپس جانا پڑا۔ کتبات کا جہاں تک تعلق ہے وہ ان تمام واقعات کی تصدیق کرتے ہیں۔ صرف اتنی کمی ہے کہ ان میں سکسینا تہی کی دوسری مہم اور طاعون کی وبا کا ذکر نہیں ملتا۔

"مہاوامسا" کے بیان کے مطابق پہلا مرحلہ بلاشبہ پرانتکا کی حکومت کے ابتدائی سالوں میں مدورائی پر اس کے حملے سے متعلق ہے جو اس کے "مدورانتکا" کا لقب اختیار کرنے کا باعث ہوا۔ جنگ کے دوسرے مرحلے کی ہو بہو منظر کشی پرتھوی پتی کی اودرائینڈرم کی تختیوں میں ۹۲۱-۹۲۲ء میں اس طرح کی گئی ہے:۔

"اس (پرانتکا) کی فوج نے ایک لڑائی میں فتح پا کر پانڈیا راجہ کو مع اس کے ہاتھیوں، گھوڑوں اور پیدل سپاہیوں کے کچل دیا اور ہاتھیوں کا ایک جھنڈ اور مدورائی کا شہر اپنے قبضے میں کر لیا۔ ایک لڑائی میں غلبہ پا کر اس نے کثیر تعداد میں اس فوج کو موت کے گھاٹ اتار دیا جو لنکا کے حکمران نے بھیجی تھی، جس میں بہادر سپاہیوں کی افراط تھی اور جس میں فیل سوار اور گھوڑ سوار دستے بھی شامل تھے۔ ایسا کر کے اس نے دنیا میں "سنگرام راگھور" (رام میدان جنگ میں) کا لقب پا لیا ہے جو پر معنی ہے جب اس نے پانڈیہ راجہ راج سمہا کو شکست دی، تو دو شخصوں کو بیک وقت ایک ہی خوف لاحق تھا۔ دولت کے دیوتا کبیر کو اپنے دوست کی موت کے باعث اور وبھیشن کو چولا حدود سلطنت کے لنکا کے نزدیک پہنچ جانے کے باعث۔"

یہ واقعات ادائیندرم کے فرامین وقف سے چند سال پہلے ہی پیش آئے ہوں گے۔ پرانتکا سے متعلق ایک یادداشت میں تو ہم ۹۲۲ء ہی سے "مدورائیم ایلم کونڈا" کا لقب اس کے نام کے ساتھ دیکھتے ہیں۔[8]

ویلور کی لڑائی

اس کے دورِ حکومت کے بارھویں سال کے دو کتبات میں ویلور کی لڑائی کا واقعہ سرسری طور پر مذکور ہے جس میں چولا تاجدار نے پانڈیا راجہ اور لنکا کی افواج کو شکست دی تھی۔ ایک کتبہ عطیے کی شکل میں پلو ویترنیار کنڈن امدنار کی فتح کی یادگار میں ہے جو اس موقعے پر حاصل ہوئی تھی جب پانڈیا راجہ نے لنکا کے راجہ کی مدد سے ویلور کی لڑائی میں چولا راجہ پر حملہ کیا تھا۔[9] دوسرا کتبہ چار سپاہیوں (شیوکار) کی اعلا کارکردگی کے عوض عطا کی گئی جاگیر کا فرمان ہے جو دیلور میں نشیبی پیرارائین کے حملے میں مارے گئے تھے۔ یہ اس موقعے کی بات ہے جب پانڈیا راجہ اور لنکا کی افواج نے چولا حکمران کے ساتھ گھمسان کی لڑائی لڑی تھی۔[10] یہ بات واضح ہے کہ ویلور میں ایک زبردست اور فیصلہ کن جنگ ہوئی جس میں چولا افواج کو فتح حاصل کرنے کے لیے جان توڑ کر لڑنا پڑا اور اس لڑائی کی یاد اس کے بہادری کے کارناموں کے باعث برسوں تازہ رہی۔ اغلب ہے کہ یہ لڑائی ۹۱۵ء میں لڑی گئی تھی۔

پرانتکا کی دیلور کی فتح نے پانڈیا ریاست کی بتدریج تسخیر اور چولا ریاست میں اس کے شمول کے لیے راہ ہموار کر دی۔ چولا حملے کے سیلاب کو روکنے کی تمام مساعی ناکام ہونے کے باعث مایوس اور بدقسمت راج سمہا اپنی قدیم وراثت کو دشمن کے لیے چھوڑ کر خود بھاگ نکلا۔ راجہ دپولا چہارم کے عہد (۹۲۳ء تا ۹۲۴ء) میں تحریر کردہ حسب ذیل یادداشت "مہاوامسا" میں ملتی ہے:[11]

"اس وقت پانڈو راجہ لے چول حکمران کے خوف سے اپنی ریاست کو خیرباد کہا اور ایک جہاز میں بیٹھ کر مہاتیتھ کی طرف چلا گیا۔ راجہ نے اسے اپنے پاس بلوایا اور جب اسے دیکھا تو بہت مسرور ہوا۔ اس کے لیے ایک کثیر وظیفہ مقرر کر دیا اور شہر سے باہر ایک رہائش گاہ اسے دے دی۔ جب لنکا کے راجہ نے اس ارادے سے فوج کی سنج کیا کہ "میں چولا راجہ سے جنگ

کروں گا اور اس کے دونوں تختِ حکومت اس سے چھین کر پانڈیہ راجہ کو دے دوں گا" تو اس جزیرے کے امرا بگڑ کھڑے ہوئے اور پانڈو راجہ کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔ اس نے سوچا کہ اب یہاں اس کا قیام بے مصرف ہے۔ لہٰذا وہ اپنا تاج اور دیگر قیمتی اشیا وہیں چھوڑ کر "کیرلوں" کے یہاں چلا گیا۔"

اس واقعے کی تصدیق تروو النگاڈ کی تختیوں میں لکھے ہوئے مندرجہ ذیل اشعار سے بھی ہوتی ہے:

"راجہ پرانتکا کی شجاعت کی آگ سے محصور ہو کر اس کی تپش سرد کرنے کے لیے وہ اپنی ورثے میں ملی ہوئی شاہی ریاست کو خیر باد کہہ کر سمندر میں کود پڑا (لنکا کا قصد کیا)۔"

راج سمہا پھر لنکا سے کیرالا کی جانب روانہ ہو گیا کیونکہ وہاں اس کی ماں واتون مہادوی کا گھر تھا۔ اس زمانے میں چولا راجاؤں کے ساتھ کیرل کے راجاؤں کے سیاسی تعلقات اتنے زیادہ استوار تھے کہ راج سمہا پہلے تو لنکا سے مدد کا طالب ہوا اور کیرل اس وقت گیا جب اس کے لیے اور کوئی چارہ نہ رہا۔ پھر بھی وہ اپنا تاج اور دیگر بیش قیمت اشیا لنکا میں ہی چھوڑ آیا۔ "مہاوامسا" کے بتائے ہوئے سنین کے مطابق راج سمہا کے فرار کی تاریخ راجہ پرانتکا کے عہد کے سولہواں اور تیسویں برس کے درمیان متعین ہو سکتی ہے۔

لنکا کی لڑائی

نو تسخیر علاقے کو مکمل طور پر مطیع کرنے میں راجہ پرانتکا کو کئی برس لگ گئے اور جب اس نے محسوس کیا کہ اس کا کام تکمیل کے قریب ہے تو اس نے اپنی اس کامیابی کا جشن مدورائی میں تاجپوشی کی صورت میں منانا چاہا جس میں وہ پانڈیا حکمران کے عہد کے نشانات اختیار کرتا۔ لیکن یہ نشانات راج سمہا اپنے ساتھ لے گیا اور انھیں اس نے لنکا کے راجہ کی تحویل میں چھوڑ دیا تھا۔ پرانتکا نے لنکا کے کاہل اور بے اعتدال راجہ اودئے چہارم کے عہدِ حکومت (۹۴۵ تا ۹۵۳ء) کے دوران میں ان نشانات کو حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔

"اس کی (لنکا کے حکمران کی) کاہلی کی خبر پاکر چولا تاجدار بہت خوش ہوا اور
چونکہ وہ پانڈو ریاست کا تاجدار بننے کی رسم باقاعدہ طور پر ادا کرنا چاہتا تھا
اس نے اپنے قاصد بھیج کر تاج اور دیگر متعلقہ نشانات واپس طلب کیے
جو پانڈو راجہ لنکا میں چھوڑ گیا تھا۔ راجہ نے انھیں واپس نہیں کیا۔ چنانچہ
قوی چولا حکمران نے اپنی فوج کو مسلح کرکے لنکا بھیجا تاکہ وہ بزور ان نشانات
کو لاکر حاضر کرے۔ ان دنوں میں لنکا کا سپہ سالار غیر حاضر تھا کیونکہ وہ ایک
سرحدی صوبے میں بغاوت کرنے کے لیے گیا ہوا تھا۔ راجہ نے اسے واپس
بلوالیا اور جنگ شروع کرنے کے لیے آگے بھیج دیا۔ سپہ سالار روانہ ہوگیا
اور لڑائی چھیڑ دی لیکن خود اس میں مارا گیا اس پر راجہ (اودئے) تاج
اور دیگر اشیا لے کر روہن کی طرف چلا گیا۔ چولا افواج بھی اس طرف
بڑھیں لیکن روہن اس داخلے کا کوئی راستہ نہ پاکر واپس ہوگئیں اور خوف
کے مارے انھوں نے اپنے وطن کا رخ کیا۔"

ان واقعات کی صحیح تاریخ متعین نہیں کی جا سکتی۔ لنکا والوں کا بیان جس میں انھیں
پرانتکا کے عہد کے آخری سالوں کے واقعات بتایا گیا ہے، بلاشبہ صحیح [12] ہے۔ اس کی
اس ناکامی کی اس کے طاقتور جانشین راجندر اوّل نے کئی برس بعد اس کی تلافی کردی۔

پرانتکا کے اتحادی

پانڈیا راجہ کے خلاف مہم آرائی میں کیرل کے حکمرانوں اور کلیلو ور کے "پلو ویتریار"
سرداروں کے علاوہ "کوڈمبالور" کے ویلیر سرداروں نے بھی راجہ پرانتکا کی مدد کی
تھی۔ اس کے بالکل ابتدائی زمانے کی یادداشتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے بیٹوں
میں سے شہزادہ اری کل کیسری کی شادی پہلے ہی کوڈمبلور خاندان کے راجہ تیبتون
انگو ویلار کی بیٹی پودی آدیچ پڈاری سے ہو چکی تھی [13]۔ اسی زمانے میں چولا خاندان
اور کوڈمبلور سرداروں کے مابین قریبی تعلقات کی ایک اور شہادت ضلع ترچناپلی
اور پدوکوٹاہ سے دستیاب شدہ یادداشتوں سے ملتی ہے [14]۔ پانڈیا راج سمہا سے
کوڈمبلور خاندان کی عداوت راج سمہا کے عہد کے سولہویں سال (۹۱۶ء) کے شمنو مرکے

کتبات سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ پرانتکا کے عہد کے اوائل میں چولوں کے ساتھ راج سمہا کے تعلقات کا حال بیان کرتے ہوئے پانڈیا راجاؤں کے لکھوائے ہوئے کتبات بتاتے ہیں کہ راج سمہا نے تنجائی (تنجور) کے حکمران کو "نائی پور" کے مقام پر شکست دی۔ کوڈمبی (کوڈمبلور) میں ایک لڑائی لڑی، جو کہ چولوں کے ایک طاقتور اطاعت گذار راجہ کی راجدھانی تھی۔ اس نے دنجی شہر کو آگ لگا دی، اور جنوبی تنجائی کے حکمران کو "تادل" میں تباہ و غارت کر دیا[19] جو کہ غالباً چولوں کا ایک اور ماتحت سردار تھا۔ پانڈیا کی جانب سے ابتدائی مراحل کا یہ موہوم اور مبالغہ آمیز بیان دو پہلوؤں سے بہت اہم ہے یہ "مہاداسا" اور راجہ پرانتکا کے کتبات سے حاصل شدہ اس خیال کی تصدیق کرتا ہے کہ اس کی جانب سے مدورائی کی تسخیر ایک تدریجی اور دشوار مہم تھی جس کی خاطر بہت سی لڑائیاں لڑی گئیں اور جس میں کافی سال لگ گئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان تنازعات میں کون سی طاقت کس کے ساتھ تھی اور اس خیال کی بھی تائید ہوتی ہے کہ چیرا اور کوڈمبالور سرداروں کا چولوں کے ساتھ اتحاد تھا[20] اور وہ ان کی جانب سے لڑائی میں شریک ہوئے تھے۔

دیگر لڑائیاں

راجہ پرانتکا نے پانڈیوں کے خلاف جو جنگیں لڑیں ان کے درمیانی وقفے دیگر علاقوں میں اپنی طاقت بڑھانے میں صرف کیے۔ اس کے عہد کے نویں برس کی شولنگور کی چٹان کی تحریر میں[21] یہ ذکر آتا ہے کہ راجہ پرانتکا کی جانب سے گنگا راجہ پرتھوی پتی دوم کو "باناادھیراجا" کا خطاب دیا گیا تھا اور اس نے ایک لڑائی میں "جودلال" کے مقام پر ہوئی امتیازی شہرت حاصل کی تھی۔ پرتھوی پتی کے عہد کی ادئیندرم کی تختیوں میں درج[22] ہے کہ راجہ پرانتکا نے دو "بان" حکمرانوں کا خاتمہ کر دیا اور "ویڈمبوں" کو فتح کر لیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ پرانتکا کے عہد کے ابتدائی سالوں میں راشٹر کوٹا راجہ کرشن دوم نے پرانتکا کو معزول کر کے اپنے نواسے کنڑ دیو کو چولا تخت پر بٹھانے کی کوشش کی۔ اس نے شمال مغرب سے چولا ریاست پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں اس کے ساتھ اس کے باجگزار "بان" حکمرانوں کی فوجیں بھی شامل ہو گئیں۔ ادھر پرانتکا کی مدد اس کے اطاعت گزار

گنگا راجہ پرتھوی پتی دوم نے کی۔ ولّال کے مقام پر ۱۱-۹۱۰ء میں ایک فیصلہ کن معرکہ ہوا۔ یہ مقام جہاں آجکل ترودتم ہے وہاں واقع تھا۔ کرشن دوم اور اس کے اتحادیوں کو زبردست شکست ہوئی اور ویر راجندر کے عہد کا کتبہ واضح طور پر اس بات کی تائید کرتا ہے کہ پرانتکا کو "ویر چولا" کا لقب "ناقابل تسخیر" کرشن راجا پر فتح پانے کے باعث حاصل ہوا[۲۳]۔ اس طرح کرشن کی کوشش رائیگاں ہوئی۔ پرانتکا کا تخت و تاج محفوظ ہو گیا اور آخر اس نے بان حکمران اور کرشن کے دوسرے اتحادیوں کو اس کی چھیڑی ہوئی لڑائی میں شریک ہونے کی سزا دی۔

بان حکمرانوں کا خاندان ایک قدیم خاندان تھا جس نے دو صدیوں سے کچھ زائد عرصہ تک اس خطے پر حکومت کی جو "پیرم بان پاڑی" یعنی عظیم بان ریاست کہلاتا تھا[۲۴]۔ یہ خطہ پالار کے شمال میں تھا اور پچھم طرف پنگنور اور پورب طرف کال ہستی کے درمیانی رقبے پر مشتمل تھا۔ یہ باور کرنے کے لیے معقول وجوہ ہیں کہ اس سے پہلے وہ شمال سمت میں اور بھی علاقے پر حکمران رہے تھے اور انھیں باداحی کے چالوکیہ خاندان کے زمانۂ عروج میں جنوب کی طرف ہٹنا پڑا تھا۔ خود مختار راجاؤں کی حیثیت سے اپنے آخری دور میں ان کا دارالخلافہ پیرلوی تھا[۲۵] جس کا ذکر سب سے پہلے سولنگور کے کتبات میں آیا ہے اور جو غالباً ضلع اننت پور کے ہندو پور تعلقہ میں واقع موجودہ "پرگی" کا قصبہ رہا ہوگا۔ اس خاندان کا آخری حکمران وکر مادتیہ سوم وجے باہو تھا جو کرشن راجہ کا عزیز دوست بتایا جاتا ہے۔ یہ کرشن راجا بلاشبہ اس کا قومی راشٹر کٹا ہمسایہ کرشن سوم تھا۔ ان تاریخی واقعات کا واضح الفاظ میں کہیں بھی ذکر نہیں ہے لیکن جو تاریخیں خوش قسمتی سے کتبات میں واضح طور سے درج ہیں ان کے مطالعہ سے ان کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔

بان حکمرانوں کے خلاف جنگیں

شولنگور کے کتبے کے مطابق ہستی مل کو "بانا دھیراج" کا خطاب راجہ پرانتکا کی جانب سے ۹۱۶ء میں عطا کیا گیا تھا۔ ۹۰۹ء تک بان علاقے پر وجے آدتیہ دوم پربھا میرو کی خود مختار حکومت تھی[۲۶]۔ پرانتکا نے بانوں کو چھ سات برس کے درمیانی وقفے میں مطیع کیا ہوگا۔ اداتنیدم کی تحقیقوں سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ وجے آدتیہ

پربھا میر دکا پڑپوتا راشٹر کوٹا کرشن راجہ سوم کا دوست تھا۔ درمیانی وقفے میں دو اور بان راجہ ہوئے دِکرمادتیہ دوم اور وجے آدتیہ سوم پگلوی پورگنڈا۔ اگر ہم اس امر کو بلحوظِ خاطر رکھیں کہ راشٹر کٹا راجہ کرشن سوم کا عہدِ حکومت ۹۴۰ء سے زیادہ عرصہ قبل شروع نہیں ہوسکتا تھا' تو یہ قیاس کرنا صحیح ہوگا کہ وہ دونوں بان راجہ جنھیں پرانتکا نے سلطنت سے محروم کرکے راشٹر کٹوں کی ریاست میں پناہ لینے پر مجبور کردیا تھا یہی دکرمادتیہ دوم اور وجے آدتیہ سوم تھے۔ پرتھوی پتی دوم کا "بان ادھیراج" کا لقب ایک خالی نام ہی نہیں تھا بلکہ یہ کچھ برسوں تک بان سلطنت پر اس کے اقتدارِ اعلا مظہر تھا۔ بانوں کی یہ بیخ کنی ہی جس کا اعلان اِس سے فائدہ اٹھانے والے گنگا حکمران نے کمال غرور و نخوت سے کیا تھا' چولا ریاست پر کرشن سوم کے حملے کا محرک بنی اور جو چولوں کے لیے اس قدر تباہ کن ثابت ہوئی۔

وئیڈمبوں کے خلاف لڑائیاں

وئیڈمبوں کے خلاف جنگ دراصل بانوں کے خلاف مہم آرائی ہی کا حصہ تھی یا کم از کم اس سے گہرا تعلق رکھتی تھی۔ یہ ایک تیلگو خاندان تھا جس نے تیلگو اور کنڑ زبانوں میں اپنے پیچھے بعض یادداشتیں چھوڑی ہیں۔ ان کے دعوے کے مطابق نویں صدی عیسوی میں ریناندو...۷ کا علاقہ ان کی عملداری تھا۔ ان کے کتبات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ۸۵۰ء کی سوری متی کی جنگ میں انھوں نے نولمبا اور گنگا حکمرانوں کے خلاف بان راجاؤں کی مدد کی تھی۔ بان راجاؤں کے ساتھ ان کا یہ اتحاد یا بہ الفاظ دیگر ان کی اطاعت گزاری اس زمانے تک جاری رہی جب پرانتکا اور بان حکمرانوں کے مابین جنگ ہوئی۔ پرانتکا کے مخالفوں کی واضح طور پر شناخت کے لیے ہمارے پاس براہ راست کوئی ذرائع موجود نہیں۔ ضلع جنوبی ارکاٹ سے ملنے والی کچھ یادداشتوں میں جو کنڑ دیو (کرشن سوم) کے زمانے کی ہیں[۲۷] ویڈمبا مہاراجہ ستندا این تروداین اور ترزوداین شری کنٹھا کا ذکر ملتا ہے۔ ویڈمبوں کا وہ راجہ جسے ۹۱۵ء کے لگ بھگ پرانتکا نے مطیع کیا یا تو خود ستنداین ترزوداین ہوگا یا اس کا پیش رو۔ بانوں کی مانند وئیڈمبوں کو بھی چولوں کی یورش سے بچنے کے لیے راشٹر کوٹا راجاؤں کے پاس پناہ لینی پڑی۔

بعد کے زمانے میں راج راجا اور راجندر کے زیر سایہ چولا سلطنت کو دوبارہ عروج حاصل ہوا تو تردوائن کے بیٹے اور پوتے نے چولوں کے اطاعت گذاروں کی حیثیت قبول کر لی۔[48]

شیت پلی ناڈو

تردوور نیور کے دو کتبات میں ضلع نیلور میں بھیجی گئی ایک مہم کا بہت سرسری سا ذکر آتا ہے۔ راجہ پرانتکا کے ایک افسر ماڑن پرمیشورن نے جو شرو کلتور کا باشندہ تھا شیتپلی کا تختہ الٹ دیا اور نیلور کو برباد کر دیا۔ جنوب کی طرف واپس آتے ہوئے اس نے بھگوان مہادیو کا شکریہ ادا کرنے کے لیے تردوور لور میں قیام کیا۔ یہ شکرانہ زمین کے ایک عطیے کی صورت میں دیا گیا تھا۔ اس زمین کو چار سال بعد لگان سے بھی مستثنیٰ کر دیا گیا۔ اصل عطیہ پرانتکا کی حکومت کے چونتیسویں[44] برس (۹۴۱ء) میں دیا گیا تھا۔ یہ فوجی مہم غالباً دینگی کے حکمران چالوکیہ بھیم دوم کی طاقت ختم کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی۔ شیت پلی مشرقی چالوکیہ سلطنت کے جنوبی خطے میں واقع ایک ضلع تھا۔[49] اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ تردوور لور کے شمال کی جانب مشرقی ساحلی خطے میں پرانتکا کے کتبات دستیاب نہیں ہوئے، یہ بھی غیر یقینی سا لگتا ہے کہ مذکورہ مہم سے کوئی مستقل نتائج برآمد ہوئے ہوں گے۔

مشکلات میں اضافہ

تقریباً ۹۴۰ء سے پرانتکا کو اپنی سلطنت کے دفاع میں کئی مقامات پر مشکلات کا احساس ہوا۔ پچاس سال سے بھی کم عرصے میں ایک معمولی سا راجواڑہ ہمسایہ ریاستوں کو ملیامیٹ کر کے ایک وسیع سلطنت بن چکا تھا۔ جس سرعت کے ساتھ اس سلطنت کی توسیع ہوئی تھی اس میں خطرہ مضمر تھا۔ جن شاہی خاندانوں کو تخت و تاج سے محروم کیا گیا تھا ان سب سے مزید جدوجہد کے بغیر ہار مان لینے کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی اور نہ یہ قرین قیاس تھا کہ راشٹر کوٹا اور مشرقی چالوکیہ جیسی دوسری طاقتیں چولا اقتدار کے عروج کو تشویش کی نگاہ سے نہ دیکھتیں۔ ہم یہ پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ ۹۴۵ء

کے کچھ عرصہ بعد پرانتکا کو لنکا میں شکست ہوئی اور وہ لنکا کے راجہ ادئے چہارم سے پانڈیا راجہ کا تاج واپس لینے میں ناکام رہا۔ اب ہم دوسرے مقامات پر وقوع پذیر ہونے والے چند واقعات کا ذکر کریں گے جو راجہ پرانتکا کی لنکا میں لڑائی سے دست کشی اور اپنی ناکامی پر قناعت کرنے کے بہت حد تک باعث ہوئے۔

پرتھوی پتی کی وفات

پرانتکا اوّل کے معتمد دوست و باجگذار گنگا راجہ پرتھوی پتی دوم کی وفات تقریباً ۹۴۰ء میں ہوئی[۱۱] اور اسی وقت سے اس کی مشکلات کا آغاز ہوا۔ پرتھوی پتی نے کوئی بیٹا نہیں چھوڑا کیونکہ وِکّی یان اس کی وفات سے قبل ہی مرچکا تھا[۱۲]۔ گنگا ریاست میں اقتدار اعلا کا مالک اب بُھوتوگا دوم ہی رہ گیا تھا جس کی شادی راشٹر کُٹا خاندان کی ایک شہزادی ریوکا سے ہوئی تھی جو راجہ کرشن سوم کی بہن تھی۔ اس شخص نے ایک سے جو اس کے تخت پر قابض ہوگیا تھا، بادشاہت کی بازیابی کے لیے کرشن سوم کی مدد کی تھی۔ اپنے بڑے بھائی راجمّل کو قتل کرکے اس نے پہلے ہی ٹھکانے لگا دیا تھا اور اس کے ملک پر قبضہ کرلیا تھا[۱۳]۔ بان اور وئیڈمب راجگان پہلے ہی کرشن سوم کے حمایتی تھے اور طاقتور چولا راجہ کے خلاف اپنے دفاع کے لیے اس کی دست گیری کے طالب تھے۔ کرشن کی نوجوانی کا زمانہ تھا اور وہ ابھی ابھی اندرونی ملک اپنے حریفوں سے مقابلہ کرکے انھیں دبانے میں کامیاب ہوا تھا۔ اس لیے اسے بھی موقع ملنے پر جنوب کی جانب پیش قدمی کرنے میں کوئی تامّل نہ تھا[۱۴]۔

راجادتیہ

بہت ممکن ہے کہ پرتھوی پتی کی زندگی ہی میں راجہ کرشن کے راشٹر کوٹا گدی پر بیٹھنے سے پہلے مستقبل میں پیش آنے والے یہ حالات منعکس ہوچکے ہوں۔ ضلع شمالی ارکاٹ سے دستیاب شدہ ایک یادداشت[۱۵] ایک ایسے بہادر کی موت کی یادگار میں لکھی گئی ہے۔ جو ۹۳۶ء میں مغربی گنگا خاندان کے راجہ پر وماڈیگل کی جانب سے مویشیوں کے اغوا کے لیے حملے میں مارا گیا تھا۔ یہ واقعہ آنے والے طوفان کا ایک پیش خیمہ تھا۔

ترومیائی پادی میں

اس بات کو ثابت کرنے کے لیے شہادتیں موجود ہیں کہ انھیں دنوں میں راجہ پرانتکا کا سب سے بڑا بیٹا راجادتیہ ایک کثیر فوج کے ساتھ اس ضلع میں مقیم تھا[۱۵] جو کتبات اور تصانیف میں "ترومنائی پادی ناڈو" کے نام سے مذکور ہے۔ اس کی فوج میں ایک فیل سوار دستہ اور کچھ گھوڑ سوار بھی شامل تھے۔ اس کا ایک جرنیل ویلنگو مُرن جو کیرل کا رہنے والا تھا، ۹۳۶ء ہی سے گرامم میں موجود تھا[۱۶] جہاں سات برس بعد اس نے پینار ندی کے کنارے شیو جی کا ایک پتھر کا مندر تعمیر کروایا[۱۷] گرامم کے نزدیک تردناو لُور نامی ایک گاؤں جو تقریباً ۱۱۴۰ء تک راجادتیہ پورم کے نام سے موسوم رہا۔ بہت برسوں تک راجادتیہ کی جائے سکونت رہا۔ اسی خطے میں لگ بھگ اسی زمانے میں راجادتیہ کا چھوٹا بھائی اریکل کیسری[۱۸] اس کی مدد کر رہا تھا۔

پرانتکا کی پالیسی

یہ بات واضح ہے کہ پرانتکا بانوں اور ویڈمبوں کے خلاف اپنی جارحانہ پالیسی کے ردِ عمل سے غافل نہیں تھا اور پرتھوی پتی دوم کی وفادارانہ امداد سے بھی اسے کافی امیدیں تھیں، تاہم اس نے ہر بات کے لیے اسی پر انحصار نہیں کیا۔ بلکہ کسی بھی ہنگامی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے انتظامات بھی مکمل رکھے۔

کرشن کے حملے کی تاریخ کا تعین

چولوں کے خلاف کرشن کی مہم کی تاریخ کے تعین میں مؤرخین میں کافی اختلاف رہا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ اس تاریخ کا صحیح تعین نہ ہو سکتا ہو۔ شولاپورم کے کتبے[۱۹] میں یہ تاریخ تین مختلف طریقوں سے دی گئی ہے۔ اس کتبہ پر جس پر شاکا سمت ۸۷۱ (۹۴۹ء) کی تاریخ درج ہے ایک اور راجہ کے عہدِ حکومت کے دوسرے برس کی تاریخ بھی درج ہے لیکن اس راجہ کا نام درج نہیں کیا گیا ہے چونکہ کنتڑ دیو کی حکومت کا آغاز ۹۴۰ء کے قریب ہوا[۲۰] مذکورہ دوسرا برس اس کی حکومت کا نہیں ہو سکتا۔ تاہم دینکیتہ کا خیال ہے کہ

بدیہی[44] طور پر یہ یادداشت راشٹرکٹا راجہ کرشن سوم کے وقت کی ہے اور یہ تاریخ غالباً اس کی توندائی ناڈو کی فتح کے دو سال بعد کی ہے۔ لیکن اس قیاس کی تردید خود اس کتبے میں سے ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ اس سال کا ہے جب کرشن سوم توندائمنڈلم میں میں داخل ہوا اور اس کی ریاست میں سے ملنے والے کثیر التعداد کتبات میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ اس نے توندائمنڈلم میں اپنے وارد ہونے کی تاریخ کو اپنے عہد کا آغاز مانا ہو بلکہ ان میں ہمیشہ اس کی تخت نشینی سے منسوب کر کے سالوں کے حوالے دیے گئے ہیں۔ اب واحد صورت یہی رہ جاتی ہے کہ ہلتش کی رائے کے مطابق ہم قیاس کر لیں کہ یہ عبارت راجادتیہ کے دورِ حکومت کی جانب اشارہ کرتی ہے کیونکہ یہ کتبہ بھی ایک ایسے مقام سے ملا ہے جو بطور وائسرائے اس کی حدودِ اختیار کے اندر واقع تھا۔ یہ قیاس صحیح نہیں ہے کہ راجادتیہ نے اپنے والد کی موت کے بعد ہی باقاعدہ حکومت شروع کی تھی اور اپنے نام کے کتبے جاری کرنے شروع کیے تھے کیونکہ چولا کتبات میں یہ عام خصوصیت ہے کہ یکے بعد دیگرے حکمرانوں کی یادداشتوں میں ان کے عہدِ حکومت کے سال اکثر غلط ملط ہو جاتے ہیں۔ ۹۴۸ء تک راجادتیہ ماتحت حیثیت میں اپنے والد کی خدمت ایک درجن سے زائد برس تک کر چکا تھا اور یہ قیاس غلط نہیں ہوگا کہ راجادتیہ کو ۹۴۸ء ہی میں اپنے والد کے شمول میں بادشاہت کے اختیارات سونپ دیے گئے تھے۔[45]

شولاپورم کے کتبے میں جس تیسرے طریقے سے تاریخ درج کی گئی ہے وہ ہے مذکورہ برس کو وہ سال قرار دینا جب چکرورتن کنڑ دیو ولبھن، راجادتیہ کو معزول کر کے توندائمنڈلم میں داخل ہوا۔ یہ امر قرین قیاس ہے کہ یہ کتبہ راج آدتیہ کی موت کے جلد بعد کندہ کروایا گیا تھا جب ابھی تکولم کی لڑائی کے نتائج پوری طرح واضح نہیں ہوئے تھے۔ اس کتبے کی شہادت کے مطابق راجہ کرشن کا کامیاب ۹۔ میں ہوا تھا۔ راجہ بھونگا دوم کے آتکور کے کتبے سے حیرت انگیز طور پر اس تاریخ کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کتبے میں بھی تکولم کی لڑائی کی تاریخ جس میں راجہ بھونگا نے راجادتیہ کو ہلاک کر دیا تھا شاکا سمت ۸۷۲ یعنی ۹۴۹-۵۰ء درج کی گئی ہے[46] خود پرانتکا کے کندہ کروائے ہوئے کتبات سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ ۹۴۸ء کی تاریخ کے حامل اس کے کتبات ضلع جنوبی ارکاٹ اور شمالی ارکاٹ میں ملتے ہیں[47] اور یہ بات قابلِ توجہ ہے

کہ نہ صرف اس تاریخ کے بعد کا اس کا کوئی کتبہ ان اضلاع میں نہیں ملتا بلکہ اس کے سنہ جلوس ۴۳-۴۴ کا بھی کوئی کتبہ دیکھنے میں نہیں آتا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا باعث کوئی سخت حادثہ ہی ہو سکتا ہے جیسے کہ تکولم کا معرکہ۔ اس طرح تمام شہادتیں ایک ہی تاریخ کی نشان دہی کرتی ہیں یعنی ۹۴۹ء جس میں پرانتکا اور کرشن کے مابین جنگ میں ان کی قسمتوں کا فیصلہ ہوا۔

ایک جعلی کتبہ

[۴۸] راجہ کرشن کے عہدِ حکومت کے پانچویں سال کے ایک کتبے میں جو سدھو لنگنڈم (جنوبی ارکاٹ) میں ملا ہے۔ ۹۴۴-۴۵ء ہی میں اس کو "کاچیئم تجائی کنڈا" کا خطاب دیا گیا ہے۔ اس سے کچھ غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں اور بعض مؤرخین نے یہ خیال کیا ہے کہ تونڈائی منڈلم پر راجہ کرشن کا حملہ اور قبضہ تکولم کی لڑائی سے پہلے ہی ہوا تھا۔[۴۹] لیکن اس بات کو باقی شہادتوں سے تطبیق دینے میں ایسی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے جن کو حل نہیں کیا جا سکتا اور ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی غلطی کا شکار ہو گئے ہیں کیونکہ اگر کرشن ۹۴۴-۴۵ء میں تونڈائی منڈلم میں آچکا تھا تو ہم پرانتکا کے کتبات کی ارکاٹ کے اضلاع میں ۹۴۸ء تک موجودگی ۹۴۹ء میں تکولم میں راجادتیہ کی موجودگی اور خود تکولم کی لڑائی کو کیسے ثابت کر سکتے ہیں۔ مزید برآں ہمارے پاس اس کا کیا جواب ہوگا کہ سدھو لنگنڈم کے اس واحد کتبے کو چھوڑ کر شمالی اور جنوبی ارکاٹ کے اضلاع میں راجہ کرشن کا کوئی بھی کتبہ اس کے عہد کے سولہویں سال یعنی ۹۵۶ء سے قبل کا نہیں ملتا۔ ان حالات میں ہمارے لیے کوئی اور چارہ کار نہیں ہے کہ اس کتبے کو کم سے کم اس کی تاریخ کی حد تک جعلی قرار دے کر مسترد کر دیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ "دیاگوہ پدیشور" کے مندر جہاں سے یہ کتبہ ملا ہے کی تجدید راجہ کلوتنگا اوّل کے عہدِ حکومت میں اس کے ایک افسر کے ہاتھوں ہوئی تھی[۵۰] اور یہ اغلب ہے کہ اس قدیم کتبے کی تحریر کے ایک صدی بعد مندر کی نئی دیوار پر اس کی نقل کرنے میں کوئی غلطی ہو گئی ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مشکل اس طرح حل ہو سکتی ہے۔[۵۱]

حملہ

اب ہم راشٹرکٹا حکمران کے تملے سے متعلقہ اصل واقعات کی طرف توجہ کریں گے۔ یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ پرانتکا اس خطرے سے جو اسے اپنی ریاست کے شمال مغرب کی

جانب سے تھا، ہوشیار تھا اور اس نے ابتدا ہی سے ایک قوی سرحدی فوج اُدھر تعینات کرنے کے اقدامات کر لیے تھے جو اس کے دشمنوں کی مخاصمانہ کارروائیوں کا سدِ باب کر سکے معلوم ہوتا ہے کہ پرانتکا کے یہ انتظامات برسوں تک اپنے مقصد کی تکمیل میں کامیاب ثابت ہوئے۔

تکولم کا معرکہ

لیکن ۹۴۹ء میں وہ ٹکراؤ آخر ہو ہی گیا جس کا بہت مدت سے خطرہ چلا آتا تھا اور ایک فیصلہ کن معرکہ شمالی ارکاٹ میں ارکونم سے چھ میل جنوب مشرق کی طرف تکولم کے مقام پر ہوا۔[۵۲] "آتکور" کے کتبے میں بیان کیا گیا ہے کہ کنٹر دیو "تکوتا" کے نام سے موسوم ایک مقام پر موّدی چولا راجا دتیہ سے لوہا لے کر اسے ہلاک کر دینے کے بعد جشنِ فتح منا رہا تھا۔ اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ "جب کنٹر دیو کی چولا راجہ سے لڑائی ہو رہی تھی، بھوتنگا نے چولا راجہ کے ہاتھی کی عماری کو ہی میدانِ جنگ بنا لیا اور راج آدتیہ پر تیر چلا کر اسے ہلاک کر دیا۔"[۵۳] اسی کارنامے کے لیے راجہ کرشن نے اسے بن واسے ۱۲۰۰۰ اور بیل وولا ۳۰۰ کے اضلاع انعام میں دیے۔[۵۳] اس موقع پر جو کچھ ہوا چولا فریق کی جانب سے بھی اس کا بیان کچھ اس سے مختلف نہیں۔ ترووالنگاڈو کے کتبات میں بتایا گیا ہے[۵۴] کہ کرشن راجا کو فتح کرنے کے بعد راجا دتیہ بہشت کو سدھار گیا۔ لیڈن کا مقابلتاً ذرا فرمانِ وقف زیادہ واضح ہے اور اس میں درج ہے:[۵۵]

> "جواں مرد راجا دتیہ جو سورج بنسی خاندان کا زیور تھا اور جس نے میدانِ جنگ میں کرشن راجا اور اس کی افواج کو مختلف اطراف میں پرواز کرنے والے اپنے تیروں سے ہلا کر رکھ دیا تھا، خود اپنے گرانڈیل ہاتھی پر بیٹھا ہوا دشمن کے تیز تیروں کا شکار ہو گیا اور اس طرح تینوں جہانوں سے خراجِ تحسین حاصل کر کے ایک اونچے ومان (فضائی جہاز) میں بہادروں کی جنت میں چلا گیا۔"

اس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ وہاں گھمسان کا رن پڑا تھا اور چولا فوج کو محض اس وجہ سے شکست ہوئی کہ بھوتنگا کے تیر بہدف نے راجا دتیہ کو بُری طرح گھائل کر کے ہلاک کر دیا۔

اور اُس کے بعد

اِس فیصلہ کن لڑائی کے بعد بھی کرشن کی پیش قدمی کے خلاف مزاحمت مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی اور اسے مزید کچھ برسوں تک سخت لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ اس بات کا اندازہ اِس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے عہد کے کتبات اس کی حکومت کے سولہویں سال یعنی ۹۵۶ء سے شروع ہوتے ہیں یا زیادہ اس سے اور پہلے ۹۵۲ء سے۔ شاکا سمت ۸۷۴-۸۷۶ (۹۵۲-۹۵۴ عیسوی) کے جنوبی ارکاٹ سے دستیاب ہونے والے کتبات سے بھی[۵۶] اس قیاس کی تائید ہوتی ہے۔ ان میں کچھ چھوٹے چھوٹے سرداروں کے عطیات درج ہیں لیکن کہیں بھی چولا یا راشٹر کوٹا اقتدار اعلا کو تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ تاہم تکولم کے معرکے کے بعد کے واقعات یقینی طور سے بیان نہیں کیے جا سکتے۔ اس لڑائی کے کئی برس بعد تک کے کوئی بھی کتبات شمالی ارکاٹ جنوبی ارکاٹ اور چنگل پٹ کے اضلاع سے دستیاب نہیں ہوئے۔ البتہ اس خطّے میں راجہ کرشن کے عہدِ حکومت کے سولہویں سے اٹھائیسویں برس تک کے کتبات موجود ہیں۔ "کانچیم تنجائیم کونڈا" کا لقب اختیار کر کے راجہ کرشن نے کانچی پورم اور تنجاوور کی تسخیر کا دعوا کیا۔ سُدی کے جعلی کتبات میں درج[۵۷] ہے کہ بھوتگا نے راجا دتیہ پر فتح پانے کے بعد تنجور۔ نال کوٹ اور متعدد دیگر قلعوں پر یلغار کی اور ان مقامات سے قبضے میں کیے گئے بہت سے ہاتھی۔ گھوڑے اور کثیر مال و خزانہ کرشن راجا کے حوالے کیے۔ کرہاد کا ۹۵۹ عیسوی کا کتبہ جس میں بتایا گیا ہے کہ جنوبی ہند کی اپنی فوجی مہمات کے خاتمے پر بھی کرشن "میلا پاڈی" ضلع شمالی ارکاٹ میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ یہ بھی بتاتا ہے کہ جنوب میں اپنی "دِگ وجے" کے دوران اس نے چولا خاندان کو جڑ سے اکھیڑ دیا۔ ان کے علاقے کو اپنے پیروؤں میں تقسیم کر دیا۔ بہت سے راجاؤں سے خراج وصول کیا جن میں لنکا کا حکمران بھی شامل تھا اور رامیشورم میں اپنی فتح کی یادگار میں ایک ستون تعمیر کیا۔[۵۸] ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ محض لاف زنی ہے یا واقعی جنوبی ریاستوں میں اس کی فتوحات کی روداد ہے۔ راجہ کرشن یا اس کے باجگذاروں کا کوئی بھی کتبہ پانڈیچری کے عرض البلد سے جنوب کی جانب نہیں ملتا[۵۹] تو کیب پوار چورا دم اور اس کے فرزند ویر مہندر

کے کتبات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ چولوں کے خلاف راجہ کرشن کی مہم میں شریک تھے اور انھوں نے مالِ غنیمت میں بھی حصّہ کیا۔ ۶۶-۹۶۵ء کے کتبے میں پول چورا نے خود کو "وا لیے کا نچی" کا لقب دیا ہے اور ایک بغیر تاریخ کے کتبے میں بیان کیا ہے کہ چول ناڈو کی تسخیر سے واپسی پر دیر مہندر نے کولار میں پراؤ ڈالا تھا۔[۵۹-الف]

اثرات

اس بات میں قطعاً شبہ نہیں کہ چولوں پر راجہ کرشن کے حملے کا اثر تباہ کن ثابت ہوا اور شمال کی شکست کے نتیجے میں جنوب کا بھی بہت سا علاقہ پرانتکا کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ چول سامراج معدوم ہوگیا اور اسے پھر شروع سے دوبارہ تعمیر کرنا پڑا۔

پرانتکا کے دورِ حکومت کا اختتام

تنجور کے نواحی علاقے سے دستیاب شدہ صرف چند کتبات سے راجہ پرانتکا کے عہد کے اختتام کی تاریخ معلوم ہوتی ہے اور یہ کتبات اس کی تاجپوشی سے پنتالیسویں یا چھیالیسویں برس کے ہیں۔[۶۰] ضلع چتور کے پنگنور تعلقہ میں واقع و نمالاڈ نے کے ایک کتبے پر کندہ عبارت میں راجہ پرانتکا کے عہد کے اڑتالیسویں برس (۹۵۵ء) کی تاریخ درج ہے۔ اس کے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ یہ راجہ کم از کم اس سال تک ضرور حیات تھا۔ اس کی بہت سی بیویاں تھیں جن میں سے کم از کم گیارہ کے نام کتبات میں درج ملتے ہیں۔ کوکلان
راج آدتیہ کی والدہ کا نام تھا۔ جو کونڈرا ما کے
نام سے بھی موسوم تھا۔ یہ پرانتکا کا سب سے بڑا بیٹا تھا جو تکولم کے معرکے میں کام آیا۔ پرانتکا
کی ایک اور رانی جو ایک کیرل شہزادی اور ارنجیہ کی ماں تھی[۶۱] خصوصی
توجہ کی مستحق ہے۔ کیونکہ اس کی شادی جو غالباً آدتیہ کی حیات ہی میں ہوئی تھی نہ صرف چولوں اور کیرلوں کے مابین دوستانہ سیاسی تعلقات کا ثبوت فراہم کرتی ہے بلکہ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ چولا عمل داری کے اندر ملیالیوں کی ایک کثیر تعداد کے آنے کے لیے راستہ بھی کھل گیا جو راجہ پرانتکا اور اس کے بیٹوں کے زیرِ سایہ ملازمتوں کی تلاش میں آئے تھے۔ راج آدتیہ کا کیرل نژاد جرنیل ویلن گمرن جس نے راجم

میں ایک مندر تعمیر کیا تھا' ان غیر معروف مہاجروں کی کثیر تعداد کی ایک نمایاں مثال ہے
جن کا ذکر اس دور کے کتبات میں چھوٹے چھوٹے عطیات' کے دینے والوں کے طور پر آیا ہے
راجادتیہ کے علاوہ پرانتکا کے چار بیٹے اور تھے. گندھرآدتیہ اریکل
کیسری اتماسٹی اور ارندگائی یا ارن جیہ
جن کا ذکر کتبات میں ملتا ہے۔ اس کی ایک بیٹی ویرمادیوی،
کا ذکر بھی چلتا ہے جو گوونددتوارایار کی مہارانی بھی کہلاتی
تھی اور اغلب ہے کہ اس کی ایک اور بیٹی انوپما ریاست کوڈمبا ذر کے حکمران سے بیاہی
ہوئی تھی. کتبات سے معلوم ہوتا ہے کہ پرانتکا بلند بانگ القابات کا شوقین تھا۔[65] ان
کتبات میں اس کے عہد کے بارھویں اور چودھویں برسوں کے مشہور کتبات میں اعتبار
سے نیز دیگر پہلوؤں سے بھی نمایاں ہیں۔ ان کتبات میں اترامیرور کی سبھا کے آئینی انتظامات
ذکر شامل ہے۔[66] "کرن دئی" کے کتبات میں ملک بھر میں آبپاشی کے لیے نہریں کھدواکر
راجہ کے زراعت کو فروغ دینے کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس نے متعدد "ہم گربھ"
"تلابھار" کیے اور کئی "برہم دیہ"[67] دیئے۔ تردوالنگاڈو کے کتبات میں پرانتکا کو شیوجی کے
چرن کملوں کا طواف کرنے والی شہد کی مکھی کہا گیا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر ن کے کتبات
بھی اس کی تائید کرتے ہیں اس راجہ نے چدامبرم کے شیو مندر کو سونے سے ڈھک دیا
تھا۔ حقیقت میں پرانتکا کا عہد حکومت جنوبی ہند میں مندروں کے فن تعمیر کی تاریخ کا ایک
یادگاری دور تھا۔ اور آدتیہ نے عبادت گاہوں کی تعمیر کا جو کام شروع کیا تھا وہ اس
کے عہد حکومت کے بیشتر حصے میں پوری تندہی سے جاری رکھا گیا تھا۔ مذکورہ کتبات سے
ہمیں مرکزی اور دیہی نظم و نسق اور اس عہد کے مذہبی اعتقادات کے بارے میں بہت
سی دلچسپ اور بیش قیمت تفصیلات بھی ملتی ہیں۔ ان پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔

ساتواں باب

حاشیے

۱ پی کے ایم صفحہ ۸۷

۲ کیا یہ محض ایک اتفاقیہ حادثہ تھا کہ آدتیہ کا پانڈیا خاندان کا ہم عصر پرانتکا ویر نارائن تھا اور آدتیہ کے بیٹے کے نام بھی پرانتکا اور ویر نارائن تھے؟ یا کیا یہ عام رواج تھا کہ آجکل کے برعکس ان دنوں گھرانے کے سب سے بڑے بیٹے کا نام اپنے ننھیال کے نام پر رکھا جاتا تھا؟

۳ ۱۹۱۸ کا ۶۵۴ پینتالیسویں سال کا ہے۔ کرشن شاستری کو پورا یقین ہے کہ ۱۸۹۵ کے نمبر ۱۵ میں چھیالیسویں سال صاف واضح ہے اور ۱۹۲۱-۲۲ کا نمبر ۲۰۰ اڑتالیسویں سال سے منسوب ہے ... ۱۰۱۱ اے ایس رام ناتھ آئر کے مطابق یہ غلطی کتبہ کندہ کرنے والے کی جہالت کی وجہ سے سرزد ہوئی ہے۔ صفحہ ۳۸

۴ ۱۹۰۷ کے نمبر ۲۹ پر دی ہوئی تاریخ صاف واضح نہیں ہے لیکن دیکھیے ۱۹۲۸ کا نمبر ۱۵۷ اور ۱۹۳۱ کا نمبر ۱۱

۵ ۱۹۱۷ کا ۴۴۶۔ ان مہمات کے مطالعے میں تانبے کی تختیوں سے بہت کم مدد ملتی ہے البتہ تروالنگاڈو کی تختیوں سے کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں جن کی تصدیق اس ہم عصر تذکرے سے ہوتی ہے جو گنگا پرتھوی پتی دوم کی ادائیندرم کی تختیوں میں درج ہے۔ پرانتکا کے حجری کتبات اور "مہاوامسا" دونوں ان واقعات کے متعلق خاصی واضح اور معقول معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔

۶ ۷۷-۷۲-۵۳-۷۷، صفحہ ۷۰، اور اس کے آگے کے صفحات

۷ ایس آئی آئی۔ نمبر ۷۶-۷۷، ۹-۱۱

، ۱۹۲۷ کا ۲۳۱، ARE ۱۹۲۷، II۔ ۱۰۔ اوبینکیتا اپنے تصنیف کردہ جنگوں کے حالات اور جدید شہادتوں کے مابین یہ نظریہ پیش کر کے مصالحت کروانے کی ایک کمزور سی کوشش کرتا ہے کہ مذکورہ لقب ویلور، کے معرکے کے بعد اختیار کیا گیا تھا اور اس کا جواز مکمل طور پر بعد میں سامنے آیا۔ علمی قدامت پسندی کی یہ ایک طرفہ مثال ہے۔ مزید مطالعہ فرمائیے S.I.I، iii۔ تمہید۔ ص۔ ۱۱، ۱۹۲۷ کا ۲۲۲ پرانتکا کا نہیں بلکہ راج کیسری کا کتبہ ہے جیسا کہ ARE ۱۹۲۷، ضمیمہ ج (C) میں بتایا گیا ہے۔

۹ ۱۹۲۶ کا ۲۳۱۔ جیسا ARE ۱۹۲۶۔ II۔ ۱۶ میں بتایا گیا ہے پانڈیا کی وفات نہیں ہوئی۔ یہاں ضرور کوئی غلطی ہوئی ہوگی۔ کتبوں میں اصل جملہ یوں لکھا ہوا ہے: "استی گڈی شیدا ناڑو" (

۱۰ [illegible] iii۔ نمبر ۹۹ یہاں ایک اور غلطی ہے۔ لنکا کا راجہ "مہاوامسا" کے مطابق خود میدانِ جنگ میں نہیں آیا۔

۱۱ C۱۔ باب ۵۲۔ ۷۷، صفحہ ۵۔ اور اس کے بعد کے صفحات

۱۲ بظاہر اس کا مفہوم ہے۔ اس کے تازہ فتح کئے ہوئے پانڈیا تخت کے علاوہ اس کا اپنا چولا تخت۔ ملاحظہ ہو جیجر: C۷۔ i۔ صفحہ ۱۷۲۔ حاشیہ نمبر ۱

۱۳ نمبر ۱۵

۱۴ K.P. صفحہ ۷۹

۱۵ C۷۔ باب ۵۲/۷۷۔ ۴۱۔ اور اس کے بعد کے صفحات

۱۶ دیکھیے جیجر۔ C۷۔ i۔ صفحہ ۱۷۶۔ حاشیہ ۴۔ نیز iii۔ ص xx۔ حاشیہ ۱۸۔ اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ وینکیتا کا یہ ثبوت کہ پرانتکا نے اپنے آخری کتبوں سلسلہ نمبر ۹۴۳/۴۴ اور ۹۴۷/۴۸ ہی میں؟ لنکا کا فاتح " کا لقب اپنے نام کے ساتھ شامل کیا ہے' یہاں صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اور جیجر نے اس حملے کی جو تاریخ (۹۴۸ء) صحیح مانی ہے وہ اتنی معتبر اور قابلِ اعتماد نہیں ہے جتنی کہ شروع میں ہلتش کا خیال تھا (دیکھیے ۱۹۲۷ کے نمبر ۲۳۱، ۲۲۲ یعنی پرانتکا کے بالترتیب آٹھویں اور سولھویں برس کے کتبات)۔ "مہاوامسا" میں آگے چل کر بتایا گیا ہے کہ "ادیا" کے ایک نئے سپہ سالار نے چولا حکمران کے

سرحدی علاقے کو تباہ و برباد کر دیا اور اسے دھمکیوں سے مجبور کر دیا کہ وہ جو کچھ مالِ غنیمت لے گیا تھا واپس کر دے۔ یہاں "سرحدی علاقے" سے کیا مراد ہے، یہ کچھ واضح نہیں ہے۔

۱۷ - S.I.I - iii - ۹۶

۱۸ - دیکھیے A.R.E - ۱۹۰۸، II - ۸۴ - اور آگے کے صفحات

۱۹ - S.I.I - iii - صفحہ ۴۴۹

۲۰ - ہمارے پاس صرف ایک ہی کتبہ ہے (۱۹۰۷ کا ۱۲۹ + ۱۴۰: ۱۴۰)، جس کا شروع کا حصہ غائب ہے۔ اس میں لگ بھگ آٹھ پشتوں تک مذکورہ سرداروں کا شجرۂ نسب درج ہے۔ یہ اغلب ہے کہ اس خاندان کی کچھ متوازی شاخیں چل رہی تھیں جن کے متعلق ہنوز ہم کو کچھ معلوم نہیں ہے، لیکن اگر ہم اس کو خارج از امکان قرار دے کر، اس واحد کتبے کے شجرۂ نسب ہی میں سب کتبوں کو سمونے کی کوشش کریں تو ہمیں متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو آسانی سے حل نہیں ہو سکتیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ "تینونَ
النگو ویلار" کا لقب متعدد ادوار اشخاص
بھی اختیار کر سکتے تھے اور مختلف کتبوں میں اس القاب کا بار بار ذکر آنے کی بنا پر ان کو اختیار کرنے والے اشخاص کی شناخت نہیں کی جا سکتی۔ بہر حال اگر پودی دکرم
کیسری آدتیہ دوم کا ہم عصر تھا جسے باور کرنے
کے لیے مضبوط وجوہ موجود ہیں، یعنی اس آدتیہ کا جس نے ویرپانڈین کو قتل کیا تھا، تو یہ ماننا دشوار ہے کہ یہی شخص تینونَ النگو ویلار تھا جس کی بیٹی آدِتچ پڈاری
پرانتکا اوّل کے تیسرے سال حکومت ۹۱۰ء میں اریکل کیسری کی بیوی
بن چکی تھی۔ یہ سردار کلّر کہلاتے تھے (۱۹۲۸ کا ۱۴۰ جو پرانتکا کے سترھویں سالِ حکومت کا کتبہ ہے) اور ستر یا ودل کے ساتھ ان کے خاندانی رشتے تھے (۱۹۰۴
کا ۳۲۷ - ۳۲۵)۔ اڈنگلی نا آیئنا کو "پیریا پرانم" کے
مطابق اسی خاندان کا چشم و چراغ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے خلاف دیکھیے نمبی آندرانمبی

۲۱ E.I - xv - صفحات ۲۲۱ - ۲۵

۲۲ S.I.I - ii - نمبر ۷۶، ۷ - ۹

۲۳ ۷ - ۵۸ - "اجیتم نرادھیایہہ" کا جملہ نوٹ کیجیے۔ نیز دیکھیے E.I - xxvi - صفحات

۲۱۲-۱۴- یہ نیا لقب پرانکلنے اپنے عہد حکومت کے چوتھے برس میں اختیار کیا تھا۔ (۱۹۴۳-۴۴ کا نمبر ۲۲۱)

۲۱ بان راجاؤں کے متعلق دیکھیے EI -۱x - صفحات ۲۲۹ تا ۲۴۰- اور XV III - صفحات ۱ تا ۷- بان راجاؤں کی تعداد بتانے کے لیے میں نے ہلتش کے گوشوارے کی تقلید کی ہے۔

۲۵ پیڑوی اور نندگری کا آخری بان کتبوں میں وہی مقام ہے جو تیلگو چوڈا کتبوں میں اڑائیور اور کاویری کا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ برگی بان ریاست کے تذکرے کے بالکل مطابق ہے کیونکہ یہ آندھرا کے مغرب میں واقع ہے۔

۲۶ ۱۸۹۹ کا ۹۹

۲۷ ۱۹۰۲ کے نمبر ۲۲۵-۲۶۷-۲۶۸ (EI - V III صفحہ ۲۴- اور آگے کے صفحات) اور ۱۹۰۵ کے ۱۶، ۲۴۷- ARE - ۱۹۰۵ - II -

۲۸ ۲۸ - ۱۹۱۲ کے ۱۴۰- اور ۲۲۶- اوّل الذکر S.II - III - ۱۰۸ - ہے۔

۲۹ ARE - ۱۹۱۳ - II - ۱۸، نیز S.II - III - ۱۰۸ (تمہید) میں شیت پلی ایک نجی نام بتایا گیا ہے اور یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ شیت پلی، راجہ بھیم کا سپہ سالار تھا لیکن ۱۹۲۱ کے نمبر ۹۷ (راج کیسری کے نمبر ۶) میں شیت پلی ناڈوا اور پاکی ناڈو کا ذکر آیا ہے۔ موخر الذکر پاک راشٹر کے نام سے بھی مشہور ہے۔

یہ امر مشکوک ہے کہ چالوکیہ راجہ بھیم کی عملداری شیت پلی ناڈو تک پھیلی ہوئی تھی جو رنگنا گری اور گوردور (تعلقہ رپور) کے درمیان میں واقع تھا۔ شاید پرانتکا کی تیلگو چوڈوں کو مطیع کرنے کی یہ ایک کوشش رہی ہو۔ NI - R. ۴۷ (صفحہ ۱۲۶)

۱-۲۴ میں چیڈی پلی ناڈو کا ذکر آیا ہے

ارنجیا کے نیچے باب viii ملاحظہ ہو

۳۱ رنگا چاری کا کہنا ہے کہ پرتھوی پتی راجہ کرشن سوم کا باجگزار بن گیا تھا اور ۹۵۲ء میں بقید حیات تھا۔ (NA - ۵۸۶) یہ کہتے ہوئے وہ ہلتش کے اس انتباہ کو نظر انداز کر گیا ہے کہ اس کتبے میں مذکورہ اگلی مثر ایک مختلف شخص ہے (EI VII - صفحہ ۱۹۵)۔

۳۲ ۱۹۱۲ کا ۲۲۲

۳۳ ۔ رائس کی تصنیف "میسور اور کورگ" صفحہ ۴۸

۳۴ اے ایس رام ناتھ آئر نے یہ دلیل دی ہے (EI ۔ VII xx ۔ صفحات ۲۲۰-۲۵) کہ جب گووندا چہارم کو راشٹر کوٹا تخت سے معزول کیا گیا تو اس نے اپنے خسر پرانتکا اوّل کے پاس جا کر پناہ لی۔ پرانتکا نے گووندا چہارم کو پھر سے تخت پر بٹھانے کی ایک ناکام کوشش کی۔ اس کوشش کا انجام یہ ہوا کہ گووندا کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔ اس کی دلیل کے مطابق چولا ریاست پر کرشن سوم کا حملہ دراصل پرانتکا کی جانب سے گووندا کو مدد دینے کی کوشش کی جوابی کاروائی تھی۔ کیونکہ گووندا کرشن سوم کے والد اموگھ ورش کا دشمن تھا۔ ۱۹۲۱ کے ۲۴۵۔ اور ۲۴۶ سے اس بات کا امکان واضح ہو جاتا ہے کہ پرانتکا کی ایک بیٹی دیرمادیوی واقعی گووندا چہارم کی ایک مہارانی تھی۔ لیکن یہ وجہ اتنی معمولی ہے کہ اس سے اس قیاس کے لیے کوئی جواز نہیں ملتا۔ کرشن کے حملے کا جواز بعض دوسرے وجوہ کی بنا پر بہ آسانی مہیّا کیا جا سکتا ہے

۳۵ ARE - ۱۸۹۶ کا ۱۸۹۶-۱، پیراگراف ۶ ۔ EI ۔ ص ص ۱۷۸-۷۹

۳۶ ASI ۔ ۱۹۰۵ ۔ ۶، صفحہ ۱۸۱ ۔ نیز ۱۹۲۱ کا ۱۸۰ ۔ ARE ۔ ۱۹۲۱، ۲۵

۳۷ - ۱۹۰۵ کا ۷۲۹

۳۸ - ۱۹۰۵ مؤرخہ سنیچر وار ۱۴ جنوری ۹۴۴ کا ۷۲۵

۳۹ - ۱۹۰۲ کا ۳۷۴

۴۰ - ۱۹۰۲ کا ۲۸۰

۴۱ - ۱۹۰۲ کا ۲۲۸، EI ۔ VII۔ صفحہ ۱۹۴

۴۲ - ۱۹۱۲ کے سلسلہ نمبر ۲۲۶ میں اس کی موت کا سال شاکا سمت ۸۸۹ (۹۶۷ء) درج ہے۔ اس بات کا امکان ہے کہ اس نے اپنی حکومت کچھ برس پہلے شروع کی ہو گی۔ تاہم اس کا سب سے قدیم کتبہ ۹۴۰ عیسوی کا ہے۔ غالباً اس کے عہد کے ابتدائی سال اپنے حریف لالئیا کے ساتھ رسہ کشی میں گزرے ہوں گے جو تخت کے حصول کے لیے اس کا مخالف دعویدار تھا۔

۴۳ ASI ۔ ۱۹۰۸ ۔ ۹، صفحہ ۱۲۲ ۔ حاشیہ ۲

۴۴ اس کے خلاف دیکھیے ٹی اے گوپی ناتھ راؤ۔ EI۔ XV۔ X۔ صفحات ۵۱-۵۲-اور EI۔
XVII۔ صفحہ ۲۴۔مزید ملاحظہ کیجیے ARE۔ ۱۹۱۱۔ II۔ ۲۲

۴۵ اگرچہ یہ کوئی بڑی اچھی اصطلاح نہیں ہے' لیکن چونکہ یہ جنوبی ہند کی کتبات شناسی
کے طلبا کے لیے ایک مانوس اصطلاح ہے اس لیے اسے برقرار رکھنا ہوگا۔

۴۶ EI۔ VI۔ صفحہ ۵۱

۴۷ ۱۹۰۳ کا نمبر ۴۱۹۔ ۱۹۰۶ کا ۱۸۴' ۳۱۳ — ۱۹۱۶ کا ۱۳۹

۴۸ ۱۹۰۹ کا ۵۷۵-۱۰۳ اے ایس رام ناتھ آئر نے چولوں اور راشٹرکوٹوں کے باہمی تعلقات
کی خیالی تجدید کے اپنے نظریے کو پیش کرنے میں اس کتبے سے استفادہ کیا ہے EI۔
XXVI۔ صفحہ ۲۲۲-۱۹۴۱-۴۲ کے نمبر ۱۸ کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ ساتویں سال
کا کندہ شدہ ہے لیکن یہ بہت مشکوک بات ہے ARE۔ ۱۹۳۹-۴۰' ۱۹۴۲۔
۴۳' II ۲۲

۴۹ کے وی۔ ایس آئر۔ EI۔ XI' XIX' صفحہ ۱۴۳ - صفحہ ۸۲-اور آگے کے صفحات
ARE-۱۹۲۶' II - ۱۲

۵۰ دیکھیے رنگاچاری کی تصنیف صفحہ ۲۱۷ کے صفحات ۷۸-۱۷۹-نیز ۱۹۷

۵۱ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جہاں کچھ کتبوں میں کنڑدیو ( ) کا لقب
"کچیم۔ تجایَم کونڈا" درج ہے' وہاں بعض دوسرے کتبات میں اس کا ذکر تنہا اس
کے نام ہی سے کیا گیا ہے اور اس میں کوئی امتیازی لقب نام کے ساتھ استعمال
نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ متعلقہ کتبات کے دونوں گروہوں کی تاریخیں اور ماخذ ایک
ہی ہیں اور ان کے مابین قدیم دستاویزات کی شناخت کی بنا پر کوئی فرق نہیں دکھائی
دیتا' اس لیے ان دونوں کو کرشن سوم کے زمانے ہی سے متعلق سمجھنا چاہیے۔

۵۲ EI۔ VI۔ صفحہ ۲۳۱۔ حاشیہ ۲

۵۳ فلیٹ ( ) نے اس اہم کتبے کی تالیف دوبار کی ہے۔ EI۔ III۔ صفحہ ۱۷۱ اور
اس کے آگے کے صفحات' IA۔ VII۔ صفحات ۵۰ تا ۵۷۔ متن میں یہ لکھا ہے: "تھوودڈی۔
چولا راج آدتیا نا میلے (یا) نڈ دکولل۔ دول کا دی کو نڈو دکچیم بجے بٹّو الدّو" (۱۳)
اور کنڑدیوم چولنم کا دُو نڈو ولونگم راجا دتیا نم لبٹو گیے کلن۔ آگی گری (سری)۔ گردو

کادی کونڈ دبن داے پنر چا سرم۔ وغیرہ (۱۱، ۲۰۔۲۱)
دونوں مواقع پر فلیٹ نے دوسرے اقتباس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ اس سے ہلنگا (
کی غداری کا مفہوم پایا جاتا ہے اور ۱۹۱۲ کے سلسلہ نمبر ۱۸۱ پر بحث ۔ ۱۹۱۳۔ ۔
،امیں ایک بالکل بے بنیاد قیاس پیش کیا گیا ہے کہ چترا ان پنڈت نے اپنے آقا اور
دوست راجادتیہ سے غداری کر کے اُسے دشمنوں کے حوالے کر دیا لیکن "بسُوگے یے
کلن آگی" کے جملے کو دراصل "بسُوگے یے کلنا گی" پڑھا جانا چاہیے۔ "بسوگے" اور "کلن"
دونوں الفاظ کے معنی بالترتیب یہ ہیں:۔ سواری کے لیے ہاتھیوں کی پیٹھ پر بندھا ہوا
ہودج۔ اور میدان جنگ۔ پولنگا نے راجادتیہ کے ہاتھی کے ہودج ہی کو میدان جنگ
بنا دیا تھا۔ اس تاویل کی تصدیق چولا کتبوں سے بھی ہوتی ہے۔ لیڈن کے فرمان کبیر
میں لکھا ہے۔" راجادتیں۔ سادیر در وی گل تلکاہ کرشن راجم سسے نم سمکھ شو
بھیاک شو بھیم آجیو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ناکیندر سکندھ۔ درتی و دلیتا ہر دیاہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
دیر لوکن جگا ما" ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ ایک نہایت واضح بیان ہے جس سے راجادتیہ کے
حریف کی طرف سے غداری کے شک وشبہ کی ذرا بھی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ ملاحظہ
ہو ۔۱۹۰۹، صفحات ۲۴۳۔۴۴۔ دیگر کتبوں میں جو کمنا کونم اور ترُونا گیشورم
سے ملے ہیں، یوں لکھا ہے: "وہ راجہ جو ہاتھی کی پیٹھ پر ہی مر گیا"۔ ۱۹۱۲، ۔ ۔
۱۴۔ فلیٹ کی سابقہ غلطی ہی کا اعادہ "کدمب کُلا") میں
پھر کیا گیا ہے (بمبئی ۱۹۲۱) صفحہ ۸۶

۵۴ ۔ ۷۔۵۴

۵۵ صفحات ۲۶۔۲۷، II، ۴۲۔۴۵،

۵۶ ۔ ۱۹۰۲ کے نمبر ۲۲۸۔۲۵۶ (ترُونا ملّور) نیز دیکھیے ۱۹۲۹۔ ۴۰، ۱۹۴۲۔
۴۳، II۔۲۸

۵۷ ؟ E۔ iii۔ صفحات ۱۷۹۔۸۰ نیز مارسمہا ۔ کی کیوز لور کی
تختیاں (۷۹۶۲) ۱۱۔۸۸، اور آگے کے صفحات، ۔۱۹۲۱ صفحات ۱۱۔۲۶

۵۸ ۔ ۔ صفحہ ۲۸۰

۵۹ البیرونی کچھ اس طرح کہتا ہے کہ تنجور کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا

تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چولا تاجدار نے ایک نئی راجدھانی تعمیر کروائی۔ دیکھیے سی دیل
کی کتبات ۔ صفحہ ۱۵۵۔ کیا یہ کرشن راجہ کے
حملوں کے اثرات سے متعلق ایک بعد کا حوالہ ہے یا گنگائی کونڈ شولاپورم میں نئی
راجدھانی کی بنیاد رکھے جانے کے لیے بتائی گئی ایک غلط وجہ ہے؟

۵۹ ۔ الف) — ۔۱۹۱۳ ۱۴

۶۰ ۱۹۱۸ کا نمبر ۲۶۵؛ ۱۸۹۵ کا نمبر ۱۵؛ ۱۹۲۱ کا ۱۲۵۔ کرشنا شاستری کا کہنا ہے (
صفحہ ۲۲۰ حاشیہ) کہ ۱۸۹۵ کے ۱۵ میں ۶ کا ہندسہ پتھر پر صاف درج ہے اور اس
سے متعلق حقیقت کے بارے میں کسی شک کا لازمی طور پر ازالہ ہو جاتا ہے۔ مزید دیکھیے
۱۹۰۸۔۹، ص ۱۲۲۔ حاشیہ نمبر ۱۔ لیڈن کے فرمانِ کبیر (۱۹۰۷) میں واضح
طور پر بیان کیا گیا ہے کہ راجادتیہ نے پرانتکا کی وفات کے بعد حکومت کرنی شروع
کی اس سے آگے کرشن راجہ کے ساتھ راجادتیہ کی لڑائی کا حال بیان کیا گیا ہے میں ہم
عصر حجری کتبات کو ان تختیوں کے مقابلہ میں زیادہ معتبر گواہی سمجھتا ہوں جو نصف
صدی کے ایک انتہائی پُر انتشار دور کے بعد کندہ کی گئی تھیں۔

۶۰ ۔ الف) ۔۱۹۲۱۔۲۲ کا نمبر ۲۰۰؛ ۱۹۲۱-۲۲ - ۱۱ - ۱ - ۷؛ ایس رام ناتھ آئر نے
(صفحہ ۱۰۲۵ اور اس کے آگے کے صفحات میں) دُور از قیاس ممکنات کو
چھوڑتے ہوئے اس طرح بحث کی ہے کہ پرانتکا اوّل نے جنوب میں دیر پانڈیا کے
خلاف لڑتے ہوئے، جس نے چولا حکمران کا سر کاٹ دیا تھا، جنگ میں جان دیدی
اور یہ واقعہ ۹۵۳۔۵۴ عیسوی کا ہے۔ اس کا قیاس یہ ہے کہ دنل دئے
کے کتبے میں جو سالِ حکومت بطور سالِ تحریر درج ہے وہ اس سبب سے
ہے کہ جب یہ کتبہ کندہ کیا گیا تو اس وقت تک چولا حکمران کی وفات کی حالیہ خبر اتنی
دور شمالی خطے تک نہیں پہنچی تھی (صفحہ ۲۸)۔ لیکن اتنی ہی معقولیت کے ساتھ یہ بھی کہا
جا سکتا ہے کہ یہ کتبہ اس بات کا ایک گراں قدر ثبوت ہے کہ اس علاقہ کے لوگوں
نے کرشن راجا کی دخل اندازی کے خلاف مسلسل مزاحمت کی اور وہ پرانتکا کے وفادار
رہے جو اس وقت تک بقیدِ حیات اور حکمران تھا۔

۶۱ ۱۹۰۲ کا ۲۲۵۔ گوپی ناتھ راؤ کا خیال ہے کہ ترِ دولا (،) کی مختور فوا نے

) کی تختیوں میں اس مہارانی اور راجہ پرانتکا کے نام معطیوں میں درج ہیں (۔اا۔ ۱۴۱)۔ لیکن یہ بات مشکوک ہے۔

۶۲ انبل ۔ ! ۲۲-۲۳ !۔ ۔اا۔ صفحہ ۲۸۲ ۔۸۰

۶۳ چیرا حکمران وِجیہ راگ کی بیٹی اروی نیلی ( )ایک دوسری ہے۔ اس نے ترُدودریُور کے مندر میں ایک چراغ جلائے رکھنے کے لیے تیس کلنجُو سونا زان دیا تھا۔

۶۴ ۱۹۲۱ (اکتیسویں سالِ حکومت) کا نمبر ۲۴۵-۴۶

۶۵ ٹی اے گوپی ناتھا راؤ صفحہ ۵۰)۔ ۱۸۹۵ کے سلسلہ نمبر ۔اا کو اپنی رائے کی بنیاد بنائے ہوئے کہتا ہے کہ اس کتبے میں مذکور وکرم شولا النگو ویلار یقیناً راجہ پرانتکا ہی ہوگا۔ اگر یہ صحیح ہے تو پلُووِیتریار کے نام سے اس قیاس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ کتبہ آدتیہ اوّل کا ہے۔ کیونکہ کسی بھی دوسرے راجہ کے کتبے میں پرانتکا کے لیے "النگو ویلار" کا لفظ استعمال نہیں ہوگا۔ پھر ایک بات اور بھی ہے کہ جس کتبے میں پرانتکا کی شادی کا ذکر ہے اور پھر جس میں اس کی موت کا ذکر ہے ان دونوں کے درمیان کم از کم ۸۰ برس کا وقفہ آجاتا ہے ز۲۴۴+ ۲۴۶) جو قطعاً ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ پلُووِیتریار تو کتنے ہی ہوئے ہیں اور "النگو ویلار" ایک ہی چیز نہیں ہے۔ غالباً وِکرم شولا النگو ویلار کسی جاگیردار خاندان کا کوئی معمولی سردار ہوگا۔

۶۶ ملاحظہ ہو ۔ صفحہ ۱۴۶ اور اس کے آگے کے صفحات۔

۶۷ ۔اا۔ ۲۸۲ ۔۷

۶۸ کرن ونی کی تختی ۔۱۸۰: کوئیل پرگند عمر آدتیہ کی تر دِوشی یا تین ناڈم الم کو نڈا ترڑ چینگو رتولن کوئی ویدن شیمبئن پون نندا ...... تلایئم بنتو (۸۰۰)

آٹھواں باب

پرانتکا اوّل کی وفات (۹۵۵ء) سے
راج راجہ اوّل کی تاج پوشی (۹۸۵ء) تک کا زمانہ

تاریخ وار سلسلۂ واقعات اور جانشینی کی ترتیب

راجا پرانتکا کی وفات اور راج راجا اوّل کی تخت نشینی کے درمیان ۳۰ برس کا مختصر وقفہ جو لاتاریخ کے سفر کی مشکل ترین منزلوں میں سے ایک ہے اس سے متعلقہ شہادت کسی واضح بات کی طرف اشارہ نہیں کرتی اور اس کی تشریح کوئی دو عالم ایک سی نہیں کرتے۔ لہٰذا تمام امکانات پر مکمل بحث کیے بغیر راجاؤں کی سلسلہ وار جانشینی کی تاریخ پیش نہیں کی جا سکتی۔

کتبات

جو شہادتیں موجود ہیں اُن کی نوعیت کو کچھ تفصیل کے ساتھ بیان کر کے ہم اس بحث کا آغاز کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں ہماری معلومات کا اہم ترین ماخذ حجری کتبات ہیں اور ان میں سے بہت سے کتبات ایسے ہیں جو یقیناً زیر بحث زمانے سے ہی تعلق رکھتے ہیں[1]۔ ان یادداشتوں کے پہلے زمرے میں کنّردیو (راجہ کرشن سوم) کے عہد کے وہ کتبات آجاتے ہیں جن پر اس کی تخت نشینی کے تیئسویں[2] سال کے بعد کی تاریخ درج ہے اور جو شمالی اسکاٹ اور چنگل پٹ کے اضلاع سے دستیاب ہوئے ہیں۔ اُن میں سب سے آخری تاریخ اس کی تخت نشینی کے اٹھائیسویں برس کی ہے یعنی ۹۶۵ عیسوی کی[3]۔

مدورائی کونڈاراج کیسری

مذکورہ عہد کے باقی ماندہ حجری کتبات میں سے بہت سے مدورائی کونڈاراج کیسری کے ہیں اور اس کی تاجپوشی کے ۵ برس بعد سے لے کر ستّرہ برس بعد تک کے درمیانی عرصہ کے کندہ کروائے ہوئے ہیں۔

سُندرا کے کتبات

ان میں سے چار کتبات سندر چولا راجہ کے تحریر کروائے ہوئے ہیں جن میں اسے "مدھو رانتکا" اور پانڈیا تا پچ چورم ارکنا کے القاب سے یاد کیا گیا ہے۔ دو پر اس کی تاجپوشی کے بعد کی پانچویں اور ساتویں سال کی تاریخیں درج ہیں اور باقی ماندہ دو کی تاریخیں معدوم ہیں۔

ویرپانڈین تلئی کونڈا پرا کیسری کے کتبات

تاجپوشی کے دوسرے اور پانچویں سال کے درمیانی عرصے کے کتبات کی ایک خاصی تعداد پرا کیسری کی دین ہے جس نے پانڈین تلئی کونڈا کا لقب اختیار کر رکھا تھا اور اس سے کہیں زیادہ تعداد پارتھویندرا درمن کے کتبات کی ہے جس کا

پارتھویندرا کے کتبات

لقب بھی یہی تھا۔ اس کے دوسرے القاب ویندرادی ورمن، پارتھویزرادھی پتی درمن وغیرہ بھی تھے

اُتم چولا کے کتبات

آخر میں پرا کیسری اُتم چولا کے کتبات ہیں جن کی تواریخ تحریر اس راجہ کی تاجپوشی کے دوسرے سے لے کر سولھویں سال تک کی ہے۔ ان میں سے دو پر تو ٹھیک ٹھیک تاریخیں درج ہیں جو اس حکمران کے عہدِ حکومت کا تعین کرتی ہیں۔ پرا کیسری کے لقب اور اس کے کتبات کی تواریخ تحریر سے جو کا سمت ۸۳-۱۰۴۲ (۸۲-۹۸۱ عیسوی) کو اس کی تخت نشینی کا تیرھواں برس

ظاہر کرتی ہیں، یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُتّم چولا راج کیسری، راج راجا اوّل کا فوری پیش رو تھا۔

غیر شناخت شدہ راجاؤں اور پرا کیسریوں کے کتبات

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان بے شمار کتبات میں سے کچھ بلاشبہ اسی زمانے کے ہیں جس میں حکمرانوں کو راج کیسری یا پرا کیسری قرار دینے کے علاوہ ان کی کوئی تفصیل نہیں دی گئی ہے۔ لیکن موجودہ بحث میں انھیں زیادہ تر نظر انداز کرنا پڑے گا۔

تانبے کی تختیاں

حجری کتبات کے علاوہ ہمارے پاس تانبے کی تختیوں کی شہادتیں بھی ہیں۔ سندر چولا کے عہد حکومت کے چوتھے برس کی ان بل کی تانبے کی تختیاں ہی اُس واحد عطیہ کی شاہد ہیں جو اس دور سے تعلق رکھتا ہے۔ بدقسمتی سے مادھو بھٹ کو، جو ان تختیوں کی سنسکرت "پرشستی" کا لکھنے والا تھا، ان واقعات کو جو اس کو معلوم تھے، ان تختیوں میں درج کرنے کی اتنی فکر نہیں تھی جتنی اپنے اشعار میں تشبیہات پر اپنے مکمل عبور کی نمائش کی۔ اس لیے یہ دریافت کرنے کے لیے بھی کہ سندر چولا ایک راج کیسری تھا، ہمیں تاریل یادداشتوں کے ابتدائی دور پر انحصار کرنا پڑتا ہے — ترُوالنگاڈُو کی تختیوں سے معلوم ہوتا ہے اور لیڈن کی تختیاں بھی اس کی تائید کرتی ہیں کہ راج آدتیہ کے بعد اس کے جانشین مندرجہ ذیل ترتیب سے ہوئے: گندھرآدتیہ، اَرندما، پرانتکا، آدتیہ، اور مدھورانتکا۔ راجندر اوّل کے زمانے کی کرن دلی کی تختیوں میں، نیز کنیا کماری کے کتبات اور ویرراجندر اکی چارالی کی تختیوں میں محض اَرندما اور پرانتکا دوم کے نام ہی پرانتکا اوّل اور راج راجا کے درمیان دیے گئے ہیں کیونکہ بظاہر ان تختیوں کی پرشستی کے شعرا کو صرف ایک ہی مقصد تھا: ان حکمرانوں کا براہ راست وجیالہ کی نسل سے ہونا ثابت کیا جائے۔ راجہ پرانتکا اوّل سے لے کر راج راجا تک چولوں کا شجرہ نسب جو ان تختیوں میں دیا ہوا ہے اس طرح ہے:
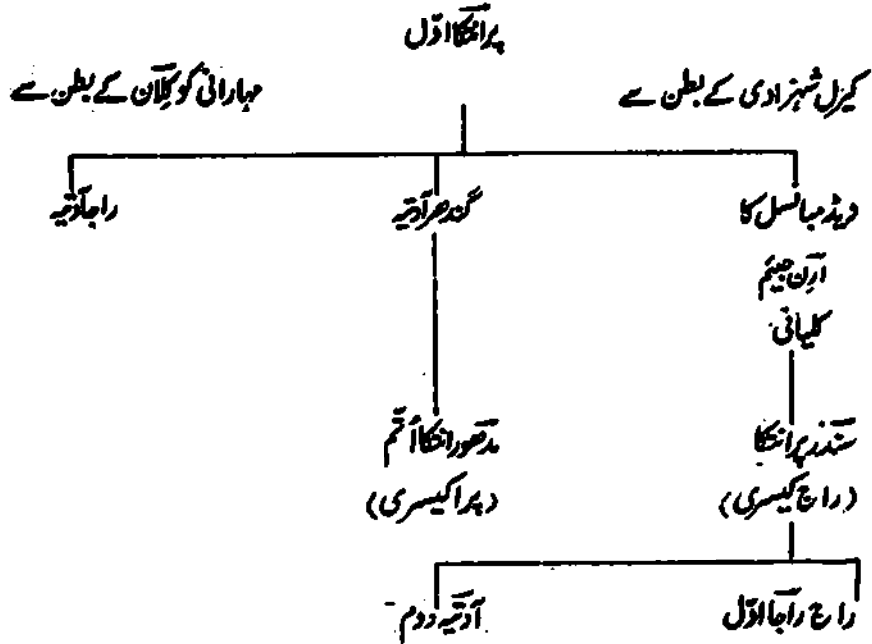
دورِ حکومت جو ایک دوسرے سے گڈمڈ ہوگئے ہیں

ایک واضح بات جس کو ہمیں اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہیے یہ ہے کہ ہم مجری کتبات سے دستیاب ہونے والے تاجپوشی کے سِنین کو یکے بعد دیگرے اور باقاعدہ طور پر سلسلے وار تخت نشین ہونے والے راجاؤں کے سِنین، جو تانبے کی تختیوں میں مذکور ہیں، نہیں مان سکتے کیونکہ اس صورت میں اگر ہم پارتھی ویندر ورمن کو اس شمار سے نکال دیں اور مدورائی کونڈا

گندھر آدتیہ کا عہدِ حکومت

راج کیسری، نیز سندر، آدتیہ اور اُتّم کی زیادہ سے زیادہ مدتِ حکومت کو جو ہمیں معلوم ہے، اس میں شامل کردیں تو یہ کل مدت ۴۵ برس کی ہوجائے گی جو کہ پرانکا اوّل اور راج راجا کی درمیانی مدت کے لیے بہت طویل ہے۔ پھر یہ امکان بھی موجود ہے کہ گندھر آدتیہ اور ارن جیۂ نے بھی حکومت کی ہوگی۔ غالباً راج کیسری کے دورِ حکومت کے ایک کتبے میں گندھر آدتیہ عرف مُمّوڈی چولا دیو کے دوسرے برس کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ ذکر اس موقعے پر آیا ہے جہاں اس کی مہارانی شیمبین مہادیوی کی جانب سے تروویکاڈو کے مندر کو مختلف اوقات پر

دیے گئے عطیات کا ذکر ہے۔ راج کیسری کے عہد کے آٹھویں برس کے کتبات سے پتہ چلتا ہے کہ پرانتکا کا بیٹا اری کل کیسری رشتے میں حکمران راجا کا "پلئیار" یا "آلوار" تھا (یہ اصطلاح عموماً شاہی خاندان کے ادنیٰ افراد کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔) اور یہ حکمران راجہ گندھر آدتیہ کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہی راج کیسری تھا۔

ارن جیہ

جہاں تک ارنجیہ کا تعلق ہے، تانبے کی تختیوں میں اس کے عہد حکومت کے حوالے ملتے ہیں اور اس کے علاوہ اس کے عہد کے بارھویں برس کا ایک کتبہ بھی موجود ہے جس میں ارنجی گئی درمن کی دو مہارانیوں کا ذکر ہے جو آردر کے مقام پر فوت ہوئیں۔ راج راجا اوّل کی حکومت کے آخری زمانے کی "میل پاڈی" کی تختیوں میں مذکور ہے کہ راج راجا نے چولیشور مندر کی تعمیر کی جو آرنور تنجن دیو کی یادگار میں بنوایا گیا تھا۔ ان حوالوں سے خیال ہوتا ہے کہ ارن جیہ خاصے طویل عرصے تک زندہ رہا تھا اور اس نے تھوڑے ہی عرصے کے لیے سہی، لیکن حکومت بھی کی تھی۔ ان تمام باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہمیں صاف دکھائی دیتا ہے کہ حجری کتبات میں دیے ہوئے تاجپوشی کے سال بری طرح گڈمڈ کر دیے گئے ہیں۔

تلئی کونڈا کے معنی

ایک اور ابتدائی سوال جو غور طلب ہے یہ ہے کہ "تلئی کونڈا" کی اصطلاح کا صحیح مطلب کیا ہے۔ یہ اصطلاح زیرِ مطالعہ دَور کی تاریخ میں خاصی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ ویر پانڈیا کا یہ دعویٰ ہے کہ اس نے چولا راجہ کا "تلئی کونڈا" کیا اور دیگر کئی لوگوں نے یہی عمل خود ویر پانڈیا کے ساتھ کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس جملے کا مطلب بالعموم "سر کاٹ دینا" سمجھا گیا ہے اور اس چولا راجہ کی شناخت پر کافی بحث کی جا چکی ہے جو پانڈیا تاجدار کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس جملے کے صحیح معنی یہ ہیں کہ ہزیمت خوردہ راجہ کو فاتح راجہ کے رُوبرو ایک خاص انداز سے جھک کر اپنی شکست تسلیم کرنی پڑتی تھی جیسے کہ وہ اپنے سر کو فاتح کے رحم و کرم پر چھوڑ رہا ہو۔ ملتش نے اس امر کی جانب اشارہ کیا ہے کہ کلوتنگا سوم کے کتبات میں جو "پانڈینائی تنڈی تلئی کونڈریا" کا جملہ استعمال کیا گیا ہے اس کی تشریح ایک اور جملے "اسے کد

منڈی میل اڈی دیتو" سے کی گئی ہے جو اسی دورِ حکومت کے کچھ دیگر کتبات میں درج ہے۔ چنانچہ "سر لینے" کی کارروائی دربارِ عام میں فاتح راجہ کے سامنے مفتوح راجہ کے جھکنے اور اپنے سر سے فاتح کے پاؤں کو چھونے پر مشتمل ہوتی تھی۔ وجے نگر کے نامور راجہ کرشن دیورائے نے اس قدیم روایتی کارروائی میں ایک معمولی تبدیلی کی جب اس نے یہ مطالبہ کیا عادل شاہ والیِ بیجاپور دامن کی قیمت اُس کی قدم بوسی کر کے ادا کرے۔ چولا زمانے کے رواجوں کی صحیح تصویر "گورُ دپرم پرئی" نامی تصنیف میں دی ہوئی ہے۔ اس میں یہ ذکر کہ گنگئی کونڈا شولا پورم کا راجہ اپنے باجگزار راجہ کے سر پر پاؤں رکھ کر اپنے شاہی ہاتھی پر سوار ہوتا تھا۔ تلمیٔ کونڈا کی مذکورہ بالا تشریح کا اس عہد کی بحث سے گہرا تعلق ہے کیونکہ اس سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ جب کسی راجہ کا سر کوئی دوسرا راجہ "لے لیتا تھا" تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اوّل الذکر اسی وقت مر جاتا تھا۔ البتہ جہاں کسی کے مارے جانے کا صاف صاف ذکر ہے وہ ایک بالکل علاحدہ مسئلہ ہے۔ اس دور کے واقعات پر اس اصول کا اطلاق کرتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ ترُودالنگاڈو کی تانبے کی تختیاں اس امر کی شاہد ہیں کہ آدتیہ دوم نے ویر پانڈیا کو جنگ میں موت کے گھاٹ اتارا اور اس کا سر تن سے جدا کر کے چولوں کی راجدھانی میں لے آیا۔ لیکن یہاں بھی متعلقہ شہادت کی "تاخیر" سے اس واقعہ کی صداقت میں کچھ شبہ معلوم ہوتا ہے اور اس بات کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا کہ کسی چولا تاجدار نے ویر پانڈیا کے ہاتھوں اپنی جان گنوائی ہو۔ بظاہر ویر پانڈیا کے اس حکمرانہ لقب کا اتنا ہی مطلب معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایک چولا حکمران کی عارضی طور پر ذلت و تحقیر کی۔

مدورائی کونڈا راج کیسری کی شناخت

گندھر آدتیہ کے راج کیسری ہونے کے متعلق کچھ شہادتوں کے حوالے اُوپر دیے گئے ہیں اور اس امر کے بھی کہ اس نے آٹھ برس تک حکومت کی۔ اس کا عہد راجادتیہ کی وفات کے وقت سے شروع ہوا ہوگا اور وہ ولی عہد کی حیثیت سے پرانتکا کے زمانۂ حیات ہی میں راجادتیہ کی جگہ تخت و تاج کا وارث بن گیا ہوگا۔ اکثر یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ گندھر آدتیہ ایک پرا کیسری تھا اور ارندا جسے ترودالنگاڈو کی تانبے کی تختیوں میں گندھر آدتیہ کا فوری جانشین بتایا گیا ہے، دراصل مدورائی کونڈا راج کیسری تھا۔ اس رائے کی

بنا، دراصل مندرجہ ذیل دو قیاسات پر مبنی ہے، ایک یہ کہ راج آدتیہ نے پرانتکا کی وفات کے بعد حکومت کی، دوسرا یہ کہ چونکہ موصوف راج کیسری تھا لہٰذا اُس کا فوری جانشین گندھرآدتیہ ایک پرکیسری ہوگا۔ لیکن یہ بتایا جا چکا ہے کہ پہلا قیاس صحیح نہیں ہے۔ اس بات کے کافی امکانات ہیں کہ جب راج آدتیہ کو ولی عہد مقرر کیا گیا تو اسی وقت سے اس نے راج کیسری کا لقب اختیار کر لیا۔ لیکن بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ وہ اپنے باپ سے پہلے ہی فوت ہو گیا تھا، یہ بھی ممکن ہے کہ گندھرآدتیہ نے جو اس کی جگہ حکمران بنا، وہی لقب اختیار کر لیا ہو تاکہ پرانتکا کیسری کے بعد تخت نشین ہونے والا حکمران ایک راج کیسری ہی ہو۔ حقیقت میں اس وقت اس رائے پر سب کا اتفاق ہے کہ گندھرآدتیہ ایک راج کیسری تھا۔ حالانکہ اس بات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ راج آدتیہ اپنے والد سے پہلے ہی فوت ہو چکا تھا۔ اس بحث میں آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ اس اصول کے اطلاق سے، کہ ولی عہد خواہ وہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ، اپنے پیش رو راجہ کے لقب کے مطابق اپنے نام کے ساتھ راج کیسری یا پرکیسری کا لقب شامل کر لیتا تھا، ہماری بہت سی مشکلات جو کسی اور طریقہ سے حل نہ ہوں حل ہو جاتی ہیں۔

اس لیے گندھرآدتیہ کے راج کیسری کے لقب کو تسلیم کیا جا سکتا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وینکیا نے سب سے پہلے جس رائے کا اظہار کیا تھا کہ گندھرآدتیہ مدورائی کونڈا راج کیسری کے سوا کوئی اور نہیں تھا، اس رائے کو بغیر کسی چھان بین کے درست مان لیا گیا ہے۔ "مدورائی کونڈا" کے لقب کے یہ معنی نکال لیے گئے ہیں کہ موصوف راجہ دراصل مدورائی کونڈا پرکیسری پرانتکا اوّل کا فرزند تھا۔ لہٰذا جب گندھرآدتیہ کو پرکیسری مانا گیا تو مدورائی کونڈا کو راجہ ارنجیہ راج کیسری تصور کیا گیا۔ بعد میں جب گندھرآدتیہ خود بھی راج کیسری بن گیا تو اسے بھی مدورائی کونڈا راج کیسری ہی سمجھ لیا گیا۔ لیکن اس قیاس کو ہرگز ایک قطعی دلیل نہیں مانا جا سکتا اور اگر ایسا کرنے کے لیے مناسب وجوہات موجود ہوں تو ہمیں اس قیاس کو ترک کرنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ اب ہم مدورائی کونڈا راج کیسری کے کتبات کے اصل ماخذوں پر غور کریں گے۔ چودھویں اور سترھویں برسوں کے تین کتبات کو چھوڑ کر یہ تمام کتبات شمالی ارکاٹ اور چنگل پٹ کے اضلاع سے دستیاب ہوئے ہیں۔ ان میں سے تین موصوف راجہ کی تخت نشینی کے پانچویں برس کے ہیں اور چوتھے کتبے پر جانشینی سے ساتویں برس کی تاریخ درج ہے۔ پانچویں برس کا ایک کتبہ ضلع شمالی ارکاٹ کے دھاپینا تعلقہ میں واقع

ایک مقام کارنگل سے دستیاب ہوا ہے۔ یہ مقام شولنگور کے قریب واقع ہے۔ اس کی تاریخ تو تحریر ۹۵۳ء کے قریب ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ راجہ پرانتکا اوّل کی وفات ۹۵۵ء میں ہوئی اور گندھر آدتیہ نے اپنی سلطنت اس واقعہ کے بعد شروع کی تو اس کتبے کی تاریخ تحریر زیادہ سے زیادہ ۹۶۵ء ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کی مطابقت اس حقیقت سے کیونکر کی جا سکتی ہے کہ کرشن سوم ۹۵۹ء میں میلپاڈی میں اپنے مفتوحہ علاقوں کو اپنے بیرزؤں میں تقسیم کر رہا تھا۔ اور اس کے تقریباً ۹۶۵ء تک کے کتبات توندئی منڈلم میں پائے جاتے ہیں۔ گندھر آدتیہ کو مددرائی راج کونڈ قرار دینے پر عائد کردہ یہ اعتراضات کافی وزنی ہیں۔ اور اگر اس زمانے کے بعد کے کتبات سے کوئی شناخت ممکن نہ ہو تو بھی ان اعتراضات کو بجا سمجھنا ہوگا۔ لیکن حسن اتفاق سے ہمارے اس سوال کا ایک آسان اور صحیح حل موجود ہے جو سب کے لیے بخوشی قابل قبول ہوگا بشرطیکہ اس مفروضے کو ترک کر دیا جائے کہ مددرائی کونڈا لازمی طور پر کسی دوسرے عہد درائی کونڈا ہی کا بیٹا ہوگا یعنی پرانتکا اوّل کا۔ کوڈمبالور سے دستیاب شدہ ایک کتبے میں، جس پر سے تاریخ تحریر مٹ چکی ہے، ابتدائی الفاظ یہ درج ہیں: "اُدّیار مددرانتکن سندر اشولن"۔ اس بے مثل کتبے سے اس مفروضے کی قطعی تردید ہو جاتی ہے کہ مذکورہ عہد کے کتبات میں "مددرانتکا" (مدیرائی کونڈا) کا لقب محض پرانتکا اوّل کا کوئی بیٹا ہی اختیار کر سکتا تھا کیونکہ سندر اشولن نام کا کوئی ایسا شخص ہمارے علم میں نہیں ہے جو اس کا بیٹا رہا ہو۔ اس کتبے سے مددرائی کونڈا راج کیسری کی اصلیت کا سراغ مل جاتا ہے۔ "انبل" کی تانبے کی تختیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ارنجیہ کا بیٹا سندر چولا ایک راج کیسری تھا اور اس کا ایک لقب "مددرانتکن" تھا۔ اس کا ایک اور لقب بھی تھا جس سے اس کی پانڈیوں کے ساتھ لڑائی کا پتہ چلتا ہے۔ یہ لقب تھا "پانڈیا نائیک تیجم ارکنا"۔ ان حقائق سے واضح طور پر یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ سندر چولا پرانتکا دوم وہی راجہ تھا جو اپنے بعض کتبات میں مددرائی کونڈا راج کیسری کے نام سے مذکور ہے۔

اُتم چولا کے ساتھ اُس کے مراسم

مددرائی راج کیسری کا ایک کتبہ ایسا ہے جس کے دیکھنے سے پہلی نظر میں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں جس راجہ کا ذکر ہے وہ سندر چولا نہیں بلکہ گندھر آدتیہ ہے۔ یہ دو دو گوروں سے

ہوئے اس کتبے پر اس عہدِ حکومت کے پانچویں برس کی تاریخ درج ہے اور اس میں اُڈئیار شری اُتم چولا دیو کے ایک سردار کی جانب سے مندر کو دیے گئے ایک چراغ کے عطیے کا ذکر ہے۔ سردار موصوف راجہ کے ہمراہ مندر میں گیا تھا۔ اس کتبے کو شائع کرتے ہوئے کرشنا شاستری نے لکھا ہے: "ایک بجا اعتراض یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ یہاں اُتم چولا کو بجائے شہزادے کے ایک حکمران راجہ کا خطاب کیوں دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت گندھر آدتیہ نے اس کو اپنا جانشین چن لیا تھا پھر بھی ہمیں اتنا معلوم ہے کہ وہ اس وقت تخت نشین ہوا جب اس کے والد کے انتقال کے بعد دو ایک اور راجہ حکمرانی کر چکے تھے۔" لیکن اگر ایسا تھا کہ اُتم چولا اپنے والد کے عہدِ حکومت کے پانچویں برس میں اس قدر بڑا ہو چکا تھا کہ اسے ولی عہد منتخب کر لیا گیا تھا، اس نے شاہانہ طور طریقے بھی اختیار کر لیے تھے۔ وہ مندروں میں اپنے امرا کے ہمراہ جاتا تھا اور اس کے والد نے اس کے بعد مزید بارہ برس تک حکومت کی۔ تو پھر وہ اپنے باپ کی وفات کے بعد فوراً تخت نشین کیوں نہیں ہوا اور راجہ بننے کے لیے اسے کیوں اس وقت تک انتظار کرنا پڑا جب تک غالباً ارن جیہ اور سندرا اور شاید آدتیہ دوم بھی اپنا دورِ حکومت ختم کر چکے۔ کرشنا شاستری نے نہ صرف اس بات کی وضاحت نہیں کی بلکہ ایک اور مقام پر بتایا ہے کہ "گندھر آدتیہ کی وفات کے وقت اُتم چولا کا لڑکپن رہا ہوگا کیونکہ اسے اس وقت تک نظر انداز کیا جاتا رہا جب تک گندھر آدتیہ کے بعد تین راجہ اپنی اپنی حکومت کر کے مر نہیں چکے۔" یقیناً ان دونوں نظریوں کو ہم آہنگ کرنا آسان نہیں ہے۔ اوّل یہ کہ ترووورلور کے کتبے میں جس راجہ کا ذکر ہے وہ گندھر آدتیہ ہی ہے، دوسرے یہ کہ اس کی وفات کے وقت اس کا ایک کم عمر لڑکا تھا اور وہ بھی اتنا صغیر سن کہ اسے اپنی تاجپوشی کے لیے گندھر آدتیہ کے تین اور جانشینوں کی حکومت کے خاتمے تک انتظار کرنا پڑا۔ ایک اور بڑا تضاد بھی یہاں نظر آتا ہے۔ اگر یہی فرض کر لیا جائے کہ گندھر آدتیہ نے اپنے سنینِ جلوس کا شمار راج آدتیہ کی وفات کے وقت (۹۴۹ء) سے کیا تھا اور ہم اسے مدورائی کونڈا راج کیسری ہی مان لیں جو کم از کم سترہ برس تک حکمران رہا تو اس کا عہدِ حکومت ۹۶۶ء تک چلا جائے گا۔ اور مدھورانتکا اُتم چولا نے ۹۶۹ء تک حکمرانی شروع کی۔ صرف تین برس کا درمیانی عرصہ اس قدر مختصر ہے کہ اس میں تین حکمرانوں کا عہدِ حکومت تو کیا صرف سندر چولا کا عہد بھی نہیں سما سکتا جو اس کے کتبات سے بلا شبہ سات برس کا ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا ترووورلور کا کتبہ جس کا حوالہ اس پیراگراف کے شروع

میں دیا گیا ہے، اگندھر آدتیہ سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر ہم اسے سندر چولا کا کتبہ بھی قرار دیں تو اُتم چولا کے شاہی لقب کی وضاحت کرنے کی دقت پھر بھی باقی رہتی ہے۔ اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ سندر چولا کا ایک بیٹا آدتیہ نامی تھا جو اس کی جنگی مہمات میں نہایت قابلیت سے اس کا ہاتھ بٹا رہا تھا، یہ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا کہ اپنے عہدِ حکومت کے ابتدائی سالوں ہی میں اس نے اپنے خاندان کی ایک دوسری شاخ سے کسی شہزادے کو اپنا ولی عہد تسلیم کر لیا ہوگا۔ اس گورکھ دھندے کا واحد حل جس کی تائید اسی نوع کے دوسرے چولا کتبات میں مل سکتی ہے، یہ ہے کہ اگرچہ اس کتبے میں درج شدہ عطیہ راجہ سندر چولا کے عہد کے پانچویں سال ہی میں مندر کو دیا گیا تھا جبکہ اُتم کی عمر اتنی ہو چکی تھی کہ اس کی نجی مصاحبین اور امرا بھی تھے جن کی معیت میں وہ ملک کا دورہ کرتا تھا، لیکن اس عطیے کو پتھر پر اس وقت تک کندہ نہیں کیا گیا جب تک کہ اُتم چولا نے بہ اختیارِ خود حکومت کرنا شروع نہیں کیا۔ جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے اس نے اپنی حکومت سندر چولا کے فوراً بعد شروع کی تھی۔

دو پراکیسری راجاؤں کی یکے بعد دیگرے تخت نشینی

اب دو بحث طلب مسائل اور ہیں۔ ویر پانڈیا تلیّ کونڈا کا مقام و حیثیت اور پارتھی ویندرا ورمن کی اصلیت جس نے پراکیسری کا لقب اختیار کر رکھا تھا۔ اوّل الذکر تو بلاشبہ آدتیہ تھا جو سندر چولا کا بیٹا تھا اور ترووالنگاڈو کی تانبے کی تختیوں اور لیڈن کے فرمانِ عطیہ کی شہادتوں کے مطابق ویر پانڈیا سے نبرد آزما ہوا تھا۔ لیکن آدتیہ دوم کا جانشین ایک اور پراکیسری مدھورانتکا اُتم چولا بھی تھا۔ پہلی نظر میں یہ راج کیسری کے عام رواج سے انحراف معلوم ہوتا ہے جس کے مطابق چولا خاندان کے حکمران راج کیسری اور پراکیسری کا لقب باری باری اختیار کرتے تھے۔ کرشنا شاستری اُتم چولا کے بارے میں کہتا ہے کہ "عام رواج کے مطابق اُتم چولا کو "راج کیسری ورمن" ہونا چاہیے تھا کیونکہ اس کا پیش رَو آدتیہ دوم ایک "پراکیسری ورمن" تھا لیکن اس رواج کے برعکس وہ بھی ایک "پراکیسری ورمن" کہلایا۔ ایسا غالباً اس لیے ہوا کہ وہ ایک "راج کیسری ورمن" کا بیٹا تھا اور وہ محض اپنے موروثی حق کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے چچیرے بھائی کے فرزند راج راجا اوّل کی درخواست پر حکمران بنا جو کہ خود منتخب شدہ جانشین تھا۔ اس وضاحت کے متعلق دو رائیں ہو سکتی ہیں پہلی یہ کہ اس میں ہمارے مفروضے سے نہیں بلکہ

کرشنا شاستری کی اس رائے سے تضاد پایا جاتا ہے کہ اَتّم چولا کو گندھر آدتیہ کے عہد حکومت ہی میں جانشین چن لیا گیا تھا اور محض اس کی صغیر سنی کی وجہ سے اس کی تخت نشینی کو عارضی طور پر ملتوی کر دیا گیا تھا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ کیوں کر کہا جا سکتا کہ وہ اپنے موروثی حقوق کی وجہ سے تخت نشیں نہیں ہوا بلکہ راج راجا کی درخواست پر اس نے حکومت سنبھالی۔ پھر راج راجا اوّل کی مثال سے اس مفروضہ کی بھی تردید ہوتی ہے کہ ایک راج کیسری کا بیٹا ضروری طور پر پراکیسری ہوگا۔ کیونکہ ایک راج کیسری کا بیٹا ہو کر بھی وہ خود راج کیسری تھا۔ یہاں یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ ارنجیہ نے بھی جو خود ایک پراکیسری کا بیٹا تھا، یقیناً کچھ عرصے تک ایک پراکیسری کی حیثیت سے حکومت کی ہوگی جس کے بعد دیگرے دو پراکیسریوں کے تخت نشیں ہونے کی صحیح وجہ دراصل یہ معلوم ہوتی ہے کہ آدتیہ دوم جو پراکیسری تھا؛ ولی عہد منتخب ہو چکا تھا، کا انتقال اپنے باپ سندر چولا کی حیات ہی میں ہو گیا تھا اور اس کے بعد ولی عہد چنے جانے والے شہزادے نے بھی پراکیسری کا لقب اختیار کیا تاکہ راج کیسری سندر چولا کی موت کے بعد ایک پراکیسری ہی تخت نشیں ہو۔ آدتیہ دوم کا انتقال ہو جانے پر سندر چولا کو اپنا جانشین اتّم چولا کو منتخب کرنا پڑا نہ کہ اپنے چھوٹے بیٹے راج راجا کو۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یا تو اتّم چولا نے خانہ جنگی کی دھمکی دے کر اسے اس فیصلے پر مجبور کر دیا یا راج راجا نے اپنی مرضی سے جانشینی کے لیے انتظار کرنے کو ترجیح دی۔ ترووالنگاڈو کی تانبے کی تختیوں میں مندرج اشعار سے جو اس ضمن میں ہماری معلومات کا واحد ماخذ ہیں، ان دونوں تاویلوں کی تائید ہو سکتی ہے۔ ایک طرف تو ان اشعار میں یہ کہا گیا ہے کہ اتّم چولا حکومت سنبھالنے کے لیے بیتاب تھا اور دوسری طرف ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ راج راجا اتنا سعادت مند کھشتری تھا کہ جب اس کے والد کا چچیرا بھائی حکومت کرنے کا آرزومند ہوا تو اس نے خود تخت نشیں ہونے کا خیال بھی دل میں نہیں آنے دیا۔ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ اتّم چولا نے حکمران بننے کے لیے اپنی خواہش کا اظہار غالباً ایک سیاسی قتل کا باعث بن کر کیا۔

پارتھی ویندر ورمن

پارتھی ویندر ورمن کی ہستی بھی وہم و گمان کے دھندلکے میں مستور ہے۔ اس حکمران کے کتبات شمالی اور جنوبی ارکاٹ کے اضلاع اور چنگل پیٹ میں پائے گئے ہیں۔ اس رائے کا اظہار

بھی کیا گیا ہے کہ یہ شخص دراصل پرتھوی پتی دوم ہی تھا جو راجہ پرانتکا کا گنگا خاندان والا باجگذار تھا لیکن اس رائے کی بنیاد پرتھوی پتی اور پارتھی ویندر ناموں کے ہم معنی ہونے پر رکھی گئی ہے جزوی طور پر اس کی وجہ ایک اور غلط فہمی بھی ہے جس کے باعث گنگا راجہ پر کرشن سوئم کے ایک باجگذار راجہ ہونے کا دھوکا ہو گیا ہے۔ موخر الذکر کا نام کنزدیو پرتھوی گنگوتیار ہونے کے باوجود وہ گنگا راجہ سے ایک بالکل مختلف شخص تھا۔ آدتیہ دوم اور پارتھی ویندر ورمن دونوں کے کتبات دیکھنے کے بعد کرشنا شاستری نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دونوں حکمران "پانڈیا ور پانڈیا کا سر اُتارنے والے" کے لقب کا دعوا کرتے ہیں۔ بظاہر یہ پانڈیا وہی حکمران تھا جس نے سندر چولا پرانتکا دوم سے لوہا لیا تھا۔ دونوں نے پراکیسری ورمن کے لقب کا دعوا بھی کیا ہے۔ اوّل الذکر کے کتبات بہت ہی کم ملتے ہیں اور وہ بھی صرف جنوب کی طرف ان کتبات کا آخری سال تحریر اس کے عہدِ حکومت کا پانچواں سال ہے۔ لیکن موخر الذکر کے کتبات تونڈئی منڈلم میں بکثرت ملتے ہیں اور اُن کا آخری سِن تحریر اس کے عہدِ حکومت کا تیرھواں سال ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پارتھی ویندر آدتیہ ورمن شاہی خاندان ہی کا ایک فرد ہو اور تونڈئی منڈلم کا نائب السلطنت رہا ہو۔ آدتیہ کریکال اصلی وارث معلوم ہوتا ہے۔ پانڈین تلئی کونڈا پراکیسری کے کتبات اتنے کم نہیں ہیں اور اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ وہ صرف جنوبی حصّے تک محدود نہیں ہیں، اگر اس جنوبی حصّے کو وہ علاقہ سمجھا جائے جو تونڈئی منڈلم کی حدود کے باہر اس کے جنوب کی جانب واقع تھا۔ اس کے کم از کم پانچ کتبات تو شمالی ارکاٹ میں ملے ہیں اور اس سے زیادہ جنوبی ارکاٹ میں۔ ان کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ پارتھی ویندر ورمن کے کتبات آدتیہ پراکیسری کے کتبات سے اپنی اصل کے اعتبار سے محض اس حد تک مختلف ہیں کہ اوّل الذکر چنگل پیٹ کے ضلع میں بھی پائے گئے ہیں۔ نیز یہ کہ تونڈئی منڈلم کے جنوب کی جانب یہ کہیں دستیاب نہیں ہوئے۔ مندرجہ ذیل خصوصیات بھی مذکورہ حکمران کی شناخت پر غور و خوض کرنے میں ایک اجتماعی اہمیت رکھتی ہیں۔ وہ ایک پراکیسری ہے۔ اس نے شاہی لقب بھی اختیار کر رکھا ہے اور اپنے آپ کو کوورا ج ماراتیار "کہتا ہے۔ ایک پہلے کے کتبے میں جو اس کے عہد کے تیسرے سال کا تحریر شدہ ہے" وہ پارتھی ویندر آدِتا پر دمار" کے نام سے بھی مذکور ہے۔ اس کی رانیوں کو بھی پورے شاہی القاب حاصل ہیں مثلاً اُڈئیار دیویار ولون مہادیویار" "پیرمُانا ڈگل دلویارت تمیونار اکیا ترے لوکیہ

مہاذلویار“

غالباً وہ آدتیہ دوم ہی تھا

یہ بات تو واضح ہے کہ چولا راجہ کا باجگذار ہوتا تو گیا' یہ حکمران جو اس قدر ممتاز اور سرکردہ حیثیت کا مدعی ہے' دراصل خود ہی ایک عظیم چولا راجہ تھا اور اپنے نام آدتیہ اور لقب پرا کیسری کی وجہ سے وہ راجہ آدتیہ کریکال پرا کیسری کے علاوہ کوئی اور نہیں معلوم ہوتا۔ پارتھی وینذر آدتیہ ورمن“ کا نام اور اس نام کی مختلف شکلیں اس کے کتبات میں بار بار استعمال ہوئی ہیں۔ ان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس نے ”پارتھی وینذر“ کا لقب اختیار کر رکھا تھا۔ چولا راجگان بلند بانگ الفاظ (برڈ دون) کے خاصے شائق تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے نام کے ساتھ اسی نوعیت کے القاب شامل کر رکھے تھے۔ چونکہ اس کا سب سے آخری کتبہ اس کے عہد کے تیرھویں برس کا ہے اس لیے اسے اپنے والد سندر چولا کی تاجپوشی کے جلدی بعد نائب السلطنت چن لیا گیا ہوگا۔ یہ بات اس لیے بھی قرین قیاس ہے کہ لیڈن کے فرامین عطیات میں اس کی کم سنی کے وقت ہی اس کے سر ویر پانڈیا پر اس کے کامیاب حملے کا سہرا باندھا گیا ہے۔ اس کامیابی کے فوراً بعد آسے چولا سلطنت کے شمالی حصّے پر حکومت کرنے کے لیے بطور نائب السلطنت تعینات کر دیا گیا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے والد کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تھا اس لیے ولی عہد کا منصب پرا کیسری اتم چولا کو مل گیا۔

لہٰذا اس دور کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے پہلے ہم اوپر کی بحث کے نتائج کو اختصار سے یوں مرتب کرتے ہیں:۔

راج کیسری گندھر آدتیہ۔ سنہ ۹۴۹-۵۰ء سے سنہ ۹۵۷ء تک
پرا کیسری ارنجیہ۔ سنہ ۹۵۶ء سے سنہ ۹۵۷ء تک
راج کیسری سندر چولا (مدورائی کونڈا)۔ سنہ ۹۵۶ء سے سنہ ۹۷۳ء تک
پرا کیسری آدتیہ دوم پارتھی وینذر کریکال۔ سنہ ۹۵۶ء سے سنہ ۹۵۹ء تک

پرندور کا کتبہ

پارتھی وینذر ورمن کا صرف ایک کتبہ ضلع چنگل پیٹ سے ملا ہے جو اس کے عہد کے

پندرھویں برس کا ہے۔ اگرچہ یہ کتبہ شکستہ حالت میں ہے پھر بھی اس کی تحریر کے عکس کے محتاط مطالعے سے دو باتیں ثابت ہوئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کتبہ کا سنِ تحریر متعلقہ عہدِ حکومت کا پندرھواں برس ہے اور اگرچہ حروف کی کھدائی اچھی نہیں ہے اور پتھر بھی بظاہر بہت بوسیدہ ہو چکا ہے۔ پھر بھی اس کتبے کے اصلی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس دور کے کتبات کے بیشتر خصوصی خد و خال اس میں نمایاں ہیں۔ اگر اس میں دیئے گئے سن کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اوپر دی ہوئی ترتیب سنین غلط ہو جائے گی جو دراصل اس مفروضے پر قائم ہے کہ آدتیہ دوم اور پارتھی وینددر ایک ہی شخص کے نام ہیں۔ لیکن اس صورت میں اُتم چولا کی تخت نشینی سے قبل کے ان پندرہ سالوں کی گنجائش نہیں رہے گی جو سندر کے عہدِ حکومت ہی کا حصہ تھے۔ تیرہ برس کی مدت ہیں اس عہد کی آخری حد پر لا کھڑا کرتی ہے اور اس قیاس کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ سندر چولا نے اپنی تخت نشینی کے جلد ہی بعد اپنے بیٹے آدتیہ کو امورِ سلطنت سے وابستہ کر دیا تھا اور یہ قیاس غیر ممکن بھی نہیں ہے۔ دوسری طرف پرندور کا یہ کتبہ جو متعلقہ عہد کے پندرھویں برس کا ہے، پارتھی وینددر کا واحد کتبہ ہے جس پر اس کے عہدِ حکومت کے تیرھویں برس سے زائد عرصے کی تاریخ درج ہے۔ اس کے تیرھویں برس کے متعدد کتبات دستیاب ہوئے ہیں، لیکن چودھویں برس کا ایک بھی نہیں اور پندرھویں برس کا یہی ایک کتبہ دستیاب ہوا ہے۔ اِس معمے کا اس سے بہتر کوئی حل نہیں ہے جو ہم اوپر دے چکے ہیں، کیونکہ اگر مان لیا جائے کہ پارتھی وینددر اور آدتیہ دو مختلف اشخاص تھے تو پھر ہم ان سے وابستہ ایک ہی جیسے تاریخی واقعات کی وضاحت کس طرح کریں گے جن کی طرف ہماری توجہ پہلے ہی مبذول کرائی گئی ہے۔ یہ ایک جیسے واقعات محض اتفاقیہ نہیں ہو سکتے لہٰذا یہ رائے بھی پیش کی جا سکتی ہے کہ ہندسہ کا اندراج کرنے میں پرندور کے کتبے میں سنگتراش سے کچھ غلطی ہو گئی ہے۔ لہٰذا اس کتبے پر یقین کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے جب تک کہ تیرھویں سال سے بعد کی تاریخ کے مزید کتبات دستیاب نہ ہوں۔

اب تک جن نکات پر غور کیا جا چکا ہے، ان کے علاوہ ایک نکتہ اور ہے جس پر غور کرنا باقی ہے۔ اگر آدتیہ اور پارتھی وینددر و من ایک ہی فرد کے نام نہ ہوں تو آدتیہ کے عہدِ حکومت کا آخری سال وہی ہو گا جو دیرپانڈیا کا "سر اتارنے والے" پراکیسری کے کتبات میں درج ہے، یعنی پانچواں سال۔ لہٰذا قدرتی طور پر ہم ان پانچ برسوں کو اُتم چولا کی تخت نشینی

یعنی ۱۰۰۰-۹۹۹ء سے فوری پہلے کے پانچ برس تصور کریں گے۔ گویا آدتیہ کے عہدِ حکومت کا آغاز ۹۹۵/۹۹۴ء میں ہوا۔ یعنی اوپر بتائی گئی ترتیب سنین کے مطابق سندر چولا کے عہد کے آٹھویں یا نویں برس میں۔ یہ حقیقت کہ سندر چولا اپنے عہد کے ساتویں برس (۹۹۳ء) سے پہلے ہی پانڈیا کے خلاف جنگ میں کامیاب ہوچکا تھا، نیز لیڈن کے فرامین میں مندرج یہ بیان کہ آدتیہ نے اپنی کم سنی ہی میں شیوور کی لڑائی میں شرکت کی تھی، اس رائے کی تائید کرتے ہیں کہ سندر کے عہدِ حکومت کے شروع ہی میں آدتیہ نائب السلطنت بن چکا تھا۔ لیکن اس دلیل پر زیادہ زور نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ حکومت میں شریک ہوئے بغیر ہی اس نے لڑائی میں حصہ لیا ہو یا پانڈیہ حکمرانوں سے دوسری جنگ کچھ بعد میں ہوئی ہو یعنی ۹۶۵ء کے آس پاس۔

۲۔ تاریخ

گندر آدتیہ

راج کیسری گندر آدتیہ کی حکومت ترووالنگاڈو کی تختیوں سے بھی ثابت ہوتی ہے اور لیڈن کے فرامین سے بھی، جو مبہم ہوتے ہوئے بھی اس امر کا صاف اظہار کرتے ہیں کہ وہ آزاد اور خود مختار حکمران کی حیثیت سے حکومت کرتا تھا۔ ان ماخذوں کے علاوہ ضلع ترچنا پلی سے دستیاب ہونے والے متعدد راج کیسری کتبات سے بھی اس کی حکومت کی توثیق ہوتی ہے۔ یہ سب کتبات اس کے عہدِ حکومت کے آٹھویں برس کے کندہ شدہ ہیں اور ان میں پلتیار یا الوار اری شکل کیسری دیو کا ذکر آیا ہے۔ ضلع ارکاٹ سے ملنے والے ایک کتبے سے اس کی حکومت کی مزید توثیق ہوتی ہے جو مموڈی چولا گندر آدتیہ کے عہد کے دوسرے برس کا ہے۔ اس کے زمانے میں چولا سلطنت کی حدود وسیع نہیں تھیں اور ۹۵۰ء میں اس کی وفات کے وقت کرشن سوم غالباً تونڈئی منڈلم ہی میں تھا اور اپنی بکھری ہوئی طاقت کو مجتمع کر رہا تھا، نیز اپنے اتحادیوں اور ملازموں میں مفتوحہ علاقوں کو تقسیم کر رہا تھا۔ گندر آدتیہ کے عہد کے دوسرے برس (۹۵۱ء) کے ایک کتبے میں ضلع جنوبی ارکاٹ کے پہاڑی علاقے میں اس کے ایک سردار سِتّمدوالڈان نے جو مہاسنگم میں راجہ پاری کی بیٹیوں سے شادی کرنے والے مشہور جنگجو ادرتی کی نسل سے تھا، دیرچولا پادم میں کچھ نامعلوم دشمنوں پر ظفر یابی کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ وہی ملاڈو سردار

نرسمہادرمن ہوگا جس نے کرشن سوم کے عہد کے سترھویں برس میں اس کی اطاعت قبول کرلی تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ گندھر آدتیہ اس علاقے کی بازیابی میں کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہ کرسکا جو اس سے کرشن سوم نے چھین لیا تھا۔ کرشن سوم اس وقت بھی چولا علاقے میں اپنی طاقت اور مرتبے کو بڑھا رہا تھا۔

اُس کی مہارانی

گندھر آدتیہ کے پسماندگان میں اس کا ننھا سا بیٹا اُتّم چولا تھا جو اس کی مہارانی سَیمبین مہادیوی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ یہ خاتون جو اپنے خاوند کی وفات کے بعد بلکہ اپنے بیٹے کے انتقال کے بعد بھی ۱۰۰۱ء تک بقید حیات تھی، یقیناً اپنی جوانی کے آغاز ہی میں بیوہ ہوگئی ہوگی۔ اپنے شوہر کی وفات کے بعد اس کی زندگی دھرم اور دان میں وقف ہوکر رہ گئی تھی۔

آدتیہ کا تِرُووِشئی پا

شو کے کثیر التعداد مندر جو اس مہارانی نے تعمیر کروائے اور ان کے اخراجات کے لیے اپنے بیٹے کی حکومت کے آغاز کے بعد جو بھاری اوقاف و عطیات بخشے، ان کا ذکر آگے آئے گا۔ غالباً چدامبرم کے مندر کے متعلق تصنیف کیے ہوئے بھجن کا مصنف گندھر آدتیہ تھا۔ اس بھجن میں واضح طور سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ پرانتکا اوّل نے پانڈیا ریاست اور "ایلم" کو فتح کیا اور نٹ راج کے مندر کو سونے سے ڈھک دیا تھا۔ اس بھجن کا مصنف خود کو بھی پرانتکا کی طرح کوَلی (اُرَئیور) کا راجہ اور تنجیار (یعنی تنجور کی جنتا) کا والی بتاتا ہے۔ گندھر آدتیہ کا ایک اور نام تھا "میر کیگن درُولِنا دیور" یعنی وہ راجہ جو مغرب کی طرف گیا۔

ارِنجیہ

"اری کُل کیسری" اور ارِنجیہ یا ارندَمانے ہم معنی ہونے کی وجہ سے اکثر یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ یہ القاب ایک ہی فرد کی جانب اشارہ کرتے ہیں جو پرانتکا اوّل کا چھوٹا بیٹا تھا۔ ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو۔ بہرصورت ارنجیہ پراکیسری اپنے بھائی گندھار آدتیہ کے بعد تخت پر بیٹھا اور اس نے تھوڑے عرصہ ہی حکومت کی۔ اس کے دورِ حکومت کے واقعات کے

متعلق ابھی تک ہم کو کوئی شہادت نہیں ملی ہے۔ اس کی دو مہارانیاں دیمن کند دتیار اور کودئی پراشیار اس کے انتقال کے بعد بھی زندہ رہیں اور انھوں نے اپنے بیٹے کے دورِ حکومت میں کئی عطیات بھی بخشے۔ اگرچہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ دیمن کند دئی چالوکیہ راجہ بھیم دوم والیئے "وینگی" کی دختر تھی "تاہم اس زمانے میں جب چولا راجگان عملی طور پر راشٹر کتا حکمرانوں کے اطاعت گزار بن کر رہ گئے تھے، چولوں اور چالوکیوں کے درمیان اس طرح کا باہمی رشتہ ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ اگر کند دئی ایک مشرقی چالوکیہ شہزادی بھی رہی ہو تو بھی ارنجیا کے ساتھ اس کی شادی چولا ریاست پر راجہ کرشن کے حملے سے پہلے اور پرانتکا اوّل کے دورِ حکومت میں نیلوزپر ماآن پر میشورن کے حملے کے تھوڑے عرصے بعد ہوئی ہوگی۔ لیکن ترچی ملئم کے دو کتبات میں جو پراکیسری کے عہد کے دوسرے برس کے ہیں، ایک شخص ارائین آدِتن دیمن کے مقامی مندر کو کچھ عطیات دینے کا ذکر آتا ہے اور یہ بات خارج از امکان نہیں کہ یہی عالی خاندان شخص ارائین راجہ ارنجیہ کی مہارانی کا باپ رہا ہو۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو یہ پراکیسری کتبات ارنجیہ ہی کے کتبات قرار دیے جا سکتے ہیں اور ترتیب سنین کے حساب سے چونکہ ارنجیہ کے عہد کی میعاد نہایت مختصر تھی، ہم یقیناً یہی نتیجہ نکالیں گے، جو بعید از قیاس بھی نہیں ہے کہ ارنجیہ کو پرانتکا اوّل کی وفات کے بعد جلد ہی گندھرادتیہ کا ولی عہد منتخب کر لیا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ارنجیہ کی موت آژور کے مقام پر ہوئی تھی جس کے محلِ وقوع کی صحیح شناخت نہیں کی جا سکتی۔ راج راجا اوّل کے ایک کتبے میں درج ہے کہ اس نے آژور کے مقام پر فوت ہونے والے راجہ کی یادگار میں میل پاڈی میں ایک مندر تعمیر کرایا تھا اور اس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ آژور کہیں میل پاڈی کے نواح ہی میں ہوگا۔ غالباً ارنجیہ نے شمال میں ان چولا مقبوضات کو واپس لینا شروع کر دیا تھا جو پہلے کرشن سوم نے چھین لیے تھے۔ ترونا گیشورم کے ایک کتبے سے اس خیال کو مزید تقویت ملتی ہے اس کتبے میں مذکور ہے کہ ارنجی کپ پراتیار، شہزادہ اری گل کیسری کی بیٹی تھی جس کی بیوی ایک بان راجہ کی دختر تھی۔

چولا اقتدار کا احیاء

یہ کتبہ راجہ کیسری ورمن کے عہد کے دوسرے یا تیسرے برس کا کندہ شدہ ہے،

یہ راجہ دراصل گندھر آدتیہ ہی تھا۔ اس کہنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ گندھر آدتیہ کے زمانے میں ہی ان نقصانات کا ازالہ کرنے کی کوششیں شروع ہو گئی تھیں جو اس کے والد کے عہد کے آخری سالوں میں اٹھانے پڑے تھے اور غالباً بان خاندان کے سرداروں کو یا ان میں سے بعض کو کرشن سوم کی اطاعت سے روگرداں کر لیا گیا تھا۔ بانوں کے ساتھ اس اتحاد کو چولا طاقت کے اس زوال سے ابھرنے کے ابتدائی آثار میں شمار کیا جا سکتا ہے جس کی وہ وقتی طور پر شکار ہو گئی تھی۔ گندھر آدتیہ کے انتقال کے بعد ارن جئے نے ان مساعی کو جاری رکھا۔ وہ خود ٹاڑو کے مقام پر لڑتا ہوا مارا گیا۔ اگر گندھر آدتیہ کے عہدِ حکومت کے متعلق یہ رائے صحیح ہے تو ضرور اس نے جنوب کی طرف بھی اپنے کھوئے ہوئے مقام کو از سرِ نو حاصل کرنے کی کوشش کی ہوگی، اگرچہ شروع میں اسے اس میں بہت کم کامیابی ہوئی ہوگی۔ نیز ویر پانڈیا کی طرف سے ایک چولا راجہ کا سر قلم کرنے کا جو فخریہ بیان کیا گیا ہے وہ شاید اسی عہدِ حکومت کے متعلق ہو۔

سُندر چولا

ارن جئے کے بعد اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا۔ یہ ارن جئے کی رانی کلیانی کے بطن سے تھا جو دیدُمبا خاندان سے تھی۔ آن بل کی تختیوں میں صرف اسی کا ذکر ملتا ہے۔ یہ بیٹا سندر چولا پرانتکا دوم تھا جو مدورائی کونڈا راج کیسری کے لقب سے بھی معروف تھا۔ سب سے پہلے سندر چولا نے اپنی توجہ جنوب کی جانب مبذول کی۔ ویر پانڈیا پانڈیا ریاست میں چولا اقتدار کی بحالی کے لیے گندھر آدتیہ کی کوششوں کو ناکام بنا کر ایک آزاد اور خود مختار فرمانروا کی حیثیت سے حکومت کر رہا تھا۔

معرکۂ چیوور

لیڈن کے فرمان میں مذکور ہے کہ چیوور کے مقام پر ایک بڑی لڑائی میں پرانتکا نے اپنے دشمن کے ہاتھیوں کو بری طرح مجروح کر کے خون کی ندیاں بہادیں اور اس کا بیٹا آدتیہ جو ابھی خورد سال تھا میدان جنگ میں ویر پانڈیا سے یوں کھیلا جیسے کوئی شیر کا بچہ کسی گرانڈیل ہاتھی سے کھیلتا ہے۔ کرن دئی کی تختیوں (شلوک ۲۴-۲۵) چیوور کے

معرکے کا تذکرہ اس اضافہ کے ساتھ موجود ہے کہ ویر پانڈیا کو شکست ہوئی اور اسے بھاگ کر سہیادری پہاڑ کی چوٹیوں پر پناہ لینی پڑی۔ آدتیہ نے چیوور کے میدان ہی میں اپنی شجاعت کا مظاہرہ کیا جو سیوَلی کی پہاڑیوں کے جنوب میں واقع ہے۔ یہ پہاڑیاں پدُوکوٹاہ کی جنوبی سرحد پر واقع ہیں اور اسی معرکے کی بنا پر اسے یہ دعوا کرنے کا موقع حاصل ہوا ہوگا کہ اس نے ویر پانڈیا کا سر اتارا۔"

پانڈیا سے جنگ

لیڈن کے فرمان میں ترووالنگاڈو کی تختیوں کی طرح یہ مذکور نہیں ہے کہ آدتیہ نے ویر پانڈیا کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اور یہ ممکن ہے کہ ترووالنگاڈو کی تختیوں کے لکھنے والے نے لیڈن کے فرمان میں دی ہوئی زوردار تشبیہ سے متاثر ہو کر ویر پانڈیا کے ساتھ آدتیہ کی زور آزمائی کا بیان قدرے مبالغہ کے ساتھ کیا ہو۔ آدتیہ کی حکومت کے متعلق بھی اس کے تذکرے سے ہماری معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اس بات کے امکانات ہیں کہ چیوور کی لڑائی کے بعد جس میں ویر پانڈیا کو شکستِ فاش ہوئی، چولوں کی افواج نے دیگر سرداروں کے علاوہ کوڈمبالُور کے والی پرانتکن شریا ویلار کی سرکردگی میں پانڈیا عملداری میں اپنی مہم کو جاری رکھا اور ویر پانڈیا کو جنگلوں میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔

لڑائی کی لنکا تک توسیع

چولا جارحیت کی مزاحمت کرنے میں اس موقع پر لنکا کی افواج نے پانڈیا تاجدار کا ساتھ دیا۔ کیونکہ شریا ویلار نے لنکا پر فوج کشی کی اور ستندر چولا کے عہد کے نویں برس یعنی ۹۶۵ء سے قبل ہی وہاں لڑتے ہوئے مارا گیا "مہاوامسا" میں اس واقعہ کی تصدیق مہندا پنجم کے عہدِ حکومت میں ان الفاظ سے کی گئی ہے:-

"ونجھ راجہ نے ہمارے اس ملک کو اپنے زیرنگیں لانے کے لیے ناگ دیپ کی جانب فوج بھیجی۔ ہمارے حکمران نے جب یہ سنا تو سینن نامی سپہ سالار کو اُدھر بھیجا اور ونجھ راجہ کی افواج سے مقابلہ کے لیے ایک بڑی فوج اس کے ساتھ کر دی۔ سپہ سالار ادھر جا پہنچا۔ اس نے ونجھ راجہ کی فوجوں کا مقابلہ کیا، انھیں شکست دی اور میدانِ جنگ اس کے ہاتھ رہا۔

چونکہ وِلبھ راجہ کی قیادت میں لڑنے والے حکمران ہمارے تاجدار کو شکست نہیں دے سکے' انھوں نے لنکا کے حکمران کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر لیا۔ اس طرح ہمارے راجہ کی شہرت سمندر کو عبور کر کے لنکا میں پھیل گئی اور جمبودیپ تک پہنچ گئی۔"

اس تاریخی کتاب اور چولوں کے کتبات میں جو بیانات درج ہیں ان کی تحریری تصدیق راجہ مہندر کے ویلگری کے حجری کتبے سے بھی ہوتی ہے جس میں ڈمیلاؤں کے خلاف سیناپتی سین کی کامیاب مہم کا ذکر کیا گیا ہے۔

چولوں کے اتحادی

آدتیہ دوم کے علاوہ دو اور افراد بھی ویر پانڈیا پر فتحیابی کے دعویدار ہیں۔ ان میں سے ایک پارتھی ویندر ورمن ہے جس کے متعلق پہلے بھی تھوڑا بہت بتایا جا چکا ہے۔ دوسرا کوڈمبالور کا والی بھوتی وِکرم کیسری ہے' جو ویر پانڈیا کو جنگ میں شکست دینے کا مدعی ہے۔

وکرم کیسری

جس کتبے سے یہ بات ہمارے علم میں آئی ہے' اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ میدانِ جنگ میں پلوؤں کی فوج نے جو خون بہایا اس سے وِکرم کیسری نے دریائے کاویری کے پانی کو سرخ کر دیا۔ اس نے وِنّی وِل کا خاتمہ کر دیا اور کوڈمبالور سے حکومت کرنے لگا۔ اس کی دو مہارانیاں کرلی اور ورگنا تھیں۔ راج کیسری کے ایک کتبے میں' جس سے تاریخ تحریر مٹ گئی ہے' یہ درج ہے کہ کرلپ پرتی' راجہ تین دن انگو ویلار عرف مٹروِن پودیار کی بیوی تھی۔ یہ شاید وکرم کیسری کے دوسرے نام ہوں گے۔ راج کیسری کے تیرھویں سال کے دو دیگر کتبات میں ورگنا پیرُدمانار کا ذکر آیا ہے جو غالباً راجہ وِکرم کیسری کی دوسری رانی تھی۔ تلنی ستھاتم سے ملے ہوئے ایک کتبے میں بتایا گیا ہے کہ وہ پرانتکا انگو ویلار کی بیوی تھی۔ یہ لقب بلاشبہ اس ماتحت درجے کی نشان دہی کرتا ہے جو راجہ پرانتکا سندر چولا کے مقابلے میں وِکرم کیسری کو حاصل تھا۔ ایک اور کتبے میں جو لالگڑی سے دستیاب ہوا ہے' یہ درج ہے کہ ننگئی ورگنا پیرومانار چولا راجہ کی بہن تھی۔ وکرم کیسری نے اپنی بیوی کرلی کے بطن سے پیدا دونوں بیٹوں کے نام چولا تاجدار اور اس کے بیٹے کے نام پر پرانتکا اور

آدتیہ دربار کھتے ۔ آخری بات یہ ہے کہ جیسا پہلے بتایا جاچکا ہے، پرانتکن شری یا ویلاردالی کوڈمبا لُور جنوبی مہاتِ جنگ میں چولا فوج کے سربراہوں میں سے ایک تھا۔ جب ان واقعات کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ پرانتکا اوّل کے زمانے میں جو دوستانہ تعلقات کوڈمبالُور کے سرداروں اور چولا راجاؤں کے درمیان تھے اس کے جانشینوں کے عہدِ حکومت میں بھی برقرار رہے۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ باغی ویر پانڈیا کی سرکوبی کرنے میں وکرم کیسری نے راجہ سندر چولا اور اس کے بیٹے کی مدد کی تھی۔

وکرم کیسری کی ویر پانڈیا کے ساتھ لڑائی کے علاوہ اس کے دیگر کارہائے نمایاں اتنی آسانی سے بیان نہیں کیے جا سکتے۔ ونچی ویل پر اس کی معمولی فتح کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وکرم کیسری نے دریائے کاویری کے کنارے پلوؤں کے ساتھ کیسے نبرد آزمائی کی ہوگی۔ اگر اس بات کو سچ مانا جائے تو وکرم کیسری کے کوڈمبالور کے کتبے کی قدامت تسلیم کرنے کے لیے جواز پیدا ہو جائے گا۔ لیکن علم کتبہ خوانی کے اصولوں کے مطابق اس کتبے کو گندھرآدتیہ سے قبل کی کسی تاریخ سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں ہمیں کتبے میں دیے ہوئے لفظ پلّو سے ”دلبھ“ ~~مراد لینی چاہیے~~۔
اس طرح ہم اس جنگ کی وضاحت کر سکتے ہیں جس میں وکرم کیسری نے ایک نمایاں کردار ادا کیا تھا اور ویسی ہی کامیابی حاصل کی تھی جیسی کہ راشٹرکتا راجہ کرشن کو چولا ریاست پر حملہ کر کے حاصل ہوئی تھی اور جس کے نتیجے میں وہ رامیشورم تک جا پہنچا تھا۔

پانڈیا جنگ کے ادھورے نتائج

سندر چولا کا عہدِ حکومت راشٹرکتا حملے کی تباہ کاریوں کے بعد چولا حکومت کے دوبارہ ابھرنے کا زمانہ تھا۔ تاہم جنوب میں جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں ان میں پانڈیا حکمران اور ان کے لنکا کے اتحادی اپنی طاقت سنبھالے رہے اور پھر کہیں راج راجا اوّل کے زمانے میں جا کر پانڈیا علاقے میں چولا راجاؤں کے کتبات دوبارہ نظر آتے ہیں۔ اصل میں راج راجا کا یہ دعوا ہے کہ اس نے پانڈیا راجاؤں کو اس وقت مطیع کیا جب ان کی حکومت اپنے عروج پر تھی۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کا باپ اور بڑا بھائی آدتیہ ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود اُن کا کچھ بگاڑ نہیں سکے تھے۔

شمال میں فتوحات

دوسری طرف خود آدتیہ، پارتھی وبندرا اور سندر چولا کے کتبات ہی سے یہ بات عیاں ہے کہ شمال کی جانب چولوں کو زبردست کامیابی نصیب ہوئی۔ آگے چل کر جیسے جیسے راجہ کرشن کے کتبات کی تعداد جنوبی ارکاٹ، شمالی ارکاٹ اور چنگل پیٹ کے اضلاع میں کم ہوتی جاتی ہے ویسے ہی ویسے دوسرے راجاؤں کے کتبات کی تعداد بڑھتی جاتی ہے، لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ تبدیلی بتدریج کس طرح ہوئی۔ شمالی خطے کے انتظامیہ معاملات میں سندر چولا نے سرگرم حصہ لیا۔ یہ اس سے ثابت ہے کہ اس کی موت کانچی پورم میں اس کے سنہرے محل میں ہوئی اور وہ بعد میں "پون مالیگئی تجن دیو" کے نام سے موسوم ہوا۔ وآن ون مہادیوی نامی اس کی ایک رانی جو ملائیامان خاندان سے تھی، اس کی موت پر ستی ہو گئی اور اس کی بیٹی کُندوئی نے تجور کے مندر میں غالباً اس کی ایک مورتی نصب کی تھی۔ سندر کے مرنے کے بعد ایک دوسرے منو کی حیثیت سے اس کی بڑی شہرت ہوئی لہٰذا کہا جانے لگا کہ وہ دُنیا کو بُرائی سے پاک کرنے کے لیے پیدا ہوا تھا۔ سندر چولا کی ایک اور رانی اس کی موت کے بعد ۱۰۰۱ء تک زندہ رہی جو کہ اس کے بیٹے راج راجا کے عہدِ حکومت کا سولھواں برس تھا۔

لٹریچر

سندر چولا کے زمانے میں سنسکرت اور تامل دونوں زبانوں کے لٹریچر کو فروغ حاصل ہوا۔ چولوں کا قدیم ترین کتبہ جو ہمارے علم میں ہے، وہ بھی سندر چولا کے عہد کا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ "ویر شولیم" کے تبصرے میں ایک اعلا درجے کا قصیدہ اس امر کا شاہد ہے کہ وہ علم و ادب کا سرپرست بھی تھا۔ یہ قصیدہ جس میں سندر چولا کو نندی پور کا راجہ کہا گیا ہے، بُدھ کو مخاطب کر کے لکھا گیا ہے اور اس میں ان سے راجہ کی خوشحالی اور طاقت کے لیے دعا کی گئی ہے۔ اس سے چولا راجاؤں اور جنوبی خطے کے بُدھ سنگھ کے مابین جو دوستانہ مراسم کا پتہ چلتا ہے جو لیڈن کے بڑے فرمان کی تاریخ تحریر سے کئی برس پہلے سے قائم تھے۔ اس فرمان میں "ناگ پٹم" کی ایک بدیشی بُدھ عبادت گاہ کو ایک گاؤں دان دینے کا ذکر ہے۔

آدتیہ دوم کا قتل

سندر چولا کے آخری دنوں پر ایک ذاتی المیہ کا سایہ پڑ گیا تھا۔ راج کیسری کے عہد کے دوسرے برس کے اڈیار گدی کے ایک کتبے میں ان اقدامات کا ذکر آیا ہے جو راجہ کے احکام کے تحت شری دیر نارائن چتر ویدی منگلم کی سبھا نے ان چند لوگوں کی جائدادوں کی ضبطی اور فروخت کے سلسلہ میں کیے تھے جو "دیر پانڈیا کا سر قلم کرنے والے کریکال چولا" کو قتل کر کے غداری کے مرتکب ہوئے تھے۔ یہ کتبہ اس امر کی صاف گواہی دیتا ہے کہ آدتیہ دوم قتل کر دیا گیا تھا۔ اس کتبے کو کندہ کروانے والا خود سندر چولا ہو سکتا ہے یا آدتیہ کا چھوٹا بھائی راج راجا جو ایک پراکیسری اُتّم چولا کے بعد تخت نشیں ہوا تھا۔ لیکن چونکہ اس کی تاریخ تحریر پہلے کی ہے لہٰذا یہ سندر چولا کا نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم یہ فرض نہیں کر سکتے کہ آدتیہ نے، جس کے عہد کے کم از کم پانچویں برس تک کے کتبات موجود ہیں، اپنے باپ سے پہلے اپنی حکومت کا آغاز کیا ہو گا۔ بلاشبہ یہ کتبہ راج راجا کے زمانے کا ہے۔ اگر یہ نتیجہ صحیح مان لیا جائے (علم نجوم اور علم کتبات سے حاصل شدہ اعداد و شمار اس کی تصدیق کرتے ہیں) تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اُن سولہ برسوں میں آدتیہ دوم کے قتل کا کوئی انتقام نہیں لیا گیا، جن میں اُتّم چولا نے حکومت کی۔ کیونکہ سندر چولا یا تو اس قتل کے غم میں جلد ہی مر گیا یا

کیا قتل میں اُتّم چولا کا ہاتھ تھا۔؟

اس نے یہ محسوس کیا کہ ایک طاقتور سازش کی وجہ سے انصاف کی راہیں مسدود ہو گئی ہیں اور قاتلوں کو سزا دینا ممکن نہیں ہے۔ اِن حالات میں اُتّم چولا کو اس سازش میں شرکت کے الزام سے بری قرار نہیں دیا جا سکتا جس کے نتیجے میں ولی عہد کا قتل ہوا۔ اُتّم کو تخت و تاج کی آرزو تھی اور سلطنت کے انتظامیہ معاملات میں راجہ سے خون کا رشتہ رکھنے والے شہزادوں کو جو ماتحت مقام حاصل تھا اس سے وہ ہرگز مطمئن نہیں تھا۔ چونکہ وہ شاہی خاندان کی ایک اعلیٰ شاخ کا نمائندہ تھا، اس لیے شاید اس نے اپنے آپ کو قائل کر لیا تھا کہ تخت پر اس کا حق ہے اور اس کا چچیرا بھائی اور اس کی اولاد ناجائز طور پر اس پر قابض ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنا ایک گروہ بنا لیا اور اس کے ذریعے سے آدتیہ دوم کو قتل کروا دیا اور ایسا کر کے اس نے سندر چولا کو مجبور کر دیا کہ وہ اسے ولی عہد نامزد کر دے۔

اور چونکہ ایسا کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا' لہٰذا اسکندر جس کام کو روک نہیں سکتا تھا' اس کے لیے اسے راضی ہونا پڑا۔ ترودالنگاڈو کی تختیوں میں جان بوجھ کر اس کہانی کو نظرانداز کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس طرح کے بیانات درج کیے گئے ہیں جو اگرچہ بذاتِ خود ایک معمہ معلوم ہوتے ہیں، لیکن اگر انھیں اڈیار گڈی کے کتبے کے فراہم کردہ اعداد و شمار کے ساتھ دیکھا جائے تو ان سے صحیح واقعات کی طرف کافی اشارہ مل جاتا ہے۔ ان تختیوں میں یوں لکھا ہے:۔

"آدتیہ غائب ہوگیا کیونکہ اُسے سورگ دیکھنے کی خواہش تھی۔ ہرچند کہ اُرُدموَلی ورما کی رعایا نے طاقتور کالی (گناہ) کے پھیلائے ہوئے اندھیرے کو دُور کرنے کے لیے اس کی بہت منت سماجت کی لیکن کشتری دھرم کے اس جاننے والے نے دل میں بھی اپنے لیے سلطنت کی خواہش نہیں کی جب تک کہ اس کے چچا کو اس کی (اُرُدموَلی ورما کی) ریاست کی خواہش رہی۔"

آدتیہ کا سورج غروب ہوچکا تھا۔ گناہ کی تاریکی مسلط ہوچکی تھی۔ رعایا چاہتی تھی کہ اُرُدموَلی اس ظلمت کا خاتمہ کردے۔ لیکن اُتم کی حرص کی فتح ہوئی کیونکہ اُرُدموَلی نے خود صبر کیا۔ اُرُدموَلی بزدل نہیں تھا اور نہ اس میں قانونی حق یا سیاسی تدبّر کی کوئی کمی تھی۔ چونکہ وہ خانہ جنگی سے بچنا چاہتا تھا اس نے سمجھوتہ منظور کرلیا اور جب تک اُتم کی حکومت کرنے کی خواہش کی تسکین نہ ہوجائے' انتظار کرنے کے لیے راضی ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ سمجھوتے میں یہ شرط بھی تھی کہ اُتم کی جانشین اس کی اولاد نہیں ہوگی بلکہ اُرُدموَلی اس کا جانشین ہوگا۔ ترودالنگاڈو کی تختیوں ہی کے الفاظ میں:۔

"مدھورانتکا نے اُرُدموَلی کے جسم پر خاص قسم کے نشانوں ہی سے یہ بھانپ لیا کہ وہ تینوں جہانوں کی حفاظت کرنے والا وشنو ہے جو دھرتی پر اتر آیا ہے' اور اسے ولی عہد کے منصب پر فائز کردیا اور خود حکومت کا انتظام سنبھالے رکھا"

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مدھورانتکن گندھرادتن' جو یقیناً مدھورانتکن اُتم چولا کا بیٹا ہوگا' راج راجا کے عہد حکومت میں ایک اعلا عہدے پر تعینات تھا اور انتظام سلطنت میں کمال وفاداری سے اس کی مدد کررہا تھا۔ اگر اُتم چولا کے اس طرح تخت پر بیٹھنے کی یہ کہانی صحیح ہے تو اُتم چولا کی ذات تاریخ میں ایک ایسی مثال پیش کرتی ہے کہ خود غرض اور

غلط کار اولاد ایسے والدین کے یہاں بھی پیدا ہو سکتی ہے جو اپنی پاکبازی اور نیک طینتی کے لیے ممتاز ہوں۔ اُتم چولا کی خود غرضی جس کے لیے اسے خون بہانے میں بھی باک نہیں ہوا، اس کے بعد تخت نشیں ہونے والے حکمران راج راجا کی سچی شرافت اور سیاسی تدبّر کے مقابلے میں ایک نمایاں تضاد پیش کرتی ہے۔

اُتم کی تخت نشینی

آدتیہ پراکیسری جس نے ویر پانڈیا کا سر اتارا تھا اور پارتھی ویندر ورمن کے کتبات مظہر ہیں کہ اُتم چولا کی تخت نشینی کے وقت تک چولوں نے شمال کی جانب بہت سا علاقہ دوبارہ فتح کر لیا تھا جو پہلے راشٹرکتوں کے حملے کے باعث ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ یہ کتبات اتر میرور، کانچی پورم، تکولم اور ترووتالمئی میں ملتے ہیں اور جنوبی ارکاٹ، شمالی ارکاٹ، اور چنگل پٹ کے اضلاع پر چولوں کے از سرِ نو تسلّط کے شاہد ہیں اور اس حقیقت کے پیش نظر کہ ان میں سے بیشتر کتبات میں معمولی کاروبارِ حکومت مثلاً اوقاف، بیعنامہ جات اور ذرائع آبپاشی کی تعمیرات کا ذکر ملتا ہے، ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ امن قائم ہو چکا تھا اور جنگ کے اثرات سرعت سے عوام کے ذہنوں سے معدوم ہو رہے تھے۔

اُتم چولا کے عہدِ حکومت سے متعلق بہت سے حجری کتبات محفوظ ہیں اور تانبے کی تختیوں کا ایک سلسلہ بھی۔ تختیوں کا ابتدائی حصّہ بد قسمتی سے ضائع ہو چکا ہے اس حصّے میں غالباً سنسکرت زبان میں چولا خاندان کا شجرۂ نسب درج تھا۔ البتہ ان کا آخری نثری حصّہ بچا ہوا ہے جس میں عطیہ جات کا مقصد درج ہے۔ بعض حجری کتبات اور ایک تانبے کی تختی میں راجہ کا ذکر واضح طور پر پراکیسری اُتم چولا کے نام سے کیا گیا ہے لیکن اکثر حجری کتبات ایسے بھی ہیں جن میں راجہ کا ذکر صرف پراکیسری کے لقب سے کیا گیا ہے۔ انھیں اُتم چولا کے عہدِ حکومت سے صرف نجوم کی بنا پر وابستہ کیا جا سکتا ہے یا اس لیے کہ ان میں اُتم کے بعض رشتہ داروں کا — مثلاً اس کی ماں اور اس کی ایک رانی کا ذکر آیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان میں اس کے بعض ملازموں اور افسروں کا ذکر بھی ملتا ہے۔

چولا خاندان کا قدیم ترین سکہ

ہمارے علم میں چولا خاندان کا جو سب سے قدیم سکہ آتا ہے وہ اُتم چولا کے عہدِ حکومت کا ہے۔ یہ ایک سونے کا ٹکڑا ہے اور ایک لاثانی نمونہ ہے جو کبھی سر والٹر ایلیٹ کے قبضے میں تھا۔ انھوں نے اس سکے کی ہو بہو شبیہہ بنالی ہے۔ اصل سکہ گم ہو چکا ہے۔ اس کے دونوں جانب ایک ہی طرح کے نقوش ہیں۔ مرکز میں ایک بیٹھا ہوا شیر ہے۔ اس کے عین دائیں طرف ایک مچھلی اور ایک لکیر اسے شیر سے جدا کرتی ہے۔ گول کنارے پر "اتم چولن" گرنتھ حروف میں منقش ہے اور مدار کے ساتھ ساتھ منکوں کی ایک مالا بنی ہوئی ہے۔ ایلیٹ کے اندازے کے مطابق اس سکے کا وزن ۲۵۔ اور ۳۰ رتی کے درمیان تھا اور یہ سکوں کے وزن کے اس معیار کے مطابق ہے جو راج راجا کے عہد سے قبل دکن اور جنوبی ہند میں رائج تھا۔

مدراس کے عجائب گھر کی تختیاں

اگرچہ مدراس کے عجائب گھر میں رکھی ہوئی اُتم چولا کے عہد کی تختیاں سیاسی تاریخ کے متعلق ہماری واقفیت میں کوئی خاص اضافہ نہیں کرتیں لیکن یہ اُتم چولا کے عہد کی سماجی زندگی اور انتظام مملکت کے متعلق بہت دلچسپ اطلاعات فراہم کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ اس دور کے علم کتبات کے خوبصورت ترین نمونے ہیں۔ اس عہد کے حجری کتبات میں بھی سیاسی معاملات کے متعلق کچھ زیادہ مواد نہیں ملتا۔ پراکیسری کے عہد کے بارھویں برس کے کچھ کتبات جو ضلع ترچناپلی میں ملے ہیں ہمیں اُتم چولا کی حکومت میں کولالم (کولار) کے ایک اعلا افسر سے روشناس کرتے ہیں جس کا نام امبلون پلو ودُر نکّن تھا۔ "وہ پرندرم" کے مرتبے کا ایک افسر تھا جس نے دیجے منگلم کا قدیم مندر پتھر سے تعمیر کروایا تھا۔ ترونادوکرشو نے اس کو مندر کہہ کر شہرت دی جو شوجی کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے ارجن (دیجے) کی تپسیا کی یادگار میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس افسر کو راجہ اُتم چولا نے دکرم شولا مارائیار کا خطاب عطا کیا تھا۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اُتم نے خود بھی دکرم کا لقب اختیار کر رکھا تھا۔ بعد میں یہ افسر راج راجا کی ملازمت میں بھی رہا۔ راج راجا کے عہد کے کتبات میں اس کے ذاتی نام سے پہلے موودی شولا کا خطاب بھی ملتا ہے، اور "راج راجا پلّو آرائین" کا دوسرا

خطاب بھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی ثبوت نہیں ملتا جس سے معلوم ہو کہ اُتّم چولا کا تسلط میسور میں کولار تک پھیلا ہوا تھا اور جن کتبات میں اس افسرِ اعلیٰ کا ذکر آیا ہے، وہ سب ایک ہی علاقے سے دستیاب ہوئے ہیں یعنی ضلع ترچناپلی سے۔ لہذا یہی قیاس کرنا پڑے گا کہ کچھ نامعلوم وجوہ سے یہ افسر اپنے وطن کولار سے ہجرت کر کے چولا ریاست کی حدود میں آ گیا تھا اور شاہی ملازمت میں اعلیٰ عہدے تک پہنچ گیا۔ (۴۰)

اُتّم چولا کی رانیاں

ان کتبات میں اُتّم چولا کی متعدد رانیوں کے نام ملتے ہیں ان میں سے پانچ کے نام تو ایک ہی کتبے میں اکٹھے دیے ہوئے ہیں۔ اُتّم کے پورے عہد حکومت میں سب سے اونچا مقام اس کی مہارانی اودرتتن (ارتانن) سوریئار کو حاصل رہا جو کہ کنڑی زبان کا ایک نام ہے اس مہارانی کا ذکر راجہ اُتّم چولا کے عہد کے پانچویں اور پندرھویں برس کے کتبوں میں اگر مہادیویار اور موتنم براتیار کے ناموں سے بھی کیا گیا ہے۔ اس مہارانی کا ایک لقب ترجھون مہادیویار بھی تھا جس سے اس کا سب سے بڑی رانی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اُتّم چولا کی تقریباً سبھی مہارانیوں کی جانب سے ضلع تنجور کے ایک خاص گاؤں میں اوقاف قائم کرنے کا ذکر کتبات میں ملتا ہے۔ اس گاؤں کا نام ان کی خوشدامن شیمبین مہادیوی کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اس خاندان کے افراد گندھر آدتیہ کی پارسا بیوہ کا کس قدر احترام کرتے تھے۔

اُتّم کا فرزند

جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے، اُتّم چولا کا ایک بیٹا مدھور آنتکن گندھر آدتیہ تھا جو راج راجا کے ماتحت ایک اعلیٰ منصب پر مامور تھا۔ (۴۱)

راج کیسری کے عہد کے پانچویں برس کے ایک کتبے میں ایک پانڈیا شہزادی پلچا آنن شامی ابئی کا ذکر دکرم شولا ملاڈ دڈئیار کی بیوی کے طور پر کیا گیا ہے۔ اس ملاڈ سردار نے جو ضلع جنوبی ارکاٹ کے پہاڑی علاقے میں چولوں کا باجگذار تھا مذکورہ بالا خطاب اُتّم چولا سے حاصل کیا ہوگا۔ جس کا خود دکرم لقب تھا۔ اگر یہ رائے درست ہے تو یہ کتبہ یقیناً راج راجہ اوّل ہی کا ہے۔

آٹھواں باب

حاشیے

تین کتبے جو سب پرانتکا دیوا کے نویں سال حکومت کے ہیں، چولا کتبات نویسی کے کچھ ادنا مسائل میں سے ایک مسئلہ کھڑا کر دیتے ہیں۔ ۱۸۹۶ کے کتبہ نمبر ۱۴ میں جو ترُودا لنگاڑور (ضلع شمالی ارکاٹ) سے ملا ہے، راجہ کا ذکر پراکیسرا اور ترِبھوون چکرورتی کے القاب کے ساتھ کیا گیا ہے۔ کوئیل تیورائن پٹیائی (Koyil - Tasan Sayan-pettai)، ضلع تنجور سے دستیاب شدہ ۱۹۲۲ ~~کے کتبہ نمبر ۲۷۱ میں بھی~~ یہی کہا گیا ہے اور اس کے علاوہ ایک تاریخی تمہید بھی دی گئی ہے جو "پومنگائی ولترو" سے شروع ہوتی ہے۔ ۱۹۲۹ کے کتبہ نمبر ۲۲۵ میں بھی جو ترُودُوڈ توزائی، ضلع جنوبی ارکاٹ سے ملا ہے، یہی تمہید دی گئی ہے لیکن حکمران کا ذکر راج کیسری اور چکرورتن کے القاب کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اگر یہ کتبے اصلی ہیں تو یا تو پرانتکا اوّل پراکیسری کے زمانے کے ہو سکتے ہیں یا پرانتکا دوم پراکیسری کے عہدِ حکومت کے۔ لیکن ان کتبوں میں راج راجا اوّل سے پہلے کے دیگر چولا راجاؤں کی پرشستیوں کی عدم موجودگی اور ان میں سے دو کتبوں میں راجہ کے نام کے ساتھ ترِبھوون چکرورتی کا لقب شامل ہونے کی وجہ سے اور اس لیے بھی کہ ان میں سے تیسرا کتبہ ایک مندر میں ملتا ہے جہاں دیر راجندر سے قبل کے زمانے کا کوئی بھی اور کتبہ موجود نہیں ہے۔ یہ کتبات مشکوک معلوم ہوتے ہیں۔ ان سے تاریخی اہمیت کی کوئی بات معلوم نہیں ہوتی اور ممکن ہے کہ یہ بعد کے زمانے کے کسی گمنام چولا راجہ کے ہوں۔

کرشنا شاستری (S I I - ۱۲ - تمہید - ۱۲) کا کہنا ہے "شاید کرِشن (Krishnan.

Kannara) کے تامل کتبوں میں جن برسوں کا ذکر ہے وہ ۹۴۹ عیسوی سے شمار کیے گئے ہوں" اسی صفحے پر ہی وہ تسلیم کرتا ہے کہ کرشن کا انتقال شاکا سمت ۸۸۹ یعنی ۹۶۷ عیسوی میں ہوا۔ اس نے اس امر کی وضاحت نہیں کی ہے کہ اس تاریخ کے بعد بھی اس کے کتبوں میں اس کا نام اور اس کے سالہائے حکومت کا شمار لگ بھگ ۹۷۷ عیسوی تک کیوں چلتا رہا۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ ۹۴۹ کرشن کے تونڈائی منڈلم میں داخل ہونے کا سال نہیں تھا، بلکہ اس سے اگلا برس تھا۔ تو پھر اس کے تامل کتبوں کے لیے اسی سال کو سالِ آغاز کیوں مانا گیا ہے۔ تامل کتبوں میں سب سے آخری سالِ حکومت جو درج ہے وہ تیسواں نہیں ہے جو ابھی تک مانا جاتا رہا ہے بلکہ اٹھائیسواں ہے (۱۹۰۲ کا ۳۶ ۴ : ۱۹۲۱ کا نمبر ۱۵۹) - ۱۹۰۲ کے نمبر ۲۳۲ (کیلور) میں دی ہوئی تاریخ اب ۲۸ پڑھی جاتی ہے نہ کہ ۳۰ جیسی کہ ARE - ۱۹۰۰ میں دی ہوئی ہے۔ SII-vii-۸۵۹

۳۔ لیکن دیکھیے پرندور (Parandur) سے ملے ہوئے پندرھویں سال کے ایک کتبے پر تحریر صفحہ ۱۵۰ (Set)

۴۔ دیکھیے SII-iii-۱۲۵، ۱۲۸

۵۔ راج راجا اوّل کے چھٹے سالِ حکومت کا ۱۹۱۸ کا کتبہ نمبر ۴۴۴ - پھر ۱۹۲۶-۲۷ کا نمبر ۲۵۲، مدوری چولا گندھر آدتیہ کا براہِ راست ریکارڈ ہے۔

۶۔ SII-iii-۱۱۱-۱۱۲۔

۷۔ کرشنا شاستری کا کہنا ہے۔ "آلوار کا لقب ایک احترام کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو سکتا ہے کہ اس وقت موصوف فوت ہو چکا تھا۔" آگے وہ کہتا ہے کہ "اگر اری کل کیسری۔ اری کیسری، ارنجیا اور ارندما، جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، گندھر آدتیہ کے آٹھویں سال حکومت سے پہلے پہلے وفات پا گئے تو اگلا حکمران ضروری طور پر اری کل کیسری کا بیٹا ہونا چاہیے تھا، جو انبل (Anbil) کی تختیوں کے قول کے مطابق شہزادی ویدمبا (Vaidamba) کے بطن سے پیدا ہونے والا شہزادہ سندر چولا تھا (SII-iii-تمہید صفحہ ۱۴)۔ لیکن اری کل کیسری اور ارنجیا کو اگرچہ ایک ہی شخص قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ

وہ گندھرآدتیہ سے پہلے مرگیا تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ راج راجا کے بہت سے کتبوں میں اس کی بڑی بہن کندوئی (   ) کو بھی اس کے زمانۂ حیات ہی میں آلوار کہا گیا ہے۔ مزید یہ دیکھ کر کہ گندھرآدتیہ اور سندرچولا جو اس کے جانشین ہوئے دونوں راج کیسری تھے۔ کرشن شاستری یہ رائے ظاہر کرتا ہے (ایضاً۔ حاشیہ نمبر ۲) کہ بیچ کے وقفے میں حکومت کرنے والا پراکیسری راجہ یقیناً گندھرآدتیہ کا کم سن بیٹا ہوگا جو اگرچہ جانشینی کے لیے چُنا گیا ہوگا لیکن "وہ اس وقت اتنا کم سن ہوگا کہ اپنے والد کی جگہ تخت نشیں نہیں ہو سکا ہوگا"۔ یہ رائے بڑی ذہانت سے بھری ہوئی ہے لیکن قرینِ قیاس نہیں ہے۔ مزید دیکھیے EI - XV - صفحہ ۵۲ جہاں گوپی ناتھ راؤ بھی اسی ترتیب و تسلسل کو دہراتا ہے اگرچہ وہ ارنجیہ کو بیچ سے نکال دیتا ہے اور گندھرآدتیہ کو پراکیسری قرار دیتا ہے جو اپنے بڑے بھائی راجادتیہ راج کیسری کے بعد تخت نشیں ہوا تھا۔

۸ ۱۹۲۰ کا ۵۸۷

۹ ۱۸۸۹ کا نمبر ۸۳-۸۴-۸۶

۱۰ گوپی ناتھ راؤ کا خیال ہے کہ یہ سندرچولا تھا۔ EI - XV - صفحہ ۵۴۔ دوسرے علما کہتے ہیں کہ یہ گندھرآدتیہ تھا۔ SII - XVII - صفحہ ۱۹۵۔ مزید دیکھیے ARE ۱۹۲۱-II-۶۱

۱۱ SII - iii - صفحہ ۲۱۵ - حاشیہ ۴

۱۲ سی ویل (   ) کی کتاب صفحہ ۱۴۵

۱۳ گورُو پرمپرائی (   ) صفحات ۱۰۵-۱۰۴ (مؤلفہ ایس کرشنہاری ۱۹۲۷ء)

۱۴ ۸۶۸-۶۷-۶۸۔ اس کے خلاف دیکھیے کیلہارن کی فہرست صفحہ ۱۱۵ حاشیہ ۲ جو ترووالنگاڈو کی تختیاں دریافت ہونے سے پہلے مرتب کی گئی تھی۔

۱۵ ARE - ۱۹۰۴ - II : ۲۰ ۱۹۰۹ II ۳۹

۱۶ SII iii - تمہید - صفحہ ۱۴ : اور ASI ۱۹۰۸ - ۹ صفحہ ۱۲۲ - نیز ملاحظہ ہو ARE - ۱۹۱۲ ۱۷-۱۱

۱۹۰۸ - ۹ صفحہ ۱۲۲

حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۱۲ - ۱۹۱۱ء کے نمبر ۲۰۶ کے حوالے سے اس موضوع پر بہت محتاط طریقے سے بحث کی گئی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ "مدورائی کونڈا" کے لقب کا مفہوم ہی یہی ہے کہ یہ راجہ پرانتکا کا بیٹا تھا۔ دوسری طرف یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ گندھر آدتیہ کو کہیں بھی صاف طور پر راج کیسری نہیں کہا گیا ہے اور یہ سمجھنا مشکل ہے کہ اس راجہ کے سترہ برسوں کو گندھر آدتیہ کا زمانۂ حکومت کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ تین حکمرانوں کے دور کی مدت ملا کر کُل بیس برس ہوتی ہے۔ یہ حکمران گندھر آدتیہ، سندر چولا پرانتکا دوم اور آدتیہ دوم کریکال ہیں۔ لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ "بہرصورت ہم عارضی طور پر یہ مان لیتے ہیں کہ مدورائی کونڈا راج کیسری اصل میں گندھر آدتیہ ہی تھا"۔ اسی نتیجے کی بنا پر کرشن شاستری نے حصہ سوم کے کتبات کو ترتیب دی ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۵۰۔ نمبر ۱۱۴۔ تمہید اور حاشیہ نمبر ۴۔

۱۹ - ۱۹۰۹ء — ۳۹

۲۰ - ۱۹۰۷ کا ۱۲۹ - ۸۲

۲۱ - ۱۹۰۸ کا نمبر ۲۹۱ صفحات ۱۲۱ - ۱۲۶

۲۲ - ۱۱۵ (۱۹۱۲ کا ۲۴۶)

۲۳ - تمہید، صفحہ ۱۴

۲۴ - ۱۹۰۸ کا ۲۹۱

۲۵ ایک مصنف (صفحہ ۱۹۷) نے دعوا کیا ہے کہ وہ بہت سے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتبوں اور کچھ ایسے کتبات کے جو ابھی تک محکمہ کتبات شناسی نے نقل بھی نہیں کیے ہیں، بغور مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ راجہ راج کیسری کے تمام کتبات (جن میں لفظ "راجہ" صرف ایک بار آتا ہے) گندھر آدتیہ سے منسوب کیے جانے چاہئیں کیونکہ راج راجا جس کے ساتھ یہ کتبات منسوب کیے جاتے ہیں، اصل میں خود کو "کو راج راجا راج کیسری" (

کہلواتا تھا۔ (اس نام میں راجا کا لفظ دو بار آتا تھا)۔ ۱۹۰۶ کا نمبر ۷۶ اکتبہ راجہ راج کیسری کے عہد کے ساتویں سال کا ہے اور اس میں اُتم چولا کے پندرھویں سال

حکومت کا ذکر کیا گیا ہے۔ مزید دیکھیے ۱۹۰۸ کا نمبر ۲۹۸۔

۲۶ ۔ ... ۹۸-۹۷ اور ۲۸ بالترتیب

۲۷ تمہید۔ صفحہ ۱۶

۲۸ ۔ ملاحظہ ہو۔ ایضاً صفحہ ۱۴۔ حاشیہ نمبر ۲: صفحہ ۳۷ حاشیہ نمبر ۱

۲۹ ۔ آدتیہ کے کریکال کنن نامی بیٹے کی موجودگی کے امکان کے لیے جس کا حوالہ راج راجا کے کتبوں میں ملتا ہے، دیکھیے صفحہ ۴۶۔ اور حاشیہ نمبر ۲

۳۰ ۔ ... ۱۹۲۱ ... ۹۱

۳۱ ۔ ... صفحہ ۱۹۵۔ اس کے خلاف دیکھیے ... صفحہ ۲۲۳ جس کی تقلید رنگا چاری نے ... ۵۸۶ میں کی ہے

۳۲ ۔ ... iii ۔ (تمہید) صفحہ ۱۵

۳۳ ... iii ۔ ۱۸۰

۳۴ ... ii ۔ ۱۸۹

۳۵ ... iii ۔ ۱۵۸

۳۶ ... iii ۔ ۱۹۳

۳۷ ... ۱۹۲۱ کا صفحہ ۱۷

۳۸ ۔ تاہم پرندگر (...) کے کتبے کے لیے ملاحظہ ہو

۳۹ ۔ ... صفحات ۸۲-۸۳-۸۴ ۔ اے ایس رام ناتھ آئر مرحوم نے اپنی حالیہ تحقیق کی روشنی میں اس تاریخ وار ترتیب کو عام طور پر درست قرار دیا ہے جو یہاں پہلی مرتبہ بیان کی گئی ہے۔ پھر بھی اس کے متعلق خیالات میں ہنوز انتشار موجود ہے۔ رام ناتھ آئر خود کہتے ہیں کہ چونکہ سندر چولا کو اس کے ساتویں سالِ حکومت کے ایک کتبے میں "پانڈیا ناگ چرم ارکتا" کا لقب دیا گیا ہے لہٰذا ویر پانڈیا سے اس کی لڑائی ۹۶۴ء کے لگ بھگ ہوئی ہوگی۔ اسی دلیل کو وہ آدتیہ دوم کی تخت نشینی کی تاریخ ۹۵۶ء اور ویر پانڈیا کی تاجپوشی کی تاریخ ۹۴۷ء دونوں کی تردید کی بنیاد بناتے ہیں۔ اس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ "اس

سے ایسے نتائج برآمد ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتے مثلاً
یہ کہ آدتیہ نے ۹۵۷ء میں ویر پانڈیا کو ہلاک کیا اور یہ کہ اس کے پیش رو سندر چولا
نے اسے ۹۶۳ء میں شکست دی تھی۔" ایم وینکٹا راؤ نے بھی اس کا حوالہ دیتے ہوئے
اس کے قول پر صاد کیا ہے ۔صفحات ۳۶-۳۷، صفحات
۸۹-۹۰)۔ تاہم اسے غلط قرار دی ہوئی تاریخ کے صحیح ہونے کا امکان نظر آتا ہے۔
اسی موضوع پر زد دی۔ وینکٹا سُبا آئر نے یہ مزید دلیل دی ہے کہ چونکہ ایک جاگیردار
نے ۹۵۹ء کے اپنے ایک کتبے میں اپنے کسی آقا کا ذکر نہیں کیا اور ایک دوسرے
کتبے میں جو آدتیہ دوم کے دوسرے سال حکومت کا ہے، اس نے آدتیہ دوم کی برتری
کو تسلیم کیا ہے، اس لیے آدتیہ کا دوسرا سال حکومت ۹۵۹ء کے بعد ہوگا۔ ان
حالات میں اس کی تاجپوشی کی تاریخ ۹۵۶ء نہیں ہو سکتی اور وہ پارتھی ویندر
ورمن نہیں ہو سکتا۔
صفحہ ۹۶۹)۔ لوگوں کے لیے اپنے ہی "ابھی نویشوں" کا
غلام بن جانا کس قدر آسان ہے۔

۴۰ - ۱۹۲۲-۱۸۸۹ کا ۷۵، ۱۸۸۹ء کے نمبر ۶۲، ۶۳ صفحہ ۲۹۱-۹۲) بعد کے ہیں
اور وہ اغلباً پرا کیسری کے کتبے ہیں۔

۴۱ - ۱۹۰۷-۰۸ کا ۱۷۶، ۱۹۰۸ء کے نمبر ۵۷، ۵۷۴ -۱۱۱-۱۱۲)-۱۹۱۸
کا ۲۴۴ (راج راجا اوّل کے چھٹے سال حکومت کا کتبہ)

۴۱ .الف) ۱۹۳۶-۳۷ کا ۲۵۲

۴۲ - کرشنا شاستری ۱۹۱۱ کے ۲۸۷ (. iii-۱۱۳) کو سندر چولا کا کتبہ تصور کرنے
کی بجائے اسے گندھر آدتیہ اوّل سے منسوب کرتا ہے۔ دیکھیے ا حاشیہ ۴۲

۴۲ الف)۔ ۱۹۳۶-۳۷، ۲۲ ii، ۱۹۰۲ کا ۳۶۲

۴۳ - ۱۹۰۴ کا ۲۰۰۔ پرانتکا اوّل کے چالیسویں برس کے ایک کتبے میں، جو ۱۹۲۵-۲۶
کا نمبر ۲۲۰ ہے، ایک اور رانی ویرنارنیار کا ذکر کیا گیا ہے۔

۴۴ بعض کی یہ خصوصیات اس بات کو زیادہ قرینِ قیاس بنا دیتی ہیں کہ اس کا مصنف
یہی راجہ تھا نہ کہ راج راجا کا سرکاری افسر مدھر انتکن گیندرا [illegible]

...) جو مندروں کے معاملات کی تحقیقات کرتا ہوا نظر آتا ہے اور جس کے نام سے خیال ہوتا ہے کہ وہ مدھرانتکا اتم چولا کا بیٹا ہوگا۔ اس کے خلاف دیکھیے دینکیا۔ ۱۹۰۵-۰۶، صفحہ ۱۷۲، حاشیہ نمبر ۵

۴۵ ۱۹۲۰ کا ۵۴۰

۴۶ ۔ ۱۹۲۰ کا ۵۸۷، ... ۱۹۲۱، ... ۲۶۔

۴۷ ۔ ۱۹۲۸ کے نمبر ۱۶۲، ۱۷۲

۴۸ ۔ دیکھیے ... ۱۹۲۸ ... ۲۔

۴۹ ۔ اگر یہ صحیح ہو تو کرشنا شاستری نے جانشینی کی تاریخوں کی جو نئی ترتیب دی ہے، اس پر ایک مزید اعتراض ہوگا۔

۵۰ ۱۹۲۰ کا ۵۸۷

۵۱ ۔iii ۔ ۱۷

۵۲ ۔ ۱۹۱۱ کا ۲۱۵۔ اصل کتبے میں جو تاریخ ۹ کی شکل میں دی ہوئی ہے وہ صاف نمایاں نہیں ہے۔ لیکن یہ ۹ نہیں ہو سکتی۔ ... ۱۹۱۲۔ ... ۱۴

۵۳ ۲۵-۲۸

۵۴ ۔ ۱۹۰۸ کا ۳۰۲؛ کنیا کماری کا کتبہ ۔ ۶۲، اس کے خلاف دیکھیے صفحہ ۱۵۰ میں

این ایل راؤ

۵۵ ۱۸۹۶ کا ۱۱۶، ... ۷-۹۸ (راج راجا اول کے ستائیسویں سال حکومت کا)۔ میں اس کتبے کے متن میں تاریخیں (۳) غلط دی گئی ہیں ... ۱۹۱۴ ۔ ۱۵ میں اس تاریخ کو سندر چولا کا نواں سال حکومت بتایا گیا ہے اور یہی صحیح ہے۔ مزید مطالعہ کیجیے ... صفحہ ۱۲۴، اور اس کے بعد کے صفحات

۵۶ باب ۵۴ ۔ ... ۱۲ تا ۱۶

۵۷ لنکا کا شمال مغربی حصہ (جیجر)۔ کئی بار ولبھ کو راشٹرکوٹا حکمران کرشن سوم شناخت کیا گیا ہے (کاڈرنگٹن کی تصنیف" ... صفحہ ۵۰) لیکن چولا حکمران "ولو" کہلاتے تھے اور ویلیا گری کے کتبے سے پتہ چلتا ہے کہ حملہ آور تامل تھے۔

دیکھیے کاڈرنگٹن
صفحات ۴۹، ۵۳

۵۸. ۔ ۔ ۱۔ صفحہ ۴۹، اور اس کے بعد کے صفحات

۵۹. ۔۔ کے آٹھویں باب میں چولوں کی فتوحات کے تاریخ وار تذکرے اور وقوع کے متعلق بعض ایسے بیانات نظر آتے ہیں جن میں تصحیح کی ضرورت ہے۔ ایک بات کی طرف تو یہاں خاص طور پر توجہ دلانا ضروری ہے۔ وِیَر پانڈیا نے "جس نے چولا حکمران کا سر کاٹا تھا" یہ لقب تیرہ برس تک اپنے نام کے ساتھ شامل رکھا (: صفحہ ۱۰۲)۔ اس کا مطلب صاف طور پر یہی ہے کہ وِیَر پانڈیا نے آدتیہ اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں اپنی جان نہیں گنوائی کیونکہ اگر ہم محض بحث کی خاطر آدتیہ دوم کی تاجپوشی کی مجوزہ سب سے آخری تاریخ ۹۶۵ء کو مان لیں تو وِیَر پانڈیا اس حساب سے ۹۶۶ء میں ہلاک ہوا ہوگا کیونکہ آدتیہ کے دوسرے سالِ حکومت کے کتبوں میں اس واقعے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس تاریخ سے تیرہ برس پہلے ۹۵۳ یا ۹۵۴، پڑتا ہے جو راشٹر کوٹا حملے کے بہت جلد بعد کی تاریخ ہے اور اتنی جلد چولوں اور پانڈیوں کے درمیان جنوب میں ایسا تنازعہ نہیں اٹھ سکتا تھا جس نے وِیَر پانڈیا کو چولا حکمران کا سر کاٹ لینے کا موقعہ دے دیا۔ اگر پارتھی ویندر ورمن اور آدتیہ دونوں ایک ہی شخص کے نام تھے تو اس تنازعے کی تاریخ اور بھی پہلے یعنی ۹۴۴۔۴۵ء تک چلی جائے گی اور یہ ایک ناممکن تاریخ ہے۔

۶۰. ۱۹۰۷ کا نمبر ۱۲۰، ۱۲۰۔۱۴۰ (متن)

۶۱. ۱۹۰۳ کا ۲۷۳، ۱۹۰۸۔ ۔ ۹۰

۶۲. ۔۔۔ ااا۔ ۱۱۳ کرشنا شاستری اس کتبے کو اس بنا پر گندھر آدتیہ سے منسوب کرتا ہے کہ وکرم پراکیسری کا زمانہ قدیم دستاویز شناسی کی بنا پر آدتیہ دوم سے پہلے پڑتا ہے جس سے وینکیا نے اس کتبے کو منسوب کیا ہے۔ میرے خیال میں وینکیا کی رائے درست تھی۔ دلائل جن کی بنیاد دستاویز شناسی پر ہوئی ہے مشکل سے فیصلہ کن ہوتے ہیں، جبکہ وقت کا فرق اتنا کم ہو جتنا کہ گندھر آدتیہ اور آدتیہ دوم کے عہد کے درمیان ہے۔ دیکھیے ۔ ۔ صفحہ ۱۔ اور اس کے بعد کے صفحات

۶۳ کے دی سبرامنیا آئر جس نے اس کتبے (۔صفحہ ۵۲) کو تالیف کیا ہے، اسے آدتیہ اوّل سے منسوب کرتا ہے (ایضاً صفحات ۴۷ - ۴۸) اور کہتا ہے کہ اس کی تاریخ ۸۸۳ - ۸۴ء کے مطابق ہوتی ہے۔ وہ ورگنا کو پرانتکا انگو دیلار کی ملکہ قرار دیتا ہے اور اس کو وکرم کیسری قرار دیتا ہے، لیکن ان مسائل پر کوئی بحث نہیں کرتا جو کوڈمبالور کے وکرم کیسری کتبات سے پیدا ہوتے ہیں۔

۶۴ کڈومیاملائی سے دستیاب شدہ پراکیسری کے چھٹے سالِ حکومت کے ایک کتبے (۱۹۰۴ کے نمبر ۳۳۷) میں شیمبین ارُد کو دیلار۔
کی مہارانی ورگنا نائٹ پیرو مانار۔(
کا ذکر آیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ یہ وکرم کیسری کا ایک اور نام تھا۔
۱۹۰۸ - ۱۱ ؛ ۹۰)۔ لیکن اس کتبے میں مذکور ورگنا نائٹ، مترئیار خاندان کے ایک سردار کی بیٹی تھی (۔ ۴۵ - ۴۵ ۔ متن) اور چولا شہزادی سے جس کا ذکر اوپر آیا ہے، مختلف تھی۔ لہٰذا اگر ہمارا یہ نظریہ صحیح ہے کہ پرانتکا انگو دیلار نے چولا شہزادی سے شادی کی تھی تو شیمبین ارد کو دل اور پرانتکا انگو دیلار دونوں ایک ہی شخص نہیں ہو سکتے۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مترئیا خاتون وکرم کیسری کی مہارانی تھی اور چولا شہزادی کا شوہر پرانتکا انگو دیلار دراصل وکرم کیسری کا بڑا بیٹا تھا۔ اس صورت میں پراکیسری کے چھٹے سالِ حکومت سے (۱۹۰۴ کا ۳۳۷) پرانتکا اوّل کا چھٹا سال حکومت مراد ہو سکتا ہے جو ویرپانڈیا کے خلاف لڑی جانے والی جنگوں سے لگ بھگ ۵۲ برس پہلے آتا ہے جن میں وکرم کیسری نے حصہ لیا تھا۔ یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ شیمبین ارُد کوئیل اور اس مترئیا بیوی کو ایسے افراد سمجھا جائے جن کا ذکر کوڈمبالور کے کتبے میں دیے گئے شجرۂ نسب میں شامل نہیں ہو سکا "اردکوئیلوں" کے کچھ دوسرے ناموں کا ذکر بھی کیا گیا ہے مثلاً مدھرانتکا اردکوئیل اور مہی مالیا ارُد کوئیل۔ یہ نام پڈوکوٹہ کے کتبوں میں آتے ہیں جن کے لیے کوڈمبالور کے شجرۂ نسب میں گنجائش نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مدھرانتکا اردکوئیل جو ۱۹۰۴ کے نمبر ۳۳۵، ۳۳۶ (۶۴ - ۶۲ اور ۶۵)

میں مذکور ہے' اور جو آدتن (آچن) دکرم کیسری کے نام سے بھی موسوم تھا' راجا آدتیہ اوّل اور اس کے بیٹے پرانتکا اوّل دونوں کا ہم عصر رہا ہو۔

۶۵ دیکھیے حاشیہ نمبر ۶۲ سے پہلے کا حصّہ

۶۶ ملاحظہ ہو ... ۔ III ۔ صفحہ ۲۸۸' اور حاشیہ نمبر ۵' ۱۹۲۳-۲۴ کا نمبر ۱۸ (ستر ھویں سالِ حکومت کا کتبہ) چنتامنی، ضلع چنگل پٹ سے ملا ہے۔ نیز غالباً ۱۹۲۴-۳۵ کا نمبر ۲۱ (راج کیسری ۱۷) جو اسی ضلع سے کیر پاکم سے دستیاب ہوا ہے'

۶۷ ترڈوالنگاڈو کی تختیاں ۷۰ - ۶۵ - ۶۶' نیز ۱۹۰۲ کا نمبر ۲۳۶ (راج راجا اوّل ۱۷)

۶۸ ... ۔ II ۔ ص ۳۷

۶۹ ترووالنگاڈو ۔ ۷ ۔ ۵۷

۷۰ ۱۸۹۵ کا ۱۵۹' ۱۱' ۱۲۷-۳۲

۷۱ صفحات ۱۰۲-۳' پاپو ۱۱۰۷

۷۲ ۱۹۲۰ کا ۵۷۷'   صفحہ ۱۶۵

۷۳ ... ۶۸-۶۹' یہاں جو اصطلاح استعمال ہوئی ہے اس کے لغوی معنی ہیں "غروب ہونا" (استم گتوان   ) جو اس کے نام آدتیہ کی ہنسی اڑانے کی کوشش ہے۔ اس کی قبل از وقت وفات کے متعلق اشارہ "جنّت کی زیارت کرنے کی اس کی خواہش" والے جملے میں پایا جاتا ہے۔

۷۴ اس کے خلاف دیکھیے کے دی ایس آئر کی تصنیف   صفحہ ۱۴۲ اتم چولا اور اس کے بیٹے کی عمروں کے متعلق جن مشکلات کی جانب آئر نے توجہ دلائی ہے وہ اتنی سنگین نہیں ہیں جتنی اس نے ان کو بنا دیا ہے۔ ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ گندھر آدتیہ ۹۵۷ء میں فوت ہوا اور اس وقت اتم ۱۲ برس کا تھا۔ نیز یہ کہ وہ اس وقت تخت نشیں ہوا جب وہ ۹۶۹ء میں ۲۴ برس کا تھا۔ اس وقت اس کا ایک تین سال کا بیٹا بھی تھا جو ۹۸۹ء میں' جب پہلی مرتبہ اس کا ذکر راج راجا کے عہد کے کتبوں میں آنا شروع ہوا' ۲۲ برس کا ہو گا۔ اس حالت میں خیال کیا جا سکتا ہے کہ لیڈن اور ترووالنگاڈو کی تختیوں کی اس کا نام شامل ہونے سے رہ گیا۔

۷۵ ایلیٹ صفحہ ۱۳۲، نمبر ۱۵۱، صفحہ ۱۵۲۔
۔۔۲۰، سلسلہ نمبر ۱۵۲۔۵۴، بلاشبہ راجندر اوّل کے عہد کے سکے ہیں۔
۷۶ کاڈرنگٹن کی تصنیف " " صفحہ ۴۷
۷۷ دیکھیے ۔۔، iii ۔ نمبر ۱۲۸۔ کرشنا شاستری کے ان تختیوں کو بہت بہتر طریقے سے شائع کرنے کے بعد ٹی اے گوپی ناتھ راؤ کے ۱۹۲۵ء میں شائع کردہ مقالے ۔ جلد ۵۴۔ صفحہ ۱۶ اور اس کے بعد کے صفحات) جو نیگیٹو تختیوں کے ساتھ چھاپا گیا، اور ۱۹۱۱ء میں شائع کیے گئے ایک اور مقالے کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ یہ مقالہ ایک بے بنیاد بیان سے شروع ہوتا ہے کہ ان تختیوں کی مُہر پانڈیا تاجدار جٹل ورمن کی ہے جس کی ایک دستاویز عجائب گھر میں موجود ہے" میں نے اس مُہر کا معائنہ کیا ہے اور یہ دیکھا ہے کہ ۔۔iii ۔تختی صفحہ ۱۰۴ نمبر ۲ کی نقل کے متعلق تو یہ بیان صحیح ہے۔ لیکن یہ مُہر راجندر کی ترووالنگاڈو کی تختیوں پر ثبت شدہ مُہر سے ہو بہو ملتی جُلتی ہے (۔۔iii۔ میں صفحہ ۴۱۲ کے مقابل کی تختی دیکھیے)

کرشنا شاستری کا دعوا ہے کہ پراکیسری ورمن جس کے بائیسویں سال حکومت کے ایک کتبے (شِلالیکھہ) کا حوالہ ۱۱۔۲۸۔۲۹ میں دیا گیا ہے دراصل وجیالیہ تھا (" ۔iii ۔صفحہ ۲۶۷۔ اور حاشیہ ۲) اور یہ کہ " ہمارے فرمان عطیہ میں مندرج یہ بیان کہ اس کے بائیسویں سال کے ایک حجری کتبے کے ذریعے کچی پیڈو ... کے مندر کی ایک مستقل آمدنی مقرر کر دی گئی تھی، اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ اگرچہ وجیالیہ نئے شاہی خاندان کا پہلا تاجدار تھا لیکن اس کا دورِ حکومت اپنے طاقتور جانشینوں کے عہد کی طرح طویل، پُرامن اور خوشحال تھا۔ اس رائے کو اس حقیقت سے اور بھی تقویت ملتی ہے کہ نمبر ۱۔ ۹۶ میں یہ جملہ صاف طور پر آیا ہے " مدورائیم الم کونڈ پراکیسری"

جس سے قدرتی طور پر ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ۱۱، ۲۸۔۲۹ میں مذکور پراکیسری کوئی دوسرا راجہ تھا۔ تاہم ۱۱، ۷۲۔۷۳ میں پراکیسری (سولھویں سال کا) ایک اور حوالہ ملتا ہے

جسے خود کرشنا شاستری اتم چولا کے متعلق تصور کرتا ہے لیکن یہ رائے بھی قائم کی
جاسکتی ہے کہ ۱۱، ۲۷ تا ۹۸ نمبر کے کتبوں میں ایک مسلسل حکم کا اندراج کیا گیا
ہے جس کی رُو سے پرانتکا اوّل کے اٹھارہویں سال حکومت میں کچی پیڈد شہر
کی بلدیہ نے ان تمام اخراجات کو منضبط کر دیا جو پراکیسری کے سولہویں سالِ
حکومت کے دوران منظور شدہ اوقاف سے پورے کیے جاتے تھے۔ اگر اس
نظریے کو تسلیم کر لیا جائے تو کتبہ ۱-۲۷ میں مذکور شخص پراکیسری اُتم نہیں ہوگا
بلکہ پرانتکا اوّل ہوگا اور ۱۱، ۲۸-۲۹ کے متعلق بھی یہی بات سچ ہوگی۔ ۱، ۱۲ میں
تو اتم چولا کا ذکر پراکیسری لقب کا حوالہ ۱، ۲۷ میں آیا ہے۔ موخر الذکر کتبے
کو اتم چولا سے منسوب کرتے ہوئے کرشنا شاستری یہ مانتا ہے کہ ایک ہی
کتبے میں ایک ہی راجہ کا ذکر دو پیرایوں میں بھی کیا جاسکتا ہے۔ اگر
یہ بات صحیح ہو تو یہ نتیجہ نکالنا آسان ہوگا کہ ۱۱، ۲۸-۲۹، اور ۲۷ میں مذکور
پراکیسری وہی شخص ہے جس کا ذکر ۱، ۹۶ میں "مدورا ئیم الم کونڈا پراکیسری"
کے نام سے کیا گیا ہے اور اس کے بجائے ان میں سے ایک کو دوجا لیہ اور
دوسرے کو اتم چولا سمجھنا صحیح نہیں ہوگا۔ میں اتنا اور کہنا چاہتا ہوں کہ کریکال
تیری کا بھی یہ نام اُتنا ہی راجہ آدتیہ دوم کریکال
کے ساتھ اس کی وابستگی کے سبب پڑا ہوگا جتنا کہ قدیم چولا راجہ کریکال سے
نسبت کے باعث (کرشنا شاستری۔ ایضاً۔ صفحہ ۲۶۸)

۷۸ ۱۹۲۹ کا ۱۶۵-۶۷

۷۹ "ترووشائے منگئی" پر اس کے تصنیف کردہ "دیورم" کی ۳-۷

۸۰ ۔ ۸ - ایضاً

۸۱ ۱۹۲۹ کا نمبر ۱۶۴، ۱۹۲۹ ۲۹

۸۲ ۱۹۲۹ کا ۱۶۸، اور ۱۸۴

۸۳ ۱۹۲۵ کا ۴۹۴ (بارہواں سال)

۸۴ ۱۹۲۵ کا ۱۶۵، اور ۴۸۸

۸۵ iii - نمبر ۹۴، ۱۹۰۴- (پیراگراف ۲۰) حاشیہ نمبر ۴،

سے پہلے

۸۶ ۱۹۰۵ کا نمبر ۷

۸۷ اگرچہ ہم اس کے متعلق یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن پانڈین شہزادی کے نام سے یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ کرنٹ کی تھی۔

نواں باب

راج راجائے اعظم (985ء سے 1014ء تک)

تخت نشینی اپنے عہدِ حکومت کے ابتدائی سالوں میں راج کیسری آرو مولی درمن کہلانے والا یہ راجہ ولی عہد کی حیثیت سے ایک طویل مدت تک عملی تربیت حاصل کرنے کے لئے 25 رجون 985ء کے فوراً بعد کے مہینے کے کسی دن تخت نشیں ہوا۔ وہ مہارانی وآن وَن مہادیوی کے بطن سے پیدا ہونے والے مہاراجہ پرانتکا دوم سندر چولا کا بیٹا تھا۔ تیرذ والنگاڈو کی تانبے کی تختیوں میں اس کی ولادت کے موقعہ پر منائی جانے والی خوشیوں کا خصوصی ذکر آیا ہے۔ اس کا طالع ولادت رت بھکھا تھا جیسا کہ ہمیں ان کتبات سے پتہ چلتا ہے جن میں اس کی سالگرہوں پر مندروں میں چڑھائی جانے والی نذر و نیاز کے عطیہ جات کا ذکر کیا گیا ہے۔

ایک عظیم دورِ حکومت راج راجا کی تخت نشینی سے چولا خاندان کی عظمت و احتشام کی صدی کا آغاز ہوتا ہے بلاشبہ راج راجا اوّل کی ذاتی قابلیت ہی سے اس کے بیٹے اور جانشین راجندر اوّل کے شاندار کارناموں کی داغ بیل پڑی کیونکہ اوّل الذکر کئی اعتبار سے وجیالہ نسل کے عظیم چولا حکمرانوں میں سے عظیم ترین حکمران ہوا ہے۔ راجندر اوّل کے تحت چولا سلطنت کو غیر معمولی وسعت حاصل ہوئی اور اس کی فوجی طاقت نے سمندر

پار کے علاقوں کو بھی فتح کر لیا۔ چولا حکمرانوں کی تاریخ میں راج راجا کی حکومت کے تیس برس ایک تشکیلی دَور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انتظامیہ اور افواج کی تنظیم میں فنونِ لطیفہ اور فنِ تعمیر میں مذہب اور لٹریچر کی ترقی میں ہمیں جو نئی طاقتیں بروئے کار نظر آتی ہیں وہ اس عہد کے ترقی پذیر سامراج کی دین تھیں۔ راج راجا کی تاج پوشی کے وقت چولا ریاست مقابلتاً ایک چھوٹی سی ریاست تھی جو راشٹر کتوں کے حملے کی تباہ کاریوں سے ابھی بمشکل سنبھلی تھی لیکن راج راجا کے عہد کے اختتام تک یہی ریاست ایک وسیع اور مستحکم سلطنت کی شکل اختیار کر چکی تھی جس کا بہترین نظم و نسق تھا جس کے قدرتی ذرائع وافر تھے اور جس کی ایک مستقل اور طاقت ور فوج تھی جو آزمودہ کار تھی اور بڑی سے بڑی مہم انجام دے سکتی تھی۔ اس عظیم راجہ کے کارناموں سے بڑھ کر اس کی شخصیت رہی ہوگی لیکن اس کے متعلق کوئی معتبر بیان ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ کسی بھی عینی شاہد نے راج راجا کی وہ خدمت انجام نہیں دی جو نُونزا اور پائس نے راجہ کرشن دیو رائے کی ہے۔ راج راجا کی کوئی مصدّقہ مورتی یا قلمی تصویر بھی ہمارے ہاتھوں تک نہیں پہنچی۔ تاہم اس کے عہد حکومت کے متعلق جو کچھ ہم جانتے ہیں اور وہ کم نہیں ہے۔ اس کی زبردست شخصیت اور اس کی دانش مندی کی توثیق کے لیے کافی ہے۔ اس کی بیدار مغزی کی دسترس سے کوئی چیز باہر نہیں تھی۔ اور اس نے چھوٹی سے چھوٹی تفصیل کی جانب بھی اتنی ہی توجہ کی جتنی کہ بڑے بڑے سیاسی منصوبوں پر۔ اپنی بہن کُندوئی سے اس کا جو محبت و خلوص کا برتاؤ تھا اور اپنی پر دادی (اتّم چولا کی والدہ) شیمبئین مہا دیوی کو اس نے جو خصوصی عزت و تکریم کا مقام دیا ان سے اس کے ایک دور اندیش حکمران، نیک اور عظیم انسان ہونے کی شہادت ملتی ہے۔

کیرل کی لڑائی

اپنے عہد اقتدار کے بالکل ابتدائی دنوں میں راج راجا نے مَمّڈی چولا دیو کا لقب اختیار کیا تھا۔ اس لقب کے معنی واضح نہیں ہیں۔ اس کی اوّلین فوجی پیش قدمی کیرل ریاست کی مہم میں ہوئی جس کے نتیجہ کا اظہار اس چھوٹے سے جملے "کاندلُور شالائی کلماڑتا" میں کیا گیا ہے جو اس راجہ کے عہد کے چوتھے برس اور اس کے بعد کے کتبات میں اس کے نام سے پہلے درج ہے اگرچہ یہ لقب سب سے پہلے اس کے عہد کے چوتھے سال میں دیکھنے میں آتا ہے لیکن

کیرل میں یا دیگر پانڈیا علاقوں میں راج راجا کا کوئی کتبہ اس کے عہد کے آٹھویں برس سے قبل کا ابھی تک دستیاب نہیں ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ریاست کی فتح کی تکمیل اور مفتوحہ علاقے میں نظم و نسق قائم کرنے میں چند سال ضرور جنگ کرنی پڑی ہوگی۔

پانڈیا راجاؤں سے جنگ

راج راجا کی "دگ وجے" کا مفصل احوال بیان کرتے ہوئے تِرووالنگاڈو کی تانبے کی تختیوں میں بتایا گیا ہے کہ اس نے جنوب کی سمت سے اپنی فتوحات شروع کیں۔ اس تذکرے میں پانڈیا راجہ امر بجنگ کی گرفتاری کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے،

"تب سورج ونشی نسل کے اس زیور کے سپہ سالار نے وِلندا کو تسخیر کرلیا۔ سمندر جس کی خندق تھا اور جس کے قلعے کی وسیع فصیل بلندی پر چمکتی دکھائی دیتی تھی دوسرے بہادروں کے لیئے یہ قلعہ ناقابل تسخیر تھا اور اسے فتح و نصرت کی دیوی کی مستقل اقامت گاہ سمجھا جاتا تھا۔"

اس سے پہلے ہم یہ دکھا چکے ہیں کہ جنوب کی تینوں ریاستیں پانڈیا، کیرل اور سمہال نے چولوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کر رکھا تھا۔ یہ اتحاد راج راجا کے عہد میں بھی قائم تھا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنوب کی سمت راج راجا کی پیش قدمی پانڈیا اور چیرا دونوں ریاستوں کے خلاف کی گئی تھی۔ ان دنوں چیرا راجہ بھاسکر روی ورمن ترُوودی (تخت 27ء تا 1036ء) تھا جس کے کتبات ٹراونکور کے مختلف حصوں سے دستیاب ہوتے ہیں۔

چولوں کا تاریخی تعارف

پلّو اور پانڈیا راجہ دھرم شاستروں کی ہدایات پر چلنے والے تھے، اور اپنے عطیات کی تختیوں میں ان کی تفصیل اور موقع کا اندراج کرنے سے پہلے اپنے اسلاف کی مختصر تاریخ کندہ کرواتے تھے۔ لیکن راج راجا پہلا حکمران تھا جس نے اس روایت کی بنا ڈالی کہ چند مخصوص جملوں میں اپنے عہد حکومت کے اہم واقعات کی ایک سرکاری یادداشت مرتب کرے جو اس کے حجری کتبات کے تعارف کا کام دے۔ اس رواج کی تقلید تقریباً اس کے ہر جانشین نے کی اور ہم یہ دیکھیں گے کہ اس کے فرزند راجندر اوّل کا یہ "تعارف" جو اس کے عہد کی ابتدا میں مختصر ہوتا تھا، آنے والے سالوں میں طویل ہوتا جاتا ہے اور اس میں بعد

کو پیش آنے والے واقعات کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

راج راجا کے تعارفی کتبات

یہ سرکاری "تاریخی تعارف" جن چولا راجاؤں کے کتبات میں درج ہیں ان کے متعلق تحقیق کرنے میں بڑی مدد دیتے ہیں۔ بعض مرتبہ ایک ہی راجہ نے ایسے تعارف میں دو یا دو سے زائد طرز تحریر اختیار کئے ہیں۔ خود راج راجا اول کے کتبات میں کم از کم تین طرح کے اسلوب تحریر پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک جو "ترو مگٹ پول" کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے، راج راجا کے عہد کے آٹھویں برس سے عام طور سے رائج ہو گیا تھا۔ اس تعارف میں راج راجا کے عہد کی پہلی جنگی مہم کے بارے اگر کوئی ذکر آیا ہے تو وہ یہی جملہ ہے جس کا حوالہ "کاندلوز شالئ" کے سلسلے میں پہلے ہی دیا جا چکا ہے بیسویں برس کے ایک کتبے میں درج ہے کہ "راج راجا نے مدورائی شہر کو بالکل اجاڑ دیا، کولم، کول دیشم، اور کوڈنگولور کے مغرور حکمرانوں پر فتح پائی اور سمندر کے حکمران اس کے سامنے حاضر ہوتے تھے۔

جنوبی مہم

راج راجا کی اس جنوبی مہم کے متعلق ایک سوال قدرتی طور پر ذہن میں یہ ابھرتا ہے کہ کیا اس نے پہلے مدورائی اور پانڈیا ریاست کو تسخیر کیا اور ضلع تنے ویلی سے ہو کر جنوبی دروں کے راستے کیرل میں داخل ہوا؟ یا اس کی پیش قدمی کا راستہ دوسری طرف سے ہو کر تھا۔ ترووالنگاڈو کی تختیوں اور سب سے آخری تعارف سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مدورائی کی تسخیر اور پانڈیا راجہ امر بھجنگ کی سرکوبی کے واقعات ولی نم اور شالئ کے مستحکم قلعوں پر چڑھائی سے پہلے ہی پیش آ چکے تھے لیکن اس عہد کے ابتدائی کتبات میں اور "ترو مگل پول" کے جملے سے شروع ہونے والے تعارف میں محض کاندلور شالئ کا ذکر ہی یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ بات اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ راج راجا کے کتبات تنے ویلی اور رام ند کے اضلاع کے بمقابلہ جنوبی ٹراونکور میں دو سال پہلے ہی سے دکھائی دینا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ترووالنگاڈو تانبے کی تختیوں اور راج راجا کے بعد کے کتبات میں جنوبی ریاستوں پر کئے گئے مختلف حملوں کے واقعات باہم خلط ملط ہو گئے ہوں۔

دو حملے

یہ بات واضح ہے کہ راج راجا نے پانڈیا راجہ اور اس کے اتحادی چیرا راجہ کے خلاف ایک سے زیادہ مہمات بھیجیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک مہم صرف کولم کے خلاف بھیجی گئی تھی۔ اپنے تنجور کے کتبات میں راج راجا نے جس مہم میں چیرا اور پانڈیا حکمرانوں کو ملئی ناڈو (پہاڑی خطے) میں شکست دینے کا دعویٰ کیا ہے وہ اس مہم سے مختلف ایک بعد کی مہم تھی جس میں کاندلور اور ولی نم پر حملہ کیا گیا تھا۔

ملئی ناڈو

1008ء سے قبل بھیجی جانے والی اس مہم کا اہم ترین واقعہ ادگئی کے مستحکم قلعے پر یلغار اور اس کی تسخیر تھا۔ ملئی ناڈو یا کذ ملئی ناڑو جو مغربی کوہستانی علاقہ تھا، موجودہ کورگ کو سمجھنا چاہیئے۔ ادگئی کا قلعہ اس خطے میں کہیں مغربی گھاٹ کے پہاڑوں میں ہوگا یا شاید اس سے کچھ جنوب کی سمت۔ راج راجا کے عہد کے چودھویں اور سولہویں برس کے کتبات میں "کذ ملئی ناڈو کی تسخیر کا ذکر تو ملتا ہے لیکن ادگئی پر حملے کا ذکر کہیں نہیں آتا۔ کتبات میں یہ بیان کہ راج راجا نے پانڈیا خاندان کو اس کی شان و شوکت سے محروم کر دیا جبکہ ان کی شہرت و عظمت اپنے عروج پر تھی ظاہر کرتا ہے کہ اس قلعے کی تسخیر پہلی لڑائی میں نہیں ہو سکی ہوگی۔ "کلنگتو پرانی" میں احسن راجہ کے ذکر میں صرف ادگئی کی فتح اور چیرا ریاست میں اس کے "شدائیم" نامی ایک تہوار کا رواج ڈالنے کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اپنے تینوں ہی "اُلاوَں" میں شاعر اوٹا کوتی کہتا ہے کہ راج راجا کا عظیم کارنامہ اپنے سفیر کی خاطر "اٹھارہ جنگلوں" کو عبور کرنا اور ادگئی کو نذرِ آتش کرنا تھا۔ اس کی کوئی قابلِ اطمینان وجہ نہیں بتا سکتے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس یلغار کی فوری وجہ راجہ کے فرستادہ سفیر کی توہین تھی۔

ایک چولا جرنیل — راجندر

وہ چولا جرنیل جس نے مغربی مہمات میں شہرت و امتیاز حاصل کیا غالباً خود ولی عہد شہزادہ راجندر ہی تھا۔ بعد میں اسے وِنگی اور گنگ منڈلو کا مہا دنڈ نایک بنا دیا گیا تھا اسے "جنّ و نمارا" کا خطاب بھی حاصل تھا۔ "مموڈی چولا" کے اس نرپا کھی (جس نام سے وہ مشہور تھا) نے چیروں سے "تلوا" اور کونگن کے علاقے چھین لئے۔ ملے آلا بار پر قبضہ جمالیا اور چیروں ہی کو نہیں بلکہ ان کے ساتھ تیلنگا اور رٹیگا کو بھی پرے دھکیل

دیا۔ گنگ منڈلوں میں اعلیٰ فوجی افسر کی حیثیت سے اس نے اس شاہی فرمان کی تعمیل کی جس کی رُو سے مالوتی (کورگ) کا گاؤں اور "کھشتری شکھا منی کونگالوا" کا خطاب منّی جا کو عطا کیا گیا تھا۔ یہ اعزاز اس شجاعت کے اعتراف میں تھا جو اس نے غالباً کنگالوا حکمرانوں کے خلاف جنگ میں دکھائی تھی۔ کنگالوا ایک چھوٹا سا مقامی حکمرانوں خاندان تھا۔ بہرکیف یہ کونگالوا السل کا آغاز تھا جس نے قریباً ایک صدی تک ایک چھوٹی سی ریاست پر چولوں کے اطاعت گزار کے طور پر حکومت کی۔ اُن کا وجود چولا حکمرانوں کا مرہون منت تھا اس لئے جب ہوئسالہ خاندان کے عروج کے بعد اس خطے سے چولوں کا اخراج ہوا تو کونگالو خاندان کا بھی نام ونشان مٹ گیا۔

لنکا

"ترو مگل" کے تعارف میں پہلے ہی سے ایلم (لنکا) کو راج راجا کی فتوحات میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ تعارف سنہ ۹۹۳ء میں لکھا گیا تھا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ راجہ نے ایلمنڈلم پر بھی اپنا تسلط جما لیا جو کہ "آٹھوں جانب" "مشہور و خونخوار سِنگا خاندان کے زیر نگیں تھا۔ اپنے عہد کے انتیسویں (۲۹) برس (۱۰۱۴ء) میں راج راجا نے لنکا کے متعدد گاؤں مختلف مقاصد کے لیے تنجور کے ایک مندر کو وقف کیئے جو اس نے خود تعمیر کروایا تھا۔ ترو والنگاڈو کی تختیوں میں لنکا پر کیے گئے حملے کا مندرجہ ذیل دلچسپ بیان ملتا ہے۔

" رآم نے بندروں کی مدد سے سمندر کے اوپر ایک پُل تعمیر کیا اور تب کہیں بہت دشواری سے اس نے لنکا کے حکمران کو اپنے تیز نوکوں والے تیروں کے ذریعے موت کے گھاٹ اتارا۔ لیکن یہ راجہ تو رآم پر بھی سبقت لے گیا۔ اس کی طاقت ور فوج جہازوں کے ذریعے سمندر پار کر گئی اور لنکا کے حکمران کو نذر آتش کر دیا۔

لنکا کے خلاف راج راجا کی یہ بحری مہم مہندا پنجم کے عہد حکومت میں بھیجی گئی ہو گی جو سنہ ۹۸۱ء میں لنکا کے تخت پر بیٹھا تھا اور جب راج راجا کے فرزند اور جانشین راجندر اوّل نے اس جزیرے پر حملہ کیا اس وقت بھی وہاں اسی کی حکومت تھی۔ لیکن "مہاداسا" میں راج راجا کے حملے کا کوئی ذکر نہیں ملتا، غالباً اس لیے کہ مہندا کے عہدِ حکومت کے تاریخی واقعات کا واضح نقشہ اس کی حکومت کے دسویں سال سنہ ۹۹۱ء کے بعد اس انقلاب کے باعث نہیں ملتا جس کے نتیجے میں

ملک بھر میں کیرالا اور کرناٹک کے کچھ پیشہ ور فوجی برسرِ اقتدار آ گئے تھے۔ اس میں فوجی بغاوت کا انجام یہ ہوا کہ مہندا کو لنکا کے جنوب مشرق میں دشوار گزار جنگلوں میں پناہ لینی پڑی جو "روہنا" کہلاتے تھے اور راج راجا کو بہت اچھا موقعہ ہاتھ آیا اور اس نے شمالی لنکا پر قبضہ کر لیا۔ یہ علاقہ چولا سلطنت کا ایک صوبہ یا منڈلم بن گیا جس کا نام ممو ڈی شولا منڈلم پڑ گیا۔

چولا کی فتح کے اثرات

چولوں کے حملے کا ایک دیرپا اثر ضرور ہوا کہ انورادھا پور کو جو ہزار برس سے لنکا کا دارالسلطنت تھا، راج راجا کی فوج نے بالکل تباہ و برباد کر دیا۔ پولونرووا جو اس قدیم دارالخلافے کی ایک فوجی چھاؤنی تھی۔ جیسا کہ اس کے دوسرے نام کندادرُ نوزا (پڑاؤ کا شہر) سے پتہ چلتا ہے۔ اب لنکا میں چولوں کی راجدھانی بن گئی۔ اس سے پہلے کے تامل تاجداروں نے تو ہمیشہ صرف راج راٹھ کو اپنے زیر نگیں لانے کے لیے لنکا پر حملے کیے تھے، لیکن اب چولا راجگان پورے جزیرے کے مالک بننے پر تُلے ہوئے تھے۔ اُن کا یہی ارادہ ان کے نئے دارالسلطنت کے انتخاب کا باعث ہوا۔ انورادھاپور میں چولوں کی حکومت کا عملی طور پر کوئی نشان نہیں ملتا۔ جب سنہال خاندان کی حکومت راجہ وجے باہو اوّل کے تحت بحال ہوئی تو اس نے انورادھاپور میں اپنی تاج پوشی کی لیکن دارالخلافہ پولونروا ہی میں برقرار رکھا کیونکہ یہ مرکزی مقام تھا اور یہاں سے روہنا کے سرکش صوبے کو قابو میں رکھنا زیادہ آسان تھا۔ راج راجا نے اپنے عہدِ حکومت کے وسط میں جب ایک نیا لقب اختیار کیا تو پولونروا کا نام بھی بدل کر جن ناتھ منگلم رکھ دیا گیا۔

لنکا میں چولوں کے مندر

راج راجا کے کتبات لنکا میں پائے گئے ہیں۔ غالباً راج راجا نے لنکا کی تسخیر کی یادگار میں پولونروا میں شیو کا پتھر کا ایک مندر تعمیر کروایا۔ "سنگلاخ پتھر اور چونے سے بنا ہوا" یہ خوبصورت اور چھوٹا "شیو دیوالیہ" جو پولونروا کے قدیم شہر کی چار دیواری کے اندر واقع ہے، لنکا میں ہندوؤں کے ان معدودے چند آثار قدیمہ میں سے ایک ہے جو اب تک اچھی حالت میں ہیں اور اس کا طرزِ تعمیر اسے پہلی نظر ہی میں جنوبی ہند کے ان مندروں کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے جو دسویں سے بارہویں صدی عیسوی تک تعمیر کیے گئے ہیں اور جن کی ایک بہترین مثال تنجور کا عظیم مندر ہے۔ اس مندر کا سب سے قدیم

کتبہ راجندر اوّل کے ابتدائی عہدِ حکومت کا ہے۔ چولا ریاست سے آئے ہوئے ایک افسر سمیّ تالی کمارن نے مہاتیھ (منٹوٹا) کے مقام پر راج راجیشور نام کا ایک اور مندر تعمیر کیا جس کا دوسرا نام راج راجا پورہ بھی تھا۔ اس نے اس نئے مندر کے لیے اوقاف قائم کیے

دیگر فتوحات

اب ہم دوسرے اطراف یعنی گنگ پاڑی، نولمب پاڑی اور تڈیگائی پاڑی میں راج راجا کی فتوحات کا ذکر کریں گے جو ریاست میسور کا حصہ تھے اور راج راجا کے عہد ہی میں چولا ریاست کے حصے بن گئے تھے۔ اس راجہ کے ایک کتبے کے تعارف میں درج ہے کہ ریاست میسور کی تسخیر شالئی کو فتح کرنے کے فوراً بعد اور وینگی میں مشرقی چالوکیہ خاندان پر یورش سے پہلے عمل میں آئی۔

ریاست گنگا

شالئی میں فتح حاصل کرنے کے بعد کہا جاتا ہے کہ ستّا پاڑی (تڈیگائی پاڑی) تلیَ کاڈو، نولمب پاڑی اور پرودی گنگر ونا ڈو میں راج راجا کو کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ نولمبا خاندان اور گنگا خاندان کے خلاف یہ مہم جس کا ذکر سب سے پہلے راج راجا کے عہد کے آٹھویں اور نویں برس میں ملتا ہے۔ گو اس کے عہد کے چھٹے برس (۹۹۱ء) میں ختم نہ ہوئی ہو، پھر بھی بہت آگے بڑھ چکی تھی کیونکہ ریاست میسور میں ہمیں چولَ نارائن کا جو غالباً راج راجا اوّل ہی کا دوسرا نام ہے، اسی سال (شاکا سمت ۹۱۳) کا ایک کتبہ دستیاب ہوا ہے۔ راج کیسری یعنی راج راجا اوّل کے عہد کے ساتویں سال میں گنگر سائرا میں کولار کے رہنے والے ایک سرکاری افسر نے جس کا نام بھی گنگا خاندان کے لوگوں کا ایسا تھا ضلع جنوبی ارکاٹ میں ایک وقف کیا۔ یہ فتح اس لیے اور آسان ہو گئی کہ چولوں نے کونگو ریاست پر کبھی اپنا اقتدار کھویا نہیں تھا اور اگر کبھی وہ اس سے محروم بھی ہوئے تو انہوں نے کرشن سوم کے حملے سے جو ابتری پھیلی تھی اس کا فائدہ اٹھا کر اپنے کھوتے ہوئے اقتدار کو دوبارہ حاصل کر لیا۔ راج راجا نے کہیں بھی کونگو کے علاقے کو فتح کرنے کا دعویٰ نہیں کیا ہے اور وہ اپنے عہدِ حکومت کے آغاز ہی میں اس خطے پر قابض تھا۔ ترو چن گوڈو میں کچھ تانبے کی تختیاں ملی ہیں جن میں راج کیسری ورمن کے عہدِ اقتدار کے پانچویں برس کے ایک عطیے کا اندراج موجود ہے۔ یہ تختیاں راج راجا اوّل سے منسوب بھی کی جا سکتی

ہیں۔ بشرطیکہ وہ اس سے پہلے کے کسی راج کیسری مثلاً پرانتکا دوم کے عہد کی نہ ہوں۔
نڈیگتی پاڈی پر چڑھائی غالباً کونگو ریاست کے راستے سے کی گئی تھی اور کنڈ ملئی ناڈو کی
تسخیر کا ایک حصہ تھی۔ اس جنگ سے بہت پہلے ہی نولمبا خاندان ایک آزاد و خود مختار طاقت
کے طور پر اپنا وجود کھو چکا تھا اور گنگا راجہ کا اطاعت گذار بن چکا تھا۔ دسویں صدی عیسوی
میں نولمبا پاڈی نام کے خطے میں نہ صرف تمکور اور چتل درگ کے اضلاع شامل تھے بلکہ
بنگلور، کولار اور بیلاری کے اضلاع کا بہت بڑا حصہ اور سلیم اور شمالی ارکاٹ کے بعض
حصے بھی شامل تھے نولمبا خاندان کو جنوبی ہند کی سیاست میں جو مقام حاصل تھا۔ اس کا
یہ کافی ثبوت ہے۔ ہر چند کہ انہوں نے راج راجا کے حملے کے وقت اپنی بیشتر طاقت کھو دی
تھی لیکن وہ بالکل مٹ نہیں گئے تھے اور شاکا سمت 920 میں ائیپا کا بیٹا گن رآسا، ونگا
پاڈی کے کچھ حصے پر راج راجا کے ایک باجگذار کی حیثیت سے حکومت کر رہا تھا۔ ایک
نولمبا دھیراج، چولا راجہ کے عہد کے سولہویں برس میں اس کی فوج کا جرنیل تھا۔
شاکا سمت 993 کے ایک تاریخی کتبے میں یا تو اسی شخص کا ذکر آیا ہے یا کسی دوسرے نولمبا
دھیراج چوریا کا۔ ان مثالوں سے ایک خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گنگا خاندان کے
نولمبا اطاعت گزار اپنے ان آقاؤں کے خلاف ہو گئے تھے اور علانیہ چولوں کا ساتھ
دے کر یا کسی اور طرح سے انھوں نے ان سے پرانا بدلہ لے لیا۔ اس طرح گنگا ہی وہ
اصل حریف تھے جن کے خلاف میسور پر فوج کشی کی گئی تھی۔ یہ فوج کشی جو کونگو ریاست
کے راستے سے دریائے کاویری کو عبور کر کے نڈیگتی پاڈی اور تلکاڈ پر دھاوا بول
کر شروع ہوئی تھی پوری طرح سے کامیاب ہوئی اور اس سے ایک صدی کے لیے
گنگا ریاست میں چولوں کو اقتدار اعلےٰ حاصل ہو گیا۔ یہ آسان کامیابی کچھ حد تک
راشٹر کتا طاقت کے سنہ 973ء میں ختم ہو جانے کا نتیجہ بھی تھی۔ جب تائیلا دوم آہوامل نے
قدیم چالوکیہ خاندان کی کھوئی ہوئی طاقت از سر نو بحال کر دی تھی۔ اس سیاسی انقلاب
کی وجہ سے گنگا اور نولمبا کی مدد کرنے والے باقی نہیں رہے تھے کیونکہ اس وقت تک
نئی ابھرنے والی چالوکیہ طاقت سے وہ اس طرح وابستہ نہیں ہوئے تھے جس طرح
باہمی خاندانوں معاہدوں اور مشترکہ فوجی منصوبوں نے انہیں راشٹر کتا حکمرانوں
سے وابستہ کر رکھا تھا۔

مغربی چالوکیہ

لیکن مغربی چالوکیہ حکمران راج راجا کی زیر سرکردگی چولوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار و طاقت سے قطعاً بے فکر نہیں تھے۔ 992ء کے ایک کتبے میں تائیلا پا نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے چولا حکمران پر ایک فتح حاصل کر کے 150 ہاتھی اس سے چھین لیے تھے۔

سیتہ آشرایا سے جنگ

992ء کے بعد چند برسوں کے اندر ہی راجہ تائیلا پا کا انتقال ہو گیا اور اس کا جانشین سیتہ آشرایا چالوکیہ سلطنت کے تخت پر بیٹھا۔ راج راجا کے عہد حکومت کے آخری حصے کے کتبوں میں لکھا ہے کہ اس نے سیتہ آشرایا کے خلاف جنگ کی اور اس میں کامیابی حاصل کی، نیز اس کے کچھ خزانے پر قبضہ کر لیا۔ اس خزانے کا ایک حصہ تنجور کے عظیم مندر کو ملا۔ ادھر شمال کی جانب سے ریاست مالوہ کے پرمار راجاؤں کی دشمنی نے بھی مغربی چالوکیہ حکمرانوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ اور ان کے لیے دو مختلف سمتوں سے حملہ کرنے والے طاقتور حریفوں کا مقابلہ آسان نہیں تھا۔ راج راجا کے 1003ء کے قریب کے کتبات میں یہ دعوےٰ کیا گیا ہے کہ اس نے "ساڑھے سات لاکھ والے ملک" رٹا پاڈی پر بزور قبضہ کر لیا تھا لیکن اس میں بہت مبالغہ ہے۔ تیرو والنگاڈو کی تختیوں میں درج شاعرانہ بیان زیادہ معتبر اور قابل اعتماد ہے کہ ستیہ آشرایا اگرچہ صحیح معنوں میں تیلا اتیل ہی کی اولاد تھا لیکن راج راجا کی سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتی ہوئی فوج کا مقابلہ کرنے کی مصیبت سے بچنے کی غرض سے میدان جنگ سے فرار ہو گیا اور خود "مصیبت کا گھر" (کشٹ آشرایا) بن کر رہ گیا۔ کرن دئی (تجور) کی تختیوں میں کئی اشعار ستیہ آشرایا اور راج راجا کے مابین جو معرکہ ہوا اس کے بیان میں ہیں۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ وہ دریائے تنگ بھدرا کے کنارے (شعر نمبر 28) راج راجا کے ہاتھیوں نے قیامت برپا کر دی اور وہ اپنے جنگی گھوڑے پر سوار تن تنہا آگے بڑھتی ہوئی چالوکیہ فوج کی یلغار کو روکتا رہا جیسے شو دنیا پر گنگا ندی کے نزول کے تیز بہاؤ کو اپنی جٹا سے روکتے ہیں (شعر نمبر 29)۔ اس نے چالوکیہ جرنیل کیشو کو گرفتار کر لیا (شعر نمبر 31) اس سے آگے کے چاروں شعروں میں بھی اسی جنگ کا تذکرہ ہے لیکن ان سے کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوتی (اشعار 32 تا 35) سب سے آخر میں راج راجا کے بیٹے اور جانشین راجندر اول کے عہد حکومت سے متعلق ایک شعر سے انکشاف ہوتا ہے

دراج راجا نے چالوکیوں کی راجدھانی مانیہ کھیت کو تسخیر کرنے کی قسم کھا رکھی تھی اور راجندر نے اس قسم کو پورا کر دیا (شعر ما۱۵)۔

راجندر کی قیادت میں

ہوٹور (دھارواد) سے ملے ہوئے ستیہ آشرایا کے ایک کتبے میں جس کی تاریخ شاکا سم ۹۹۹ یعنی سنہ ۱۰۰۷ء کی ہے، یہ درج ہے کہ نور منڈی چولا راجندر رودیا دھرا نے جو راج راجا نتیہ دنودا کا فرزند تھا اور چولا کل کا زیور، اپنی نو لاکھ سپاہ کے ساتھ ضلع بیجاپور میں واقع دونور کے مقام تک پیش قدمی کی تمام ریاست میں لوٹ مار کی عورتوں، بچوں اور برہمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا، دوشیزاؤں کو پکڑ کر ان کو بے عزت کیا۔ اسی کتبے میں آگے چل کر بتایا گیا ہے کہ "تاملوں کے قاتل" (ٹنگل ماری) ستیہ آشرایا نے اس پر چول تاجدار کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا اس کے ساز و سامان کو لوٹ لیا اور اس طرح جنوبی علاقے کو فتح کر لیا۔ اگرچہ اس بڑے پیمانے پر قتل اور زنا بالجبر کی داستان کو غیر معتبر قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اطلاع ایک مخالف کی دی ہوئی ہے، پھر بھی چالوکیہ کتبے میں رٹا پاڈی پر راجندر کے حملے کا تذکرہ درست معلوم ہوتا ہے اور اسے معقول حد تک صحیح تسلیم کرنا چاہیے۔ اگرچہ کچھ عرصے کے لیے ستیہ آشرایا چولوں کے شدید حملے کی تاب نہ لا سکا لیکن جلد ہی وہ سنبھل گیا اور ایک زبردست جنگ کے بعد اس نے حملے کا منہ موڑ دیا۔ خاص رٹا پاڈی میں چولوں کے قبضے کا کوئی نشان دستیاب نہیں ہوتا جیسا کہ نولمبا پاڈی اور گنگا پاڈی کی ریاستوں میں ملتا ہے۔

چالوکیہ سے جنگ کے نتائج

شمال مغربی مہمات کا جواب تک ہماری توجہ کا مرکز رہی ہیں، نتیجہ اس شکل میں ظاہر ہوا کہ ریاست میسور میں وہ تمام علاقہ جو کبھی نولمبا اور گنگا خاندان کے زیر نگیں تھا اور موجودہ ضلع بیلاری چولا سلطنت میں شامل ہو گئے۔ یہاں تک کہ دونوں سلطنتوں کے مابین اب دریائے تنگ بھدرا حد فاصل بن گیا۔ ابھی تک بیلاری میں راج راجا کے کوئی کتبات نہیں ملے ہیں لیکن یہ بھی ہے کہ چالوکیہ راجاؤں کا بھی اس زمانے کا کوئی کتبہ دستیاب نہیں ہوا ہے۔ عام طور پر چولا کتبات سلطنت کے دور دراز صوبوں میں اتنی کثیر تعداد میں نہیں ملتے جتنے کہ اس کے وسط میں۔ اس لیے محض اس بنا پر ہم ان واقعات کو شبہ کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے جن کی صحت کی تصدیق عصری تاریخی دستاویزوں

سے ہو چکی ہے۔ یہ حقیقت کہ راج راجا نے اپنے عہد حکومت کے آخری دنوں میں گنگا اور وینگی منڈلوں کے لیے ایک مہادنڈ نائک مقرر کر رکھا تھا۔ اس کی سلطنت کی وسعت اور ان دونوں منڈلوں کے باہم متصل ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

وینگی

دینگی کے اندرونی معاملات میں راج راجا کی مداخلت مشرقی چالوکیہ راجاؤں کو اپنے مغربی چچازاد بھائیوں سے الگ کرنے کی کوئی سیاسی چال نہیں تھی بلکہ اس کے عہد کے ابتدائی دور کی سیاسی صورت حال کا براہ راست قدرتی نتیجہ تھی۔

مغربی چالوکیہ سلطنت سے موازنہ

اگر راج راجا اور اس کے جانشینوں کو دریائے تنگ بھدرا کے پار کے علاقے میں بجائے مشرقی ساحلی علاقے میں اپنی طاقت بڑھانا آسان نظر آیا تو یہ جزوی طور پر اس وجہ سے تھا کہ جب چولا خاندان نے راج راجا کے تحت اپنی ملک گیری کی مہم شروع کی اس وقت مشرقی چالوکیہ اور مغربی چالوکیہ خاندانوں کے حالات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ مشرقی چالوکیہ راجگان وینگی میں تین سو برس حکومت کرنے کے بعد جس میں مغربی دکن کے راشٹرکوٹوں کے خلاف برابر جنگ آزمائی ہوتی رہی تھی، اب ایک کمزور نسل بن چکے تھے اور ان کی سلطنت جانشینی کے تنازعات اور طوائف الملوکی کا شکار رہو رہی تھی چولوں کی آمد نے اس خاندان کو تازہ خون عطا کیا اور یہ اس زوال پذیر شاہی نسل کے لئے طاقت کا سرچشمہ بن گئی۔ قریب قریب ایک صدی تک چولوں کے سہارے یہ خاندان ایک باعزت حیثیت میں برقرار رہا اگرچہ یہ حیثیت ایک اطاعت گزار اتحادی کی تھی اور اس کے جلد ہی بعد مشرقی چالوکیوں نے یہ قرض بطرز احسن اتار دیا جب وہ کلوتنگا اول اور اس کے جانشینوں کے عہد حکومت میں جنھیں اکثر "چولا چالوکیہ" کہا جاتا ہے چولا شہنشاہیت کو برقرار رکھنے کے لئے بڑی حد تک مددگار بنے رہے۔ دوسری طرف مغربی چالوکیہ خاندان تائیلا دوم کی زیر قیادت راشٹرکوٹوں کی صدیوں کی غلامی سے ابھی حال ہی میں ابھرا تھا۔ ستیہ آشرایا کے حیرولو کے کتبے کے مطابق انہوں نے مشرقی چالوکیہ کے وسائل کو اپنے وسائل کے ساتھ متحد کرنے کی بھی کوشش کی لیکن شمال کی طرف سے پرماروں اور جنوب کی جانب سے چولوں کے حملوں کی زد میں رہنے کے باعث وہ اس سے زیادہ کچھ کرنے میں ناکام رہے کہ انہوں نے اپنے اسلاف سے میراث میں ملی ہوئی

ریاست یعنی ساڑھے سات لاکھ والی رٹا پاڑی پر اپنا قبضہ برقرار رکھا۔ وہ اپنے چولا ہم عصروں کی نسبت کچھ کم خوش نصیب واقع ہوئے تھے اور اپنی حفاظت کے لیے انہیں کئی جنگیں مجبوراً لڑنی پڑی تھیں اس لیے انہیں جارحیت کے لیے زیادہ موقعہ نصیب نہیں ہو سکا ہر چند کہ اس کی کوئی سائینٹفک وجہ تلاش کرنا مشکل ہے پھر بھی یہ حقیقت ہے۔ اور تاریخ کے عام رجحان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ سرکردہ خاندانوں نے کچھ عرصہ تک تو نہایت قابل حکمران پیدا کئے ہیں جو ان کی تاریخ کے شروع کے دور میں ہوتے ہیں لیکن کوئی بھی خاندان چند پشتوں سے زیادہ پھولا پھلا نہیں۔ مشرقی اور مغربی چالوکیہ خاندانوں اور چولا راجاؤں نے ۱۰۰۰ عیسوی کے آس پاس جو اہمیت حاصل کی وہ ہندوستانی تاریخ کے عام رجحان کی مثالوں میں ایک مثال ہے۔

شمال میں چولا سلطنت کی توسیع

پرانتکا اوّل کے زمانے میں چولا اقتدار شمال میں نیلور تک جا پہنچا تھا۔ شمالی صوبے راشٹرکتوں کے حملے کے بعد چولوں کے ہاتھ سے نکل گئے تھے لیکن پرانتکا اوّل کے جانشینوں نے ان کا کچھ حصہ واپس لے لیا تھا۔ شمال میں زیادہ سے زیادہ جہاں تک وہ پہنچ پائے تھے وہ ترودور یور کا نواحی علاقہ تھا جو مدراس سے چند میل شمال میں واقع ہے۔ راج راجا کا منصوبہ چو طرفہ تھا کہ نہ صرف ہر اس صوبے کی بازیابی کی جائے جو کبھی پرانتکا اوّل کے زیر نگیں رہا تھا۔ بلکہ حدودِ سلطنت میں اور بھی توسیع کی جائے۔ اس لئے اس نے اپنی حکومت کے آغاز ہی میں شمال کی طرف ایک مہم بھیجی۔ راج کیسری کی حکومت کے چھٹے برس کے ایک کتبے سے جو کانچی پورم سے ملا ہے اور جس میں درگا کے ایک مندر کو دئے گئے بھیڑوں کے ایک گلے کے عطیے کا اندراج ہے، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بھیڑیں اس وقت ہاتھ آئی تھیں جب تنجا ورکوڑم میں واقع کارو کنڈی کے سردار پرتن ملپاڈیار عرف ممڈی شولن نے شیت پلی ناڈو اور پاکی ناڈو کو فتح کیا تھا۔ اس سردار کے خطابات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ مہم راج راجا کے عہدِ حکومت میں پیش آئی تھی۔

وینگی سے جنگ

وینگی کے معاملات میں مداخلت کا موقعہ راج راجا کو مذکورہ بالا مہم کے بعد ہی ملا ہوگا۔ ستیہ آشرایا کے کچھ عرصہ تک وینگی میں قیام کا بھی اس سے ضرور کچھ تعلق تھا۔

وجوہات

لیکن سیتہ آشرایا کی گنٹور میں موجودگی اور وینگی کے معاملات میں راج راجا کی دلچسپی کی کچھ اور بھی گہری وجوہات تھیں۔ ہرچند کہ مشرقی چالوکیہ خاندان کی تانبے کی تختیاں کثیر تعداد میں ملی ہیں جن میں سے بعض کا تعلق براہ راست اس زمانے سے ہے پھر بھی اس خاندان کی تاریخ ہنوز مرتب نہیں ہو سکی ہے اور اس کی ترتیب سینن میں بھی چند معمولی دشواریاں پیش آتی ہیں جن پر بحث کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ مشرقی چالوکیہ خاندان کی مشکلات اماّ دوم کے دوران حکومت (945ء تا 970ء) میں کسی وقت شروع ہوئیں۔ ان کی ذمہ دار راشٹرکتا تاجدار کرشن سوم کی ملک گیری کی ہوس تھی جس کے لئے اس نے مشرقی چالوکیہ خاندان کی ایک شاخ سے سازباز کر لی تھی۔

چولا تاریخ کے زاویۂ نگاہ سے ہم وینگی میں 945ء سے 999ء تک رونما ہونے والے پیچیدہ واقعات کا خلاصہ یوں پیش کر سکتے ہیں کہ جب اماّ دوم کی تخت نشینی 945ء میں ہوئی تو اس کے سوتیلے بھائی داناّرنوا کی حق تلفی ہوئی جو اس سے عمر میں بڑا تھا ہم کو معلوم نہیں کہ یہ کیسے ہوا لیکن یہ جھگڑے کی ایک وجہ ضرور بن گئی۔ اس کے علاوہ اس خاندان کی ایک اور شاخ سے دو بھائی بادپا اور تال دوم ثانی تھے جو اس سے پہلے اقتدار کا مزہ چکھ چکے تھے۔ اور اب دوبارہ تخت پر قبضہ کر لینے کے لیے موقعے کی تاک میں تھے۔ راشٹرکتا حکمران کرشن سوم ایک ایسا فاتح تھا جو وینگی کی قیمت پر اپنی سلطنت میں توسیع کا شدت سے آرزومند تھا چولا راجہ پرانتکا اوّل کے خلاف کامیابی حاصل کرنے کے بعد اس کا حوصلہ اور بھی بڑھ گیا تھا۔ مشرقی چالوکیہ راجاؤں کی باہمی ناچاقی اس کے عزائم کی تکمیل کے لیے بہت سازگار تھی۔ یہ باور کرنے کے لئے بھی معقول وجوہ موجود ہیں کہ اماّ دوم نے پیڈیکلو کے حکمران جٹا چوڈا بھیم کی بہن سے شادی کر لی تھی۔ جٹا چوڈا بھیم نے اس دور کے اختتام کے قریب بہت شہرت حاصل کر لی تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بھی اپنی سمجھ کے مطابق اپنے بہنوئی کی کامیابی کے لیے ہر ممکن طریقہ سے مدد کی تھی۔

اماّ دوم کا عہد حکومت اگرچہ پچیس برس تک یعنی 970ء تک رہا لیکن نشیب و فراز سے دوچار رہا۔ اپنی تخت نشینی کے فوراً بعد اسے یدھ ملاّ دوم سے جنگ کرنی پڑی جس میں وہ فتح یاب ہوا لیکن یدھ ملا کی اس شکست کا انتقام اس کے بیٹوں بادپا اور تال دوم نے لے لیا جنھوں نے وینگی کے اندر ہی ایک فریق اور غالباً راشٹرکتا کرشن

لی بھی مدد سے اتا دوم کو جلا وطن ہونے پر مجبور کر دیا اور اس کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ باڈپا اور
تال کی تانبے کی تختیوں پر لکھے ہوئے فرامین جن میں راجہ کرشن کی مدد کا ذکر آتا ہے یقیناً اسی
زمانے کے ہیں لیکن یہ طے کرنا مشکل ہے کہ یہ مدد کتنے عرصے تک دی گئی۔ البتہ اتا چند
سال بعد جلا وطنی کاٹ کر کولنو سردار نرپ کا ماکی امداد سے کالنگا سے واپس آگیا۔
نرپ کا ماکی بیٹی سے اس نے شادی بھی کر لی اور 955ء سے قبل ہی اس نے تال کی حکومت
کا خاتمہ کر دیا اور شاید لڑائی ہی میں تال کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جیسا کہ راجہ شکتی
ورمن اول کے سچوپرو فرمان عطیہ میں درج ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اتا نے ایک
"دایادا" کو بہشت میں بھیج دیا۔ لیکن جلد ہی کرشن سوم نے وینگی کی ریاست پر ایک
زبردست حملہ کیا اور اتا کو دوبارہ کالنگا میں پناہ لینی پڑی۔ مانگلو کی تختیوں کے
مطابق یہ اتا کے عہد حکومت کے گیارہویں برس کے بعد کی بات ہے۔ اب راجہ کرشن
نے وینگی کی حکومت دانارنوا کے سپرد کر دی جس کی حمایت خود وینگی کے اندر بھی ایک
فریق کر رہا تھا جو اتا سے درپردہ عداوت رکھتا تھا لیکن جب راشٹرکتا واپس چلا
گیا تو اتا بھی وینگی واپس آگیا۔ اس نے ظاہری طور پر دانارنوا سے صلح کر لی اور
دوبارہ کچھ عرصہ تک حکومت کرتا رہا۔ آخرکار دانارنوا نے ایک مرتبہ پھر بغاوت
کر دی اور جنگ میں اتا کو موت کے گھاٹ اتار کر 970ء میں تخت شاہی پر خود
قابض ہو گیا۔

دانارنوا نے جنوب کی جانب اپنی سلطنت کی توسیع کے لیے کوشش کی لیکن
اس میں چولوں کے ساتھ اس کا مقابلہ آن پڑا جو اپنے ان شمالی مقبوضات کو واپس
حاصل کرنے میں لگے ہوئے تھے جن پر کرشن سوم نے تسلط کر لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ
اس کے بیٹے شکتی ورمن نے لڑکپن ہی میں ایک تامل معرکے (دری لاہوا) میں
شہرت حاصل کر لی تھی۔ اس سے زیادہ کوئی تفصیل اس کے متعلق ہمارے
علم میں نہیں۔ اس اثنا میں اتا کا سالا بھیم جو "پیڈیکلو" (ضلع کرنول) کے حکمران جٹا
چوڑا کا بیٹا تھا اتا دوم کی موت کا بدلہ لینے کے لیے آگے ... ہا تھا۔ اس کی سرگرمیوں
کے متعلق کچھ واضح طور پر پتہ نہیں چلتا کیونکہ جس کتبے میں ان کا ذکر ہے وہ بدقسمتی
سے بری طرح کٹ پٹ گیا ہے۔ لڑکپن کے دنوں میں بھیم یقیناً کرشن سوم کا باجگزار

رہا ہوگا اور ممکن ہے کہ اُسے وینگی میں کرشن سوم کی مختلف جنگی مہمات میں بھی شریک ہوتا پڑا ہو۔ لیکن کرشن کے انتقال کے بعد اس نے خود اپنا علم بلند کیا۔ اتا کے خلاف دانارنوا کی کامیابی اور اس کے پوتپتی کو فتح کر کے وینگی میں شامل کر لینے پر بھیم کو شدید ناگواری تھی۔ اگرچہ تفصیلات واضح نہیں ہیں، لیکن اس کے بعد جو جنگ ہوئی اس میں بھیم نے دانارنوا کو مار ڈالا اس کے بچوں کو جلا وطن کر دیا اور خود تمام ریاست وینگی پر قبضہ کر لیا۔

مشرقی چالوکیوں کی بعد کی تاریخی یادداشتوں میں دانارنوا کی وفات اور اس کے بیٹے شکتی ورمن اول کی تخت نشینی کے درمیان کے 27 برسوں (973ء تا 999ء عیسوی) کو جن میں تخت سلطنت خالی رہا' بدقسمتی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وینگی پر جٹا چوڑا بھیم کی حکومت تھی۔ وہ خود چالوکیہ نسل سے نہیں تھا اس لئے اس کی حکومت کو ایک ناخوشگوار مداخلت تصور کیا گیا۔ چالوکیوں کے نقطۂ نظر سے یہ ایک لاوارثی کا دور تھا۔ اس عرصے میں بھیم کو ویڈمبا خاندان کے سرداروں کی جانب سے شدید سرکشانہ مزاحمت اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ وہ لوگ تھے۔ جو دانارنوا کا وفادار تھے۔ کالنگا کے مشرقی گنگا تاجدار کامارنوا نے بھی جو دانارنوا کا رشتہ دار تھا اور جس نے پہلے پہل دانارنوا کے بچوں کو پناہ دی تھی۔ بھیم کی مخالفت کی لیکن برسوں کی تبر آزمائی کے بعد بھیم نے تمام مخالفین پر غلبہ پالیا اور 978ء میں کامارنوا اور 981ء میں اس کے بھائی ونے آدیتہ کو ٹھکانے لگا کر کالنگا پر قبضہ کر لیا دانارنوا کے دو بیٹے شکتی ورمن اور وِمل آدیتہ اور شاید ان کی والدہ بھی کالنگا کو خیرباد کہہ کر تامل چولا دربار میں چلے گئے جہاں ان کا خیر مقدم کیا گیا اور وہ کچھ عرصے کے لیے ضلع تنجور میں ترووائیارو کے مقام پر بس گئے۔ دور اندیش حکمران راج راجا نے اپنی تخت نشینی کے بعد چولا ریاست میں ان کی موجودگی کا خوب فائدہ اٹھایا اور تائیلا دوم اور ستیہ آشرایا کی سرکردگی میں مغربی چالوکیوں کی ابھرتی ہوئی طاقت کے خلاف اپنی پالیسی کو کامیاب بنانے میں اسے استعمال کیا۔ یہ جلا وطن خاندان چولا پالیسی کے لیے ایک آلۂ کار اور وینگی میں راج راجا کی مداخلت کے لیے ایک بہانہ بن گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مغربی چالوکیوں نے جٹا چوڑا بھیم سے دریردہ سمجھوتہ کر لیا

ہو لیکن اس بات کا کوئی براہِ راست ثبوت نہیں ملتا۔ راج راجا نے وینگی کے تخت پر شکتی ورمن کو بحال کرنے کی غرض سے ۹۹۹ء میں وینگی پر حملہ کر دیا۔ اگرچہ چولوں کے کتبات میں ان واقعات کی تفصیل نہیں ملتی لیکن شکتی ورمن کے زمانے کی یادداشتوں سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے اس نے ایک بڑے جنگجو ایکوِیر کو ختم کیا جسے بھیم نے چولا راجہ کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس کے بعد اس نے دو اور طاقتور سرداروں بدّیما اور مہاراجہ کو موت کے گھاٹ اتارا اور آخر میں اس نے "جٹا چوڑا کے دور تک پھیلے ہوئے درخت کو جڑوں سمیت اکھاڑ ڈالا" یعنی خود بھیم کو نیست و نابود کر دیا لیکن یہ جد و جہد بہت سخت تھی اور کئی برس تک جاری رہی۔ اگرچہ بھیم کو وینگی سے باہر نکال دیا گیا تھا اور شکتی ورمن نے ۹۹۹ء ہی میں حکومت شروع کر دی تھی لیکن بھیم نے ایک دفعہ پھر حملہ کیا اور شکتی ورمن کو شکست دے کر کانچی تک اس کا تعاقب کیا اور اس شہر کے نزدیک ۱۰۰۱ء میں ایک اور لڑائی کے بعد ہی شکتی ورمن خود کو وینگی کے تخت پر کچھ محفوظ سمجھ سکا۔ بہر حال یہ امر یقینی ہے کہ شکتی ورمن چولا راجہ کی مدد کے لیے اس کا حد درجہ مرہونِ منت تھا اور وینگی کا حکمران بننے کے بعد غالباً اس نے کسی نہ کسی شکل میں راج راجا کا اقتدارِ اعلیٰ تسلیم کرنا منظور کر لیا تھا۔

شکتی ورمن کی تخت پر بحالی

ہمیں معلوم ہے کہ وینگی میں دَنل آدتیہ کی تخت نشینی کی صحیح تاریخ ۱۵ مئی ۱۰۱۱ء تھی اور اس کا پیش رو اور بڑا بھائی شکتی ورمن اس سے قبل بارہ برس تک حکومت کرتا رہا تھا۔ اس سے شکتی ورمن کی تخت نشینی کی صحیح تاریخ ۹۹۹ء نکلتی ہے اور اسی وقت سے تختِ سلطنت پھر سے آباد ہو گیا۔

اس میں راج راجا کا کیا ہاتھ تھا؟

شکتی ورمن کا نام اس کے عہد کی تختیوں میں چالوکیہ نارائن درج ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا یہ لقب راج راجا چولا نارائن کے نمونے پر وضع کیا گیا تھا۔ مشرقی چالوکیہ خاندان کے اس وقت کے حالات کو دیکھنے سے جب راج راجا نے ابھی ان میں دلچسپی لینا شروع نہیں کی تھی۔ یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ راج راجا نے ان سے سیاسی اتحاد پیدا کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی بلکہ وہ

وہ خود اپنا مقام و مرتبہ اسی عظیم شہنشاہ کے باعث ہی حاصل کر سکے۔ ان کی ریاست میں امن و امان بحال کرنے اور طویل خانہ جنگی کے ختم کرنے میں جو کردار اس نے ادا کیا اس کی بنا پر راجا راجا کا یہ دعوے حق بجانب تھا کہ اس نے وینگی کو فتح کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وینگی ان دوسرے مفتوحہ علاقوں کی طرح چولا سلطنت کا حصہ بن گیا تھا۔ جن کی جداگانہ سیاسی حیثیت کو دانستہ ختم کر کے ان میں چولا نظام حکومت نافذ کر دیا گیا تھا۔ جیسے کہ گنگا اور پانڈیہ ریاستوں میں۔ وینگی کی حیثیت چولا حکومت کی ایک زیر حمایت ریاست کی سی تھی۔ ان دونوں شاہی خاندانوں کے درمیان ازدواجی رشتے نے ان کے باہمی اتحاد کو اور بھی مستحکم کر دیا جب وملادتیہ کی شادی راجا راجا کی بیٹی اور راجندر کی چھوٹی بہن کندوا سے کر دی گئی۔

بھیم کی شکست اور وینگی پر راجا راجا کا غلبہ ستیہ آشرایا کے لیے ایک کڑوا گھونٹ ثابت ہوئیں۔ درحقیقت اسی وقت سے وینگی چولا اور مشرقی چالوکیہ خاندانوں کے مابین تنازعے کی جڑ بن گیا اور چند مختصر درمیانی وقفوں کو چھوڑ کر آنے والے 135 برسوں میں وینگی ان دونوں خاندانوں کی رزم گاہ بنا رہا۔ ملک کے مشرقی چالوکیہ حکمران تو رفتہ رفتہ گوشۂ گمنامی میں چلے گئے۔ شکتی ورمن کی تخت نشینی کے بعد کے واقعات کے متعلق اس کے کتبات قطعاً خاموش ہیں لیکن چیبرولو (ضلع گنٹور) سے دستیاب شدہ ایک کتبے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سپہ سالار باکی نبی کی کمان میں ایک مغربی چالوکیہ فوج نے وینگی پر حملہ کیا اور دھرنی کوٹا اور ینمدلا کے قلعوں کو آگ لگا دی۔ اس سپہ سالار نے 1006ء میں چیبرولو میں اپنے قدم جمائے تھے۔ اس کے بعد کیا ہوا اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ لیکن اس کتبے کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ستیہ آشرایا نے، قبل اس کے کہ شکتی ورمن تخت حکومت پر اپنا قبضہ مستحکم کرتا اسے معزول یا مطیع کرنے کی کوشش کی۔ انہی دنوں میں راجندر نے رٹا پادی پر جو حملہ کیا تھا اور جس کا حال ہوٹور کے کتبے میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ وہ غالباً ایک سوچی سمجھی چال تھی تاکہ ستیہ آشرایا کی فوجوں کی توجہ وینگی کی طرف سے ہٹ جائے اور یہ حملہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوا۔

جزائر مالدیپ کی تسخیر

راج راجا کے بعد کے کتبات میں جس آخری فتح کا ذکر کیا گیا ہے وہ سمندر کے ان "پرانے جزائر کی فتح ہے جن کی تعداد بارہ ہزار تھی"۔ یہ بحری فتح جس کی تفصیلات ہم کو معلوم نہیں ہیں، اس امر کی نشان دہی کرتی ہے کہ راجندر نے جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، جس بحری فوج کا کچھ برسوں کے بعد اس قدر کامیابی سے استعمال کیا اس کی تنظیم اس کے عظیم والد کے تحت ہی کی گئی تھی، جس نے راجندر کے حق میں وہی کام کیا جو مقدونیہ کے بادشاہ فلپ نے اپنے بیٹے سکندر اعظم کے لیے کیا تھا۔

چولوں کا بحری بیڑہ

راجندر کے عہدِ حکومت میں اس سے پہلے بھی ایک ایسا موقعہ آیا تھا یعنی لنکا کی فتح جس میں بحری فوج نے حصہ لیا تھا۔ ان دنوں میں جب ایک اچھی بحریہ کی اہمیت کا احساس بڑھتا جارہا تھا۔ یہ باور کرنے کے لیے معقول وجوہ ہیں کہ راج راجا کے عہد کے آغاز میں کاندلوڑ کے خلاف جو مہم بھیجی گئی تھی اس کا اصل مقصد چیروں کی بحری طاقت کو بے کار کر دینا تھا۔

کرن دئی ضلع تنجور سے دستیاب شدہ تختیوں (شعر 30) میں درج ہے کہ راج راجا نے بان راجا نامی ایک بہادر کو ایک لڑائی کے بعد ریاست سے باہر نکال دیا۔ تھا اور بھوگ دیو نامی ایک شخص کا سر کاٹ لیا تھا، یہ واقعات کیوں ہوئے۔ اس کی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔

راجندر کی بطور ولی عہد تقرری سنہ 1012ء

راج راجا نے اپنے عہدِ حکومت کے آخری سالوں میں اپنے بیٹے راجندر کو انتظام سلطنت میں شریک کر لیا تھا۔ راجندر کے اس طرح باقاعدہ طور پر ولی عہد تسلیم کئے جانے کا واقعہ 27، مارچ سے 7 جولائی سنہ 1012ء تک کے درمیانی عرصے میں کسی وقت ہوا تھا۔ اس وقت راجندر کی عمر کم از کم 25 سال کی ضرور ہوگی کیونکہ راج راجا کے عہدِ حکومت کے چوتھے برس کے کتبات میں راجندر کا ذکر ایک کم سن شہزادے کی حیثیت سے آیا ہے۔ تنجور کے کثیر التعداد کتبات میں اس کے والد کے عہد کے زیادہ سے زیادہ انتیسویں سال کا ذکر آتا ہے۔ اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مذکورہ سال سنہ 1014ء عیسوی تھا جس میں راج راجا

سے پر شولت دور کا خاتمہ ہو گیا۔

تنجور کا مندر

راج راجا کے عظیم دور کی یادگار اس عالی شان شو مندر کی صورت میں آج تک بھی موجود ہے جو اس نے تنجور میں تعمیر کروایا تھا۔ یہ مندر جو "راجیشورا" کہلاتا ہے جنوبی ہند کی تاریخ کی بہترین یادگار اور تامل فن تعمیر کا جو ان دنوں اپنے پورے عروج پر تھا' ایک حسین ترین نمونہ ہے۔ یہ مندر اپنی عظیم جسامت اور طرز تعمیر کی سادگی کے باعث مشہور ہے۔ ایک مستطیل آنگن جس کا طول و عرض 250x750 فیٹ ہے' ایک درمیانی دیوار کے ذریعے دو حصوں میں تقسیم ہے۔ اس دیوار کے اوپر ایک نہایت خوبصورت نمونے کا مینار ہے جو زیادہ اونچا نہیں ہے۔ اندر کا آنگن باہر کے آنگن سے دگنا لمبا ہے۔ اصل مندر اس اندرونی آنگن کے مغربی نصف حصے کے بیچ میں تعمیر کیا گیا ہے اور "دمان" جو مقدس بھون کے اوپر کوئی دو سو فیٹ کی بلندی تک اٹھتا چلا گیا ہے' ایک سو فیٹ تک مربع چبوترے پر استادہ ہے اور مندر کی پوری عمارت پر چھایا ہوا ہے۔ بڑا بنیاد کا چبوترہ' ایک واحد پتھر سے بنا ہوا گرانڈیل نندی بیل،" دمان" اور کٹہروں پر آرائشی نقش و نگار "دمان" کے چاروں طرف طاقچوں میں بنے ہوئے خوبصورت بت اور حروف جو کتبات میں کندہ ہوتے ہیں غرض کہ تمام کی تمام عمارت سنگتراشی کا بہترین نمونہ ہے جس کی نظیر جنوبی ہند کی تاریخ میں اور کہیں بھی نہیں ملتی۔ یہ عالی شان عمارت خواہ اس کو کسی طرف سے بھی دیکھا جائے دیکھنے والے پر ایک دل خوش کن تاثر ہی نہیں ڈالتی بلکہ اس کو مرعوب بھی کر دیتی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مندر کے اندرونی حصے میں "دمان" کے عین نیچے مگر بھ گرہ کے چاروں طرف کی پتھر کی دیواروں پر چونے کا ابھرا پلاسٹر کر کے اس پر نقاشی کی گئی ہے جب راج راجا کے عہد حکومت کا یہ عظیم منصوبہ تکمیل کے قریب پہنچا تو اس نے اس کے پچیسویں سال کے 275 ویں دن "دمان" کی چوٹی کے کلس کی زینت کے لیے تانبے کا ظرف عقیدت کے ساتھ نذر کیا۔ ہم کو کسی معتبر ذریعہ سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اتنے بھاری بھر کم پتھروں کو طویل فاصلوں سے لانے اور انہیں اٹھا کر اپنے اپنے مقام پر لگانے کے تکنیکی مسائل پر کیسے عبور پایا گیا۔ مفتوحہ علاقوں نے بھی ضرور اس کی لاگت کا کچھ حصہ دیا ہو گا۔ اس کی تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد راجدھانی کے اس مندر

کے کاروباری تعلقات ملک کے باقی ماندہ حصے کے ساتھ قائم ہوئے۔ سلطنت کے
تمام دیہاتوں کو آنے سال مندر کی مختلف ضروریات کے لیے ایک مقررہ تعداد میں
آدمی اور سامان دینے پڑتے تھے۔ راجدھانی کے نواح میں بسنے والے اس بے شمار
دولت میں سے دوامی قرضے لیا کرتے تھے، جو شاہی دربار اور اس کے متوسلین کی
فیاضی اور مذہبی عقیدت کے طفیل اوقات کی شکل میں اس مندر پر برسا کرتی تھی۔
اور ان کا سالانہ سود نقد یا کسی اور صورت میں، جو پہلے سے طے ہو جاتی تھی۔ مندر
کو برابر ادا کرتے رہتے تھے۔ ان تمام انتظامات کو جس احتیاط اور باقاعدگی سے رواج
راجا کی حکومت کے انتیسویں[29] برس سے پہلے پہلے مکمل کر دیا گیا تھا۔ اس میں ہم کو کسی
ماہر اور بلند تخیل منتظم کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ اس وقت کے ایک بھجن لکھنے والے شخص
کرووڈر دیور نے اپنے ایک مقدس گیت میں اس نئے مندر کی تعریف کی ہے۔ یہ
بات یاد رکھنی چاہیے کہ تنجاوڈر شیومت کے ان مقدس مقامات میں شامل نہیں تھا
جنہیں دیوآرم سنتوں اپر، سمبندر اور سندر مورتی کے بھجنوں نے متبرک بنایا تھا۔
اس مندر کی تعمیر کا سنہرا اہتمام تر راج راجا کی پالیسی کے سر ہے۔

انتظام سلطنت

لگان کی وصول یابی کے لیے پورے ملک میں اراضی
کی صحیح پیمائش اور مالیہ کا تعین جدید انتظامیہ کے
سیکرٹریوں جیسا عملہ تعینات کر کے ایک مرکزی انتظامیہ کے تحت ملک کے نظم
ونسق کا استحکام، موزوں مقامات پر مرکزی حکومت کے نمائندہ افسروں کی تقرری
حساب کتاب کی جانچ پڑتال اور اسے ضبط و اختیار میں رکھنے کے لئے ایک موزوں
طریق کار کی تشکیل جس کے ذریعے دیہی پنچایتوں اور نیم سرکاری شہری انتظامیہ
اداروں کو ان کی خود مختاری میں کسی طرح کی تخفیف کئے بغیر حسابات کے لیے جوابدہ
بنایا جا سکے، ایک طاقتور مستقل بری فوج اور اچھی خاصی مضبوط بحری فوج کا قیام
جس نے خود راج راجا سے زیادہ اس کے جانشین راجندر کے عہد میں بڑی کامیابیاں
حاصل کیں یہ تمام باتیں راج راجا کو جنوبی ہند کے ایک عظیم ترین معمار سلطنت کی
حیثیت سے ممتاز کرتی ہیں۔ اس لیے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس کے عہد
حکومت کے خاتمے کے صرف ایک یا دو پشتوں کے بعد ہی اس کی شہرت و عظمت

کی عوامی مقبولیت کا اظہار ضلع ارکاٹ کے پونور تعلقہ سے دستیاب شدہ تین مہادیوی منگلم کی ایک چٹان پر کھدے ہوئے ایک سنسکرت شلوک میں کیا گیا ہے۔ اس شلوک میں کہا گیا ہے کہ راج راجا دشنو کے اوتار ہوں گے اور اس کا وزیر جت، واک پتی یعنی برہستی کا اوتار ہوگا۔ راج راجا دنیا کا مشاہدہ کرے گا اور اپنے نام سے ترشول پہاڑی پر جو عہد سنگم میں نور ملئی کہلاتی تھی اور جس پر راجہ تنن حکومت کرتا تھا۔ ایک شہر آباد کرے گا۔

مذہبی رویہ

راج راجا بذات خود دشنو کا معتقد تھا لیکن وہ ہندوستان کے سبھی عظیم سیاستدانوں کی مانند مذہبی معاملات میں رواداری برتنے والا تھا، اور تمام مذاہب کو اس سے یکساں فائدہ پہنچتا تھا۔ تنجور کے مندر کی دیواروں پر آرائشی اصنام تراشی اور اس کے کتبات میں مذکور دشنو کے چند مندروں کی تعمیر اس کے بے تعصب اور فراخدلانہ مذہبی رویہ کے ثبوت ہیں۔ لیڈن کے مشہور فرامین میں درج ہے کہ کس طرح اس نے سمندر پار کے شری وشیا اور کٹاہا کے شیلندر راجہ شری مار وجیوتنگا ورمن کی ناگ پٹنم میں چوڑامنی کے بدھ وہار کی تعمیر میں حوصلہ افزائی کی۔ یہ وہار راج راجا کے عہد کے اکیسویں برس میں زیر تعمیر تھا۔ اس کا نام اس کے بانی کے والد اور راج راجا کے نام پر رکھا گیا جس کی اجازت سے یہ تعمیر شروع کی گئی تھی۔ اس وہار کو جو آنی منگلم گاؤں میں تھا۔ اس میں بسنے والے بھگوان بدھ کو نذر کیا گیا۔ اس کے بیٹے راجندر نے اپنے والد کی وفات کے بعد اس عطیے کی توثیق کر دی اور اس نے تانبے کی تختیوں پر کندہ کروا دیا۔ آئی سنگ کے سفرنامے سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ ناگ پٹنم برصغیر ہند کی وہ پہلی بندرگاہ تھی جہاں مشرقی ممالک سے جنوبی ہند کو جانے والے بحری جہاز رکا کرتے تھے۔ بدیشی حکمران کے اس مقام پر ایک بدھ وہار تعمیر کرنے کی وجہ بھی یقیناً یہی ہوگی۔

القابات

اگر ناموں کو تاریخ کی موسیقی کہا جائے تو اس نیک حکمران نے اس موسیقی سے خوب اپنے ذوق کی تسکین کی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس نے ان ناموں کو نئے اوقات سے وابستہ کر کے یا پرانے اوقات کو ان ناموں سے معنون کر کے رائج الوقت سکہ بنا دیا۔ راج راجا مموڑی چولا، جیئن گونڈا، اور ارد مولی کے القابات کے علاوہ، جو کہ

بعض شہروں (پورم)، ولناڈوں اور منڈلموں کے ناموں کا حصہ بن گئے تھے اس شہنشاہ نے خود کو اور کئی القابات سے موسوم کیا مثلاً چولیندر سیمہا، شِبو پادشیکھرا، کھشتریہ شکھامنی جن ناتھ، نگرتی شولا، راجندر سمہا، چولا مارتنڈ، راج آشریا، راج مارتنڈ، نتیا ولوداِ، پانڈیا کلاشنی، کیرلانتکا، شنگلانتکا، رودی کل مانکیہ، تیلنگ گل کالا، وغیرہ۔ ان میں سے بہت سے نام نیز شاہی خاندان کے دیگر افراد کے نام مثلاً کندوئی، فیمبلن مہادیوی وغیرہ اکثر چولا سلطنت کے بڑے بڑے دیہاتوں اور قصبوں میں محلوں (شیریوں) کے نام کی طرح استعمال ہوتے تھے۔ فوج میں بھی پلٹنوں کے نام راجاؤں اور شہزادوں کے القابات پر رکھ دیئے جاتے تھے۔

شاہی خاندان

راج راجا کی بہت سی بیویاں تھیں لیکن بچے غالباً چند ہی تھے اس کے کتبات میں جن مہارانیوں کا ذکر مندروں کو عطیے دینے اور کچھ دیگر معاملات کے متعلق آیا ہے ان کی تعداد تقریباً پندرہ ہے اور اگرچہ ہم وثوق سے نہیں کہہ سکتے لیکن ان میں سے مہارانی ونتی شکتی وٹیکی کو سب سے اہم مقام حاصل تھا وہ لوک مہادیوی کے نام سے بھی موسوم تھی۔ ہم مہاراجہ کو اس کے ہمراہ اپنے عہد کے انتیسویں برس میں ترووشلور میں دیکھتے ہیں۔ اس موقعے پر ترووشلور کے مندر میں مہاراجہ نے "تلابھار" اور مہارانی ونتی شکتی نے "ہرنیہ گربھ" کے رسوم ادا کئے۔ ان کا ذکر ہمیں ایک سنگتراشی کے نمونے میں ملتا ہے جس میں مہاراجہ اور مہارانی کو پوجا کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے اور اس کے نیچے ضروری عبارت کندہ کی ہوئی ہے۔ ترودنجلی کے مقام پر مہارانی کے تعمیر کرواتے ہوئے ایک مندر میں کھشترپال کی مورتی کے لیے کچھ پھول بنوانے کی غرض سے تھوڑا سا سونا استعمال کیا گیا تھا۔ راج راجا کے ایک لڑکے راجندر کی والدہ نام ذونن مہادیوی عرف تربھون مہادیوی تھا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ولورآنبار دیدیہ دیور راج راجا کی بڑی بہن کندوئی کا شوہر تھا۔ کندوئی کا ذکر کتبات میں اکثر آلوار پرانتکن کندوائپ پراٹیبار کے نام سے آیا ہے اور پون مالگا تت تنجن دیور کی بیٹی کی حیثیت سے بھی۔ راج راجا اس سے بڑی محبت اور عزت سے پیش آتا تھا۔ تنجور کے مندر کے مرکزی منڈپ پر کندوئی کے فرامین عطیہ جات تو دراجہ کے اوقات کے فرامین سے دوسرے نمبر پر کندہ کرائے گئے تھے جبکہ

رانیوں اور شاہی افسران کے اوقات کا اندراج منڈپ کے احاطہ کے طاقچوں میں اور ستونوں پر کیا گیا تھا۔ راتج راجا کی کم از کم تین بیٹیاں ضرور تھیں کیونکہ تر و لنجلی کے ایک کتبے میں پچالو کیہ وتل آدتیہ کی رانی کندوئی کے علاوہ راجہ کی ایک منجھلی بیٹی مادیوا اڑیگل کا بھی ذکر موجود ہے۔ راتج راجا کی دو یادگاری عمارتیں خصوصی توجہ کی مستحق ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اپنے خاندان کے حقوق کی ادائیگی کا کس قدر خیال تھا اور وہ بھی اس طرح کا اس سے عوام کی فلاح وبہبود بھی ہو سکے۔ ان عمارتوں میں ایک تر دکوڑل میں واقع ایک "منڈپ" ہے جو اتم چولا کی والدہ اور گندھر آدتیہ کی مہارانی سیمبین مہادیوی کے نام پر ہے۔ دوسری عمارت بیلپاڈی میں چولیشورا یا ارنجگائی ایشورا نامی مندر ہے۔

افسرانِ حکومت اور باجگذار راجگان

ہم اب اس دور کی تاریخ کی تکمیل ان افسران اور باجگذار سرداروں کے احوال سے کریں گے جنھوں نے شاہی ملازمت میں خصوصی امتیاز حاصل کیا۔ مہا دنڈ نائک پنچون مہارایا کو جو مقام حاصل تھا۔ اور شاید ولی عہد کے برابر تھا، اس ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ اس کے دائرۂ اختیار میں گنگا اور وینگی کے منڈل اور گنگا علاقے کے نولبا باجگزار شامل تھے۔ پرتن مالپاڈیار عرف ممڈی شولن ایک جرنیل تھا جس نے راتج راجا کے عہد کے شروع میں شتمپلی اور پاکی ناڈوؤں کے علاقے تسخیر کیے تھے۔ ضلع ترچناپلی میں پلو ویترائیار سردار تھے جن کے خاندان کی ابتدا کا اگرچہ صحیح علم نہیں لیکن یہ ان پرانے وقتوں سے شاہی خاندان کے قریبی رشتہ دار تھے۔ جب پرانتکا اول نے پلو ویترائیار خاندان کی ایک شہزادی سے شادی کی تھی، ان کو بڑا باعزت مقام حاصل تھا۔ اور بظاہر پلو وور کے گرد کے کچھ علاقے کے انتظام کی مکمل ذمہ داری ان کے سپرد تھی۔ اڈیگل پلو ویترائیار کنڈن مرڈن کے کتباب جن میں راتج راجا کے اقتدار اعلیٰ کو صاف طور پر تسلیم کیا گیا ہے، کیلا اور سیل پلو وور میں راتج راجا کے دور کے تیسرے سال سے ملنے شروع ہو جاتے ہیں جن میں اسے اس ریاست پر حکومت کرتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ اس نے بھی اسی طرح پیر نڈرم کے افسر تعینات کر رکھے تھے جس طرح کہ محود

چولامہاراجاؤں اور شہزادوں کے ہوتے ہوئے۔ اس سردار نے میل پلو دور میں ترو تورم اڈتیار کا مندر تعمیر کروایا اور پلو دور میں محصول کی فراہمی کے باضابطہ انتظام کے لیے وہ قدیم معیار اپنائے جو سندری پورم میں رائج تھے۔ اس کے آخری کتبات جن میں اس کا ذکر آیا ہے، راجہ راجا کے عہد کے پندرھویں برس کے معلوم ہوتے ہیں۔ مدھورانتکن گندھرادتن نے جو غالباً مدھورانتکا اتم چولا کا بیٹا تھا' مندروں کے انتظامیہ معاملات کے محکمے میں ایک اہم افسر کی حیثیت سے راجہ راجا کی ملازمت کی۔ ہم اُسے سلطنت کے مختلف حصوں میں مندروں کے معاملات کی تحقیقات کرتے ہوئے، قصور واروں کو سزا دیتے ہوئے اور آنے والے سالوں میں غفلتوں کے انسداد کے لیے ضروری اقدامات کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اسے غلطی سے گندھرادتا بھی سمجھا لیا جاتا ہے جو "ترووشاتپا" کا مصنف تھا۔ یہ کتاب درحقیقت اس کے دادا نے لکھی تھی۔ شمالی ارکاٹ کے ضلعے میں الاڈرایا (لاٹ) سردار تھے جو ظاہر پنچ پانڈو ملئی کے نواحی خطے پر پرانتکا اوّل کے زمانے سے حکومت کر رہے تھے۔ راجہ راجا کے دور میں آٹھویں برس میں اڈتیار الاڈراجار بگل وپ ورگنڈن کے بیٹے اڈتیار ویرشولار نے اپنی رانی کی سفارش پر ایک جین مندر کے حق میں کچھ ٹیکس معاف کیے۔ ان سرداروں کے کتبات میں جن شاہی القابات کا استعمال ان کے ناموں کے ساتھ کیا گیا ہے، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے چولا آقاؤں کی نظر میں ان کی بڑی وقعت تھی۔ راجہ راجا کے عہد کے سولہویں برس کے ترووولم کے ایک کتبے میں ہمیں تروواین شنکر دیو کا ذکر ملتا ہے جو کولار کے گنگا راجاؤں کی نسل سے ہونے کا دعوے کرتا تھا اور جس نے اپنے والد کی یادگار میں ترووولم میں "تروواتیا ایشورا" نامی مندر تعمیر کروایا تھا۔ اس غیر معروف سردار کے نام سے پہلے جو بڑے بڑے القاب آتے ہیں، وہ ہم کو متنبہ کرتے ہیں کہ ان القاب کو اختیار کرنے والوں کے سیاسی مرتبے کے تعین کرنے میں ہم کو احتیاط برتنی چاہیے۔ [illegible] خاندان کے ترکا رائے کے بیٹے ٹن مرآیار نے جو ضلع کڈپا میں واقع انگلو [illegible] کا [illegible] راجہ [illegible] میں تھا حاکم تھا 1005ء میں ضلع شمالی ارکاٹ میں واقع [illegible] ایک جاگیر وقف کی۔ ویدمبا سرداروں کی طرح بان خاندان والے بھی جن کا پرانتکا

اوّل کے ہاتھوں وہی حشر ہوا تھا جو ویڈمبا سرداروں کا ہوا تھا۔ چولوں کی ملازمت میں آکر افسر بن گئے تھے اور ملک کے انتظام میں شریک تھے۔ ایک بان شہزادہ مڑوان ترسہا ورمن جس کے کتبات کا آغاز راج راجا کے روایتی تاریخی تعارف کے ساتھ ہوتا ہے، اور پھر ان میں بان راجاؤں کے روایتی القاب اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ آجاتے ہیں، راج راجا کے عہد کے آخری دنوں میں ضلع جنوبی ارکاٹ کے کچھ حصے پر حکومت کر رہا تھا جو جنجی کے نزدیک واقع تھا۔ اس نے مذکورہ علاقے میں آبپاشی کے لیے ایک نیا تالاب کھدوایا تھا۔ تنجور کے کتبات میں امن کڈی کے باشندے سیناپتی شری کرشن رامن کا ذکر آتا ہے جو لیڈن کے بڑے کتبے میں راجیندر شولا برہم ماراین کے نام سے مذکور ہے۔ اس شخص نے ترو چرالئی یعنی تنجور کے مندر کا منڈپ اور اس کے اردگرد کی چار دیواری راجہ کے فرمان کی تعمیل میں تعمیر کروائی۔ آرائی رون پلو راین عرف ممُوڈی شولاپوشن ایک اور افسر تھا جو "پرن ڈرم" کے رتبے کا افسر تھا جس نے ایک مورتی اور کچھ جواہرات تنجور کے مندر کو نذر کیے۔ وہ بلاشبہ وزارت مالیات میں ایک اعلیٰ افسر تھا کیونکہ لیڈن کے فرمانِ وقف اور بندوبستِ مال سے متعلق اُکل کے اہم کتبے کی تصدیق اسی کے دستخط سے ہوئی۔ سیناپتی کُرُون الگندان عرف راج راجا مہا راجن کو جس کا ذکر تنجور کے کتبات میں بھی موجود ہے "الگندان" (دنیا کی پیمائش کرنے والا) کا لقب اس وقت حاصل ہوا جب اس نے بندوبست مال کے لیے ملک کی تمام اراضی کی پیمائش کی جو راجہ کی حکومت کے سولھویں سال ۱۰۰۱ء میں شروع ہوئی۔ یہ اس دور کا نیا اور اہم انتظامیہ کارنامہ تھا جو آنے والے سینکڑوں سالوں کے لیے ریاست کی مالیاتی پالیسی کی بنیاد بنا کیونکہ بعد کی دستاویزات میں اس پیمائش کے متعدد حوالے ملتے ہیں۔

نواں باب

(حاشیے)

(1) E.I، ix - صفحہ 217

(2) E.Z، 61 - 63

(3) میں اس معاملے میں ٹی جی ارَوامو دھن سے متفق ہوں جو تنجور کی اس کانسے کی مورتی کو بعد کی بنائی ہوئی اور نقل کہہ کر مسترد کر دیتا ہے جسے بعض اوقات راج راجا کی مورتی سمجھا گیا ہے۔ اس مصنف کی کتاب "Portrait Sculpture in South India" کا صفحہ 36 اور II - ARE - 1952 - II - 12 کی شبیہ دیکھیے۔ تروو لیشولور میں سنگتراشی سے بنائی ہوئی ایک راجا اور رانی کی مورتی ملی ہے جو اسی راجہ کی ہو سکتی ہے۔

(4) 1902 کا نمبر 633

(5) 1908 کا نمبر 453 (تیسرا برس)

(6) دیکھیے SII - ii - تمہید صفحہ 3 و حاشیہ نمبر 1۔ اس کی بہترین تشریح "سرگوٹ توی چولا" ہے۔

(7) 1922 کا نمبر 395 ہمارے علم میں وہ قدیم ترین کتبہ ہے جس میں اس کارنامے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور جو راجا کے چوتھے سال حکومت کے چوبیسویں روز کا ہے، اس لیے اب یہ کہنا صحیح نہیں رہا ہے کہ اپنے عہد حکومت کے آٹھویں برس یعنی سنہ 994ء تک اس نے کوئی فوج کشی نہیں کی (SII - ii - تمہید - صفحہ 2)۔ کاندلور کی لڑائی میں راج راجا نے واقعی کیا حاصل کیا، یہ بات ایک بڑی بحث کا موضوع بنی رہی ہے۔ اگرچہ "شالائی" اور "کلم" کے معنی بالترتیب "طعام گھر" اور "رکابی" ہیں لیکن موجودہ حالت میں اس طرح کے معنی اطمینان بخش نہیں ہو سکتے (اس کے خلاف دیکھیے TAS - iii - 2 تا 5)۔ دوسری جانب لنگر اندازی کے مقام کے معنوں میں "شالائی" کے استعمال کا پتہ اور کہیں نہیں چلتا

لیکن "شالائی" بہر حال کسی جگہ کے نام کا حصہ ہوگا یا معمولی طور پر اس کا مفہوم سڑک بھی ہو سکتا ہے لیکن اس کے اور کوئی معنی اس سے زیادہ قرینِ قیاس نہیں ہو سکتے جو بالعموم اس پورے جملے کے لیے جاتے ہیں یعنی "جس نے کاندلور کی لنگر اندازی کی جگہ میں جہازی بیڑے کو تباہ کر دیا" اس کے متبادل معنی یہ ہیں کہ "کاندلور کے لنگر میں جس مقدار میں کھانا دیا جاتا تھا وہ راجہ طے کرتا تھا (ایس ویلیک وناتھم پلے کے "ٹیگرل سوسائٹی پیپرز" سلسلہ نمبر 2 ص 155 اور اس کے آگے کے صفحے) لیکن اگر یہ مطلب لیا جائے تو اس عمل میں طاقت کے استعمال کی وجہ بتانے میں دور از کار قیاس آرائی کرنی پڑے گی اور اس سے یہ بات بھی صاف نہیں ہوگی کہ مثال کے طور پر راج راجا کو اس کے دوبارہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ڈی پلے کو یہ اعتراض ہے کہ بحری بیڑے کی تباہی کو اچھائی کا کام (اُروَلی) نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ راج راجا کی عام تمہید "ترومگل پول" وغیرہ میں کہا گیا ہے لیکن اس اعتراض کا جواب باآسانی مل جاتا ہے۔ راج راجا نے پانڈیا دیر کیرلا کو ہاتھی کے پاؤں تلے کچلوا دیا تھا اور اسے ایک پسندیدہ عمل بتایا گیا ہے۔ "کدکی طرن اُدے پترولی" "شاید" اور "تو" لفظ کا مطلب "تباہ کیا" نہیں ہے بلکہ صرف "فتح پائی" ہے۔ مقابلہ کیجیے "کلنگتو پرانی" (اشلوک نمبر 370) جس میں کہا گیا ہے کہ دِلنم کو تباہ کر دیا گیا اور "شالائی" کو تسخیر کر لیا گیا۔ تاہم یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ کاندلور کے قدیم ترین ذکر سے (TAS - i صفحہ 6' 1-6) ڈی پلے کے اعتراض کی ضرور تائید ہوتی ہے۔ گوپی ناتھ راؤ نے کاندلور کی صحیح شناخت کی ہے اور اسے ترِوندرم کا ایک حصہ بتایا ہے جو اب ویلیا شالائی کہلاتا ہے۔ لیکن دیکھیے TAR - 1920-21 (صفحہ 65) جہاں یہ کہا گیا ہے کہ کاندلور، پُوار (نیاتنکر) کے قریب واقع ہے۔ اکثر "شالائی" کو سنسکرت لفظ کے معنوں میں لیا جاتا ہے اور اس کا مفہوم "چولا" بتایا جاتا ہے (TAS - ii - صفحہ 4)'

(8) ورشنن کولپو کا کتبہ (TAS - i - صفحہ 235) اب تک ہمارے علم میں آنے والے کتبوں میں قدیم ترین کتبہ ہے۔

(9) ایضاً ، 76 - 79

(10) TAS ' ii - صفحات 1-3 ، 32-3۔ یہ بات نظر میں رکھنے کی ہے کہ اس راجہ کے عہدِ حکومت کی مدت ایک واحد کتبے کی شہادت کو بنیاد مان کر طے کی گئی ہے یعنی ترِونیلی کی تحقیقوں کا۔

(11) 1910 کا نمبر 1 ، 6 ترھویں سال حکومت سے قبل کے صرف چند کتبوں ہی میں کوئی تمہید دی گئی ہے۔

(12) 1923 (چودھویں سال حکومت) کا نمبر 27

(13) 1911 کا نمبر 394 - ARE - 1912 - II - 23

(14) کاندلور یا کاندُورشالائی غالباً ولنم کے قریب واقع تھا........ کاندلورشالائی جس کے متعلق بعد کے کتبات میں بتایا گیا ہے کہ چیرا راجہ کے قبضے میں تھا، راج راجا کے حملے کے وقت غالباً پانڈیوں کے قبضے میں تھا۔ دیکھیے ii - تمہید۔ صفحہ 2

(15) ورشنن کوپو کا (آٹھویں سال کا) کتبہ۔ سیندرم کا کتبہ (دسویں سال کا)۔ وجیہ نارائنم کا کتبہ (دسویں سال کا)

(16) - SII - ii - I پیراگراف نمبر 34، 51 وغیرہ۔ ترووالنگاڈو کی تختیوں کے V - 83 میں جہاں پرشورام کے ملک کی تسخیر کا ذکر ہے۔ دراصل ان ہی جنگی مہمات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے خلاف دیکھیے دینکیّا SII - ii - تمہید۔ صفحہ 4

(17) SII - ii پیراگراف 51

(18) 1902 کا 236 (ستائیسویں [27] سال کا)۔ SII - vii - نمبر 863، نیز TAS - ii - صفحہ 5

(19) دیکھیے شلالیکھ xi - 4 53 پر ادیارگنلّار (کا تبصرہ)۔ کیلہارن اسے مالابار کہتا ہے۔ EI - vii - فہرست نمبر 704 نیز دیکھیے۔ EC - iii - TN - 122

(20) SII - III - 19، 51

(21) viii - V - 24

(22) EC - iii - سلسلہ نمبر 125

(23) 1895 کا نمبر 5 (اٹھائیسویں [28] برس کا)۔ EC - iii - سلسلہ نمبر 140 نیز i - CQ - 46، اور صفحات 12 - 13

(24) کلیتور کے ایک کتبے (1901 کا نمبر 353) جس پر شاکا سمت 929 کی تاریخ درج ہے، سے معلوم ہوتا ہے کہ چولا جرنیل اپرتینیا نے کچھ ہوئسالا سرداروں کو شکست دی۔ لیکن کیلہارن اس تاریخ کو "تاریخی مقاصد کے لیے بے مصرف" قرار دیتا ہے۔ EI - iv - صفحات 67 - 68، اس کے برعکس دیکھیے۔ رائس کی (Mysore And Coorg) صفحات 86 - 144، 45

(25) 1910 کا 261

(26) SII-iii-4، 15

(27) SII-ii-92، پیراگراف 12 15

(28) V 800

(29) C.V - باب IV - V، 2-4

(30) SII-ii-92 پیراگراف 12

(31) Ceylon Journal of Sceucel -G-II، 2- صفحات 145-47-

(32) ASC-1906، صفحہ 27

(33) 1910 کا 132 (سترھویں سال کا)

(34) ASC- 1891 صفحہ 12-نمبر 78-80 - پدویا کا ستائیسویں برس کا کتبہ جس کا
حوالہ SII-ii-تمہید صفحہ 5 پر دیا گیا ہے، منزدران میں شامل ہوگا.

(35) ASC - 1906 صفحہ 17، اور اس کے بعد کے صفحات

(36) 1912 کا نمبر 416 (SII-iv-1412)

(37) 1923 کا نمبر 67- ARE-1923، II-27

(38) 1921 کا نمبر 97 (نویں سال کا)۔ دیکھیے SII-ii-تمہید صفحہ 3- اور حاشیہ نمبر 1
جہاں بتایا گیا ہے کہ آٹھویں سال حکومت کے ایک کتبے میں جو ترووڈنڈی سے ملا ہے.
ان فتوحات کا ذکر ہے۔ یہ حوالہ بلاشبہ 1910 کے نمبر 261 کے متعلق ہے۔

(39) MAR-1917، صفحہ 42

(40) 1919 کا 127- مذکورہ افسر کے نام گنگئی امبلوتن گنڈر آدتیہ شولا وِیپرائین سے
پتہ چلتا ہے کہ اس نے اگر پہلے نہیں تو اتم چولا کے عہد میں شہرت حاصل کی.

(41) SII-ii- 213-کتبہ نمبر 212 میں راج کیسری کے عہد کا اور اس کے دسویں
سال حکومت کا ہے. اس میں فورائیتی سندر شولن کو ایک مخبر شخص بتایا گیا ہے یہ
نام پرانتکا دوم سندر چولا کا عہد حکومت ظاہر کرتا ہے اور اگر یہ صحیح ہو تو یقیناً اس
شخص کو والد شہریا ویلار کی طرح اس شہنشاہ کے زمانے میں لنکا کو بھیجی گئی فوجی
مہم میں کام آیا ہوگا. ARE - 1914 - II-15

(42) EI - X - صفحہ 57، اور حاشیہ نمبر 3

(43) 1911 169 (تیرھویں [13] برس کا)

(44) EC - X - Mb - 208

(45) ایضاً .Ct 118

(46) موجودہ ضلع میسور کے کرشن راج پٹ۔ ناگ منگلا۔ مانڈیا۔ سرنگا پٹنم اور ملولی تعلقہ جات + نلیٹ IA، XXX-صفحات 109-10

(47) 1904 کا 36- IA - V-صفحہ 17، SII، ix (i) نمبر 77- مغربی چالوکیہ اور چولا راجاؤں کی باہمی مخاصمت کی وجوہ بتانے کی کوشش کرتے ہوئے اس قیاس کو بنیاد بنایا گیا ہے کہ چولوں نے اس طرح سے یہ سوجھ روایت برقرار رکھی کہ چولا سورج ونشی نسل سے تھے اور چالوکیہ چندر ونشی نسل سے۔ اول الذکر شیو دھرم کے ماننے والے تھے تو موخر الذکر وشنو تھے اور جین دھرم کی سرپرستی بھی کرتے تھے (SII-ii-۔تمہید صفحہ 5 اور حاشیہ نمبر 4)۔ وجوہ بتانے کی یہ کوششیں ہمیں کسی منزل پر نہیں پہنچاتیں۔

(48) SII-ii-1 پیراگراف 92۔ ان جنگی مہمات کے خاتمے پر مندر کو جو تحائف نذر و نیاز کے طور پر پیش کیے گئے ان کی قیمت سے اندازہ لگایا جائے تو ایسا معلوم ہوگا کہ دوسرے مقامات پر حاصل کردہ فتوحات کے مقابلے میں چالوکیہ کے خلاف جنگ میں کامیابی قطعاً نہ پہنچ تھی۔

(49) ARE 1927-iii-11-1921 کے نمبر 97 میں رتا پاڑی کا ذکر آیا ہے۔ لیکن اس میں دی ہوئی تاریخ (9) مشکوک ہے۔

(50) V - 81

(51) EI - xvi، صفحہ 74

(52) اس جنگ کی نیز اس کے جلد بعد لڑی گئی ایک اور جنگ کی مزید تفصیلات حاصل کرنے کے لیے دیکھیے اگلا باب۔

(53) ARE، 1904-پیراگراف 17۔ تاہم اس بات کے ثبوت کے لیے کہ اس عہد حکومت کے آخر میں اس علاقے کا کچھ حصہ چالوکیوں نے واپس لے لیا تھا، راجندر کی جنگی مہمات سے متعلق اگلا باب دیکھیے۔

(54) 1895 کا نمبر 5 (اٹھائیسویں 28 سال کا) - EC ، iii - سلسلہ نمبر 140

(55) 1-4سو ۔ کے برعکس ڈاکٹر ایس کے آئینگر کی تصنیف "گنگائی کونڈا" صفحات 541-42

(56) 1897 کا نمبر 5 145 - SII - vi ، نمبر 102

(57) 1921 کا 79

(58) تفصیلات کے لیے دیکھیے "the Eastern Calukyas of Vengi"

مصنفہ ڈاکٹر این وینکٹا رمنیا۔ باب xvi تا xviii

(59) کوُرمیلی PL - IA - xiv - صفحہ 52

(60) Journal of the Telugu Academy - ii - صفحہ 408

(61) اگست کرشن کوپات کانگم ۔ ARE ، 1917 ، II ، 24

(62) پیٹیرو کا فرمانِ عطیہ (غیر مطبوعہ) جس کا حوالہ وینکٹا رمنیا نے دیا ہے۔ حوالہ سابقہ۔

صفحہ 183۔ حاشیہ نمبر 1

(63) Journal of the Telugu Academy - ii - صفحہ 409

(64) 1931 کے نمبر 237 - 238 - EI - xxi ، صفحہ 29 جہاں یہ کتبہ غلط طور پر

راج راجا اوّل سے منسوب کیا گیا ہے جس کے زمانے میں اس کے آخر میں تامل کی صرف

ایک سطر کا اضافہ کر دیا گیا تھا کہ بھیم کو راج راجا نے قید کر لیا تھا۔

(65) شکتی ورمن کے فرمانِ عطیہ کے 1-35 میں "ابا جکم"۔ وملا دیتہ کے رنستا پونڈی

کے فرمانِ عطیہ میں x - "انا ییکا" (1-40) ، EI - vi -

(66) رنستا پونڈی کے فرمانِ عطیہ میں ذیلو دشیپٹشیہ (1 ، 39)

(67) SII - v نمبر 516 ترکرا ایبارُو سے دستیاب ہوا راج راجا اوّل کے بائیسویں

سال حکومت کا کتبہ ہے۔ اس میں ومتب وتی کا ذکر ہے جو سالوکی دیمبتن اچالوکیہ

بھیم) کی مہارانی تھی۔ موخرالذکر وہ لقب تھا جو وانارنو نے اپنی تاج پوشی کے وقت

اختیار کیا تھا۔

(68) EI - vi - صفحہ 349

(69) بی وی کرشنا راؤ کی "History of the Rajahmundry"

(Journal of the Andhra Historical Research Society) JAHRS

دیکھیے ۱۱۱-۱۷۔ ان میں یہ ثابت کرنے کی ایک دقائق کرنے والی کوشش کی گئی ہے۔ کرشنکتی ورمن کے تحت وتاج لی بازیابی میں راج راجا کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ کرشنا راؤ نے جوجٹا چوڑا کو جٹاورمن سندر چولا پانڈیا قرار دیا ہے یہ غیر ممکن بات ہے۔

(70) کوریلی کی تختیوں I A - XIV - صفحہ 52' 11' 55- 65

(71) 1897 '145 SII - vi - نمبر 102

(72) "مالدیپ کے راجہ نے بارہ ہزار جزیروں کے حکمران کا سا طرز اختیار کر رکھا ہے"۔ پائرارڈ کے الفاظ کا حوالہ دیتے ہوئے رینادوت ایسا لکھتا ہے۔ دیکھیے "Ancient Account" نامی کتاب میں صفحہ 2 پر تبصرہ۔ نیز دیکھیے تونگ پاؤ XVI - صفحہ صفحہ 388 حاشیہ نمبر1

(73) مقابلہ کیجئے۔ JOR (Journal of Oriental Research, Madras) XIX - صفحات 150 - 51 کیا سجوگت دیوجٹا چوڑا بھیم کا ایک اور نام تھا؟

(74) EI - viii - صفحہ 260

(75) 1896 کا نمبر 117 -

(76) SII - ii - 90 میں مذکور راجندر کے تیسرے سال حکومت کے ایک عطیے کے متعلق بظاہر ایک الجھن میں ڈالنے والے حوالے کی صحیح وضاحت یہی دکھائی دیتی ہے۔

(77) 1933 - 34 کا نمبر 50؛ ARE - II - 13

(78) فرمانِ عطیہ (تامل حصہ)' EI - ii XX

(79) جیرتی کی تصنیف ریسرچز ر صفحہ 527 - نیز ARE - 1899 - پیراگراف 48

(80) - PL - 91

(81) ضلع تنے ویلی کے منارکوول میں بارہ "شیریوں" کے نام اسی طرح رکھے گئے تھے۔ دیکھیے 1905 کا نمبر 109 (EI - xi صفحات 293 - 98)۔ ضلع تنجور کے تردکلتی ثانی میں دوسروں کے علاوہ مندرجہ ذیل شیری" تھے۔ ارُومولی دیوچیری (شیری) — جن ناتھ چیری۔ نت ولو دچیری۔ راج کیسری۔ نگر آی شولا چیری۔ الگیا شولا چیری — سنگلا نگلا چیری۔ گعددئی چیری۔ شولا گل سندرا چیری۔ راج مارتنڈ چیری اور راج راجا چیری (راجندر اوّل کے نویں سال کا کتبہ۔ 908 کا نمبر 292)۔

(82) 1907 کا نمبر 42 - موجودہ زمانے میں "ہریہ گریہ" کے لیے دیکھیے گلیٹی کی تصنیف "The Dutch in Malabar" صفحہ 110 و حاشیہ

(83) 1902 کا C - 633 (راجندر کے تیسرے برس کا)

(84) 1896 کا نمبر 117 - الف (A) - 1918 کا 448

(85) SII - ii - 2

(86) 1919 کا 8

(87) SII - ii - تمہید صفحہ 8

(88) 1902 کا نمبر 633 (پچیسویں[25] سال کا)

(89) 1915 کا نمبر 178 (اٹھائیسویں[28] سال کا)

(90) SII - iii - 15

(91) 1895 کا 115

(92) 1924 کا 394 (راج کیسری 4)

(93) 1924 کا 365 - 367 (راج کیسری 10، 16)

(94) 1924 363

(95) بتش - SII - iii - 49 ؛ گذشتہ صفحہ 157، اور حاشیہ 74 ؛ 1917 کے 356 (دسویں سال کا) میں کسی گندھرادتیہ مدھرانتکن کا بھی ذکر آتا ہے۔

(96) 1906 کا نمبر 283، 1921 کا نمبر 218

(97) معلوم ہوتا ہے کہ یہ غلطی اس یقین کے باعث سرزد ہوئی کہ "گ" کے "تردد شاتپا" میں تنجور کے مندر کا حوالہ ہے جبکہ یہ چدامبرم مندر کے بارے میں ہے۔ دیکھیے ٹی اے جی راؤ کی "شولا وشاچر ترپاچڑکم" ۔ صفحہ 16 حاشیہ

(98) 1890 کا نمبر 19 (EI - iv صفحہ 139)

(99) 1890 کا نمبر 11 (SII - iii - 51)

(100) SII - iii - 52

(101) 1906 کا نمبر 84، 86

(102) SII - ii - 31

(103) اے-437

(104) SII-ii-55

(105) SII-iii-9

(106) SII-ii-95، صفحہ 459

(107) 1902 کے نمبر 624، اور 624-الف (A)؛ SII، viii-222-
23، 1907 کا 44 (چوبیسویں سال کا)

دسواں باب

راجندر (سنہ 1012ء تا سنہ 1044ء)

تخت نشینی

پراکیسری ورمن راجندر چولا دیو اوّل کو اس کے والد کی حکومت کے آخری سالوں میں ولی عہد بنانے کا اعلان کر دیا گیا تھا اور اُسے رسمی طور پر سلطنت کے انتظام میں اپنے والد کے ساتھ شریک کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی حکومت کے سال کا آغاز 27 مارچ سے 7 جولائی سنہ 1011ء تک کی کسی درمیانی تاریخ میں شمار کرتا ہے۔ راجندر کی حکومت کے تیسرے سال میں بھی ہمیں باپ بیٹے کی مشترکہ حکومت کی مثالیں ملتی ہیں۔ راج راجا کے عہد کے انتیسویں برس کے تنجور کے کتبے میں بھی اس سال کا ذکر ملتا ہے۔ اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اپنے بیٹے کی حکومت کے تیسرے سال میں راج راجا نے ایک وقف کیا تھا۔ راجندر کی پیدائش کا نکھشتر آردرا تھا۔

سلطنت کی تنظیم و توسیع

راجندر کو اپنے والد سے ایک وسیع سلطنت ورثہ میں ملا تھی جس میں موجودہ مدراس اور آندھرا، میسور اور جزیرۂ لنکا کے کچھ حصے شامل تھے۔ انتظام سلطنت کی با احتیاط داغ بیل ڈالی جا چکی تھی اور ایک صاحب اختیار انتظامی عملہ وجود میں آ چکا تھا جو ایک طرف جہاں ملک سے وابستہ اُمراء اور مختلف جماعتوں کی جاگیردارانہ

اور شہری آزادی کا احتیاط اور ہوشیاری سے لحاظ رکھتا تھا اور مال کا سائل سے راحہ کی جانب سے امن عامہ کو بھی بالجبر رکھتا تھا اور تمام شہری حقوق کو نافذ کرتا تھا۔ فوج ایک طاقت ور آزمودہ تنظیم تھی جو ایسے افراد پر مشتمل تھی جو ملک کی وسیع بری سرحدوں کی بخوبی حفاظت کر سکتے تھے اور سلطنت کے زیر اطاعت آنے والے نئے علاقوں میں کسی بھی امکانی بغاوت کے خطرے کا مقابلہ کر کے اُسے دبا سکتے تھے نیز غیر ریاستوں میں جارحانہ لڑائیوں کے لیے بھی کمربستہ رہتے تھے۔ لنکا اور کچھ دیگر جزائر مثلاً مالدیپ پر بھی ایک طاقتور بحریہ کے ذریعے ایک مضبوط گرفت رکھی گئی تھی۔ جو جزائر مشرق الہند اور چین کے ساتھ اس سلطنت کی وسیع غیر ملکی تجارت کی حفاظت کا کام بھی دیتی تھی۔ اپنے تینتیس سالہ عہد حکومت میں راجندر نے اس برتری کا جو اس کو ابتدا میں حاصل ہو گئی تھی خوب فائدہ اٹھایا اور سلطنت کو اپنے زمانے کی ایک وسیع اور موقر ہندو سلطنت بنا دیا جس کے مقبوضات کچھ عرصے تک مجمع الجزائر شرق الہند اور جزیرہ نمائے ملایا میں بھی رہے۔ اس کے عہد حکومت کی تاریخ بڑی حد تک طویل جنگوں اور فتوحات کی تاریخ ہے جن میں وہ اپنے عہد حکومت پہلے نصف حصے میں مشغول رہا۔ اپنے والد کی طرح اس نے بھی اپنے پتھر کے کتبات اور تروونالنگاڈو اور کرن دئی (ضلع تنجور) کی تانبے کی تختیوں میں اپنے عہد حکومت کی فوجی اور بحری سرگرمیوں کا ایک معتبر تذکرہ اپنے پیچھے چھوڑا ہے جس سے ہر اس واقعے کی تصدیق ہو جاتی ہے جس کے لیے ہمارے پاس کچھ دوسری شہادتیں بھی موجود ہیں۔

راجندر کی پرشستیاں

راجندر کی تامل "پرشستی" کی عام طرز وہ ہے جو "ترومنی ولرا" سے شروع ہوتی ہے یہ طرز ہمیں اس کے تیسرے سال کے کتبات سے دکھائی دینا شروع ہو جاتی ہے اگرچہ اس کا زیادہ کثرت سے استعمال اس کے عہد کے پانچویں برس سے ہوتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تعارف اپنے طول میں بتدریج بڑھتا جاتا ہے کیونکہ اس میں تازہ فتوحات کا حال شامل ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ تیرھویں سال کے بعد یہ بالکل رسمی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس تعارف میں جو اضافے وقتاً فوقتاً ہوتے رہے ان کی مدد سے ہم اس عہد حکومت کی ترتیب سنین کا تعین جس قدر صحت کے ساتھ کر سکتے

ہیں اتنا قدیم ہندوستان کی تاریخ میں کم ہو سکا ہے۔ ایک اور تامل پرشستی جو اس وقت تک اس عہد کے دسویں برس کے صرف ایک کتبے سے ہمارے علم میں آئی ہے پانڈیا خاندان کے حالات کے متعلق کچھ معلومات فراہم کرتی ہے جن کی تصدیق ترو والنگاڈو کی تختیوں سے بھی ہو جاتی ہے۔ چوبیسویں برس کے ایک کتبے میں تامل پرشستی تکن لاڈم کی تسخیر تک تو اپنی معمولی صورت میں نظر آتی ہے لیکن اس کے بعد وہ ایک دوسرے راجہ کی "پرشستی" کی نقل ہے۔ غالباً عبارت کو دوبارہ کندہ کرنے میں کوئی غلطی ہو گئی ہے اور دو کتبات باہم خلط ملط ہو گئے ہیں۔ آخری بات یہ ہے کہ راجندر کی فوجی کامیابیوں کا جو حال ترو والنگاڈو کی تختیوں کے سنسکرت کے حصے میں دیا گیا ہے وہ تمام فتوحات کی تکمیل کے بعد قلم بند کیا گیا ہے اور مختلف برسوں کی تامل پرشستیوں کے بیانات میں جو اشارے ملتے ہیں ان کے پیش نظر سنسکرت زبان کا یہ تذکرہ اس عہد کی ترتیب سنین کے تعین کے لیے کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ لیکن شاعر ابا رائن جس نے اس طویل سنسکرت پرشستی کو نظم کیا دصرف اعلیٰ ادبی محاسن کے لیے ہماری تعریف کا مستحق ہے بلکہ اس توجہ کے لیے بھی جو اس نے اپنے سرپرست کے عہد کے واقعات کی طرف دی ہے۔ جو عام درباری شعراء کی توجہ سے کہیں زیادہ مکمل ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ اس کا منظوم تذکرہ اکثر امور کے متعلق تامل پرشستیوں کی فراہم کردہ معلومات میں قابل قدر اضافہ کرتا ہے۔

راجندر نے اپنے عہدِ حکومت کی ابتدا ہی میں اپنے بیٹے راجا دھیراج کو سلطنت کے معاملات میں اپنی مدد کے لیے ولی عہد مقرر کر دیا تھا۔ راجا دھیراج کے کتبات کے حساب سے دیکھا جائے تو یہ تقرری 15 مارچ 3 دسمبر 1018ء کی کسی درمیانی تاریخ میں ہوئی تھی جو غالباً راجندر کے عہد کا ساتواں برس تھا۔ اس دن سے لے کر پچیس برسوں سے زائد مدت تک پراکیسری اور راج کیسری یعنی باپ بیٹے دونوں مل کر حکومت کرتے رہے اور سلطنت کی ذمہ داریوں کو سنبھالے رہے۔ راجا دھیراج کے وہ کتبات جن کی پرشستیاں "تنگیر ترو" سے شروع ہوتی ہیں، اپنے والد کی مہمات میں اس کے ادا کردہ کردار کا حال ہمیں بتاتے ہیں۔ راجا دھیراج کے عہد حکومت کے چھبیسویں برس تک کے کتبات کے متعلق یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ راجندر کے کتبات میں صرف اضافہ ہیں ان میں کم و بیش انہیں واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جن کا ذکر راجندر کے کتبات

میں ہے۔ البتہ ان میں ان واقعات کو زیادہ واضح کیا گیا ہے جن کا تعلق خود راجا دھیراج کے کردار سے ہے۔ ترزوَل واڑی سے دستیاب شدہ ایک کتبے میں جو راجا دھیراج کے چھبیسویں برس کا ہے اور جس میں تمہید کی ایک مختصر طرز استعمال کی گئی ہے۔ بتایا گیا ہے کہ راجا دھیراج کی سلطنت کا چھتر ایسا تھا جیسے کہ خود اس کے والد کا سفید شاہی چھتر کا سایہ ہو جس نے اپنے لشکر کو لے کر شمال میں دریائے گنگا کو جنوب میں لنکا کو مغرب میں مہو دائی کو اور مشرق کو کڈارم کو تسخیر کر لیا تھا۔

شہزادگان منتظمین کی حیثیت سے

یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اس کا بیٹا اپنے والد کی زندگی ہی میں پوری شاہی حیثیت اور مرتبے کے ساتھ قریب قریب چھبیس برس تک حکومت کرتا رہا۔ چولا تاریخ کے ایک بہت اہم پہلو کو صحیح طور پر سمجھنے کی ایک کنجی ہے حکمران راجہ کے جیتے جی ہی ولی عہد منتخب کر لینے اور ایک رسمی تقرری کے بعد اُسے سلطنت کے اہم فرائض کی تکمیل میں شریک کر لینے کے اس طریقۂ کار کو جو پہلے پہل جانشینی کے تنازعات سے بچنے کے لیے اختیار کیا گیا تھا۔ بڑھتے ہوئے کاروبار سلطنت کے بوجھ کے تقاضوں نے سلطنت کے انتظامیہ معاملات میں بھی استعمال کرنے کے لیے راستہ کھول دیا۔ شاہی خاندان سے خون کا رشتہ رکھنے والے شہزادے جو بالغ ہو چکے تھے سلطنت کے مختلف حصوں میں با اختیار عہدوں پر فائز کر دیئے گئے لیکن اس مناسب اختیار کے ساتھ کہ ہر ایک شہزادے کو اس کی استعداد اور صلاحیتوں کے مطابق عہدہ ملے۔ ولی عہد منتخب ہونے والے فرد کو باقی شہزادوں سے ممتاز کرنے کے لیے تقرری کی ایک رسمی تقریب منعقد کی جاتی تھی اور اسے مقابلتاً ایک اونچا مرتبہ دیا جاتا تھا۔ راجا دھیراج اپنے باپ راجندر کا سب سے بڑا بیٹا نہیں تھا اس لیے یقیناً اپنی خصوصی استعداد کے باعث ولی عہد چنا گیا ہوگا۔ اپنے والد کے جیتے جی ہی کتبات میں ایک علیٰحدہ تاریخی تعارف کے ذریعے اس کے مقام اور مرتبے کی باقاعدہ وضاحت کر دی گئی تھی۔ اس کے ہم عصر چولا پانڈیا نائب السلطنت اور خود چولا شہزادے اپنے کتبات میں یا تو اپنا کوئی تاریخی تعارف نہیں لکھواتے تھے یا پھر حکمران تاجدار راجندر ہی کے تاریخی تعارف سے اپنے کتبات شروع کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ راجندر کے

عہد کی ابتدا میں ولی عہد شہزادہ راجا دھیراج کے علاوہ اس کا صرف ایک ماتحت حکمران پانڈیا اور کیرلا ریاستوں میں اس کی نیابت کا کام سرانجام دے رہا تھا لیکن ہو سکتا ہے کہ آگے چل کر دیگر علاقوں میں بھی کچھ اور افراد نائب السلطنت کی حیثیت سے تعینات کیے گئے ہوں۔ ان عہدوں کے لیے منتخب ہونے پر شہزادوں کو کسی نہ کسی طرح کی ایک خاص تقریب میں اختیارات بخشے جاتے تھے جس کی بدولت انہیں اور اختیارات و مراعات کے علاوہ خود اپنے سر پر تاج یا کلغی پہننے کا حق بھی مل جاتا تھا جو حکومت میں ان کی حیثیت اور مرتبے کے مطابق ہوتا تھا۔ کتبات میں بتایا گیا ہے کہ راجا دھیراج اور اس کے جانشینوں نے بھی اس طریقے کو جاری رکھا۔ راجیندر اول کے اس دانش مندانہ طریقہ کار کے طفیل شاہی خاندان کے شہزادوں کو اپنی سرگرمیوں کے لیے ایک میدان مل جاتا تھا۔ ان کی مضطرب طبیعتوں کو تسکین حاصل ہو جاتی تھی اور شاہی گھرانے کی سازشوں اور بغاوتوں کے مواقع کم ہو جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ایک بے حد وسیع سلطنت کی انتظامیہ کو جسے ابھی بہت دشوار ملکی اور غیر ملکی مسائل کا سامنا کرنا تھا ایک نئی طاقت بھی حاصل ہو گئی تھی۔

ابتدائی فتوحات

اب ہم مذکورہ بالا ماخذ کی روشنی میں راجیندر کی فتوحات کی بتدریج توسیع پر نظر ڈالیں گے اور اس کے لیے ہم "ترومنی ولرا" سے شروع ہونے والے تعارف میں دیے ہوئے واقعات کو بنیاد مانیں گے۔ اس تعارف سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اپنے عہد حکومت کے تیسرے سال تک راجیندر نے اڈتورائے ناڈو، بن واسے (بن واسی) جس کے گرد جنگل کی ہی ایک قدرتی مسلسل دیوار حائل تھی، کولیپاکئ جس کے قلعے کی فصیلوں کے گرد شلی کے درخت لگے ہوئے تھے، اور منی کڈکم جس کا قلعہ ناقابلِ رسائی تھا، تسخیر کر لیے تھے۔ یہ یقین سے نہیں کہا جا سکا کہ یہ بیان رٹا پاڑی پر راجیندر کے سنہ 1003-06ء کے حملے کے متعلق ہے جس کا ذکر سنہ 1007ء کے ہوتور کے کتبے میں نہایت وضاحت سے کیا گیا ہے یا اس میں کسی دوسری مہم کا تذکرہ ہے جسے بھیجنے کی ضرورت ستیہ آشرایا کے دوبارہ طاقت پکڑنے کی وجہ سے پیش آئی تھی۔ بہرحال یہ مہم سنہ 1009ء سے پہلے ہی بھیجی گئی تھی کیونکہ اس سے ستیہ آشرایا کا قلع قمع کرنا مقصود تھا جس کی جگہ تقریباً اسی سال وکرما دتیہ پنجم تخت نشین ہوا تھا۔ اڈتورائے ناڈو، ایڈرے ڈور 2000، موجود

رائچور ضلعے کے بیشتر علاقے پر مشتمل ایک خطہ تھا جس کی شمالی حد دریائے کرشنا اور
جنوبی حد دریائے تنگ بھدرا تھی۔ کولپاکی بلاشبہ موجودہ کلپک تھا جو حیدرآباد سے
45 میل شمال مشرق میں واقع تھا۔ اس کا ذکر کتبات میں برابر کولپاکی کے نام ہی سے
آیا ہے۔ یہ "سات ہزار والے" ایک ضلع کا مرکز تھا جو بعد کو اگلی صدی کے آغاز میں کچھ
عرصے تک سومیشور سوم کے زیر نگیں رہا جو اپنے والد وکرمادتیہ ششم کا مقرر کردہ نائب
السلطنت تھا۔ کلپک ابھی تک ایک صوبے کا دارالخلافہ تھا جس کی حکومت تیرھویں صدی
میں کاکتیا خاندان کے راجہ کا ایک ناظم چلا رہا تھا۔ منی کڈکم جس کی فصیلیں بہت مستحکم
تھیں، آسانی سے شناخت کیا جا سکتا ہے کہ مانیہ کھیت ہی تھا جو کنیاکاری کے کتبات
کے مطابق راجندر کی فوجوں کے لیے میدان جنگ رہا تھا۔ راجندر کی فوج کشی سے مانیہ
کھیت (مال کھید) پر یقیناً بڑی مصیبتیں پڑی ہوں گی۔ راشٹرکتوں کے دور اقتدار کے آخری
برسوں میں اسے ایک مرتبہ مالوا کے پرمار حکمرانوں نے تاخت وتاراج کیا تھا اور اب
چالیس برس بعد جب چالوکیوں کی حکومت تھی، اس بدقسمت شہر کا اور بھی بُرا حشر
ہوا۔ چالوکیوں پر یقیناً اس کا بہت اثر پڑا کیونکہ انھوں نے اس کے اور ہی اپنا
دارالخلافہ کلیانی یا کلیان پورہ میں منتقل کر دیا جو مال کھیڈ سے 48 میل شمال مشرق
میں واقع تھا۔ راجندر کے عہد کے تیسرے برس کے ایک کتبے میں جو ضلع ترچناپلی سے
ملا ہے، منی کڈکم کی فتح سے قبل ستیہ آشرایا سے جو لڑائی ہوئی تھی اس کے ایک واقعے
کا ذکر ملتا ہے۔ اُوڑ تور کے رہنے والے ایک شخص شرتی مان فکن چندرن کو راجہ
(پیرو مال ترو وایال مولیا) کی جانب سے براہ راست یہ حکم ملا کہ وہ دشمن کے ہاتھیوں
پر حملہ کر دے۔ اس حملے میں چندرن اپنی جان گنوا بیٹھا۔ اس کے واسطے ایصال
ثواب کے لیے اس کے گاؤں اُوڑ تور میں ایک جاگیر بطور وقف مہادیو کے مندر کو دی
گئی۔ اس مہم میں راجندر دریائے تنگ بھدرا کو عبور کر کے لڑتا لڑتا چالوکیہ ریاست کے
وسط تک پہنچ گیا اور اس کے دارالسلطنت پر حملہ کر دیا۔ یہ بات آسانی سے سمجھ میں
نہیں آتی کہ دریائے تنگ بھدرا کے پار یہ فوجی کارروائیاں اور بن واسے پر حملہ دونوں
بیک وقت کیسے عمل میں آئے ہوں گے۔ بن واسے مدت سے کادمبا خاندان کا ایک
مشہور مرکز چلا آتا تھا اور ان دنوں مغربی چالوکیہ ریاست کا ایک جزو تھا۔ بن واسے

فوجی مہم کے لیے جو راستہ اختیار کیا گیا تھا۔ اس سے بہت دور مغرب میں واقع تھا اور اس راستے سے بالکل ہٹ کر پڑتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود جس کتبے میں اس مہم کا ذکر ہے اس کی زبان لازمی طور پر ہمیں ان دونوں کارروائیوں کو ایک ہی مہم قرار دینے اور اس میں مذکورہ ناموں کو ایک ہی مہم کے مختلف مراحل تصور کرنے پر مجبور کرتی ہے اس سے اور ہوٹّور کے کتبے کی تاریخ تحریر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ راجندر کے کتبات میں جن واقعات کا بیان ہے وہ بھی اسی جنگ کے ہیں جو ۱۰۰۷ء میں راج راجا نے ستیہ آشرایا کے خلاف چھیڑی تھی۔ نیز اس جنگ میں راجندر نے چالوکیہ ریاست پر میسور کے شمال مغرب میں کسی مقام سے حملہ شروع کیا تھا اور وہ دریائے تنگ بھدرا کے کنارے کنارے شمال مشرق کی طرف پیش قدمی کرتا ہوا رائچور کے دوآبے تک جا پہنچا اور کلپک اور مال کھیڈ اس کے حملے کی زد میں آ گئے۔ تردوور تیور کا منتی کونڈشولا نامی ایک منڈپ بھی اسی جنگ کی یادگاروں میں سے ایک یادگار تھا۔

لنکا کی جنگ

اس عہد کا دوسرا کارنامہ پورے ایلا منڈلم کی تسخیر ہے۔ راجندر کے عہد کے پانچویں برس کے بعض کتبات میں اس فتح کو شامل نہیں کیا گیا ہے لیکن بعض میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اس لیے ہم یہ یقین کر سکتے ہیں کہ لنکا کے خلاف جنگ واقعی اس عہد کے پانچویں برس ۱۰۱۷-۱۸ء میں چھیڑی گئی تھی۔ "مہاوامسا" میں چولوں کی لنکا پر مکمل فتح کی تاریخ مہندا پنجم کے عہد کا چھتیسواں سال بتائی گئی ہے۔ جو لنکا کے لیے گیجر کے وضع کیے ہوئے ترتیب سنین کے قواعد کے مطابق ۱۰۱۷ء عیسوی ہوتی ہے۔ اس تاریخ سے تقریباً بارہ برس پہلے راج راجا نے مہندا پنجم کے خلاف ایک اندرونی فوجی بغاوت سے ابتری پیدا ہوئی تھی اس کا فائدہ اٹھا کر لنکا پر تسلط جما لیا تھا۔ سوائے ان چند دور دراز علاقوں کے جو ابھی تک سنہالیوں کے قبضے میں تھے، راجندر کا دعوٰے ہے کہ اس مہم کے نتیجے میں اس نے لنکا کے راجاؤں کا تاج اور ان کی مہارانیوں کے غایت درجہ خوبصورت مکٹ چھین لیے اور راجہ اندر کا نفیس تاج اور گجرا جو اس سے پہلے کبھی پانڈیا راجاؤں نے لنکا کے راجاؤں کی تحویل میں رکھے تھے اور شفاف سمندر پر واقع پورے کا پورا ایلا منڈلم بھی اپنے قبضے میں کر لیا۔ کرن رئی ضلع تنجور کی تختیوں میں (شلوک 59-58) لکھا ہے کہ جندر

نے ایک خونخوار فوج کی مدد سے لنکا کے راجہ پر فتح پائی۔ اس نے اس کی ریاست، اس کا تاج، اس کی مہارانی، مہارانی کا تکٹ، اس کی لڑکی، اور تمام دھن دولت، اس کی سواریاں اور راجہ اندر کا بے داغ ہگرا اور تاج جو پانڈیوں نے اس کی تحویل میں رکھے تھے۔ سب کچھ چھین لیا۔ جنگ ہار کر اور اپنی مہارانی، بیٹے اور دیگر املاک سے محروم ہو کر لنکا کا راجہ ڈر کے مارے خود آیا اور اس نے راجندر کے قدموں میں پناہ مانگی۔

"مہاوامسا" نے یہ ذکر دبے الفاظ میں نہیں کیا ہے بلکہ سب حال صاف صاف بیان کیا ہے جس سے راجندر نے اپنے کتبات میں جو دعوے کئے ہیں ان کی تصدیق ہوتی ہے۔

"راجہ (مہندا پنجم) کے عہد کے چھتیسویں سال میں چولوں نے بیشتر جواہرات اور اس شاہی تاج پر قبضہ کر لیا جو اس کو بزرگوں سے ورثے میں ملا تھا۔ اس نے تمام (شاہی) زیورات، بیش قیمت ہیرے کا بازو بند جو دیوتاؤں کا عطیہ تھا۔ ناقابل شکست تلوار اور کپڑے کے پھٹے ہوئے ٹکڑے والی متبرک یادگار اس سے چھین لی۔ لیکن خود حکمران کو جو ڈر کے مارے جنگل کو بھاگ گیا تھا، وہ معاہدہ کرنے کے بہانے زندہ پکڑ لائے۔ تب اس کے بعد انہوں نے مفتوح راجہ اور اس کے تمام مال و اسباب کو جو ان کے ہاتھ لگا تھا فوراً چولا تاجدار کے پاس بھجوا دیا۔ تینوں برادریوں میں اور سارے لنکا میں مقدس یادگار والے حجرے کو توڑ کر وہ سونے کی بنی ہوئی بہت سی قیمتی مورتیاں وغیرہ اٹھا لے گئے اور جہاں انہوں نے جگہ جگہ پر "وہاروں" کو بیدردی سے مسمار کیا، وہاں خون چوس لینے والے بھکشوں کی مانند وہ لنکا کے تمام خزانے اپنے ہمراہ لے گئے۔ پلتھی نگر کو اپنا مرکز بنا کر چولوں نے راج رتھ پر اس مقام تک حکومت کی "جو رکھتا پاسان کنٹھا کہلاتا ہے۔ راجہ مہندا بارہ برس تک چولوں کی سلطنت میں رہا اور اپنی تاج پوشی کے اڑتالیسویں برس میں سورگ میں داخل ہوا۔

اس طرح راجندر پانڈیا خاندان کا وہ شاہی ساز و سامان حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا جو راج سمہا اپنے پیچھے چھوڑ گیا تھا اور جسے حاصل کرنے کے لیے پرانتکا اوّل نے کوشش کی تھی لیکن ناکام رہا تھا۔ لنکا کی فتح کی تفصیلات کے متعلق چولا کتبات خاموش ہیں اور لنکا کی اس لوٹ مار اور غارت گری پر پردہ ڈالتے ہیں جس کا واضح ذکر لنکا کی تاریخ میں کیا گیا ہے۔ اگرچہ ایک کتبے میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ مہندا کو جب

لنکا سے ہندوستان لایا گیا اس وقت اس نے چولا راجہ کی اطاعت قبول کی۔ راجندر کو پوری طرح کامیابی حاصل ہو گئی تھی اور سارے کا سارا جزیرہ چولا سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا تھا۔ راجندر کے "ترومنی ولرا" تمہید والے کئی کتبات پولونروا کے مقام پر اور کولمبو کے عجائب گھر میں ملتے ہیں لیکن یہ بڑی شکستہ حالت میں ہیں اور صرف لنکا پر راجندر کی فتح اور حکومت کے متعلق واضح معلومات فراہم کرنے ہی کے لیے کارآمد ہیں۔ پولونروا کے گرد و نواح میں بہت سے ہندو مندر (دیوالیہ) جو وشنو اور شو کے نام سے منسوب ہیں، برآمد ہوئے ہیں اور سب پتھر کے بنے ہوئے ہیں اور ممکن تعمیر کیے گئے ہوں گے مہاوامساہ بنائے گئے ہیں اور یہ چولا حکومت کے اسی دور میں اس جزیرے میں تعمیر کیے گئے ہوں گے۔

"مہاوامساہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ راجندر کے حملے کے بارہ برس بعد اور غالباً مہندا پنجم کی بھی وفات کے بعد مہندا کا بیٹا کیشت جس کی پرورش چولوں کے خوف کے مارے سنہالیوں نے خفیہ طور پر کی تھی "تامل طاقت کے خلاف قومی مدافعت کی تحریک کا مرکز بن گیا اور چھ ماہ کی ایک جنگ لڑ کر جس میں سنہالی فوجوں کے ہاتھوں ڈمیلوں کی ایک کثیر تعداد ہلاک ہوئی وہ روہنا کو ایک بار پھر تامیلوں کی غلامی سے آزاد کروانے میں کامیاب ہو گیا اور خود بارہ برس تک وکرم باہو اوّل کے نام سے اس پر حکومت کرتا رہا۔ وکرم باہو کے زمانے کے واقعات راجندر کے عہد حکومت کے بعد کے حصے سے تعلق رکھتے ہیں اور ہم مناسب مقام پر ان پر بحث کریں گے۔

کیرالا کی جنگ

اپنے عہد حکومت کے چھٹے سال ۱۰۱۹ء میں راجندر نے کیرالا تاجدار کا تمام خاندانی ورثہ معہ اس کے تاج کے جس کی بہتوں نے تعریف کی ہے اور جس کے پہننے کا وہ حقدار تھا اور معہ اس مالا کے جس میں سے سرخ شعاعیں نکلتی تھیں چھین لیا۔ اس نے "بہت سے قدیم جزائر پر بھی قبضہ کر لیا جن کا دیرینہ اور عظیم محافظ وہ سمندر تھا جس کی بدولت سنکھ کی آواز گونجتی ہے۔" اس سے اگلے برس اس نے خالص سونے کا وہ تاج بھی اپنے قبضے میں کر لیا جو ترو (لکشمی) کے سر کی زینت بننے کے قابل تھا اور جسے پرشو رام نے شانڈی تیسو د کے قلعے کی مضبوطی کے پیش نظر وہاں محفوظ رکھوا دیا تھا۔ یہ وہ پرشو رام تھا جس نے اکیس مرتبہ پوری دنیا کے راجاؤں کو تاخت و تاراج کیا تھا۔ ترو والنگاڈو کی تختیوں

یں راجندر کی جنوبی فتوحات کا تذکرہ ان قدر سے مبہم واقعات پر کچھ روشنی ڈالتا ہے۔ اور اس کے عہد کے دسویں برس کے ایک واحد حجری کتبے سے بھی پانڈیا ریاست میں اس کی پالیسی کا جو حال معلوم ہوتا ہے وہ اس عہد کے دوسرے حجری کتبے میں نہیں ملتا۔ تر و والنگا ڈو کی تختیوں میں درج ہے کہ :

"اس نامور اور شجاع راجہ کے دل میں جو ایک طاقتور فوج کا مالک تھا اور اپنی قوت بازو سے پیدا کی ہوئی ڈھیروں دولت کے بل بوتے پر درخشندہ کارنامے دکھانے پر کمربستہ تھا' دگ دجے کا شوق سما گیا۔

چنانچہ اپنی عدم موجودگی میں اپنے دارالسلطنت کی حفاظت کا بندوبست کر کے یہ بے مثال راجہ اتّم چولا پانڈیا راجہ کو مطیع کرنے کے ارادہ سے ... سے پہلے ترشنکو کی دکھلائی ہوئی سمت میں یعنی جنوب کی طرف روانہ ہوگیا۔

اس کے بعد سورج ونش کے زیور راجندر کے سپہ سالار (ونڈ ناتھ) نے بھاری فوج کے مالک پانڈیا راجہ کو کاری ضرب لگائی اور پانڈیا راجہ نے ڈر کے مارے اپنا گھر چھوڑ کر اگستیہ رشی کے مسکن کوہ ملایا پر پناہ لی۔

راج راجا کے بیٹے نے جو اس حکمتِ عملی کا بانی تھا، چمکتے ہوئے بے داغ موتیوں پر قبضہ کر لیا جو پانڈیا راجاؤں کی بے داغ شہرت کا باعث تھے۔ پانڈیا علاقے کی حفاظت کے لئے اپنے بیٹے شری چولا پانڈیا کو مامور کر کے سورج ونش کے نور نے مغرب کو فتح کرنے کے لیے کوچ کیا۔

یہ سن کر کر راجاؤں نے جنگ میں بھارگو کے ہاتھوں ذلت اٹھائی تھی، اور بھارگو کو روئے زمین پر زندہ نہ پا کر اس مغرور راجہ کے دل میں اس کی بنائی ہوئی ریاست پر قبضہ کرنے کی امنگ پیدا ہوئی۔

اس آقائے برتر کے سوا کون اس قدیم سرزمین کو نیچا دکھانے کا خیال بھی دل میں لا سکتا ہے جس کی حفاظت بھارگو کل کا زیور کرتا ہے اور جس میں دشمن کبھی راستہ نہیں پا سکتا۔

نڈر مدھو رانکا نے کوہستان سہیا کو ... اور آگے بڑھ کر پوری طاقت سے ساتھ کیرل پر حملہ کر دیا۔ چنانچہ وہاں ایک خونریز ... ہوئی جو راجاؤں کی تباہی اور بربادی

کا باعث ہوئی۔

اس طرح کیرل راجاؤں کو فتح کرکے اور بہار گوکل کے سردار کی تپسیا کی زیر حفاظت رہنے والی سرزمین پر تباہی مچاکر راجہ اپنی راجدھانی کو لوٹ آیا جو خوشحالی کا مسکن ہے۔

کوئی نئی فتوحات نہیں کی گئیں

اس میں شبہ ہے کہ اس جنگی مہم کی بدولت راجندر نے اپنی سلطنت میں کسی نئے علاقے کا اضافہ کیا۔ پانڈیا اور کیرلا کی ریاستیں راج راجا نے اپنے دور حکومت کی ابتدا ہی میں فتح کر لی تھیں اور بہت سے "قدیم جزائر" اپنے عہد کے اختتام کے نزدیک تسخیر کر لیے تھے۔ یہ جزائر مالدیپ تھے۔ غیر معروف شاندی تیو جس کا ذکر تحریروں میں اکثر آتا ہے۔ غالباً بحرۂ عرب ہی کے جزائر میں سے ایک ہوگا۔ جنوب میں اپنے مفتوحہ علاقوں پر راج راجا کی مضبوط گرفت کا ثبوت پانڈیا ریاست میں اس کے بے شمار کتبات سے ملتا ہے اور راجندر کے عہد حکومت کے تیسرے برس کے ایک کتبے سے بھی جس میں ایک پانڈیا راجہ شری ولوور کی رانی کی جانب سے ترودو شلوز میں دیئے گئے ایک عطیے کا اندراج ہے۔ راجندر کی تامل پرشستی میں لنکا اور کیرلا میں اس راجہ کی فتوحات کا ذکر ہے جن میں سب سے زیادہ قابل توجہ جنوب کی مختلف ریاستوں کے شاہی ورثہ کا چھیننا ہے لیکن پانڈیا ریاست کے معاملات کے متعلق یہ یکسر خاموش ہے۔ ترووالنگا ڈو کی تختیوں میں یہ مبہم سا بیان کہ پانڈیا راجہ فرار ہو کر اگستیہ رشی کے مسکن کی پہاڑیوں میں جا چھپا اور راجندر نے اس کے موتیوں پر قبضہ کر لیا، ایک ایسا رسمی بیان ہے کہ اس پر یقین کر لینا ممکن نہیں ہے۔

مدورائی میں نائب السلطنت کی تقرری

البتہ راجندر کے عہد کے دسویں برس کے ایک جیرلا کتبے سے مذکورہ تانبے کی تختیوں کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ راجہ نے اپنے بیٹے کو چولا پانڈیا کا لقب دے کر راجندر میں نائب السلطنت مقرر کر دیا تھا۔ اس کتبے میں یہ بھی درج ہے کہ راجندر نے مدورائی میں ایک محل تعمیر کیا۔ جس کے بوجھ سے زمین ہل گئی۔ کتبے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ راجندر نے کاندلور شالئی میں اپنے والد کی فتح کے عمل کو دوہرایا۔ پانڈیا ریاست کا ناظم جسے جلد ہی بعد

کیرلا کا بھی ناظم مقرر کر دیا گیا جٹا ورمن چولا پانڈیا تھا جس کے عہد حکومت میں چولا پانڈیا کتبات، جو اب تک ہمارے علم میں آئے ہیں، کی زیادہ تر تعداد کندہ کروائی گئی ہے۔

تاریخ تقرری

راجندر کے ایک کتبے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ شہنشاہ نے اپنے عہد کے چوبیسویں [24] سال میں "راجندر شولا دنگر" کے مندر کو جو چیرا راجہ راج سمہا نے منار کودل (ننتے ویلی) میں تعمیر کیا تھا، کچھ زمین کا عطیہ دیا اور یہ عطیہ جٹا ورمن سندر چولا پانڈیا کے عہد کے پندرہویں برس سے نافذ ہوتا تھا۔ اس قیاس کی بنا پر کہ نائب السلطنت کا پندرہواں برس چونکہ شہنشاہ کے عہد حکومت کے چوبیسویں سال میں یا اغلباً اس سے ذرا پہلے پڑتا ہے جٹا ورمن سندر چولا پانڈیا کی بطور نائب السلطنت تقرری راجندر کے عہد حکومت کے چھٹے یا ساتویں سال میں ہوئی ہوگی۔ یہ تاریخ تر و ونگا ڈو کی تختیوں اور تامل پرشستی دونوں کی اطلاعات کے مطابق ہے۔ منار کودل کا کتبہ کچھ دیگر پہلوؤں سے بھی کارآمد ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نائب السلطنت کو بھی قریب قریب راجہ ہی کا مرتبہ حاصل ہوتا تھا۔ اس کو سرکاری طور پر یہ اختیار دیا گیا تھا کہ اپنی تقرری کی تاریخ کے حوالے سے فرمان جاری کرے۔ اس سے راجہ اور نائب السلطنت کے درمیان جو قریبی تعلق قائم تھا اس کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جب مذکورہ بالا عطیہ دیا گیا تھا تو راجندر اپنے کانچی پورم کے محل میں مقیم تھا۔ چیرا ریاست کا چولا پانڈیا نائب السلطنت کے دائرۂ اختیار میں ہونا اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ چیرا راجہ نے پانڈیا علاقے میں ایک مندر تعمیر کیا اور اس کا نام چولا شہنشاہ کے نام پر رکھا۔ جٹا ورمن سندر چولا پانڈیا کے کتبات سے ہم کو پتہ چلتا ہے کہ اس نے بطور نائب السلطنت کم از کم تینتیس [33] برس (1040ء تک) حکومت کی۔ ان کتبات میں سے ایک کتبہ جو اس دور کے آخری کتبات میں سے ہے خود راجندر کی پرشستی (ترد متی ولرا) سے شروع ہوتا ہے۔ ایک اور کتبے میں درج ہے کہ نانجی ناڑ (جنوبی ٹراونکور) میں ایک مقام شچیندرم نائب السلطنت کے نام پر ہی سندر شولا چترویدی منگلم کہلانے لگا۔ ایک عجیب بات جس کی وضاحت کرنا آسان نہیں ہے جنوبی ٹراونکور میں کوٹار (نزد نگر کوئل) سے ایک عطیہ نامے کا پایا جانا ہے جو مشرقی چالوکیہ خاندان کے ایک راجہ کا کندہ کروایا ہوا ہے۔ یہ راجہ محود کو ستر ولوک آشرایا

شری وشنو وردھن مہاراجہ عرف چالوکیہ وجیادتیہ وکتیانا کہتا تھا. اس کتبے پر سنہ رچولا پانڈیا کے گیارہویں برس یعنی قریب سنہ 1029ء کی تاریخ درج ہے. ان دنوں میں کوٹار فوجی اعتبار سے اہم قلعہ تھا اور چولوں کی وہاں ایک زبردست فوج تعینات تھی. ممکن ہے کہ کوئی مشرقی چالوکیہ شہزادہ جو فوج میں ایک اہم عہدے پر مامور تھا، کچھ برسوں تک کوٹار میں رہا ہو. یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کون تھا.

چالوکیوں سے جنگ

راجندر نے سنہ 1021ء اور سنہ 1022ء میں مغربی چالوکیوں کے خلاف جنگ پھر شروع کر دی. جے ستمہا جو اپنے بھائی وکر مادتیہ پنجم کے بعد تخت پر بیٹھا تھا، ان علاقوں کی بازیابی کے لیے جو سابقہ لڑائیوں میں چولوں نے چھین لیے تھے، غیر معمولی جانفشانی سے مصروف تھا. سنہ 1019ء کے بیلگا موے کے کتبے میں بتایا گیا ہے کہ اس نے چولوں اور چیروں کو شکست دی اور اس امر کی تصدیق بیلاری اور شمال مغربی میسور میں تقریباً اسی زمانے کے کتبات کی موجودگی سے ہو جاتی ہے. جے ستمہا کے خلاف راجندر کی نبرد آزمائی کو اس کی تامل پرشستی میں حسب ذیل طریقے سے بیان کیا گیا ہے.

"اس نے ساڑھے سات لاکھ والے علاقے رٹا پاڈی کو تسخیر کیا جو قدرتی طور پر بہت مستحکم تھا. نیز کثیر مقدار میں مال و دولت اور جے ستمہا کی لا اندازہ شہرت و عزت بھی حاصل کر لی. جے ستمہا خوف کے مارے مشنگی کے میدان سے پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلا اور کہیں روپوش ہو گیا اور اپنی ذلت و رسوائی کا باعث ہوا."

اس دعوے میں تو پرلے درجے کی مبالغہ آمیزی ہے کہ پورے کا پورا رٹا پادی راجندر کے قبضے میں چلا گیا تھا. دراصل چولا کتبات میں یہ محض ایک رسمی انداز تحریر ہے جو چالوکیوں کے خلاف میدان جنگ میں عارضی نوعیت کی فوجی کامیابیوں کے بیان کرنے میں بھی اختیار کیا گیا ہے. پرشستیوں کے باقی ماندہ بیانات صحیح معلوم ہوتے ہیں. مشنگی یا مینگی میں ایک معرکہ ہوا (اس مقام کے نام کا تلفظ مختلف کتبات میں مختلف شکلوں میں دیا گیا ہے) لیکن جے ستمہا کو واقعی اس میں کامیابی نہیں ہوئی. مشنگی کو ضلع بیلاری کا مقام اُچنگی درگ شناخت کیا گیا ہے لیکن یہ زیادہ اغلب ہے کہ یہ مقام "مسکی" تھا. ترووالنگاڈو کی تختیوں میں اس فوج کشی کا حال بہترین "کاویہ" طرز

میں دس اشعار میں بیان گیا ہے لیکن ان سے اصل واقعات کے متعلق مجموعی طور پر بہت کم معلومات حاصل ہوتی ہیں. بلکہ اس کے مقابلہ میں اس تامل پرشستی سے کا ترجمہ اوپر درج کیا گیا ہے، ان واقعات پر زیادہ روشنی پڑتی ہے. راجہ نے رٹاریاست پر فوج کشی کے لیے کانچی پورم سے کوچ کیا. چولا راجہ اور جے ستمہا کی فوجوں میں گھسان کا رن پڑا. موخرالذکر جنگلوں کی طرف بھاگ گیا اور راجندر کثیر مال غنیمت کے ساتھ اپنے دارالخلافے کو لوٹ آیا. مندرجہ ذیل شعر شاعر کے خیالات کا اظہار کرتا ہے اور ساتھ ہی اپنی تاریخ تحریر کا بھی پتہ دیتا ہے:۔

"اس میں کوئی مقام حیرت نہیں کہ جب تائیلا کے جانشین سے اس کا مقابلہ ہوا تو اس کی آتش غضب بھڑک اٹھی. یہ تعجب کی بات ہے کہ تمام سمندروں کو عبور کرکے بھی اس آگ نے دشمن کو ایندھن کی مانند جلاکر خاک سیاہ کر دیا."

مشنگی میں راجندر کے شکست کھانے اور اس کی اس لاف زنی کے باوجود کہ اس نے رٹاپادی کو تسخیر کرلیا تھا، جے ستمہا درحقیقت دریائے تنگ بھدرا تک کا علاقہ (اگر اس کے پار کا علاقہ نہ بھی شامل رہا ہو) اپنے زیر تسلط برقرار رکھنے میں کامیاب رہا. 1024ء کے کندہ میرآج کے عطیہ نامے سے پتہ چلتا ہے کہ جے ستمہا اس وقت ایڈے ڈور 2000، پر قابض تھا اور یہ علاقہ اس نے پانچ دراوڑ ریاستوں کے والی ایک طاقتور چولا حکمران کو وہاں سے باہر نکال کر دوبارہ حاصل کیا تھا. عام طور پر اس زمانے کی چولا چالوکیہ لڑائیاں دو محاذوں پر لڑی جاتی تھیں. ایک تو مغربی محاذ جہاں چولوں کا مقصد بانیہ کھیت اور کلیانی کے علاقوں کا حاصل کرنا اور دریائے تنگ بھدرا تک پہنچنا تھا جو دونوں ریاستوں کے درمیان ایک قدرتی سرحد کا کام دیتا تھا، دوسرے مشرقی محاذ جو وینگی کے اردگرد تھا جس پر قابض ہونے کا ارمان دونوں فریقین کو تھا.

وینگی کے معاملات اور مشرقی محاذ

مشرقی محاذ پر ہونے والے واقعات کے بارے میں ہمیں راجندر اول کی تامل پرشستی سے بہت کم براہ راست معلومات حاصل ہوتی ہیں کیونکہ اس میں ان واقعات کو نظرانداز کر دیا گیا ہے اور اس دور کے لگلے کارنامے کی حیثیت سے

محض دریائے گنگا کی جانب فوج کشی کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اس مہم کو اس کے صحیح
پس منظر میں سمجھنے کے لیے وینگی کے حالات کو سمجھنا ضروری ہوگا۔ وِملا دِتیہ جو اپنے
بھائی شکتی ورمن کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا تھا 1019ء میں یا تو فوت ہوگیا
تھا یا تخت سے دست بردار ہوگیا تھا۔ جے سمہا نے راج راجا نریندر اکی جو رانی
کندوئی کے بطن سے وِملادِتیہ کا بیٹا تھا تخت نشینی میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے
اس موقعے کا فائدہ اٹھایا اور اس کے سوتیلے بھائی وشنو وردھن وجے آدِتیہ
ہفتم کی حمایت کی۔ راج راجا اپنا جشن تاج پوشی نہ منا سکا اور اس نے اپنے
ماموں راجندر اوّل سے مدد کے لیے درخواست کی۔ کوٹ شورم (ضلع اننت پور)
سے ملے ہوئے کنڑ اور تامل زبان کے بہت سے مختصر لیکن دلچسپ کتبات سے
ان واقعات کا سراغ ملتا ہے۔ ان میں سے ایک کتبہ راجندر کے دسویں برس کا ہے
ان کتبات میں ایک چولا جرنیل اریمتی راج راجن عرف وکرم چولا چولیا ورمن کا ذکر
ہے جس کو اس کی شجاعت کے ان کارناموں کے عوض جو اس نے چالوکیہ ریاست
اور وینگی کی لڑائیوں میں دکھائے' اس طرح کے خطابات عطا کئے گئے جیسے نالمڈی
بھیم، چولنا چکر، سامنت بھرنم، ویر بھوشنم، ایڈتی رتور کالن (تامل میں اس کے معنی
ہیں اپنے حریفوں کی قضا) یا اہتر وتلون (یہ کنڑ ترکیب ہے) اور جے تسنگہ کل کالا۔ ان
کتبات میں ایک تامل شعر میں بتایا گیا ہے کہ اس نے کالنگا' اوڈرا اور تیلنگا حکمرانو
سے لڑائی کی۔ ایک اور کتبے میں جس پر تاریخ تحریر درج نہیں ہے وینگی کے راجہ کے
فرار ہونے کا تذکرہ ہے جب اس نے چولا تاجدار کے حکم کی تعمیل میں اس جرنیل کی
پیش قدمی کی خبر سنی۔ مفرور راجہ وجے آدتیہ رہا ہوگا اور وہ سکی کی جنگ کے آس
پاس ہی فرار ہوا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کالنگا اور اوڈرا کے حکمرانوں نے بھی جے سمہا
دوم اور اس کے دست نگر وجے آدتیہ کا ساتھ دیا اور چولا سپہ سالار کو ان سے
بھی نپٹنا پڑا اور ان کی سرکوبی کے لیے جو فوجی مہم بھیجی گئی اس نے دریائے گنگا کی جانب
یلغار کی صورت اختیار کرلی۔ اس مہم کے ذریعے راجندر کے زیر تعمیر نئے دارالسلطنت
کے لیے گنگا کا مقدس پانی لایا گیا۔ ویر راجندر کی چارالا کی تختیوں میں ایک شعر درج
ہے جس سے اس امر کا واضح طور پر پتہ چلتا ہے۔

اب ہم اس مہم کے دوسرے مرحلے کی جانب توجہ دیں گے یعنی کالنگا اوڑا سے ہو کر چولا فوجوں کا گنگا کی طرف لازم ہونا اور خود راجندر کی دریائے گوداوری اور اس سے آگے تک فوج کے عقبی دستوں کی محافظت کے لیے پیش قدمی جن پر کالنگا اور اوڑا کے سرکش راجاؤں کی جانب سے حملے کا خطرہ تھا اور جو چالوکیہ راجہ جے ستمبا دوم کے اشاروں پر کام کر رہے تھے۔

ترُو والنگاڈو کی تختیوں کے الفاظ میں: "سورج ونشی نسل کی رو ہی (راجندرا) بھاگیرتھ کا مذاق اڑاتے ہوئے جس کی ریاضت کے زور نے گنگا بہہ نکلی تھی اس دریا کے پانی سے اپنی ریاست کو مقدس بنانے کے لیے نکل پڑا، جو اس کی قوت بازو کے طفیل اس کے ملک میں لایا گیا"

اس کی مدت کو مدنظر رکھتے ہوئے جو دو سال سے بھی کم تھی اور جس کے باعث شمال کی بہت سی ریاستوں نے راجندر کی فوجوں کی طاقت کا اثر محسوس کیا، یہ مہم ایک وسیع و عریض خطہ پر عجلت میں کیے گئے ایک حملے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ ترووالنگاڈو کی تختیوں میں تو صاف لکھا ہے کہ اس مہم کی قیادت راجہ کے ایک جرنیل نے کی اور یہ کہ خود راجندر اسے اس کی واپسی پر دریائے گوداوری کے کنارے کسی مقام پر ملا۔ اسی ماخذ میں اس مہم کے جو واقعات دیئے گئے ہیں ان کا خلاصہ اس طرح ہے۔ لیفہ ہاتھیوں سے پلوں کا کام لے کر و کرم چولا کی فوجوں کے سپہ سالار نے بہت سے دریاؤں کو عبور کیا۔ اور سب سے پہلے اندر رتھ کی طاقتور فوج پر ٹوٹ پڑا۔ اور چندر ونشی راجاؤں کی نسل کے اس زیور کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ تب اس نے رنشور لکے بھاری خزانوں کو لوٹا اور دھرم پال کی ریاست میں داخل ہو کر اسے بھی مطیع کیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ دریائے گنگا تک پہنچ گیا اور اس دریا کا پانی مفتوح راجاؤں کے ذریعے اپنے مقتدر فرمانروا مدھورانتکا کے حضور میں منگوایا۔ ان مفتوح راجاؤں کو اس نے گوداوری کے کنارے اس وقت شرف ملاقات بخشا جب اس نے مہی پال کو زیر کر لیا تھا۔ اور اس کی شہرت اور بہت سے قیمتی جواہرات چھین لیے تھے۔ تب بہادر راجندر نے بدطینت آوٹا راجہ اور اس کے چھوٹے بھائی پر حملہ کیا اور اس سے فرزور بھاری بھرکم ہاتھیوں کی شکل میں خراج وصول کیا۔ بعد ازاں خود ایک ہاتھی کا کام تمام کیا جس نے اس پر حملہ

وقت حملہ کر دیا تھا جب وہ ایک دوسرے ہاتھی کی پیٹھ پر سوار تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے دارالسلطنت میں واپس آگیا۔

تامل پرشستی میں بھی یہی واقعات قریب قریب اسی ترتیب سے درج ملتے ہیں لیکن کچھ زیادہ تفصیل کے ساتھ، جیسا کہ ذیل میں دیا گیا ہے:

"اس نے شکر کوٹم کو تسخیر کیا جس کے سپاہی جواں مرد تھے۔ مدورا منڈلم کو لوٹ بھر میں غارت کر کے، درختوں کے گھنے جھنڈوں والے خوشحال شہر نامنا تک کوٹم پر قبضہ کر لیا۔ پنچ پلی کو فتح کیا جس کے بہادر سپاہی کڑی کمانوں والے تھے۔ پھر لازوال شہرت والے شہر آدی نگر کے ایک معرکے میں قدیم چندر ونشی نسل کی ریاست اندر رتھ کو فتح کرنے کے بعد، ہرے بھرے کھیتوں والے ماشونی دیش پر تسلط جمالیا اور وہاں کے شاہی خاندان کے خزانے کے انبار اور کچھ دیگر خزانوں پر قبضہ کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ اس نے اوڈا وشیہ پر قبضہ کیا جہاں اس کے گھنے جنگلوں کی حفاظتی دیوار کے باعث پہنچنا مشکل تھا۔ پھر خوبصورت کوشلیٰ ناڈو کو فتح کیا جو برہمنوں کا مرکز تھا۔ ~~تنڈبتی پر قبضہ کیا~~ جس کے باغات میں شہد کی مکھیوں کی افراط تھی۔ یہ علاقہ اس نے ایک گھمسان کی لڑائی میں دھرم پال کو ختم کر کے حاصل کیا۔ تکن لادم کو جس کی شہرت تمام اطراف میں پھیل چکی تھی، اس نے رن شورا پر زوردار حملہ کر کے تسخیر کیا۔ ونگال دیش پر بھی جہاں برسات کا پانی کبھی ختم نہیں ہوتا اس نے قبضہ کر لیا۔ وہاں کا حکمران گووند چندرا اپنے نر ہاتھی سے اتر کر فرار ہو گیا۔ پھر قوی ہتی پال کو ایک گھمسان کے معرکے میں گھیرے سمندر سے لائے ہوئے سنکھ کی آواز سے بھگا کر لاثانی طاقت والے ہاتھی عورتیں اور خزانے حاصل کئے۔ وسیع سمندر کے کنارے آباد اور موتیوں کی پیداوار کا مرکز اُتیر لادم اور دریائے گنگا بھی اس کے زیر نگیں ہو گئے جس کا پانی خوشبودار پھولوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے مقدس تیرتھ استھان کے گھاٹوں سے ٹکراتا تھا۔

وینگی کا مقام

اس حقیقت سے کہ اس مہم کے دوران شکر کوٹم وہ پہلا مقام تھا جو راجندر کی فوج کے قبضے میں آیا اور راجندرا اور اس کے فاتح جرنیل کی ملاقات موخرالذکر کی واپسی کے سفر میں دریائے گوداوری کے کنارے پر ہوئی، یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ وینگی ریاست کو چولا سلطنت کے ساتھ پھر وہی ماتحت اتحادی کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی جو راج راجا کے زمانے میں اسے حاصل تھی۔

شنکر کوٹم | شنکر کوٹم کو جس کا ذکر 1065ء کے بستر کے ایک ناگ ونشی تلسی کی تختی میں درج عطیے میں آیا ہے، چکر کوٹیہ شناخت کیا گیا ہے اور اس وقت اس جگہ کا نام چتر کوٹ یا چتر کوٹا ہے. جو راج پورہ سے جہاں سے یہ تختیاں دستیاب ہوئی ہیں، آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے. ریاست بستر کی راجدھانی راجپورہ بذاتِ خود جگدل پور سے 22 میل شمال مغرب میں دریائے اندراوتی کے کنارے پر واقع ہے. اس طرح شنکر کوٹم اور اس کے بعد ماشنی دیشم تک کے مقامات غالباً دینگی کے شمال مغرب کی طرف اس سے متصل علاقے میں ملیں گے. ماشنی دیشم کے لفظی معنی ہیں سانپوں کا ملک. چند کا خاندان کے راجہ جن کا ذکر راجپورہ کی تختیوں میں ہے، خود کو ناگ ونشو دبھاوا (کالے سانپ کی اولاد) اور "بھوگ وتی پورو ریشورا" (شہروں میں بہترین شہر بھوگ وتی پور کا مالک) کہتے تھے. بعد کے ایک حجری کتبے میں جو شاکا سمت 1140 کا ہے، ان میں سے ایک راجہ کا شری بجگ ورابھوسن مہاراجگو کے نام سے ذکر کیا گیا ہے یعنی وہ مہاراجہ جو اعلیٰ ترین سانپ کی نسل کا ہیرا تھا. یہ بات قرینِ عقل ہے کہ ماشنی دیشم سے مراد وہ ریاست ہے جس پر یہ راجگان حکومت کرتے تھے. اس قیاس کی بنا پر مدورائی منڈلم، ناسنی کونم اور دیچ پلی کا محل وقوع اسی خطے میں ڈھونڈنا چاہیے اور ان کو ریاست ماشنی دیشم کے حصے کہنا چاہیے. یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ چکر کوٹ بذاتِ خود مدورائی منڈلم کی طرح ایک منڈل بتایا گیا ہے اور راجپورہ کی تختیوں میں عطیے کا فرمان جاری کرنے والے کا نام مدھورانتکا بتایا گیا ہے.

اندر رتھ | چندر ونشی نسل کے راجہ اندر رتھ کی آدی نگر کے مقام پر شکست کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوڈرا کا خطہ (اڑیسہ) اور (جنوبی) کوشل راجندر کے تسلط میں آ گئے. لیکن اس کے متعلق مزید کچھ بتانا ممکن نہیں ہے اور ہمیں کیل ہورن کی اس رائے پر اکتفا کرنا پڑے گا کہ اندر رتھ دھارا خاندان کے راجہ بھوج کا وہی حریف تھا جس کا ذکر اودے پور کے کتبے میں آیا ہے.

ڈنڈ بھکتی | تامل کتبے میں لکھا ہے کہ کوشلئی ناڈو کی تسخیر کے بعد چولا جرنیل نے ڈنڈ بھکتی کے والی دھرم پال، جنوبی لاڈھ کے حکمران رنشورا اور ونگال

ریاست کے مالک گووند چندر پر بالترتیب حملے کئے اور ان کا تختہ الٹ دیا۔ بعد ازاں اس نے اتر لاڑ کے راجہ مہی پال پر حملہ کیا اور لڑتا ہوا دریائے گنگا تک جا پہنچا۔ اس کے برعکس ہزرو وانسگا ڈو کی تحقیقوں کے مطابق رنشورا حملہ دھرم پال پر چڑھائی کرنے سے پہلے کیا گیا تھا۔ نیز یہ کہ دھرم پال کی شکست کے نتیجے میں چولا جرنیل دریائے گنگا تک جا پہنچا تھا۔ ان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مہی پال پر فتح واپسی کے سفر کے دوران میں ہوئی ظاہر ہے، لہٰذا تامل پرشستی ہی کو زیادہ معتبر ٹھہرایا جائے گا جو اس مہم کی تکمیل کے فوراً بعد لکھی گئی۔ اس پرشستی کے مطابق ڈنڈ بھکتی غالباً اڑیسہ اور بنگال کا وہ درمیانی خطہ تھا جس سے ہو کر راجندر کی فوجیں اڑیسہ سے بنگال پہنچیں اور اس خطے کا حکمران دھرم پال جس کے بارے میں اس کے نام کے علاوہ ہمیں کچھ معلوم نہیں، غالباً اس وقت کے بنگال کے قوی پال حکمران مہی پال کا کوئی رشتہ دار ہو گا۔ تامل کتبے کی عبارت سے یہ اندازہ ہوگا ہے کہ اس ضمن میں جن راجاؤں کا ذکر آیا ہے ان پر مہی پال کو ایک طرح کی برتری حاصل تھی، اور دھرم پال سے رنشورا اور گووند چندر کی شکست کا انجام یہ ہوا کہ آخری مقابلہ مہی پال کے ساتھ آن پڑا۔ لاڑ (رادھا) بنگال کے ایک حصے کا قدیم نام تھا۔ جس کی شمالی سرحد دریائے گنگا تھی۔ اور اس دریا کے پار بنگال کے ایک حصے سہملا اور دریندرا کہلاتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دنگال کی تسخیر نے چولا فوجوں کا رُخ تھوڑا مشرق کی جانب موڑ دیا اور اس مہم کے باقی حصے میں ان کی پیش قدمی جنوبی کوشل سے سیدھے شمال کی جانب ہوئی۔ اس دلیرانہ یلغار کی، جو راجندر کے "دنڈ ناتھ" نے اس کے حکم سے شمالی ریاستوں پر کی، سرگزشت ناقابلِ یقین نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ

اس مہم کی تاریخی اہمیت

بعض معمولی کامیابیوں کا ذکر مبالغہ آمیزی سے کام لے کر عظیم فتوحات کے طور پر کیا گیا ہو اور ناکامیوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ترو وانسگا ڈو کی تحقیقوں میں درج یہ بیان کہ چولا جرنیل کے حکم کی تعمیل میں شمال کے مفتوحہ راجاؤں نے گنگا کا پانی راجندر کے دربار میں پہنچایا، سوائے شیخی بگھارنے کے اور کچھ نہ ہو لیکن اس داستان کے ایک معقول حد تک صحیح ہونے کے متعلق قطعاً کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔

اس کی نوعیت

دینکیا نے اس دور کے سیاسی جغرافیہ کے متعلق اپنے ناقص علم کے باعث اور زیادہ تر اس داستان میں حد درجہ کی مبالغہ آمیزی کی وجہ سے راجندر کے کتبات کی صداقت پر شبہ کیا ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ فوجی مہم دریائے گنگا کی تیرتھ یاترا کے علاوہ اور کچھ نہ تھی۔ اگرچہ دریائے گنگا کا مقدس پانی لانا غالباً شروع ہی سے اس فوجی مہم کا مقصد تھا لیکن اس کے پس پردہ جو دوسرا مقصد کارفرما تھا وہ چولا سلطنت کی طاقت کی نمائش اور شمالی ہند کے حکمرانوں کو اس سے مرعوب کرنا تھا۔ اس طرح کی فتوحات مہمات میں ہندوستان کے سبھی طاقتور حکمران نے حصہ لیا کرتے تھے اور ملک کے سیاسی ضابطہ اخلاق کا یہی تقاضا بھی تھا۔ اس مہم کا نصب العین محض گنگا کا متبرک پانی ہی چولا راجدھانی میں لانا نہیں تھا۔ بلکہ طاقت زبردست مظاہرہ کرکے اپنی سلطنت سے باہر کے علاقے سے ہوکر دریائے گنگا تک کا راستہ حاصل کرنے کا اپنا حق بھی منوانا تھا۔ یہ حقیقت اس بیان اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس مہم کے خاتمے پر راجندر نے فتح کا ایک سیال یادگاری ستون (گنگا جلامیم جے ستمبھم) اپنی راجدھانی میں تعمیر کیا جو گنگا کا پانی چولا گنگا نامی ایک تالاب میں ڈال کر قائم کیا گیا تھا۔

اثرات

آر ڈی بنرجی کا کہنا ہے کہ جنوبی ہند کے عظیم فاتح راجندر چولا اول کے حملے نے بنگال میں کچھ دیرپا نقوش چھوڑے ..... معلوم ہوتا ہے کہ ایک غیر معروف کرناٹکی سردار راجندر چولا اول کے بعد آیا اور مغربی بنگال میں بس گیا۔ سامنت سین جسے عام طور پر سین خاندان کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے' اسی کرناٹکی سردار کی اولاد میں سے تھا۔ متھلا کے کرناٹا خاندان کی بھی اصل و ابتدا غالباً اسی طرح ہوئی۔ ترلوچن شوا چاریہ کی تصنیف "سدھانت سارا دلی" کی ایک تفسیر میں جس کی تاریخ تصنیف معلوم نہیں ہے یہ ذکر آیا ہے کہ راجندر نے دریائے گنگا کے ساحلی علاقے سے اپنی سلطنت میں شیو دھرم والوں کو بلوا کر کانچی پورہ اور چولا ریاست میں آباد کیا۔

دریائے گنگا کی فتح سے واپس آنے والے جرنیل سے دریائے گوداوری کے

کنارے پر بلنے اور کالنگا اور اوڈرا کے حکمرانوں کو دشمنی کے مظاہرے کی سزا دینے کے بعد راجندر نے اپنے بھتیجے راج راجا نریندر کی رسم تاج پوشی 16 اگست سنہ 1022ء کو منعقد کروائی جس میں پہلے ہی کافی تاخیر ہو چکی تھی اور غالباً اپنی بیٹی امنگا کی شادی بھی اسی موقع پر اس کے ساتھ کر دی لیکن راج راجا اپنے اکتالیس سالہ عہد حکومت میں شاذ ہی مصائب سے محفوظ رہا۔ ایک سے زائد بار اسے اپنا ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اس کے سوتیلے بھائی وجے آدتیہ نے لڑائی میں ہار جانے کے باوجود بھی تخت پر قبضہ کا ارادہ ترک نہیں کیا۔ اور مغربی چالوکیوں کی مدد سے راج راجا کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ 27 جون سنہ 1031ء کو وہ راج راجا کو ریاست سے نکال دینے اور وشنو وردھن وجے آدتیہ کا لقب اختیار کر کے وینگی کا راجہ بننے میں کامیاب ہو گیا۔ شاید اسی موقع پر مغربی چالوکیہ جرنیل چون راسا نے اپنی پوری طاقت سے وینگی پر یورش کی اور وجے واڑہ کے قلعے اور ریاست کے بیشتر حصے کو تسخیر کر لیا۔ راج راجا نے ایک بار پھر چولوں سے مدد مانگی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کا انکشاف راج راجا نریندر کی کلی ونڈی کی تختیوں سے ہوتا ہے جن پر تاریخ تحریر درج نہیں ہے۔ راجندر نے ایک قوی لشکر برہمن جرنیل راج راجا برہم مہاراجہ اور دو دیگر افسران اتم چولا لاڈ ودڈیاں اور راتم چولا چولکا دن کی زیر قیادت بھیجا۔ وینگی کے نواح میں واقع کلی ونڈی کے گھمسان کے معرکے میں تینوں چولا سپہ سالار کھیت رہے اور بعد میں راجندر نے ان میں سے ہر ایک کی یادگار میں الگ الگ مندر بنوائے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ چولا افواج کا مقصد حاصل ہو چکا تھا۔ سنہ 1035ء کے قریب راج راجا پھر سے تخت پر قابض ہو گیا۔ لیکن یہ راج راجا کی مشکلات کا خاتمہ نہیں تھا۔ راجندر کے عہد حکومت کے اختتام کے قریب، تقریباً سنہ 1042ء میں ایک نئے حکمران سومیشور اوّل والی کلیانی نے جارحیت کا پھر سے آغاز کیا۔ راج راجا نے دوبارہ اپنے چچا اور خسر چولا شہنشاہ راجندر سے مدد کی درخواست کی۔ راجندر اب اس قدر بوڑھا ہو چکا تھا کہ وہ خود اس ذمہ داری کو نہیں سنبھال سکتا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے راجا دھیراج اوّل کو وینگی کی نئی صورت حال سے نمٹنے کے لیے بھیجا اور ایک بار پھر دو محاذوں پر چولوں اور چالوکیوں کے مابین جنگ ہوئی لیکن سومیشور کے خلاف

جنگ کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے ہم کچھ دوسرے واقعات پر بحث کریں گے جو توجہ کے مستحق ہیں۔

کڈارم پر لشکر کشی

راجندر کی سمندر پار کی فوجی مہم کا جو کڈارم کے خلاف بھیجی گئی، ذکر سب سے پہلے اس کے عہد کے چودہویں سال کے کتبات میں آیا ہے۔ ترو والنگاڈو کی تختیوں میں تو محض ایک مصرع میں یہ کہہ کر قصہ ختم کر دیا گیا ہے کہ راجا نے اپنی طاقت ور افواج کے ذریعے جنھوں نے سمندر پار کیا تھا۔ کٹاہا کو تسخیر کر لیا لیکن تامل پرشستی میں اس مہم اور اس کے اختیار کردہ راستے کا مفصل تذکرہ ان الفاظ میں ملتا ہے۔

"جس نے بہت سے بحری جہازوں کو پیچ و تاب کھاتے ہوئے سمندر کے وسط میں بھیج کر کڈارم کے راجہ سنگرام وجیوتنگا ورمن کو مع اس کے ہاتھیوں اور عظیم فوج کے اپنے قبضے میں کر لیا اور ڈھیروں خزاد جو مفتوح راجہ نے جائز طور پر اکٹھا کر رکھا تھا چھین لیا۔ اور اس کے وسیع شہر شری وجیا کے جنگی دروازے کی محراب "ودیا دھر تورنا" پر ایک ہنگامہ برپا کر کے قبضہ کر لیا۔ یہ وہ شہر تھا جس نے پنی شہر کو فتح کیا جس کے نہانے کے گھاٹ پانی سے لبریز تھے، قدیم ملائیور کو فتح کیا جس کی فصیل کا کام اونچے اونچے پہاڑ دیتے تھے اور مائرو ڈنگم کو بھی جس کی سمندر کے پانی نے چاروں طرف سے گھیر کر ایک حفاظتی خندق بنا کر رکھی تھی۔ النگا شوکا (لنکا شوکا) کو جو خونریز لڑائیوں میں بے خوفی سے لڑنے کے لیے مشہور تھا، ماپپالم کو جس کی حفاظت سمندر کا گہرا پانی کرتا تھا، میوی لنگم کو جس کے بچاؤ کے لیے مستحکم دیواریں تھیں اور ولئی پنڈورو جو "ولپنڈ ورُو" (؟) رکھتا تھا تلئی تکولم کو جس کی تعریف بڑے بڑے دانش ور کرتے تھے، ماد مالنگم کو جو عظیم خونیں جنگوں میں ثابت قدم رہا، الامُری دیشم کو جس نے جنگ میں طاقت کا مظاہرہ کیا، مانک وارم کو جس کے وسیع پھولوں کے باغوں میں شہد جمع ہو رہا تھا اور کڈارم کو جو بہت محفوظ تھا اور جس کا تحفظ گہرا سمندر کر رہا تھا تسخیر کیا۔"

وضاحت میں ترقی

اس مہم کے متعلق ہمیں کیا معلومات حاصل تھیں اور اب ہمارے ذہن میں اس کا کیا نقشہ ہے اس

کے باہمی تفاوت سے واضح تر کوئی اور پیمانہ جس سے ہم جنوبی ہند کی تاریخ کے متعلق
اپنے علم کے بتدریج اضافے کا اندازہ کر سکیں، نہیں ہے۔ راجندر کے کتبات کا متن ہلتش
نے دریافت کیا اور 1891ء میں اسے شائع کیا۔ لیڈن کے بڑے عطیے کے متعلق کئی
برس پہلے ہی سے لوگوں کو علم تھا اور ہلتش نے فوراً شناخت کر لیا کہ سنگرام وجیوتنگا ورمن جس کا ذکر راجندر کے کتبات میں آیا ہے دراصل کٹاہا کے یا لیڈن کے
عطیہ نامے میں مذکور کڈارم کے حکمران مار وجیوتنگا ورمن کا جانشین ہے لیکن اس
مقام کے لیے اس کی تلاش صوبۂ مدراس کے جنوبی اضلاع سے آگے نہیں بڑھی
اور آج تو یہ بات اور بھی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ہلتش نے اس حقیقت کو نظر انداز
کر دیا کہ راجندر کی یہ مہم ایک بحری جنگ تھی اور پانڈیا ریاست اس مہم سے پیشتر
تسخیر ہو کر چولوں کے زیر نگیں آ چکی تھی۔ ہلتش نے کڈارم کو ضلع مدورائی کے تعلقہ رام
ناد زمینداری کا صدر مقام قرار دیا۔ 1903ء میں بھی جبکہ ہلتش اپنے ابتدائی نظریہ
سے بہت آگے بڑھ چکا تھا، وہ حقیقت سے بہت دور تھا جب اس نے
کہا کہ "اس مہم میں ضمن میں جن متعدد مقامات کا ذکر آیا ہے، ان میں سے مسٹر
وینکیا نے محض دو مقامات کو شناخت کیا ہے یعنی لکا وارم اور پپالم۔ پہلا تو جزائر
نکوبار کا تامل نام ہے اور "مہاوامسا (63 - IX x vi) کے مطابق پپالا، رمنا میں
ایک بندرگاہ تھی، یعنی برما کے تلائنگ خطے میں۔ لہٰذا کڈارم کی تلاش ہندوستان
میں کہیں دور کرنی پڑے گی"۔ اس کے بعد کچھ برسوں تک یہ سمجھا جاتا رہا کہ راجندر
کی مہم پیگو کی ریاست کے خلاف بھیجی گئی تھی اور برما کے ماہرین آثار قدیمہ نے
یہاں تک کہہ دیا کہ انھوں نے پیگو کے نزدیک گرینائیٹ کے دو ہشت پہل ستون
بتایا جس نے 1025-27ء میں پیگو کو تاخت و تاراج کیا تھا۔ 1918ء میں کہیں جا کر کوئیڈس
نے اپنے مدلل اور واضح مقالے میں جس کا عنوان "لی رویامے ڈی شری وجیا" ہے
بہت سے فضلا کے سالہا سال کے مطالعے سے فراہم کی گئی شہادتوں کو یکجا کر کے
ان مقامات کی شناخت پر بحث کی جن کا ذکر راجندر کی مہم کے ضمن میں آیا ہے اور اس
کے ایک واضح تذکرے کی بنیاد ڈالی برما کے محکمہ آثار قدیمہ نے پہلے تو کوئیڈس کی
رائے سے اختلاف کیا لیکن بعد میں اس کی صحت کو تسلیم کر لیا اور گر [illegible] بحث

نے مشہور ستون برما کے آثار قدیمہ کی فہرست سے خارج کر دیا۔

مہم کی وحدت اور اجتماعی نوعیت

ایک حقیقت کو جس کی طرف خود دکلنش نے خصوصی توجہ دلائی ہے اس مہم پر بحث کرنے والے بعد کے مصنفین نے نظرانداز کر دیا ہے وہ حقیقت یہ ہے کہ کتبے سے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ مذکورہ تمام مقامات کڈارم کے راجہ ہی سے چھینے گئے تھے اور ایک ہی مہم کے دوران حاصل کئے گئے تھے۔ کوئیڈس کے الفاظ میں "متن میں یہی بیان کیا گیا ہے کہ کڈارم کے راجہ کو شکست دینے کے بعد راجندر چولا اول نے اس کے خزانے اور بہت سے علاقے چھین لیے اور سب سے آخر میں کڈارم پر قبضہ کیا۔ اس طرح یہ سب ایک ہی مہم کے واقعات ہیں اور یہ بات بہت زیادہ قرین قیاس ہے کہ ان میں جن مختلف علاقوں کا ذکر ہے وہ یا تو کڈارم کے راجہ کے اطاعت گزار تھے یا اس کی اپنی سلطنت کے مختلف صوبے یا شہر۔ ایک بار اگر ہم اس حقیقت کو تسلیم کر لیں تو پھر ان مختلف مقامات کی شناخت کا کام کڈارم اور شری وجیا کے شناخت ہو جانے سے آسان ہو جائے گا۔ یہ دونوں مقامات راج راجا کے زمانے میں ایک ہی تاجدار کے ماتحت تھے اور جنہیں راجندر نے راجہ سنگرام وجیو تنگا ورمن سے چھینا تھا۔

سان-فو-سی کے چینی تذکرے

"چین کے شاہی سونگ خاندان کے تذکروں میں سان۔ فو۔سی نامی ملک سے 1003ء اور 1008ء میں بھیجی گئی سفارتوں کا ذکر آیا ہے پہلی سفارت راجہ تو۔ل۔چو۔ لو۔واذ۔ی۔فو۔ما۔تیا۔ؤ۔ہوا نے بھیجی تھی، اور دوسری راجہ شیو۔ل۔ا۔پی۔ نے پہنچانے کے لیے چینی زبان کا فاضل ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ پہلا نام محض شری چڑلامنی ورمادیوا کا چینی زبان میں تلفظ ہے اور دوسرا نام شری مارا وجیہ تنگا ورمن کے پہلے ارکان تہجی کی چینی شکل "(کوئیڈس) چنانچہ یہ دونوں فرمانروا وہی ہیں جن کا ذکر لیڈن کے بڑے عطیہ نامہ میں آیا ہے لہٰذا ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ چینی تذکروں کے مشہور سان۔فو۔سی کے راجہ دراصل کڈارم اور شری وجیا کے حکمران تھے۔

پہلے یہ فو۔پچی کہلاتے تھے

سونگ خاندان کے عہد حکومت کے چینی مصنفین نے پہلے پہل سان۔فو۔سی کا نام اس مقام کے لیے استعمال کیا جس کا ذکر چین کے قدیم لٹریچر میں چی۔لی۔فو۔چی یا صرف فو۔چی کے نام سے ہوتا آیا تھا۔تمام چینی مصنفین نے اس نام کا اصل شہر پالیم بنگ شناخت کیا ہے جو سماترا کے مشرقی ساحل پر واقع تھا اور کوئیڈس نے اسے سان۔فو۔سی اور چی۔لی۔فو۔چی کے بجائے از سر نو شری وجیا کا نام دے کر فراست کا ثبوت دیا ہے نہ کہ شری بھوجا کا بے معنی نام۔

شری وجیا

اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شری وجیا جس کو راجندر نے کڈارم کے حکمران سے سب سے پہلے چھینا تھا دراصل سماٹرا کی ریاست پالیم بنگ کا نام ہے۔آٹھویں صدی سے تیرہویں صدی عیسوی تک اس ریاست نے جزیرہ نمائے ملایا اور مجمع الجزائر شرق الہند کے معاملات میں نیز جنوبی ہند اور اس اہم ریاست کے مابین باہمی تعلقات میں جو عظیم رول ادا کیا وہ ابھی وضاحت کا محتاج ہے۔راجندر کے عہد کے کتبات جن میں کڈارم اور شری وجیا پر اس کے حملے کا ذکر ہے،گیارہویں صدی کے آغاز میں ان ریاستوں کے حالات کے متعلق اچھی خاصی معلومات فراہم کرتے ہیں بارہویں صدی کے آخر یا تیرہویں صدی کی ابتدا میں لکھتے ہوئے مصنف چاؤ۔جو۔کوا نے پندرہ "چاؤ" (صوبوں یا شہروں) کی ایک فہرست دی ہے جن پر سان۔فو۔سی کی علمبرداری تھی اور جیسا کوئیڈس نے بتایا ہے اس فہرست اور راجندر کے کتبات کے اندراجات میں کچھ حد تک ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔البتہ کڈارم کی صحیح شناخت میں کافی دشواری پیش آتی ہے۔ہم دوسرے مقامات کے متعلق غور کرنے کے بعد اس مسئلے پر بحث کریں گے۔

پنی یا پنّی

راجندر کی سرگزشت میں شری وجیا کے بعد پنی کا نام آتا ہے۔تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ یہ سماٹرا کے مشرقی ساحل پر واقع پنی یا پنّی تھا۔

ملایور

قدیم ملایور جزیرہ نمائے ملایا کے جنوبی سرے پر ایک ریاست تھی۔یہ پرانی خلیج سنگاپور کے عین شمالی کنارے پر واقع تھی۔یہاں محقق کو دریائے لایو کے علاوہ ملایا ملک اور اس کے باشندوں کی پرانی روایات نظر آتی ہیں۔

مائرو ڈِنگم مائرو ڈنگم کے متعلق، سمندر جس کی حفاظتی خندق تھا، واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جی. لو.تنگ تھا جس کا ذکر چاؤ. جو. کوا نے شری وجیا کی ماتحت ریاستوں میں کیا ہے. اسی مصنف کا یہ بھی کہنا ہے کہ جی. لو.تنگ اورکیا. لو.ہی اسی قسم کی ریاستیں ہیں. جیسی کہ تن. ما. لنگ. کوئیڈس نے کتبات پر مبنی فیصلہ کن شہادتیں فراہم کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ کیا. لو.ہی دراصل گرہی سے جو جیا میں واقع ہے اور اسی لیے ہمیں جی. لو.تنگ (پی. رُو. ڈنگم) کو جو شری وجیا کی شمالی ماتحت ریاستوں میں سے ایک تھی، جیا کے خطے میں کہیں تلاش کرنا چاہیئے جو جزیرہ نمائے ملایا کے وسط میں واقع ہے.

النگاشوکم النگاشوکم کی صحیح شناخت چاؤ. جو. کوا کی فراہم کردہ ماتحت ریاستوں کی فہرست میں لنگ. یا. شیو. کیا کے نام سے کی گئی ہے اور اس کا محل وقوع جزیرہ نمائے ملایا میں کیدہ کی ریاست کے جنوب میں تھا.

ماپپالم وینکیتیا کے بیان کے مطابق "مہاوامسا" میں ماپپالم کا تذکرہ پپہالما کے نام سے اس مقام کی حیثیت سے کیا گیا ہے جہاں تامل جرنیل آدتیاسب سے پہلے اترا تھا جب اسے ۱۰۲۵ء کے قریب لنکا کے راجہ پراکرم باہو نے رامن دیش پر فوج کشی کے لیے بھیجا تھا. وینکیتیا نے اس سے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ ماپپالم برما کے زیریں علاقے میں واقع ریاست تلائنگ کا کوئی مقام ہوگا. اس کے اس قیاس کی تقلید دوسرے مصنفین نے بھی کی ہے جنہوں نے اس کی بنیاد پر کچھ دیگر مقامات کی بھی شناخت کی ہے. درحقیقت پہلی نظر میں تو رمن دیش پر فوج کشی کے سلسلے میں "پپالم" کے ذکر سے اس قیاس کی کھلی تردید ہوتی ہے کہ راجندر نے جن مقامات کو فتح کیا تھا وہ سب کے سب پالیم بنگ کے ماتحت تھے اور وہاں سے ان سب تک رسائی آسان تھی. تاہم کوئیڈس اس امر کی جانب ہماری توجہ مبذول کراتا ہے کہ پراکرم باہو کو رامن کے حکمران کے خلاف جو شکایات تھیں، ان کی طویل فہرست کا اختتام اس آخری شکایت پر ہوتا ہے کہ رامن کے حکمران نے ایک سنہالی شہزادی کو زبردستی اغوا کر لیا تھا. جسے لنکا کے حکمران نے کامبھوج دیش بھیج رکھا تھا. کوئیڈس کی رائے کے مطابق بہت ممکن ہے کہ لنکا سے کامبھوج کو جانے والے ایلچی غالباً تے کرا سے

گذرے ہوں تو یقیناً شہزادی کا اغوا انہیں سے کیا گیا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ چگن کے راجہ کی علم برداری اس نقطے تک رہی ہوگی۔ گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں پالیم بنگ کا اقتدار بندون کی خلیج تک پھیلا ہوا تھا۔ اس لیے یہ نتیجہ نکالنا دشوار نہیں کہ ماپپالم کا علاقہ خاکنائے کرا میں واقع تھا۔ البتہ اس کا صحیح صحیح محل وقوع بتانا اب ممکن نہیں ہے۔ صورت حال جو کچھ بھی ہو چولا اول کی فتوحات میں ایک ایسے علاقے کا وجود ہونا جو بارہویں صدی میں سلطنت پیگو کا جزو بن گیا تھا اس حقیقت کی تردید کے لیے کافی ہے کہ راجندر نے جن ریاستوں کو تسخیر کیا تھا وہ پالیم بنگ کی ماتحت ریاستیں تھیں۔

تلی متکولم

سیوی لبنکم اور ویلی پنڈورو کی شناخت سردست ممکن نہیں۔ تلی تکولم غالباً وہی مقام تھا جس کا نام بلند اپنہا میں تکولا درج ہے۔ ٹالیمی نے بھی تکولا نام سے اس کا ذکر کیا ہے۔ جیرینی نے اس کا محل وقوع خاکنائے کرا کے جنوب میں موجودہ تکوآپا ضلع میں بتایا ہے اور اسے اس کا صدر مقام قرار دیا ہے جو اب بھی تکوآپا کہلاتا ہے۔ کچھ دیگر دانش وروں کی رائے میں یہ اسی خاکنائے میں کچھ اوپر کی طرف واقع تھا۔ بہرحال اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ جزیرہ نمائے ملایا کے مغربی ساحل ہی پر واقع تھا۔

ماڈمالنگم

جنگ میں ثابت قدم ماڈمالنگم کا نام چاؤ۔ جو۔ کوآ کی تیار کردہ ماتحت ریاستوں کی فہرست میں آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے۔ اس فہرست میں اس کا نام تن۔ ملنگ درج ہے۔ اسی مصنف کا کہنا ہے کہ تن۔ ملنگ سے لنگ۔ یا۔ شیو۔ کیا (النگا شوکم) تک چھ دنوں اور چھ راتوں میں سمندری سفر کر کے پہنچا جا سکتا ہے اور یہ کہ ان دونوں ریاستوں کے درمیان ایک بری راستہ بھی ہے۔ جیرینی کا کہنا ہے کہ تن۔ ما۔ لنگ دراصل تیمی لنگ تھا جو جزیرہ نمائے ملایا کے مشرقی ساحل پر واقع پہنگ کے درکوانتن کے دہانے پر واقع تھا۔ اس خیال کی بنا پر چاؤ۔ جو۔ کوآ کا فاضل مترجم لکھتا ہے "جیسا کہ ہمارے مصنف کا کہنا ہے، تن۔ ما۔ لنگ اور لنگ۔ یا۔ شی۔ کیا کے درمیان ایک بری راستہ موجود تھا اور ہمارے پاس یہ ماننے کے لیے کافی وجوہات ہیں۔ کہ یہ راستہ جزیرہ نما ملایا کے مغربی ساحل پر کیدہ کے نزدیک سے گزرتا تھا۔ لہٰذا یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہوگا کہ تن۔ ما۔ لنگ اس مقام سے زیادہ دور نہیں ہوگا جہاں جیرینی

نے اس کا محل وقوع بتایا ہے۔ بلیگڈن نے اس کے خلاف رائے دی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ کیدہ اور کوانتن کے درمیان بحری سفر کے لیے چھ دن کا عرصہ آبنائے ملاکا کے کمزور مان سون کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت کم ہے۔ کوئیڈرتس نے اس مشکل کو اس طرح حل کیا ہے کہ تامرلنگا کو ملک یا لنکا شوکا کا ملک پایہ دونوں ممالک جزیرہ نمائے ملایا کے پورے عرض میں تھے اور خلیج سیام اور آبنائے ملاکا ان کے بالمقابل واقع تھے۔

الامری دیشم یہ صاف ظاہر ہے کہ الامری دیشم کی ریاست سماترا کے شمالی حصے میں واقع تھی اور عرب جغرافیہ دان اسے لموری کہتے تھے۔ مارکوپولو نے لمبری کے نام سے اس کا ذکر کیا اور سان۔ فو۔ سی کی مطیع ریاستوں کی فہرست میں چاؤ۔ جو۔ کوآ نے اس کا نام لن۔ دو۔ لی بتایا۔

نکوارم یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ ملک وارم جزائر نکوبار کا نام ہے۔ کڈارم کے راجہ کے خلاف بھیجی گئی فوجی مہم کے تذکرے میں دیے ہوئے مقامات کے ناموں پر مندرجہ بالا بحث ہمیں واضح طور سے اس نتیجے پر پہنچاتی ہے کہ راجندر کی مہم کا مقصد شری وجیا کی سماترائی سلطنت اور جزیرہ نمائے ملایا و مجمع الجزائر شرق الہند میں اس کی زیرنگیں ریاستوں کو تسخیر کرنا تھا۔

کڈارم اس بات کی وضاحت کرنا کہ اس سلطنت کے راجہ کو کڈارم کا راجہ کیوں کہا جاتا تھا اور اس کا محل وقوع طے کرنا ابھی باقی ہے۔ سنسکرت لٹریچر اور کتبات میں اس کا ذکر کٹاہ کے نام سے کیا گیا ہے۔ اور "کلنگتو پرانی" میں اس کا ذکر "کڈارم" یا "کیڈارم" کے نام سے آیا ہے۔ اس کے علاوہ لیڈن کے عطیہ نامے (کے تامل حصے) میں اور راجندر کے کتبات میں بھی اس کا نام "کڈارم" درج ہے۔ "کلنگتو پرانی" میں صاف طور پر بتایا گیا ہے کہ سمندر کی لہریں اس کے ساحل کو چومتی تھیں۔ "پٹنا پالئی" میں جو "کالگم" لفظ آیا ہے اس کتبات میں مفسر نچی نارکنیار کی رائے میں اس ملک کا نام ہے جو "کڈارم" کہلاتا ہے یہ تشریح "پنگلم" جیسی قدیم فرہنگ کی رو سے بھی مستند معلوم ہوتی ہے۔ "کڈارم" کے متعلق ان حوالوں سے بالخصوص "پٹنا پالئی" میں دیے ہوئے حوالے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ "کڈارم" اس

بحری راستے پر واقع ایک اہم بندرگاہ تھی جس کے ذریعے ہندوستان اور مشرقی ممالک کے درمیان تجارت ہوتی تھی۔ کوئیڈس کا کہنا ہے: "اب چینی لوگ ایک ایسے ملک کو جاتے ہیں جس کا نام "کثاہا" سے بہت مشابہت رکھتا ہے یعنی کی۔ تچاجہاں دو مرتبہ اِتسنگ نے قیام کیا تھا۔" بعد کی چینی تصانیف میں اسی مقام کا نام کی۔ تو درج ہے۔ یہ مختلف نام جغرافیائی اور صوتی اعتبار سے موجودہ کیدہ کی بجائے استعمال ہوتے ہیں جو جزیرہ نمائے ملایا کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم کیدہ موجودہ کیدہ کی نسبت زیادہ جنوب کی جانب واقع تھا، جہاں جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے لنکا شوکا کی ریاست واقع تھی۔ بہرصورت اِتسنگ کے سفرناموں کے مطالعے سے ثابت ہوتا ہے کہ کی۔ تچا ملایا کا وہ آخری مقام تھا جہاں سے سیاح کو اپنے غیر ملکی سفر کے لیے خلیج بنگال کو پار کرکے آنے والے کے لیے یہ ملایا کا سب سے پہلا مقام تھا جہاں سے وہ گزرتا تھا۔ اس حقیقت میں ہمیں اس سوال کا جواب مل جاتا ہے کہ چولوں نے شری وجیا کے حکمران کو کڈارم کا راجہ کیوں کہا۔ اگر اس زمانے میں کڈارم خود شری وجیا کے ماتحت ایک ریاست تھی اور ساتھ ہی یہ شری وجیا کی سلطنت میں پہنچنے کے لیے تاملوں کے راستے کا اوّلین مقام بھی تھا تو یہ قدرتی بات تھی کہ اس ملک کے راجہ کو "کڈارم" کا راجہ کہا جائے۔ اس بندرگاہ کو تجارتی اعتبار سے ان دنوں وہی اہمیت حاصل تھی جو اس خطے میں پینانگ کو حاصل ہے۔

مہم کی نوعیت

کڈارم کے راجہ پر فوج کشی کیوں کی گئی اور اس کے کیا اثرات ہوئے ہمیں ان سوالوں کا کوئی براہ راست جواب چونکہ عصری کتبات سے نہیں ملتا لہٰذا ہمیں اس کے لیے ان امکانات پر انحصار کرنا پڑتا ہے جن کی طرف اس وقت کے جانے بوجھے واقعات اشارہ کرتے ہیں۔ راجندر کے عہد کے کتبات سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی کہ سمندر پار کے ملکوں پر یہ حملہ محض کالنگم پر مکمل طور پر غلبہ حاصل کرنے کی کوششوں کی ایک کڑی تھی۔ یہ بات ظاہر ہے کہ جنوبی ہند کی چولا سلطنت کا مجمع الجزائر شرق الہند اور چین سے اس زمانے میں برابر رابطہ تھا۔ سلطنت شری وجیا کے شیلندر شاہی خاندان کے ایک راجہ مارو جیتو

تنگا ورمن کا ناگ پٹم میں چوڑامنی وہار تعمیر کرنا اس نوعیت کا محض تنہا کام نہیں تھا بلکہ تجارت کی غرض سے شرقی جزائر اور جنوبی ہند کے مابین بڑھتے ہوئے تعلقات کا ایک طبعی نتیجہ تھا۔ قدیم زمانوں کی طرح یہ تجارت اس بڑے پیمانے کی بحری تجارت کا ایک حصہ تھی جو مغربی دنیا اور چین کے مابین ہوتی تھی اور جس میں عرب ہندوستان، جزیرہ نمائے ملایا اور مجمع الجزائر شرق الہند کے باشندے درمیانی تاجروں کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ دسویں صدی عیسوی کے خاتمے پر چینی حکومت کو غیر ملکی تجارت کی قدر و قیمت کا احساس ہوا جس نے ان مشکلات کے خاتمے پر چینی بعد، جن میں نویں صدی عیسوی کے آخری حصے میں چین ایک طویل عرصے تک گرفتار رہا تھا، زندگی کی ایک نئی کروٹ لی تھی۔ لہٰذا اس تجارت کو فروغ دینے کے لیے "چین کے شہنشاہ نے سفاری خطوط کے ساتھ جن پر شاہی مہر ثبت تھی، ایک تجارتی فد و سونا اور چینی مال دے کر روانہ کیا تاکہ جنوبی سمندر کے بدیشی بیوپاریوں اور ان لوگوں کو جو سمندر پار کے غیر ملکوں میں تجارت کی غرض سے جاتے ہیں۔ "چین میں آنے کی ترغیب دی جا سکے۔" انہیں دوستانہ دعوتوں کے جواب میں شری وجیا کے راجاؤں نے اپنے 1003ء اور 1008ء کے سفارتی وفود بھیجے ہوں گے جن کا حوالہ ہم پہلے دے چکے ہیں۔ سونگ خاندان کے تاریخی تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ چین میں چو۔لین (چولوں) کی جانب سے پہلا تجارتی وفد 1015ء میں پہنچا اور یہ کہ اس زمانے میں ان کے ملک (جنوبی ہند) کا حکمران لو۔تسا۔تو۔تسا (راج راجا) تھا۔ ایک اور سفارتی وفد "شی۔لو۔لو۔چا۔ین۔تو۔لُو۔چو۔لو" (شری راجا اندر چولا) کی جانب سے چین میں 1033ء میں پہنچا اور تیسرا 1077ء میں راجہ کلوتنگا چولا۔ دیوا کی جانب سے گیا۔ اس طرح جنوبی ہندوستان اور چین کے مابین تجارتی تعلقات برابر اور وسیع پیمانے پر رہے۔ بارہویں صدی کے آخری حصے میں لکھتے ہیں کو آ۔ کو۔ فی سلطنت سان۔ فو۔تسی (شری وجیا) کے بارے میں لکھتا ہے۔ "مشرق میں کے بحری راستوں پر واقع یہ اہم ترین بندرگاہ ہے۔ جو لوگ مشرق میں شو۔پو (جاوا) سے اور مغرب میں تا۔شی (عرب) اور کو۔لن (کوئلان) سے آتے ہیں وہ سب چین جاتے ہوئے یہاں سے گزرتے ہیں۔"

راجندر کی فوج کشی کے وقت (سنہ 1025ء میں) مشرقی ممالک کے ساتھ اس تجارت کو از سر نو شروع ہوئے چوتھائی صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہوگا۔ تجارت میں یہ فروغ راج راجا کے تحت چولا سلطنت کی طاقت کی افزونی اور چین کے حالات کی بہتری کے باعث ممکن ہو سکا تھا۔ ملک ملایا کے متعلق چولا سلطنت میں واقفیت بھی عام ہو چکی تھی۔ لیڈن کے بڑے عطیہ نامہ میں اس اندراج سے کہ راجندر نے اپنے والد کی وفات کے بعد آینی سنگلم کی جاگیر مستقل طور پر ناگ پٹم کے چوڑامنی وہار کے نام کر دی تھی، یہ واضح ہو جاتا ہے کہ راجندر کے عہد حکومت کی ابتدا میں چولا سلطنت کے تعلقات کڈارم اور شری وجیا کی ریاستوں سے حسب سابق دوستانہ تھے۔ تنازعہ اگر کوئی تھا بھی تو اس کی وجہ بتانے کے لیے ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ ہم صرف یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ یا تو مشرقی ممالک کے ساتھ چولا سلطنت کی تجارت میں شری وجیا کی جانب سے رخنہ اندازی کی کوئی کوشش ہوئی ہوگی یا اس سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اپنی عظمت میں چار چاند لگانے کے لیے راجندر کے دل میں سمندر پار کے ممالک میں اپنی دگ وجے کی توسیع کرنے کی خواہش ابھری ہوگی جس کا علم اس کی رعایا کو پہلے سے تھا۔ اس مہم کی اصل وجوہ کچھ بھی ہوں، یہ باور کرنا مشکل ہے، چاہے راجندر کے کتبات میں درج سبھی واقعات کو صحیح مان لیا جائے کہ اس مہم سے کوئی دیرپا اثرات مترشح ہوئے سوائے اس کے کہ شری وجیا کے حکمران نے معمولی طور پر حملہ آور کی برتری کو تسلیم کر لیا۔

آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ راجندر کے ایک جانشین ویر راجندر اوّل نے کڈارم کو تسخیر کرنے اور پھر اسے اس کے حکمران کو اس کی درخواست پر واپس کر دینے کا دعویٰ کیا ہے، اصلیت جو بھی ہو، اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ چولوں نے ان بدیشی ریاستوں پر اپنی سلطنت کے صوبوں کی طرح حکومت کرنے کی کوشش کی ہو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کو ایک مقررہ میعاد پر خراج وصول ہو جایا کرتا تھا۔ سماٹرا میں سنہ 1088ء کے ایک شکستہ تامل کتبے سے اس جزیرے میں محض تامل تاجروں کی موجودگی ثابت ہوتی ہے جس کا علم اور دیگر ذرائع سے بھی اچھی طرح ہوتا ہے۔

کرن دئی (ضلع تنجور) کی تختیوں (سلسلہ 49) میں درج ہے کہ کام بھوج کے راجہ نے راجندر کو اپنی بادشاہت (آتم کاشیپم) کے تحفظ کے لیے اپنا وہ فتح مند جنگی رتھ بھیج کر اس سے دوستی کی استدعا کی جس کے ذریعے اس نے اپنے دشمنوں کی حملہ آور فوجوں کو شکست دی تھی۔ یہ اس زمانے میں سمندر پار کے ملکوں کے ساتھ چولا سلطنت کے تعلقات کی طرف ایک واضح اشارہ ہے۔ کیج (کام بھوج) ہند چینی میں واقع ملک انگ کور کا نام تھا جس پر اس زمانے میں عالی مرتبہ راجہ سوریہ ورمن اوّل (1002-50ء) کی حکومت تھی۔ یہ حقیقت جو اب پہلی بار سامنے آئی ہے اس امر کا ثبوت مہیا کرتی ہے کہ ملک کیج اور چولا سلطنت کے مابین دوستانہ تعلقات جن کی کلوتنگا اوّل کے زمانے میں موجودگی کی پہلے ہی تصدیق ہو چکی تھی، دراصل کلوتنگا کے عہد سے بہت عرصہ پہلے شروع ہو چکے تھے۔

راجندر کے عہد کے باقی سال

جدید مصنفین نے یہ فرض کر لیا ہے کہ راجندر کا باقی ماندہ عہد حکومت جو کڈارم پر فوج کشی کے بعد کوئی بیس برس تک رہا، ایک امن کا دور تھا تاہم اس کے بیٹوں کے کتبات بالخصوص راجا دھیراج اوّل کے کتبات کے محتاط مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دور مکمل امن کا دور نہیں تھا۔

مکمل امن کا دور نہیں تھا

سلطنت کے مختلف حصوں میں اس کے بیٹوں نے کافی جنگ و جدل برپا کئے رکھا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ اپنے عہد کے ابتدائی برسوں کی "دگ وجے" کی تکمیل کے بعد جب اس کی رزمیہ عظمت کی شہرت دنیا میں پھیل گئی تو راجہ نے بعد کے سالوں میں خود میدان جنگ میں جانے سے احتراز کیا اور اپنے بیٹوں کو شہرت و عزت حاصل کرنے کا پورا موقع دیا۔

بہر صورت راجا دھیراج کے عہد کے ستائیسویں برس سے پہلے کے کتبات صریحًا راجندر اوّل کے دور حکومت ہی میں کندہ کروائے گئے تھے اور راجندر کے عہد کا مطالعہ اس وقت تک نامکمل رہے گا جب تک ان میں جو واقعات درج ہیں، ان کا جائزہ نہ لیا جائے۔

جنوب میں بغاوت

پانڈیا اور کیرلا کی ریاستوں میں بغاوت کا تقاضا تھا کہ وہاں سخت جوابی کارروائی کی جائے اور راجا دھیراج نے ان شورشوں کو فرو کرنے کے لیے وسیع پیمانے پر جو مہم کشی کی اس کا تذکرہ ذیل کے الفاظ میں کیا گیا ہے:

"جنوب (پانڈیا) کے تین اتحادی راجاؤں میں سے اس نے مانا بھرن کا خوبصورت سر ایک معرکے میں قلم کر دیا، جو بڑے بڑے جواہرات سے آراستہ تھا اور طلائی تاج علیحدہ نہیں ہو سکتا تھا۔ جنگ میں ویرکیرلن کو جس کے پاؤں کے کڑے بہت چوڑے تھے، گرفتار کر لیا اور اسے اپنے خونخوار ہاتھی اتی وارن کے پیروں تلے کچلوا دیا اور لا انتہا شہرت رکھنے والے سندر پانڈین کو قدیم ملا ئیور کی طرف دھکیل دیا۔ جو گھمسان کی ایک لڑائی میں اپنا سفید شاہی چھتر، سفید پاک کے بالوں کا مرچھل اور شاہی تخت کھو کر فرار ہو گیا۔ اس کا تاج سر سے گر گیا، اس کے بال منتشر ہو گئے اور اس کے پاؤں تھک گئے۔ اس نے وینا ڈ کے نڈر راجا کو سورگ میں بھیج دیا اور قہر و غیظ میں اِرام کُڈم کے سب سے بڑے سردار کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ قوی وتون (چیرا) تو دہشت زدہ ہو کر جنگل میں جا چھپا لیکن چولا نے ونجی کے پھولوں کا تازہ گجرا اپنے گلے میں پہنا۔ کاندلور شالئی کے مقام پر جو بے پایاں سمندر کے کنارے تھا، جہازوں کو آن کی آن میں تباہ و برباد کر دیا۔"

پانڈیا اور کیرلا ریاستوں پر حملے کی صحیح تاریخ کا کچھ پتہ نہیں، چونکہ اس دور کا کوئی پانڈین کتبہ دستیاب نہیں ہوتا اس لیے ہمارے پاس صرف وہی کہانی رہ جاتی ہے جو فاتحوں نے بیان کی ہے اور بے لاگ ماخذوں سے ہم اس کی جانچ پڑتال کرنے سے معذور ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ اس دور کے بے شمار چولا پانڈیا کتبات میں سے کسی ایک میں بھی ان واقعات پر روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔ سندر پانڈیا شاید اس تمام سازشوں کا سرغنہ تھا جس کے ذریعے یہ بغاوت منظم کی گئی تھی۔

راجا دھیراج کی ایک پرشستی (تنگلیر) میں تینوں پانڈیا حکمرانوں کے ساتھ جنگ کے متعلق جو تمہید دی گئی ہے اس میں ایک ایسی لڑائی کا ذکر کیا گیا ہے، جس میں کسی وکرم تازنا کو مطیع کر لیا گیا تھا۔ اس شخص نے شہزادے (راجا دھیراج) کے والد کی

مخالفت کی تھی (تا دئی ئن وند ا)۔ یہ لڑائی قریب دس روز رہی اور بتایا جاتا ہے کہ اس کے خاتمے پر راجا دھیراج نے بھوپندر چولا کا لقب اختیار کیا۔ اس سے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ وکرم نارنا جنوبی ہند کا کوئی راجہ تھا لیکن اسی پرشستی میں آگے چل کر چالوکیہ کے خلاف ایک لڑائی کے تذکرے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک چالوکیہ سپہ سالار تھا اور کسی وجہ سے چکر ورتی وکرم نارنا کے نام سے موسوم تھا۔

کہا جاتا ہے کہ جنوبی مہم کے دوران میں پانڈیا ریاست سے کاندلور کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے راجندر نے راستے میں وینا ڈ کے راجہ پر حملہ کیا اور اسے سورگ بھیج دیا۔ اور کوپکا کے راجہ کی طاقت کو جو جنوبی ٹراونکور کا ایک مقامی حکمران تھا۔ ختم کر دیا۔

مُوشکا راجگان

اس مہم کے دنوں میں بھی کیرلا کی ریاست کے سیاسی حالات ویسے ہی تھے جیسے کئی صدیوں کے بعد پرتگیزوں اور ولندیزوں نے ان کو پایا تھا۔ یہ متعدد چھوٹے چھوٹے رجواڑوں میں بٹی ہوئی تھی۔ جنھوں نے اپنی ختم نہ ہونے والی دوستوں اور دشمنوں میں الجھ کر اپنی ایک الگ دنیا بنا رکھی تھی۔ ازرام کڈم (تامل) جو سنسکرت میں رام گھٹا کہلاتا تھا انہی رجواڑوں میں سے ایک تھا۔ یہ چھوٹی سی ریاست ڈی۔ ایلی پہاڑ (مُوشک پہاڑ) کے ارد گرد بسی ہوئی تھی۔ جو ایلی۔ ملئی (چوہوں کا پہاڑ) بھی کہلاتا تھا۔ اس ریاست پر موشکا راجاؤں کی حکومت تھی جن کا تذکرہ "موشکا وشم" نامی ایک نظم میں کیا گیا ہے۔ اس نظم میں جو داستان درج ہے اس کے مطابق ایک کھشتری شہزادہ جو کھشتریوں کے خلاف پرشورام کی عظیم جنگ کے بعد پیدا ہوا تھا اور جس کی پرورش خفیہ طور پر کی گئی تھی، پرشورام کے سامنے اس وقت پیش کیا گیا تھا جب ایلی پہاڑ پر ایک یگیہ کرنے کے دوران اسے ایک اہم جزو تھی اور یہ رسم صرف کھشتری کی تلاش تھی۔ اس رسم کی ادائیگی یگیہ کا ایک اہم جزو تھی اور یہ رسم صرف ایک کھشتری ہی ادا کر سکتا تھا۔ بعد میں پرشورام نے اس شہزادے کو موشک دیش کا راجہ بنا دیا اور ایک "ابھیشیک" کے ذریعے جو پانی کے برتنوں (گھٹا۔ کڈم) کے ساتھ کیا گیا تھا، اس کی باقاعدہ تاج پوشی کی گئی۔ اس طرح اس خاندان کا نام رام گھٹا یا تامل میں ازرم کڈم پڑ گیا۔ ایلی ملئی کے نواح میں واقع وٹیا تتو کے مقام

سے دستیاب شدہ گیارہویں صدی کے ایک کتبے پر موتشکا راجہ کنڈن کاری ورمن عرف رام گنڈ سوورترمُووڈی کے عہد کے انسٹھویں[59] سال کی تاریخ درج ہے۔ اسی کتبے میں راجندر شولا سیاسیناپتی کا ذکر بھی آیا ہے۔ غالباً یہ سوورتر ووڈی وہی حکمران تھا۔ جس پر راجا دھیراج نے فوج کشی تھی۔

چولا سلطنت کی نرمی

پانڈیا اور کیرلا کی ریاستوں کی تسخیر کے مدتوں بعد بھی قدیم پانڈیا اور چولا حکمران نہ صرف موجود تھے بلکہ طاقتور نائب السلطنت کے ہوتے ہوئے بھی چولا اقتدار اعلیٰ کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے رہتے تھے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چولا حکومت نے مفتوحہ علاقوں میں اپنا رویہ نرم رکھا تھا۔ یہ رویہ "ارتھ شاستر" کی اس ہدایت کے مطابق تھا جو ایک فاتح کو اپنے مفتوح علاقوں میں اختیار کرنا چاہیئے۔

لنکا

راجندر کے عہد کے ابتدائی حصے کے بعض کتبات میں بتایا گیا ہے کہ اس نے کاندلور شالئی کی فتح کے بعد لنکا پر چڑھائی کی اور لنکا کے راجہ ولتوا کا جس نے گلے میں گجرا پہن رکھا تھا' اور کن پی (قنوج) کے راجہ کا سر قلم کر دیا۔ بہت ممکن ہے کہ راجا دھیراج کی یہ فوجی مہم اس کے والد کی زندگی ہی میں پیش آئی ہو اور اسے تفصیل کے ساتھ اس کے بعد کے کتبات میں بیان کیا گیا ہو۔ لیکن چونکہ اس پیراگراف کے شروع میں راجا دھیراج کے جن دو کتبات کا ذکر ہے، ان کی تاریخیں شبہ سے بالاتر نہیں ہیں اور راجا دھیراج کے ایک اور کتبے میں بھی جو یقیناً اس کے عہد کے ستائیسویں برس کا ہے لنکا کی جنگ کا ذکر ہے۔۔۔ اس لیے یہ بہتر ہوگا کہ ہم راجا دھیراج کے عہد حکومت کے ذکر تک اس مہم سے متعلق بحث کو ملتوی رکھیں۔ تاہم یہ بات نظرانداز بھی نہیں کی جاسکتی کہ "مہا وامسا" میں دی ہوئی تاریخوں کے مطابق راجا دھیراج نے لنکا کی جو جنگ لڑی اس کے بعض واقعات یا کم از کم وہ واقعات جو سنہالی حکمران وکرم باہو اول سے متعلق ہیں۔ راجندر چولا اول کی وفات سے قبل ہی پیش آچکے ہوں گے۔ یہ جنگ طول پکڑ گئی اور راجا دھیراج کے عہد حکومت میں بھی جاری رہی۔ اس کے بھائی راجندر دوم نے بھی غالباً اس کے آخری مراحل میں کچھ حصہ لیا۔

اہوا ملاّ چالوکیہ سے لڑائی

جیساکہ ہم دیکھ چکے ہیں مغربی چالوکیوں کے خلاف راجا دھیراج کو ایک اور جنگ لڑنی پڑی۔ اس جنگ کا مفصل تذکرہ ہمیں اس کے متعدد کتبات سے معلوم ہوتا ہے جو واقعات کی خاص تفصیلی تصویر پیش کرتے ہیں۔ یہ جنگ جو اہوا ملاّ کے خلاف لڑی گئی سنہ 1042ء کے کچھ عرصہ بعد ہوئی ہوگی جو جے ستمبا دوم کے متعلق آخری معلوم شدہ تاریخ ہے۔ اس لیے یہ جنگ راجندر کے عہد کے آخری سالوں میں لڑی گئی ہوگی۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ مشنگی کی جنگ (سنہ 1021ء) کے بعد جے ستمبا دوم نے رائچور کے دوآبے پر قبضہ کر لیا تھا اور دریائے تنگ بھدرا تک پہنچ گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے عہد حکومت کے باقی تقریباً بیس برسوں میں راجندر نے اس کی طرف توجہ نہیں کی کیونکہ وہ دوسری اطراف میں مصروف رہا۔ ضلع بیلاری میں کچھ کتبات ملے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جے ستمبا دوم نے اس زمانے میں دریائے تنگ بھدرا کو بھی پار کر لیا اور ضلع بیلاری کے کچھ حصے پر چولا تسلط کو ختم کر کے اس کو اپنی سلطنت میں ملا لیا۔ اس کے ایک اطاعت گزار جگدیک ملا اُدوے آدتیہ نولمبا پَو پیرومانڈی نے سنہ 1033ء کے ایک کتبے میں دعویٰ کیا ہے کہ کچھ دوسرے اضلاع کے علاوہ اس کا تسلط نولمبا واڈی 32000 پر بھی تھا لیکن یا تو یہ محض ایک مبالغہ ہے یا پھر نولمبا راجاؤں کے روایتی القاب کو اختیار کر لیا گیا ہے لیکن اس طویل وقفے کے بعد جس میں چالوکیوں کو اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے پوری آزادی حاصل رہی اور ترلیو کی ملاّ اہوا ملاّ سومیشور اوّل کی تخت نشینی کے بعد جس نے وینگی پر جارحیت کا از سر نو آغاز کر دیا، چولا تاجدار کو اپنی برتری پھر سے تسلیم کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی ہوگی وینگی کو آزاد کرانے کے لیے راجا دھیراج کی قیادت میں سومیشور کو ایک تازہ چولا حملے کا سامنا کرنا پڑا۔ چولا کتبات میں بیان کیا گیا ہے کہ اس کے بعد جو لڑائی چھڑی اس میں چولا فوجوں نے ڈنا ڈا (دھانیہ کٹکا) کے معرکے میں چالوکیہ فوج کو شکست فاش دی اور اس کے سربراہوں گنڈپیا اور گنگا دھر کو ہاتھیوں کی کثیر تعداد کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وکّی اور وجے آدتیہ جیسے بہادر سنگنیا کے ہمراہ بزدلوں کی طرح پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے اور کثیر خزانہ گھوڑے اور ہاتھی چولوں کے ہاتھ لگے جنھوں نے

کولی پاکئی نامی شہر کو آگ لگا دی۔ بلاشبہ وکرم اور وجے آدتیہ بالترتیب سومیشور اور وشنو وردھن کے بیٹے تھے۔ سومیشور ہی بعد میں وجے آدتیہ ششم بنا۔ اگر چولا کتبات میں کئے ہوئے یہ دعوے صحیح ہیں تو راجندر راجا نے واقعی اطمینان کا سانس لیا ہوگا اور ایک بار پھر خود کو اپنی وینگی ریاست کا بلاشبہ غیرے مالک پایا ہوگا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ چولوں کی کامیابی اتنی مکمل نہیں تھی اور مغربی چالوکیوں کی خود مختاری کولی پاکئی کے مقابلہ کے بعد برقرار رہی۔ اس زمانے میں وینگی پر سومیشور کے تسلط کی تصدیق متعدد کتبات سے ہوتی ہے 1019ء میں سومیشور کے ایک باجگزار راجہ شوبھا نریش نے "وینگی پرورشورا" کا لقب اختیار کیا اور یہ لقب اس کے بعد اس کی اولاد کے ناموں کے ساتھ بھی باقی رہا۔ 1047ء کے ایک غیر مطبوعہ کتبے میں، جسے حیدرآباد کے عجائب گھر میں محفوظ رکھا گیا ہے، درج ہے کہ سومیشورا نے وینگی اور کالنگا کے راجاؤں کو جنگ میں پیش کر رکھا دیا۔ لیکن اس میں شک ہے کہ تمام کی تمام ریاست وینگی فریق مخالف کے ہاتھ میں چلی گئی ہو کیونکہ دراکشا راما میں راجندر راجا کا 1047ء کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں بھیمیشورا کے مندر کو چوتے گئے ایک عطیے کا اندراج ہے۔ درحقیقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلد ہی راجندر راجا کو چولا امداد پر انحصار ترک کر کے سومیشو، کے ساتھ سمجھوتہ کرنا پڑا۔ چنانچہ ہم اس کے بعد سومیشور کے "پر دھانیوں" میں سے ایک شخص نارائن بھٹ کو راجندر راجہ کے دربار سے منسلک پاتے ہیں۔ نارائن بھٹ کو "آندھر بھارت" نامی شعری مجموعے کی تصنیف میں ننیا بھٹ کی مدد کرنے کے صلے میں تندم پوڈی نامی ایک گاؤں عطیے میں دیا گیا اور اس کی بیٹی کپتا نے 1053-54ء میں دراکشا راما کے بھیمیشور مندر کو عطیہ دیا۔ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ راجندر کے فوری بعد آنے والے جانشینوں نے ریاست وینگی میں اپنی آبائی دلچسپی کم کر دی تھی۔ اس کی تصدیق خود چولا کتبات سے ہوتی ہے۔

راجندر اوّل آخری سال

وجے واڑہ نسل کے چولا راجاؤں کی تاریخ میں راجندر کے عہد کے آخری چند سال ایک نہایت شاندار دور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سلطنت کی حدود اس وقت وسیع ترین تھیں۔ اس کا فوجی اور بحری وقار اپنے انتہائی عروج پر تھا۔ فوجی نوعیت کی

سلطنتوں میں بغاوتوں کو فرو کرنے اور مفتوحہ علاقوں کو اپنی گرفت میں رکھنے کے لیے فوجی مہمات کی ضرورت ہمیشہ پیش آتی رہتی ہے. شہنشاہ کے لائق اور ہنرمند بیٹے اور شاہی خاندان کے دیگر افراد بڑی قابلیت کے ساتھ اس کا ہاتھ بٹاتے تھے اور شاہی نظم و نسق کے کام بطرز احسن چلاتے تھے. ان برسوں میں سندر پانڈیا اور اس کے اتحادیوں کے خلاف پانڈیا جنگ اور راہوآ ملّا کے خلاف چالوکیہ جنگ کی طرح کے بڑے بڑے معرکوں کو تو ولی عہد سلطنت راجا دھیراج نے خود سر کیا لیکن چھوٹی چھوٹی جنگی خدمتیں متعدد باجگزار سرداروں نے انجام دیں مثلاً تمبلی خطے میں چوریا کی جنگ جس میں "گائیں اغوا کر لی گئیں اور عورتوں کے کمربند کھول دیئے گئے." ایسے سرداروں سے چند کا ذکر اس عہد کے کتبات میں ممتاز طریقے سے کیا گیا ہے. ان کا مختصر حال یہاں بھی درج کیا جاتا ہے.

باجگزار راجگان

اس عہد کے شروع میں پانڈیا راجہ شری ولبھ کی بھارانی کا ترُوُدِشلوئر کے مندر کو عطیات دینا، جب شاید راج راجا خود زندہ تھا، یہ ظاہر کرتا ہے کہ پانڈیا راجگان نے بھی بالعموم اطاعت گزاروں کی حیثیت میں رہنا قبول کر لیا تھا. موجودہ ضلع شمالی ارکاٹ کا کچھ حصہ جو برہم دیشم کے آس پاس واقع تھا، راج راجا کی بڑی بہن کنڈ ولی کے شوہر ڈونگار وندیہ دیور کے زیرنگیں تھا جو سامنتوں کا سردار کہلاتا تھا. اس شخص کی دو اور بیویوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے یعنی اندلا دیوی اور مندر گور وتارکند ادیویار جو اپنے نام کے دوسرے حصے کے باوجود اس پر آنکن کند ولی پر اتیار سے مختلف تھی جو ایک چولا شہزادی تھی اور اس عہد کے چوتھے یا پانچویں برس پلیارو کے محل میں رہتی تھی. سامنتوں کے اس راجہ کے نام پر ایک ناڈو کا نام وتورتیار ناڈو پڑ گیا تھا. اور اس عہد کے چوتھے برس میں موجودہ ضلع جنوبی ارکاٹ برس میں موجودہ ضلع جنوبی ارکاٹ کا بہت سا پہاڑی حصہ کسی یادو بھیم کے زیر انتظام تھا جو اتم چولا ملاڈو دیار بھی کہلاتا تھا. اس کے ساتھ آٹھ برس بعد ہم غالباً اسی خطے کو گنگائی کونڈ چولا ملاڈو دتیار کے زیر انتظام دیکھتے ہیں لیکن کتبات میں اس کا ذکر محض اس ضمن میں آیا ہے کہ کال ہستی کے مندر میں ایک چراغ جلائے رکھنے کے لیے اس کی

جانب سے کوئی عطیہ دیا گیا تھا۔ ڈنڈ نائیکن نرائن کرشن رامن جس نے راج راجا
کے فرمان کی تعمیل میں تنجور کے مندر کا احاطہ تعمیر کیا تھا، راجندر اوّل کی ملازمت میں
بھی رہا اور اس کے عہد حکومت کے اختتام تک اس کی ملازمت کرتا رہا۔ اس
کا ذکر سنہ 1044ء تک ہمیں ملتا ہے۔ اس کا بیٹا نارائن آرمولی بھی ایک سیناپتی تھا جو
آتم شولا برہم نارائن کے نام سے بھی موسوم تھا۔ اس نے سنہ 1033ء کے قریب کولار کے
پڈاری کے لیے ایک مندر تعمیر کرنے میں راجندر کی مدد کی تھی۔ اس سیناپتی کے
دو ناموں میں سے پہلا تو اس کا ذاتی نام تھا جس سے امراء اور روٴسا (نارائم)
میں اس کی سماجی حیثیت کا اظہار ہوتا تھا اور اس امر کا بھی کہ اس کی پیدائش
کے وقت سے ہی اس کے والد نے اس کا نام حکمران وقت کے نام پر رکھا تھا۔
اس کا دوسرا نام شاہی فوج میں اس کے عہدے کا نام تھا۔ ننگل کے نواح میں ورلٹ
دیش میں واقع تلسی گرام کے ایک سردار اندل دیو کی بیوی نبلا دیوی نے سنہ 1042ء کے
آس پاس تر و دریوڑ کے مندر کو ایک عطیہ دیا تھا۔ یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا
کہ اندل دیو سرکار کاری افسر تھا یا راجہ کا کوئی جاگیردار سردار ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی تاجر یا
سوداگر ہو جس نے ان دنوں کے اپنے اور بہت سے ہم پیشہ تاجروں کی مانند دور دراز
کے سفر کیے ہوں۔ بہر صورت ان سبھی مثالوں سے راجندر کے اس دعوے کی خاصی
حد تک توثیق ہوتی ہے کہ اس نے میسور کی ریاست اور رٹاپادی کے کچھ حصے تسخیر
کر لیے تھے۔ سب سے آخر میں میسور اور کورگ کے بالترتیب چنگاوا اور کونگاوا راجگان
تھے۔ ہماری تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ کونگالووں نے راج راجا کے تحت کافی شہرت حاصل
کی۔ راج راجا نے منیجا کی شجاعت وجوانمردی کے اعتراف میں اسے "کھشتریہ شکھامنی کونگالوا"
کا خطاب دیا اور مالبی (کورگ) میں جاگیر عطا کی۔ چنگالوں کی ریاست جنگ ناڈ میسور
کے ارکل گوڈ تعلقہ اور شمالی کورگ کے یلوساویر خطے پر مشتمل تھی چنگاوا اور کونگاوا
دونوں خاندانوں کے راجاؤں کے ناموں سے پہلے اس وقت سے چولا نام رکھ دیے اور
ان راجاؤں کے ناموں کے ساتھ چولا شہنشاہ نے اپنے مفتوحہ علاقوں کے چولا نام رکھ دیے
ان راجاؤں کے ناموں کے ساتھ بھی اپنے نام جوڑ دیے جنہوں نے ان کے باجگزار راجہ
کی حیثیت قبول کر لی تھی۔ چند برسوں ہی میں کونگووں نے یہ دعوے کرنے شروع کر دیا کہ وہ

سل میں چولوں ہی کی اولاد ہیں. وہ ان متعدد مقامی تیلگو اور کنڑ خاندانوں کے زمروں
بس شامل ہو گئے جو فرضی روایتوں کی بنا پر خود کو جات چولا کے وسیلے سے راجہ کریکال
اور سورج دیوتا کی اولاد بتاتے تھے.

پڑو | اپنے والد کی طرح راجندر نے بھی متعدد شاندار "بڑو" (القاب) اختیار کر رکھے تھے. ان میں سے راجندر نے بھی گونڈ چولا" اور "پنڈتا چولا" ہیر
ایک جگہ اسے ویر راجندر بھی کہا گیا ہے لیکن راجہ کے مقام کا تعین کرنے میں سب
سے بڑھ کر اس کا گنگائی کونڈ چولا کا لقب تھا. یہ نئی راجدھانی سے تعلق کے باعث
جس کو خود راجہ نے بسایا تھا، امتیازی حیثیت رکھتا تھا اور جسے اکثر سنسکرت
میں گنگا پوری کہتے تھے. اس مشہور شہر کے کھنڈرات میں ہمیں سب سے پرانا
کتبہ جو دستیاب ہوا ہے وہ راج کیسری ورمن ویر راجندر دیو کے عہد کا معلوم
ہوتا ہے. شہر کے شمال میں واقع آبپاشی کے لیے بہت بڑا تالاب جس کا ذکر
ترو والنگاڈو کی تختیوں میں چولا گنگم کے نام سے کیا گیا ہے، مدتوں سے بے مصرف
ہو چکا ہے. اس کے وسیع دامن میں گھنا جنگل اگ چکا ہے. خود راجندراول کے
زمانے میں کتبات میں شاذ ہی اس نئی راجدھانی کا ذکر آتا ہے اور اس کے عہد
کے ساتویں برس سے پہلے کہیں بھی اس کا ذکر نہیں ملتا. اس شہر کو کئی مرتبہ غلطی
سے مڈی گونڈا لو لاپورم سمجھ لیا گیا ہے اور یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ بعد میں جو شہر
گنگائی کونڈا شولاپورم کے نام سے موسوم ہوا یہ اسی شہر کا پرانا نام تھا. لیکن اس
دور کے کتبات سے اس رائے کی تائید نہیں ہوتی. اس کے برعکس مڈی گونڈا
شولاپورم کو پلیارو کا دوسرا نام بتایا جاتا ہے جو مڈی گونڈان کے کناروں پر واقع
ایک گاؤں ہے. جہاں کمبا کونم سے بآسانی پہنچا جا سکتا ہے. پلیارو میں جدید چولا
طرزِ تعمیر کا ایک نفیس نمونہ قدیم شیو مندر ہے لیکن اس میں کوئی کتبہ نہیں ہے. اُن
محلوں کا پلیارو میں البتہ کوئی نام و نشان دکھائی نہیں دیتا جن میں کہا جاتا ہے کہ کندولی
اور راجندر اس کے دورِ حکومت کے آغاز میں قیام پذیر تھے.

راجندر اور اس کے جانشینوں کے عہدِ حکومت کے متعدد کتبات میں
. راجندر کو پورودیشم گنگائی اور کڈارم کا فاتح بتایا گیا ہے. اس بیان کو یقیناً اس

کی دور دراز کی فتوحات کا خلاصہ سمجھنا چاہیئے۔ اور اس کی بنا پر پورو دشیم و نیکتیا کی رائے کے مطابق وینگی نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ خطہ تھا جو مشرقی گھاٹ کے سلسلہ کوہ کے مشرق میں کوشل کے جنوبی حصے پر مشتمل تھا۔

مہارانیاں

راجندر کی مندرجہ ذیل رانیوں کا ذکر اس کے کتبات میں آیا ہے تربھوونا یا وانون مہا دیویار، مکوکاآن، پنچون مادیویار، اور ویرما دیوی جو مشہور ہے کہ راجہ کی موت پر ستی ہو گئی تھی۔ اس کے بیٹوں میں سے تین تو یکے بعد دیگرے اس کے بعد چولا تخت پر بیٹھے یعنی راجا دھیراج، راجندر اور ویر راجندر۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہیں میں سے ہی کوئی چولا پانڈیا نائب السلطنت بھی تھا جس کا لقب جٹا ورمن سندر چولا پانڈیا تھا یا نہیں۔ کچھ اور بیٹوں کے نام بھی دیئے گئے ہیں۔ راجندر کی ایک بیٹی ارو مولی ننگیا ریا پرانار نے اپنے بھائی راجا دھیراج کے عہد حکومت کے اوائل میں تردل واڑی کے مندر کو موتیوں کا ایک بیش قیمت چھتر عطیئے میں دیا تھا۔ اس کی ایک اور بیٹی امنگا دیوی تھی جو مشرقی چالوکیہ حکمران راجہ راجا اوّل کی مہارانی اور سب سے پہلے چولا کیہ تاجدار کلوتنگا کی ماں تھی۔ راجندر کے کتبات میں اس کی تاج پوشی سے لے کر زیادہ سے زیادہ تینتیسویں سال تک کا ذکر آتا ہے اور یہ بات اس حقیقت کے مطابق ہے کہ اس کی موت کا اندراج راجا دھیراج کے عہد کے چھبیسویں برس کے ایک کتبے میں موجود ہے۔ اس طرح راجندر کی وفات ۱۰۴۴ء میں کسی وقت ہوئی۔

(ضمیمہ الف)

مہی پال کے بارے میں

ڈاکٹر ایس. کے آئینگر نے اپنے مقالے "گنگائی کونڈا چولا" میں دریائے گنگا ئی کی مہم کا قدرے مفصل ذکر کیا ہے لیکن میں اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں ان کے فیصلوں کو تسلیم نہیں کرتا. جزوی طور پر ہمارے اختلافات کا باعث یہ بھی ہے کہ ترو ولنگا ڈو کی تختیوں (ا ج. س صفو 554) کی اہمیت ہماری نظروں میں مختلف ہے. میں شری آر. ڈی بینرجی کے اس خیال سے متفق ہوں کہ جس ترتیب سے راجندر کے تامل کتبات میں مختلف ریاستوں اور خطوں کے ناموں کا ذکر کیا گیا ہے اس سے ہم یہ فرض نہیں کر سکتے کہ دنڈ بھکتی کا خطہ دراصل بہار ہے. ڈاکٹر ایس. کے آئینگر کا کہنا ہے کہ "جیسا خود اس کے نام سے ظاہر ہے بہار کسی ریاست یا بڑی سلطنت کی سرحد پر واقع ہوگا جہاں اس کی کسی قوی دشمن سے حفاظت کی بڑی ضرورت ہوگی." میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے. صاحب موصوف نے (صفو 558 پر درج) اپنی اس رائے کی تائید میں کوئی مؤقر شہادت بھی پیش نہیں کی ہے کہ نویں صدی عیسوی کے آخر اور دسویں صدی کے شروع میں مگدھ پر راشٹر کتوں کی اس وقت تک حکومت تھی جب تک راجندر کے پال خاندان سے تعلق رکھنے والے حریف مہی پال نے مگدھ کو بزور ان سے چھین کر وہاں دھرم پال کو اپنا نائب السلطنت

تعینات کر دیا تھا۔ بنرجی نے مہی پال کے عہد کے ابتدائی برسوں میں پال سلطنت کی توسیع کی ان حالات کی روشنی میں بخوبی وضاحت کر دی ہے جن سے محمود غزنوی ("بنگال کے پال راجگان" صفحہ 70) کے حملے کے بعد گرجرا سلطنت کو گزرنا پڑا تھا۔
بنرجی نے راجندر کے ترولمئی کی چٹان پر کندہ کتبات کی تردید میں جو کھشیمیشورا کے چندا کوشکم کی شہادت کا حوالہ دیا ہے وہ مجھے بالکل غلط معلوم ہوتا ہے۔ یہ شخص گرجرا حکمران مہی پال کے تحت دسویں صدی عیسوی میں رہتا تھا۔ (میکڈونل کی "سنسکرت لٹریچر" کا صفحہ 366۔ کیتھ کی تصنیف "سنسکرت ڈرامہ" کا صفحہ 239 اور زیریں حاشیہ ملاحظہ ہو) مہی پال کے ہاتھوں کرناٹوں کی شکست کو، جو ڈرامے میں مذکور ہے، دراصل راجندر کی شکست قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے۔ (موازنہ بہ ایس۔ کے آئینگر حوالہ سابقہ صفحات 559 تا 561)۔
ترووالنگاڈو کی تختیوں کے اشعار نمبر 116 تا 124 میں بیان کیے گئے واقعات کی ترتیب پر اپنے دعوے کی بنیاد رکھتے ہوئے ڈاکٹر ایس کے آئینگر نے اوڈا (شمالی اڑیسہ) کے ایک مہی پال کو بنگال کے نامور پال راجہ سے مختلف ایک دوسرا مہی پال بتایا ہے اور یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "راجندر کے جرنیل کا بنگال کے مہی پال سے براہ راست مقابلہ قطعاً نہیں ہوا" (صفحہ 565) ان کا کہنا ہے کہ اگر تامل کتبات کو صحیح طور پر سمجھا جائے تو وہ اسی نظریے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اسے ثابت کرنے کے لیے وہ Epigraphia Carnatica (کرناٹک کے کتبات) تامل کتاب میں دیے ہوئے راجندر کے تامل کتبات کا حوالہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ضلع بنگلور میں چنا پٹنا کے کتبات نمبر 84 میں غالباً صحیح متن دیا ہوا ہے۔ "توڈو۔ کڈر۔ شنگوٹا۔ مہی پالنئی" جس کا ترجمہ وہ یوں کرتے ہیں۔ "سمندر کو چھونے والے سگنم (سنگم!) کا اوڈا مہی پال" وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تامل میں اگر یہ تینوں الفاظ کہے جائیں تو۔ "توڈو۔ کڈر۔ چنگم" ہوں گے۔ جن کے معنی ہیں "دریا کا دہانہ جو سمندر کو چھوتا ہے" (صفحہ 564۔ 565) ایک لمحے کے لیے اگر ان الفاظ کی تکرار کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو ہم یہ جاننا چاہیں گے کہ "سنگم" کے بعد اگر "اوڈا" آجائے تو وہ "شنگوٹا" کیسے بن جاتا ہے اور "شنگم ووڈا" کیوں نہیں بنتا، جیسا کہ ہونا چاہیے تھا۔ پہلے بھی اس امر کی

جانب اشارہ کر چکا ہوں کہ تنجور کے کتبہ (سلسلہ نمبر II ۔(ii)۔ نمبر شمارہ 2-1-7) کی عبارت نمایاں طور پر یوں پڑھی جاتی ہے: "تونڈو۔ کلر چنگو۔ وونڈل سی پالنتی" اس عبارت کو ہلتش نے اپنی مرضی سے بدل کر "تونڈو۔ کلر چنگو۔ وومل کر لیا۔
(EI-x-i۔ صفر 232۔ ذیلی حاشیہ نمبر ۵)۔ اصل عبارت تو بلاشبہ وہی ہے جو تنجور کے کتبے میں درج ہے اور اس کے صحیح معنی ہیں کہ قوی مہی پال کس طرح سے گرفتار ہو گیا۔ وہ کس طرح گرفتار ہوا اس کے متعلق ہمیں کوئی علم نہیں۔ پھر بھی اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ جیسا بہت سال پہلے کیل ہارن نے خیال ظاہر کیا تھا یہ قوی مہی پال یقیناً بنگال کا پال حکمران تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شری بنرجی کے اس دعوے کے ردِ عمل میں ڈاکٹر ایس کے آئینگر غیر دانستہ طور پر بہت دور چلے گئے ہیں۔ ان کا خیال "چنڈ کوشکم" کے ایک غلط حوالے پر مبنی ہے کہ مہی پال نے راجندر کو شکست دی یا کم سے کم اسے دریائے گنگا کو عبور کرنے سے روکنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن چولا جرنیل کی طرف سے یہ عذر کہ بنگال کے مہی پال سے اس کا مقابلہ ہی نہیں ہوا، بالکل کمزور دلائل پر مبنی ہے۔ لیکن میں تسلیم کرتا ہوں کہ ترد کو ئیلور کے ایک کتبے (۵ ۰ ۹ ۱ کا نمبر 128) میں یہ عبارت درج ہے: "شنگوڈ۔ اوٹا۔ مہی پالنتی"۔ ایک سو سے زائد کتبات جن کا میں نے مطالعہ کیا ہے میں سے یہ واحد مثال، میرے خیال میں کتبے کو کندہ کرنے والے کی غلطی تھی۔

میرا خیال ہے کہ ترووالنگاڈو کی تختیوں کے اولین چار اشعار میں دریائے گنگا کی تلاش میں جانے والے جرنیل کی مہم کا احوال مکمل ہو جاتا ہے۔ اسی میں مہی پال کی شکست بھی آجاتی ہے (نمبر 119) باقی اشعار میں راجندر کے دیگر کارناموں کا بیان ہے۔ اشعار نمبر 120 اور 121 میں بتایا گیا ہے کہ راجہ نے اپنی راجدھانی کو لوٹنے سے پہلے خود "اوڈا" اور اس کے چھوٹے بھائی کے خلاف مہم کی قیادت کی۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں مہی پال کا کوئی ذکر نہیں آیا ہے (122)۔ اس مہم میں راجہ نے اوڈا حکمران اور اس کے بھائی کو موت کے گھاٹ اتار دیا یا شکست دے دی اور ہاتھیوں کی شکل میں خراج وصول کیا۔ ہندر گری کے چری کتبے (۶ ۹ ۸ ۱ کا نمبر 396) میں درج ہے کہ راجندر نے ولادیتہ کو جو "کلوتیشورا" تھا، شکست دی۔

اور بہت سے ہاتھی فاتح کے حوالے کر دینے پر مجبور کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حوالے ایک ہی مہم کے متعلق ہیں۔ لیکن یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں۔ ہے کہ یہ مہم راج راجا کی حیات ہی میں عمل میں لائی گئی تھی اور اس کا ذکر ہی یہاں بے موقعہ کر دیا گیا ہے یا راجندر کے عہد حکومت کے دسویں سال کے آس پاس بھیجی گئی تھی اور اس کا ذکر کسی وجہ سے تامل پرشستی میں آنے سے رہ گیا ہے۔ میں مجموعی طور پر دوسرے قیاس کو صحیح مانوں گا۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ شعر نمبر 122 کے مطابق "کٹاہ" کے خلاف فوج کشی سے پہلے ہی راجہ اپنے دارالسلطنت کو واپس آگیا تھا۔ شعر نمبر 123 اپنے خلاصے میں ڈاکٹر ایس۔ کے۔ آئینگر نے اس ترتیب کو پلٹ دیا ہے (صفحہ 564) اور یہ رائے ظاہر کی ہے کہ کڈارم کے خلاف مہم کالنگا کے ساحلی خطے سے بھیجی گئی تھی (صفحہ 566) وہ مزید لکھتے ہیں کہ راجندر کے سبھی کتبات یہ بتاتے ہیں کہ وہ گنگا کے دہانے تک پہنچا اور اس نے اڑیسہ کو مطیع کیا اور وہیں سے سمندر پار کی جنگی مہم روانہ ہوئی ایسا کہتے ہوئے وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ راجندر کے عہد حکومت کی مختلف فوجی مہمات کی علیحدہ علیحدہ شناخت ہم کو اس طرح کرنی ہے کہ "تردمنی ولرا" کی تمہید میں جو اضافے مسلسل ہوتے رہے ہیں ان کے ساتھ مطابقت قائم رہے۔ بارھویں برس کے کتبات کا اختتام دریائے گنگا کی جانب بھیجی گئی مہم پر ہو جاتا ہے اور سمندر پار بھیجی جانے والی مہم کا ذکر اس عہد کے چودھویں برس سے قبل شروع نہیں ہوتا۔ اور یہ محض ایک اتفاقیہ بات نہیں ہو سکتی کہ ترووالنگاڈو کی تختیاں ان سبھی مراحل میں یہی بتاتی ہیں کہ راجہ اپنے دارالخلافہ کو واپس آگیا تھا۔ ڈاکٹر ایس کے آئینگر کے طریقہ تشریح کے مطابق ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ راجندر نے لنکا پر چڑھائی بالکل شروع ہی کی جو بظاہر ایک غیر ممکن بات معلوم ہوتی ہے۔

بہار واڑیسہ کی تحقیقی انجمن کے جریدہ (1928۔ جلد 14۔ صفحات 512 520) میں راجندر کی دریائے گنگا کو بھیجی گئی مہم کے متعلق ڈاکٹر ایس کے آئینگر کے نظریات کا جائزہ شری آر ڈی بینر جی نے لیا ہے۔ "دنڈ بھکتی" کے محل وقوع اور جیسی کہ ڈاکٹر آئینگر کی رائے ہے، بہار میں ایسے کرناٹوں کی موجودگی کو جنہیں وہاں جنگی جاگیر ملی ہوئی تھی تسلیم کرنے میں جو مشکل ہے اس کی بابت میں مسٹر بینر جی کی رائے سے متفق ہوں میرے

خیال میں بنرجی یہ رائے قائم کرنے میں بھی حق بجانب ہیں کہ ترو والنگاڈو کی تختیوں کا مصنف "ہندوستان کے نقشے پر ان مقامات کے محل وقوع کے متعلق بہت دھندلا تصور رکھتا تھا" اور یہ کہ "پروفیسر آئینگر جنہوں نے کلی طور پر ترواولنگاڈو کی تختیوں کے اندراجات ہی پر اعتماد کرلیا ہے اور انہیں ترو ملئی کے چٹانی کتبات پر ترجیح دی ہے نمایاں طور پر لاجواب نظر آتے ہیں۔" چولا افواج کے اختیار کردہ راستے کی بحث کو وہ یہ کہہ کر ختم کرتے ہیں کہ "جنوب کی جانب سے بنگال اور بہار پہنچنے والی کوئی بھی فوج ونگا اور اُتر وادھا پہنچنے کے لیے یقیناً آمدورفت کا وہی قدرتی راستہ اختیار کرے گی جو اڑیسہ، مدناپور، ہگلی اور ہاوڑہ سے ہوکر گزرتا ہے اور یہی راستہ ترو ملئی کے چٹانی کتبے میں درج ہے۔ لیکن ترو ملئی کے چٹانی کتبے میں اس مہم کے متعلق جو تفصیل دی ہوئی ہے۔ اس کو بنرجی یکسر نظرانداز کر دیتے ہیں جب وہ یہ کہتے ہیں کہ چولا افواج چلکا جھیل سے سمندر کی ساحل کے ساتھ ساتھ چلتی رہیں اور اندرونی علاقے میں صرف ایک بار کوشل کی ریاست میں داخل ہوئیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مشرقی بنگال کے چندرا خاندان کا راجہ گووند چندرا غالباً مہی پال اوّل کا باجگزار بن گیا تھا۔ لہٰذا اس کی طرف سے مزاحمت کا خطرہ ہوسکتا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ مہی پال پر حملہ کرنے سے پہلے گووند چندرا سے نپٹنا ضروری ہوگیا۔ ایک ایسے شخص کا جو پال خاندان کی تاریخ پر مکمل عبور رکھتا ہے، یہ بیان اس لحاظ سے کارآمد ہے کہ یہ ایک طرف راجہ دنشورا، دھرم پال، اور گووند چندرا، اور دوسری طرف مہی پال کے باہمی تعلقات کے متعلق ہمارے نظریے کی تائید کرتا ہے اس بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بنرجی نے "بنگال کے پال راجاؤں" کے بارے میں اپنے مقالے میں ترو ملئی کے چٹانی کتبات کی جو تشریح پیش کی تھی، وہ خود اس سے انحراف کر رہے ہیں۔ یہ تشریح یوں تھی کہ بنگال بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ اس رائے کا حوالہ اور اس پر تبصرہ اس سے پہلے کے ابواب میں کیا جاچکا ہے۔

ڈاکٹر ایس کے آئینگر کے خلاف بنرجی یہ الزام بھی دیتے ہیں کہ وہ ایک غیر جانبدار اور تنقیدی مورخ نہیں تھے۔ وہ اپنے اس خیال کو ایسے دلائل سے تقویت دینے کی کوشش کرتے ہیں جو تنقیدی جائزے کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے

اور ان سے اُلٹے خود بنرجی پر غیر ناقدانہ جانبداری کا الزام عائد ہوتا ہے۔ بنرجی کا
یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ آئینگر راجہ گووند رام چہارم کی کھمبایت کی تختیوں کے وجود کو
بھول گیے ہیں۔ ان تختیوں سے جو تاریخ مرتب ہو سکی ہے، اس کا خلاصہ پیش کرنے میں
بنرجی نے لفاظی سے زیادہ کام لیا ہے اور دیانتداری سے کم۔ یہ خلاصہ انھوں نے
ذیل کے الفاظ میں پیش کیا ہے۔ "اس کے جلد بعد (یعنی مہی پال اوّل کی تخت
نشینی کے بعد) گرجر پرتیہارا سلطنت عظیم راشٹرکٹا فاتح اندرا سوم کے حملوں کے
باعث تاخت و تاراج ہو گئی۔ درحقیقت اس نوجوان شہزادے نے ہندوستان
میں گرجر پرتیہارا کی نزدیک مہلک ضرب لگائی۔ اس نے ماہ نو پر حملہ کیا، اجین
فتح کر لیا، کالپی کے نزدیک جمنا کو عبور کیا، قنوج کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اپنے
جرنیل چالوکیہ سردار نرسمہا کے مقابلے میں مہی پال کو الہ آباد کی طرف بھاگ نکلنے
پر مجبور کر دیا۔ راشٹرکٹا فوج کے واپس چلے جانے کے بعد مہی پال اوّل قنوج واپس
آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے باجگزاروں اور گورنروں کے ماتحت مختلف
صوبجات آزاد ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ گرجر پرتیہارا خاندان کے کسی مہی پال نے
کسی بھی کرناٹکی فوج یا سردار کو کبھی شکست نہیں دی تھی اور اس لیے اس
بدقسمت راجہ کے سامنے چنڈ کوشکم کے ناٹک کی تخلیق کا خیال پروفیسر آئینگر کی سراسر
ستم ظریفی ہے۔

گووند کی کندہ کرائی ہوئی کھمبایت کی تختیوں کی تالیف دادارت ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر
کی ہے جن کے ذہن میں دتو راجندر اور نہ بنگال کے والی مہی پال کے متعلق
کوئی پہلے سے سوچے سمجھے ایسے تصورات موجود تھے جن کی انھیں حمایت کرنا مقصود ہوتا
اس لیے ان تختیوں اور دوسرے عصری کتبات کی روشنی میں انھوں نے اندرا م
سوم اور پرتیہارا راجہ مہی پال اوّل کے باہمی تعلقات کو جس طرح سمجھا ہے، اس کا
جائزہ لینا خالی از دلچسپی نہیں۔ ان تختیوں کے شلوک ۱۹ کی تاریخی اہمیت پر پوری
طرح بحث کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں۔ "لیکن مہودیا کی مکمل تباہی جس کے لیے اندرا
سوم کو ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے محض ایک شاعرانہ مبالغہ ہے کیونکہ شاعر کا مقصد محض
"مہودیا" اور "کشستھلا" کے الفاظ سے مختلف معنی پیدا کرنا ہے۔ یہ اس بات سے

بھی ظاہر ہے کہ اسس واقعہ کے تحریر ہونے کے مدتوں بعد تک قنوج برابر شمالی ہند پر حکومت کرنے والے کئی راجاؤں کی راجدھانی بنا رہا۔ اندرا سوم نے مہوتیا پر یا قنوج پر حملہ کرنے کے علاوہ اگر کچھ اور بھی کیا تو اسس کا پتہ مذکورہ شعر سے نہیں چل سکتا لیکن دوسرے کتبات کی مدد سے ہم اسس کا صحیح پتہ لگا سکتے ہیں۔ ان کتبات کے ایک محتاط مطالعہ کے بعد جو اتنا طویل ہے کہ یہاں دوہرایا نہیں جا سکتا، پروفیسر بھنڈارکر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگرچہ اندرا کچھ عرصے کے لیے مہی پال کو اسس کی ریاست سے محروم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن جلد ہی اسس کا تاج وتخت بنگال کے پال خاندان کے حکمران دھرم پال اور چندیل راجہ ہرشن دیو کی مشترکہ کوششوں سے اسے واپس دلا دیا گیا۔ لہٰذا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "چنڈ کوشکم" کی تمہید میں دیے گیے اس اسس شعر کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے تمام مطلوبہ عناصر ہمارے پاسس موجود ہیں جس میں کچھ قدرتی مبالغہ آرائی کرکے قنوج سے کرناٹوں کے اخراج کو مہی پال سے منسوب کر دیا گیا ہے لیکن جو واقعتاً مہی پال کے اتحادیوں کا کارنامہ تھا۔ "چنڈ کوشکم" کے اسس شعر میں دراصل چندرگپت موریہ کے لیے کوٹلیہ کے نندراجاؤں کو تخت وتاج سے معزول کرنے کی کہانی یاد دلا کر یہ بات واضح کر دی گئی ہے۔ کہ مہی پال کو تخت وتاج واپس دلائے جانے کا سبب بھی کچھ ایسا ہی تھا یعنی تخت وتاج کی اسس بازیابی کے پس پردہ سیاسی حکمت عملی اور بدیشی حملے کارفرما تھے۔

اسس طرح کھمایت کی تختیاں اور اسس عہد کے دیگر کتبات ہمیں اسس نتیجہ پر لاتے ہیں کہ "چنڈ کوشکم" نامی ڈرامہ گرجر پرتیہارا خاندان کے حکمران مہی پال اوّل کے روبرو کھیلا گیا تھا اور یہ پال خاندان کے مہی پال کے زمانے سے تقریباً ایک صدی پہلے کی بات ہے گو آر ڈی بنرجی اسس ڈرامے کو موخرالذکر عہد سے منسوب کرتے ہیں (دیکھئے سٹین کوناؤ کی تصنیف "انڈسٹے ڈرامہ" صفحہ 87 اور جرنیل آف اورینٹل ریسرچ مدراسس R. O. J. صفحہ ۱۹۱ و صفحات ذیل)۔

ضمیمہ ب

گنگائی کونڈا شولاپورم

1855ء کی مطبوعہ ایک مقامی تصنیف میں جو اب نایاب ہے، اس مقام کا مندرجہ ذیل حال شائع ہوا تھا۔ ایک بار Indian Antiquary (۱۷) کے صفحہ 274 پر اسے شائع بھی کیا گیا تھا۔ یہاں بھی اس کا بیان بے محل نہیں ہوگا۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اُڈیار پالائیم تعلقہ میں شمال سے جنوب کی طرف سولہ میل لمبا ایک بندھ بنا ہوا ہے جس میں بڑی بڑی موریاں رکھی گئی ہیں۔ یہ بندھ بہت مضبوط ہے اور یقیناً یہ ہندوستان کے بڑے آبی ذخائر میں سے ایک رہا ہوگا، یہ بہت بڑا تالاب یا جھیل جزوی طور پر دریائے کولیرون سے اُوپر کی طرف نکلنے والی ساٹھ میل لمبی ایک نہر کے ذریعے سے بھرا جاتا تھا جو اس کے جنوبی کنارے میں داخل ہوتی ہے اور کچھ دریائے ویلار سے نکلنے والی ایک مقابلتاً چھوٹی نہر کے ذریعے سے بھرا جاتا تھا جو اس کے شمالی کنارے میں آکر گرتی ہے۔ ان دونوں نہروں کے نشانات ابھی باقی ہیں۔ تالاب بہت سالوں سے برباد اور بے مصرف پڑا ہوا ہے اور اس کی تمام دہراب اونچے اور گھنے جنگل

اُگے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی بربادی دانستہ طور پر ایک حملہ آور فوج نے کی تھی۔ اس بندھ کے جنوبی سرے کے نزدیک گنگا کنڈ پورم نامی ایک گاؤں ہے جو اب جنگلات سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے بارے پڑوس میں ایک بہت بڑا بیش قیمت بدھ مندر (پگوڈا) ہے اور اس کے قریب ہی جنگلوں سے گھرے ہوئے قدیم عمارات کے کچھ کھنڈر ہیں جو اب اُن ٹیلوں اور ملبے کے ڈھیروں کی طرح ہو گئے ہیں جو قدیم یونانی شہر بابل کا پتہ دیتے ہیں۔ ان میں گاؤں کے بڑے بوڑھے ایک بڑے وسیع اور پُرشوکت قصر شاہی کے مختلف حصوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ جب یہ محل آباد تھا تو گنگا کنڈ پورم ایک بادشاہت کی متمول اور خوشحال راجدھانی تھی اور یہ وسیع تالاب میلوں تک پھیلے ہوئے ایک بڑے علاقے میں زرخیزی کا باعث تھا جو اب دشوار گزار اور گھنے جنگل کے نیچے آچکا ہے۔ کئی بار اس عظیم الشان بندھ کو اپنی اصلی حالت میں لانے کا منصوبہ بنایا گیا لیکن یہ تجویز انجینیروں کی کمی کے باعث ہمیشہ معرض التوا میں رہی۔ ممکن ہے مستقبل میں کبھی اس اسکیم پر کامیابی سے عمل ہو سکے۔ لیکن اس وقت تک یہ زرخیز خطہ جنگل ہی رہے گا اور یہاں کے باشندے جو بہت قلیل تعداد میں ہیں۔ آئندہ بھی فخر کے ساتھ اپنے قدیم فرمانرواؤں کے اس بندھ کا ذکر ان کے ایک عظیم الشان کارنامے کی حیثیت سے کیا کریں گے اور اس کا مقابلہ اپنے موجودہ حکمرانوں کے تعمیری منصوبوں سے کمال تحقیر کے ساتھ کیا کریں گے اور گنگا کنڈ پورم کے عالی شان مندر کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ جب زیریں کولیرون کی "اینکٹ" تعمیر کی گئی تو اس کے لیے سامان تعمیر حاصل کرنے کی غرض سے اس مندر کی سنگلاخ پتھر کی بیشتر مورتیوں کو توڑ دیا گیا تھا۔ یہاں کے غریب باشندوں تھا اور اس کی چار دیواری کو بھی مکمل طور پر منہدم کر دیا گیا تھا۔ یہاں کے غریب باشندوں نے اس قابلِ احترام عمارت کی اس طرح غارت گری کو روکنے کی انتہائی کوشش کی جو ایک ایسی حکومت کے کارندوں کے ہاتھوں کی جا رہی تھی جس کا اس عمارت پر کوئی حق نہیں تھا لیکن یہ کوشش ناکام رہی یہی نہیں بلکہ ان غریبوں کو حکومت کی توہین کے الزام میں سزا بھی دی گئی۔ البتہ ایک وعدہ یہ کیا گیا کہ مسمار شدہ پتھر کی دیوار کے بدلے میں اینٹوں کی ایک دیوار تعمیر کر دی جائے گی لیکن افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ یہ وعدہ کبھی ایفا نہیں کیا گیا۔

دسواں باب

حاشیے

(1) EI – viii صفحہ 26

(2) دیکھئے گذشتہ صفحہ 183 حاشیہ 76

(3) 1917 کا 196

(4) 1927 کا نمبر 118 (ساتویں سال کا)

(5) 1917 کا نمبر 118

(6) 1888 کا نمبر 118 (SII، iv - نمبر 223)

(7) دیکھیے 1888 کا نمبر 117، SII - iv - نمبر 222

(8) ARE - 1906، II، 13 - یہ بات کرن دئی (ضلع تجور) کی تختیوں کے بارے میں صحیح ہے۔

(9) EI - ix - صفحہ 218

(10) ہلنش کہتا ہے۔ "معلوم ہوتا ہے کہ راجا دھیراج اپنے پیش رو (راجندر چولا اوّل) کا معاون نائب السلطنت تھا اور وہ اپنے پیش رو کی وفات سے پہلے مکمل شاہی اختیارات کا استعمال نہیں کرسکتا تھا۔ یہ ہمارے نکالے ہوئے اس نتیجے کے مطابق ہے کہ اس کے جو بھی کتبات اب تک دریافت ہوئے ہیں، ان سب پر اس کے عہد حکومت کے آخری حصے کی تاریخ درج ہے یعنی چھبیسویں اور بتیسویں سال کے درمیان کی۔" SII - iii صفحہ 52۔ جب ہلنش نے یہ رائے ظاہر کی تب 1894 کا کتبہ نمبر 172 (تروکلوکزم کا کتبہ) جو چھبیسویں سال کا ہے، سب سے پرانا کتبہ تھا جو اس عہد کے متعلق دریافت ہوا تھا۔ اس کے بعد یہ اطلاع ملی کہ 1925 کے نمبر 484

(دسویں سال) اور 1921 کے نمبر 392 (اٹھارویں سال کے) میں تنگلیر کی تہید .. دریافت ہوتی ہے۔ لیکن ان کتبات کے عکس دیکھنے سے مجھے معلوم ہوا کہ ان دونوں پر چھبیسویں سال کی تاریخ درج ہے۔ تاہم ممکن ہے کہ جلوس کے اس سے پہلے کے برسوں کے کتبات میں خواہ کوئی پرشستی شامل نہ ہو لیکن ان میں راجا دھیراج کے نام کے ساتھ شہنشاہوں والے القاب شامل کیے گئے ہوں جیسے "ترکبھوان چکرورتن" (1927 کا نمبر 247) اور "چکرورتگل" (1922 کا نمبر 124) جیسے القاب واقعی راجا دھیراج اوّل کے لیے آئے ہیں۔ مزید دیکھئے 1929 کے نمبر 244'

(11) 1895 کا نمبر 75-11-2 تا 4-(SII-V-633)۔ ان سطور کا مفہوم اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ راجا دھیراج کو اپنی ریاست اپنے والد سے وراثت میں ملی تھی۔

22' II ' 1913 -ARE

(12) فلیٹ (Fleet) -EI ، xii-صفحات 295-96

(13) Journal of the Hyderabad Archaeological Society

مطبوعہ 1916ء صفحہ 19' اور ذیل صفحات۔ نیز دیکھئے IA - xliv صفحات 15-213

(14) 70 -V

(15) فلیٹ اسے سومیشور اوّل سے منسوب کرتا ہے۔ بمبئی گزٹ - ii ' I - صفحات 427 '441

EI-xiii صفحات 180-82-

(16) 1912 کا 615

(17) ڈاکٹر ایس کے آئینگر کو یہاں بظاہر کوئی مشکل درپیش نہیں ہے۔ اس کا کہنا ہے "جنوبی ہند کی تمام تاریخ میں زبردست سرحد یعنی رائچور لمبے دوآبے پر مکمل قبضہ کرنے کے بعد اس نے شمال کی جانب راشٹرکوٹا سلطنت کے جنوبی کنارے پر اضلاع میں پیش قدمی کی" ("گنگائی کونڈا) چولا" ثانی تصنیف" صفحہ 144۔ شمال کے لفظ پر میں نے زور دیا ہے) ممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ فوجیں میدان جنگ میں لڑی ہوں۔

(18) 1912 کا نمبر 103

(19) 1897 کا نمبر 50 - 1907 کا نمبر 489

(20) 1890 کا نمبر 14، 1902 کا نمبر 367: ایپاڈی سے ملنے والے پانچویں سال حکومت کے کتبے میں آگے شاندی ستیوونک کی فتوحات درج ہیں لیکن چوں کہ اس کتبے میں اس عہد کے پچیسویں برس کا ذکر آیا ہے لہٰذا یہ بہت بعد میں کندہ کیا گیا ہوگا اور اس کو باور کرنے میں احتیاط کی ضرورت ہوگی۔

(21) C.V.-ii- صفحہ xiii

(22) ہلٹش (SII-iii- صفحہ 28) نے یوں ترجمہ کیا ہے۔ "ایلم کے راجہ کا تاج — وہ راجہ جو پیکار میں سمندر کی طرح تند اور طوفانی تھا۔" لیکن "پوروکنڈل ایلتر اشر تموڈنم" کے جملے میں "پوروکنڈل" ایک صفت ہے "ایلم کی" کی "اراشر" کی۔ ملاحظہ ہو EI-IX صفحہ 233 "اراشر" اور "اوروپوتر" میں جو اسم جمع استعمال کیا گیا ہے اس کا مقصد یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہاں موروثی تاج شاہی کا ذکر ہے۔ C.V. کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے جو اس کے آگے دیا گیا ہے۔

(23) C.V. باب 55، vv صفحہ 16- اور اس کے آگے کے صفحات۔ اس سے پہلے کے تین اشعار میں یہ کہا گیا ہے کہ گھوڑوں کے ایک سوداگر نے چولا راجہ کو اس جزیرے میں پھیلی ہوئی افراتفری کی خبر دی جو حملے کی محرک بنی۔ کہانی کا یہ حصہ شاید راجندر کے حملے سے تعلق رکھتا ہے جس کا C.V. میں کسی اور طرح ذکر نہیں ہے۔

(24) "چن پنیکا دھاتو کا" جسے جیجر بدھ کے مقدس آثار میں شمار کرتا ہے، سنہالی حکمرانوں کے شاہی نشانوں میں بہت بیش قیمت نشان سمجھا جاتا تھا۔ وہ ستہالاس کا ترجمہ یوں کرتا ہے "اور ماتھے کی مقدس پٹی":

(25) 1909 کا نمبر 242 (ساتویں برس کا)

(26) 1912 کے نمبر 595، 618 (SII-iv- 1414، 1383)

(27) 1896 کا نمبر 22- 1911 کا نمبر 211

(28) سایر بی پڈائی سے مراد ہے "فاتح فوج" "شنیگدر ریائی" کے لفظی معنی بھی یہی ہیں چاہئے وہ "سورج" اس کے خلاف دیکھئے ہلٹش EI-ix صفحہ 233

(29) 1897 کا نمبر 29 (SII-ii-92)، 1907 کا نمبر 74 (آٹھویں سال کا)

(30) 1917 کا 363

(31) vv-89 ص 97

(32) 1907ء کا نمبر 46

(33) 1317ء کا نمبر 363

(34) 1905ء کا نمبر 112

(35) 1916ء کا نمبر 617

(36) TAS-iv صفحات 134-35

(37) 1896ء کا نمبر 49

(38) فلیٹ DKD-436

(39) رنگا چاری-بلاری 279، 471ء EC-Kii-SK-220، 307

(40) بلتش نے "پیٹن گوڈولی بگا" کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: "خوف کے مارے اور انتقام کے جذبے سے بھر کر" (EI-IX-صفحہ 233)۔ "پلی" کے معنی بعض جگہ "انتقام" کے لیے گئے ہیں، لیکن یہاں اس کے معنی یقیناً کچھ اور ہیں یعنی "بدنامی"۔ مفہوم یہ ہے کہ فرار ہو جانے کے سبب وہ بطور حکمران اور بطور سپاہی اپنی نیک نامی اور شہرت گنوا بیٹھا۔" "تو ندی کلپ پیرولی گم" کا جملہ صاف واضح نہیں ہے بلتش نے اس جملے کو رشا پادی کی جنگی مہم سے غیر متعلق قرار دے کر سمجھنے کی کوشش کی ہے اور اس کا ترجمہ "عظیم پہاڑ جو (کبیر کے) نو خزانوں کا حامل تھا" کیا ہے۔ یہ بے عیب لفظی ترجمہ ناقابل فہم ہے۔ بلتش نے اس امر کی وضاحت نہیں کی کہ وہ خود اس کا کیا مطلب سمجھا ہے۔ دوسری جانب ڈاکٹر ایس کے آئینگر کا خیال ہے کہ یہ ایک جگہ کا نام ہے جس کی شناخت نہیں ہو سکتی اور جو نو ندھی کلا میں واقع ہے جیسے تامناتی کوتم پنج پلی اور ماشونی دیشا (دیکھیے سی ڈیل کی تصنیف "Historical Inscriptions" صفحہ 65۔ حاشیہ) لیکن "کوتم" نے "پلی" اور "دیشا" کے برعکس "کلا" کے لفظ پر کسی جگہ کے نام کا ختم ہونا غیر ممکن سا لگتا ہے۔ میرے خیال میں یہ تمام عبارت ایک طرح کی لفاظی ہے محض یہ بتانے کے لیے کہ راجندر کے ہاتھ کثیر خزانہ لگا۔ "کلپ پیرو طائیگل" کے الفاظ قدیم قصے کہانیوں میں مذکور "کل پرڈتوں" کی طرح خزانے کی کثیر مقدار ظاہر کرتے ہیں۔ "نو ندھی" اگرچہ معمول کے طور پر کبیر (دیوتا) کے

لازمی نشانوں میں شامل ہے لیکن یہاں اس کا ذکر چالوکیہ شہنشاہ کے خزانے کے مختلف اقسام ظاہر کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ مقابلہ کیجئے۔ "گل دھنم۔ اکھلیش شماکتوا بھتم اولبیا پلانے تم چکار" (V-105) جو ترووالنگاڈو کی تختیوں میں اسی ضمن میں آیا ہے۔

(41) SII- ii۔ صفحہ 94-95، حاشیہ نمبر 4: ڈاکٹر ایس کے آئینگر سکی کو زیادہ قرین امکان بتایا ہے اور ہلتش کا بھی یہی خیال ہے۔

(42) 99-108

(43) V-101، SII-iii صفحہ 423۔ مقابلہ کیجئے کرن رئی۔ V-62 سے۔

(44) IA-iii V-18، فلیٹ DKD-436، EI-xii صفحات 296-96۔ ترووالنگاڈو کی تختیوں کے اشلوک نمبر 103 کا جو ترجمہ کرشن شاستری نے کیا ہے وہ غلط ہے کیونکہ اس میں یہ مفہوم نکالا گیا ہے کہ رٹا راجہ جنگ میں مارا گیا۔ "پر کھنڈتا" کا مطلب ہے۔ "شکست کھائی" نہ کہ "ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا"۔

(45) 1917 کا نمبر 23۔ دیگر کتبے بھی اسی مجموعے کے نمبر 24، 30 اور 31 ہیں۔

(46) 1917 کا 751

(47) V-71، EI، xxv صفحہ 261۔ اس اشلوک کی وضاحت کے لیے دیکھئے "Eastern Calukyas" صفحات 221، 22، حاشیہ نمبر 2

(48) ترووالنگاڈو کی تختیوں میں سے سمہا کو "کالی کا مسکن" بتایا گیا ہے (سایم کیرا شرایم) اور اوڈرا کے حکمران کے متعلق مخصوص طور پر بتایا گیا ہے کہ وہ گلی راجہ کے احکام بجالایا (ایضاً۔ V-120، صفحہ 400)۔ مزید دیکھئے "Eastern Calukyas" صفحات 223-24

(49) V-109۔ مقابلہ کیجئے کرن رئی۔ V-64 سے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ گنگا کا پانی ان راجاؤں کے سر پر اٹھوا کر لایا گیا جو گنگا کے کنارے رہتے تھے۔ نیز دیکھئے چارالا کی تختیاں V-71۔

(50) ڈاکٹر ایس کے آئینگر اس کو زیادہ صحیح سمجھتا ہے کہ فاضل راجندر کے جو پنڈت چولا کہلاتا تھا خیالات میں "شلپدی کا رم" میں چیرا سنگوٹون کے کارنامے پڑھ کر یہاں بپا ہو گیا (دیکھئے "گنگائی کونڈ شولاتھ صفحہ 99)۔ ہم کو حیرت ہوتی ہے کہ کیا راجندر ایسا

خیالی پلاؤ پکانے والا آدمی تھا۔ تاراتی تامل شاعر نے راجندر کے مقصد کے بارے ایک اور اندازہ (اتیر یکیشا) لگایا ہے جو کم قابل قبول نہیں ہے۔ راجندر کی گفتگو یا گذرے ہوئے واقعات کے متعلق اس کی یادوں کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے لیکن کیا اس میں کوئی بات ایسی بھی ہے جس کی وضاحت درکار ہو؟ قدیم ہندوستانی شہنشاہیت کا معیار تھا "اتھان" اور "وجی گیشا"۔ کسی بھی راجہ کی طاقت کا اندازہ اس نے تسخیر کردہ علاقے کی وسعت اور غیر ممالک پر کیے گئے اس کے کامیاب حملوں کی تعداد سے کیا جاتا تھا۔

(51) 1911 کے نمبر 476 میں گیارہویں سال کا اس کا ذکر ملتا ہے۔ دسویں سال کے کتبے میں نہیں ملتا۔ مفصل احوال سب سے پہلے بارہویں سال کے کتبوں میں دکھائی دیتا ہے۔ SII-1-68، 1908 کا نمبر 467۔

(52) v v - 110 - 118۔

(53) راجندر کی یہ تعریف نوٹ کیجیے۔

(54) راجندر چولا کے دو سنسکرت کے کتبوں میں جو مہندر گری سے ملے ہیں اور راجندر چولا کے تامل کتبوں سے 1896 کے نمبر 396، 397 اور SII-v- نمبر 1351۔ 1352 میں عام طور پر کالنگا اور اوڈرا کے خلاف لڑی گئی راجندر اول کی اس جنگ کے حوالے پائے جاتے ہیں۔ ASI 1911-12 صفحات 171-72؛ TAS-iii صفحات 119-20۔ اس پر ڈاکٹر وینکٹا رمنیا کا اعتراض (دیکھیے "Eastern Calukyas" صفحہ 225۔ حاشیہ نمبر ا) بے بنیاد سا معلوم ہوتا ہے۔

(55) دیکھیے EI-ix- صفحہ 233۔ نیچے دیے ہوئے حاشیے میرے ترجمے کی تبدیلیوں کی پوری طرح وضاحت کر دیتے ہیں۔

(56) ہلتش کا ترجمہ یوں ہے، جس کے قلعوں پر بادلوں کو چھونے والے بلند پرچم لہراتے تھے۔ لیکن متن سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

(57) یہاں ترجمے کی بنیاد 1923 کے 176 کے پڑھنے پر ہے "کا نرائی ونگر نام نایکوتم"

(58) ایک جگہ "وشیلائی دیپرر" کی جگہ پر "دبنجا دیرر" دیا گیا ہے

(59) نوڈ ولائی کے چٹانی کتبے کی عبارت کو "پاشو ڈاتپ بل من ماشمنی دلیشم" جیسا ہلتش

نے پڑھا ہے ملکے بجائے "پاشش ڈاتپ پلنا ماشنی دیشم" (SII - ii = 20 ؛ ا - 5 - اور صفحہ 108) پڑھیے یا اس کا ترجمہ یوں کریں۔ "ماشنی دیش جو ہرے پتوں والے پھلوں کے لیے مشہور تھا۔"

(60) اس عبارت کو یوں پڑھیے۔ "آدی۔ نگر۔ وائڑ۔ چندرا" وکر "نگر وائیل" جیسا کہ پہلے پڑھا گیا ہے۔

(61) "آئز ول ذن کیرتی آدی نگر" کے لیے یہ ترجمہ فلیٹ کے ترجمے سے (جو نہ ختم ہونے والی بہتات کے لیے مشہور تھا") بہتر ہے اس نے شاید "کیرتی" کی جگہ "شیرتی" پڑھ لیا تھا۔

(62) "ملائی" دراصل "کا ور کا ڈو" کا ہم معنی ہے۔ "معنی بیکھلائی" ، iii v × × ، ا۔ 25

(63) اسے یوں پڑھیے۔ "توڑو۔ کلر چنگو۔ ووڈول مائی پالنی" (تبخور - II s - ii - 20 تختی "مہی پالا کے کانوں کی بالیوں، سلیپروں اور پہنچوں" کا فلیٹ نے جو ذکر کیا ہے وہ بالکل بے محل ہے۔ اکثر "توڑو۔ کنڈر چنگوڈ۔ اڑل مہی پالن" بھی درج ملتا ہے۔ (1902 کا نمبر 478) جس میں شنگو (چنگو) کے معنی شنکھ بھی ہوسکتے ہیں۔

(64) بعض نسخوں میں "ویری منل" کی جگہ "ویری طر" درج ہے۔

(65) ڈاکٹر ایس کے آئینگر کا کہنا ہے کہ یہ جنگی مہم کلپک (KULAPAK) جو راجندر کے سابقہ مہمات میں حاصل کردہ علاقے کی شمالی حد تھی یا اس کے نزدیک کسی مقام سے شروع ہوئی تھی ("گنگائی کونڈ چولا" صفحہ 9 49) لیکن اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ راجندر کسی وقت موجودہ حیدرآباد ریاست میں واقع اس وقت کے مغربی چالوکیہ علاقے پر قابض ہوگیا تھا تاکہ وہاں سے وہ غیر ملکی علاقوں میں خلاف جارحانہ کارروائی کے لیے ایک کثیر فوج منظم کرکے بھیج سکے۔ اور ترووالنگاڈو کی تختیوں میں تو صاف صاف لکھا ہے جیسا کہ ڈاکٹر ایس کے آئینگر نے خود دیکھا ہے۔ (ایضاً صفحہ 567) کہ یہ مہم چولا دارالخلافے ہی سے شروع ہوئی تھی۔

(66) EI - ix - صفحات 178-79

(67) ایضاً۔ صفحہ 163

(68) ایضاً۔ صفحہ 180 ، ا - 29

(69) EI - vii - فہرست صفحہ 120 - حاشیہ نمبر 3

(70) ڈاکٹر ایس کے آئینگر کا کہنا ہے کہ "تال کا لفظ "شادی نگر" جو پہلے "آدی نگر" اور "جاٹ
نگر" پڑھا جاتا تھا، جیسے کہ مسلمان مورخین نے اسے پڑھا ہے، اصل میں "ییاتی نگر" کے
علاوہ کوئی اور لفظ نہیں ہے۔ ہیرا لال نے اس کو "بستا" شناخت کیا ہے اور بتایا
ہے کہ اسے اڑیسہ کے قدیم کیسری راجاؤں میں سے کسی نے بسایا تھا ("گنگائی کونڈ چولا"
صفحہ 595) لیکن وہ یہ نہیں بتاتا کہ وہ اسے "شادی نگر" کیوں پڑھتا ہے۔ ترو ملائی
کے چٹان پر کندہ کتبے میں یہ عبارت صاف درج ہے۔ "ودن کیرتی یادی نگر" (EI-ix -
صفحہ 223، تختی 1'8)۔ اسی طرح تنجور کے کتبے میں بھی صاف طور پر "ودن کیرتی آدی نگر"
لکھا ہے۔ (SII-ii - تختی نمبر 3'1-5 - آخر) "ودن کیرتیہ - یادی نگر" اکثر پایا گیا ہے۔
(1895 کے نمبر 77-78، اور 78 - الف میں) اور "ودن کیرتی - ایادی نگر" 1894
کے کتبہ نمبر 171 میں ملا ہے۔ یہ تمام کتبے سولہویں یا سترھویں سال کے ہیں۔ اس
بات میں بھی شک ہے کہ کیا "پوشر رشیر" کا نے رنگ سا نام جو "کوشلائی ناڈو" کے
ساتھ شامل کیا گیا ہے، ان معنوں کا متحمل ہو سکتا ہے جو ڈاکٹر آئینگر نے اس کے لیے
بیان کیا ہے اور جس میں اسے محمود غزنوی کے حملوں کے کچھ نتائج نظر آتے ہیں۔

(71) آر ڈی بنرجی کی تصنیف "Palas of Bengal" صفحہ 71

(72) آر ڈی بنرجی کا اس کے برعکس کہنا ہے کہ "راجندر چولا کا ترو ملائی کا کتبہ مظہر ہے کہ
قدیم گوڑا اور "دنگا" کی ریاستیں اب کثیر التعداد چھوٹے چھوٹے رجواڑوں میں بٹ
چکی تھیں"۔ ایضاً - صفحہ 69

(73) رام پال کے عہد میں ایک شخص لکشمی شورا، "سمست آٹوکا سامنت چکر چوڑامنی تھا (ایضاً
صفحہ 71)۔

(74) ایضاً - صفحات 72-73؛ مقابلہ کیجئے "پربودھ چندرودیا" ایکٹ دوم، جہاں ہمیں یہ
عبارتیں ملتی ہیں:۔ "نون مایم رکشن رادھا پرتیشا دگنتو بھوشیتی" — اور "گوڈم
راشٹرم انوتمم نرّدیا تترا پی رادھاپوری"۔

(75) مذکورہ باب کے آخر میں حاشیہ الف دیکھئے

(76) vv ص 117، 119

(77) ASI 1911-12 صفحات 173-74 ۔ وینکیا بلا ثبوت کے قیاس کر لیتا ہے کہ گنگا کا پانی الہ آباد سے لیا گیا تھا اور "لاڑا" کو "براڑ" شناخت کرتا ہے۔ اصل کا کہنا ہے "چونکہ ہم یہ تصور نہیں کر سکتے کہ تمام کا تمام شمالی ہند تقریباً ایک ہی سال کے عرصے میں راجندر چولا کے سپہ سالار نے فتح کر لیا تھا لہٰذا اس کے بجائے جو معقول حل مجھے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ شمالی ہند کے کچھ منتخب کردہ حصوں پر ہی اصل میں حملہ کیا گیا ہوگا۔ اور اگر کسی حصے کے باشندوں نے مقابلہ کیا ہوگا تو ان کے خلاف باقاعدہ جنگ کی گئی ہوگی۔ باقی ماندہ علاقوں اور ان کے حکمرانوں کے ناموں کا پتہ لگا کر انہیں مفتوحہ راجاؤں کی فہرست میں خاموشی سے شامل کر لیا گیا ہوگا۔ . . . . بہر دست اس راستے کا صحیح صحیح پتہ نہیں چل سکتا جو ان یاتریوں نے اختیار کیا (صفحہ 174)

(78) ترووالنگاڈو کی تختیوں کا v. 109

(79) ایضاً v-124 صفحات

(80) Palas of Bengal صفحات 73، 99

(81) اشلوک نمبر 111+ اننت شمبھو کے تحریر کردہ حاشیے کا آخری حصہ .Madras Mss ( ) دو اشلوکوں میں جو حاشیہ نگار نے "اتر پورو کتھا پرسنگ" کے الفاظ کے ساتھ متعارف کرائے ہیں، یہ بتایا گیا ہے کہ راجندر خود گنگا اشنان کے لیے گیا تھا۔ کرشن شاستری ان بیانات کو غلط طور پر "سدھانت سار اولی" سے منسوب کرتا ہے اور یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ یہ کتاب راجندر کے عہد میں اسی کی زیر سرپرستی تصنیف کی گئی تھی۔ (SII-iii۔ تمہید صفحہ 22)

(82) پال واک کی تختیاں، JAHRS-ii-صفحہ 287-1، 63

(83) EI-XVI-صفحہ 77

(84) "بھارتی" -XX-صفحہ 439 "Eastren Calukyas" صفحات 241-44

(85) 1893 کا نمبر 482-ک (SII-V-نمبر 82) اور "Eastren Calukyas" صفحہ 229۔ حاشیہ نمبر 1

(86) 1911 کا نمبر 213 ۔ طور کے ایک کتبے میں جو تیرہویں سال کا ہے (EC-ix باب 84) تاریخ صحیح لکھی ہوئی ہے یا نہیں، اس کے متعلق میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس

کتبے میں پوری تمہید بھی دی ہوئی ہے۔ گیارہویں سال حکومت کے ایک کتبے کا ایک ٹکڑا کرو بوڑو (میسور) سے بھی ملا ہے جس میں کڈارم کی تسخیر کا ذکر ہے (EC-x-Ct-97) لیکن یہ تاریخ بظاہر بہت پہلے کی ہے۔ شاید یہ کچھ برس پہلے دئے گئے عطیئے کی مثال ہے جس کا اندراج کچھ سال بعد کیا گیا۔

(87) V . 123 مقابلہ کیجئے کرن ولی۔ V-62

(88) SII-ii، صفحہ 109 - اس کے بعد جو حاشئے ہیں ان میں ہلتش کے اور میرے اختلافات رائے کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

(89) "واکیتم" کے قیاس سے کچھ مدد نہیں ملتی۔ دوسرے کتبوں میں "واگیتم" کو صحیح پڑھا جا سکتا ہے۔ "واگیہ" کے معنی ہیں فتح اور "دام" زائد ہے۔ "پوروکڈل" کے معنی "جنگ جو سمندر" ہیں جو نوشی کے لیے استعمال ہونے والی عام اصطلاح ہے "کب کری" کا مطلب ہے کبھ والا یعنی گول پیشانی والا ہاتھی۔

(90) ہلتش کا ترجمہ ہے "دشمن کا وسیع شہر" لیکن تنجور کے نسخے کے مطابق جس میں "آرتواناہ نگر" لکھا ہے، یہ مفہوم صحیح نہیں ہو سکتا۔ میں اسے "آرتو + اون + اہ نگر" سمجھتا ہوں۔ کوینڈس کی پرکشش تجویز میں نے جزوی طور پر قبول کر لی ہے جو یہ ہے کہ یہ جملہ اور اس کے بعد کے جملے "شری وشیا" کی صفات ہوں گے (BEFEO-xviii-نمبر 6-صفحہ 5-حاشیہ نمبر 1)

(91) دیکھئے EI-ix-231

(92) "پدوم" مقابلتاً بڑے دروازے میں "چھوٹا سا پھاٹک" ہوتا ہے یعنی درزیکہ۔

(93) "ون ملائی اور سے یل" کا ترجمہ "جس کا قلعہ اونچی پہاڑی پر واقع تھا" اس ترجمے کی نسبت زیادہ لفظی ترجمہ ہے۔

(94) ہلتش کا ترجمہ "جس میں اراضی زیر کاشت (؟) بھی تھی اور جنگل بھی" ہے اگرچہ توروکے معنی ہیں نشیبی جنگل، پھر بھی پورے جملے کا مفہوم صاف نہیں ہے۔

(95) "ایک سخت جنگ کے ذریعے مغلوب کر لیا گیا" ہلتش، اصل عبارت ہے "کلامڈرکڈن ڈرل" جس کے معنی ہیں "تند قوت (اگلا ندرل) بڑھ جاتی تھی (اندر) جنگ میں (کلام)

(96) "جس کے پھولوں بھرے باغ جنوبی خطے کی حسینہ کے پھولدار کمربند سے مشابہ تھے"۔ ہلتش، اگرچہ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ ہلتش کو یہ الوکھا ترجمہ کیسے سوجھا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس نے "تینکوار

پولل" کا تجزیہ یوں کیا۔ "تین + نکتی + وار + پولل"۔ اور ان کلموں کے معنی بالترتیب "شبید" بنتے ہوئے "طویل" اور "پھولوں کا باغ" ہیں۔

(97) "توڑ دکنڈل" کا ترجمہ بشش نے "نواحی سمندر" کیا ہے لیکن توڑ د" کا مفہوم "مس" بعد کی اختراع ہے۔ اور "توڑ دکنڈل" ایک کلاسیکی جملہ ہے جس میں ساگر کے بیٹوں کے سمندر کو کھودنے کی کہانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ "توڑ د" کے معنی یہاں "کھودنا" ہیں۔

(98) SII - ii - 20

(99) ایضاً۔ صفحہ 106

(100) SII - ii - صفحہ 196

(101) یہ Johson Hobson میں تحریر کیا گیا تھا۔ BEFEO - xviii - 6 ، صفحہ 6 - حاشیہ نمبر 6

(102; ARB - 1908 - پیراگراف 20

(103) BEFEO - xviii - نمبر 6 + مشرقی ایشیا کے تاریخی جغرافیہ کے تمام طلبا کو جیرینی کی وسیع "تحقیقات" " Researches " (مطبوعہ 1909ء) کی افادیت کا شکرگزار ہونا چاہئے (Vol - I "Asiatic Sosiaty Monographs" ایشیاٹک سوسائٹی مونوگرافس جلد اوّل)

(104) ARB - 1919 - پیراگراف 46-47

(105) ایضاً 1922 - پیراگراف 14

(106) حوالہ سابقہ صفحہ 5

(107) چینیوں کی یہ عادت مشہور ہے کہ وہ غیرملکی ناموں کو مختصر کر لیتے ہیں، خصوصاً جب وہ بہت لمبے نام ہوں۔

(108) حوالہ سابقہ صفحات 23-34، نیز دیکھئے فرینڈ کی تصنیف "L'Empire Sumatranais de Sri Vijaya" JA (Journal Asiatique) 1922 - صفحہ 163، اور اس کے بعد کے صفحات۔

(109) ہرتھ اور راکٹ ہل کی "Chau-Fua-Kua" صفحہ 35 : کوینڈس۔ حوالہ صفحہ 13

(110) صفحات 60 تا 62

(111) حوالہ سابقہ صفحہ 25

(112) جیرینی کی "Researches" ۔ صفحہ 513

(113) ایضاً۔ صفحات 633-34، کوئیڈس (صفری) نے یہ سوال بغیر کسی حل کے چھوڑ دیا ہے کہ ملایور، سماٹرا کے مغربی ساحل پر واقع تھا یا مشرقی ساحل پر یا جزیرہ نمائے ملایا کے جنوب میں کہیں واقع تھا۔ وہ یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ بہر صورت یہ پلیم بنگ کے نزدیک واقع ایک ریاست تھی۔ جس نے ا۔ تسنگ کی رائے کے مطابق ملایو کو 672ء اور 705ء کے درمیان اپنی عملداری میں ملا لیا تھا (مزید دیکھئے جیرینی کی "Researches" صفحہ 03-31)

(114) "Chau-Fu-Kua" صفحہ 67

(115) کوئیڈس۔ حوالہ سابقہ صفحات 10۔ 11، 33-36۔ ڈاکٹر ایس کے آئینگر کہتے ہیں۔ "مائی رُوڈنگم غالباً بیسنگا (رشی شرنگا) ہوگا یعنی آج کل کا رنگون (حوالہ سابقہ صفحہ 576)۔ اس کے خلاف دیکھئے جیرینی صفحات 76-77۔ تاہم مائی رُوڈنگم کے محل وقوع کی تلاش میں ہمارے لیے کہیں دور جانے کا موقع نہیں ہے۔

(116) کوئیڈس، حوالہ سابقہ صفحات 11 تا 13

(117) بیجر۔ CV۔ باب 76، 63۔ v

(118) ARE-1898-99، پیراگراف 47؛ ARB-1909-10 صفحہ 14 پیراگراف 40

(119) کڈارم کو (شری) کیتیر یا قدیم پروم سمجھنا چاہیئے (کنکا سبھائی)، مادمالنگم کو مرتبان سمجھنا چاہیئے (ستھ)۔ مقابلہ کیجیئے کوئیڈس۔ حوالہ سابقہ صفحہ 6۔

(120) بیجر۔ CV۔ (ii۔ صفحہ 67) باب 76-v-63

(121) کوئیڈس۔ صفحات 14-67 یہ دلیل پیش کی گئی ہے (ARB-1919 پیراگراف 47) کہ پپالم اور کُسی دونوں بندرگاہوں کی شناخت اکٹھے کرنی چاہیئے۔ ان دو بندرگاہوں کا ذکر "مہا وامسا" میں لنکا کی رمنا دیش پر فوج کشی واضح طور پر موجودہ بسین کی بندرگاہ ہے۔ لہذا پپالم یقینی طور پر یا نوڈگن ہوگی یا رنگون جو اس کے پڑوس کی بندرگاہیں ہیں۔ یہ دلیل اس واضح بیان کو بے وقعت ٹھہرا دیتی ہے کہ بحری بیڑہ ایک طوفان کے آنے سے منتشر ہو گیا تھا اور اس بیڑے کے مختلف حصے مختلف بندرگاہوں کی جانب بہتے ہوئے نکل گئے تھے

(باب 76- v v -66، 59، 63) جو ضروری نہیں کہ ایک دوسرے کے پاس رہے ہوں۔
(122) رُدوفیئر، سیری لبنگم کا مل وتوع پیرک میں سمجھتا ہے اور اسے وہاں تلاش کرتا ہے۔
اور لیوی سے کرم رنگا (کلنگ پورہ) میں ڈھونڈتا ہے۔ دیکھئے باگچی کی "Pre-Arya-
nand Pre-Dravidian" صفحات 110 - 112۔ اول الذکر ولائی پنڈ ورنگ
کو بھی جزیرہ چپا میں واقع پانڈورنگا شناخت کرتا ہے۔ "یہ تمام قیاسات ہماری بھی
آرا پر مبنی ہیں حد کہ کافی وجوہات پر"۔ دیکھئے کروم کی 'Hidoe-Javansche
Geschiedenis" صفحات 251- 52+
(123) گوئیڈس صفحہ 15- "Researches" صفحہ 93 ٤ سلوین لیوی کی
"Ptolemi le Niddesa et la Brahat Katha, Etudes
ii Asiatiques"
(124) چاؤ- جُو-کوآ- صفحہ 68
(125) ایضاً- صفحات 67-68، حاشیہ نمبر 1- Journal of Royal Asiatic) JRAS
Society (London) -1905، صفحہ 498
(126) حوالہ سابقہ صفحات 16 تا 18- گوئیڈس نے جو نام "تامرلنگا" ایک سنسکرت کے
کتبے سے جو جاتیا سے دستیاب ہوا ہے (ایضاً صفحہ) اخذ کیا ہے۔ وہ "تن- ما-
لنگ اور "تما لنگ" یا "تم لنگم" سے ملتا جلتا ہے اور اس نظریئے کو قبول کرنے
میں کوئی دقت نہیں ہونی چاہیئے کہ یہ تینوں اصل میں ایک ہی نام کی تین صورتیں ہیں۔
لہٰذا گوئیڈس کی یہ رائے کہ اس تامل نام کو "تمرلنگم" پڑھا جانا چاہیئے (صفحہ 17) قابل
قبول نہیں ہے کیونکہ مادمالنگم یا "مادملنگم" تامل کے کتبے میں دی ہوئی "پرتھما ولو تائی"
والی سطر کے پہلے نصف حصے کا ہم ردیف ہے اور تامل فن عروض کے قواعد کی رو سے کسی
مصرعے کے آخری نصف حصے میں "درا" کی آواز آنا ناممکن ہے لیکن دیسکا وتاچیکم پلے کے
خیال میں تامل مصرعے کی ادائیگی اس طرح ہو سکتی ہے: "حید مرول۔ ونق تادمرلنگم"
(127) ٹانے کی "کتھا سرت ساگر" i- 87، 92، 552-ii، 99، 598- دیکھئے جس میں اس
کلاہا کو ایک جزیرہ بتایا گیا ہے۔ نیز دیکھئے لیڈن کا فرمان عطیہ اور کرن دئی کی تانبے کی
تختیاں- v-62

(128) v v - 138 ' 189

(129) "پچو پاٹو" صفحہ 550 (تیسرا ایڈیشن)۔ سنسکرت کا "کٹا ہا" اور تامل زبان کا لفظ "کڈارم" معنویاتی رشتہ رکھتے ہیں جیسا کہ کوئیڈس نے بھی اس کی جانب توجہ دلائی ہے (حوالہ سابقہ صفحہ ۶۰ نیز فیرانڈ کے ۲۲ ۱۹ JA صفحات ۱ تا ۵)۔ ان دونوں کے معنی ہیں "تانبے کی بڑی کڑھائی"۔ تامل میں "کڈارم" کا مفہوم سیاہ رنگ کے گرد بھورا حاشیہ بھی ہے اور "کالگم" کا مفہوم "سیاہی" بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں الفاظ کے معنی کی یکسانیت سے نچینی نارکنیارکو اور فرہنگ نگاروں کو یہ ترغیب ہوئی کہ وہ "کالگم" کی تشریح کرتے ہوئے اسے کڈارم بتائیں۔ ظاہر ہیں کڈارم اور "کڈارم" ایک ہی لفظ کے دو تلفظ ہیں۔ تاہم "کٹا ہا" اور "کالگم" کے ساتھ ان کا کوئی صوتی تعلق نہیں ہے۔

(130) حوالہ سابقہ صفحات 20 تا 22

(131) فیرانڈ کا کہنا ہے کہ کڈارم، کٹا ہا اور کالگم، کیدہ کی نمائندگی نہیں کر سکتے جو جزیرہ نمائے ملایا کے مغربی ساحل پر واقع ہے (JA دیکھئے "Journal Asiatique" 1922 صفحہ 16) وہ لکھتا ہے "جغرافیائی طور پر کڈارم اور تامل نسخوں کے مطابقت سماترا میں واقع ہیں" اور وہ اس کی تائید میں ہاتھی یا کتبات (۱۹۱۷) کے نمبر ۵۸۸ اور ۱۹۵۶ کے نمبر ۳۵۶ کی سند پیش کرتا ہے جس طرح سے کہ ان کا خلاصہ کتبوں سے متعلقہ رپورٹوں میں دیا گیا ہے۔ ان کتابوں سے اس سے زیادہ اور کسی بات پتہ نہیں چلتا کہ گیارہویں صدی کی طرح تیرہویں صدی کی بھی "شادکم" کا راجہ ہی کڈارم کا بھی حکمران ہوا کرتا تھا۔ جاتیا کے ساتھ شری وجیا اور کڈارم کی تیرہویں صدی میں سیاسی حیثیت پر کوئیڈس نے "Bijdragen tot de Taal Land" وغیرہ میں بحث کی ہے۔ ڈیل کے مقالے (A Propos de la chute du Royaume de کا 83 (1937) صفحہ 469 اور اس کے بعد کے صفحات دیکھئے جہاں وہ اپنی اس رائے کا اعادہ کرتا ہے کہ کڈارم دراصل کیدہ ہی ہے۔ اگرچہ فیرانڈ ۱۹۲۲ء میں کڈارم کا محل وقوع سماترا کے جنوب میں اس کے ساحلی علاقے پر ماننے کو تیار رہتا لیکن اس نے اس سوال کو قطعی فیصلے کے لیے کھلا چھوڑ دیا کیونکہ اس نے خود بھی ان کتابوں کی کمزور شہادت کا احساس کر لیا تھا پر وہ بہت زیادہ بھروسہ کر رہا تھا جیرینی کی "Researches"

کے صفحہ 553 پر اس کی تفصیلی بحث جس کی بنیاد پر ڈاکٹر ایس کے آئنگر کڈارم کو کیرتی شناخت کرنے کا دعوے کرتا ہے اب مسترد کر دی گئی ہے۔ کیرتی سماترا کے شمال مشرقی ساحل پر واقع تھا (''گنگائی کونڈ چولا''۔ صفحہ 558 اور اس کے بعد کے صفحات)

(132) ڈاکٹر ایس کے آئنگر۔ حوالہ سابقہ صفحات 566، 571

(133) ہرتھ اور راک ہل کی '' Chau-Ju-Kua '' صفحات 9 تا 18

(134) جیرینی کی '' Researches ''۔ صفحہ 609، حاشیہ نمبر 2 میں راج راجا کے عہد حکومت کی مدت کو غلط طور پر مختصر کر کے 985ء سے 1003ء تک بتایا گیا ہے اور بعض ایسی فرضی مشکلات کا ذکر کیا گیا ہے جن کا کبھی وجود ہی نہیں تھا۔ راج راجا کا عہد حکومت اگر انتیسویں سال (1014ء) سے آگے و بھی بڑھ جاتا ہو تو بھی چین کو بھیجا گیا سفارتی وفد اس کی زندگی ہی میں وطن سے روانہ ہوا ہوگا اور ملایا کے علاقے کے راستے سے پہنچنے میں اسے کچھ دیر لگی ہوگی، تو بھی وہ اگلے برس چین پہنچ گیا ہوگا۔ مزید دیکھئے Chau-Ju-Kua صفحہ 100۔

(135) بحوالہ 'Chau-Ju-Kua'، صفحہ 63

(136) ASSI - iv صفحہ 208، ii، 86-88، EI - xxii۔

(137) مقابلہ کیجیے کوینڈرس حوالہ سابقہ صفحہ 8

(138) ARE - 1892 - صفحہ 12

(139) ڈاکٹر ایس کے آئنگر کی "Ancient India" 108: ''گنگائی کونڈ چولا''
SII - iii - تمہید۔ صفحہ 21

(140) SII - iii۔ صفحہ 56 میں نے کئی مقامات پر ہلٹش کے ترجمے میں تبدیلیاں کر دی ہیں۔

(141) حالانکہ ''تین ور'' کے معنی ''پانڈیا'' ہو سکتے ہیں پھر بھی یہاں یہی لگتا ہے کہ اس کا مفہوم صرف ''جنوب کے راجگان'' ہے اور پورے فقرے کا مفہوم لنکا (مان بھرن) (SII - iii - 29 - 1 - 13) کیرالا اور پانڈیا تینوں طاقتوں کا اتحاد ہو سکتا ہے۔

(142) کچھ کتبوں میں اس کا ترجمہ مختلف ہے لیکن ہے شاید 1890 کے نمبر 6 میں ہلٹش کا اس کا ترجمہ مختلف ہے لیکن دیکھئے ARE - 1930 - II - 46

(143) لفظی ترجمہ : ''انتڑیوں کے درد کا حملہ ہوا''

(144) ایک جارحانہ حملے کی علامت

(145) PK۔ صفحہ 113

(146) 1898۔ SII کا نمبر 221، v۔ نمبر 520، II۔ 16-19

(147) ایضاً — II، 75-76 + ڈاکٹر وینکٹارمنیا کے "جرنل آف دی مدراس یونیورسٹی کے صفحہ 6 پر دیے گئے اس خیال سے متفق ہوں کہ اس واقعہ کو اس پرشستی میں دوسری چالوکیہ جنگ کے بعد شامل کیا گیا"

(148) 1895 کا نمبر 75، ARE-1913، II،

(149) TAS - ii صفحہ 67 - اور اس کے بعد کے ص ت۔ JRAS (Journal of the
the Royal Asoatic Sociaty, London) 1922، 161، اور اس کے بعد کے
صفحات 909

(150) 1930 کا نمبر 623

(151) 1894 کا نمبر 172 - 1892 کا نمبر 92

(152) SII-iii-28

(153) 1892 کا نمبر 92 (اس کی تاریخ مٹ گئی ہے)۔ 1894 کا نمبر 172 مورخہ (2)، 6 کا پہلا ہندسہ مشکوک ہے۔

(154) 1893 کا نمبر 54

(155) فلیٹ DKO۔ صفحہ 436

(156) رنگا چاری۔ بلاری: 185، 229، 285

(158) 1918 کا 253

(159) فلیٹ کا کہنا ہے کہ چولا فوجوں کی کمان کیودن تائی ایک کانڈر کے ہاتھ میں تھی۔ یہ دراصل "امجرکو۔ ایوڈ۔ تن۔" کے الفاظ کو صحیح طریقہ سے الگ الگ کرنے میں اس کی ناکامی کا نتیجہ ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے۔ 1893 کا نمبر 59 اور 1890 کا نمبر 6

(159) 1893 کا 183 (SII-iv- نمبر 1008) اور "Eastern Calukyas" کے دیگر حوالے

(160) ایسٹرن چالوکیاز صفحہ 237، 1893 کا 185، SII-iv - نمبر 1010

(180) SII-iii ۔ اشاریہ ۔ S ، V ، منڈی گوبند شولاپورم ؛ نیز ڈاکٹر ایس کے آئینگر کی South India and her Muhammadan Invaders ۔ صفحہ 44 حاشیہ نمبر 3

(181) 1927 کا نمبر 271

(182) 1908 کا نمبر 639

(183) تروونامکڈو کی تختیاں II، 6-7 (تامل حصہ) ۔ 1908 کا نمبر 693 (تیسرے سال کا)

(184) ASI ، 1911-12 صفحہ 172 ، حاشیہ نمبر 1

فلیٹ کی "Gupta Inscriptions" صفحہ 192 حاشیہ نمبر 1 ، EI-ix- صفحہ 283

(186) 1920 کا نمبر 624

(187) 1921 کا نمبر 73

(188) 1981 کا نمبر 464

(189) 1915 کا نمبر 260

(190) 1920 کا نمبر 71

(191) 1909 کا نمبر 79

(192) 1915 کا نمبر 260

(193) EI-viii- صفحات 30 33

گیارھواں باب

راجندر کے جانشین

(سنہ 1044ء تا سنہ 1070ء)

راجندر اوّل کے بیٹے چولا سلطنت کے اصلی بانی راج راجا اوّل اور اس کے ہونہار بیٹے راجندر اوّل کے تحت فتوحات کا رخ جو شمال سے جنوب کی طرف تھا، پلٹ دیا گیا اور شیر کے نشان والا فتح مند پرچم شمال میں دور تک لہرا دیا گیا۔ راجندر کے بیٹوں نے جن میں سے تین اس کے بعد دیگرے چولا سلطنت کے تخت پر بیٹھے، ایک وسیع سلطنت ورثے میں پائی اور مجموعی طور پر ان تینوں نے اپنے اپنے عہد میں اس کی وسعت اور وقار کو برقرار رکھا۔ ان کے زمانوں میں وقتاً فوقتاً خونریز لڑائیاں ہوتی رہیں بالخصوص دریائے تنگ بھدرا کی سرحد کے پار چالوکیہ حکمرانوں کے خلاف جنگ جاری رہی اور ان تینوں تاجداروں میں سے سب سے پہلا تو میدان جنگ ہی میں مارا گیا اور اسی میدان میں ان میں سے دوسرے کی فوراً تاجپوشی کر دی گئی اور اس کی پامردی اور شجاعت نے ایک یقینی شکست کو شاندار فتح میں تبدیل کر دیا۔ جنوب کی طرف بھی پریشانیاں لاحق تھیں کیونکہ پانڈیا اور کیرلا کی لنکا کے حکمرانوں سے سازش برقرار تھی تاکہ اپنے آقا کی مشکلات کا جو اس کو کہیں بھی پیش آئیں پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ اس دور کے اختتام کے

قریب یہ مشکلات اور ان کے علاوہ کچھ خاندانی اور مذہبی تنازعات ایک سیاسی انقلاب کی صورت میں رونما ہوئے جو تقریباً ایک صدی سے کچھ زائد عرصہ تک سلطنت کے استحکام کا باعث ہوئے. جیسا آگے چل کر واضح ہو جائے گا. ان اصل حالات کا جن کے تحت چالوکیہ چولا راجندر، چولا سلطنت کے تخت پر قابض ہو گیا، متعین کرنا آسان نہیں ہے لیکن حالات کے اس پلٹا کھانے کے جو اثرات چولا طاقت پر مرتب ہوئے ان کے متعلق دو رائیں نہیں ہو سکتیں. سلطنت کو راجاؤں کی ایک تازہ اور قوی اور ساتھ ہی ساتھ قریبی رشتہ رکھنے والی نسل عطا کر کے نیز ایک انتہائی نازک وقت میں مشرقی چالوکیوں اور چولوں کے وسائل کو یکجا کر کے اس انقلاب نے راج راجا کی سلطنت کو ایسے وقت میں ایک مسلسل زندگی بخشی جبکہ اس کے اصل جانشین اپنے کبھی نہ ختم ہونے والے تنازعات میں بری طرح الجھے ہوئے تھے.

جانشینی کی ترتیب

ویر راجندر کے کنیا کماری کے کتبے میں صاف طور پر درج ہے کہ راجندر کے ان تینوں بیٹوں میں جو اس کے بعد یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے، راجادھیراج عمر میں سب سے بڑا تھا اور تینوں کے عہد کے کتبات کو بیک وقت پڑھنے سے اس کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے راجادھیراج کے عہد حکومت کے پینتیسویں برس کے ایک کتبے میں "تبمت تنئی چولا ڈلناڑو" کے اہم نام کا ذکر آتا ہے جو راجندر دوم کی پرشستی کی یاد دلاتا ہے. جس کا آغاز "ترو مگل مرودیا" سے ہوتا ہے. اس پرشستی میں ہمیں یہ واضح بیان ملتا ہے کہ راجندر نے چالوکیوں کے خلاف اس عہد کی ایک طویل جنگ میں کس طرح اپنے بڑے بھائی راجادھیراج کا ساتھ دیا تھا. ویر راجندر بلاشبہ راجندر دیو کا چھوٹا بھائی ویر چولا تھا جسے اس نے کریکال چولا کا خطاب عطا کیا تھا. اس کا ذکر مغربی چالوکیوں کے کتبات میں بالعموم ویر کے نام سے کیا گیا ہے. ضلع رام ند سے ملے ہوئے ویر راجندر کے ایک کتبے میں اس کے والد (ایئر) کا حوالہ ملتا ہے جس نے گنگائی، پورودیش، اور کڈارم کو تسخیر کیا تھا.

ملک پر ایک ہی زمانے میں مختلف راجاؤں کی حکومتیں

کتبات کی تاریخوں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ملک پر ایک ہی وقت میں کئی راجاؤں نے حکومت کی ہے اس خصوصیت میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیوں کہ پچیس برس سے زائد عرصہ تک راجا ادھیراج اپنے والد کے ساتھ مل کر حکومت کرتا رہا تھا۔ راجا ادھیراج کی حکومت کا سب سے آخری سال جو کتبات میں درج ہے۔ چھتیسواں سال ہے جو 1052-59ء میں پڑتا ہے۔ راجندر دوم کی تاج پوشی کی تاریخ اس کے کتبات سے اندازاً 28 مئی 1052ء متعین کی گئی ہے۔ اسی طرح راجندر دوم کا بھی آخری سال حکومت بارہواں سال ہے جو اس کے عہد کو 1064ء تک پہنچا دیتا ہے۔ ویر راجندر کی تخت نشینی 1062-63ء کے قریب واقع ہوئی جو اس کے کتبات میں اس کے عہدِ حکومت کا پہلا برس شمار کیا جاتا ہے۔

راج مہندرا

راج کیسری راج مہندرا جس کا عہدِ حکومت اس کے کتبات کے مطابق تیسرے برس سے آگے نہیں بڑھتا یقیناً ویر راجندر کی تخت نشینی سے قبل حکمران رہا ہوگا۔ اس کی مختصر پرشستیوں سے ہمیں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ اس نے حکومت کے نظم و نسق میں منو کے بنائے ہوئے شاستر کے اصولوں کی پوری پابندی کی لیکن یہ مختصر بیان بھی قدرت سے خالی نہیں ہے کیونکہ "کلنگو تڑانی" اس کی تصدیق کرتی ہے۔ اس کتاب میں یہی بات زیادہ زوردار الفاظ میں کہی گئی ہے لیکن اس راجہ کے بارے میں اور کچھ نہیں بتایا گیا ہے۔ راجہ کو اس تصنیف میں ان دو خودمختار فرمانرواؤں کے درمیان مقام دیا گیا ہے جن میں سے ایک وہ تھا جس نے کوپم کے میدانِ جنگ میں اپنی تاجپوشی کی تھی یعنی راجندر دوم اور دوسرا وہ جو کوڈل سنگم کا فاتح تھا یعنی ویر راجندر۔ راج مہندرا سے منسوب کی گئی اس حقیقت کی مزید تصدیق اس کے واحد کتبے سے ہو جاتی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ راجہ نے اپنے ایک جنگی ہاتھی کی مدد سے آہوا ملا کو بل کھاتے ہوئے دریا کے کنارے پیٹھ دکھانے پر مجبور کر دیا۔ یہ ممکن ہے کہ راج مہندرا دراصل راجندر دوم کا بیٹا ہو جس کا ذکر موخر الذکر کے عہد کے نویں برس کے

ایک کتبے میں راجندر کے نام سے ملتا ہے اور جب اس کے جلد ہی بعد اسے ولی عہد منتخب کیا گیا تو اس نے اپنے والد راجندر دیو اور اپنے دادا راجندر چولا دیو سے امتیاز قائم رکھنے کے لیے راج مہندرا کا لقب اختیار کر لیا ہو۔ یہاں بھی دو راج کیسریوں راج مہندرا اور ویر راجندر کے یکے بعد دیگرے تخت نشین ہونے کی بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے۔ ایسا اس لیے ممکن ہوا کہ ان میں سے ایک ولی عہدی کے زمانے ہی میں فوت ہو گیا تھا اور خود مختار راجہ نہیں بن سکا۔ اس کی جگہ کو پُر کرنے کے لیے دوسرے کو جانشین منتخب کیا گیا۔ اس دور کا اختتام پراکیسری ادھیراجندر کے مختصر اور پُر آشوب عہدِ حکومت پر ہو جاتا ہے جس کے تیسرے سال کے ایک کتبے میں ویر راجندر کے آٹھویں برس کا ذکر آیا ہے۔ لہٰذا اس زمانے میں تخت نشینی اور ترتیب واقعات کا خلاصہ یوں مرتب ہو سکتا ہے۔

1- راجا دھیراج اوّل راج کیسری ــــ سنہ 1018ء تا سنہ 1054ء

2- راجندر دوم پراکیسری (نمبر 1 چھوٹا بھائی) ــ سنہ 1052ء تا سنہ 1064ء

راج مہندرا راج کیسری (نمبر 2 کا بیٹا جو سنہ 1060ء تا سنہ 1063ء بحیثیت ولی عہد ہی فوت ہو گیا)

3- ویر راجندر راج کیسری (نمبر 1 کا نمبر 2 کا) سنہ 1063ء تا سنہ 1069ء

4- ادھیراجندر پراکیسری (نمبر 3 کا بیٹا؟) سنہ 1067ء تا سنہ 1070ء

راجا دھیراج کی پرشستیاں راجا دھیراج کی پرشستیاں (یا پرشستیاں) بالعموم دو شکلوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک مقابلتاً مختصر ہے اور "تنگا لیپھر" اولر سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں راجہ کے صرف ابتدائی کارناموں کا ذکر ملتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کی حکومت کے چھبیسویں برس میں کندہ کی گئی اور بعد کے بعض کتبات میں اسے دہرایا جاتا رہا۔ دوسری طویل شکل کی بہت سی قسمیں ہیں اور یوں کہنا چاہیے کہ اس کو چند بار لکھا گیا ہے اور بعض پرشستیوں میں جو واقعات مختصراً درج کیے گئے ہیں وہی ان میں سے بعض میں زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ بعد کے برسوں کے چند کتبات میں کچھ نئے واقعات کا ذکر بھی ہے جو پہلے کے کتبات میں نہیں ملتے دوسرے

کتبات میں پرانے واقعات کا ذکر بھی ہے جو پہلے کے کتبات میں تحریر کے وقت تک کے واقعات اضافہ نہیں کیے گئے ہیں. نیز ایک پرشستی ایسی بھی ہے جو "ترڈ کوڑیو ڈو تیاگ کوڑی" سے شروع ہوئی ہے لیکن کوئی نئی بات معلوم نہیں ہوتی. البتہ اس سے چالوکیوں کے خلاف جو جنگ ہوئی تھی اس کی بعض تفصیلات کی تائید ہوتی ہے جن کا ذکر دوسرے کتبات میں بھی آیا ہے۔

دو مشکوک کتبات

اس بات کا پہلے بھی ذکر آچکا ہے کہ کلیان پورہ میں اپنے فاتحانہ داخلے کے بعد راجا دھیراج نے وجیہ راجندرا کا لقب اختیار کر لیا تھا لیکن پراکیسری وجیہ راجندر کے دو ایسے کتبات موجود ہیں جو پہلی نظر میں ایک مشکل مسئلہ کھڑا کر دیتے ہیں. ان میں سے ایک میں جو کولار سے دستیاب ہوا ہے اور اس عہد حکومت کے پینتیسویں برس کا ہے یقیناً غلطی سے راج کیسری کی بجائے پراکیسری درج ہو گیا ہے کیونکہ اس کتبے کا، "دنچاسن جلوس اور" ویرا پانڈین تلائم" سے شروع ہونے والی راجا دھیراج کی پرشستیوں سے اس کی مختصر پرشستی کی مشابہت کسی دوسرے خیال کی گنجائش ہی نہیں چھوڑتے. "ویرا پانڈین تلائم" سے شروع ہونے والی "پرشستیاں" راجا دھیراج کے کتبات کی پرشستیوں کی سب سے آخری شکل ہیں. دوسرا کتبہ جو پیڈا تپا سمدرم میں ملا ہے، راجندر دوم کے عہد حکومت کا ہے جو راجا دھیراج کا چھوٹا بھائی اور جانشین تھا. یہ اس لیے کہ اس کتبے پر شاکا سنہ 981 یعنی 1057-58ء عیسوی کی تاریخ درج ہے اور ہمارے علم میں اس امر کا کوئی واضح ثبوت نہیں ہے کہ راجا دھیراج نے اپنے عہد کے چھبیسویں برس یعنی 1054-55ء کے بعد بھی حکومت کی ہو. راجندر دوم ایک پراکیسری تھا اور اگر چہ یہ کتبہ ایک واحد کتبہ ہے جس میں اس کا ذکر وجیہ راجندر کے لقب کے ساتھ کیا گیا ہے لیکن یہ اسی کا کتبہ ہے. پھر بھی یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ترودرلور سے دستیاب شدہ راجا دھیراج کا ایک کتبہ جس پر مشکوک طور پر اکتیسویں برس کی تاریخ درج ہے، بہت ممکن ہے کہ اسی کا ہو. فلیٹ کی رائے کے مطابق کوپم کی جنگ جس میں راجا دھیراج اپنی جان گنوا بیٹھا، 10 جنوری 1060ء سے تھوڑا عرصہ پہلے ہوئی تھی کیونکہ شاکا سنہ 981 کے خاتمے کے بعد کے ایک کتبے میں درج ہے کہ سومیشور اس وقت "جنوبی چولا ریاستوں پر

فتح پاکر واپس آیا تھا۔" اسس لیے بہت ممکن ہے پیڈا اتچا سدرم کے کتبہ میں بھی غلطی سے راجا دھیراج کے لیے اسس کا لقب درج ہوگیا ہو۔ کچھ بھی ہو ہمارے پاس اسس قیاس کے لیے کوئی وجہ موجود نہیں ہے کہ مذکورہ راجہ کے سرکاری لقب کو راج کیسری سے بدل کر پراکیسری کر دیا گیا ہوگا کیونکہ اسس کے چھتیسویں اور چھتیسویں برس کے بہت سے ایسے کتبات بھی موجود ہیں جن میں اسس کا ذکر راج کیسری کے لقب کے ساتھ کیا گیا ہے۔

لنکا کی جنگ

گزشتہ باب میں راجا دھیراج کی چھیڑی ہوئی لنکا کی جس جنگ کا ذکر ہم نے مختصراً کیا تھا۔ اب ہم اسس پر مفصل بحث کریں گے۔ راجہ دھیراج کے ابتدائی کتبات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ لنکا کا راجہ ولو جو ہار پہنتا تھا اور کنگپیار (قنوج کے عوام) کا فرمانروا راجندر کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے تھے۔ بعد کے کتبات میں ان واقعات کا جو تفصیلی بیان ملتا ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔

چولا کتبات کی روشنی میں

"اسس نے اپنی واحد لاثانی فوج کی مدد سے طوفانی سمندر کے درمیان واقع لنکا کے حکمران وکرم باہو کا تاج چھین لیا' وہ تاج جو بڑے جواہرات سے مزین تھا اور لنکا کے راجہ وکرم پانڈین کی ملکیت تھا۔ یہ راجہ پورا جنوبی تامل پردیش کھو کر اسس کے (راجا دھیراج) خوف کے مارے سات سمندروں سے محصور ایلم میں جا چھپا۔ اسس (راجا دھیراج) نے سمہالوں کے راجہ ویر سلامیگھن کا سنہرا تاج بھی چھین لیا۔ جو یہ کہہ کر ایلم میں داخل ہوگیا تھا کہ سمندر سے گھرا ہوا ایلم (کا جزیرہ) اسس کی اپنی دلکش ریاست کنگی (کنیاکیجا) کی نسبت زیادہ بہتر جگہ ہے۔ وہ اپنے اقارب اور ان باشندوں ریاست کو بھی "ایلم" میں اپنے ساتھ لے گیا جو اسس کے ہمراہ جانے کے لیے تیار ہوئے۔ اسس نے درخشاں تاج بھی پہن لیا تھا۔ یہ وہ راجہ تھا جس نے میدان جنگ میں شکست کھا کر اور اپنے سیاہ ہاتھی سے ہاتھ دھو کر بہت ذلت اور بے آبروئی سے راہ فرار اختیار کی۔ اور اب جبکہ چولا راجہ نے اسس کی بڑی بہن کو مع اسس کی بیوی کے پکڑ لیا اور اسس کی والدہ کی ناک کاٹ لی تو وہ اپنے رسوائی کا داغ دھونے کے لیے واپس آیا اور ایک گھمسان کے رن میں مارا گیا۔ نیز راجا

دھیراج نے بڑے بڑے جواہرات سے جڑا ہوا انتہائی تابدار تاج بھی جو شری وتون (شری دیبھ) مدن راجن کی ملکیت تھا چھین لیا۔ مدن راجن جو کرشن (کرشنا) خاندان کا چشم و چراغ تھا اور ایلم کا مغرور راجہ بن بیٹھا تھا۔

مہاوامسا" کی روشنی میں

"مہاوامسا" سے یہ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ راجندر کے ہاتھوں مہندرا پنجم کے جلاوطن کیے جانے اور تمام کے تمام "ایلا منڈلم" کے 1017ء میں چولا سلطنت میں شامل کر لیے جانے کے بعد کے سال نئے چولا آقاؤں کے خلاف سنہالی رعایا کی شورشوں سے معمور تھے، جن کا چولا حکمران جوابی کارروائی کے طور پر انتقام لیتے رہے۔ لنکا کی اس تاریخ کی آزاد شہادت نہ صرف راجا دھیراج کے کتبات کے اہم پہلوؤں کی تصدیق کرتی ہے بلکہ واقعات کی ترتیب سنین متعین کرنے میں بھی مدد دیتی ہے۔ یہ واقعات ہر چند کہ متعدد سالوں پر پھیلے ہوئے ہیں اور بظاہر ایک سے زیادہ مہمات سے تعلق رکھتے ہیں لیکن راجا دھیراج کی "پرشستی" کا ایک موزوں جزو بنانے کے لیے انہیں یکجا کر دیا گیا ہے۔ "مہاوامسا" اس امر کی تائید کرتی ہے کہ لنکا میں چولا حکومت کی مخالفت میں پہلی بغاوت مہندرا پنجم کی گرفتاری کے بارہ برس بعد ہوئی۔

وکرم باہو کی چھ ماہ کی جنگ

جب چولا حکمران نے مہندرا پنجم کے بیٹے کیشپ پر قابو پانا چاہا اس بغاوت کا مرکز کیشپ ہی کی شخصیت تھی۔ کیشپ اور اس کے اتحادی چولا افواج کے خلاف جن کی تعداد پچانوے ہزار بتائی جاتی ہے، چھ ماہ تک جنگ جاری رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ انھوں نے دمیلوں کی ایک کثیر تعداد کو ختم کر دیا اور باقی کو پیچھے ہٹنے اور پہلے کی طرح پلستی نگر میں قیام کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد کیشپ، وکرم باہو کا لقب اختیار کر کے جزیرۂ لنکا کے جنوب مشرقی حصے پر حکومت کرنے لگا جو روہنا کا صوبہ کہلاتا ہے۔ وکرم باہو کی تخت نشینی سے پہلے یہ چھ مہینوں کی جنگ راجندر اوّل کے عہد حکومت میں 1029ء میں لڑی گئی۔ لیکن اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ راجا دھیراج نے اس میں حصہ لیا، اگرچہ یہ ممکن ہے کہ اس نے ایسا کیا ہو۔

اس کی وفات

چولا کتبات اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ چولا جنگ میں وکرم باہو اپنی جان گنوا بیٹھا اور اس کا تاج راجا دھیراج کے ہاتھ لگا۔ تاہم "مہاوامسا" میں یہ لکھا ہے کہ وہ اپنی حکومت کے بارہویں سال (۱۰۴۱ء) میں جبکہ چولوں کے خلاف لڑائی کے تیاریاں زوروں پر تھیں، کسی مرض کی وجہ سے اچانک فوت ہوگیا۔ ممکن ہے کہ چولوں کے بیان میں سچائی کی نسبت خود ستائی کا عنصر زیادہ ہو۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ وکرم باہو کا تاج چولوں کو مالِ غنیمت میں ہاتھ آیا ہو۔ مہندا پنجم کے خلاف راجندر کی کامیابی کے باوجود پوری لنکا حکومت محض عارضی طور پر یعنی صرف دس برس تک چولوں کے ہاتھوں میں رہی، اس کے بعد روہنا کے صوبے نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور چولوں کے خلاف ایک مسلسل جنگ جاری رکھی۔ راجا دھیراج کے عہد حکومت میں یہ کشمکش ایک سنگین شکل اختیار کر گئی کیونکہ وکرم باہو کے بعد جو بھی حکمران ہوا اس کے دل میں ہمیشہ یہ آرزو رہی کہ وہ لنکا سے دمیلوں کو نکال باہر کرے۔ بسن ۱۰۴۱ء میں کتی کی ہشت روزہ حکومت سے قطع نظر کرتے ہوئے توری مہالا نکی جو روہنا کا راجہ بن بیٹھا تھا، اپنے عہد حکومت کے تیسرے برس (۱۰۴۴ء) میں چولوں کے خلاف جنگ میں شکست کھا گیا اور اپنے ہاتھوں اپنا گلا کاٹ کر مر گیا۔ اس کے بعد دمیلوں نے تمام بڑے خزانوں مثلاً تاج وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور انہیں چولا تاجدار کے پاس بھیج دیا۔ یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے کہ ان چار سنہالی حکمرانوں میں جن کے نام مذکورہ بالا چولا کتبات میں درج ہیں۔ مہالا نکی کون ہے۔ "مہاوامسا" کے بیان کے مطابق مہالا نکی کا اکلوتا بیٹا وکرم پنڈو (۱۰۴۴ء تا ۱۰۴۷ء) تھا جو ڈر کے مارے وطن چھوڑ کر فرار ہوگیا تھا اور کچھ عرصے تک دلو دیش میں مقیم رہا تھا لیکن جب اس کو اپنے باپ کا حشر معلوم ہوا تو وہ روہنا میں واپس آگیا اور تھوڑے عرصے تک حکومت کر کے جگتی پال کے خلاف ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اس کے برعکس چولا کتبے میں لکھا ہے کہ وہ ایک پانڈیا راجہ تھا جو کبھی جنوبی تامل محلے پر حکومت کرتا تھا اور جسے خود راجا دھیراج نے جنوبی ہند چھوڑ دینے اور لنکا جا کر قسمت آزمائی کرنے پر مجبور کر دیا تھا، جہاں جا کر وہ راجہ بن گیا۔ چونکہ اس زمانے میں پانڈیا خاندان

اور کیرلا کے ساتھ بھی ان کے اسی طرح کے روابط اور خاندانی تعلقات بہت قریبی اور گہرے تھے اور کیرلا کے ساتھ بھی ان کے اسی طرح کے روابط تھے، وہ چولوں کی مشترکہ مخالفت میں باہم متحد بھی تھے اسی لیے ہمیں یہی ماننا پڑے گا کہ دونوں تذکرے ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں. بظاہر وکرم پانڈیا کا والد سنہالی تھا اور ماں پانڈیاں خاندان سے تھی. ریاست پانڈیا میں اس کی ابتدائی زندگی کو "مہا واسا" میں دلو دلش کے قیام سے تعبیر کیا گیا ہے مگر یہ غالباً صحیح نہیں ہے. البتہ یہ وقفہ ہو سکتا ہے کہ ریاست پانڈیا اور لنکا میں جو زمانہ اس نے گزارا ڈلو کا قیام اس کا درمیانی وقفہ ہو. بات جو کچھ بھی ہو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ چولا کتبات اور "مہا واسا" دونوں میں ایک ہی راجہ کا ذکر ہے اور گولنکا کے ماخذوں میں اس کی موت کی جو وجہ بتائی گئی ہے چولا کتبات سے کہیں اس کی تردید نہیں ہوتی لیکن یہ بہت ممکن ہے کہ چولوں کا دعوٰے کہ اس کا تاج ان کے ہاتھ لگا، واقعی سچ ہو جگتی پال (1047ء تا 1051ء) کے متعلق "مہا واسا" کا کہنا ہے کہ "وہ ایودھیا سے آیا ہوا کسی راجہ کا بیٹا تھا جس کے لنکا میں وارد ہونے کے بعد ایک لڑائی میں وکرم پانڈو کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور چار برس تک روہنا میں ایک زبردست فرمانروا کے طور پر حکومت کی لیکن اسے بھی چولوں نے لڑائی میں ٹھکانے لگا دیا اور بیتی کو اس کی بیٹی اور تمام قیمتی املاک سمیت چولا ریاست بھیج دیا." اگر ہم اس راجہ کے اصل وطن کے متعلق چولا کتبات اور "مہا واسا" کے بیانات کے باہمی تضاد کو نظر انداز کر دیں، جو چول کتبات میں تو کینا کبجا بتایا گیا ہے اور "مہا واسا" میں ایودھیا تو ہم دیکھیں گے کہ "مہا واسا" میں مذکور جگتی پال اور چولا کتبات میں مذکور وِیرسلا میگھن دونوں کی قسمتوں میں حیرت انگیز مشابہت پائی جاتی ہے. اسی لیے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ہمارے ان ماخذ میں ایک ہی راجہ کا ذکر دو مختلف ناموں سے کیا گیا ہے لیکن ایسا نتیجہ نکالنا بھی ناقابل تردید نہیں ہے. ویرسلا میگھن کی موت کا ذکر جس کتبے میں آیا ہے اس کی تاریخ تحریر 1046ء کے آخر کی ہے. "مہا واسا" کے ایک تنقیدی جائزے سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ جگتی پال نے 1059ء سے شروع کے چار برس تک حکومت کی. لہٰذا ان دو راجاؤں کے ناموں اور وطنوں میں فرق

کا یہی مطلب ہوا کہ وہ دو مختلف افراد تھے جن کی کوئی بات مشترک نہیں تھی، سوائے اس کے کہ دونوں نے چولا حکومت کے مخالفوں کی حیثیت سے لنکا میں کچھ شہرت حاصل کی اور اپنے حریفوں کے ہاتھوں ان کا ایک سا حشر ہوا۔ بہ ہادر قسمت آزمائی کرنے شمالی ہند سے لنکا تک کیونکر پہنچے، اس کا بتلانا سردست ممکن نہیں۔ چولا کتبات میں مذکور چوتھے اور آخری حکمران شری ولبھہ مدن راجا کو مہا واسا" کا "پراکا" راجہ شناخت کیا گیا ہے، جسے چولوں کے خلاف لڑائی میں قتل کیا گیا تھا لیکن اس کو بھی تسلیم کرنے میں احتیاط برتنی ہوگی۔ مدن راجا کنّر نسل کا ولبھہ تھا۔ اس کے برعکس پراکا پنڈو خاندان کے راجہ وکرم پنڈو کا بیٹا تھا۔ مزید براں پراکا کی موت 1053ء کے قریب واقع ہوئی تھی جو راجا دھیراج کے اس کتبے کی تاریخ (1066ء) سے جس میں مدن راجا کا ذکر کیا گیا ہے کم و بیش سات برس بعد کی بات ہے۔

تلخیص | راجا دھیراج کے کتبات میں لنکا کی جنگ کے تذکرے اور "مہا واسا" میں کیے گئے اس جنگ کے واقعات کا باہم موازنہ ہمیں احساس دلاتا ہے کہ چولا سلطنت اور لنکا کے اس حصے کے جو مخالف حالات کے باوجود چولوں کی غلامی سے آزاد ہونے کے لیے مسلسل جد و جہد کر رہا تھا، باہمی تعلقات کے تذکروں کو ایک مربوط کہانی کی شکل دیتے وقت ہمیں بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ راجا دھیراج کے کتبات میں مذکورہ راجاؤں میں سے بعض دو ہی راجاؤں وکرم باہو اور وکرم پانڈیا کو "مہا واسا" کی روشنی میں شناخت کیا جا سکتا ہے۔ ویر سلامیگھن اور شری ولبھہ مدن راجا کا ذکر صرف چولا کتبات میں آیا ہے، "مہا واسا" میں بظاہر ان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کے برعکس "مہا واسا" میں مذکور جگتی پال اور پراکا دونوں کا ذکر چولا کتبات میں کہیں نہیں ہے جنھوں نے لنکا کی آزادی کی لڑائی کے آخری مرحلوں میں نام پیدا کیا اور لڑائی میں اپنی جانیں قربان کیں۔ راجا دھیراج کے جانشین راجندر دوم کے کتبات سے پتہ چلتا ہے کہ لنکا کی شورشوں کو فرو کرنے میں اس کا بھی ہاتھ تھا۔ اس کے عہد کے چوتھے برس یعنی 1055ء کے کتبات میں درج ہے کہ "اس نے لنکا کی جانب ایک فوج روانہ کی جہاں راجا ویر سلامیگھ کو موت

کے گھاٹ اتار دیا گیا اور راجہ ماناّ بھرن کے دو بیٹوں کو گرفتار کر لیا گیا۔" راجندر دیو کے بعد کے کتبات میں صرف ویرسلا میگھاہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ "راجندر دیو کا دعوے لنکا کے سنگلی کندرادا نامی مقام پر اس کے ایک کتبے کی موجودگی سے ثابت ہوتا ہے۔ ہر چند کہ ویرسلا میگھ کا ذکر "طاقت ور فوج والے کالنگوں کے فرمانروا" کے طور پر کیا گیا ہے تاہم اسے کنگچیار کادلن سے الگ شخصیت تصور کرنے کی کوئی وجہ نہیں جس کا ذکر راجا دھیراج کے کتبات میں آتا ہے۔ راجا دھیراج کی فوجوں کے ہاتھوں اپنے کنبے کے افراد اور اپنی بہن، ماں اور بیوی کی بے حرمتی کو اپنے جیتے جی دیکھ کر جب اس نے اس ذلت کا انتقام لینے کی کوشش کی تو ایک "گمسان کی لڑائی" میں اسے شکست ہوئی۔ پھر بھی وہ بچ نکلا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدنصیب حکمران کچھ برسوں کے بعد چولوں کے ایک اور حملے کا شکار ہو گیا۔ لنکا کے حکمران ماناّ بھرن کی صحیح شناخت کرنا آسان نہیں جس کے دو بیٹوں کو راجندر نے گرفتار کر لیا تھا۔ غالباً وہ لنکا کے اس حکمران کے علاوہ کوئی اور شخص نہیں تھا جو جنوبی ہند کے ان تین حکمرانوں کے اتحاد میں شامل ہو گیا تھا جن کی مخالفانہ کارروائیوں کا انسداد راجا دھیراج نے اپنے والد کی زندگی ہی میں اپنی ایک ابتدائی جنگی مہم میں کر دیا تھا۔

لنکا میں چولوں کے سکے اور کتبات

عام طور سے لنکا میں دستیاب شدہ ہندوستانی سکوں میں راجا دھیراج اور راجندر کے جاری کردہ سکے شامل ہیں اور لنکا میں ملنے والے چولا کتبات اگرچہ بہت کثیر تعداد میں نہیں ہیں اور ان کی حفاظت بھی اچھی طرح سے نہیں کی گئی ہے لیکن یہ اس بات میں زیر مطالعہ دور کے بالکل آخر تک ہماری رہنمائی کرتے ہیں اور ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جزیرۂ لنکا کا بیشتر حصہ چولا سلطنت کے زیر انتظام ایک صوبہ تھا۔ البتہ اس جزیرے کا جنوب مغربی حصہ جس کا ذکر "مہاوامسا" میں روہنا کے نام سے کیا گیا ہے، سنہالیوں کی آزادی کی بحالی کے لیے مسلسل برسرپیکار رہا۔ راجا کِتی جس نے 1058ء میں وجے باہو کا لقب اختیار کیا تھا اس جدوجہد کا سربراہ تھا جس کی کچھ تفصیل "مہاوامسا" اور دیر

راجندر کے کتبات میں درج ہے۔

تحریک کو کچلنے کی پالیسی

سبھی فاتحوں کی طرح چولا تاجدار بھی سنہالیوں کی ان سے نجات حاصل کرنے کی فطری خواہش کی وجہ سے ان سے برانگیختہ تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تحریک آزادی کے انسداد کے لیے ظلم و ستم کے وحشیانہ طریقے بھی اپنائے جیسے جلاوطنی، قتل اور جسم کے اعضا کاٹ دینا وغیرہ جو انہوں نے لنکا کے شاہی خاندان کی عورتوں تک سے روا رکھے۔

اس پالیسی کی ناکامی

1070ء میں چولا تخت پر کلوتنگا کے بیٹھنے کے بعد بالآخر وجے باہو اول اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہو گیا جبکہ اس کے کتنے ہی پیش رو اس جد و جہد میں ناکام ہو چکے تھے اس نے لنکا کی آزادی بحال کی۔ وجے باہو کو جن اقدامات سے کامیابی حاصل ہوئی ان کا مفصل بیان کلوتنگا کے عہد حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔

چالوکیہ سے دوسری لڑائی

راجا دھیراج نے 1044ء اور 1046ء کے درمیانی عرصے میں سومیشور کے خلاف دوبارہ لڑائی چھیڑ دی 3، دسمبر 1046ء کے سی منگلم کے ایک کتبے میں اس مہم کا مختصر حال درج ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ چولا راجہ نے جنگ میں چالوکیوں افواج کے متعدد ماتحت سرداروں کو شکست دی اور کمپلی شہر میں چالوکیوں کے محل کو مسمار کر دیا دیگر کتبات جن میں سب سے پرانا کتبہ راجا دھیراج کے عہد کے تیرہویں برس کا ہے اس بارے میں کچھ مزید معلومات فراہم کرتے ہیں کہ کمپلی کے محل کی تباہی کے بعد کیا واقعات پیش آئے۔ ایک اور معرکہ جو اپنی نوع کا تیسرا معرکہ کہا جاتا ہے پونڈور کے مقام پر ہوا جو دریائے کرشنا کے بائیں کنارے پر واقع "ندیڈ کا ماگر" یعنی چھاؤنی بتایا جاتا ہے۔ اس لڑائی میں متعدد تیلگو سردار جن میں تیلنگا وچیا، اس کی والدہ اور بیٹے نیز سومیشور کے باجگزار بھی شامل تھے، بیشمار عورتوں کے ہمراہ جنگی قیدی بنا لیے گئے۔ تب پونڈور کو چولا فوج نے تاخت و تاراج کیا اور اسے مسمار کر کے پیوست خاک کر دیا اور وہاں گدھوں سے ہل چلوا دیئے گئے اور "وراٹکی" بو دی گئی۔

جوجوارلی ایک موٹی قسم ہے اور آخر میں متن دیتی کے عظیم قصر شاہی کو نذر آتش کر دیا گیا اور وہاں شیر کے نشان والا فتح کا ستون تعمیر کیا گیا۔ یہ واقعات جو چولا کتبات میں بلاشبہ خاصی مبالغہ آمیزی سے بیان کئے گئے ہیں، ۱۰۴۶ء سے قبل ہی وقوع پذیر ہوئے ہوں گے۔

اس عہد کے چند دیگر کتبات اس جنگی مہم کے متعلق مزید تفصیلات فراہم کرتے ہیں۔ ان میں "طغیانی پر آئے ہوئے پانیوں والے پونڈی" کی گھمسان کی جنگ کا ذکر ہے جس میں وچیتا خوفزدہ ہوکر اور اپنے ماں باپ کو چولا فوج کے رحم وکرم پر چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ جب آہوآمل نے ہراساں ہوکر صلح کی بات چیت کے لیے اپنے ایلچی بھیجے تو چولا تاجدار ان کے ساتھ بہت درشتی سے پیش آیا اور انہیں ایسے کتبے اٹھا کر چلنے پر مجبور کیا جن میں آہوآمل کے ڈر کر فرار ہو جانے کا اعلان درج تھا۔ اس کے بعد اپنی فوج کی قیادت کرتا ہوا چولا تاجدار اپنے ہاتھیوں کے گلے کو تینوں گھاٹوں پر اشنان کروانے کے لیے لے گیا۔ یہ شرتور ئی، پرندر ئی اور دیوبھیم کاسی کے گھاٹ تھے اور خونخوار شیر والا شاہی نشان ان پہاڑوں پر کندہ کر دیا جہاں دشمن کا کھوتر کا نشان کھدا ہوا تھا۔ اور وہاں فتح کا ستون نصب کیا۔ اس نے ان راجاؤں کے ساتھ جو اس کے قدموں پر جھکے کھیل کھیلے۔ اس نے اپنی بخشش کے پرچم کو اپنے شیر والے شاہی نشان کے ہمراہ لہرایا اور دشمن سے چھنے ہوئے قدیمی خزائن کے منہ ضرورت مند لوگوں پر کھول دیے۔ اس نے غنیم کی افواج کے متعدد سرداروں مثلاً نلمبا، کالی داس، چامنڈا، کوئیا، اور وتورا جا کو شکست دی اور گرجر راجہ کا سر قلم کر دیا۔ صرف ان لوگوں کی اس نے جان بخشی جنھوں نے اس سے پناہ مانگی بلکہ ان کا اس نے تاج اور رتبہ بھی بحال کر دیا۔ یہاں سے بعض کتبات میں کچھ ایسی تفصیل بھی دی ہوئی ہے جو دوسرے کتبات میں نہیں ملتی۔ اگرچہ ان کے متن کے درمیان بعض خالی حصے ان کے مکمل طور پر سمجھنے میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں، ان کا عام رجحان بالکل واضح ہے اور ان میں یہ درج ہے کہ آہوآمل کے فرستادہ ایلچیوں کے ساتھ کس طرح سے نازیبا سلوک کیا گیا ہے اشخاص کو جو ایک "پیرگنڈی" یعنی اعلیٰ چالوکیہ افسر کے ہمراہ تھے

چالوکیوں کی دیدہ و دانستہ توہین اور وحشیانہ تذلیل کے لیے آلہ کار بنایا گیا کہ بالوں کی پانچ ایک کو زنانہ لباس پہننے پر مجبور کر کے دوسرے کا سر اس طرح منڈوایا گیا کہ بالوں کی پانچ لٹیں باقی رہیں۔ جب ان دونوں کے نام "خستہ حال آہوا ملی اور آہو آتل" رکھے گئے اور انہیں "ویرکڈی" کے ہمراہ چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد جلد قدیمی شہر کلیان پورم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی اور اس کے شاہی محل کے محافظوں کو مغلوب کر کے اسے مسمار کر دیا گیا۔ راجا دھیراج نے اسی شہر میں وجیہ راجندر کا لقب اختیار کیا اور "ویرا بھیشک" کی رسم ادا کی۔ ان باتوں کی تصدیق راجا دھیراج کے عہد کے ایک بعد کے کتبے سے ہوتی ہے جس کی پرشستی عجیب و غریب ہے۔ اس پرشستی کا آغاز "تر دکوڈیوڑ و" سے ہوتا ہے اس کتبے میں آہوا مل پر جو فتح حاصل ہوئی اور اس کے بعد کی "ویرا بھیشک" کی رسم اور وجیہ راجندر کا لقب اختیار کرنے کے واقعات کو نمایاں کر کے بتایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ضلع تنجور میں دارا سرم کے مقام پر ایک "دوار پالک" کی مورتی آج بھی دیکھی جا سکتی ہے جس کی طرز سنگتراشی چولوں کے طرز سے بالکل مختلف ہے اور اس پر مندرجہ ذیل عبارت کندہ ہے:۔

1۔ سوستی شری اڈیبار شری وجیہ راجندر دیو۔

2۔ کلیان پورم ایر توکوڈ و وندا توار پالکر

جس کا مطلب ہے وہ دربان جسے کلیان پورم کو نذر آتش کرنے کے بعد اڈیبار شری وجیہ راجندر دیو یہاں لایا۔

اثرات لیکن سومیشور کے کتبات میں راجا دھیراج کی اس جنگی مہم کا یا بعد کی اس جنگ کا جو کوپم کے میدان جنگ میں اس کی موت کا باعث ہوئی کوئی ذکر نہیں ہے اور چولوں کی تمام تر کامیابیوں کے باوجود جن کا انھوں نے ڈنکا پیٹا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چالوکیوں کی طاقت برقرار رہی۔ سومیشور کے کتبات سے جن میں سے بعض پر ان کی تاریخ درج ہے معلوم ہوتا ہے کہ دریائے تنگ بھدرا کی جانب چالوکیوں کی سلطنت کی حدود میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ ضلع بیلاری کے ہڈگلی تعلقہ سے شاکا سمت 968 کا یعنی سنہ [illegible]ء کے اوائل

کاترے لوکیرل دیو (سومیشور اوّل) کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں ایک سردار کاآل واسں کی جانب سے دیتے گئے ایک عطیئے کا اندراج ہے اسں سردار کا ذکر ان تیلگو راجاؤں کے زمرے میں بھی آتا ہے جنھیں اسں زمانے کی لڑائیوں میں چولا افواج نے پیچھے ڈھکیل دیا تھا۔ اسی علاقے سے دو اور کتبات بھی ملے ہیں جن پر اگلے برسں یعنی شاکا سمت 969 کی تاریخ درج ہے۔ ان میں سے ایک کتبے میں "ماہی ستی پورا کے" والی "راجا مہا منڈلیشور گندھر آدتیہ راسا کی جانب سے وشنو دیوتا کے ایک مندر کو دیے گئے اراضی کے ایک عطیئے کا اندراج ہے۔ یہ راجہ سومیشور کے ایک اطاعت گزار کی حیثیت سے سندواڑی 1000، بینے ڈورُوڑ 12" اور نرو گنڈا کے علاقوں پر حکومت کرتا تھا اور غالباً کنڈن دنگرن تھا جس کا چولا کتبات میں ذکر کیا گیا ہے۔ سومیشور کے کانچی کو فتح کر لے اور وکرمادتیہ کی "دگ وجے" کے متعلق بلہن نے جو تعریف کے پل باندھے ہیں ہم ان کو صحیح تسلیم نہ بھی کریں پھر بھی ہم کو یہ ماننا پڑے گا کہ چالوکیوں علاقے پر چولوں کے مسلسل حملے چالوکیہ تاجدار کے لیے کتنے ہی ضرر رساں ثابت ہوئے ہوں رعایا اور باجگزاروں کی عافیت کے لیے کتنے ہی ضرر رساں ثابت ہوئے ہوں مستقل طور پر کوئی بھی علاقہ چالوکیو علاقے ہاتھ سے کبھی نہیں نکلا۔ البتہ بیشتر جنگ و جدل چالوکیہ علاقے ہی میں ہوتی رہی اور دوران جنگ میں بہت سے بڑے بڑے شہر حملہ آوروں کے غیظ و غضب کا نشانہ بنے چولوں کا مقصد دراصل چالوکیوں کو اسں وقت کی پانڈیا، کیرلا اور وینگی کی ریاستوں کی طرح طرح اطاعت گزار بنانا تھا۔ اسں کوشش میں وہ ناکام رہے۔ ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ عارضی ہی طور پر سہی لیکن سومیشور ریاست وینگی میں بھی اپنا اثر بڑھانے میں کامیاب رہا۔ اسں کے 1053ء کے ملگنڈ کے کتبے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسں کے ایک بیٹے سومیشور دیو نے جو بیل وولا 300 اور پلی گیرے 300 پر حکومت کرتا تھا "وینگی پور ورلیشورا" کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ نیز جیسا کہ ہم پہلے بھی دیکھ چکے ہیں۔ اسی راجہ کے دو سال بعد کے ایک کتبے میں (شاکا سمت 977 کا کندہ شدہ) جو دراکشارا میں ملا ہے، ایک عطیئے کا اندراج ہے جو اس کے ایک وزیر ستی نارائن بھٹ کی بیٹی نے دیا تھا۔

جنگ جاری رہی

راجا دھیراج نے چالوکیہ کے خلاف ایک اور فوجی مہم کی قیادت کی۔ اس میں اس کا چھوٹا بھائی راجندر بھی اس کے ہمراہ تھا جسے اس نے اپنے بیٹوں پر ترجیح دے کر اپنا جانشین منتخب کیا تھا اس کے بیٹے جن کے ناموں کا کہیں ذکر نہیں ملتا سلطنت کے انتظامیہ میں اعلےٰ عہدوں پر فائز تھے۔ ہمیں راجندر دوم کے کتبات سے اس مہم کی بالکل صحیح اور جیتی جاگتی تصویر مل جاتی ہے۔ اس مہم کا ذکر سب سے پہلے اس کے عہد حکومت کے دوسرے برس (1054ء) کے ایک کتبے میں آتا ہے۔ اس کی مزید تفصیلات اس کے عہد کے چوتھے سال (1055ء) کے منی منگلم کے کتبے میں ملتی ہیں۔ اس کتبے میں درج ہے کہ چولا تاجدار جنگ کے لیے موقع کی تاک میں تھا۔ چنانچہ اس نے رٹا منڈلم پر حملہ کر دیا اور اس علاقے کو تاخت و تاراج کرنے لگا۔ جب چیتور چالوکیوں راجہ آہو آمل کو اس کی خبر ملی تو اس کی بھی آتش غضب بھڑک اٹھی اور وہ اپنی فوجوں کے ساتھ نکل پڑا اور پیش قدمی کرتا ہوا چولا راجہ سے کوپم کے میدان جنگ میں ہونے والی گھمسان کی لڑائی میں ملا۔ کوپم "دریائے عظیم" کے کنارے ایک مشہور تیرتھ استھان تھا۔

کوپم کی جنگ

فلیٹ نے کوپم کو موجودہ کھدراپور قرار دیا ہے جو دریا کے دائیں کنارے پر کولہاپور سے 30 میل جنوب مشرق کی سمت آباد ہے۔ اس شناخت کے جواز میں دو دلائل ہیں، ایک یہ کہ دریائے کرشنا ہی "افضل ترین دریائے عظیم" ہے لیکن اب ہرے ہلا (دریائے عظیم) کے کنارے مسکی کے نزدیک واقع کوپ بال نامی مقام کو اس لڑائی کی جو دونوں جانب سے طویل عرصے تک انتہائی شدت و خونریزی کے ساتھ لڑی گئی، جائے وقوع سمجھا جاتا ہے۔ اس کے صحیح واقعات معلوم کرنے کے لیے ہمیں راجندر کے عہد کے آخری کے کچھ کتبات اور مذکورہ بالا منی منگلم کے کتبے سے حاصل ہونے والی معلومات کو یکجا کرنا پڑے گا۔ جنگ کے ابتدائی مراحل میں راجا دھیراج نے خود لڑائی کی قیادت کی اور راجندر دہو نے غالباً اس لیے اس میں شرکت نہیں کی کہ کسی ہنگامی ضرورت کے وقت کام آئے۔ اس مرحلے میں چالوکیہ افواج نے اپنی تمام تر

توجہ اس ہاتھی پر مرکوز کردی جس پر چولا راجہ سوار تھا۔ اور بالآخر اسے مہلک طور پر زخمی کر دیا حتیٰ کہ "وہ اوپر آسمان کی طرف اٹھ گیا اور اِندر کے ملک میں مقیم ہو گیا جہاں آسمانی اپسراؤں نے اس کا خیر مقدم کیا"۔ تب کنتلوں کی سمندر کی مانند لاتعداد فوج چولا افواج پر ٹوٹ پڑی جو اس یلغار کا مقابلہ نہ کر سکی اور منتشر ہو کر پیچھے ہٹنے لگی۔ اس مرحلے پر راجندر دیو اپنی پیچھے ہٹتی ہوئی فوج کو للکارتا ہوا رن میں کود پڑا کہ "ڈرو مت" اس نے اپنے ہاتھی کو کرناٹکوں کی فوج کی جانب بڑی تیزی سے آگے بڑھایا جیسے خود موت کا دیوتا پیش قدمی کر رہا ہو اس طرح اس نے اپنی فوج میں دوبارہ نظم قائم کر دیا اور لڑائی جاری رکھ کر فتح حاصل کر لی۔ ایک بار پھر دشمن نے چولا راجہ کے ہاتھی پر اپنی توجہ مرکوز کی۔ اور "آہوآل کے سیدھے مار کرنے والے تیروں کی بوچھاڑ نے اس کے ہاتھی کی پیشانی اور خود اس کی رانیں اور کندھے جو چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں سے مشابہ تھے زخمی کر دیئے"۔ اور بہت سے سپاہی جو اس کے ساتھ ہاتھی پر سوار تھے جنگ میں لڑتے ہوئے کام آئے لیکن راجندرا اپنے بھائی سے زیادہ خوش نصیب نکلا۔ وہ چالوکیوں کی فوج کے بہت سے سرداروں کو موت کا نشانہ بنانے میں کامیاب ہو گیا جن میں چالوکیہ راجہ کا بھائی جے سمہا اور اس کے علاوہ پلیکشن، دشپنتن، اور نَنی نلبین بھی شامل تھے۔ "آخرکار" مشلکی کو اور اس کے ساتھ اس کے ہمراہی وِتیا ریون کو، اور ستنی کو جو ایک زبردست لشکر رکھتا تھا، نیز کنڈ مایَن کو جس کی فوج موت کا وارث تھی اور اس کے مددگار دوسرے راجاؤں کو سبھی کو شکست ہوئی وہ لرزہ براندام، ژولیدہ مو حالت میں میدان سے پیٹھ دکھا کر فرار ہو گیا۔ کبھی وہ پیچھے مڑ کر دیکھتا، لیکن اس کی ٹانگیں تھک کر چور ہو چکی تھیں۔ بالآخر وہ مغربی سمندر میں چھلانگ لگا دینے پر مجبور ہو گیا"۔ لاتعداد ہاتھی گھوڑے اور اونٹ، سُور کے شاہی نشان والا ظفر مند پرچم اور بادشاہت کے دوسرے نشانات، نیز لاثانی حسن والی ستیاوتی، شانکبی اور دوسری رانیاں اور عورتوں کا ایک ہجوم اور دوسری بہت سی چیزیں جنھیں میدانِ جنگ میں چھوڑ کر آہوآل فرار ہو گیا تھا، مالِ غنیمت کے طور پر چولا تاجدار کے ہاتھ آئیں۔

راجندر کی تاج پوشی

اب راجندر نے ایک ایسا کام کیا جس کی پہلے کہیں مثال نہیں ملتی اس نے میدان جنگ میں اپنی تاج پوشی کی جب کہ ابھی جنگ میں کھائے ہوئے زخم اس کے جسم پر ہرے بھرے تھے۔ چند کتبات کے مطابق راجندر نے کولہاپور کی جانب پیش قدمی کی۔ جہاں اس نے اپنے دارالخلافہ گنگاپوری کو واپس آنے سے پہلے ایک "جے ستمبہ" (مینار فتح) تعمیر کیا۔ یہ ہے کوپم کے میدان کی شہرۂ آفاق لڑائی کا حال جو چولا کتبات میں بیان کیا گیا ہے۔

چالوکیہ کتبات کوپم کی جنگ کے متعلق خاموش ہیں

سومیشور کے عہد حکومت کے چالوکیہ کتبات میں کوپم کی لڑائی کا ذکر نہیں ملتا خصوصاً چولوں کے ساتھ اس کے جنگ و جدل کے حوالے بہت کم ملتے ہیں۔

سومیشور کے عہد میں

شاکا سمت 981 کے خاتمے پر وہ جنوبی ریاستوں کی تسخیر کے بعد اور چولوں پر فتح پاکر واپس آیا تھا۔ اور اس نے سنڈواڑی میں پڑاؤ ڈال رکھا تھا جو مہا منڈلیشور چدنا چولا مہاراجا کے زیر حکومت ایک صوبہ تھا۔ شاکا سمت 987 میں وشنو وردھن و جے آدتیہ نے اڑشیا کیرے میں پڑاؤ ڈالا جب وہ مہاراجہ کے حکم کی تعمیل میں جنوب کی فتح کے لیے جارہا تھا۔ بلہن کا تذکرہ جیسا کہ اوپر بھی بتایا جاچکا ہے حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا اور محض ایک من گھڑت افسانہ معلوم ہوتا ہے۔

بعد کے کتبات خاموش نہیں ہیں

سومیشور کے عہد حکومت کے خاتمے کے تھوڑے عرصے بعد کے دو کتبات ایسے ملے ہیں جن میں سے دونوں پر ہی تاریخ تحریر 1071ء کی درج ہیں۔ اور جن میں چولوں کے حملے اور راجا دھیراج کی موت کا حال دیا ہوا ہے۔ اگرچہ تاریخ تحریر بعد کی ہے اور ان میں چولا راجہ کا نام بھی نہیں دیا گیا تاہم چولا کتبات سے یہ اندازہ لگانا آسان ہے کہ ان چالوکیہ کتبات میں مندرج واقعات اسی جنگ سے تعلق رکھتے ہیں جو کوپم کی لڑائی اور راجا دھیراج کی موت کا باعث ہوئیں۔ ان کتبات میں

چولوں کے خلاف جو درشت زبان استعمال کی گئی ہے وہ یہ ظاہر کرتی ہے کہ سومیشور کے کتبات کی اس بارے میں خاموشی کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس کی زندگی ہی میں علانیہ ان افسوسناک واقعات کو ضبطِ تحریر میں لاتے ہیں جن کی وجہ سے ایک بدیشی حملہ آور کے ہاتھوں اتنی مصیبت اس کے ملک پر نازل ہوئی اس نے ایک طرح کا تاثل تھا۔ چالوکیہ کتبات میں ہمیں یوں بتایا گیا ہے کہ "مہا پاتکا" (گناہ گار عظیم) تاہل نے جس کا نام پانڈیا چولا تھا، ایک مذموم راستہ (نیلے گیٹو) اختیار کیا اور اپنے خاندان کی آبائی روایات کو ترک کر کے وہ بیلوولا کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ اس نے کئی مندروں کو آگ لگا دی جن میں گنگا پیرو مانڈی کے تعمیر کردہ "جنالیہ" بھی شامل تھے۔ اس کو فوری طور پر اس کے فاسد اعمال کی سزا مل گئی اور وہ جنگ میں سومیشور اول کے ہاتھوں اپنی جان گنوا بیٹھا۔ اس بیان میں سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جن کی کامیابیوں کا حال جو چولوں نے بیان کیا ہے اس میں کسی قسم کی مبالغہ آرائی نہیں ہے۔

راجا دھیراج کا لقب "آنئی میرن جن" جس طریقے سے راجا دھیراج کی موت ہوئی اس کے باعث وہ "ہاتھی کی پیٹھ پر جان دینے والا راجہ" مشہور ہو گیا اور اپنے جانشینوں کے کتبات میں اس کا ذکر اسی لقب سے کیا گیا ہے۔

ایک عظیم جنگی سورما جب سے اسے اس کے باپ نے ولی عہد سلطنت منتخب کیا تھا اس وقت سے کوپم کے میدان کارزار میں اپنی جان گنوانے کے دن تک راجا دھیراج نے ایک جنگجو راجہ کی زندگی بسر کی اور بہت سی جنگی مہمات کی کمان ذاتی طور پر کی۔ اس کے کارنامے اس کو ایک پیدائشی جنگجو کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور اس کی رزمیہ صلاحیت کو ایک وسیع سلطنت کو سالم رکھنے کی کوشش میں بروئے کار آنے کا پورا موقع ملا۔ یہ سلطنت ان قدیم حکمران خاندان کی تباہی پر تعمیر ہوئی تھی جو چولوں کی اطاعت کو دل سے قبول کرنے پر کبھی آمادہ نہیں ہوتے۔ اکثر لڑائیوں کا مثلاً اس فوجی مہم کا جو کوپم کے میدان میں اس کے لیے مہلک ثابت ہوئی وہ خود ذمہ دار تھا۔ وہ سب سے اوّل ایک سپاہی تھا۔

اور اس کی عظیم فوجی صلاحیتوں کے باعث ہی اسے ولی عہد بنانے میں اپنے بڑے بھائی پر فوقیت دی گئی تھی۔ اپنے باپ کی زندگی ہی میں اس کا "اشوسید ھگیہ" رچانا بہت حد تک ہماری اس رائے کی تائید کرتا ہے۔

راجادھیراج کی مہارانیاں

راجادھیراج کی پرشستیاں مختصراً ہمیں بتاتی ہیں کہ اس نے اپنے چچا اور اپنے چھوٹے بھائی بڑے حقیقی بھائیوں کو نیز اپنے بیٹوں کو اہم سرکاری عہدوں پر مامور کر دیا تھا اور انہیں الگ الگ صوبوں کے لیے ماتحت حکمران بنا دیا تھا۔ راجادھیراج کی ولادت کا طالع پوربا پھالگنی تھا۔ گنگائی کونڈا چولاپورم اس کا دارالسلطنت تھا۔ اس کے کتبات میں اس کی رانیوں کا اتنا نمایاں طور پر ذکر نہیں آیا جتنا دوسرے راجاؤں کے کتبات میں آیا ہے۔ اس کی رانیوں میں سے ایک کا نام نہیں بلکہ لقب ترلوکیم اڈیار تھا جس کے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ اپنے شوہر کی موت کے بعد زندہ رہی تھی، بشرطیکہ یہ وہی خاتون ہو جس کا ذکر راجندر دوم کے عہد کے تیسرے برس کے ایک کتبے میں تمبی رانیار کے نام سے آیا ہے۔

القاب

وجیہ راجندر" کے لقب کے علاوہ جو اس نے کلیان پورم میں اختیار کیا تھا، راجادھیراج نے اپنے کئی اور نام بھی رکھ لیے تھے مثلاً ویر راجندر ورمن، آہو آمل کا تنکا۔ اور کلیان پورن گونڈ شولا راجہ کے ایک روحانی پیشوا (گورو دلورا) کا بھی ذکر آیا ہے جس کا نام " ادھیکاریکل پاراشراین واسو دیونارائن تھا اور جو الگنند شولا برہم مارائن کے نام سے بھی موسوم تھا۔ یہ سوال اکثر اٹھتا ہے کہ کیا الگنند شولا بھی راجادھیراج ہی کا ایک لقب تھا اور کیا اس کی ہی سلطنت کے ایک حصے کا زرعی بندوبست بھی اسی کے عہد میں کیا گیا تھا۔

ماتحت جاگیرداران

راجادھیراج کے کتبات میں مذکور اس کے ماتحت جاگیرداروں میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔

ونڈ ماگرو شبلن کا ریراھکا مارائن عرف، راجادھیراج نیل گنگ ریناڑ ۔ پلانیار شولا دیبہ دیو جہ ۔ کی بیوی کا نام نچون مہادیویار تھا۔ مہاراجہ د.ڑنی ۰۰۰ ۲ کا ناظم

ڈنڈنائیک اِپّی میا جس کی حکومت کا صدر مقام ضلع کڈپہ کا قصبہ واوترو تھا۔ اور جو شاید وہی شخص تھا جس کا ذکر اگلے ہی برس راج راجا برہمادھیراجہ کے نام سے اسی صوبے کے گورنر کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ پھر پلا نیار وشنو وردھن دیو جو یقیناً ریاست وینگی کا حاکم راج راجا اوّل تھا جس کی رانی امنگا دیوی چولا تاجدار راجندرا اول کی بیٹی اور راجا دھیراج کی حقیقی بہن تھی اور جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے ریاست وینگی کے تین سو راج راجا "ماڈ" جو ریاست وینگی کا طلائی سکہ تھا ضلع تنجور میں ترو دینار و مندر کو دان دیے تھے۔ ان میں ایک سیناپتی راجندر شولا ماولی وانرانیار بھی تھا۔ ظاہر ہے کہ اس افسر نے اپنا نام راجا راجندر اوّل کے نام پر رکھ لیا تھا جس کے ماتحت اس کی سرکاری زندگی کا آغاز ہوا ہوگا۔ اس افسر نے اعلیٰ تعلیم کے لیے کثیر عطیات دیے جن کا مفصل ذکر آگے چل کر کیا جائے گا۔

راجندر دوم | اب ہم راجندر دیو کے عہد حکومت کے حالات پر توجہ کریں گے جس کی حکومت خود مختار راجہ کی حیثیت سے 55-1054ء میں شروع ہوئی ہوگی۔ جو پرشستیاں اس کے کتبات میں درج ہیں وہ بھی اس کے پیش رو کے کتبات کی پرشستیاں کی طرح مختلف النوع ہیں۔

اس کی پرشستیاں | ان پرشستیوں میں سب سے مختصر پرشستی وہ ہے جس میں اس کی کامیابیوں کا خلاصہ دیا گیا ہے اور اس سے "ازتا پاڑی" سے ہوتا ہے۔ یہ پرشستیاں اس کے عہد حکومت کے دوسرے سال اور اس سے بعد کے کتبات میں ملتی ہیں۔ اس سے بہت ملتی جلتی لیکن کچھ زیادہ مفصل وہ پرشستی ہے جو "ترو (مگل) مرُودیا" شروع ہوتی ہیں۔ اس نوع کی پرشستیاں بھی اس کے عہد کے دوسرے سال ہی سے ملنی شروع ہوتی ہیں لیکن اس عہد کی سب سے اہم پرشستی وہ ہے جس میں خاصے طویل تذکرے دیے گئے ہیں اور جن کی ابتدا "ترو مادو (یا۔ مادر) پوی نیم" سے ہوتی ہے۔ یہ سب سے پہلے اس راجہ کے عہد کے چوتھے برس میں نظر آتی ہیں اور اس کے نویں برس کے

قریب جب یہ دوبارہ لکھی گئی ہیں تو ان پر نظر ثانی کر لی گئی ہے۔ کوپم کی لڑائی کا حال بیان کرنے کے انداز میں جو فرق ہے اس کو ہم اس جنگ پر اپنی بحث کے دوران ظاہر کر چکے ہیں۔ ان تمہیدوں کی بعد کی صنف پہلی صنف سے جن اور باتوں میں مختلف ہے وہ یہ ہیں ۔ لنکا کی جنگ کے تمام دیگر پہلوؤں کو نظر انداز کر کے صرف ویرسلا میگھن کا تذکرہ کرنا۔ یہ حتمی بیان کہ راجندر نے غیر معمولی طریقے سے میدان جنگ میں اپنے راجہ بننے کا اعلان کرنے کے بعد گنگاپوری کی جانب مراجعت کی شاہی خاندان کے افراد سرکاری انتظامیہ میں جن عہدوں پر فائز تھے ان کے متعلق قدرے مختلف بیان جو کتبے کے آغاز میں نہیں دیا گیا ہے جیسا کہ پرانے کتبات میں بلکہ یہ بہت آگے چل کر، چالوکیوں کے خلاف ایک تازہ جنگ کا قطعی نیا تذکرہ۔

کوپم کے میدان میں راجندر کا کردار

کوپم کے میدان جنگ میں راجندر کے کردار کا لنگو پرانی" اور "وکرم شولن الا" دونوں میں خاص طور سے حوالہ دیا گیا ہے۔ اوّل الذکر تصنیف میں یہ درج ہے کہ راجہ لڑائی میں جان توڑ کر لڑا اور اپنی کامیابی کے طفیل ہی اس نے دنیا کو بچا لیا اور میدان جنگ ہی میں اپنی رسم تاج پوشی ادا کی۔ "الا" ایک معقول ہی مبالغے کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ اس نے صرف ایک ہاتھی کی مدد سے کوپم کے میدان میں دشمن کے ایک ہزار آدمی پکڑ لیے۔

رشتہ داروں کی سرکاری عہدوں پر تعیناتی

منی منگلم کے کتبے میں جو راجندر کے عہد کے چوتھے سال میں کندہ کیا گیا تھا سلطنت کے اعلیٰ عہدوں پر تعینات راجہ کے اعزا و اقارب کی فہرست میں کم از کم تیرہ نام دیے گئے ہیں، ایک تو راجہ کا چچا چار راجہ کے چھوٹے بھائی، چھ بیٹے اور دو پوتے۔ اس عہد کے بعد کے کتبات میں البتہ یہ سرفہرست کچھ مختصر ہو گئی ہے اور اس میں محض چھ افراد کے نام ہیں جن میں پہلے کے کتبے میں سے اس کا چچا، چچا کا بیٹا (جو بالکل ایک نیا شخص ہے) اور چار چھوٹے بھائیوں میں سے صرف تین اور راجہ (راجندر شولن) کا ایک بیٹا شامل تھے۔ باقی ناموں کو کیوں حذف کر دیا گیا، اس کی وضاحت رہا اسالہ

نہیں. شاید اس وقفے میں یہ حذف شدہ افراد یا تو فوت ہو گئے تھے یا ماتحت عہدوں تک کے لیے نااہل ٹھہرائے گئے تھے.

بعد کے سالوں میں ان کی تعداد میں کمی

اس امر کا فیصلہ کرنے کے لیے کوئی شہادت نہیں ملتی لیکن چند بیانات کی روشنی میں جو انتہائی کمزور شہادت کی بنا پر دئے گئے ہیں، یہ حقیقت قابل توجہ ہے کہ چولا تخت تک اپنا راستہ صاف کرنے کے لیے کلوتنگا اوّل نے کچھ سیاسی قتل بھی کروائے. رشتہ داروں کی مقابلتاً مختصر فہرست کی تاریخ تحریر تقریباً سنہ 1061ء ہوتی ہے جو کلوتنگا کے تخت نشیں ہونے سے نو برس پہلے کی بات ہے. شاہی خاندان کے ان افراد کو عطا کیے گئے بعض خطابات مثلاً چولا پانڈین "چولا گنگن" اور "چولا کرلن" اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ چند افراد پر مخصوص صوبوں کے انتظام کی ذمہ داری عاید کی گئی تھی جب کہ چند دوسرے خطابات جو ان کے ذاتی کارناموں کا اظہار کرتے ہیں، ان کے فرائض کا پتہ نہیں دیتے. ایسے القاب ہیں "اردمڈی شولن"، کریکال شولن"، "اُتم شولن"، "دجیالیَن" "شولا ایودھیراجن" اور "شولا کنکپتن" صرف چولا پانڈیا نائب السلطنتوں کے متعلق ہمیں علم ہے کہ اپنے اپنے زیر انتظام صوبجات میں انہوں نے اپنے کندہ کروائے ہوئے بہت سے کتبات چھوڑے لیکن پہلے نائب السلطنت جٹاوَرمن سندرم کو چھوڑ کر باقی کے کتبات سے یہ پتہ چلانا مشکل ہے کہ کونسا کتبہ کس کا ہے.

راج مہندرا

راجندر کا فرزند جس کا نام مذکورہ بالا کتبات میں راجندر شولا بھی دیا گیا ہے غالباً سنہ 1059ء کے قریب ولی عہد سلطنت منتخب کر لیا گیا تھا اور اسی وقت سے اس نے راج کیسری راج مہندرا کا لقب اختیار کر لیا تھا. اس کے تیسرے برس کے ایک کتبے میں یہ دعوےٰ کیا گیا ہے کہ اس نے مڈکاروںمیں آہوآمل پر فتح حاصل کی. اس کتبے سے چالوکیوں کے خلاف لڑی گئی ایک اور جنگ کے واقعات کی قابل قدر تصدیق ہوتی ہے جو اس کے والد کے نویں سال کے کتبات میں زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں. موخر الذکر کتبات

سے پتہ چلتا ہے کہ چالوکیہ نے کوپم کے میدان جنگ میں جو ذلت اٹھائی تھی اس کے داغ دھونے کے لیے کثیر فوج کے ساتھ پیش قدمی کی۔ اس فوج کی کمان ڈند نایک والا دیو اور کچھ دیگر فوجی سرداروں کے ہاتھ میں تھی۔

مڈکارو کی لڑائی

چنانچہ مڈکارد (بل کھاتے ہوئے دریا) کے کنارے لڑائی ہوئی جس میں ڈند نایک اور اس کے ساتھی کام آئے چولا افواج کے شدید حملے کی تاب نہ لاکر ارُگیان اور دوسرے سرداروں کو مجبور ہوکر اپنے راجا اور مغرور دکن کے ہمراہ پیچھے ہٹنا پڑا۔ راج مہندرا کے کتبے میں بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ ایک جنگی ہاتھی کے ذریعے اس نے آہوآمل کو مڈکارو کے میدان سے پیٹھ دکھانے پر مجبور کر دیا۔

کیا یہی لڑائی کوڈل شنگم کی لڑائی تھی ۔۔۔؟

جیسا اکثر ہوتا تھا کہ چالوکیوں کے خلاف جنگوں میں متعدد چولا شہزادے ایک ہی میدان جنگ میں شانہ بہ شانہ لڑتے تھے۔ بعد میں تخت نشین ہونے والے راجاؤں کے کتبے بھی ایک دوسرے کے اندرجات کی تکمیل کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ مستقبل میں ویر راجندر بننے والا شہزادہ بھی اس میدان جنگ میں موجود تھا۔ اور اگر یہ بات درست ہے تو اسی لڑائی کوڈل شنگم کی جنگ تصور کرنا چاہیے جس کا ذکر ویر راجندر کے کتبات میں آیا ہے۔ کوڈل شنگم کی اس جنگ کا ایک طویل تذکرہ جس کی مکمل تفصیل راجندر کے کتبات میں نہیں ملتی، ویر راجندر کے دوسرے سال (1063-67ء) کے کتبوں میں دیا ہوا ہے۔ یہ بات غیر ممکن سی معلوم ہوتی ہے کہ ایک ہی مقام پر تین چار برسوں کے اندر ہی دو عظیم لڑائیاں لڑی گئی ہوں ویر راجندر کے بعد کے کتبات میں اکثر ایسی عبارتیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ بننے سے پہلے ویر راجندر نے مڈکارو کی جنگ میں حصہ لیا تھا اور اس کے نتیجے میں وہ دلتا راجہ کل کو ان کہلانے لگا تھا۔ اگرچہ یہ رائے صحیح ہے تو کم از کم تین چولا شہزادے کوڈل شنگم کے میدان کارزار میں موجود تھے اور انھوں نے لڑائی میں حصہ لیا تھا۔ یہ تھے تاجدار وقت راجندر دیو، ولی عہد سلطنت راج مہندرا اور راجہ کا بھائی ویر چولا کریکال یعنی ویر راجندر، جس کے کارنامے اس کے کتبوں میں اس وقت

مفصل طور پر درج کیے گئے جب راج ہندرا کی وفات کے بعد وہ منتخب ولی عہد اور پھر تاجدار بنا۔

ویر راجندر کے کتبات میں درج کوڈل شنگم کی جنگ کا بیان

ویر راجندر کے عہد کے ابتدائی کتبات میں کوڈل شنگم کی جنگ اور اس کے پس منظر کا حال اس طرح درج ہے۔ "اس نے گنگا پاڑی کے میدان سے بھگا کر رہا سامنتوں کو دریائے تنگ بھدر تک پہنچا دیا جن کے قوی ہاتھوں میں خونریز کمانیں تھیں اور ان کے ہمراہ وکلن کو بھی جس نے اپنے پرچم کے تلے جنگ کی قیادت کی تھی اس نے ناقابل مدافعت عظیم اور طاقت ور فوج پر حملہ کر کے اس کو تباہ کر دیا جو وکلن نے وینگی ناڈو میں دوبارہ بھیجی تھی۔ اس نے مادنڈ نائکم چاسنڈ ار اجن کا مقابلہ کیا اور اس کا سر قلم کر دیا اور اس کی اکیلی لڑکی جس کا نام ناگ لتی تھا۔ اور جو ارڈگییان کی مہارانی تھی اور مور کی طرح حسین تھی، ناک کاٹ لی۔"

"دشمن جو نفرت سے پر تھا، تیسری مرتبہ بھی یہ امید لے کر اس سے مقابل ہوا کہ اپنی سابقہ شکستوں کا انتقام لے گا۔ راجہ نے بے شمار سامنتوں کو آہوامل کے ان دونوں بیٹوں سمیت جو وکلن اور شنگنن کہلاتے تھے، تنیا لے دریا کے کنارے کوڈل شنگم کے مقام پر شکست دی۔ بہادر ہراول دستے کو آگے بھیج کر اور خود اپنے اتحادی راجاؤں کے ہمراہ اس کے عقب میں رہ کر اس نے اپنے صرف ایک مست ہاتھی کے ذریعے دشمن کی اس سپاہ میں جو لڑائی کے لیے صف آرا تھی اور جو بحر شمالی کی مانند بے پایاں تھی، کھل بلی ڈال دی۔ پرچم بردار فوجی دستے کے عین سامنے اس نے جنگجو کوشلنی کے راجہ شنگنن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور ساتھ ہی اس کے ہراول کے دستے کے غضبناک ہاتھیوں کے بھی پرخچے اڑا دیئے۔ اس وقت جب کیشو دنڈ نائک کیتراشن، قوی مارئین، طاقتور پوترائن اور ار یچائن بر سر پیکار تھے، اس نے پکار کر کہا۔ "مو ویندی اکا پیچھا کرو جس نے طلائی گجرا پہن رکھا ہے۔" اور اس نے بہت سے سامنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جو اپنے ہتھیاروں سے بھی محروم کر دئے گئے۔ تب مدووحن جس نے کمان سنبھال رکھی تھی، بھاگ نکلا

ذکلن اپنے منتشر بالوں کے ساتھ فرار ہوگیا۔ شنگن کے غرور اور ہمت نے اس سے منہ موڑلیا اور وہ فرار ہوگیا۔ انلن اور دوسرے لوگ اپنے اپنے نر ہاتھی سے اتر گئے جس پر سوار ہوکر وہ جنگ میں لڑے تھے اور بھاگ کھڑے ہوئے اور آہوامل بھی جس سے ان کا اتحاد تھا، ان سے پہلے فرار ہوگیا۔ راجہ نے اپنے تیز گام اور غضب ناک ہاتھی کو روکا اور فتح کا سہرا اپنے لیا۔ اس نے آہوامل کی بیویوں، اس کے خاندانی خزانوں، شنکھوں، چھتریوں، ترہیوں، نقاروں، شاچتروں، سفید چنوروں، سؤر کے نشان والے جھنڈے، آرائشی محراب (مکر دن)، پشپکا نام کی جتھنی جنگی ہاتھیوں کے ایک پورے جھنڈ اور کلیلیں کرنے والے گھوڑوں کے ایک دستے پر قبضہ کرلیا اور عوامی تحسین و آفرین کے درمیان سرح پُر شوکت تاج اپنے سر پر رکھا۔

راجندر کے کتبات کے بیان سے موازنہ

راجندر کے کتبات میں بیان کیا گیا

ہے کہ ارُوگیان، چالوکیہ تاجدار آہوامل، دکرمادتیہ اور دوسرے سرداروں کے ہمراہ مڈکارو کی لڑائی میں بھاگ نکلا اور کوڈل شنگم کی جنگ سے ذرا پہلے ونگی میں دیر راجندر اور چامنڈ اراپا کی لڑائی میں اس (ارُوگیان) کی بیوی کے عضو کاٹ ڈالے گئے۔ دیر راجندر نے "خود راجہ بننے سے پیشتر مڈکارو کے میدان میں اپنے مخالف شلکی کی پیٹھ دیکھ لی تھی۔" دیر راجندر کے کتبات میں کسی دوسری ایسی مہم کا تذکرہ نہیں ہے جس سے اس آخری بیان کی وضاحت کی جاسکے۔ جب تک یہ مان لیا جائے کہ یہ کوڈل شنگم ہی کی لڑائی تھی جو اس قدر تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے اور جو اس کے دوسرے سنہ جلوس سے قبل ہی وقوع پذیر ہوچکی تھی۔ جیسا ہم پہلے بھی اظہار رائے کرچکے ہیں ہم اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ راجندر دیوا اور راج مہندرا کے کتبات میں جس مڈکارو کا ذکر آیا ہے اور دیر راجندر کے ابتدائی کتبات میں مذکور کوڈل شنگم دونوں ایک ہی معرکے کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ بالکل یہی واقعہ خود دیر راجندر کے کتبات میں مڈکارو کے معرکے کے نام سے درج ہے۔

جہاں راجندر کتبات سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آہوامل اپنی کوپم کی شکست کا انتقام لینا چاہتا تھا اور اس لئے بہت بڑی فوج کے ساتھ پیش قدمی کی، وہاں دیر

راجندر کے کتبات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ چالوکیہ اس قدر آگے بڑھ گئے تھے کہ گنگا پاڑی سے گزر کر دریائے تنگ بھدرا کے کنارے تک ان کا تعاقب کرنا پڑا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کوپم کی شکست کے بعد بھی چالوکیوں کی سلطنت کی حدود میں بہت معمولی کمی ہوئی تھی۔ وینگی کے خلاف چامنڈارائے نے جو پیش قدمی کی اس کا یہ بھی مطلب لیا گیا ہے کہ یہ دراصل دو محاذوں پر چولوں کی توجہ تقسیم کر دینے کی ایک اہم لیکن ناکام کوشش تھی۔

وینگی کا مقام

راج راجا نریندر کی وفات کے بعد اس کی جانشینی کے متعلق جو پیچیدگیاں پیدا ہو گئی تھیں، ان کے باوجود یہ کوشش وینگی کے معاملات میں مغربی چالوکیوں کی دلچسپی کا ایک واضح ثبوت ہے۔ ہمیں اس سے پیشتر بھی کچھ ایسی شہادتیں خواہ وہ معمولی ہی کیوں نہ ہوں دستیاب ہو چکی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مغربی چالوکیہ اپنے مشرقی چچیرے بھائیوں سے دوستی بڑھانے کے لیے بے حد خواہشمند تھے۔ دراصل وینگی پر چولوں کا قبضہ ہونے کے باعث وہ مغربی چالوکیوں کے لیے خطرہ بن گئے تھے۔ چولا اپنے لیے وینگی کی اہمیت کو بخوبی سمجھتے تھے اس لیے پشتوں تک وہ اپنی شہزادیوں کی شادیاں وینگی کے حکمرانوں کے ساتھ کرتے رہے اور ویسے بھی ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات برقرار رکھے۔ اسی وجہ سے مغربی چالوکیہ حکمران جو وینگی کو اپنی سلطنت کا ایک کھویا ہوا حصہ تصور کرتے تھے، اپنی طاقت وہاں مستحکم کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

کوڈل شنگم

کوڈل شنگم یقیناً دریائے تنگ بھدرا اور دریائے کرشنا کے مقام اتصال پر واقع ہوگا۔ اس مقام پر پہلی لڑائی جو اس وقت زیر بحث ہے، اس وقت ہوئی جب چالوکیوں کو گنگا پاڑی سے پرے دریائے تنگ بھدرا کے کناروں تک دھکیل دیا گیا تھا اور وینگی کی جانب بھیجی گئی چالوکیوں کی فوجی مہم ناکام ہو چکی تھی۔ بعد کے ایک موقع پر جب چالوکیہ حکمران ایک طے شدہ مقام پر ویر راجندر سے مل سکا تو چولا تاجدار نے مراجعت سے پہلے وہاں دریائے تنگ بھدرا کے کنارے ایک فتح کا ستون نصب کر دیا۔ کتبات میں جس شنگم کا ذکر کیا گیا ہے وہ دریائے تنگ بھدرا کی گزرگاہ میں دریاؤں کا کوئی نہ کوئی مقام اتصال ہوگا۔ اب

دونوں باتوں میں سے ایک ہو سکتی ہے کہ یا تو یہ مقام میسور میں واقع کوڈلی ہو سکتا ہے۔ جو دریائے تنگ بھدرا اور دریائے بھدرا کے مقام اتصال پر واقع ہے یا یہ دریائے تنگ بھدرا اور کرشنا کے اتصال کی جگہ پر واقع ہو سکتا ہے۔ اگرچہ کوڈلی نام سے ہی زیادہ صحیح اور قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ کوڈلی سنگم اسی مقام پر واقع تھا لیکن بیچ میں جو ویٹگی کا واقعہ آگیا ہے اس سے دوسری صورت زیادہ قرین قیاس ہو جاتی ہے۔ کندئی یا کرن دئی کی اطمینان بخش شناخت کی بنا پر جہاں چولا تاجدار نے ملاقات کے لیے دوسری مرتبہ ایک ماہ تک چالوکیہ کا انتظار کیا تھا ان دونوں صورتوں میں سے ایک صحیح انتخاب ممکن ہو سکے گا۔

راجندر کے عہد حکومت کا اختتام

راجندر کے کتبات کا سب سے آخری سن تحریر اس کے عہد حکومت کا بارہواں سال ہے جو ۱063ء عیسوی میں پڑتا ہے۔ اس کے بعد ویر راجندر تخت پر بیٹھا جو راج مہندرا کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک منتخب ولی عہد سلطنت رہ چکا تھا۔ راجندر دوم کے عہد حکومت میں بھی گنگا پوری بدستور چولا سلطنت کی راجدھانی تھی اور کنیا کماری سے دستیاب شدہ کتبے میں راجدھانی کی حیثیت سے ہی اس کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ گتالم کے ایک اور کتبے میں دارالخلافے کے اس شہر کے قلعے کے اندر کے ایک بڑے بازار کا بھی ذکر موجود ہے۔ راجندر کی رانیوں میں سے صرف ایک رانی کلان اڑیگل ہی کا ذکر اس کے کتبات میں نام لے کر کیا گیا ہے۔ اس کی بیٹی مدھورانت کی مشرقی چالوکیہ راجہ راجندر دوم کی بیوی تھی جو بعد میں کوتنگا اول کے نام سے موسوم ہوا۔ راجندر دیوم کے اطاعت گزاری راجاؤں میں سے لاڈ راجہ ترسہا ورمن کا نام کتبات میں زیادہ نمایاں طور پر آیا ہے جس کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ یہ لقب اختیار کر کے اپنی تاج پوشی کے بعد لاڈ 2000 پر حکمرانی کرتا رہا۔ دوسرے اطاعت گزار سیناپتی ارئین کڈکن گونڈ شولن اور سیناپتی جیہ مری تاڑالوان تھے۔ موخرالذکر کا ذکر لنکا کے ایک کتبے میں ملتا ہے ممکن ہے کہ یہ وہی شخص ہو جس کا ذکر کرو دور کے ایک دوسرے کتبے میں ارئین راج راجن المعروف ویر راجندر جیہ مری تاڑالوان

کے نام سے ہے۔

"وکرم شولن اُلا" نامی تصنیف میں درج ہے کہ راج مہندرا نے شری رنگم مندر کے دیوتا رنگ ناتھ کے لیے سانپ کی شکل کا ایک صوفہ بنوایا تھا جس میں بہت سے قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔ کوئیلو لگو میں جو شری رنگم مندر کے عجائبات اور روایات پر بعد کی لکھی ہوئی ایک کتاب ہے، سانپ نما صوفے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ مگر اس میں مندر کی ساخت اور تعمیر میں بعض تبدیلیوں کا ذکر ملتا ہے جو راج مہندرا نے کروائی تھیں جس کا لقب راج مہندرا تر ودیدی تھا ضلع سیلم سے دستیاب شدہ ایک کتبے میں جو راجا کو کلوتنگا اوّل کے عہد کے بارہویں سال کا ہے، کولی ملئی ناڈ میں اراضی پر تشخیص لگان کا ذکر ہے۔ راج مہندرا کی مہارانی لوک مہا دیوی کا نام حدا مبرم کے ایک شکستہ کتبے میں درج ہے۔

ویر راجندر

راج کیسری ویر راجندر اوّل کے عہد کے مطالعہ کے لیے جو 1062-63ء میں تخت نشین ہوا تھا ہمارے پاس کافی تعداد میں کتبات موجود ہیں ان کتبات کی پرشستیاں دو سرکردہ اصناف میں ہیں جن کی مختلف طریقوں سے تدوین ہوئی ہے اور جو کمال صحت و صفائی کے ساتھ ایک دوسرے میں ڈھل جاتی ہیں۔ طویل پرشستی کے بعد "ترل پُیتوُ" سے شروع ہوتی ہے۔ اور اپنی ابتدائی شکل میں راجہ کے ان رشتے داروں کی فہرست دیتی ہے جنھیں راجہ نے مختلف عہدے عطا کئے تھے۔ لیکن اس پرشستی کے بعد کے ایڈیشنوں میں اس فہرست کو حذف کر دیا گیا ہے۔ جوں جوں یہ عہدِ حکومت آگے بڑھتا ہے۔ پرشستی کا طول بھی بڑھتا جاتا ہے اور اس میں نئے نئے واقعات کا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ چھوٹی تمہید "ورمے تُنیا گوم" مختلف تبدیلیوں سے گزرتی ہے اور اس عہد کے ساتویں برس میں اس کا پیکر بالکل بدل جاتا ہے۔ نیز اس میں ایسے واقعات کا اندراج ملتا ہے جن کا دوسرے ذرائع سے علم نہیں ہوتا۔ ہم ان تبدیلیوں پر آگے چل کر جہاں ان کی کچھ تاریخی اہمیت نظر آئے گی، غور کریں گے۔ "کالنگتو پرانی" اور "وکرم شولن الا" دونوں تصانیف میں "گوڈل سنگم" کی لڑائی کے علاوہ ویر راجندر کے عہد کے کسی اور واقعے کا ذکر نہیں ملتا۔ اس کے برعکس "تکیاگ پرانی"۔

میں وکرمادتیہ ششم کے ساتھ اس کی دوستی کا ذکر کیا گیا ہے۔
اپنے عہد حکومت کے اوائل ہی میں اس نے مدھورانتکا کو جو اس کا بیٹا
تھا ترپ پڑلون بتایا جاتا ہے حکمران بنا دیا تھا اور اسے "چولیندر" کا لقب دیا
گیا۔ اس نے ایک اور شخص گنگائی کونڈا شولا کو ریاست پانڈیا کا چولا پانڈیا وائسرائے
مقرر کیا تھا۔ یہ بھی اس کا بیٹا تحد ژل مائندن بتایا جاتا ہے۔ بعد کے واقعات
کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ "پڑلون" اور "مائندن" جیسے جملوں
کے لفظی معنی لیے جائیں یا انہیں اپنے ماتحت راجاؤں کو محض محبت سے پکارنے
کے لیے مستعمل الفاظ سمجھا جائے۔ اوّل الذکر قیاس کی بنا پر یہ فیصلہ بھی نہیں کیا
جا سکتا کہ آیا ان دونوں میں سے ایک بیٹا چالوکیہ وکرمادتیہ ششم کا بہنوئی تھا جس
نے ویر راجندر کی وفات کے بعد تھوڑے عرصے تک پراکیسری ادھیر راجندر کے
لقب کے ساتھ حکومت کی تھی۔ مہاراجہ کے بڑے بھائی آلوندان اور مڈی کونڈا
شولن نامی ایک اور شخص نے بھی خطابات اور اعزاز حاصل کیے۔ لیکن اس کے
باوجود کہ انہیں سلطنت کے بعض علاقوں کا حاکم مقرر کر دیا گیا تھا، کتبات سے
یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ علاقے کون سے تھے۔

ابتدائی جنگیں

مغربی چالوکیوں کے خلاف ویر راجندر کی ابتدائی جنگوں کا نتیجہ
کوڈل شنگم کی لڑائی کی شکل میں سامنے آیا جس کی ہوبہو منظر
کشی اس کے عہد کے دوسرے برس کے ترودینکاڈو کے کتبے میں کی گئی ہے۔ جیسا
کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ یہ لڑائیاں اس کے تخت نشیں ہونے سے پہلے بلکہ اپنے بھائی راجندر
دیو کا جانشین تسلیم کیے جانے سے بھی پہلے لڑی جا چکی تھیں۔ اس تنگی کا جو اس عہد
کی چالوکیہ جنگوں کا نمایاں پہلو تھی، اظہار ویر راجندر کی بے قراری سے ہو جاتا ہے جس
کے ساتھ اس نے اپنی یا اپنے نائبوں کی چھوٹی سے چھوٹی کامیابی کو سومیشور اوّل
آہوامل کی ذاتی توہین شمار کرنے کی کوشش کی۔ تمہید کی طویل تدوین کے مطابق
جس میں کوڈل شنگم کی جنگ کو چالوکیوں کے خلاف تیسرا معرکہ اس نے
ہے۔ ویر راجندر کے چوتھے برس کے ترونامنلور کے کتبے میں کہا گیا
ہے کہ اس نے "میدان جنگ میں تین مرتبہ آہوامل کی پیٹھ دیکھی" کنیاکماری

کے کتبہ میں بھی کوڈل شنگم کے معرکے کا جو بیان ہے وہ اپنی نوعیت میں کچھ اس سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ کرو ور کے کتبے میں جو ویر راجندر کے عہد کے چوتھے برس کا ہے پہلی بار یہ بات ہمارے علم میں آتی ہے کہ ویر راجندر نے نے پوتپی کے حکمران کو، کیرلا راجہ کو، دھارا کے حکمران جن ناتھ کے چھوٹے بھائی کو اور پانڈیا شری دلیھ کے بیٹے ویر کیسری کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اگلے سال کا منی منگلم کا کتبہ ان فتوحات کی فہرست میں اُدگئی اور کیرلا ریاست کے خلاف بھیجی گئی فوجی مہم کا اضافہ کر دیتا ہے، جہاں سے ویر راجندر ہاتھیوں کی شکل میں بھاری خراج وصول کر کے لوٹا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ کامیابیاں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل غیر واضح ہیں، چالوکیوں کے خلاف لڑی گئی اس مسلسل جنگ کا حصہ تھیں جو کہ اس عہد کی مرکزی خصوصیت تھی یا ان کی حیثیت محض معمولی جھڑپوں کی تھی جن کی غرض بعض باغیوں کو سرزنش کرنا تھی اور طویل جنگ سے ان کا قطعاً کوئی واسطہ نہیں تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آگے چل کر جس گھمسان کی جنگ کا ذکر آتا ہے اور جو پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ایک غیر معروف دریا کے کناروں پر لڑی گئی تھی، وہ یقیناً چولوں اور چالوکیوں کی مسلسل جنگ ہی کا جزو تھی کیونکہ اس معرکے میں کہا جاتا ہے کہ سات چالوکیہ جرنیل جن کے نام بھی گنوائے گئے ہیں: نیز گنگا، نلمبا، کاڈوا اور ویدمبا خاندانوں کے حکمران اپنی جانیں کھو بیٹھے تھے، لیکن اس سے پیشتر کہ چولا تاجدار ان لوگوں کے سروں کو اپنے دارالخلافہ گنگائی کونڈا چولاپورم کے پھاٹکوں پر آویزاں کرواتا، چالوکیہ راجہ میدانِ جنگ میں اپنی افواج کی ذلت آمیز شکست کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے اپنے چولا حریف کے خلاف اپنی کوششیں اور تیز کر دیں۔

کوڈل شنگم میں دوبارہ جنگ

کہا جاتا ہے کہ سومیشور نے خود کو ان الفاظ میں ملامت کی "بے عزتی سے زندہ رہنے کی نسبت مر جانا بہتر ہے۔" اس نے ایک خط چولا تاجدار کو بھیجا جس میں اس نے اگلی لڑائی کے لیے کوڈل کا وہی مقام مقرر کیا

جہاں سے وہ اور اس کے بیٹے شکستِ فاش کھا کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ اس نے اس خط میں یہ بھی لکھا کہ جو فریق خوف کے مارے طے شدہ میدان جنگ میں نہیں آئے گا، آیندہ کے لیے راجہ نہیں کہلائے گا بلکہ جنگ میں ذلت اٹھایا ہوا نیچ ذات کا فرد تصور کیا جائے گا۔ جب ویر راجندر کے پاس چالوکیہ حکمران کا پیغام پہنچا تو وہ بہت خوش ہوا۔ چنانچہ وہ آمادۂ پیکار ہو کر نکل پڑا اور کاندئی کے مقام پر اس نے اپنے حریف کی مقرر کردہ تاریخ سے پورے ایک ماہ بعد تک انتظار کیا۔ چالوکیہ راجہ فرار ہو کر مغربی سمندر میں جا چھپا اور چولا تاجدار نے ارناپاڑی میں اپنے مدمقابل حریف دیوناتھ، سِتی اور کیشی کو الگ الگ سمتوں میں بھگا کر اور کئی شہروں کو آگ لگا کر مخالفت کا خاتمہ کر دیا اور تنگ بھدرا ندی کے کنارے ایک فتح کا ستون نصب کیا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد چولا تاجدار نے سومیشور کا ایک مجسمہ بنایا اور وینگی کی جانب اپنی توجہ مبذول کرنے سے اس مجسمے کی طرح طرح سے تحقیر کی۔

سومیشور کی عدم موجودگی

اس سوال کا جواب قطعیت کے ساتھ نہیں دیا جا سکتا کہ سومیشور اوّل خود اپنی جانب سے طے کردہ لڑائی میں کیوں نہ پہنچ سکا اور کیوں اس طرح ایک مرتبہ پھر اس کے سر چولا حریف کے آگے بزدلی دکھانے کا الزام لگا۔ یہ واقعہ ویر راجندر کے عہد کے پانچویں برس میں کسی تاریخ کا ہے۔ اور منی منگلم کے کتبے میں جو تفصیل دی ہوئی ہے اس کے مطابق یہ تاریخ دوشنبہ ۱۰ دسمبر سنہ 1067ء ہوتی ہے سومیشور نے دریائے تنگ بھدرا میں ایک مذہبی رواج کے مطابق ڈوب کر اپنے ایک ناقابلِ علاج سے نجات پائی اور اس واقعہ کی تاریخ 29 مارچ سنہ 1068ء تھی۔ بالعموم یہی قیاس کیا جاتا ہے کہ کوڈل سنگم میں سومیشور کے نہ پہنچ سکنے کی وجہ اس کی بیماری اور موت تھی۔ لیکن اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ ہمیں کتبات میں بہت پہلے یعنی ۱۰ ستمبر سنہ 1067ء ہی کو نہ صرف کوڈل سنگم سے سومیشور کی غیر حاضری کے واقعہ کا اندراج مل جاتا ہے بلکہ اس کے بعد ویر راجندر کی ریاست وینگی اور چکر کوٹ پر فوج کشی کا حال بھی معلوم

ہوتا ہے جس کے نتیجے میں وینگی ریاست وجیہ آدتیہ ہفتم کو واپس مل گئی تھی۔ اس کے برعکس بلہن نے واضح طور پر یہ بیان کیا ہے کہ جب وکرم آدتیہ ششم کو اپنے والد کی موت کی خبر ملی تو وہ فتوحات کے بعد گھر واپس آتے ہوئے راستے میں دریائے کرشنا کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے بلہن کی عبارت سے ہر چند کہ کوئی قطعی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا لیکن اس سے سومیشور اوّل کی طویل علالت خارج از امکان معلوم ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ "دِگ وجے" میں اپنے بیٹے کی کامیابی کا جشن منانے کے دوران ہی اچانک بیمار پڑ گیا تھا۔ اگرچہ یہ قیاس اطمینان بخش نہیں ہے لیکن سر دست ہم یہی فرض کر سکتے ہیں کہ اگر سومیشور کی میدان جنگ سے غیر حاضری اس کی علالت کے باعث تھی تو یہ علالت بلہن کی بیان کردہ مدّت سے زیادہ طویل تھی۔

وینگی کے معاملات

ہمارے مآخذ کی متضاد نوعیت اور جدید تحقیق کی فراوانی جو اکثر آندھرا پردیش کے علاقائی جذبات سے متاثر ہوتی ہے، ان دونوں نے اس زمانے کی وینگی سلطنت کے واقعات پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اس لیے موضوع کے اس پہلو پر بحث کرنے میں ہم کو بے حد محتاط ہونا پڑے گا۔ جب ہم کلوتنگا اوّل کے چولا تخت کی وراثت کے قبضے تک پہنچیں گے تو ہمارے لیے وینگی کے واقعات کا جائزہ لینا ضروری ہو جائے گا خواہ یہ جائزہ کتنا ہی وقتی کیوں نہ ہو۔ یہاں ہم صرف ان واقعات کو بیان کریں گے جو کتبات سے اور "وکرمانک دیو چریتا" سے اخذ کیے گئے ہیں اور جو اپنی وضاحت خود کرتے ہیں۔ منی منگلم کے کتبے میں درج ہے کہ ویر راجند چالوکیہ حکمران کو یہ انتباہ دے کر کوڈل سنگم سے وینگی کی طرف بڑھا کہ "ہم اس وقت تک گھر واپس جانے کا ارادہ نہیں رکھتے جب تک وینگی کی ریاست کو از سرِ نو فتح نہ کر لیں جو کبھی ہماری تھی۔ اگر تم واقعی دلاور ہو تو آؤ اور اس کی حفاظت کرو۔" چالوکیہ کے اس طرح مبارز طلبی اس بات کی واضح علامت ہے کہ وینگی کی ریاست مغربی چالوکیوں کے ہاتھوں میں جا چکی تھی۔ اپنے باپ کی زندگی میں وکرما دیتہ کی "دِگ وجے" پر بلہن کی زرمیہ نظم سے اصل صورت حال کا کچھ سراغ ملتا

ہے کیونکہ اس نے وکرماآدتیہ سے وابستہ فتوحات کی فہرست میں وینگی اور چکرکوٹ کو بھی شامل کیا ہے جو بصورت دیگر ایک ناممکن بات تھی۔ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وکرماآدتیہ وینگی اور چکرکوٹ کو ان کے اصل حکمرانوں کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھوں میں منتقل کرنے اور ان سے اپنے باپ کی سلطنت میں اضافہ کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ پہلے بھی اس زمانے کے بعض مغربی چالوکیہ سے اخذ کی ہوئی ایسی شہادتوں کی طرف توجہ دلائی جاچکی ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ مغربی چالوکیہ حکمران وینگی پر قبضہ کرنے کے لیے بے حد خواہش مند تھے۔

بیزواداکی لڑائی اگر منی منگلم کے کتبے کے اندراجات صحیح ہیں تو مشرق میں وکرماآدتیہ کی کامیابی بالکل عارضی ثابت ہوئی کیونکہ اس کتبے میں درج ہے کہ دریائے کرشنا کے کنارے بیزواداکے نواح میں جو فیصلہ کن جنگ ہوئی اس میں ویر راجندر نے چالوکیہ افواج کو جو جن ناتھ راجا مائن اور دوسرے سورماؤں کے زیر کمان لڑ رہی تھیں، شکست فاش دی۔ اور انہیں بھاگ کر جنگل میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد چولا تاجدار نے دریائے گوداوری کو عبور کر کے کالنگم میں مہندراکی پہاڑیوں تک اور چکرکوٹ سے آگے تک پیش قدمی کی۔ وینگی کو اس طرح واپس لینے کے بعد اس نے یہ ریاست وجیہ آدتیہ کے حوالے کر دی جس نے اس کی پناہ میں آنے کی درخواست کی تھی۔ اس کے بعد وہ متعدد جنگوں میں اپنی فتح کا ڈنکا بجاتا ہوا اپنے دارالسلطنت گنگاپوری کو لوٹ آیا۔

ویر راجندر اوّل کے عہد کے پانچویں برس کی مختصر پرشستیوں میں کوڈل شنگم کے دوسرے معرکے کی جانب کچھ اشارہ کیا گیا ہے جس میں آہو آمل دعدے کے مطابق نہیں پہنچ سکا تھا اور اس کے بعد وینگی کی ریاست پھر چولوں کے ہاتھوں میں چلی گئی تھی۔ ان پرشستیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وینگی کو تسخیر کر کے ویر راجندر نے اپنے بڑے بھائی کی ایک قسم پوری کر دکھائی۔ اگرچہ ہم پورے یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن اس کا مطلب غالباً یہی ہے کہ راجندر دیو دوم کے عہد میں کچھ عرصے کے لیے وینگی پر چولوں کا تسلط ختم ہوگیا تھا اور راجندر دیو اسے دوبارہ

اپنے قبضے میں لائے بغیر ہی مرگیا تھا. اگر چہ رائے صحیح ہے تو وینگی پر مغربی چالوکیوں کا
تسلط زیادہ مکمل ہو گا اور اس مدت سے زیادہ رہا ہو گا جتنا کہ ہم اب تک سمجھتے
رہے ہیں اور سومیشور اوّل نے ایک دوسری سمت میں گرانقدر کامیابی حاصل کر کے
اپنی کوپم کی شکست کی تلافی کر لی ہو گی. کنیاکماری کے کتبے میں بھی یہ بیان کیا گیا ہے
کہ اگرچہ وینگی اور کالنگا چولوں کی موروثی سلطنت کے حصے تھے لیکن ویر راجیندر
کے بھائی نے ان کی طرف سے لاپرواہی برت کر انہیں اپنے حریفوں کے ہاتھوں
میں جانے دیا تھا. ویر راجیندر نے ان کو دوبارہ حاصل کر کے اپنی سلطنت میں
شامل کر لیا.

لنکا کی جنگ

جب وجے باہو نے روہنا کی سرحدوں سے باہر اپنی سلطنت
کی توسیع اور چولوں کو جزیرۂ لنکا سے نکال باہر کرنے
کی مساعی شروع کیں تو ویر راجیندر کو لنکا کی جانب اپنی توجہ مبذول کرنی پڑی. "مہا
وامسا" اور ویر راجیندر کا واحد کتبہ جس میں اس جنگ کا حال درج ہے.
دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ وجے باہو اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے
تفصیلات کے اعتبار سے دونوں تذکرے ایک دوسرے سے مختلف ہیں. "مہا
وامسا" کے مطابق جب چولا راجہ کو وجے باہو کے منصوبوں کا پتہ چلا تو اس نے
اپنے سپہ سالار کو جو اس وقت پلتھی نگر میں تھا. سنہالی حکمرانوں پر فوج کشی کے
لیے بھیجا. چولا جرنیل روہنا میں داخل ہو گیا. اس نے کجر گام کو لوٹا اور اپنے
صوبے کو واپس آگیا. وجے باہو نے "بہت سے آدمی اور بیش بہا خزانے" رامنا
(برما) کے تاجدار کو بھیجے جس نے اس کے عوض مختلف اجناس، کافور صندل
کی لکڑی اور دیگر کئی اشیاء سے لدے ہوئے جہاز وجے باہو کو ارسال کئے. یہ
سب مال اس نے اپنے سپاہیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان میں
تقسیم کر دیا. تب اس نے راج رٹھ (شمالی لنکا) میں چولوں کی مخالفت کو شہ دی. چولا
شہنشاہ نے وہاں بغاوت کو فرو کرنے کے لیے ایک بھاری فوج بھیجی. یہ فوج مہا تیتھ
اتری اور وہاں کثیر تعداد میں لوگوں کو قتل کر کے راج رٹھ کے باشندوں
اس کے بعد چولوں کا سپہ سالار روہنا میں داخل ہو گیا. یہاں وجے

باہو سے غداری کرنے والے افراد بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ جب چولا جرنیل نے ان غداروں کے ساتھ ان کے حمایتیوں کی خاصی بڑی فوج دیکھی تو اسے یقین ہو گیا کہ روہنا جلد ہی اس کے قبضے میں آ جائے گا۔" وجے باہو چولا افواج کی کثیر تعداد اور خود اپنے گھر میں غداری اور دغا بازی کو دیکھ کر دل شکستہ ہو گیا۔ اس طرح اس کی تمام کوششیں خاک میں مل گئیں۔ ویرراجیندر کے عہد کے پانچویں برس یعنی سنہ 1067ء کے کتبے میں درج ہے کہ شہنشاہ نے ایک کثیر فوج بھیجی جس نے بہت سے جہازوں میں، بلغیر کوئی سنگ بستہ سڑک تعمیر کیے ہوئے سمندر کو عبور کر لیا اور سنہالی افواج کو شکست دے کر وجے باہو کو فرار ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ چولا افواج نے وجے باہو کی مہارانی کو گرفتار کر لیا اور پورے جزیرۂ لنکا کو دوبارہ ویرراجیندر کے زیر نگیں کر دیا۔ ہم اس آخری بیان کو حرف بحرف تسلیم نہیں کر سکتے۔ تین چار سال بعد وجے باہو نے اپنی جدوجہد ازسرِ نو شروع کر دی اور اس کے نتائج بھی اس کے حق میں بہتر رہے۔ اگر وہ روہنا میں اپنا اثر کھو چکا ہوتا تو ایسا ہرگز نہ کر سکتا۔

کڈارم ویرراجیندر کے باقی ماندہ عہد حکومت کی سرگرمیوں کے لیے ہمیں اس کے کتبات کی مختصر "پرشستیوں" کی بعد کی تالیفوں ہی پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ ویرراجیندر کے ساتویں سال کے کتبات میں مذکور ہے کہ اس نے کڈارم کو کسی اور راجہ کی خاطر فتح کیا جو اس کی پناہ میں آ گیا تھا اور جس نے اس سے مدد کے لیے درخواست کی تھی۔ "کڈارم کو فتح کر کے اس نے اس راجہ کے حوالے کر دیا۔ اگر کتبات میں اس واقعات کا جو مقام وقوع کیا گیا ہے [illegible] اس کے سن وقوع کی بھی نشان دہی کرتا ہے تو یہ ویرراجیندر کے عہد کے چھٹے سال یعنی سنہ 1068ء سے قبل کا واقعہ ہو گا۔ سنگرام وجے تنگا ورمن پر راجیندر کی فوج کشی سے لے کر ویرراجیندر کے عہد حکومت تک کے درمیانی [illegible] [illegible] اور سلطنت شری وجیا کے باہمی تعلقات کیسے تھے اس [illegible] بہت کم ہے۔ اس کا یہ نتیجہ ہے کہ اس عہد میں کڈارم [illegible] دوسری مہم کے متعلق جو مختصر حوالہ یہاں دیا گیا ہے اسے

کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

سومیشور دوم سے جنگ

سومیشور اوّل کی وفات کے بعد ۱۱ اپریل ۱۰۶۸ء کو سومیشور دوم چالوکیہ تخت پر بیٹھا اور ویر راجندر کو پرانی دشمنی کو تازہ کرنے کا موقع ہاتھ آیا ہے۔ سومیشور دوم کے کتبات میں یہ حقیقت صاف طور پر درج ہے کہ چولا فرماں روا نے گتی کے قلعے پر حملہ کر کے اس کا آغاز کیا اور اس کے انجام میں اسے سومیشور کے مقابلے سے عجلت میں پیچھے ہٹنا پڑا لیکن چولا کتبات اور بلہن ایک اور کہانی بیان کرتے ہیں۔ اوّل الذکر تو یہ بتاتے ہیں کہ ابھی سومیشور نے اپنی "کنٹھکا" بھی نہیں کھولی تھی یعنی اس کی رسم تاج پوشی کے موقع پر ویر راجندر نے کمپلی کے شہر کو نذر آتش کر کے کراڈگل کے مقام پر فتح کا ستون تعمیر کر دیا جو ضلع رائچور کے تعلقہ ینگ ساگر کا ایک گاؤں تھا۔ اس نے سومیشور کو "کنتر" کا علاقہ چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا اور شلوکی دکرمادتیہ کو "کنٹھکا" سے نوازا اور ساڑھے سات لاکھ والا صوبہ رٹا پاڈی بھی اسے سونپ دیا جو اس نے اسی کی خاطر تسخیر کیا تھا کیونکہ اس نے چولا شہنشاہ کے پاس آکر مدد کی درخواست کی تھی۔ بلاشبہ یہ وہی موقع تھا جس کا ذکر "تکیاگ پرانی" میں آیا ہے جہاں بتایا گیا ہے کہ چولا راجا نے جس کا ذکر یہاں راج گمبھیر کے نام سے آیا ہے، برٹن سے شاہی دستار چھین کر ارٹن کو پہنا دی تاکہ وہ ساڑھے سات لاکھ والے مشہور علاقے کی حفاظت کرے۔ "وکرمانک دیو چرتا" میں بھی یہی کہانی اس نظم کے ہیرو کے نقطۂ نظر سے کچھ مبالغہ کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ اپنے والد کی وفات اور اپنے بھائی کی تخت نشینی کے جلد بعد دکرمادتیہ ششم کا اپنے بھائی سے جھگڑا ہو گیا جو بری عادتوں میں مبتلا ہو گیا تھا۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی جے سمبا کے ساتھ کلیانا سے نکل پڑا اور راستہ میں اس نے ان فوجوں کو تباہ کر دیا جو اس کے بڑے بھائی سومیشور نے اس کا پیچھا کرنے کے لیے بھیجی تھیں۔ وہ دریائے تنگ بھدرا پر پہنچ گیا جہاں کچھ عرصہ اس کی فوجوں نے آرام کیا۔ اس کے بعد اسے چولوں سے نبرد آزمائی کی آرزو ہوئی۔ لہٰذا کچھ عرصہ بنواسی میں گزار کر وہ چولوں کے خلاف مہم پر روانہ ہو گیا۔ جے کیشی اور آلوپ راجا نے اس کی اطاعت کر لی اور خود شہنشاہ نے بھی خود کو اس پیش قدمی کی

مزاحمت سے لاچار پاکر اپنا ایک سفیر اس کے پاس بھیجا اور چالوکیہ شہزادے کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دینے کی پیش کش کی۔ وکرم دریائے تنگ بھدرا کے کنارے تک پیچھے ہٹ جانے پر رضامند ہوگیا جہاں بعد میں چولا راجہ نے اس سے ملاقات کی۔ شادی کی رسم ادا کی گئی اور دونوں راجاؤں کے درمیان اتحاد ہوگیا یہ بات قابل توجہ ہے کہ کڈمبا کے کتبے کے بیان کے مطابق گوآ کے کڈمبا راجہ جے کیشی اوّل نے جو ان دنوں حکومت کر رہا تھا مغربی چالوکیہ راجہ کو اس کے تخت پر مستحکم کر دیا اور کانچی کے مقام پر چولا شہنشاہ اور چالوکیہ راجہ میں باہم صلح کرا دی۔

وکرما دتیہ ششم سے اتحاد

ان تمام شہادتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آہوآمل کی وفات کے جلد بعد سومیشور دوم اور وکرما دتیہ کے درمیان تخت نشینی کے لیے نہ سہی لیکن کچھ دیگر اہم معاملات کے بارے میں تنازعہ پیدا ہوگیا۔ اور اس تنازعے میں وکرما دتیہ کے چھوٹے بھائی جے سمہا نے اور گوآ کے کڈمبا راجہ جے کیشی نے وکرما دتیہ کی حمایت کی اور جے کیشی چولا تاجدار کے پاس وکرم کے سفیر کی حیثیت سے گیا۔ اور اپنے اتحادی (یعنی وکرما دتیہ) کے لیے ویر راجندر سے مدد مانگی۔ چنانچہ چولا تاجدار کی مداخلت کے نتیجے میں سومیشور دوم کو اپنی تخت نشینی کے فوراً بعد ہی اپنی آبائی سلطنت کے کچھ حصے وکرما دتیہ کے حوالے کرنے پڑے۔ ہرچند کہ ہمارے پاس بلہن کے علاوہ اس امر کی کوئی دوسری شہادت موجود نہیں ہے لیکن وکرما دتیہ کے ساتھ چولا شہزادی کی شادی کو ایک حقیقت سمجھنا چاہیئے۔ وکرما دتیہ کے وہ کتبات جن میں اس کا لقب تریلوکیہ مل درج ہے اور جو ۱۰۷۶ء سے پہلے کی تاریخوں کے ہیں جہاں سے چالوکیہ وکرم دور کا آغاز ہوتا ہے اسلطنت چالوکیہ کے جنوبی حصے میں ملتے ہیں اور اس بات سے بہت حد تک اس دعوے کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ چالوکیہ بھائیوں میں علاقے کی باہم تقسیم ہوئی تھی۔ جیسا ہم آگے چل کر دیکھیں گے بڑے بھائی کو مکمل طور پر تخت شاہی سے محروم کرنے میں چھوٹے بھائی کو کچھ زیادہ دیر نہیں لگی۔ دراصل ویر راجندر اور وکرما دتیہ کا

باہمی اتحاد ایک سیاسی انقلاب کا پیش خیمہ تھا جس کی وضاحت ہم تفصیل سے اگلے باب میں کریں گے۔

جنگوں کا مختصر حال

ویر راجندر کے ابتدائی کارناموں کا حال اس کے عہد کے آخری دور کے کتبات سے معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سب سے پہلے پانڈیا راجہ کو قتل کرنے، کیرلا سے خراج وصول کرنے اور رنکا کو فتح کرنے کا ذکر ہے۔ یہ وہ واقعات ہیں جو راجادھیراج اور راجندر کے کتبات کی یاد دلاتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ویر راجندر نے اپنے بھائیوں کی قیادت میں جنوبی ہند کی جنگی مہم میں اس وقت حصہ لیا ہو جب اس کے تخت نشین ہونے کی بات کسی کے خیال میں بھی نہ آئی ہو، جیسے کہ مذکارو کی لڑائی (جسے ہم کوڈل سنگم کی پہلی لڑائی ثابت کر چکے ہیں اور جس کا ذکر اس پرشستی کے آخر میں عطیے کے حصے سے پہلے ہے) جس میں ویر راجندر نے حصہ لیا تھا۔ سومیشور کے خلاف لڑائیوں کا ذ، صہ جن میں ویر راجندر نے حصہ لیا تھا" اس نوع کی پرشستی میں درج کیا گیا ہے یعنی اس طرح کی چولا تاجدار نے حصہ لیا تھا اس نوع کی پرشستی میں درج کیا گیا ہے پانچ مختلف مواقع پر اسے جنگ سے بھاگ کھڑے ہونے پر مجبور کر دیا۔

القاب

ویر راجندر کے عہد کے چوتھے برس کے ترڈنا منظور کے کتبے نیز کنیا کماری کے کتبے سے جو اس کے ساتویں سال کا ہے یہ پتہ چلتا ہے کہ ویر راجندر نے مختلف اوقات پر مغربی چالوکیوں کے پورے کے پورے شاہی القاب اپنے نام کے ساتھ شامل کر لیے تھے مثلاً "سکل بھونشریا" "میدنی ولبھ" اور "مہاراجہ دھیراج"۔ یہ القاب ان مخصوص نوعیت کے چولا القاب کے علاوہ تھے جو چالوکیوں پر حاصل کی گئی فتوحات کی یاد دلاتے تھے مثلاً "آہوامل کل کالی" اس نے "پانڈیا کلانتک" "راج سریا" اور "راجندر" کے القاب بھی اختیار کیے۔ نیز "ولبھا ولبھ" "ویر چولا" اور "کری کال" کے القاب بھی جو کنیا کماری کے کتبات میں درج ہے۔ اسی کتبے سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ویر راجندر نے سنہرے ہال کے رقاص یعنی چدامبر کے نٹ راج کے تاج کے لیے ایک نفیس لعل نذر کیا۔ اس لعل کا نام "ترے لوکیہ آسارا" تھا۔ اس نے

چولا، منڈیرا، پانڈیا اور گنگ واڑی کی ریاستوں میں بہت سے "برہم دیہ" دان کیے اور چالیس ہزار برہمنوں کو جو ویدوں کے عالم تھے زمین کے عطیے دے کر نہال کر دیا۔ ہم یہ پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ اس عہد میں بھی گنگا پوری بدستور چولاؤں سلطنت کی راجدھانی تھی اور یہ بھی کہ اپنی جنگوں کے اختتام پر ویر راجندر یہیں شان و شوکت سے واپس آ جاتا تھا۔ اس کے پانچویں سال کے ایک کتبے میں گنگائی کونڈا چولا پورم میں واقع ایک قصر کا جس کا نام "شولا کیرلا مالگئی" تھا اور اس میں رکھتے ہوئے ایک تخت شاہی کا بھی جو "راجندر شولا ماولی وانزاجن" کے نام سے موسوم تھا، ذکر کیا گیا ہے۔ کتبات میں ویر راجندر کی حکومت کا جو سب سے آخری سال درج ہے وہ آٹھواں برس ہے۔ اس کا ذکر پراکیسری ادھی راجندر دیو کے تیسرے سال کے ایک کتبے میں آیا ہے جو ویر راجندر کا فرزند اور جانشین اور چالوکیہ راجہ وکرمادتیہ ششم سے جس کی بہن بیاہی گئی تھی۔ لہٰذا ویر راجندر کی وفات یقیناً سنہ 1070ء کے شروع میں ہوئی ہوگی۔ شرون اشلیکھا اس کا طالع پیدائش تھا۔ ارمولی ننگئی نامی اس کی ایک رانی اس کی موت کے بعد راجہ کلوتنگا اول کے پندرہویں سال حکومت تک زندہ رہی اس کا نام اسی سال کے ایک ادھورے کتبے میں درج ہے جو تنجور سے دستیاب ہوا ہے۔

ویر راجندر کے عہد میں چولا سلطنت میں بدھ مت کی موجودگی کی اور تامل لٹریچر پر بدھ علم و فضل کے اثر انداز ہونے کی تصدیق تامل گرامر کی ایک انوکھی تصنیف "ویر شولیم" سے ہوتی ہے۔ یہ کتاب بدھ متر انے جو خود کو پون پیڑی کا سردار بتایا ہے، بالکل سنسکرت کے طرز پر لکھی ہے۔ وینکیا نے اس مقام کو موجودہ "پون پتی" شناخت کیا ہے جو ضلع تنجور کے پٹوکوٹئی تعلقہ میں واقع ہے۔

گیارھواں باب

حاشیے

(1) اشلوک نمبر 73

(2) 1919 کا نمبر 30

(3) SII-iii صفحہ 195، EC-ii.. - اشلوک 136

(4) 1908 کا 110

(5) 1912 کا کتبہ نمبر 29۔ تاریخ (3) 8 مشکوک ہے۔ یہ ایک واحد کتبہ ہے اور اس کی تاریخ کا پہلا حدسہ معتبر نہیں ہے۔

(6) EI-VI- صفحہ 24

(7) EI-VII - صفحہ 9

(8) بتایا جاتا ہے کہ 1895 کے کتبہ نمبر 87 میں جو راجندر دوم کے نویں سال کا ہے، ویر راجندر کے تیسرے سال کے ایک حملے کا ذکر ہے۔ ARE-1895-I-9 - اگر یہ بات صحیح ہے تو ویر راجندر کی تخت نشینی اور پہلے ہوئی ہوگی۔ لیکن اس کے مطبوعہ نسخے (SII-V-647، II، 52-53) میں کہیں بھی ویر راجندر کے عہد کے کسی ایسے حملے کا ذکر نظر نہیں آتا، حالانکہ ویر راجندر کا نام اس میں موجود رہا ہے۔

(9) ii-V-28، SII-iii صفحہ 113

(10) 1902 کا 119 جس کا حوالہ SII-iii صفحہ 191 میں ہے۔

(11) "تن تیرو گمن" 1895 کا 87 (SII-V، 647، 1-26)۔ اسی تاریخ کے
ایک اور کتبے میں شاہداہ راج بہندرا کا ذکر آیا ہے (SII، iii۔ صفحہ 41 (1-6)

(12) مقابلہ کیجیے EI-XVIII صفحات 30-31

(13) 1890 کا نمبر 15، SII-iii-57

(14) ڈاکٹر این وینکٹا رمنیا کی جانب سے کی گئی تبدیلیوں کے مختصر لیکن جامع مطالعہ کے
لیے دیکھیے "Journal of the Madras Universi..." XV،
صفحات 1 تا 22

(15) مثال کے طور پر SII-iii-28 (انتیسویں سال کا)، 1890 کا نمبر 6 (تیسویں سال کا)
1895 کا نمبر 81، 1894 کا نمبر 272 (بتیسویں سال کا)

(16) ARE-1907، II، 38، 1908 II 56

(17) 1892 کا نمبر 186، 1911 کا 477، EC-X-KI-112 (ب)

(18) 1906 کا 534

(19) 1912 کا 129

(20) I.B.Q.، ii، 441۔ لیکن راجا دھیراج کی موت کے لیے قدرے بعد کی یہ تاریخ
اس کے جانشین راجندر کے کتبات کی شہادت کی بنا پر مسترد ہو جاتی ہے دیکھیے نیچے

(21) اس کے خلاف دیکھیے۔ ARE-1908 II 56

(22) 1892 کا نمبر 92، 1894 کا نمبر 172

(23) SII iii-28، صفحہ 56

(24) اصل متن: "دمن تلگو ڈرائندو" کا ترجمہ غالباً ہلتش نے اس طرح کیا ہے، جو پہلے
اسی کی ملکیت تھا۔

(25) اصل نسخے میں یوں ہے: "ابنی ردین رینی انگول تنا ڈو تنتر ودڑم پگندو"

(26) یا بیٹی۔ اصل نسخے میں "کاڑل" لکھا ہے

(27) اصل متن میں "اُرندا"۔ ہلتش کا ترجمہ "ختم ہو گیا" لیکن بعد کی عبارت دیکھیے۔

(28) اصل نسخے میں "کفرن، ولی، وندورئی، کول دیلت، ترانشن آگیا" درج ہے جس

کا ترجمہ ہلتش نے یوں کیا ہے ''جو کیرتن بین وارد ہوا تھا اور اس کے پاس رہنے
لگا تھا'' یہاں اس موقعے پر ''آریائی'' کے معنی ''معزز'' یا ''شان و شوکت'' ہیں
یہاں مفہوم یہ ہے کہ کیرتن راجہ اگرچہ راشٹرکوٹا نسل کا، یا زیادہ عام معنوں میں کرناٹا
نسل سے تھا اب لنکا کا حکمران بن گیا۔

(29) باب 55، vv 24 تا 29

(30) cv - باب 56، vv-1 تا 6

(31) 1892 کا نمبر 92 جس میں اسے صرف لنکا کا راجہ بتایا گیا ہے؛ 1894 کا 221

(32) ججر cv - ii: صفحہ xxi

(33) cv باب 56، v-7

(34) ایضاً - vv- 8 تا 10

(35) ایضاً - vv- 11 تا 14

(36) RK. - صفحہ 113

(37) cv - ایضاً - vv 13، 15

(38) مقابلہ کیجیے ہلتش SII-iii - صفحہ 53

(39) ایضاً - 3 دسمبر 1095ء

(40) ایضاً - نیز cv - 56، v-16

(41) مقابلہ کیجیے ہلتش JRAS (Journal of the Royal Asiatic Society London) 1913، صفحات 519 تا 521 جہاں اس نے SII - iii میں ظاہر کی گئی اپنی رائیں واپس لی ہیں۔

(42) جگتی پال کی مہارانی اور اس کی بیٹی لیلاوتی بعد میں چولا ریاست میں قید سے بھاگ نکلیں۔ cv باب 59، vv- 23-24

(43) SII-iii-29، JRAS 1913- صفحہ 519

(44) 1895 کا 87، 1915 کا 270، یہ دونوں کتبے نویں سال کے ہیں۔

(45) SII-iii: صفحہ 59، 1912 کا نمبر 612 (SII-iv-1408)

(46) وزرا پٹانگ۔ کالنگر- سی، SII-1 کا 12، iii-29

(47) یہ فرض کر کے کہ ویرسلا میگھا نامی ایک شخص راجا دھیراج کے خلاف ایک گھمسان کی لڑائی میں مارا گیا (SII-iii- صفحہ 56) بلنتش اسے اس کے نام. کالنگرین سے الگ شخصیت قرار دیتا ہے جس کا ذکر راجندر کے کتبوں (JRAS-1913- صفحہ 670) میں آیا ہے. وہ موخرالذکر کی رشتہ داری کا لنگا کی مہارانی اور وجے باہو اول کی بیوی "ترلوک سندری" سے بتایا ہے. وجے باہو کا زمانہ حیات 1109ء تا 1054ء یسوی تھا" اور یہ کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ اس مہارانی کے بھتیجے کتی سری میگھا کا نام ویرسلا میگھا کے نام پر رکھا گیا ہو. وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ پانڈیا راجہ مانا بھرن جسے راجا دھیراج نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا "اصل میں اس مان بھرن کے اسلاف میں تھا جو وجے باہو اول کا بھتیجا اور داماد تھا" اور راجا دھیراج کا حریف لنکا کا تاجدار شری ولبھ مدن راجہ" اپنے ہم نام اس شری ولبھ کے اسلاف میں تھا جو وجے باہو اول کا تیسرا بھتیجا اور داماد تھا. ناموں کی یکسانیت کی دلیل پیش کر کے کوئی بات قطعی طور سے طے نہیں ہو سکتی. اور بلنتش نے مانا بھرن، جس کے بیٹوں کو راجندر نے گرفتار کر لیا تھا اور اس کے ہم ناموں کے رشتوں پر غور نہیں کیا.

(48) بر دیئے صفحہ ماقبل 221

(49) کاڈرنگٹن کی "Ceylon Coins" صفحات 84-85

(50) مقابلہ کیجئے: SII- iii- 84 (1901 کا نمبر 266) جو ویر راجندر دیو کے ساتویں سال کا ہے اور جس میں اس راجا کے کارناموں میں لنکا کو تسخیر کرنے کا دعوٰی کیا گیا ہے. اور SII - 1912 کے نمبر 594، iv-1388 سے (جو ادھی راجندر دیو کے تیسرے سال کا ہے)

(51) C. V. باب 57، 77 - صفحہ 65- اور اس کے بعد کے صفحات EZ-ii - صفحہ 207، 1915، 182

(52) SII - iii- 28

اصل متن یوں ہے: کنڈر ر دنگرن نارحن گن ودی وٹھ لرتیری یل مدی شورحن؛ ملنتش انہیں چار نام تصور کرتا ہے. غالباً یہ صرف تین ہیں. بہر حال ان کی مکمل شناخت

کرنا ممکن نہیں. اگرچہ ان میں سے بعض نام اس عہد کے مغربی چالوکیہ کتبوں میں مذکور ہیں.

(54) 1890 کا نمبر 6 (تیسویں[30] سال کا). 1894 کا نمبر 22 - 1895 کا نمبر 81 (بتیسویں[32] سال کا)

(55) 1894 کا نمبر 172 - سال 36 ویں کا 6(2) - 1892 (n. d.) کا 96 بالترتیب SII. v. نمبر 465 - اور ایضا - نمبر 539

(56) یہ وجیادتیہ نہیں تھا اینگری (یدگیر) سے بھیما پر راج کر رہا تھا بلکہ تیلگو چوڑا بھجنا تھا. 1923 کا 430 - SII-ix (1) نمبر 147 - تلنگانہ کے کتبے صفحہ 113 - پونڈی یا پونڈور دریائے کرشنا کے بائیں کنارے پر "گدوال" کی ریاست میں واقع تھا.

(57) مقابلہ کیجیے "کلنگو پرانی" - iii v - 26 ہے جس کو شاید محروم کر کے راجندر اول تخت پر بیٹھا.

(58) "شینڈاوڑی" - معلوم ہوتا ہے یہ ایک کھیل تھا جو گیند کے ساتھ کھیلا جاتا تھا.

(59) 1894 کا نمبر 172

(60) 1925 کا نمبر 294 (چھتیسویں سال کا)

(61) مقابلہ کیجیے "یہہ کلیان پورم ودا ہا" کنیا کماری کے کتبے v - 73 میں مذکور

(62) اس کے کچھ کتبوں میں کنڑ زبان کے ایک روایتی اور بار بار دوہرائے جانے والے شعر کے آغاز میں جو مبہم سا جملہ "بلو چ. چولا - حریندر - درپ - دلنم -" آتا ہے وہ بے معنی ہے. یہ اس کے بیٹے سومیشور دوم کے متعلق بار بار دوہرایا گیا ہے اور جیسا کہ بارنٹ نے ان فتوحات کے بارے میں کہا ہے جن کی تفصیل اس شعر میں دی گئی ہے. فتوحات کی اس فہرست کی حیثیت افسانوی زیادہ ہے اور تاریخی کم (EI - xv - صفحہ 86 - حاشیہ 6). فلیٹ نے جن کتبوں کا مطالعہ کیا ہے وہ بعد کی تاریخ کے ہیں اور ان پر بحث مناسب موقعہ پر کی جائے گی. بلہن کی شاعری کو کوئی اہمیت دینا میرے لیے مشکل ہے جس نے اپنی "وکرما نک دیو چرتا" میں یہ بتایا ہے کہ سومیشور فاتح کی حیثیت سے کانچی پورم میں داخل ہوا (I. 114 تا 117). دراصل ایسا کرنا شاعر کے لیے کم و بیش صرف ادائیگی

فرض تھا کیونکہ سومیشور دراصل بلہن کے زیادہ خوش قسمت بیرو دکرمادتیہ
چہارم کا والد تھا۔

(63) 1914 کا 484

(64) 1892 (SII - iv - 539) کا 1926 '1 :3

(64) 1904 کا 41 (SII - ix (i)) نمبر 106)۔ 1919 کا 71 - نیز SII ' ix (1) نمبر 98
تا 102 - 104 تا 125 (1044 سے 1061 تک کے دیگر کتبوں کے لیے)

(65) 1904 کا 41 (SII - ix (1) نمبر 106)۔ 1919 کا 11 ؟ نیز II ' ix (1) نمبر 98 تا 102 - 104
تا 125 (1044 سے 1061 تک کے دیگر کتبوں کے لیے)

(66) اس کے خلاف دیکھیے بلتش۔ SII - iii صفحہ 57 حاشیہ ۱ نیز II ' s ر

(67) EI ' xvi صفحہ 53

(68) 1893 کا نمبر 185

(69) SII - iii - 28 ' 1-1 جس میں راجا کے ایک بڑے بھائی کا ذکر آیا ہے جس
کو شاید محروم کر کے راجندر اول تخت پر بیٹھا۔

(70) 1911 کا نمبر 214 - SII - iii - 55 ' ii۔ صفحہ 304 (الف) (تیسرے
سال کا)

(71) SII ' iii 29

(72) فلیٹ EI ' xii صفحات 296 تا 298۔ اس مقام کا عرض البلد 36 16
درجے اور طول البلد 44 79 درجے ہے۔ کوپم کی شناخت کے متعلق ایک سابقہ
بحث کے لیے دیکھیں EC - ix۔ تمہید صفحہ 16 حاشیہ نمبر 3 جس میں 1911 کے کتبہ نمبر 168
کی عبارت کی جانب توجہ دلائی گئی ہے "تیرتھ کوپتاہ وائل"۔ بلتش نے "سپیرندی
رتا" کا ترجمہ "جس کی حیثیت بیان کرنا مشکل ہے" کیا ہے (SII - iii۔ صفحہ 63)
اب ہمیں اس کلمے کو شیپر ندی رتا پڑھنا چاہیے "جس کے معنی ہیں۔ "وہ تیرتھ
جس کے اوصاف بیان کرنا مشکل ہے۔" راجندر دیو کے کتبوں کی تمہید جو "ترو
منگل مرودیا" اس میں اس کلمے کو یوں استعمال کیا گیا ہے "پیرار نگ رانگ
کوپو۔ وعے درتا آبوا آلتی۔"

(73) HAS۔ نمبر 12 صفحات 1 تا 5

(74) 1895 ' 57 - 1915 کا نمبر 70 2 ' دونوں ہی نویں سال کے ہیں۔ منی منگلم ا

کے نیچے کے ساتھ ساتھ ان کتبوں کے مطالعہ سے صاف پتہ چلتا ہے ہے کہ منی منگم کے کتبے
میں لڑائی کا ابتدائی مرحلہ بیان ہونے سے رہ گیا ہے جس میں راجندر نے حصہ نہیں لیا
تھا اور راجا آدھیراج اپنی جان گنوا بیٹھا تھا۔

(75) اس پہلو سے دونوں تذکرے مطابقت رکھتے ہیں۔

(76) یہ ذکر مارتیہ ششتم کا چھوٹا بھائی نہیں ہو سکتا۔ وہ کوپم کی جنگ کے بعد بہت برسوں
تک زندہ رہا۔

(77) غالباً یہ ریّو رسا ہی تھا جو 1054-55 میں کیبھاون کے نواح میں حکومت کرتا
تھا۔ فلیٹ۔ B.G. - I - ii صفحہ 439، S.I.I - iii صفحہ 55

(78) 1895 کا نمبر 87

(79) S.I.I - iii - 55؛ ii - صفحہ 304 - C

(80) 1895 کا نمبر 87

(81) راجندر کے کتبوں کی ان پرشستیوں میں جو "ترومنگل مرودبا" سے شروع ہوتی ہیں یہ
جملہ آتا ہے۔ "تن منون شینی مین ڈواگ مُنیندر شینرد۔۔۔۔۔ ارٹا پاڈی۔ پیلرائی
یلکن۔ گونڈوے" جو اکثر اختصار کے ساتھ لکھنے میں صرف "پیندو واگ ارٹا پاڈی"
ہی رہ جاتا ہے۔ ہلتش نے عموماً اس کا ترجمہ۔ "جبکہ اس کے بڑے بھائی کی فوج
اس کی پشت پر تھی" کیا ہے۔ دوسرے کتبوں کی روشنی میں (بالخصوص 1895
کے نمبر 87 کی) جن میں صاف لکھا ہے کہ راجا آدھیراج نے جنگ کا آغاز کیا اور راجندر
اس لڑائی میں اس وقت شامل ہوا جب اوّل الذکر جنگ میں ہلاک ہو چکا تھا۔
ایسا لگتا ہے کہ ہمیں ہلتش کے ترجمے میں یوں ترمیم کرنا چاہیئے۔ "جبکہ اس کے
بھائی کی فوج نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔" اوپر کی دونوں صورتوں میں مختصر اور طویل
میں سے طویل صورت میں جو جملہ استعمال ہوا ہے وہ اسی ترجمے کا متقاضی ہے
"مینند رشینرد کے معنی ہیں "ما فالفت میں سب سے آگے ہوتا۔" اسی طرح اس فقرے
کو "شینی پندو واگ" پڑھا جائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں "جب آگے بڑھنے
والی افواج نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔" بعض کتبوں میں موخر الذکر صورت پائی
جاتی ہے (S.I.I - ii - صفحہ 305، G.F) جس میں ہلتش نے ترمیم کر کے ایسے

مُتّون شینئی" میں بدل دیا ہے۔ حفظِ مراتب کے ہندوستانی نظریے کے مطابق یہ
بات ناقابلِ تصور ہے کہ جب بڑا بھائی میدانِ جنگ میں ذاتی طور پر موجود تھا۔ تو
چھوٹے نے کیونکر کمان سنبھال لی۔ لیکن اس نکتے پر زیادہ زور دینے کی ضرورت
نہیں ہے کیونکہ تمام کتبوں میں اکٹھا دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ میں
یہ بھی بتا دوں کہ بعض کتبوں میں "تن مُتّون" کے ٹکڑے میں "تن" کو حذف کر دیا
گیا ہے، مثلاً SII. 111. 55 میں۔ اس وجہ سے یہ فرض نہیں کر لینا چاہیئے، جیسا کہ
ہلتش نے کیا ہے، کہ "جرّو مرو دیا شینگول دیندن" کا فقرہ بڑے بھائی کے لیے
لکھا گیا ہے (SII . iii . صفحہ 112 . انگریزی ترجمہ)

چلتے چلتے یہ بھی کہہ دینا چاہیئے کہ "تنّا نائیل مُتّا نائی شیلا مُتّانائی تور تو" کے
الفاظ SII - iii - 55 (2 - 1:11) جو "ارشا پاڈی پیلیرائی یلکم گونڈو" ۔ اور کولا
پُرتو ہے سمب۔ تائی تۓ کے درمیان آتے ہیں، ان کا ترجمہ ہلتش نے یوں کیا ہے،
"جب (دشمن کا) پہلا ہاتھی اس کے ہاتھی پر حملہ آور ہوا تو اس کے بڑے بھائی
نے اسے روکا" لیکن یہ ترجمہ اطمینان بخش نہیں دکھائی دیتا کیونکہ الفاظ "دشمن
کا" اس فقرے کے معنی میں ایک ایسا تصور شامل کر دیتے ہیں جس کی اصل متن
اجازت نہیں دیتا اور پہلے "تنّا نائیل" کے استعمال کا موقع ایک دوسری تشریح
کا تقاضا کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس ضمن میں "آنائی" کو آنڑائی کا غلط تلفظ بننا
چاہیئے اور اس فقرے کا ترجمہ یوں کرنا چاہیئے: "اپنے احکام کی تعمیل کروانے میں
سابقہ حکم بدل دیا۔ راجندر کے ترو کوئیلور کے کتبے (1900 کا نمبر 123 جو چھٹے سال
کا ہے) پر تبصرہ کرتے ہوئے (ARE . 1901 ' 1 ' 20 میں جو رائے دی گئی ہے
کہ کوپم کی جنگ کولاپورم پر فوج کشی کے بعد کا ہے ۔ ہے اب کوپم کی نئی شناخت
کے پیشِ نظر اسے ترک دینا چاہیئے۔ البتہ ترو کوئیلور کے کتبوں (82 . 1 . 1 . منفات
45 - 145) کی عبارت سے ہلتش کی اس رائے کی کچھ حد تک ضرور تائید ہوتی ہے
اور بہت سی مختصر تمہیدوں میں کولاپورم کی مہم کا ذکر کوپم کی جنگ سے پہلے کیا گیا ہے

(82) ARE 1921 ' II - 5 ؛ 1920 کا 392 - صفحات 44 ' I ' II

(83) ARE - 1919 ' II - 30

84) انی گیرے ii' I' B.O بمبئی صفحہ 441 اور گوز واز 23' x v' EI مؤلفہ بارینٹ
نیز دیکھئے EC ' iii v - سورب 325

85) فلیٹ اور اس کی تقلید کرتے ہوئے بارنٹ بھی اس جنگی مہم اور اس سے
ہونے والے جانی نقصانات کا ذمہ دار راجندر دیو کو ٹھہراتا ہے لیکن اس بات
کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ راجندر نے چالاکیوں کی لڑائیوں میں جان
گنوائی اگرچہ وہ کوپم میں موجود تھا۔ مقابلہ کیجئے SII - iii صفحہ 53

86) 1925 کا نمبر 193 (راجندر دوم کے چھٹے سال) کا اور شاید راج راجا کے چھٹے سال
کا 1899 کا نمبر 5 بھی۔ اس بعد کے کتبے میں جو قریباً ایک صد بعد کا ہے، ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ راجا دھیراج اوّل اور راجندر دوم کے کارناموں کو خلط ملط کر دیا گیا ہے
اس میں "پیرول و جے راجندر دیو کا ذکر ہے جس نے کلیان پورم اور کولاپورم
کو فتح کیا اور ایک ہاتھی پر سوار ہونے کی حالت میں (ابدی) نیند سو گیا۔" (SII - iii
صفحہ 191) ہلتش کا کہنا ہے "یہ بیان یقیناً پر اکیسری ورمن عرف راجندر دیو کے
متعلق ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے کولاپورم میں ایک فتح کا
مینار تعمیر کیا ہے۔ اسی رائے کا اظہار وینکیا نے ARE - 1899 - I 53 میں
زیادہ محتاط طریقے سے کیا ہے۔ راج کیسری راجندر (کلوتنگا اول) کے چوتھے
برس کے ایک کتبے میں جو شالو کی ضلع شمالی ارکاٹ میں ملا ہے (1920 کا 472)
یہی تذکرہ پہلے سے درج تھا گویہ کتبہ ہلتش کے علم میں بہت بعد میں آیا۔ لیکن اس
کتبہ میں وجے راجندر کا لقب درج نہیں ہے۔ راجندر دیو نے کہیں بھی کلیان پورم
کو تسخیر کرنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس نے وجے راجندر کا لقب بھی اختیار نہیں
کیا اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے۔ وہ ہاتھی کی پیٹھ پر جنگ میں ہلاک نہیں ہوا۔ یہ
خصوصیات نمایاں طور پر ہماری توجہ راجا دھیراج اول کی طرف منعطف کرتی ہیں۔
(ARE - 1925 II' 16) جس کا تیسرا سال حکومت لگ بھگ 1021ء ہوتا ہے جو راجندر
اول کے عہد حکومت میں پڑے گا (مزید دیکھئے 1920 کا نمبر 473 جو کلوتنگا اوّل کے
چوتھے سال میں حکومت کا کتبہ ہے)۔ اگر یہ رائے درست ہو گو مجھے یقین ہے کہ
ایسا نہیں ہے تو یہ نظریہ خود بخود غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ اگنڈی کے قحط کے

دوران میں حکومت قحط زدگان کی امداد اس لیے نہ کرسکی کہ راجا دھیراج کی گھوڑوں کی قربانی پر ہونے والے کثیر اخراجات کے باعث سرکاری خزانہ خالی ہو چکا تھا (ARE-1899 - I - 53) البتہ ممکن ہے کہ قحط راجندر دوم کے عہد میں 1055ء کے قریب پڑا ہو اور راجندر دوم کے کتبے میں صرف حکمران کا نام غلط دیا گیا ہو۔ راجا دھیراج کے کتبات میں گھوڑے کی قربانی کا ذکر اگر بہت پہلے نہیں تو اس کی حکومت کے چھبیسویں برس یعنی 1044ء میں ضرور کیا گیا ہے۔

(87) 1910 کا نمبر 258 (چھتیسویں[35] برس کا)

(88) 1925 کا نمبر 420 (پینتیسویں[35] سال کا)

(89) 1894 کا نمبر 213 (چوبیسویں[29] سال کا)

(90) 1899 کا نمبر 213

(91) 1920 کا نمبر 78 (تینتیسویں[33] سال کا)

(92) 1919 کا نمبر 188 (پینتیسویں[35] سال کا)

(93) 1910 کا نمبر 268 (پینتیسویں[35] سال کا)

(94) 1902 کے نمبر 413 (تینتیسویں[33] سال کا)

(95) چھبیسویں سال کے ایک کتبے (1899 کے نمبر 172) میں ترد کلوکنرم کو انگلنڈ شولا پورم کہہ کر پکارا گیا ہے۔

(96) 1912 کا نمبر 102

(97) 1920 کا نمبر 85

(98) 1895 کا نمبر 279

(99) 1922 کا نمبر 255

(100) 1894 کا نمبر 221 (SII - V - 520) وشنو وردھن کو مستقبل کا کلوتنگا اول شناخت کیا گیا ہے۔

(101) 1894 کا 214 + 1903 کے 421 میں ایسا لگتا ہے کہ راجا کو غلطی سے راج راجا کہا گیا ہے۔ سی ویل (HISI - صفحہ 82) میں 28 مئی 1060ء کو کوپم کی جنگ کی تاریخ بتایا گیا ہے جو کہ دراصل راجندر دیو کی تاج پوشی کی تاریخ ہے، لیکن اس امر کا

ہمارے پاس کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ اس جنگ سے کچھ عرصہ پہلے راجندر اپنے پیش رو کا جانشین مقرر نہیں ہوا تھا۔ چھٹے سال حکومت (شاکا سمت 979) کے بیلاترو کے کتبہ کے لیے دیکھئے E. I. v. صفحات 213-19

(102) 1928 کا کتبہ نمبر 81-1909 کے نمبر 173 (پانچویں سال کا) میں "مرڈوریا" کی جگہ "نکوتیلہ" درج ہے۔ باقی ہر طرح سے دونوں کتبے ایک سے ہیں۔

(103) 1892 کا نمبر 3 (SII - iii - 29) - 1913 کا نمبر 396

(104) 1895 کا نمبر 87، 1915 کا نمبر 270 ۔

(105) III v - 27

(106) II ، 38 - 40

(107) SII - III ، 58 - "کا دلر" سے مراد اس کتبے میں یقینی طور "پر بیٹے" ہے۔ 1895 کے نمبر 87 میں راجندر شولا کو جو "کا دلر" (بیٹوں) میں سے ایک تھا، واضح طور پر "تن۔ ترڈ منگن" کہا گیا ہے (اس کے خلاف دیکھئے ہلتش حوالہ سابقہ صفحہ 62۔ حاشیہ نمبر 9)۔ جب تک کہ ہم "کادلر" کے عام معنی "داماد" نہ سمجھ لیں اور راجندر کو تنگ اوّل نہ قرار دیں۔ لیکن "کادلر کادلر" کے معنی صاف طور پر پوتا ہیں اور اس سے ہماری پہلی رائے کو تقویت ملتی ہے۔

(108) ARE . 1899 ، I ، 51

(109) بعض کتبوں میں اس کے والد کی پرشستی کا حوالہ دیا گیا ہے۔ دیگر کتبوں کے متعلق بہت سے قیاسات پیش کئے جاتے ہیں۔

(110) 1902 کا نمبر 109۔ اس کے دیگر کتبات کا آغاز تین صورتوں میں ہوتا ہے۔ "منگو نیدی مڑائی ولرا تے"، "ترو منگئی ولرا" سے، اور "ترو منگل ولگا" سے۔ ان میں سے کسی کی بھی کوئی تاریخی اہمیت نہیں ہے چوتھے سال کا کتبہ 1935-36 کا نمبر 80 ہے۔ جو 22 جولائی 1062ء کا ہے۔ یہ اس سے متعلق سب سے آخری تاریخ ہے جس کا علم ہے 1935-36 II ، 38

(111) 1895 کا نمبر 87 -، SII - v صفحہ 271 ، II ، 32 تا 39

(112) 1896 کا نمبر 113 - SII ، v نمبر 976 -، 1909 کا 718

جس کا ذکر 1065ء کے کتبوں میں موجود ہے۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو متن میں درج ہوئی رائے جو منڈکارو اور کوڈل شنگم دونوں کے ایک ہی مقام کے نام ہونے کے مفروضے پر مبنی ہے مقابلتاً زیادہ قابل فہم معلوم ہوتی ہے اور کوئی دلیل ایسی دکھائی نہیں دیتی جو اس رائے کی تردید کرے مزید برآں یہ بات بھی اس سلسلے میں قابل توجہ ہے کہ ویر راجندر کے دوسرے سال حکومت کے کتبات میں ایسا کوئی ذکر نہیں آتا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس نے وینگی کے تخت کی بازیابی کے لیے وجے آدتیہ کی کوئی مدد کی ہو، بلکہ کوڈل شنگم کی دوسری لڑائی کے بعد اور ویر راجندر کے عہد حکومت کے پانچویں برس (تقریباً 1067ء تک) اس طرح کے کسی واقعے کا ذکر نہیں آتا۔ لہٰذا ہم اگر یہ خیال جو بغیر اچھی طرح مسئلہ کو سمجھے ہوئے قائم کیا گیا ہے چھوڑ دیں کہ وکرمادتیہ اور ویر راجندر دونوں نے وینگی کے معاملات میں دخل اندازی راج راجا نریندر کی وفات کے بعد ہی شروع کی تھی تو واقعات زیادہ آسانی سے سمجھ میں آسکیں گے۔

(124) SII - iii صفحہ 32

(125) SII - iii. نمبر 30 ، 1 - 26

(126) اگر کاندئی اصل میں کرنول ہے "Eastern Calukyas" صفحہ 260 تو یہ دریائے تنگ بھدرا اور دریائے کرشنا کے سنگم کی جانب اشارہ ہے۔ فلیٹ نے کھدراپور (کوپم) کا محل وقوع پنچ گنگا اور کرشنا ندیوں کے مقام اتصال پر بتایا ہے۔ اس کے خیال میں یہی مقام چولا کتبوں میں مذکور کوڈل شنگم تھا۔ فلیٹ نے کرن ڈئی کی شناخت کرتے ہوئے اسے اسی مقام پر واقع اچل کرنجی قرار دیا ہے (EI - ii صفحہ 299) لیکن چونکہ ایسا لگتا ہے کہ اس نے مذکورہ موضوع پر زیادہ وہ مفصل تبصرہ تحریر نہیں کیا جیسا کرنے کا اس نے وعدہ کیا تھا اس لیے یہ جاننا ناممکن سا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ان شناختوں پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کا جواب کیونکر دیتا۔ اور یہ اعتراضات چولا کتبات میں بیان کی گئی جنگی مہم کے احوال سے پیدا ہوتے ہیں جس میں ایک بار پھر اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ اس موقعے پر چولا افواج تنگا بھدرا کے پار داخل ہوئی تھیں۔ بتایا جاتا ہے کہ رٹا پاڑی ہمیں تباہ و برباد کر دیا۔

(113) S.I.I - iii - 84 '11' 8. ہلتش کا خیال ہے کہ یہ حوالہ اس چوتھی لڑائی کے بارے میں ہے جو اس ٹکراؤ سے پہلے کا واقعہ ہے جس میں کپلی کو نذر آتش کر دیا گیا تھا (ایضاً. صفحہ 195)

(114) S.I.I - iii - صفحہ 37 (11 '3 تا 8) جو 1896 کے نمبر 113 کے مشابہ ہے.

(115) میں نے 1896 کے نمبر 113 کو اس طرح پڑھا ہے. "اکل منائی ورُو دوڑو ملائی کم"

(116) "شیرذن شرِتی مِنی پُرٗتو" کا ترجمہ ہلتش نے "لاش کا سر کاٹ دیا" کیا ہے. ظاہر ہے کہ "شیرذن" دو ٹکڑوں سے بنا ہوا لفظ ہے "شیرون" اور "ذن". مقابلہ کیجیے "شیرون ذن. شرکی نی (1896 کا نمبر 133)

(117) یعنی (چولا راجہ کا) ہراول دستہ. ہلتش

(118) میگھ ڈمبر

(119) اصل متن میں "اپشپکپ پڈ کم" لکھا ہے

(120) 1901 کا نمبر 266 (S.I.I - iii - نمبر 84) - 11'-8-9

(121) اسی جگہ پر بعد کو کسی دن کے لیے جو معرکہ طے ہوا تھا وہ نہ ہو سکا. دیکھیے پہلے کا صفحہ 268 اور اس کے بعد کے صفحات

(122) اس کے خلاف دیکھیے ایس کے اینگر کی "Ancient India" صفحہ 121

(123) ان واقعات کے متعلق ایک دوسری رائے بھی ممکن ہے. ہو سکتا ہے کہ "مڈکارو" ہی کوڈل سنگم ہو. اگر وکرم نے مڈکارو کی جنگ میں حصہ لیا ہو اور ونگی کے حملے میں اس کی بیوی کے اعضا کاٹ دینے کے واقعہ سے اس بات کا کوئی تعلق نہ ہو. یہ حملہ کوڈل سنگم کی پہلی جنگ سے قبل کا واقعہ ہے چونکہ ویر راجندر کا کتبہ اس کے دوسرے سال حکومت (تقریباً 1066ء) کا ہے اور مشرقی چالوکیہ حکمران راجا راجا نریندر کی وفات 1063ء میں ہوئی اس لیے یہ ممکن ہے کہ ونگی میں وکرما دتیہ کا داخلہ (جس کو چامنڈ رایا کی جنگی مہم کہتے ہیں) راج راجا کی وفات کے بعد اٹھ کھڑے ہونے والے تخت کی وراثت کے کسی جھگڑے کے سلسلے میں ہوا ہو. ان واقعات کی روشنی میں ہمیں یہ فرض کر لینا ہوگا کہ مڈکارو کی جنگ. خواہ یہ کسی بھی دریا کا نام ہو تقریباً 1060ء میں ہوئی اور اس کے تقریباً تین سال بعد کوڈل سنگم کی لڑائی پیش آئی

گیا تھا لیکن فتح کو مینار دریائے تنگ بھدرا کے کنارے نصب ہے۔

(127) 1898 کا نمبر 144

(128) TAS-i-164 تا 168

(129) 1926 کا نمبر 102 (نوں سال حکومت کا)

(130) EI-v صفحہ 77؛ v-II، چیلوگر v-12

(131) 1900 کا 123، EI-ii صفحات 145-46

(132) 1295 کا نمبر 84

(133) 1912 کا نمبر 612

(134) SII-iii-21

(135) II-40 تا 42

(136) راج چندرن کو بن کرتم سے متعلق حصے میں

(137) 1930 کا 502

(138) 1930 کا 512

(139) ویر راجندر کے کتبوں پر ہلتش کی ایک بہت اچھی بحث SII-iii، صفحات 193 تا 196 میں ملتی ہے۔

(140) SII-iii-20، 1896 کا نمبر 113 (SII-v-976)

(141) SII-iii-30

(142) v-977، پنڈت وی سوامی ناتھ آئر نے اس راجا کو راج راجا دوم شناخت کیا ہے لیکن یہ دعوٰی مشکوک ہے۔

(143) 1896 کا نمبر 113 - SII-iii-20، صفحہ 33

(144) 1896 کا نمبر 113

(145) ہلتش SII-iii صفحہ 193

(146) v-76

(147) SII-iii-20

(148) SII-iii-30

(149) اس بات پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ اس مرحلے تک کے تمام واقعات کا ذکر اس حکمران کے چھٹے سال حکومت کے اس کتبے میں موجود ہے جو طور سے دستیاب ہوا ہے اور جس کی مرمت پر شستی ہی محفوظ رہی ہے۔ (1911 کا نمبر 197 — EC. IX - باب 85)

(151) معلوم ہوتا ہے کہ "پرتن" دراصل سنسکرت لفظ "سپرشٹ" کی بگڑی ہوئی صورت ہے نہ کہ تامل لفظ "پُرتن" جس کا مطلب ہے دھوکے باز یا دغا باز، دغا گو۔ اس کے خلاف دیکھئے انتقش SII. iii صفحہ 69

(151) میرے خیال میں تو اصلی مفہوم یہی ہے جیسا کہ اے دی وینکٹا رامائر نے کہا ہے۔ (دیکھئے Life and Times of Calukya Vikrama-ditya - VI - تامل ایڈیشن صفحات 22-23، حاشیہ نمبر 3)۔ انتقش اس مبہم عبارت کے متعلق یہی سمجھتا ہے کہ یہ ویر راجندر اور وکرما دتیہ کے اتحاد سے تعلق رکھتی ہے، لیکن میری رائے میں اس کا واسطہ مذکورہ جنگ کے ایک بعد کے مرحلے سے ہے جب سومیشور اوّل کا انتقال ہو چکا تھا، نیز یہ سومیشور دوم کے ساتھ ویر راجندر کے پہلے ٹکراؤ سے متعلق ہے۔ موجودہ موقعے پر تو ویر راجندر بھی سومیشور اوّل کے کل خاندان سے برسرِ پیکار نظر آتا ہے اور ہر محاذ پر لڑ رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وکرما دتیہ ششم اور اس کے بھائی کے درمیان وہ اختلاف جس نے ویر راجندر کو وکرما دتیہ کے ساتھ صلح کرنے کا موقعہ دیا اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوا تھا جب تک سومیشور اوّل فوت نہیں ہوا۔ ویر راجندر کو اس موقعے پر سومیشور اوّل کی وفات کا علم نہیں تھا۔ لہٰذا انتقش کی طرح ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ سِن سنگم کے کتبے میں جو پانچویں سال حکومت کا ہے، ویر راجندر کے چھٹے اور ساتویں سال حکومت کے کتبوں میں مندرج واقعات کو پہلے ہی سے قیاس کیا جا سکتا ہے (SII. iii. صفحات 193 تا 195)۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ 1. 27 میں مندرج لفظ "پرتن" اس بات کو ناممکن بنا دیتا ہے کہ ہم اسے وکرما دتیہ ششم قرار دیں (مقابلہ کیجئے اسی کتبے کا 1. 32، نیز ہکیما ک پہالی 779.0 جس میں "پرتن" یعنی حریف چالوکیہ اور "ادرتن" یعنی دوست چالوکیہ میں فرق سمجھا گیا ہے)۔ پھر اگر ہم چھٹے اور ساتویں سال حکومت کے کتبوں میں مندرج

عبارتوں کو دیکھیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا اشارہ ایک ہی واقعے کی طرف ہے۔
جومنگنڈم کے کتبے میں درج شدہ واقعے سے مختلف ہے جس میں وکرمادتیہ اور
ویرراجیندر کے باہم دوست بن جانے کا ذکر ہے کتبہ EI ۔ iii۔ 83 (چھٹے سال
حکومت کا) کہتا ہے کہ اس سے پیشتر کہ سومیشور دوم اپنے گلے کی مالا کھولتا
(iii 7 تا 8) ویرراجیندر نے کمپلی کو نذر آتش کر دیا اور کرڈیگل پر قبضہ کر لیا۔ یہ
پہلا موقعہ تھا جب : بے آدتیہ کی جانب سے وینگی کی فتح کے بعد چالوکیوں سے
معرکہ ہوا۔ VIII '84 (ساتویں سال کے) کتبے میں (iii 5 تا 6) درج ہے کہ اسی
موقعے پر سومیشور دوم کو مجبور ہو کر کنرا دیش چھوڑنا پڑا اور اطاعت شعار وکرمادتیہ
کو چولا شہنشاہ نے اپنے گلے کی مالا عطا کی۔ "وکرمانک دیوچرتا" میں بھی اس کے
ہیرو (وکرمادتیہ) اور چولا تاجدار کے مابین اتحاد کی تاریخ سومیشور اول کی وفات کے
بعد بتائی گئی ہے۔ اور معاہدہ ہونے کا مقام دریائے تنگ بھدرا کے کنارے بتایا گیا
ہے۔ نیز اسی نظم کے مطابق وکرمادتیہ اپنے والد کی وفات کے وقت اپنی فتوحات کی مہم
پر باہر گیا ہوا تھا۔ یہ فتوحات اس نے وینگی اور چترکوٹ تک حاصل کیں جو صحیح ہو سکتا
ہے کیونکہ جب سومیشور اول کوڈل سنگم میں اس کا مقابلہ کرنے کے لیے حسب وعدہ نہیں
آیا تو ویرراجیندر کو خود وینگی جانا پڑا تھا۔ آخری بات یہ ہے کہ جیسا قیاس کر لینا ضروری
نہیں ہے کہ گلے کی مالا یقینی طور پر صرف ولی عہد ہونے کی علامت تھی اور حکمران ہونے
کی نہیں۔ فلیٹ کی طرح یہ رائے رکھنا بھی ضروری نہیں ہے (EI ۔ iii ۔ صفحہ 199) کہ ویر
راجیندر کے چھٹے سال حکومت کے دوران سومیشور اول زندہ تھا اور سومیشور دوم اس
وقت تک ولی عہد سلطنت ہی تھا (IA ۔ xx ۔ صفحہ 267 ۔ زیر عنوان وجیادتیہ ہم دیگر
حوالہ جات جو وہاں دیے گئے ہیں)۔ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ گلے کی مالا ماتحت حیثیت کی
نشانی تھی تو بھی سومیشور سوم کے اپنی "کنٹھکا" (مالا) کھولنے کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے
کہ اس کے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور وہ اب با اختیار خود حکمران بن چکا ہے اور شاید
یہی خیال زیادہ صحیح اور معقول بھی ہے۔

(152) EI ۔ vii ۔ صفحہ 9

(153) وکرمانک دیوچرتا۔ iv ۔ 44 تا 6,8 EC ۔ vii ؛ سنسکرت 136 (153 ۔ الف)

ڈاکٹر ایس کے آئینگر کی "Ancient India" صفحہ 123۔ اے ڈی وینکٹا رمنیا کا خیال سابقہ صفحہ 23۔

ڈاکٹر وینکٹا رمنیا کا خیال ہے کہ سومیشور اوّل نے ویر راجندر کو یہ جھوٹا پیغام بھیجا کہ اس سے دھوکہ بازی کی کہ وہ کوڈل سنگم میں اس سے مقابلہ کرے گا جبکہ واقعی اس کے دل میں یہ تھا کہ وہ اپنے بیٹے وکرما دتیہ کو مغربی ساحل کے راستے سے جنوب کی جانب بھیجے اور اس طرح جنگ کو عین چولا ریاست کے اندر پہنچا دے۔ یہی وجہ تھی کہ سومیشور مغربی سمندر کی طرف گیا جس کو چولا کتبوں میں غلط بیانی سے جنگ سے اس کا مغربی سمندر کی جانب فرار بتایا گیا ہے۔ اس نئے نظریے کے لیے جس شہادت پر انحصار کیا گیا ہے وہ بلہن کی "کا دیہ" ہے (دیکھئے Eastern Calukyas صفحہ 269۔ اور اس کے آگے کے صفحات)

153۔ ب) iv - 36

(154) اس کے دونوں معنی لکھتے ہیں "ایک بہادر آدمی" اور "چالوکیہ"

(155) iv. 29، 30

(156) دراکشارا میں بہت سے بلا تاریخ کتبے دستیاب ہوتے ہیں جن میں شری پرانتکا کو کونیرنا ایکو نڈا ربسر ولوک آدہ باشری وشنو وردھن مہاراجہ کے ساتھ وفاداری کے لیے مختلف سرداروں نے جو حلف لیے وہ درج کیے گئے ہیں۔ شاید ان القابات سے مراد وجیا دتیہ ہفتم ہے اور یہ کتبے اس کے عہد کے ہیں۔ (SII - iv - 1269 تا 1275) "Eastern Calukyas" صفحات 249 تا 250

(157) 1915ء کے کتبہ نمبر 182 میں صاف طور پر درج ہے کہ ویر راجندر نے چالوکیہ افواج سے شکر کوٹم میں مقابلہ کیا اور انہیں شکست دی۔ "ویر راجندر۔ پڈانک۔ کڈکیوی وڈا۔ تشا پئے۔ جکر کوٹو۔ بک۔ کڈن رایند شلکنت۔ تا نیا ئے کنل۔ پنڈ نوڑی" (کلوتنگا کے ابتدائی عہد کے کتبوں سے بھی مواز حاصل کیجئے) EI - xxi صفحات 233-231 اسی کتبے میں دو اور مقامات پر لڑی گئی جنگوں کا ذکر بھی ہے، ایک کونڈئی میں اجو راجہ مندری سے ستر میل دور واقع تھا۔" (دیکھئے Eastern Calukyas" صفحہ 266۔ حاشیہ نمبر 2) اور دوسری کادی میں۔ ان دونوں جگوں

میں بہت سا مال غنیمت چولوں کے ہاتھ لگا اور انھوں نے بہت سے لوگوں کو جن میں عورتیں بھی شامل تھیں گرفتار کر لیا۔ وہاں ایک فتح کا مینار بھی تعمیر کیا گیا جس پر شیر کا شاہی نشان ثبت کیا گیا۔ "وکی سشکو کلپز جیہ ستمب نالی" (۹۰۱) جملے کا مفہوم ہے "پتھر کا ایک مینار فتح تعمیر کر کے جس پر شیر کا شاہی نشان کندہ تھا۔" EI میں کتبے کے مؤلف نے ایک مقام کا نام کپلی شلوکل (صفحہ 343) دریافت کیا ہے اگرچہ اس نے صفحہ 228 پر اس مقام کی کوئی شناخت پیش نہیں کی۔

(158) ہلتش نے "اگلی ڈی پوجد جیہ ترڈ وڈم" کے جملے کو بلاشبہ غلط سمجھا ہے۔ اس کا ترجمہ اس نے یوں کیا ہے۔ "فتح کی دیوی کے ساتھ جو درمیانی وقفے میں اس کی امانت ہو گئی تھی۔" اس میں اسے "اس بات کا اعتراف نظر آیا ہے کہ چولوں کو شکستوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔" SII - iii۔ صفحہ 70۔ حاشیہ نمبر 4۔ "اگلی" کے بعد جو "اڈنی ملۃ" آیا ہے وہ صاف طور پر تخصیص مقام کے لیے آیا ہے اور اس سے پہلے کے لفظ کا مطلب متن کے اعتبار سے جنگ ہے کہ نہ مداوت۔

(159) ہلتش SII - iii۔ صفحہ 193

(160) راجا کے اس بڑے بھائی کو ہلتش آلوندان قرار دیتا ہے۔ SII - iii۔ صفحہ 194

(161) v - 77

(162) CV - باب 58، vv - 1 تا 17۔ کاڈرنگٹن (Short History، صفحہ 56) کا کہنا ہے۔ "پولونارُوا کو تسخیر کرنے کی اوّلین کوشش تقریباً ۱۰۶۶ عیسوی میں کی گئی لیکن یہ ناکام رہی اور وجے باہو خود کو وانگری (ضلع کرگلا میں واقع ایک مقام واکرگل) میں محصور کر لینے پر مجبور ہو گیا۔ میرے خیال میں وانگری کا محاصرہ بعد کی یعنی ۱۰۷۰ کی جنگی مہم کے دوران کا واقعہ ہے جس کا تذکرہ CV میں v۔ نمبر 18 سے شروع ہوتا ہے۔

(163) 1915 کا نمبر 182

(164) 1894 کا نمبر 175 - 1911 کا 266 : SII - iii - 84

(165) EC - vii، Sk. 136

(166) SII - iii - 83

باندھواں باب

کلوتنگا اوّل کی تخت نشینی (سنہ 1070ء)

ادھیراجندر ویر راجندر سنہ 1070ء کے آغاز ہی میں جو اس کے عہد حکومت کا آٹھواں برس تھا، فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا جانشین پراکیسری ادھیراجندر تخت پر بیٹھا جس کی حکومت صرف چند ہفتے رہی۔ چنانچہ اس کے بعد 9، جون سنہ 1070ء کو کلوتنگا چولا اوّل تخت نشین ہوا۔ چونکہ ہمیں ادھیراجندر کے جو کتبات دستیاب ہوئے ہیں وہ اس کی ولی عہدی کے تیسرے سال کے ہیں اور کلوتنگا کی تخت نشینی کی صحیح تاریخ کی تصدیق اس کے تیلگو علاقے سے ملنے والے کتبات سے ہو جاتی ہے۔ اس لیے یہ بات واضح ہے کہ ویر راجندر نے سنہ 68-1067ء کے دوران کسی وقت ادھیراجندر کو ولی عہد منتخب کیا ہوگا۔ ادھیراجندر کے تعلقات ویر راجندر سے کیسے تھے۔ اس کا پتہ "وکرمانک دیوچرتا" میں درج اس واضح بیان سے چل جاتا ہے کہ اپنے خسر کی وفات پر وکرمادتیہ کانچی اور گنگائی کونڈاپور کے لیے روانہ ہو گیا تاکہ اپنی بیوی کے بھائی کو چولا تخت پر بٹھا سکے۔ اس کا ہدِ حکومت اتنا مختصر یوں تھا اور مشرقی چالوکیہ شہزادہ راجندر دوم سنہ 1070ء میں کیسے چولا تخت پر قابض

ہو گیا یہ کچھ ایسے سوالات ہیں جن کا کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا۔ ان سوالات کے متعلق شہادتیں متعدد ماخذ سے ملتی ہیں جو ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہیں اور واقعات کی اس قدر تاویلیں پیش کرتے ہیں کہ ایسا احتمال ہونے لگتا ہے جیسے کہ ہمارے مستند ماخذ نے واقعات کی جو تاویلیں پیش کی ہیں۔ ان سب کے پیچھے کوئی نہ کوئی خود غرضانہ مقصد کارفرما ہے۔

چولا راجگان اور مشرقی چالوکیہ حکمران

متعدد باہمی ازدواجی رشتوں کے نتیجے کے طور پر کچھ عرصے تک مشرقی چالوکیہ خاندان، چالوکیہ سے زیادہ چولا خاندان بن گیا تھا۔ دونوں خاندان کے باہمی رشتے کی توضیح مندرجہ ذیل شجرۂ نسب سے وتی ہے۔

راج راجا اوّل (چولا)

(بیٹا) راجندر اوّل ... (بیٹی) کندوا (کی شادی) [مشرقی چالوکیہ ومل آدتیہ سے] کی شادی

(بیٹا) راجندر دوم ... (بیٹی) امنگا دیوی (کی شادی) راج راجا نریندر سے

میدادا بہادیوی (یہی چولا خاندان کی اولاد تھی)

(بیٹا) وجے آدتیہ ہفتم

(بیٹی) مدھورانتکی (کی شادی) ← (بیٹا) راجندر دوم چالوکیہ کلوتنگا اوّل سے

(بیٹا) شکتی ورمن دوم

اس عہد کی مشرقی چالوکیہ کی تانبے کی تختیوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک میں وجے آدتیہ ہفتم اور اس کے بیٹے شکتی ورمن دوم کے عہد کے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جو دوسرے میں موجود نہیں ہیں۔ یہ خصوصیت چالوکیہ تاریخ

کے بعض دوسرے تذکروں میں بھی پائی جاتی ہے۔

وجے آدتیہ ہفتم

پہلے حصے کے کتبے میں واقعات حسب ذیل طریقے سے بیان کیے گئے ہیں۔ راج راجا نریندر کی تخت نشینی کے بارہ برس بعد اس کے سوتیلے بھائی وجے آدتیہ نے اسے تخت سے معزول کر دیا اور شاکا سمت 952 بمطابق سنہ 1013 عیسوی میں اس نے اپنی تاج پوشی کی جس عطیہ نامے میں اس کا ذکر کیا گیا ہے وہ وجے آدتیہ کی حکومت کے دوسرے سال کا ہے۔ شکتی ورمن کی تاج پوشی شاکا سمت ــــــ میں اس دن کی گئی جس جلوس تحریر نہیں ہے، بتاتی ہیں کہ شکتی ورمن کی تاج پوشی شاکا سمت 983 میں اس دن کی گئی جس دن اکتوبر سنہ 1061ء کی 18، تاریخ پڑتی تھی۔ راج راجا اس وقت اپنی حکومت کے تقریبًا 41 برس پورے کر چکا تھا۔ ان کتبات میں وجیا دتیہ کی تاج پوشی کا ذکر جو سنہ 1030ء میں ہوئی تھی، سرے سے حذف کر دیا گیا ہے آخری بات یہ ہے کہ ریالی سے دستیاب ہونے والی وجیہ آدتیہ ہفتم کی تانبے کی تختیوں میں (جس کے دو سیٹ ہیں) اس دور کے واقعات کا قطعًا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہے ان میں راج راجا کی حکومت کو صاف طور پر اکتالیس 41 سال دئے گئے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ وجیا دتیہ نے اپنے سوتیلے بھائی سے اس کی سلطنت جبرًا اس کے علم کے بغیر اس کی وفات کے وقت چھین لی اور اس کو ازراہ محبت اپنے بیٹے (شکتی) ورمن کے حوالے کر دیا جس سے اسے بے حد پیار تھا اور جب بدقسمتی سے شکتی ورمن ایک ہی سال بعد فوت ہو گیا تو وجے آدتیہ کو بہت مشکل سے کہا بجھا کر اس بات پر راضی کیا گیا کہ وہ حکومت کے فرائض دوبارہ سنبھال لے، جیسے کہ ابھیمنیو کی موت کے بعد ارجن کو بمشکل رضامند کیا گیا تھا۔ ان عطیہ ناموں پر وجے آدتیہ کے بارہویں سال کی تاریخ درج ہے۔ علم کتبہ خوانی اور ان کتبات کی تاریخوں کے پیش نظر ان میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے ان کی صحت پر شبہ کیا جا سکے۔

ترتیب سنین اور واقعات جو ان دونوں قسم کی تختیوں میں درج ہیں ایک ہی طرح کے ہیں لیکن جیسا کہ ہم ابھی دیکھیں گے یہ تختیاں کلوتنگا کی تختیوں سے مختلف ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ راج راجا نریندر مشرقی چالوکیہ تخت پر سنہ 1018ء میں بیٹھا جبکہ وکل آدتیہ اسی

تخت پر سنہ ۱۰۱۱ء سے لے کر سات برس تک قابض رہ چکا تھا اس طرح کیلہارن کے حساب کردہ وملآدتیہ کی تخت نشین کی تاریخ کی ان تختیوں سے تصدیق ہو جاتی ہے جو کیلہارن کے حساب سے ۱۰ رمئی سنہ ۱۰۱۱ء ہوتی ہے. لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ولآدتیہ کے رنستاپونڈی کے عطیہ نامے پر راج راجا نریندر کی تاج پوشی کی تاریخ سنہ 1022ء درج ہے اور یہ کہ دوسرے مقامات پر راج راجا نریندر کی تاج پوشی کی تاریخ سنہ 1022ء بتائی گئی ہے. ہر چند کہ اس طرح وجیا دتیہ ہفتم اور شکتی ورمن دوم کے عطیے نام راج راجا نریندر کی اکتالیس برس کی حکومت دکھانے میں کلوتنگا اول کے عہد کے کتبات سے متفق ہیں، لیکن ان میں ان برسوں کی تاج پوشی بالکل مختلف جگہ سے کی گئی ہے، یعنی سنہ 1019ء سے جو راج راجا کی تاج پوشی کی اس تاریخ یعنی سنہ 1022ء سے چار برس پہلے کی ہے جو بعد کے کتبات میں دی ہوئی ہے.

وجیہ آدتیہ ہفتم کا ناجائز قبضہ

ریالی کی تختیوں کی زبان نیز شکتی ورمن دوم کی تاریخ تاج پوشی سے یہ شبہ پیدا ہوا ہے کہ وجیا دتیہ نے راج راجا کی موت تک انتظار بھی کیا یا اس سے پہلے ہی اسے معزول کر دیا. جو صورت بھی ہو اس بات کو نظر میں رکھ کر کہ ویر راجندر کے ساتویں سال (سنہ 69-1068ء) سے قبل کے کتبات میں کوئی بھی ایسا ذکر نہیں آتا جس سے اس کا وجے آدتیہ سے کوئی تعلق ثابت ہو. اس قیاس کے لیے کوئی وجہ معلوم ہوتی جیسا کہ اکثر سمجھا جاتا ہے کہ اس نے راج راجا کی وفات کے بعد کلوتنگا اول اور وجیا دتیہ ہفتم کے مابین تخت نشینی کے تنازعے میں مداخلت کی ہو اور اوّل الذکر کو تخت سے محروم رکھنے میں کوئی مدد کی ہو.

کیا وجے آدتیہ دو تھے؟

وجے آدتیہ کی راج راجا اور غالباً اس کے بیٹے راجندر کلوتنگا سے مخالفت جس کا پتہ ان تختیوں سے چلتا ہے، وجیا دتیہ کو وشنو وردھن وجیا دتیہ قرار دینے میں معاون ہوتی ہے. اس کا ذکر مغربی چالوکیہ سلسلے کے چند کتبات میں بھی ہے اور چند مشرقی چالوکیہ القاب بھی اختیار کر لیے تھے مثلاً "سرولوکا شریہ" اور "وینگی منڈلیشور" جو ڈفلیٹ نے جس نے سب سے پہلے نامور اور القاب کی مشابہت کی بنا پر یہ

تجویز کی تھی بعد میں اس خیال کو ترک کر دیا اور مغربی چالوکیہ شہزادے کو سومیشور اوّل کا چوتھا بیٹا قرار دیا جس کا ذکر بلہن نے بظاہر اس لیے نہیں کیا کہ اس نے کوئی اہم کردار ادا نہیں کیا تھا۔ لیکن حال ہی میں فلیٹ کی تجویز کی چند فاضلوں نے دوبارہ تائید کی ہے۔ یہ وجے آدتیہ ہفتم اور اس کے بیٹے شکتی ورمن دوم کی تازہ دریافت شدہ تانبے کی تختیوں کے زیر اثر کیا گیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ سنہ 1030-31ء میں پہلی مرتبہ تخت پر قبضہ کر لینے کی کوشش ناکامی کے بعد وجے آدتیہ ریاست وینگی سے چلا گیا۔ اور اس نے سومیشور اوّل کے یہاں ملازمت کر لی اور اس سے مدد بھی حاصل کی۔ یہ صحیح ہے کہ چالوکیوں کی دونوں شاخوں میں باہمی ازدواجی رشتہ، جیسا کہ فلیٹ نے فرض کر لیا ہے، ناممکن ہے اور وجے آدتیہ وشنو وردھن اگر سومیشور اوّل کا بیٹا ہوتا تو اس کی ماں ایک مشرقی چالوکیہ شہزادی نہیں ہو سکتی تھی۔ مزید براں بلہن کا اس نام کا ذکر تک نہ کرنا اور کتبات میں "تت پاد پدم آرادھکا" کا جملہ جو سومیشور اوّل سے وشنو وردھن وجیا دتیہ کے رشتہ کی وضاحت کرتا ہے، ان دونوں باتوں سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ وہ سومیشور کا بیٹا نہیں تھا، اگرچہ چند دوسرے مقامات پر اس کا ذکر "ارگا" اور "نندن" کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔

کلوتنگا کے بیٹوں کی مشرقی چالوکیہ تختیاں

اب ہم مشرقی چالوکیہ کی تانبے کی تختیوں کی شہادت کا دوبارہ جائزہ لیتے ہیں۔ کلوتنگا کے بیٹوں کے تین عطیہ نامے جو ٹیکی چیلور اور پتھاپورم کے عطیہ نامے کہلاتے ہیں اور جن پر بالترتیب اس کے عہد حکومت کے سترہویں، اکیسویں اور تئیسویں برس کی تاریخ درج ہے۔ ان میں وینگی کے واقعات کو اسی طرح سے بیان کیا گیا تھا جس طرح خود کلوتنگا نے اسے اپنے بیٹے راج راجا ممڈی چوڈا کے سامنے اس وقت بیان کیا تھا جب وہ اسے چولا سلطنت کے شمالی صوبے کے وائسرائے کی حیثیت سے وینگی بھیج رہا تھا۔ ان تختیوں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ 41 سال تک حکومت کرنے کے بعد جب راج راجا فوت ہوا تو راجندر کی تاجپوشی پہلے وینگی کے خود مختار راجہ کے طور پر کی گئی، اور اس نے خوب شہرت حاصل کی۔ پھر چوڈا راجیہ میں اس کی تاج پوشی کی گئی جس کا مرتبہ دیویندر سے کسی صورت میں کم نہیں

تھا۔ اس نے مدھورانتکی سے شادی کی جو سمندر سے نکلنے والی لکشمی تھی۔ یہ سمندر سورج بنسی نسل کا "تلک" راجندر دیو تھا۔ اس رانی کے بطن سے اس کے کئی بچے ہوئے جن میں سے ایک راج راجا سے اس نے کہا "بچے! وینگی کی عظیم ریاست ماضی کے زنوں میں میں نے اپنے چچا راجہ وجے آدتیہ کے سپرد کر دی تھی کیونکہ میں فتوحات کی ایک مہم پر جانا چاہتا تھا۔" (یا جیسا چیلور کی تختیوں میں درج ہے، کیونکہ میں چولا سلطنت کو حاصل کرنا چاہتا تھا)۔ وہ بھی جو ایک دیوتا کے مانند تھا اور زور و طاقت میں شیر کا ہم پلّہ تھا، اس ریاست پر پندرہ برس حکومت کرنے کے بعد سورگ سدھار گیا۔ ٹیکی کی تختیوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وجے آدتیہ کی موت سنہ 1077ء کے دوران کسی دن ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کلوتنگا نے وجے آدتیہ کو سنہ 1062ء کے قریب اپنا نائب السلطنت مقرر کیا ہوگا۔

وجے آدتیہ ہفتم کے ساتھ اپنے مراسم کے متعلق کلوتنگا کے ان بیانات اور دوسرے مآخذ سے ان کے متعلق حاصل شدہ ہماری معلومات میں مطابقت قائم کرنے کے لیے ہمیں اس وقت اور ان حالات کو ذہن میں رکھنا ہوگا جن میں مذکورہ بالا جملے کلوتنگا نے کہے تھے۔ سنہ 1077ء تک کلوتنگا کا چولا تخت پر اچھی طرح تسلط ہو چکا تھا۔ اور اس نے اپنے چچا کی وفات کے بعد ایک خوشحال اور وسیع سلطنت کے سربراہ کی حیثیت سے، جب وہ اپنے بیٹے کو نائب السلطنت بنا کر شمالی ریاست میں بھیج رہا تھا، یہ الفاظ اس کو مخاطب کر کے کہے تھے۔ پدرانہ شفقت، مذاق سلیم اور حکمت عملی کا تقاضا یہی تھا کہ بجائے اس کے کہ قدیمی تنازعات کو طول دیا جائے جنہیں اب بھلا دینے ہی میں دانائی تھی نائب السلطنت کے عہدے کے ماضی کو بہترین طریقہ سے پیش کیا جائے جس کی ذمہ داری شہزادے کو سنبھالنی تھی۔

کلوتنگا اور وجے آدتیہ کے باہمی تعلقات یہ بات صرف کلوتنگا کی پالادا کا اور ریالی کی تختیوں سے ظاہر ہوتی ہے بلکہ شکتی ورمن دوم کی ان تختیوں سے جو تیلگو دارالعلوم میں رکھی ہوئی ہیں اور دیگر شہادتوں سے بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ وجے آدتیہ کے [illegible] کلوتنگا اور اس کے والد کے ساتھ اس قدر خوش گوار نہیں رہے تھے۔

بننے کے بعد میں اسس نے اپنے بیٹے کے روبرو بیان کئے۔ ہمیں مشرقی گنگا اور کتبات
سے پتہ چلتا ہے کہ کلوتنگا کے چولا شہنشاہ بننے کے بعد بھی وجیادتیہ اور اسس
کے بھتیجے کی باہمی عداوت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ راج اننت ورمن چوڈا گنگا کی وزیگا
پٹم کی تختیوں میں درج ہے کہ اسس کے والد راج راجا نے سب سے پہلے ایک "تامل
لڑائی" میں فتح کی دیوی کا شوہر بننے کے بعد چولا شہنشاہ کی بیٹی راج سندری سے
بیاہ کرلیا۔ اسی خاتون کا ذکر ایک اور مقام پر غیر مشکوک الفاظ میں راجندر چولا اول (ویر
راجندر) کی بیٹی اور راج راجا کی مہارانی کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ وجیادتیہ کی زندگی کے آخر کے دنوں میں گنگا حکمران نے بھی
اسے مدد کی پیش کش کی تھی جس عطیہ نامے میں "تامل لڑائی" کا ذکر آیا ہے اسی
میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ "جب وجیادتیہ پر بڑھاپا آنے لگا اور اسس نے وینگی ریاست
کو خیرباد کہا جیسے کہ وہ آسمان سے رخصت ہوتا ہوا سورج ہو اور چوڈوں کے وسیع
سمندر میں ڈوبنے والا ہو" تو کالنگ نگر کے والی راج راجا نے کچھ مدت تک مغربی
علاقے یعنی وینگی میں، جو کالنگ نگر کے مغرب میں تھا، اسس کو آرام و آسائش سے رہنے
دیا۔ ان واقعات کی تاریخ اندازاً راجہ ونپتی کے شاکا سمت ۹۹۷ بمطابق 1075ء
عیسوی کے دیرگھاسی کے کتبے سے معلوم ہوتی ہے جس میں چولا افواج کے خلاف
ونپتی کی ان فتوحات کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے جو اسس نے اپنے آقا
گنگا راجہ کی جانب سے لڑکر حاصل کی تھیں۔ اسس طرح اسس عہد کے گنگا کتبات
سے کلوتنگا اور مشرقی گنگا راج راجا کے مابین لڑی گئی ایک جنگ کی تصدیق ہو جاتی
ہے جس کے بعد راج راجا گنگا نے وجیہ آدتیہ ہفتم اور اسس کے بھتیجے کلوتنگا کے
درمیان صلح کرادی تھی اور جس کے کچھ عرصہ بعد وجیادتیہ فوت ہوگیا تھا۔

اب ہمارے لیے یہ ممکن ہے کہ ہم وینگی کی ریاست میں دلچسپی رکھنے والے سبھی
حکمرانوں کے باہمی تعلق کی وضاحت کرسکیں اور اسس وجہ کی بھی جس کے پیش
نظر ویر راجندر نے وینگی کی ریاست وجیادتیہ ہفتم کے سپرد کردی تھی جس کے
خلاف وہ وینگی اور کرناٹک میں برسوں تک برسرپیکار رہا تھا۔ 1061ء میں راج راجا
نریندر کی موت سے یہ تمام جھگڑا شروع ہوتا ہے جو 1068ء میں سومیشور اول کی

موت کے جلد بعد ایک سیاسی انقلاب کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔

ویر راجندر کی مداخلت

جب راج راجا کی وفات کے بعد وجیا دتیہ ہفتم نے وینگی کے تخت پر قبضہ کر کے اسے سومیشور اوّل کی مدد سے اپنے بیٹے شکتی ورمن دوم کو دے دیا تو چولا تاجدار ویر راجندر نے وینگی میں چولا اثر و اقتدار کو از سرِ نو بحال کرنا چاہا جو حال ہی میں اس کے بھائیوں کی غفلت کے باعث ختم ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے شکتی ورمن دوم کو لڑائی میں موت کے گھاٹ اتار دینے کے باوجود اس سے سیاسی صف بندی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ وجیہ آدتیہ اگرچہ بیٹے کی موت کے صدمے سے سوگوار تھا تاہم وہ اس مشورے کو مان گیا جو اس کو دیا گیا تھا کہ وہ وینگی میں حکومت چلائے اور اس میں سومیشور اوّل اور اس کے بیٹوں بالخصوص وکرما دتیہ نے اس کی دل کھول کر مدد کی۔ سومیشور اوّل کی وفات تک یہ سیاسی صورتِ حال قائم رہی۔ اس کے بعد وکرما دتیہ کے حریصانہ منصوبے سیاسی بساط پر چھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اگرچہ وکرما دتیہ سومیشور اوّل کا ایک چھوٹا بیٹا تھا لیکن اسے اپنی صلاحیت کا اچھی طرح احساس تھا اور اس نے اپنے بڑے بھائی سومیشور دوم کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں جو اس کے والد کے بعد تخت نشیں ہوا تھا۔ اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ قیمت ادا کر کے چولا حکمران کی حمایت حاصل کرے گا۔ اسے وینگی میں ویر راجندر کی دلچسپی کا بخوبی علم تھا چنانچہ وینگی میں اس نے ویر راجندر کو سلطنت کر دینے کا عزم کر لیا بشرطیکہ وہ اپنے بھائی کے خلاف اس کی مدد حاصل کر سکے اور اس کے ذریعہ اگر سالم چالوکیہ سلطنت نہیں تو کم از کم اس کا کچھ حصہ ہی حاصل کر لے اس ترکیب نے چولا چالوکیہ جنگ کا یہ پہلو ختم ہو گیا۔ وجیا دتیہ صرف وینگی کی ریاست پر چولا ریاست کی ایک جاگیر کی حیثیت سے حکومت کرنے پر راضی ہو گیا۔ وکرما دتیہ کو چالوکیہ سلطنت کا نصف حصہ مل گیا جو اس کے بھائی سے ویر راجندر نے اسے زبردستی دلایا نیز اسے ویر راجندر نے اپنی ایک بیٹی بھی بیاہ دی اور اپنی دوسری بیٹی راج سندری کالنگا کے حکمران راج راجا سے بیاہ دی جس نے وکرما دتیہ کی حمایت میں اس کا ساتھ دیا تھا اگر ویر راجندر اس تصفیئے کے بعد جلد فوت نہ ہو جاتا اور کچھ برس اور زندہ

رہتا تو تاریخ کے دھارے نے جو رخ بعد میں اختیار کیا وہ قطعاً مختلف ہوتا۔

سنہ 1063-70ء میں کلوتنگا کی حیثیت

اگر مشرقی چالوکیوں کی تختیوں کے دعوے کے مطابق (جو وجے آدتیہ کی تختیوں کے بیان سے بالکل مختلف ہے) راجیندر کلوتنگا کی تاج پوشی وینگی کے حکمران کی حیثیت سے واقعی سب سے پہلے ہوئی تھی تو یہ عجب کی بات ہے کہ یہ تختیاں ہمیں اس تاج پوشی کے اصل تاریخ کے متعلق کچھ نہیں بتلاتیں جیسے کہ تاج پوشی کے دوسرے واقعات کی تاریخیں ان سے معلوم ہوتی ہیں۔ کلوتنگا کے تیلگو زبان کے کتبات جن میں سنہ جلوس اور شاکا سمت کی تاریخیں بھی واقعات کے ساتھ درج ہیں اس کی تائید کرتے ہیں کہ کلوتنگا کی حکومت سنہ 1070ء میں شروع ہوئی اور واقعی یہی تاریخ اس کے چولا تخت پر بیٹھنے کی اصل تاریخ تھی۔ کلوتنگا کے متعلق حل طلب مسئلہ یہی ہے کہ اپنے والد کی وفات سے لے کر سنہ 1070ء تک وہ کیا کرتا رہا۔ فلیٹ نے ٹیکی اور چیلور کے عطیہ ناموں کے دو بیانات یہاں اکٹھے کر دئے ہیں کہ کلوتنگا نے اپنے چچا کو وینگی میں اپنا نائب السلطنت اس لیے تعینات کیا کہ وہ (1) فتوحات کے لیے جنگی مہم پر جانا چاہتا تھا (2) چولا راج کا قیام چاہتا تھا اور یہ نتیجہ نکالا کہ کلوتنگا نے چولا تخت لڑکر حاصل کیا۔ اس نے اس واقعہ کی تاریخ سنہ 1063ء بتلائی ہے حالانکہ "وکرماک دیو چرتا" میں اس کے متعلق ایک بہت بعد کی تاریخ دی گئی ہے۔ فلیٹ نے اس امر کی جانب بھی اشارہ کیا ہے کہ کلوتنگا کا چولا سلطنت کو فتح کرنا اور اسے اپنی ریاست میں شامل کرنا تنہا چولا تخت پر جانشینی کی ناکامی ہی کا نتیجہ نہیں تھے بلکہ اس میں خود چولا سلطنت کی اندرونی بغاوت اور بدنظمی کا بھی بڑی حد تک ہاتھ تھا جس کا کچھ پتہ ہمیں "کالنگتو پرانی" سے مل جاتا ہے۔ بعد کے مصنفین نے اگرچہ ان واقعات کے لیے فلیٹ کی وضع کردہ تاریخ کی غلطی محسوس کی لیکن وہ اس کے جارحانہ حملے کی رائے کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے یہی نہیں بلکہ انھوں نے کلوتنگا پر سیاسی قتل کا الزام بھی عائد کر دیا ہے۔ اگر ہم سردست ادبی ماخذ پر مفصل بحث آیندہ کے لیے ملتوی بھی کر دیں تو بھی یہ بات یہاں مشاہدے میں آئے گی کہ فلیٹ نے دو متبادل بیانات کو جو ماضی کے واقعات کے متعلق الگ الگ مخصوص حالات کے پیش نظر کیے

گئے ہیں، یکجا کر دیا ہے اور اس طرح جارحانہ حملے کا نظریہ جو اس نے اپنایا ہے. صحیح نہیں ہے." وکرمانک دیو چرتا سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کلوتنگا نے اپنے حریفوں کو راستے سے ہٹانے کے لیے خفیہ قتل کروائے ہوں یا کھلم کھلا لڑائی میں انہیں موت کے گھاٹ اتارا ہو اور ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ فلیٹ کو اس کی خبر نہیں تھی کہ کلوتنگا کی طرف سے ونگی میں وجیا دتیہ کی بطور وائسرائے تقرری اور چولا تخت پر اس کے قبضے کے درمیان ویر راجندر کے پورے عہد کا وقفہ موجود ہے.

کلوتنگا کے ابتدائی تامل کتبات کی شہادت

ریالی کی تختیوں میں

دئے ہوئے تذکرے کے مطابق کلوتنگا یا راجندر (جو بھی وہ اس وقت کہلاتا تھا) اپنے والد کی وفات اور ونگی کے تخت پر وجے آدتیہ کے غاصبانہ قبضے کے وقت بیس برس کا بھی نہیں رہا ہوگا. اس بات کے پیش نظر کہ اس نے سنہ 1070ء سے لے کر پچاس سال کی طویل مدت تک حکمرانی کی اس بات کا بہت کچھ امکان ہے کہ سنہ 1062ء میں اس کی عمر بیس برس سے زیادہ رہی ہو. اس کے ابتدائی تامل کتبات میں کچھ ایسے واقعات درج ہیں جو بظاہر کرتے ہیں کہ جب اس کو اس کی میراث سے محروم کر دیا گیا تو اس کے بعد اس نے کیا کیا. اس کے دوسرے سال کے کتبات میں بتایا گیا ہے کہ وہ محض اپنی قوت بازو اور تلوار کے بل بوتے پر اپنے دشمنوں کی غداری سے محفوظ رہا. ہاتھیوں کے بہت سے جھنڈ اپنے قبضے میں کیے، چکرکوٹ کے ناگ وسی (ناگ ونشی) راجہ دھارا ورشا سے خراج وصول کیا اور زمین کو آہستگی سے اوپر اٹھایا جو اس کنول کے پھول کی طرح تھی جو شگفتہ ہونے کے لیے طلوع آفتاب کا منتظر ہو، بالکل اسی طرح جیسے وشنو نے اپنے سور کے اوتار میں زمین کو سمندر سے اوپر اٹھایا تھا اور اسے اپنے چھتر کے سائے میں بٹھا کر راحت بخشی تھی. جلد ہی بعد اس کے کتبات میں اس کی ان کامیابیوں کو اس کے "النگوپ پرووم" کی مدت سے وابستہ کیا جانے لگا جبکہ وہ ولی عہد سلطنت ہی تھا. اگر یہ خیال صحیح ہو تو ہمیں یہ نتیجہ نکالنا پڑے گا کہ راجندر نے سنہ 1063ء سے سنہ 1070ء تک کا زمانہ حصہ اس علاقہ میں گزارا ہو اس وقت ریاست بستر میں شامل ہے اور غالباً

اس سے باہر پورو دیش میں اپنے لیے ایک چھوٹی سی سلطنت کی تشکیل بھی کر لی. البتہ شاید یہ نہ ہوا ہو جیسا کہ اس کے کتبات ظاہر کرتے ہیں کہ اس نے ریاست چکر کوٹ پر مکمل غلبہ حاصل کر لیا اور "پورو دیش" کے حصوں کو اس میں شامل کر لیا. ریاست وینگی جس کا چولوں سے اتحاد تھا کے اثر و اقتدار کی شمال کی سمت میں یہی توسیع وینگی اور چکر کوٹ پر دکرمادتیہ کی فوج کشی کا باعث ہوئی. اس فوج کشی کا جواب ویر راجندر کی جنگی مہم کی صورت میں دیا گیا جس کا اختتام آخر کار بیز وادہ کی لڑائی کی شکل میں ہوا. یہ بات یاد رکھنی ہوگی کہ اس جنگ میں ویر راجندر پیشقدمی کرتا ہوا اشکر کو کم تک پہنچ گیا تھا. ویر راجندر کی وفات کے بعد کلوتنگا مناسب موقع دیکھ کر چولا ریاست میں داخل ہو گیا تھا کہ خود کو راجہ تسلیم کروا سکے. اس کی مزید تفصیلات بعد میں دی جائیں گی. چونکہ اس عرصے میں اسے کچھ لڑائیاں لڑنی پڑیں اور بعد میں اس پوری مدت کو چولا تخت کے حصول کے لیے ایک آزمائشی دور تصور کرنے لگا وہ یہ کہنے میں خود کو حق بجانب سمجھتا ہوگا کہ اپنے والد کی وفات کے بعد وینگی کی ریاست اپنے چچا وجیہ آدتیہ کے سپرد کرنے میں اس کے پیش نظر دو مقاصد تھے.

ادبی شہادتیں

کلوتنگا کی تخت نشینی کے متعلق اب ہم ادبی شہادتوں کی طرف توجہ کریں گے. ایک مسئلے پر تو دو تصانیف کی شہادت کتبات کی شہادت سے مکمل مطابقت رکھتی ہے. "وکرمانک دیوچرتا" اور "وکرماشولن الا" دونوں میں صاف طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ کلوتنگا کے تخت نشین ہونے سے قبل اور ویر راجندر کے بعد ایک اور راجہ تخت پر بیٹھا تھا. "الا" میں اس کے متعلق ایک بہت مختصر سا حوالہ دیا گیا ہے اور اس کے عہد کی کوئی تفصیل نہیں دی گئی ہے. "چرتا" میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک اندرونی بغاوت میں جو اس کی تخت نشینی کے چند دنوں کے اندر ہی اندر ہوئی تھی اپنی جان گنوا بیٹھا. ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا دور حکومت بہت ہی مختصر تھا. یہ راجہ بلاشبہ پراکیسری ادھیراجندر تھا جس کا ذکر کتبات میں ملتا ہے اور کلوتنگا نے خود بھی ادھیراجندر کو جائز تسلیم کیا جب اس نے راج کیسری کا لقب اختیار کیا. تاہم اس کے کچھ کتبات

میں ایک دوہری "پرشستی" بھی ملتی ہے جس میں دونوں اصناف "ورے تنی یاگوم" اور "سنگل یا دو دولنگ" کو یکجا کرکے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ کلوتنگا کو براہ راست ویر راجندر کا جانشین تسلیم کرنا چاہیئے۔

کیا کلوتنگا چولا خاندان کا متنبےٰ تھا۔۔؟

جین گونڈار کی تصنیف "کالنگتو پرانی" میں تو دیدہ و دانستہ ادھیراجندر کے عہد حکومت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اس خیال کی تائید میں اس نظم کے اکثر حوالے دیے جاتے ہیں کہ کلوتنگا کی پیدائش کے وقت ہی راجندر چولا دیو اوّل نے اسے چولا خاندان کا متبنےٰ بنالیا تھا اور اس کی پرورش اس کے نانا کے دربار میں ہوئی تھی لیکن شاعر نے جو اصل الفاظ استعمال کیے ہیں ان سے کہیں بھی یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ کلوتنگا کو متبنےٰ کرنے کی کوئی تقریب منعقد کی گئی تھی۔ الفاظ سے یہ بھی یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ کلو نے اپنی زندگی کے ابتدائی سال کہاں گزارے۔ اصل میں اس شہزادے کی تاریخ پیدائش راجندر اوّل کے عہد حکومت کے آخری حصے میں ہوگی اور سنہ ۱۰۹۵ء سے کچھ عرصہ بعد کی اس وقت راجادھیراج اوّل بہت مدت پہلے سے اپنے والد کے ساتھ بطور ولی عہد شریک حکومت رہ چکا تھا اور اس کے کئی بھائی سلطنت کے مختلف ذمہ دار عہدوں پر فائز تھے۔ لہٰذا کسی کو متبنےٰ بنانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اور اگر شہزادی مدھو رانتکی کے ساتھ اس کی شادی کو پیش نظر رکھا جائے تو اس کے متبنےٰ کیے جانے کا تصور بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔ دراصل جو کچھ جین گونڈار نے کہا ہے وہ محض یہی ہے کہ اس بچے کی پیدائش پر گنگائی گونڈاشولا کی مہارانی نے اسے اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور اس کے اعضا پر کچھ علامات دیکھ کر اظہار تحسین لیا اور یہ کہا تھا کہ وہ سورج ونش کی حفاظت کے لیے اس خاندان کا ایک موزوں چشم و چراغ تھا۔ اس سے اگلے ہی شعر میں شاعر نے احتیاطاً یہ بھی کہہ دیا ہے کہ سورج ونشی اور چندر ونشی دونوں نسلوں کے راجہ یعنی راج نریندر اور راجندر گنگائی کونڈا میں شہزادے کی ولادت پر مسرور ہوئے۔ شہزادے کے ابتدائی دور کا ایک رسمی تذکرہ کرنے کے بعد شاعر کہتا ہے کہ ابھے (یعنی ویر راجندر

نے اُسے ولی عہد بنالیا تھا۔ آگے چل کر وہ "وِگ وجے" کا حال بیان کرتا ہے جس میں صرف شمالی علاقے کے متعلق حوالے دیے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ اس نے "وائرا کرم" اور "سنکر کوٹم" میں بہادری دکھا کر خوب شہرت حاصل کی۔ جب وہ شمالی علاقہ میں اپنی جنگی مہمات میں مصروف تھا۔ جنوبی خطے میں چولا شہنشاہ کا انتقال ہو گیا۔ اور ملک میں افراتفری اور بدنظمی پھیل گئی یہاں تک کہ ابھئے کلوتنگا نے واپس آکر امن و امان کو بحال کیا۔ بعض پہلوؤں سے جین گونڈار کا یہ تذکرہ قابل توجہ ہے۔ اس میں بڑی ہوشیاری سے ادھی راجندر کا ذکر کرنے سے احتراز کیا گیا ہے اور یہ دعوے کیا گیا ہے کہ ویر راجندر نے ابھئے کو زمین پر حکمرانی کے لیے اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔ یہاں زمین کا مطلب بلاشبہ چولا سلطنت ہی ہے۔ اس تذکرے میں وائرگندھ اور چکر کوٹ کی جنگی مہمات کی تفصیل از سر نو دی گئی ہے جیسی کہ کلوتنگا کے ابتدائی عہد کے کتبات میں ملتی ہے ان کتبات کی طرف ہم اوپر توجہ دلا چکے ہیں۔ فلیٹ کے قول کے مطابق اگرچہ شاعر کا مقصد محض اتنا ہی ہے کہ مجموعی طور پر ابھئے کو ایک چالوکیہ شہزادے کے بجائے چولا شہزادہ سمجھا جائے۔ پھر بھی اس نے چالوکیوں کے ساتھ اس کے رشتوں کو مخفی نہیں رکھا۔ اور ابھئے کی نوجوانی کے زمانہ کی کامیابیوں کو بیان کرتے ہوئے شاعر نے اس عہد کے ابتدائی کتبات کے بیانات سے انحراف نہیں کیا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس تذکرے نے اس بات میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ جب چولا تخت پر قبضہ کرنے کا موقع آیا تو اس وقت ابھئے کہاں تھا۔ اس بات پر توجہ دینا خالی از دلچسپی نہیں ہوگا کہ ابھئے کی "وگ وجے" کے بیان میں اور کتبات میں ویر راجندر اور کلوتنگا کی "پرشستیوں" کو یکجا کر کے ادھی راجندر کی حکومت کے جائز ہونے کے شک و شبہ پیدا کرنے کی جو کوشش کی گئی ہے۔ اس کے متعلق نظم اور کتبات میں مکمل اتفاق ہے۔

ادھی راجندر کی مشکلات

بلہن کی "وکرما نک دیوچرتا" اس داستان کو ایک اور نقطہ نظر سے بیان کرتی ہے۔ جو کلوتنگا کے انتہائی خلاف ہے کہ "وکرما نک دیو چرتا" اس کے حق میں ہے۔ وکرمادتیہ کی شادی کے جلد ہی بعد اس کے خسر چولا تاجدار کا انتقال

ہوگیا اور سلطنت میں بدنظمی اور ابتری پھیل گئی۔ جب وکرمادتیہ کو اس کی خبر ملی تو وہ اس واضح عزم کے ساتھ کانچی کی جانب روانہ ہوگیا کہ وہ مرحوم تاجدار کے بیٹے کو تخت پر بٹھانے میں معاون ہو سکے۔ کانچی میں وکرمادتیہ نے کچھ دن بدکرداروں کو ختم کرنے میں صرف کیا۔ اس کے بعد وہ گنگا کنڈ کی جانب روانہ ہوا جہاں اس نے دشمن کی فوجوں کو قلع قمع کرکے چولا شہزادے کو تخت پر بٹھا دیا۔ دارالخلافے میں تقریباً مہینہ بھر گزار کر جب وکرمادتیہ بظاہر مطمئن ہوگیا کہ امن و سکون بحال ہوگیا ہے تو وہ دریائے تنگ بھدرا کی جانب واپس چلا گیا اس کی واپسی کے چند دنوں کے اندر ہی اس کو خبر ملی کہ چولا شہزادہ ایک بغاوت میں مارا گیا اور وینگی کے حکمران راجگان نے اس کے خالی تخت پر قبضہ کرلیا۔" وکرمادتیہ ششم نے فوراً راجگان پر چڑھائی کردی۔ موخر الذکر نے سومیشور دوم کو ترغیب دی کہ وہ اس کے ساتھ ہو جائے۔ چنانچہ لڑائی ہوئی جس میں فتح وکرمادتیہ ششم کے ہاتھ رہی راجگان بھاگ نکلا لیکن سومیشور دوم کو گرفتار کرلیا گیا۔ اس طرح سومیشور دوم اپنا تخت بھی گنوا بیٹھا اس نظم کے مطابق جلد ہی بعد وکرمادتیہ ششم نے اپنے دکن کا حکمران ہونے کا اعلان کردیا۔

مشکلات میں کلوتنگا کا حصہ

اس تذکرے سے قدرتی طور پر بعض سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ان مشکلات کے لیے جو ویر راجندر کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں اور جن کے باعث وکرمادتیہ کے لیے کانچی اور گنگا کنڈ جانا اور اپنے سالے کو تخت پر بٹھانا ضروری ہوگیا تھا کون ذمہ دار تھا۔؟ کانچی کے بدکردار لوگ کون تھے اور گنگا کنڈ کی دشمن افواج کون سی تھیں جنہیں وکرمادتیہ کو ادھی راجندر کی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے اور خود اپنی دریائے تنگ بھدرا کی جانب مراجعت سے قبل دبانا پڑا؟ نیز اس بغاوت کی نوعیت کیا تھی جس میں وکرمادتیہ کی مراجعت کے چند دنوں کے اندر ہی ادھی راجندر اپنی جان گنوا بیٹھا؟ "وکرمانک دیو چرتا" میں ان سازشوں اور بغاوتوں میں کلوتنگا کی شرکت کا کوئی براہ راست ذکر نہیں ہے لیکن چند باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ کلوتنگا کی ملک گیری کی ہوس اور سازشیں ہی ان واقعات کا

باعث ہوئیں۔ مثلاً ادھیراجندر کی مشکلات نے چولا تخت تک کلوتنگا کی رسائی کے لیے راستہ ہموار کیا۔ اور وکرما دتیہ ششم نے کلوتنگا پر چڑھائی کی اور اس کے تخت پر قابض ہونے کے بعد اسے نکال باہر کرنے کی کوشش کی۔ نیز یہ کہ "کالنگتو پرانی" بھی ادھیراجندر کے عہد کے بارے میں قطعاً خاموش ہے لیکن بلہن کے اصل بیانات پر غور کیا جائے تو ان سے بھی فلیٹ ہی کے وضع کیے ہوئے اس نتیجے کی تائید ہوتی ہے کہ کلوتنگا چولا دیوا اوّل سلطنت کے اس اندرونی انتشار کے ذریعے ہی چولا تخت پر قابض ہونے کے قابل ہو سکا جس کا اختتام سابقہ چولا تاجدار کی موت پر ہوا۔

کیا مذہب اس انتشار کا باعث تھا ؟

چولا ریاست کے انتشار کو جو چولا نسل سلسلہ منقطع ہو جانے کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ ان مظالم کا نتیجہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو راما نج اور اس کے پیروؤں پر ڈھائے گئے تھے اور جن کا بیان ویشنو مت کی مقدس کتابوں میں ملتا ہے۔ باہم متضاد روایتوں اور داستانوں کی باہم تطبیق میں جو مشکلات ہیں ان کو ہم اگر نظر انداز بھی کر دیں اور سنت راما نج کی قدیم ترین سوانح عمریوں ہی کو اپنی نظر میں رکھیں مثلاً "دویہ سوری چرتا" اور "دیتی راج ویبھوم" جیسی تصانیف کے آخری ابواب تو بھی اس چولا راجہ کو شناخت کر لینا ممکن نہیں ہے جو راما نج اور اس کے پیروؤں کو مظالم کا تختۂ مشق بنانے کی پاداش میں "کرمی کنٹھ" ہو کر مرا۔ یہ راجہ یا تو ادھیراجندر تھا یا ویر راجندر جس کے بعد چولا نسل کا عملی طور پر خاتمہ ہو جاتا ہے۔ "دویہ سوری چرتا" کا یہ بیان اس رائے کو اور بھی قابل قبول بنا دیتا ہے کہ ترو وارور کے شوجی نے چولا خاندان کی حکومت کے خاتمے کا اعلان کر دیا تھا۔ نیز ویر راجندر کے عہد کے خاتمے پر جو انتشار اور بدنظمی پیدا ہوئی اس سے بھی اس خیال کو تقویت ملتی ہے جس کی تصدیق "کالنگتو پرانی" اور "وکرما نک دیو چرتا" میں مل جاتی ہے گو اس کی وجوہات ان تصانیف میں نہیں دی گئی ہیں اور جو ممکن ہے ایک مذہبی انقلاب کا نتیجہ رہی ہو لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ راما نج کی زندگی کے متعلق جو تفصیلات دوسری تصانیف میں

ملتی ہیں، ان کی وضاحت کرنا اس قیاس کی روشنی میں آسان نہیں ہے۔ اور اسی لیے کسی ایک مفروضے کی بنا پر افسانوی روایات سے حاصل شدہ تمام مواد کو ہم آہنگ کرنا شاید ناممکن ہے۔

کلوتنگا کی تخت نشینی کن حالات میں ہوئی اس کے متعلق اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ کلوتنگا کے ابتدائی دور کے کتبات جو اب تک ہمارے علم میں آچکے ہیں ان خیالات کی تصدیق نہیں کرتے جن کا اظہار فلیٹ نے ان کتبات کے اپنے فاضلانہ تعارف میں کیا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنہ 1070ء سے آگے کلوتنگا عملی طور پر تمام چولا سلطنت کا مالک بن چکا تھا۔ اس میں صرف اتنی کمی رہ گئی تھی کہ وکرما دتیہ ششم کی مخاصمانہ کارروائیوں اور جنوبی ہند کی بغاوتوں سے جو کسی وقت بھی اٹھ کھڑی ہو سکتی تھیں اور جن کے لیے ویر راجندر کی وفات سے پیدا ہونے والے انتشار سے ماحول بڑا ساز گار ہو گیا تھا، نپٹنا ابھی باقی تھا۔ ضلع جنوبی ارکاٹ میں کنڈا منگلم اور ضلع تنجور کے مقام ولوودر میں راجندر کے دوسرے برس کے ایسے کتبات ملے ہیں جن کی تمہیدیں مخصوص قسم کی ہیں اور ان پر جو تاریخیں درج ہیں ان کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔ اس کے تیسرے برس کے کتبات میں آلن گڈی اور نیلور (ضلع تنجور) میں اور ضلع جنوبی ارکاٹ کے ادیبار اور ترہبوونی نامی مقامات میں پائے جاتے ہیں۔ دوسرے اور چوتھے برس کے کتبات میں اس کا نام کلوتنگا درج ہونا شروع ہو گیا ہے۔ لہٰذا ہمیں ان خیالات کو ترک کر دینا پڑے گا کہ راجگا کے چولا ریاست میں داخل ہونے کے بعد اور دریائے کاویری کے کناروں پر واقع علاقہ کو تسخیر کرنے کے پہلے چند برس گزر چکے ہوں گے یا یہ کہ جب اس نے اپنے اپنے پانچویں سال میں باضابطہ چولا سلطنت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اس وقت اس نے اپنا نام کلوتنگا رکھا۔ اصلیت یہ معلوم ہوتی ہے جیسا کہ "وکرمانک دیو چرتا" سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ادھیراجندر کی وفات کے جلد ہی بعد راجگا جنوب میں پہنچ گیا تھا اور اس نے جہاں تک ایک مرحلہ میں ممکن تھا چولوں کی کل سلطنت کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ وہ واقعی چولا تاجدار بن گیا تھا۔ وکرما دتیہ کے حملے کا مقابلہ کر کے اپنے نئے مرتبہ کو برقرار رکھنا اور دیگر شورشوں کو فرو بھی اسی کو کرنا تھا اور اگر یہ بات سچ ہے جیسا

کہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے واقعی اسی کے ہی ہیں تو یہ بات یقینی ہو جاتی ہے کہ
کلوتنگا کا لقب بھی اس نے شروع ہی سے اختیار کر لیا تھا۔

خلاصہ

اوپر کی بحث کے نتائج کا ہم اب ایک خلاصہ دیں گے۔ کالنگتو پرانی
کے اس بیان کے باوجود کہ ویر راجندر نے کلوتنگا کو اپنا ولی عہد
بنا لیا تھا۔ ادھی راجندر کے کتبات کی اور "وکرم انک دیوچرتا" اور "وکرما شولنولا" کی
شہادت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا تھا اور اسی کے نتیجے کے طور پر
یہ ماننا پڑے گا کہ کلوتنگا کے درباری شاعر نے چولا تخت پر کلوتنگا کے استحقاق کو جائز
قرار دینے کے لیے یہ قصہ گھڑ لیا ہے۔ جین گونڈار نے بھی براہ راست کوئی ایسا بیان نہیں
دیا ہے کہ کلوتنگا کو چولا خاندان میں متبنے کیا گیا تھا یا اس کی پرورش چولا دربار میں
ہوئی تھی مشرقی چالوکیہ حکمرانوں کے ناموں کی تختیوں پر درج عطیہ ناموں، وجے آدتیہ
ہفتم اور شکتی ورمن دوم اور خود کلوتنگا کے بیٹوں کی تختیوں، نیز کلوتنگا کے عہد کے ابتدائی
تامل کتبات کی مدد سے ہم کلوتنگا کے شباب اور چولا تخت کے حصول تک اس کی زندگی
کی داستان کو یوں مرتب کر سکتے ہیں۔ اس کے والد کی وفات پر اس کے چچا وکرما آدتیہ
نے ریاست پر قبضہ کر لیا اور اسے (جو ان دنوں شہزادہ راجندر کے نام سے موسوم
تھا) اپنی میراث سے محروم کر دیا۔ تنہا اور بے یار و مددگار ہو کر اس نے وینگی کی
حدود سے باہر چکر کوٹ (بستر) کے علاقے میں قسمت آزمائی کی۔ غالباً اس نے اپنے
لیے ایک چھوٹی سی ریاست بنالی تھی۔ اور اپنے چچا وجے آدتیہ سے صلح کر کے جو شکتی
ورمن دوم کی وفات کے بعد خاص طور پر آسان ہو گئی تھی۔ وہ موقع کے انتظار
میں تھا کہ کسی طرح چولا تخت اپنے لیے حاصل کرے۔ ویر راجندر کی موت کے بعد
چولا سلطنت کے اندرونی معاملات میں جو خلفشار پھیلا وہ اس کے حصول مقصد
میں مددگار ثابت ہوا، حالانکہ وینگی اور چولا ریاستوں کی حکومت ایک ہی شخص
کے ہاتھوں میں یکجا ہونے سے روکنے کے لیے چالوکیہ راجہ وکرما دتیہ ششم نے بہتری
کوششیں کیں۔ ادھی راجندر کی تخت نشینی میں رکاوٹ ڈالنے اور بعد میں اس کے
زمہ حکومت کو مختصر کرنے کے لیے جو بغاوتیں ہوئیں ان میں کلوتنگا کی شرکت کی
کوئی واضح شہادت موجود نہیں ہے۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ یہ بغاوتیں

مذہبی نوعیت کی تھیں اور راآمانج کے زمانے میں وشنومت کے پیروؤں پر چولا
حکمرانوں نے جو مظالم ڈھائے تھے انھیں کا نتیجہ تھیں۔ اس خیال کی تصدیق مذہبی
قصے کہانیوں سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ اگرچہ ان کی تفصیل بہت واضح نہیں ہے
بہرصورت کلوتنگا نے چولا ریاست میں قریب ۹ جون سنہ 1070ء سے حکمرانی شروع کی
اپنے بعد کے کتبات میں کلوتنگا نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے اصل حقدار کی حیثیت
سے چولا تخت حاصل کیا تھا اور اس طرح وہ دریائے کاویری کے ملک کا اس
کی تنہائی میں ایک قابل قبول رفیق بن گیا تھا۔
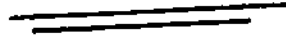
بارھواں باب

حاشیے

(1) EZ-vii صفحہ 7 حاشیہ نمبر 5۔ اب 13 جون کی تاریخ کی رائے دی گئی ہے۔
ARE-1947-48 صفحہ 3 — نیز شری رنگم سے دستیاب شدہ اس سال کے کتبوں میں سے کتبہ نمبر 108۔

(2) vi ' vv ' 6-25

(3) IA - XX صفحہ 277،

(4) ویمل واڑا کی دیبا وتیہ بیلم کی تختیاں نمبر 11 ' 62-63 ' JAHRS (Journal of the Andhra Historical Research Society) -ii-297

(5) (ایضاً) ii-61

(6) JAHRS . V صفحہ 33، اور اس کے بعد کے صفحات

(7) پروکشم راج راجیہ بھراگر و دنتے ماترسیۃ یہ ا پر یہ گراہن۔ بہا۔ راجیہ۔ شرتم دیر۔ شریاکیۃ 11 میں عجائب خانۂ مدراس کے شری ٹی این رام چندرن کا شکر گذار ہوں کہ انھوں نے مجھے ریالی کی غیر مطبوعہ تختیوں کے مطالعے میں جو ان کی تحویل میں تھیں، میری مدد کی۔ مزید دیکھئے ARE-1926-II-5 ' JAHRS . V صفحہ 44 ' V-16۔

(8) EZ-VI صفحات 349-50

(9) ARE-1919 II 10 میں اور ضمیمہ الف (ایضاً) کے نمبر 993 میں یہ تاریخ شاکا سمت 988 دی ہوئی ہے۔ جتنی یہ ہے اجگن۔ دسمو۔ نمری۔ لیکن علم سیارگان کے اعداد و شمار کے حساب سے سب سے زیادہ صحیح تاریخ معلوم ہوتی ہے۔

(10) ARE-1901 پیراگراف 12 ' SII-IIA صفحہ 438-"Eastern chalukyas" صفحہ 246 اور اس کے بعد کے صفحات نیز صفحات 286 تا 302۔

(11) IA-xx، 277-78

(12) B.G. - I ii 464 - اور حاشیہ نمبر 5

(13) JAHRS-i - صفحہ 215، v-206-208، ARE-1926 II 3،
"Eastern Calukuyas" صفحات 260-55

(14) ARE-1925، II 3

(15) تلینک B.G. - ایضاً

(16) EI-vi-35، SII-i-39، IA، xix - صفحہ 427، EI-v-10

(17) راج راجا چوڈا گنگا کی تاج پوشی وینگی میں شاکا سمت 1006 (84-1083) میں ہوئی اس سے قبل وہ یر چوڈا دہاں چھ سال تک نائب السلطنت کی حیثیت سے کام کر چکا تھا۔ اور رمنڈی چوڈا ایک سال تک (1076-77 اور 1077) اس طرح منڈی کی بطور نائب السلطنت تقرری کا آغاز شاکا سمت 999 مطابق سنہ 1077 عیسوی میں ہوا۔

(18) IA - xviii - صفحات 106-109 کورتی کی تختیاں، JAHRS.i - صفحہ 106، اور اس کے بعد کے صفحات

(19) IA - xviii صفحات 163-164

(20) IA - xx صفحہ 276

(21) 1896 کا نمبر 231 - EI - iv - 45 مشرقی گنگا راج راجا نے 20 مئی سنہ 1070 کو اقتدار سنبھالا (ARE - 1919، صفحہ الف. نمبر 9) - 1896 کے کتبہ نمبر 248 (شاکا سمت 990) میں اس کے پیش رو راجا دتجر بہنا کے دئے ہوئے ایک عطیے کا اندراج ہے۔

(22) SII - iii - صفحہ 127

(23) IA - xx - 277، 282

(24) ARE - 1899 - پیراگراف 51

(25) SII - iii - 64 - 67 (پیرا اول کی اصلاح کے بعد)، EI - xi صفحہ 179، حاشیہ نمبر 1 - 2 - نیز "پوسیل. ایز دی - کی تمہید والا کتبہ" 1900 کا نمبر 125، جس میں ان ہی معاملات کا اندراج دوسرے الفاظ میں کیا گیا ہے۔

(26) "ارکن ادیتیو آشائیل اڑکم کلم انیا نیل سگل" کے جملے کا مفہوم بیشتر غلط سمجھا گیا ہے۔ یہ صرف شاعری ہے اور اس میں کوئی جغرافیہ نہیں ہے۔ فلیٹ نے اس ساری عبارت کا مفہوم دیگی لیا ہے۔ (II . 5 . III ۔ صفحہ 132) ڈاکٹر ایس کے آئنگر کا کہنا ہے کہ یہ حوالہ کڈارم کے متعلق ہے (دیکھئے Ancient India صفحات 130-31) لیکن یہ دونوں رائیں غلط ہیں۔ اس کی بالکل صحیح تشریح سب سے پہلے اے۔ وی۔ وینکٹارا ما آئیار نے مدراس یونیورسٹی میں دیے گئے اپنے "شنکر پاروتی" لکچر میں پیش کی تھی جو سنہ 1943ء میں دیا گیا تھا۔ دیکھئے انڈین ہسٹری کانگریس علی گڑھ منعقدہ سنہ 1943ء کی کارروائی صفحہ 61-62

(27) SII . iii . 68

(28) یہ صاف ظاہر ہے کہ سنہ 1063ء سے سنہ 1070ء تک کے درمیانی عرصے میں کلوتنگا کے مقام و حیثیت کے متعلق جتنے بھی نظریات پیش کئے گئے ہیں ان سب پر بحث کرنا غیر ممکن ہے میں پوری ذمہ داری سے ان نظریات میں ایک اور نظریے کا اضافہ کروں گا۔ جہاں تک مجھے علم ہے اب تک یہ نظریہ کسی دوسرے شخص نے ظاہر نہیں کیا ہے۔ میرے پاس اس کو پیش کرنے کا جواز صرف یہی ہے کہ خود کلوتنگا کے کتبات کی عبارت کا بھی یہی مفہوم ہے دوسری سبھی رائیں اس قیاس پر مبنی ہیں کہ راجندر اس وقت اپنے والد راج راجا نریندر کا ولی عہد تھا جب اس نے دھارا ورشا کے خلاف کئے گئے حملے میں حصہ لیا۔ یا اس قیاس پر مبنی ہیں کہ اس وقت وہ ویر راجندر کا ولی عہد تھا۔ کتبات میں ادھر اجندر کی جو حیثیت بتائی گئی ہے اس کے پیش نظر دوسرا نظریہ صحیح ہونا ناممکن ہے۔ پہلا نظریہ صحیح ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس واقعے کی تاریخ بہت زیادہ پہلے کی متعین کی جائے (JAHRS - i - صفحات 217-18) کلوتنگا کے متعلق ایک خیال اور ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ حالات کا فریب خوردہ شخص تھا جس نے ایک لڑائی میں ابھیمنو کی طرح شکتی درمن کو ہلاک کر کے جب اس کے سوگوار چچا کے ساتھ صلح کر لی (لیکن ربالی کی تحقیقوں کی عبارت سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی) تو یہ دیکھا کہ اس نے جو لاتحت کو ہتھیانے کا جو منصوبہ بنا رکھا تھا اس میں ویر راجندر اس سے بازی لے گیا تھا۔ (JAHRS - v صفحات 208-11)۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس امکانی حقیقت سے آنکھیں چرانے کی کوشش کی ہے کہ راج مہندرا کے فوت ہونے پر ویر راجندر ہی کو راجندر دیو کا جانشین تسلیم کیا گیا ہو گیا۔ اس نے ترکالنگا میں بیقمہ کرن دیو کی پیش قدمی کو مذکورہ بالا واقعات کے ساتھ غلط ملا کر کے بھی غلطی کی ہے

کیونکہ یہ شخص ۱۰۷۲ء تک تو برسرِ اقتدار ہی نہیں آیا تھا (EI - II - x صفحہ 207) بلتش کی یہ رائے ہے کہ ۱۰۷۲ء سے پہلے ہی راجندر کلوتنگا نے وینگی کی ریاست اپنے چچا وجیادتیہ سے حاصل کر لی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ خود اس کے چچا کو یہ ریاست چولا حکمران ویر راجندر سے ملی تھی۔ (SII - iii - صفحہ 132) لیکن یہ بیان لیگی کے عطیہ نامے اور دیگر فرامین عطیہ میں مندرج اس بیان کے خلاف ہے کہ وجیادتیہ نے وینگی پر مسلسل پندرہ برس تک حکومت کی تھی۔ نیز بالی کی ان تختیوں سے بھی جو وجیادتیہ کے بارہویں سال حکومت یعنی تقریباً ۱۰۷۹ء کی ہیں اس بیان کی تردید ہو جاتی ہے۔ لیکن یہاں مشرقی گنگا خاندان کے کتبوں کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے (پہلا صفحہ 289 دیکھئے) ARE - 1919 - II - 10 - 2 - SII - iii - صفحہ 126 - کی نقل ہے۔

(29) II - 44 - 45 — "انگون پن کا دل پُر بدذنی کا تونم"۔

(30) vi - 26

(31) 1923 کا 156 (دوسرے سال کا) 1919 کا نمبر 197 (پانچویں سال کا) ان سے پہلے کتبے میں "ویرے تُنگ" والی تمہید ہے۔ 1929 کے نمبر 197 اور 999 اور 912 کا نمبر 939 (جو سینتیسویں[37]، اڑتیسویں[38] اور تینتالیسویں[43] سال کے ہیں۔) ARE -

33 - II - 1913

(3) اشلوک نمبر iii v - 29 میں یہ دعوے کیا گیا ہے کہ کوڈل سنگم کی فتح کے بعد یہ دھرتی کی بڑی خوش نصیبی تھی کہ وہ براہ راست اس نظم کے ہیرو ابھیہ کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئی۔

- x - 25 میں مذکور "منز تھم" یا "منز ویرن" ہرگز ادھیراجندر نہیں ہو سکتا بلکہ ویر راجندر ہو گا۔ بلتش کی بھی یہی رائے ہے (SII - iii - صفحہ 129)

(33) بلتش SII - iii - صفحات 127 اور 196 ایس کے آئینگر حوالہ سابقہ صفحات 125 اور 129

(34) x - v v، 5 تا 7

(35) اس اشلوک نمبر x - 18 میں ابھیہ کا مطلب یقیناً ویر راجندر ہے۔ مقابلہ کیجئے viii - 29 ویر راجندر کی جانب سے کلوتنگا کو تسلیم کرنے کے واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ ادھیراجندر حرام کی اولاد تھا جس کا تخت شاہی پر کوئی حق نہیں تھا۔

(36) vi - 7 تا 26

(37) فلیٹ IA - xx صفحہ 281

(38) IA - xii - 217،

(39) IA - xii - صفحہ 217 ' اور اس کے بعد کے صفحات

(40) "آنکوبڈ ولی گووند آچاریہ" مطبوعہ میسور 1886ء جس کا متن تیلگو رسم الخط میں ہے۔ ناگری رسم الخط میں اس کا متن سبھر دیا کی سرپرستی میں ہے۔

(41) IA . xxxviii - صفحہ 129 - اور اس کے بعد کے صفحات۔ تاہم ملاحظہ کیجئے IA - xl ۔ صفحہ 152 جس میں ایک تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

(42) xviii - 84

(43) اس طرح کے غیر معتبر مواد کا تجزیہ کرتے وقت ہمارا ادعاسے احتراز کرنا انتہائی ضروری ہے جتنا کہ مشکل ہے کہ کرمی کنٹھ چولا کو بالعموم قرار دیا گیا ہے قرار دیا گیا ہے۔ ایسا اس شہادت کی بنا پر کیا گیا ہے کہ بعد کی تصانیف مثلاً "کوئیلوکو" میں راجا نگ کے چولا ایدا رساں کو کلوتنگا نام دیا گیا ہے۔ دیکھئے اے گووند اچاریہ کی تصنیف "Life of Ramanuja" (مطبوعہ مدراس 1906ء) صفحہ 170 نیز ایس کے آئینگر کی "Ancient India" صفحات 160۔ اور 207۔ ڈاکٹر آئینگر چولا اقتدار کے زوال کی تاریخ کلوتنگا اول کے عہد کے اختتام ہی سے تصور کرتے ہیں۔ حوالہ سابقہ صفحات 152 اور 318۔ اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ میلوکوٹ کے مندر کی بنیاد ڈالنے کی روایتی تاریخ کرمی کنٹھا کی اس شناخت کے مطابق نہیں ہے (IA - جلد xli ۔ صفحہ 224) یہ بھی ممکن ہے کہ بعد کی تصانیف میں کوتنگا ایک خاندانی نام کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہو۔ یہ نام "گورُرد پرم پرا پربھاو" کی اسی تصانیف میں بھی کہیں نہیں ملتا (آر ائر پلئی" مطبوعہ مدراس 1927ء)۔ بتایا جاتا ہے کہ کرمی کنٹھ چولا نے چدامبرم کے نٹ راج مندر کے سامنے کے حصے سے گووند راجہ کا بت (اکھاڑ کر) سمندر میں پھنکوا دیا اور " دویہ شوری چرتا" میں مذہبی بے حرمتی کے اس فعل کا ذکر ان اقدامات کے ذکر کے شروع ہی میں کیا گیا ہے جو چولوں نے ویشنو دھرم پر ظلم ڈھانے کے لیے کیے تھے (viii x - 72) اسی واقعے کا مکرر ذکر بہت عرصہ بعد کی ایک تصنیف "پرپن امرتم" میں کیا گیا ہے۔

(جس کا حوالہ ڈاکٹر ایس کے آئنگر نے دیا ہے۔ حوالہ سابقہ صفحہ 320) لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر اوٹا کوتن نے اسس اقدام کو کلوتنگا دوم کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ دیکھیے "کلوتنگا شولن الا" 11-76 تا 78 نیز "راج راجا شولن الا" 11- 64-66 جو بہت واضح ہے۔ مزید دیکھیے "تکیاگ پرنی" v- 777 - لیکن ان اسباب کی بنا پر راما نج پر ظلم ڈھانے والے کو کلوتنگا دوم قرار دینے کے لیے کوئی بھی آمادہ نظر نہیں آتا۔ تاہم یہ حکمران نٹ راج کے مندر میں نئی عمارات تعمیر کر کے اسس میں توسیع واضافہ کرنے اور اسس (کے گنبد) پر سونے کا خول چڑھانے کے باعث مشہور ہے۔ ممکن ہے کہ تجل شاعر نے اسس کے اس کارنامے کو بیان کرتے وقت اسس کے پیش رَوؤں میں سے کسی کے اسس فعل کو بھی اسس کے ساتھ منسوب کر دیا ہو، بصورت دیگر "رویہ شوری چرت" کے بیان کی اصلیت بھی مشتبہ ہو جائے گی۔

(44) 1917 کا 358 - 1912 کا 425

(45) 1920 کا نمبر 497 - 1911 کا نمبر 55 - 1929 کا نمبر 279 - 1916 کا نمبر 185۔

(46) 1923 کا 156(2) - 1928 کا نمبر 101 - 1915 کا 468(4)

(47) SII - iii، صفحات 132 - اور 140

(48) ادھیراجندر اور غاصب شخص کے مابین جو فساد جنگی چھڑی 1906-ARE کے پیراگراف نمبر 12 میں قیاس کر کے قلم بند کی گئی ہے اصل میں صرف ایک خیالی داستان ہے۔

(49) 1908 کے کتبات نمبر 196، 147، اور 161 - 1928 کا کتبہ نمبر 142 - 1912 کا نمبر 126

(50) EI - vii صفحہ 7 حاشیہ نمبر 5 -

(50) EI - vii - صفحہ 7 حاشیہ نمبر 5 - نیز دیکھیے پچھلا حاشیہ نمبر

(51) SII - iii - 68 - "پوزدسی" کے معنی "عصمت فروشی" نہیں ہیں جیسا کہ ہلٹش نے سمجھا ہے۔ اسس کا مفہوم دراصل یہ ہے کہ جب چولوں کا کوئی جانشین نہیں رہا تو لکشمی جو جنوبی ملک کی دولت تھی لاوارث ہو گئی اور دریائے کاویری کی سرزمین تنہا اور بے یار و مددگار ہو گئی۔ کوتنگا کی آمد دونوں کے لیے اس صورت حال کا علاج ثابت ہوئی۔

تیرھواں باب

کلوتنگا اوّل (سنہ 1070ء تا سنہ 1120ء)

ایک نیا دور چولا سلطنت کی تاریخ میں کلوتنگا اوّل کی تخت نشینی سے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ وینگی کی ریاست تقریباً ایک صدی تک چولا سلطنت کی مبہم ماتحتی کے بعد قطعی طور پر اب اس کا ایک باقاعدہ صوبہ بن گئی تھی اور اس میں ایک نئی روح پھونکنے والا خود ریاست وینگی ہی کا حکمران تھا۔ کلوتنگا کے چولا شہنشاہ بننے کے بعد وینگی پر اس کے بیٹوں نے یکے بعد دیگرے نائب السلطنت کی حیثیت سے حکمرانی کی۔ اس سے چولا سلطنت کی قوت وطاقت میں زبردست اضافہ ہوا کیونکہ اس خطے میں مغربی چالوکیوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔ پہلے چالوکیہ چولا شہنشاہ نے جلد ہی ان مشکلات پر قابو پالیا، جن سے اس کی تخت نشینی کے وقت سلطنت کو زوال کا خطرہ لاحق تھا۔ نئے تخت حکومت پر مستحکم ہو جانے کے بعد اس نے ایک طویل عرصے تک حکومت کی، جس کے بیشتر حصے کی خصوصیات بے مثال کامیابی اور خوشحالی تھیں۔ اس نے غیر ضروری جنگوں سے گریز کیا اور اپنی رعایا کی فلاح وبہبود میں گہری دلچسپی کا ثبوت دیا۔ اس کی

پالیسی کے پائدار نتائج اس کے جانشینوں کے عہد حکومت میں نمایاں ہوئے قریب ایک صدی یعنی کلوتنگا سوم کے عہد حکومت تک یہ سلسلہ جو اگرچہ اب پہلے کی طرح وسیع نہیں تھی، متحد اور مستحکم رہی اور مجموعی طور پر اس دور میں اس دائمی جنگ و جدل کی کمی رہی جو کلوتنگا کی تخت نشینی سے پہلے کے دور میں عام تھی۔ کلوتنگا اول نے دریائے تنگ بھدرا کی سرحد کے پار رٹاپاڈی میں اپنی ہی سلطنت کی توسیع کی غیر ممکن کوشش قطعی ترک کر دی یہی نہیں بلکہ اس نے اپنے عہد حکومت کے اختتام کے قریب میسور کے خطے میں ہوئسالا کے عروج پر کچھ علاقہ ہاتھ سے نکل جانے پر بھی صبر کر لیا۔ وینگی کا ہاتھ سے نکل جانا ایک بہت بڑا نقصان تھا لیکن یہ محض عارضی تھا کیونکہ اس کے جانشینوں نے اس کے بیشتر حصے کو پھر سے فتح کر لیا۔ کلوتنگا کی سیاسی پالیسی کی دانش مندی اس بات میں تھی کہ اس نے اپنے وسائل اور اپنے مقاصد میں توازن قائم رکھا۔ اس نے غیر ممکن خوب تر کی خاطر ممکن خوب کو قربان نہیں کیا نیز اپنی رعایا کی بہبودی کو اپنے ذاتی وقار کی تسکین پر ہمیشہ ترجیح دی اور اس کو ایک امن و سکون کی اچھی حکومت مہیا کی۔

تاریخی تعارف

کلوتنگا کے عہد حکومت کا آغاز قریب 9 جون ۱۰۷۰ء کو ہوا۔ چونکہ اس کے بعد اس نے پچاس برس حکومت کی، اس لیے تخت نشینی کے وقت وہ ایک نوجوان شخص رہا ہوگا اس کا طالع ولادت پشیا (پکھا نکھشتر) تھا۔ اس کے طویل عہد حکومت کے بے شمار کتبات میں متعدد پرشستیاں ملتی ہیں جو مختلف شکلوں میں لکھی گئی ہیں۔ پہلے چار برس کے کتبات میں جو پرشستی عام ہے وہ "ترومنی ولنگا" یا "ڈلراتے" سے شروع ہوتی ہے، اور جس میں کلوتنگا کے (جوان پرشستیوں میں راجیندر کے نام سے مذکور ہے) چولا تخت پر بیٹھنے سے قبل کے کارنامے درج کیے گئے ہیں۔ اس کی تخت نشینی کے سلسلہ میں ان کارناموں کا ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ اس ابتدائی پرشستی والے بعد کے کتبات پر اس کے چوتھے سال حکومت کی تاریخ درج ہے۔ انہیں واقعات کو قدرے مختلف الفاظ

میں ایک اور پرشستی میں بیان کیا گیا ہے جو اس حکمران کے چھٹے سال کے ایک واحد کتبے میں ملتی ہے اور جو "پوسیل ا.ی وائیم" سے شروع ہوتی ہے۔ ایک اور پرشستی بھی ملتی ہے جو اس پرشستی سے بھی مختصر ہے اور جس کی تاریخی اہمیت بھی بہت کم ہے۔ یہ بھی ان چار برسوں کے کتبات میں ہی ملتی ہے اور "پوئیم ترودم" سے شروع ہوتی ہے۔ اس کی ایک توسیع یافتہ شکل اس کیاب تمہید میں ملتی ہے جس کا آغاز "پومرو دیا جرو مڈن وائیم" سے ہوتا ہے اس عہد حکومت کی پرشستیوں کی دو بہت عام صورتیں ہیں۔ ایک تو مختصر تمہید والی جو "پگل ماڈو دلنگا" سے شروع ہوتی ہے اور جو سب سے پہلے اس عہد کے چوتھے برس کے کتبوں میں دیکھنے میں آتی ہے۔ دوسری تمہید والی پرشستی جو "بگل شولندا ینری" سے شروع ہوتی ہے۔ اور جو سب سے پہلے اس عہد کے چوتھے برس کے کتبوں میں دیکھنے میں آتی ہے۔ دوسری تمہید والی پرشستی جو "بگل شولندا ینری" سے شروع ہوتی ہے اور سب سے پہلے کلوتنگا کے پانچویں سال کے کتبات میں پائی جاتی ہے ان دونوں صورتوں میں سے موخر الذکر "پرشستی مورخ" کے لیے بہت کارآمد ہے۔ کیوں کہ جوں جوں یہ عہد حکومت آگے بڑھتا ہے، اس پرشستی میں بھی ترمیم ہوتی جاتی ہے۔ کچھ دیگر پرشستیاں یہ ہیں۔ "پوسیوی ولرا" سے شروع ہونے والی جو نویں برس کے کتبات میں ملتی ہے، "پوماڈ و دلرا" سے شروع ہونے والی جو اس سے اگلے برس کے کتبات میں نظر آتی ہے۔ "تر ومگل جیہ مگل" سے شروع ہونے والی جو اس عہد کے بارہویں برس میں ملتی ہے۔ ان کے علاوہ غالبا "پو ماڈو چیرا" سے شروع ہونے والی ایک پرشستی اور بھی ہے جو ایک مسخ شدہ کتبے میں ملی ہے۔ اس کتبے کی تاریخ تحریر مٹ چکی ہے۔ ہمیں دوہری تمہید پر بھی توجہ دینی ہوگی جو "ورمے تنی" سے شروع ہوتی ہے اور "ابگل ماڈو دلنگا" والی تمہید پر ختم ہوتی ہے۔ اس میں ایک پرشستی ویر راجندر کی اور ایک کلوتنگا کی یکجا کر دی گئی ہیں۔ اس کا جانب پہلے بھی توجہ مبذول کرائی جا چکی ہے۔ یہ دوہری تمہید سب سے پہلے اس عہد کے پانچویں برس کے ایک کتبے میں نظر آتی ہے جو تربھوونی سے ملا ہے اور جس میں کلوتنگا کا ایک اور لقب "تربھوون چکرورتی" بھی دیا گیا ہے۔ اس عہد کے کتبات سے جو اب ہم کو مل سکتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس شہنشاہ نے کلوتنگا

اور چکروَرتی کے القاب بھی اس سے کہیں پیشتر اختیار کر رکھے تھے جب سے کہ پہلے ان کے متعلق قیاس کیا جاتا

ابتدائی جنگیں

اپنی جوانی کے ایام (الگوپ پر وُوَم) میں کلوتنگا نے شروع میں جو لڑائیاں لڑیں ان کا کچھ حال اس وقت بیان کیا جاچکا ہے جب ہم یہ بحث کر رہے تھے کہ 1063ء اور 1070ء کے درمیانی عرصہ میں اس کی حیثیت کیا تھی۔ یہ بتایا جاچکا ہے کہ اس نے ناگ ونشی راجہ دھارا ورش سے خراج وصول کیا تھا اور اپنے لیے غالباً اس علاقے میں اس نے ایک الگ خود مختار ریاست کی تشکیل کی تھی۔ "پگل شولندا پنری" سے شروع ہونے والی پرشستی کی پہلی چند سطور میں انہی واقعات کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اپنی قوت بازو سے اس نے کُنتل کے راجہ کی افواج کو پسپا کر دیا تھا اور اس طرح جنوب کی جانب متوجہ ہونے سے پہلے شمالی ہند میں فتح و نصرت کا سہرا اپنے گلے میں ڈالا تھا۔ کنتل کے راجہ کے خلاف جو بلاشبہ مغربی چالوکیہ تاجدار تھا 1070ء کی جنگ موجودہ ریاست بستر میں کلوتنگا کی فوج کشی کا ایک حصہ تھی اور اس تصادم کا باعث وہی حالات ہیں جو ویر راجندر کے عہد کے آخر کے کچھ کتبات میں درج ہیں اور جن کا ذکر بلہن کی تحریر کردہ "وکرما نک دیو چرت" میں بھی ہے، بالخصوص اس حصے میں جو وینگی اور چکرکوٹ سے تعلق رکھتا ہے۔ کوڈل سنگم کے مقام پر دوسرا مقابلہ جو طے ہوا تھا اس کے لیے جب سومیشور اوّل حسب وعدہ نہیں آیا تو ویر راجندر نے چالوکیہ حکمران ولبھ سے مبارز طلبی کی۔ وینگی کی بازیابی کے لیے آگے بڑھا اور بیز وادہ کو فتح کر کے ایک بار پھر یہ ریاست وجے آدتیہ ہفتم کے حوالے کر دی۔ یہ واقعات بلہن کے اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں کہ اپنی ولی عہدی کی سپاہیانہ زندگی کے دوران میں وکرما دتیہ نے وینگی اور چکرکوٹ کو تسخیر کر لیا تھا اور جب اسے اپنے والد کی علالت اور وفات کی خبر ملی تو وہ دریائے کرشنا کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ "کالنگتو پرانی" سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں میں شمال کی جانب وکرما دتیہ نے کلوتنگا کے خلاف لڑائی لڑی اور اسی لڑائی میں کلوتنگا نے وِرُدراج بھینکرا کا لقب اختیار کیا جس کے معنی ہیں "ویر دراج یادکرا تھا"

کے لیے دہشت"۔ یہ واقعات سنہ ۱۰۶۷ء میں رونما ہوئے۔ اب کلوتنگا کی پرشستی
سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شمال میں اس کے حملے سے ویر راجندر کو وکرمادتیہ
کے خلاف لڑائی میں مدد ملی ہوگی۔ تو کیا خود ہی کلوتنگا نے تنہا چکرکوٹ پر وکرمادتیہ
کے حملے کو پسپا کیا یا اس نے ویر راجندر سے تعاون کیا اور بیزوادہ کی لڑائی میں
خود موجود تھا؟ اس کا فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے۔ بہر حال وینگی کو مغربی چالوکیوں
کے قبضے سے آزاد کروانے میں کلوتنگا کی مؤثر مدد یہ ثابت کرتی ہے کہ ویر راجندر
کے ساتھ کلوتنگا کے دوستانہ مراسم رہے ہوں گے اور اسے وینگی اور چولا سلطنت
کے معاملات میں گہری دلچسپی رہی ہوگی۔ یہ حقیقت کہ ان جنگوں کے نتیجے میں وینگی
کی ریاست وجے آدتیہ کو واپس مل گئی، کلوتنگا کے اس بیان کی صداقت کو
ناپنے کا پیمانہ ہے جو بعد میں اس نے اپنے بیٹوں کے سامنے دیا کہ وہ جوانی
کے دنوں میں جنگ و جدل اور خطرے کی زندگی کو ترجیح دیتا تھا اور اس لیے
اس نے وینگی کی ریاست اپنے چچا کی حکمرانی کے لیے چھوڑ دی تھی۔ بہت ممکن
ہے کہ یہ جلاوطنی اپنی مرضی سے نہیں تھی اور اس کا جزدی باعث وکرمادتیہ اور
وجیادتیہ کی کشورکشائی کی ہوس تھی۔

چولا تخت پر بیٹھا

وکرمادتیہ ششم کے ساتھ صلح کر لینے کے بعد ویر راجندر فوت ہوگیا اور ادھی راجندر تخت پر بیٹھا۔ پھر
چولا سلطنت میں بغاوت ہوئی جو وکرمادتیہ کی مداخلت سے عارضی طور پر
دب گئی لیکن جونہی وکرمادتیہ تنگ بھدرا تک واپس پہنچا یہ پھر بھڑک اٹھی
اور اس کا انجام ادھی راجندر کی ہلاکت پر ہوا۔ ان واقعات نے کلوتنگا کو چولا
سلطنت پر قبضہ کر لینے کا موقع دیا۔ اس خیال کی کہ کلوتنگا اور ادھی راجندر
میں باہمی خانہ جنگی ہوئی کتبات سے توثیق نہیں ہوئی اور یہ بات بالکل غیر ممکن
معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ رائے بھی معتبر نہیں ہے کہ پہلے کلوتنگا نے چولا سلطنت
کے کچھ حصے پر غلبہ حاصل کیا اور پھر چار پانچ برسوں کے جنگ و جدل کے بعد پوری
سلطنت پر قابض ہو سکا یا یہ کہ تخت شاہی تک رسائی کے لیے اپنا راستہ صاف
کرنے کی غرض سے اس نے خاندان کے بہت سے شہزادوں کو موت کے

گھاٹ اتار دیا. تاہم کلوتنگا کے کتبات اس بات پر کلوتنگا پرانی " سے متفق ہیں جنوب میں اس کی آمد نے چولا ریاست کو ابتری اور انتشار سے بچالیا اور ملک میں اتحاد اور نظم کو بحال کر دیا. کتبات میں درج ہے کہ "جنوب میں آکر اس نے خالص جواہرات کا تاج اس لیے پہنا کہ یہ اس کی میراث تھا تاکہ وہ بھینی بھینی خوشبو والے کنول کی دیوی (لکشمی) کی عمومیت کا خاتمہ کر سکے اور زمین کی نیک دوشیزہ کی تنہائی کا طلسم توڑ دے جس نے پونی (دریائے کاویری) کا جامہ پہن رکھا تھا." چولا ریاست میں کلوتنگا کو پیش آنے والے مخالف کا یہاں ذرا بھی ذکر نہیں ملتا، بلکہ اس کے برعکس یہ بتایا گیا ہے کہ اس کی آمد ایک خوش آیند واقعہ تھی، گو اس کی آرزو نہیں کی گئی تھی. اس کی تخت نشینی کے بعد جب وہ اپنی دانش مندانہ حکومت سے سلطنت کے عوام کو امن اور خوشحالی کے مسلسل کئی برس عطا کر چکا تھا، جیاین گونڈار نے اس کی آمد سے قبل کی بدنظمی کی تصویر کشی کہیں زیادہ گہرے رنگوں میں کی.

"برہمن دھرم کی قربانی کی رسوم ترک کر دی گئی تھیں. منو کی پیروی ختم ہو گئی تھی. چھ شاستر بھلائے جا چکے تھے اور ویدوں کا پڑھنا بند ہو گیا تھا."

"ذاتیں بے حد ابتری کی حالت میں خلط ملط ہو چکی تھیں. کوئی بھی اپنے مقررہ فرائض کی ادائیگی کا پابند نہیں تھا. نیک چلنی اور راستبازی کا ضابطہ بھلایا جا چکا تھا.

"ہر شخص دوسروں پر مظالم ڈھانے میں کوشاں تھا. دیوتاؤں کے مندروں سے لوگ غافل ہو چکے تھے. عورتیں اپنی عفت کھو بیٹھی تھیں اور قلعے منہدم ہو کر کھنڈروں میں تبدیل ہو چکے تھے."

"جب کالی کی ظلمت اس طرح پھیل رہی تھی. وہ (ابھے) اس دنیا کی نجات کے لیے یوں آگیا جیسے گرجتے ہوئے سمندر کے اوپر آفتاب طلوع ہوتا ہے اور اندھیرے کو دور بھگا دیتا ہے."

"اس نے عوام کے ہر طرح کے تحفظ کو اپنا فرض سمجھا. اس نے سلف کے تمام قوانین بحال کر دئیے اور دنیا کو پھر سے صحیح راستے پر گامزن کر دیا."

"چاروں سمندروں کی گرج اور ویدوں کے منتر پڑھے جانے نیز تینوں دنیاؤں

کی دعاؤں کے درمیان اس کی تاج پوشی کی گئی۔

بدنظمی کی اس مبالغہ آمیز روایتی تصویر کی تہ میں پوشیدہ حقیقت تک ہم پہنچ سکتے ہیں۔ اگرچہ واقعات کا صحیح بیان مبہم اور دھندلا ہے اور مذہبی مظالم کے قیاس کی بنیاد بھی جو مذکورہ سیاسی انقلاب کا پیش خیمہ تصور کیے جاتے ہیں۔ غیر واضح قصے کہانیوں پر قایم کی گئی ہے۔ پھر بھی یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب کلوتنگا چولا سلطنت پر حکومت کرنے کے لیے آیا تو اس وقت مستقبل تاریک دکھائی دیتا تھا۔ جنگ اور بغاوت سر اٹھا چکیں تھیں اور سلطنت کے جنوبی حصے جن میں لنکا بھی شامل تھا، اپنی آزادی کا اعلان کر چکے تھے۔ کلوتنگا کی حکومت کے پہلے چند سال ان مشکلات سے نپٹنے میں لگ گئے۔

وکرمادتیہ کے ساتھ جنگ

پہلا دشمن جس کی سرکوبی کرنی تھی، مغربی چالوکیہ حکمران وکرمادتیہ ششم تھا جسے اب معلوم ہو چکا تھا کہ وینگی میں اپنے اقتدار کی توسیع کے لیے اس کی تمام سعی ناکام ہو چکی ہیں اور اس سے بھی مایوس کن بات یہ تھی کہ وینگی اب اپنی مخالف چولا طاقت کے ساتھ پہلے سے کہیں زیادہ مضبوطی کے ساتھ متحد ہو گئی تھی لہٰذا وکرمادتیہ کی جانب سے کلوتنگا کی تخت نشینی کی مخالفت اور اس پر فوج کشی ایک یقینی امر تھا۔ کلوتنگا نے تازہ دوستانہ معاہدے کرکے خود کو مضبوط بنانے میں ذرا بھی دیر نہ کی۔ وکرمادتیہ اور اس کے بڑے بھائی سومیشور دوم کی آپس میں نہیں بنتی تھی کیونکہ ویر راجندر نے سومیشور کو اپنا کچھ علاقہ وکرمادتیہ کے حوالے کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ کلوتنگا، سومیشور سے اس کے بھائی کے خلاف جنگ میں مدد حاصل کرنے کے لیے کامیاب درخواست کر سکتا تھا اور ایسا اس نے کیا بھی۔ بلہن لکھتا ہے۔

"چولا تاجدار کا بیٹا ادھیراجندر اپنی رعایا کی ایک بغاوت میں مارا گیا تو اس کے صرف چند دنوں کے بعد ریاست وینگی کے حکمران راجگا نے تقدیر کی مرضی سے اس کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس عیار انسان کو اس (وکرمادتیہ) سے خطرہ لاحق تھا لہٰذا اس کے عقب میں ایک اور محاذ کر دینے کی۔

نیت سے اس (راجگا) نے اس کے قدرتی حریف سوتم دیو کے ساتھ دوستی کر لی۔ اس نیک دل شخص (وکرمادتیہ) نے اپنے بھائی کے ساتھ ایسی کیا برائی کی تھی کہ وہ اسے نقصان پہنچانے کی نیت سے اپنے خاندانی دشمن چولا حکمران راجگا سے ساز باز کرے! جب راجہ کا فرزند (وکرمادتیہ) نامعقول راجگا کی سرکوبی کی مہم پر روانہ ہوا تو سوتم دیو نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ اس کا تیزی سے تعاقب کیا۔ جب دراوڑ فوج کا بیشتر حصہ فراخ دست شہزادے (وکرمادتیہ) کے قریب پہنچ گیا تو یہ راجہ (سومیشور) بھی ساتھ ساتھ پہنچ گیا کیونکہ اب اسے آخر کار وکرمادتیہ کو نقصان پہنچانے کا ایک موقع ہاتھ آگیا تھا۔

بلہن کا تذکرہ

اس مہم میں وکرمادتیہ کی مدد اس کے بہت سے اتحادی اور اطاعت گزار سردار کر رہے تھے۔ دیوگری کے یادو راجہ نے ایک اتحادی کے طور پر اس کی مدد کی۔ وکرمادتیہ کے ہمراہ اس کے جو باجگزار راجگان تھے، ان میں ہوئسالہ راجہ ایری ینگ اور تربھون مل پانڈیا کے علاوہ کاڈمبا راجہ جے کیشی بھی تھا جس کا ذکر وکرمادتیہ کے مددگار کی حیثیت سے پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ بلہن کے تذکرے کے مطابق ایک گھمسان کی لڑائی کے خاتمے پر جس میں سومیشور اور کلوتنگا کی فوجوں کی وکرم کی سپاہ سے جنگ ہوئی دراوڑ تاجدار میدان جنگ سے بھاگ گیا اور سوم دیو کو قید کر لیا گیا۔ وکرم پھر دریائے تنگ بھدرا کی طرف لوٹ آیا۔ وہ اپنے قیدی بھائی کو رہا کر کے اس کا تخت و تاج واپس کر دینے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن جس طرح کہ جنگ سے پہلے کی رات میں ہوا تھا، شیو نے اسے دوسری بار خواب میں آکر حکم دیا کہ تم خود اختیار اعلیٰ سنبھال لو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی جے سمہا کو بھی بن باسے کا نائب السلطنت مقرر کر دیا۔ چند اور معرکوں اور فتوحات کے بعد جن کی کوئی تفصیل نہیں ملتی، وہ ایک مرتبہ پھر چولا حکمران کو زک پہنچا کر اپنی راجدھانی کلیان کو لوٹ آیا۔

چولوں کی روایت

توقع کے مطابق چولا کتبات میں اس مہم کے متعلق جو بیانات درج ہیں وہ تفصیل اور لڑائی کے نتائج میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ تاہم بعد کے واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ

بلہن کے "کاویہ" کے مقابلہ میں مندرجہ ذیل روایت زیادہ صحیح ہے۔
"نہ صرف (وکلن کا) یہ قول غلط ثابت ہوا کہ "ایک مستقل دھبہ کلوتنگا
کو لگ جائے گا جیساکہ نئے چاند کو جو اس کے خاندان کی ابتدا ہے لگا ہوا ہوتا
ہے بلکہ وکلن کی کمان تک دشمن کے خلاف نہ جھک سکی۔ پتھریلی سڑکوں والے
خشکی سے لے کر تنگ بھدراتنگ جن کے درمیان ملنور واقع ہے، ہر طرف
اس کے غضبناک ہاتھیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں اور اس کا کھویا ہوا
غرور اور شجاعت جن پر اس کو فخر تھا، سرنگوں تھے۔ پہاڑ جن کی چڑھائیاں
پار کر کے وہ آیا تھا، کمر خمیدہ ہو گئے۔ دریا جن میں وہ اترا، اپنے بہاؤ کی طغیانی
سے اپنے ساحلوں کو توڑ کر چھلک گئے۔ سمندر جن میں اس نے چھلانگ لگائی
متلاطم ہو گئے۔ چولا راجہ نے بیک وقت دونوں ریاستوں ("پانی") پر قبضہ
کر لیا۔ جو گنگا منڈلم اور شنگلم کہلاتی تھیں اور غضبناک ہاتھیوں کے جھنڈ جنہیں
دشمن ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر فرار ہو گیا تھا، نیز بڑی تعداد میں خوبصورت اور
تابدار آنکھوں والی عورتیں اس کے قبضے میں آ گئیں۔ اس نے شہرت کی دیوی
کو تسخیر کر لیا جس نے خوشی سے وکلن کو ذلت سے ہمکنار کیا اور فتح و نصرت
کی عظیم دیوی کو بھی جو دوسرے فریق سے جا ملی۔ اور وکلن اور اس کے ولد
کو جو مغربی خطے پر حکمرانی کی ہوس رکھتے تھے، پیٹھ دکھانے پر مجبور کر دیا۔
ان واقعات کے اس سے پہلے کے کچھ تذکروں میں عام مستعمل اصطلاح
"وپل کلتر شر وپل پلتر شو" یعنی چالوکیہ راجا یا راجاؤں کی جگہ وکلن لکھا ملتا ہے
اور خشکی سے تنگ بھدراتنگ کے خطے کے لیے ایک مخصوص مقام اتی استعمال
ہوا ہے۔

تاریخ | اس جنگ کی جانب سب سے پہلا اشارہ جو اس عہد
حکومت کے کتبات میں کیا گیا ہے۔ ان الفاظ میں ملتا ہے
"وکلن اور شنگلن مغربی سمندر میں چھلانگ لگاتے ہوئے" اور "یہ پکل
ناڑو" سے شروع ہونے والی پرشستی سب سے پہلے ساتویں سال میں ملتی
ہے۔ لہٰذا وکرمادتیہ کے ساتھ اصل لڑائی کلوتنگا کی حکومت کے آغاز سے

کچھ برس بعد ہوئی نہ کہ اس کی تخت نشینی کے فوراً بعد جیسا کہ بلہن کے تذکرے سے ظاہر ہوتا ہے۔ چالوکیہ حکمرانوں کے کتبات بھی جو ان واقعات کو شاکا سمت 998 بمطابق سنہ 1076 عیسوی کا بتاتے ہیں اس امر کی تصدیق کرتے ہیں پانچ یا چھ برس کا درمیانی وقفہ بلاشبہ دونوں فریقوں نے آنے والی جنگ کی سفارتی اور فوجی تیاریوں میں صرف کیا کیونکہ وکرمادتیہ ویکی اور چولا کے مستقل الحاق کو جنگ کے بغیر قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا اور کلوتنگا کو یہ بات بخوبی معلوم تھی۔

جنگ کی روش اور اس کے نتائج

جنگ کی شروعات اس وقت ہوئی جب وکرمادتیہ نے چولا علاقے میں پیش قدمی کی اور ضلع کولار میں اس کا مقابلہ چولا فوج سے ہوا۔ اگر چولا کتبات پر اعتبار کیا جائے تو چولا افواج نے وکرمادتیہ کا تعاقب منلور (جس کی ابھی تک شناخت نہیں ہو سکی ہے) سے ہوتے ہوئے دریائے تنگ بھدرا کے کناروں تک کیا اور اس پورے راستے پر گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ نتیجے کے طور پر چولا تاجدار نے کثیر اور بیش قیمت مال غنیمت حاصل کرنے کے علاوہ گنگا منڈلم اور سشنگنم پر قبضہ کر لیا۔ سشنگنم کہاں واقع تھا یہ ابھی تک طے نہیں ہو سکا ہے۔ بلتش کی رائے میں اس سے مراد جے ستمبا سوم کی ریاست تھی۔ لیکن جے ستمبا سوم کی عمل داری بن واسے کے علاقے میں تھی اور اس علاقے تک اس مہم کے پہنچنے کی کوئی شہادت نہیں ملتی بلکہ بلہن کا کہنا ہے کہ وکرمادتیہ نے کلوتنگا سے لڑائی کے خاتمے پر اپنے بھائی جے ستمبا کو بن واسے کا حکمران مقرر کر دیا تھا۔ اور یہ بھی کہ جے ستمبا اس وقت بھی اس ریاست کا حکمران تھا جب چند سال بعد اس نے اپنے بھائی کے خلاف بغاوت کی اور کلوتنگا سے مدد کی درخواست کی۔ تاہم ممکن ہے کہ جنگ شروع ہونے سے قبل جے ستمبا دریائے تنگ بھدرا سے جنوب اور مشرق کی جانب کے کچھ علاقے کا حکمران رہا ہو۔ کلوتنگا کے اس دعوے کی تصدیق بھی اس کے کتبات سے ہوتی ہے کہ جنگ کے نتیجے میں اس نے ریاست میسور کے ایک بہت بڑے

حصہ پر اپنا تسلط کر لیا تھا۔ بلہن کا یہ بیان قطعاً قابل اعتبار نہیں کہ کلوتنگا میدان جنگ سے بھاگ نکلا تھا۔ "کالنگتو پرانی" میں اس جنگ کے کچھ واقعات کا ذکر ہے جیسے کہ النتی اور منلور کی لڑائیاں اور نولیئی میں، جو غالباً وہی مقام ہے جس کا ذکر میسور کے کتبوں میں نولیلے ناڈ کے نام سے کیا گیا ہے ہاتھیوں پر قبضہ "وکرما شولن الا" کا بیان ہے کہ کلوتنگا مغربی سمندر تک پہنچ گیا تھا اور اس نے کونکن اور کنڈ کے خطوں پر قبضہ کر لیا تھا اور مرہٹہ حکمران کے غرور کو خاک میں ملا دیا تھا۔ اس بیان سے یہ مطلب نکالا جا سکتا ہے کہ اس نے بن واسے کی ریاست بھی فتح کر لی تھی گو یہ فتح غالباً عارضی ہی تھی۔ سب سے زیادہ نقصان سومیشور دوم کو پہونچا جو ایک اس کی حیثیت سے اپنے بھائی کے ہاتھ لگا اور اس طرح اپنی ریاست بھی گنوا بیٹھا۔ اس کا آخر میں کیا حشر ہوا۔ اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

جے سمہا کی بغاوت

بلہن کا کہنا ہے کہ بن واسے کے نئے نائب السلطنت جے سمہا نے اپنی تقرری کے ایک برس کے اندر ہی اپنے بھائی وکرما دتیہ کے خلاف بغاوت کا منصوبہ بنا لیا تھا اور اس بغاوت میں مدد کے لیے اس نے کلوتنگا سے درخواست کی تھی۔ یہاں اس بغاوت کی داستان دہرانا ضروری نہیں ہے کیونکہ بلہن کے تذکرے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد جو خانہ جنگی ہوئی اس میں کلوتنگا نے بہت معمولی حصہ لیا یا بالکل شریک نہیں ہوا۔ ظاہر ہے کہ ایسا اس لیے ہوا کہ کلوتنگا کی توجہ بہت سے اور معاملات کی طرف تھی۔ اس طرح وکرما دتیہ کو اس بغاوت کو دبانے کے لیے میدان صاف مل گیا اور اس نے بغیر کسی دشواری کے اس کو فرو کر لیا۔ اور جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے جلد ہی وہ کلوتنگا کے دشمنوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر کے اس کی مشکلات میں اضافہ کرنے لگا۔ اس کے جلد بعد وجے باہو نے چولوں کو لنکا کے شمال نصف حصے سے نکال کر پورے لنکا کا خود مختار حکمران ہونے کا اعلان کر دیا وکرما دتیہ نے بیش بہا تحائف کے ساتھ ایک سفارت اس کے پاس روانہ

کی۔ اصل میں اپنے پورے عہد حکومت کے دوران میں وکرما دتیہ نے کلوتنگا
کو زک پہنچانے کی غرض سے ہر جانب ان تھک کوششیں کیں لیکن بلہنی کی اس
کی تعریف میں قصیدہ خوانی کو معتبر تصور نہیں کیا جا سکتا جس میں اس نے کانچی
پر کی گئی فوج کشی کا حال بیان کیا ہے اور یہ بتایا کہ بے صاحب حیثیت دشمن کے نہ
ہونے سے اس کا ہیر و نبرد آزمائی کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔

وینگی پر غیر ملکی حملہ

جب کلوتنگا جنوب میں اپنے معالات کو نپٹانے میں مصروف
تھا تو تری پوری کے ہی ہیا حکمران یش کرن دیو نے وینگی
کی ریاست پر حملہ کر دیا۔ ۱۰۲۷ء سے شروع ہونے والے کلوتنگا کے کتبات میں اس
تاجدار نے دعوے کیا ہے کہ اس نے آسانی سے آندھرا کے قوی حکمران کو شکست
دے دی اور دراکشا راما کے دیوتا بھگوان بھیشور کو بیش قیمت جواہرات کی پیش کش
کر کے رام کر لیا۔ یہاں جس آندھرا تاجدار کا ذکر آیا ہے وہ بلا شبہ وجیا دتیہ ہفتم تھا۔
یش کرن کے حملے سے کوئی خاص فوجی اور سیاسی اہمیت کے نتائج برآمد نہیں ہوئے
جو قابل ذکر ہوں اور اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اس حملے کا مغربی چالوکیوں
یا وجیا دتیہ ہفتم کے منصوبوں سے کسی طرح کوئی تعلق تھا جیسا کہ اکثر قیاس کر لیا گیا ہے۔

ریاست پانڈیا اور لنکا کے معاملات

کلوتنگا نے وکرما دتیہ ششم کے
خلاف جنگ کرنے کے بعد
جنوب کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ ریاست پانڈیا چولوں کی برتری تسلیم کرنے کے
لیے آمادہ نہیں تھی اور اس کے حکمران ہمیشہ طاقت ور چولا حکمرانوں کے لیے مشکلات
پیدا کرتے رہے تھے۔ ویر راجندر کی وفات اور اس کے جانشین ادھی راجندر
کے خلاف بغاوت کے بعد جاہتری پھیلی اور وکرما دتیہ ششم کی پالیسی کے باعث کلوتنگا
کے عہد حکومت کے آغاز میں اس کو جس طرح مدافعت کرنی پڑی۔ ان اسباب کی
وجہ سے جنوب کی ریاستوں کو اپنی خود مختاری از سر نو منوانے کا سنہری موقع مل گیا۔ ان
ریاستوں میں چولوں نے جو انتظامیہ بندوبست کر رکھا تھا اس کا خاتمہ ہو گیا اور
ان کے اصل راجہ، جیسا کہ ان کے کتبات سے پتہ چلتا ہے خود مختارانہ حیثیت سے
اپنی اپنی ریاستوں پر حکومت کرنے لگے۔ اپنی حکومت کے ساتویں اور گیارہویں

برس کے درمیان کلوتنگا نے اپنی مسلسل جد وجہد سے پانڈیا اور کیرلا ریاستوں کو از سر نو تسخیر کر لیا لیکن لنکا مستقل طور پر چولا سلطنت سے نکل گیا۔ جنوبی ریاستوں کو از سر نو تسخیر کرنے کی داستان شروع کرنے سے پہلے ہم لنکا کی آزادی کے قیام کا کچھ حال بیان کریں گے۔

لنکا

ہم دیکھ چکے ہیں کہ ویر راجندر کی تخت نشینی سے قبل سنہالی راجہ کتی نے 1058ء میں روہنا کو دشمنوں سے آزاد کرا لیا اور اپنی عمر کے سترہویں سال میں وجے باہو کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ اس کے بعد چولا حکومت اس جزیرے کے شمالی حصے تک محدود ہو گئی جو راج رتھ کہلاتا تھا۔ سب سے آخری چولا کتبہ جو "پولو ناروا" میں ملا ہے 1070ء کا ہے جو کہ ادھیراجندر کی حکومت کا تیسرا اور آخری سال تھا۔ "مہاوامسا" میں راج رتھ سے چولا اقتدار کے ختم ہو جانے کی داستان بہت واضح طور پر بیان کی گئی ہے۔ اس تذکرے میں جو واقعات درج ہیں ان کی صحیح تاریخیں نہیں ملتی لیکن اس میں یہ قطعی طور پر بتایا گیا ہے کہ وجے باہو روہنا کا حکمران بننے کے پندرہویں برس انورادھاپور میں داخل ہوا یعنی 1073ء میں جو اس کی عمر کا کتیسواں سال تھا۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کے دو برس بعد لنکا کے حکمران کی حیثیت سے اس کی تاج پوشی کی گئی۔ یہ واقعات ہماری ان معلومات کے جو ہم کلوتنگا کے عہد حکومت کے پہلے پانچ برسوں کے متعلق دوسرے ذرائع سے حاصل کر چکے ہیں۔ اور اس حقیقت کے کہ لنکا میں کلوتنگا کے عہد کا کوئی کتبہ نہیں ملتا" عین مطابق ہیں "مہا وامسا" بتاتی ہے کہ چولوں کی غلامی سے لنکا کو آزاد کرانے کے لیے وجے باہو نے اپنی کوششیں اپنے عہد کے بارہویں برس یعنی 1070ء میں شروع کر دی تھیں۔ اس نے پلکھاکی پہاڑیوں میں واقع اپنے قلعہ میں مورچہ بندی کر لی اور اس کے ارد گرد " دونوں فوجوں میں خوفناک جنگ ہوئی" ڈمیلا فوج کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد ڈمیلوں کا جو تعاقب کیا گیا اس میں چولا سپہ سالار گرفتار کر کے قتل کیا گیا۔ وجے باہو نے تاملوں کی جانب سے کسی مزید مزاحمت کے بغیر پلتھی نگر پر قبضہ کر لیا لیکن جلد ہی برصغیر سے ایک زیادہ بڑی فوج آ گئی اور انورادھاپور کے نزدیک ایک اور سخت معرکہ ہوا۔ اس دفعہ فتح نے چولوں کا ساتھ دیا اور وجے باہو کو ضلع کیگلا میں واقع

وانگری وکریگل کے مقام پر محصور ہونا پڑا۔ اب چولوں نے وجے باہو کے عقب میں بغاوت کوشش دی لیکن لنکا کے حکمران نے کامیابی سے اس پر قابو پالیا اور باغیوں کے سرگروہ کو چولوں کے پاس پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد وجے باہو کے عقب کی طرف بڑھا جہاں اس نے ایک اور مضبوط مورچہ تعمیر کر لیا اور دلوے گنگا کے زیریں حصے پر واقع مہاناگ کُلا کو اپنی قیام گاہ بنا کر چولوں سے مقابلہ کرنے کے لیے پھر سے تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے دو سمتوں سے چولوں پر دھاوا کرنے کے لیے دو فوجیں روانہ کیں۔ ایک ساحلی راستے سے پولونارُوا پر حملہ کرنے کے لیے دوسری انورادھاپور پر دھاوا کرنے کے لیے پہاڑیوں کے سلسلہ کے مغرب کی طرف سے خود راجہ نے مہاویلی گنگا کے راستے سے پیش قدمی کی۔ گھمسان کی لڑائی کے بعد پولونارواپر اس کا قبضہ ہو گیا "جب چولا شہنشاہ نے اپنی فوج کی تباہی کی خبر سنی تو اس نے یہ سمجھا کہ سنہالی زیادہ طاقت ور ہیں۔ لہٰذا اس نے مزید فوج نہیں بھیجی"۔ انورادھاپور پر لنکا کی فوج کے دوسرے حصے نے قبضہ کر لیا جو پیش قدمی کرتا ہوا مہاتتھا تک پہنچ گیا۔ "عظیم ترین راجہ وجے باہو خوشی کے شادیانے بجاتا ہوا اپنے عہد کے پندرہویں سال میں انورادھاپور کے بہترین شہر کی جانب بڑھا جس کی اسے مدتوں سے شدید تمنا تھی۔" لنکا کے حکمران کی حیثیت سے اس کی تاج پوشی میں ایک بغاوت کے باعث تاخیر ہوئی جو اس کی حکومت کے اٹھارہویں سال یعنی ‎1076-77ء‎ میں ہوئی۔ پولونارواکا چولا نام بدل کر اسے وجے راج پورہ کا نیا نام دیا گیا۔ وجے باہو نے قنوج کے راجہ جگتی پال کی لڑکی لیلا وتی سے شادی کر لی۔ جگتی پال کی مہارانی چولا سلطنت کی قید سے نکل کر فرار ہو گئی تھی۔ وجے باہو نے کالنگا کے شاہی خاندان کی ایک لڑکی تروک سندری سے بھی بیاہ کیا۔ اس کی بہن متا نے ایک پانڈیا شہزادے کے ساتھ شادی کر لی جو بعد میں عظیم تاجدار پراکرم باہو کا دادا ہوا۔" وجے باہو نے بدھ دھرم کو پھر سے رائج کیا اور پجاریوں کو پیگو (رامنا) سے جانشینی کا حق حاصل ہوا تھا اس کی تجدید کر دی نیز اپنے جرنیل نُورگری کو ایک مندر بنوانے کا حکم دیا جس میں مہاتما بدھ کا مقدس دانت رکھا جا سکے۔" لنکا کے ہاتھ سے چھن جانے کے متعلق کلوتنگا کے کتبات خاموش ہیں۔

پانڈیا کے ساتھ جنگ

لنکا کی آزادی سے چولا اقتدار میں اتنی کمی نہیں ہوئی جتنی کہ خود برصغیر کے اندر جنوبی ریاستوں کی بغاوت سے چولا حکومت کو لنکا کے آزاد ہو جانے سے کوئی خطرہ نہ ہوتا اگر برصغیر کے اندر اس کے اقتدار کو کوئی صدمہ دپہنچتا۔ لیکن پانڈیا ریاست کا معاملہ ہی مختلف تھا اگرچہ چولا شہنشاہ اس ریاست کو مطیع رہ کرتا تو یقیناً یہ چولا طاقت کے وجود کے لیے ہی ایک خطرہ بن جاتی۔ کلوتنگا یہ بخوبی جانتا تھا اور جونہی اس نے چالوکیہ جنگ سے چھٹی پائی، پانڈیا اور کیرلا ریاستوں کی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے اپنا پورا زور لگا دیا۔

کلوتنگا کے پانچویں سال کے کتبات میں ایک مبہم سا بیان ملتا ہے کہ پانڈیا راجہ کا سر زمین پر پڑا تھا اور چیلیں اسے چونچ مار رہی تھیں۔ بعد کے کتبات میں بیان کیا گیا ہے کہ کلوتنگا کے خوبصورت دارالخلافے کے باہر ایسا ہوا۔ ظاہر ہے یہ بیانات ایسے نہیں جن پر حرف بحرف یقین کر لیا جائے۔ ان کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ مبالغہ آمیز تعریفی جملے ہیں جو نمونا کتبات میں درج کئے جاتے ہیں۔ جنوبی مہم کا حقیقت پسندانہ حال جاننے کے لیے ہمیں اس مزید مواد کی جانب توجہ دینی ہوگی جو کلوتنگا کے گیارہویں سال کے کتبات کی تمہیدوں میں جو "پگل شولنداینری" سے شروع ہوتی ہیں ملتا ہے اور اس عہد کے کچھ دیگر کتبات سے بھی مدد لینی ہوگی۔

ایک سنسکرت کے کتبے میں جو چدامبرم میں دستیاب ہوا ہے اور جس پر تاریخ درج نہیں ہے، یہ بتایا گیا ہے کہ کلوتنگا نے پانچ پانڈیا راجاؤں کو شکست دی۔ اس نے کوٹار کے قلعے کو آگ لگا دی (جیسے ارجن نے کھانڈ جنگل کو آگ لگا دی تھی) کیرالا کی کثیر افواج کو نیچا دکھایا اور ساحل سمندر پر ایک فتح کا ستون تعمیر کیا۔ اس طرح اس نے اپنے باجگذار باغی راجاؤں کی ایک جماعت کو اپنا تابع فرمان بنایا۔ تامل کتبات میں اس سے زیادہ مفصل حال اس بیان کیا گیا ہے:

"اپنے دل میں پانڈی منڈلم کو فتح کرنے اور شہرت حاصل کرنے کا مصمم ارادہ کر کے اس نے اپنی عظیم فوج روانہ کر دی جس میں بہترین گھوڑے تھے جو سمندر کی موجوں کی مانند تھے، جنگی ہاتھی تھے جو بحری جہازوں کی طرح تھے۔ اور پیادہ فوج تھی جو پانی کی طرح تھی جیسے کہ شمالی سمندر جنوبی سمندر پر چڑھ دوڑا ہو۔ اس

نے وہ تمام جنگل تباہ کر دیا جس میں پناہ پا لینے کے لیے پانچ پانڈیا راجگان میدان جنگ سے بھاگ کر خوف دہراس سے سمٹے ہوئے داخل ہوئے تھے۔ اس نے ان کی ریاست کو زیر نگیں کر لیا۔ انہیں پہاڑیوں کے گرم جنگلوں میں دھکیل دیا جہاں جنگلی آدمی گھومتے پھرتے تھے اور ہر سمت میں فتح کے ستون گاڑ دیئے۔ اس نے موتی نکالنے کے سمندری مراکز پر اور پوڈیل کے پہاڑ پر جہاں تینوں قسموں کے تامل باشندے خوشحالی سے زندگی گزارتے تھے، قبضہ کر لیا۔ وہ شیناکے پہاڑ پر جس کے وسط میں غضبناک مست ہاتھی رہتے تھے، اور کنی پر بھی قابض ہو گیا! درجنوبی (پانڈیا) ریاست کی حدود متعین کر دیں۔ جبکہ مغربی پہاڑی محطے کے تمام "شادیر" اس بے نظیر جنت کی طرف (جو میدان جنگ میں کام آنے والے بہادروں کو نصیب ہوتی ہے) پرواز کر گئے تو اس نے اپنے کمانڈروں کو جو گھوڑے پر سوار تھے، ہر ایک سڑک پر جاگیر عطا کی جس میں کوٹارو بھی شامل تھی، تاکہ اس کے دشمن دہشت زدہ ہو جائیں۔"

" وکر ماشولن اُلا" میں کلوتنگا کو اس فوج کا بادشاہ بتایا گیا ہے جس نے دشمن (پانڈیا) کو شکست دی، چیروں کے شاہی نشان (کمان) کو معدوم کر دیا اور دو مرتبہ شالئی میں بحری بیڑے کو تباہ کیا۔" کالنگتو پرانی" بھی ذیل کے الفاظ میں اس بیان کی تصدیق کرتی ہے:۔

"کیا تم نے اس تباہی و بربادی کے بارے میں نہیں سنا جو پانچ پانڈیا راجاؤں پر نازل ہوئی جب اس نے اپنی فوج ان کے خلاف روانہ کی! کیا یہ بات تمہارے کانوں تک نہیں پہنچی کہ جب چولا فوج جنگ کے لیے چلی تو چیروں نے پیٹھ دکھا دی۔ کیا اسی فوج نے ولی نم کو جو سمندر کے کنارے واقع ہے، تباہ و برباد کر کے نہیں رکھ دیا اور شالئی کو تسخیر نہیں کیا۔!"

پانڈیوں اور چیروں پر فتح اور کوٹارو، ولی نم اور شالئی کی لڑائیوں کے یہ تذکرے بہت حد تک درست ہیں۔ "کلوتنگا شولن پلئی تامل" میں نیپونمازی (ضلع رام ناڈ) کی ایک لڑائی کا حال بھی ملتا ہے۔ "شادیرہ" جو ایسے تجربہ کار سپاہی تھے جن کے دلوں میں موت کا خوف جاتا رہا تھا اور جو پانڈیا اور چیرا افواج کا ایک بڑا حصہ تھے، کا خاتمہ کسی شدید لڑائی کے نتیجے میں ہوا ہوگا۔ پانچ پانڈیا راجاؤں کا پتہ نہیں

چل سکا، جن پر کلوتنگا نے فتح پائی تھی۔ یہاں تک کہ جٹاورمن شری دلبھ بھی ان میں سے نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی حکومت کلوتنگا کی جنوبی ہند کی فتح اور وہاں نظم وضبط کی بحالی کے بعد شروع کی تھی۔ ظاہر ہے کہ کلوتنگا پانڈیا ریاست میں اس چولا نظام حکومت کو بحال نہیں کر سکا جو راجہ راجا اول نے وہاں رائج کیا تھا۔ اس نے پانڈیا اور کیرلا کی ریاستوں میں آمد ورفت کے تمام اہم راستوں کے کنارے فوجی بستیاں قائم کرنے کی ترکیب نکالی۔ اس نے ان ریاستوں کے داخلی انتظام میں کسی قسم کی دخل اندازی کرنے کی کوشش کی کی سوائے اس کے فوجی چوکیاں وہاں موجود تھیں یا اس نے کئی مقامات کے نام بدل کر ان کو چولا القاب اور خطابات سے منسوب کر دیا۔ اور ان اضلاع کے ماتحت حکمرانوں سے سالانہ خراج وصول کرتا رہا۔ اس عہد کے پانڈیا راجاؤں کے کثیر التعداد کتبات سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ چولوں کو ان پر سیاسی اقتدار حاصل تھا۔ اس کے علاوہ کلوتنگا اور اس کے جانشینوں کے کتبات بھی اس خطے میں اس کثرت سے نہیں ملتے جتنے کہ ان کے براہ راست ماتحت علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔

بغاوتیں اور ان کا فرو کرنا

معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی خطے کی ازسرنو تسخیر اور نظم ونسق کی بحالی کے کوئی پندرہ برس بعد ایک اور بغاوت ہوئی جس کا سرغنہ دیناڈ تھا۔ اس بات کا پتہ ہمیں کتبات کی اچھی خاصی تعداد سے چلتا ہے۔ جن میں نرلوک ویرا کی خدمت گنوائی گئی ہیں۔ ان کتبات میں سب پرانی تاریخ کلوتنگا کی حکومت کے اٹھائیسویں سال کی ہے۔ پانڈیوں سے جو پہلی جنگ ہوئی تھی اس کے اختتام اور کتبات میں نرلوک ویرا کا ذکر شروع ہونے کے درمیان میں چند برسوں کا فصل اور جٹاورمن شری دلبھ کے کتبات میں کالنگاریہ کے جو نرلوک ویرا ہی کا ایک لقب تھا۔ بار بار ذکر سے اس بات کا امکان پایا جاتا ہے کہ جس جنوبی مہم میں اس سپہ سالار نے امتیاز حاصل کیا تھا وہ اس عہد کے ابتدائی برسوں میں لڑی گئی جنگ سے قطعاً مختلف تھی۔ دشمن جن کی سرکوبی کی گئی اور وہ مقامات جہاں لڑائی ہوئی قدرتی طور پر کم وبیش وہی تھے جو پہلی جنگ میں تھے اور اس کا نتیجہ بھی وہی نکلا جو پہلی جنگ کا ہوا تھا۔

لنکا کو آزاد کرانے اور وہاں سے چولا اقتدار کو ختم کرنے میں وجے باہو کی کامیابی کلوتنگا کے دل میں پھانس کی طرح کھٹکتی رہی۔ وہ لنکا کے حکمران کے خلاف از سر نو لڑائی چھیڑنے کے لیے سازگار موقع کے انتظار میں تھا۔ لنکا میں تامل آبادی خاصی تعداد میں تھی۔ اور اس وقت سنہالی فوج میں تنخواہ دار تامل سپاہی بہت بڑی تعداد میں تھے۔ وجے باہو نے حال ہی میں لنکا کے شمالی حصے کے حکمرانوں میں جو تبدیلی کی تھی یہ اس کا قدرتی نتیجہ تھا لیکن تامل سپاہی چولا حکومت کے وفادار تھے اور اس کی یاد بھلا سکتے تھے اس لیے کلوتنگا نے چوری چھپے لنکا کے حکمران کے خلاف اپنے منصوبوں کو کامیاب بنانے کے لیے ماحول بہت سازگار پایا۔ 1088ء کے قریب واقعات کا "مہا وامسا" میں حسب ذیل بیان کلوتنگا کی پالیسی پر خوفناک روشنی ڈالتا ہے۔

"کنّاٹا راجہ اور چولا حکمران کے سفیر بیش قیمت تحائف لے کر یہاں آئے۔ وہ تاجدار لنکا سے ملے۔ وہ ان سے مل کر بہت مسرور ہوا اور دونوں سفیروں کے ساتھ بہت اکرام و اعزاز سے پیش آیا۔ اس نے پہلے کنّاٹا راجہ کے ایلچیوں کے ساتھ اپنے سفیر بیش قیمت تحائف کے ساتھ کنّاٹا کے دربار میں بھیجے لیکن جب سنہالی ایلچی چولا سلطنت کی حدود میں داخل ہوئے تو چولوں نے ان کے ناک اور کان کمال بے رحمی سے کاٹ لیے۔ اس حالت میں وہ اپنے ملک کو واپس آئے اور جو سلوک چولا شہنشاہ نے ان کے ساتھ کیا تھا وہ داتی لنگا کو بتایا۔ غصے سے آگ بگولا ہو کر وجے باہو نے ان ڈمیلا سفیروں کو اپنے درباریوں کے سامنے طلب کیا اور انہیں چولا راجہ کے لیے مندرجہ ذیل پیغام دیا۔ "حد سماعت سے پرے ایک تنہا جزیرے میں جو سمندر کے درمیان واقع ہے۔ ہماری قوت کا امتحان تنہا ایک دوسرے سے لڑ کر ہوگا۔ یا تری سلطنت کی جملہ افواج اور میری افواج کو مسلح کر کے ایک۔ ایسے کسی مقام پر لڑی جائے گی جو تو طے کرے گا۔ جس طرح میں نے کہا ہے اسی طرح تو میرا پیغام اپنے مالک کو پہنچا دے۔" یہ الفاظ کہنے کے بعد وجے باہو نے ان ایلچیوں کو عورتوں کے لباس میں بعجلت چولا راجہ کے دربار میں روانہ کر دیا۔ اس کے بعد وہ اپنی فوج کو لے کر انورادھاپور چلا گیا۔ مٹّی کا واٹ تھا اور مہا تیتھا نامی بندرگاہوں کی طرف۔

اس نے اپنے دو جرنیل روانہ کر دیے تاکہ وہ چولا ریاست میں جاکر جنگ شروع کر دیں۔ یہ جرنیل ابھی اپنی فوجیں چولا سلطنت کی طرف بھیجنے کے لیے جہازوں اور رسد کا انتظام کر ہی رہے تھے کہ راجہ وجے باہو کے تیسویں سال حکومت میں فوج کی ویلائی کارا نامی پلٹن نے بغاوت کر دی کیونکہ وہ چولا ریاست پر حملہ کے لیے نہیں جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے دونوں جرنیلوں کو قتل کر دیا اور بے عنان اور مست ہاتھیوں کی طرح پلتھی نگر کے گرد و نواح کے علاقے میں خوب لوٹ مار کی۔ اور انہوں نے راجہ کی چھوٹی بہن کو مع اس کے تینوں بیٹوں کے گرفتار کر لیا اور راجہ کے محل کو جلا ڈالا۔ راجہ شہر سے نکل کر تیزی سے دکن دلشیں کو چلا گیا۔ اپنی تمام بیش قیمت املاک کو واتگری میں چھپا کر وہ آپ راجہ وتیر باہو کو جو شیر کا ایسا حوصلہ اور ہمت رکھتا تھا۔ اور ایک کثیر فوج کو ہمراہ لے کر پلتھی نگر کی جانب بڑھا جہاں شدید لڑائی کے بعد اس نے جلد ہی اس فوج کو جو اس کے خلاف جمع ہوئی تھی، شکست دے دی۔ اس نے غداروں کو سرغنوں کو اسی چتا کے ارد گرد اکٹھا کر کے، جہاں ابھی تک مقتول جرنیلوں کی راکھ باقی تھی، ان کے ہاتھ کس کے ان کی پیٹھ کے پیچھے بندھوا دیے اور پھر زنجیروں سے ایک کھونٹے میں بندھوا کر ان کے ارد گرد آگ روشن کروائی اور اس نے بلند ہونے والے شعلوں میں انہیں زندہ جلوا دیا۔ اس طرح راجہ نے وہاں باغیوں کے سرغنوں کو قتل کر کے لنکا کی سرزمین کو ہر جگہ باغیوں کی کٹیلی جھاڑیوں سے صاف کر دیا۔"

"راجہ کی نگاہ سے چولا تاجدار کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ ہرگز محو نہیں ہوا تھا اور اپنے عہد حکومت کے پینتالیسویں برس میں اپنے سامان حرب سے مسلح دستوں کے ہمراہ وہ سمندر کے کنارے کی بندرگاہ پر پہنچ گیا اور وہاں کچھ عرصہ تک اپنے حریف کلوتنگا کی آمد کے انتظار میں پڑاؤ ڈالے رہا۔ لیکن چولا راجہ نے وہاں اپنی شکل نہیں دکھائی۔ اس لیے وجے باہو نے ایلچیوں کو واپس گھر بھیج دیا اور پلتھی نگر کو واپس آگیا اور وہاں کافی عرصہ مقیم رہا۔"

البتہ کلوتنگا کی عیارانہ پالیسی بالکل ناکام رہی۔ "ویلائی کارا" پلٹن کی بغاوت سختی سے دبا دی گئی اور تنخواہ دار سپاہیوں نے آئندہ وفاداری کے ساتھ

راجہ وجے باہو کی خدمات بجالانے کا عہد کیا۔ بدھ دھرم کا سب سے بڑا مندر رجوپولونرد میں واقع تھا۔ ابھی سپاہیوں کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ کلوتنگا نے ظاہراً وجے باہو کے ساتھ صلح کر لی کیونکہ اس نے اپنی ایک لڑکی شتا ملیار کی شادی لنکا میں پنڈیا فریق کے ایک سنہالی شہزادہ ویر پرومال کے ساتھ کر دی اور وجے باہو کے جانشیو بجے باہو اوّل کے عہد میں ایشورا کے مندر کے لیے ایک دائمی چراغ کا عطیہ بھی دیا۔

چین کے ساتھ مراسم چین کے سانگ تذکروں سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ "چولین" (چولا) کی جانب سے ایک سفارتی مشن ۱۰۷۷ء میں چینی شہنشاہ کے دربار میں پہنچا اور ان دنوں "چولین" کا شہنشاہ تی ہوا کیا۔ تو کہلاتا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ اس کا مطلب دیو کلوتنگا ہو۔ ایسا خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ دراصل اس سے صرف رتو کلا یا دوا کر ای کے طرح کے ہندوستانی نام بن سکتے ہیں لیکن اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ۱۰۷۷ء میں جو چولا راجہ حکومت کر رہا تھا یہ اسی کا نام ہے یہ خیال کہ ضرور یہ کلوتنگا یا کا نام ہے جس کی شکل بگاڑ دی گئی ہے البعید از قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ یہ سفارتی مشن صریحاً ایک تجارتی اقدام تھا جس کا نتیجہ تاملوں کے حق میں بہت مفید رہا کیونکہ ان بہتر اشخاص کو جو سفارتی مشن میں شامل تھے تانبے کے سکوں کی 81800 ڈوریاں دی گئیں جن کی مالیت تقریباً اتنے ہی ڈالر ہوتی تھی۔ یہ قیمت اشیاء کے نذرانے کے عوض میں دی گئی جن میں شیشے کا سامان، کافور، کمخواب (جو چینی زبان میں "کہوا" کہلاتا تھا) کے تھان، گینڈے کے سینگ، ہاتھی دانت، عطریات، عرق گلاب، ہینگ، سہاگہ اور لونگ شامل تھے۔ کڈارم کے متعلق "دسکا لنگتو پرانی" میں ایک سرسری حوالہ اس بات کا ملتا ہے کہ کلوتنگا نے وسیع پیمانے میں واقع کڈارم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ کلوتنگا کے کتبات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ غیر ملکی جزائر سے اس نے بیش قیمت خراج وصول کیا۔ لیکن یہ سب حوالے مبہم ہیں اور ہم کو یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہیئے کہ ادبی رواج کے مطابق اکثر شاعر کسی خاص حکمران سے وہ سب کارنامے بھی منسوب کر دیتا ہے جو اس حکمران کے پیش رووں کے متعلق تھے۔ کچھ اور دیگر شہادتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شری وجیا کی سلطنت سے کلوتنگا کے مراسم تھے۔ بالخصوص لیڈن کا عطیہ نامہ صغیر اس بات

کا گواہ ہے۔ یہ خیال بھی کیا گیا ہے کہ 1063ء سے 1070ء تک کے عرصہ کا کچھ حصہ کلوتنگا نے شری وجیا میں امن کی بحالی اور وہاں چولا اقتدار کو مستحکم کرنے میں صرف کیا۔ اس رائے کی تائید میں دو باتوں کا حوالہ دیا گیا ہے، اوّل یہ کہ کلوتنگا نے مشرقی ریاستوں میں نظم وضبط اپنی جوانی میں بحال کیا تھا بالکل اسی طرح جیسے وشنو نے زمین کو دھیرے دھیرے سمندر کے پانیوں سے نکالا تھا' دوسرے یہ کہ ان اعلیٰ افسروں کے نام جو 1067ء میں شری وجیا کی سلطنت کی طرف سے بطور سفیر چین کے دربار میں گئے تھے بالکل وہی ہیں جو دس برس بعد چولا شہنشاہ کے چین میں بھیجے ہوئے سفارتی نمائندوں کے تھے یعنی تی۔ہوا۔کیا لو' دیوکلا نام کی چینی صورت ہے یا شاید دیوکلا (تنگا) نام کا ایک جزو۔ پہلی بات تو شاید تامل کے ایک فقرے کو غلط سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ یہ بات انتہائی حیرت ناک ہے کہ چولا تخت پر قابض ہونے سے قبل کلوتنگا کے سمندر پار کے ایسے کارنامے رہے ہوں لیکن اس کے عہد کے بے شمار کتبات سے ہم کو ان کے متعلق کوئی خصوصی معلومات حاصل نہ ہوں۔ ایک کتبے میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ کام بھوج کے راجہ نے کلوتنگا کو ایک خوبصورت پتھر اور ایک نادر شے کے طور پر دکھایا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس نے یہ پتھر کب دکھایا۔؟ کیا کلوتنگا کام بھوج کی کھمیر ریاست میں بھی گیا تھا؟

اور کڈارم

چین کی تاریخی سرگذشتوں کے (جو "ما۔توآن لن" کے صفحات میں محفوظ ہیں) ایک بیان سے فضلا بہت متعجب ہیں کہ چولا ریاست 1068ء سے 1077ء تک شری وجیا سلطنت کے ماتحت تھی۔ پیکن سے آمدہ ایک سفارتی مشن کا حال قلم بند کرتے ہوئے "ماتوآن۔لن" میں یہ اندراج ہے کہ شہنشاہ نے پہلے تو یہ حکم دے دیا کہ اس سفارتی مشن کا خیر مقدم کیا جائے اور اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جائے جو چولین (چولا شہنشاہ) کے سفیروں سے کیا گیا تھا۔ لیکن رسومات کی مجلس کے صدر نے مندرجہ ذیل رائے پیش کی۔ "چولا ریاست سان۔فو۔سی کے ماتحت ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے "ہی۔ننگ" کے سالوں (1068-77ء) میں اس سلطنت کے راجہ کو صرف مضبوط کاغذ پر خط لکھا اور اسے معمولی کاغذ کے لفافے میں بند کر دینا کافی سمجھا۔ پاؤ۔کن (پگن) کا شہنشاہ اس کے برعکس فان کی بڑی سلطنت کا مالک ہے۔۔۔۔۔"

اس دلچسپ عبارت کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ سان۔فو۔ ی (شری وجیا) کے سفارتی نمائندے نے 1016-77ء کے درمیان کبھی نہ کبھی چین کے شاہی دربار میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ چولا سلطنت ان کے زیر نگیں ہے اور اس لیے وہ چولا حکمران کے سفارتی نمائندوں سے بہتر مرتبے اور مقام کے مستحق ہیں۔ نیز اس بیان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ برتری کی اس ترتیب کا حوالہ 1106ء میں صرف مثال کے طور پر دیا گیا تھا۔ جس سے چولا سفارتی نمائندوں کو پیکن کے ایلچیوں سے کمتر مقام دینے کو حق بجانب قرار دیا جا سکے۔ ان بیانات کی مناسبت اہمیت متعین کرنے کے لیے ہمیں ان مشکلات کو نظر میں رکھنا چاہیئے جو تامل سلطنت کے سفارتی نمائندوں کو چین کے ایسے دور دراز ملک میں اپنا اور اپنی حکمران کا مرتبہ صحیح طور پر سمجھانے میں پیش آتی تھیں۔ ہمیں اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوگا کہ 1068ء سے بہت عرصہ پیشتر راج راجا اوّل اور راجندر اوّل نے چین کو جو سفارتی مشن بھیجے تھے انہیں بھی اسی طرح کی مشکلات پیش آئی تھیں۔ اور انہیں بھی اپنے اصل مقام سے بہت کمتر مقام دیا گیا تھا تامل سفارتی نمائندوں کا پھوہڑپن دور دراز ممالک کی سیاست کی اصل صورت حال سے چینی افسر شاہی کی عدم واقفیت اور شری وجیا کے سفیروں کی چولا سلطنت اور اس کے مقام کے متعلق غلط فہمی پیدا کرنے پر آمادگی' ان سب اسباب نے مل کر وہ صورت حال پیدا کی ہوگی جو "مانو آلین" میں بیان کی گئی ہے۔ البتہ ایسا یقین کر لینے کی کوئی بھی وجہ نہیں ہے۔ کہ 1068ء یا 1106ء میں چولا سلطنت شری وجیا کی باجگزار بن گئی ہو۔ ان دونوں سلطنتوں کے باہمی تعلقات کے بارے میں دوسری تمام شہادتوں سے بھی اس خیال کی تردید ہوتی ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، ویر راجندر نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے 1069ء میں کڈارم (شری وجیا) پر فوج کشی کی اور وہاں کے راجاؤں میں سے ایک کی خاطر جو اس کی پناہ میں آیا تھا، تمام ملک کو فتح کر کے اس راجہ کو تخت پر بٹھا دیا۔ یہ غیر ممکن بھی نہیں معلوم ہوتا اور اس کے نتیجے میں کڈارم کے نئے حکمران نے چولوں اقتدار کی برتری کو کچھ حد تک تسلیم بھی کر لیا ہوگا۔ جو بھی صورت ہو اتنا تو ثابت ہے کہ شری وجیا کے راجہ نے کلوتنگا اوّل کو ایک سفارتی وفد بھیج کر درخواست کی کہ وہ ایک تا مبے کی تختی

ان دیہاتوں کے متعلق جاری کرے جو کہ چولا شہنشاہ نے ان دو وہاروں کو بطور نذرانہ عطا کیے تھے جن کو کڈارم کے راجہ نے شولاکل وتی پٹم میں جو ناگ پٹنم کا دوسرا نام ہے۔ تعمیر کروایا تھا۔ لیڈن کے عطیہ نامۂ صغیر (اس نام سے کلوتنگا کا یہ عطیہ عام طور پر موسوم ہے) میں ان دونوں وہاروں کا ذکر "راجندر شولپ پیر پلی" اور "راج راجپ پیرم پلی" کے ناموں سے ہے۔ موخر الذکر کا دوسرا نام "شری شیلندر چوڑامنی ورما دہار" بھی ہے۔ اور اس نام سے جس دہار کا لیڈن کے عطیہ نامۂ کبیر میں ذکر ہے یہ وہی دہار معلوم ہوتا ہے۔ یہ عطیہ نامہ راج راجا اوّل کے زمانے کا ہے۔ کڈارم کے زمانے سے جو سفارتی مشن بھیجا گیا تھا وہ دو سفیروں (دوتوں) پر مشتمل تھا جن کے نام راج ودیا دھر شری سامنت اور ابھیما نوتنگ سامنت تھے۔ انہوں نے راجہ (ادہیم شیبا) کی خدمت میں عطیہ کا فرمان جاری کرنے کے لیے اس وقت درخواست گزاری جب وہ اپنے "کالنگا رائن" تخت پر تاج پوشی کے بڑے ہال (اتر ومنجنا شالائی) میں اجلاس کر رہا تھا جو آئرتلی عرف آہوامل کل کال پورم نامی قصر شاہی میں واقع ہے اس بات کا ذکر کلوتنگا کے کتبات کی طویل پرشستی میں بھی آیا ہے کہ اس کے صدر دروازے پر ہاتھیوں کی قطاریں استادہ تھیں جو وسیع سمندر میں واقع جزیرے کی سلطنت (کڈارم) کی جانب سے خراج کے طور پر بھیجے گئے جواہرات کی بارش کر رہے تھے۔ دونوں سلطنتوں کے درمیان اس عہد میں مسلسل دوستانہ تعلقات کی موجودگی کا ایک اور ثبوت سماٹرا سے ملا ہے یہ ایک شکستہ تامل کتبے کی صورت میں ہے جس پر شاکا سمت 1010 (مطابق سنہ 1088ء) کی تاریخ درج ہے۔ یہ لوبو تویوا کے مقام سے ملا ہے اور اس میں جنوبی ہند کے ایک مشہور تجارتی ادارے "تشائیا ائیوٹرو ور" کا ذکر ہے۔ اس نام کے صحیح ترین معنی جو چولا کتبات میں آنے والے ایسے ہی الفاظ کی مدد سے سمجھے جا سکے ہیں وہ اس طرح ہیں۔ "چاروں جانب کے ہزار ضلعوں میں سے پانچ سو"۔ اگرچہ اس زمانے میں چولوں کی سیاسی طاقت کی مجمع الجزائر ملایا تک توسیع کی بہت کم شہادت ملتی ہے تاہم تجارتی تعلقات اور باہمی ثقافتی رشتے جو پہلے زمانے میں قائم ہوئے تھے وہ معلوم ہوتا ہے کہ کلوتنگا اور غالباً اس کے جانشینوں کے عہد میں بھی بدستور استوار رہے۔

وینگی کے وائسرائے

شمال میں کلوتنگا نے ریاست وینگی کا انتظام وجے آدیتہ ہفتم کے سپرد کر رکھا تھا اور یہ انتظام اس کی وفات تک اسی کے پاس رہا۔ ان دونوں کے باہمی تعلقات خوشگوار نہیں تھے۔ اور کلوتنگا کے چولا تخت پر بیٹھ جانے کے بعد بھی یہ تعلقات بدستور کشیدہ رہے۔ مشرقی گنگا راجاؤں کے کچھ ایسے کتبات بھی ملے ہیں جن سے' جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں' یہ پتہ چلتا ہے کہ گنگا حکمران راج راجا نے کلوتنگا سے وجیا دتیہ ہفتم کی سفارش کی اور وینگی کے حکمران کی حیثیت سے اس نے اپنی زندگی کے آخری دن امن سے گزارے وینگی میں اپنا پندرہ سالہ دور ختم کر لینے کے بعد وجیا دتیہ کی وفات ہو گئی تو کلوتنگا نے اپنے بیٹے راج راجا مُنڈی چوڑا کو وہاں اپنا وائسرائے مقرر کیا۔ یہ تقرری غالباً 27 جولائی 1075ء کو ہوئی۔ لیکن راج راجا نے اتنی دور جا کر وائسرائے ہونے کے بجائے اپنے والدین کے ساتھ ہی رہنے کو ترجیح دی اور ایک سال کے بعد اپنے عہدے سے استعفا دے دیا۔ اس کے چھوٹے بھائی ویر چوڑا کو وائسرائے منتخب کیا گیا اور وہ شاکا سنہ 1001 (مطابق 1078-79ء) سے' جب اس کی تاج پوشی ہوئی' چھ برس تک وہاں حکومت کرتا رہا۔ 1089ء سے 1089ء تک کلوتنگا کا ایک اور بیٹا راج راجا چوڑ گنگا بھی وائسرائے رہا۔ یہ بات اس حکمران کی ٹیکی سے دستیاب شدہ تختیوں سے معلوم ہوتی ہے جو بظاہر کلوتنگا کے سترہویں سال کی ہیں۔ ویر چوڑا کی پٹھاپورم کی تختیوں میں بھی درج ہے کہ اس کو اس کے والد نے جو "اس کے نوجوان چہرے کے حسن و جمال کو نکھرتا ہوا دیکھنا چاہتا تھا' وینگی سے واپس بلا لیا" اور یہ کہ "اسے پانچ برس کے بعد دوبارہ شمال کی طرف بھیج دیا گیا اگرچہ اس کے باپ کی آنکھیں اس وقت تک ٹھنڈی نہیں ہوئی تھیں"۔ لیکن ان تختیوں میں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ ان پانچ برسوں میں وینگی پر کیا بیتی جو ویر چوڑا نے اپنے والد کے پاس گزارے۔ ویر چوڑا کی چیلور کی تختیوں میں اس مدت کے متعلق جب وائسرائے کا عہدہ خالی رہا یا چوڑ گنگا کے متعلق کوئی حوالہ نہیں ملتا ہلتش کا کہنا ہے کہ چوڑ گنگا کے بارے میں چیلور کی تختیوں کی مکمل خاموشی اور پٹھاپورم کی تختیوں میں بھی اس کے نام کی عدم موجودگی ہمیں اس قیاس پر مجبور کرتی ہے کہ چوڑ گنگا اپنے والد کی نظروں سے گر گیا تھا۔ اور اس کے تعلقات اپنے بھائی سے کشیدہ

ہو چکے تھے۔ یہ حقیقت بھی کہ چوڈگنگا کو بظاہر اپنے والد کا سب سے بڑا بیٹا ہوتے ہوئے بھی ایک عرصے تک وائسرائے مقرر نہیں کیا گیا، تھا اس قیاس کو تقویت دیتی ہے۔ بہر حال ویر چوڈا نے بطور وائسرائے دوبارہ 89-1088ء سے کم از کم 93-1092ء تک کام کیا۔ وینگی کے وائسرائے کی حیثیت سے ویر چوڈا نے ایک پانڈیا حکمران کے خلاف، جس کا نام معلوم نہیں، جو جنگ لڑی اس میں اس کا معاون دیدرا دوم نامی ایک ویلناتی شہزادہ تھا جو گونکا اول کا بھیجا تھا۔ ویر چوڈا نے اسے دو آب کا علاقہ بطور انعام عطا کیا جو "سندھویگ مانتر دیش" کہلاتا تھا اور جسے ہلتش نے دریائے کرشنا اور دریائے گوداوری کے درمیان کا خطہ بتایا ہے۔ اس کے جلد بعد کلوتنگا نے اسی خاندان کے دیگر شہزادوں کو بھی نوازا۔ ویر چوڈا کے بعد وکرم چولا کو وائسرائے بنایا گیا جس نے غالباً اس وقت تک وینگی کا نظم و نسق سنبھالے رکھا جب تک کہ وہ 1118ء میں چولا تخت کا جانشین نہیں چن لیا گیا۔

شمال کی لڑائیاں

وکرم چولا کے حکمران بننے تک ہمیں وینگی اور اس سے شمال کے علاقوں کے واقعات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس کے چولا تخت پر بیٹھنے کے بعد کے کتبات میں وینگی میں اس نے جو فرائض بطور نائب السلطنت انجام دیئے ان کا مختصر سا ذکر ملتا ہے جو ان الفاظ میں ہے۔

"وہ ابھی بچہ ہی تھا کہ اس نے جنگ آزمائی شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تیلنگا دشمن پناہ لینے کے لیے پہاڑوں کی جانب بھاگ گیا اور اس طرح آگ نے پوری کالنگا کی سرزمین کو جلا ڈالا۔ وہ وینگی منڈلم میں خوشی خوشی مقیم رہا اور شمالی خطے کو مطیع کر لیا۔"

خود کلوتنگا کے کتبات میں دو چولا حملوں کا حال، جو کالنگا پر کیے گئے تھے، درج ہے جن میں سے ایک بلاشبہ جیَنگونڈار کی مشہور تصنیف "پرانی" میں بحث کا موضوع ہے۔ کالنگا پر پہلے حملے کا حال کلوتنگا کے چھبیسویں سال کے کتبات میں دیا گیا ہے اور کالنگا پر تسلط حاصل کرنے کا حال جس اختصار سے بیان کیا گیا ہے اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہی وہ لڑائی تھی جس میں وکرم چولا نے بطور ایک کم سن شہزادہ کے امتیاز حاصل کیا تھا۔ کالنگا پر دوسری یعنی بعد میں

کی گئی چڑھائی کا ذکر اس کے بیالیسویں سال اور اس کے بعد کے کتبوں میں آتا ہے۔ یہی وہ حملہ تھا جو "پرانی" کی تصنیف کا باعث ہوا اور ظاہراً اس میں وکرم چولا کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔

کالنگا کی پہلی لڑائی

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کالنگا کی جانب سے وینگی پر جارحانہ حملہ کالنگا کی پہلی لڑائی کا باعث ہوا اور اس کے نتیجے میں کالنگا کے جنوبی حصے کو چولا سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ کولنوپینی موجودا ایلور جو جھیل کولاتر کے نزدیک واقع ہے، کا راجہ بظاہر کالنگا کے حکمران کا حمایتی تھا۔ لہٰذا وکرم چولا کو بیک وقت دو محاذوں پر لڑنا پڑا۔ دور دراز جنوبی خطے سے چولا شہنشاہ کا ایک باجگذار پانڈیا راجہ پرانتکا اس جنگ میں شریک تھا اور اس نے وکرم چولا کی مدد کی۔ پانڈیا راجہ پرانتکا کے کتبات میں وکرم چولا کے کتبات کی مانند یہی بیان ملتا ہے کہ تیلنگا بھیم کا شہر کلم فتح کر لیا گیا اور جنوبی کالنگم پر قبضہ ہو گیا۔ اس خاندان میں بھیم ایک بہت عام نام تھا اور یہ راج راجا اوّل کے زمانے سے لے کر کم از کم بارہویں صدی عیسوی کے وسط تک کولانو اور سارونا سنفا کے متعدد حکمرانوں کا نام رہا۔ کالنگا کے خلاف لڑی گئی اس پہلی جنگ کی کوئی تفصیلات دستیاب نہیں ہوئیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فوج کشی دراصل مقامی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے کی گئی تھی نہ کہ نئے علاقے فتح کرنے کے لیے۔ جنوبی کالنگا غالباً وہ علاقہ تھا جو دریائے گوداوری اور کوہ مہندرا کے درمیان واقع تھا اور یہ وکرم چولا کی چھڑی ہوئی جنگ سے کئی سال قبل ہی وینگی کے صوبے کا ایک حصہ تھا۔ ممکن ہے کہ مطیع راجاؤں نے جن کے علاقے وینگی کے زیر انتظام تھے سازش کی اور جب کمسن شہزادہ وکرم چولا کو وینگی کا وائسرائے مقرر کیا گیا تھا تو ان راجاؤں نے بغاوت کر دی۔ یہ سازش ناکام رہی اور پورے کا پورا صوبہ دوبارہ مطیع کر لیا گیا۔ سمہاچلم سے دستیاب شدہ ایک تامل کتبہ جو کلوتنگا نے شاکا سمت 1021 (مطابق 1099-1098ء) میں کندہ کروایا، نیز دراکشا راما اور دیگر مقامات سے ملے ہوئے متعدد دوسرے کتبات بھی اس علاقے میں چولا تسلط کی بحالی کی تصدیق کرتے ہیں۔

دوسری جنگ

کالنگا پر ۱۰۱۱ء میں جو دوسرا حملہ ہوا اس کا حال قدرے تفصیل کے ساتھ کلوتنگا کے کتبات میں دیا گیا ہے اور "کالنگتو پرانی" میں یہ حال اس سے زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ان کتبات کے مطابق چولا فوج نے وینگی کی حدود پار کرکے اس فیل سوار دستے کو تباہ کر دیا جو دشمن نے اس کی یلغار کو روکنے کے لیے بھیجا تھا۔ چولا فوج نے دشمن کے علاقے کالنگا میں آگ لگا دی اور کالنگا کی فوج کے بہت سے طاقتور سرداروں کو ہلاک کر دیا جن کے سر قلم ہوکر میدان جنگ میں گرے اور چیلیں انہیں نوچتی رہیں۔ بالآخر چولوں نے ساتوں کالنگاؤں کو تسخیر کرلیا۔ "کالنگتو پرانی" کے بیان کا خلاصہ ان مختصر الفاظ میں دیا جا سکتا ہے: "جب شہنشاہ کانچی میں اپنے محل میں دربار کر رہا تھا۔ اس وقت "ترومندرا اولئی" نے اپنے آقا کو کچھ ماتحت راجاؤں کے آنے کی اطلاع دی جو سالانہ خراج دینے کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ اور باہر انتظار کر رہے تھے۔ تب ان کو اندر آنے اور اپنے نذرانوں کو پیش کرنے کی اجازت دی گئی۔ آخر میں راجہ نے دریافت کیا کہ کیا کچھ ایسے ماتحت راجہ بھی ہیں جنھوں نے اس مرتبہ خراج ادا نہ کیا ہو۔ اس پر اسے بتایا گیا کہ شمالی کالنگا کے حکمران نے دو مرتبہ ایسا کیا ہے۔ راجہ نے اس وقت یہ فرمان جاری کیا کہ کالنگا کے خلاف مہم روانہ کی جائے۔ اور کالنگا کے کوہستانی قلعے پر یلغار کرکے وہاں کے راجہ کو گرفتار کرکے جنگی قیدی کی طرح پیش کیا جائے۔ بہادر پلّو سردار کروناکر تونڈئیمان والیئے ونڈئی نے شہنشاہ کے حکم کی تعمیل کرنے کی پیش کش کی جو فوراً قبول کر لی گئی۔ کروناکر کی قیادت میں فوج جلد کانچی کے لیے روانہ ہوگئی۔ اس نے دریائے پالار اور دریائے پون مکھری کو عبور کیا اور پینار جا پہنچی۔ کالنگم پہنچنے تک اس نے جو دیگر دریا پار کئے وہ دریائے مناڑو، کرشنا، گوداوری، پمپا اور گوستی تھے۔ چولا فوج نے کالنگا میں داخل ہوتے ہی ہر طرف تباہی پھیلا دی۔ وہاں کے مصیبت زدہ باشندوں نے بھاگ کر اپنے حکمران کو اطلاع دی اور جو کچھ انہوں نے دیکھا تھا اور جو مصیبت ان پر بیتی تھی کہہ سنائی۔ راجا اننت درمن نے جس نے ابھی تک کبھی شکست نہیں کھائی تھی اسے معمولی معاملہ سمجھا کیونکہ کلوتنگا کی فوج ہی لوآئی تھی، کلوتنگا خود اس کے ساتھ نہیں تھا۔ اس کے وزرا میں سے ایک انیگر آیا نامی نے احتجاج کیا اور وہ کامیابیاں گنوائیں جو چولا فوج اب تک حاصل کر چکی

تھی۔ مگر اننت ورمن خوفزدہ نہیں ہوا اور جنگ کے لیے تیاری کرنے لگا۔ جنگ جب ہوئی تو چولا فوج کو فتح ہوئی اور اننت ورمن فرار ہوگیا۔ فتح مند چولا لشکر اس کی تلاش میں ناکام رہ کر بہت سا مال غنیمت لے کر واپس چلا گیا۔

شمالی کالنگا پر جو اس وقت "سات کالنگا" کہلاتا تھا، پر چولا حملے اور اس میں کروناکر کے ادا کردہ رول کی تصدیق کتبات سے بھی ہوتی ہے اور ایک نظم سے بھی۔ جنگ کی فوری وجہ صرف نظم ہی میں بیان کی گئی ہے۔ یہ وجہ کالنگا کے حکمران کی جانب سے سالانہ خراج کی عدم ادائیگی تھی۔ اننت ورمن چوڈگنگا، ویرراجیندر کا نواسہ اور اس کی بیٹی راج سندری کا بیٹا تھا لیکن خاندانی رشتے اور اقتدار طلبی کی راہ میں شاذ ہی حائل ہوتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعے پر کلوتنگا ہی جارحیت کا مرتکب ہوا تھا۔ یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ اننت ورمن کے طویل اور بظاہر خوشحالی سے بھرپور عہد حکومت میں کالنگا کی ریاست ایک ماتحت ریاست تھی جو چولا دربار کو سالانہ ایک مقررہ خراج ادا کیا کرتی تھی۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ دراکشاراما کے ایک کتبے میں جو وشنو وردھن اکوتنگا کے عہد کے شاکا سنہ 1003 کا ہے، تری کالنگا دھی پتی راج راجا دیو کے ایک پردھانی کی جانب سے دیتے ہوئے ایک عطیے کا ذکر آیا ہے۔ اگر یہ حوالہ اننت ورمن کے والد کے متعلق ہے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ کالنگا کم از کم کچھ مدت کے لیے ضرور ایک ماتحت ریاست تھی لیکن جنگ کی اصلی وجہ واضح نہیں ہے اور ہوسکتا ہے کہ کانچی پورم میں چولوں کے تاریخی محل میں کلوتنگا کا منعقد کیا ہوا دربار اور اننت ورمن کی جانب سے خراج کی عدم ادائیگی کی اطلاع جو اس کے وزیر نے اسے دی، تاریخی حقائق نہ ہوں بلکہ نظم میں جس عظیم فوجی کا بیان ہے اس کا محض ایک ادبی پس منظر ہوں۔ کروناکر کی اس مہم کے کوئی مستقل نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ شمالی کالنگا پر چولوں کے قبضے کی کوئی شہادت نہیں ملتی۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ سنہ 1108ء کے ایک کتبے کے مطابق بھیم نامی ایک کوٹا سردار نے کالنگا کو مطیع کرنے میں چولا شہنشاہ کی امداد کی تھی ہوسکتا ہے کہ یہ حوالہ اس کے اس کردار کے متعلق ہو جو اس نے پہلی جنگ میں ادا کیا یا شاید دوسری جنگ میں۔

حدودِ سلطنت

کلوتنگا کی حکومت کے پینتالیسویں سال میں بھی ہنوز اس کی سلطنت کی حدود کی وسعت برقرار تھی۔ لنکا کے ہاتھ سے نکل جانے کے علاوہ اس کے عہدِ حکومت کے شروع میں جو بغاوتیں ہوئیں۔ ان سے اس کے مقبوضہ علاقے میں کوئی خاص کمی نہیں ہوئی۔ مغربی چالوکیہ ریاست اور چولا سلطنت کی درمیانی سرحد وہی تھی جو ہمیشہ سے چلی آئی تھی۔ یہ سرحد دریائے تنگ بھدرا کے نواح میں ہمیشہ سے چلی آئی تھی جس کا کسی مخصوص وقت میں صحیح وقوع ہم عصر کتبات سے معلوم کیا جاسکتا تھا۔ ضلع کڈپہ کے مقام نندلور میں جو اس وقت کلوتنگا شولا چتر ویدی منگلم کہلاتا تھا، ترپروانتکم (کرنول) میں اور میسور کی ریاست میں کلوتنگا کے پینتالیسویں سال حکومت تک اس کے کتبات کی موجودگی یہ ظاہر کرتی ہے کہ ان علاقوں پر کلوتنگا کا تسلط اچھی طرح قائم تھا۔ وینگی پر بھی اس کا قبضہ مستحکم تھا اور اسی کے باعث اس کے شمالی پڑوسی کا لنگا کے علاقے پر اس کا حملہ کامیاب رہا تھا۔

غیر ملکی مراسم

کلوتنگا کے دورِ حکومت میں ہندوستان کے اندر اور غیر ممالک میں دوسری ریاستوں کے ساتھ چولا سلطنت کے وسیع تعلقات تھے۔ شری وجیا کی سلطنت کے ساتھ اس کے تعلقات کا ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں۔ گنگائی کونڈا چولا پورم کے مندر کی دیواروں پر کندہ ایک ادھوری "گاہ وال" پرشستی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عہد میں چولوں کے سفارتی تعلقات شمالی ہند کی ریاستوں سے بھی قائم تھے۔ اس کتبے کے آغاز میں کلوتنگا کے عہدِ حکومت کے اکتالیسویں سال کا حوالہ ہے اور بعد میں اس میں "گاہ وال" پرشستی کا کافی حصہ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ کتبہ اس وقت کے اصل حکمران کا، جس نے یہ اندراج کروایا تھا، نام بتائے بغیر ختم ہوتا ہے۔ اس کتبے میں یہ تفصیل بھی نہیں ہے کہ اس موقع پر کیا عطیہ دیا گیا تھا۔ دور دراز علاقے میں واقع چولا دارالسلطنت میں پائی گئی یہ پرشستی شاید کچھ خاندانی رشتوں کی شاہد ہے جو ان دونوں خاندانوں کے مابین موجود تھے لیکن جن کا کسی اور طرح سے علم نہیں تھا۔ چولا سلطنت میں کلوتنگا کے عہدِ حکومت میں سورج کی پرستش کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ وہ بھی

شاید "گاہدوالوں" کے ساتھ اس سلطنت کے گہرے تعلقات کی بنا پر تھی جو
سورج کے زبردست پجاری تھے۔ اس بات پر بھی ایک نگاہ ڈال لینا چاہیے کہ سنہ 1129ء
میں گووند چندر کی تانبے کی تختی پر کندہ ایک فرمان عطیہ میں چوڑا ریاست کے ایک
شخص واگیشور رکشت کا ذکر کیا گیا ہے جو اڑیسہ کے شاکیہ رکشت کا چیلا تھا۔ ہم چدامبر
کے ایک کتبے میں جو 3 مارچ سنہ 1119ء کا ہے یہ پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ راجندر کو
کامبھوج کے حکمران سے ایک خاص قسم کا پتھر بطور تحفہ ملا تھا اور اس
نے یہ پتھر چدامبرم کے ایک مندر کے مقابل ایک ہال کی دیوار میں جڑوا دیا تھا۔ سوال یہ ہے
کہ کیا یہ پتھر سمندر پار کی طاقتور کمیر سلطنت، جو چین کی جانب جانے والے سمندری راستے
پر واقع تھی، کے ساتھ کلوتنگا کے قائم کردہ دوستانہ تعلقات کی مقدس یادگار تھا۔
برمی تذکروں میں ذکر آیا ہے کہ پیگن حکمران کیان زتھا (سنہ 1084ء - سنہ 1112ء) کی ملاقات
ایک چولا شہزادے کے ساتھ ہوئی جسے اس نے بدھ دھرم اختیار کروا دیا اور جس کی
بیٹی کے ساتھ اس نے شادی کر لی۔ اس چولا شہزادے کی شناخت یا اس برمی
داستان کے لیے تامل کتبات اور لٹریچر سے کوئی مدد نہیں ملتی۔

گنگا واڑی کا ہاتھ سے نکل جانا

اس کے عہد حکومت کے اختتام کے قریب گنگا واڑی کا صوبہ بھی ان
ہوئسالوں کی ابھرتی ہوئی طاقت نے کلوتنگا سے چھین لیا۔ ہر چند کہ ہوئسالوں کا ذکر سنہ 1006ء
یعنی راج راجا اوّل کے عہد سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ ہوئسالہ خاندان کی اصل تاریخ کا
آغاز نرپا کاما (سنہ 1022ء - سنہ 1040ء) سے ہوتا ہے جو ونے آدتیہ کا والد اور ایچپا یا ایچگا
کا سرپرست تھا۔ ایچگا ہوئسالہ جرنیل گنگ راجہ کا باپ تھا جس نے سنہ 1116ء میں
چولوں سے تلکاڈ کو فتح کر لیا تھا۔ ہوئسالہ کے راجہ بہت برسوں تک مغربی چالوکیوں
کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرتے رہے جو چولوں کے حریف تھے اور ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ
ونے آدتیہ کے بیٹے ایرِی ینگا نے کلوتنگا کے چولا تخت پر بیٹھنے کے بعد اس کے
خلاف لڑی گئی لڑائیوں میں وکرمادتیہ ششم کی مدد کی تھی۔ ہوئسالہ خاندان کی حکومت
کے آغاز میں اس کی اصل حدود سلطنت متعین کرنا آسان نہیں ہے۔ بلّالا اوّل کے
ایک کتبے میں ہوئسالوں کی عمل داری کی جو حدود بیان کی گئی ہیں نیز اس عہد کے

ہونسالہ اور چولا کتبات کی شہادت کے مطابق ہونسالہ حکومت حسن اور کاڈور کے اضلاع اور ناگ منگلا تعلقہ کے کچھ حصوں تک محدود تھی۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ ونے آدتیا نے ۱۰۴۷ء سے ۱۱۰۰ء تک کے طویل عرصۂ حکومت میں اپنے ہمعصر چالوکیہ حکمران کا باجگزار بنا رہا جیسا کہ وکرما دتیہ اور کلوتنگا کی باہمی جنگوں میں ہونسالوں کے کردار سے بھی ظاہر ہے۔

بِٹّگا وشنو وردھن (۱۱۰۰ء ۔ ۱۱۵۲ء) کے زمانے میں ہونسالوں نے واقعی ایک ممتاز مقام حاصل کر لیا تھا۔ سب سے پہلے ۱۱۱۶ء کے ایک کتبے میں "تلکاڈ و اور کولال" کا لقب وشنو وردھن کے نام کے ساتھ شامل کیا گیا اور اسی سال میں اسے تلکاڈو اور کولال کے علاوہ کونگو تک پھیلی ہوئی پوری گنگا واڈی پر حکومت کرتا ہوا بتایا گیا ہے۔ بیلور کی تانبے کی تختیوں پر کندہ فرمان عطیہ (۱۱۱۷ء) میں درج ہے کہ "اس نے سب سے پہلے ہونسالہ حکومت کی دولت کو حاصل کیا۔ تلکاڈ تک پیشقدمی کرنے والا وہ پہلا شخص تھا جس نے یدو نسل کو عروج پر پہنچا کر گنگا خاندان کے علاقہ کا حکمران بنا دیا اور گنگا حکمرانوں کے دارالخلافہ کو آگ لگا دی۔" اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وشنو وردھن کو بیلور کے گرد و نواح کا کچھ محدود سا علاقہ ورثہ میں ملا اور اس نے اپنی حکومت کے پہلے پانچ چھ برسوں میں گنگا واڈی کو فتح کر کے اپنے زیر نگیں علاقہ میں توسیع کر لی۔

ان دنوں گنگا واڈی کا صوبہ چولوں کے ماتحت تھا اور اس کا نظم و نسق چولا سلطنت کے ایک صوبے کی حیثیت سے چلایا جا رہا تھا۔ اسے ہونسالہ حکمران کے پہلے اس کے ڈنڈ نایک گنگ راجا نے تسخیر کر لیا تھا۔ اس خطے میں ریاست کونگو میں واقع تگڈور (دھرم پوری) کے "آدیگیمان" نامی قدیم خاندان کے حکمران، چولا سلطنت کے نمائندوں کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ ہونسالہ کتبات میں گنگ راجا کے ذریعے چولا صوبے کو تسخیر کرنے کا حال اس بیان کے ساتھ شروع کیا گیا ہے کہ گھاٹوں کے اوپر صوبہ گنگا واڈی کی سرحد پر واقع تلکاڈ کے پڑاؤ میں چولا سامنت ادیاما نے وہ ناڈ جو چولاؤں قدم جمائے ہوئے تھا جیسے دروازے پر کنڈی ہوتی ہے۔ ادیاما نے وہ ناڈ جو چولا شہنشاہ نے اسے دیا تھا، گنگ راجا کے حوالے

کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے گنگ راجا سے کہہ دیا کہ وہ لڑ کر ہی اسے حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد جو جنگ ہوئی اور جس میں گنگا واڑی کے صوبے کی تقدیر کا عملی طور پر فیصلہ ہو گیا، وہ تلکاڈ سے زیادہ دور نہیں لڑی گئی ہوگی۔ چولوں کی طرف سے ادی یاما کے علاوہ دوا ور راجہ داموودرا ور رنرسمہا ورما نیز کچھ دیگر گمنام سامنت لڑے تھے۔ گنگ راجا کو نگلوں (تاملوں) کے خلاف مکمل فتح حاصل ہوئی اور اس نے اس کے بعد تاملوں کا تعاقب کر کے انہیں گنگا واڑی کی حدود سے باہر نکال دیا۔ "نگلوں کے اخراج کے بعد اس نے گنگا واڑی کا صوبہ دیر گنگا (وشنو وردھن) کو واپس کر دیا۔ کیا گنگ راجہ گنگا خاندان کے سابق راجہ کے مقابلے میں سوگنا خوش قسمت نہیں تھا — ؟"

وشنو وردھن کے دوسرے کتبات اس کی کامیابیوں کا مبالغہ آمیز اور بلاشبہ کچھ حد تک من گھڑت حال بیان کرتے ہیں۔ اور ان شہادتوں میں جھوٹ کو سچ سے الگ کرنا آسان نہیں ہے۔ اگر ہم اپنی توجہ محض ان فتوحات تک محدود رکھیں جو اس نے چولوں پر حاصل کیں تو یہ بات اغلب ہے کہ تلکاڈ (راج راجاپورہ)، میلگری، ننگلی، کولار، تیرے یوڑ اور کویاتور کے علاوہ گنگ راجا کی فوجی مہمات کے نتیجے میں اس کے زیر نگیں ہو گئے تھے اور یہی بات پورے کونگو کے متعلق تو نہیں مگر اس کے کچھ حصے کے متعلق کہی جا سکتی ہے۔ لیکن اس طرح کا دعوے کہ کانچی بھی اس کا اطاعت گزار بن گیا تھا اور اس نے جنوبی مدھرا پور کو نچوڑ ڈالا جیسے کہ یہ اس کے ہاتھ میں رہا ہو، اتنا ہی ناقابل یقین ہے جتنا کہ چکر لوٹ اور لاٹ کے خلاف اس کی لڑائیاں۔ دوسری طرف اس عہد میں چولا ریاست کے مرکزی حصے پر ہوئسالا افواج کے ایک حملے کی بھی شہادت ملتی ہے جس سے وشنو وردھن کے اس دعوے کو تقویت ملتی ہے کہ اس نے رامیشورم تک پیش قدمی کی تھی۔ پراکرم پانڈیا کے ایک کتبے میں بتایا گیا ہے کہ اس کی تحریر سے کئی برس قبل آڈ تورئی میں واقع مندر کے کچھ "پلیتوں" نے وہاں کی چند عورتوں کو بچایا تھا جو ہلے بڑ کو اٹھا کر لے جائی جا رہی تھیں۔ لہٰذا انہیں کچھ خصوصی مراعات کی صورت میں انعام دیا گیا تھا۔ پراکرم پانڈیا نے ان مراعات

کی تجدید کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آڈ توری سے مورتیوں کو "بلے پٹر" کی جانب اٹھائے جانے کی ناکام کوشش وشنو وردھن کے عہد حکومت میں کی گئی تھی اور اگر یہ خیال صحیح ہے تو وشنو وردھن کے کتبات میں اس کی فتوحات کے بارے میں جو مبالغہ آمیز بیانات ہیں ان کی کوئی نہ کوئی بنیاد ضرور ہوگی۔ بہر حال کچھ بھی ہو کلوتنگا کے عہد کے پنتالیسویں سال (یعنی سنہ ۱۱۱۵ء) کے بعد ریاست میسور سے اس کے کتبات کی عدم موجودگی اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ گنگا واڑی کا صوبہ جنگ کے نتیجے میں چولوں سے نکل کر ہوئسالوں کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔ لیکن یہاں بھی کولار کے خطے میں اور کچھ دیگر مقامات پر وکرم چولا کے کتبات کا پھر سے نمودار ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ چولا حکمران یا تو اس صوبے پر برابر قابض رہے تھے یا اس کی بازیابی میں کامیاب ہو گئے تھے۔

وینگی میں مشکلات

اپنے عہد حکومت کے آخری حصے میں کلوتنگا ایک اور سمت میں بھی اپنا بہت سا علاقہ کھو بیٹھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پوری وینگی کی ریاست اگر نہیں تو اس کا شمالی نصف حصہ ضرور اس کے ہاتھوں سے نکل کر مغربی چالوکیہ حکمران وکرما دتیہ ششم کی سلطنت میں شامل ہو گیا تھا۔ موخر الذکر کے عہد حکومت کے کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کلوتنگا کے خلاف پہلی جنگ میں شکست کھا جانے کا انتقام لینے پر تلا ہوا تھا۔ اس کے کتبات سے ظاہر ہے کہ اس نے کلوتنگا کے ساتھ اپنی عداوت میں کوئی کمی نہ آنے دی تھی سنہ ۱۰۸۴ء میں وکرما دتیہ یہ شکایت کرتا ہے کہ اس کا "حریف چولا حکمران میدان جنگ میں نہیں آتا"۔ درحقیقت وکرما دتیہ کا منصوبہ یہ تھا کہ جنوب میں کلوتنگا کی مصروفیات کا فائدہ اٹھا کر شمال کی جانب وینگی اور اس کی اطاعت گزار ریاستوں پر حملہ کر دے۔ وینگی کے وائسرائے کی تاریخ سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ غالباً سنہ ۹۲-۱۰۹۳ء میں اس عہدے پر وکرم چولا کی تعیناتی تک مغربی چالوکیہ حکمران کی ان کوششوں کا بظاہر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ اس کے جلد ہی بعد کلم اور جنوبی کالنگا کے خلاف لڑائیاں لڑی گئیں۔ دراصل یہ بغاوتیں جزوی طور پر وکرما دتیہ کی سازشوں کا نتیجہ تھیں۔ مشرقی گنگا حکمران اننت ورمن چوڈگنگا کے سر اٹھانے کی بھی یہی وجہ رہی ہوگی جس سے کالنگا کی جنگ نیز

شمالی کالنگا پر چڑھائی ضروری سمجھی گئی۔ کلوتنگا کے خلاف شمال میں جو بے اطمینانی پھیل رہی تھی[10] اس کا اظہار اس وقت ہوا جب سنہ 1118ء میں معمر کلوتنگا نے وکرم چولا کو جنوب میں اس مقصد سے طلب کیا کہ اسے چولا تخت کا وارث بنایا جائے۔ شاکا سنہ 1124 (سنہ 1202 عیسوی) کے راجہ ملپا دیو کے کتبہ میں جو پٹھاپورم سے دستیاب ہوا ہے یہ صاف طور سے بیان کیا گیا ہے کہ جب حیرت انگیز "ابھو رودیرشس" کلوتنگا پانچ دراوڑ ریاستوں اور آندھرا کی ریاست پر پچاس برس تک حکومت کر چکا اور وکرم چولا چولا سلطنت پر حکومت کرنے کے لیے گیا تو وینگی کی سرزمین فوراً بدنظمی کا شکار ہوگئی۔ (وینگی بھوم نائک رہت جاتا)۔ اس بیان سے ریاست آندھرا کے ان ہمعصر کتبات پر کافی روشنی پڑتی ہے جو کلوتنگا کی حکومت کے اختتام اور وکرم چولا کے خودمختار چولا حکمران کی حیثیت سے حکومت کرنے کی مدت سے تعلق رکھتے ہیں۔

دراکشارام میں کلوتنگا کے کتبات اس کی حکومت کے انچاسویں سال تک مسلسل پائے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس وکرم چولا کے کتبات اس کے نویں سال یعنی سنہ 1127ء عیسوی سے قبل شمالی سرکار کے علاقے میں دستیاب نہیں ہوتے اور جو کتبات ملتے ہیں وہ بھی بہت محدود تعداد میں ہیں اور ریاست وینگی کے جنوبی حصے یعنی موجودہ ضلع گنٹور تک ہی محدود ہیں۔ وکرما دتیہ کے کتبات دراکشارام میں خاصی بڑی تعداد میں موجود ہیں اور ان پر جو تاریخیں درج ہیں وہ چالوکیہ وکرم کے دور حکومت کی ہیں۔ جو اس کے اپنے عہد کے آغاز کے ساتھ ہی ساتھ شروع ہوا تھا۔ ان کتبات کی زیادہ تر تعداد اس کی حکومت کے پینتالیسویں سال سے لے کر اڑتالیسویں سال تک کی ہے لیکن دراکشارام اور تیلگو خطے کے دیگر مقامات پر بھی اس سے قبل اور بعد کے کتبات نایاب نہیں ہے۔ ان میں سے بہت سے کتبات وکرما دتیہ کے تیلگو باجگزاروں کے کندہ کروائے ہوئے ہیں جنھوں نے اپنی ماتحت حیثیت یا تو کھلے طور پر یا اشارتاً اپنے حکمران اعلیٰ کا ذکر اس کے نام سے کر کے تسلیم کیا ہے یا محض اپنے کتبات کی تاریخ چالوکیہ وکرم دور حکومت کے سیمین کے مطابق لکھوا کر لیکن یہ بات یاد رکھنی ہوگی کہ بعض حالتوں میں ان سیمین کا استعمال محض عادتاً بھی کیا جاتا تھا چاہے اس کے جاری رکھنے کے لئے کوئی وجہ باقی نہ رہی ہو۔ وکرما دتیہ کے کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ

اس کی حکومت اس زمانے میں تمام تیلگو خطے پر تھی۔ 1115 عیسوی میں ہم اس کے جرنیل اننت پالئیا کو ضلع گنٹور پر مشتمل ریاست پر حکومت کرتا ہوا پاتے ہیں۔ شاکا سمت 1039 (مطابق دسمبر 1117ء) میں انو مکونڈا کے کاکتیا سردار پرولا نے مغربی چالوکیہ حکمران کی بالادستی تسلیم کر لی اور کتبات میں یہ اندراج کروایا کہ انو کونڈا کی جاگیر اس کے والد بیٹا کو کچھ عرصہ پہلے اسی تاجدار نے عطا کی تھی تقریباً ایک سال بعد دسمبر 1118ء میں وکرما دتیہ کا ڈنڈ نایک اننت پالئیا ، وینگی 14000 پر حکمرانی کر رہا تھا جیسا کہ ضلع گنٹور میں واقع کو سورو کے ایک کتبے سے ظاہر ہوتا ہے اسی سال 1118ء کے کندہ شدہ جیبر ولو کے ایک کتبے میں بیز وادا کی لڑائی میں بہادری دکھانے کے لیے ایک کونڈ پڑومٹی جرنیل سور کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ یہ لڑائی غالباً وینگی میں چالوکیہ فتوحات کے سلسلے میں ہوئی تھی تقریباً 1120ء میں اننت پال کی بیوی نے دراکشارا میں بھیمیشور کے مشہور مندر کو ایک عطیہ دیا تھا۔ اسی سال میں ویلنانتی راجندر نے اور اس کے ایک سال بعد ایک تیلگو چوڑا سردار کی بیوی مائی لمانے بھی دراکشارا میں عطیات دیئے جن کا اندراج ان کتبات میں ملتا ہے جو چالوکیہ عہد ورمن کے سنین کے اعتبار سے لکھے گئے ہیں۔ ایک اور مغربی چالوکیہ فوجی کمانڈر جو اننت پال کا بھتیجا تھا 1127ء میں ضلع کرشنا میں واقع کونڈپلی پر حکومت کر رہا تھا۔ دراکشارا کے کتبات پر بھی چالوکیہ ورمن عہد کے ستاونویں سال 1133-32ء کی تاریخیں درج ملتی ہیں۔ اس عہد کے اختتام کے آس پاس شاکا سمت 1053 (مطابق 1131ء) میں جبی راجا نامی ایک شخص جو ملا کا بیٹا تھا ، بظاہر ایک خود مختار راجہ کی حیثیت سے شٹ شسرا کے خطے پر حکومت کر رہا ~~تھا جو دریا~~ ئے کرشنا کے جنوب میں واقع ہے اور خود کو کولی پاک کا حکمران کہتا تھا۔ وینگی میں چالوکیہ چولا اقتدار کا زوال بلاشبہ مغربی چالوکیہ حکمران وکرما دتیہ کے ہاتھوں 1118ء ہی سے شروع ہو چکا تھا اس لیے کھوتے ہوتے علاقے کا کوئی بھی حصہ چولا حکمران اس وقت تک واپس نہیں لے سکے جب تک کہ 1126ء میں وکرما دتیہ کی وفات نہیں ہوئی۔ اس طرح کلوتنگا کے عہد حکومت کے خاتمے پر چولا سلطنت کا رقبہ سکڑ کر اس سے بہت کم ہو چکا تھا جتنا اس کی جانشینی کے وقت تھا۔ اس

عہد کے آغاز میں لنکا چولوں کے ہاتھ سے چھن گیا تھا' اب اس میں مزید نقصانات
کا اضافہ ہو چکا تھا یعنی گنگا واڈی اور وینگی بھی ہاتھ سے نکل گئے تھے اور اب چولا
سلطنت کچھ عرصے کے لیے کم و بیش محض ایک خالص تامل طاقت ہی رہ گئی تھی۔ وکرمادتیہ
اور کلوتنگا کی مسلسل طاقت آزمائی کے نتیجہ میں اول الذکر کو اتنا تو فائدہ ہوا' گو بہت دیر
میں ہوا کہ وینگی اور چولا سلطنت کا الحاق ختم کر دینے کا اس کا منصوبہ بالآخر کامیاب
ہو گیا اور کلوتنگا کو بمجبوراً اس صورت حال پر صبر کرنا پڑا جسے روکنے کے لیے اس
نے اتنی طویل مدت تک کوشش کی لیکن بالآخر ٹال نہ سکا۔ کلوتنگا کے سب سے
آخری کتبہ میں جو ہمارے علم میں ہے' اس کے باونویں سال حکومت کا ذکر کیا گیا ہے
اس سے ظاہر ہے کہ وہ سنہ 1122ء تک زندہ رہا۔

القاب کلوتنگا کے متعدد دور نام اور القاب تھے۔ اس کے عہد کے پانچویں
برس سے پہلے کے کتبات میں اس کا ذکر راجندر کے نام سے کیا گیا ہے
اور یہی نام بعد کے کچھ کتبات میں پایا جاتا ہے۔ چولوں کی جانشینی کی ترتیب کے اعتبار
سے دراصل وہ راج کیسری تھا لیکن اس کے کتبات میں غلطی سے کئی جگہ پر اکیسری کا
لقب استعمال ہوا ہے۔ اپنی حکومت کے پانچویں برس میں ہی وہ تربھون چکرورتی
کہلانے لگتا ہے گو یہ لقب اس کے نام کے ساتھ کتبات میں باقاعدگی سے بار بار
دوہرایا نہیں گیا جیسے کہ اس کے جانشینوں کے کتبات میں دوہرایا گیا ہے۔ تیلگو
خطے میں پائے جانے والے اس کے کتبات میں مشرقی چالوکیہ القاب "سرولوک
آشریا" اور "وشنو وردھن" کے علاوہ "پرانتکا" "پیرمانڈ لنگلو" "وکرم چولا" "کل
شیکھر پانڈیا کلانتکا" جیسے القاب بھی پائے جاتے ہیں۔ "کالنگتو پرانی" میں اسے
"دڑ درراج بھینکرا" "اکلنک" "ابھئے" اور "جے دھرا" کے نام سے پکارا گیا ہے
اس کا نام "ابھئے" اس کے بھیندرم سے دستیاب میں مذکور رہے۔ معلوم
آیا ہے اور یہ کتبہ اس کے بیالیسویں سال حکومت کا ہے۔ "جے دھرا" کا لقب
اس کے ترڈ دور لیور' پلیاڈم اور چدمبرم سے ملنے والے کتبات میں مذکور ہے
معلوم ہوتا ہے کہ "ترڈیرچ چولا" اس شہنشاہ کا ایک اور لقب تھا کیونکہ
اس کی حکومت کے انتالیسویں سال کے ایک کتبے میں ترشولم کے نئے مندر

کو عطیے میں دیئے جانے والے جس " دیودان" گاؤں کا ذکر کیا گیا ہے اس کا
نام "ترودیرچ چولانلوتر" بتایا گیا ہے۔ "دشنگ تدورتا شول تنور" ایک اور
لقب ہے جو اس راجہ کے اٹھائیسویں سال حکومت کے ایک کتبے میں درج ہے
اور اس سے چار سال بعد کے ایک کتبے میں اس کو "دشنگن دورتو ارڈ نیکی
اُنگانڈ" کا لقب دیا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں " وہ (راجہ) جس نے ٹیکس اور محصول
ختم کر دیئے اور تاریکی دور کرنے کے بعد دنیا پر حکومت کی" اگرچہ راجہ کی جانب سے
ٹیکسوں کے معاف کر دینے کے متعلق بہت سے حوالے دیئے گئے ہیں لیکن ان میں
سے کوئی بھی ایسا نہیں جس سے اصلاح کی صحیح نوعیت اور اس کا مقصد معلوم ہو سکے
"شنگم" کی اصطلاح کی وضاحت پر تیپلل گر نے کی ہے اور اس کے معنی وہ ٹیکس
(اڑ ئی) بتاتے ہیں جو جہازوں یا چھکڑوں پر لے جائی جانے والی اشیاء پر لگایا
جاتا ہے۔ اس تشریح کے دائرے میں نہ صرف وہ محصول آ جاتے ہیں جنھیں آجکل
ہم چنگی کہتے ہیں بلکہ اس میں محصولات درآمد و برآمد بھی شامل ہو جاتے ہیں۔
گو پریمپل گر کی یقین کے ساتھ کوئی تاریخ متعین نہیں کی جا سکتی لیکن اس کی
"شنگم" کی تشریح کو کلوتنگا کے زمانے سے متعلق سمجھا جا سکتا ہے، بلکہ یہ بھی
کہا جا سکتا ہے کہ جب شارح نے "تنرک کرل" پر شرح لکھی تو اس کے ذہن
میں کلوتنگا کی مالیاتی اصلاح تھی۔ بہرحال اصلیت کچھ بھی ہو ہمارے پاس یہ
فیصلہ کرنے کے کوئی ذرائع موجود نہیں ہیں کہ کلوتنگا نے محض اپنی سلطنت کے
ایک ہی حصے میں تجارتی محصول ختم کر دیا تھا یا پورے ملک میں، اور کیا یہ معافی
مستقل طور پر دی گئی تھی یا محض عارضی اور ایک معینہ مدت کے لیے تھی جو کسی خاص
تقریب کے موقع پر دی گئی تھی جسے وہ اپنی رعایا کو عطیہ کے طور پر دے کر منانا
چاہتا تھا۔ بہرحال وہ ہر صورت سے "دشنگن دورتو" کے لقب کا حقدار تھا۔
لیکن یہ بات ناقابل قیاس ہے کہ وہ پورے ملک کو ایک پرانے مروجہ ذریعہ
آمدنی سے دائمی طور پر محروم کر دینا چاہتا تھا جس سے ملک کو بے حد فایدہ تھا
البتہ ۱۱۹۹ء کے ایک کتبہ میں چولا نالاڈو ایسا ملک بتایا گیا ہے جس میں کوئی "شنگم"
وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ غالباً یہ معافی دائمی تھی لیکن یہ محض اصل چولا ریاست

تک محدود تھی۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو چولوں کا سامراج اقتصادی استحصال کا پہلو بھی رکھتا تھا اور صرف ارتھ شاستر کے "دِجی گیشو" کا فوجی سامراج ہی نہیں تھا۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ان لاتعداد چھوٹے موٹے کتبات سے جن میں ٹیکسوں اور ان کی معافی کے متعلق بہت سی تفصیلات دی گئی ہیں، اس زمانے کے ٹیکسوں یا ٹیکس لگانے کے اصولوں میں ترمیم کے متعلق کوئی صحیح تصویر ہمارے سامنے نہیں آتی۔ کلوتنگا کے جانشینوں کے کتبات میں یہ ذکر آتا ہے کہ کلوتنگا کی حکومت کے سولہویں اور چالیسویں سال میں اراضی کا عام بندوبست کیا گیا تھا۔ اور خود کلوتنگا کے اڑتالیسویں سال کے ایک کتبے سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ اس کتبے میں بندوبست کے ایک افسر کا نام بھی دیا ہوا ہے۔

دار السلطنت

کلوتنگا کا دارالسلطنت گنگاپورکی یا گنگائی کونڈ چولا پورم تھا۔ اس سے دوسرے نمبر پر اہم شہر کانچی پورم تھا جہاں "ابھشیک منڈپ" والا ایک قصر تھا جہاں سے راجا اہم سرکاری فرامین جاری کرتا تھا۔ کچھ دوسرے مقامات جن میں شاہی ایوانوں کی موجودگی کا خصوصی ذکر اس عہد کے کتبات میں ملتا ہے یہ ہیں: آئرا تی۔ ترُدُلُوواڈی۔ مُدی کونڈ شولا پورم اور وکرم شولا پورم۔

خاندان

تانبے کی تختیوں پر منقوش فرامین عطیات میں بتایا گیا ہے کہ کلوتنگا نے سورج ونشی نسل کے راجہ راجندر دیو کی بیٹی مدھرانتکی سے شادی کر لی تھی۔ یہ راجندر دوم بلاشبہ راجندر راجندر دوم تھا۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اس ازدواجی رشتے سے پیدا ہونے والے بیٹے سنہ 1077ء سے لے کر یکے بعد دیگرے وینگی کے وائسرائے ہوتے رہے، یہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ یہ رشتہ کلوتنگا کے چولا تخت پر بیٹھنے سے کچھ برس پہلے ہی ہوا تھا۔ مدھرانتکی کے سات بیٹے ہوئے جن میں سے کلوتنگا کا جانشین وکرم چولا تھا شاید چوتھا تھا۔ تجری میں کتبات کی کسی بھی "دِپرشستی" میں اس مہارانی کا ذکر اس کا نام لے کر نہیں کیا گیا ہے۔ تاہم یہ ممکن ہے کہ سب سے بڑی مہارانی ہونے کی وجہ سے اس کو کتبات میں "دِپلون ملو دو ڈنیال" یا "اُونی ملو دِ وڈنیال" یعنی "کل دنیا کی ملکہ" کہا گیا ہے۔ اگر یہ رائے صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ "دین چنتامنی" بھی اسی مہارانی

کا لقب تھا. معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلوتنگا کے تیسویں سال سے کچھ عرصہ پہلے فوت ہو گئی. اس کے بعد سب سے بڑی مہارانی کی حیثیت سے اس مقام تیاگ دلی نے لیا جو "پُوَن ملو دوڈیئال" کے لقب سے مشہور ہوئی. یہ بات قابل توجہ ہے کہ "کالنگتوپرانی" میں صرف اسی کا اور ایلی شئی ولبھی کا ذکر کیا گیا ہے. اور یہ واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ مہارانی تیاگا ولی کو شہنشاہ کے برابر اختیارات حاصل تھے. ایلی شئی ولبھی کو "ایلل گوڈیئال" بھی کہا گیا ہے جس کا مطلب ہے "ساتوں جہازوں کی ملکہ" کتبات اور "کالنگتوپرانی" دونوں میں اسی لقب سے اس کا ذکر آیا ہے. کلوتنگا کے چھبیسویں سال کے ایک کتبے میں یہی لقب تِربھی راٹیار شیرامن ارد مولی نگئی کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے. اگر یہ حوالہ بھی اسی مہارانی کے متعلق ہے جیسا کہ قرین قیاس ہے تو اس کا ذاتی نام یقیناً ارُد مولی نگئی ہو گا. کتبات میں جن دیگر رانیوں کا ذکر آیا ہے وہ ہیں ترتے لوکیہ مہا دیوی جس نے 1072ء میں اپنی والدہ اُمائی نگئی کی روحانی فلاح کے لیے آرپاکم کے مندر کو ایک چراغ کا عطیہ دیا. شولن شورو ڈیئال عرف کاڈون مہا دیوی، جو بظاہر پلو نسل کی ایک شہزادی تھی. ترِبھون ما دیوی عرف کپما دیوی جو سوائی نکھشتر میں پیدا ہوئی اور جو ایک دوسری رانی آدتن آنڈکٹیار کی طرح وشنو کی پرستار تھی. آدتن آنڈگٹیار عرف شولا کل ولیار کا ذکر بھی اسی کے ہمراہ کانچی پورم کے 1111ء کے کتبے میں آیا ہے. کلوتنگا کی کند دئی اور مدھرانتکی نامی دو بہنوں کا ذکر بھی چدمبرم کے کتبوں میں آیا ہے جو 1114ء اور 1116ء کے ہیں. مدھرانتکی کے بطن سے اس کے سات بیٹوں کے علاوہ ایک بیٹی شتا ملی بھی تھی جس کی شادی لنکا کے شاہی گھرانے میں ہوئی تھی. میسور سے دستیاب شدہ ایک شکستہ کتبے میں جو کلوتنگا کے ابتدائی حصے (1075ء) کا ہے کلوتنگا کی ایک اور بیٹی کا ذکر بھی آیا ہے جس کا نام پلیا رانگئی آلوار تھا. کسی راج سونو (شہزادہ) مادھو نے 1082ء کے قریب راماگرام میں شوجی کو سونے کا تاج نذر کیا تھا. اس شہزادے کی صحیح شناخت ابھی تک نہیں ہو سکی ہے.

کلوتنگا کے کتبات میں اس کے بہت سے ماتحتوں اور باجگزاروں کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے مشہور ترین اس کی تامل فوج کے دو جرنیل ہیں جنھوں نے جنوبی ریاستوں اور کالنگا کی تسخیر میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ جنوبی لڑائی نرلوک ویر نے جو اہم خدمات انجام دیں ان کی شہادت نہ صرف "وکرم شولن اُلا" نامی تصنیف سے اور ضلع جنوبی ارکاٹ کے چدمبرم اور ترُوَدی نامی مقامات سے دستیاب شدہ مدھیہ کتبات سے ملتی ہے بلکہ پانڈیا ریاست سے دستیاب شدہ متعدد کتبات سے بھی ملتی ہے جن میں اس کے القاب اور اس کے عطیات کے اندراجات موجود ہیں۔ وہ ایک حد درجہ معزز افسر تھا جسے مناوِل میں ایک بڑی جاگیر ملی ہوئی تھی اور جس نے قدیم مندروں کے شہر چدمبرم اور ترُوَدی میں بہت سی اصلاحات نافذ کی تھی۔ وہ جسے دھرا کا وزیر اعظم کہلاتا ہے اور اس نے کلوتنگا کی وفات کے بعد بھی وکرم چولا کی ملازمت جاری رکھی۔ دوسرے بڑے جرنیل کے حالات زندگی کے لیے جس نے کالنگم کے خلاف فوج کشی کی سربراہی کی تھی، ہم کو صرف ادبی ماخذ پر انحصار کرتا ہے یعنی "کالنگتو پرانی" اور وکرم شولن اُلا" پر۔ کرونا کر تونڈیمان بظاہر پلو نسل سے تھا اور جین گونڈار نے پلووں کی قدیم روایات کے مطابق یہ بیان کیا ہے کہ وہ اس خاندان کا چشم و چراغ تھا جو خود برہما کی نسل سے تھا۔ عام طور پر اسے ونڈئی نگر کا، جس کا دوسرا نام ونڈالن جیری بھی تھا، راجہ بتایا جاتا ہے۔ یہ جاگیر شولا منڈلم کی ایک تحصیل کلوتنگا شولا ولناڈو میں واقع تھی اور آج کل کمبا کونم تعلقہ میں ونڈوانجیری کہلاتی ہے۔ کانچی پورم کے اس کتبے میں جس میں کرونا کر کی جاگیر کا محل وقوع تفصیل سے بتایا گیا ہے، اس کی بیوی الگیا منوالنی منڈائی آلوار کا ذکر ہے۔ کرونا کر کا ایک بڑا بھائی بھی تھا جس کے جھنڈے پر پلووں کا شاہی نشان یعنی سفید بیل بنا ہوا تھا۔ اس نے کالنگا کی لڑائی میں کرونا کر کی مدد بھی کی تھی اور اس کا ذکر تروچن وال کے سنہ ۱۰۹۹ء کے ایک کتبے میں سینایتی پلوراشر کے نام سے کیا گیا ہے۔ "وکرم شولن الا" میں دئے گئے حوالہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نرلوک ویر کی طرح کرونا کر بھی مہاراجہ کلوتنگا کے انتقال کے بعد زندہ تھا اور کچھ برسوں تک وکرم چولا کی ملازمت کرتا رہا تھا۔

تیرھواں باب

حاشیے

(1) EI - vii - صفحہ 7 حاشیہ نمبر 5۔ اب 13 جون اتوار کی تاریخ قرار دی گئی ہے۔
ARE 1947-48 صفحہ 3۔ اور اسی سال کا شری رنگم سے دستیاب شدہ کتبہ

(2) EI - iv - صفحہ 227 — 1920 کا 520 — 1902 کا 139 — پڈوکوٹائی کے
کتبات میں 52 ویں سال حکومت کا ایک کتبہ نمبر 127 کے تحت دیا گیا ہے۔

(3) 1921 کا 45

(4) 1900 کا 125

(5) 1912 کا 425

(6) 1913 کا 468

(7) SII - iii - 68 - 69 وغیرہ۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اس پرستی کے آغاز میں کلوتنگا
کی نوجوانی کے کارناموں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ایک مبالغہ آمیز مدحیہ قصیدہ ہے جس
کی کوئی تاریخی اہمیت نہیں۔ میرے خیال میں یہ حصہ اس جملے پر ختم ہو جاتا ہے، "تن۔ پون۔ نگرپ
پُرتی ڈانگ کڈپا:

(8) 1898 کا 57

(9) 1928 کا 124

(10) 1912 کا 231

(11) 1928 کا 365

(12) 1919 کا نمبر 197۔ جتش کے علم میں بیسویں سال حکومت سے قبل کا کوئی ایسا کتبہ نہیں تھا۔ جس
میں تر بھون چکرورتی کا لقب دیا گیا ہو۔ SII 6 - iii۔ صفحہ 131 یہ بات بھی نظر میں رکھنے کی ہے کہ

سب سے پرانا کتبہ جس میں جگر ورتی اور کلوتنگا کے القاب درج ہیں، چوتھے سال کا 1013 کا کتبہ نمبر 488 ہے جس کی تمہید "پنگل مادو ولنگ" سے شروع ہوتی ہے۔

(13) II 6 - iii - صفحات 142 تا 146 - آر۔ ڈی بینرجی کو کلوتنگا کے ابتدائی کتبوں کو سمجھنے میں عجیب غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس نے ان کتبات کا حوالہ اس بات کے ثبوت کے لیے دیا کہ کلوتنگا نے لکشما دیو ولائی مالوہ کو چکرکوٹم میں شکست دی تھی (Haihaya's of Tripuri) صفحہ 25"۔

(14) x - v - 25، پچھلا باب

(15) دیکھئے پچھلا باب xii

(16) ARE - 1904، پیراگراف 21

(17) iii - SII - صفحہ 132، ARE - 1904 - پیراگراف 21

(18) ARE - 1899 - پیراگراف 51

(19) پچھلا باب xii - صفحہ 298 - حاشیہ نمبر 51

(20) "کلنگتو پرانی" - vv - x، 27 تا 32 — IA - 19 - صفحہ 302

(21) پچھلا صفحہ 290

(22) vi، 26، 27، 38 - 39، 54

(23) کو ہلر نے بجا طور پر بلہن کے پند و نصیحت کا بھانڈا پھوڑا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ وکرم نے حالات کا شکار ہونا کو کیا۔ جیسا کہ بلہن نے ثابت کرنے کی سعی کی ہے الٹا اپنی برتر صلاحیتوں کو اپنے کمزور چھوٹے بھائی کو راستے سے ہٹانے کے لیے استعمال کیا۔ وکرم جس نے خود ایک چولا شہزادی سے اس لیے شادی کی تھی کہ اپنے بھائی کی وراثت کا ایک بڑا حصہ ہڑپ کر سکے اب سومیشور اور کلوتنگا کے سیاسی اتحاد پر کس منہ سے اعتراض کرتا۔ دیکھئے بوہلر کی "وکرمانک دیو چرِتا" صفحات 36 - 38 وحواشی۔ فلیٹ پہلا شخص تھا جس نے یہ تسلیم کیا کہ راجگا دراصل راجندر کی ایک عام مروج شکل ہے اور راجندر ہی اصل میں کلوتنگا کا ابتدائی دنوں کا نام تھا۔ IA - xx صفحات 276، 282 مزید دیکھئے BG - I - ii صفحہ 445

(24) BG - I - ii صفحہ 234

(25) EC - v - AK — 102 (الف) سے پتہ چلتا ہے کہ چالوکیہ چکرورتی شہنشاہ کے

فرمان کی رو سے اس نے چولا راجہ کو پیچھے ہٹانے کے بعد کرنے کے ترکم آڈسی۔ نیز دیکھئے vii اشلوک 64

(26) E.C - vii 4 Cl - 33 میں اس کا ذکر (را) جگا چولا۔ ستوبھنگ کے نام سے کیا گیا ہے اور غالبا مبالغہ آمیزی کے ساتھ یہ کہا گیا ہے کہ وہ گنگا واڑی 32000 پر حکمران تھا۔

(27) vi — 90

(28) ایک ساتھ نوٹ میں دیا ہوا ابو ظہیر کا تبصرہ دیکھئے

(29) vi، 99، xiv، 4

(30) تروا پیرچولیسیہ پرتاپم کر بیٹا کلیانم اسوودیشس۔ vii - 2

(31) اصل متن میں "کوڑل" لفظ جو ذو معنی ہے اس کا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے ہلٹش کے ترجمے کی (SII - iii - صفحہ 147) معمولی ترمیم کے ساتھ تقلید کی ہے۔ 1919 کا کتبہ نمبر 177 (چھٹے سال کا) 1919 کا کتبہ نمبر 5 (آٹھویں سال کا) ان سب سے پرانے کتبوں میں شامل ہیں جن میں یہ واقعات درج ہیں۔

(32) SII - iii - 73، 1914 کا 56، 1919 کا 178

(33) 1896 کا 401

(34) E.C - X، ii صفحہ 217

(35) معلوم ہوتا ہے کہ وہاں جم کر لڑائی ہوئی۔ "کا تنگتو پرانی" - xiii - 62

(36) SII - iii - صفحہ 144

(37) xi - vv، 74 - 75، xiii - 62

(38) EI - vi صفحات 69، 214 - 15

(39) E.C - X - ii، صفحہ 445

(40) xiv - vv - 1 تا 13

(41) CV - باب 60، v - 24 - کاڈرنگٹن کی تصنیف "A Short History of Ceylon" صفحہ 57۔

(42) xvii - vv۔ صفحہ 40۔ اور اس کے آگے کے صفحات، مقابلہ کیجئے۔

B.G. - I، ii صفحات 452-53

(43) E.I. - xii صفحات - 208 - اور اور اس سے آگے کے صفحات۔ آر ڈی بنرجی کی کتاب "دوسرے پوری کے پی بیاوگ" صفحہ 26 پر ناندھرا راجا کو گوتنگا کا ایک بیٹا شناخت کیا گیا ہے لیکن یہ شناخت صاف غلط ہے۔

(44) JAHRS - v۔ صفحات 208-209۔

(45) PK صفحہ 118 — اور اس آگے کے صفحات

(46) سابقہ صفحات 253-271

(47) C.V. - باب 58 - v، باب 59 - 59، vv، 908 — EZ - ii صفحہ 207

(48) باب 58، vv صفحہ 18۔ اور اس کے بعد کے صفحات۔

(49) جیجر C.V. - i صفحہ 204، حاشیہ نمبر 2

(50) 1912 کا نمبر 600، SII - iv - 1396، اے - 17

(51) کاڈر تگلتی۔ حوالہ سابقہ صفحہ 57

(52) SII - iii، 68، 1-2۔ اور 69 + 1، 10 ۔ پلانیا شورم سے ملے ہوئے ایک کتبے (1922 کے نمبر 211) میں جو حالانکہ دسویں سال حکومت کا ہے، "ایکل شولتد بنزی" سے شروع ہونے والی تمہید کا عام حصہ دیا گیا ہے جس میں پانڈیا راجہ کے سر کے متعلق بیان بھی شامل ہے لیکن اس میں لڑائیوں کا ذکر نہیں ہے اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ اس میں چوتھے سال والی پرشستی کو جوں کا توں درج کر دیا گیا ہے کیونکہ اسی برس میں وہ اہم واقعہ ہوا تھا جو اس کتبے میں درج ہے۔

(53) 1914 صفحات 186

(54) EI - v - صفحات 103-4، SII - i - صفحات 168-69

(55) SII - iii صفحہ 147

(56) "، 46-47

(57) IX - vv، 70-72 - یہ سوالات کا لنگا کے حکمران اننت ورمن کے

وزراءمیں سے ایک نے اسے مخاطب کرکے اس لیے پوچھے ہیں کہ کلوتنگا کو معلوم ہو جائے کہ اس کی فوج ایک آزمودہ سپاہ ہے جو اس کی غیر حاضری میں بھی کارہائے نمایاں سرانجام دے سکتی ہے۔

(58) V - جلد 10

(59) "studies" صفحہ 191

(60) PK - صفحات 120 - 22. اور 1927 کا کتبہ نمبر 21 جو جت۔ شری دلبھ کے دسویں سال حکومت کا ہے۔ اس کتبے میں راجا کلوتنگا کے اکیسویں برس کا ذکر ہے جس نے کولم کو تسخیر کیا تھا۔ بلاشبہ یہ کلوتنگا اوّل ہی تھا۔ کلوتنگا نے جنوبی ہند کو از سر نو تسخیر کیا تھا۔ اور اس کی یہ کارروائی اس کے عہد کے گیارہویں برس سنہ 1081ء تک مکمل ہو چکی تھی۔ اس طرح یہ ثابت ہے کہ شری دلبھ کا دسواں سال حکومت کلوتنگا کے عہد حکومت کے اکیسویں برس یعنی سنہ 1101ء سے بعد ہوا یعنی شری دلبھ کا عہد حکومت سنہ 1091ء سے پہلے شروع نہیں ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان پانڈیا راجاؤں میں سے نہیں ہو سکتا تھا جن پر کلوتنگا کی افواج نے حملہ کرکے ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ اپنی جنگی مہم کے خاتمے پر کلوتنگا کو قدیم پانڈیا راجاؤں کو یہ رعایت دینی پڑی کہ وہ چولا طاقت کے زیر سایہ اپنی حکومت اپنے پورے شاہانہ وقار کے ساتھ قائم رکھیں یہ صاف ظاہر ہے کہ چولا شہزادوں کو چولا پانڈیا وائسرایوں کی حیثیت سے تعینات کرنے کا طریقہ کلوتنگا نے پھر سے جاری نہیں کیا۔ ان دنوں میں پانڈیا ریاست کا تعلق سنہ 1070ء اور سنہ 1075ء کے درمیان وینگی کی ریاست کے ساتھ رہا تھا۔

(61) اکیسویں برس کے ایک کتبے (1927 کے نمبر 46) میں ولنیم کا نام راجندر شولا پٹنم درج ہے۔ کوٹار کے نلائی پڈلی کا ذکر اکتالیسویں سال کے کتبے (TAS. i- صفحات 246 -47) میں آیا ہے۔

(62) ARE - 1927 - II 18

(63) "studies" صفحہ 178 - اور اس کے آگے کے صفحات

(64) تاہم یہ بات ناممکن نہیں کہ نرلوک ویرا پہلی جنگ میں ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے لڑا ہو اور دوسری لڑائی قطعًا ہوئی ہی نہ ہو۔ اور جب بعد میں ترقی کر کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہوا ہو ـــــ تو اس کی پہلے کی جنگوں میں دکھائی گئی شجاعت کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہو۔ اس میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ چونکہ نرلوک ویرا شہنشاہ کلوتنگا کی موت کے بعد بھی زندہ تھا اور شہنشاہ وکرم چولا کے ماتحت بھی اس نے چھ یا سات برس تک ملازمت کی اس لیے وہ اتنا معمر نہیں ہوگا کہ اس نے کلوتنگا کے عہد حکومت کے ابتدائی برسوں ہی میں فوج میں اعلےٰ منصب حاصل کر لیا ہو۔

(65) پرناوتن کا کہنا ہے کہ (EI. xviii صفحہ 333) کلوتنگا کے تِردُگُو کنرم کے کتبے میں (IA - xxi صفحہ 282) یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس نے لنکا پر چڑھائی کے لیے ایک فوجی مہم بھیجی لیکن اس کے قطعی نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ یہ بتاتے ہوئے وہ اس کتبے کے زیادہ معتبر ایڈیشن SII iii - 75 کو اور خاص کر صفحہ 164 پر دئے ہوئے حاشیہ نمبر 15 کو نظر انداز کر دیتا ہے جو ہلتش کا تالیف کردہ ہے۔

(66) لنکا کے کتبہ نمبر 509 سنہ 1114ء میں جو فوجی بغاوت کے فرو کر دئے جانے کے کچھ سال بعد کا ہے، شیدرائن عرت لائی منڈل نائیکم کا ذکر آیا ہے جو جے باہو دیور کا ایک "ویلائی کارم" تھا۔ "Ceylon Journal of Scince"

G. - ii، صفحہ 122۔

(67) CV. i - صفحات 216-19۔

(68) 1912 کا نمبر 600 — EI. xviii صفحہ 330 - اور اسکے آگے کے صفحات۔

(69) "Ceylon Journal of Science" - G. - II، 2 صفحات 105-116

(70) "Les Etats Hinduisés d'Indochine et d'Indonesie" (سطبو پریس 1948ء) صفحات 250-51

(71) JRAS - 1896 صفحہ 490 - حاشیہ + "Chou Ju-Kua"
صفحہ 100 - حاشیہ ۶ + JA (Journal Asiatique)

xi-20 (1922) صفحہ 20، BEFEO-xxiii صفحہ 470

(72) vi-v، 18

(73) "Journal of Greater India Society" ا۔صفحات 87-88

(74) دیکھئے صفحہ سابق 298 حاشیہ 26

(75) EI-v صفحہ 105

(76) BEFEO، xviii، 6 صفحہ 8 جس کا حوالہ کوئیڈس نے بھی دیا ہے۔

(77) Chau-Ju-Kua ۔صفحات 86۔ اور 101

(78) مقابلہ کیجئے کردم کی تصنیف "Hindoe-Javaansche Geschiedenis" صفحات 302 - 4 ۔ دوگل محض یہی بتاتا ہے کہ یہ واضح نہیں ہے کہ اوپر جس چینی ماخذ کا حوالہ دیا گیا ہے اسے کتنی اہمیت دی جائے۔ Bijdragen Deel 75 (1919) صفحہ 637۔ کوئیڈس (جہاں حوالہ دیا گیا ہے) کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ چولا کتبوں میں سری وجیا پر چولوں کے تسلط کا مبالغہ آمیز بیان کیا گیا ہے لہٰذا جوابی طور پر سری وجیا نے یہ دعوے کیا کہ اس کو خود چولوں پر غلبہ حاصل تھا، جیرتی وہ واحد مصنف ہے جس نے ماتوآن۔لن کے بیان کو مکمل طور پر تسلیم کیا ہے۔ "Researches" صفحہ 624 حاشیہ نمبر ا

(79) ASSI - iv صفحہ 224

(80) ایضاً۔ ii، 6 - 7

(81) ایضاً۔ ii، 39، 40

(82) یہ جملہ جو اکثر دبیشتر کتبات میں آتا ہے اپنے اس مفہوم کی وجہ سے غور کرنے کے قابل ہے کہ راجا غسل کرتے وقت عرضیاں سنا کرتا تھا لیکن متن سے ایسا ظاہر نہیں ہوتا 1932 کے کتبہ نمبر 74 -1- 39 - میں "دمین الال کلی کراڈلو" - کا جملہ آیا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ غیر ملکی وفود کو راجا کی جانب سے غسل کرتے وقت شرف ملاقات بخشنے کا ایک انوکھا طریقہ تھا لیکن "ابھیشک

منڈپ" کے لیے ذیل میں صفحہ 332 ملاحظہ کیجیے اور ابن حسن کی کتاب "Central Structure" صفحات 77-78 پر مذکور "مقلون کے غسل خانے" سے اس کا موازنہ کیجیے۔

(83) SII-iii- صفحہ 146

(84) اس کتبے پر مکمل اور جامع بحث کے لیے "A Tamil Merchant-guild in Sumatra" (سماٹرا میں تامل تاجروں کی ایک انجمن) نامی میرا مقالہ پڑھیے۔ (Tijdschrift voor Indische Taal, Land- en Volkenkunde) 1932- صفحہ 314۔

(85) EI، v- نمبر 10، VI، نمبر 35- ARE-1922، II 6

(86) چھاپوزم کی تختیاں (EI، v- نمبر 10)، v-21

(87) v v، 25-26

(88) EI، VI صفحہ 335

(89) اگر جم ملکی کی تختیاں۔ v، 21

(90) EI- IV۔ صفحہ 36

(91) "آتبدئی پر ددم" کے معنی محض "بچپن" ہیں یعنی وہ زمانہ جب وشنو کے پانچ ہتھیاروں کے نمونے پر بنائے گئے تعویز پہنے جاتے ہیں۔ دیکھیے تامل الفاظ کی فرہنگ s.v. "آتمبڈای تالی" (مقابلہ کیجیے کالنگتوپرانی، x 8) البتہ یہ وکرم چولا کے لڑکپن کے زمانے کی جب اس نے بطور ولی عہد کے کام شروع کیا تھا، ایک مبالغہ آمیز تصویر ہے (ملتش۔ SII-iii صفحہ 184، حاشیہ نمبر میں اس کے خلاف دیکھیے)

(92) پچھلے صفحات 14-16۔ دیکھیے

(93) 1907 کا نمبر 463 1911 نیز —— 304، 72، SII iii کے نمبر (ستائیسویں سال کا)؛ سی ویل نے اس واقعے کا جو ذکر 1090ء کے تحت کیا ہے مجھے اس کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ His I صفحہ 89

(94) 1904 کا نمبر 608- 1891 کا کتبہ نمبر 44

(95) TAS - i - صفحہ 22 ، 81

(96) ARE - 1917 ، II 27

(97) کننگھم کی تصنیف "Ancient Geography" صفحہ 591

(98) جیکی کی تختیاں ، 1 83 — "مینٹی جھندرا، مدھیہ۔ ورتتو: EI-vi 335

(99) 1899 کا نمبر 363۔ وینکیا نے فرض کر لیا ہے کہ دینگی کی ریاست پر کالنگا ریاست نے حملہ کیا تھا جس میں ایلور تک پیش قدمی کی گئی تھی، جس طرح سے وکرم چولا کی فتح کا حال بیان کیا گیا ہے اس سے خواہ عارضی طور پر ہی سہی، یہی سمجھ میں آتا ہے کہ غالبًا اس نے دینگی پر کالنگا کے حملے کی مدافعت کی۔ ظاہر ہے کہ حملہ آور فوج ایلور تک یا اس کے کسی نواحی مقام تک جنوب کی سمت میں پہنچ گئی تھی جہاں معلوم ہوتا ہے کہ ایک فیصلہ کن جنگ لڑی گئی"۔ ARE - 1905 ، II ، 18۔ لیکن آگے چل کر وہ لکھتا ہے۔ "پہلی فوج کشی جو غالبًا 96-1095ء میں یا اس سے کچھ پہلے کی گئی تھی جس میں چوڈا گنگا کو جو "تری کالنگا" کا راجہ تھا، بظاہر کوئی براہ راست دلچسپی نہیں تھی۔

کے۔ وی۔ سبرا ہمنیا آئر کی رائے میں (EI - xxii ، صفحات 140-42) کالنگا کی لڑائی جو "پرانی" کا موضوع ہے کلوتنگا کے عہد کے ابتدائی برسوں میں راج راجا دیوندر ورمن کے خلاف لڑی گئی تھی۔ جہاں کلوتنگا کے تنتیسویں سال کے دراکشا راما کے کتبے (1893 کے نمبر 349) میں یہ لکھا ہے کہ کرونکر نے دیو ورمن کے خلاف جنگ چھیڑی وہاں اس میں ایسی کوئی بات درج نہیں جس سے اس جنگ کو "پرانی" میں مذکور جنگ قرار دیا جائے اس طرح کے وی ایس آئر ایک طرح سے اس بات کے امکان کو تسلیم کر لیتا ہے کہ کالنگا کے خلاف ایک سے زیادہ لڑائیاں لڑی گئی ہوں گی۔ مزید دیکھئے (Journal of Oriental Research, Madras) X۔ صفحات 295 تا 301

(100) 1891 کا نمبر 44 (SII - iv - 445)۔ پرشستی میں اس جنگ کو کلوتنگا کا ذاتی کارنامہ بتایا گیا ہے لیکن "پرانی" سے ایک بات صاف ظاہر ہے کہ

فوج کشی واقعی کی گئی تھی اور یہ خود راجہ نے نہیں کی تھی بلکہ اس کی قیادت اس کے سپہ سالار کروناکر تونڈائیمان نے کی تھی۔

(101) A-IX-X- صفحہ 333

(102) 1893 کا نمبر 181، ARE میں شا کا سمت 1002 درج ہے

(103) اس محل اور اس کے اندر کا وہ مخصوص کمرہ جس میں کلوتنگا دربار کرتا تھا اس کا ذکر بہت پہلے سے یعنی کم از کم اگم چولا کے زمانے ہی سے کیا گیا ہے۔
عجائب گھر کی تختیاں نمبر 1-13 (SII- iii صفحہ 269)

(104) پنڈت ایم راگھوا آئینگر: "کروناکرت تونڈائیمان" نے اپنی کتاب "کالنگتوپرانی یار ایچی" میں اس مہم پر مفصل بحث کی ہے۔ "وکرما شولن الا" کے 660-62-II سے دنیکیا یہ مطلب نکالتا ہے کہ وکرم چولا نے شمالی کالنگا کے خلاف کروناکر کی قیادت میں بھیجی جانے والی مہم میں حصہ لیا تھا۔ (ARE-1905، II، 18)
جین گونڈار نے اپنی تذکرے میں کہیں بھی وکرم چولا کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔
اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ وکرم چولا کانچی سے مہم کے ہمراہ روانہ نہیں ہوا بلکہ مہم پر جانے والے لشکر میں ریاست وینگی میں کسی مقام پر آکر شامل ہوا تو بھی جین گونڈار کی اس کے متعلق خاموشی کا کوئی سبب بتانا ممکن نہیں ہوگا
دوسری جانب شمالی کالنگا کے خلاف وکرم کی جانب سے چھیڑی گئی جنگ کے متعلق لٹریچر میں کچھ دوسرے حوالے بھی موجود ہیں جو ونیکیا کے حوالے کے علاوہ ہیں۔ یہ حوالے جن پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے یہ تاثر دیتے ہیں کہ وکرم کے عہد حکومت کے دوران ایک اور مہم بھی بھیجی گئی تھی اور "الا" میں جن سطور کا حوالہ گیا ہے، وہ یقیناً اسی مہم کے بارے میں ہوں گی۔
ونیکیا (ایضاً) اپنے دلائل کے ساتھ یہ بحث کرتا ہے کہ (i) چوڈگنگا اپنے عہد حکومت کے اواخر ہی میں قوی اور طاقتور ہو گیا تھا۔ (ii) کلوتنگا نے شمالی کالنگا پر جو حملہ کیا وہ دراصل "چوڈگنگا کے ایک باجگزار راجہ کی بغاوت کے سلسلے میں اس کی (چوڈگنگا کی) مدد کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔ اس باغی راجہ کی عمل داری کی نشاندہی سات گنگا۔ کی اصطلاح سے

ہوتی تھی۔" لیکن یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ چونکہ (i) ونیکیا کے دلائل ونریگا پشم کی دو تختیوں کے مقابلے پر مبنی ہیں جو سنہ 1087ء (یا سنہ 1081ء!) اور سنہ 1118ء کی ہیں (I A – xviii) لیکن ان تختیوں کے تیسرے سٹ (سنہ 1135ء) کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ونیکیا کے دلائل صحیح نہیں ہوسکتے۔ اس نے جن تضادات پر بحث کی ہے وہ چوڈگنگا کے سیاسی اقتدار میں تغیر سے پیدا ہونے والے تضادات نہیں بلکہ تختیوں کے دو سٹوں میں استعمال کی گئی دو پرشستیوں کے باہمی تضادات ہیں۔ مذکورہ بالا دلیل نمبر 2 کی تردید کالنگتو پرانی کے اس صاف اور واضح بیان سے ہوجاتی ہے کہ خود اننت ورمن ہی "سات کالنگا" کا حکمران تھا کہ اطاعت گزار اور یہ کہ کرونا کر کی فوج کشی خود اننت ورمن کے خلاف کی گئی تھی۔ اننت ورمن کا یہ پرغرور بیان کہ اس کی حدود سلطنت مشرق میں آنکل تک اور مغرب میں دیگی تک تھیں، محض اس کے والد راج راجا کی فتوحات ہی کا حوالہ تھا! اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اپنے والد کے انہی کارناموں ہی کا فائدہ وہ اٹھا رہا تھا۔

(105) 1905 کا نمبر 567

(106) 1907 کا نمبر 600 – 1905 266

(107) 1911 کا نمبر 494 = EC – iv، Kr – 34

(108) 1908 کا نمبر 29 ، ARE – 1908، II، 58 – 60

(109) ARE – 1927 II، 19 تا 21

(110) EI – 1x، نمبر 3، 11، صفحہ 19 – اور اس کے آگے کے صفحات

(111) 1888 کا 118، EI، v صفحہ 105، نیز سابق صفحہ 317

(112) ARE – 1918، پیراگراف 41 – 42، 1919 پیراگراف 39،
ARE – 1918، I، 9، Ep. Bir – i، صفحات 164-65

(113) ہوکسالوں کی عام تاریخ کے لیے دیکھیے: T. N. – 44، I – B. G، ii – صفحہ 490 اور اس سے آگے کے صفحات اور رائس کی تصنیف "Mysore and Coorg" صفحہ 94 اور اس کے آگے

کے صفحات۔

(114) EC - v ، BI - 18 9

(115) رائس نے وشنو وردھن کا زمانہ حکومت 1111ء تا 1141ء بتایا ہے۔ اے کرشنا سورتی نے اس کے کتبوں کا جو مطالعہ پیش کیا ہے اس سے متن میں تسلیم کی گئی تاریخ کی تائید ہوتی ہے۔

(116) رائس حوالہ سابقہ صفحہ 93 دحاشیہ

(117) EC - ii - 240 (90)

(118) آر۔ اے۔ نرسمہاچر کی رائے کے مطابق چامنڈا راجہ۔ EC - ii — تمہید صفحہ 52

(119) B.G. - I - ii ، 495 - 98

(120) یہ مقام چتور ضلع میں واقع ہے۔ یہ کوئمبٹور نہیں ہے جیسا کہ فلیٹ نے سمجھ لیا تھا (ایضاً صفحہ 496) مقابلہ کیجئے رنگاچاری i - ب صفحہ 500

(121) 1913 کا نمبر 35 — ARE - 1913 ، II ، 46 - 47 ، P.K. صفحہ 128۔

(122) EI - v x صفحات 101، اور 103۔

(123) EI - iv - نمبر 33 - vv ، 22 تا 24

(124) کرشنا شاستری کا کہنا ہے: "مشرقی چالوکیہ عہد کے دور آخر کی تانبے کی تختیوں میں، سوائے چیلور سے دریافت شدہ تختیوں کے اس حقیقت کا ذکر کیا گیا ہے کہ جنوب کی جانب وکرم چولا کی روانگی کے بعد وینگی کی ریاست میں کوئی حکمران نہ رہا۔ ڈاکٹر ہلتش کو یہ گمان تھا کہ اس بیان کا مطلب محض یہ ہے کہ راجہ کی غیر حاضری کے نتیجے میں سیاسی افراتفری پھیل گئی جو ویلنانڈ و سردار کے بڑھتے ہوئے اثر و اقتدار اور مغربی چالوکیہ راجہ وکرمادتیہ ششم کے اولوالعزم فوجی حملہ کے باعث پیدا ہوئی تھی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سیاسی مشکلات زیادہ سنگین نوعیت کی نہیں رہی ہوں گی کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ چالوکیہ چولا حکمران بدستور اپنی خود مختاری کا دعویٰ کرتے رہے، اگرچہ یہ خود مختاری کچھ محدود سی تھی۔ ان راجاؤں کے عہد کے بیشتر کتبوں میں

ویلنانڈو خاندان کے اطاعت گزاروں گونگا اور اس کے بیٹے راجندر کا ذکر آیا ہے"۔ ARE - 1918، II، 25۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ جیلور کی تختیوں سے کرشنا شاستری کی مراد ان تختیوں سے ہے جو کلوتنگا دوم کی شاکا سمت 1056 (ادکرسمت 1065) کی ہیں جیسا کہ کیلہارن کا بھی خیال ہے۔ EA — xiv صفحہ 56-EI-vii۔ ضمیمہ۔ کیلہارن کی فہرست نمبر 574 + شاستری کے ذہن میں جو دوسری تختیاں تھیں وہ کون سی تھیں یہ میں معلوم نہیں کر سکا۔ ملپ دلو کا کتبہ ایک ہجری کتبہ ہے۔ میرے خیال میں کرشنا شاستری نے اس زمانے کی وینگی کی سیاسی صورت حال کا جائزہ پیش کرنے میں وکرمادتیہ کی حکمت عملی کے اثرات کو بری طرح کم وقعت کر کے پیش کیا ہے۔

(125) 1893 کے کتبات نمبر 194، 341۔ اور 344

(126) 1897 کا 163 — 1897 کا نمبر 163

(127) 1893 کے کتبہ نمبر 296 پر ایک غیر معمولی طور پر قدیم تاریخ "پانچ" درج ہے لیکن اس میں چالوکیہ راجاؤں والا کوئی لقب درج نہیں ہے اور نہ ہی اس میں وکرمادتیہ کا کوئی ذکر آیا ہے۔

(128) SII - ix (i) نمبر 193

(129) 1802 کا 106، EI - ix صفحہ 256

(130) 1922 کا 819، SII - ix (i) نمبر 196

(131) 1897 کا نمبر 158، SII - iv نمبر 118

(132) 1893 کا نمبر 330

(133) 1893 کا نمبر 335، اور 345

(134) 1905 کا نمبر 258، EI - ix صفحہ 261

(135) 1893 کا 266

(136) Pd - 127

(137) 1908 کا 372 — 1909 کا 3 — 1929 کا 35

(138) 1901 کا 268 — 1902 کا 425

(139) 1910 کا 197۔ اس کے خلاف دیکھئے SII - iii صفحہ 131

(140) VI - EI صفحہ 220 ۔ اور اس کے آگے کے صفحات اسے ستیتم
دسنو وردھن کہہ کر پکارا گیا ہے ۔ یہ گنتی داناروَ سے شروع کی گئی ہے۔ دیکھئے
"Eastren Calukgas" صفحات 299 - 300

(141) کنکا سبھائی (IA - xix صفحہ 337) اور اس کے بعد ہلتش (SII - iii
صفحہ 130) کی رائے میں "اکریکال" بھی انہیں القاب میں سے ایک لقب
ہے ۔ لیکن مجھے اس بات کی صحت پر شک ہے"۔ ا لنکا " کے لقب کی وضاحت
کے لیے دیکھئے "پرانی" iii x ' 89

(142) TAS - iv صفحہ 130

(143) 1892 کا 109 ـــ 1912 کا 121 ـــ 1929 کا 271 ـــ
1888 کا 119

(144) 1901 کا نمبر 312

(145) 1908 کا نمبر 374

(146) دیکھئے "ٹکیاگ پرنی" موئند سوامی ناتھ آئر صفحہ 247 - V ' 775
دحاشیہ ۔ کچھ طلائی سکے بھی ملے ہیں جن پر تامل رسم الخط میں شُنگ لکھا ہے ۔

(147) گرل پر تبصرہ صفحہ 756

(148) 1907 کا نمبر 288 شنگ بلاچ ۔ چولا ناڈو شوردطلائی کنڈردلی

(149) 1912 کا نمبر 440 — 1930 کا نمبر 132 ۔ نیز دیکھئے 1900 کا نمبر 87
جس میں شری پاڈکول کا ذکر ہے۔ ARE - 1900' پیراگراف 25

(150) کالنگتو پرنی iii x — 61' وکرمانگ دیوچرت vi ' 21

(151) SII - iii ۔ MAR' 73 - 1917 صفحات 42-44

(152) لیڈن کا فرمانِ عطیہ ASSI' - IV صفحہ 224'1'4

(153) 1916 کا 231

(154) 1910 کا 93 — 1925 کا 61

(155) 1901 کا 247

(156) EI-VI - صفحہ 335، لیکن دیکھیے SII - iii - صفحہ 179

(157) SII - iii - 72، 1-5 میں اس کا ذکر دو دوسری رانیوں کے ہمراہ بطور مہارانی کیا گیا ہے۔ یہ دوسری رانیاں ایشی دیبتی اور تیاگ ولی تھیں۔ مزید دیکھیے صفحات 177 - 78

(158) X - vv، 54 - 55

(159) 1907 کا 304۔ کسی نام کے بغیر صرف لقب 1927 کے کتبہ نمبر 274 میں درج ہے جو اڑتالیسویں برس کا کتبہ ہے۔

(160) 1923 کا نمبر 138

(161) 1921 کا نمبر 39، 45

(162) 1888 کا نمبر 117، 119

(163) ARE - 1912، II 25 سے یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ اس کی والدہ تھی لیکن دیکھیے 1888 کا 121 — SII، iv، 226، 1، 4

(164) 1922 کا نمبر 25

(65) دیکھیے "Studies"۔ صفحہ 176 اور اس کے آگے کے صفحات جن میں اس کی زندگی اور کارناموں کا مفصل حال درج ہے۔ اس وقت سے لے کر اب تک سب زیادہ قابل توجہ کتبہ جو دریافت ہوا ہے وہ آتور ضلع تنے دیلی سے ملنے والا سنسکرت ہوا ہے۔ اس میں مقامی مندر کو ماں اوتارا کی جانب سے دیئے گئے عطیات درج ہیں (1930 کا 405)۔ ARE - 1930، II، 21

(166) II، 118 تا 138۔ دیکھیے پنڈت ایم راگھوا آئینگر کی تصنیف کا لنگتو پر نیاراپنچی

(167) xi - 30 تیسری سطر کو بلاشبہ یوں پڑھنا چاہیے: "مڑلی مولند، پدی کا مریپن دندکل" اس میں "پدی" کو "پڈی" پڑھنا غلط ہے

(168) 1893 کا 49

(169) یہ دنڈلور ہے جو ضلع چنگل پٹ میں ہے۔ مقابلہ کیجیے راگھوا آئینگر حوالہ سابقہ صفحات 34 - 36، اس کے حالات دیکھیے SII - ii - حاشیہ 3 صفحہ 113 — اور A - I - xix صفحہ 340

(170) ؟ - ix، 53

(171) 1914 کا 46

چودھواں باب

کلوتنگا اوّل کے جانشین

(سنہ 1120ء تا سنہ 1163ء)

وکرم چولا کی تخت نشینی

وکرم چولا ۲۹ جون سنہ 1118ء یا اس کے قریب کی کسی تاریخ کو چولا سلطنت کے تخت پر بیٹھا۔ وہ اپنے والد کلوتنگا کے ساتھ شریکِ کار کی حیثیت سے ضرور کچھ برسوں تک حکومت کر چکا ہوگا۔ کلوتنگا کے سب سے آخری کتبات سنہ 1120ء تک یعنی اس کی حکومت کے پچاسویں یا زیادہ سے زیادہ باونویں برس تک ملتے ہیں۔ وکرم چولا کا طالعِ ولادت اُترا شاڈی (اترا کھا؟) تھا اور وہ "آنی" کے مہینے میں پیدا ہوا تھا۔ اسے ورثے میں ایک بہت چھوٹی سلطنت ملی جو اس وقت محض تامل علاقے تک محدود تھی اور اس کا سترہ سالہ دورِ حکومت مجموعی طور پر ایک امن و سکون کا دَور تھا۔ اپنے عہدِ حکومت میں اس نے کھوئے ہوئے علاقوں کی بازیابی کے لیے جو کوشش کیں ان کا ثبوت صرف گنگا ریاست میں ملنے والے چند کتبات اور ان سے کچھ زیادہ تعداد میں تیلگو خطے سے دستیاب شدہ کتبات ہیں۔ اس کی ان کوششوں کو مغربی خطے کے مقابلے میں شمال کی جانب زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔

پرشستیاں

وکرم چولا کے کتبات کی پرشستیاں دو اصناف میں لکھی گئی ہیں اور یہ دونوں اس کے عہد کے دوسرے سال سے شروع ہو کر عہد کے آخر تک پائی جاتی ہیں۔ چھوٹی پرشستی "پُوماد و میرا" سے شروع ہوتی ہے (بعض متنوں میں "مادو" کی جگہ "مگل" کا لفظ دیا گیا ہے) اور طویل پرشستی کا آغاز "پُومالئی مِڈائندو" سے ہوتا ہے۔ ان دونوں اصناف کی پرشستیوں میں سے ایک میں بھی

کسی سیاسی واقعے کا تذکرہ نہیں ملتا سوائے کالنگم اور تیلیگا بھیمن کے خلاف لڑی گئی جنگوں کے جو وکرم چولا نے وینگی میں بطور وائسرائے اپنی تعیناتی کے ابتدائی سالوں میں چھیڑی تھیں۔ طویل پرشستیوں میں جو اس عہد کے بعد کے برسوں کی ہیں ایک اہم ترمیم نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ پرشستی کے درمیان میں ایک عبارت ایسی شامل کردی گئی ہے جس میں راجہ کی جانب سے چدمبرم کے نٹ راج مندر میں کی گئی تعمیرات اور دیئے گئے عطیوں کا اندراج ہے۔ اس عبارت میں راجہ کے دسویں سال حکومت کی ایک خاص تاریخ 15 اپریل 1128ء کا ذکر کیا گیا ہے۔ وکرم چولا کے کتبات میں اکثر کلوتنگا کے کتبات کی عبارتوں اور القاب کو دہرایا بھی گیا۔

لٹریچر

"وکرم شولن الا" کے علاوہ جو اس وقت موجود ہے، ملک الشعرا اوٹا کوتن نے وکرم چولا کی کالنگا کی جنگ پر ایک "پرانی" تصنیف کی ہے۔ اس تصنیف کے نام کا پتہ اسی شاعر کی دوسری "الا" سے چلتا ہے اور اس کے مصنف کا پتہ "تکلنگ پرانی" پر لکھے ہوئے ایک حاشیے سے معلوم ہوتا ہے۔ اب یہ تصنیف دستیاب نہیں ہے۔ اگر کبھی یہ مل گئی تو اس سے اس عہد کے متعلق، جو لٹریچر میں متعدد نیم تاریخی تصانیف کی کثرت کے لیے ممتاز رہا ہے، ہماری واقفیت میں بیش بہا اضافہ ہو سکے گا۔

وینگی

1118ء میں جب وکرم چولا کو جنوب میں بلا لیا گیا تو وینگی کا نظم و نسق ویلینانڈو شہزادہ چوڈا کے ہاتھوں میں چلا گیا جو گونکا اوّل کا بیٹا تھا۔ پھر جلد ہی مغربی چالوکیہ حکمران وکرمادتیہ ششم نے وینگی سے وکرم چولا کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر اس پر خود قبضہ کرنے اور ویلینانڈو راجہ کو مطیع کرنے کی کوشش کی۔ 1126ء میں وکرمادتیہ کی وفات کے جلد بعد وکرم چولا کی بالادستی اگر پوری ریاست وینگی میں نہیں تو کم از کم اس کے جنوبی نصف حصے میں از سر نو قائم ہو گئی۔ 1127ء میں ضلع گنٹور میں چیبرولو کے مقام پر جو اس خطے کے مرکز میں واقع تھا اور جس پر کچھ برس پہلے تک ونڈ ناتک اننت پال کی حکومت تھی، شہر کولی پاک (کلپاک) اور شت سہسرا

علاقہ کے حکمراں مہامنڈلیشور نمہیّانے وکرم چولا کی بالادستی تسلیم کرلی۔ اسی علاقہ کے ایک مقام نیڈوبردلُو سے شاکا سمت 1054ء یعنی وکرم چولا کے سترھویں سال حکومت کا ایک اور کتبہ بھی ملا ہے جس میں صاف مذکور ہے کہ ان دنوں بھی ویلنانڈو راجگان اور ان کے ماتحت سردار جنوب کے چولا شہنشاہ کے اقتدار اعلیٰ کو برابر تسلیم کرتے رہے تھے اور جن اقدامات کے ذریعہ سے شمال کی اس ریاست میں چولا اقتدار پھر سے قائم ہوگیا تھا، ان کے متعلق ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے۔ لیکن اقتدار کی اس تجدید میں وکرمادتیہ ششم کی موت، وکرم چولا کی مساعی اور تیلگو راجاؤں کی مغربی چالوکیوں کے مقابلے میں چولوں کے اقتدار اعلیٰ کو ترجیح دینے پر آمادگی ان سب عناصر کا کچھ نہ کچھ حصہ رہا ہوگا۔

گنگ واڈی

معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور سمت میں بھی اپنے والد کے عہد کے آخر میں، ہاتھوں سے چھنے ہوئے علاقہ کی بازیابی کے لیے وکرم چولا نے کوشش کی۔ لیکن یہ کوشش کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہوئی۔ اس کے عہد کے دوسرے برس کے شگنوڈُ کے ایک کتبے میں وکرم چولا کی فوج کے ایک افسر کے ذریعے ایک مندر کی تعمیر کا ذکر ملتا ہے۔ اسی علاقے میں ضلع کولار سے دستیاب شدہ وکرم چولا کے دسویں سال کے ایک کتبے میں ندی والا بے چراک میں تعمیر کروائے گئے ایک "دمان" کا ذکر آتا ہے۔ اس سے قدرتی طور پر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وکرم چولا نے میسور کے مشرقی حصے میں چولا اقتدار پھر سے قائم ہوگیا۔

سیلاب اور قلت

مذکورہ عہد حکومت کے چھٹے سال میں ایک زبردست سیلاب کے نتیجے میں ملک کو اشیائے ضروری کی قلت اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ سیلاب دیہاتیوں اور ان کی فصلوں کے لیے تباہی لے کر آیا۔ شمالی اور جنوبی ارکاٹ کے اضلاع میں ایک اچھے خاصے وسیع رقبہ پر اس قہرالہٰی کا اثر پڑا۔ ترددتُور (ضلع شمالی ارکاٹ) سے دستیاب شدہ 1125ء کے ایک کتبے میں ایک سیلاب سے فصلوں کی بربادی کا ذکر ملتا ہے جس کے نتیجے میں "اُور" کو اس برس کے ٹیکس ادا کرنے کے لیے کچھ زمین بیچ کر روپیہ فراہم کرنا پڑا۔ اُسی سال ترد واڈی (ضلع جنوبی ارکاٹ)

میں مہاسبھا کو اسی غرض سے کچھ اراضی فروخت کرنی پڑی کیونکہ اس راجہ کے چھٹے سال حکومت میں "مہاسبھا" کو لگان اراضی (کڈمئی تحو) کی ادائیگی میں مشکلات پیش آئیں۔ کوولٹی (ضلع تنجور) کے ایک کتبے میں جو کچھ عرصہ بعد یعنی راجہ کے گیارہویں سال حکومت کا ہے، یہ بات مذکور ہے کہ براوقت آجانے کے باعث یہ گاؤں اجڑ گیا۔ تاہم یہ یقینی نہیں کہ اس مبہم بیان میں بھی ان ہی حالات کا حوالہ دیا گیا ہو جو مذکورہ بالا دونوں کتبات میں درج ہیں۔ لیکن اگر ایسا ہی ہے تو ان آفات سے متاثر رقبہ میں ضلع تنجور تک کا علاقہ شامل ہوگا۔

چدمبرم میں دیئے گئے عطیات

1128ء میں وکرم چولا نے اپنے خاندان کے دیوتا چدمبرم مندر کے نٹ راج کے ساتھ اپنی عقیدت کے اظہار کے لیے اس برس کے سرکاری مالیہ کا ایک بہت بڑا حصہ مندر کی عمارت میں توسیع کرنے اور مندر کو بیش قیمت نذرانے پیش کرنے پر صرف کیا۔ اس واقعے کا ذکر اس کے گیارہویں سال سے شروع ہونے والے کتبات میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

"اس کے دسویں سال حکومت کا واجب الادا خراج جب ماتحت راجاؤں نے خالص سونے کی شکل میں لاکر اس کے روبرو ڈھیر کر دیا تو اس میں سے شاہی جواہرات سے جڑے ہوئے ایک طلائی پترے پر یہ الفاظ منقش کروائے گئے۔

"بھگوان کرے راجہ کی عمر دراز ہو اور وہ اس بڑی زمین کی حفاظت کرے۔"

"اس نے مندر کے احاطے، اس کے صدر دروازے کے برجوں، وسیع کمروں اور عمارت کی چار دیواری کو جو خالص سونے سے بنی ہوئی عبادت گاہ کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اعلیٰ قسم کے سونے سے مڑھوا دیا۔ وہ مندر جہاں اس کے خاندان کا دیوتا (نٹیش) تانڈو ناچ رہا ہے گویا کہ زمین کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے عظیم الشان پہاڑ مشرقی پہاڑ سے مل گیا ہے۔ اس نے اس نذرانے گزارنے کی جگہ کو بھی آبدار سونے سے ڈھک دیا جس پر نذرانوں کی افراط رہتی ہے تاکہ آسمان کا نور اس میں منعکس ہو۔ اس نے دیوتا کے مقدس رتھ کو بھی خالص سونے سے مڑھوا دیا اور اسے بڑے بڑے گول موتیوں کی بے شمار جھالروں سے آراستہ کیا تاکہ وہ معجز نما رقاص (نٹیش) جو سہرے بھون (ہال) میں مکیں ہے، مسرور و شادماں لوگوں کو درازی عمر کا آشیرباد دیتا ہوا جلوس کی شکل میں اس تیوہار میں جو پوراٹادی اور اترا ناڈی نکھشتر کے عظیم دنوں میں منعقد ہونے والا

"بڑے نام کا تیوہار" کہلاتا ہے، کھینچ کرلے جایا جاسکے اور اس سے اس عظیم زمین پر خوشحالی نازل ہو اور دیوتاؤں کو مسرت حاصل ہو۔ راجہ نے مندر سے ملحق ایک سڑک تعمیر کی جو جواہرات سے مزین بڑی بڑی حویلیوں پر مشتمل تھی اور اس کا نام بھی راجہ کے بابرکت نام پر رکھا گیا۔ اور اس نے لاتعداد شاندار شاہی نشان بنوائے جو خالص سونے سے کاٹ کر بنائے گئے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے اصلی سونے کا ایک کلپک (درخت) بھی تیار کرایا۔ اپنے عہد کے دسویں برس میں "ششرائی" مہینے کے ایک اتوار کو جو ہست نکھشتر میں پڑتا تھا اور جس دن گھٹتے ہوئے مبارک چاند کی تیرھویں تاریخ تھی یہ سب ہدیئے بخوشی دے کر اس نے تمام زمین کو ایک ہی شاہی چھتر کے زیر سایہ کر دیا۔"

ہم اس مبالغہ آمیز بیان کو حرف بحرف درست تسلیم نہ بھی کریں۔ پھر بھی چدمبرم جو جنوبی بھارت کا مشہور ترین شیو مندر ہے، کم سے کم پرانتکا اوّل کے زمانے ہی سے چولا راجاؤں کا مرکز عقیدت بن چکا تھا، گنگائی کونڈ چولا پورم کی بنیاد پڑنے اور شاہی دار الخلافہ کے تنجور سے وہاں منتقل ہو جانے کے بعد چدمبرم کی اہمیت بھی بڑھ گئی کیونکہ یہ نئے دار السلطنت کے قریب واقع تھا اور راجہ کے اس مندر کی زیارت کے لیے وہاں آنے کے امکانات بڑھ گئے تھے۔ تنجور اور ترو وارور کی جو راج راجا اوّل کے عہد میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے اب صرف ثانوی حیثیت رہ گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ چدمبرم میں وکرم چولا کی تعمیرات اور عطیے کی غرض اس مندر کی از سر نو تشکیل کی تکمیل تھی جو کلوتنگا کے عہد کے آخر میں نرلوک دیرنے شروع کی تھی۔ اس سردار کا اس مقدس شہر میں وکرم چولا کے منصوبوں کی تکمیل میں بہت بڑا حصہ تھا۔ بعد کے کتبات میں مندر کی پہلی "پراکار" دیوار کا ذکر "وکرم شولن ترڈ مالگئی" کے نام سے کیا گیا ہے اور مندر کے گرد کی سڑک کا نام "وکرما شولن تینگو تیرو دیدی" رکھا گیا ہے۔ اگرچہ کتبات سے اس امر کی تصدیق نہیں ہوتی لیکن "شری رنگم کو ئیلو لگو" نامی تصنیف میں درج ہے کہ وکرم چولا نے شری رنگم میں واقع رنگ ناتھ کے مندر کے گرد کی پانچویں دیوار تعمیر کروائی تھی۔ یہ اسکی چند دیگر تعمیرات کے علاوہ تھی جن میں رام کا بھی ایک مندر تھا۔

شاہی دورے

نظم و نسق کو قائم رکھنے میں راجہ نے جو حصہ لیا اس کا اندازہ اس کی نجی نقل و حرکت سے کیا

جاسکتا ہے، جس کی یادداشت سرسری طور پر اس کے عہد کے کتباب درج ہے۔ گنگائی کونڈ چولا پورم ان دنوں دارالخلافہ اور راجہ کی معمولاً اقامت گاہ تھی۔ یہ ایک کتبے سے ظاہر ہوتا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک سیناپتی گنگائی چولا پورم کے بیرونی دروازے (پڑوائیل) کی کمان کرتا تھا۔ ۱۱۲۲ء میں راجہ نے مڈی کونڈ چولا پورم سے ایک فرمان جاری کیا۔ یہ کمبھا کونم کے نزدیک ایک مقام پلائیارڈ کا دوسرا نام تھا اگلے برس اس نے کالیور کوٹم (ضلع جنگل پٹ) میں ایک مقام وشارڈ عرف کنی ڈنلور کی جنوبی طرف ایک منڈپ میں کچھ وقت گزارا۔ جو ایک تالاب کے قریب تھا۔ پھر ۱۱۲۴ء میں ضلع جنوبی ارکاٹ میں ویرنارائن چترویدی منگلم یعنی کاٹومنار کوئیل کے ایک محل میں مقیم رہا۔ اور پھر آخر میں اپنے بارھویں سال حکومت میں ہم اس کو چدمبرم کے ایک محل میں قیام پذیر دیکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ راجہ برابر اپنے علاقے کا دورہ کرتا رہتا تھا۔ زیادہ اہم شہروں میں شاہی محل موجود تھے۔ نیز ملک بھر میں منڈپ اور اسی طرح کی دیگر عمارات تھیں جو راجہ کے دوروں قیام گاہ کے طور پر استعمال کی جاسکتی تھیں۔ قرونِ وسطےٰ کی ایک مطلق العنان ریاست میں نظم و نسق کو برقرار رکھنے کے لئے ان شاہی دوروں کی اہمیت نظر انداز نہیں کی جاسکتی وکرم بلاشبہ اس وقت کے چولا شہنشاہوں کے ایک دستور ہی پر عمل کر رہا تھا۔

وکرم چولا کے القاب اور اس کی رانیاں

وکرم چولا کا ممتاز ترین لقب "تیاگ سمدرا" تھا یعنی فیاضی کا سمندر۔ اس لقب کا استعمال اس کے کتبات اور "وکرم شولا اُلا" میں ہوا ہے۔ اس کے سولہویں سالِ حکومت کے ایک سنسکرت کے کتبے میں جو شیو پلی میڈو سے ملا ہے "تیاگ وارکارا" کے لقب کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو مذکورہ بالا لقب کی محض ایک دوسری شکل ہے۔ نیز اکلنکا "(بے داغ شخصیت) کا لقب بھی اس کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔ کالنگتو پرانی" میں کلوتنگا اوّل کے لئے استعمال ہوا ہے کتبات میں اس کی دو مہارانیوں کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔ یعنی مکوکلان اور تیاگ پتاکا جن میں سے اوّل الذکر ۱۱۲۶-۲۷ء تک سب سے بڑی مہارانی شمار ہوتی تھی۔

بھی راشیار نرئن ماد یو یار پھس کامعہ اس کے مصاحبین کے ذکر راجہ کے پچھلے سال
حکومت کے ترّو وڈنی مرددور کے کتبے میں کیا گیا ہے۔ غالباً اس کی تیسری رانی
تھی۔ لیکن اس کا ذکر کہیں اور نہیں ملتا۔

ماتحت راجگان

"وکرم شولن اُلا" اور کتبات میں اس کے ماتحت راجاؤں کی ایک خاصی تعداد
کا ذکر آیا ہے۔ "اُلا" میں دی ہوئی "منڈلیکوں" کی فہرست کالنگا کے مشہور فاتح سردا
کرونا کر تونڈیمان سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد ترتیب وار مندرجہ ذیل افرا
کا ذکر ہے۔ منئیار کا راجہ جو ابھے کا وزیر اور جنگجو سپہ سالار تھا، شولکون جس نے
مغرب میں کونگا، گنگا اور مرہٹہ راجاؤں سے جنگ کرکے شہرت حاصل کی عظیم
قلعے کا مالک برہمن کنن، اس کے بعد وانن جو جنگ میں اپنی خوبصورت کمان کے
استعمال میں طاق تھا۔ اور جو غالباً شنٹ ملن مذی کونڈان عرف وانکو وریار بھی
کہلاتا تھا جس کی رانی ایلوار گلی نے ۱۱۲۰ء میں، تردو ڈورائی میں ایک چراغ
کا عطیہ دیا تھا۔ کالنگر کون عرف نرلوک دیر جس نے کلوتنگا کے عہد حکومت
میں جنوبی ہند کی لڑائیوں میں، جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، کارہائے نمایاں
دکھلائے اور بعد میں بہت سی عمارتیں بنوائیں؛ کادو جس کے سواری بدمست
ہاتھی کی تھی اور جو شنجیار کی مستحکم اور مضبوط گڑھی کا مالک تھا؛ ویناڈ (جنوبی ٹراوَ
نکور) کا حکمران جس نے اپنی اچھی حکومت سے کلی کو کرہ زمین سے نکال باہر کردیا
اننت پال جس کی سخاوت اور فیاضی راس کماری سے دریائے گنگا تک زبان
زد خاص و عام تھی۔ شاید یہ وہی شخص ہوگا جو سینا پتی شنکرن امبلم کوئل کونڈان
عرف اننت پالار کہلاتا تھا۔ جس نے ۱۱۲۱ء میں "ترّو واڈ تورائی میں ایک بہت
بڑا عطیہ دیا تھا، راجہ وتوا جس کے خونخوار ہاتھیوں نے حریف راجاؤں کے شمالی
منی کے قلعے کی تین فصیلوں کو چکنا چور کردیا تھا۔ مقدس سرزمین چیدی کا والی
جس نے ایک گھمسان کی لڑائی میں کرناٹوں کی قلعہ بندی کو تباہ کرکے رکھ دیا
تھا۔ کارانئ کا راجہ (۹) جو جنگ میں ہمیشہ فتحمند رہتا تھا۔ ادیگن جس نے شمالی،

لنکالی افواج کو کاٹ کر ختم کر دیا اور مغرور راجاؤں کو جنھوں نے اس کے خلاف لڑنے کی قسم کھائی تھی، جان بچا کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ نلمب پلو نامی ایک شخص جس نے کوتار اور کولم کے معرکوں میں، جو پانڈیوں کی ملکیت تھے، شہرت حاصل کی تھی۔ ترگرتا جس نے کونگو اور کورگ کو مطیع کیا۔ اور ان کے علاوہ کئی دیگر راجگان جن میں پانڈیا اور کیرالا بھی شامل تھے لیکن جن کے متعلق کوئی تفصیلات نہیں دی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض جیسے مگدھ اور مالوہ کے راجگان بغیر کسی تاریخی جواز کے ان ماتحت راجاؤں کی فہرست میں شامل کر لئے گئے ہیں۔ کتبات سے ہمیں تامل خطے کے مندرجہ ذیل ماتحت جاگیرداروں اور اطاعت گزار خاندانوں کا پتہ چلتا ہے۔ شورئی نانگن عرف مادھورائن دارا رمیا کلان پونم ملکوتن عرف ترلوک ویر جو شینگینی نسل کے شامبوورایا راجگان میں سے تھے یہ نسل بعد میں شمالی ارکاٹ کے خطے کے نیم خود مختار راجاؤں کا ایک اہم خاندان بن گیا تھا۔ جن کے بزرگ کال بستی کے نواح میں حکومت کرنے والے یادورایا راجگان اور چند دوسرے حکمرانوں کے تھے۔

کلوتنگا دوم

کلوتنگا دوم کو اس کے والد وکرم چولا نے ۱۱۳۳ء میں مئی اور جولائی کے درمیان کسی وقت اپنا ولی عہد سلطنت مقرر کیا ہوگا۔ کیونکہ اس کی حکومت کے برسوں کا شمار اسی تاریخ کو اس کی حکومت کا آغاز مان کر اس کے کتبات میں کیا گیا ہے۔ اس تاریخ کے بعد وکرم چولا کی حکمرانی تقریباً دو برس تک رہی۔ کلوتنگا دوم کے کتبات کی پرشستیاں (تمہیدیں) بہت سی اصناف میں تحریر کی گئی ہیں۔ ان سب میں نری لفاظی ہی لفاظی ہے اور ان میں راجہ کے حسن انتظام کی مبالغہ آمیز تعریف ہے لیکن ان سے اس کے عہد حکومت کی تاریخ سے متعلق کسی بھی ایک واقعے کی شہادت نہیں ملتی۔ اس کے ایک کتبے میں اسے وہ راجہ بتایا گیا ہے، جس نے تاج شاہی اس انداز سے زیب سر کیا کہ تلئی نگر کی شان و شوکت کو چار چاند لگا دئے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کلوتنگا دوم کے زمانے میں چدمبرم کی ایک بڑے پیمانے پر آرائش کی گئی۔ دراصل چدمبرم کے شہر اور مندر کی تشکیل نو اس

عہدِ حکومت کا سب سے مشہور کارنامہ ہے اور اس کا ذکر واضح طور پر سب سے پہلے ترومنم سے دستیاب شدہ ایک کتبے میں جو ساتویں سال حکومت کا ہے، کیا گیا ہے گو اس کی وجہ سے راجہ نے جو لقب اختیار کیا اس کا حوالہ اس کے تیسرے ہی سال کے ایک کتبے میں ملتا ہے۔

چدمبرم میں اس کے کارہائے نمایاں

کلوتنگا شولن اُلا" میں کلوتنگا دوم کی جانب سے چدمبرم کے مندر کی تشکیل نو کا ایک مفصل تذکرہ درج ہے۔ اس کا آغاز اس بیان سے ہوتا ہے کہ اپنی بے نظیر مہارانی کے ہمراہ، جو اس کے تخت شاہی کے جملہ اعزازات میں حصہ دار ہونے کا استحقاق رکھتی تھی، کلوتنگا چدمبرم مندر میں گیا اور رقص کرتے ہوئے شو کی پوجا کی۔ نیز اس نے تلئی کے مقدس صحن سے چھوٹے دیوتا (وشنو) کو ہٹا دیا۔ اس کے بعد راجہ کی نئی تعمیرات کی ایک فہرست دی گئی ہے۔ ان میں سات ایک دوسرے سے بلند درجوں والے گوپورم"، اور دیوی کا مندر بھی شامل ہیں جن کی وسعت اور شان و شوکت کو دیکھ کر دیوی کا دل اس قدر خوش ہوا کہ اُسے مقدس پہاڑ (ہمالیہ) کی یاد بھول گئی، جس نے اُسے جنم دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ شہر اور مندر کے متعدد حصے سونے سے مڑھوائے گئے تھے۔ یہی واقعات "راج راجا شولن اُلا" اور تکیاگ پرانی" میں ایک ہی شاعر نے قدرے زیادہ اختصار کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ یہ واضح نہیں ہے کہ جو کام کلوتنگا دوم کے ساتھ منسوب کئے گئے ہیں، اُن کا وکرم چولا کے ساتھ منسوب کئے گئے کارہائے نمایاں سے کیا تعلق ہے جن کا ذکر اس کے گیارہویں سال کے کتبات سے شروع ہوتا ہے۔ ہم کو غالباً یہی فرض کرنا پڑے گا کہ وکرم چولا کے عہدِ حکومت میں جس کام کی ابتدا ہوئی تھی اس کی تکمیل کلوتنگا دوم کے تخت نشیں ہونے کے چند برس بعد ہوئی

پُرامن عہدِ حکومت

معلوم ہوتا ہے کہ کلوتنگا کا عہدِ حکومت امن، خوشحالی اور خوش انتظامی

کا عہد تھا کسی بھی جنگ وجدل کی کہیں کوئی شہادت نہیں ملتی سچ تو یہ ہے کہ چدمبرم کے مندر سے گووند راجا کی مورتی کو اپنی جگہ سے ہٹانے کے علاوہ جو ایک متعصبانہ فعل تھا اور کوئی بھی بات اس عہد میں ایسی ملتی ہیں جس سے چولا عملداری میں زندگی کے امن وسکون میں خلل پڑ سکتا سلطنت کی حدود وہی قائم رہیں جو وکرم چولا کے عہدِ حکومت کے خاتمے پر تھیں۔ چیلوکر کی قایم ہوجانے کے باعث چولوں کا اقتدارِ اعلیٰ جو عارضی طور سے وہاں معدوم ہوگیا تھا۔ اب وہاں دوبارہ بحال ہوگیا۔ تانبے کی تختیوں سے البتہ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ شمال میں مغربی چالوکیہ اقتدار کے تیلگو خطے میں اس عہد کے کتبات اس سے پہلے کے عہد کے کتبات کے مقابلے میں زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ تامل لٹریچر کے بعض بہترین شاہکار اسی عہد کی تخلیق ہیں اور رادنا کوتن شیکی لار اور بعض دیگر مصنفین کی سرپرستی کلوتنگا دوم اور اس کے ماتحت حکمرانوں کے کی۔

دارالخلافہ اور القاب وغیرہ

گنگائی کونڈ چولا پورم اب بھی بدستور سلطنت کی راجدھانی تھی اگرچہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ کلوتنگا کی چدمبرم کی طرف خاص توجہ تھی۔ بتایا گیا ہے کہ اپنے تیسرے سالِ حکومت میں راجہ وکرم شولا پورم میں واقع اپنے راج محل میں رہائش پذیر تھا۔ ترومل واڈی سے ملے ہوئے راجہ کے دوسرے سالِ حکومت کے ایک کتبے میں کلوتنگا کی دو رانیوں کا ذکر آیا ہے۔ جن میں سے تیاگ ولی جا رانی تھی جو بھون ملوودیال بھی کہلاتی تھی۔ دوسری رانی مکو کلان تھی۔ جو ملاڈا (ملائیمان) خاندان کی ایک شہزادی تھی راجہ نے جو القاب اختیار کر رکھے تھے۔ ان سے انپائے" ایک خصوصی نوعیت کا لقب تھا جو نہ صرف کتبات میں اور اس پر لکھی ہوئی "الا میں مذکور ہے بلکہ اس کے سکریٹری انپائیمو وینددیلان نے بھی اس کو اختیار کر رکھا تھا۔ جو راجہ کے احکام کی تصدیق کرتا تھا۔ کئی جگہوں پر راجہ کی بخشی ہوئی جاگیریں "انپائے نلور" کے سرکاری نام سے نامزد تھیں راجہ کو مقدس پیر مبلم کو سونے سے مڑھوا دینے والا" پیر دمال" بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے تیرد چولا بھی اختیار کر لیا تھا جو کلوتنگا اول کا بھی لقب تھا۔ اسی وجہ سے شیکی لار اپلی شولا کلی کلڈنڈا شولا کی تاریخ کے بارے میں کچھ غلط فہمی پائی جاتی ہے وکرم چولا کے

عہد کے کتبات کی طرح کلوتنگا کے کتباب میں بھی اس کے ماتحت راجاؤں کی جانب سے دیئے گئے عطیات کا اندراج ملتا ہے جن میں سے یہاں صرف کاڈوَ راجاؤں ذکر کرنا کافی ہوگا۔ موہن الکولی عرف کلوتنگا شولک کاڈوَرائن ایک سردار تھا۔ جو پلونسل سے تعلق رکھتا تھا بہ 1136ء کے آس پاس ضلع جنوبی ارکاٹ میں ترُومانی کلی کے قریب کے تھوڑے سے نظم وضبط قائم رکھنے کا کام اس کے سپرد تھا۔ اگلے چند برسوں کے دوران میں اس کاڈوَ سردار نے کچھ زیادہ اہمیت حاصل کرلی۔ اور اس کے کتبات ترُونا ملور، تردڈی اور وردھاچلم جیسے مقامات میں پائے جاتے ہیں اور ان میں اس کا ذکر کئی ناموں اور مختلف القاب کے ساتھ کیا گیا ہے۔ جو اس کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔ اس کے عطیات اور فیاضی کے کام زیادہ تر ناموں ونمود کے لئے ہوتے چلے گئے ہیں بہ 1140ء میں اس نے ترونا ملور میں ترُو تونڈلیشور دیوتا کو سونے کے زیورات اور چاندی کے برتن نذر کئے اور اس وقت اس نے کودلوڑپلی اَلپسی رندان موہن" اور کلوتنگا شولک کچیارائن کے القاب اختیار کر رکھے تھے۔ لگ بھگ انہی دنوں میں اُس نے ترُودڈی کے دیوتا کو جواہرات سے جڑا ہوا ایک ہار پیش کیا۔ اس کے پانچ سال بعد اس نے تردوڈی کے مندر کو ~~کچھ اراضیات اور املاک سے~~ وصول ہونے والا "پیرمباڈی کاول" دان میں دے دیا۔ اس وقت اس نے "پیّا کامترائن اَلپی رندان ارشں نارائنن،، کے القاب اختیار کر رکھے تھے۔ کوڈلورکا محل وقوع تردمنی پاڈی کے خطے میں پیرڈگلوڑناڈو کے اندر بتایا جاتا ہے بہ 1146ء میں اُس نے زیر انتظام علاقے میں واقع تین دیہات سے جو "دیودان،، کے زمرے میں آتے تھے۔ حاصل ہونے والے کچھ مزید ٹیکسوں کی آمدنی ترودوڈی کے مندر کے نام کردی۔ اور اس موقعہ پر اس نے اپنے نام کے ساتھ کڈلورپیّا کامترایِن اَلپی زندان الیشیئ موہنان کلوتنگا شولا کاڈورائن" کے القاب اختیار کرلئے۔ آخر میں 1148ء میں اُس نے وردھاچلم کے دیوتا کے "مہاسنپتا" کیلئے ایک منڈپ تعمیر کیا جس کا نام الیشئی موہن" رکھا اور اس کی تاریخ کندہ کرواتے وقت اس نے اپنا لقب" اپلی رندان الیشئی موہن "عرف" کلوتنگا شولا کاڈورَ، ادتن" لکھوایا۔ ان کتبات سے اُن جاگیردار خاندان کے آغاز کی نشان دہی ہوتی ہے جس میں مشہور زمانہ کوپیرن جنگا پیدا ہوا، جس کی متلاطم اور طوفانی زندگی

نے چولاسامراج کی جڑیں ہلادیں۔ اور جو بہت جلد اس کے زوال کا باعث ہوا۔
ہم مدھرانتکی پوتیپی چولاسدھ راسا کو قابلِ ذکر شخصیات میں شمار کر سکتے ہیں۔
جس کے نندلور میں ملنے والے کتبات اس سمت میں چولاسلطنت کی حدود کی وسعت تصدیق کرتے ہیں۔ پڈوکوتاہ ریاست میں واقع ترؤگوکرنم سے دستیاب شدہ ایک نادر کتبے میں برہمنوں کے ایک کنبے کا ذکر ملتا ہے جنہیں راجاؤں کی تاجپوشی کروانے کا استحقاق حاصل تھا۔ اور جنہیں راجہ کلی نے تین کویرا ناڈو میں آباد کیا تھا۔ یہ راجہ برہمنوں کا اس لئے احترام کرتا تھا کہ توئی (دوارکاپوری) کے عظیم شہر سے ان کے گھرانے کا قدیمی ناطہ تھا۔ "مہاومسا" میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ پانڈیا ریاست میں "لمب کرن" نامی ایک قبیلے کے لوگ بھی تھے جنہیں راجاؤں کی تاجپوشی کے وقت کچھ خاص فرائض ادا کرنے ہوتے تھے۔

راج راجا دوم

کلوتنگا دوم کے کتبات میں اُس کا جو سب سے آخری سالِ حکومت ملتا ہے وہ سولھواں یا سترھواں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۱۵۰ء کے آس پاس اس کی حکومت ختم ہو گئی۔ اس سے کوئی چار سال قبل اس نے اپنے بیٹے راج راجا کو انتظامیہ کے کاروبار سے وابستہ کر دیا تھا اور پراکسیری راج راجا کے کتبات میں اس کی حکومت کے برسوں کا شمار ۶؍اپریل ۱۱۴۵ء سے بعد کی کسی تاریخ سے کیا گیا ہے۔ راج راجا دوم کے عہد کے بہت سے کتبات محفوظ ہیں جن میں متعدد پرشستیاں اس کی حدودِ سلطنت کی نشاندہی کرتی ہیں اور اس کے کئی باجگزار، جاگیرداروں کے ناموں اور ان کے مرتبوں کا انکشاف کرتی ہیں۔ اس عہد کے جنگی امور کے متعلق کتبات کی خاموشی سے یہی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ کلوتنگا دوم کے عہدِ حکومت کی مانند راجا دوم کا بھی دور بالعموم پرامن تھا۔ اس عہد کے کتبات کی بیشتر رائج پرشستی وہ ہے جو "پومُروویا تروماوم" سے شروع ہوتی ہے۔ اور جس میں راجا کی حکومتوں کی برکتوں کا تذکرہ بڑے بلند بانگ طریقے سے کیا گیا ہے یہ پرشستی سب سے پہلے اس حکمران کے تیسرے سالِ حکومت سے شروع ہوتی ہے۔

اس کے ابتدائی الفاظ "پومرو دیا پولل ایلم" ہیں۔ اور دوسری باتوں کے علاوہ اس میں اس عہد میں لٹریچر کی ترقی کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس میں راجہ کو متمل کت تلئی وان کہا گیا ہے۔ یعنی سہ گونہ تامل (تینوں اقسام کی تامل) کا سرپرست۔ اس پرشستی کے آخر میں اونی ملودد ڈنیال کے علاوہ، جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ تین مزید رانیوں کا ذکر بھی ہے ان میں سے دو کے القاب تو باہم ملتے جلتے ہیں، بھون ملودد ڈنیال اور دھرنی ملودد ڈنیال اور تیسرے کا نام اُنگوڈئی مکو کلان بتایا گیا ہے جو بلاشبہ وہی رانی تھی جس کا ذکر چودھویں اور سترھویں سالِ حکومت کے دو کتبات میں آیا ہے۔ اس عہدِ حکومت کے کتباب میں دو۔ اور پرشستیاں بھی درج ہیں اور یہ "پویل وائتو دلم پیٹرگا" اور "کنڈل شولنڈ پار مادرسے شروع ہوتی ہے۔ ان میں سے اوّل الذکر پرشستی جوراج راجا دوم کے پانچویں سال حکومت کے ایک کتبے میں ملتی ہے۔ بعد میں کلوتنگا سوم کے کتبات میں بھی شامل کی گئی ہے جن میں اس کی مقابلتاً قدرے مختصر تمہید کے باوجود پانڈیا کے حملے کا حال بیان کیا گیا ہے اسی طرح موخرالذکر پرشستی جوراج راجا دوم کے دسویں برس کے ایک کتبے میں دی گئی ہے۔ راجا دھیراج دوم کے عہد کے سرکردہ پرشستی بن گئی ہے۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اس پرشستی کے آخر میں مذکورہ مہارانی کا نام راج راجا اور راجا دھیراج دونوں حکمرانوں کے کتبات میں الگوڈئی مکو کلان ادیگل درج ہے۔ جو اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ یہ ایک لقب ہے نہ کہ مہارانی کا ذاتی نام۔

حدودِ سلطنت

راج راجا کے زیرنگیں سلطنت کی حدود کی تصدیق اُس کے کتبات سے ہوتی ہے کیندتی سے دستیاب شدہ اس کے ساتویں سال حکومت کے ایک کتبے میں یہ ذکر ہے۔ کہ کاڈو ویٹی خاندان کے ایک جاگیردار نے کو، لال ناڈو میں واقع ایک مقام شورور کی ایک پہاڑی پر ایک مندر تعمیر کروایا تھا۔ نیل گری شولا منڈلم کے ضلع سلیم سے برآمد شدہ ایک کتبے کے ٹکڑے میں درج ایک عطیہ، نیز ۱۱۵۹ء میں پیرمبیر کے ایک کتبے میں درج ایک دوسرے عطیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک کونگو میں گنگا ریاست کے مشرقی حصے میں چولا اقتدار اعلیٰ بدستور تسلیم کیا جاتا تھا۔ موخرالذکر عطیہ کا اندراج ایک ایسے شخص

نے کروایا تھا۔ جو خود کو تگنڈور کلون کہتا تھا تیلگو علاقے میں پوری وینگی کی ریاست پر
اور دراکش رام تک پائے جانے والے کتبات راج راجا کی بالادستی کا ثبوت مہیا
کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ بات واضح ہے کہ ویلنانڈو کے جاگیرداروں کی خود مختاری اور خود
سری رفتہ رفتہ بڑھتی جا رہی تھی۔

سامراج کی کمزوری میں اضافہ

واقعہ تو یہ ہے کہ کلوتنگا اوّل کے عہد کے اختتام سے جب چولا سلطنت پر مصائب
کا نزول ہوا اور ہوئسالوں اور مغربی چالوکیوں کے عروج کے باعث اس کی حدود بہت
حد تک سمٹ گئیں تو سلطنت کے اندر ایک نہایت اہم رجحان ظاہر ہوا یعنی مقامی
خاندانوں کا اثر و اقتدار بتدریج بڑھنے لگا۔ مرکزی انتظامیہ کی گرفت سلطنت کے سرحدی
علاقوں میں ہمیشہ راجدھانی کے قریب کے اضلاع کی نسبت کمزور رہی تھی لیکن راج راجا
دوم کی حکومت کے خاتمے کے وقت سے مرکزی علاقوں میں بھی انتظامیہ ڈھانچے میں کمزوری
کی علامت دکھائی دینے لگیں۔ بادشاہت اب وہ پرجوش اور سرگرم مطلق العنانی
نہیں رہی تھی جو ماضی میں ہوا کرتی تھی۔ اور جو جنگ اور شہرت کی ہوس میں اور امن و
انتظام برقرار رکھنے اور رفاہ عامہ کے ضروری مگر مہنگے منصوبوں کی تکمیل کے لیے ہمیشہ
کمربستہ رہتی تھی۔ کتبات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک طرف تو ماتحت جاگیرداروں کی
بڑھتی ہوئی سرکشی تھی اور دوسری طرف چولا شہنشاہ کی روز افزوں بے بسی اور
لاچاری۔ یہ ماتحت جاگیردار اپنے آقا کی برائے نام برتری کو تسلیم کرتے تھے۔ لیکن
زیر نگیں علاقوں کا کام کاج چلانے میں مرکزی حکومت سے زیادہ اہم اور مؤثر رول
ادا کرنے لگے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بدلے ہوئے حالات کا اثر دیہات کے
انتظامیہ پر نہیں پڑا تھا۔ جو خود مختار مقامی مجلسوں کے ذریعے سے اپنا کار منصبی انجام
دیتی تھی۔ لیکن مرکزی منتظمہ جس کی تشکیل و تعمیر راج راجا اوّل اور اس کے جانشینوں
نے اس قدر محنت سے کی تھی، اب اپنا استحکام اور طاقت کو کھو بیٹھی تھی۔

راجدھانی، القاب وغیرہ

گنگاپوری بلاشبہ سلطنت کی بدستور راجدھانی بنی ہوئی تھی۔ اس عہد کے کتبات

میں راجہ کی نقل و حرکت اور انتظام سلطنت میں حصہ لینے کا کوئی خاص ذکر نہیں ملتا تیرھویں برس کے ایک کتبے میں راجہ کو آئرتلی میں قیام پذیر بتایا گیا ہے۔ اس کے القاب میں سب سے زیادہ قابلِ توجہ "جولیندر سمہا" ہے۔ کیونکہ اس کا ذکر کتبات میں بھی آیا ہے اور راج راجن اُلا" نامی تصنیف میں بھی۔ اس سے منسوب ایک اور لقب جس کا ذکر صرف لٹریچر میں آتا ہے لیکن کتبات میں جس کا نشان تک نہیں ملتا "کنڈن" ہے "آلا میں آخری وسنبا" میں اس کا "ویر دھرا" اور "ویر ددیا" کے القاب کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ کتبات سے یہ واضح ہے کہ راج راجا نے اپنے نام کے ساتھ "راج گمبھیرا" "ایدیل شولا" اور "نیرنیو دیا چولا" کے القاب بھی شامل کر رکھے تھے۔

اس عہد حکومت میں کاڈوا خاندان کی نمائندگی کو ڈلورا یسی رندان موہن المعروف بہ راج راجک کاڈورائن کر رہا تھا جو غالباً گذشتہ عہد کے کلوتنگا شولک کاڈورائن جیسا ہی ایک لقب تھا۔ یہ نمائندگی راجندر شولا پلوّر آدِتّن کرتا تھا جو کاچی پورا کا جاگیردار بھی کہلاتا تھا۔ اوّل الذکر نے ایلوانا شور کے مندر کے اخراجات کے لئے بہت سے ٹیکسوں اور واجبات کی آمدنی مندر کے نام کر دی تھی۔ جبکہ موخر الذکر نے ضلع کولار میں ایک پہاڑی پر پتھر کا ایک مندر تعمیر کیا تھا۔ انہی دنوں کا رنگئی کلتوّر کا جاگیردار پلوراپار ہوا جس پلوراین پیٹئی میں راج راجیشورم اڈئیار کا پتھر کا مندر بنوایا اور جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے راج راجا دوم کی وفات کے بعد بہت نمایاں رول ادا کیا۔ وہ شینگینی جاگیرداروں کا بھی ذکر آیا ہے، ایک نونت دنوداشا میو درائن تھا جس کی اہلیہ شورنڈ ڈئیال نے ضلع جنوبی ارکاٹ میں برہم دیشم کے مندر میں ایک چراغ کا عطیہ دیا تھا دوسرا راج نارائنا شامیو درائن تھا جو امئیلاین شینن پلو انڈان کے نام سے بھی موسوم تھا۔ اس کے عطیات کا اندراج مُنوّر اور راجہ پالم کے کتبات سے ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی لائق توجہ ہے۔ کہ راج نارائنا کی عرفیت سے شینگینی اور کاڈوا خاندانوں کے باہمی رشتوں کی نشان دہی ہوتی ہے۔

اس عہد حکومت کا اختتام

راج راجا کے کتبات میں اس کا آخری سال حکومت قطعی طور پر مذکور ہے۔

وہ چھبیسواں سال ہے۔ تر و وور یور کے ایک کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس راجہ کا ستائیسواں سال حکومت اس کا آخری سال تھا۔ اگرچہ اس تاریخ کا پہلا ہندسہ مشکوک ہے ایک اور کتبے میں جو کو نی دینا سے دستیاب ہوا ہے۔ اٹھائیسویں سالِ حکومت کو آخری برس بتایا گیا ہے۔ لیکن اس میں بھی شا کاسمت کی تاریخ غائب ہے۔ لہٰذا راج راجا کے عہدِ حکومت کے خاتمے کی تاریخ لگ بھگ سنہ 1173ء متعین ہوئی ہے۔ اس کے جانشین راج راجا دوم کی حکومت کا آغاز مارچ سنہ 1163ء کے کسی دن میں ہوا۔ ان میں سے ایک کتبے سے پتہ چلتا ہے کہ راجا دھیراج دراصل راج راجا کا بیٹا نہیں تھا بلکہ وہ خود راج راجا کی طرح وکرم چولا کا پوتا تھا اور راج راجا نے اُسے چولا تختِ شاہی کے لئے اس وجہ سے اپنا جانشین چُنا تھا کہ اس کی اولاد میں کوئی دوسرا موزوں شخص موجود نہیں تھا۔ راجا دھیراج کے جانشین منتخب ہونے کے بعد چند ہی برسوں میں پانڈیا ریاست کو ایک خانہ جنگی نے ہلا کر رکھ دیا۔ اس خانہ جنگی میں چولوں کو ایک فریق کا ساتھ دینا پڑا۔ کیونکہ برصغیر پر راج لنکا کے بڑھتے ہوئے اثر و اقتدار کو روکنے کے لئے ایسا کرنا بہت ضروری تھا۔ راج راجا کی وفات تک یہ جنگ عملی طور پر ختم ہو چکی تھی۔ لیکن چونکہ اس کی تفصیلات راجا دھیراج دوم کے اور کلوتنگا سوم کے کتبات میں دی گئی ہیں۔ اس لئے اگلے باب میں ہم ان پر روشنی ڈالیں گے۔

نوٹ (ج)

پلورائن پیٹی کے کتبے کے متعلق

(سنہ ۱۹۲۴ء کا سلسلہ نمبر 433)

راجادھیراج دوم کے آٹھویں سال حکومت کے اس کتبے کی کچھ تفصیل 1924۔
حصہ دوم کے پیراگراف ۱۹-21 میں دی گئی ہے۔ سوماسندرا دیسکر اس کے مؤلف ہیں
(دیکھئے جلد ۱۹ صفحہ 57 وصفحات ذیل) انھوں نے سرکاری ماہر علم کتبات (وینکویاراؤ)
کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ ان کی رائے میں یہ کتبہ اس نظریہ کی تائید نہیں کرتا کہ کلوتنگا
سوم، راج راجادوم کا بیٹا تھا۔ اور اپنے والد کی وفات کے وقت بچہ تھا میرا خیال
ہے کہ اس معاملے میں دیسکر کی رائے صحیح ہے۔ لیکن دوسرے ہمعصر ماخذ سے دستیاب
شدہ اعداد و شمار کی روشنی میں اس مشکل کتبے پر غور کرکے میں ان مصنفین سے ایک
مختلف نتیجے پر پہنچا ہوں اور اس عہد حکومت کی تاریخ کے لئے اس کتبے کی اہمیت کو
مدنظر رکھتے ہوئے اس کا تفصیل سے جائزہ لوں گا۔ وی وینکٹا سبا آئر نے بھی E I
21 صفحات ۱۸۴-193 میں اس کتبے کی تالیف کی ہے۔

میں دیسکر میں دیا ہوا متن کئی پہلوؤں سے صحیح نہیں ہے۔ بالخصوص انہوں نے
کچھ ایسی تصحیح بھی کی ہے جس کی تشریح ان کے حاشیوں میں نہیں ملتی۔ جو متن یہ شائع
ہوا ہے۔ وہ زیادہ معتبر اور بہت حد تک اس متن کے مطابق ہے جو مجھے ایس کے
گووندا سوامی نے بھیجا تھا جنہوں نے اصل کتبے کو دیکھا ہے۔

سطور نمبر ا تا ۹ راجادھیراج کی عمومی پرشستی پر مشتمل ہیں اور ان میں سال

حکومت لفظوں میں درج ہے۔ لہٰذا ان سطور پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں ہے سطر نمبر 5 سے سطر نمبر 14 تک پلّو رائیار کے سرکاری منصب کا بیان ہے اور اس کا بھی کہ راجادھیراج کے پہلے بطور ولی عہد اور پھر بعد میں راج راجا کی وفات پر اس کے جانشین کی حیثیت سے انتخاب عمل میں لائے جانے اور تاجپوشی میں، اُس (پلّو رائیار) نے کیا رول ادا کیا۔ زیرِ حوالہ کتبے کے اسی حصّے کی جو راجہ دھیراج کے تخت نشینی سے متعلق حالات و واقعات کے بیان میں اپنی نظیر آپ ہے۔ تشریح و تاویل بیحد مشکل بھی ہے کیونکہ اس کتبے میں بہت سی خالی جگہیں ہیں۔ سطور نمبر 14 تا 21 میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ پانڈیا ریاست کی خانہ جنگی اور اس ریاست سے لنکا کی فوجوں کے اخراج میں پلّو رائیار کا کیا حصّہ تھا۔ اس کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ وہ کسی مرض سے فوت ہو گیا۔ کتبے میں چالیس[40] ویلی "ارائیلی"، زمین کے عطیے کا اندراج ہے۔ جو راجادھیراج نے اپنے آٹھویں سالِ حکومت میں (سطور 21-28) اپنے رشتہ داروں کو دیا تھا سطور 28-30 میں متعدد سرکاری افسروں کی طرف سے اس عطیے کی تصدیق کی گئی ہے۔ اگر اس کتبے کی یہ تشریح صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کتبہ پلّو رائیار کی وفات کے بعد کندہ کیا گیا ہے — جو راج راجا دوم کے انتقال کے بعد ہوئی۔

اب سطور 5-14 کا عام مفہوم بیان کیا جائے گا۔ پلّو رائیار (سطور 5-6) پیرڈُ نیرڈُ (سطر 7) پری گرتُو (سطر 10) تروابھیشیکم پنودتو (سطر 13) اور دپڈیم پنی (سطر 14) اس طرح جتنے بھی اقدامات بیان کئے گئے وہ پلّو رائیار کے اقدامات تھے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ سطر پانچ کا مطلب صاف ہے۔ اس میں پلّو رائیار کا نام، اس کے القاب اور جاگیر کا محل وقوع بیان کیے گئے ہیں اس کے بعد کے الفاظ جو "پیرڈُ نیرڈ" پر ختم ہوتے ہیں۔ پلّو رائیار کا مرتبہ ظاہر کرتے ہیں۔ یہ کہنا عام طور سے صحیح ہو سکتا ہے۔ لیکن جو جملے استعمال کیے گئے ہیں۔ اُن کے ٹھیک ٹھیک معنی اچھی طرح سے واضح نہیں ہیں۔ پوری عبارت کا ترجمہ اس طرح کیا جا سکتا ہے: "پیرپادیور راج راجا دیور" کے دس کوئل کو ٹو ڈوں، گھوڑ سوار فوج اور اگم باڈی نیایم" کا کپتان بن جانے اور تمام "مدلیوں" جیسے فرائض انجام دینے اور مدلیوں کے تمام واجب اعزازات حاصل کر لینے کے بعد؛ یہاں دس کوئل کو ٹو:

"کوئل ادلکو" میں درج اس عبارت کی یاد دلاتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح راج راج نے شری رنگم کے مندر کی تنظیم کو بڑھایا جب اس نے دیوتا (پیریا تنگل) کے خادموں کو دس زمروں (کوتوؤں) میں تقسیم کر دیا۔ اور اس بندوبست نے پہلے والے محدود عملے کی جگہ لے لی جس میں پانچ "کوتو" ہوتے تھے۔ اس کا مفہوم یہی معلوم ہوتا ہے کہ پلّوو رائیار کے ماتحت پورے ایوانِ شاہی (کوئل) کا عملہ تھا۔ الگم بڈی نیایم (نکایم) کی اصطلاح کے معنی ملازمین کی وہ جماعت ہے۔ جو براہ راست خدمت کرے۔

"من ایوال" کی تشریح زیادہ مشکل ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں اعلےٰ ترین کمان۔

کتبے کا اگلا حصہ جس کا خاتمہ پری گرتو" پر ہوتا ہے، راج راجا کی وفات کے ذکر سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پلّوو رائیار نے راجہ کے دونوں بچّوں کی۔ جو اس وقت ایک اور دو سال کی عمر کے تھے، اور اس کے حرم اور خزانے کی حفاظت کے لئے کیا اقدامات کئے۔ ان بچّوں کی کم سنی کی وجہ سے پلّوو رائیار کو انہی ائرتلی کی چھاؤنی سے کسی اور جگہ منتقل کرنا پڑا۔ ظاہر ہے کہ ایسا ان کی سلامتی کے لئے کیا گیا تھا۔ عبارت مشمولہ سطر ۹ میں جو خالی جگہیں ہیں وہ اس کے مفہوم کو بیحد مبہم بنا دیتی ہیں۔ پھر بھی اتنی بات قابلِ یقین ہے کہ پلّوو رائیار اپنے اصل مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔ (ایلا اڈیموڈ کیڈو گم وِرادا اڈتو۔ سطر ۱۰) لیکن یہ بات صاف نہیں ہے کہ مرحوم راجہ کے بچّوں، حرم اور خزانے کو کیا خطرہ لاحق ہوتا اگر وہ ائرتلی میں رہتے۔

اب ہم کتبے کے اس کی طرف آتے ہیں جس سے راجا دھیراج کی تخت نشینی پر براہ راست روشنی پڑتی ہے: (سطور ۱۰-۱۹) یہ حصہ ان جملوں سے شروع ہوتا ہے "ادا........ پیریادیورا ایلندرلی نالِلے" اور درمیان میں خالی جگہوں کے باوجود اس جملے سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ راج راجا دیو کی وفات پر جو کچھ ہوا اب تک اسے بیان کرنے کے بعد اب یہ کتبہ اس حکمران کی زندگی کے واقعات بیان کرے گا۔ اس کے بیٹے جانشینی کے قابل نہیں تھے۔ "ترڈ ابھیشیکتو اریا پلئی گل انڑئے ا(رک) کڑپدیائی پارتو۔" اور کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ تخت کے امکانی دعویداروں کے حقوق کے متعلق چھان بین کی گئی۔ اُزنللے کاریم،

ارندپڈی دِ (چارنیٔ)، سے یدو۔ اور آخرکار وکرم چولا کا ایک نواسہ ایڈرلی پیرمال جانشین منتخب کرلیا گیا ہوگا جو گنگائی کونڈ چولاپورم کے نزدیک اُڈئی پیردمال کا بیٹا تھا معلوم ہوتا ہے کہ پلورائیار کی خدمت ولی عہد سلطنت کو، جس کا اس طرح انتخاب ہوا تھا لاکر راج راجا کے حضور میں پیش کرنے اور اُسے اپنے نئے عہدے پر فائز کرنے کے لئے حاصل کی گئی تھیں۔ چار برس بعد آسے افسران کی مشاورتی مجلس (اُڈن کوٹم) اور ناڈو کی رضامندی سے راجا دھیراج دیوا کے نام سے تخت پر بٹھا دیا گیا منڈئی کوی پتوٗ (سطر۱۲) اور ترڈا ابھشیکم پتوٗ دتو (سطر۱۳) کے درمیان فرق واضح کیا گیا ہے۔ اِن دونوں رسوم میں پلورائیار نے حصّہ لیا تھا۔ ایدِرلی پیرمال غالباً وکرم چولا کی کسی بیٹی کے بطن سے تھا۔ جو غیر معروف تھی۔

اس جانشینی کے بارے میں ایک اور نظریہ جو سب سے پہلے ٹی۔ این سبرا ہمنیم نے پیش کیا، کافی قرین قیاس ہے۔ اس نظریہ کے مطابق وکرم چولا کا ایدِرلی پیردمال نامی نواسہ دراصل راج ادھراج دوم نہیں تھا بلکہ وہ کلوتنگا دوم تھا جس کی تاجپوشی۔ بیروی (بادیور) یعنی خود وکرم چولا کی وفات پر کی گئی تھی۔ اور یہ تاجپوشی آگے چل کر راجا دھیراج دوم کی چھان بین کے بعد تاجپوشی کے لئے مثال بنی۔" منالے کا رکم ارند پڈی دِ (چارنیٔ)، سے یدو (سطر۱۱)، اس طرح منڈئی کوی پتو (سطر۱۲) اور ترڈابھشیکم پتوٗ دتو (سطر۱۳) بالترتیب کلوتنگا دوم اور راجا دھیراج کے متعلق ہیں۔ یہ بات بلیٔ تمیل" نامی تصنیف سے اور اس کے عہد کے کتبات سے واضح ہے کہ کلوتنگا دوم ایدر لا (ئی) پیردمال کے نام سے مشہور تھا۔ تاہم تاریخ نگاری کے اصول کے مدنظر اس نظریے پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کلوتنگا اپنے عہد کا شمار مئی جون ۱۱۳۳ء سے کرتا ہے اور وکرم چولا اس تاریخ سے دو برس بعد تک حکومت کرتا رہا لیکن کلوتنگا کی جانشینی کو ایک مثال قرار دینے کے لئے ہمیں یہ فرض کرنا پڑے گا کہ راج راجا دوم کی مانند وکرم چولا نے بھی دیکھا کہ براہِ راست اس کی اولاد میں تخت وتاج کا کوئی وارث نہیں ہے۔ لہٰذا اس نے اپنی کسی بیٹی کے بطن سے پیدا ایک نواسہ کو چن کر ۱۱۳۳ء میں ولی عہد بنا دیا۔ اور مناسب وقت آنے پر ولی عہد کی فرمانروا کی حیثیت سے تاجپوشی کر دی گئی۔ ضرور ایسا ہی ہوا ہوگا لیکن ہمعصر

شاعر اوٹا کوتن نے کلوتنگا کو وکرم چولا کا بیٹا کہا ہے۔ اس امر کی وضاحت ٹی این سبرا ہمنیم نے یوں کی ہے کہ راجہ نے اپنی بیٹی کے بیٹے کو اپنا متبنٰے بنالیا تھا۔

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کیماوتی (ضلع اننت پور) کے ایک کتبے ۸۹۹ء کا نمبر ۱۱۷ نمبر 335 سے جو تربھون چکرورتی کلوتنگا کے دوسرے سال کا دجیاسمتؔ کا تحریر شدہ ہے۔ ہمیں کلوتنگا سوم کی تخت نشینی کی تاریخ 66-67ء معلوم ہوتی ہے۔ یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ کیا اُسے بھی راجا دھیراج کے ہمراہ گنگائی کونڈ چولا پورم لایا گیا تھا اور۔ اُسے اپنا وقت جلا وطنی میں کاٹنا پڑا جہاں ملی دیو چوڑا مہاراجہ جیسے جاگیردار اس وقت تک اس کی مدد کرتے رہے جب تک دس برس بعد اس بہتر حالت نہیں ہوگی بطرا کے اس جملے "گنگائی کونڈ شولا پور (تل ایلن) دڑلی ارکٹرا پلیئ گلئ (پہرا) یانم پتو دتّو سے ظاہر ہے کہ اس قصّے میں وہ شہزادے رہے ہوں گے۔ اور سطور 13-14 سے ظاہر ہوتا ہے کہ راجا دھیراج کی تخت نشینی آسانی سے نہیں ہوئی۔ لیکن یہ سارا معاملہ ناصاف ہے اور دراکشارامامیں پائے گئے راجا دھیراج کے بہت سے کتبات کی روشنی میں مزید چھان بین کا محتاج ہے۔ یعنی 4 نمبر شمار ۱۰۷۹ (جس میں سولھویں سال حکومت کی بجائے غلطی سے اسکھویں سال میں درج ہوا ہے) نیز نمبر شمار ۱۱۰۰-1223-1279 ، 1118- اور ۱۳۳۰ جو اس کے عہد کو اس کے انچاسویں سالِ حکومت تک پہنچادیتے ہیں یعنی ۱۲۱۲ء یا ۱۲۱۵ء عیسوی تک۔

جیسا کہ کتبہ کا باقی ماندہ حصّہ مقفیٰ ہے۔ راج راجا کے عہد کے واقعات کا سلسلہ وار مطالعہ کرنے سے پہلے اس پر اختصار پر بحث کی جاسکتی ہے۔ راجا دھیراج کی امیدواری کے چار برسوں کے اختتام پر اس کی تاجپوشی ہوئی تو پانڈیا (ریاست میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ اور پلوو رائیار نے چولا افواج کی کمان کرکے اُس کو فتح دلائی۔ اس جنگی مہم کے خاتمے پر وہ اپنے آقا کے مزید احکام بجالانے کے لئے کمربستہ رہا (سطور 2-14) اس کے بعد وہ بیمار پڑا اور مرگیا۔ ظاہر ہے کہ اس کی موت راج راجا کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد ہوئی جس کا ذکر اس کتبے میں پہلے ہی کردیا گیا ہے۔ راجا دھیراج نے ۴۰ دیلی اراضی جو پہلے پلوو رائیار کی "کانی" رہی تھی۔ اب لگان سے مستثنٰے کرکے اس کی بیویوں اور اقارب کے گذارے کے لئے کچھ اراضی ملی۔

مجھے شبہ ہے کہ راج راجا دیون کا نام بھی آتا ہے (وہی شخص ہے یا نہیں جس کو راج
راجا دوم کہا گیا ہے 1924ء۔ مدکمبر 2-21 صفحہ 5،۱۰۔ نوٹ ع2) میں اسے پلورائیار کا،
یک بیٹا تصور کرتا ہوں اور جو غیر معروف تھا۔ لیکن کہ اس حقیقت سے کہ سب سے
ز احصّہ (وہ ولی اراضی) اس کی بیوی ویرن دنگل اور اس کے بچوں اور راج راجا
ا بیویوں اور اولاد پر کسی محفوظ مقام پر منتقل کرنے میں پلورائیار نے نمایاں رول
دا کیا، دوسرے نظریے کی تائید ہوتی ہے اور یہ بہت ممکن ہے کہ راج راجا کی اولاد
پلورائیار کی بیٹی کے بطن سے ہو۔

ویکو باراؤ کا کہنا ہے کہ "مختلف لوگوں نے راجا دھیراج کی تاجپوشی کے علانیہ
اور خفیہ دونوں طرح سے سخت مخالفت کی۔ برخلاف اس کے وزیر (پلورائیار) نے
شہزادے کی ہوشیاری سے حفاظت کی اور تمام مشتبہ افراد کو گرفتار کر کے
اس نے شہزادے کو تخت شاہی پر مستحکم کر دیا" 1924-2-20۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
متعلقہ کتبے کی مبہم اور ٹوٹی چھوٹی تیرھویں سطر کو پڑھ کر اس میں غیر ضروری معنی پہنا
دئے گئے ہیں۔ میں ویکو باراؤ سے اس بات میں متفق ہوں کہ شومئی قسمت سے
اس کتبے کے بعض اہم حصّے اس قدر شکستہ اور مسخ شدہ ہیں کہ بہت کچھ اپنی جانب
سے قیاس کرنا پڑتا ہے۔

تاریخی واقعات کی روشنی میں دیکھا جائے تو راج راجا کے عہد کا آغاز ۱۴ اپریل
اور ۱۱ جولائی ۱۰۴۶ء کے درمیان کسی روز ہوا۔ اس کے کتبات میں اس کا آخری سال
حکومت جو صاف طور پر دیا گیا ہے وہ چھبیسواں ہے اور چھبیسواں سال یقیناً ۱۴ اپریل
۱۰۷۱ء کے بعد شروع ہوا ہو گا۔ راجا دھیراج کی تخت نشینی 28 فروری و 30 مارچ
۱۰۱۸ء کے درمیان ہوئی۔ اس طرح اس کے اٹھویں سال حکومت میں مارچ ۱۰۲۵ء
سے مارچ ۱۰۲۶ء تک کا عرصہ شامل ہو جاتا ہے۔ راجا دھیراج کے اختتام سے پہلے
راج راجا کا چھبیسواں سال حکومت شروع نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس بات کی موجودہ
کتبے سے مطابقت کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ اس کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ راج
راجا کا انتقال پلورائیار کی وفات سے پہلے ہو چکا تھا۔ جبکہ موخر الذکر کی وفات
راجا دھیراج کے اٹھویں سال حکومت میں کسی وقت ہوئی۔ پانڈیا ریاست کی

خانہ جنگی کے واقعات بھی اس کے متقاضی ہیں کہ راجادھیراج کے عہدِ حکومت کا آغاز کیلہارن کی متعین کردہ تاریخ سے کچھ عرصہ بعد ہونا تصور کیا جائے۔

راجادھیراج دوم کے کچھ ایسے کتبات بھی ہمارے علم میں ہیں جن کے حساب سے کیلہارن کی متعین کردہ تاریخ تختِ نشینی صحیح ثابت نہیں ہوتی اور وہ راجادھیراج کے عہدِ حکومت کے آغاز کے لئے بعد کی کسی تاریخ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ حوالے کے لئے سنہ 1913ء کا نمبر 19 - 1907 کا نمبر 571 - 1912 کا نمبر 428 دیکھیے۔ نیز ملاحظہ ہو۔ ۲ صفحہ ۶۰ - اور صفحات 126-127۔ ان کتبات کے متعلق یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ سی ویل سالِ حکومت شاید پندرھواں ہو، یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ 1912 کے نمبر 428 میں کدل سولگا والی تمہید شامل ہے۔ ان کتبات سے راجادھیراج کی تختِ نشینی سنہ 1066ء کی کسی تاریخ میں ہونا معلوم ہوتی ہے۔ یہ ان تاریخی حقائق سے بھی مطابقت رکھتی ہے جن کی جانب ہم توجہ مبذول کروا چکے ہیں۔ اس کے برعکس 1919 کے نمبر 337-138) سے کیلہارن کی تاریخ سے کچھ عرصہ پہلے کی تاریخ نکلتی ہے۔ بنگلور میں ایک کتبہ ایسا بھی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ راجہ کی حکومت کا ایک ہی سال بارھواں سال بھی بتایا گیا ہے اور چودھواں بھی۔

1917-18 کی تانبے کی تختی کے متعلق جس سے شاکا سمت 991 راج راجا دوم کے عہدِ حکومت کا تیئیسواں سال معلوم ہوتا ہے، وینکٹا سبا آئر کا خیال ہے کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ راج راجا دوم سنہ 1069ء میں بقیدِ حیات نہیں تھا۔ اور اس وقت چولا سلطنت پر راجادھیراج دوم کی حکومت تھی۔ شاید یہاں (وینگی میں) جس عرصہ کے لئے راج راجا نے بطور ریجنٹ کام کیا تھا، اس کو اس کے عہدِ حکومت میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اس تمام بحث میں یہ قیاس کر لیا گیا ہے کہ تامل خطّے میں راج راجا کے کوئی ایسے کتبات دستیاب نہیں ہوتے ہیں جن پر راجادھیراج کی تختِ نشینی (سنہ 1044ء) کے بعد کی تاریخ درج ہو۔ اگر ایسا ہے تو 1901 کے نمبر 207 - 1909 کے نمبر 411 اور 1920 کے نمبر 96 کی جانب توجہ دلائی جا سکتی ہے گو یہ واقعہ ہے کہ تامل اضلاع میں راج راجا کے انیسویں سالِ حکومت کے بعد کے کتبات کہیں دستیاب نہیں ہوتے۔ اس کے علاوہ وینکٹا سبا آئر کے اس مفروضہ رواج کی کوئی بھی دوسری مثال پوری تامل تاریخ میں ہمارے علم میں نہیں آتی کہ کسی فوت شدہ راجہ کے نام سے کوئی ریجنٹ یا اس کے جانشین

سردار کتبات جاری کرتے رہے ہوں۔ اس نظریے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ راجا دھیراج دوم نے کلوتنگا سوم کی نابالغی کے زمانے میں اس کے ریجنٹ کے طور پر کام کیا ہو۔

راجا دھیراج کے جانشین منتخب کیے جانے کی صحیح تاریخ کا تعین اس امر پر منحصر ہونا چاہیے کہ کیا کتبات میں دیے ہوئے اس کے عہدِ حکومت کی مدت میں چار سال کا وہ زمانہ بھی شامل ہے جو اس کی امیدواری کا زمانہ تھا۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ان چار برسوں کے خاتمے پر اس کی تاجپوشی کی گئی اور راجا دھیراج کا لقب بھی اُسے اسی وقت دیا گیا، نیز یہ دیکھتے ہوئے کہ اس کے دوسرے سال حکومت کے کتبات میں اس کا نام اس لقب کے ہمراہ آیا۔ ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اس کی عارضی تقرری کا زمانہ اس کی تاجپوشی سے قبل ختم ہو چکا تھا۔ اور راجا دھیراج کے سالہائے حکومت کی داستان میں یہ چار برس شامل نہیں ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو اس سوال کا جواب کہ پہلا انتخاب 1159ء میں ہوا یا 1167ء میں اس بات پر منحصر ہوگا کہ ہم 1163ء کو راجا دھیراج کے عہد کا پہلا برس شمار کرتے رہیں یا 1166ء کو ہم سمجھتے ہیں کہ بعد کی تاریخ زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ خود راج راجا بھی اس تاریخ کے کچھ برس بعد تک زندہ رہا۔

یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ کلوتنگا سوم راج کے ان بچوں میں سے ایک ہو جن کی عمر راج راجا کی وفات کے وقت ایک دو برس بتائی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ راج راجا کے انتقال کے بعد چھ برس کے اندر ہی اندر 1178ء میں تخت پر بیٹھ گیا تھا، اور اس نے پانڈیا ریاست کی جانشینی کی اس جنگ میں سرگرم حصہ لیا تھا جس کا آغاز خود راج راجا کی زندگی ہی میں ہو چکا تھا۔ "کلوتنگن کووئی" اور "شنکر شولن الا"، کی سی تصانیف کی شہادت بھی اسی نتیجے کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ حوالے کے لئے دیکھیے "شین تامل" ۳۰، صفحہ 166 و ذیلی صفحات۔ موازنہ بہ۔ 1909-2-48۔ 1924-2-21-21 صفحہ 186۔ ۔

....

چودھواں باب

حاشیے

(1) EI-vii صفحات 4-5

(2) 1923 کا 284 — 1920 کا نمبر 520 — 1902 کا 139، دیکھئے پہلا صفحہ 330

(3) 192 کا نمبر 285

(4) 1909 کا نمبر 408 - اور 1911 کا نمبر 175 — 1925 کا نمبر 157

(5) ہلتش (SII – iii صفحات 179-81) وکرم چولا کی زندگی کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ میرے خیال میں "پوُمالئی بڑائندو" (سے شروع ہونے) والی تمہید کے محتاط اور بغور مطالعہ سے اس رائے کا جواز مل جاتا ہے کہ کالنگا کی جنگ اس عرصے میں چھیڑی گئی تھی جب وہ وینگی میں بطور نائب السلطنت تعینات تھا۔

(6) 1922 کا نمبر 502 (گیارہویں سال کا)

(7) EI – vii صفحہ 5

(8) SII – ii صفحہ 308، حاشیہ نمبر 4؛ EI – vi صفحہ 224

(9) v – 776 – یہ بات قابل غور ہے کہ اوٹاکوتن جس نے "پرانی" کا تین مرتبہ اپنی تصنیف میں ذکر کیا ہے، یہ کہیں بھی نہیں بتایا کہ خود اس نے اسے تصنیف کیا تھا۔ ہلتش اس حوالے کو دراصل جین گونڈار کی تصنیف "کالنگو پرنی" کا حوالہ تصور کرتا ہے جس میں اسکے کہنے کے مطابق، کالنگا کی اس جنگ کا حال بیان کیا گیا ہے جو کلوتنگا کے عہد میں لڑی گئی اور جس میں غالباً وکرم چولا شریک نہیں ہوا تھا۔ وکرم چولا کی جنگ سے جو پرنی وابستہ ہے وہ اس سے پہلے کی کسی جنگ سے متعلق ہوگی (ہمارے پاس کالنگا کے خلاف لڑی گئی اور کسی بھی جنگ کا کوئی ثبوت نہیں ہے) اور یہ "پرنی" یقیناً کوتن ہی نے وکرم چولا

کے عہدِ حکومت کے دَوران کبھی تصنیف کی ہوگی۔

(10) EI-iv صفحہ 42 — w '34-35

(11) 1897 کا 153 - نیز دیکھیے پچھلا صفحہ 330

(12) 1897 کا 163 — شاکا سمت 1054 اور اصل غلطی سے سمت 1057 کے بجائے لکھا گیا ہے - EI-vii' صفحہ 5

(13) 1911 کا 175 — EC-x' Sd.-9

(14) 1911 کا 647 — EC-x' SP-61

(15) 1900 کا 87

(16) 1903 کا 30

(17) 1901 کا 276 — SII' vii-496 - کالم پولاڈائے نموّز الندمُوگڈی اوڈب پونگ۔ کِڈنند مائیل۔

(18) دیکھیے SII-iii - صفحہ 185 حاشیہ نمبر 2 - ممکن ہے کہ یہ آشیرباد جو سونے کی پتی یا تختی پر کندہ کیا جاتا تھا، ہر سال حکومت کے پورے ہونے پر جب نیا سال جلوس شروع ہوتا تھا، از سرِ نو کندہ کروایا جاتا ہو۔

(19) یہ تاریخ 15 اپریل 1128ء ہے۔ کیلہارن EI-vii صفحہ 3

(20) "Studies" - صفحہ 176، اور اس سے اگلے صفحات

(21) 1913 کے کتبات نمبر 282-284-287

(22) 1913 کا 312

(23) 1926 کا 71 — ARE' 1926' II-27

(24) 1906 کا 168

(25) 1927 کا 271

(26) 1910 کا 299 — ARE' 1911' II' 27

(27) 1918 کا 63

(28) 1902 کا 163

(29) 1907 کا 272-273 — 1931 کا 49 — الٖا II-431' 662 وغیرہ

(30) EI-vi صفحات 227 تا 230

(31) 89 — v'xiii —— 16'7 - vv - ix

(32) SII - iii صفحات 181-82

(33) 1895 کا 136

(34) II - صفحہ 119 - اور اس کے بعد کے صفحات

(35) عجیب سی بات یہ ہے کہ کلنگر بھی اس فہرست میں شامل ہیں

(36) 1929 کا نمبر 229 - ترددارور کے کلوتنگا چولا مہابلی بان راجا نامی ایک شخص نے یہ دعوے کیا ہے کہ وہ پرانی داستانوں کے مشہور چولا راجہ منو کے وزیر کی اولاد سے ہے (1894 کا نمبر 164)

(37) گنگی کی گڑھی کا غالباً یہ سب سے پرانا تذکرہ ہے۔ شیلجی کو 1930 کے کتبہ نمبر 159 میں ترو دیکیم اُڈینیار کی "دیودان" جاگیر بتایا گیا ہے۔

(38) 1928 کا 71

(39) منائی غالباً مالکھیڈ کا نام تھا۔ لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ واقعہ وہاں کب ہوا تھا۔ 1893 کے نمبر 416 میں وتر (vattar) کے راجہ کونڈی کونڈان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس راجا کے گھوڑے کا ذکر خصوصی طور پر کیا گیا ہے۔

(40) چیدی علاقے سے شاعر کی مراد چیدی رایا راجاؤں کی سرزمین ہے جو ترو کوئلور اور کلیور وغیرہ کے گرد و نواح کے پہاڑی علاقے پر مشتمل تھی۔ کتبات میں تین ملائیامان سرداروں کا ذکر ملتا ہے (1) ملائیامان ترو کلامٹرندن آلونگ کار ملائیامان (1909 کا 408) —— (2) اُبیئن المعروف وکرم چولا چیدیا رائن (1902 کا 286 — 1908 کا 371) —— اور (3) شوریئن رامن عرف راجندر شولا ملائیاکل راجن (1906 کا 177 — 1908 یہ شخص 1908 کے کتبہ نمبر 373 میں ملائیئن ملن کے نام سے مذکور ہے)

(41) کالنگا کی لڑائی میں اوگن نے جو حصہ لیا اس کا ذکر نہ تو "کالنگتو پرنی" میں کہیں ہے اور نہ کسی کتبے میں۔ تاہم یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اوٹاکوتن کی تصنیف کردہ ایک دوسری "کالنگتو پرنی" سے جواب نہیں ملتی۔

(42) 1930 کا 128

(43) EI - X صفحہ 138، xi صفحہ 287 کے 1934-35 کے کتبہ نمبر 135 کی، جو نویں سال حکومت کا ہے، بالکل صحیح تاریخ 24 مارچ 1143ء ہوتی ہے۔ ARE-
15، II -

(44) پرشستیوں کی اہم اصناف کے ابتدائیہ حصے اور جب وہ پہلے پہل استعمال ہوئے، ذیل میں درج ہیں۔

پُوسٹُو پاڈئی ـــ 1893 کے نمبر 56 میں (جو دوسرے سال حکومت کا ہے)
پُومروُ دِیاپُوی ایُم ـــ 1895 کے نمبر 85 میں (یہ بھی اُسی برس کا ہے)
پُومیبا (بیوی) دلر ـــ 1904 کے نمبر 422 میں (ایضاً)
پُوسٹُو پنڈم ـــ 1929 کے نمبر 255 میں (تیسرے سالِ حکومت کا)
پُومیوڈ تیرؤمگل ـــ 1907 کے نمبر 572 میں (آٹھویں سالِ حکومت کا)
پُوسٹُویانر ـــ 1895 کے 83 میں (جو پندرہویں سالِ حکومت کا ہے)
مزید دیکھئے ARE – 1913، II، 35

(45) 1902 کا کتبہ نمبر 155

(46) پیریا پُرانم (چنڈیشرا – v – 8) میں لکھا ہے کہ پانچ شہروں کو چولا راجاؤں کی تاجپوشی دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔

(47) 1927 کا 350

(48) 11-9 تا 116

(49) معلوم ہوتا ہے کہ 1907 کے کتبہ نمبر 363 کا آغاز اس حقیقت کے حوالے سے ہوا ہے اور کتبے کا یہ حصہ بلا وجہ اور دانستہ طور پر مسخ کر دیا گیا ہے کیونکہ باقی حصہ بہت ہی محفوظ اور صحیح حالت میں چدامبرم میں گووِند راجا اور نٹ راج کے مندروں کی نسبتی حیثیت کے متعلق سب سے پُرانا حوالہ غالباً مانکا واشگر کا ہے جو اس کی کتاب "ترڈکو وائیار" – v – 86 میں ملتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے قدیم مندروں میں شِو اور وشنو دونوں کی عبادت گاہیں موجود تھیں اور ایک زمانے میں تو شاید دونوں دیوتاؤں کے عقیدت مندوں کے باہمی تعلقات میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی شعوری کوشش بھی ہوئی۔ اس کوشش کا نتیجہ شنکر آچاریہ کے دھرم کی شکل میں ہمارے سامنے

آیا۔ لیکن بعد کے تعصب اور علیحدگی پسندگی کے رجحان نے پہلے زمانے کے فراخ دلی اور رواداری کے نظام کو برداشت نہ کیا۔

(50) 11 ' 58 تا 66

(51) 777-vv ' 808 تا 810

(52) ARE-1913 ' II-34 ' 1927 ' II ' 24

(53) گنگوتنگا شولن اُلّا - 118

(54) 1915 کا 271 — 1921 کا نمبر 533

(55) 1895 کا 85

(56) 1915 کا 271 — 1921 کا 533 — 1911 کا نمبر 346 — اور 1912 کا 531 - ان سب میں ایک افسر اَنپایا مودیند دیلان کا ذکر آیا ہے۔

(57) 1902 کا 157

(58) 1911 کا 363 — 1901 کا 312 — اور شیلن نمبل - XXV صفحات 271 - 275 ' ARE-1912 ' II-27

(59) 1929 کا 255 — 1908 کا 380

(60) 1902 کا 157

(61) 1902 کا 374

(62) 1921 کا 391 — مزید دیکھئے 1921 کا کتبہ نمبر 467 (ترودیناٗی نگوٗرا)۔ ARE-1922 ' II ' 39 میں پہلے کتبے کو گنگوتنگا سوم کے عہد حکومت سے منسوب کر دیا گیا ہے جس سے غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔

(63) 1902 کا کتبہ نمبر 45

(64) 1903 کا نمبر 46

(65) 1900 کا 137

(66) 1907 کا 572

(67) 1902 کا 411

(68) CV - باب 77 ' V-28 - اور حاشیہ نمبر 1

(69) راج راجا شولن اُلا - II، 66-67

(70) EI - IX صفحہ 210

(71) 1919 کا 465

(72) 1930 کا 243

(73) ایال - اِشائی — اَور ناڈگم - موٹے طور پر نثر اور نظم، گیت اور ڈرامہ

(74) 1903 کا نمبر 16 — 1911 کا 369 — بجُون محودُو ڈائیال کا ذکر بھی "راج راجن اُلا" — I - 78 میں ملتا ہے۔

(75) 1908 کا 165

(76) 1901 کا نمبر 219 — ARE-1909، II، 48 تا 50 میں راج راجا دوم، راجا دھیراج دوم اور کلوتنگا سوم کے باہمی رشتوں پران پرشستیوں کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ یہاں کہا گیا ہے کہ "یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ راج کیسری اور پراکیسری کے القاب اِن راجاؤں کے (ناموں کے) ساتھ بلاتخصیص وامتیاز شامل کئے گئے ہیں۔" میں اسے درست نہیں سمجھتا۔ البتہ بعض کتبوں میں چند غلطیاں ہیں جن کی وجہ سے ایک کی جگہ دوسرا لقب استعمال کیا گیا ہے، لیکن ایسے کتبوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں ہے کہ مذکورہ بالا رائے کا جواز ان سے ثابت ہو سکے۔ مزید دیکھئے ARE-1904، پیراگراف نمبر 21

(77) 1901 کے نمبر 219، اور 1904 کے نمبر 538 کا باہم موازنہ کیجئے

(78) 1911 کا 486

(79) 1900 کا 18

(80) 1901 کا 267

(81) 1893 کا 216

(82) 1906 کا 163

(83) 1917 کا 336 — اُلا II - 252، 685 —

(84) ٹیکیاگ پرنی - V - 549 - اور حاشیہ

(85) 1929 کا نمبر 128 — 1914 کا نمبر 45

(86) 1906 کا 166 — ARE ، 1937-38 II 39

(87) 1911 کا 486

(88) 1924 کا 434 و 435

(89) 1918 کا 168

(90) 1919 کا 52 — 1901 کا 244

(91) 1920 کے نمبر 703 - 704

(92) 1899 کا 181

(93) EI-IX صفحہ 211 - لیکن اس کے نیچے صفحہ 359 بھی دیکھئے۔

(94) 1924 کا 433 - اس کے برخلاف دیکھئے ARE - 1909 - II - 48

(95) 1924 کا کتبہ نمبر 433، ایک مشکل کتبہ ہے اور یہ اس دورِ حکومت کے واقعات کی تاریخوں کے سلسلے میں الجھنیں پیدا کر دیتا ہے۔ ذیل میں دیئے گئے حاشیہ c سے معلوم ہو جائے گا کہ متعلقہ کتبے میں جو خالی جگہیں ہیں وہ معنوں کو بہت حد تک دھندلا دیتی ہیں۔

(96) ا-13-'۷۷ کی عبارت یوں ہے: "شیلُبڈی پنی (دِتّرولی) نار"۔ میرے پاس جو نسخہ ہے اس میں یہ عبارت یوں ہے: "پنی اُ........نار"۔ میرے خیال میں محدود فعل نہیں ہے بلکہ یہ ایک اِسم حالیہ ہے جو کہ اپنے بعد آنے والے فعلاً میگئی شیپا؛ پڈی" کے فاعل کی حیثیت رکھتا ہے

(97) ۷۷ کی عبارت یوں ہے: "پیرتو کو بڑ کوتم" اور اس کا ترجمہ "بہت بڑی خانہ دازی"۔ اسی طرح اس میں "آوُرک کُدِرائی" یعنی "مسلح گھوڑسوار دستہ" لکھا ہے لیکن میرے نسخے میں "آنائی (ک)۔ کُدِرائی" درج ہے

(98) "راج محل کے اندرونی ایوانوں میں تعینات مسلح مرد اور عورتوں کا دستہ"
— v.v.

(99) "افسروں کا ایک طبقہ جو پہلے شاہی فرامین حاصل کرتے ہیں اور پھر انھیں برائے تعمیل دیگر کارندوں تک پہنچاتے ہیں" v.v.

(100) v.v.: دِ (پتن) جیشٹہ" بتاتی ہے

(101) 1893 کے کتبہ نمبر 7 سے صورتِ حال اور الجھ جاتی ہے۔ اس کے مطابق راج راجا دوم کے انیسویں سالِ حکومت اور راجا دھیراج کے آٹھویں سال حکومت کے درمیان پندرہ برس کا وقفہ پڑ جاتا ہے۔ SII - iii صفحہ 207۔ غالباً اس کتبے میں راج راجا کا سال حکومت 11 (1) یعنی گیارہواں ہے نہ کہ (9) 1 یعنی انیسواں

(102) 1932 کا کتبہ نمبر 209

(103) ۷۰۷۰ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ 1914 کا کتبہ نمبر 337 (138-Pd) جس پر دوشنبہ، 3 دسمبر 1162ء کی تاریخ درج ہے، شاید آزمائشی دور کا کتبہ ہو۔

پندرھواں باب

راجادھیراج دوم اور کُلوتنگا سوم

1163ء سے 1216ء تک

پرشستیاں

چولا شاہی خاندان کی براہِ راست اولادِ نرینہ میں کوئی وارث نہ ملنے کے باعث وکرم چولا کے ایک نواسے راجادھیراج دوم کو جو اُس کی ایک بیٹی کی اولاد تھا، راج راجا دوم نے اپنا جانشین منتخب کر لیا۔ یہ راج راجا کے عہدِ حکومت کے آخری دنوں کی بات ہے اور راجادھیراج کچھ عرصہ تک راج راجا کے ساتھ بطور ولی عہد حکومت کرتا رہا۔ راجادھیراج کی پرشستیاں تین اصناف میں پائی جاتی ہیں۔ تینوں میں شوکتِ الفاظ زیادہ ہے اور تاریخی اہمیت نہ ہونے کے برابر۔ "کدل شولندہ پار مگلم"، (مادرم) سے جو پرشستی شروع ہوتی ہے اور سب سے پہلے دوسرے سالِ حکومت کے کتبات میں دکھائی دیتی ہے۔ بظاہر راج راجا کے کتبات سے مستعار لی گئی ہے۔ دیگر اصناف یہ ہیں: "پومرُو دیاتشی مگتون" جو سب سے پہلے اس کے پانچویں سالِ حکومت کے کتبوں میں ملتی ہے۔ جسے بعد میں کلوتنگا سوم نے بھی اپنایا۔ اور کدل شولندا پاریلم"، (ضلع تنجور میں پائے جانے والے چھٹے اور دسویں سالِ حکومت میں ملتی ہے۔ گو اس راجا کی پرشستیاں تاریخ کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں لیکن اس کے عہد کے بہت سے کتبات ریاست پانڈیا کی جانشینی کی جنگ کے واقعات کو بالتفصیل بیان کرتے ہیں۔ یہ تفصیلات "مہاوامسا" میں دی ہوئی اس جنگ کی روداد کے

مقابلہ میں زیادہ معتبر ہیں۔

پانڈیا ریاست کی خانہ جنگی

کلوتنگا اوّل کی طرف سے پانڈیا ریاست کی ازسرِ نو تسخیر کے بعد سے ہمیں قدیم پانڈیا نسل کے راجاؤں کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا، حتےّٰ کہ ہم راجا دھیراج دوم کے عہد تک پہنچ جاتے ہیں۔ پانڈیوں کے کتبات سے جنہیں ہم کم و بیش یقین کے ساتھ اسی عہد سے منسوب کر سکتے ہیں۔ یہ پتہ چلتا ہے کہ کلوتنگا اوّل کی جنگوں کے بعد بھی پانڈیوں نے اپنی وہ جزوی آزادی بڑی کامیابی سے برقرار رکھی جو انہوں نے کلوتنگا اوّل کے چولا تخت پر بیٹھنے کے بعد اس کی ابتدائی مشکلات کے نتیجے میں حاصل کر لی تھی۔ انہوں نے اپنے الگ کتبات کندہ کروائے جنگی پرشستیوں میں انہوں نے خوب خوب شیخی بگھاری۔ جب اُن کی ریاست پر چولا پانڈیا وائسرائے کی گرفت زیادہ مضبوط تھی تو ایسا کرنا ان کے لئے ممکن نہیں تھا۔ وہ مرکزی حکومت سے مشورہ کے بغیر اپنی جنگیں چھیڑ لیتے تھے اور اب مرکزی طاقت کی اُن کی اطاعت رفتہ رفتہ کم ہوتی جا رہی تھی۔ جیسا ہم پہلے دیکھ چکے ہیں پرانتکا پانڈیا سے وکرم چولا کی کالنگا کی پہلی جنگ میں حصّہ لیا تھا اور کولنو کے والی تیلنگا بھیم پر حملہ کیا تھا۔ لیکن کلوتنگا اوّل کی وفات کے بعد جوں جوں وقت گذرتا گیا چولا اقتدارِ اعلیٰ کی حقیقی اطاعت ایک ظاہر دارانہ اور پُرعناد عقیدت میں تبدیل ہو گئی۔ بلکہ یہ تبدیلی شاید اسی وقت ہو چکی تھی جب میسور اور وینگی کے چولا حکومت کے ہاتھوں سے نکل جانے سے چولا اقتدار میں کمی آ گئی تھی کلوتنگا کی حکومت کے خاتمے کے بعد خاص پانڈیا ریاست میں چولا شہنشاہوں کا کوئی کتبہ مشکل ہی سے ملتا ہے۔

راج راجا دوم کے عہد کے آخر میں اور راجا دھیراج کے جانشین بنے جانے کے کچھ برس بعد پانڈیا ریاست میں جانشینی کے لئے ایک خونریز جنگ شروع ہو گئی۔ فریقین میں سے ایک نے قوی سنہالی حکمران پراکرم باہو اوّل (۱۱۵۳-۸۶ء) سے مدد کی درخواست کی اور دوسرے نے چولا شہنشاہ سے۔ اس جنگ سے چولا تاجدار اور لنکا کے راجہ کے مابین جو پرانی عداوت تھی وہ پھر زندہ ہو گئی۔ ان دونوں تاجداروں کا اس جنگ میں مداخلت سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بلکہ اس خانہ جنگی کی خاکستر سے ایک ایسی پانڈیا طاقت کا ظہور ہوا جس نے اپنی تازہ دم قوت سے ان دونوں ریاستوں کو ہڑپ کر لیا جنھوں نے خانہ

جنگی کے فریقین کی ایک دوسرے کے خلاف مدد کی تھی۔

"مہاوامسا" کا بیان

اس جنگ کے ابتدائی مراحل کو "مہاوامسا" میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۱۱۶۹ء میں پراکرم پانڈیا والئے مدورا نے کل شیکھر کے خلاف مدد مانگی جس نے مدورا کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس سے پیشتر کہ اس کی درخواست کے جواب میں لنکا پورا کی زیر قیادت بھیجی گئی لنکا کی فوج برصغیر ہند پر اترتی، پانڈیا ریاست میں حالات بڑی تیزی سے بدلے اُس وقت تک کل شیکھر نے مدورا کو فتح کرکے پراکرم، اُس کی بیوی اور اس کے بچوں کو تری ملکے مقام پر تہ تیغ کر ڈالا تھا۔ اس واقعہ کی خبر پاکر پراکرم باہو نے لنکا پورا کو پیغام بھیجا کہ جنگ تب تک جاری رکھی جائے جب تک مدورا کی ریاست کل شیکھر سے واپس لے کر پراکرم کے گھرانے کے کسی فرد کو نہ دے دی جائے۔ شدید مخالفت کے باوجود لنکا پورا دوسری طرف کے ساحل پر اُترا اور رامیشورم کے راستہ سے پیش قدمی کرکے کنڈوکل کے مقام پر قلعہ بند ہو گیا۔ یہ مقام رامیشورم کے قریب اس پتلی سی زمین کی چٹ پر ہے جو سمندر کے اندر کو نکلی ہوئی ہے۔ اس جنگ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ بڑا وحشیانہ سلوک کیا گیا۔ جو تامل لنکا پورا کے ہاتھ آئے انہیں یا تو جسم میں میخیں ٹھونک کر ہلاک کر دیا گیا یا لنکا بھیج کر ان بدھ وہاروں کی مرمت کے کام پر لگا دیا گیا جنہیں تاملوں کی حکومت کے دوران نقصان پہنچا تھا۔ ہم اس لڑائی میں فریقین کے جنگی اقدامات کی تفصیلات میں نہیں جائیں گے کیونکہ ہملا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ البتہ صرف اتنا نوٹ کریں گے کہ لنکا پورا کی مہم غیر متوقع طور سے مشکل ثابت ہوئی۔ کل شیکھر نے طویل عرصہ تک بڑی بہادری سے اس کی مزاحمت کی۔ اور لنکا پورا کو لنکا سے مزید کمک منگوانی پڑی اور مقامی سرداروں کو تحائف اور اعزازات دے کر راضی بھی رکھنا پڑا۔ جب لنکا پورا کو پتہ چلا کہ پراکرم پانڈیا کا بیٹا ویر پانڈیا کل شیکھر کے قتلِ عام سے بچ گیا ہے۔ اور ملئیا کے پہاڑی ملک میں مقیم ہے تو اُس نے اسے پیغام بھیجا کہ وہ ایک ایسے مقام پر اُس کے ساتھ آملے جو مدورا سے بہت دور نہیں تھا۔ کل شیکھر نے لاتعداد فوجی دستے یکے بعد دیگرے میدانِ جنگ میں جھونک دیے اور رام ناڈ اور مدورا کے اضلاع میں ایک خونریز لڑائی چھڑ گئی جو ایک طرف پڈوکوٹاہ تک اور دوسری طرف

سنے وہلی تک پھیل گئی۔ اگر اس لڑائی کی مدت سے اندازہ لگایا جائے یا اس امر سے کہ کس طرح جلد جلد تامل سرداروں نے اپنی وفاداریاں تبدیل کیں تو یہ ثابت ہوگا کہ پانڈیا ریاست میں کل شیکھر کو زیادہ حمایت حاصل تھی۔ کل شیکھر کو اپنے کونگو والے چچا اور چولا حکمرانوں سے جو مدد ملی اس سے یہ قیاس کی تائید ہوتی ہے۔ خیر چاہے کچھ بھی ہو، اس جنگ کا اگلا مرحلہ "مہاوامسا" کے بیان کے مطابق اس وقت شروع ہوا جب کل شیکھر چولا ریاست سے چولا فوج کو ہمراہ لے کر واپس آیا۔ اس فوج کی کمان پلّو رائیار اور دوسرے فوجی سردار کر رہے تھے۔ اُسے تونڈی اور پاسی کو روانہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد جو کیلینی لیا کی لڑائی ہوئی۔ اُس میں فتح لنکا پُرا کو نصیب ہوئی جس نے، "دشمن کے خون سے سمندر کے پانی کو سرخ کر دیا" مہاوَمسا کا کیلینی لیا۔ بلاشبہ موجودہ کیل نلئی تھا جو ضلع رام نڈ کے ترُوپتور تعلقہ میں واقع ہے۔ "پونمارواتی" کے مقام پر ایک اور لڑائی ہوئی جس میں کل شیکھر شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا اور لنکا پُرا نے اب پانڈیا ریاست کی حکومت ویر پانڈیا کے حوالے کر دی۔ (جو پراکرم باہو کے احکام کے مطابق اپنا جشنِ تاجپوشی پہلے ہی منا چکا تھا۔ نیز لنکا پورا نے ہر جگہ پراکرم باہو کا سکّہ، "کہاپنا" رائج کر دیا اور چولا اور پانڈیا ریاستوں سے لوٹا ہوا کثیر مالِ غنیمت لنکا کو بھیج دیا۔

"مہاوامسا" کا یہ تذکرہ "مبہم" اور "نامکمل" ہے۔ اِس میں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ ویر پانڈیا کا کیا حال ہوا اور کل شیکھر پر کیا گذری معلوم ہوتا ہے کہ اس میں یہ بتانے سے دانستہ احتراز کیا گیا ہے کہ لنکا پُرا شری لنکا کو واپس آگیا تھا۔ اس سے یہی تاثر ہوتا ہے کہ لنکا کے مصنف نے اہلِ لنکا کی ابتدائی کامیابیوں کے بعد ان کی انجام کار ناکامی پر جان بوجھ کر پردہ ڈال دیا ہے۔

اور یہ تاثر ہے بھی صحیح۔ یہ بات اس جنگ پر روشنی ڈالنے والے چولا کتبات سے بھی واضح ہو جاتی ہے۔ "مہاوَمسا" میں مندرج بعض واقعات سے جو پراکرم باہو اوّل کے جانشینو کے عہدِ حکومت میں قلم بند کئے گئے تھے، یہی پتہ چلتا ہے۔

چولوں کا بیان کردہ حال

ضلع چنگل پٹ کے مقام آرپاکم سے دستیاب شدہ کتبے میں جو راجادھیراج کے

پانچویں سال حکومت کا ہے۔ اس جنگ کا سب سے پہلے تذکرہ ملتا ہے۔ اس کتبے کے مطابق لنکا کی فوج نے پانڈی منڈلم کو فتح کرکے کل شیکھر کو مدورا سے نکال باہر کیا۔ اس کے بعد اُس فوج نے راجا دھیراج کے جاگیرداروں کے خلاف پیش قدمی کی۔ یہ جنگ تونڈی اور پاشی کے خطے میں ہوئی اور اس فوج کی فتح سے شولامنڈلم اور دوسرے علاقوں کی رعایا دہشت زدہ ہوگئی جب ایدرلی شولا شامبورایا کو ان واقعات کی خبر ملی، تو اسے یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ اس صورت حال کا خاتمہ کیسے کیا جائے۔ اُس نے ایک مقدس شخص سوامی دیور کے ذریعے سے خدائی مدد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ یہ شخص اُماپتی دیویا نانا شوادیو بھی کہلاتا تھا اور گودیش میں واقع دکشن لاڈا کا رہنے والا تھا۔ اس سے راجہ نے درخواست کی کہ وہ دعا قربانی، اور عبادت کے ذریعے سے چولا ریاست لنکا کی بدکردار افواج کے حملے کا منہ موڑ دے اور اس کے نتیجے میں برہمنوں اور مندروں کو پہنچنے والے نقصان کو ختم کردے۔ سوامی دیور نے جواب میں کہا، "مجھے معلوم ہے کہ لنکا کی فوج نے رامیشورم کے مندر میں عبادت بند کروادی ہے۔ اور اس کا خزانہ لوٹ لیا ہے میں سحر کرکے ان حملہ آوروں کے، جو شیو سے دشمنی رکھنے والے ہیں، منصوبوں کو تباہ کرنے کا انتظام کروں گا"۔ اس مقصد سے اس نے اٹھائیس دنوں تک برابر پوجا کی۔ تب پتہ چلا کہ لنکا سے آئی ہوئی فوج کے رہنماؤں کو شکست ہوئی ہے جن میں جیدرتھ اور لنکاپری نامی دندنائک اور لنکا سے آئی ہوئی تمام شامل تھی۔ شامبورایا نے اظہارِ تشکر کے لئے آرپاکم کا گاؤں سوامی دیور کے نذرانے میں دے دیا۔

پلّورائن پیٹی (ضلع تنجور) کے کتبے میں جو آٹھویں سالِ حکومت کا ہے، زیادہ واضح تفصیلات دی گئی ہیں۔ "جہا دمسا" کی طرح اس کے شروع میں بھی یہ بتایا گیا ہے۔ کہ لنکا کی فوج کی آمد نے کل شیکھر پانڈیا کو مدورا سے نکال باہر کیا۔ چنانچہ اس کے بعد وہ چولا ریاست میں چلا گیا۔ اور وہاں جاکر چولا تاجدار سے درخواست کی کہ وہ پانڈیا تخت کی بازیابی میں اس کی مدد کرے۔ تب چولا حکمران نے یہ حکم دیا کہ کل شیکھر کو تخت شاہی پر بحال کیا جائے گا اور لنکاپری دنڈ نائک اور اس کے دوسرے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر ان کے سروں کو پانڈیا راجدھانی مدورا کے صدر دروازوں پر کیلوں سے جڑ دیا جائے گا۔ پلّورائیار عرف ترچرمبلا اپٹائین پیرومانمبی تھے جس کے سپرد یہ کام کئے گئے تھے۔ چولا ریاست میں کل شیکھر کے قیام کے دنوں میں اُس کی خوب آؤ بھگت کی، اور چونکہ اس کی فوج کے پاس وسائل بھی تھے

اوراس میں جوش وخروش بھی تھا. لہٰذا اس میں پانڈیا ریاست کو از سرِ نو تسخیر کر کے دکھا دیا۔ اس نے لنکا پُری ونڈ نانک اوراس کے دیگر ساتھیوں کے سر، مدورا شہر کے دروازوں پر کیلوں سے جڑوا کر اپنے آقا کے احکام کی حرف بحرف تعمیل کر دی۔ جب کل شیکھر مدورا میں پھر سے داخل ہوا اور اس طرح پانڈیا ریاست لنکا کا ایک صوبہ بننے سے بچ گئی۔

ایک تیسرا کتبہ جو بارھویں سالِ حکومت کا ہے یعنی سابقہ کتبہ سے چار برس بعد کا اور ضلع شمالی ارکاٹ میں ملا ہے. اس جنگ کا اگلا حال بیان کرتا ہے. بدقسمتی سے یہ کتبہ بہت شکستہ حالت میں ہے. اوراس کی عبارت میں جو خالی جگہیں رہ گئی ہیں ان سے اس کا مطلب جو ہم ہو جاتا ہے. اس کتبہ میں اراضی کے ایک عطیئے کا ذکر ہے جو پلائینو رُ اُڈیان دید و نم اُڈیان امائی یپّن عرف اتن پلّورائن نامی ایک شخص کو دیا گیا تھا اور اس میں اس شخص نے حکومت کی جو خدمات انجام دی تھیں اُن کا ذکر کرتے ہوئے جنگ کا حال بیان کیا گیا ہے. مدورا کے تخت شاہی پر کل شیکھر کے بحال کئے جانے تک جنگ کا حال اختصار سے بیان کرنے کے بعد یہ کتبہ آگے لنکا پر فوج کشی کی مہم کا حال بھی بیان کرتا ہے. جو غالباً اتن پلّورائیارنے تیار کی تھی. اس کو معلوم ہوا کہ سنہالی حکمران پراکرم باہو چولا ناجدار اوراس کے زیرِ پناہ شہزادہ کل شیکھر پر ایک اور حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے اوراس ارادے سے وہ اُور تورّ ئی، پلئی چیری، ماتوٹم، ولی کام، مٹی وال اور دیگر مقامات پر اپنی سپاہ جمع کر رہا ہے اور جہاز بھی تعمیر کر رہا ہے. اس صورتِ حال کا سدّباب کرنے کے لئے اتن پلّو رائیارنے چولا ناجدار کی جانب سے اقدام کرتے ہوئے لنکا کے حکمران کے بھتیجے دمّ ومگنار) شری ولبھ سے کام لیا جو لنکا کے تخت کا دعویدار تھا. لیکن اسے اس کے حق سے محروم کر دیا گیا تھا اور وہ اب برصغیر ہند میں پراکرم باہو کے دشمنوں کے ساتھ شریک ہونے کے لئے تیار تھا جو مہم شری ولبھ کے زیرِ کمان بھیجی گئی تھی. اس نے لنکا میں کئی مقامات فتح کر لئے اور انہیں تباہ و برباد کر دیا. ان میں پلئی چیری اور ماتوٹم بھی شامل تھے جہاں پراکرم باہو اپنی فوج جمع کر رہا تھا. اس فوج نے ہاتھیوں کی کثیر تعداد پر قبضہ کر لیا اور وسیع علاقے میں آگ لگا دی. جو پورب میں پُشِش کا دم اور اُتر دکھن میں ستر کا دم تک پھیلا ہوا تھا. اس نے وہاں کے کچھ سنہالی سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور کچھ قید کر لیا. اس کے بعد اس مہم میں حاصل کردہ مال

غنیمت انن پلوّ رائیار نے چولا شہنشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس طرح پلوّ رائیار نے لنکا کے حکمران کی سازش تمام ناکامیاب بنادی۔

ایک سیاسی انقلاب

اس جگہ پر واقعات نے ایک غیر متوقع کروٹ لی۔ زیر بحث کتبے میں لکھا ہے کہ کل شیکھر نے چولا مفاد کے خلاف کام کیا۔ ہم اصل واقعات کے بارے میں قیاس آرائی ہی کر سکتے ہیں جنوبی ہند کے حکمرانوں کے خلاف پراکرم باہو کے منصوبوں کو خاک میں ملانے کی غرض سے انن پلوّ رائن نے جو حکمتِ عملی اختیار کی تھی وہ پراکرم باہو کے تخت کے ایک دعوے دار کو شہ دے کر جزیرۂ لنکا میں اندرونی خانہ جنگی برپا کرانے پر منحصر تھی۔ پراکرم باہو اپنے عہد حکومت کے آغاز میں سری ولبھ کے باپ مانا بھرن کے ہاتھوں کافی مصیبت اٹھا چکا تھا اور وہ اب اپنے تخت و تاج کو برقرار رکھنے کے لئے کسی مزید کشمکش میں پڑنے کا خواہش مند نہیں تھا۔ جب اپنے وطن میں سری ولبھ کی سرگرمیوں نے اس کی زندگی دوبھر کر دی، تو پراکرم باہو نے پانڈیا ریاست کی خانہ جنگی کے متعلق اپنے رویے میں ایک شاطرانہ تبدیلی کر کے برصغیر میں خود کو بخوبی مستحکم کر لیا۔ اس نے یہ سمجھ لیا کہ پراکرم پانڈیا کی اولاد کی حمایت کر کے کل شیکھر کو مدورا کے تخت سے محروم رکھنے کی اس کی کوشش نہ صرف بُری طرح ناکام رہی ہے بلکہ اس سے خود اس کی ہستی کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ اب اس نے ارادہ کر لیا کہ وہ نہ صرف کل شیکھر کو پانڈیا ریاست کا جائز وارث تسلیم کرے گا بلکہ اس کو بیش بہا تحائف بھیج کر اس سے دوستانہ مراسم قائم کرے گا اور اس طرح چولوں کی مدد حاصل کرنے کے اس کے رجحان کو ختم کر دے گا۔ زیر نظر کتبے میں یہ دعوے کیا گیا ہے کہ کل شیکھر نے شہنشاہ کی ان مہربانیوں کا جو اس نے اب تک کی تھیں، کچھ لحاظ نہیں کیا تھا۔ اس نے لنکا کے راجہ کے ساتھ سازش کرنے اور چولا ریاست کے خلاف اس کے مخاصمانہ عزائم میں تعاون کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا، اپنے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر اس نے ایلگتار ادر مڑوا کے سرداروں کو جو چولا شہنشاہ کے وفادار تھے اور اس کی خدمت بجا لا رہے تھے دریائے ویلاڑ کے شمال کی جانب دھکیل دیا۔ یہ سردار راج راجا کر کڈی مارایا اور رراج کمبھیرا انجو کوشئ ناڈالوان تھے۔ اب کل شیکھر نے لنکا کے سپہ سالاروں کے سر: س کو مدورا کے

صدر دروازوں سے اتروا دیا جو وہاں پلوورائیارنے، جس نے کل شیکھر کو ریاست پانڈیا کے تخت پر بٹھایا تھا، جڑوا دیئے تھے۔ کل شیکھر کے حامیوں کو پراکرم باہو نے جو خطوط اور تحائف بھیجے تھے وہ چولا جرنیلوں کے ہاتھ لگ گئے اور کل شیکھر کی غداری کے اس انکشاف سے چولا حکمت عملی میں تبدیلی آگئی۔ چولا حکمران نے اتن پلوورائن کو حکم دے دیا کہ مدوراکے اصل حکمران پراکرم پانڈیا کے بیٹے ویر پانڈیا کو مدورا کے تخت پر بہر صورت بٹھایا جائے اور کل شیکھر کو نکال باہر کیا جائے معلوم ہوتا ہے کہ سپہ سالار پلوورائن نے کامیابی سے ایسا کر کے دکھا دیا۔ کلوتنگا سوم کے عہد کے چھٹے سال کے شمبنار کوئیل کے ایک کتبے میں بتایا گیا ہے کہ کسی حملے کے نتیجے میں راجا دھیراج دوم کے گیارھویں سال حکومت میں ایک مندر کی مورتیوں کو حفاظت کی غرض سے دوسرے مندر میں منتقل کرنا پڑا تھا۔ اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس جنگ میں کسی وقت کل شیکھر اور پراکرم باہو نے چولا ریاست کے مرکزی حصے تک فوج کشی کی ہوگی۔

جنگ کا خلاصۂ احوال

اس طرح کتبات یہ بتاتے ہیں کہ سات آٹھ برس تک راجا دھیراج کی توجہ زیادہ تر جنوب میں لڑی جانے والی جنگ کی تنظیم کی طرف لگی رہی۔ اور اگر ان کتبات کی تشریح صحیح ہیں تو اس عہد کے آخر میں راجا دھیراج کو بذاتِ خود کل شیکھر کی معزولی کا فرمان جاری کرنا پڑا جس کی التجا پر اس نے شروع میں اس تنازعے میں مداخلت کی تھی، کیونکہ کل شیکھر چولا شہنشاہ کے خلاف ذلیل ترین غداری کا مرتکب پایا گیا تھا۔ جنگ میں جس مرحلے تک ہم پہنچے ہیں وہاں کل شیکھر اپنے تخت و تاج سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا اور جلاوطنی میں اپنے دن کاٹ رہا تھا۔ اور چولا جرنیل انن پلوورائن پراکرم کے بیٹے ویر پانڈیا کو مدورا کے تخت پر بٹھا چکا تھا۔ یہ صورتِ حال راجا دھیراج کے عہد حکومت کے اختتام تک تھی اگرچہ کلوتنگا سوم کی تخت نشینی کے بعد، جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے، حالات نے ایک اور کروٹ بدلی۔ تب پھر ایک مرتبہ چولوں کی امداد سے کل شیکھر کی اولاد کو پانڈیا کے تخت پر بٹھایا گیا مجموعی طور پر ان مہمات کے نتائج سے راجا دھیراج بخوبی مطمئن تھا۔ اور اس اطمینان کیلئے بہت سے وجوہ تھے۔ پراکرم باہو کے منصوبے مکمل طور پر خاک میں ملا دیئے گئے تھے اور اسکے

اُدی مدورا کی ریاست سے برابر الگ رکھے گئے تھے۔ برِصغیر پر پراکرم باہو کی فوج کے لگاتار حملوں کی بڑی کامیابی سے مزاحمت کی گئی تھی اور چند عارضی کامیابیوں کے باوجود لنکا کے حکمران نے جنگ میں بہت نقصان اٹھایا تھا۔ اس کے فوجی اور بحری وسائل کو بھی شدید ضرب پہونچی تھی۔ چولا شہنشاہ نے اب "مدورا اور ایلم کا فاتح" (مدورائیم ایلم کونڈرُ دلن) کا لقب اختیار کیا۔ ہر چند کہ مدورا کی تسخیر ایک حقیقت تھی لیکن شہنشاہ کے لقب میں ایلم (لنکا) کا نام شامل کرنا محض اس سلطنت پر ایک فرضی دعوے کے مترادف تھا، جیسے انگریزوں نے فرانس کے تخت پر فرضی دعوے کر رکھا تھا۔ یا یہ لقب صرف اس لئے اختیار کیا گیا تھا کہ اس سے لنکا والوں کے خلاف چولا راجہ کی فوجی کامیابیوں کا بہتر اظہار ہو گا اگر ہم "مہاوسا" میں مندرج واقعات اور راجادھیراج کے کتابے کے ایک حصے پر یقین کریں تو اس جنگ کا زمانہ ہم ۱۰۶۹ء اور ۱۰۶۶ء کے درمیان متعین کر سکتے ہیں۔[20]

حدودِ سلطنت

راجادھیراج کے بعض کتبات اس بات کے شاہد ہیں کہ اس کے تحت بھی چولا سلطنت کی وہی حدود تھیں جو راج راجا دوم کے عہدِ حکومت میں تھیں۔ یہ کتبات نیلور، کال ہستی اور تندلور[21] میں پائے جاتے ہیں۔ اگر ہم اس بات کو صحیح مانیں کہ چولا مہارادھیکتی نلمبا کھچ بل دیرا اہول راسا، جس کا ذکر کانچی پورم[22] کے کتبے میں گنگا منڈل کے مہامنڈلیک کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ دراصل راجادھیراج دوم کا ایک جاگیردار تھا تو گنگا ریاست کا کچھ حصہ بھی ضرور ان دنوں چولا سلطنت میں شامل ہو گا۔

القاب

ضلع تنجور کے مقام آتور[23] سے دستیاب شدہ ایک کتبہ تربھوون چکرورتن کریکال چولا دیو کے نام کا ہے جس نے مدورا اور ایلم (لنکا) کو تسخیر کیا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ کتبہ اس عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ لہٰذا یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہو گا کہ کریکال دراصل راجادھیراج دوم کا ایک لقب تھا۔ اس بات کی تصدیق ایک اور کتبے سے بھی ہوتی ہے جو چدمبرم سے ملا ہے اور جس میں راجادھیراج اور کریکال[24] دونوں نام ایک ساتھ آئے ہیں۔ ترُودیلی ملئی سے دستیاب

شدہ ایک شکستہ کتبے میں جس پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔ کومرن کلوتنگا شولا چتر ویدی منگلم نامی مقام کا محلِ وقوع ترودلندوڑ ناڈو میں بتایا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس گاؤں کا نام راجہ کلوتنگا سوم کے بعد اس کے نام پر رکھا گیا۔ اُس کے عہد کے ایک کتبے میں[26] اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ پریادیور کے، جو بظاہر راجادھیراج دوم ہی تھا، عہد کے تیسرے ہی برس میں اُس گاؤں میں کچھ عطیات دیے گئے تھے۔ کلوتنگا سوم کا راجادھیراج سے کیا رشتہ تھا، اس بات کا پتہ نہیں چلتا۔

جاگیرداران

راجادھیراج کے عہدِ حکومت کے سرکاری افسروں اور جاگیرداروں میں مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں سرکردہ ترین افراد تو دونوں پلّوَرائیار تھے۔ ریاست پانڈیا کی خانہ جنگی کے دوران میں ان دونوں کی کامیابی کی تفصیل ہماری نظر سے پہلے ہی گذر چکی ہے۔ بڑا پلّوَرائیار جو کاریگئی کلتور کا رہنے والا تھا، ترپی رمبلم آڈئیان پیرومانبی تھا جو راجادم کا معتمد جرنیل تھا۔ وہ راج راجا کے بعد بھی اتنے طویل عرصے تک زندہ رہا کہ راجہ کی بیوہ رانیوں اور کمسن بچوں کی خدمت کرسکا۔ دوسرے پلّوَرائیار نے جس کا نام پلئیانور ودئیان ویدو تموڈئیان امبی پتن عرف انن پلّوَرائن تھا راجادھیراج کی تخت نشینی کے تھوڑے عرصہ بعد ہی شہرت حاصل کرلی۔ کیونکہ شہنشاہ کے دوسرے سالِ حکومت میں اُسے ترووِلر وُڈ میں ایک عطیہ دیتے ہوئے دکھایا گیا ہے[27] پیرومانبی کی وفات پر پلّوَرائن ہی وہ شخص تھا جس نے یہ فیصلہ کیا کہ متوفی کی ملکیتی اراضیات کس طرح اس کے اقارب میں تقسیم کی جائیں[28] اس نے راجادھیراج کے تیرھویں سال حکومت میں ضلع شمالی ارکاٹ میں واقع ترو وانگاڈو کے مندر کو تین چراغوں کا عطیہ دیا۔ ویدو تموڈئیان کرونا کردیون عرف امرکون پلّائے پلئیانور جس نے ترودنجلی اور پتیشورم کے مندروں کو چراغوں کے عطیے دیے تھے[29] غالباً اس انن پلّوَرائن کا کوئی رشتہ دار تھا۔

ارکاٹ کے اضلاع میں اور دوسرے مقامات پر شنگیئی سرداروں اور کاڈرایا، راجاؤں کو بھی بڑی نمائندگی حاصل تھی۔ شنگینی امبی پتن سمبو ورائن نامی ایک شخص نے کچھ مقامی ٹیکسوں اور دیگر واجبات کی آمدنی ترو ویلی ونم کے مندر کے نام کردی

گئی تاکہ یہ مندر میں پوجا، نذر و نیاز اور مرمت وغیرہ کے اخراجات کی کفیل ہو سکے[29]۔ چونکہ مندر کے حوالے وہی ملکیت کرسکتا تھا جو اس کی اپنی ہو یا جسے دے ڈالنا اس کے اختیار میں ہو۔ لہٰذا یہ بات واضح ہے کہ یا تو اس عطیئے کا بڑا حصہ اس کی اپنی ملکیت تھا یا وہ مرکزی حکومت کا کوئی اہم افسر تھا۔ جس کے ہاتھوں میں وسیع اختیارات دیئے گئے ہوں گے۔ یہ بھوورایا غالباً ایدیرلی شولا تھا۔ جس کا ذکر کانچی پورم کے کتبے میں شنگینی امی پتن شیئن، امی پتن کے نام سے کیا گیا ہے[30] اور جس نے اُرپاکم کا گاؤں 'ایک بھوگ اپائیلی' کے طور پر اماہتی دیو عرف نانا، شوا دیو کو اس کی شو جی کی پوجا کے صلے میں بخش دیا تھا جو اُس نے لنکا کی افواج کے حملے سے تباہ کاری کا خطرہ تھا اسے ٹالنے کی غرض سے کی تھی[31]۔ اسی خاندان کے اور سرداروں کا بھی ذکر آیا ہے[32]۔

جاگیردارانہ نظام کی نشوونما

کلوتنگا اول کے زمانہ ہی سے جاگیرداروں کی تعداد میں جو مسلسل اضافہ ہوتا گیا اور مرکزی حکومت کی انتظامیہ نیز حکمت عملی پر ان کے اثرات کو جو رفتہ رفتہ فروغ ملا، وہ چولا تاریخ کا ایک بڑا قابل توجہ پہلو ہے۔ شہنشاہ کے ان ضرورت سے زیادہ طاقتور اطاعت گذاروں کی افزائش نے قدرتی طور پر ملک کی عام فلاح و بہبود پر اُس کی حکومت کی گرفت کو کمزور کردیا۔ اور اس کے بہت سے رقبے پر اس کا براہ راست اختیار نہیں رہ گیا بلکہ اس میں خود مختاریاں قائم ہوگئیں۔ جب تک گاؤں کی برادریاں اور دوسرے منتخب شدہ شہری اور دیہاتی جمہوری ادارے مقامی نظم و نسق کے لئے مرکزی حکومت کی واحد انتظامیہ مشینری رہے اس وقت تک مرکزی حکومت کی گرفت نہ صرف بحیثیت مجموعی نظم و نسق عامہ پر بلکہ اس طریقۂ کار پر بھی مضبوط رہی جس کے مطابق متعدد با اختیار انجمنیں اپنا کاروبار چلاتی تھیں۔ البتہ یہ امید نہیں کی جاسکتی تھی کہ صاحب اختیار جاگیردار جو ہر چند کہ ابتدا میں راجہ کی مدد اور عنایت کے طفیل ابھرے تھے اور بعد میں مسلح افواج کے سربراہ بن گئے تھے۔ مرکزی حکومت کی مداخلت اتنی برداشت کرلیں گے جتنی کہ عوامی جمہوری ادارے اور برادریاں گوارہ کر لیتی تھیں۔ ایسے جاگیردار اکثر وسیع علاقوں کو اپنی ملکیت میں پاتے تھے جو کچھ تو انہیں انکی سابقہ خدمات کے صلے میں ملے تھے اور کچھ اس لئے کہ وہ بوقت ضرورت راجہ کی فوج

میں ایک آدھ پلٹن کا اضافہ کرنے کے اخراجات برداشت کرسکیں۔ ایسے سرداروں کی تعداد میں اضافہ ہونے کے دو نتائج برآمد ہوئے۔ پہلا یہ کہ مرکزی حکومت کا وقار گھٹ گیا۔ کیونکہ رفتہ رفتہ اس کا عملی دائرہ اختیار محدود ہوتا گیا جس نے انتظامیہ پر اس کی گرفت ڈھیلی ہوتی چلی گئی۔ بعد کے چولا راجاؤں کے کتبات ہمیں شروع کے چولا حکمرانوں کا سا تاثر نہیں دیتے جن طاقتور مرکزی حکومت اپنی سلطنت کے مختلف حصوں میں کم و بیش خود مختار اداروں پر گرفت رکھنے، ان کو صلاح دینے اور ان کے خلاف تادیبی کاروائی کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتی تھی۔ بعد کے چولا حکمرانوں کے عہد میں عوامی جمہوری تنظیمیں زیادہ تر خود مختارانہ طور پر کام کرتی تھیں اور اگر انہیں کبھی باہر کے حکام سے کوئی واسطہ پڑتا تھا۔ تو وہ عموماً مقامی جاگیر ہی ہوتے تھے جو ان کے پڑوس میں طاقت پکڑ چکے ہوتے۔ مذہبی اور خیراتی کاموں کی خاطر بڑے عطیات اور مقامی محصولات و واجبات کی مستقل بخشش حاصل کرنے کے لئے بھی وہ بیشتر مقامی جاگیرداروں اور حاکموں کی طرف ہی دیکھتے تھے نہ کہ شہنشاہ کی طرف نئی صورت حال کا یہ نتیجہ ہوا کہ مقامی سرداروں نے شہنشاہ کے ساتھ اپنے لائحہ عمل کو منظبط کرنے کیلئے باہم سیاسی سمجھوتے کرنے شروع کر دئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس تبدیلی کو عمل میں لانے میں ان سمجھوتوں نے ایک نمایاں رول ادا کیا ہے جس کے تحت امراء اور جاگیرداروں کا یہ طبقہ جس نے کچھ چولا سلطنت کے ساتھ ساتھ عروج پایا تھا۔ رفتہ رفتہ موروثی نوعیت کے چھوٹے چھوٹے مقامی رجواڑوں کی شکل اختیار کر گیا۔ معرکے کی بات یہ ہے کہ ان معاہدوں پر پابند رہنے کے لئے ایسی ایسی ہولناک قسمیں کھائی جاتی تھیں۔ کہ ان کا ذکر یہاں مناسب نہیں ہے۔ ان معاہدوں میں سب سے پرانے معاہدے ضلع رام نڈ میں کلوتنگا اوّل کے عہد کے آخر اور وکرم چولا کے عہد کے آغاز میں نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ شوپوری (ضلع رام نڈ) کے ایک کتبے سے پتہ چلتا ہے[33]۔ کلوتنگا اوّل کے بیالیسویں[42] سال حکومت میں کنڈن منگلیون عرف تراپتی ویلان نے سندر تولن کنڈن عرف راجندر شولا توراپتی ویلان کے ساتھ اتحاد اور وفاداری کی ان الفاظ میں کھائی: "میں کنڈن منگلتیون عرف توراپتی ویلان قسم کھا کر اقرار کرتا ہوں کہ میں تمہاری زندگی، دولت اور آبرو کا وفادار رہوں گا۔ اور اگر میں ایسا نہ کروں تو مجھے اپنی ماں سے زنا کرنے کا پاپ لگے اور شراب پینے اور گائے کا گوشت کھانے والے کا پاپ لگے"۔ اس کے لگ بھگ دس سال بعد اسی مقام پر ایک اور معاہدہ تحریر کیا[34]۔ جو راجندر شولن عرف نشادراجن

اور کنڈن سندر تولن عرف توراپتی دیلان کے درمیان تھا جس کے تحت اوّل الزکر نے موخرلذکر کے ساتھ ایسے ہی الفاظ میں وفاداری کی سوگند کھائی تھی۔ اس طرح کی ایک اور مثال ضلع شمالی ارکاٹ میں ملتی ہے جو راجادھیراج کے زمانہ کی ہے جس راجہ کے گیارہویں[35] کے ماڈم کے کتبے میں اسی طرح کے ایک معاہدے کا ذکر ہے جو شینگنی خاندان کے تین سرداروں کے درمیان ہوا تھا۔ آگے چل کر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ کلوتنگا سوم کے عہد میں یہ رجحان زیادہ عام ہو گیا تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہاں ہم کو اس امر کی ناقابلِ تردید شہادت مل جاتی ہے کہ حکومت کا خاتمہ اب نزدیک ہے سلطنت خود شہنشاہ کی آنکھوں کے سامنے باہم زردار چھوٹے چھوٹے رجواڑوں میں بٹ رہی ہے اور وہ اب تک اتنا طاقت ور نہیں رہا کہ اپنے اُن جاگیرداروں پر اپنا حکم چلا سکے جو اس کی وفاداری کا دم تو بھرتے تھے لیکن عام طور پر اپنی مرضی پر چلتے تھے اور وہی کرتے تھے جس میں ان کا فائدہ ہوتا تھا۔

کلوتنگا سوم کی تخت نشینی

راجادھیراج کے کتبات میں اس کا آخری سالِ حکومت جو ملتا ہے، وہ سولہواں برس ہے[36]۔ لہٰذا اس کا عہد 1179ء یا 1180ء تک رہا۔ چنانچہ اس کے مطابق ہم کلوتنگا سوم کے عہد کے آغاز کا سال 1163ء یا 1166ء شمار کرتے ہیں۔ کلوتنگا کے کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکی حکومت کا ۶ جولائی اور ۸ جولائی 1178ء کے درمیان ہوا[37]۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کلوتنگا سوم کو راجادھیراج کی وفات سے پہلے ہی اگلا تاجدار تسلیم کر لیا گیا تھا۔ یہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ کلوتنگا راج راجا کے اُن کمسن بچوں میں سے ایک نہیں ہو سکتا تھا[38] جن کی سلامتی کی خاطر پلورائیار نے راج راجا کی موت کے وقت موثر اقدامات کئے تھے۔ اگر یہ قیاس درست ہے کہ کلوتنگا دراصل وہ کمار کلوتنگا ہے جس کا ذکر راجادھیراج دوم کے کتبات میں کیا گیا ہے۔ تو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ اپنے پیش رو کی طرح براہِ راست چولا شہنشاہوں کی نسل سے نہیں تھا۔ کلوتنگن کووئی[40] نامی تصنیف میں کمار کلوتنگا کا شجرہ نسب اس طرح درج ہے۔

سنگم راجا

نکتن	کمار کلوتنگا	شنکر شولن
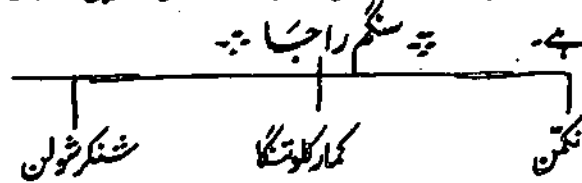
شہزادہ شنکر شولن پر لکھی گئی ایک "الا" موجود ہے جس میں اس کے بڑے بھائی کا ذکر ذرا مختلف نام سے کیا گیا ہے یعنی کمار ہی دھرا۔ لیکن یہ بات قابلِ غور ہے کہ چونکہ نہ تو "کوئی" اور نہ ہی "الا" میں ایسے تاریخی واقعات درج ہیں جن کو کتبات میں کلوتنگا سوم سے وابستہ کیا جا سکے[91] لہٰذا ان کتابوں میں کمار کلوتنگا کو شہنشاہ کلوتنگا سوم سمجھنا ایک مشکوک بات ہے۔ فی الحال کوئی ایسا ذریعہ موجود نہیں ہے جس سے ہم چولا نسل کے ساتھ سنگم راجا کا کوئی رشتہ وثوق سے متعین کر سکیں۔

پرشستیاں

کلوتنگا عہدِ حکومت کے بے شمار کتبات ملتے ہیں اور ان کو سرکردہ پرشستی جو بیشتر کتبات میں دی ہوئی ہے۔ وہ "پئل وا ئتو (یا دا ئیکو) ولم پیرگا" سے شروع ہوتی ہے جو راج راجا دوم کے کتبات سے مستعار لی گئی ہے اور تنگا سوم کے عہد میں سب سے پہلے تیسرے برس کے ایک کتبے میں نظر آتی ہے[92]۔ اگرچہ پہلے پہل یہ پرشستی بالکل اسی انداز سے دہرائی گئی ہے جیسے کہ راج راجا کے عہد کے کتبات میں ملتی ہے اور مورخ کے لئے کوئی مواد فراہم نہیں کرتی۔ لیکن اس عہد کے نویں برس میں اس میں پانڈیا ریاست کے ساتھ کلوتنگا کی جنگ کا ذکر شامل کر دیا گیا ہے[93] اور یہ تذکرہ اس پرشستی کے قریب قریب سبھی بعد کے ایڈیشنوں میں چند تبدیلیوں کے ساتھ دہرایا گیا ہے جن پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے اس عہد کی دوسری پرشستیوں پر بھی جو بہت کم استعمال کی گئی ہیں۔ جو زیادہ تاریخی اہمیت نہیں رکھتیں، ہم مختصر تبصرہ کریں گے۔ "ملر متو پولل ایل لم" سے اور "پومیوی مرودیا" سے شروع ہونے والی عبارت سب سے پہلے پانچویں سالِ حکومت کے کتبات میں دکھائی دیتی ہے[94]۔ ماگرل کے ایک کتبے میں جو گیارہویں سال کا ہے[95] "پومیوی والر" سے شروع ہونے والی پرشستی شامل ہے جو کلوتنگا دوم کے زمانے میں مستعمل تھی۔ کلوتنگا دوم کے کتبات سے اس کا امتیاز کرنا آسان نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس میں شہنشاہ کا خطاب پراکیسری دیا گیا ہے۔ کلوتنگا سوم کے بعض "پومرو ویا لتنی ملکتوں" کی پرشستی سے شروع ہوتے ہیں جو پہلے پہل اس کے پانچویں سالِ حکومت میں نمودار ہوتی ہے اور جس کے صرف ابتدائی الفاظ سترھویں سال کے ایک کتبے میں شامل کئے گئے ہیں[96]۔

کلوتنگا کے کتبات سے پرشستیوں کے علاوہ کچھ القاب وخطابات کا پتہ بھی چلتا ہے۔ جن سے اس کے کتبات کی شناخت اور اس کے عہد کی تاریخ کے مطالعے میں بہت مدد ملتی ہے۔ دوسرے سال حکومت کے ایک کتبے میں[47] اور چوتھے برس سے لے کر اس کے آگے مدوراً "پانڈین مدّت تلائیم کونڈا رولیا"، کا جملہ اکثر بیشتر استعمال ہوا ہے[48] جس کا مطلب ہے جو مدورائی کو (دو ریاستِ پانڈیا کے تاج پوش سر کو فتح کر کے) شادماں ہوا۔ اس جملے کی مدد سے ہم موصوف راجہ اور اس کے پہلے کے ہم نام راجہ میں تمیز کر سکتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست پانڈیا پر فوج کشی جس کا مفصل حال سب سے پہلے ہمیں نویں سال کے کتبات میں ملتا ہے، اگر اس تاریخ سے کچھ عرصہ پہلے ختم نہیں ہوئی تھی تو کم از کم شروع ضرور اس سے چند سال پیشتر ہوئی ہوگی۔ مندرجہ بالا القاب میں وقتاً فوقتاً اضافہ کیا گیا ہے۔ دسویں سال حکومت میں اس میں "ایلم" (لنکا) کا لفظ شامل کر دیا گیا[49]۔ سولہویں سال اس میں کروُوُر[50]۔ اور چوبیسویں سال میں کانچی پورم[51] بڑھا دیا گیا۔ جس شہر کا ذکر سب سے آخر میں گیا ہے، وہ بہت سے کتبات میں نہیں ملتا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کلوتنگا نے "وِ ابھشیک" اور "ویِیئ ابھشیک" کی رسومات بھی ادا کی تھیں[52]۔

انتشار میں تاخیر

دراصل کلوتنگا سوم کا عہدِ حکومت انتشار کی ان قوتوں کے خلاف اس شہنشاہ کی نجی قابلیت کی فتح کی ایک روشن مثال ہے جن کی تعداد اور شدت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ جب کلوتنگا تخت پر بیٹھا تو اس وقت تک پانڈیا ریاست کے معاملات کا تصفیہ نہیں ہوا تھا۔ اور ابھی وہاں کافی بردآزمائی کی ضرورت تھی۔ ہر چند کہ اپنے عہد حکومت کے بیشتر حصے میں کلوتنگا نے پانڈیا ریاست پر چولا اثر و اقتدار کو قائم رکھا۔ اس کے عہد کے اختتام تک یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ یہ جنوبی ریاست خانہ جنگی کے اثرات سے سنبھل چکی تھی، اور وہ اب ایسے قابل اور بلند حوصلہ راجاؤں کے زیر حکومت تھی جو نہ صرف چولا طاقت کے طوقِ غلامی کا دعوے رکھتے تھے بلکہ اس کی بجائے وہ خود جارحانہ جنگ اور اپنے علاقے میں توسیع پر آمادہ تھے ہم آگے چل کر یہ دیکھیں گے کہ کلوتنگا اتنی طویل مدّت تک زندہ رہا کہ خود پانڈیوں کے اس نومولود سامراج سے

اس کی حکومت کو جو پہلے پہل دھکا لگا، اس کو اس نے اپنی زندگی میں برداشت کیا۔ دوسرے مقامات پر بھی بہت سے جاگیردار جب بھی ان کو موقعہ ملتا۔ مرکز سے تعلق توڑ کر آزاد ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ ان میں سے نیلور کے سدھ راسا جیسے کچھ خاندانوں نے پہلے ہی اپنی باغیانہ حرکات سے شہنشاہ کی پریشانی میں کچھ اضافہ کر رکھا تھا۔ جو اکثر مرکز کے خلاف ہی ہوا کرتی تھیں۔ کلوتنگا کی تمام طاقت ان سرداروں کی، جو ضرورت سے زیادہ قوت پکڑ گئے تھے مفسدہ پردازی کا سدِ باب کرنے میں صرف ہو جاتی تھی۔ ان سب باتوں کے باوجود کلوتنگا کے عہدِ حکومت چولا آرٹ اور فنِ تعمیر کی تاریخ میں آخری عظیم اور قابلِ یادگار دور تھا۔ لٹریچر کی بھی اس دور میں کافی قدردانی اور حوصلہ افزائی ہوئی۔ خود کلوتنگا کو بھی آخری عظیم چولا شہنشاہ شمار کرنا چاہئے۔ اس کے کمزور جانشین کے وقت میں تو سلطنت ٹکڑے ہو گئی۔ اور اس کے حکمران کو اپنے ہی ایک جاگیردار کے ہاتھوں جس نے نئی پانڈیا طاقت سے سازباز کر رکھا تھا۔ بڑی ذلت اٹھانی پڑی۔ یہ ہونسالہ حکمران کی مداخلت ہی تھی جس نے چولا شہنشاہ کی خود مختاری کا بھرم قائم رکھا گو یہ اس کی حقیقت طاقت واختیار کو پھر سے زندہ نہ کر سکی۔

پانڈیا سے جنگ

ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ کُل شیکھر نے، جن کی خاطر راجا دھیراج دوم نے لنکا کے قوی حکمران پراکرم باہو اوّل اور اس کے زیرِ حمایت ویر پانڈیا سے دشمنی مول لی تھی۔ بالآخر لنکا کے حکمران سے صلح کر لی۔ اس کو اپنے چولا محسن کے خلاف غداری کی قیمت چکانی پڑی کہ آسے ان پلّو رائیار نے مدورا سے نکال باہر کیا اور اس کے حریف ویر پانڈیا کو تلاش کر کے مدورا کے تخت پر بحال کر دیا۔ پچندرم میں ویر پانڈیا کا جو واحد کتبہ ملا ہے۔ وہ "پومنّن" دائیم جے مڈم دائیم سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس میں راجہ کی تاج پوشی کے موقعہ پر مقامی مندر کو دئے گئے، سات "ویلی" اراضی کے عطئے کا اندراج ہے۔ یہ بات زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ یہ عطیہ ویر پانڈیا نے اس وقت دیا جب اسے ان پلّو رائن نے تخت پر بٹھا دیا تھا۔ نہ کہ اس سے پہلے ایک موقع پر جب لنکا کے سپہ سالاروں نے مدورا میں اسے عارضی طور پر قبضہ دلایا تھا۔ ویر پانڈیا کب تک تخت نشین رہا، اس کے متعلق صرف قیاس کیا جا سکتا ہے

بن اس میں شک کوئی نہیں کہ تھوڑے ہی عرصے میں وہ بھی لنکا کے حکمران کی چکنی چپڑی
توں میں آگیا اور اس کا طرفدار بن گیا۔ اصل بات یہ تھی کہ چولا شہنشاہیت کے خلاف
ذبی طاقتوں وینّاڈ، پانڈیا اور لنکا کا قدیمی روایتی اتحاد اسقدر مضبوط کہ اگر کسی نازک
قت پر کسی اور نے اُن میں سے کسی کی مدد کی تو اس کا کوئی اثر اس اتحاد پر نہیں پڑ سکتا
تھا۔ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ جب ویر پانڈیا کو مدورا سے نکال دیا گیا تو اس نے کولم میں
پناہ لی۔ یہاں یہ بات یاد رکھنا ہوگی کہ جب پرانتکا اوّل نے جنوب میں چولا عملداری کی
توسیع کی تھی تو راج سمبا کو لنکا اور کیرلا ہی کی ہمدردی اور مدد حاصل ہوئی تھی گذشتہ
صفحات میں بیان کئے گئے حالات سے یہ بات واضح ہو چکی ہوگی کہ کلوتنگا سوم کی تخت
نشینی تک جو طویل مدّت گذری تھی، اس میں ان طاقتوں کے آپس میں اور چولا حکمرانوں
کے ساتھ جو تعلق تھے۔ ان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اس لئے کل شیکھر اور ویر پانڈیا کو ایک
دوسرے کے خلاف چولوں کی امداد کرنے کے لئے آمادہ رہتے تھے۔ لیکن ان کا جب
یہ مطلب نکل چکتا تو وہ چولوں کے ساتھ اپنی دوستی برقرار نہ رکھ سکتے اور ان کا وہی سیاسی
رجحان ہو جاتا جو پانڈیا ریاست کے حکمرانوں کا عام طور سے معمول تھا۔

کلوتنگا سوم کے کتبات

کلوتنگا کے کتبات ہیں، جو سب کے سب 'پویل وایشو ولم پیرگا' سے شروع ہوتے
ہیں۔ بیان کئے گئے جنگ کے اگلے مراحل کو ہم اختصار سے بیان کریں گے راجہ کے
نویں سال کے اٹھائیسویں دن کندہ کئے گئے چدمبرم کے ایک کتبے میں راجہ کی تخت نشینی
کی رقم کا حال درج کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جب وکرم پانڈیا نے چولا تاجدار سے مدد
مانگی تو اس نے ایک لشکر روانہ کیا اور اس کے بعد جو لڑائی ہوئی اس میں ویر پانڈیا کا بیٹا
مارا گیا[55] ایلگم کو فتح کر لیا گیا اور مڑوا (مڑپاڈی) فوج کی شکست ہوئی۔ سنگلا سپاہیوں
کی ناک کاٹ کر اُن کو سمندر میں دھکیل دیا گیا[56] ویر پانڈیا پر حملہ کیا گیا اور اُسے واپس
جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ مدورا شہر اور اس کا تخت اُس سے چھین لیا گیا اور وکرم پانڈیا کے
حوالے کر دیا گیا جس نے فاتح کی مدد طلب کی تھی۔ فتح کا ایک مینار بھی تعمیر کیا گیا۔
راجہ کے گیارہویں سال حکومت کے ایک سو اٹھارویں دن کے کندہ شدہ ایک اور

کتبہ میں بھی جو چدمبرم ہی سے ملا ہے، درج ذیل ہے کہ:

ایک واحد پیش کی مدد سے کلوتنگا نے ویرپانڈیا کے بیٹے کی، اس کے گرفتار کئے جانے سے پہلے ناک کٹوا دی۔ اس نے کورل کا عظیم شہر وکرم پانڈیا کو بخش دیا۔ اور خود واپس آگیا۔ اس کے بعد اس نے ویرپا کا سر کاٹ دیا جو سابقہ شکست کی ذلت مٹانے کے لئے دوبارہ حملہ آور ہوا تھا۔ اس جنگ کے خاتمے پر کلوتنگا نے ایک فتح کا مینار تعمیر کروایا۔"

اب اس کتبے میں جو واقعات درج ہیں اُن کو ترُکا ڈائیو رَ سے دستیاب شدہ پندرھویں اور سولہویں سالِ حکومت کے دو کتبات میں ایسے ہی الفاظ میں دہرایا گیا ہے۔ البتہ ان میں حسب ذیل اضافہ کیا گیا ہے

"لڑائی کے خاتمے پر کلوتنگا نے اس کی (ویرپانڈیا کی) بہترین مستورات (عورتیں) اپنے ویلم (زنان خانہ) میں داخل کرلیں۔ اُس نے تین (پانڈیا) کے تاجوں کو پامال کیا جو خود اپنے اقارب کے ہمراہ مغربی کولم میں چلا گیا۔ کیونکہ اسے اور کوئی جائے پناہ نہیں مل سکی۔ توی چیرا حکمران کے تاج کو بھی کلوتنگا نے جب اس کی پابوسی چیرا حکمران نے کی، پامال کیا۔ اس لئے تین ون (پانڈیا) کو شین تامل (مدورا) کی حکومت اور تاج عطا کیا۔ اس نے عبقری اتساتو والے کڑے پاؤں میں پہن کر شجاعت اور فیاضی کے جھنڈے گاڑ دئے۔ وہ خود اُس تقریب میں شامل ہوا جس میں کیکنیا راجہ نے اپنے بیٹے کا نام اس کے نام پر رکھا۔ کلوتنگا نے اُسے بہت سے خلعت دئے۔ اس نے مینوا (پانڈیا) ویر کیرلا کو میدان جنگ میں پیٹھ دکھانے پر مجبور کر دیا۔ اور اس کی انگلی کاٹ دی۔ لیکن اس نے جب اطاعت قبول کرلی تو اُسے ایسی ریاست عطا کر دی جو راجاؤں کو بھی شاذ و نادر نصیب ہوتی ہے اور اسے اپنے عطا کردہ برتنوں میں اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا۔"

ترُدُوڈئی مرود ور کے ایک کتبے میں جو سولھویں ہی سال کا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ کلوتنگا کے سپاہیوں نے مندرجہ ذیل حکم پا کر ہر جگہ پہرہ لگا دیا: "جنوب میں" ایلم (لنکا) کو فتح کر دو تاکہ "تینور" (جنوبی حکمران — پانڈیا، کیرلا اور شنگلا؟) آئیں اور سجدہ بجا لائیں کونگلون کا سر قلم کر دیا جائے۔ موجزن سمندر کو پاٹ دو تاکہ ایک سنگ بست راستہ بن جائے اس کے علاوہ انیسویں سالِ حکومت کا شری رنگم کا ایک کتبہ ہے جس میں تقریباً وہی الفاظ، جو گیارہویں سال کے چدمبرم کے کتبے ہیں۔ دوہرائے گئے ہیں اور یہ بھی

بتایا گیا ہے کہ ویر پانڈیا نے گلوتنگا سے مقابلہ کرنے کی دوسری کوشش نیتوڑ میں کی۔ اور اس لڑائی کے خاتمے پر اُس نے پانڈیا حکمران کی نوجوان مہارانی مڈکوڈی کو اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ اس کے آگے یہ لکھا ہے۔

"جب تینون پانڈیا۔ جو اپنی دولت اور سلطنت کو کھو چکا تھا اور شیرلن (چیرا) نے اُگر چولا شہنشاہ کے قدموں پر سر جھکایا اور اس کے تخت کے پایوں کے پاس بیٹھ گئے۔ تھے ان کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اُس کے ساتھ ہی اُس پانڈیا راج کمار کو دیئے گئے کثیر خزانے خطوط اور جڑاؤ برتنوں کے تحائف کا بھی ذکر ہے، جس نے سورج ونشی خاندان کے مکھیا، کا نام اختیار کیا تھا۔ ترُودوڑ بوُر سے[69] ہمیں انیسویں[19] سال حکومت، کا ایک کتبہ ملا ہے۔ جس میں بہت سی دروغ آمیز تاریخ نگاری کے درمیان یہ درج ہے کہ گلوتنگا نے تینون اور وکلن کے سر کاٹ دیئے۔ بلا شبہ ان بیانات پر یقین نہیں کرنا چاہیئے۔ اور ان کو نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ ترِومانی کُلی سے ملے ہوئے اکیسویں[21] سال کے کتبے میں بھی[70] وہی لکھا ہے جو انیسویں[19] سال کے شری رنگم کے کتبے میں ہے۔ سوائے اس کے کہ اس میں پانڈیا کو دیئے گئے زمین اور تاج کے عطئے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور چیرا کو عطئے میں دی گئی دولت کا ذکر بھی نہیں کیا گیا ہے۔ پہلے کتبے میں یہ بتایا گیا تھا کہ ان دونوں کو عطیات اسی وقت دیئے گئے تھے جب وہ کلوتنگا کے تخت کے پایوں کے پاس بیٹھے تھے اور اس نے اپنا پاؤں پانڈیا کے تاج پر رکھ دیا تھا۔ اس کتبے کے آخر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ گلوتنگا نے لنکا کے حکمران ایلتان کے تاج کو اپنے پاؤں سے چھو کر اس کو عزت بخشی تھی تاکہ وہ پھلے پھولے۔"

آخر میں ہمارے پاس پڑدکوٹاہ کی ریاست سے دستیاب شدہ دو کتبے[67] ایسے موجود ہیں جن کی پرشستی آپ اپنی نظیر ہے جو کلوتنگا کے کسی اور کتبے میں نہیں ملتی، ان کتبوں میں سے ایک کی تاریخ تحریر مٹ چکی ہے۔ دوسرے پر چونتیسویں سال کی تاریخ درج ہے۔ اس پرشستی میں کلوتنگا کی ریاست کی پانڈیا کی مہم کے دو مراحل کا ذکر ایسے انداز میں کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے کتبات میں اس مہم کے جو واقعات درج ہیں۔ اور جن کا اب تک بیان کیا جا چکا ہے۔ وہ ہمیں ان قصے کے آخر تک نہیں لے جاتے بلکہ کچھ برس بعد ایک اور مہم بھی بھیجی گئی تھی۔ گو ہم ان پرشستی میں جو واقعات درج ہیں۔ ان پر مفصل بحث آگے چل کر کسی اور مقام پر کریں گے کیونکہ

ان کا ریاست پانڈیا کے حالات پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا. پھر بھی یہاں پوری پرشستی کی تشریح کر دینا افادیت سے خالی نہیں ہوگا. یہ پرشستی بھی حسب دستور راجہ کی تاجپوشی کے برکت بھرے اشراف کے بیان سے شروع ہوتی ہے. اس کے بعد اس میں چند مبرم کے مندر کے کچھ حصوں پر سونا چڑھانے اور ان مندروں میں کچھ تیوہار رائج کرنے کا ذکر ہے. اس کے بعد شمالی ہند کی ایک جنگی مہم کا حال بیان کیا گیا ہے جس کا انجام کانچی کی از سر نو تسخیر تھا۹۵ اس کے بعد کیا ہوا؟ وڈوگو کو زیر کرکے وینگی منڈلم کو چولا سلطنت میں شامل کر لیا گیا. تحائف کی شکل میں سونے کی بارش ہوئی اور چولا افواج ازنگئی میں داخل ہو گئیں. یہ سب واقعات اسی مہم کے ہیں. جو دوسرے کتبات میں نہیں ملتے. اس کے بعد ریاست پانڈیا کی جنگ کی کہانی شروع ہوتی ہے جو لگ بھگ انہی الفاظ میں بیان کی گئی ہے. جو شری رنگم کے کتبے میں دیئے گئے ہیں۹۶ آگے یہ بتایا گیا ہے کہ گلوتنگا نے ایلم (لنکا) کو تسخیر کر لیا. کونگوں کے خلاف خونریز جنگ چھیڑ دی اور کروؤور میں داخل ہو کر "فتح کا عظیم تاج" جیت لیا. اب اس نے شولاکیرلا کا لقب اختیار کیا اور "ویرمڈی" یعنی شجاعت کا تاج پہننے کا قصد کرکے روانہ ہوا اس نے ملایان کے جنگجو لشکر کا مقابلہ کیا. میثورا اور رکلی کوٹئی کا محاصرہ کرنے کے بعد پانڈیا فوج کے کچھ افراد کی ناک کٹوا کر ان کے چہرہ مسخ کر دیئے اور مڑپ پڑئی "نیز" ایلگپ پڑئی" کو گرفتار کر لیا. اس کے بعد اس کے فوجی دستوں نے مدورا شہر کو گھیر لیا اور پانڈیا تاجپوشی کے "منڈپ" کو مسمار کر دیا اور وہاں گدھوں سے ہل چلوا دیئے. اور اس میں "کوڈی" بودی" اس نے چولا پانڈین کا لقب اختیار کرکے "تاج شجاعت" پہنا. پھر اس نے بہادروں کے کڑے پاؤں میں پہن کر "تربھون ویر" کا لقب اختیار کیا. اور شجاعت کا علم بلند کرکے شہر سے ایک فاتحانہ جلوس کی سربراہی کرتا ہوا گذرا. آخر میں اس نے مدورا کے دیوتا کی پوجا کی؟ اور اسے بہت سے جواہرات کی نذر دی. پھر اس نے یہ اعلان کیا کہ آئندہ کے لئے پانڈی منڈلم کا نام چولا پانڈی منڈلم اور مدورا کا نام مڈت تلئی کونڈ شولا پ. م" ہوگا. اس کے بعد جس منڈپ میں وہ مقیم تھا. اس "پرچیرا اور پانڈیا ریاستوں کا دارا" "چیرا پانڈین تمبران" کے الفاظ تحریر کروائے. اس نے پانڈین کا نام بدل دیا. اور اس بھاٹ (بانن) کو پانڈیا کا خطاب عطا کیا جس نے اس کی بہادری کے گیت گائے تھے. اور جس کی بدولت اس نے تینوں (پانڈیا) کو شکست دے کر مدورا کو تسخیر کیا تھا. تب اس نے مدورا کے

دیوتا کے جلوس کے لئے اپنے نام پر ایک سڑک تعمیر کروائی۔ دیوتا کا ایک نیا تیوہار شروع کیا۔ اور اس نئی سڑک سے دیوتا کا جلوس گذرنے تک اس کی پوجا کرنے کے لئے وہیں قیام کیا۔ پھر اس نے مدورا کے مندر پر سونا چڑھوا دیا تاکہ یہ سونے کا پہاڑ معلوم ہو۔ اور جو سونا چیرا یا پانڈیا ریاستوں سے وصول ہوا تھا، اس کو اور "ارائیلی" (اراضی) کے خراج کو چدمبرم ترڈووادور اور ترِبھُووَنم کے مندروں میں تقسیم کر دیا۔ اس نے ہر طرف فتح کے مینار تعمیر کروائے جن پر اُس کی شجاعت کی تعریف کی گئی تھی"۔ لیکن بالآخر اس نے پانڈیا راجہ کو اس کی سلطنت مع اُس کے تمام شاہی لوازم کے واپس کر دی۔ اور اُسے اپنی دوستی کا یقین دلایا۔

تین جنگی مہمات

ان کتبات سے پانڈیا ریاست سے کلوتنگا کی تینوں جنگیں تین مختلف مہمات پر مشتمل دکھائی دیتی ہیں۔ سب سے پہلی مہم وکرم پانڈیا کی درخواست پر شروع ہوئی اور اس کے نتیجے میں ویر پانڈیا کو تخت و تاج سے معزول کر کے وکرم کو مدورا کے تخت پر بٹھایا گیا۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ کچھ اہم امور کے متعلق کتبات بالکل خاموش ہیں۔ مثلاً ویر پانڈیا سے شہنشاہ کلوتنگا کیونکر خفا ہو گیا اور اس سوال پر غور کر کے ایک جواب تجویز کیا گیا ہے لیکن جب تک کسی براہِ راست شہادت سے اس کی توثیق نہ ہو جائے۔ اسے محض عارضی جواب سمجھنا چاہئے۔ پھر یہ سوالات اٹھتے ہیں۔ کہ مدورا سے نکال دئے جانے کے بعد کل شیکھر کا کیا حشر ہوا؟ وکرم پانڈیا کا اس سے کیا رشتہ تھا؟ وہ حالات کیا تھے جن کے تحت وکرم پانڈیا نے اپنی مدد کی خاطر کلوتنگا کو یہ ترغیب دی کہ وُہ ویر (پانڈیا) پر فوج کشی کرے۔ کسی براہِ راست شہادت کی عدم موجودگی میں ہم محض ظن و تخمین سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ کیا اغلب ہے اور کیا ممکن۔ مثلاً یہ کہ جب یہ جنگ شروع ہوئی کل شیکھر کا انتقال ہو چکا تھا یا وکرم پانڈیا اگر اس کا بیٹا نہیں تھا تو پانڈیا تخت کی جانشینی کا استحقاق رکھنے والا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار تھا۔ یا یہ کہ اُس کو جو مواقع چولا حکمران کے دشمنوں کے ساتھ ویر پانڈیا کے ساز باز کرنے سے ملے اُن کا اس نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اگرچہ یہ مہم کلوتنگا کے نویں سالِ حکومت کے آغاز (جو [illegible]) سے پہلے تفصیل سے بیان نہیں کی گئی ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ [illegible] سے پیش آئی ہو۔ کیونکہ اسی وقت سے اس کے کتبات میں

"مدورار ائیین پانڈین مڈی تلائیم کونڈرلیا" کا لقب باقاعدگی سے دکھائی دینے لگتا ہے اگر یہ صحیح ہے تو یہ جنگ لنکا کے حکمران پراکرم باہو اوّل کے آخر عہد میں لڑی گئی ہوگی۔ اور "شنگلا سپاہی" جو ویرپانڈیا کی رفاقت میں لڑے اور تباہ ہوئے یقیناً اسی راجہ کے بھجوائے ہوئے فوجی ہونگے ویرپانڈیا کے بیٹے یا بیٹیوں کا کیا حشر ہوا اس کے متعلق چونکہ تمام تذکرے باہم دگر مختلف ہیں اس لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ دراصل اُن پر کیا بیتی۔

جب چولا فوج مدورا کے تخت پر وکرم پانڈیا کو فائز کرکے واپس چلی گئیں تو ویرپانڈیا نے اپنی دولت کی بازیابی کے لئے ایک اور کوشش کی۔ اس کا نتیجہ دوسری جنگ کی شکل میں ظاہر ہوا جس میں ویرپانڈیا کی کوشش کو نیٹّور کے میدانِ جنگ میں کچل کر رکھ دیا گیا۔ یہ جنگ یقیناً ۱۱۸۹ء سے قبل لڑی گئی ہوگی۔ کیونکہ اسی سن کے کتبات میں سب سے پہلے اس کا مختصر ذکر ملتا ہے گو نام لے کر اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ بعد کے کتبات میں مزید تفصیلات کے اضافے کے ساتھ اس تذکرے میں کافی مبالغہ آمیزی بھی کی گئی ہے۔ تنازعے کے اس حصّے کا نمایاں پہلو ویرپانڈیا کے ساتھ کیرلا کے حکمران کا تعاون ہے۔ نیٹّور میں شکست کھانے کے بعد ظاہر ہے کہ ویرپانڈیا نے قیلان (کولم) میں ریاست کیرلا کے حکمران وینادکے یہاں پناہ لی۔ لیکن موخرالذکر اپنے خطرناک مہمان کو زیادہ دیر تک پناہ نہیں دینا چاہتا تھا لہٰذا ان دونوں نے ارادہ کرلیا کہ اپنے آپ کو کلوتنگا کے حوالے کردیں اور اس طرح مزید لڑائی ختم کردی جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر ویرپانڈیا کے ساتھ توقع سے بہتر سلوک کیا گیا اس سے زیادہ توقع رکھنے کا اُسے حق بھی نہیں تھا۔ اسے کلوتنگا کے کھلے دربار میں ذلت اٹھانی پڑی تھی اور وہ اپنی سلطنت مع شاہی لوازم کے گنوا بیٹھا تھا۔ یہاں تک کہ اسے حرم یعنی مستورات سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ لیکن اس کی جان بخش دی گئی اور غالباً اسے کچھ اراضی اور اس کے بدلے ہوئے حالات کے مطابق کچھ اور اقسام کی املاک اس کو واپس مل گئی[71]

ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے ہم یہ معلوم کرسکیں کہ وہ کیلینا راجہ کون تھا۔ جس نے اپنے بیٹے کا نام شہنشاہ کلوتنگا کے نام پر رکھا تھا۔ پانڈیا دیر کیرلا کون تھا۔ اور تسورج (دنشی) لگی کا مکھ با" کون تھا؟ پھر ہم اس بات کو آسانی سے صحیح تسلیم نہیں کرسکتے کہ کلوتنگا نے لنکا کے حکمران کے تاج پر پاؤں رکھ دیا تھا، ہرچند کہ ترّو مانگلی کے کتبے میں ایسا تحریر ہے۔ دوسری جنگ کی تاریخ کے متعلق ہم اسی قدر کہہ سکتے ہیں کہ وہ ۱۱۸۹ء سے پہلے ہی

لڑی جاچکی تھی۔ یہ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ جنگ لنکا کے حکمران پراکرم باہو اوّل کی زندگی میں ختم ہو گئی تھی جو سنہ 1055ء تک زندہ رہا تھا یا نشنک ملاّ کے عہد تک جاری رہی۔ اس عہد کو پراکرم باہو کے عہد سے جدا کرنے والا ایک درمیانی مختصر عہد بھندر اشٹم کا عہد تھا تاہم اس بات پر توجہ دینی ہو گی کہ کلوتنگا کے تسخیر کردہ ممالک میں الیم سب سے پہلے اس کے دسویں سالِ حکومت (یعنی سنہ 1088ء) کے کتبات میں دکھائی دیتا ہے؟[74] اور نشنک ملاّ اپنے بے شمار کتبات میں یہ دعوے کرتا ہے کہ اس نے پانڈیا ریاست میں تین بار کامیاب جنگی مہمات کی سربراہی کی اور رامیشورم میں ایک مندر کی مرمّت بھی کی[75] اس آخری دعوے کی تصدیق رامیشورم میں موجود ایک سنہالی کتبے سے ہوتی ہے جو ایک بڑے پتھر پر کندہ ہے اس کتبے کے مطابق اس پتھر پر وہ نشست تھی جس پر بیٹھ کر نشنک ملاّ ناٹک دیکھتا اور موسیقی سنتا تھا۔ کتبے میں یہ بھی درج ہے کہ اس راجہ نے مندر کی مرمّت پر کافی روپیہ صرف کیا اور یہ مندر بعد میں نشنک علیشورا، کہلانے لگا لیکن پانڈیا ریاست میں لنکا کے حکمران کی یہ جنگی مہمات اتنی کامیاب اور شاندار نہیں تھیں جتنی کہ ان کتبات میں بیان کی گئی ہیں اور شاید یہی وجہ تھی جس سے یہ کتبات اس موضوع پر خاموش ہیں؟[76]

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں پانڈیا ریاست میں کلوتنگا کی تیسری جنگی مہم پڈوکوتاہ کے کتبے میں بیان کی گئی ہے جو اس شہنشاہ کے چونتیسویں سالِ حکومت کا ہے۔ اس کتبے میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ کروُوَور میں ایک "وجے ابھشیک" یعنی جشن فتح منانے کے بعد ہی کلوتنگا ریاست مدورائی کے خلاف ایک جنگی مہم لے کر روانہ ہوا تاکہ شجاعت کا تاج زیبِ سر کر سکے یعنی ویرا ابھشیک" اور "ویرا ابھشیک" کی تقریبات کا ذکر سب سے پہلے انیسویں سال کے کتبات میں آیا ہے۔ تو یہ غلط نہ ہو گا کہ ہم اس مہم کی تاریخ سنہ 1205ء کے آس پاس متعین کریں اگر یہ صحیح ہے تو یہ مہم جٹا ورمن کل شیکھرا کے خلاف بھیجی گئی ہو گی جو سنہ 1190ء میں تخت نشیں ہوا تھا اور جو پانڈیا راجاؤں کے زمانہ عُروج کے اس دور کا پہلا عظیم حکمران تھا جو ریاست پانڈیا کی خانہ جنگی کے فوراً بعد شروع ہوا تھا۔ اس خانہ جنگی میں چولا شہنشاہوں راجادھیراج دوم اور کلوتنگا سوم نے تخت کے مختلف دعویداروں میں سے کسی نہ کسی کی حمایت کی تھی۔ غالباً کل شیکھر، وکرم پانڈیا کا بیٹا اور جانشین تھا جس کی کلوتنگا نے مدد کی تھی۔ اس کے کتبات مدورا، رام نڈ اور ترنے ویلی کے اضلاع میں ملتے ہیں[77]

اُن میں شاندار اور طویل پرشستیاں شامل ہیں۔ ان میں سے ایک میں یہ متکبرانہ دعوے کیے ہے کہ پانڈیا کی رشاہی علامت، مچھلی کے سامنے چولوں کا خونخوار شیر اور چیروں کی کماں دہشت کے مارے روپوش ہوگئے۔ کرو دُور میں "دیے" "ابھشیک" منعقد کرنے کے بعد "ویرابھشیک" منانے کا کلوتنگا کا دعوے اور اس کی آرزو ہی وہ واحد اشارے ہیں جو کُل شیکھر اور کلوتنگا سوم کے مابین جنگ کی وجوہ کی کچھ نشان دہی کرسکتے ہیں۔ کُل شیکھر کے کتبات میں تو جنگ کا یا اس کے کسی واقعے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ہم کلوتنگا کے کتبات پر حرف بحرف یقین نہ کریں لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ کہ کل شیکھر کو اپنی نافرمانی کا بہت بھاری تاوان دینا پڑا گو جنگ کا خاتمہ پانڈیا ریاست کے تخت پر کل شیکھر کی بحالی سے ہوا، پھر بھی کلوتنگا کی کامیابی مکمل نہیں کہی جاسکتی۔ کتبات کا یہ بیان کہ پانڈیا ریاست کے سابق حکمران اور اس کے اقارب نے جنگلوں میں جا کر پناہ لی[28] الفاظ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ البتہ کلوتنگا کا میٹور اور کلی کوٹی کے شہروں کا جن کی ابھی تک صحیح شناخت نہیں ہوسکی ہے، محاصرہ کرنا، مڑوا سرداروں کی فوج کو شکست دینا اور پانڈیوں کے تاجپوشی کے منڈپ کو مسمار کرنے کی وحشیانہ حرکت صحیح تسلیم کئے جاسکتے ہیں۔ کلوتنگا کا یہ سنگدلانہ اقدام ظاہر کرتا ہے کہ اس کو یہ احساس ہوگیا تھا: کہ اس کی حیثیت جوں جوں کمزور ہورہی ہے۔ اور پانڈیوں کی طاقت میں اضافہ ہورہا ہے۔ اور غالباً یہی واقعات اس انتقامیہ کارروائی کا سبب تھے جو کچھ عرصہ بعد ماڑورمن سندر پانڈیا نے پہل کرکے کی۔ یقیناً اس نے اور اس کے بھائی نے کلوتنگا کے حملے کے وقت مصیبت اٹھائی ہوگی۔ اسی لئے کچھ عرصے بعد اس نے جارح بن کر چولا ریاست میں قتل اور آتش زنی کا بازار گرم کردیا۔ اور آئرتلی عرف مڈی گونڈ شولا پورم میں چولوں کے ایوان تاجپوشی میں اپنا "ویرابھشیک" منعقد کیا[29]

شمال کی لڑائیاں

کلوتنگا نے جو شمال میں جو لڑائیاں چھیڑیں اُن کا تذکرہ پہلی مرتبہ انیسویں[19] سال حکومت کے تری رنگم کے کتبے میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

اس نے لاثانی ہاتھی روانہ کئے۔ شجاعت کے کارنامے کر دکھائے، شمال کے راجاؤں کے سر زمین تک جھکا دیے۔ جب اس کا غصّہ ٹھنڈا ہوا، تو وہ کانچی میں داخل ہوا۔ دہاں

کے سبھی راجاؤں سے خراج وصول کیا۔

پڈوکوتاہ کے کتبات میں جو اس واقعے سے دس سال سے بھی زیادہ عرصہ بعد کندہ کئے گئے، مزید بتایا گیا ہے کہ:

"وڈوگو دتیلگی لوگوں کو جو جنگ کرنے میں بڑے خونخوار تھے زیر کرکے اور اس طرح دشمن سنڈلم کو اپنے زیر نگیں لا کر اس نے سونے کی بارش کی۔ اور ارنگئی کے سنہری شہر میں داخل ہوا۔"

سیاسی حالات

پڑولا سلطنت کے باہر جو سیاسی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں اُن کا مختصر حال جانے بغیر کلوتنگا کے کتبات میں جو واقعات درج ہیں۔ اُن کو اچھی طرح سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ راج راجا ددم کی زندگی کے آخری دنوں میں دیلنانڈو راجاؤں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ اپنی خودمختاری کا دعوے کرنے اور اسے برقرار رکھنے کا مقدور رکھتے ہیں اور اس مقصد کے لئے اب وہ اپنے چالوکیہ چولا آقاؤں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شمال میں کتیا خاندان کی طاقت ابھر رہی تھی۔ ادھر مغرب میں چالوکیہ راجاؤں کی طاقت جو کتیا پر ولا سے شکست کھا چکے تھے۔ اب اس وجہ سے بجلاّنے ان کا علاقہ ہڑپ کر لیا تھا، کمزور ہو رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی چالوکیہ سلطنت کمزور پڑ گئی اور ہوئسالوں کو خودمختار بن جانے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ انھیں دنوں میں تیلگو چولا راجگان اور ویلنانڈو حکمران جو اس وقت تک چالوکیوں کے ماتحت رہے تھے یا اُن سے ڈرتے رہتے تھے۔ اور اسی وجہ سے چولوں سے بطور ماتحت اتحاد قایم رکھے ہوئے تھے، اب زیادہ آزادی سے سانس لینے لگے اور جلد ہی انہوں نے اپنے علاقے کی توسیع کے منصوبے بنانے شروع کر دئے۔ یہ عجیب بات ہے کہ نیلوز اور سرکاروں میں راجادھیراج ددم کے بہت کتبے ملے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گونکا ددم نے اپنے عہد حکومت کے آخر میں شاید اور اس کے بیٹے راجندر چوڈا نے تو یقیناً ایک خودمختار حکمراں کے القاب اور شاہی لوازم اختیار کر لئے تھے؟ واقعہ یہ ہے کہ راج راجا کے عہد حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہم تیلگو تاریخ کے ایک ایسے دور میں پہونچ جاتے ہیں جب چولا طاقت سمٹ چکی تھی اور کاکتیا طاقت نے ابھی اپنا صحیح مقام حاصل

ہیں کیا تھا۔ یعنی ایک ایسی پشت گذر چکی تھی جس میں ملک بہت سے معمولی اور چھوٹے خاندانوں میں بٹ گیا تھا مثلاً کوتا چالگی کوناد غیرہ جو کسی مرکزی طاقت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ دور دکھن میں انہیں دنوں نیلور۔ کڈاپہ چتور، شمالی ارکاٹ اور چنگل پٹ کے اضلاع میں تیلگو چوڈا طاقت ابھری اور ان کے راجاؤں نے چولوں سے کانچی پورم کا شہر چھین لیا۔ بعد میں ان سے ہی کلوتنگا سوم نے یہ شہر واپس لے لیا۔

تیلگو چوڈا راجگان

اس عہد کے تیلگو چوڈا راجاؤں کی تاریخ ہمیں تاریخ نگاری اور شجرہ نویسی کے کچھ دشوار مسائل سے دوچار کر دیتی ہے اور ہر چند کہ کتبات اور تصانیف کی شکل میں اُن کی طاقت اور اہمیت کی شہادتو..ں کوئی کمی نہیں ہے لیکن راجاؤں کے اس گروہ پر مشتمل خاندانوں کی مسلسل تاریخ مرتب کرنے کی کوششیں محض ایک محدود دائرے میں کامیاب ہوئی ہیں[12] یہ تمام راجگان خود کو چوڈ کہتے تھے۔ اور ان کی عملداری تیلگو خطّے کے اچھے خاصے حصے میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہ اپنے کو کریکال کی اولاد بتاتے تھے اور سورج ونشی نسل اور کشیپ گوتر سے ہونے کا دعوےٰ کرتے تھے کلوتنگا اوّل اور اس کے جانشینوں کے ماتحت جاگیرداروں کی حیثیت سے ان خاندانوں کی تیلگو خطّے کے مختلف حصّوں میں موجودگی کی تصدیق ہر عہد کے کتبات سے ہوتی ہے۔ اب یہاں ہمیں تیلگو چوڈا خاندان کی نیلور شاخ اور کلوتنگا سوم کے باہمی مراسم کا پتہ چلانا ہے تاکہ اس بات کی وضاحت ہوسکے کہ کلوتنگا کو کانچی پورم کی بازیابی کی ضرورت کیوں پڑی۔

اس خاندان کا شجرہ نسب دو نیم شخصیتوں سے شروع ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک مدھرانتکا پوتپی چولا تھا۔ اس کا یہ نام اس لئے پڑا تھا کہ اس نے مدورا کو فتح کیا تھا۔ اور پوتپی کی بنیاد رکھی تھی جسے ضلع کڈاپہ کے پلم پیٹ تعلقہ میں اسی نام کا ایک گاؤں شناخت کیا گیا ہے[22] دوسرا راجہ تلگو وجیا تھا جس کا نام ناملِ چولا کتبات وجیا درج ہے) اس شخص نے ضلع بلاری کے تعلقہ کدلگی میں واقع اجینی یعنی موجودہ اجاپوری میں ایک فتح کا مینار تعمیر کروایا تھا جس کی چوٹی پر گرڑ (وشنو دیوتا کی سواری) کی شکل بنوائی تھی۔ اس خاندان کا تاریخی حصہ بہا جیتا سے شروع ہوتا ہے جو دکرم چولا کا جاگیردار

تھا۔ بیتا کا بیٹا اِرِ سِدّھی تھا جس کے تین بیٹے تھے نل سدھا عرف منما سدھا[84] بیتا اور تمو سدھا تمو سدھا کے کچھ کتبات میں بتایا گیا ہے[85] کہ بیتا صغیر حکومت کرنے کی خواہش نہیں رکھتا تھا۔ لہٰذا منما سدھا کی وفات کے بعد وہ اپنے چھوٹے بھائی کے تمو سدھا کے حق دستبردار ہو گیا جس نے شا کا سمت [1127] میں یا اس سے کچھ عرصہ پہلے[86] نیلور کے مقام پر اپنی تاجپوشی کی رسم ادا کی۔ دوسری جانب کادلی سے دستیاب ہونے والے شا کا سمت [1124] کے ایک کتبے میں[87] چھوٹے بھائی بیتا کے ذکر کو حذف کر دیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ جب نل سدھا[88] اپنی ریاست کا تاجدار (ابھشیک) تھا تو اُس کا چھوٹا بھائی تمو سدھا ریاست کی حکومت کو اسی کی برکت اور دعا سے چلا رہا تھا۔" نت کنا کش دیلو راجم کر دیۓ" اس لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ تمو سدھا نے منما کے انتقال کے بعد تنہا حکومت کی یا اس کی شراکت میں۔ کلوتنگا سوم کے ان کتبات پر جن میں اس نسل کے راجاؤں کا ذکر آیا ہے؛ نظرِ ثانی کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کادلی کا کتبہ سچائی کے زیادہ قریب ہے اس کتبے سے کلوتنگا کے عہدِ حکومت کے مختلف ادوار میں ان راجاؤں اور کلوتنگا کے باہمی تعلقات بھی بخوبی واضح ہو جاتے ہیں۔[89]

کلوتنگا سوم کے ساتھ ان راجاؤں کے مراسم

کلوتنگا سوم کے عہدِ حکومت کے نویں برس [1187]ء عیسوی میں نیلور کے راجہ نل سدھا راما سانے کلوتنگا سوم کی برتری تسلیم کر لی[90]۔ اس کے تین سال بعد [1190]ء میں مدھرانتکا پوتپچ چولا نامی ایک سدھی نے نیلور کے مندر کو عطیہ دیا۔ جس کتبے میں اس عطیے کا اندراج ہے اس پر اس کے چولا آقا کلوتنگا کے بارہویں سالِ حکومت کی تاریخ دی گئی ہے۔[91] اس کے بعد راج نل سدھا کی مہارانی نونگما کے نام پر بھی کئی مندروں کو دیئے گئے عطیات کا اندراج ملتا ہے۔ یہ مندر ترِ ڈپالئی ونم (ضلع جنگل پٹ)، کال ہستی (ضلع چتور) اور نندلور (ضلع کلانپہ) میں تھے ان عطیات سے متعلق جو کتبات ہیں وہ کلوتنگا سوم کے اٹھارہویں، انیسویں، اور چوبیسویں سال کے ہیں[92]۔ اس سلسلے میں اس کا بھی ذکر کر دیا جائے کہ نیلور شہر میں خود شہنشاہ کلوتنگا سوم کا ایک کتبہ بھی ملا ہے جس پر انیسویں سال کی تاریخ درج ہے[93]! ایک اور کتبے میں جو نندلور سے ملا ہے[94] مدھرانتکا پوتپچ چولا ایرِ سدھا

کے بیٹے نل ستدھا نے کلوتنگا سوم کی برتری کا اعتراف اس کے چھبیسویں[26] سال ۱۲۰۹ء میں کیا ہے۔ سب سے آخری کتبہ جس میں نل سدھانے کلوتنگا کی برتری کو تسلیم کیا ہے اس سے نو برس بعد ۱۲۱۸ء کا ہے[95]۔ لیکن ۱۲۰۹ء اور ۱۲۱۸ء کے درمیانی وقفے کے بھی دو کتبات نیلور اور جنگل پٹ کے اضلاع سے ملے ہیں جو اس کے بھائی تموسدھا کے ہیں[96]۔ ایک کتبہ اس کے بیٹے بیتا راسا[97] کا کانچی پورم سے ملا ہے۔ ایک اور کتبہ نندلور سے ملا ہے۔ یہ بھی غالباً اسی شہزادے کا ہے جس کا نام ترڈ کالتی دیلوا دیا گیا ہے۔ لٹریچر میں اسی شہزادے کا نام تکنٹرپا آتا ہے۔ اس نے اپنے والد منومستبا (سین اور دیا عرف؟) نل سدھا کی آتما کی تسکین کے لئے ایک دان دیا[98]۔ ان کتبات میں تمام شہزادوں نے یہ احتیاط برتی ہے کہ انھوں نے خود کو واضح طور پر کلوتنگا کا اطاعت گذار ظاہر کیا ہے۔ اور یہ رشتہ تقریباً کلوتنگا کے عہد کے اختتام تک برقرار رہا جیسا کہ ترڈ کالتی دیوا کے، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، اور ایک کتبے سے ظاہر ہے[99]۔ جو کلوتنگا کے چھتیسویں سال کا ہے۔ اس سے دو برس کے بعد کے ترڈوور ریونڈ کے کتبے[100] سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔ اس مقام پر شتاراشن کے کسی نمائندہ کی رہائش بتائی گئی ہے۔

شمال میں کلوتنگا کے کارہائے نمایاں

تیلگو چوڑا راجاؤں اور کلوتنگا کے باہمی تعلقات اس کے پورے عہدِ حکومت میں کس نوعیت کے رہے، اس کا جائزہ ہم اوپر لے چکے ہیں اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیلگو چوڑا راجاؤں میں کبھی خود میں اتنی سکت نہیں رہی کہ وہ کلوتنگا سے آنکھیں ملا سکیں۔ تبری رنگم کے کتبے میں مندرج یہ بیان کہ "جب کلوتنگا کانچی میں داخل ہوا، تو اس کا غصہ فرو ہو چکا تھا"، ظاہر کرتا ہے کہ یہ فوج کشی اس ماتحت راجہ کی سرکوبی کی غرض سے کی گئی تھی جس نے بغاوت کے لئے سر اٹھایا تھا۔ کلوتنگا کی تخت نشینی کے وقت چولوں کی بالادستی یقیناً کڈاپہ اور نیلور تک اچھی طرح تسلیم کی جاتی تھی[101]۔ اور صرف ایک مختصر سے درمیانی وقفے کو چھوڑ کر، جس پر ہم ابھی بحث کریں گے۔ باقی ماندہ مدت کے لئے کلوتنگا کے کتبات بھی اس کے خلاف کوئی تاثر نہیں دیتے۔ اس بات کے بہت سے اشارے ملتے ہیں کہ چولا سلطنت کے جاگیر دار اپنی قوت میں اضافہ کر رہے تھے اور مرکزی حکومت

کے نااہل ہاتھوں میں جانے کی دیر تھی کہ سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔ ہم اپنے تذکرہ کے دوران میں ایسے آثار اور اشاروں کی طرف پہلے ہی توجہ دلا چکے ہیں، لیکن کلوتنگا سوم ایک ہرگز کمزور حکمران نہیں تھا۔ اور گوناگوں مشکلات کے باوجود وہ مجموعی طور پر اپنی میراث کو متحد رکھنے میں کامیاب رہا۔ اس کے عہد میں عارضی طور پر کانچی پورم کا چولوں کا ہاتھ سے نکل جانا اور اس کی بزور شمشیر بازیابی کی ضرورت کا احساس، ان حالات کی پیشگوئی تھی جو مستقبل میں پیش آنے والے تھے۔

نل سدھا کے کچھ کتبات ایسے ہیں جو اس زمانے پر روشنی ڈالتے ہیں جب اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا تھا۔ لیکن جیسا تیلگو چوڈا تاریخ میں اکثر ہوا ہے۔ ان کتبات کی شہادت کوئی جواب تلاش کرنے میں ہماری مدد کی بجائے مزید سوالات پیدا کر دیتی ہے۔ ان میں سب سے پرانا شاکا سمت ۱۱۱۴ (۹۳-۱۱۹۲ عیسوی) کا کنڑ زبان کا ایک کتبہ ہے جس میں حکمران کا نام اور لقب بھجابل ویرا نل سدھن دیو چولا مہاراجہ دیا گیا ہے جو دلور پورا میں حکومت کرتا تھا۔ اس مقام کے متعلق ہم کو پہلے سے معلوم ہے کہ یہ مہاراجہ باڈی ۷۰۰۰ کا دارالخلافہ تھا اور کڈاپہ کے شمال مغرب میں آٹھ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اس تیلگو چوڈا سردار نے یہ دعوٰے کیا ہے کہ وہ کانچی سے خراج وصول[40] کرتا تھا۔ اس دعوے کی تائید میں اس واقعہ کے علاوہ کوئی شہادت موجود نہیں کہ کلوتنگا نے فوج لیکر ایک حملہ کیا جس کا نتیجہ کانچی شہر میں اس کے بزور داخلے کی شکل میں برآمد ہوا۔ یہاں ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ تمو سدھی راجہ کے کتبات میں کانچی شہر کی تسخیر محض ایک کنایہ کے طور پر[103] اس کے چچا نل سدھا سے منسوب کی گئی ہے جو پہلے گذرا تھا اور ایرسدھا کا بھائی تھا۔ غالباً نل سدھا کے کانچی سے خراج وصول کرنے کے دعوے کا مطلب صرف یہی ہے کہ اس نے کچھ عرصہ کے لئے چولا شہنشاہ کو معمول کا خراج بھیجنا بند کر دیا تھا۔ پھر بھی وہ شہنشاہ کی جانب سے بغیر کسی مزاحمت کے کانچی کا حاکم بنا رہا۔ اصلیت خواہ کچھ بھی ہو لیکن، ایک خود مختار حکمران کی حیثیت سے نل سدھا کا دور جلد ختم ہو گیا۔ جب ۱۱۹۶ء کے قریب کلوتنگا نے کانچی پر قبضہ کر لیا۔ کلوتنگا کی اس جنگی مہم کی کامیابی کی تصدیق نہ صرف ان کے کتبوں سے ہوتی ہے۔ جن میں لکھا ہے کہ وہ کانچی میں داخل ہوا تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ بلکہ نل سدھا کے کتبوں کے ایک سلسلے سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

ان سب کتبوں پر واقعات کی تاریخیں درج ہیں۔ ہم ان کتبوں کا حوالہ پہلے بھی دے چکے ہیں۔ ان پر کلوتنگا سوم کے سالہائے حکومت ہی کے حساب سے تاریخیں درج ہیں۔

کلوتنگا کو اپنے باقی ماندہ عہد حکومت میں تیلگو چوڑا سردار کی جانب سے پھر کسی مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا، اگرچہ اُس کے آخری چند سالوں میں جب اس کو مانڈکن سندر پانڈیا جیسے قوی دشمن کا سامنا تھا، ان سرداروں نے ایک مزید اور زیادہ کامیاب کوشش اپنی خود مختاری حاصل کرنے کے لئے کی لیکن سنہ ۱۲۰۸ء کے آس پاس کلوتنگا ایک بار پھر شمال میں فوج کشی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس جنگ میں اس کے دعوے کے مطابق اس نے خونخوار واڈگا (تیلگو) لوگوں کو زیر کر کے وینگی پر قبضہ کر لیا اور اڑنگئی میں داخل ہوگیا۔ خونخوار واڈگا کون تھے۔ اور اڑنگئی کہاں تھا۔؟ کیا یہ فرض کر لینے کی کوئی وجہ ہے کہ کلوتنگا نے وینگی کو چولا سلطنت کے لئے محض ایک مختصر عرصے کے لئے بھی سر کیا تھا، کیونکہ نیلور کا شمال میں چولوں کا اس عہد کا ایک بھی کتبہ نہیں ملتا۔ اسلئے اس آخری سوال کا جواب نفی میں دیدینا بہت آسان ہے اور اگر ہم اس حقیقت کو بھی یاد رکھیں کہ کچھ عرصے سے کاکتیا راجاؤں کی طاقت عروج پر تھی اور وینگی کی قدیم ریاست پر چھائی جا رہی تھی اور چولا طاقت سے ہٹ جانے کے بعد وہاں نمودار ہونے والے چھوٹے چھوٹے رجواڑوں کے سامنے ایک نئی بالادست طاقت کی شکل میں اُ رہی تھی۔ نیز یہ کہ اس خاندان کا سب سے عظیم راجہ پتی سنہ ۱۱۹۹ء میں تخت نشین ہو چکا تھا، تو ان حالات کے پیش نظر ہم کلوتنگا کے اس دعوے کی قدرتی تاویل یہی کریں گے کہ اس نے یہ جنگ کاکتیا حکمران کے خلاف لڑی اور اس کی راجدھانی وارنگل میں داخل ہوگیا، جو کبھی اورنگلو[104] کہلاتی تھی۔ اس نام کی آسان شکل اڑنگئی بن گئی۔ لیکن اس طرح چولا شہنشاہ کے حق میں ختم ہونے والی کسی جنگ کے بارے میں ہمارے علم میں کوئی مضبوط شہادت نہیں ہے۔ سوائے پڈ دکوٹاہ سے ملنے والے دو کتبات کے مبہم بیانات کے اس جنگ کی کوئی تفصیلات دستیاب نہیں ہو سکیں اور وارنگل میں چولا شہنشاہ کا داخلہ ہی اگر ان کتبات کا حقیقی مفہوم ہے تو یہ محض ایک من گھڑت افسانہ قرار دیا جائے گا۔ موجودہ شہادتوں کی بنا پر تو ہم یہ بھی یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ چولا شہنشاہ کی جانب سے اُس کے عہدِ حکومت کے کتبوں میں

کیے گئے بلند بانگ دعووں کی کوئی بنیاد بھی ہے یا نہیں۔

کرُ ڈوُر

کلوتنگا کے عہد کی ایک اور مبہم داستان کونگو کے خلاف فوج کشی کی ہے جس کا انجام یہ ہوا کہ چولا شہنشاہ نے کرُ ڈوُر میں فاتحانہ داخلے کے بعد وہاں "وجے ابھشیک" کی تقریب منعقد کی۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کرُ ڈوُر میں داخلے کا ذکر سب سے پہلے اس عہد کے سولہویں برس میں آیا ہے[1] اور چھبیسویں سال کے ایک کتبے میں کونگو کا نام دیر شولا منڈلم لکھا ہے[2]۔ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ پڈکوٹاہ کے کتبات میں، جن کے علاوہ اس جنگ کے حالات معلوم کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے، تمام واقعات صحیح طور پر اسی ترتیب سے دیئے ہوئے ہیں جس میں یہ رونما ہوئے تو یہ جنگ ریاست پانڈیا کی دوسری جنگ کے خاتمے کے بعد کے برسوں یعنی ۱۰۹۹ء۔۱۰۹۵ء سے منسوب کی جا سکتی ہے۔ "کلوتنگن کوولئی" میں بھی چیرا راجہ اور کونگو کی ریاست کے خلاف لڑی گئی جنگ کا ذکر بار بار آتا ہے لیکن نہ ان کتبات سے اور نہ ہی اس نظم سے اس جنگ کے اسباب اور واقعات کا کوئی سراغ ملتا ہے۔ اس عہد کے متعدد کتبات کرُ ڈوُر میں اور کونگو ریاست کے دوسرے مقامات پر بھی ملتے ہیں جن میں تلکڈ ور بھی شامل ہے۔ ریاست میسور کے بعض حصوں میں بھی اس عہد کے کتبات ملتے ہیں۔ اور یہ واضح طور پر اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس خطے میں چولوں کی حکومت بحال ہو گئی تھی اور کلوتنگا اوّل کے عہد حکومت کے خاتمے پر ہوئسالوں نے اس خطے میں جو پیشقدمی شروع کی تھی اسے اب جزوی طور پر روک دیا گیا تھا۔ کلوتنگا سوم کے عہد میں ادگا ئیمانوں نے چولوں کی بالادستی کو دوبارہ تسلیم کر لیا تھا اور ادگا ئیمان راجہ جو خود کو "وڈوگادلگیہ پیرومال" کہلواتا تھا، کے کتبات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے میں چولوں کی عملداری کی بحالی میں اس کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔

پانڈیوں پر حملہ

کلوتنگا کے عہد کے خاتمے کے قریب ۱۱۱۸ء میں پانڈیا ریاست کا تخت ماروَمن سندر پانڈیا کے قبضے میں چلا گیا۔ شاید اس لئے کہ اس کے بھائی جٹاورمن کل شیکھر

کا انتقال ہوگیا تھا۔ نئے پانڈیا حکمران نے ضعیف چولا شہنشاہ کے خلاف لڑائی چھیڑنے میں ذرا بھی دیر نہ کی۔ دس سال سے کچھ زیادہ عرصہ پہلے اسی چولا شہنشاہ نے اس کی اور اسکے بڑے بھائی کی حد درجہ تذلیل کی تھی، اور وہ بھی ان کے اپنے ہی دارالسلطنت میں اور غالباً مدورا کے ایوانِ تاجپوشی کو بھی مسمار کر دیا تھا۔ کلوتنگا سوم کے خلاف سندر پانڈیا کی کامیابی کی شہادت جس پر ہم انحصار کرتے ہیں۔ وہ محض سندر پانڈیا کے کتبات ہیں۔ اس عہد کے چولا کتبات اس موضوع پر بالکل خاموش ہیں، اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے، کیونکہ مغربی چالوکیہ راجہ شومیشور اوّل کے کتبات بھی کوپم کی لڑائی کا قطعاً کوئی ذکر نہیں کرتے لیکن سندر پانڈیا کے کتبے صاف صاف تفصیلات بیان کرتے ہیں اور ان میں چولوں کی مصیبتوں اور بدبختی کا جو بیان کیا گیا ہے وہ بھی اُتنا ہی معتبر ہے جتنا کہ خود کلوتنگا کے کتبات میں دیا ہوا پانڈیوں کی شکستوں کا حال۔

سندر پانڈیا کے تیسرے سال حکومت ۱۲۱۸-۱۹ء کے ایک کتبے میں[۸] اس کا لقب "شونا ڈو ونگیا رُلیا" ہے یعنی "جس نے چولا ریاست واپس بخش دی" اس حکمران کے پندرہویں سال کے ایک اور کتبے میں[۹] واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اس نے کلوتنگا چولا کو ایک تاج اور مڈی کونڈ شولا پورم بخش دیا تھا۔ سندر پانڈیا کے کتبات تو دراصل چولا ریاست کے اندر ہی پائے جاتے ہیں۔ گو ان میں سے کوئی بھی کلوتنگا کے عہدِ حکومت کا نہیں ہے۔[۱۰] لیکن سندر پانڈیا کے جن دو کتبوں کا حوالہ ابھی دیا گیا ہے۔ ان سے اس بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ کلوتنگا کے آخری سال اس کیلئے بہت مصیبت بھرے ثابت ہوئے اور اپنی ضعیف العمری میں اُسے اپنے ابتدائی برسوں میں پانڈیوں کے خلاف اختیار کردہ پالیسی کا تلخ ثمر چکھنا پڑا۔ اب ہم واقعات کو راجہ الدین سندر پانڈیا کی پرشستی کے الفاظ میں بیان کریں گے۔

"اس غرض سے کہ شیر (چھُر) کا اختیار پونی کی سرزمین (چولا ریاست) میں برتری حاصل کرے۔ اُس نے زمین میں گھوڑے اور ہاتھی پھیلا دیئے جو جنگ میں حد درجہ غضبناک تھے اور تنجیؔ اور اُرندیؔ کے شہروں کو آگ کے سُرخ شعلوں کی نذر کر دیا۔ کنوؤں لدیاں کے شفاف پانی کی پاکیزگی کو برباد کر دیا۔ یہاں تک کہ "کاوری" اور نیلم کے پھول اپنے حسن سے محروم ہو گئے۔ بہت سی عمارتوں بلند فصیلوں کو، اور احاطوں میناروں تھیٹروں،

دانوں، محلوں اور منڈیوں کو مسمار کر کے پیوست خاک کر دیا۔ جن راجاؤں نے اُن کے
پاس آکر اطاعت قبول نہیں کی، ان عورتوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں رواں کر دیں
دشمن کے ملک میں گدھوں سے ہل چلوا دئے اور ان میں "کوڈی" (گھٹیا قسم کا باجرہ) بو دیا
اس نے شیمبن (چولا) سے اس وقت تک جنگ جاری رکھی، جب تک اس کا غصہ فرو نہیں
ہوا۔ اور اسے اجاڑ بیابانوں جگہ بھگا دیا۔ اس کا نفیس اور خالص سونے کا تاج شاہی
چھین لیا اور اسے ازارہِ عنایت بان کو دے دیا۔" اس نے اُرتلی کے مقام پر چولا طولا کے
اس دیوان تاجپوشی میں "ویرابھشیک" کی تقریب منعقد کی جو اس قدر خوبصورت تھا کہ اُسے
اشعار میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اور جس کا سنہرا صحن آسمان کو چھوتا تھا۔ جو سورج کی گذر
گاہ تھی۔ اس طرح اس نے چار دانگِ عالم میں اپنی شہرت پھیلائی۔ وہ قوی اور مست ہاتھی
پر سوار ہوتا تھا جو ہر روز دشمن راجاؤں کے خوفزدہ سر دھڑوں سے جدا کر کے لوٹتا تھا۔
اس کے ہمراہ صرف اس کے چمکدار ہتھیار ہوتے تھے اور اس کا تیکھا چکر جس نے سمندر
سے گھرے ہوئے پورے کرہ ارض کی مشترک ملکیت کو ختم کر دیا۔ وہ پلیئور کے متبرک مندر
کی پاکیزہ حدود داخل ہوا، جہاں وہ برہمن رہتے تھے۔ جن کا مقدس ویدوں کا عرفان
شکوک سے پاک تھا اور جہاں (مندر میں) دیوتا کی تقدیس مآب مورتی کو دیکھ کر اس کا
دل شادمانی سے بھر گیا۔ دیوتا جو اپنے پہلو میں دیوی کو لئے ایسے رقص کے عالم میں تھا
کہ سنہرے ایوان کی تابش میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اُس (پانڈیا) نے دیوتا کے پھولوں ایسے
چرن چھوئے۔ ایسے چرن جو برہما کو بھی حاصل نہیں ہو سکے۔ جو خوبصورت (کنول) کے
پھول پر جلوہ افروز ہے، اور نر وشنو کو جو تلسی کے ٹھنڈے پتے اوڑھے ہوئے ہے۔
جو بلند میرو پہاڑ کے مشابہ جگمگاتے ہوئے شفاف منڈپ میں تشریف فرما ہے۔ بلند
میرو پہاڑ کے جو دنیا کو سنبھالے ہوئے ہے۔ جیسے یون امراوتی میں لا کر نصب کیا گیا
اور جس کے چاروں طرف کنول کے پھولوں سے بھرے تالاب ہیں، جہاں شہد کی مکھیوں
کی گنگنانے کی آواز خمیدہ بازوؤں والے ہنسوں کو خواب سے بیدار کر دیتی ہے۔ اُس
نے چولا حکمران کو یہ کہکر مدعو کیا کہ وہ خوبصورت باغوں اور کھیتوں والی چولا ریاست
لوٹا دے گا اور اس کا گنوایا ہوا شاہی گجرا اور تاج اُسے واپس کر دے گا۔ ولنا
جو اپنا ملک کھو دینے کے بعد والگری سے باہر چلا گیا تھا۔ اب اپنے اقارب کے ساتھ

اس کے پاس آیا اور اس نے اپنے بیٹے کو پانڈیا حکمران کی خدمت میں پیش کر کے کہا "تمہارے نام"! اور پھر فاتح کے تخت کے نیچے نیازمندانہ سجدے میں گر گیا تب پانڈیا نے پانی کے ساتھ چولا راجہ کو عطیہ دیا۔ اس پانی نے اس کے سابقہ نقصان سے پیدا کی ہوئی گرمی کو ٹھنڈا کر دیا اور اس طرح وہ سب کچھ جو ایک بار اس (چولا) نے کھو دیا تھا اسے لوٹا کر اسے واپس بھیج دیا، یعنی چولا پتی کا لقب اور اس کا قدیم شہر مع ایک شاہی مراسلے (ترڈنگم) کے جس پر مچھلی کا نشان بنا ہوا تھا جو سمندر سے گھری زمین کے راجاؤں کی مسلسل پرستش کے باعث چمک رہا تھا۔ اس طرح اس نے یہ اعلان کیا کہ وہ ایک معاہدہ تھا جو ہمیشہ کے لئے ایک مبارک ساعت (؟) میں اتنی وسیع ریاست کے لوٹائے جانے کی شہادت کا کام دے سکے۔

اس طرح اس جنگ کے خاص خاص واقعات یہ تھے:۔ چولا ریاست پر سندر پانڈیا کی چڑھائی اور شمال میں بہت دور چدمبرم تک پہنچ جانا۔ پانڈیا کی پیش قدمی کے راستے کے ساتھ کے علاقوں میں جان و مال کا خاصا نقصان ہونا۔ پانڈیا کی پیشقدمی کو روکنے میں کلوتنگا کی ناکامی اور بھاگ کر باہر پناہ لینا۔ اور انجام کار سلطنت اور تاج کا کلوتنگا کو لوٹا دیا جانا، جو غالباً کچھ باہمی صلح وصفائی کی بات چیت کے بعد ہوا، ہوگا اس شرط پر کہ وہ سندر پانڈیا کی بالادستی کو تسلیم کرے۔ اس طرح پانسہ بالکل پلٹ گیا اور ہر بات میں سندر پانڈیا نے کلوتنگا کی اس مثال کی ہو بہو تقلید کی جو اس نے پانڈیا ریاست پر اپنے تیسرے حملے کے دوران میں قائم کی تھی۔ ایک ہی وار میں پانڈیا حکمران نے نہ صرف چولوں کی برتری کا خاتمہ کر دیا۔ اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ بلکہ اپنے سابقہ آقا کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ الٹا اس کی اطاعت گذاری کرے۔ یہ ؁۱۲۱۶ء کی بات ہے ہم آگے دیکھیں گے کہ چولا حکمران کی خود مختاری حاصل کرنے کی کوشش پانڈیا کی جانب سے ایک دوسرے حملے کا باعث ہوئی جس کے نتائج اور زیادہ تباہ کن ثابت ہوئے۔

حملے کے نتائج

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اگر پانڈیا حکمران کو چولا راجہ کے خلاف اسقدر عظیم کامیابی حاصل ہوئی تھی، جیسا کہ اس کے کتبوں میں دعوے کیا گیا ہے، تو اس نے چولا ریاست کو

اپنی سلطنت میں شامل کیوں نہ کر لیا۔ کیونکہ اگر اس سے نہیں تو کم از کم راج راجا اول کے زمانے سے لے کر پانڈیا راجگان چولوں کے ہاتھوں حد درجہ ذلت اور مصیبت اٹھا چکے تھے۔ اور اب جب انہیں موقع ملا تھا، تو انہوں نے اپنے قدیمی حریفوں کی طاقت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کیوں نہ کر دیا۔ کوئی بھی شخص ہوتا وہ اُن سے اسی بات کی توقع کرتا۔ لیکن ہندوستانی شہنشاہیت کا طور طریقہ یہ نہیں۔ اس کے ضابطۂ اخلاق میں ایک قدیم اور مسلمہ شاہی خاندان کا احترام، عارضی نوعیت کے سیاسی واقعات سے پیدا شدہ تلخی کے مقابلے میں ایک زیادہ پائیدار جذبہ تھا۔ شاستروں عزت و تکریم اور حکمتِ عملی کے طے کردہ اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ راجاؤں کے کسی قدیم خاندان کو تخت سے نہ ہٹایا جائے۔ انفرادی طور پر پانڈیا راجاؤں سے اُن کا برتاؤ خواہ کتنا بھی سنگدلانہ رہا ہو۔ پھر بھی چولوں نے کبھی پانڈیا خاندان کو سرے سے معزول کرنے کی کوشش نہیں کی۔ سندر پانڈیا بھی اب چولا حکمران کے ساتھ اس سے مختلف برتاؤ نہیں کر سکتا تھا، اور یہی بلاشبہ ہمارے سوال کا جزدی جواب ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہوا۔ جیسے کہ بعد کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ پانڈیا حکمران نے اپنی فتح کا پورا فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور چولا سلطنت کو جتنا نقصان پہنچ سکتا تھا، اتنا نہیں پہنچا۔

ہوئسالہ کی مداخلت

جنوبی ہند میں اُن دنوں ایک تیسری طاقت بھی تھی جس کی مداخلت نے طاقت کا توازن چولوں کے موافق کر دیا۔ یہ ہوئسالہ طاقت تھی جو گزشتہ ایک صدی سے رفتہ رفتہ عروج پذیر ہو رہی تھی۔ اس کے زور پکڑنے کا یہ عمل اس وقت سے جاری تھا۔ جب وشنو وردھن نے توسیع ملک کی پالیسی پر عمل شروع کیا۔ اور ریاست میسور کے بیشتر حصے سے چولا اقتدار کو ختم کر دیا۔ چولا سلطنت پر ماڑورمن سندر پانڈیا کے حملے کے وقت بلّالا دوم کا عہد حکومت قریب الاختتام تھا۔ بلّالا کی مہارانیوں میں چولا مہادیوی نامی ایک شہزادی کا ذکر آیا ہے۔ جو غالباً تامل چولا نسبت کی تھی۔ اور یہ بات قدرتی تھی کہ چولا حکمران مصیبت کے وقت مدد کے لئے بلّالا سے رجوع کرتا۔ ایک ہوئسالہ کتبے میں یہ صاف بتایا گیا ہے۔ کہ جب بلّالا زندہ تھا۔ تو اس کے بیٹے ویر نرسمہا نے جنوب میں

نری رنگم پر چڑھائی کی؟[117] اس کتبے کی تاریخ تحریر ہمیں کچھ الجھن میں ڈال دیتی ہے۔ لیکن یہ
تاریخ غالباً [118] دسمبر ۱۲۱۷ء تھی[119]۔ ایک اور کتبے میں خود بلّالا کو چولا سلطنت کا بانی اور پانڈیا
ہاتھی کا شیر یعنی چولا راجیہ پرتشٹھا چاریم، پانڈیا "گج کیسری کہا گیا ہے اور اس کے
بیٹے نرسمہا کو "چولا کلا ئیک رکھشا مگدھور دی پالا نرمولکا" یعنی چولا نسل کا واحد محافظ
اور مگدھ کے راجہ یعنی مگدھائی منڈلم کے بان حکمران کو جڑ سے اکھاڑ دینے والا بتایا گیا ہے
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلّالا نے اپنے یہ القاب ۱۲۱۸ء سے قبل اختیار کئے تھے[119]۔ گو وندن
پلی کا ایک کتبہ چولا خاندان کی بحالی کے لئے جو جنگ چھیڑی گئی تھی، اس میں نرسمہا کی شجاعت
کو بڑے پرزور پیرائے میں بیان کرتا ہے۔ اس سے بعد کے ایک عطیہ نامہ میں جو بیلور سے
ملا ہے۔ اور شا کا سمت ۱۱۳۹ کا تحریر شدہ ہے، یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس (نرسمہا) نے
چولا تاجدار کی اس وقت جان بچائی جب وہ گرد و غبار کے نیچے چھپا ہوا تھا یعنی اپنے
دشمنوں کے نرغے میں محصور تھا۔ اور اس طرح اس نے اپنے لئے "چولا ستھا پنا" اور پانڈیا
کھنڈنا[5]" کا خطاب حاصل کیا۔ نرسمہا کے دشمنوں کے ناموں سے اس بات کا اندازہ لگایا
جا سکتا ہے۔ کہ یہ لڑائی اس جنگ سے مختلف تھی جس کا ذکر راج راجا سوم کے ترووندی
پورم کے کتبے میں آیا ہے۔ یہ غالباً پہلے کی ایک لڑائی تھی جو اس وقت زیر بحث ہے
اگرچہ کنڑ زبان کی تصنیف "جمبو جگن ناتھ وجئیا" میں چولا حکمران بلّالا کی پناہ میں تھا۔
اس کو راج راجا بتلایا گیا ہے۔ راج راجا پرتشٹھا زتم [116]۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ
اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ کلوتنگا سوم ان دنوں میں زندہ ہی نہیں تھا۔ کیونکہ پانڈیا
راجہ کا حملہ اور تخت پر چولا کی بحالی دونوں واقعات کلوتنگا اور راج راجا کے مشترکہ
دور حکومت ۱۲۱۶ء [18] میں پیش آئے تھے۔ ہوئسالا مداخلت کا حقیقی فائدہ راج
راجا کو ملا جس کو ابھی آگے طویل مدت تک حکومت کرنی تھی۔ اور یقیناً اسی وجہ سے
کنڑ شاعر نے راج راجا کا نام (اپنی نظم میں شامل کرنے کے لئے) چنا ہوگا۔ اس
کے برعکس سندر پانڈیا کے کتبوں میں جہاں کہیں چولا تاجدار کا نام خصوصی طور پر آیا ہے
وہاں کلوتنگا ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ بات سمجھ میں بھی آجاتی ہے کیونکہ ایک نامور
شہنشاہ جو بہت سی جنگوں میں کامیاب ہوا تھا۔ ہرا دینے کا دعوے کر دینے سے زیادہ
شہرت حاصل ہو سکتی تھی۔ بہ نسبت ایک کمسن شہزادے کا ذکر کرنے کے جو ابھی ابھی

ولی عہد نامزد ہوا تھا اور جس کے متعلق دنیا بہت کم جانتی تھی۔ اس طرح یہ بات بالکل واضح ہے کہ چولوں کے حق میں ہوئسالہ کی مداخلت کا کچھ نہ کچھ ہاتھ سندر پانڈیا کے اس فراخدلانہ برتاؤ میں ضرور رہا ہوگا۔ جو اس نے اپنے ہزیمت خوردہ دشمن کے ساتھ کیا۔

کلوتنگا سوم کی وفات

کلوتنگا سوم کا انتقال پانڈیا کے حملے کے فوراً بعد ہوگیا ہوگا۔ اُس کے کتبوں میں سب سے آخری برس جو مذکور ہے، اس کا چالیسواں سالِ حکومت ہے[119] جو سنہ 1217ء ہوتا ہے کلوتنگا سوم ایک اور نام ویرراجندر چولا سے بھی موسوم تھا۔ اور کتبات کا وہ پورا سلسلہ جس میں یہ لقب تو دیا ہوا ہے مگر کلوتنگا کا نام نہیں دیا ہے۔ بلاشبہ اُسی کے عہد حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔ کتبات کے اس سلسلے میں دوسرے سال سے لے کر چھتیسویں[26] سالِ حکومت تک کی تاریخیں درج ہیں، جیسا کہ ہم پہلے بھی نوٹ کرچکے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راجہ کا ایک لقب کمار یا کمار کلوتنگن[118] بھی تھا۔ اس کے دسویں سالِ حکومت میں ترِدِ بگلور میں ایک نوتعمیر سڑک کا نام راجکل تمبران ترِدَویدی رکھا گیا[119] جو ممکن ہے کہ حکمران راجہ کی کسی اور کنیت یا لقب پر رکھا گیا ہوگا۔ ایک کتبے پر جو ترِدَونا ملئی[120] سے دستیاب ہوا ہے تربھون ویر چولا دیوا کے گیارھویں سالِ حکومت کی تاریخ درج ہے لیکن چونکہ اس کتبے میں اُس وقت کے سیارگان کی جونشست کی تفصیلات درج ہیں، وہ کیلہارن کی تحقیق کے مطابق اس عہد کی تاریخوں کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں[121]۔ اس بات پر شبہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ کیا راجہ نے یہ لقب واقعی اپنے عہد حکومت میں بالکل شروع ہی میں اختیار کرلیا تھا۔ سب سے پرانا اور اصلی کتبہ جس میں راجہ کا یہ لقب درج ہے۔ چوبیسویں سال حکومت کا معلوم ہوتا ہے[122] اس کے بعد یہ نام بعد کے کتبات میں بار بار آیا ہے۔ ترِبھُو ونشیور مندر میں بھی جو ضلع تنجور کے ترِبھُوونم نامی مقام پر واقع ہے ترِبھُوون چولا دیوا کا لقب آیا ہے[123]۔ کرِدَودَور شہر کا نام بدل کر مَدّی دلنگو شولا پورم رکھ دیا گیا تھا[124]۔ ایک اور کتبے میں مَدّی دلنگو شولا چترویدی منگلم نامی ایک گاؤں کا ذکر بھی آیا ہے[125]۔ ان تمام باتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ "مدّی دلنگو شولا راجہ کے القاب میں سے ایک تھا۔ جو بلاشبہ پانڈیا ریاست کے حکمرانوں کو اُن کا تاج لوٹائے جانے کی یادگار ہے[26]

چولا تاجدار نے اختیار کیا تھا۔ تیئیسویں سالِ حکومت کے ایک کتبے میں کلوتنگا سوم کے خصوصی القاب بیجا کئے گئے ہیں اور اسے تر بھوون چکر ورتی شولا کرل دیوا" کے نام سے پکارا گیا[127]
اس سے پڈوکوٹاہ کے کتبے میں بیان درج ہے، اس کی تائید ہوتی ہے کہ شہنشاہ نے یہ لقب استعمال نہیں کیا گیا ہے، شہنشاہ کلوتنگا سوم ہی سے متعلق ہیں[128]۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ راجہ نے کریکال چولا کا لقب بھی اختیار کیا تھا[129] جیسا کہ اس کے ایک جاگیردار کے کتبے سے ظاہر ہوتا ہے۔

اس عہدِ حکومت کے کتبوں میں گنگائی کونڈ چولا پورم کا ذکر توقع سے بہت کم کیا گیا ہے[130] لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ سلطنت کا دارالخلافہ تھا۔ تنجور اور اڑائیور جیسے زیادہ قدیم شہر مع اُرتلی کے معاون دارالسلطنت تھے۔ ان شہروں کی تسخیر نے ماڑورمن سندر پانڈیا کو عملی طور پر پوری چولا سلطنت کا مالک بنا دیا تھا۔ اس عہدِ حکومت کے اوائل میں وکرم شولا پورم کا ذکر بھی شاہی اقامت گاہ کے طور پر آیا ہے[131]۔ بتیسویں برس کے ایک کتبے میں منڈورائیں بھی راجہ کے قیام کا ذکر سرسری طور پر آیا ہے غالباً یہ حوالہ ریاستِ پانڈیا پر کلوتنگا کے تیسرے حملے کے دنوں کا ہے[132]

عمارات

کلوتنگا سوم نے بہت سی عمارتیں بنوائیں اور اس کا عہدِ حکومت چولا فنِ تعمیر کی تاریخ میں ایک یادگار دور تھا۔ پڈوکوٹاہ کے کتبوں میں جن کا ذکر پہلے آچکا ہے، بنیز سنسکرت کے ایک کتبے میں اس عہد میں سرکاری طور پر جو عمارتیں تعمیر کی گئی تھیں۔ اُن کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں زیادہ تر مذہبی عمارتیں ہیں سنسکرت کا مذکورہ کتبہ[133] تر بھوون کے مقام پر واقع کمپہ لیشورا مندر (جسے کتبے میں تر بھوونشیورا کہا گیا ہے) کہ مرکزی عبادت گاہ کے ارد گرد کندہ ہے۔ گو اس مندر کا طرزِ تعمیر تنجور کے مندر کی یاد دلاتا ہے، پھر بھی اس کی متعدد اہم خصوصیات اسے اس قدیم نمونے سے ممتاز کرتی ہیں ان خصوصیات سے دیواروں کی خالی جگہ کو سنگتراشی کے خوبصورت نمونوں سے پر کرنے کی روز افزوں خواہش کی جھلک ملتی ہے۔ مندر میں رامائن کے مناظر کا ایک دیدہ زیب سنگتراشی میں پیش کیا گیا ہے جس کا مفصل مطالعہ کئے جانے کی ضرورت ہے۔

اس مندر کا افتتاح شہنشاہ کلوتنگا کے گوردا ایسوارا شوا نے کیا تھا جو شری کنٹھا شمبھو کا فرزند تھا اور علم معرفت پر ایک تحقیقی رسالہ "سدھانت رتناکر" کا مصنف تھا[49]۔

اس شاندار مندر کے علاوہ راجہ نے سبھاپتی کا مکھ منڈپ" دیوی کرینڈرجا شوکامی کا گوپورہ اور چدمبرم مندر کے صحن "پرا کار ہرمیا" کے گرد برآمدہ تعمیر کروانے کا دعوےٰ کیا ہے۔ اس نے کانچی پورم میں ایکامرشیورا اور مدورا میں بالا بلاسیا کے مندروں کی درستی کرائی۔ ترو دیڈائی مردبور کے بھگوان شو کے عظیم مندروں اور غالباً دارا شورم کے راجر جیشوٹا مندر کو بھی راجہ کی حقیقت مندانہ توجہ ملی۔ تردوار ور میں اس نے سبھا منڈپ" تعمیر کیا اور والمیکیشورا مندر میں ایک بڑا گوپورہ" بنوایا۔

قحط اور اس میں امدادی کارروائیاں

معلوم ہوتا ہے کہ کلوتنگا کے تئیسویں[23] اور چوبیسویں[24] سالِ حکومت میں غلہ کی وسیع پیمانے پر قلت ہو گئی تھی جس کے سبب قحط پڑ گیا۔ قحط سے بچاؤ کے لئے کسی سرکاری اقدام کا ذکر کتبات میں نہیں ملتا۔ لیکن یہ نتیجہ نکال لینا بھی صحیح نہیں ہوگا کہ حکومت نے ایسی صورتِ حال میں کچھ بھی نہیں کیا۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ کتبات محض چند گنی چنی کارروائیوں کی یادداشت ہوتے ہیں۔ اور یہ اپنے زمانے کی اخلاقی یا مادی ترقی کی پوری روداد نہیں بیان کرتے۔ اس لئے یہ واقعہ کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ کہ شمالی ارکاٹ میں واقع ترودونا ملئی کے ایک کتبے میں[50] یہ درج ہے کہ قحط کے دنوں میں جب چاول "ایک کاشو" کا چوتھائی پیمانہ بک رہا تھا۔ دو آدمیوں نے امدادی کارروائیاں شروع کیں۔ وہ اس شکل میں کہ انھوں نے دریا کے کنارے ایک باندھ بنایا اور ایک نیا تالاب تعمیر کروایا۔ یہاں کام کرنے والے مزدوروں کو انہوں نے اُجرت سونے 'دھان' یا اُن کے حسبِ خواہش کسی اور چیز کی شکل میں ادا کی۔ لہٰذا اُن دنوں میں قحط سے بچاؤ کے لئے منظم امدادی کارروائیوں کا تصور موجود تھا۔ اور یہ قیاس کرنا درست ہوگا کہ اگر بعض افراد کی نجی سخاوت ضرورت کے وقت اس طرح کے امدادی اقدام کر سکتی تھی تو حکومت نے بھی اسی طرح اس کارِ خیر میں اپنی جانب سے کوئی کسر نہ چھوڑی ہوگی۔ دوسری جانب یہ بات بھی و[illegible] ہے کہ ان اقدامات کے ذریعے سے ملنے والی امداد ناکافی ثابت ہوئی اور اُن [illegible]ب افراد کو

جو قحط کا شکار ہوئے کچھ دوسری تدبیریں بھی کرنی پڑیں. مثلاً تینتسویں سالِ حکومت کے تجور (ترو پانبرتم)[136] کے کتبے میں بتایا گیا ہے. کہ بُرا وقت پڑنے اور اناج کی قیمتوں کے چڑھ جانے کے باعث ایک "ویلال" اور اس کی دو بیٹیوں نے فاقہ کشی کی موت سے بچنے کی خاطر اپنے آپ کو ایک مقامی "متھ" کے ہاتھوں ۱۱۰ کاشو کے عوض غلام کے طور پر فروخت کر دیا؟[137]

نظم و نسق اور حدودِ سلطنت

گلوتنگا پر جو مشکلات پڑیں اور جن سے بیشتر پر اُس نے قابو بھی پالیا. اُس کے نتیجے میں اس کا انتظامیہ ڈھانچہ درہم برہم نہیں ہوا، اور نہ اُس کی عہدِ سلطنت میں کوئی تخفیف ہوئی. کم از کم سُندر پانڈیا کے حملے اور چولا طاقت کے خاتمہ تک تو ایسا نہیں ہوا، کلپال مایا نلمبا دھیراجا اور پانڈیا راجا جیسے عہدوں پر کام کرنے والے[138] افسران کا بار بار ذکر آیا ہے، نیز اس بات کا بھی کہ مرکزی حکومت کے پاس اپیل (ہمدردانہ غور اور کارروائی کے لئے جو اہم معاملات آتے تھے[139] اُن کی مقامی تحقیقات و تفتیش بھی افسران کرتے تھے. دیہاتی مجلسوں کی تشکیل اور کارگزدگی پر بھی وہ کڑی نگاہ رکھتے تھے[140]. یہ باتیں اس امر کا کافی ثبوت ہیں کہ دسویں اور گیارہویں صدی میں جس انتظامیہ ڈھانچہ کی نشوونما ہوئی. وہ تیرھویں صدی کے آغاز میں بھی خاصی مستعدی کے ساتھ کام کر رہا تھا. راجندر سوم کے عہد کے بعض کتبے جو کودیلور سے ملے ہیں[141]. یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ضلع تنجور میں اراضی کی دوبارہ پیمائش ضرور کرائی گئی ہوگی. ان کتبوں میں بیریاد یور ژ تجُودن ویر دیلور کے اڑتیسویں[38] سالِ حکومت میں کی گئی ایک پیمائش اراضی کا ذکر موجود ہے. گلوتنگا کی سلطنت کی وسعت اس سے معلوم ہوتی ہے کہ اس کے کتبات جنوب میں تنے ویلی تک ملتے ہیں[142]. اور ریاست میسور میں ہیاد[illegible] نی اور بیدزدر تک پائے جاتے ہیں. ریاست کونگو میں یہ نداؤدر تکذور اور کر[illegible]ر میں ملتے ہیں[144] اور شمال میں ضلع نیلور میں نیلور خاص اور ریڈی پالیم میں دستیاب ہوتے ہیں. نیز کڈاپہ کے ضلع میں یہ [illegible] ریچو [illegible]ے جاتے ہیں[145]. یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ گلوتنگا کے میسور [illegible] میں سے ایک کے مطابق وہاں گلوتنگا سوم کے بارھویں سالِ حکومت میں [illegible] دیو حکومت کر رہا تھا[146] بلاشبہ یہ [illegible] ہوئسل راجہ بلالا دوم کے

بارے میں ہے جس کی رانی چولا مہادیوی واضح طور پر ایک چولا شہزادی تھی[196]

جاگیردار

گلوتنگا اور اس کے تیلگو چوڈا جاگیرداروں کے مابین باہمی تعلقات پر پہلے ہی بحث کی جا چکی ہے۔ اب ہم سلطنت کے دیگر حصوں میں راجہ کے جاگیرداروں اور ماتحت سرداروں کے نام گنوائیں گے اور چند ایسے تیلگو سرداروں پر نظر ڈالیں گے جن کا ذکر پہلے نہیں آسکا۔ ایک راجہ جہامنڈلشیور تر بھودن ملاملی چوڈا دائی مہادوی گلوتنگا کے عہد کے اوائل ہی میں اُس کے اقتدارِ اعلیٰ کا اعتراف کرتا ہے[198]

گنگا راجگان

کولار کے گنگا سردار امرابھرن شنیا گنگا کا پتہ کلوتنگا کے عہد حکومت کے تیسرے سال سے لے کر چونتیسویں سال تک کے کتبات سے چلتا ہے۔ اس کا ایک اور نام شور نائک بھی تھا۔ اور اس کے ایک بیٹے نے تیسرے سالِ حکومت (۱۰۷۳ء) کے دوران کال ہستی میں ایک چراغ کا عطیہ دیا تھا[199] یہ سردار تامل گرامر کے عالم اور جین مصنف پونندی کا مربی اور سرپرست تھا جس کی تصنیف "ننول" نے تامل گرامر کی تمام دوسری کتابوں کو عملی طور پر بے مصرف بنا دیا ہے اور ان کی جگہ لے لی ہے۔ گنگا نسل کے کچھ دیگر سرداروں کا ذکر بھی ملتا ہے۔

اس عہد کا ناموریان سردار مگدھائی منڈلم پر حکمرانی کرتا تھا۔ اس کا ذکر بھی اس عہد کے متعدد کتبات میں موجود ہے جن میں سے چند نہایت اعلیٰ تامل شاعری میں تحریر کئے گئے۔ ان کتبات میں ان بان سردار کا ذکر متعدد جنگوں کے ہیرو اور بہت سے مندروں کے بانی اور معمار کی حیثیت سے آیا ہے۔ ترودِتاملئی کے مندر کے گنبد کو سونے سے مڑھوانے کی یادگار کے طور پر اکثر اُسے پون پر پنا مگدھیشن کے نام سے بھی پکارا گیا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس کے وزراء میں سے ایک (سیندھی دگرہی) نے کیلوڑ میں ایک منڈپ بنوایا تھا خود اس نے ترودِتاملئی کے مندر میں کچھ چراغوں کے عطیات دیئے اور کیلوڑ کے مندر کو اخراجات کے لئے کچھ مالیات، محصول وغیرہ وقف کئے اس کے ۴۲ اکم مدی منڈلم

میں سے بھی ایک نے ارگنڈ تلور میں چراغوں کے عطیے دیے۔ وہ "ارگور ڈیان" اور "راج راجا دیون" کے ناموں سے بھی موسوم ہے۔ ضلع سلیم میں ارگور اس کا صدر مقام تھا، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اس کی ولادت راج راجا دیوا کے عہدِ حکومت میں ہوئی، اس کا نام بھی وقت کے حکمراں شہنشاہ کے نام پر رکھ دیا گیا۔ اسی خاندان کے ایک اور سردار کے متعلق ذکر آتا ہے کہ وہ ضلع جنوبی ارکاٹ میں کوگیور کی 'کانی' پر فائز تھا، جہاں اس نے پتھر کا ایک مندر تعمیر کروایا جس کا نام شری کیلاش رکھا۔ اس مندر میں کئی منڈپ، پراکار اور گوپورم تھے۔ اُس نے اس مندر میں پون پرپتا ایشورا نامی ایک مورتی رکھی۔

سنگینی یا شامیو ونایا نیز کاڈورایا اور چیدی رایا طاقت ور جاگیرداروں کے تین خاندان تھے جو ارکاٹ کے دو نو اضلاع، چنگل پٹ اور چتوڑ کے کچھ حصوں پر مشتمل خطے پر حکمراں تھے اُن کے علاوہ یادو رایا سردار بھی تھے۔

کاڈوا خاندان کے جاگیردار

ان راجاؤں کی تفصیلات کو نظر انداز کر کے اب ہم کاڈوا سرداروں کی جانب متوجہ ہوں گے۔ اس عہد کی تاریخ میں جاگیرداروں کے اس خاندان نے جو اہم رول ادا کیا اُس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔[22] کلوتنگا سوم کے عہد کے کتبے ان جاگیرداروں کی بڑھتی ہوئی طاقت کی تصدیق کرتے ہیں۔ جو قدیم پلو نسل کی اولاد ہونے کا دعوے کرتے تھے۔ اس عہد کے کاڈوا سرداروں کی مرکزی شخصیت کو ولد ارشں نارائنن ایلشی موگن عرف جن ناتھ کاچیارائن کی تھی۔[23] ایک کتبہ میں دو مقامات پر وژدھاچلم اور ترو وینی نلور کاڈوا خاندان کے کچھ افراد کے کارہائے نمایاں بیان کئے گئے ہیں۔ ان پرشستی میں جس میں سردار کا ذکر سب سے آخر میں آیا ہے۔ وہ آلپی ژندان ویرشیکرن عرف کاڈورائن ہے۔ اُسے ارشں نارائنن کاچیارائن عرف کاڈورائن کا بیٹا بتایا گیا ہے۔ یہ حقیقت مع پرشستی کی تاریخ تحریر کے جو شاکا سمت[24] ہے اس شخصیت کو ایلشی موگن ولد ارشں نارائنن شناخت کرنے میں ہماری مدد کرتی ہے۔[25] اگر یہ بات صحیح ہے تو کاچیارائن کا لقب اُسے اپنے والد سے ورثے میں ملا ہوگا۔ ایسے کتبات بھی ملتے ہیں جن میں ویرشیکرا کا ذکر آیا ہے اور اس کے نام کے ساتھ "الپی ژندان" اور "کاڈورائن" وغیرہ کے الفاظ شامل کئے گئے ہیں یا کوڈلور کے ساتھ

اس کا تعلق بتایا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم کلوتنگا سوم کے بعد کے سالوں میں دیکھیں گے اس حقیقت سے بھی ہماری مذکورہ بالا شناخت کی تائید ہوتی ہے۔ کاڈوا پرشستی میں اس خاندان کی چار پشتوں کا شجرۂ نسب دیا گیا ہے۔ ویرشیکھرا کے وقفے کے کچھ بعد اگلا نام جو ہمارے سامنے آتا ہے۔ وہ کوڈل آلپتی رندان الگیا پلون کاڈو رائن کا ہے۔ جو کلوتنگا سوم کے تینتیسویں[33] سال کے ایک کتبے میں ذکر آیا ہے کہ الگیا پلون کے بیٹے کو پیرن جنگا کی والدہ نے ترو وینائی نلور کے مندر میں دیوی کی مورتی رکھی[58]۔ اس خاتون کا نام دوسرے کتبات میں شیلا وتی درج ہے[59]۔ اگر ہم یہ مان لیں، جو زیادہ قرین قیاس بھی ہے کہ الگیا پلون اور اس کا بیٹا دراصل کاڈوا نسل سے تھے اور مذکورہ بالا پرشستی میں اسی خاندان کا تذکرہ ہے تو ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ الگیا پلون، ویرشیکھرا کا بیٹا تھا اور اس کا دادا جس کے دیے ہوئے عطیات کی توثیق اُس نے سنہ ۱۱۲۱ عیسوی میں کی تھی وہ کوئی اور نہیں تھا بلکہ کلوتنگا دوم کے زمانے کا ارشش نارائن ہی تھا۔ اصل کاڈوا خاندان کا شجرۂ نسب ہم اس طرح وضع کر سکتے ہیں، وہ حسب ذیل ہے۔
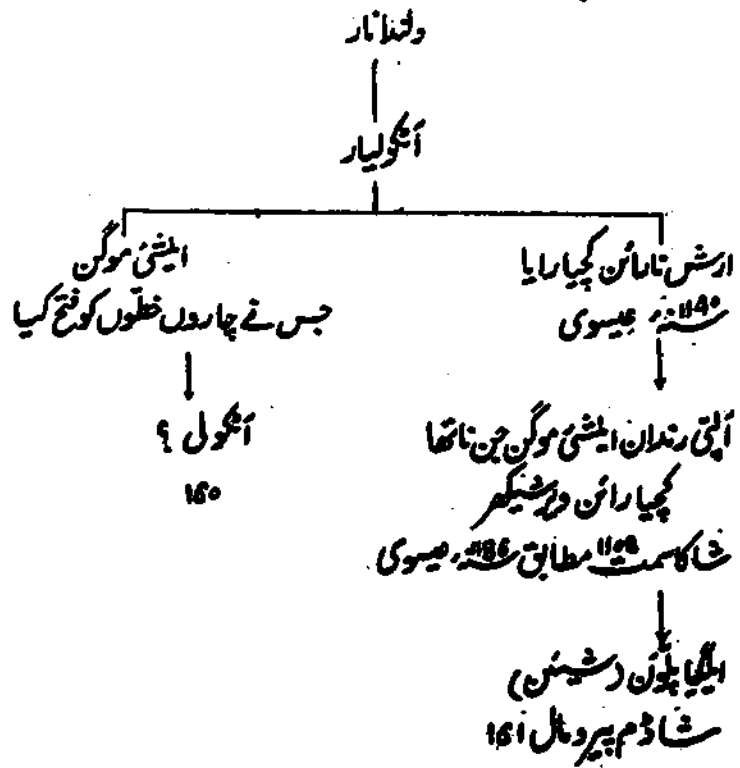
جس کی شادی ہوئی شیلاوتی سے

↓

الگیاشینن کوبیرن جنگا

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس خاندان نے اگرکلوتنگا اوّل کے عہد کے آخر سے نہیں تو کم از کم وکرم چولا کے عہد سے بتدریج اپنی ترقی کا راستہ بنایا۔ اس نقطۂ نظر سے وردھاچلم کی پرشستی بہت دلچسپ ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ولندا نارسنہالی حکمران اور گنگا حکمران کے خلاف لڑا۔ یہ بات بالکل سچ ہوگی۔ کیونکہ اس کا زمانہ کلوتنگا اول کے عہد کے دوسرے نصف حصّے میں پڑتا ہے۔ جس کے دوران میں ریاست گنگا میں کافی جنگ وجدل ہوا۔ گو ان دنوں میں لنکا اور پانڈیا ریاست کے خلاف لڑی گئی کسی جنگ کے متعلق کوئی قطعی شہادت موجود نہیں ہے۔ اگلے دو سرداروں آنکولی اور "چاروں اطراف کے فاتح" کے متعلق اشعار میں تاریخی اہمیت کا کوئی مواد موجود نہیں ہے۔ ارشن نارائنی سے دشمن کے ایک مضبوط گڑھ واوادی پر چڑھائی کی۔ ایک ہم منسوب کی گئی ہے "ہیرن ارشر تیملی واوادی شینر سے زندایہ" جس کی تشریح کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس کی کم اہم اور یقیناً کم مشکوک کامیابیوں کا ذکر کلوتنگا دوم کے عہد میں کیا جا چکا ہے دیرشیکھرا کے متعلق تین اشعار دئے گئے ہیں جن میں لفاظی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور ان میں صرف ایک بات یہی کہی گئی ہے کہ وہ کرکشکا ما مائن کے کوڈل اور آدیرمان کی ریاست کے خلاف ایک جنگی مہم پر گنڈرادتن واشل کے مغربی کنارے سے روانہ ہوا اور اس نے ان دونوں ریاستوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ظاہر ہے کہ یہ کلوتنگا سوم کے جاگیرداروں کے باہمی مقامی نوعیت کے جھگڑے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوڈل کی تسخیر کاڈوا سرداروں کے عروج میں ایک خاص درجہ رکھتی ہے۔ اس تسخیر کے بعد وہ خود کو کہلوانے لگے کہ وہ "کوڈل کی ریاست پر حکومت کرنے کو پیدا ہوئے تھے" "کوڈل اودی پالپیرندا" اور ویرشیکھرا خود ایسا کرنے والا اوّل شخص تھا۔ کوڈل یا کوڈلور کی شناخت یقین کے ساتھ نہیں کی جا سکی۔ اگرچہ ایک کتبے سے ہمیں اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ یہ تردھنی پاڈی میں پیرونگلور ناڈو کا ایک حصہ تھا۔ لیکن ہم بات

نوٹ کر سکتے ہیں کہ ایک اور پرشستی بھی ہے[162] جس پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے اور جو ایک شخص تونڈئی منڈلن گونڈپلّو اندار عرف کاڈورایار کی جنگوں اور فتوحات سے تعلق رکھتی ہے. جو کوڈل آلپتی رندار عرف کاڈورایار کا بیٹا تھا. بہت ممکن ہے کہ یہ الگیا پلّون کی پرشستی ہو جو کہ بیرن جنگا کا والد تھا. ان پرشستی میں جن واقعات کا ذکر ہے، وہ کاڈوا سرداروں کی عروج کی کہانی میں ویرشیکھرا سے کو بیرُدن جنگا کے عہد تک کے حالات بیان کرتے ہیں. اور اگر اس پرشستی کے متعلق ہمارا نظریہ صحیح ہے تو الگیا شیئن کا ایک اور نام پلّو اندار بھی تھا اور اس نے دوسرے ملکوں پر زبردستی قبضہ کرنے کے کام جس کو ویرشیکھرا نے شروع کیا تھا، آگے بڑھایا ہوگا. اور اپنے بیٹے کے لئے زیادہ وسیع میدان میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے راستہ ہموار کر دیا ہوگا. پلّو اندار کی پرستی میں لکھا ہے کہ اس نے شیور کے مقام پر ایک گھمسان کی لڑائی میں فتح حاصل کی[163] جس دشمن کے ساتھ وہ لڑا اُس کا نام تو درج نہیں لیکن اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا، کہ تونڈئی ناڈو اس کے زیر نگیں ہو گیا. اُس کا پتہ ہمیں اس کے خطابات سے چلتا ہے جو یہ ہیں: "پینار کی سرزمین کا حکمران" "شمالی وینگڈم کی پہاڑی (ترویتی) کا والی" "فرمانروائے کانچی" وغیرہ جو بعد میں اسی پرشستی میں اُس کے لئے استعمال کئے گئے ہیں.

اب ہم اس عہد کے کتبوں میں کاڈووں کے متعلق دیئے گئے کچھ دوسرے حوالوں پر غور کریں گے. شہنشاہ کلوتنگا کے تیرھویں سالِ حکومت (1191ء) میں ویرشیکھرا کاڈوا نے جو ارستن ناماشن الپتی رندان کے نام سے بھی موسوم تھا، ترُدونامنئی کے دیوتا کو قیمتی پتھروں کی ایک مالا نذر کی[164] بارہ برس بعد اس کے نام کے ساتھ، کوڈلور کا والی، ادیگا ئیمان کا لقب شامل ہو گیا. ظاہر ہے کہ یہ لقب اس نے کوڈلور اور ادیگا ئیمان کی مہمیں سر کرنے کے بعد اختیار کیا ہوگا. جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں. اب اس نے تردُدینائی نلور کے مندر کو ایک چراغ کا عطیہ دیا[165] تیسرے سال حکومت کے دو کتبوں میں جو اسی مقام سے ملے ہیں. کوڈل موہن الپتی رندان یا ڈینار کاڈورایار کا ذکر ہے[166] جو غالباً ایک ہی شخص کے دو نام ہیں. بتایا جاتا ہے کہ اس کے "اگمبڈی مدلیوں" میں سے ایک شیندامنگلم سے تعلق رکھتا تھا. جو کاڈوا راجاؤں کا ایک اہم قلعہ بند شہر تھا. اس طرح اس امر کے واضح اشارے ملتے ہیں. کہ کوڈل اور شیندامنگلم پہلے ہی کاڈووں کے

قبضے میں تھے۔ کیا موہن الپتی رندان یا اڈیار کاڈورایا درصل دیرشیکھراہی کے نام تھے۔ اور اگر یہ بات صحیح ہے تو کیا ہمیں یہ مان لینا چاہئے کہ کوڈل اور ادیگائیمان پر چڑھائی ۱۰۱۵ء سے پہلے ہو چکی تھی؟ یہ کچھ ایسے سوال ہیں جن کا جواب ابھی وثوق کے ساتھ نہیں دیا جا سکتا۔ ایک اور تفصیل جو اسی طرح غیر معتبر اور مشکوک ہے وہ کوڈل الیشی موگن منوال پیرومال دالمئی کنڈان راج راجا کادورائن اصلیت او شناخت کے متعلق ہے جس کا ذکر تر دوریتائی نلور اور وردھاچلم سے دستیاب ہونے والے دو کتبات میں کیا گیا ہے[167]

ملئیامانُ راجگان

سیامان نسل کے راجاؤں نے اس عہد میں بظاہر دو القاب اختیار کر رکھے تھے؛ چیدیارایا اور کوول رایا اول الذکر لقب تو اس نئی روایت کا ثبوت مہیا کرتا ہے جو اب قائم ہو رہی تھی جس کے تحت یہ رجواڑے چیدی کے ہی ہیا خاندان سے اپنا رشتہ جوڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ ایک ایسا دور تھا جس میں سبھی حکمران سردار خود کو پرانوں کے زمانے کی کسی نہ کسی نسل کی اولاد ثابت کرنے کی سعی مصروف تھے ان میں سے ایک تو شتشو پالن بھی کہلاتا تھا[168] دوسرے لقب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جاگیرداروں کے اس گروہ کی طاقت کوول نیز ضلع جنوبی ارکاٹ میں دریائے پنار کے کنارے ترو کوولور کے اردگرد مرکوز تھی۔ کچھ ناموں اور القاب سے مختلف جاگیردار خاندانوں کی باہمی خاندانی رشتہ داریوں کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً ایسے نام ہیں جیسے وان کلا رائن، جو ایک سردار کلیور ملئی ملئیامان نے اختیار کیا تھا[169] وان کوورائیا ملئیامان[170] اور سب سے انوکھا شولا گنگا پلو بامین جو شتشو پالن کا خاندانی نام تھا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے[171] کلیور کے ملئیامان سرداروں میں سے ایک پون پرپنان بھی تھا[172] یہ لقب کس لئے اختیار کیا گیا تھا۔ اس کا پتہ نہیں چلتا چنگما اور ترو وتا ملئی[173] سے دستیاب شدہ کتبات ملئین زرسمہا درمن نامی ایک سردار کا ذکر آیا ہے۔ جو کریکال شولا آڈیونا ڈالوار بھی کہلاتا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ درسمہا کا لقب سب سے پہلے نرسنگھ منیا دریار نے اختیار کر رکھا تھا جو شہنشاہ راجندر دوم کا ہم عصر تھا[174] لیکن یہ لقب میامانوں کے خاندان میں کلوتنگا سوم کے عہد تک برقرار رہا۔

ادیگئی مان راجگان

تگڈور کے قدیم ادیگئی مان خاندان نے کلوتنگا سوم کے عہد حکومت میں چولا شہنشاہ کے باجگزار کی حیثیت سے ایک بار پھر شہرت اور اہمیت حاصل کی. جیسا پہلے بھی ہم دیکھ چکے ہیں. یہ انہی کی مدد تھی جس کے طفیل چولا طاقت نے ہوئسالا راجہ وشنو وردھن کی جنگوں کے نتیجے میں جو کچھ گنوا دیا تھا. اس کا کافی حصّہ واپس لے لیا تھا. کلوتنگا کے ایک کتبے میں بلّالا دوم کے تذکرے اور بلالا کی مہارانی کے نام چولا مہادیوی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چولوں اور ہوئسالوں کے مابین مقابلتاً زیادہ گہرے تعلقات تھے یہ یا تو ادیگئی مانوں کی کسی کامیاب جنگی مہم کا نتیجہ تھا یا اُن کی جانب سے کامیاب سفارتی بات چیت کا راج راجا دیون عرف ادیامان نے جو گنگا ناڈو میں واقع تگڈور کا والی تھا تروونیالئی کے مندر کو پورے کا پورا ملئیانور کا گاؤں ہی عطیے میں دے دیا تھا جو تگڈور ناڈو میں دریائے پینار کے شمالی کنارے پر واقع تھا[42] اس کے لقب راج راجا سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہنشاہ راج راجا دوم ہی کی زندگی میں تگڈور کے جاگیرداروں اور چولوں کے مابین دوستانہ تعلقات، اگرچہ بالغرض منقطع بھی ہوئے ہوں، بحال ہو چکے تھے. راج راجا دیون کا بیٹا ایک بہت مشہور سردار ودگا دالگئیا پیرومال (دیامکت شرونو اُجوُلا) تھا جو خود کو ایلنی کے خاندان کی اولاد بتاتا تھا. جو شنگم لٹریچر میں کافی مشہور تھا. یہ سردار بہت سے دلچسپ کتبات چھوڑ گیا ہے. ستامنتن ادیامان جس نے کلوتنگا سوم کے انیسویں سال حکومت میں ترومالی کلی کے دیوتا کو ایک طلائی پٹکا نذر کیا تھا[43] یا تو اس سردار کا باپ تھا یا بیٹا. بیٹے کے کتبات سلیم. شمالی ارکاٹ اور جنوبی اضلاع میں پائے جاتے ہیں. ان میں سے صرف چند کی تاریخ تحریر کلوتنگا کے زمانۂ حکومت میں پڑتی ہے لیکن چونکہ ان میں سے بیشتر نظم میں ہیں. لہٰذا اُن میں کلوتنگا کے نام کا نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس سردار نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا[44] کلوتنگا نے اپنے بائیسویں سال کے ایک کتبے میں خود کو تین دریاؤں — دریائے پالار. دریائے پینار اور دریائے کاویری کا فرمانروا ہونے کا دعوٰے کیا ہے. یہ اور کہا ہے کہ اُس نے شیر دکوئی میں جو دریائے پینار کے کنارے واقع تھا. پتھر کا ایک مندر تعمیر کروایا اور اس کا نام اپنے نام پر رکھا[45]

ترِدّملئی سے ملنے والے ایک اور کتبے میں درج ہے ۔کہ اس نے ترِدّملئی کی پہاڑی پر دنی ایک جینیوں کی بستی کے نزدیک یکشں اور یکشی کی مورتیوں کی درستی کرائی جو اصل میں اس کے اسلاف میں سے چیرا راجہ ایلنی نے نصب کی تھیں[79]۔ چینگما (شمالی ارکاٹ) کے ایک اور کتبے سے جو اسی کے ایما پر کندہ کیا گیا تھا، ظاہر ہوتا ہے کہ وہ واقعی ملک کے اس خطے کے چولا جاگیرداروں میں کس قدر زیادہ اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ اس کتبے میں اس معاہدے کا ذکر بھی آیا ہے۔ جو اس نے اس سے قبل غالباً کلوتنگا سوم کے اکیسویں[21] سال حکومت میں دو جاگیرداروں کے ساتھ کیا تھا اور جس کی شرائط کی بعد میں تجدید کی گئی تھی یہ دو جاگیردار کریکال شولا آڈئیورنادالوان اور شینگینی امئیاپن ائی ملن عرف دکرم شولانادالوان اس معاہدے کی شرائط میں ایک شرط یہ تھی کہ جب معاہدہ برقرار رہے گا اس وقت تک ادیگی مان اور دوسرے سرداروں کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کرے گا۔ ان سرداروں میں سے ایک شیناگنگن بھی تھا۔ سیاسی نوعیت کے یہ مقامی معاہدے جن میں حکمران اعلٰے کا قطعاً کوئی حوالہ نہیں ہوتا تھا، چولا سلطنت کے بڑھتے ہوئے انتشار کے بین ثبوت تھے۔

مرکز کی گرفت میں خرابی

اسی باب میں پہلے بھی ہم مرکزی حکومت پر نیز خود مختار مقامی جاگیرداروں کی تعداد میں بتدریج اضافے کے اثرات کی جانب توجہ دلا چکے ہیں۔ کلوتنگا کے جاگیرداروں کی طویل فہرست سے جن میں سے کچھ کے نام اوپر دیئے جا چکے ہیں اور باقی ماندہ کے نام اس عہد کے کتبوں سے معلوم کرنے باقی ہیں۔ ظاہر ہے کہ مرکزی نظام بد سے بدتر ہوتا جا رہا تھا یہ ایک اس طرح کا مسلسل عمل تھا جس میں اسباب و نتائج ایک دوسرے پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ مرکز کی بڑھتی ہوئی کمزوری نے جاگیردارانہ نوعیت کے نئے نظام کو لازمی بنا دیا تھا جو مقامی امن و قانون اور سلامتی کا کفیل ہو سکتا۔ لیکن جب آگے ایسا وقت آیا کہ مرکز نے اپنے سابقہ اقتدار اعلٰے کو پھر سے حاصل کرنے کی سعی کی تو یہی نظام اس کے راستے میں آہنی دیوار بن کر کھڑا ہو گیا۔ مقامی حکمرانوں کے مابین سیاسی معاہدے شہنشاہیت در شہنشاہیت کی نشوونما کا ثبوت تھے جو اس وقت تک ہوتی رہی جب

تک مقامی شہنشاہیت اس مرکزی شہنشاہیت کا خول پھاڑ کر باہر نہیں آگئی جس کے زیرِ
سایہ اس کی تشکیل شروع ہوئی تھی۔ اس طرح کے مقامی معاہدے کلوتنگا سوم کے زمانے
میں اُس کے پیش روؤں کے زمانے سے زیادہ کثیر تعداد میں ہوگئے تھے۔ اگر یہ بات یاد رکھی
جائے کہ پانڈیا ریاست میں اُس عہد کے چولا کتبات قطعاً ناپید ہیں اور یہ کہ بظاہر چولا حکمران
کا اختیار اِس خطے کے روزمرہ نظم و نسق میں قطعاً محسوس ہی نہیں کیا جا رہا تھا۔ تو یہ بات صاف
دکھائی دے گی کہ مقامی سرداروں کے مابین ان باہمی معاہدوں کے دائرہ اثر میں وہ حدودِ
سلطنت بھی آجاتی تھیں۔ جو براہِ راست کلوتنگا کے زیرِ اختیار تھیں۔ یہاں ان معاہدوں
یا ان کی شرائط پر بحث کرنا غیر ضروری ہوگا[۱۵] تاہم یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اِس
طرح کے ہر اس تحریری معاہدے کے علاوہ جو اس وقت ہمارے علم میں ہے، بہت سے
ایسے اقرار نامے بھی ہوں گے جو تحریر میں نہیں لائے گئے یا جن کی تحریری دستاویزات
تلف ہو چکی ہیں۔ یا جن کو تلاش کرنا ابھی باقی ہے ان مقامی معاہدوں کے باعث شہنشاہ
کی حکومت کے انتظام میں سنگین رکاوٹیں آتی ہوں گی۔ جیسا ہم آگے دیکھیں گے یہ سچ ہے
کہ کلوتنگا سوم کے اور اُس کے بدنصیب جانشینوں راج راجا سوم اور راجندر سوم کے
تحت بھی انتظامیہ کا ڈھانچہ بالکل ویسا ہی نظر آتا ہے۔ جیسا کہ سامراج کے اُس زمانہ
عروج میں تھا۔ جب راج راجا اوّل اور راجندر اوّل کی فرماں روائی تھی۔ لیکن اِس
نظام کی بیرونی شبیہ کے پس پردہ پہلے کا سا جذبہ موجود نہیں تھا۔

پندرھواں باب

حاشیے

(1) تاجپوشی 18 فروری اور 30 مارچ 1163ء کے درمیان کسی روز ہوئی۔
کیلہارن - EI - ix صفحہ 211 . لیکن پچھلا حاشیہ c بھی دیکھئے۔

(2) 1906 کا نمبر 558 (دوسرے سال کا) - 1922 کا نمبر 43 (تیسرے سال کا)

(3) 1900 کا نمبر 262

(4) 1908 کا 172 (چھٹے سال کا) - 1906 کا نمبر 540 (دسویں سال کا)

(5) شوپوری (RD) سے دستیاب شدہ وکرم چولا کے صرف دو کتبے یعنی 1929 کے نمبر 47 اور نمبر 55؛ کلوتنگا دوم اور راج راجا دوم کا ان میں کوئی بھی کتبہ نہیں ہے۔ ترد کلاکڈی (RD) سے ملا ہوا راجا دھیراج دوم کا ایک کتبہ — 1916 کا نمبر 43

(6) C.V. - باب 76، v 76 - باب 77، v 103

(7) کونگو چولا حکمران کلوتنگا کا ایک کتبہ — 1928 کا نمبر 336 - C V اس واقعے کی تائید کرنے والا ایک معرکہ خیز کتبہ ہے۔ اس سے مذکورہ عہد میں جنوبی ہند کے شاہی خاندانوں کے باہمی رشتوں اور سیاسی تعلقات کا بھی کچھ پتہ چلتا ہے۔

(8) C.V. باب 77، v 85 - گیجر (حاشیہ 3 میں) اس تذکرے کی صحت پر شبہ ظاہر کرتا ہے۔ بظاہر یہ شک اس لئے ہے کہ وہ v 83 میں مذکورہ مدھرا کو ایک شہر سمجھتا ہے۔ میرے خیال میں یہاں یہ لفظ مدھرا ریاست کے لئے آیا ہے۔ کیونکہ نلیا قدیم پانڈیا ریاست کی شمالی سرحد پر موجودہ

رام نڈ ضلع میں واقع ہے بلاذر جولڑائی چار "گادتوں " پر چڑھی تھی وہ اس گاؤں سے سمندر تک پھیل گئی ہوگی۔ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ چولا کتبات سے بھی اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔

(9) مقابلہ کیجئے ہُجِر M. C. ii، صفحہ 100، حاشیہ نمبر 1

(10) 1890 کا نمبر 20 — SII - vi - نمبر 456؛ ARE - 1889، پیراگراف 23 تا 38

(11) 1924 کا 433

(12) 1905 کا 465

(13) 1925 کے کتبہ نمبر 261 میں بھی اسی طرح کا اراضی کا ایک فرمان عطیہ درج ہے۔ اس میں جنگ کے ان ہی حالات کے کچھ اجزا نقل کئے گئے ہیں اور یہ بعض خلاؤں کو پر کرنے میں بہت کارآمد ہے۔

(14) اور توری دراصل کا تتبس ہے جو جفنا کے مغرب میں ایک جزیرے پر واقع ہے۔ ماتوٹم اصل میں مہاتھا منتوتا ہے۔ ولکام کو M C میں "ولک گاما" کہا گیا ہے (باب 83، V - 17) اور یہ منار سے لگ بھگ پانچ میل جنوب مشرق میں واقع ہے۔ مائی وال غالباً متودل ہے جو جفنا سے دس میل مشرق میں واقع ہے۔ وینکاٹسبا آئر EE - xxi صفحہ 187 - حاشیہ۔

(15) اس راجا کو ایک بار (تقریباً 1154ء) میں پراکرم باہو نے گرفتار کر لیا تھا اور اسے اپنے فاتحانہ جلوس کے آگے آگے پیدل چلنے پر مجبور کیا تھا۔ M. C. باب 72، VV - 291، 299 - لنکا ایک طویل خانہ جنگی کے باعث ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گیا تھا۔ تب اس کے بعد پراکرم باہو تمام جزیرے کو اپنے زیر فرمان لا کر اسے متحد کرنے میں کامیاب ہوا۔ M. C. باب 72 - 7

(16) یہاں "ایتا نڈن سمبندم پن وُم" کا جملہ استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنی ازدواجی رشتہ ہو سکتے ہیں۔

(17) "ایلگم کے لوگ ہو "ایلگم" غالباً اصل میں "ایڈگم" تھا جو موجودہ تعلقہ

مدورا میں واقع ہے۔ SII-iii صفحہ 212، حاشیہ نمبر ا۔ "مرپڈائی" اور "ایلگا پڈائی" کے معنی البتہ پانڈیا افواج کے دو شعبے ہیں۔ اگر یہ بات درست ہو تو یہاں "ایلگتار" فوجوں کے لئے ہی آیا ہوگا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان میں سے کچھ فوجی دستے دشمن کے ساتھ مل گئے تھے۔ باقی ماندہ اپنے آقا کے وفادار رہے ہوں گے۔"

(18) اس جرنیل کو بطور انعام پلاپانور میں دس "ویلی" اراضی عطا کی گئی۔

(19) 1906 کا نمبر 36 — 1909 کا 731 وغیرہ۔ بعض کتبوں مثلاً 1905 کے 476 میں یہ خاندانی نام اور معمول کی پرشستی اکٹھے آئے ہیں

(20) گزشتہ صفحات 359-60 دیکھئے۔

(21) I. N.-N. 1922 کے کتبات نمبر 108، 5 اے — 1907 کا نمبر 571

(22) 1893 کا نمبر 98

(23) 1927 کا 129

(24) 1913 کا 263۔ دیکھئے ARE. 1927، II، 27۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ چدامبرم کے کتبے میں کلوتنگا سوم کے عہد کے ایک وقف کا اندراج ہے اور تاجدار کے لئے "کریکال" اور "راجادھیراج" دونوں القاب ARE. 1914، II، 17 میں استعمال ہوئے ہیں لیکن اصل میں معلوم ہوتا ہے کہ جاگیر راجادھیراج نے دی تھی اور اس کی از سرِ نو توثیق اس کے جانشین نے کی۔ کتبہ نمبر 263 میں اصل فرمان درج ہے اور کتبہ نمبر 262 میں اس کی توثیق ہے جو کلوتنگا کے عہد میں کی گئی۔ ایک اور امکان یہ بھی ہے کہ نمبر 262 دراصل کلوتنگا دوم کے زمانے کا کتبہ ہے اور اس میں پراکسیری کا لقب غلطی سے شامل کیا گیا ہے۔

(25) 1908 کا نمبر 420

(26) 1925 کا نمبر 259

(27) 1904 کا نمبر 538

(28) 1924 کا 433

(1) 1902 کا نمبر 619 — 1927 کا نمبر 27

(29-الف) 1923 کا 393 (چوتھے سال کا)

(30) 1893 کا نمبر 7-الف

(31) 1899 کا نمبر 10

(32) 1904 کا نمبر 195- 1902 کا نمبر 202 - 1919 کا نمبر 71 - 1904 کا 222

(33) 1929 کا 65

(34) 1924 کا 55

(35) 1919 کا 252 — ARE - 1934-35، II، 16 — 1937-38، II، 41-39، 4-
40، اور 1942-43، II، 40، ایسی ہی دیگر مثالیں ہیں۔

(36) 1921 کا 389

(37) I E. iii حصہ صفحہ 260 - کیلہارن - ہیماوتی کے تامل کتبے کے لئے دیکھئے گزشتہ صفحہ 357 - اس کتبے میں کلوتنگا کی تخت نشینی کا سال 1146-67ء دیا گیا ہے۔
دوسری جانب راجادھیراج کے متعدد کتبے تیلگو اضلاع میں (بالخصوص دراکشارام میں) ایسے ملے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تامل خطے پر اپنی حکومت کے اختتام کے بعد بہت برسوں تک تیلگو علاقے میں مقیم رہا۔ پلورآئن پیٹائی کے کتبے میں ایک تنازعے کے متعلق اشارہ ملتا ہے جو راج راجا دوم کی وفات کے بعد راجادھیراج دوم کی تخت نشینی کے وقت اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ یہ واقعہ 1166ء کا ہو سکتا ہے جو راجادھیراج کے عہد حکومت کے واقعات کی تاریخ کا نقطۂ آغاز مانا گیا ہے۔ اسی سال میں کلوتنگا نے بھی ہیماوتی کے کتبے کے مطابق اپنے عہدِ حکومت کے آغاز کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کلوتنگا نے ہرگز عداوت ترک نہیں کی اور جب اس نے اپنے حامیوں کی مدد سے چولا تخت پر قبضہ کیا تو راجادھیراج دوم کو 1178ء میں تیلگو علاقے کی جانب جلاوطن ہونے پر مجبور کر دیا۔ اوپر اختصار کے ساتھ جن کتبوں کا حوالہ دیا گیا ہے، ان کی اور آئندہ دریافت ہونے والے کتبات کی روشنی میں راجادھیراج دوم اور کلوتنگا سوم کے باہمی تعلقات کا زیادہ غور سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

(38) تربھون چکرورتن کلوتنگا چولا دیو کے دوسرے سالِ حکومت کے کتبے۔1917

کے نمبر ۲۲۹ ۔ میں بتایا گیا ہے کہ اس وقت "پیرآدیور راج راجا دیو کے عہد حکومت کا انیسواں برس تھا۔ لیکن اس کا مطلب لازمی طور پر یہ نہیں ہے کہ دونوں میں بیٹے اور باپ کا رشتہ تھا جیسا کہ راجا آدھیراج دوم کے متعلق 1925 کے کتبہ نمبر 37 میں فرض کیا گیا ہے (جو اٹھائیسویں سال کا کتبہ ہے)

(۳۹) گزشتہ صفحہ 372 دیکھئے

(۴۰) اس کتاب کی تصنیف بعض اوقات غلطی سے اوٹا کوتن سے منسوب کی جاتی ہے۔ پنڈت آر راگھوآئنگر نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ تصنیف مذکورہ شاعر کی "الاڈل" سے بعد کی ہے اور "شنکر شولن الا" کی ہم عصر ہے۔ دیکھئے "شین تمل" ۔ iii صفحات ۱۶۹ تا ۱۷۰

(۴۱) "کووائی" کے مصنف کو اس بات کا زیادہ شوق ہے کہ وہ اپنے ممدوح کو وشنو کا اوتار ثابت کرے اور اس کے ساتھ اس دیوتا کے افسانوی کارنامے منسوب کر دے ۔ وہ اسے انسانی پیکر رکھنے والا کوئی حکمران قرار دے کر اس کی زندگی کے واقعات بیان کرنا نہیں چاہتا۔ اس "کووائی" کا "پانڈی کووائی" کوئی مقابلہ نہیں ہے، جو "ارائینار اہتورل کے تبصرے میں شامل بیشتر وضاحتی بندوں پر مشتمل نظم ہے، پھر بھی "کووائی" کے مندرجہ ذیل جملوں کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے جن سے اس بات کی بہت حد تک تصدیق ہوتی ہے کہ اس کا ممدوح واقعی کلوتنگاسوم ہے کیونکہ یہ جملے کونگو اور پانڈیا ریاستوں پر حاصل کی گئی فتوحات اور شو سے راجا کی عقیدت کی جانب اشارہ کرتے ہیں نیز "کووائی" میں کسی بھی ایسی بات کا سراغ نہیں ملتا جو اس طرح کی شناخت کی تردید کر سکے ۔

کونگ ۔ ادم دینگالک کوڈیون (۷ ۔ 82)

چتیال ۔ ارگی تا گا پرنتائی ۔ مینم کلوتنگن (88)

ملوُ ۔ والیاتپ ۔ پوئت ۔تان ۔ شولترو ۔ ترت ۔ تالان کلوتنگن (۱۰۳)

مین پودھوین ۔ کنڈ (۱۱۴)

کونگوڈک ۔ کتّن ۔ گرّان (133)

اڈی، ننرامین مُن ۔ جاہم ۔ موبیہ ڈوی ۔ چلک ۔ کوڈی ۔ ننرادینگی مُیرتون (۲۷۰)

مین ذرشیر رئَ دینکنڈ ویرم وِلک کوی نرا ۔ نوَرپاڈم کلوتگن (۱۹۵)
تکُم ۔ اَرَنم پرد ۔ ادیرلاد ۔ اندرج ۔ چادگم ۔ کونگُم ۔ ارمنجم ۔ کمارکلوتنگن (۲۷۰)
جن ریاستوں نے کلوتنگا کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کر لیا تھا ان میں شادکم (زاہک کا ذکر
خصوصی طور پر محلِ توجہ ہے ۔

(42) 1902 کا نمبر 165 — SII ،iii ،75

(43) 1902 کا 467 — SII ،iii ،86 ۔ ترد کولبوُدوُر کے کتبے کی ساخت بھی ایسی ہی
ہے لیکن اس کی صحیح تاریخ کا علم نہیں ہے ؛ کیونکہ 11، 14 ۔ 15 میں مذکورہ چوتھا سال
حکومت یقیناً اس کی تاریخ نہیں ہے ۔ اس کے خلاف دیکھئے دیکیا ۔ 1899

(44) 1918 کا 173 — 1901 کا 196

(45) 1901 کا 215

(46) 1908 کا 176 — 1902 کا 313

(47) 1904 کا 190

(48) 1903 کا 24 ۔ب

(49) 85-

(50) 1925 کا 397

(51) 1905 کا نمبر 2

(52) سب سے پہلے اس کا ذکر چھبیسویں سال کے کتبے — 1912 کے نمبر 120 میں ہوا
چونکہ اس کتبے میں تاریخ سینتیسویں سال کی دی ہوئی ہے، اس لئے سب سے پہلا
حوالہ 1902 کے نمبر 650 (انتیسویں سال) میں ہے ۔ کانچی کے ایک واحد کتبے (1919
کا نمبر 517) میں (3)۱ ویں یعنی تیرھویں برس میں ان ابھشیکوں کا ذکر کیا گیا ہے جو
ہو سکتا ہے کہ تیس پر اور کے ہندسے کندہ کرنے والے کی غلطی سے الٹ
گئے ہیں ۔

(53) صفحہ 18 ۔ اور اس کے بعد کے صفحات ۔ یہ کتبہ اس لحاظ سے بہت
کارآمد ہے کہ اس میں جنوبی ہند کے تمام فتنہ و فساد اور بغاوتوں کے باوجود چین
کے انتظام سلطنت کے جزوی طور پر قائم رہنے کا تذکرہ ہے ۔

(54) 1902 کا 547 (SII - iii - 86) ـــ 1899 کا نمبر ا بھی اسی کے مشابہ ہے ۔

(55) 1899 کے کتبہ نمبر ا میں " بیٹے " لکھا ہے ۔ ہلتش نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے :
" ویر پانڈیا کے بیٹے کو مطیع بنایا گیا " SII - iii صفحہ 212 (1-2) لیکن " پڈا " کا لفظ جہاں آدمیوں کے لئے استعمال ہوا ہے وہاں اس کا مفہوم " جان یا جانوں کا نقصان " ہے ۔

(56) 1918 کے کتبہ نمبر 94 میں (جو چودھویں سال حکومت کا ہے) زیادہ خوشنما الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن میں مٹروا افواج کا بھی ذکر ہے " شنگل پڈی مٹر پڈی ویشنڈ لا ئی کنڈا [illegible] ڑی ویل "

(57) 1902 کا 458 (SII - iii ، 87

(58) 1925 کا 264 ــــ 1906 کا 42

(59) ایسا لگتا ہے کہ اس لفظ کے معنی " حرم " نہیں بلکہ محل کے عملے کا زنانہ شعبہ (ملازم عورتیں) ہے ۔ 1906 کے 42 میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہے ۔

(60) ویر کیرلا سے متعلق متن جو میں نے ان دونوں کتبوں میں پڑھا ہے یوں ہے :
" مین ونام ویرکیرلن وے (نائی) کونڈو ورل ہڑاتٹ ۔ تان اڈمی بگو دلال ترادپر پیڑا وال ورلتو بکیرنڈرتی پری کل پری چرتی ۔ نگی ۔ آخری جملے کا صاف طور پر یہی مفہوم ہے جو SII - iii - 88 ، 1 - 6 میں اس کے ساتھ مطابقت رکھنے والے جملے " پری کل اُندلتو " کا ہے ۔

(61) 1907 کا 288

(62) 1892 کا نمبر 66 ـ SII - iii ، 88

(63) " کوڈی ونگو ۔ ولون " کے صحیح معنی یہی دکھائی دیتے ہیں ۔ ہلتش نے یوں ترجمہ کیا ہے ۔ " ولون (یعنی وہ چیرا داجا) جو (اس سے پہلے) کروڑوں روپے بانٹ چکا تھا " ونگوڈل کے معنی ہیں " اُلاوڈل " تمل چول گرادی ۔ موازنہ کیجئے ایس کے آئینگر کی تصنیف
صفحہ 14 ، حاشیہ نمبر د کے ساتھ ۔

(64) اس کتبے میں جملے کا جو ٹکڑا " وے (نائی) کو نڈو " پڑھا جاتا ہے اور جسے ہلتش

نے تصحیح کرکے " دینی کونڈو " کر دیا ہے، وہ مکڑا " وِرل ترتوؐ " کے بعد آتا ہے
نہ کہ پہلے، جیسا کہ ہم اس سے پہلے تروکنڈا ایّور کے کتبات میں دیکھ چکے ہیں۔
پڈوکوٹہ کے جن کتبات کا ہم بعد میں ذکر کریں گے، ان میں شری رنگم والی عبارت
نقل کی گئی ہے، لیکن شری رنگم اور پڈوکوٹہ کے کتبوں میں " تانڈیائی پکڑوالا "
کا جملہ نہیں ہے۔

(65) 1896 کا 404

(66) 1902 کا 170

(67) پڈوکوٹہ کے کتبوں میں سے نمبر 163، و 166 (اصل متن)۔ ان دونوں کتبوں کو
صحیح طرح سے محفوظ نہیں رکھا جا سکا اور ان کے مطبوعہ متن میں جگہ جگہ عبارت
کے بیچ میں خالی مقامات ہیں اور غالباً کچھ حصوں کے پڑھنے میں غلطیاں
بھی ہوئی ہیں۔

(68) یہاں پر استعمال کئے گئے الفاظ وہی ہیں جو S.I.I. - iii - 87، ii - 2 - 3
میں ہیں۔

(69) ایضاً، 88 — ii، 3 تا 6

(70) اس جگہ مجھے کچھ غیر واضح فقروں کو حذف کرنا پڑا ہے۔

(71) میں یہاں اصل متن کے خوبصورت الفاظ پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا:
" مانڈورائی یائی ولنگو نڈو ترِو والوائے اڈیتّم تین۔ مرکونٹرئی وارشڈا ئچ
چیلُن جُدَرا تتولدُرائنی "

(72) ترول واڈی سے دستیاب ہوئے چونتیس سال کے ایک کتبے (1896
کے نمبر 74) میں ہم " تیّل وانتو " والی تمہید کی ایک بگڑی ہوئی شکل دیکھتے
ہیں۔ اس تمہید میں دنیا کے مختلف خطوں میں کلوتنگا کی افواج کے کارنامے
نمایاں درج ہیں جن کی کوئی تاریخی افادیت نہیں ہے۔

(73) موازنہ کیجئے۔ S.I.I. - iii - 88، 1 - 5

(74) 85

(76) صفحات 6-1-5، 6-1-6، نیز

صفحہ 128، حاشیہ نمبر 6۔ اوچیں کتبے کا ذکر کیا گیا ہے وہ 1905 کا نمبر 90 ہے۔
1905 میں اسے غلطی سے "ڈیلیکو" اور ٹوٹا پھوٹا بتایا گیا ہے۔ ایس
پرناوِتنے نے . لنکا شلخ ا
صفحات 87-384 میں یہ فرض کیا ہے کہ چولوں نے 1200ء سے قبل لنکا پر تین
حملے کئے۔ یہ قیاس سنہالی نظم "سسداوتا" میں کیتی کے متعلق بیان اور اس
پر کئے گئے پرانے تبصرے (سنّے) کی بنا پر کیا گیا ہے۔ ان حملوں کی تفصیلات
تبصرے ہی میں دی گئی ہیں اور اس میں شبہ ہے کہ کیا بغیر کسی مزید ثبوت کے
ہم تبصرے میں دیے ہوئے مبہم سے بیانات کا رابطہ لنکا کے متعلق ایسے ہی مبہم
بیانات کے ساتھ قائم کر سکتے ہیں جو کلوتنگا کے کتبوں میں دیے ہوئے ہیں۔
پرناوِتنے مزید لکھتا ہے۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چولوں اور سنہالیوں کے مابین
مستقل جنگ کی صورتِ حال پراکرم باہو اول کے عہدِ حکومت کے آخری برسوں
سے لے کر پولونروا کے زمانے تک برقرار رہی جس کے دوران حملے اور جوابی
حملے چلتے رہے اور ان کا الگ الگ موقعے پر الگ الگ انجام سامنے آتا رہا"۔
مجھے شبہ ہے کہ "مہچولا دسنا" (v ر) کی شہادت سے اس بیان کی تائید ہوتی ہے۔
لنکا میں خانہ جنگی تھی اور کوئی نہ کوئی فریق ہمیشہ برصغیر ہند سے مدد مانگتا رہتا تھا اور شاید
معاوضہ دے کر یہ مدد اسے مل جایا کرتی تھی۔ ائی کا آنگا، لوکیسرا اور خود ماگھا بھی
برصغیر ہند ہی سے بھرتی کی ہوئی افواج لے کر لنکا میں داخل ہوئے۔ تاہم لوکیسرا
دوم نے (1111ء میں) "لوک ارکینا کو انعام و اکرام دیا کیونکہ اس نے راجہ کی جانب
سے چولوں کو مار بھگانے میں شجاعت دکھائی تھی"۔

(77) صفحات 142-43

(78) غور کیجئے کہ چھوٹے بھائیوں کا ذکر ان میں خاص طور پر کیا گیا ہے۔ میں کسی اور جگہ
یہ واضح کر چکا ہوں (K م صفحات 142-43) کہ ماڑورمن سندر پانڈیا جوجت کل
مشیکھرا کا جانشین تھا در اصل اس کا چھوٹا بھائی تھا۔

(79) پانڈیا ریاست سے ملنے والے کلوتنگا سوم کے کتبوں میں مندرجہ ذیل دو نکتے

ترو کلاکڈی (ضلع رام نڈ) کے — یعنی 1916 کے نمبر 39 - 40 (چودھویں سال حکومت کے)، ایک کتبہ تینے دیلی کا، 1927 کا نمبر 28 (اٹھارویں سال کا)، ایک چتردیدی منگلم (ضلع رام نڈ) کا، 1928 کا نمبر 311 (اکیسویں سال کا) اور ایک تینور (ضلع مدوران کا) - 1926 کا نمبر 6 (انتالیسویں سال کا)

(80) 1909 کا نمبر 49 —— 1920 کا 670 —— 1921، 11 - 64

(81) ، صفحات 7 تا 10 —— صفحہ 1430 وصفحاتِ مابعد

(82) صفحہ 121، حاشیہ 5 — 1908، II، 79 -

(83) 1907 کا 583

(84) 1907 کے نمبر 579 میں لکھا ہے کہ نل سِدّھ، ایراسدّھ کا بیٹا تھا - دوسرے کتبوں میں سب سے بڑے بیٹے کا نام منماسدّھی) درج ہے (صفحہ 153 وصفحاتِ مابعد) - لہٰذا یہ قبول کیا جاسکتا ہے کہ منماسدّھی اور نل سدّھ ایک ہی شخص تھے - حسبِ رائے وینکیا۔ صفحہ 10، حاشیہ نمبر 56 -
موازنہ کیجئے سی ویل صفحہ 130 - حاشیہ -

(85) 1892 کا نمبر 104 —— 1893 کا 35 —— 1896 کے کتبات نمبر 407 - 408 - 409 —
یہ سب مؤلفہ لڈرز میں شامل ہیں -

(86) صفحہ 155

(87) 39

(88) وینکیا یہاں 'منماسدّھ' پڑھتا ہے، صفحہ 10، حاشیہ نمبر 56

(89) سی ویل کی رائے میں بیتا دوم ہی نل سدھ تھا - صفحہ 395 - لیکن نل سدھ کے کتبوں کی تعداد، ان کا ماخذ نیز اس کا کانچی سے خراج وصول کرنے کا دعویٰ (1906 کا 483: 36،) ان سب سے نل سدھ کی اس درجہ مشغول زندگی کا اظہار ہوتا ہے کہ اس سے تمو سدھی کے کتبوں میں دئے ہوئے اس بیان کی مکمل طور پر تردید ہو جاتی ہے کہ بیتا کی زندگی تمام تر مذہبی ریاضت کے لئے وقف تھی - دوسری جانب اگر ہم منماسدھ کو نل سدھ قرار دیں تو تمو سدھی کے کتبوں کے اس بیان کو غلط قرار دینا ہوگا کہ منما کی وفات 1205ء میں ہو گئی تھی - اور

یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ کاولی کے کتبے - 39) میں صرف نل سدھ اور
تمو سدھی ہی کا ذکر کیا گیا ہے (دینکیا یہاں نل سدھ کی بجائے منا سدھ پڑھے گا۔
اور اگر یہ صحیح ہو تو اس سے تمو سدھی کے کتبوں کی براہِ راست تردید ہو جاتی ہے)۔
کاولی کے کتبے میں مزید لکھا ہے کہ اگرچہ اول الذکر کی بطور حکمران تاجپوشی کر دی
گئی تھی پھر بھی تمو سدھی ہی حکومت کا کام کاج چلاتا تھا۔ اس طرح اس کتبے سے
سی دیل کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بیتا ہی
نل سدھ تھا اور منا سدھ کے انتقال کے بعد اس کی تاجپوشی تھی تو نل سدھ کے
کتبات کس نے کندہ کروائے جو اگر بہت پہلے نہیں تو کم از کم 1192ء میں اور اس کے
بعد خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں اور ان میں سے بعض بلاشبہ منا کے سال
وفات، تقریباً 1205ء سے پہلے کے ہیں؟ تمو سدھی کے کتبوں کے بیانات کو
نل سدھ کے کتبوں کے مہیا کردہ اعداد و حقائق کے ساتھ مربوط کرنے کے کوئی
ذرائع بھی نہیں معلوم ہوتے۔ یہ بات بھی مستحق توجہ ہے کہ 86 مورخہ
1214ء) میں خیال ہوتا ہے کہ منا ان دنوں ابھی حیات تھا۔

(90) 85، دینکیا کا کہنا صحیح ہے کہ یہ کتبہ مسخ شدہ حالت میں ہے اور
اس کی تاریخ بھی اس پر سے معدوم ہو چکی ہے۔ صفحہ 10،
حاشیہ نمبر 58۔ لیکن "پداودو" کا لفظ جس سے دوسری سطر شروع ہوتی ہے اور
دوسرے کتبوں میں دی ہوئی تاریخیں جن کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے، اس بات کے
امکان کو واضح کرتی ہیں کہ کلوتنگا کا نواں سال اس کتبے کی تاریخ ہے گو یہ انیسواں
یا انتیسواں سال بھی ہو سکتا ہے۔ بات کچھ بھی ہو دینکیا کا یہ بیان صحیح تسلیم کر لینا آسان
نہیں ہے کہ "چونکہ اول الذکر (یعنی نل سدھ) معلوم ہوتا ہے کہ کلوتنگا سوم کا اس کے
ستائیسویں سال سے لے کر پینتیسویں سال تک ہم عصر تھا لہٰذا یہ واضح ہے کہ
وہ تمو سدھی کے بعد ہی ہوا ہوگا" جب شا کا سمت 1127 (جو اندازاً کلوتنگا
کا ستائیسواں سال ہوتا ہے) سے قبل تمو سدھی کا کہیں ذکر تک نہیں آتا تو ہم
دینکیا کے اس بیان کو صحیح کیونکر مان لیں جبکہ نل سدھ کا ذکر اس سے پہلے کے
کتبوں میں بھی موجود ہے۔

(۹۱) ۹۰ - وینکیا کا خیال ہے کہ نیلور کے حکمران کا نام منماسدھ تھا (ایضاً 54) - یہ عین ممکن ہے کیونکہ یہ دیکھتے ہوئے کہ تو سدھ سنسکرت میں اسی طرح لکھا جاتا تھا، کتبہ نمبر ۹۰ کے سنسکرت والے حصے میں جس سدھ کا ذکر ہے کہ وہ سدھ بھائیوں میں بڑا ہوا۔

(۹۲) ۱۹۲۹ کا 317 — 1892 کا 198 — ۱۹۰۷ کا کتبہ نمبر ۵۱۰

(۹۳) ۱۸۹۹ کا 197

(۹۴) ۱۹۰۷ کا 578

(۹5) ۱8، اسی طرح کا ایک اور کتبہ (۱۸۹۹ کا نمبر 205) بھی ۱۲۰۹ء کا کندہ شدہ ہے (اکتیسویں سال کا)

(۹۶) ۱۸۹۹ کا نمبر 195 — ۱930 کا ۱۲۰

(97) ۱۹۱۹ کا کتبہ نمبر 465 — موازنہ کیجئے 76 (کلوتنگا سوم کے ستائیسویں سال کا) جس میں بتایا گیا ہے کہ بیتا رسا، نل سدھ کا بیٹا تھا۔

(۹۸) ۱۹۰۷ کا نمبر 582ء—

(۹۹) 8

(۱۰۰) 1912 کا نمبر ۲۰۱

(۱۰۱) 19، II، 1905 — ۱۹۰۷ کا 571 — 1892 کا 195 — 85 وغیرہ

(۱۰۲) ۱۹۰۶ کا نمبر 493 - وینکیا کا خیال ہے کہ بھج بل ویرنل سدھن دیو چولا مہاراجہ جو اس کتبے میں مذکور ہے اور شخص تھا اور ایرا سدھ کا بیٹا نل سدھ اس سے مختلف شخص تھا (صفحہ ۱۰) اول الذکر کا حوالہ نیلور کے علاقے سے ملنے والے اور کئی کتبوں میں بھی ملتا ہے۔ نمبر ۱ کتبے پر شاکا سمت ۱۰۶۵ کی تاریخ دی ہوئی ہے جو دراصل سمت ۱۱۰5 (مطابق ۱۱۸۳ء) ہوگی۔ اس کتبے میں ..... کو ہم کونا ..... کی عبارت درج ہے۔ ، 13، جس میں کانچی کے علاقے سے خراج وصول کرنے کا ذکر بھی ہے، شاکا سمت ۱۱۳۶ کا ہے اور R - 36 جس میں وہی القاب استعمال کئے گئے ہیں، ۱۲۱۷ء کا ہے۔ بھج بل ویرا

کے کتبے بہت کم ہیں اور یہ کلوتنگا کے تقریباً سارے کے سارے عہد پر پھیلے ہوئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ایراسندھ کے بیٹے نل سندھ نے خود یہ کتبات لکھوائے تھے اور ان کتبوں میں جو القاب استعمال ہوئے ہیں، اُن سے اس کی خود مختاری کے دعویٰ کا پتہ چلتا ہے۔ اس طرح کے بلند بانگ دعووں والے کتبے ہر روز جاری نہیں کئے جا سکتے تھے۔ یہ صرف ایسے دنوں میں جاری کروائے جاتے تھے جب نل سندھ کے اندازے کے مطابق شہنشاہ کلوتنگا اور کاموں میں اس قدر مصروف ہوتا تھا کہ اس کی توجہ نل سندھ کی اس نوع کی کارروائیوں کی طرف نہیں جا سکتی تھی۔ اب تک ہمارے علم میں اس طرح کی جو باتیں ہیں ان کی وضاحت ایسے ہی قیاسات و مفروضات کی مدد ہی سے کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس کا مطلب ایک بار پھر یہی ہوگا کہ ہم ایراسندھ کے بڑے بیٹے کی وفات کے متعلق تو سندھی کی شہادت کو بالائے طاق رکھ دیں۔ اگر یہ مفروضات صحیح ہوں تو ہم دو الگ الگ دور شناخت کر کے ان میں تمیز کر سکتے ہیں جن میں نل سندھ کو یہ موقع ملتا رہا کہ وہ ایک خود مختار حکمران کی طرح کام کرے (۱) 1183ء تا 1192ء جب کلوتنگا ریاست پانڈیا کے خلاف جنگوں میں مشغول تھا (۲) 1214ء سے لے کر کلوتنگا کے عہدِ حکومت کے اختتام تک جب، جیسا کہ ہم دیکھیں گے، شہنشاہ کو پانڈیوں کے خلاف معرکہ آرائی میں شامل ہونا پڑا۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ دوسرے دور میں ہمیں بھج بل ویراسندھ نامی ایک شخص کے کچھ کتبے ملتے ہیں (NI ،A ،38 — R - 38 ،G - 59 ،G - 58) جو راج راجا سوم کے عہدِ حکومت کے ابتدائی سالوں میں حکمران تھا اور نل سندھ ہی کی طرح کبھی چولوں کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کر لیتا تھا اور کبھی خود مختار بن جاتا تھا۔ کیا یہ نل سندھ کا بیٹا ایراسندھ تھا؟ - تردپلی (ضلع چنگل پٹ) کا ایک کتبہ 1916 کا نمبر 192 ہے جو کننج کا ڈُدیٹی کے خاندان کے ایک راجہ نل سدھ راسا کا لکھوایا ہوا ہے۔ یہ کتبہ بڑی پُر اغلاط عبارت میں ہے اور اس میں معمول کے پلو القاب استعمال کئے گئے ہیں۔ اس کتبے کی تاریخ کا تعین نہیں ہو سکتا اور نہ تیلگو چوڈا راجہ نل سندھ سے اس کا کوئی تعلق ثابت کرنا ممکن ہے۔

(103) صفحہ 150 ــــ دِک دکشنا گُنا کانچی گنا بھوُ ور (179)

(104) 1913 کے 163-169 وغیرہ۔

(105) 1925 کا 397 ــــ 1925 کا 181 جس کی تاریخ 5 (ا) یعنی پندرھویں سال حکومت معلوم ہوتی ہے جو مشکوک ہے۔

(106) 1917 کا 227

(107) 1907 II' 67

(108) 1928 کا 322

(109) 1926 کا نمبر 9 ــــ 1926/II/32 ــــ 1928/II/18 – اس کے خلاف دیکھئے PK صفحہ 152، حاشیہ ملے

(110) PK – ایضاً

(111) بانؔ ہیؔ کو چولا علاقے کی جاگیر دینے کے سندرؔ پانڈیلکے فرمان کے حسابِ دونوں کتبات 1909 کے نمبر 481 – اور نمبر 482 کا باہم موازنہ کیجئے۔ 1938-39 کے 196 میں درج ہے کہ ولوؔا (چولا) اور مَلدر کون (بان) کے درمیان کا ویری ناڈوُ کا علاقہ سندرؔا نے تقسیم کر دیا تھا۔ کتبہ نمبر 197 میں چولوں کے ایوان شاہی کے مسمار کئے جانے کا ذکر ہے لیکن اس کا ایک "سولہ ستونوں والا منڈپ" نہیں گرایا گیا جہاں کنؔن کی کتاب "پٹینا پالائی" شائع کی گئی تھی۔
1938-39/II/27 -

(112) ہوتسناشری ویر بلاّل دیونا تُم ویر نرسمہا دیونو تین کلو رنگنا میلے نڈو نڈو ــــ 56

(113) صفحہ 25 – اس کے خلاف دیکھئے صفحہ 162، حاشیہ نمبر 10 ــــ دیکھئے صفحہ 420، اور ذیلی حاشیہ نمبر 1

(114) 29 صفحہ 201

(115) 63 – نیز 74، صفحہ 150، صفحات 203 - 204

(116) صفحہ 280

(117) 1926 کا 162 — 1914 کا 273

(118) 1928 کا 259 - بیشتر کا صفحہ 376 دیکھئے

(119) 1928 کا 80

(120) 1902 کا 522

(121) صفحات 7-8

(122) 1904 کا 554 - اس کے خلاف دیکھئے ملتقش - II s - iii صفحہ 205، حاشیہ نمبر 6

(123) 1909 کا کتبہ نمبر 316 (حاشیہ - D)

(124) 1890 کا نمبر 1 (تیئیسویں سال کا)

(125) 1902 کا نمبر 659 (سینتیسویں سال کا)

(126) ماڑورمن سندر پانڈیا اول نے بھی "مڈی ونلگم پیرد مال لقب اختیار کیا تھا - PK صفحہ 153

(127) 1925 کا 75

(128) ARE - 1926، II، 22

(129) 1902 کا 538 (ستائیسویں سال کا)

(130) 1912 کا 454

(131) 1919 کا 114

(132) 1914 کا 339

(133) 1907 کا 19 - آچاریہ پشپانجلی مطبوعہ 1940ء، صفحات 3 تا 7

(134) 1908 II، 64 - 65

(135) 1902 کا 560 - اِرپتو - نالا ودو - پنجتلے کاشُکوُ اُلکوُ ارشی وڑ کا پونم تیڈِنا ارتھم نیلم اڈنیاالوُ ترُو نڈیالک - کٹی ایری کان - کاتیالم

(136) 1911 کا 86

(137) دھان کی قیمت جو 1911 کے 90 میں دی گئی ہے وہ تین نالی فی کاشو ہے - اگر اسے چاولوں میں ظاہر کرنا ہو تو یہ 1½ نالی فی کاشو آجائیگی (کیونکہ کتبوں کے مطابق

5 نالی دھان میں سے 2 نالی چاول حاصل ہوتے تھے) اس سے اگلے برس کے ایک کتبے ـ 1902 کے نمبر 565 ـ میں جو شمالی ارکاٹ میں ملا ہے چوتھائی نالی فی کاشو کا نرخ دیا گیا ہے۔ اگر دونوں مثالوں میں کاشو ایک ہی مالیت کا سکہ تھا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قحط کا اثر کافی وسیع علاقے پر رہا ہوگا اور قلت کے پہلے برس کی نسبت دوسرے برس میں اس کا قہر زیادہ شدید ہو گیا ہوگا۔ اگر یہ قیاس صحیح ہو تو 1911 کے کتبہ نمبر 89 میں مندرج مثال ایک ایسے شخص کی مثال ہوگی جس کے وسائل قحط کے ابتدائی مرحلے ہی میں جواب دے گئے تھے جبکہ سرکاری امداد یا انفرادی غیر سرکاری امدادی کارروائیوں کی بات ہنوز سوچی بھی نہیں گئی تھی۔

(138) 1902 کا 457

(139) 1962 کا 83

(140) 1928 کا 113

(141) 1908 کا 188، 216

(142) 1927 کا 28

(143) 1899 کا 117 ـــ 1911 کا 460 ـ 1911 کا 473

(144) 1913 کا 461 ـ 1902 کا 563 ـــ 1890 کا نمبر 60 ـــ 1905 کا 141

(145) 1894 کا 193 ـــ NI - G - 86 ـــ 1907 کے نمبر 601، 602 ـ 1911 کا نمبر 435

(146) 1911 کا 460 ـــ 44 (ب)

(147) ARE ـ 1912، II، 30 ـــ PK صفحہ 148

(148) 1899 کا 117 (دوسرے سال کا) دیکھئے پہلے کا حاشیہ نمبر 37

(149) 1892 کا 195 ـــ نیز 893: کا نمبر 10 ـــ 1922 کا 116 ـ 1897 کا 303

(150) 1920 کا نمبر 546، 558 ـ 1905 کا نمبر 559 ـ (چودھویں سال کا) ـــ 1912 کا نمبر 546 (چونتیسویں سال کا)

(151) 1903 کا 46 (ب) (چوتھے سال کا) ـ 1902 کا نمبر 557 (پینتیسویں سال کا)۔ نیز دیکھئے 1902 کا 291 (بیسویں سال کا) ـــ 1902 کا 532 (اکتیسویں سال کا)

اور پچھلا حاشیہ نمبر 111 — 1918 کا 93 (چھٹے سال کا)

(152) پچھلے صفحات 349 - 50 دیکھئے

(153) 1906 کا 157

(154) 1909 کا 413

(155) 1918 کا 74 — 1921 کا 463

(156) 1921 کے کتبہ نمبر 381 - حاشیہ (٥) میں اسے کاڈوانسل کے کاٹک کنڈی گوت کی اولاد بتایا گیا ہے۔

(157) 1919 کا نمبر 63

(158) 1921 کا نمبر 48

(159) 1905 کا 197

(160) کوپیرن جنگا کے گیارھویں سال حکومت کے ایک کتبے — 1921 کے نمبر 486 میں، جو ترو وینائی نور سے ملا ہے، ترکھوون چکرورتی راج راجا دیو کے ایک پرانے کتبے کو نقل کیا گیا ہے جو اس کے بارھویں سال کا ہے اور جس میں آنکولی کاڈو رایا کا وہ عطیہ درج ہے جو اس نے ایک بیٹے کی پیدائش کی خوشی میں دیا تھا۔

(161) 1902 کا نمبر 488 (الف) — 1902 کا نمبر 509 — 1917، II، 38/1917، 41 (1937 - 38 کا 496)

(162) 1912 کا کتبہ نمبر 246 جس کا V - 3 ہی 1921 کے نمبر 178 کی شکل لے لیتا ہے۔ کوپیرن جنگا کے نام کے دو اشخاص ہونے کا نظریہ قطعاً غیر ضروری ہے اور ماخذوں سے اس کا کوئی جواز نہیں ملتا (II S - ii x - تمہید - صفحہ viii — اور نمبر 130)

(163) ARE - 1913، II، 66 میں لکھا ہے کہ کاڈوا دوم کی چھیڑی ہوئی اس جنگ کے نتیجے میں کاکتیوں کو جنوبی ہند سے نکال باہر کیا گیا اس بیان کے لیے کوئی بنیاد اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک پرشستی میں ایسا کوئی منظوم بند نہ ہو جس میں شمالی ہند کے وڈ منر حکمرانوں کا حوالہ ہو ۔

اس بند کا سیووُر کی لڑائی سے قطعاً کوئی واسطہ نہیں ہے اور اس سے ہم کو صرف یہ بیش قیمت اطلاع ملتی ہے کہ ایسے شمالی حکمرانوں کو جنھوں نے اکر ڈوراجا کی اطاعت قبول نہیں کی کسی پہاڑ یا جنگل میں بھی پناہ لینے کا کوئی ٹھکانا نہیں ملا۔

(164) 1902 کا 531

(165) 1902 کا 512

(166) 1921 کے کتبا نمبر 477، 479

(167) 1902 کا 313 (سترھویں سال کا) — 1900 کا 133 (اٹھائیسویں سال کا)

(168) 1906 کا نمبر 73 (اڑتیسویں سال کا)

(169) 1902 کا 390 زگیارھویں سال کا)

(170) 1902 کا 534 (پچیسویں سال کا)

(171) 1906 کا 73 (اڑتیسویں سال کا)

(172) 1909 کا 414 (چھٹے سال کا)

(173) 1900 کا 114 (تیسرے سال کا)

(174) پچھلا صفحہ 266 دیکھئے

(175) 1902 کا 636 (دسویں سال کا)

(176) 1902 کا 161

(177) نرلوکت ویرا کے بلا تاریخ کتبے سے موازنہ کیجئے۔" " vii پچھلا صفحہ 333 دیکھئے۔

(178) 1900 کا نمبر 8

(179) II 9 - i - 75 —— EI - vi صفحات 331 - 33

(180) 1900 کا 107 —— II 9 - vii - 119

(181) خاص طور پر ملاحظہ کیجئے 1913 کا کتبہ نمبر 490 —— 1904 کا نمبر 223 —— 1922 کا 56 (تیرھویں سال کا) — 1908 کا 483 (اٹھارھویں سال کا) —— 1900 کا 115 (بیسویں سال کا) — 1902 کا 516 (ستائیسویں سال کا)۔ 1913 کا 435 (پینتیسویں سال کا) — 1912 کا 489 (چالیسویں برس کا) نیز پچھلا حاشیہ نمبر 36 دیکھئے۔

سولہواں باب

راج راجہ سوم اور راجندر سوم چولا سلطنت کا خاتمہ
1216-1279ء

راج راجا سوم کی تخت نشینی

راج راجا سوم کی تخت نشینی کی تاریخ 27 جون اور 10 جولائی 1216ء کے درمیان پڑتی ہے! یہ اس کے خود مختار حکمران کے طور پر تخت نشین ہونے کی نہیں بلکہ اس کے پیش رو کی جانب سے اس کے ولی عہد سلطنت تسلیم کئے جانے کی تاریخ ہے۔ اس تاریخ کے کچھ مدت بعد ہی چولا ریاست پر سُندر پانڈیا کا حملہ ہوا ہوگا اور ویر نرسمہا نے چولا طاقت کو سنبھلنے کا موقعہ دلانے کے لئے لڑائی میں مداخلت کی ہوگی۔ کلوتنگا سوم کا انتقال اُس کے جلد ہی بعد ہوگیا۔ راج راجا کا عہدِ حکومت اچھے حالات میں شروع نہیں ہوا۔ اور یہ ابتدائی مصیبتیں آنے والے بہت بڑے حادثات کا پیش خیمہ تھیں۔ ایک بار پھر ہوئسالوں کو اُسے بچانے کے لئے آنا پڑا۔

راج راجا کا کلوتنگا کے ساتھ کیا رشتہ تھا؟ کیا یہ چولا شہنشاہ (کلوتنگا) کا وہی بیٹا تھا جسے کلوتنگا نے جلاوطنی سے واپسی پر پانڈیا فاتح کے سامنے پیش کیا تھا جس نے کلوتنگا کو اس غرض سے طلب کیا تھا کہ اس کی سلطنت اسے واپس کردے؟ شاید ایسا ہی ہو لیکن اس کے متعلق کوئی قطعی شہادت ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ راج راجا کے کتبات میں کلوتنگا سوم کو "پیریہ دیور" یعنی حکمرانِ اعلیٰ کے نام سے پکارا گیا ہے۔

اور اسی نام سے راج راجا کے جانشین راجندر سوم کے کتبات میں مذکور ہے۔ لیکن یہ محض اتنی بات ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ راج راجا شہنشاہ کلوتنگا کا بیٹا یا بھتیجہ تھا یا راجندر سوم اس کا بھائی تھا۔ پیریہ دیور سے اس کی جانشینی میں ترجیح کے علاوہ اور کوئی بات ثابت نہیں ہوتی۔ راجندر سوم نے اپنے کتبات میں راج راجا سوم کو بھی اسی نام سے پکارا ہے۔ ایسی کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی جس کے پیش نظر ہم یہ فرض نہ کرسکیں کہ راج راجا شہنشاہ کلوتنگا کا بیٹا تھا اور راجندر راج راجا کا۔ لیکن یہ بات ابھی ثابت نہیں کی جاسکتی۔

پرشستیاں

اس عہد کے سب سے زیادہ مروج پرشستی راج راجا سوم کے وقت کی شان و شوکت کے ایک مقابلتاً مختصر بیان پر مشتمل ہے یہ "شیر منی ارو" نانگوتنئی سے شروع ہوتی ہے اور اس میں ایک بھی تاریخی سچائی نہیں ہے۔ اس پرشستی میں الفاظ کے معمولی اختلافات مستحق مطالعہ نہیں۔ اس پرشستی کے حامل دو کتبات تبصرے کے لائق ہیں۔ ان میں سے ایک ترڈو دریور سے ملا ہے؟ اس پر ایک پراکیسری راجا کے تیسرے سال حکومت کی تاریخ درج ہے۔ جس کی عرفیت تربھووَن چکر ورتی الگیار۔ وندا۔ پیرومال تھی۔ یہاں "الگیار وندا پیرومال کی اصطلاح دراصل نام کے بجائے ایک لقب ہے جس کے معنیٰ ہیں" وہ آقا جس کے آنے سے دنیا بچ گئی۔ اور یہ ان کتبات میں ملتا ہے جو کلوتنگا سوم[9] اور راج راجا سوم سے متعلق ہیں۔ اس کتبے میں پراکیسری کا لقب کلوتنگا سوم کے لئے آیا ہے۔ لیکن اس شہنشاہ کا کوئی ایسا دوسرا کتبہ ہمارے علم میں نہیں ہے جس میں وہ پرشستی شامل ہو جو اس وقت ہمارے زیر غور ہے۔ دوسری جانب خود یہ پرشستی اور کتبے کا مواد جس میں کچھ اشخاص کی غداری کی یہ سزا راجا کے کتبوں کا ایک مستقل موضوع رہا ہے۔ لہٰذا یہ یہ کتبہ راج راجا کے عہد ہی سے صحیح طور پر منسوب کیا جاسکتا ہے۔ البتہ اس میں دیا ہوا پراکیسری لقب غلطی سے راج کیسری کی بجائے درج ہوگیا ہے۔ یہی وضاحت دوسرے کتبے کے متعلق صحیح ہوگی۔ جو ترڈو دیر مور سے دستیاب ہوا ہے۔ یہ کتبہ "شیر منی" والی تمہید سے شروع ہوتا ہے اور پراکیسری لقب بھی اس میں استعمال ہوا ہے۔ ایسی اتفاقیہ غلطیوں سے ہم یہ نہیں مان سکتے جیسا کہ اکثر کیا جاتا ہے کہ مذکورہ عہد میں راج کیسری

اور پراکسیری سے القاب ایک ہی راجہ کے لئے بلاتخصیص استعمال کئے جاتے تھے۔

ایک اور کہیں زیادہ طویل پرشستی جو لطائف ادبی محاسن سے معمور ہے۔ لیکن تاریخ نگاری کے لئے کچھ زیادہ کارآمد نہیں "شیر منو ملر منگل" کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے ملک کی حالت، شہنشاہ کی ذاتی شکل وصورت اور کردار، نیز اس کی ماتحت اقوام جو اسے خراج ادا کرتی تھیں، ان سب کا تذکرہ اس پرشستی میں کیا گیا ہے۔ لیکن یہ تذکرہ اس قدر مبالغہ آمیز اور روایتی ہے کہ اس سے ہمیں درباری شعراء کے طور طریقوں کے متعلق تو زیادہ معلومات ملتی ہیں لیکن اُن کے رقم کردہ موضوعات کے بارے میں بہت کم۔ دو رانیوں کا بھی ذکر آیا ہے بڑی رانی بان خاندان کی ایک شہزادی تھی اور کہا جاتا ہے کہ وہ شاہی اقتدار میں راجہ کے ساتھ اس کا بھی راج تلک کیا گیا۔ چھوٹی رانی کا لقب "لوُ دنا ملو دڈ یال" تھا

سیاسی تبدیلیاں

راج راجا کا عہدِ حکومت مسلسل مشکلات کا زمانہ تھا۔ اس زمانہ میں جنوبی ہند کے نقشے میں بہت بڑے اہم تغیرات رونما ہوئے۔ یہ واضح رہے کہ راج راجا نہ تو کوئی عظیم جنگ جو تھا اور نہ سیاست داں۔ چولوں پر اندرونی اور بیرونی حملوں کا خطرہ برابر قائم تھا۔ جنوب میں پانڈیا اور مغرب میں ہوئسالہ خاندان اب عظیم طاقتوں کی حیثیت اختیار کر چکے تھے جن کی سربراہی غیر معمولی قابلیت واستعداد والے حکمران کام کر رہے تھے۔ اور چولوں کی بقا اب صرف ان دونوں طاقتوں کی رقابت تھی کیونکہ ان میں سے کوئی طاقت قدیم چولا سلطنت کو دوسری طاقت کا شکار ہوتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ شمال مغرب کی جانب کلیانی کی چالوکیہ طاقت نئے ابھرنے والے سئونا خاندان کے آگے ہار مان چکی تھی۔ شمال مشرق میں نیلور کے تیلگو چوڈا راجگان بڑی اہم حیثیت کے مالک تھے۔ اُن کے مراسم ایک جانب ہوئسالوں کے ساتھ اور دوسری جانب کاکتیا راجاؤں کے ساتھ اُس زمانے کی تاریخ کا ایک حیرت انگیز باب تھے۔ گھر کے قریب کوڈلور اور شیند منگلم کے کاڈوا جاگیردار بھی اپنے آقا کی روز افزوں کمزوری سے فائدہ اٹھانے میں پیچھے نہیں تھے

دسویں صدی عیسوی کے وسط میں کرشنا سوم کے حملے کے بعد ڈھائی صدیوں میں چولا سلطنت کا زور واقتدار بہت بڑھ گیا تھا۔ اور اس پر کلوتنگا اوّل کے عہد کے

خاتمے پر جو ضرب لگی اس سے کوئی خاص اہم نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ حدود سلطنت میں تھوڑی سی کمی ہو جانے کے باوجود یہ حکومت پہلے کی طرح طاقتور اور با اثر رہی اور اس نے ریاست پانڈیا کی جانشینی کی جنگ میں بھی اہم رول ادا کیا لیکن اس کے بعد کلوتنگا سوم کے آخر میں ماڑورمن سندر پانڈیا کا حملہ ایک ایسا حادثہ تھا جس نے اس دور کے چولا طاقت کے کھوکھلے پن کو ظاہر کر دیا۔ متعدد پشتوں کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا جب چولا دارالخلافہ کو کسی دشمن نے تاخت و تاراج کیا ہو اور چولا شہنشاہ ایک خانہ بدوش پناہ گزین بن کر رہ گیا ہو۔ یہ وہ حشر تھا جو چولا شہنشاہ متعدد بار اپنے دشمنوں کا کر چکے تھے۔ یہ سچ ہے کہ چولا شہنشاہ کو اپنا مقام پھر واپس مل گیا لیکن اس کے لئے اُسے اپنے فاتح سے بھیک مانگنی پڑی اور یہ ان شرائط پر واپس ملا جن کے تحت اُس کی خود مختاری باقی نہیں رہی۔ فاتح سے یہ رحم بھی ہوئسالا کی مدد کی وجہ سے ملا۔ چولا سامراج کے جاگیرداروں کے لئے جو ضرورت سے زیادہ طاقت پکڑ چکے تھے۔ یہ ایک اشارہ تھا کہ وہ اپنے آقا کی بالا دستی تسلیم کرنے سے انکار کر دیں اور جلد سے جلد موقع ملتے ہی یا تو اپنی وفاداری تبدیل کر دیں یا اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیں۔ یہ صورت حال اس وقت تھی جب کلوتنگا سوم کا انتقال ہوا اور راج راجا کی حکومت کا آغاز

پانچویں برس کی شورش

ضلع تنجور سے ملنے والے کتبوں میں لکھا ہے کہ حکومت کے پانچویں سال میں بڑی افراتفری پھیلی جس کی وجہ سے امن خطرے میں پڑ گیا۔ اور املاک کی بربادی ہوئی[9]۔ اس شورش کو "دری تنگل" (پریشانیوں) کا نام دیا گیا ہے۔ اس کا بالکل صحیح نوعیت کے متعلق اور کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ تاہم کتبات سے یہ بات واضح ہے کہ اس کے نتیجہ میں ایک مندر عارضی طور پر اجڑ گیا اور اس کی مورتیوں اور جائداد منقول کی حفاظت کی غرض سے کسی اور مقام پر منتقل کر دیا گیا۔ دو دیہاتوں کی اراضی کے ریکارڈ اور مندر کے اندراجات مستقل طور پر تلف ہو گئے۔ اور انہیں بعد میں چھان بین کر کے از سر نو تیار کرنا پڑا۔ یہ بلوے غالباً مقامی نوعیت کے تھے۔ واقعہ جو بھی ہو، اس بات کی کوئی واضح شہادت موجود نہیں ہے کہ یہ بلوے کسی جنگ یا بیرونی حملے کے باعث ہوئے تھے کہ

دیگر تنازعات

کچھ اور تنازعات بھی تھے جو اس علاقہ میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے جسے برائے نام چولا عملداری میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ ان جھگڑوں کی مدھم سی گونج اس عہد کے کتبوں میں سنائی دیتی ہے۔ ضلع ارکاٹ سے دستیاب شدہ سنہ 1223-29ء کے ایک کتبے میں[16] ویر نرسنگھ دیو یادو رایا اور ارتی کے کاڈو رایا راجہ کے درمیان ایک لڑائی کا ذکر ہے ارتی غالباً موجودہ اورتی ہے۔ جو چنگل پٹ ضلع میں واقع ہے۔ اس لڑائی کا ذکر بسبیل تذکرہ ایک سپاہی کی شجاعت کو بطور یادگار بیان کرتے ہوئے کیا گیا ہے۔ جو یادو رایا کی فوج میں لڑا تھا اور خود کاڈو رایا پر کئے گئے ایک حملے میں اپنی جان گنوا بیٹھا تھا یہ دونوں سردار چولا حکمران کی بالادستی کو تسلیم کرتے تھے۔ ہمیں اس بات کا کوئی علم نہیں کہ یہ جھگڑا کس بات پر ہوا تھا اور ہم یہ بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتے۔ کہ کاڈو رایا دراصل خود کوپیرن جنگا تھا یا جیسا کہ زیادہ اغلب ہے، اس کا باپ[17]! کاڈو رایا کا اگر اس سے پہلے نہیں تو انہی دنوں میں ہوئسالہ حکمران سے بھی تنازعہ ہوا ایک کتبے میں جس کی تاریخ قمری تقویم کی بنا پر سنہ 1218ء قرار دی جا سکتی ہے[18] ویر نرسمہا دیوا نے خود کو کانچی کنچن کاڈوا گلو تنگا اور کاڈو رایا دشا پتا لکھوایا ہے۔ اگر اس کتبے کی تاریخ مشکوک نہ ہو تو ہم یہ بھی فرض کر سکتے ہیں کہ کاڈوا راجہ نے چولا ریاست پر پانڈیا حکمران کے حملے کا فائدہ اٹھایا یا اس سے سازباز کر لیا اور یہ بھی کہ چولا سلطنت کو بچانے کے لئے ہوئسالہ راجہ کو کاڈوا اور خود پانڈیا حکمران دونوں سے نپٹنا پڑا[19] چاہے کوئی بھی صورت ہو، کچھ دوسرے ایسے کتبے بھی ہیں۔ جو اس عہد میں کانچی کے ساتھ نرسمہا کا ایک خصوصی رشتہ ثابت کرتے ہیں۔ ان میں سے سنہ 1230ء کے ایک کتبے میں یہ لکھا ہے[20] کہ ویر نرسمہا کانچی سے اپنی حکومت چلا رہا تھا۔ اور ایک دوسرے کتبے میں جس پر تاریخ نہیں ہے، یہ ذکر آیا ہے کہ اس نے اپنے کچھ فوجی دستے (دبھیرنڈے) کانچی میں تعینات کر رکھے تھے[21] جاگیرداروں کے مابین ان مقامی تنازعات اور جنگوں کے حوالے اور باہر سے مختلف اطراف میں ہوئسالہ طاقت کی مداخلت کے تذکرے اس بات کا پتہ دیتے ہیں۔ کہ چولا سلطنت کے انتشار اور بڑھتی ہوئی مشکلات کے درمیان چولا شہنشاہ کی بے بسی کس حد تک پہنچ چکی تھی۔

غداری کرنے والوں پر جو غیر معمولی تعداد میں مقدمے چلائے گئے جن کا ذکر کتبات میں اکثر ملتا ہے ان سے ہمارے اس خیال کو اور بھی تقویت ملتی ہے۔

پانڈیا کا حملہ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راج راجا نہ صرف کمزور تھا بلکہ احمق بھی تھا۔ کیونکہ اگر ہم اس دور کے پانڈیا کتبوں پر یقین کریں تو اس نے اپنے پانڈیا آقا سے کئے گئے معاہدے کی شرائط کو دیدہ دانستہ توڑا اور اس طرح اپنے عہدِ حکومت کے سب سے بڑے حادثے کا بانی ہوا مارڈورمن سندر پانڈیا اوّل کی ایک پرشستی میں لکھا ہے :-

"چولا حکمران اب اس تاجدار کے ساتھ وفاداری مناسب خیال نہیں کرتا تھا جس نے ایک سابقہ موقع پر اسے اُس کا تاج بخش دیا تھا۔ ایک بار پھر اسے یہ احساس ہوا کہ وہ اپنے زرخیز ملک میں بالکل محفوظ و سلامت ہے، اور اس نے اپنے پانڈیا احکام کا احترام کرنے سے انکار کر دیا۔ معمول کے خراج کی ادائیگی بند کر دی۔ اور اس کے بجائے ایک کثیر لشکر (بیرونی) روانہ کر دیا۔ جس کے آگے اس کا ایک ہراول دستہ (توشی) بھی تھا۔"

پانڈیوں کی اطاعت کا طوق اتار پھینکنے کی اس کوشش کے بعد جو واقعات رونما ہوئے، ان کی تفصیل پانڈیا حکمران کے ایک نایاب تاریخی کتبے کی پرشستی میں بیان کی گئی ہے۔ یہ کتبہ تردُدنیدن پورم سے ملا ہے[22] کال کلیھا کے تحریر کردہ تاریخی ڈرامے "گدیہ کرنامرت" میں بھی اس کا بیان ملتا ہے جس کی تخلیق ان واقعات کے کچھ بعد ہوئی۔ اس دور کے واقعات کے متعلق موخرالذکر مصنف نے جو حوالہ دیا ہے وہ مختصر ہے لیکن وقعت پر روشنی ڈالنے والا ہے۔ اس مصنف کی مدد کے بغیر واقعات کی صحیح ترتیب محض قیاس پر ہی مبنی رہتی، اور اس میں وہ یقینی صورت نہ پیدا ہوتی جو اس وقت ہے۔

ہم پانڈیوں کے بیان کردہ واقعات سے کہانی کو شروع کرتے ہیں[23] چولا نے چڑھائی کے لئے جو فوج بھیجی تھی اُسے پسپا کر دیا گیا اور گھمسان کی ایک لڑائی ہوئی جس میں چولا حکمران کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کے سپاہی گھوڑے اور ہاتھی کثیر تعداد میں مارے گئے۔ دشمن کے ملک کو اس کی اپنی ہی فوج کے خون سے سینچ دیا گیا اور اس

میں "کاڈڈی" بودی گئی۔ دشمن تاجدار کے حرم کی تمام عورتیں گرفتار کرلی گئیں۔ جن میں چولا حکمراں کی مہارانی بھی موجود تھی۔ جب پانڈیا تاجدار کا فاتحانہ جلوس چولا راجدھانی مڈی کونڈ شولا پورم میں داخل ہوا تو ان عورتوں کو پانی کے گھڑے اور شگون کی دیگر اشیاء اٹھا کر پانڈیا راجہ کے روبرو آنا پڑا۔ وہاں ایک "ویرے ابھیشیک" (فاتح کی تقریب تاجپوشی) منعقد کی گئی۔" گدیہ کرنامرت میں یہ کہانی یہاں سے شروع ہوتی ہے۔ اور ان واقعات میں جوڑ دی گئی ہے۔ جو ترڈ دینڈی پورم کے کتبے میں درج ہیں، اور جو یوں ہیں کہ:

چولا حکمران راج راجا پانڈیا تاجدار سے شکست کھا کر اپنی راجدھانی چھوڑ کر مع اپنے رفیقوں کے اپنے اتحاد کنتلا کے راجہ کے پاس جا رہا تھا۔ راستے میں اُسے کاڈوا حکمران نے جا لیا جس کے پاس جنگل کے سپاہیوں کا ایک ہراول دستہ تھا اور جو بیرونی ملکوں یعنی ملیچھ دیش کی افواج کے شمول کے باعث بہت طاقتور ہو گیا تھا۔ ایک لڑائی کے بعد چولا راجہ اور اس کے ساتھی گرفتار کر لئے گئے۔ یہ دشمن جو راج راجا پر ایک بلائے ناگہانی کی طرح نازل ہوا تھا۔ اپنی شاطرانہ چالوں سے شمبرا کا اوتار دکھائی دیتا تھا۔ اور اپنی عیارانہ ترکیبوں کے باعث مجسم فریب بنا ہوا تھا یہی دشمن راج راجا کو اپنے شہر جینت منگلا میں گھسیٹ کر لے گیا۔ جب نرسمہا کو یہ افسوسناک خبر ملی وہ اپنے دارالخلافے سے چند ہی دنوں میں روانہ ہو گیا۔ دریائے کاویری کے شمالی کنارے پر پہنچ کر اس نے شری رنگم کے نزدیک پڑاؤ ڈال دیا اور اپنے ونڈ ناتھوں کو مخالفوں کی سرکوبی کے لئے بھیج دیا۔ اس نے اپنے دوست چولا حکمران کو قید سے چھڑا لیا اور پانڈیوں سے خراج وصول کیا......

کوپیرن جنگا کا کردار

ترڈ دینڈی پورم کے کتبے میں ہوئسالہ ونڈ ناتھوں کی مہم خاصی تفصیل سے بیان کی گئی ہے اور کاڈو راجہ کی اصلیت بھی بتائی گئی ہے کہ وہ نامور سردار کوپیرن جنگا تھا۔ جس نے راج راجا پر حملہ کر کے اُسے قید میں ڈال دیا تھا۔ اور بعد میں رہا کر دیا تھا سنسکرت میں اس کا نام جبار جہ سمہا تھا۔ یہ سردار اس عہد کی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ تامل اور کنڑ بولنے والے خطوں سے جو دوسرے کتبے ملے ہیں۔ وہ بھی ان باتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔

وردھاچلم سے دستیاب شدہ راج راجا کے چودھویں سالِ حکومت سنہ 1023ء کے
ایک کتبے سے پتہ چلتا ہے[19] کہ کوپیرُدن جنگا بالغ ہو چکا تھا اور پہلے سے ہی کاڈوا راجاؤں
میں ممتاز اور مشہور تھا۔ نیز یہ کہ کاڈوا راجگان خواہ برائے نام ہی سہی۔ پھر بھی چولا تاجداروں کی برتری
کو تسلیم کرتے تھے۔ اس کتبے میں کوپیرن جنگا کے الگم بڈی مدلیوں میں سے ایک دیئے گئے
عطیے کا اندراج ہے ترُڈوینڈی پورم کے کتبے کا آغاز چند ایسی باتوں سے ہوتا ہے جو کہ یہ
کرنامرت" نامی ڈرامے میں مذکور ہیں۔ اور جو کوپیرن جنگا کی بداعمالیوں کو جو نرسمہا کے کانوں
تک پہنچی تھیں اور ابھی تک مرچ لگا کر بیان کرتی ہیں۔ کیونکہ یہاں جو کچھ بتایا گیا ہے اس کے
مطابق اس نے نہ صرف چولا شہنشاہ (شولا چکرورتی) کو سیندامنگلم میں گرفتار کیا تھا۔ بلکہ
اپنی افواج کو چولا ریاست کی تباہی اور غارت گری پر اور اس ریاست کے مندروں کی بے
حرمتی کرنے پر مامور کر دیا تھا۔ ان مندروں میں دشنو ستھان بھی شامل تھے اور یہ نسل
خاندان والے کنڑ دیشنو تھے۔ کتبے کے بیان کے مطابق نرسمہا دور سمدرا سے
یہ کہہ کر روانہ ہوا تھا کہ وہ اپنا بگل (کالم) اس وقت تک نہیں بجنے دے گا جب تک وہ چولا
شہنشاہیت کے محافظ (چولامنڈل پرتشٹھاچاریہ) کی حیثیت سے پھر اپنا سکہ نہیں جمالے
گا۔ راستے میں اس نے مگرا ریاست تباہ کر دی[27] جس کا بلاشبہ پانڈیا اور کاڈوا راجاؤں
سے اتحاد تھا۔ اس نے پاچور کے مقام پر پڑاؤ ڈالا جو کولرون سے دو میل شمال کی
جانب شری رنگم کے مقابل واقع تھا۔ اپنے پڑاؤ سے نرسمہا نے اپنا سمدر گوپیا نامی دو
ڈنڈ ناٹگوں کو یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ وہ کوپیرن جنگا کی ریاست کی اینٹ سے اینٹ
بجا دیں اور چولا شہنشاہ کو دوبارہ تخت پر بٹھا دیں۔ چنانچہ دونوں سپہ سالاروں نے
کوپیرن جنگا کے زیرِ نگیں مقامات ایلیری اور کلیور مولائی کو تاخت و تاراج کیا اور شولا
کون کے زیرِ نگیں شہر تولدکیور کو بھی برباد کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ موخر الذکر کوپیرن جنگا کے
نائبوں میں سے ایک تھا۔ انہوں نے شہنشاہ راج راجا اور لنکا کے حکمران پراکرم باہو
کے کچھ مُدلیوں کا کام تمام کر دیا کیونکہ یہ مُدل دشمن کے ساتھ مل گئے تھے۔ چدمبرم کے
دیوتا کی عبادت کر کے انہوں نے اور بہت سے مقامات کو تباہ و برباد کر دیا۔ مثلاً لونڈا
ملنلور، ترڈوودی اور ترڈوکرائی جو دریائے وار نواسی (گڈلم) کے جنوب میں اور شیندا
منگلم کے مشرق میں واقع تھے۔ اور فصلوں کو آگ لگا کر[28] عورتوں کو گرفتار کر کے اور

لوگوں کو لوٹ مار کر وہاں کے باشندوں کے دلوں میں دہشت بٹھا دی بالآخر انہوں نے سینداسنگلم کے محاصرے کی تیاری کی۔ اب کوپیرُن جنگا نے نرسمہا کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ چولا شہنشاہ کو رہا کرنے اور اسے تخت پر بحال کر دینے پر آمادہ ہے۔ نرسمہا نے اس کی اس پیشکش سے اپنے کمانڈروں کو مطلع کر دیا۔ تب انہوں نے احترام کے ساتھ چولا شہنشاہ[9] کو اپنے ساتھ لیا اور اُسے اُس کے ملک تک پہنچا کر واپس آئے۔

ترُوویندی کتبے کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ کتبہ اسی گاؤں میں کندہ ملا ہے کیونکہ یہی وہ مقام تھا جہاں ہوئسالا جرنیل چولا شہنشاہ راج راجا سوم کے دوبارہ تخت نشین ہونے کے بعد اُس سے رخصت ہوئے تھے[29]۔ اس کتبے میں جتنے دیہاتوں کا ذکر آیا ہے۔ وہ سب ضلع جنوبی ارکاٹ میں ہیں لیکن یہ امر واضح نہیں ہے کہ لنکا کا تاجدار پراکرم باہو دوم تو قرار نہیں دیا جا سکتا جو 123[illegible]ء میں تخت نشین[30] ہوا تھا کیونکہ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ پراکرم باہو 123[illegible]ء میں اپنی زندگی گنوا بیٹھا تھا۔ وہ غالباً لنکا کے شاہی خاندان کا کوئی اور شہزادہ ہوگا۔ شاید ملیچھ اور وئیدلیشک رہے ہوں، جن سے، جیسا کہ، گدیہ کرنامرت میں بتایا گیا ہے۔ کہ پیرُن جنگا نے لڑائی میں مدد لی تھی۔

دیگر کتبات بھی ان واقعات کی تصدیق کرتے ہیں اور ایک طرح سے ترُوویندی پورم کے کتبے کی فراہم کردہ معلومات میں اضافہ بھی کرتے ہیں۔ اس میں سے ایک کے مطابق اپنا اور گوپیانے کا ڈورا پار حملہ کر کے اور چولا شہنشاہ کو رہا کر کے نرسمہا نے سماج تحسین حاصل کیا تھا[31]۔ 1232ء کے کندہ شدہ ایک اور کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضلع تنجور میں نیڈور کے گردونواح کا علاقہ پہلے کوپیرُن جنگا کے زیرِ حکومت ہوا کرتا تھا یہ کتبہ یہ بھی بتاتا ہے کہ اس وجہ سے کاشتکاری کے قوانین میں ترمیم کرنے کی ضرورت[31الف] پڑی تھی۔ ضلع شمالی ارکاٹ میں وائیلور کے مقام سے دستیاب ہونے والے ایک کتبے[32] میں جس پر تاریخ نہیں دی گئی ہے، درج ہے کہ کوپیرُن جنگا عرف الگیا شنیا نے تیلاڑو کے مقام پر جو کانچی سے تیس میل جنوب میں واقع تھا۔ چولا شہنشاہ کو شکست دی۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کا ذکر اور کہیں نہیں ملتا۔ آگے بتایا گیا ہے کہ اس نے چولا راجہ اور اس کے وزراء کو قید کر کے چولا ریاست پر قبضہ کر لیا۔ ایک مختصر سی نثری عبارت کے بعد جس میں یہ باتیں بتائی گئی ہیں۔ مختلف بحروں میں پانچ اشعار کو پیرُن جنگا کی بہادری

کی تعریف میں دیئے گئے ہیں جن میں نہ تو چولا تاجدار کی رہائی کا ذکر ملتا ہے۔ اور نہ ہوئسالا سپہ سالاروں کی کامیابی کا۔ بلکہ صرف کرناٹوں کی شکست اور کوپیرن جنگا کے کارہائے نمایاں کا حال درج ہے جسے "اونی نارائنا" "نرپتنگا" اور "تونڈئی اور ملئی کا حکمران کہہ کر بھی پکارا گیا ہے۔ اس کے سنسکرت کے کتبوں میں بھی انہیں واقعات کو بھی دہرایا گیا ہے[23] کوپیرن جنگا اور ہوئسالا حکمران کے درمیان لڑائیاں جاری رہیں اور یہ بات اس طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ویر سومیشور نے کاڈوا راجہ کے خلاف ایک مہم کے دوران دمکھا برس (1236ء عیسوی) میں اپنا پڑاؤ ڈالا تھا[24]

پانڈیا کی ہار

ادھر نرسمہا کے جرنیل کوپیرن جنگا اور چولا حکمران کے متعلق جاری کردہ اس کی ہدایات کی تعمیل کر رہے تھے۔ اور ادھر نرسمہا خود پانڈیوں پر فوج کشی میں مصروف تھا "گدیہ کرنامرت" میں یہ دعوے کیا گیا ہے۔ کہ نرسمہا نے پانڈیا حکمران سے خراج وصول کیا معلوم ہوتا ہے کہ پانڈیا اور ہوئسالا حکمران کے مابین فیصلہ کن معرکہ دریائے کاویری کے کنارے مہندرا منگلم کے مقام پر ہوا[25] ہرن ہلی میں ایک کتبہ ملا ہے[26] جس میں مذکور ہے کہ نرسمہا نے پانڈیا حکمران کے خلاف فوج کشی کی غرض سے رودی نندان کوپا کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تھا۔ کتبے میں لکھا ہے کہ سمندر گرج گرج کر پانڈیا کو نصیحت کر رہا تھا کہ ہر چیز ہوئسالا کے حوالے کر دو اور اس کے غلام بن کر امن سے رہو۔ چند دیگر ہوئسالا کتبے بتاتے ہیں کہ اس مہم کے دوران یا اس کے جلد بعد وہ رامیشورم تک پہنچ گیا تھا[27] لیکن پانڈیا کتبات میں ایسا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ماڑور من سندر پانڈیا اوّل کی پرشستی میں چولا تاجدار پر اس کے دوسرے حملے کا حال "وجے ابھشیک" (جشن فتح) پر ختم ہو جاتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہاں حقیقت پوری طرح بیان نہیں کی گئی ہے۔ کیونکہ اس میں پانڈیا حملے سے مجبور ہو کر راج راجا کے تخت چھوڑ دینے کے بعد دوبارہ تخت نشین ہونے کا ذکر نہیں ہے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔ کہ دوسری مرتبہ بھی خود مختار چولا حکومت کے خاتمے اور چولا علاقے کے پانڈیا سلطنت میں ادغام کو روک کر ہوئسالا نے جنوبی ہند کی ریاستوں کے درمیان طاقت کا توازن برقرار رکھا۔ ان جنگی مہمات کے خاتمے پر جو سیاسی تصفیہ

چولا ناجھا کے حق میں ہوا۔ اس پر مختلف خاندانوں کے درمیان ازدواجی رشتوں نے مہرِ استحکام ثبت کردی۔ ویرزسمبا کے بیٹے ویرشومیشورا کو ماڑورمن سُندر پانڈیا اول کے جانشین اور راج راجا سوم کے جانشین دونوں ہی برابر مامڈی کہتے تھے [38]

چولا اقتدار کی حالت

راج راجا نے اپنے عہدِ حکومت کا باقی حصہ بغیر کسی خاص مشکل یا پریشانی کے آرام سے گذرا۔ اس کے کتبات شاہد ہیں کہ اپنے عہدِ حکومت کے بیشتر حصّے میں اس کی برائے نام حکمرانی عملی طور پر چولا سلطنت کی ان حدود تک تھی جو کلوتنگا سوم کی وفات کے وقت تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ کتبات سے یہ بھی واضح ہے کہ چولا طاقت کا انحصار ہوئسالوں کی مدد پر روز بروز بڑھتا جارہا تھا اور مقامی بغاوتوں اور سلطنت کے جاگیرداروں کی جانب سے مرکزی طاقت کو نظر انداز کرنے کے واقعات میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرکزی حکومت اور مقامی انتظامیہ کی ہیئت تو پہلے کی طرح قائم تھی لیکن حکومت کی قوتِ عاملہ میں جو ہندو ریاستوں میں یوں بھی کچھ زیادہ نہیں ہوتی تھی (گو چولا حکومت اس سے کچھ حد تک مستثنیٰ تھی) اب زوال کے آثار صاف نظر آرہے تھے ۔1229ء میں [9] راجندر کو ولی عہد تسلیم کرلیا گیا تھا جیسا کہ اس کے کتبوں میں مندرج تاریخوں سے ظاہر ہے۔ راج راجا خود تقریباً 1260ء تک بقیدِ حیات رہا[9] (الف)

راج راجا دوم کے اگر زیادہ نہیں تو تینسویں سالِ حکومت تک کے کتبات موجودہ سلیم، چتور، کڈاپہ اور نیلور کے اضلاع میں ملتے ہیں۔ اس کے جانشین راجندر سوم کے کتبات بھی قریب قریب اسی خطّے میں پائے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ چولا تسلّط اس عہد میں اس سارے خطّے پر بدستور قائم تھا لیکن اس تسلّط کی حیثیت صرف روایتی رہ گئی تھی جو اپنی حقیقت کھوچکنے کے بعد بھی کچھ عرصہ تک قائم رہا تھا۔ اس عہد کے کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطنت کی مرکزیت ختم ہوچکی تھی۔ اور اس کے خلاف سازشیں کرنے اور بغاوتیں برپا کرنے کی وبا عام ہو رہی تھی۔ دوسروں کے خلاف جارحیت اور اپنے تحفظ دونوں اغراض کے لئے مقامی جاگیرداروں میں آپسی معاہدوں کے رواج پا جانے کا ہم پہلے ہی جائزہ لے چکے ہیں۔ یہ معاہدے مرکزی حکومت کو یکسر نظر انداز کرکے کئے

باتے تھے۔ راج راجا کے عہد کے آغاز تک تو یہ رواج چولا حکومت کے مرکز تک پہنچ چکا تھا یک ایسی مثال بھی موجود ہے[9] کہ خود ضلع تنجور میں تین جاگیرداروں نے راجہ کے تیسرے سالِ حکومت (۱۲۱۹ء) میں اسی نوع کا ایک باہمی معاہدہ کیا۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ راج راجا کی حکومت کا اس معاہدے سے کسی قسم کا کوئی تعلق تھا۔ سوائے اس کے کہ جس کتبے میں اس معاہدے کا اندراج ہے۔ اس پر راج راجا سوم کے سالِ حکومت کے حساب سے تاریخ ڈالی گئی ہے اور اس معاہدے میں شریک ہونے والوں کی طرف سے چولا شہنشاہ کے ساتھ وفاداری کا اظہار کیا گیا ہے۔ ایک اور تنازعے کی مثال ۱۲۳۲ء کے ایک کتبے سے ملتی ہے جو ترذیبی تلور میں ملا ہے[9]۔ یہ تنازعہ فریقین کے درمیان عرصہ تک چلتا رہا۔ اور ان میں ایک ازدواجی رشتہ قرار پا جانے پر ختم ہوا اس تنازعے اور اس کے بعد ہونے والے سمجھوتے میں فریقین گا کاڈورایا اور چیدی رایا حکمران تھے۔

انتشار اور حکومت کی کمزوری

بغاوتوں کے واقعات کا ہم کو براہِ راست شہادتوں سے کوئی علم نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا پتہ کچھ کتبوں کی بالواسطہ شہادتوں سے چلتا ہے جن میں اُن اراضیات اور دیگر املاک کے نیلام کا اندراج ملتا ہے جو حکومت نے باغیانہ سرگرمیوں کی پاداش میں ضبط کر لی تھیں۔ البتہ حکومت کے خلاف کئے جانے والے ان جرائم کی، جن کے نتیجے میں یہ سزائیں دی گئیں۔ بالکل صحیح نوعیت کا پتہ لگانا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اُنکے متعلق کسی تفصیل کا علم ہونا ممکن ہے، اگرچہ اس طرح کی بغاوتیں دوسرے چولا حکمرانوں کے عہد میں بھی ملتی ہیں۔ لیکن راج راجا کے زمانۂ حکومت میں ایسے واقعات کی تعداد غیر معمولی طور پر زیادہ بتائی گئی ہے اور یہ قیاس صحیح ہوگا کہ جزدی طور پر یہ سب ملک کے غیر یقینی حالات اور مرکزی حکومت کی طاقت اور اہلیت میں کمی کے سبب سے ہوا۔ شمالی ضلع تنجور میں شہنشاہ کے آٹھویں سالِ حکومت کے تین سو ستر دیں دن[10] ایک کھلا نیلام[9] راج راجا پرم دلی میں کیا گیا جس میں اس مقصد کے لئے خاص طور پر منتخب شدہ سرکاری افسران نے کچھ باغیوں اور ان کے رشتہ داروں کی اراضیات فروخت کیں اور اُن سرکاری ملازموں اور غلاموں کو بھی جو بغاوت میں شامل تھے۔

(درو ہنگو اتپا تارم) ایک کتبے میں جو ولی ولم ضلع تنجور سے[43] ملا ہے لکھا ہے کہ 1230ء میں آٹھ شاہی افسران پر مشتمل ایک کمیشن نے 33 ہزار کاشو" اسی طرح کی اراضیات فروخت کرکے حاصل کئے۔ یہ زمینیں اُن لوگوں سے ضبط کی گئی تھیں جو راجہ کے خلاف ہو گئے تھے۔ (درو ہی گلاپ پلر نیم کانی ماٹن نیلم" اس کے بعد کوئل تروما لم میں[44] راجہ کے بیسویں سالِ حکومت کے 348 دیں دن ایک ضبطی کا حکم جاری ہوا لیکن اس پر عمل درآمد اس سے اگلے برس کے 80 دیں دن یعنی تین ماہ کے وقفے کے بعد کیا گیا اور اس طرح کی پانچ ویلی "اور چار ما" اراضی کی فروخت سے سرکاری خزانے میں 1000 کاشو کی آمدنی ہوئی شو پوزم ضلع تنجور کے تینسویں سالِ حکومت کے ایک کتبے سے[45] بغاوتوں کی کچھ اگلی مثالوں کی تفصیلات ملتی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ "راج راجا درو ہم" کے الزام کا مطلب وہ نہیں ہے کہ جو عام طور پر پہلی نظر میں سمجھا جاتا ہے یعنی سیاسی بغاوت، بلکہ اس کو شورش اور مسلسل حکم عدولی کے معنوں میں لینا چاہئے۔ اس مخصوص واقعے میں دو شو برمبولی (مندر کے پجاریوں) کو بہیشوروں (مذہبی مجلس) نے اور "اور" نے "راج درہم" (راجہ کی مخالفت) اور شودردہم (بھگوان شو سے سرکشی) کے جرائم کی سزا دی۔ کتبے میں بتایا گیا ہے کہ ملزموں نے دیوی کے زیورات ایک فاحشہ عورت کے حوالے کر دئے۔ اور اپنی تحویل میں موجود مندر کی رقومات کو خرد برد کیا۔ اپنے زیرِ قبضہ اراضیات کا لگان دینے سے انکار کر دیا اور دیگر کئی طرح سے بد اطواری کا ثبوت دیا۔ انہوں نے راجہ کے بھیجے ہوئے ایلچیوں کو مار پیٹ کرکے اور پانی میں غوطہ دے کر اُن سے بدسلوکی کی۔ بتایا گیا ہے کہ انہوں نے کنتاڈیوں کے ذریعے ناقابلِ بیان گناہ کئے اور پچاس ہزار سکے اکھٹے کئے۔ یہ ایک طرح کے غیر ذمہ دارانہ مقامی ظلم و ستم کا نمونہ تھا۔ کنتاڈیوں کا ذکر جو یہاں سے آیا ہے۔ وہ خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کیونکہ یہ چولا سلطنت میں ہولسالکی مداخلت کے ایک اتفاقیہ نتیجے کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے آدمی اُن دنوں موجود ہوا کرتے تھے جنہیں مقامی آبادی سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی تھی اور جو کسی بھی بدمعاش کے احکام کی تعمیل کے لئے آمادہ رہتے تھے۔ جو انہیں اس کی اجرت ادا کرنے کا مقدور رکھتا ہے۔ ضلع تنجور کے مقام ترڈ دینکاڈ سے اس طرح سرکشی کے جرم میں جائداد کی ضبطی کی ایک اور مثال ملتی ہے[46] جیسا کہ ترد مندرا ادلی نام سے

ظاہر ہے۔ یہ مثال راج راجا سوم ہی کے عہد کی ہے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ یہ سب مثالیں چولا سلطنت کے مرکزی خطے ہی میں ملتی ہیں اور اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ انتظامیہ کے قدم اب بس تھوڑے سے خطے میں بھی ڈگمگا رہے تھے، جس میں سرحدی علاقوں میں بڑے جاگیرداروں کے اپنی خود مختاری کے اعلان سے سلطنت کی حدود گھٹ کر رہ گئی تھیں۔

ہوئسالہ

ہوئسالا کی مداخلت نے چولا سلطنت کو اس سے کہیں زیادہ طویل زندگی عطا کردی تھی جتنی کہ پانڈیا حکمران سے اس کو ملتی۔ لیکن سانس لینے اور سنبھلنے کا یہ وقفہ بغیر قیمت ادا کئے حاصل نہیں ہوا۔ چولا ریاست کے معاملات میں ہوئسالا راجاؤں اور جرنیلوں نے جو حصہ لیا اس کا خود چولوں کے کتبات کی روشنی میں یہاں جائزہ لینا کارآمد ہوگا۔ تردد ڈتورئی سے جو ضلع جنوبی ارکاٹ کے وردھاچلم تعلقہ میں واقع ہے، دستیاب شدہ ایک کتبے میں جو چولا شہنشاہ کے دسویں برس (1229ء کا ہے[97] بتایا گیا ہے کہ ہوئسالا راجہ نرسمہا دیوا نے ملک کو تاخت و تاراج کردیا تھا۔ اور وہ اس گاؤں کے مندر سے کچھ عرصہ قبل مورتیاں اٹھا کر لے گیا تھا۔ اس کتبے میں یہ بھی درج ہے کہ مندر میں کیسے پھر سے مورتیاں رکھی گئیں۔ اس کتبے کی تاریخ دیکھنے کے بعد یہ امکان باقی نہیں رہتا کہ اُن کارروائیوں کو اپنا اور سمُدر گوپیا کی جنگی مہم سے، جس کا تذکرہ ترُوِویندی پورم کے کتبے میں ملتا ہے[98] منسوب کیا جائے۔ یہ بات ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ نرسمہا نے اس سے قبل بھی پانڈیا کے پہلے حملے کے وقت غالباً چولا حکمران کا ساتھ دیا تھا اور اس نے پانڈیا حملہ آور کے اتحادی کاڈوا حکمران پر چڑھائی کی تھی[99]۔ تردد ڈتورائی غالباً ان دنوں کاڈوا راجہ کے قبضہ میں تھا اور اس نے دشمن کی ریاست کا حصہ ہونے کی وجہ سے ہوئسالا کے ہاتھوں نقصان اٹھایا ہوگا۔ کاڈوا حکمران کو مجبور ہو کر ایک بار پھر چولا کی بالادستی تسلیم کرنی پڑی اور جب امن وامان بحال ہوگیا تو جنگ میں جو نقصانات ان کو پہنچے تھے۔ ان کا ازالہ کرنے کا عوام کو موقع ملا۔ ان دنوں کانچی میں ہوئسالا کی افواج (بھیڑ بڈوں) کی موجودگی

کی تصدیق کچھ عطیات سے ہوتی ہے ڈور سمدرا کے سردار بھوت دنیا نائک کی بیٹی باچلا دیوی[52] نے اتی پورا آلوار کو ایک چراغ کا عطیہ دیا تھا۔ ایک اور چراغ بہا پردھانی امنا دنڈ نائک[53] نے اور پھر 1221ء میں ایک پورا گاؤں گو پتیا دنڈ نائیک[54] نے دان میں دیا۔ کچھ مدت بعد سومیشورا کے ایک پردھانی نے جو نرسمہا کا بیٹا اور جانشین تھا۔ کانچی میں ایک عطیہ دیا[55]

چولا سلطنت کے دیگر حصوں میں ہوئسالوں کے اثر و اقتدار کی تصدیق کچھ اور عطیات سے ہوتی ہے۔ نرسمہا کے تعینات کردہ ایک پردھانی ولئیا دنڈ نائک نے ترڈمالواڈی میں[56] اور نرسمہا کی مہارانی سوملا دیوی کے ماتحت عملے کے ایک رکن نے ترڈگو گرنم[57] میں ایک عطیہ دیا[58] 1239ء میں ولیا کو کانچی پورم میں ایک اور عطیہ دیتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ جب وہ سومیشورم پردھانی کہلاتا تھا[59]

اصل میں 1220ء کے آس پاس جب ہوئسالوں نے چولوں اور پانڈیوں کی باہمی چپقلش میں چولوں کا ساتھ دینا شروع کیا۔ اس وقت سے وہ چولا اور پانڈیاں دونوں ریاستوں میں اپنی حیثیت اور اثر کو برابر بہتر بناتے رہے۔ ظاہر ہے کہ وہ پورے جنوبی ہند پر ایک طرح اپنا قائم اقتدار کرنا چاہتے تھے۔ اور اس کچھ حد تک تھوڑے عرصہ کے لئے۔ یعنی تیرہویں صدی کی دوسری چوتھائی میں، کامیاب بھی ہوگئے۔ چولا حکمران کی بقا کا انحصار چونکہ خود ہوئسالوں کی امداد پر تھا۔ اس لئے وہ اس حالت میں نہیں تھے۔ کہ ان کی ملک گیری کی ہوس کی مدافعت کرسکیں یہاں تک کہ پانڈیوں نے بھی ہوئسالوں سے صلح مول لینے کے لئے اپنے کو مجبور پایا۔ اور اُس کی قیمت یوں چکائی کہ خاموشی سے اُن کی برتری کو تسلیم کرلیا۔ ہم اس بات کی جانب توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ اس عہد کے پانڈیا کتبات میں ہوئسالا راجاؤں اور جرنیلوں کا ذکر بار بار آیا ہے[60] بالخصوص پڈوکوٹہ کے دو کتبوں میں[61] جو لگ بھگ 1245ء کے ہیں اور جن میں ہوئسالہ ویر سومیشورا کے ایک سپہ سالار روی دیوا کے کانا ناڈو کی تسخیر کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس صدی کے وسط کے بعد جب اس دور کے سب سے عظیم پانڈیا حکمران جٹا ورمن سندر پانڈیا کا عروج شروع ہوا۔ تو ہوئسالا اقتدار کی توسیع میں رکاوٹ آئی۔

راج راجا سوم کے جاگیردار

اپنی تمام ترکمزوری کے باوجود چولا طاقت کی خود مختاری اور ایک وسیع سلطنت پر اس کے اقتدار اعلٰے کا بھرم راج راجا کے طویل عہدِ حکومت کے آخر تک بدستور قائم رہا۔ یہ بات اس کے سالِ حکومت کے حساب سے لکھے ہوئے کتبات سے واضح ہو جاتی ہے اور ان کتبات سے بھی جو اس کے کچھ ماتحت جاگیرداروں سے لکھوائے تھے جو اس وقت خود کو چولا شہنشاہ کا اطاعت گذار تسلیم کرتے تھے بدنام کوپیرُن جنگا تک اس سے مستثنےٰ نہیں تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس سردار کی چولا آقا کی غلامی کا طوق اتار پھینکنے کی کوشش سنہ 1210-11ء میں ویر نرسمہا کی مداخلت کی بدولت ناکام بنا دی گئی تھی۔ تاہم کوپیرُن جنگا کے کتبات یہ بتاتے ہیں کہ اس کی زندگی طویل اور طوفانی رہی تھی۔ اور اس دور کی سیاسی ابتری کے درمیان اس نے آسانی سے ایک کم و بیش خود مختار حکمران کا مقام حاصل کر لیا تھا۔ پڑوسی ریاستوں کے ساتھ اس کی اپنی علیحدہ پالیسی رہی۔ اس نے کتبات میں اپنی حکومت کے سالوں کا شمار سنہ 1243ء سے کیا ہے اور اس کے کتبات بھی اسی حساب سے ایک مسلسل لڑی کی شکل میں اس کے چھتیسویں سال (سنہ 1279ء) تک چلتے ہیں یعنی اس دور کے تقریباً آخر تک جس پر ہم اس وقت بحث کر رہے ہیں۔ یہاں اس کی زندگی کا جائزہ لینے کی ضرورت نہیں۔ ہوئسالوں اور کاکتیوں کے ساتھ اس کی لڑائیاں، جن کی برتری کے آگے شمال میں تسلیم کرنی پڑی؟ اس کی راجدھانی سیندامنگلم پر جٹاورمن سندر پانڈیا کا حملہ، عطیات جو اس نے تنجور سے دراکشا راما اور تریپرانتکم تک خطے میں مختلف مقامات پر دیئے یا جو تعمیرات کیں۔ یہ سب اصل میں چولا تاریخ کا حصہ نہیں ہیں۔ لیکن یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ سنہ 1246-47ء تک اگر ہم خود کوپیرُن جنگا کو نہیں تو اس کے کارندوں اور رشتہ داروں کو راج راجا سوم کی برتری تسلیم کرتے ہوئے دیکھتے ہیں؟ دوسرے اطاعت گذاروں میں ہم تیلگو چوڈا راجاؤں پر سب سے پہلے نظر ڈالیں گے۔ ان کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ اس دور میں جو تیلگو چوڈا راجگان برسرِ اقتدار رہے تھے۔ ان میں سرکردہ ترین یہ تھے منما سدھ راسا جس کا لقب چالوکیہ نارئنا تھا

اور جس نے سنہ [illegible]ء میں کانچی پورم میں شو کے مندر کو ایک عطیہ دیا تھا[61] مدھرانتک کا پوتی چولا لرڑھو سیدتھ راسا جس کے افسروں اور رشتہ داروں کے عطیات کا اندراج راجا کے پانچویں سال سے لے کر گیارہویں سالِ حکومت تک کے ان کتبات میں ملتا ہے جو کانچی پورم اور نیلور میں ہیں[62] ملما دیوراسا اور پڑولیارانسا جن کا ذکر ضلع چتوڑ سے ملنے والے راج راجا کے چھٹے اور آٹھویں سال حکومت کے کتبوں میں ملتا ہے[63] اور خود عظیم تکا اوّل جس کا ذکر گنڈگو پالا کے لقب سے راج راجا کے بہت سے کتبوں میں کیا گیا ہے جن میں اس کی مہارانی اور سرکاری افسروں کا ذکر بھی ساتھ ساتھ ہے[64] اسی طرح ہمیں متعدد یادو رایاشامبورایا اور چیدیارایا حکمرانوں کے نام چولا شہنشاہ کے اطاعت گزاروں کی صف میں ملتے ہیں بالخصوص راج راجا کے عہد کے ابتدائی سالوں میں ان جاگیرداروں کے نام اس عہد کے کتبات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں یہاں دوہرانا ضروری نہیں۔ تاہم چولا سلطنت کے زوال کی تاریخ میں یہ بات اہمیت رکھتی ہے کہ راج راجا کے عہد میں اتنے عرصہ تک ان نامور مقامی جاگیردار خاندانوں کی اتنی کثیر تعداد چولوں کی اطاعت کو بدستور تسلیم کرتی رہی۔ کچھ ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بان دیڈمبا نلمبا اور گنگا نسلوں کے جاگیردار بھی انہی اطاعت گزاروں کے زمرے میں تھے ہم اس امر کا پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں۔ کہ کانچی پورم کا رودرا اور دیگر مقامات پر دیئے گئے عطیئے کی یادگار کندہ کرواتے وقت ہوئسالا جرنیلوں نے بھی راج راجا کے سن جلوس سے کام لیا کہ سنہ 1246ء یعنی راج راجا کے بیسویں سالِ حکومت میں کانچی پورم میں دیئے ہوئے ایک عطیئے کی یادگار کندہ کرواتے ہوئے کالنگا حکمران انینگا بھیم دیوما ہثت نے بھی یہی سنہ جلوس استعمال کیا ہے[66] ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ابھی تک عوام کے ذہنوں پر چولا سلطنت کی زبردست گرفت تھی، حالانکہ راج راجا سوم کی نااہلی اور بزدلی کے باعث سلطنت بہت بڑے حادثات و مصائب سے دوچار ہو چکی تھی۔

راجندر کی حیثیت جیسا ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، راجندر جسے سنہ 1226ء میں ولی عہدِ سلطنت تسلیم کر لیا گیا تھا، راج راجا سوم

کے مقابلہ میں ایک زیادہ قابل شہزادہ تھا۔ اس کے کتبوں میں ایک سنسکرت زبان کی پرشستی شامل ہے جس میں اُس کی اُن کوششوں کا تذکرہ ہے جو اس نے اس غرض سے کی تھیں کہ راج راجا کی نااہلی کے باعث چولوں نے جو اپنی قدیم طاقت اور وقار کو کھو دیا تھا، کم از کم وہ جزوی طور پر بحال ہو جائے۔ جانشین سلطنت کے طور پر راجندر کا حق تسلیم کرلئے جانے کے چودہ برس بعد تک راج راجا برائے نام حکومت کرتا رہا۔ لیکن اس میں قطعاً کوئی شبہ نہیں کہ اس تمام عرصے میں بلکہ اُس سے بھی چند برس پہلے سے اصل طاقت اس کے زیادہ قابل رفیقِ کار کے ہاتھوں میں رہی۔ راج راجا کے عہدِ حکومت کے آخری سالوں میں اس کے کتبوں کی تعداد گھٹتی چلی گئی ہے۔ اور جس علاقے میں وہ ملتے ہیں اُس کا دائرہ بھی تنگ ہوتا چلا گیا ہے بالخصوص اس کے چونتیسویں سالِ حکومت کے بعد جب وہ صرف موجودہ شمالی ارکاٹ اور نیلور کے دو اضلاع ہی میں دستیاب ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس انہیں برسوں کے راجندر کے کتبات مقابلتاً زیادہ کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ اور چولا سلطنت کے تقریباً تمام حصّوں میں دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ محض اتفاقیہ بات نہیں تھی[1] کہ یہ قطعی فیصلے کا نتیجہ تھا جس کی بدولت راج راجا کی سیاسی نااہلی کے مہلک اثرات کا سدِّباب کیا گیا تھا۔ اس امر کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ اور نہ ان باتوں کا کوئی ثبوت ہے۔ کہ سلطنت کا کوئی رسمی بٹوارہ ہوا تھا یا کہ راجندر اور راج راجا کسی خانہ جنگی میں مشغول رہے تھے۔ راجندر نے راج راجا کو قتل کر دیا؟[6]

راجندر کی کامیابی

یہ بات مشکوک ہے کہ راجندر کی پرشستی میں تاریخی واقعات کا اندراج اسی ترتیب سے ہوا ہے یا نہیں جس ترتیب سے وہ وقوع پذیر ہوئے۔ اور چونکہ پرشستی راجندر کے ساتویں سالِ حکومت (1253ء) کی ہے[67 الف] جب راج راجا ابھی بقیدِ حیات تھا۔ اس لئے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ کہ اپنے ولی عہد مقرر ہونے کے چند برسوں کے اندر اندر، راجندر نے چولا سلطنت کے اقتدار کی بازیابی میں کافی کامیابی حاصل کرلی تھی۔ ہوئسالہ حکمرانوں کے کتبوں کی شہادت سے یہ بات اغلب

معلوم ہوتی ہے کہ اس نے 1246ء سے پہلے ہی اس کام کا آغاز کر دیا تھا پرشستی میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ راجندر نے چولا طاقت کی توہین کا بدلہ لے لیا اور اپنی شجاعت کی بدولت اس نے راج راجا کو تین برسوں تک دو تاج پہنائے رکھے؟ بعض کتبوں میں اسی پرشستی میں یہ بھی لکھا ہے کہ پانڈیا راجاؤں کے سروں کو قلم کرنے میں راجندر طاق تھا؟ تریپرانتکم سے دستیاب شدہ ایک کتبے میں جو راجندر پندرہویں سال کا ہے۔ ایک زیادہ سنجیدہ دعوے کیا گیا ہے یعنی "اِرَدَر پانڈیار مڈنلئی کونڈر ولنا" یہ بھی بتایا گیا ہے کہ راجندر نے پانڈیا ریاست میں لوٹ مار کی۔ یہ واضح ہے کہ راجندر کو پانڈیوں کے خلاف کچھ کامیابی حاصل ہوئی۔ اور دوسرا تاج جو چولا شہنشاہ کو عطا کرنے کا اس نے دعویٰ کیا ہے وہ پانڈیا کا تاج تھا؟ پانڈیوں نے بیس برسوں میں دو مرتبہ چولا ریاست میں قتل و غارت اور آتش زنی کا بازار گرم کیا اور انہیں کی بدولت کوپیرن جنگا کی بغاوت اور اس کے ذریعہ راج راجا کی گرفتاری عمل میں آئی۔ لہٰذا ان پر وار کرنے میں پہل کرنے کے لئے راجندر کی بے تابی ایک قدرتی امر تھی لیکن اس کا موقع اسے کب میسر آیا اور اس کی کامیابی کے نتائج صرف تین سال تک ہی کیوں قائم رہے۔ اور وہ دو پانڈیا حکمران کون تھے جنہیں راجندر کے ہاتھوں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ یہ بات قرینِ قیاس نہیں ہے کہ راجندر کو طاقتور ماڑ ورمن سندر پانڈیا کے مقابلے میں کوئی اہم کامیابی حاصل ہو سکی۔ لیکن اس وفات کے بعد 1251ء میں جٹاورمن سندر پانڈیا اوّل کی تخت نشینی تک کے وقفے میں پانڈیا سلطنت پر کمزور راجاؤں کی حکومت رہی۔ اور یہ ممکن ہے کہ ماڑ ورمن سندر پانڈیا دوم (سنِ تخت نشینی 1239ء) ہی وہ راجہ ہو جو کچھ عرصے کے لئے چولوں کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہو۔ دوسرے پانڈیا راجہ کی شناخت نہیں ہو سکی جو غالباً ماڑ ورمن سندرا دوم کے عہد سے منسوب کرنے میں حق بجانب ہیں کیونکہ اس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ایک کمزور حکمران تھا اور راج راجا کے عہد کے ابتدائی سالوں کی طرح اس پانڈیا راجہ کے عہد میں بھی معاملاتِ سلطنت پر ہوئسالوں کا بڑھتا ہوا اثر صاف نظر آتا ہے۔ اس کا سبب وہی ہو سکتا ہے، یعنی ہوئسالوں نے پانڈیا حکمران کو کسی زیادہ قوی پڑوسی دشمن کی جارحیت کے خلاف مدد دی ہوگی۔ میسور کے کچھ کتبوں میں ویر سومیشور کا ذکر "پانڈیا کل سمرکشن وکشن دکشا بھجا" (راجہ) کے نام سے کیا گیا ہے۔

یعنی وہ راجہ جس کا دایاں بازو پانڈیا کے خاندان کی حفاظت میں مشتاق ہے بتایا جاتا ہے کہ انہی دنوں میں سومیشور نے میدانِ جنگ میں راجندر کو ہرا دیا تھا لیکن جب اس نے پناہ مانگی تو اس نے اس کا تحفظ کیا۔ شاید یہی وہ واقعات ہیں جو راجندر کے کتبات میں پائے جانے والے بعض بیانات کی وضاحت کرتے ہیں[75]

وڈار نیم سے ملے ایک کتبے میں[76] لکھا ہے کہ راج راجا سوم کے چھبیسویں سالِ حکومت یعنی 1291ء میں سنگن ونڈنائک نے چولا ریاست کے ایک حصے پر حملہ کر دیا اور اس حملے کے باعث ایک مندر میں پوجا بند ہوگئی۔ کچھ مدت بعد مندر کی پچاس ہزار کاشو کی لاگت سے دوبارہ تقدیس کرنی پڑی۔ 1295ء کے ایک ہی مضمون کے دو کتبوں سے جو پڈوکوٹہ میں ملے ہیں[77] ظاہر ہوتا ہے کہ اس تاریخ سے چند برس پہلے ویر سومیشورا کی جانب سے اس کے ونڈنائک رودی دیونے کانا ناڈو کو تسخیر کر لیا تھا۔ اس طرح ہمارے پاس یہ ثابت کرنے کے لئے کافی شہادتیں موجود ہیں کہ راجندر کے برسرِ حکومت آنے کے بعد ہوئسالوں کے رول میں کافی تبدیلی آگئی جب راجندر کی قیادت میں چولوں میں ازسرِنو بیداری کے آثار نمودار ہونے لگے اور پانڈیا حکمران کمزور پڑنے لگے۔ تو ہوئسالوں نے چولوں کے خلاف پانڈیوں کی مدد کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا۔ ہوئسالوں کی ڈپلومیسی کا رجحان بالکل واضح تھا یعنی پانڈیوں اور چولوں کے مابین طاقت کا توازن برقرار رکھنا، ضرورت کے وقت ان سے مدد مانگنے کے لئے دونوں کی حوصلہ افزائی کرنا اور اس طرح جنوبی ہند کی ریاستوں کے نظام میں اپنے مقام کو برتر بنانا معلوم ہوتا ہے کہ راجندر کو تین برس بعد پانڈیوں پر اپنی برتری کے تمام دعووں سے دست بردار ہونا پڑا۔ اس تین سال کی مدت میں اکثر علاقوں میں اس کو سخت لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ لیکن اس کے متعلق تفصیلات ہمارے علم میں نہیں آئی ہیں[78]

چوڈاینگا

چولوں نے پانڈیوں کے ساتھ جو حکمت عملی اپنائی اس سے سومیشور کے ساتھ ان کے اختلافات بڑھ گئے۔ مجبور ہو کر چولوں کو اپنے لئے کچھ دوسرے اتحادیوں

کی تلاش کرنی پڑی ۔ اس وقت نیلور کے تیلگو چوڈا حکمران کافی طاقت پکڑ چکے تھے ۔ اور وہ نیلور جنگل پٹ اور کڈاپہ کے اضلاع پر مشتمل وسیع علاقے پر حکومت کر رہے تھے ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ حکمران جنوب کے چولا شہنشاہوں کے ساتھ زیادہ دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور رسمی طور پر ان کی برتری تسلیم کرنے کے لئے آمادہ تھے ۔ تکا نرپتی عرف گنڈگو پالا[79] اُن دنوں نیلور کا ہم عصر حکمران تھا ۔ چولوں کے ساتھ اس کی دوستی اور ہوئسالوں کے ساتھ عناد کے واضح ثبوت کتابوں میں ہمارے پاس محفوظ ہیں تکن نے اپنی تصنیف "نرو چنو دترا راما ئنمو" کے تمہیدی اشعار میں اپنے سرپرست منماسدھا والد راجہ تکا کے کارہائے نمایاں کا ایک مکمل اور محتاط بیان پیش کیا ہے ۔ اس بیان سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ تکا سمبھو راجہ اور دشمن کے دوسرے منڈلیکوں کے خلاف لڑا اور اس نے کانچی چیدی منڈل، اور کاڈوپتی کو مجبور کر دیا کہ اس کی برتری کو تسلیم کریں ۔ ان کامیابیوں کا یہ اثر ہوا کہ ان سے کوپیرن جنگا اور اس کے ساتھیوں کی لوٹ مار اور غارتگری کی سرگرمیاں رک گئیں ۔ اور اس طرح چولا شہنشاہ کی حیثیت مضبوط ہو گئی ۔ گنڈگوپالا کے ۱۲۹۰ء اور اس کے بعد کے کتبوں کی[80] کانچی پورم اور اس کے گرد و نواح میں موجودگی اور ان میں سے اکثر پر راج راجا کے سنہ جلوس کے حساب سے تاریخ کا اندراج تکن سومیا جی کے اُن بیانات سے مطابقت رکھتے ہیں جو اس نے تکا راجہ اور چولوں کے باہمی تعلقات کے متعلق دئے ہیں ۔ یہی شاعر واضح طور پر بتاتا ہے کہ تکا نے کرناٹا خاندان کے راجہ سومیشور کو مغلوب کر کے چولا راجہ کی حیثیت کو بہ آسانی مستحکم کر دیا ۔ اور اس طرح اپنے لئے چولا ستھا پنا آچاریہ کا لقب حاصل کر لیا ۔ شاکا سمت ۱۱۶۲ (۱۲۴۰ء عیسوی) کے ایک ہوئسالا کتبے سے بھی[81]، جس میں گنڈگوپالا کے خلاف سومیشور کی ایک جنگی مہم کا ذکر آیا ہے ۔ اس بات کی توثیق ہوتی ہے ۔ ایک بار پھر ہوئسالا کتبے کی تاریخ تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ چولا اقتدار کی بحالی کے لئے راجندر کی کوششیں اس کے رسمی طور پر ولی عہد مقرر کئے جانے سے کچھ برس پیشتر شروع ہو چکی تھیں ۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک کمزور پانڈیا حکمران کی تخت نشینی اقتدار اعلیٰ کی بحالی کے لئے راجندر کی مہم کا آغاز چولوں اور ہوئسالوں کے مابین باہمی کشیدگی اور تیلگو چوڈا راجاؤں کے ساتھ چولوں کا اتحاد، یہ تمام واقعات مل کر جنوبی ہند کی سیاسی حالت میں ایک انقلاب کی

حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ درحقیقت یہ جنوبی ہند کے سیاسی نقشے پر تیزی سے ہونے والے تغیرات کا دور تھا۔ راجندر کی آمد سے اس انقلاب کا جو خصوصی پہلو سامنے آیا۔ اس سے منڈلوں کے سیاسی نظریہ کی، جو ہندو نظامِ حکومت سے لکھے گئے متعدد مقالوں کا موضوع ہے، ایک عملی مثال سامنے آتی ہے۔ چولا سلطنت ہر طرف سے دشمنوں سے گھری ہوئی ہے اور اس کا واحد ساتھی محض وہ ایک حکمران ہے جس کا علاقہ ایک دشمن پڑوسی کے علاقے کے پار شروع ہوتا ہے۔[82]

اتّر لنکا

راجندر کی کامیابیوں میں سے ایک اور کامیابی اس کی پرشستی میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے: "خوش حال اپنے "ویرراکھشو کے لئے مشہور لنکا کے لئے بالکل رام"؛ یہ شامبو رایا حکمران کے خلاف کی گئی فوج کشی کی جانب ایک واضح اشارہ ہے جن میں سے کچھ اپنے آپ کو "ویرراکھش" بھی کہلواتے تھے اور جن کی حکومت شمالی ارکاٹ کے علاقے میں تھی۔[illegible] تکن سومیاجی کا کہنا ہے کہ تکا نرپتی نے کانچی پورم میں اچھی طرح قدم جمانے کے بعد شمبو راجا اور دیگر مخالف منڈلیکوں کے خلاف جنگی مہمات بھیجیں اور یہ بہت ممکن ہے کہ ان لڑائیوں میں اس نے چولا اقتدار کی بحالی کے کام میں راجندر کے ساتھ تعاون کیا

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ راجندر کی کوششیں خاصی کامیاب ہوئیں اور 1018ء سے 1025ء تک کے کچھ برسوں میں چولا اقتدار اپنے دشمنوں اور جاگیرداروں کے مقابلے میں قائم رہا۔ اس کا سہرا نیلور کے تیلگو چوڑا راجاؤں کے تعاون اور وفاداری کے سر تھا۔ پانڈیوں کی ابھرتی ہوئی طاقت کو دبانے کی کوشش البتہ ناکام رہی۔ اگر شوینشورم بھی پانڈیوں کی مدد نہ کرتا تو بھی یہ کوشش ناکام ہی رہتی۔ کیونکہ پانڈیا خاندان والے ہمیشہ چولوں کے مقابلے میں زیادہ مضبوط رہتے تھے یہاں تک کہ جب چولا سلطنت کی ترقی کا سورج نصف النہار پر تھا۔ تب بھی یہی صورت حال تھی۔ وکرم چولا کے زمانے ہی سے پانڈیا علاقے پر چولوں کا غلبہ محض برائے نام رہ گیا تھا۔ اور اب انہوں نے سابق آقا کے خلاف تازہ کامیابیوں سے ان کا دقار بڑھا دیا تھا۔ تاہم راجندر کے دوسرے کارنامے پرشستیوں میں اس کو "ہو کی جدید احیا کرنے والا" کہلوانے کے لئے جو

از پیدا کر رہے ہیں۔ اس طرح خود کو، چولوں کی توہین کا انتقام لینے والا حکمران، کہلوانے میں بھی وہ حق بجانب تھا۔

کانچی کا ہاتھ سے نکل جانا

کانچی پورم کا ذکر راجندر کی فتوحات میں نہیں آتا۔ اس عہد میں اس شہر کی ترقی و خوشحالی کا مختصراً جائزہ لینا کارآمد ہوگا۔ یہاں چولا کتبات زیادہ سے زیادہ ۱۲۹۶ء یعنی راج راجا سوم کے انیسویں سالِ حکومت تک ملتے ہیں[83 الف] دوسری جانب یہاں کاکتیا گنپتی کا ایک کتبہ ملتا ہے جس پر سہ شنبہ، جون ۱۲۹۹ء کی تاریخ درج ہے اور جس میں اُس کے ایک وزیر سامنتا بھوج کے ایک بہت بڑے عطیے کا اندراج ہے[83 ب] نندلور میں بھی ایک کتبہ ملا ہے جس سے اس کا بہت سا حصہ مٹ جانے کے باوجود یہ بات ظاہر ہے کہ تکا کا بیٹا منما سدھی اور گنپتی باہم دوست تھے[83 ج] اس کے علاوہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ عظیم تیلگو شاعر تکن نے اس وقت تیلگو چوڈا ریاست کے معاملات میں گنپتی سے منما سدھی کے حق میں اس وقت مداخلت کروائی جب اُسکو تخت کی وراثت سے محروم کرنے کی کوشش کی گئی[83 د] گنپتی کی مداخلت کی تاریخ کے متعلق، اگر واقعی اس نے اس طرح مداخلت بھی ہو، ہنوز ہمارے پاس کوئی قطعی شہادت نہیں ہے۔ یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ جب چند برسوں کے بعد جٹاورمن سندر پانڈیا نے گنڈ گوپالا (تکا یعنی) لڑائی میں موت کے گھاٹ اتار کر تیلگو چوڈا ریاست کو تسخیر کرلیا۔ تو اس نے کانچی اور نیلور کو بھی اپنے زیرِ نگین کرلیا اور گنپتی کو بھی فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ لہٰذا ہم یہ قیاس کرتے ہیں کہ کانچی پورم کی کچھ مدت کے لئے تکا کے زیرِ حکومت تیلگو چوڈا ریاست کا حصہ بن گیا تھا۔ پہلے وہ اُس پر راج راجا سوم کے برائے نام اطاعت گذار کی حیثیت سے حکمران رہا۔ اور بعد میں گنپتی کے اطاعت گذار کی حیثیت سے، یہاں تک پانڈیا حکومت کے حملہ آور نے اس شہر کو فتح کرلیا۔ اب چولا تاجدار کانچی پر اپنا قبضہ قائم نہ رکھ سکے جس کے لئے کلوتنگا سوم نے اپنے عہد کے آخری حصے میں کامیاب لڑائی لڑی تھی۔ کوپیرن جنگا کے بطور خود مختار حکمران ابھرنے کے ساتھ چولا شہنشاہ نے یہ محسوس کیا ہوگا۔ کہ اب کانچی پر قبضہ رکھنا مشکل ہے اور اس

نے اپنے حمایتی تیلگو راجہ کی ریاست میں کانچی کا عملی طور پر ادغام چپ چاپ منظور کر لیا ہو گا۔

راجندر اور ہوئسالوں کے باہمی مراسم

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں چولوں اور ہوئسالوں کے مابین اس پالیسی کے باعث اختلافات پیدا ہو گئے تھے جو چولوں نے پانڈیا کے متعلق اختیار کر رکھی تھی اور جس میں تیلگو چوڈا تکا اوّل چولوں کا معاون تھا۔ تاہم اختلافات کا یہ عارضی دور جلد ختم ہو گیا۔ سومیشور کے کتبوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی اور راجندر کی دوستی، تھوڑی سی عارضی رنجش کے بعد بحال ہو گئی۔ راجندر کے کتبات بھی اس امر کی تائید کرتے ہیں۔ راج راجا سوم کے کتبات کی طرح راجندر کے کتبوں میں بھی ہوئسالہ افسروں کے عطیوں کا ذکر کیا گیا ہے[84]۔ چولوں اور ہوئسالوں کی یہ باہمی دوستی سومیشور کی وفات تک بلکہ اس کے بعد تک قایم رہی۔ ترُدچنورتی ضلع تنجور سے جو کتبے ملے ہیں[85] وہ اس بارے میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک کتبے پر جو تاریخ درج ہے وہ ویرا رام ناتھ کے دسویں سالِ حکومت کی ہے جو ہوئسالہ ریاست کے جنوبی نصف حصے میں سومیشور کا جانشین تھا۔ نیز اس میں راجندر کے بیسویں سالِ حکومت (1265-66ء) میں ایک اراضی کی فروخت کا اندراج ہے۔ ایک دوسرے کتبے میں راجندر کے پچیسویں سالِ حکومت کی تاریخ کے ساتھ ساتھ رام ناتھ کا پندرھواں سالِ حکومت بھی درج ہے۔ ان کتبوں سے دونوں حکمرانوں کے مابین بہت گہری دوستی کا ثبوت ملتا ہے۔ چاہے کسی علاقے میں بھی یہ کتبے دستیاب ہوئے ہوں اس پر دونوں حکمرانوں کی مشترکہ حکومت نہ بھی ثابت ہوتی ہو[86]۔

پانڈیا اقتدار کی توسیع

چولوں اور ہوئسالوں کے مابین گہرے دوستانہ تعلقات کا باعث بلاشبہ یہی تھا۔ کہ جنوب کی جانب سے دونوں کو ایک نیا خطرہ لاحق تھا۔ 1251ء میں جٹاورمن سندر پانڈیا اوّل کے پانڈیا تخت پر بیٹھنے سے جنوبی ہند کا ایک مشہور

ترین فاتح میدان میں اُتر آیا۔ اُس کی سربراہی میں پانڈیوں کی دوسری سلطنت کو بڑی شوکت و عظمت نصیب ہوئی۔ اور دریائے کرشنا تک بلکہ اس کے پار تک جنوبی ہند کی دوسری تمام طاقتوں نے اس کے ہتھیاروں کی جھنکار محسوس کی ہوئسالوں اور چولوں کو اس کا احساس سب سے پہلے ہوا۔[67] اس پانڈیا حکمران نے اپنے عہدِ حکومت کے ساتویں برس (1258ء) سے پہلے پہلے چولوں اور ہوئسالوں کے خلاف نمایاں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ اس نے چولا حکمران کو اپنا باجگزار بنا لیا تھا۔ اور ہوئسالا کو میسور کی سطح مرتفع کی جانب بھاگ کر اس سے جان بچانی پڑی تھی۔ اور جب سومیشور نے از سرِ نو جنگ کی تو اس نے شکست کھائی اور کننور کے نزدیک 1264ء کی ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اس کے جلد ہی بعد اس نے کاڈووں اور تیلگو چوڈوں پر فوج کشی کی اور فتوحات حاصل کرتا ہوا نیلور تک جا پہنچا جہاں اس نے "ویرابھیشیک" (جشن شجاعت) منعقد کیا۔ جب اس طرح پانڈیا طاقت کی لہر اپنی انتہائی بلندیوں کو پہنچ رہی تھی۔ اس وقت راجندر سوم اور ویر رام ناتھ دونوں اس زبردست فاتح سے بغیر چھیڑ کئے ہوئے جوں توں زندگی کے دن کاٹ رہے تھے۔ ان دونوں پر مشترکہ مصیبت پڑی تھی اس کے پیش نظر ایک دوسرے کے زیادہ قریب آ گئے تھے۔ سندر پانڈیا کے جانشین ماڑور من کل شیکھر نے ان دونوں کو 1279ء کی لڑائی میں ایک شکست دی۔

خاص چولا ریاست سے باہر راجندر کے کتبات بہت کم ملتے ہیں اور 1261ء یعنی اس کے پندرہویں سالِ حکومت کے بعد تو ایک بھی کتبہ نہیں ملتا۔ نندلور (ضلع کڈاپہ) سے اس کے تیرہویں سالِ حکومت (1259ء) کا جو کتبہ ملا ہے، اور تریپرانتکم (ضلع کرنول) سے اس کے دو برس بعد کا جو کتبہ دستیاب ہوا ہے، وہ اس کی بالا دستی کی جو مدتوں سے محض برائے نام چلی آ رہی تھی آخری علامات ہیں۔

راجندر کے عہد کا اختتام

راجندر کے کتبوں میں جو سب سے آخری سنِ حکومت درج ہے وہ اس کے عہد کا تیئسواں سال ہے۔ جو اندازہ 1279ء میں پڑتا ہے ترووکناپورم سے دستیاب

شدہ[88] ایک کتبے میں جس پر تاریخ درج نہیں ہے. ایک شخص شیماپلے کا ذکر آیا ہے جسے راجہ نے "منگن" کہہ کر پکارا ہے جس کے معنی ہیں "ہمارا بیٹا" لیکن چونکہ یہ کلمہ چولا کتبات میں اکثر جاگیرداروں کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے. اس لئے شیماپلے کا راجندر سوم کا بیٹا ہونا شبہ سے خالی نہیں ہے[89] اس کا ذکر دیرپانڈیا کے جاگیردار کی حیثیت سے بھی آیا ہے. سنہ ۱۲۶۳ء کے قریب ترودینی نلور کے ایک کتبے میں[90] راجندر کی ایک رانی کا ذکر شولا. کل مادیویار کے نام سے دیا گیا ہے. معلوم ہوتا ہے کہ راجندر کے تحت بہت کم جاگیردار تھے. اس سلسلے میں قابل دو ہی نام توجہ ہیں. شولا. گنگن اور کال پالن[91] گنگائی کونڈ چولا پورم بدستور دارالسلطنت تھا. اور چدمبرم کا نٹ راج دیوتا حسب سابق مہاراجہ کا "اشٹ دیو" تھا[91 الف]

راجندر کے عہد حکومت کے خاتمے پر پانڈیا سلطنت اپنی ترقی اور خوشحالی کی بلندیوں پر تھی اور غیر ملکی مبصروں مثلاً چینیوں اور عربوں کی نگاہوں میں اس نے چولا سلطنت کا مقام حاصل کر لیا تھا. اس بات کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے کہ کوئی چولا شہزادہ راجندر کے فوراً بعد اس کے تخت پر بیٹھا ہو. چنانچہ چولا ریاست کا پانڈیا سلطنت میں ادغام زیادہ مکمل طور پر ہوا. چولا سلطنت کے عروج کے دنوں میں پانڈیوں کی جنوبی ریاست اتنی مکمل طور پر چولا سلطنت میں مدغم نہیں ہوئی تھی. چولا منڈلم نام بھی خود چولا سلطنت کے خاتمے کے بعد طویل مدت تک رائج رہا. اور بعد میں بگڑ کر کارومنڈل بن گیا. بعد میں بھی بعض سردار چولوں کی اولاد ہونے کا دعوے کرتے رہے. بعض تو تیلگو چوڈا خاندان کی متعدد شاخوں کے راستے اپنا نسلی تعلق چولوں سے جوڑتے تھے. اور بعض خود کو براہ راست تامل خطے کے چولوں کی اولاد بتاتے تھے. ویرشیوا دیر پرتاپ چولا راجہ نامی ایک شخص جس نے اپنے نام کے ساتھ کئی بڑے بڑے القاب شامل کر رکھے تھے شاکا سمت ۱۳۴۳ء مطابق ۱۴۲۱ء ضلع بنگلور پر حکومت کرتا ہوا بتایا گیا ہے[92] انہیں دنوں میں ضلع شمالی ارکاٹ میں ویرچوڈا اور اس کا بیٹا دیرچمپا حکومت کرتے دکھائی دیتے ہیں. مدراس کے عجائب گھر میں ویرشا کا سمت ۱۲۲۷ کی بھگتی راجا کی تختیوں میں تیلگو چوڈا خاندان کی ایک شاخ کا ذکر آتا ہے[93] جو ویسے غیر معروف

تھی۔ اس کے ایک طویل عرصہ بعد 1481ء اور 1530ء کے کتبات ہمیں سری رنگم کے جزیرے میں ملتے ہیں۔ جن میں والکا دائیا اور جینیا بالئیا کے دئے گئے عطیوں کا اندراج ہے۔ ان دونوں سرداروں کے ساتھ مخصوص تیلگو چوڑا لقب "ازائیور پورہ رادھیشورا"[95] بھی شامل ہے۔ اچیوتا، دیورایا کی کونجی واڈی کی تختیوں میں بھی چولوں کا ذکر آیا ہے[96]۔ چولا نسل کے حکمرانوں کے متعلق جو سب سے آخری حوالے ملتے ہیں۔ ان میں کمبا کونم کے ایک دلچسپ کتبے کو بھی شمار کرنا چاہئے۔ جس میں مہامنڈلیشور گورو راجا وورد یوشولا مہاراجہ کی جانب سے شاکا سمت 1476 (1554ء) میں دئے گئے ایک عطئے کا اندراج ہے[97]۔ اس عطئے میں نے آدی کمبھ شورا کے مندر میں پوجا اور چڑھاوے کے اخراجات کے لئے دو گاؤں وقف کر دئے تھے۔

سولہواں باب

حاشیے

(1) EI-viii صفحہ 260 — کیلہارن 1942-43 کے کتبہ نمبر 169 کی تاریخ شاکا سمت 1162 (1240ء) کو راج راجا سوم کا چوبیسواں سالِ حکومت بتایا گیا ہے — ARE 1939/40 کا کتبہ نمبر 42/43، II، 42

(2) 1908 کا کتبہ نمبر 409

(3) 1908 کا کتبہ نمبر 216

(4) اس کے خلاف دیکھئے ARE-1909، II، 51-52۔ بعض مؤرخین نے راجندر کو راج راجا سوم کا بیٹا قرار دیا ہے جو ہوئسالہ راجا نرسمہا دوم کی بیٹی شوملا دیوی کے بطن سے پیدا ہوا تھا لیکن ARE-1936-37، II، 33، و 48 — نیز 1938-39، II، 24 — EI-xxvii صفحہ 194 میں نہایت معمولی شہادت کی بنا پر اُسے کلوتنگا سوم کا بیٹا ٹھہرایا گیا ہے۔

(5) 1911 کا کتبہ نمبر 110 (حاشیہ 7)

(6) 1931 کا 51 — 1920 کا 76 — 1891 کا 25 — 1892 کا 93 وغیرہ

(7) 1912 کا 125

(8) 1912 کا 120 (بیسویں سال کا)۔ یہ بھی ترو وردیور سے دستیاب ہوا ہے۔

(9) 1911 کا 321 (دوسرے سال کا)

(10) ARE-1915، II، 28

(11) ایضاً۔ 1914 کا 142

(12) 1918 کا 604 (چوتھے سال کا) — 1918 کا 392 (1247 یعنی آٹھویں سال کا)

موخرالذکر کتبے کو اچھی طرح محفوظ نہیں رکھا گیا ہے اور جن پتھروں پر اس کو کندہ کیا گیا ہے، معلوم ہوتا ہے وہ اِدھر اُدھر ہو گئے ہیں - یہ امر مشکوک ہے کہ اس کے جس حصے پر "لنکا کے عظیم شہر" کی تسخیر کا تذکرہ درج ہے فی الواقعی اسی پرشستی کا جزو ہے جو یوں شروع ہوتی ہے -

"کڈل ڈیپاڈے کوڑ وینجلائی ولپیادے وینری لنگائی مانگر کونڈو "

(13) الگوڈیڑ! پیرو مالڈن اوک مُڈی کو تال

اِراج راجن پرپا ویلائیکاری ..... اِراج راجن ترُوتالی پڑوڈایال.....

ارئی سٹرنڈ تپانائی ادنانئی پیرو ڈیال پونی بیل تندانائی پیر - پُرکم - اندرپپ.

پیرومال ..... وانر. کل. ٹل. ورکو -

(14) 1926 کا 141 (16+1 یعنی سترھویں سال کا) - 1925 کا 213 (انیسویں سال کا) 1927 کا نمبر 309 (حاشیہ d.)

(15) یہ ممکن ہے کہ EC - vi - CM - 56 جسے وینکٹا سبیّا نے 1217ء کا بتایا ہے (دیکھئے گزشتہ صفحہ 396) دراصل 1222ء کا ہو جیسا کہ ہلتش کا خیال ہے (EI - vii - صفحہ 162) اور شری رنگم کی جانب نرسمہا کی پیش قدمی کا اس شورش سے کچھ تعلق ہو جو پانڈیوں کے ایک حملے کے نتیجے میں پیدا ہوئی تھی - موازنہ کیجئے ARE - 1923 ، II ، 7 - اگر یہ صحیح ہو تو یہ واقعی تعجب کی بات ہے کہ ہمیں اس کے بعد اس حملے کے بارے میں مزید کوئی خبر نہیں ملی، نہ تو چولوں کی جانب سے اور نہ پانڈیوں کی طرف سے -

(16) 1904 کا نمبر 271

(17) ممکن ہے کہ ڈوولایا کے کتبے (1912 کے 296) کی "اتّی" پرشستی میں شمالی پر جو شعر ہے اس کا تعلق یادوولایا کے تنازعے سے ہو -

(18) EC - ix - km - 97

(19) 1929 کا 228 (دسویں سال کا) جس پر اس باب کے آخری حصے میں صفحہ 428 پر بحث کی گئی ہے -

(20) EC - xii - TP - 42

(21) ET-V ،m C-211 (ب) (تقریباً 1221 عیسوی)، نیز vi- چک مگور 150- بتایا جاتا ہے کہ نرسمہا نے 1233ء میں "چولا ناڈو پانچال نیلی ویڈی نونو" رہا تھا (EC-vii-i-ci-52)- یہاں پانچال دراصل پاچور کے لیے آیا ہے -

(22) 1902 کا کتبہ نمبر 142 — EI-vii- صفحہ 160، وصفحات مابعد

(23) وہ پرشستی جس میں ان واقعات کا ذکر کیا گیا ہے، 1236ء سے پہلے کے کسی بھی کتبے میں ملی ہے۔ PK- صفحہ 144- حاشیہ نمبر 3- لیکن 1902 کے کتبہ نمبر 142 کی تاریخ (32-1231ء) اور "گدیہ کرنامرت" کی تاریخ تصنیف سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعات 32-1131ء کے لگ بھگ رونما ہوئے -

(24) شا کا سمت 1152 کتبہ — 1914 کا نمبر 419 جو کئی ٹکڑوں میں ہے اور تروچلی (رام نڈ) سے دستیاب ہوا ہے، سُندا کے ہاتھوں جن ناتھ کی شکست کا حال بیان کرتا ہے (موخرالذکر نے اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا)...... شاید یہ اسی مہم کا حوالہ ہو : اگر یہ بات ہے تو جن ناتھ اصل میں راج راجا سوم ہوگا -

(25) " ترو لملائی شری وینکیٹشورا-i-vi- صفحات 677 - 78+ "گدیہ کرنامرت" کے مصنف کے خاندان کی تفصیلات کے لیے ARE، 1938-39، II، 22 دیکھئے -

(26) 1900 کا 136 — EI، vii صفحات 163- 64

(27) سلیم اور جنوبی ارکاٹ کے اضلاع کے حصے -( )-ii صفحہ 121- حاشیہ 2- نرسمہا نے گرا راجہ کی مستورات اور خزانے پر بھی قبضہ کر لیا تھا -

(28) میرے خیال میں "کنڈِ کال گل (م) ششم ایتم " کا مفہوم یہی ہے، نہ کہ پینے کے پانی کی نہریں- کنڈِ کال غالباً "کوڈ کال" کا مترادف ہے -

(29) EI-vii صفحہ 162

(30) ii-CV صفحہ 17

(31) "کاڈوراستالیڈسی چونابڈسی تندولگے پیچی" — EC-xii، Gb-95 -
(31-الف) 1921 کا 536
(32) 1922 کا 418 — EI، xxiii - صفحات 180-81
(33) 1893 کا 419 — 1905 کا 197 — 1919 کا 182 وغیرہ — ARE —
1923، II، 5 تا 8 میں کوپرُن جنگ کے مسئلے پر 1922 کے 418 کے حوالے
سے بحث کی گئی ہے جو ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتی ہے کہ الگیاشیَن اصل میں
مہاراجہ سیمہا سے الگ ایک شخص تھا۔ نیز یہ کہ اول الذکر نے دو مرتبہ راج راجا
سوم کو شکست دے کر گرفتار کر لیا تھا۔ ایک بار تو تیلاڑو کی لڑائی کے بعد
1221-22ء میں اور دوبارہ 1231-32ء میں (تردوینڈی پورم کے کتبے کے
مطابق) اس طرح کے حیران کن نتائج اخذ کرنے کے دو اسباب بتائے
جاتے ہیں۔ پہلا یہ کہ واتیلور (دیلور) کے کتبے میں راجا کو الگیاشین کے
نام سے پکارا گیا ہے اور دوسرا یہ کہ اس میں شیندامنگلم کا کہیں ذکر نہیں ہے۔
ہمیں پوری ذمہ داری اور سنجیدگی سے یہ باور کرایا جاتا ہے کہ مہاراجہ سمہا کو
اپنے کتبات میں "کشیرالیگا دکشن نائک" اور "پینانڈی ناتھ" کے
القاب سے خطاب کیا گیا ہے۔ یہ القاب "الگیاشیُن کوپیرُن جنگا" کے
نام کے ساتھ استعمال نہیں ہوئے ہیں جس کی فتوحات جنوب میں دریائے
کاویری سے آگے نہیں بڑھ سکیں (پیراگراف 8)۔ اصل میں الگیاشین
کوپیرن جنگا کے معنی ہیں کوپیرن جنگا ولد الگیاشیُن۔ وائیلور کا کتبہ مندرجہ
ذیل نثری عبارت سے شروع ہوتا ہے (101) سوستی شری سکل بھون
چکرورتی شری کوپیرن جنگن شولنائت تیلاڑل (102) دینزوسکل پری چھنتم۔
گونڈوشولنایچ چیڑاٹوواپیچ۔ چوناڈدکوندا (103) لکیاشین۔ یہاں یہ بات
صاف دکھائی دیتی ہے کہ کوپیرن جنگا کا نام آغاز ہی میں دے دیا گیا ہے اور
آگے چل کر راجہ کو الگیاشین بھی پکارا گیا ہے جس کے معنی ہیں خوبصورت شیر ببر۔
یہ نام یا تو والد کا تھا اور بیٹے کے نام کے ساتھ لگایا گیا ہے یا محض ایک لقب
کے طور پر یہاں استعمال ہوا ہے۔ کوپیرن جنگا کا ذکر آنے کے بعد اگر سیندامنگلم

کا لفظ چھوٹ بھی گیا ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس قیاس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ چولا راجہ کو دو مرتبہ قید کر لیا گیا تھا، وآئیلور کے کتبے کی پرشستی شوکا شین کی بتائی جاتی ہے۔ (پیراگراف 5)۔ حقیقت میں آخری حصہ "اِدوشو کیچ چین" پر ختم ہوتا ہے، جس کا مطلب ہے "یہ شوکا (الگنیا) شین کے حسب فرمان کندہ کروایا گیا ہے۔"

(34) 123۔ منگم نامی گاؤں وردھاچلم تعلقے میں شیندا منگم سے کوئی دس میل جنوب مغرب میں ہے۔

(35) ایم۔ آر کوٹی۔ (ایضاً)

(36) 123۔

(37) صفحہ 122، صفحہ 15۔

(38) ہمیں ازدواجی رشتوں کی تفصیلات کا کوئی علم نہیں ہے۔ سیویل کے اس بیان کی حقیقت (۔ صفحہ 135) کہ نرسمہا دوم نے اپنی بیٹی کی شادی چولا حکمران راج راجا سوم سے کر دی تھی محض ایک امکانی قیاس سے زیادہ نہیں معلوم ہوتی۔

(39) 21 مارچ سے لے کر 20 اپریل تک ۔۔۔ صفحہ 9۔ کیلہارن

(39-الف) 1939 - 40 کا 192 ۔۔۔ (چوالیسویں سال کا)۔ 40/1939

- 43/1942 'II 42

(40) 1897 کا 23

(41) 1921 کا 480، 481

(42) 1918 کا نمبر 393

(43) 1911 کا 112

(44) 1917 کا 244

(45) 1927 کا 279 - 1927 'II '30

(46) 1918 کا 506 (اٹھارھویں سال کا)

(47) 1929 کا 228۔ راج راجا کا نام اس کتبے میں کہیں نہیں آیا ہے۔ لیکن یہ

کتبہ یقیناً اُسی کے عہد کا ہے۔ 1929، II، 48

(48) اس کے خلاف دیکھئے ۔ایضاً

(49) صفحہ 420 ماقبل

(50) 1919 کا 349 (گیارہویں سال کا)

(51) 1919 کا 408 (چودھویں سال کا)

(52) 1919 کا 404 (پندرھویں سال کا)

(53) 1919 کا 369 (بیسویں سال کا)

(54) 1920 کا 39 (بیسویں سال کا).

(55) -183 (بیسویں سال کا)

(56) 1919 کا 366

(57) صفحات 158-159

(58) 340-341

(59) 1893 کا 419. c ـــ یہاں کا کتیا حکمرانوں کے باجگزار امب دیو کو کاڈورا یا ڈمروکا کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ 1905 کا 173، 268

(60) 1902 کا 509 ـــ 1902 کا 488۔ الف

(61) 893 کا 8

(62) 1918 کا کتبہ نمبر 363 کے 38، 58

(63) 1922 کا 104 ـــ 1889 کا 88

(64) (کتابیہ کے مختلف حصوں میں)

(65) 1904 کا 138 (چوبیسویں سال کا)

(66) 1919 کا 445 - نیز انیسویں سال کا کتبہ نمبر 444 (تاریخ 1235ء)

(67) راج راجا سوم اور راجندر سوم کے باہمی تعلقات کے متعلق بہت غلط فہمیاں رہی ہیں۔ یہاں ہماری نظر میں ایک عارضی خیال کی مثال ہے جو ایک ایسے عالم نے ظاہر کیا ہے جسے راہبر علما میں مقام دیا جاتا ہے۔ اس رائے کو ایک مسلمہ حقیقت سمجھ کر مزید تانا بانا بنایا گیا ہے۔ 1892 کے کتبات نمبر 44.

65 جو راجندر کے ساتویں اور آٹھویں سال کے ہیں، پر بحث کرتے ہوئے
وینکیا نے 1900 میں یوں اظہارِ خیال کیا تھا: "ویرسومیشورا کا کم از کم ایک
ہم عصر چولا حکمران اور بھی تھا۔ یہ بات شری رنگم کے رنگ ناتھ مندر سے ملنے
والے دو کتبوں (1892 کے نمبر 64، 65) سے ثابت ہوتی ہے۔ ان کتبوں
کی تاریخ چولا راجہ تربھوون چکرورتی راجندر چولا دیو کے عہد کے دوران کی
ہے۔ اگر یہ چولا حکمران بھی راج راجا سوم کے عہد کے دوران حکومت کر رہا تھا
اور وہ بھی اس سے خود مختار ہو کر، تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت
چولوں کا زوال کچھ حد تک اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے پیش آیا تھا"
1900 - پیراگراف 30)۔ وینکیا نے اسی رپورٹ میں ایک اور ضمن میں یہ کہا:
"چونکہ چولا ننگا اور ویرسومیشورا دونوں کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے چولا راجہ کو
تخت نشین کروایا اور چونکہ یہ دونوں آپس میں برسرِ پیکار تھے، لہٰذا یہ قیاس کیا
جا سکتا ہے کہ انھوں نے چولا تخت کے دو باہم مخالف دعویداروں کے مطالبے
کی الگ الگ حمایت کی (ایضاً۔ پیراگراف 48)۔ یہ اندازہ لگانے میں زیادہ غور
و فکر کی ضرورت نہیں ہے کہ ان دونوں بیانات میں سے ہر بیان دونوں
حالتوں کے متعلق کی ہوئی کئی متبادل توضیحات میں سے محض ایک توضیح
پیش کرتا ہے، لیکن بعد کے سبھی مصنفین نے وینکیا کی ان آرا کو مسلّمہ حقائق کی
حیثیت تسلیم کیا ہے بلکہ ان سے بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔ وگرنہ اتنی معمولی
اور کمزور شہادت کی بنا پر اس رائے پر اصرار نہ کیا جاتا کہ راج راجا سوم اور
راجندر سوم آپس میں بھائی تھے۔ نیز کرشنا شاستری بھی اس نظریے کو متعارف
کرانے کے لیے تیار نہ ہوتا کہ راجندر نے تین سال کی مدت کے لیے دوریاستوں
کی حکومت راج راجا کو دلوا کر اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ 1912ء۔
11، 22۔ راجندر کی پرشستی میں ایک لفظ "دھورت" آتا ہے جس پر کرشنا شاستری
نے اپنی اس رائے کی بنیاد رکھی ہے۔ اس لفظ کو ایک دوسری طرح یعنی
"دُرِیت" بھی پڑھتے ہیں اور جس طرح یہ استعمال ہوا ہے اس سے ظاہر ہے
کہ یہ اپنے بعد آنے والے لفظ پانڈیا کے تعلق سے آیا ہے۔ گوپی ناتھ راؤ نے

اپنی تصنیف "چولوں کی تامل تاریخ" میں اس کا یہی صحیح مفہوم لیا ہے۔ صفحہ ۱۱۹۔
ظاہر ہے کہ یہ حوالہ راجہ آنندر پر پانڈیا راجہ کی فوج کشی کے قصے کا ہے۔ ان تمام
متنازعہ اور متضاد بیانات کو ڈاکٹر ایس کے آئینگر نے یہاں مختصراً تسلیم کر لیا ہے۔
دیکھئے صفحہ 36 تا 41

(67۔ الف) 1892 کا کتبہ نمبر ۶۹ — یہاں ہم ۱۹۰۹ کے کتبہ نمبر ۱۸۹ (چوتھے سال کے) میں
شامل ان الفاظ پر غور کریں گے "منوکل میڈ تو نیتری مڈی شوڈیا رلیا"۔
ضمیمہ الف میں تین ایسے کتبات کا ذکر آیا ہے جو راجندر سوم سے منسوب ہیں۔ ان
کی پرشستی مختصر ہے اور "پوریئم ترؤدم" سے شروع ہوتی ہے۔ حقیقت میں یہ کتبے
کلوتنگا اول کے ابتدائی عہدِ حکومت کے ہیں اور ان میں سے دو میں جو پراکیسری کا
لقب مذکور ہے وہ دراصل غلطی سے راج کیسری کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

(68) چولا کل پری بجونیرا کرنا۔ وِکرم۔ تری۔ ورشا۔ دھارِتا۔ مکٹ دویا۔ راج راجا۔

(69) پانڈیا۔ منی۔ مکٹ۔ شِرو۔ کھنڈن۔ پنڈِتا — 1911 کا 420 — 1922 کا 515

(70) 1900 کا 201 جس سے "تلائی کونڈا" کے معنی واضح ہو سکتے ہیں۔ نیز 1897 کے کتبہ
نمبر ۹۹، اور 1922 کے کتبہ نمبر 515 میں دئے ہوئے الفاظ۔ "پانڈیا۔ منی۔ مکٹ
پیٹھ۔ پرتشٹھتا پادارِوندا" کے ساتھ ان کا موازنہ کیجئے۔

(71) کرشنا شاستری کہتا ہے "دو سلطنتوں کے تاج۔ غالباً پانڈیا اور کیرلا دونوں
کے ہیں ۔ ۔ 1912، II، 32 ۔ کیرلا کا ذکر اور کہیں نہیں آتا سوائے اس
خطیبانہ دعوے کے کہ کیرلا اور پانڈیا اس کا چنور ہلاتے تھے۔ "سوُر۔ ویشٹیا سندھانئہ
دریت (دھورت) پانڈیا کیرلا۔ وجے مان چامر۔ ٹیکلا"۔ مزید براں یہ بات بھی
دھیان دینے کی ہے کہ اگر پانڈیا اور کیرلا سلطنتیں راج راجا کو حاصل ہو گئی تھیں
تو اپنی چولا سلطنت کو شامل کر کے اس کے پاس تین سلطنتوں کی حکومت ہو جاتی
تھی نہ کہ دو کی، جیسا کہ پرشستی میں بیان کیا گیا ہے۔

(72) صفحہ 158

(73) صفحہ

(74) 123

(75) آٹھویں سال کا شری رنگم کا ایک کتبہ جو 1254ء کی تحریر ہے: "نام۔ سومیشورا پرتی کولا کال دنڈا" کے جملے سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے معنی ہیں "چچا سومیشورا کے خلاف موت کا ڈنڈا" یا یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں "چچا سومیشورا کے دشمنوں کے خلاف موت کا ڈنڈا"۔ سنسکرت والی پرشستی میں اسی طرح کا جو جملہ آیا ہے وہ بھی اسی طرح غیر واضح اور مبہم ہے، گو تامل فقرے سے مقابلتاً کم مبہم ہے یعنی کرو ناٹا۔ راجہ۔ پرتی کولا کال دنڈا"۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ سنسکرت والی پرشستی میں شامل ایک اور جملے سے اس کا صحیح مفہوم معلوم ہو جاتا ہے جو یہ ہے کہ راجندر خود سومیشورا سے عداوت رکھتا تھا۔ دوسرا جملہ ہے گری۔ درگ ملا ویرا سومیشورا۔ کر۔ آکمٹ۔ پاد۔ ویرا بھرنا" جس کے معنی ہیں "جس کی ٹانگ پر قلعوں کی تسخیر کرنے والے سے کشتی لڑنے والے دیر سومیشورا نے بہادروں والا پازیب باندھا"۔ یہ نوٹ کرنا چاہیئے کہ ان واقعات کی تاریخ صرف اندازاً ہی بتائی جا سکتی ہے اور یہ ماڑورمن سندرا دوم کی تاریخ تاجپوشی 1238ء اور 1253ء کے درمیان ہی ہو سکتی ہے کیوں کہ ہمارے علم میں موخرالذکر تاریخ راجندر کی پرشستی کی سب سے پرانی تاریخ ہے۔ 123 میں ان وقعات کی دو تاریخیں 1234ء اور 1236ء دی ہوئی ہیں لیکن یہ کتبہ کئی سال بعد کندہ کروایا گیا ہوگا۔ یہ تاریخیں ان واقعات کے متعلق ہیں جو اس کتبے میں بیان کئے گئے ہیں۔

(76) 1904 کا 501 (تیسویں سال کا)

(77) 41-340، جیسے 1906 کا کتبہ نمبر 387 ہے: 36 II' 1907۔

(78) یہ بھی دھیان دینے کی بات ہے کہ کوپیرن جنگا بھی اپنے نام کے ساتھ "پانڈیا منڈل ستھاپن سوتر دھارا" کا لقب شامل کرتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ اس نے پانڈیا حکمرانوں کی مدد بھی کی ہو۔

(79) 1919 کا 446

(80) 1919 کا 357

(81) 100: ویر سومیشورا دیو کو گنڈ گوپالن میلے ایک نذیدو 1234ء کے نمبر 1937-38 کا 439) یعنی جو راج راجا کے تیئیسویں سال حکومت میں کھلیا

گیا' کی عبارت کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ اس میں نرسمہا دوم کو گنڈ گوپالا کی طرف سے چھرا مار کر ہلاک کرنے کے واقعے کا حوالہ دیا گیا ہے (۔ 1937 - 38، II، 42) لیکن چونکہ اس سے تکنا کی تردید ہوتی ہے اور چونکہ یہ کتبہ بھی آسانی سے سمجھ میں آنے والا نہیں ہے اس لئے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ واضح ثبوت ملنے تک انتظار کیا جائے اور اس کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم نہ کی جائے۔

(82) یہ امر مشکوک ہے کہ "چولا ستھاپنا چاریہ" کا لقب جو ویر سومیشورا کے نام کے ساتھ منسلک ہے، کوئی تاریخی اہمیت بھی رکھتا ہے یا یہ اصل میں اس کے والد نے جو لقب حاصل کیا تھا، اس کا محض اعادہ ہے۔ اس کے برعکس تکنا کے الفاظ تکنرجی کے متعلق بالکل واضح ہیں اور اس قابل ہیں کہ ان کو دہرایا جائے:

شمبوُ۔ راجادی۔ پرشستاری منڈلک بجیرچی۔ یپلڑے کانچی پور مُکا
چیدی۔ منڈلوُ گا سِنگھیس کا ڈوبتی نیا کو لِپڈے پنچ مُنکوُ ۱۱

x x x x x

کملاپت۔ پرتی مان۔ مورتی۔ یگنا۔ کرناٹا سومیشوُ درُدم۔ دور گرد مُوردپانی مانی بخ۔ دریم مُجم پر تشٹھپی ایلیے ین۔ جو لُٹی بھُوی پئی ٹِھپی چول سنھاپنا چاریا۔ نامُو دکن گوئی تِکّا بھُودی بھنڈوسا مرتھنیا مبوُ چلیم پڈے۔ ۱۱

کیتن اپنی تصنیف "دشکمار چرتر" میں مزید لکھتا ہے کہ تکّنے پانڈیا حکمران سے خراج وصول کیا (1: 16)۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اس کی فوج نے پانڈیوں کے خلاف جنگ میں راجندر کی مدد کی ہو؟

(83) 1908 کا 68 (کولتنگا سوم، سترھویں سال کا)۔ شمالی لنکا کا اور دریائے گوداوری کے ڈیلٹے میں حکومت کرنے والے لنکا خاندان کا باہم کوئی واسطہ نہیں ہے۔ (۔ 1918، II، 32 — 1913، II، 43) بلکہ ماولنگائی سے ہے۔ "پتھوپالوتہ" صفحہ 139 — "پورنا نورو پلم"، صفحہ 61

(83-الف) 1919 کے کتبات نمبر 362، و 666

(83-ب) ، صفحہ 197، وصفحات مابعد۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور کتبے نے 1893 کے نمبر 3 میں اسی واقعے کا تامل زبان میں بیان ہے اور اس پر جو تاریخ

درج ہے وہ دوسرے کتبے سے ٹھیک ایک ہفتہ پہلے کی ہے اور علم سیارگان کی تفصیلات یکم جون ۱۲۴۹ء سے تعلق رکھتی ہیں۔

(83-ج) 1907 کا 580 — یہ ساباتم ددھت شرکنیتی زپتیس سوپچیا سمگراگرے گود ادریام سرتی زپتیش چرماتشتیالورتیا اکالنگم سوان کالنگان بھلم اکرودے کوی رس تدائیم ۱۱ ۔ 1908، II، 75 — کرشناشاستری کے اِس بیان کا کوئی مستند سبب میں دریافت نہیں کرسکا کہ "وارنگل کے کاکتیا حکمران گنپتی نے اسی زمانے میں جنوب پر آنافانا" حملہ کیا، کانچی پر قبضہ کرلیا اور شری رنگم کے جزیرے پر آکر ڈیرے ڈال دئے۔

(83-د) سدھیشور چرتر میں جس کا حوالہ ویرشالنگم نے دیا ہے، نیز (نظر ثانی شدہ)۔ صفحات 89 تا 92

(83-س) اس کی سنسکرت پرشستی میں جملوں کی ترتیب بہت اہم دکھائی دیتی ہے "ویرگنڈ گوپالا - وین - داوا - ذاہن، کانچی پوروراد ھیشور اگنپتی ہرناشار ڈولا- نیلورپورا - وِرچیت - ویرابھشیک" 433 - میں اس مہم کے متعلق اُن شکوک میں نہیں پڑسکتا جن کا اظہار ستی ویل نے کیا ہے۔ صفحہ 155

(84) 1913 کا کتبہ نمبر 49 — 1905 کا 387 — 1902 کا 498 — 1919 کا 349 — یہ کہا گیا ہے (1913، II، 43) کہ شواجم کے مقامی مندر کے معاملات کی چھان بین میں سومیشور نے راجندر کے اقتدارِ اعلٰی کو تسلیم کرلیا تھا۔ لیکن یہ بات بہت مشکوک دکھائی دیتی ہے بالخصوص جب ہم راج راجا سوم کے ان کتبات کی تعداد کو یاد کرتے ہیں میں ہوئسالہ حکمرانوں کے سرکاری افسران کا ذکر ہے۔ یہ قیاس کرنا صحیح ہوگا کہ دونوں طاقتوں کے مابین دوستانہ مراسم موجود تھے۔

(85) 1931 کے کتبات نمبر 207 - 208

(86) 1931، II، 16۔

(87) صفحہ 160 و صفحاتِ مابعد

(88) 1922 کا نمبر 515

(89) اِس کے برعکس 1923، II، 45۔ — یہ شخص پنڈوکوٹہ کے کتبات

نمبر 427 تا 437 میں مذکور الگئیا شتین ہی ہو سکتا ہے جو 1257ء سے 1279ء
تک ایک باجگزار پانڈیا حکمران تھا۔ اس نے شیمبا ٹور اور ترو وڈائیاپٹی کے
مندر تعمیر کئے تھے۔ صفحات 619 تا 621)

(90) 1921 کا 427

(91) 1926 کا 994 — 1908 کا نمبر 202 — 1925 کا 339

(91-الف) 1897 کا نمبر 93

(92) 96

(93) 1890 کا 3 صفحات 70 تا 72

(94) صفحہ 128 و صفحات مابعد

(95) 1891 کا 30 — 1892 کا 56

(96) بھارتی۔ آئنگر۔ شراؤن

(97) 1927 کا کتبہ نمبر 291 — کچھ دوسرے مبہم حوالے وِجیانگر کے ریکارڈوں میں
ملتے ہیں۔ مثلاً 1928 صفحہ 16، 11 — 44 کے 7-8

ستر ھواں باب

چولا سلطنت کی حکومت

تمہید

اس باب میں اور بعد کے ابواب میں وجیالا کی تخت نشینی سے لے کر چولا سلطنت کے زوال تک چولا ریاست میں حکومت اور سماج کے حالات بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لازمی ہے کہ اس طرح کا کوئی بیان بالکل مکمل نہیں ہوگا کیونکہ تھوڑے مواد میں سے اخذ کر کے اس کے ٹکڑے ٹکڑے جوڑ کر پیش کرنا ہوگا۔ یہ مواد بھی ایک طویل مدت پر پھیلا ہوا ہے اور ابھی تک صحیح طور پر اسے بخوبی سمجھا بھی نہیں جا سکا ہے۔ چونکہ بیشمار کتبوں کا مطالعہ درکار ہے اس لیئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ یہ کام ابھی شروع بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔ اور اگر محکمہ آثارِ قدیمہ حکومت ہند کی توجہ سے مدارس کے ماہر علم کتبات کے دفتر میں رکھے ہوئے غیر مطبوعہ کتبوں تک میری رسائی نہ ہوئی ہوتی تو یہ جائزہ اور ابھی مختصر رہ جاتا۔ ملکی لٹریچر کی کوئی قطعی تاریخ تحریر مقرر نہ ہو سکنے کی وجہ سے اگر کوئی مؤرخ اس لٹریچر کو تاریخ کی تشکیل کے لئے استعمال کرنا چاہے تو اس کی راہ میں یہ کمی ایک سنگین رکاوٹ بن جاتی ہے۔ جنوبی ہند کے معاملات پر غیر ملکی سیاحوں اور مؤرخوں نے جو روشنی ڈالی ہے وہ سُودمند تو ہے لیکن ساتھ ساتھ دھندلی بھی ہے۔ فن سکہ شناسی بھی ہمارے تحقیقی مسئلے زیادہ پیدا کرتا ہے اور اُن کا حل کم بتلاتا ہے۔ اور اگر ہم چولا سلطنت کے زیر نگیں وسیع رقبے اور اس کے طویل عرصۂ حکومت کو پیش نظر رکھیں۔ تو یہ اچھی طرح کہہ سکتے ہیں کہ آج

چولوں کے جتنے نمونے ہمارے علم میں ہیں اُن کی تعداد و تنوع بہت کم ہے۔ خوش قسمتی سے اس عہد کی عمارات کے متعلق صورت حال کچھ بہتر ہے اور اس کے فن تعمیر اور فن سنگتراشی کا تنقیدی جائزہ لینے کے لئے ہمارے پاس مواد کی کوئی قلت نہیں ہے۔ تاہم جہاں تک اس عہد کی سیاسی تاریخ کا تعلق ہے۔ نظام حکومت اور سماجی زندگی کے مطالعے کے لئے ہمارا اوّل ماخذ کتبات شناسی ہی رہے گا اور اس میں ادبی تصانیف کا محتاط استعمال بھی کچھ حد تک معاون ہوگا۔

ہندوستان کا مؤرخ غالباً اس احساس سے بے بہرہ ہے کہ اس کا مطالعہ دراصل اُن مسلسل اور ترقی پذیر رجحانات کا مطالعہ ہے، جو اس کے ماضی کے ہم وطنوں کی فلاح اور بہبود کے لئے بروئے کار رہے ہیں۔ وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ جدوجہد کے کسی بھی میدان میں ان تمام گذشتہ صدیوں میں کامیابی کے حصول کی جانب کوئی بتدریج پیش قدمی ہوئی ہے خواہ یہ دولت پیدا کرنے اور اس کے جمع کرنے کا میدان ہو، خواہ سیاسی نظام کی تخلیق اور اس کی ترقی کا، خواہ فنون لطیفہ سے دلچسپی کا، خواہ مذہبی طرز زندگی اور اخلاقی اقدار پر عمل کا جیسے اکثر ہندوستانی کلچر کا طرۂ امتیاز سمجھا جاتا ہے۔ دنیا کا کوئی ملک یہاں تک کہ خوش نصیب ترین بھی ایسی بغاوتوں اور انقلابات سے بالکل محفوظ نہیں رہ سکا ہے جنہوں نے کچھ مدت کے لئے پشتوں کی مہذب زندگی اور کارکردگی کو ملیامیٹ کر کے نہ رکھ دیا ہو۔ لیکن ہندوستان کے ماضی کا مطالعہ کرنے والا کبھی اس تاثر سے دامن نہیں بچا سکتا کہ اس کی تاریخ میں کسی نہ کسی مرحلے پر ضرور ایک ایسا انحطاط پیش آیا جس نے زندگی کے سبھی شعبوں پر طاری ہو کر اس کی توانائی پر گھن لگا دیا۔ غیر ملکی غلبہ ذات پات کا تسلط، زندگی کا یاسیت پسندانہ رجحان جو بدھ مت کی دین تھا اور جسے ویدانت نے انتہا تک پہنچا دیا تھا۔ نیز اسی عمومی نوعیت اور دوسرے اسباب اس زوال کی وجہ قرار دیے جا سکتے ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ کا وہ ابتدائی زمانہ بھی جب اس کی ایک اپنی زندگی تھی اور کسی غیر ملک کا اس پر تسلط نہیں تھا۔ اکثر ان خیالات کے تاریک پس منظر میں دیکھا گیا ہے جو اس کی بعد کی تاریخ کے انحطاط پذیر دور کی پیداوار تھے۔ حالانکہ غیر ملکوں کی خوبیاں قبول کرنے میں یہ ملک کبھی پیچھے نہیں رہا اور نہ اس نے کبھی اپنی اچھائیاں ایشیا کے دوسرے ملکوں کو دینے میں بخل سے کام لیا۔ اور جن ملکوں کو ہماری دین سے فائدہ پہونچا ان پر جبریہ ملکی غلبہ تو کیا ہم نے کبھی ثقافتی غلبہ بھی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ذات پات تو یہاں موجود تھی ہی، اور اس کے ساتھ ساتھ بدھ مت بھی تھا اور ویدانت کا فلسفہ بھی۔ ان عناصر میں سے صرف ایک نے یا سب نے مل کر یک وقت قومی زندگی اور کامیابی کی جڑوں کو کھوکھلا نہیں کیا بلکہ اس کے

برعکس کافی ایسی شہادتیں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستانی زندگی کی خصوصیات ہندو ملیچھ کی ان دلی کوششوں کا نتیجہ تھیں جو ہر اُس انسانی معیار سے کامیاب تھیں جو اس وقت کے سماجی اور علمی مسائل کو حل کرنے کے لئے کی گئیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں وہ نسل انسانی کے ایک بڑے گروہ میں باہمی مفاہمت، خیر سگالی اور آسودگی کو فروغ دینے میں معقول حد تک کامیاب بھی ہوئیں، خواہ اُن کا طریقۂ کار ان معاملات میں ہمارے جدید افکار و نظریات سے مطابقت نہ رکھتا ہو، مجموعی طور پر چولا سلطنت کی تاریخ، تاریخ ہند کے اس ابتدائی اور مقابلتاً خوشگوار دور سے تعلق رکھتی ہے۔ اور ہم یہ دیکھیں گے کہ بہت سی ایسی باتوں کے باوجود جو ہمیں ابتدائی ہی نہیں بلکہ ناگوار بھی معلوم ہوتی ہیں متحدہ اور رضاکارانہ کوشش سے بہت بڑی کامیابیاں حاصل کی گئیں۔ سماجی تعاون اور اتحاد کا قوی احساس لوگوں میں موجود رہا اور اس زمانے میں جب جنوبی ہند پر چولا تاجداروں کی فرماں روائی تھی بعد کے زمانہ کے مقابلہ میں شہریت کا زیادہ گہرا شعور عام تھا

سماجی زندگی کے اس مطالعہ کا دائرہ

ذیل میں دئے گئے جائزے اور مطالعے کا دائرہ چار صدیوں سے زائد مدت پر پھیلا ہوا ہے یعنی لگ بھگ سنہ ۸۵۰ء سے سنہ ۱۲۷۹ء عیسوی تک، ہر چند کہ صحیح معنوں میں یہ جائزہ تمام جنوبی ہند کے متعلق ہونا چاہئے جس میں تیلگو خطہ بھی شامل ہے جو زیادہ تر چولا سلطنت کے ساتھ ہی وابستہ رہا۔ پھر بھی چونکہ خاص تامل خطے کی حدود کے باہر چولا کتبات بہت کم دستیاب ہوتے ہیں نیز ان بیرونی حصوں میں ان علاقوں کے مقامی شاہی خاندانوں کے کتبات میں بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں جن کا اتنا مکمل مطالعہ ابھی تک نہیں ہو سکا ہے جتنا کہ ہونا چاہئے۔ اس لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم اوّل اوّل اس جائزے کو تامل ریاست تک ہی محدود رکھیں۔ مثال کے طور پر مشرقی چالاکیوں کی تاریخ تیلگو لوگوں کے وقائع اور ان کے لٹریچر کا ایک عظیم باب ہے۔ مگر ایک ایسے مطالعہ میں جو تامل تاریخ کے لئے مخصوص ہے۔ اس کے ساتھ انصاف کرنا بہت مشکل ہوگا۔ اور جو بات تیلگو خطے کے لئے صحیح ہے وہی چاہے اتنی حد تک نہ سہی، کیرلا اور کرناٹک کی ریاستوں کے لئے بھی صحیح ہوگی۔ ہر چند کہ اکثر ان علاقوں کا ذکر آتا رہے گا۔ بالخصوص چولا سلطنت کے انتظام حکومت کے مطالعے میں، جو ان سب علاقوں میں یکساں طور پر نافذ تھا۔ پھر بھی سماجی زندگی کا مندرجہ ذیل احوال ان خطوں کے متعلق سیر حاصل معلومات بہم پہنچانے کا دعویدار نہیں ہو سکتا۔

حکومت

عہدِ سنگم کی طرح چولا عہد کی حکومت بھی ایک مطلق العنان بادشاہت تھی۔ لیکن ابتدائی دور کی قبائلی طرز کی بادشاہت اور راج راجا اور اُس کے جانشینوں کی بادشاہت میں جو بزنطینی بادشاہت کا نمونہ تھی اور جس کے تحت کثیر تعداد میں شاہی ایوان، سرکاری ملازمین اور ایک وسیع و عریض سلطنت کے کثیر وسائل کے اجتماع کے شاہانہ کروفر تھے، کوئی مناسبت نہیں تھی۔

مشرقی یورپ یا قسطنطنیہ کے طرز کی بادشاہت

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ خانہ بدوش بھاٹوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ اپنے دف اور رقاصاؤں کے لئے ان عظیم حکمرانوں کے پُرشوکت ایوانوں میں یوں آزادانہ داخل ہو جاتے ہوں اور اپنی موسیقی سے ان راجاؤں کا گھنٹے دو گھنٹے دل خوش کرتے ہوں جس طرح وہ پہلے زمانہ میں کیا کرتے تھے جب چولا ریاست کا تاجدار دو اور تاجداروں کے ساتھ ایک وسیع رقبہ پر جس میں کثیر تعداد میں چھوٹے چھوٹے رجواڑے تھے جن پر آزاد امراء حکومت کرتے تھے، برتری کا دعویٰ رکھتا تھا۔ چولا بادشاہت نے راشٹرکتا جملے کے اثرات سے سنبھلنے کے بعد پورے جنوبی ہند کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اُس کی حدود مشرق و مغرب میں دونوں جانب سمندروں کو چھونے لگیں۔ شمال میں اس کی حد ایک بے ترتیب سے خط کی صورت میں منگلور کے نزدیک سے کہیں سے گذرتی تھی۔ اور دریائے تنگ بھدرا کے ساتھ ساتھ چل کر وینگی کی سرحد میں مل جاتی تھی۔ کیونکہ وینگی کا ۱۰۰۰ء سے ۱۰۰۰ء تک چولا سلطنت کے ساتھ اتنا قریبی تعلق تھا کہ اس کا الگ سیاسی وجود اس تمام مدت میں برقرار رہنے کے باوجود بین الریاستی پالیسی کے تمام عملی مقاصد کے لئے یہ چولا سلطنت کا ایک جزو بنی رہی۔ چولوں کی نمایاں فتوحات سندر چولا کی تخت نشینی اور راجندر اوّل کی تاجپوشی کے درمیانی وقفے میں ہوئیں۔ یہ فتوحات زیادہ تر عظیم شہنشاہ راج راجا کے عہدِ حکومت میں حاصل ہوئیں۔ اور چونکہ اس عہد میں چولا ریاست محض ایک چھوٹی سی ریاست نہیں تھی بلکہ اب اس کی حدود بڑھ کر ایک وسیع شہنشاہیت کی شکل اختیار کر چکی تھیں۔ لہٰذا اب بادشاہ نے بھی اس کے مطابق اپنا روپ بدل لیا اور راجہ شہنشاہ یا چکرورتگل، کہلانے لگا جس نام سے اس کی رعایا کبھی کبھی اُسے پکارتی تھی۔ گو سرکاری یادداشتوں میں اس کا ذکر اب بھی صرف اُدیا کے لقب سے کیا جاتا تھا۔ اُس کے جلد ہی بعد چولا راجاؤں نے تینوں جہانوں کے شہنشاہ

کا لقب اختیار کرلیا۔ سرکاری دستاویزوں میں راجہ کے ساتھ جہاں اس کی مہارانی کا ذکر آیا ہے وہاں اُسے "تمام دنیا کی مالک"، کہا گیا ہے۔ راج راجا کے عہد کے حجری کتبات کے ابتدائی حصے میں بطور تمہید اس عہد کے سرکردہ واقعات کا حال ایک مقررہ شکل میں درج کرنے کا طریقہ جاری ہوا۔ یہ جدت راجہ کی حیثیت میں تبدیلی کے احساس کی علامت کہی جا سکتی ہے۔ اسی احساس کی ایک اور علامت ہمیں تنجاؤر میں "راج راجیشورا" کے مندر کی پتھر کی بنی ہوئی عالی شان عمارت میں دکھائی دیتی ہے جس طرح چولا سلطنت جنوبی ہند کی دیگر سبھی ریاستوں پر سبقت لے گئی، اسی طرح یہ مندر فنِ تعمیر کے اعتبار سے اُس وقت تک کے معلوم شدہ مندروں سے آگے بڑھ گیا۔

راجدھانیاں

تنجاؤر جو موجودہ نقشوں میں تنجور کے نام سے درج ہے۔ اصل میں تنجاپوری تھا۔ جسے وجیالیہ نے نئی حکومت کے صدر مقام اور "نشمبھ سودنی"، دیوی کے مسکن کے لئے چنا تھا۔ اس دیوی نے آسے اُس کے منصوبوں میں کامیابی بخشی تھی۔ اگرچہ پلوو ریاست کی تسخیر کے بعد، کانچی ایک ذیلی راجدھانی بن گیا تھا جس میں راجگان اپنے وقت کا کچھ حصہ گذارتے تھے۔ پھر بھی ریاست کے سرکردہ ترین شہر کے طور پر تنجاؤر کی حیثیت اس وقت تک برقرار رہی جب تک گنگاپوری کے نئے شہر نے اس اہمیت ختم نہیں کردی۔ گنگاپوری جس کے پڑوس میں چولا گنگم نامی وسیع تالاب تھا، بہت صدیوں تک راج راجا کے جنگجو بیٹے راجندر کے غرور اور جاہ طلبی کی امنگ کی یادگار بنا رہا۔ ظاہرہ ہمارے پاس ان میں سے کسی شہر کا اس وقت کا لکھا ہوا تذکرہ موجود نہیں ہے کر وُدُر تیورا نے راج راجیشورا اور گنگائی کونڈا چولیشورا کے مندروں کی تعریف میں جو بھجن لکھے ہیں۔ اُن سے بس اتنا پتہ چلتا ہے کہ تنجور کے چاروں طرف قلعہ کی دیوار تھی۔ جس کے ارد گرد ایک گہری کھائی تھی۔ دوسرے شہر کے متعلق کوئی بھی تفصیل نہیں بتائی گئی ہے۔ البتہ اس عہد کے کتبوں میں گنگائی کونڈا چولاپورم کے بڑے بازار کا اور شولا کیرلن نامی شاہی محل کا ذکر آیا ہے۔ نیز اس محل سے ملحقہ غسل خانے کے شاہی عملے کا بھی جو ترو منجنار دیلم"، کہلاتا تھا۔ کمبا کونم کے قریب پلئیارد نامی شہر میں بھی ایک مندر تھا جس کا نام راج راجا کے نام پر "ارد مولی دیوا ایشورا"، رکھا گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھی ایک شاہی ایوان تھا جو راج راجا کی بہن کندوئی کی، اور کچھ عرصہ تک راج راجا کی بھی پسندیدہ اقامت گاہ تھی۔ پلئیارد کے نزدیک ایک چھوٹے سے گاؤں کا نام شولا مالگئی ابھی تک

باقی ہے۔ یہ کمبا کونم ریلوے سٹیشن سے چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور وہاں کا ایک چھوٹا سا منہدم شدہ مندر اب بھی وہاں کے قدیم شاہی محل کی نشانی بتایا جاتا ہے جس میں یہ مندر ایک محافظ دیوتا کی حیثیت رکھتا تھا[7] یہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ راجندر نے مددرامیں ایک بہت بڑا مندر تعمیر کیا تھا۔ اور اتر میرور اور کچھ دیگر مقامات میں اب بھی چولوں کے شاہی محلات موجود ہونے کے متعلق روایات موجود ہیں۔

تنجاوور

دجیالا اور اس کے جانشینوں کے دارالخلافہ تنجاوور کے بارے میں ہمیں اس عہد کے کتبوں سے دوسرے شہروں کی بہ نسبت زیادہ معلومات حاصل ہوتی ہیں ۱۰۱۰ء میں وہاں کا عظیم مندر تیاری کے قریب تھا۔ یہ مندر راج راجا کے عہد کی سب سے اہم اور تاریخی یادگار تھا۔ یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہے کہ ۱۰۱۰ء سے کتنا عرصہ قبل اس کی تعمیر شروع ہوئی تھی۔ گو اس کی دیواروں پر راجہ کے اور دیگر لوگوں کے عطیات کی تفصیلات کندہ کرنے کا حکم اس کے چھبیسویں سال حکومت یعنی ۱۰۱۱ء کے لگ بھگ جاری کیا گیا تھا، لیکن غالباً دیواروں پر یہ تحریریں کندہ کرنے کا کام تقریباً تین سال بعد شروع ہوا ہوگا[8] شہر اور اس کے نواح میں واقع متعدد شاہی محلات اور ان کے ملازمین کی رہائش گاہوں کا ذکر کتبات میں ملتا ہے۔ ملازمین کی یہ اقامت گاہیں بہت سے "ولیموں" میں بٹی ہوئی تھیں ان کے علاوہ کتبوں میں شہر کی مختلف سڑکوں اور محلوں کے نام بھی مذکور ہیں۔ دیرشولا کی بڑی سڑک اور تیر بھووَن مہادیویار کے بڑے بازار کا ذکر ایک ایسے کتبے میں ہے جس پر راج راجا کے عہد سے قبل کی تاریخ پڑی ہوئی ہے[9]۔ راج راجا کے عہد میں شہر کے اندرونی (اُلالئی) اور بیرونی (پرم بلدی) حصّوں کا فرق سامنے آتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیرونی (پرم بدی) شہر کی نوعیت ایک نئے اضافہ کی تھی۔ گویا یہ ایک نیا شہر تھا جس کی منصوبہ بندی اور بیشتر حصّے کی تعمیر خود راج راجا کے عہد میں ہوئی تھی۔ گو مذکورہ بالا بڑا بازار کچھ مدت پہلے بن چکا تھا[10] یہ بات شاید قابلِ توجہ ہوگی کہ راج راجا کے عہد میں تعمیر شدہ نئی سڑکوں میں دو اہم سڑکیں ایسی تھیں جو شرق سے مغرب کی طرف جاتی تھیں اور غالباً بڑے مندر کے سامنے سے گذرتی تھیں۔ اُن کے تمام شمالی اور جنوبی کچھیری تھے۔ ان دونوں سڑکوں پر ان چار سو رقاصاؤں کو بسایا گیا تھا۔ جنہیں ریاست کے دوسرے بڑے بڑے مندروں سے لاکر اس عظیم مندر کی خدمت پر مامور کیا

گیا تھا۔ اور جن کے ناموں اور مقبوضہ مکانات کے نمبروں کا اس وقت ہم کو علم ہے[12] ان کتبوں سے ہمیں شہر کے دوسرے مندروں کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ "جے بھیم" "تنجی نامنی" کے مندر کہلاتے تھے۔ دشنو کے ایک مندر کے ساتھ ایک ہسپتال تھا جس کا نام راج راجا کے والد کے نام پر سندر چولا ونگراتی۔ شالئی۔ رکھا گیا تھا اور جسے راج راجا کی بہن کندوئی نے بنوایا تھا[13] مجموعی طور پر ہمیں یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ ایک دولت مند اور ترقی پذیر شہر تھا جس میں ہر قسم کی آسائش ہیتا تھی۔ اور جس پر بلاشبہ مندر اور شاہی دربار کا اثر تھا۔

شاہی خاندان کی رہائش

شاہی رہائش عملہ متعدد نوعیتوں کے ملازمین پر مشتمل ہوتا تھا جس میں راجہ کے ذاتی محافظ وغیرہ بھی شامل ہوتے تھے۔ پریواروں کی مختلف جماعتوں کا ذکر آیا ہے اور اُن میں باہم فرق اُن کے الگ ناموں کے اعتبار سے واضح کیا گیا ہے۔ کیونکہ پریواروں کے یہ نام مختلف راجاؤں کے عرفی ناموں پر رکھے گئے تھے[14] یہ پریوار کبھی کبھی "ترومیہ کا یار" کہے گئے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ پریواروں کی یہ جماعتیں نجی شاہی محافظوں کی خدمات بھی انجام دیتی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ غسل خانے اور باورچی خانے کے عملے کم وبیش عورتوں پر ہی مشتمل ہوتے تھے۔ یہ شاہی محل کے ملازمین "دلیوں" میں بٹے ہوئے تھے اور تنجور اور گنگائی کونڈ چولاپورم کے شہروں کے جدا جدا حصوں میں بسائے گئے تھے[15] یہ "دلیم" بالعموم جنگ میں گرفتار کئے ہوئے مردوں اور عورتوں میں سے بھرتی کئے جاتے تھے۔ ان نجی ملازموں کو عام طور پر بہت معمولی کام کے عوض خاصی اجرت مل جاتی تھی۔ شاید "دلیوں" کا رتبہ ناگوار چاکری کا نہیں ہوتا تھا اس لئے اُن میں سے کم حساس لوگ تھوڑے ہی دنوں میں اس کے خوگر ہو جاتے تھے۔

چولا عملداری کے متعلق چاؤ جو کوا کے افکار سے ہم کو معلوم ہوتا ہے[16] کہ سرکاری ضیافتوں میں راجہ اور دربار کے چاروزرا تخت کے پایوں کے پاس سلام کرتے ہیں۔ اس کے بعد سبھی حاضرین رقص وسرود میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ راجہ شراب نہیں پیتا لیکن گوشت کھاتا ہے اور اپنے وطن کے رواج کے مطابق سوتی لباس پہنتا۔ اور آٹے کی روٹیاں کھاتا ہے اس کے دسترخوان پر خدمت کے لئے اور اس کی جلوں میں چلنے کے لئے ہزاروں رقاصائیں مامور ہیں جن میں سے تین ہزار روزانہ باری باری سے حاضر رہتی ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ شاہی خاندان کا ہر اہم فرد اپنے نجی ملازمین کا الگ گروہ رکھتا تھا۔ اس بات کا پتہ کتبوں میں دیئے گئے جملوں سے چلتا ہے جیسے "اڈیا کو دنڈ راما کی خصوصی خدمت میں پانچون مہا دیو یار کا شتر و بھنیکرت۔ ترندا ویلم وغیرہ؟" راجہ اس کی مہارانیاں اور اُس کے بے شمار رشتہ دار مندر تعمیر کر کے ان کو فراخدلی سے عطیات دے کر، بنجر اراضی کو قابلِ کاشت بنانے آبپاشی کے وسائل کو فروغ دینے، مدرسوں اور ہسپتالوں کے اخراجات چلانے اور ایسے ہی دوسرے مفید کاموں پر کثیر رقوم صرف کر کے مثال قائم کرتے تھے۔ اور بالعموم سرکاری افسران، امرا، بیوپاری اور سماج کے دیگر آسودہ حاصل طبقے ان کی تقلید کرتے تھے۔ اس بات کو بخوبی سمجھنے کے لئے کہ عوام میں وہ پاس محبت اور خلوص کیوں تھا۔ جو عام طور پر ان کے دلوں میں اپنے مختلف رتبوں والے حکمرانوں کے تئیں نیک جذبات کا محرک بنتا تھا۔ ہمیں دوسرے اسباب کے علاوہ اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا کہ اس وقت کے حکمران متعدد ٹیکسوں، چندوں اور واجبات کی شکل میں جو کچھ ان سے وصول کرتے تھے، اس کا بیشتر حصہ خیراتی عطیات اور اوقاف کی صورت میں انہیں واپس کر دیتے تھے، ایسے اوقاف و عطیات قومی اقتصادیات کا ایک لازمی جزو تھے، وہ اس معاملے میں سرکار کی جانب سے پہل کرنے کی سیاسی اور سماجی اہمیت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

دان کو یگیہ پر ترجیح دی جاتی تھی

ایک بات قابلِ توجہ یہ ہے کہ اس زمانہ کے راجہ جو ویدک قربانیاں دیتے تھے۔ اُن کے حوالے بہت کم ملتے ہیں۔ اشومیدھ یگیہ کا ذکر صرف ایک بار راجہ دھیراج کے کتبوں میں آیا ہے۔ شنگم کے زمانے کی نظموں سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت اس طرح کے فضول خرچی کی ویدک رسومات زیادہ عام تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ چولوں کے زمانے میں یگیہ اور قربانی پر دان کو ترجیح دی جاتی تھی ایسے عطیات کے لئے مواقع نہ صرف مندروں کی مرکزی حیثیت، اُن کی تنظیم، ان میں پوجا کی ضروریات کی وجہ سے حاصل ہوتے تھے۔ بلکہ مذہبی نیک نامی حاصل کرنے کے لئے، جو مالدار طبقے کے لئے عام طور پر اور راجاؤں کے لئے خاص طور پر ایک فرضِ منصبی بن چکا تھا۔ چند نئے موقعوں کا اضافہ ہو گیا تھا، مثلاً "تولا بھار" ہرنیہ گربھ وغیرہ، قرونِ وسطیٰ کے ہندو دھرم کی یہ ایک حیرت انگیز کامیابی تھی۔ کہ اس نے انسان کے مذہبی جذبات کو سماج کی مؤثر خدمت میں استعمال کیا۔
د ان کی آمدنی پر چلنے والے مندر اور مٹھ اور چولا کتبوں میں مذکورہ "اگرہار" اور چتر ویدی منگلم،

جنوبی ہند کے مذہب کی اس خصوصیت کی مثالیں ہیں۔ اس عوامی تحریک سے جینیوں کے "پلی" اور بدھ مت کے وہار بھی فیضیاب ہوئے۔

راج گورو

یہ بات اچھی طرح ثابت ہو چکی ہے کہ اپنے مذہبی عقاید کے لحاظ سے چولا حکمران کٹر شیومت تھے آج کل کے ہندو دھرم کے بیشتر فرقوں کی مانند شیومت بھی اُس کے پیروؤں کے لئے کسی گرو سے اجازت لینا لازمی ہے۔ چولا راجگان بھی بلاشبہ اس اصول پر عمل پیرا تھے اور چولوں کے پورے عہدِ حکومت میں راج گوروؤں کی یکے بعد دیگرے جانشینی کا سلسلہ جاری رہا ہوگا۔ راج راجا اوّل اور راجندر کے عہد کے کتبوں میں ایشان شوا اور شرواشوا نامی گوروؤں کے نام خاص طور سے نظر آتے ہیں اور اس امر کے شاہد ہیں کہ چولا دربار کے شیومت کا رابطہ شمالی ہند سے بھی تھا۔ راجا دھیراج اوّل کے ایک کتبے میں ایک "گرو دیو" کا ذکر آیا ہے۔ جس کا احترام راجہ اپنے روحانی مرشد کی حیثیت سے کرتا تھا۔ ایک اور راج گرو کا حوالہ کلوتنگا اوّل کے میسور کے ایک کتبے میں دیا گیا ہے۔ جس میں درج ہے کہ راجہ نے گرو کی تعمیل کی ہدایت میں ۱۰۸ چترویدی بھٹوں کو ایک "برہم دیہ" دیا۔ کلوتنگا سوم کے زمانے میں اُڈئیار سوامی دیوار کو جو مقام حاصل تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گرو عام طور پر مذہبی اداروں کے انتظام کے معاملات میں راجہ کا مشیر ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر سوامی دیوار نے راجہ کے کئے ہوئے کچھ انتظامات کو ناپسند کیا جو اس نے ایک پجاری کی موت کے بعد ترو کڈائیور کے مندروں میں پوجا کروانے کے لئے کئے تھے جب راجہ کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے اپنے احکام پر نظر ثانی کر کے اُن لوگوں کو اس خدمت پر مامور کیا جن کی سفارش سوامی دیوار نے اس بنا پر کی تھی کہ اس عہدے پر اُن کا جائز حق ہے۔

مندر بطور سمادھی یا موت کی یادگار

اس عہد کے متعدد مندر اور اکثر اُن میں رکھی گئی خاص خاص مورتیوں کے نام ان حکمرانوں کے نام پر رکھے جاتے تھے جو انہیں نصب کرواتے تھے۔ جن مورتیوں کے نام کسی زندہ حکمران کے نام پر رکھے جاتے تھے اُن کو اُن حکمرانوں کی وفات کے بعد کسی دیوتا کا درجہ دیدیا جاتا تھا "دیو راجہ" یعنی متوفی راجہ کو دیوتا تصوّر کر کے اُس کی پوجا کرنے کا عقیدہ مجمع الجزائر شرق الہند

ہیں اور جزیرہ نمائے ہند چینی کی ہم عصر ریاستوں میں جنوبی ہند کے مقابلے میں زیادہ رائج تھا[20] ہندو دھرم کے دوسرے فرقوں کے مقابلے میں اس عقیدہ کا تعلق شیومت سے زیادہ تھا۔ لہٰذا چولا سلطنت میں ایسے محرکات موجود تھے جو "دیوراجہ" کی پرستش کی وجود میں لانے میں معین تھے۔ اس امر کی تصدیق ان کتبات سے ہوتی ہے جن میں راجاؤں اور شہزادیوں کی ہڈیوں پر یادگاری مندر بنائے جانے کا ذکر ہے۔ اور اس کی خاص خاص مثالیں یہ ہیں۔ تونڈ مانادیں آدتیشورا کا مندر جسے راجہ پرانتکا اوّل نے اپنے والد کی "پلی پڑئی" کے طور پر بنوایا تھا[21] میل پاڈی کے مقام پر ارنجئی ایشورا کا مندر جسے راج راجا اوّل ارنجیار کی یادگار میں تعمیر کروایا تھا جو آزور کے مقام پر فوت ہوا تھا[22] اور رام ناتھن کوئیل میں واقع پنچن ماد ایشورا کا مندر جو راجندر اوّل نے تعمیر کیا تھا[23] حال ہی میں جب کئی مندروں کی مرمت کا کام شروع کیا گیا تو ان کے مقدس حجروں کے نیچے انسانی ہڈیاں پائی گئیں[24] بعد کے زمانے میں اس رواج کو ناپسند کیا جانے لگا جس کا ثبوت یہ ہے کہ رام ناتھن کوئیل کے کتبے کا ذکر اوپر آیا ہے۔ اس میں لفظ "پلی پڈی" کو مٹانے کی کوشش کی گئی ہے[25]

حکمرانوں کی قدِ آدم مورتیاں

بتایا جاتا ہے کہ تنجور کے مندر میں راجہ سندر چولا پرانتکا دوم کی ایک مورتی نصب کی گئی تھی اور اس کی بیٹی کندوئی نے اس کی پوجا کے انتظامات کئے تھے۔ اس خاتون نے ایک اور مورتی بھی اسی مندر کو دان کی تھی جو خود اس کی یا اس کی والدہ کی مورتی تھی[26] اسی مندر میں شہنشاہ راج راجا اور اس کی مہارانی لوک مہادیوی کے بت بھی تھے[27] شیمبن مہادیوی نامی گاؤں کے جس کا نام گندھر آدتیہ کی پاک طینت مہارانی کے نام پر رکھا گیا تھا۔ مندر میں اس کی ایک مورتی تھی جس کی باقاعدگی سے پوجا کی جاتی تھی[28] آج بھی تنجور اور کال ہستی کے مندروں میں کم و بیش مستند نوعیت کی مورتیاں ملتی ہیں۔ جو راجہ راجندر اور مہارانی چولا مہادیوی کی مورتیاں تصور ہوتی ہیں۔ یہ مثالیں یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ موت کے بعد اور اکثر ان کی زندگی ہی میں شاہی افراد کا شمار دیوتاؤں میں کیا جانے لگتا تھا۔

فوج

راج بری اور بحری فوج کا حاکم اعلےٰ ہوتا تھا۔ کتبات میں فوج کی کثیر التعداد پلٹنوں

کا ذکر مع ان کے خصوصی ناموں کے ملتا ہے۔ ان کتبوں میں فوج کی ایک خاص خصوصیت یہ نمایاں
کی گئی ہے کہ اس کے ہر ایک پلٹن کی ایک الگ متحد اور منظم زندگی ہوتی تھی اور انہیں اپنے نام
سے عطیات دینے اور مندر تعمیر کروانے کی پوری آزادی تھی بعض مرتبہ افراد جو ابھی ملازمت
میں ہوتے تھے یہی راستہ اختیار کرتے تھے اور اسی طرح کی کارروائیوں کی یادداشتوں
ہی سے ہمیں ان پلٹنوں اور افراد کے نام معلوم ہوتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ راجا کی افواج کی جنگی
زندگی اور تنظیم سے زیادہ ہمیں ملک کی شہری اور غیر فوجی زندگی میں ان کے کردار کے بارے
میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ وینکسیا نے راج راج راجا کے کتبات سے تیس سے زیادہ پلٹنوں
کے نام اخذ کئے ہیں۔ اور اگر راج راجا سے قبل اور بعد کے راجاؤں کے عہد کے کتبات میں
سے ایسے ہی نام نکالے جائیں تو ان پلٹنوں کی فہرست تقریباً ستر تک پہنچ جائے گی۔ ان پلٹنوں
میں سے ہر ایک کے نام کے ساتھ اس کی تشکیل کی تاریخ بھی درج ہے۔ ان میں سے ہر نام
اس وقت کی یادگار قایم کرتا تھا جب یہ پلٹنیں قایم کی گئی تھیں اور ان کی تشکیل کی وجہ بھی
ظاہر کرتا تھا۔ اس طرح بہت سے راجاؤں کے القاب جو بصورت دیگر معروف تھے ان کتبوں
میں محفوظ ہوگئے۔ جیسے "پارتھوشیکھرا" "سمرکیسری" "وکرم شنگھا" "تائے تونگ،، "دان تونگا" "چنڈ
پراکرما" "راج کنجرا" وغیرہ۔ پلٹنوں کے یہ نام چولوں کی توسیع سلطنت کے ابتدائی زمانے میں چولا
فوج کے بتدریج اضافے اور کسی حد تک اس کی مختلف شاخوں کی نوعیت کے شاہد ہیں مثال
کے طور پر ہمیں فیل سوار فوج (آنئی پانگل") اور کنجر ملر، "گھوڑ سوار پلٹن (کیدرئی چیوگر) اور بری
فوج کے کئی اور شعبوں اور حصوں کے متعلق پتہ چلتا ہے: "کائیکول پرم بڈئی" یعنی کائیلوں کی
عظیم فوج میں کائیکولر نام والی سبھی پلٹنیں شامل ہوتی تھیں۔ اس نام کو اکثر "ماقندگان" کے
جدید معنی[12] دئے جاتے ہیں لیکن چولا کتبات میں اس اصطلاح کو اس کے لفظی معنی میں استعمال
کیا گیا ہے یعنی ان لوگوں کا گروہ جو اپنے ہتھیاروں کی طاقت کے لئے ممتاز ہیں یا فوج کے
بازوؤں کے جنگ جو۔ پھر تیر اندازوں کی کچھ پلٹنیں تھی جو "وِل گل" کہلاتی تھیں اور شمشیر زنوں
کی پلٹنیں جو "والپیڑا کائیکولر" کہلاتی تھیں۔ دائیں ہاتھ والی فوج یا ولنگئی کی ولئی کار ر سپاہ
کا ایک بہت بڑا حصہ تھی۔ اور متعدد پلٹنوں پر مشتمل تھی" اوٹگئی"، یا بائیں ہاتھ والی فوج کا ذکر
دیے باہوں کے پولو نروُوا کے کتبے میں آیا ہے۔ قیاس کہا جاتا ہے کہ یہ رضا کار سپاہی ہوتے
تھے جو خاص مواقع (ویلئی) پر کئے جاتے تھے[13] لیکن یہ بات قابلِ یقین نہیں معلوم ہوتی۔

حقیقت میں "ویلئی کارر" شاہی فوج کا مستقل اور سب سے زیادہ معتبر حصّہ تھا اور اس کے عہدے کے نام سے یہ ظاہر ہے کہ وہ راجہ اور اس کے مقاصد کی حفاظت کے لئے ہمیشہ تیار رہتا تھا۔ اور اس کے سپاہی "ویلئی" (مواقع) آنے پر جان کی بازی لگا دیتے تھے۔ بعد کے کچھ ادبی حوالوں سے بھی اس رائے کی تائید ہوتی ہے[93]۔ غالباً اپنے مقصد اور تنظیم میں "ویلئی کارر" کی طرح کی سپاہ "تیرُ ولن" "اَیَتُو دو یگل" تھی جو پانڈیا راجاؤں کی فوج میں ہوتی تھی۔ جس کے متعلق مارکو پولو نے کہا ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ راجہ کے قریب رہتے تھے۔ اور ریاست میں بہت اختیار رکھتے تھے[94]۔ "شَرُودَم" اور "پیرِن دَم" کا فرق فوج کے دوسرے حصّوں میں بھی، جن کا ذکر اب تک کیا گیا ہے، پایا جاتا تھا بعض مرتبہ پلٹنیں ان کے علاقائی نام سے شناخت کی جاتی تھیں۔ جیسے "پانڈپ پاڈئی"[95]

ضلع تنّے ویلی میں واقع امباسمدرم کے قریب ترُدوالیشورم سے دستیاب شدہ ایک نادر کتبہ ایک پلٹن کی جنگی تاریخ فراہم کرتا ہے اس پلٹن نے اپنا نام "موزرُ دُکی مہاسینئ" (یعنی تین شعبوں والی عظیم فوج) رکھتا تھا۔ بدا اگرچہ اس کتبے پر تاریخ درج نہیں ہے پھر بھی اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ راج راجا اوّل اور راجندر اوّل کے عہد حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کتبے میں بتایا گیا ہے کہ "مہاسینئ" نے مسلسل وشنو اور شو کی پوجا کی اور کنٹروں کو شکست دے کر ان کا تعاقب کیا اس فوج نے گانگیا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ کلماڈم کو تسخیر کیا۔ اور ولی نم کو جو سمندر کے کنارے آباد ہے۔ تباہ کر دیا۔ یہ فوج سمندر پار کر کے مشرقی کنارے پہنچی اور ماتوٹم کو پیوست خاک کر دیا۔ پہاڑی ریاست ملائی ناڈو کو تسخیر کر کے شمالی میں دشمن کے بحری بیڑے "کلم ڑُتو" کو شکست دی۔ اس نے دلاّن (چالوکیہ) کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اور ون واسی پر قبضہ کر لیا۔ کال ہستی کے تامل شاعروں نے ان کارہائے نمایاں کے لئے اس فوج کی مدح سرائی کی ہے اس پلٹن نے کچی کی پہاڑی پر واقع گڑھی کو بھی تباہ کیا۔ اور اچنڈری (اچنگی دروگ) پر قبضہ کر لیا۔ وڈوگا (شمالی) سرداروں کو شکست دی جنہوں نے ان سے مقابلہ کیا تھا وا تاپی کی فصیلوں کو منہدم کر دیا اور کچھ اور کام بھی کئے جو اس کتبے میں کچھ عبارات مٹ جانے سے ٹھیک طرح سمجھ میں نہیں آتے۔ اس پلٹن کو پانڈی ناڈو کے رہنے والے" اور تین قسم کے ہتھیاروں والی عظیم پلٹن کے بے باک سپاہی" کہہ کر بھی پکارا جاتا تھا۔ انہوں نے ترُدُوالیشورم کے مندر کو مع اس کی جملہ املاک کے اور پجاریوں کے اپنی مستقل پناہ میں لے لیا۔ یہ ظاہر ہے کہ جن جنگی مہمات میں کامیابی حاصل کرنے کا دعویٰ اس پلٹن نے لیا ہے وہ راج راجا اور اس کے جانشینوں کے عہد میں پیش آئی تھیں بسنہ ۱۰۹۶ء کے شیر بادیوی

کے کتبے میں اس پلٹن نے اپنی شجاعت کا اعلان کیا ہے[37] اور ایک مندر اور اس کی املاک کو اپنی حفاظت میں لیا ہے۔ یہاں اس پلٹن کو "تین ڈویژنوں (کائیوں) کی عظیم فوج کے کئی ہزار مسلح جنگ جو" کہہ کر پکارا گیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ فوج مقامی رسالوں اور چھاؤنیوں "جو کنڈگم" کہلاتی تھیں، کی صورت میں پھیلی ہوئی ہوتی تھی۔ اس بات کا واضح ثبوت ذیل کی اصطلاحات ہیں: "اینلور کنڈگم کے ول گل یعنی اینلور چھاؤنی کے تیر انداز[38] "زِرُو وڈائی مرودل میں تعینات فوج" اوورپ۔ پڈائت تلا یُون[39] (اس شہر کے فوجی دستور کا کپتان)[40] جنوبی ہند کی جنگی مہم کے خاتمے پر کلوتنگا اوّل نے کوتاوٹیں ایک فوج تعینات کی اور چولا ریاست سے لے کر اس مقام تک سڑک کے کنارے کنارے فوجی بستیاں بسائیں[41]۔ اس حکمران نے اپنے چھیالیسویں سالِ حکومت میں ضلع جنوبی ارکاٹ میں مڈیلام کے مقام پر کچھ فوجی دستے تعینات کئے[42]۔

فوج میں بھرتی کے طریقے اور مستقل فوج کی تعداد کے متعلق ہم کوئی اندازہ نہیں لگا سکتے قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ فوج کے بہت سے سردار (سیناپتی) برہمن خاندانوں سے تھے اور جب کبھی وہ خاص امتیاز حاصل کر لیتے تو "برہمادھیراج" کہلانے لگتے تھے: "ولیموں" میں جو بچے پیدا ہوتے، اور پروان چڑھتے تھے[43]۔ معلوم ہوتا ہے کہ فوج عام طور سے انہی میں سے بھرتی کی جاتی تھی۔ اگرچہ ان سے فوج کا محض ایک معمولی سا حصہ پورا ہوتا تھا۔ اس امر کی کوئی خاص شہادت نہیں ملتی کہ یہ سپاہی جنگی تربیت حاصل کئے ہوئے ہوتے تھے جن میں اور شہری آبادی میں کوئی قدر مشترک نہیں ہوتی تھی۔ دوسری طرف اس بات کے واضح ثبوت موجود ہیں کہ وہ محض گنواروں کا گروہ نہیں ہوتے تھے۔ جنہیں خاص مواقع کے لئے جبری بھرتی کر لیا جاتا ہو اور جنہیں نہ تو کوئی جنگی تربیت دی جاتی ہو۔ اور نہ جن کو میدانِ جنگ کا کوئی ذوق ہو ایک دیسی فوج کو جس میں "موئزدو کئی ہماسینئی" جیسی پلٹنیں شامل تھیں جو اپنی خاص روایات رکھتی تھیں، نہ اس طریقے سے بھرتی کیا جاتا ہوگا اور نہ اس طریقے سے رکھا جاتا ہوگا۔ کنڈگموں (چھاؤنیوں) کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ فنونِ جنگ میں گاہے بگاہے تربیت نظم و ضبط کا قائم رکھنا چولا حکومت کے محکمہ فوج کے لئے کوئی انوکھی بات نہ تھی اس بات کا کافی ثبوت موجود ہے کہ فوج شہری زندگی کے معاملات میں گہری دلچسپی لیتی تھی۔ اور اس کے مختلف حصے پیشہ وارانہ یا علاقائی نوعیت کی بے شمار انجمنوں کی طرح کام کرتے تھے۔ جن کے متعلق ہمیں آگے چل کر

تفصیل سے بحث کرنی ہوگی ان کی جانب سے اجتماعی طور سے یا نجی حیثیت سے دی ہوئی خیراتی جاگیروں اور اوقاف کا تو ذکر پہلے آچکا ہے۔ نیز اس بات کا بھی کہ "مونڑو کئی جہاسینئی" نے اپنے فتحے ترو والیشورم مندر کی حفاظت لے لی تھی۔ یہ بھی ہمارے علم میں ہے کہ راج راجا کی "کائیکول پلئی کی تین پلٹنوں"[95] نے سومور میں تعینات محکمہ مال کے ایک افسر کے ساتھ اس جرمانے کے عاید کرنے اور وصول کرنے میں تعاون کیا تھا جو سورج گرہن کے موقعے پر دیوی کی مورتی کا جلوس نہ نکالنے کے لئے مقامی مندر کے کارپردازوں پر لگایا گیا تھا۔ ریاست پڈوکوٹہ میں کنڈمیامئی کے مقام سے ملنے والے کچھ بعد کے چولا کتبات میں فوج کے دو ایسے ڈویژنوں کا ذکر آتا ہے جو شہری معاملات میں دلچسپی لیتے تھے کلوتنگا اول کے چھتیسویں سال حکومت (1106ء) میں مونڑو پڈائپ پوڑ کوئل کائیکولر" اور نائپ پلئی پلی پلی آئینوڑوور"۔ نے مقامی مندر کو وقف کی گئی ایک خیراتی جاگیر کے بند و بست میں ناڈو کی مجلس سے تعاون کیا تھا[96] پھر 1121ء میں اس کائیکولر کو کوناڈو میں تعینات بتایا گیا ہے جہاں اُسی مندر میں ہر سال متعدد تیوہاروں کے انتظام کرنے کا فریضہ ان کے ذمّے تھا[96]۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ یہاں فوج کے جن دو ڈویژنوں کا ذکر آیا ہے وہ فوج کی ان چار قسموں میں سے دو تھیں جو ہندوستانی نظام سیاست کی کتابوں میں تجویز کی گئی ہیں۔ (۱) موروثی (مول) اجرت پر رکھے ہوئے سپاہی (بھرتیکا) ملیشیا یعنی رضاکار فوج (شیرینی) اور (۴) قبائلی فوج (اٹوی)۔ "کائیکولر" غالباً وہ شاہی فوج تھی جسے سرکاری خزانے سے باقاعدہ تنخواہ ملتی: "ناٹوپڈئی" رضاکار فوج تھی جسے کوٹلیہ نے "شیرینی"، یا جان پد" کا نام دیا ہے۔ یہ غالباً مقامی تحفظ کے لئے ہوتی تھی[97]۔ بے عیب پانچ صد" کون تھے اور باقی "ناٹوپڈئی" کے ساتھ ان کا کیا تعلق تھا، یہ یقین سے بتانا ممکن نہیں ہے۔

چولوں کے عہد حکومت کے اختتام تک فوج کا ڈھانچہ اور عوام کی شہری زندگی میں اس کا کردار بظاہر وہی رہا جو کہ اس عہد کے آغاز میں تھا۔ راج راجا سوم کے عہد میں "نرشنگھ وکرم ورر" کہلانے والی پلٹن کے ایک رکن نے بلیوے ضلع بنگل پٹ میں ایک مندر تعمیر کروایا اور اسے کچھ عطیات دیے[98]۔

1178ء میں ایک چینی مصنف نے چولا سلطنت کے متعلق لکھتے ہوئے اس کا اور اس کی فوج کا حال اس طرح بیان کیا ہے[99]: "یہ ملک (ہندوستان) کے مغرب میں واقع ریاستوں کے خلاف برسرپیکار رہتا ہے۔ اس کی حکومت کے پاس ساٹھ ہزار جنگی ہاتھی

ہیں جن میں سے ہر ایک سات یا آٹھ فٹ (۸ ہاتھ — ۹) اونچا ہے۔ لڑتے وقت یہ ہاتھی اپنی پشت پر مکان اٹھائے ہوتے ہیں اور یہ مکان سپاہیوں سے پُر ہوتے ہیں۔ جو بہت دور تک نشانہ باندھ کر تیر اندازی کرتے ہیں اور دشمن کے بہت قریب جاکر اس کے خلاف نیزوں سے لڑتے ہیں جب وہ فتحیاب ہو جاتے ہیں تو ان کی خوبی کو نمایاں کرنے کے لئے ان ہاتھیوں کے کچھ اعزازی نام رکھ دئے جاتے ہیں۔ اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جو ان کو جھول، جن پر کام بنا ہوتا ہے۔ اور چارہ کھلانے کے طلائی برتن عطا کرتے ہیں۔ ہاتھیوں کو روزانہ معائنے کے لئے راجہ کے حضور میں پیش کیا جاتا ہے۔

جنگوں کے اثرات

ہمارے ماخذ جنگ کے اس نظریے کی تائید نہیں کرتے جس کے مطابق جنگ محض پیشہ ور جنگجوؤں کے مابین نیزہ بازی کا مقابلہ ہوا کرتی تھی اور پاس پڑوس کی معمول کی زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتی تھی۔ ان سے تو یہی ظاہر ہے کہ جنگ آتش و آہن کا ایک خونین کاروبار تھی۔ اور خواہ چولوں کے کتبات سے اسے جانچا جائے یا ان کے حریف چالاکیوں کے کتبوں سے، دریائے تنگ بھدرا کے دونوں جانب جنگ وجدل کی تلخیوں کے باعث کئی پشتوں تک زندگی ایک بوجھ بن گئی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکثر جنگ وجدل میں انسانی اقدار کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ اور جنگ میں شریک نہ ہونے والوں کو بھی نقصان پہنچایا جاتا تھا۔ ان کی مستورات کی بے حرمتی کی جاتی تھی۔ اور اُن کے اعضا تک کاٹ دئے جاتے تھے۔ لنکا اور کرناٹک سے دستیاب ہونے والی شہادتیں اتنی واضح ہیں۔ کہ انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مندروں کی غارتگری جس کا الزام چالوکیہ کتبوں میں راجندر اوّل پر عاید کیا جاتا ہے، جزوی طور پر مذہبی اختلافات کے باعث کی جاتی تھی اور کچھ حرص وطمع سے۔ راجندر شیومت کا مقلد تھا۔ اور منہدم کئے گئے مندر کثیر دولت اور جاگیر والی جین بستیاں تھیں۔ جو دشمن کے علاقے میں واقع تھیں اور اس لئے انکی لوٹ مار جائز تھی۔ بیرونی ریاستوں کے خلاف جنگوں سے جو مال غنیمت چولوں کے ہاتھ لگا ہوگا وہ بے حد کثیر رہا ہوگا اور چولا کتبات نے یہ بات صیغۂ راز میں بھی نہیں رکھی کہ عوامی اداروں کو دان اور اوقاف میں جو کچھ شہنشاہوں کی جانب سے دیا جاتا تھا۔ وہ اکثر دشمن سے لوٹی ہوئی دولت ہوتی تھی۔ جنگ میں لوٹا ہوا مال غنیمت راجہ کی ملکیت سمجھا جاتا تھا۔

وہ جیسے چاہے اسے صرف کرتا تھا۔ راج راجا اوّل نے اپنے چھٹے سالِ حکومت میں حکم دیا کہ شِنلی اور پاکی ناڈو سے جو تو تنو بھیڑیں قبضہ میں آئی تھیں وہ کانچی پورم کے دُرگا کے مندر کو راجہ کے اپنے نام سے دستِس چراغ دان دینے کے لئے وقف کردی جائیں۔[1] ایک جگر اور ایک سرکاری افسر نے راجہ کو اس غرض سے عرضی دی ہے کہ مل ناڈو کی فتح کے بعد وہاں سے لائی ہوئی مورتیوں میں سے ایک مورتی اسے عطا کی جائے اور اس کے نتیجے میں اُسے مرکتا دیور کی مورتی مل گئی جو جلد ہی بعد اس نے ترو دلیم میں نصب کردی۔[2]

بحری فوج

"لاتعداد جہاز" جو راجندر کی افواج کو شری وجیا کی سلطنت اور اس کی زیرنگیں ریاستوں کی تسخیر کے لئے "ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر" کے پار لے گئے، یکبارگی پیدا نہیں ہوئے ہوں گے انہیں اس عہد کے چولا شہنشاہوں کی ایک مستحکم بحری پالیسی کا ثبوت سمجھنا چاہئے۔ ہندوستانی سمندروں کے ذریعے ہونے والی بحری تجارت اور سرگرمیوں میں عہد سنگم کے قدیم چولا راجاؤں کا خاصا بڑا حصہ تھا۔ مجمع الجزائر ملایا اور ہند چینی کی ہندو نوآبادیوں کی تاریخ اس بات کی واضح شہادت دیتی ہے۔ کرپلوؤں کے تحت ان ممالک اور جنوبی ہند کی ریاستوں کے مابین تجارتی اور ثقافتی تعلقات میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ تکواپا کا ایک تامل کتبہ شاہد ہے[3] کہ بحری تجارت کی ایک اہم کارپوریشن "منی گرامم" نے خلیج بنگال کے دوسری طرف کے ساحل پر نویں صدی عیسوی میں اپنے قدم جمالئے تھے۔ چولوں نے اپنی بحری طاقت میں اضافے کی جانب جو توجہ دی، اس سے وہ ایک قدیم روایت آگے بڑھاتے رہے۔ لنکا اور مالدیپ کی تسخیر اور اس زمانے میں چولا سلطنت کی جانب سے چین کو بھیجے گئے سفارتی وفود کے متعلق چین کے تاریخی واقع کی شہادت سے ہمیں کچھ حد تک اُس کامیابی کا پتہ چلتا ہے جو انہوں نے اس مقصد میں حاصل کی۔ کاندلور شالئی میں جیزدں کے بحری بیڑے کی شکست کو جنوبی ہند کے ساحلی سمندروں میں چولوں کی بحری طاقت کے اس وقت قائم ہونے کا پکا ثبوت سمجھا جا سکتا ہے۔ ان دنوں استعمال میں لائے جانے والے جہازوں کی ساخت کے متعلق ہمارے پاس براہ راست معلومات بہت کم ہیں۔ اس بات کے پیش نظر کہ پیری پلس کے مصنف نے صدیوں قبل کارومنڈل کے ساحل پر تین اقسام کے جہاز دیکھے تھے اور راجندر کی

بڑی جنگی مہم بھی، بجائے خود ایک بہت بڑا کارنامہ تھی۔ ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ چھوٹے بڑے جہازوں اور کشتیوں پر مشتمل ایک منظم بحری بیڑہ موجود رہا ہوگا۔ نویں صدی میں جب دوردراز کے ممالک تک بحری تجارت بڑی سرگرمی سے جاری تھی، ایک عرب سوداگر سلیمان نے اور خلیج کے فارس کے درمیان کئی سفر کئے۔ مالدیپ کے متعلق اپنے دلچسپ تذکروں میں وہ لکھتا ہے کہ وہاں کے لوگ کمال ہنرمندی کے ساتھ جہاز تعمیر کرتے تھے، مکان بناتے تھے اور دوسرے بہت سے کام کرتے تھے[94] سلیمان کو کارومنڈل کے ساحل کی طرف آنے کا کوئی موقع نہیں ملا۔ اور اس نے جتنے بحری سفر کئے وہ چالیس سال کے چولوں کے زمانۂ عروج سے قبل کئے۔ مالدیپ میں تعمیر کئے جانے والے جہازوں کی خوبی اور ان جزائر پر راج راجا کے بحری بیڑے کی فتح کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم اس عہد میں چولوں کی بحریہ کی طاقت کا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔ ابوزید حسن سے سلیمان کی تصنیف پر دسویں صدی کے آغاز میں جو حاشیہ لکھا ہے اس نے بتایا ہے کہ بحرِ ہند کے جہاز، بالخصوص وہ جو سرف میں تعمیر کئے جاتے تھے، ساخت میں بحرۂ روم کے جہازوں سے مختلف ہوتے تھے۔" یہ حقیقت ہے کہ ایک خاص قسم کے جہاز جو لکڑی کے ٹکڑوں کو باہم سی کر بنائے جاتے ہیں صرف سرف میں تیار کئے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس سیریا (شام) اور روم (بازنطم) کے جہاز بنانے والے چوبی تختوں کو کیلوں سے ٹھونک کر آپس میں جوڑتے ہیں۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ سیتے نہیں[95] آج ہم مدراس کے ساحل پر ایسی کشتیاں دیکھ سکتے ہیں جن میں چوبی تختے ناریل کے ریشے کی رسیوں سے سئے ہوئے ہوتے ہیں لیکن عام طور پر یہ چھوٹے ناپ کی کشتیاں ہوتی ہیں۔ اور ابوزید نے اپنی رائے بحرِ ہند کی جہاز رانی کے متعلق ۹۱۶ء کے لگ بھگ اُن معلومات کی بنا پر قایم کی تھی جو اسے سرف میں حاصل ہوئی تھیں[96] لیکن اس کی رائے ایک صدی بعد کی چولا سلطنت کی بحریہ کی تعداد اور اہمیت کے صحیح تعین میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ اگر عرب مصنفین بہت زیادہ پہلے کی بات لکھتے ہیں تو یہ بدقسمتی سے مارکوپولو بہت بعد میں آتا ہے۔ لہٰذا چولوں کے تحت کارومنڈل کے ساحل پر جہاز سازی کے متعلق کوئی بھی اچھا ہمعصر تذکرہ ہمیں دستیاب نہیں ہوتا۔ احمد ابن مجید نے جو پندرھویں صدی کا ایک عرب لکھنے والا ہے۔ اور جس نے جہازرانی پر متعدد کتابیں لکھی ہیں چولوں کی آرا کی طرف کئی اشارے کئے ہیں جن سے اس نے کبھی اتفاق کیا ہے۔ اور کبھی ان میں ترمیم کی ہے۔ اس کے پیشِ نظر ناملوں (چولوں) کا تخلیق کردہ جہاز رانی کے متعلق اچھا

خاصا لٹریچر ہوگا جس کا مقابلہ اس نے اسی نوعیت کی عرب تصانیف سے کیا ہوگا۔ اس لٹریچر میں کارومنڈل کے ساحل کے جہاز رانوں کے استعمال کے لئے جغرافیائی جدولوں اور مختلف بندرگاہوں کے مقام وقوع کے عرض البلد کے متعلق اشارات شامل ہوں گے؟ "اس عرب مصنف اور دوسرے لکھنے والوں نے جن تمل تصانیف کے حوالے دئے ہیں بدقسمتی سے ان کا کوئی بھی حصہ باقی بچا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔

راجہ

عوامی انتظامیہ میں راجہ کا کام یہ تھا کہ وہ ذمہ دار سرکاری افسروں کی جانب سے اس کی نجی توجہ کے لئے جو عرضداشتیں بھیجی جاتی تھیں، ان پر زبانی فرمان صادر کرتا تھا۔ ایسے مواقع پر وزرا ہمیشہ حاضر رہتے تھے۔ اور ان کا یہ فرض ہوتا تھا کہ وہ راجہ کی بھیجی گئی عرضداشتوں کے ضروری نکات کا خلاصہ تیار کریں اور ان پر راجہ کے احکام کا بھی، اور ان احکام کی نقول ضروری کارروائی کے لئے مرکزی یا مقامی انتظامیہ کے افسران کو ارسال کریں۔ اصل عرضداشت پیش کئے جانے کا وقت اور مقام عرضداشت کے پیش کرنے والے افسر کا نام اور اس مخصوص ایوان کا نام جہاں بیٹھ کر راجہ نے اس عرضداشت کی سنوائی کی ہو۔ یہ سب باتیں اکثر حکم سناتے وقت درج کر دی جاتی تھیں۔ جب اس حکم کو عوام میں مشتہر کرنا منظور ہوتا تھا عام طور پر اسے احکام لکھ کر ایسے مقامات پر آویزاں کر دئے جاتے تھے جہاں عوام کی رسائی ہوتی تھی، جیسے کہ عام طور پر مندروں کی دیواروں پر۔ مثال کے طور پر لیڈن کے بڑے عطیہ نامے میں راج راجا کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اس نے شولامنی ینم وبارکے "پلی" (مندر) کو آنئی منگلم کا عطیہ دینے کا فرمان اس وقت جاری کیا جب وہ اپنے راجاشریہ نامی محل کے جنوبی ایوان میں جو تنجاوور شہر کے بیرونی حصے میں واقع تھا، اجلاس کر رہا تھا۔ اور یہ فرمان ایک منشی نے تحریر کیا تھا۔ "نام شولانم اولئی الیودمم ..... امدن تیر تکرن الیوتنال" اسی طرح کی دوسری مثالیں بھی باآسانی فراہم کی جا سکتی ہیں۔ بعض مرتبہ فرامین کی یہی طرز چولا پانڈیا وائسرایوں کے کتبات میں بھی استعمال کی گئی ہے۔ جو ہمیشہ شاہی خاندان کے فرد ہوتے تھے؟ یہ مثالیں بیشتر کسی نہ کسی شکل میں عطیات سے تعلق رکھتی ہیں۔ البتہ دوسرے معاملات کا نبٹانے کا طریقہ اس سے کچھ مختلف نہ ہوتا ہوگا۔ خود کتبات کی ایک طرفہ نوعیت کے باعث اسے قطعی

طور پر ثابت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

حکومت اور سماج

وزراء یا مرکزی حکومت سے تعلق رکھنے والے دیگر افسران کی کسی مجلس کی موجودگی کی کوئی شہادت نہیں ملتی۔ ایک کثیر التعداد اور با اختیار افسر شاہی انتظام سلطنت کے کاموں میں راجہ کا ہاتھ بٹاتی تھی جو رائج الوقت نظام کو اپنی گرفت میں رکھنے اور اس کی نگرانی کرنے کا فرض ادا کرتی تھی اور بالفرض کہیں اس میں کوئی تبدیلی لانے کی ضرورت ہو تو اس کو خاموشی سے بروئے کار لاتی تھی۔ اس دور کی کسی بھی ہندوستانی ریاست کو قانون سازی کے اختیارات اس اصطلاح کے موجودہ معنوں میں حاصل نہیں تھے۔ نہ تو کوئی قانون ساز مجلس تھی اور نہ انتظامیہ پر کوئی قانونی گرفت رکھنے کی کوئی کوشش کی جاتی تھی۔ جو کچھ بھی قانون سازی ان دنوں میں ہوتی تھی وہ مقامی مجالس کے احکام یا اعلانات (ویوستھا) کی شکل میں ہوتی تھی جن کا مقصد اتنا ہی ہوتا تھا کہ کسی پیش آمدہ صورتِ حال سے نپٹ لیا جائے۔ اس طرح کے اعلانات چونکہ اس عام نظریئے کے مطابق ہوتے تھے جس کو دھرم سمجھا جاتا تھا تو اس لئے رائے عامہ ان کے حقوق میں ہوتی تھی اور وہ سماجی ضابطے کا حصہ بن جاتے تھے اور راجہ کی حکومت کو بالآخر اسی ضابطے کو نافذ کرنا ہوتا تھا۔ ہندوستانی سماج پولیس اور انصاف کے فرائض کے علاوہ کوئی بھی اور کام حکومت کی تحویل میں نہیں دیتا تھا۔ یہاں تک کہ افراد اور گروہوں کے مابین تنازعات کے فیصلے بھی مرکزی حکومت کے افسروں کو اطلاع دیئے بغیر ہی ہو جاتے تھے اور یہ جھگڑے ان تک ان صورت میں جاتے تھے جبکہ دوسرے ذرائع ناکام ہو چکے ہوتے تھے۔ سماجی فلاح کے ضروری فرائض تو بے شمار مقامی مجلسیں سرانجام دیتی تھیں جو موروثی یا رضاکارانہ نوعیت کی ہوتی تھیں اور مرکزی حکومت کا کام صرف امن و قانون کو برقرار رکھنا ہوتا تھا۔ جو ان لاتعداد سماجی تنظیموں کی بقا اور ان کے فرائض کی تکمیل کے قابل بنے رہنے کے لئے ضروری تھا ہر ایک سماجی گروہ اپنے اپنے ضابطۂ قانون (سمرتی) دانش ور (شِشٹ) اور بزرگ سربراہوں کا جتنا وفادار ہوتا تھا، اُتنا شاہی فرامین کا نہیں ہوتا تھا جو قانون (دھرم) اور رواج (آچار) کے خلاف ہوتے تھے راجہ کسی اعتبار سے قانون ساز نہیں تھا۔ وہ محض سماجی زندگی اور قوانین کا محافظ تھا۔

چولا افسر شاہی

اس معاملے میں چولا حکومت ظاہراً اپنی ہم عصر دوسری حکومتوں سے مختلف نہ تھی اسے جو بات ان حکومتوں سے ممتاز کرتی تھی وہ اس کی بہتر انتظامیہ مشینری تھی جو اس نے ایک اعلیٰ طور پر منظم اور انتہائی مستعد اور ہوشیار افسر شاہی کو وجود میں لاکر حاصل کی تھی۔ اس کے علاوہ چولا حکومت اس بات کا پورا خیال رکھتی تھی کہ افسروں کی بڑھتی ہوئی تعداد مقامی اداروں اور حکام کی آزادانہ زندگی میں کسی طرح کی مداخلت نہ کر سکے۔ لیکن انکی پوری طرح نگرانی رکھے اور ان کے معاملات کی گاہے بگاہے جانچ پڑتال کر کے انہیں صحیح راستہ پر لگائے رکھے۔ ہم عصر تاریخی دستاویزوں کا جتنا ہی کوئی مطالعہ کرتا ہے اتنا ہی وہ اس توازن کا مداح ہوتا ہے۔ جو مرکزی نگرانی اور مقامی اختیار عمل یا بہ الفاظ دیگر حکومت اور سماجی گروہ کے درمیان رکھا گیا تھا۔ افراد کی بطور افراد کوئی حیثیت نہیں تھی ،، فرد بہ مقابلہ حکومت ،، کا مسئلہ کبھی ایسے سماج میں اٹھتا ہی نہیں تھا۔ جسے بجا طور پر ہم " جماعتوں کا اشتراک ،، کہکر پکار سکتے ہیں۔

شاہی ملازموں کو مختلف خطابات والقاب ملے ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ قدیمی شہرت رکھنے والے خطابات تھے مثلاً ایناذی۔ اور مارائن جن کا ذکر سنگم کے قدیم زمانے میں بھی پایا جاتا ہے " تولکاپیم ،، کے مصنف نے " مارائن " کے خطاب کا ذکر جن معنوں میں کیا ہے ۹۵ اس سے ایسا لگتا ہے کہ ابتدا میں یہ ایک فوجی خطاب تھا جس سے میدان جنگ میں حاصل کردہ امتیاز کا پتہ چلتا تھا۔ لیکن چولا عہد کے کتبوں میں اس خطاب کو عام طور سے شہری پیشوں کے اظہار کے لئے استعمال کیا گیا ہے مثلاً " کذگئی " مارائن " راجیا مارائن ،، وغیرہ

سرکاری امراء

" ماراتی " کا خطاب بھی دیکھنے میں آتا ہے جو " مارائن ،، کا مؤنث ہے۔ اور مارئنوں کی بیویوں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا ۹۶ " ارائین ،، اور پیرارائین کچھ اور خطابات تھے جو عام طور سے مستعمل تھے اور جو شہری پیشوں میں امتیاز رکھنے والے اشخاص کو عطا کئے جاتے تھے مثلاً " نیتا پیرارائن ،، یعنی فن رقص کا ماہر ایک عام خطاب " ادگاری گل ،، بھی ہمارے علم میں ہے جو فوج اور انتظامیہ کے اعلیٰ افسروں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا جن میں

ان دنوں فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ آج کل کیا جاتا ہے۔ یہ" ادگاری گل" اکثر حکمران وقت کے نام کو اپنا نام بتاتے تھے اور اس کے بعد صرف "مودینید دیلار" کا لفظ شامل کر دیتے تھے۔ اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ اُن کے ذاتی نام کا پتہ لگانا بعض اوقات ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور جب تک خاص احتیاط نہ برتی جائے ایک ہی یا ایک دوسرے سے مشابہ خطابات والے دو افسروں کے نام باہم خلط ملط بھی ہو سکتے ہیں "تکیہ گار پرانی" کا مفسر ہمارے زیرِ مطالعہ دور کے بلا شبہ چند صدیوں کے بعد" ادگاری گل" طبقے کا ایک انوکھا حال سناتا ہے جسے یوں بیان کیا جا سکتا ہے بتایا جاتا ہے کہ" ادی گاری گل" ان خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں جو بھوج راجہ کی اولاد سے تھے۔ ان خاندانوں کے افراد صرف منتری کی حیثیت سے ملازمت قبول کرتے ہیں اور دوسرا کوئی کام نہیں کرتے۔ یہ ایک نامناسب بات ہے کہ چولا عہد میں وہ محاسب کے عہدے پر کام کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ تاج نہیں پہن سکتے۔ انہیں باقی تمام شاہی علامات کے استعمال کا استحقاق حاصل ہے۔ اس لئے منتری کے علاوہ اور کوئی عہدہ قبول کرنا اُن کے شایانِ شان نہیں[62]" اس انوکھی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سرکاری رؤسا کے نئے طبقے میں جو چولوں کے انتظامیہ ڈھانچے کی وسعت کے باعث ابھر رہا تھا اپنی ایک خصوصیت قایم ہو گئی تھی اور جلد ہی اس خصوصیت نے جڑ پکڑی تھی۔ گو ادگاریوں" کی بیویاں" ادگارچی" کہلاتی تھیں لیکن ہمارے سامنے ایسی عورتوں کی مثالیں موجود ہیں جنہیں مہارانیوں کے عملے میں شامل ہونے کے باعث یہ خطاب اپنے نجی استحقاق سے حاصل تھا[63] اس عہد کے کتبوں میں ایک اور عام امتیاز جو مذکور ہے وہ اعلےٰ درجے اور ادنےٰ درجے کے سرکاری رؤسا کا باہمی فرق ہے۔ یہ فرق "پیرندرم" اور "شِرترم" کی اصطلاحوں میں اور اصطلاحوں کے مقابلے میں زیادہ واضح ہوتا ہے۔ (اکثر "ترم" لفظ کی بجائے "تنم" لکھا جاتا ہے[64]) بعض افسروں اور ملازموں "کرومگل" اور "تینی مگل" کے متعلق اور اکثر فوج کے مختلف عہدیداروں کے متعلق ذکر آیا ہے کہ فلاں فلاں "پیرندرم" سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور فلاں فلاں "سِٹردنم"، سے[65] کی مرتبہ ایک درمیانی مرتبہ کا ذکر "شِرتنپ پیرندرم" کی اصطلاح کے ذریعے کیا گیا ہے لیکن اس طبقے میں افواج کے کمانڈر اور سیناپتی تک شامل کئے گئے ہیں[66] یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ نہ صرف راجہ بلکہ اُس کے بعض زیادہ بڑے جاگیردار جیسے کہ پلو ویٹرئیار کنڈن ماڈون[67] نیز شاہی خاندان کے دوسرے افراد بھی غالباً ان اعلیٰ اور ادنیٰ طبقوں منقسم کارندوں کو ملازم

رکھتے تھے۔ "پرندرم" کا ذکر سب سے پہلے مدورائی کونڈا ماج کیسری کے پانچویں سال حکومت[68]
یعنی ۱۱۱۱ء عیسوی کے قریب آیا ہے۔ راج راجانے اپنے "پیرندرم" درجے کے آٹھ افسروں کو
مع چند دیگر اشخاص کے بزدلی یا بدچلنی کا کوئی کام کرتے ہوئے موقع پر پکڑ لیا تھا۔ ان افسروں
نے تنجور کے مندروں کو چراغوں کے عطیے دیئے۔ یہ عطیے ان کی قسموں کو پورا کرنے کے لئے دیئے
گئے تھے۔ جو انہوں نے راجہ کی جانب سے بے عزت کیے جانے سے بچنے کے لئے خدائی مدد
حاصل کرنے کی غرض کھائی تھیں[69]۔ راجا دھیراج دوم کے عہد میں "پیرندرم"، اور "ششٹردنم"
دونوں درجوں کے منصفوں کا ذکر آیا ہے۔

ملازمت میں بھرتی اور معیاد ملازمت

مختلف درجوں کے ملازمین کے ابتدائی انتخاب، تقرری اور آئندہ ترقی اور اُن کے طریقہ کار کے متعلق بہت کم معلومات دستیاب ہوئی ہیں۔ آغاز ملازمت کے وقت اعلےٰ حسب ونسب اور اونچی جگہوں میں رشتہ داریاں کام آتی ہونگی۔ اگرچہ بعد کی ترقی ہر ملازم کی انفرادی قابلیت اور اہلیت پر منحصر ہوتی تھی۔ نیز ان مواقع پر جو اسے امتیازی خدمت کے لئے ملتے تھے اور جن سے وہ فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ چونکہ تخت کے جانشین کا انتخاب بھی ان امیدواروں کے انفرادی اوصاف کو ملحوظ رکھ کر کیا جاتا تھا جو اُس امیدواری کے مستحق تصور کئے جاتے تھے۔ اور راجاؤں نے برابر اپنی ہی پشت یا اگلی پشت میں سے اپنے ولی عہد کا تقرر قابل ترین آدمیوں میں سے، نا اہلوں کو نظر انداز کرکے ہمیشہ پوری آزادی سے اور بلا رو رعایت اپنی مرضی سے کیا۔ لہٰذا یہ قیاس غلط نہ ہوگا کہ شاہی ملازموں کے انتخاب اور ترقی میں بھی ذاتی قابلیت پر اتنا ہی زور دیا جاتا ہوگا۔ ملازمین کو اُن کی خدمات کا معاوضہ دینے کا رائج طریقہ یہ تھا کہ ہر ملازم کو اپنے درجے یا عہدے کے مطابق کچھ رقبہ اراضی کا بطور جاگیر دے دیا جاتا تھا[70] جو اس کی "جیوتا"، کے طور پر اس کے قبضے میں رہتا تھا۔ سرکاری خزانے سے نقد کی صورت میں ادائیگی عام طور سے نہیں ہوتی تھی۔ لیکن ان جاگیروں سے جو آمدنی ہوتی تھی، وہ دو حصوں میں ہوتی تھی۔ ایک وہ جنس کی شکل میں وصول کیا جاتا تھا، دوسرا وہ جو نقدی کی شکل میں وصول ہوتا تھا۔ ان تمام معاملات میں جو کچھ دیا جاتا تھا۔ وہ اراضی کی ملکیت نہیں ہوتی تھی اراضی

تو ہمیشہ اسی کی ملکیت ہوتی تھی جس کا اس پر قبضہ ہوتا تھا۔ یا گاؤں والوں کی مشترکہ ملکیت ہوتی تھی جب تک کہ جملہ حقوق ملکیت کوئی خرید نہ لے۔ جو دیا جاتا تھا وہ اس رقبے کا لگان ہوتا تھا۔ جس کی وصولی کے حقوق مرکزی حکومت کو حاصل تھے[72]؟ اس طرح کی جاگیر میں اکثر پورا گاؤں ہی نہیں بلکہ پورا ضلع بھی دے دیا جاتا تھا[73]؟ اور یہ ہی وجہ ہے کہ بہت سے سرکاری اہلکاروں کا ذکر کسی مخصوص گاؤں یا "ناڈو" کے مالک یا سربراہ (اڈئیان یا کلان" کی حیثیت سے کیا گیا ہے[74]؟ جاگیردار کو اس کی اجازت ہوتی تھی کہ وہ اپنے حاصل کردہ حقوق، پورے یا ان کا ایک جزو فروخت کر دے یا ان کو کسی اور طریقے سے منتقل کر دے۔ اس طرح کے بندوبست سے ایک غیر یقینی صورت حال پیدا ہو سکتی تھی۔ اور اس کا غلط استعمال بھی کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ایسی غلط کارروائیوں کو حقوقِ اراضی کے صحیح سرکاری اندراج اور گاؤں کی رائے عامہ کے ذریعے موثر طور پر رد کیا جا سکتا تھا گاؤں کی رائے عامہ بھی اس زمانے میں کئی طرح سے اثر پذیر ہو سکتی تھی۔

انتظامیہ حلقے

اپنے انتظامات خود کرنے والا گاؤں حکومت کی ایک اکائی ہوتا تھا۔ بہت سے گاؤں مل کر ملک کے مختلف حصوں میں "کوٹم" یا "ناڈو" یا "کوٹم" کہلاتے تھے۔ اگر کسی رقبے کے لئے "تینوئر" (تنی پور۔ علیحدہ شہر) کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ وہ ایک بڑے رقبے کا گاؤں ہوتا تھا جو اتنا بڑا ہوتا تھا کہ بذاتِ خود "کوٹم" بن سکتا تھا۔ جیسا کہ اس ضمن میں استعمال ہونے والی اصطلاح "تن کوڑو" [75]؟ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کتبات سے ایسے تنفوروں کی متعدد مثالیں مل سکتی ہیں۔ جو قرونِ وسطیٰ کے انگلستان کے "باروز" مشابہ ہوتے تھے[76]؟ بہت سے "کوٹموں" کو ملا کر ایک "ولنا ڈو" بنتا تھا۔ جو اکثر اس خطے میں "ناڈو" کہلاتا تھا۔ جہاں چھوٹے حلقوں کو کوٹم کہا جاتا تھا۔ مثلاً تونڈئی ناڈو عرف جیئن گونڈ شولا منڈلم"۔ "ولنا ڈو سے بڑی اکائی منڈلم" [77] ہوتی تھی۔ یعنی خاص صوبہ جو انتظامیہ ڈھانچے کا سب سے بڑا حصہ ہوتا تھا۔ راج راجا کے عہد کے خاتمے پر لنکا کو ملا کر چولا سلطنت کے آٹھ یا نو صوبے تھے۔ اس تعداد میں غالباً کبھی مزید اضافہ نہیں ہوا[78] ماتحت حلقوں کی حدود میں اکثر تبدیلیاں ہوتی رہتی تھیں اور ان کے نام بھی اتنے زیادہ بار بدلے جاتے تھے کہ مؤرخوں کی یہ شکایت حق بجانب معلوم ہوتی ہے کہ چولوں کا جغرافیہ بھی ایک ہی قسم کے ناموں کی وبا میں اتنا ہی مبتلا رہا جتنا کہ خود اسکے راجہ

سرکاری عہدے اور انتظام سلطنت

حکومت کے کچھ افسروں کے عہدے اور فرائض جو چولا عہد کے زیادہ اہم کتبوں میں درج ملتے ہیں، ہمیں اس زمانے کی انتظامیہ کے افسروں کی تعداد اور تنظیم کے متعلق کافی واقفیت بہم پہنچاتے ہیں۔ ہر درجہ کے ایسے افسران عام طور سے جن ناموں سے منسوب کئے گئے ہیں وہ "کردمگل" اور "پنی مکل" ہیں جن کو اہلکار اور ملازم کہا جاسکتا ہے۔ سندر چولا کی انبل کی تختیوں میں انی ردھ نامی کے ایک برہمن "بھیو" ("وزیر") کا ذکر آیا ہے۔ جس کا باپ ایک معلم تھا جس نے درس وتدریس کی زندگی میں نام پیدا کیا تھا اور جس کا دادا ایک آہتا گنی اور زنگیش دیوتا کا بھگت تھا۔ انی ردھ، انبل گاؤں کے ایک معزز ویشنو خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ "جیمنی سوتر"، اور "اویشکا گوتر" کے اس "معزز وزیر" (مانیہ سچو) کا صحیح مقام انتظامیہ میں کیا تھا۔ لیکن اسے "برہما دھیراج" کا خطاب اور "دس ویلی"، اراضی کی مستقل جاگیر راجہ کی شفقت اور تعلقِ خاطر کی بنا پر دی گئی تھی۔ راجہ کے اس حکم کی تعمیل کے لئے جو طریقہ استعمال کیا گیا وہ بالکل سادہ تھا۔ یہ حکم ایک "شری مکھم" (زبانی فرمان) کی شکل میں "انتی" نے جاری کیا جو اس مقصد کے لئے راجہ کا نامزد کردہ انتظامیہ افسر تھا۔ باقی کارروائی مقامی اداروں پر چھوڑ دی گئی جن کے نام یہ خط تھا۔ اور جب یہ کارروائی مکمل ہو گئی اور اس کی یادداشت تیار کرلی گئی۔ تو متعدد اشخاص نے اس کی تصدیق کی جو مقامی امرا معلوم ہوتے تھے اور اپنے آپ کو "نا ٹوکون"، "تاڈوکلون اور اور ڈنیان" کے عہدوں سے منسوب کرتے تھے۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ گواہان محض گرد ونواح کے سرکردہ اشخاص تھے یا حکومت کے تحت وہ کچھ مخصوص عہدوں پر تعینات تھے۔ واقعہ جو بھی ہو، چند برس بعد اسی طرح کے انتقال اراضی کے لئے کہیں زیادہ طویل کارروائی اختیار کی جاتی تھی۔ اور اس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ اس عرصہ میں انتظامیہ کا ڈھانچہ کس قدر پیچیدہ ہو چکا تھا۔ لیڈن کے بڑے عطیہ نامہ اور ترووالنگاڈو، کرن دئی اور چارالا کی تختیوں کی سرکاری طرز تحریر میں ایک دوسرے سے بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔ "چوڈامنی ورما وہار" میں واقعہ بدھ دھرم کی عبادت گاہ کو دئے گئے "آنئ منگلم" کے عطیہ کا فرمان راجہ نے اپنے عہد حکومت کے اکیسویں سال کے بانوے[92] دن جاری کیا تھا۔ اسی سال کے چھیانوے[96] دن یہ تحریر کیا گیا۔ اور اس پر عمل درآمد اس کے

تینسویں سالِ حکومت کے ایک سو تیرھویں دن مکمل ہوا۔ راجندر اول کی ترووالنگاڈو کی تختیوں پلائیانور کے بطور "دیودان" دئے جانے کی یہی تاریخیں بالترتیب اس کے چھٹے سالِ حکومت کا اٹھاسیواں اور نوّے واں دن، اور ساتویں سالِ حکومت کا ایک سو پچیسواں دن درج ہیں۔

اتم چولا کے ایک کتبے میں ہمیں تفصیلات درج کرنے میں غفلت کی ایک مثال ملتی ہے۔ یہ غفلت کچھ تو اس وجہ سے ہوئی کہ حسابات کی جانچ پڑتال اور نگرانی کا نظام جو بعد میں تفصیل سے بنا۔ ابھی تک وجود میں نہیں آیا تھا شٹریاروُر نامی گاؤں راجہ آدتیہ اوّل کے عہد کے اکیسویں سال میں "دیودان" اور "برہم دیہ" کے طور پر دیا گیا تھا۔ یہ اپراجتا کی شکست اور تونڈئی منڈلم پر قبضہ کر لینے کے فوراً بعد کی بات ہے اگرچہ اس عطیے کا "شاسن" اس کے اگلے ہی برس تیار کر لیا گیا تھا لیکن حسابات کی کتابوں میں اس کا اندراج پرانتکا اول کے چوتھے سالِ حکومت تک یعنی بارہ برس بعد تک نہیں کیا گیا تھا۔ پھر پرانتکا اوّل کے چھتیسویں سالِ حکومت میں ایک مندر کی وقف کی اراضی کے لگان میں اضافہ کیا گیا یہ لگان پڈو پاکم گاؤں کے دیہی مجلس کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجلس اضافہ شدہ لگان کی ادائیگی سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئی۔ اتم چولا کے عہد حکومت کے آخر میں کانچی پورم میں سارا معاملہ تحقیقات کی غرض سے راجہ کے سامنے پیش ہوا۔ حکم عدولی کرنے والوں کو سزا دی گئی۔ اور مندر کے حقوق بحال کئے گئے۔ اس مثال میں جو گڑبڑ ہوئی وہ کچھ اس زمانے کی بدنظمی کے باعث بھی تھی۔ جو راشٹر کُتوں کے حملے کا نتیجہ تھی۔ اس معاملے پڈو پاکم کی سبھا کے خلاف استغاثہ مندر کے کارپردازوں کی جانب سے ایک اعلیٰ افسر کی عدالت میں دائر کیا گیا جس کو "شولمووینڈ ویلان" کا خطاب ملا ہوا تھا۔ وہ افسر اس استغاثہ کو راجہ کے پاس لے گیا۔ راجہ نے فریقین کو اپنے سامنے طلب کیا اور خود چھان بین کے بعد فیصلہ صادر کیا۔ جس کے مطابق اُس نے مندر کے نام پرانے وقف کی توثیق کی اور پڈو پاکم گاؤں کو دھان کی اور سونے کی ایک مخصوص مقدار مندر کو دینے کے لئے پابند کر دیا۔ نیز یہ حکم دیا کہ کاغذات میں ضروری اندراج کر دیا جائے۔ اس موقع پر جو افسران موجود تھے۔ ان میں کردی "تھا اور دوناڈو وِڈ کائی۔ جو "اُنشی" اور "وائے کیلوی"، کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ حکم وہاں ڈیوٹی پر تعینات ایک اتر منتری (اولئی ایلڈم) نے تحریر کیا اور اس کا مقابلہ اور تصدیق "اولئی نائگم"، نے کی۔ ۲۱ ء کے بعد ایک کردی نے رجسٹروں

زوریہ پتنک بُنولگا) میں اس دستاویز تنو یا یاانا) کے مطابق ضروری اندراج کرنے کا حکم دیا۔ تب "پرّدووادی" کے چار افسر جن میں سے ایک اڑمنتری تھا، "وری پوتنگم"، کا ایک افسر، دو افسر "وری پوتلک کنگو" کے اور دو افسر وری بلیڈو کے جو سب موجود تھے، انہوں نے سرکاری رجسٹروں ضروری اندراج کیا اور اس کی تصدیق کی۔ لیڈن کے فرمان عطیہ میں بھی ضابطے کی کاروائی کے یہ مراحل قریب قریب اسی ترتیب سے گنوائے گئے ہیں[85] اور آخر میں ایک مرحلہ کا اضافہ بھی ہے مندرا اولئی منصب کا ایک عہدہ دار "پتنک کوزم" کے "ناٹار" کو ایک "ترو منگم" ارسال کرکے درخواست کرتا ہے۔ کہ وہ عطیے میں دئے ہوئے گاؤں کی حدود کی صحیح طور پر نشان دہی کرکے ایک اڑودلئی (عطیہ نامہ) تیار کردے۔ یہ کام "پرّدووری" کے افسر کی موجودگی میں کیا جاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ بات بھی نظر آجاتی ہے کہ اس عطیے کے حکم پر "پتنا کوزم" کے گاؤں کے تمام نمائندہ افسروں نے دستخط کئے ہیں۔ تیرو والنگاڈو کی تختیوں میں ان آخری مراحل کا ذکر بھی کیا گیا ہے جن کا خاتمہ اڑودلئی (عطیہ نامہ) کے تیار کرنے پر ہوتا تھا۔ ان تختیوں میں مذکورہ بالا افسروں کے علاوہ کچھ مزید افسروں کا ذکر بھی ہے مثلاً پرّدووری۔ تنائک کلم[87] "بڑولئی" کیل۔ گوہٹی۔ پرّدووری۔ تنائیک۔ کلتک لنکانی"

بہت سی دوسری تحریروں میں ان ہی عہدیداروں کا ذکر ایسے ہی حالات میں ملتا ہے۔

مثال کے طور پر راجندر کے ترو ملکوڈل کے کتبے میں[88] مندرذیل مرحلوں کا اندراج ہے۔ راجہ کا زبانی حکم نوٹ کرلیا جاتا ہے (ایلتو) یہ کام ایک ترو مندیر اولئی کرتا ہے۔ پھر اس کا مقابلہ تین افسر کرتے ہیں جو "ترو مندرا ولئی نائکم" کہلاتے ہیں۔ اس کے بعد اس کا اندراج کیا جاتا ہے۔ تین دیگر عہدہ دار جن میں سے ایک "وڈائیل ادگاری" ہوتا ہے "ویری" میں اس کے اندراج کا حکم دیتے ہیں۔ پھر (اُڈن کوٹم) کے چار افسران یہ کام کرواتے ہیں: "پرّدووری تنائک کلم" کے نو سپرنٹنڈنٹ (کنکانی) ایک وری پوتنگم، گیارہ ملکوٹی، تین وری بلیڈو دو وری پوتلک کنگو اور ایک "بڑولئی" "وری" میں کئے گئے اس اندراج کی تصدیق کرتے ہیں جو اس امر کا ثبوت ہوتا ہے کہ جب حکم پڑھ کر سنایا اور متعلقہ رجسٹر میں درج کیا گیا تھا۔ اس وقت یہ افسران موجود تھے۔ لیکن ہمیں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہر ایک شاہی حکم کی تعمیل کے لئے اتنے سارے افسروں کی حاضری لازمی ہوتی تھی۔ اس کتبے میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ بلا شبہ غیر معمولی تھا۔ اور اس میں بہت سی تفصیلات طے ہوتی تھیں۔ اور ان کا صحیح اندراج کرنا تھا۔ دراصل یہ کتبہ دنیا کے طویل ترین پتھر کے کتبوں میں سے ایک ہے۔ ان عہدوں میں

سے بیشتر ان ہی یا ان سے ملتے جلتے ناموں کے ساتھ راج راجا سوم اور راجندر سوم کے عہد تک برقرار رہے۔

کیونکہ چولا راجاؤں کے وقت کے لٹریچر سے اُس زمانے کے عوامی نظم ونسق کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں بہت کم مدد ملتی ہے۔ لہٰذا ہمیں اس سلسلے میں محض کتبوں ہی پر مکمل انحصار کرنا پڑتا تھا۔ اور مذکورہ بالا اصطلاحات کی تشریح کرنے کی کوشش میں ہمیں یہ دیکھنا پڑتا ہے۔ کہ کون سی اصطلاح کس سیاق وسباق میں استعمال کی گئی ہے "ناڈو درکئی" کی اصطلاح کے لغوی معنی ہیں "وسط میں ہونا" اور کیونکہ یہ اصطلاح وجنابتی وائے کیلوی یعنی سائل اور آنتی" یعنی افسر مجاز دونوں کے استعمال ہوئی ہے۔ اس سے راجہ اور اس کے سامنے معاملے کے لانے کے خواہش مند دونوں کے درمیان رابطہ کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کوئی شہادت نہیں ہے۔ کہ اس کام کے لئے کوئی خاص افسر تعینات تھے۔ بلکہ اس کے برعکس یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ اعلیٰ مرتبہ والے افسر کسی نہ کسی وجہ سے خاص خاص افراد یا گروہوں کی حمایت کرتے تھے۔ جو راجہ سے انصاف کے طالب ہوتے تھے۔ اور ان مخصوص معاملوں میں "ناڈو درکئی" کے فرائض انجام دینے کے لئے آمادہ ہو جاتے تھے۔ اسی طرح کچھ خاص شاہی فرمانوں کی تعمیل کا کام کچھ افسروں کے سپرد کیا جاتا تھا۔ جو اس مقصد کے لئے منتخب ہوتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ "اولئی" کے افسران ایک خاص اہلیت کے افسر ہوتے تھے۔ اور اس تنظیم کی تشکیل بڑی احتیاط سے کی گئی تھی۔ تاکہ احکام کو تحریر میں لانے کے کام میں کوئی غلطی نہ ہونے پائے۔ اِس طرح حکم کا پہلا مسودہ جو اولئی افسر لکھتا تھا جو راجہ کے روبرو حاضر رہتا تھا "اولئی نائکم" جانچ کر کے منظور کرتا تھا یہ افسر اونچے درجے کا ہوتا تھا۔ جو شاہی احکام کی زبان سے بخوبی واقف ہوتا تھا۔ اور جو سرکاری دستور اور روایات کا محافظ ہوتا تھا اس کی حیثیت دور جدید کے سیکریٹریٹ کے مستقل اہلکاروں جیسی ہوتی تھی۔ جو رائج الوقت ضابطوں اصولوں اور دستوروں کی روشنی میں ہر نئی تجویز کا جائزہ لیتے ہیں۔ اب "اولئی" کہیں جاکر "تِرو" کی صورت اختیار کرتا ہے اور اُس پر اگلی کاروائی کی بنیاد پڑتی ہے جیسے کہ مستقل رجسٹروں میں اندراج یا متعلقہ مقامی حکام کو اس کے بارے اطلاع دینا مقامی مجلسوں یا اداروں کو بھجوائے گئے اس طرح کے اطلاع نامے "ترومنگم" یا "فری مکم"

کہلاتے تھے[92] اور مکتوب الیہ انہیں اکثر بہت اُدب و احترام سے وصول کرتا تھا۔ بہرحال ان احکام کی وصولی کا اندراج کرنے کا سرکاری طریقہ بہت ہی مؤدبانہ ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر ان بل کی تختیوں میں ایسے مواقع کے لئے اس طرح کے خوشنما جملے تحریر کئے گئے ہیں[93] شری نکھم کو دیکھتے ہی ہم اس کا خیر مقدم کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسے سلام کیا، اور اسے لینے اور پڑھنے سے پہلے اپنے سر پر رکھا۔ مستقل سرکاری کاغذات میں سے "ورپ پوتگم" اور "ورپ پڈنگ کنکو"، کے درمیان ہمیں احتیاط سے فرق کرنا ہوگا۔ جیساکہ ان ناموں سے ظاہر ہے یہ دونوں مالیاتی نظام کے اہم ترین رجسٹر تھے۔ یہ بات ہم محض اس خیال کی تائید کے لئے نہیں کہہ رہے جو اکثر تمام مشرقی حکومتوں کے متعلق ظاہر کیا جاتا ہے کہ وہ اوّل اوّل صرف ٹیکس وصول کرنے کا ذریعہ ہیں۔ سبھی حکومتیں جو حکومت کہلانے کی مستحق ہیں۔ اپنے اور اُن عوامی کاموں کے جو ان کو کرنا ہوتے ہیں۔ اخراجات کے لئے ٹیکس تو وصول کرتی ہی ہیں۔ اور اس بات کی کافی شہادتیں موجود ہیں کہ چولا حکومت اپنے مالیہ کا بہت خیال رکھتی تھی۔ لیکن "ورپ پوتگم" بالجبر استحصالِ زر کا رجسٹر نہیں تھا۔ بلکہ مکمّل جانچ پڑتال اور اراضی کی صحیح گرداوری پر مبنی اراضی کے حقوقِ ملکیت کا ہوشیاری اور احتیاط سے تیار کیا ہوا ریکارڈ تھا۔ جس میں تربیت یافتہ اہلکاروں کی ایک جماعت برابر تازہ حالات معلوم کر کے اندراجات کرتی رہتی تھی اور اسے تادم تحریر مکمل اور صحیح رکھتی تھی۔ یہ اہلکار ملازمت کے دستور و روایات اور راجہ اور حکومت کے تئیں وفاداری کے ان جذبات سے بیگانہ نہیں تھے جن پر موجودہ دور کی انتظامیہ کا مدار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ "وری پوت لک کنکو"، وہ رجسٹر ہوتا ہے جس میں آج کل رقم واجب الوصول، وصولی اور بقایا واجب الادا دکھلائے جاتے ہیں۔ اس میں کسی وقت بھی وصول کا حساب صاف مل سکتا ہے۔

مختلف درجوں کے مذکورہ بالا اہلکاروں کے صحیح صحیح فرائض متعین کر کے بتانا آسان نہیں ہے۔ "پرو دوری تنا نک کلم" کی اصطلاح اتنے مختلف طریقوں سے استعمال کی گئی ہے۔ کہ اس کے معنی اور مفہوم کو صحیح صحیح معلوم کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ "پُرو دو"، کے معنی ہیں "، زیرِ کاشت اراضی،[94] لہٰذا "پرو دوری" کا مترادف "آراضی کا لگان" ہوگا۔ لفظ "پرودو" تنہا ان ہی معنوں میں متعدد کتبوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور بظاہر اس میں اراضی سے قابلِ وصول تمام مطالبات شامل ہیں۔ خواہ وہ جنس کی شکل میں ہوں یا نقدی

کی صورت میں[95]. درحقیقت اس سیاق وسباق میں یہ لفظ دورِ جدید کی اصطلاح تشخیص مالگزاری سے بہت مشابہہ ہے، جو کہ ہندوستان کے افسرانِ مال ایک خاص معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں. یہ کہا جاسکتا ہے کہ "وری پوتگم"، کی اصطلاح "پُردُوری پوتگم کا مختلف ہے. اور لگانِ اراضی کے لئے مستعمل اس مرکب لفظ کا دوسرا ٹکڑا "پردوری تنائک کلم" کے معنی لازماً محکمہ مال ہوں گے. اور یہ اصطلاح جتنی بھی ترکیبات میں استعمال ہوئی ہے، ان کی تاویل اسی طرح سے ہونی چاہئے[96] یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اراضی کا ریکارڈ تیار کرنے اور رکھنے والے افسروں اور ان افسروں میں فرق رکھا جاتا تھا. جو کسی علاقے میں لگان وصول کرتے تھے اور نظم ونسق چلاتے تھے. پوری سلطنت پر نگرانی رکھنے والے مرکزی دفتر اور مقامی دفاتر میں بھی فرق رکھا گیا تھا. مقامی دفاتر مرکزی دفتر کے آگے جواب دہ تھے. مثلاً وہ افسران جو جیئن گونڈ شولامنڈلم میں تعینات تھے. اور جن کا ذکر ترووالنگاڈو کی تختیوں میں کیا گیا ہے[97] کنکانیوں کی ایک خاصی تعداد کا ذکر بھی مختلف جگہوں پر آیا ہے: "کنکانی"، ایک طرح کے نگران تھے. جو مرکزی حکومت کے نمائندے کی حیثیت سے حسابات کی جانچ پڑتال کرنے کے محکمے سے وابستہ ہوتے تھے. یہ ہر علاقے میں مختلف محکموں کے اہلکاروں پر نگرانی رکھنے کے لئے تعینات کئے جاتے تھے: "وری پوتگم" میں گئے اندراج کو "وری پلیٹڈ" کہتے تھے. اور یہ ممکن ہے کہ صرف "وری پلیٹڈ" اور "وری پوتگم"، کا منصب رکھنے والے اہلکار ہی کاغذات میں نئے اندراجات کرنے کے مجاز ہوں اور اگر تانبے کی تختیوں میں دی گئی مثالوں کی روشنی میں جانچا جائے تو یہ ایک بڑا طویل اور پیچیدہ ضابطہ عمل تھا. جس میں لگ بھگ ہر مرحلے پر کافی تشہیر کی ضرورت ہوتی تھی. بظاہر دو درجوں کے "مگویٹی[98]" اور "پیولی"، بھی محکمہ مال کے ادنیٰ اہلکار ہوتے تھے[99] جن کے فرائض کا ہمیں صحیح طور پر علم نہیں ہے. یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "مگویٹی"، دراصل "شری مگ وپٹی" کا مخفف ہو اور اس سے شاہی مراسلوں کی کتابت یا انہیں کندہ کرانے کے فرض کا اظہار ہوتا ہو[100]

زمانہ حال کی طرح ان دنوں بھی محکمہ مال کے افسران کے عہدے یا منصب سے ظاہر ہونے والے فرائض کے علاوہ کچھ اور بھی فرائض ہوتے تھے. جو دوسرے شعبوں سے متعلق ہوتے تھے. اکثر وہ مندروں کی آمدنی اور خرچ کی نگرانی کرتے تھے. یا مقامی حکام کو اس کام میں مدد دیتے تھے[101] کہیں وہ مندروں کے حسابات کی جانچ اور خرچ کی روک

تھام کرتے نظر آتے ہیں[92]۔ ایک مثال ایسی بھی ہے جس میں انہوں نے دیہی مجلس کو نقد روپیہ ادا کر کے ایک سرکاری محکمے کی جانب سے اراضی خریدی چونکہ یہ کتبہ ادھورا ہے۔ اس لئے اراضی کی خرید کے مقصد کا کچھ پتہ نہیں چل سکا[93]۔ وہ اہم سرکاری دستاویزوں کی تصدیق بھی کرتے ہیں جو دیہی مجلس یا "سبھائیں"، تیار کرتی ہیں۔ اِن دستاویزوں میں اُن کی منظور کی ہوئی قرار دادیں ہوتی ہیں جو اراضیات کو لگان اور دوسرے واجبات کی ادائیگی سے مستثنیٰ کرنے[94] اور کسی خاص گروہ کے لوگوں کے منصب اور ذمہ داریوں کے متعین کرنے سے متعلق ہوتی ہیں[95]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُنہیں مجسٹریٹوں کے اختیارات بھی حاصل تھے۔ ایک ایسا بھی واقعہ ہے جس میں ان افسروں نے کلور نامی گاؤں کے لوگوں سے نیک چلنی کی ضمانت لی کیونکہ انہوں نے ایک مندر کی کچھ اراضیات کو کاشت کرنا چھوڑ دیا تھا جس کی ذمہ داری انہوں نے شروع میں لی۔ چنانچہ آئندہ کیلئے انہیں حکم دیا گیا کہ وہ نہ صرف اس اراضی کو واگزار کر دیں بلکہ یہ یقین دہانی کریں کہ وہ اپنی متروکہ اراضیات کو کاشت کرنے کے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالیں گے اور نہ ان زمینوں پر دوبارہ کسی قسم کا دعوےٰ کریں گے[96] ورنہ ان پر غداری کے الزام میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ کتبوں میں فضول قسموں اور حلفیہ اقراروں کی بڑی افراط ہے۔ جس قصے کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس میں کارپردازوں اور ایک نواحی گاؤں کلور کے باشندوں کے مابین ایک بہت تلخ تنازعہ چل رہا تھا۔ کلور میں کچھ اراضیات اس مندر کی ملکیت تھیں جن کی کاشت شروع میں اس گاؤں کے باشندوں کے سپرد کی گئی تھی گاؤں کے لوگوں نے اچانک زمینوں کو کاشت کرنا چھوڑ دیا اور ان اراضیات کی کاشت جاری رکھنے اور مندر کو مقررہ رقم کی قسطیں ادا کرنے سے معذوری ظاہر کی۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اب انہوں نے محکمۂ مال کے افسران سے جو اقرار نامہ کیا اس سے یہ تنازعہ ختم ہو گیا۔ میسور کی ریاست میں ایک آدمی کے قتل کے مقدمے کی سماعت ایک تاثراسٹنے کی[97]۔ ایک اور واقعہ یہ ہوا کہ محکمۂ مال کے ایک اہلکار نے جو محاسب[98] تھا کچھ رقم اپنے پاس بطور امانت رکھی۔ جو منل نامی گاؤں کے ایک وقف کی رقم تھی۔ اور جو گاؤں کی مجلس کے زیر تحویل تھی۔ اس اہلکار نے ایک مقررہ شرح پر اُس رقم پر سود دینے کا اقرار کیا۔ یہ اُس نے اپنی نجی حیثیت سے کیا ہو گا۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ ایک سرکاری ملازم کے ذاتی طرزِ عمل کی بڑی دلچسپ مثال ہے۔

کتبوں میں ہمیں مختلف اضلاع میں مرکزی حکومت کے کچھ اور نمائندہ عہدوں کے نام بھی ملتے ہیں۔ ان کے فرائض منصبی کے متعلق ہم ابھی تک کوئی صحیح اندازہ نہیں کر سکے ہیں ہم یہاں

صرف ان کے نام تحریر کر سکتے ہیں۔ جیسے "شنڈ دوگرہم" جہاماترا جو کر ایک قدیمی نام [۹] ہے۔ ناڈو دکوٹم، وگئی [۱۱] اور نانک کنڈ و کاپٹی، "دشنگم کرئی یم شیہ گرا[۱۰]۔ ایک چتر ویدی منگلم "دلگان سے مسکننے" "برہم دیہ) کے قیام کی جو ۱۰۵ برہمنوں کو راجہ کلوتنگا اوّل نے اپنے بارھویں سالِ حکومت میں عطا کیا تھا، منظوری کا اندراج سب سے پہلے لگان کے رجسٹر (وری) میں کیا گیا۔ تب منڈی گونڈ شولامنڈلم کے جہاں اراضی دی گئی تھی، "منڈل ملئیار" کو اس کی اطلاع دی گئی۔ ایناترم، سے دستیاب شدہ ۱۰۹۱ء کے ایک کتبے میں "آدت شولامنی برہم مارایار" نامی ایک افسر کا ذکر ملتا ہے۔ جو "ناڈو دکوڑ دن" کے عہدے پر تعینات تھا[۱۱۵] اس کے فرائض منصبی غالباً ناڈو کی پیمائش اور بندوبست اراضی سے تعلق رکھتے تھے۔

اڈن کوٹم

ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ سلطنت کی مرکزی حکومت میں راجہ کے ساتھ منسلک وزرا یا اہل کاروں کی کسی مشاورتی مجلس کی موجودگی کی کوئی شہادت نہیں ملتی لیکن نظامِ حکومت پر لکھے گئے سبھی قدیمی نسخوں میں صلاح مشورے کی اہمیت پر کافی زور دیا گیا ہے یہاں تک کہ ایک مطلق العنان اور خود سر حکمران بھی قابلِ وزرا کے دانش مندانہ مشوروں کو نظر انداز کرنے کے لئے خود کو آزاد نہیں پاتا تھا۔ کچھ اعلےٰ سرکاری افسروں کو "اڈن کوٹم" کے ارکان بتلایا گیا ہے اس اصطلاح کے معنیٰ ہیں: "ہمیشہ قریب موجود رہنے والی جماعت" "کوٹم" کی اصطلاح اکثر کوٹا پیر دمکل کے جُملے میں پنچایتوں کی مجلس عاملہ کے لئے استعمال ہوتی رہی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اُن دنوں میں "اڈن کوٹم" افسروں کی اُس جماعت کو کہتے تھے جو راجہ کے حضور میں برابر حاضر رہتی تھی۔ اس منصب کے چند افسروں کے نام ایک کتبے میں درج کئے گئے ہیں۔ یہ کتبہ ادھیراجندر کے تیسرے سالِ حکومت کا ہے۔ اور ترد پاچور سے ملا ہے۔ اُس سے چند برس پہلے ویر راجندر دیو کے پانچویں سالِ حکومت (۱۰۶۷ء) کے تروئکول کے کتبے میں [۱۱۴] چھ ایسے افسروں کا ذکر کیا گیا ہے جو "اڈن کوٹم" کے رکن تھے[۱۱۵]۔ کلوتنگا اوّل کے تیسویں سالِ حکومت کے ایک کتبے میں [۱۱۶] "اڈن کوٹم" کے محکمۂ مال کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ ہر محکمہ کے عہدہ داروں کو اُس جماعت میں نمائندگی حاصل تھی۔ جو راجہ کے حضور میں ہمیشہ حاضر رہتی تھی۔ اگر یہ قیاس صحیح ہے تو "اڈن کوٹم" کے فرائض کسی مشاورتی مجلس کے نہیں سمجھے جائیں گے بلکہ اُن کے

ارکان کا شمار ایسے اہلکاروں میں ہوگا جو راجہ اور ان کے افسران مابین رابطہ قائم کرنے کے فرائض انجام دیتے تھے۔ راجہ کی وضع کردہ پالیسی کی وضاحت نواحی علاقوں میں کام کرنے والے محکموں سے کرتے تھے اور موقع کی ضرورت کے مطابق راجہ کو مطلع کرتے تھے۔ کہ حکومت کی پالیسیوں اور اقدامات کے صدیوں میں کیا نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ راجہ کو اِس بات کا پورا پورا اختیار تھا کہ وہ کسی بھی اہلکار یا سرکاری ملازموں کی کسی بھی جماعت سے اِن معاملات میں مشورہ کرے، جن میں اُسے ان کے صلاح مشورہ کی ضرورت ہو۔ ملک کے نظم و نسق میں یہ جماعت جہاں تک ہم معلوم کر سکتے ہیں، مجلسِ وزرا کی سی حیثیت رکھتی تھی اور ملک کے نظم و نسق میں اس کا جتنا اختیار تھا اسے راجہ کے معتمد وزیر پلّو رائیار نے بھی بخوبی تسلیم کر لیا تھا اسی لئے جب اُس نے چولا تخت پر راجادھیراج دوم کو بٹھانے کی کارروائی کی تو پہلے ہی سے "اُڈن کوٹم"، کی رضامندی حاصل کر کے اپنے ہاتھوں کو مضبوط کر لیا؟"

شہری نظم و نسق کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے راجہ خود بھی گاہے بگاہے ملک کا دورہ کیا کرتا تھا۔ اور جہاں ضروری ہوتا وہ مقامی انتظامیہ سے باز پرس بھی کرتا تھا۔ جہاں کہیں شاہی ایوان نہیں تھے وہاں راجہ کا قیام مندروں اور منڈیوں میں ہوتا تھا۔ کچھ بڑے مندروں میں مقررہ دنوں پر منعقد ہونے والے میلوں اور تیوہاروں میں راجہ شریک بھی ہوتا تھا۔ جیسے ترودوڈ پور، چدمبرم، تردوار ور اور کانچی پورم کے مندر، مرکزی حکومت کے ٹیکسوں کی وصول یابی کے علاوہ، راہداری ٹیکس، محصول چنگی اور کچھ دوسرے متفرق واجبات وصول کرنیکا مقامی پنچایتیں اختیار رکھتی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مقامی اداروں کے ان اختیارات کا استعمال مرکز کی عام نگرانی میں ہوتا تھا۔ راجندر دوم کے عہد کے ایک شاہی فرمان میں اس طرح کے قاعدے کی ایک مثال ملتی ہے۔ اس فرمان کے تحت باہور میں واقع واکوڑ نامی گاؤں میں اِس طرح کے واجبات وصول کرنے کا تنہا مجاز "ویلالوں" کو بنا دیا گیا۔ جن کے پاس، بتایا جاتا ہے، کہ اُس جگہ کی "کانی" چلی آتی تھی؟"

انصاف

قانون سازی کی طرح انصاف بھی زیادہ تر مقامی اداروں کے سپرد تھا۔ اور چھوٹے موٹے جھگڑوں کا فیصلہ اس علاقے کی پنچایت یا کارپوریشن کر دیتی تھی۔ ایسے معاملات میں پنچایتوں

کو وسیع اختیارات حاصل تھے بعض اوقات وہ "نیائے تاروں" پانچوں کی چھوٹی چھوٹی کمیٹیاں مقرر کرکے ان معاملات کو بھی طے کردیتی تھیں۔ جو اس علاقے کی پیشہ وارانہ یا رضاکارانہ جماعتوں کے دائرہ کار میں نہیں آتے تھے۔ متعدد کتبوں میں "دھرم آسن" کا ذکر ایک ایسے[14] مقام کے طور پر آیا ہے۔ جہاں اوقاف کی جاگیروں کے کارپرداز تاخیر سے ادائیگی کے مرتکب ہونے پر جرمانے ارسال کرتے تھے۔ اگرچہ یہ بات بالکل یقینی نہیں ہے لیکن "دھرماسن" غالباً راجہ کے انصاف کی عدالت تھی۔ اور اس کے سامنے سماعت کے لئے آنے والے معاملات کے تصفیہ میں فاضل برہمنوں کی موجودگی سے مدد ملتی تھی۔ یہ برہمن ماہر قانون دان ہوتے تھے۔ اور "دھرماسن بھٹ" کہلاتے تھے۔ کتبوں میں وہ اسی نام سے موسوم ہیں۔ عدالتی کاغذات کی نوعیت یا عدالت کے طریقۂ کار کے متعلق کتبوں سے کچھ پتہ نہیں چلتا اور مجبور ہو کر ہمیں ایک معاملہ کی دیومالائی سماعت کا سہارا لینا پڑتا ہے جس کا حال ایک ادبی تصنیف میں محفوظ ہے۔ جو غالباً کلوتنگا دوم کے عہد میں قلم بند کی گئی تھی۔

سیکلار نے بڑی تفصیل سے یہ داستان بیان کی ہے کہ کس طرح بھگوان شیو نے رحم کھا کر سندر مورتی کو ازدواجی زندگی کی پریشانیوں سے بچالیا۔ اس کی شادی سے پہلے کی شام کو وہ برہمن کے بھیس میں اس کے سامنے آئے اور یہ دعوٰی کیا کہ وہ قانوناً ان کا غلام ہے۔ لاعلمی کے باعث پہلے تو سندر مورتی نے اس دعوے کی تردید کی لیکن بے باک بوڑھے برہمن نے اصرار کیا کہ اس کے دعوے کا فیصلہ سندر کی شادی سے پہلے ہی کیا جائے۔ آخر یہ تنازعہ تروینئی نلور کی قانونی عدالت میں لے جایا گیا[15] فاضل برہمنوں کی سبھا میں پہلے مدعی کا دعوٰی (مزئی باؤدیان) بیان کیا گیا۔ منصفوں نے یہ اعتراض کیا کہ دعوٰی اس دستور کے خلاف ہے کہ برہمن کو کسی حالت میں غلام نہیں بنایا جاسکتا۔ مدعی نے جواب دیا کہ مستقل غلامی کا ایک باقاعدہ اقرار نامہ مدعا علیہ کے دادا نے اپنی جانب سے اور اپنی اولاد کی جانب سے لکھ کر دے دیا ہے۔ اور غصہ میں آکر یہ دریافت کیا کہ کیا یہ کسی مقدمے کو جیتنے کی جائز ترکیب ہے کہ فریق مخالف گواہی کا جو کاغذ پیش کرے اُسے پھاڑ ڈالا جائے جیسے کہ فریقین کے عدالت میں پہنچنے سے پہلے سندر مورتی نے کیا تھا۔ اس مرحلے پر منصفوں نے بوڑھے برہمن کی دلیل کو حق بجانب قرار دیا۔ اور مدعا علیہ کو جواب دینے کا حکم دیا۔ سندر مورتی نے انتہائی حیرت کے جذبات کا اظہار کیا۔ اور منصفوں سے کہا کہ ان کو ذاتی علم ہے کہ وہ گاؤں کا ایک "آدی شیو" ہے۔ اور بتایا کہ وہ اس قدر سراسیمہ

اور پریشان ہے۔ کہ اس سے مدعی کے بے ہودہ دعوے کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا تب منصفوں نے مدعی کو مخاطب کر کے یہ حکم دیا کہ وہ اپنے غیر معمولی دعوے کی صداقت کو تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے ثابت کرے۔ دستور یا رواج سے (آچی) دستاویز یا تحریری شہادت سے (آدُنم) یا چشم دید گواہوں کی گواہی سے (ائیلار تنگل۔ کاچی)، اب مدعی نے بیان کیا ہے کہ مدعا علیہ نے جو دستاویز پھاڑ دیا تھا، دراصل وہ اصل دستاویز کی نقل تھی۔ اصل دستاویز ابھی اس کے پاس موجود ہے۔ اور وہ اسے اس شرط پر عدالت میں پیش کرے گا۔ کہ عدالت اسکی حفاظت کا یقین دلائے۔ تب اصل دستاویز پیش کی گئی۔ "کرنتان" عہد والے ایک شخص نے دستاویز لے لی جو ایک گولی لپٹے ہوئے کاغذ (رول) کی شکل میں تھی۔ اُس نے اُسے کھولا اور پڑھ کر سنایا۔ سرکاری ریکارڈوں کے دفتر میں رکھی ہوئی ایک اور دستاویز کے ساتھ" جس کے متعلق معلوم تھا۔ کہ وہ سندر موتی کے دادا نے اپنے ہاتھ سے تحریر کیا تھا، اس دستاویز کو ملایا گیا۔ اس طرح یہ بات ثابت ہو گئی کہ زیر بحث دستاویز اصل ہے، جس میں سندر موتی کے دادا نے یہ اقرار کیا تھا۔ کہ وہ اور اس کی اولاد۔ ترُوَینئی۔ ملّور کے پتن (بھگوان شیو) کے دائمی طور سے غلام رہیں گے۔ اس مرحلے پر تمام تحقیقات ختم ہو گئی۔ منصفوں نے فوراً یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ نمبی آروُن زرنگ برہمن کے خلاف مقدمہ ہار گیا۔ اور وہ واقعی مدعی غلام ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اُس بتانے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

راج راجا اوّل سے کلوتنگا دوم کے عہدِ حکومت تک، جس میں شیکلار نے اپنا عظیم "پران"، تصنیف کیا تھا۔ عدالتی کارروائی کے ضابطے میں کوئی زیادہ فرق نہیں پڑا ہوگا۔ شیکلار کا مقصد اس پران کی صورت میں ایسا لٹریچر پیش کرنا تھا جو خدا سے منکر جینیوں کی عامیانہ تصانیف کے مقابلے میں چولا حکمران کے بہتر طریقہ سے تفریح کا باعث ہو، اس لئے اگرچہ اُس نے قدیم روایتی موضوعات پر قلم اٹھایا تھا پھر بھی یہ قیاس کرنا صحیح ہوگا کہ شیوٗ سنتوں کی مقدس زندگیوں کے خاکے اس کے بزرگوں کی وساطت سے اُس تک پہنچے تھے۔ اُس نے انہیں وسعت دے کر اور معصر زندگی کے متعلق اپنی گہری واقفیت کے ذخیرے سے استفادہ کر کے اُن میں رنگ بھر دئے اور اپنے بیان کو معتبر اور قابلِ بنا دیا، لہٰذا مقدمے کی سماعت کے جس منظر کا خلاصہ اوپر پیش گیا ہے، اسے چولا سلطنت کے اَن گنت دیہاتوں میں روز مرّہ ہونے والے واقعات کا ایک نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ

مافوق الفطرت عناصر کو بہت کم اس مقدمہ کی سماعت کے احوال میں دخل انداز ہونے دیا گیا ہے
اور ہمارے علم میں آنے والے کتبوں سے اس کے ایک بڑے حصّے کی تصدیق ہوتی ہے گاؤں کی
پنچایت کا عدالت کے فرائض بھی سرانجام دینا، مقدمات کی سماعت کے وقت فاضل برہمنوں کی
رائے کو ترجیح دینا اوڈرکرشان" کا کردار ان معاملات سے پوری مطابقت رکھتے ہیں جو ہمیں ان
موضوعات کے متعلق دوسرے ماخذوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ مقدمات کی سماعت کی کارروائی
مجموعی طور پر سیدھی سادی ہے۔ اور بظاہر وہ کسی مقررہ ضابطے کی پابند نہیں ہے۔ تنازعے کے
فریقین اپنا اپنا مقدمہ پیش کرتے ہیں۔ وکیل کی خدمات حاصل کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔
جس جذبہ اور یقین کے ساتھ فریقین اپنے دلائل پیش کرتے ہیں۔ ان کا منصفوں کے دلوں پر اثر
پڑتا ہے۔ ایسا کوئی قاعدہ نہیں ہے کہ مقدمے سے تعلق رکھنے والی ہر بات کو مقدمے کی سماعت
کے دوران ثابت کیا جائے۔ منصفوں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ مقدمے سے متعلق اپنے
ذاتی علم و واقفیت سے بھی کام لیں۔ شہادت پیش کرنے کے وہ تین طریقے، جن کے ذریعے ان
حقائق کو پیش کیا جا سکتا تھا۔ جن کی صلاحیت پر شک کا اظہار کیا جاتا تھا۔ اور کسی دستاویز کو
قابلِ اعتبار ثابت کرنے کے لئے جو طریقے اور اختیار کئے جاتے تھے، اُن سب سے، اور
جو واحد ثبوت تھا جو اس مقدمے میں پیش کیا تھا۔ اس زمانے کے طریقے کار کا صاف پتہ
چلتا ہے۔ مثال کے طور پر ہمیں جو اشارہ ملتا ہے کہ گاؤں کے باشندوں کی ایک ایسے محفوظ
ریکارڈ کے دفتر تک رسائی تھی۔ جہاں سالہا سال کے دستاویزات با احتیاط رکھے ہوئے ہوتے
تھے۔ ناقابلِ یقین سا معلوم ہوتا اگر کتبات میں ایک اور طرح کے دستاویزات پر زور نہ دیا گیا
ہوتا۔ جن کی طرف ہم پہلے ہی توجہ دلا چکے ہیں۔ اس مقدمہ کی کارروائی سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ
واضح دستاویز رواج کو مسترد کر سکتی ہے۔ چاہے وہ کتنا بھی پرانا ہو۔ اور عوامی پالیسی کی کوئی
منطق کسی خاص معاہدے کے اطلاق کو روک نہیں سکتی تھی چاہے وہ رائے عامہ اور اخلاق
کے طے شدہ اصولوں کے کتنا ہی خلاف ہو لیکن ہمیں اس نتیجہ پر زیادہ زور نہیں دینا چاہئے
کیونکہ اس کہانی میں مقدمہ کا فیصلہ محض اس لئے جائز دکھائی دیتا ہے کہ اس میں خدائی عنصر
شامل نظر آتا ہے۔ ججوں کے متعلق یہ بات بڑے تعجب کی ہے کہ وہ اس باشندے کی حیثیت
سے مقدمہ جیتنے والے مدعی سے جس کو ترودنئی نلور کا ٹین (شو) کہتے ہیں۔ یہ خواہش کرتے
ہیں کہ وہ انہیں اپنا گھر اور جائداد دکھا دے۔ تب بھگوان شو انہیں مندر کی طرف لے جاتے

ہیں اور اچانک آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں جلد ہی وہ ان کو سندر مورتی کو اس کی شادی میں اپنی کراماتی مداخلت کے سبب سے بھی وہ مطلع کر دیتے ہیں۔ ہمارا یہ کہنا صحیح ہو گا کہ ایک معمولی مقدمے میں مدعی کی سکونت کا سوال (اگر اس کی ضرورت ہو بھی) بہت پہلے اٹھنا چاہئے تھا جس سے اس زمانے کے اخلاقی اصولوں کی اتنی شدید خلاف ورزی ہوتی ہو۔

دیوانی اور فوج داری کے جرائم کے فرق سے اس زمانے کے لوگ آشنا نہیں تھے بہت کم مثالیں ملتی ہیں جن میں ہمیں فوج داری کے جرم کے متعلق یہ تصور ملتا ہو کہ وہ عوام کے خلاف کوئی جرم تھا۔ ان میں سے ایک مثال دو آدمیوں کی ہے[۱۲۲] جنہوں نے کسی مندر کی مورتیاں اور زیورات چرا لئے تھے اور جنہیں یہ سزا دی گئی۔ کہ ان کی تمام جائیداد ضبط کر کے نیلام کی گئی۔ اور اس کی جو قیمت ملی وہ راجہ کے خزانے میں بھیج دی گئی۔ یہ لگ بھگ ۱۱۲۳ء کی بات ہے۔ عام طور پر کہا جا سکتا ہے کہ تمام جرائم جن میں گاؤں کے اہلکاروں کے کیے ہوئے جرائم بھی شامل ہیں۔ کی سماعت سب سے پہلے دیہاتوں عدالتوں میں ہوتی تھی اگر وہاں فریقین کی تسلی نہیں ہوتی تھی تو راجہ کی حکومت کے اس افسر تک معاملہ پہنچایا جاتا تھا جو ناڈو کے نظم و نسق کا انچارج ہوتا تھا۔ اس سے آگے شاید ہی کوئی اپیل جاتی تھی۔ قانونی ذرائع کے علاوہ کچھ ذرائع ایسے بھی تھے جن سے کام چلاؤ انصاف مل جاتا تھا۔ بہت سے معاملات ان ذرائع سے طے ہو جاتے تھے۔ البتہ وہ قطعیت اور یکسانیت جو جدید انصاف کا خاصہ ہے اس زمانے میں نہیں تھی اور ہر مقدمے میں، چاہے اس کی تحقیقات کرنے والا افسر کوئی بھی ہو، دونوں فریقوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی جاتی تھی کہ مقدمے کا فیصلہ کرتے ہوئے اعلیٰ ترین انصاف کا معیار قائم رکھا گیا ہے جس سے معقول آدمیوں کی تسلی ہو سکے۔ انصاف کے معیار کے متعلق رائج الوقت خیالات پر بلاشبہ دھرم شاستروں اور مقامی رواجوں کی چھاپ ہوتی تھی۔

اکثر شہری حقوق کے مقدمات بغیر کسی تصفیہ کے عرصے تک تعطل میں پڑ جاتے تھے یہاں تک کہ وقت خود ہی کوئی تصفیہ پیش کر دیتا تھا شری کنٹھا چتر ویدی منگلم کی "سبھا" اور ترودیر مبینوڑ" کی "اور" کے مابین سرحد کا کوئی تنازعہ عرصے سے چل رہا تھا۔ آخر کار اس تنازعہ کا حل ایک مقامی سردار نے ڈھونڈ نکالا جس نے متنازعہ رقبے میں فریقین کے حقوق ملکیت خرید لئے اور ان کو اتنی رقم دے دی جس سے دونوں کی تسلی ہو گئی۔ اب اس نے یہ اراضی

مقامی مندر کو اس لئے وقف کردی کہ اُس سے مندر میں کچھ مخصوص سازوں کے ساتھ مقدس بھجن گانے والوں کا گذارہ چل سکے۔[123]

اترمیرور نامی گاؤں کی دیہاتی کمیٹیوں کی ملازمت کے لئے غیر موزوں قرار دئے گئے اشخاص کی ایک فہرست سے پتہ چلتا ہے کہ چوری، زنا اور جعلسازی کا شمار سنگین جرائم میں ہوتا تھا۔[124] اِس فہرست میں ان لوگوں کا بھی ذکر ہے جو گدھے پر سوار ہوئے ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی بعض جرائم سزا دینے کا ایک طریقہ تھا۔ اکثر جرائم کی سزا محض جرمانہ ہوتی تھی، یہاں تک کہ قتل کے جرم میں بھی بعض اوقات اتنی ہی سزا دی جاتی تھی۔[125] کہ مجرم نزدیک ترین مندر میں ایک چراغ مستقل جلائے رکھنے کا خرچ برداشت کرے۔ ان باتوں کے پیش نظر یہی سمجھنا پڑتا ہے کہ تعزیرات میں حد سے زیادہ اور غلط طور پر نرمی برتی گئی تھی۔ ایک مثال یہ ہے کہ جب ایک "ناڈالون" نے تیر اندازوں کی ایک پلٹن کے کمانڈر کو چھرا مار کر ہلاک کر دیا تو راجہ راجندر دوم نے مقامی دیہی پنچایت کو یہ حکم دیا کہ مجرم سے پڑوس کے مندر میں ایک چراغ جلائے رکھنے کے لئے 96 بھیڑوں کا دان طلب کیا جائے۔[126] ایک اور معاملے میں جب ایک عورت نے خودکشی کر لی کیونکہ ایک مقامی افسر نے اس سے کچھ واجبات وصول کرنے کے لئے جن کی وہ دراصل دیندار نہیں تھی۔ اُسے اذیت پہنچائی، جس کی تکلیف اور بے عزتی کو وہ برداشت نہیں کر سکی۔ تو اس شخص کو 32 "کاشو" کا جرمانہ کر کے چھوڑ دیا گیا۔ اور یہ جرمانہ عائد کرنے کا فیصلہ "ہر چہار اطراف، 18 ضلعوں اور مختلف ریاستوں کے افراد کے ایک اجلاس"[127] نے کیا۔ ایک دوسری مثال میں جب ایک سپاہی نے دوسرے سپاہی نے قتل کر دیا تو اس نے مقتول کے رشتہ داروں کے ساتھ راضی نامہ کر کے تنجور کے نزدیک واقع کرتاتانگڈی کے مندر کو ایک چراغ کا عطیہ دیا۔[128] یہ نجی سطح پر قتل کا معاوضہ دینے کی ایک مثال ہے۔ کلوتنگا کے چھٹے سال حکومت کے دوران جب رات کی تاریکی کے پردے میں ایک دانستہ خانہ جنگی کے نتیجے میں ایک جرنیل مارا گیا اور اس کی بیوی "ستی" ہو گئی تو اس کی سزا صرف اس قدر دی گئی کہ مجرم کو ایک چراغ کا عطیہ دینا پڑا۔ اس فیصلہ کو ایدرلی شولا سمبودرایا کی جو مقتول جرنیل کا آقا تھا، اور ناڈو کے بزرگ اشخاص (ناٹوپرووشر 128) کی رضامندی حاصل تھی۔ ریاست میسور کی ایک واحد مثال میں ہی مدّا کے "نانراجہ" کے حملہ جرمانے کے اور قتل کے مجرم کو سزائے موت دے دی۔[129] کلوتنگا دوم کے عہد میں ایک حادثے کے باعث موت ہو جانے کے مقدمے میں جج نے مقامی

کہہ دیا کہ مجرم کو سزائے موت دینے کی ضرورت نہیں ہے[190] یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قتل کی سزا موت بھی ہو سکتی تھی۔ اس طرح کی ملتی جلتی ایک اور مثال اسی عہد میں کچھ سال بعد کی ہے جس میں مجرم ایک ویلال تھا۔ مقدمہ راجہ کی مرکزی حکومت کے ایک افسر کے پاس برائے سماعت پیش ہوا۔ اس نے "بھٹوں (فاضل برہمنوں) سے مشورہ کیا تو انہوں نے یہ صلاح دی کہ ویلال کو سزائے موت نہ دی جائے[191] کلوتنگا اوّل کے عہدِ حکومت میں ۱۰۸۵ء میں ملزم کے بجائے دوسرے کو سزا دئے جانے کی ایک مثال بھی تحریر میں موجود ہے[192] چھ سال عمر والے ایک لڑکے نے ہنسیا سے لکڑیاں کاٹتے ہوئے ایک اور لڑکے کو جس کی عمر سات سال تھی، زخمی کر دیا اور یہ لڑکا اس زخم کی وجہ سے مر گیا۔ اوّل الذکر لڑکے کے والد کو اپنے بیٹے کے جرم کے کفارے کے طور پر نصف چراغ کا دان دینا پڑا۔ ایک اور مثال کلوتنگا سوم کے زمانے کی ملتی ہے جس میں تحقیقات کے بعد سزا کے بجائے عقوبتِ نفس بطور کفارہ تجویز کی گئی۔ دو اشخاص نے اپنے کھیت میں اُگی ہوئی فصل میں ایک بھینس کو چرتے ہوئے پایا۔ انہوں نے بھینس کو اس قدر بُری طرح پیٹا کہ وہ مر گئی۔ انہوں نے بھٹوں سے مشورہ کیا تو انہیں پڑوس کے مندر میں نصف چراغ کا دان کرنے کی صلاح دی گئی[193] چنانچہ انہوں نے یہی کیا۔ اسی عہد کے ایک اور کتبے میں جو کیلا ئیوُر (تنجور) سے دستیاب ہوا ہے۔ دو افراد کی مثال دی گئی ہے جو عام لوگوں کے لئے وبالِ جان بنے ہوئے تھے اور برہمنوں ویلالوں اور مندر کے لئے پریشانیاں پیدا کرتے تھے۔ اُن پر بلوا اور آتش زنی کے جرم میں مقدمہ چلا گیا۔ اور دونوں پر اکٹھے ایک ہزار کاشو کا جرمانہ کیا گیا۔ جرمانہ ادا کرنے میں کسی نے اُن کی مدد نہیں کی اور آخر ان کی ملکتی اراضیات مندر کے ہاتھ ایک ہزار ساٹھ کاشو کے عوض فروخت کر دی گئیں۔ ساٹھ کاشو کی فاضل رقم جرمانہ نہ ادا کرنے کے تاوان میں رکھ لی گئی۔ اس کتبے میں ضمناً ایک عام نوعیت کے شاہی فرمان کا بھی ذکر ہے کہ اس قسم کے بلوے اور آتش زنی کے مقدمات میں بیس ہزار کاشو تک جرمانہ کیا جا سکتا ہے۔ کلوتنگا سوم کے سولہویں سالِ حکومت ۱۱۹۴ء میں مندر کی جائداد غبن کرنے (تشودروہ) کے معاملے میں یہ سزا دی گئی کہ ملزم کی تمام املاک ضبط کر لی گئی اور اس سے جو کچھ ملا وہ اس مندر کے سپرد کر دیا گیا جسے نقصان پہنچا تھا[194]

راج راجا دوم کے چھٹے سالِ حکومت میں ضلع تنجور کے مقام پند نلور میں واقع پشو پتیشور کے مندر کے کارپردازوں یعنی پجاریوں کو ایک علیحدہ شاہی فرمان کے ذریعے مندر

کی اشیاء چرانے والے شِو برہمنوں اور اس کو لگان نہ دینے والے مزارعوں کو سزا دینے کے[119] اختیارات دیے گئے یہاں پجاریوں کو "پتی پادمول پتّو دنیا پنچا چاریہ" نیز "دیوکنی" "سماہیشورا" اور شری کارم شیوارا" کہا گیا ہے۔ حکومت کی طرف سے پجاریوں کو اختیارات دینے کا یہ واقعہ غالباً خصوصی حالات کے تحت تھا۔ راج راجا سوم کے عہد کے دو کتبوں میں جو تِرُوِنا گیشورم ضلع تنجور سے ملے ہیں دو ایسے بھائیوں اور ایک اور شخص کے مقدمے کا ذکر ہے جن کو مختلف مندروں کے محاسب کے حقوق حاصل تھے۔ ان لوگوں نے مندر کی بہت سی اشیاء چرالیں، دیوتاؤں کی پوشاکیں خود استعمال کرلیں اور مندر کی اینٹوں سے اپنی نجی تعمیرات کرلیں۔ مندر کے کارکنوں نے ایک اعلیٰ سرکاری افسر پلّے یادورایا کے پاس شکایت دائر کی۔ اُس وقت راجہ خود جیّن گونڈ شولا چتر ویدی منگلم میں مقیم تھا۔ تحقیقات کے بعد ان محاسبوں کا جُرم ثابت ہوگیا۔ انہیں سزا دی گئی اور ان کی تمام اراضیات ضبط کرلی گئیں۔ اور ان کے فروخت سے جو چار ہزار کاشو حاصل ہوئے وہ مندر کے خزانے میں جمع کرادیے گئے۔ نیز محاسبے کے حقوق ایک اور شخص کے ہاتھوں تین ہزار کاشو کے عوض بیچ دیے گئے۔[134] (ب)

خود راجہ کی ذات اور اس کے قریبی رشتہ داروں کے خلاف کئے جانے والے جرائم ایک الگ زمرے میں آتے تھے۔ اور راجہ خود ان کا فیصلہ کرتا تھا۔ راج راجا اوّل کے اس فرمان کی جانب پہلے توجہ دلائی جاچکی ہے جس کے ذریعے اُن اشخاص کی جائدادیں ضبط کرلی گئی تھیں۔ جو اس کے بڑے بھائی آدتیہ دوم کے قتل میں ملوّث تھے۔[135] ایک اور شخص کے خلاف بھی اسی طرح کی کارروائی کی گئی تھی جس نے اُس جرمانہ کی ادائگی سے پہلوتہی کی جو اس پر لگایا گیا تھا۔ اُس کا اصل جُرم یہاں درج نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن ملزم کی املاک "اُجتا کرایم" یعنی شاہی فرمان کے تحت نیلام کی گئی تھی۔[136] ایک اور مثال میں راجہ کے خلاف بعض جرائم کے جن کا انکشاف نہیں کیا گیا ہے۔ کرنے والوں پر بھاری جُرمانے کئے گئے جو کھور کے کوسنگ کڈئیاں سے تو بہت سختی سے وصول کئے گئے۔[137] یہ تینوں مثالیں راج راجا اوّل کے زمانے کی ہیں۔ راج راجا سوم کے عہد کے آخر میں راج راجا دوم[138] حکومت سے غداری کے جُرم کے ارتکاب کی مثالیں زیادہ تعداد میں ملتی ہیں۔[139]

سلطنت کے بعض حصّوں میں مویشیوں کی چوری ایک عام جُرم تھا اور اس کی روک تھام آسان نہ تھی۔ منگلم (ضلع سیلم) کا گاؤں جب مندر کو "دیودان" کیا گیا تو اس کے

فرمانِ عطیہ کے ہمراہ یہ اعلان بھی ہوا کہ جو اشخاص "دیودان" سے مویشی چرائیں گے یا اور کسی طرح گاؤں کو نقصان پہنچائیں گے، اُن کی جائداد ضبط کر کے مندر کو دے دی جائے گی۔ یہ ایک بڑا سخت فرمان تھا جو جدید ملکوں کے بعض ہنگامی قوانین کی کچھ دفعات کے مانند تھا۔ پڈوکوٹہ شمالی ارکاٹ اور میسور کے علاقوں سے ملنے والے بے شمار کتبوں میں لٹیروں کے حملوں کا ذکر ملتا ہے جو وہ مویشیوں کی چوری کے لئے کرتے ہیں[19] اور جن سے مویشیوں کو نقصان پہنچتا ہے مویشی اُس وقت ایک طرح کی دولت تھے۔ مویشیوں کو ایک اور خطرہ درندوں کی جانب سے تھا کیل مُتّو گوڈر (ضلع شمالی ارکاٹ) میں ایک چٹان پر ایک بڑا بُت ایک ایسے آدمی کی یادگار میں بنایا گیا تھا جس نے ایک شیر کو موقع پر ہلاک کر دیا تھا۔[20] ایسے گنے چنے واقعات کا ہونا لازمی لیکن انکی کمی ہماری اس رائے کو تقویت دیتی ہے کہ چولوں کے عہد حکومت میں اندرونی امن و امان اچھی طرح برقرار تھا۔ لیکن وہ زمانے سخت کوشی کے تھے اور اُن دنوں میں لوگ جسمانی تکالیف کی اتنی فکر نہیں کرتے تھے جتنی کہ اب ہماری زندگی کا جزو ہو گئی ہے۔

تیرھویں صدی کے اوائل کا چینی مصنّف جس کی کتابوں سے اکثر حوالے دئے جاتے ہیں، چولوں کے عدالتی نظام کے متعلق لکھتا ہے:[21] "جب رعایا میں سے کوئی شخص کسی جُرم کا مرتکب ہوتا ہے تو دربار کے وزراء میں سے ایک اُسے سزا دیتا ہے۔ اگر جُرم معمولی نوعیت کا ہو تو مجرم کو ایک لکڑی کے چوکھٹے سے باندھ دیا جاتا ہے۔ اور اُسے پچاس ستر یا سو تک بید لگائے جاتے ہیں۔ شدید جرائم میں یا تو گردن مار دی جاتی ہے یا ملزم کو ہاتھی کے پاؤں تلے روند کر ہلاک کر دیا جاتا ہے۔"

سترھواں باب

حاشیے

(۱) یہ جملہ پرانتکا اوّل کے کچھ کتبات میں بھی ملتا ہے (مثلاً 1898ء کے کتبات نمبر ۱-۲)

(۲) 1927ء کا نمبر 241 — 1918ء کا نمبر 446 - لیڈن کے عطیہ نامۂ کبیر میں نمبر ۱، 112، میں "کونیرن مائیکونڈان" (جس راجہ کا کوئی ہمسر نہیں) کا لقب خود راج راجا کو دیا گیا ہے۔ انبل کی تختیاں نمبر ۱، 124 دیکھئے "کونیرن مئی" (صحت مند راجہ) کے لیے

(۳) اس مسئلے پر 1923ء کا کتبہ نمبر 241، اور 1929ء کا کتبہ نمبر 225 کچھ شکوک پیدا کرتے ہیں۔ ان دونوں میں "پوی نگئی ولرا" سے شروع ہونے والی ایک پرشستی شامل ہے جو محض خطیبانہ طرزِ ادا کی ایک مثال ہے اور جس میں ایسا کوئی واقعہ مذکور نہیں ہے جو متعلقہ راجہ کی شناخت کی طرف کسی قسم کا اشارہ کرتا ہو۔ پہلی پرشستی میں راجہ کا ذکر پراکیسری تربھوون چکرورتی پرانتکا دیو کے نام سے کیا گیا ہے اور دوسری میں اسے راج کیسری چکرورتین پرانتکا دیو کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ان دونوں کتبوں پر نواں سال جلوس درج ہے۔ یہ کتبے بالترتیب کوئل۔ تیورائن پٹیائی (ضلع تنجور) اور ترووڈ تورائی (ضلع جنوبی ارکاٹ) سے دستیاب ہوئے ہیں۔ ان کتبوں کا پرانتکا اوّل یا پرانتکا دوم کے عہد کا ہونا قرینِ قیاس نہیں ہے۔ علمِ کتبات شناسی کی رو سے 1923ء کا کتبہ نمبر 261 پہلے کا ہے اور اسے راج راجا اوّل کے زمانے سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ دوسرا کتبہ بہت بعد کا ہے یعنی بارھویں صدی کا یا تیرھویں صدی کے ابتدائی برسوں کا۔ صفحہ 140، اور حاشیہ نمبر ۱ ماقبل۔ کنر دیو کے 1941 - 42ء کے کتبہ نمبر 135 میں جو چھبیسویں سال کا ہے اس کی توصیف میں ایک پرشستی بھی ہے۔ ARE - 1939 /40 — 23، II، 3/43.

(۴) SII-ii، 20 — 1926 کا 102 — 1915 کا نمبر 182

(۵) 1926 کا نمبر 510 — 1914 کا نمبر 121

(۶) 1908 کا نمبر 157

(7) ARA، 1909 — 10 صفحہ 16

(۸) SII-ii تمہید صفحات 14-15

(9) کوتل، II-ii، 1 چترکوٹ کا راج محل — 1923 کا نمبر 73۔ پر مبنڈی مالیگئی — لیڈن کا فرمانِ عطیہ I، 116۔ تنجور کے دلیموں کے لیے دیکھئے 1926 کا نمبر 241 — 1911 کا 226 — 1911 کا نمبر 225 — SII-ii — 94 و 95 — 1921 کا نمبر 401 — 1919 کا نمبر 142 — اور دیگر حوالے۔

(10) 1897 کا نمبر 49 — 1923 کا نمبر 241

(11) ناموں کے لیے دیکھئے SII-ii-94

(12) SII-ii-66

(13) 1923 کے کتبات نمبر 248 و 249

(14) SII-ii-11

(15) پرانتکا اول کے عہد سے راجندر دوم کے عہد تک کے درمیانی عرصے کے کتبوں سے ہم بیس دلیموں کے نام اخذ کر پاتے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھئے 1926 کا کتبہ نمبر 241 — 1911 کا نمبر 225 و 226 — 1894 کا نمبر 240 — 1909 کا نمبر 627 — 1927 کا نمبر 340 — SII-ii — 94 — 95 — 1911 کا نمبر 212 — 1901 کا نمبر 401 — 1927 کا نمبر 323 — 1919 کا نمبر 142 — 1914 کا نمبر 121 — 1928 کے 63-64 — نیز 1918 کے نمبر 459 میں بھی تنڈی مارم گدیرائی چھیوگر کا ذکر ہے۔

(16) صفحہ 95

(17) 1907 کا نمبر 342

(18) 1902 کا نمبر 413

(19) ۔ 1917، صفحات 42 تا 44

(20) سپیرو کی تصنیف حصہ اوّل، صفحہ 260

(21) 1903 کا 230

(22) SII - iii - 16

(23) 1927 کا نمبر 27

(24) 1915 - 16 صفحہ 34

(25) 13، II، 1927

(26) SII، ii - ۵ پیراگراف ۱۴، ۱۶ - موخرالذکر کہتے ہیں عبارت یوں ہے: تمائی آگ الیندرُولُو تاتردییُن -

(27) SII - ii - 38 پیراگراف نمبر ۱۴، 17

(28) 1925 کا نمبر 481

(29) 12، II، 1925 —— اور 1922 کا 169 (ب) —— موازنہ کیجئے بھاس کی تصنیف "پرتیما ناٹک" اور EI - xxi صفحات 4-5

(30) 1907 کا نمبر 263، C - 61

(31) SII - ii - صفحہ 390، حاشیہ 6 —— ARE - 1919، II، 10

(32) SII - ii تمہید صفحہ 10

(33) EI - xviii - صفحہ 334 - موازنہ کیجئے۔ پنجابی کے "تردچِل ویلائی کارر" سے جنھوں نے بعض "دیوزان" اراضیات میں واقع مندروں کے حقوق ملکیت کی تصدیق کی خاطر جلتی آگ میں گھس کر اپنی جانیں قربان کردی تھیں (1925 کا نمبر 88) - مزید دیکھئے ابن بطوطہ کا سفرنامہ مؤلفہ ایچ - اے - آر - گب - موسومہ بہ صفحات 287 - 88 - اور اس کا موازنہ مندرجہ ذیل کے ساتھ بھی کیجئے: کنڑ کے کتبات EC - iii - ... 41، 43، 44 اور 158 viii، Sb - 91؛ xi، HK - 87 وغیرہ - نیز EI - vi، صفحہ 49 حاشیہ نمبر 4 میں فلیٹ کی رائے۔

(34) PK - صفحات 196 - 97 - نیز دیکھئے فیرنڈ کی تصنیف کے صفحہ 114 پر دیا ہوا ابو زید کا اقتباس

(35) 1911 کا نمبر 255

(36) 1905 کا نمبر 120 — مذکورہ بالا لنکا کے کتبے کے لیے دیکھئے EI ـ iii XV ـ
صفحات 334-35

(37) 1895 کا 189

(38) 1921 کا 394

(39) 1907 کا 242

(40) صفحات 134-35

(41) i صفحہ 246 — SII، iii، 64 — II، 27 تا 29

(42) 1925 کا نمبر 389

(43) 1909 کا کتبہ نمبر 627 — ARE - 1910، II، 19

(44) 1890 کا نمبر 67

(45) 1904 کا نمبر 353

(46) 1906 کا نمبر 364

(47) کُرل 762 - اور پریمیل - الگر کا اُس پر تبصرہ — کوتلیہ - ادھی — ix ! ب 2

(48) 1923 کا 159

(49) چاؤ فو کو آ کے صفحہ 96 پر، نیز صفحہ 100 حاشیہ 8 میں اس کے حوالے
موجود نہیں۔

(50) مثال کے طور پر دیکھئے SII - ii - 91، 93

(51) 1921 کا نمبر 79

(52) 1928 کا نمبر 135

(53) JOR - vi - صفحہ 299 و صفحات ما بعد

(54) فینڈ کی تصنیف صفحہ 32 - ولسن کی صفحات 57-58، اور
حاشیہ - پیلیٹ کو اس میں شک ہے کہ اس کتاب کی تصنیف جو سلیمان سے
منسوب کی گئی ہے وہ صحیح ہو۔ صفحات 401-2

(55) فیرنڈ حوالۂ سابقہ صفحہ 93 - نیز دیکھئے ریناڈوٹ کی

اس پر تبصرہ ٤ - نیز مارکوپولو کے افکار ۔

(56) فیرنڈ کی ۔ 14

(57)

'Dans tous ses ouvrages nautiques, Ibn Mājid fait fréquemment allusion à l' opinion des Colas qu'il approuve ou rectifie. Ce'st qu'il devait avoir en main les *Instructions nautiques* et les tables géographiques avec indication de la latitude des ports, utilisées par les marins du Coromandel et qu'il les comparait avec les documents arabes de meme nature.' Ferrand, *JA.* 11 : 14, (1919) pp. 171-2.

فیرنڈ ۔ JA - 11، 14 (1919) صفحات 171-72

(58) صفحات 208 - 209، 11، 116 و 128

(59) 1896 کا 113 — 1925 کا نمبر 420 — 1916 کا نمبر 327 —

صفحات 164 تا 168 وغیرہ

(60) پوُرل کا پرتناٸی سوتر نمبر ٤ - اور اس پر آلم پورنر کی بحث جس نے اس متن کی

نچھی نارکنیار سے بہتر تاویل پیش کی ہے ۔

(61) 895 کا 78 (الف) ۔ " مارائن " اور " پیرزائن " دونوں کے معنی " مہاراجہ "

ہیں ۔ " کڈگائی " وقت کی ایک اکائی ہے اور کڈگائی م کے معنی ہیں گھڑی ،

بلکہ " واچیہ " لفظ ماخوذ ہے " وادیہ " سے جو موسیقی کا ایک ساز ہے ۔

(62) 7 - 179 پر تبصرہ ۔ یہاں " پیرونبی " کے لقب کی بھی تشریح کی گئی ہے

اور " ادگاری " کے لقب سے اس کا رشتہ متعین کیا گیا ہے ۔

(63) 1918 کا نمبر 463 — 1894 کا نمبر 213 — 1928 کا نمبر 95

(64) 1913، II، 22 — صفحہ 336

(65) 1897 کا نمبر 29 — SII، ii، 82 - 83

(66) SII، ii — 156 — 1896 کا نمبر 84 ۔

(67) 1896 کا نمبر 106

(68) 1912 کا نمبر 246

(69) SII - ii صفحہ 477 پر حاشیہ

(70) 1923 کا 224

(71) مثلاً 1923 کا نمبر 224

(72) ابنل کی تختیوں نمبر ا‘ 173 - 74 سے موازنہ کیجئے - "کو تُونگر پالدوا پیرپڈم اینکے اُرتاوَداگوم" - موازنہ کیجئے لیڈن کی تختیاں ا‘ 286 - 88، ترووالنگا ڈو کی تختیاں ا‘ 422 - 23

(73) مثلاً 1925 کا نمبر 68 —— 1911 کا نمبر 177 — کلوتنگا سوم کے عہد میں وڈگن دیون نامی ایک شخص نے اس طرح سے حاصل کردہ اراضی کے حقوقِ مالکانہ کا دو تہائی حصہ "ستری دھن" کی صورت میں اپنی دو بیٹیوں کو دے دیا (1929 کا 313)

(74) ایک ایسی مثال بھی ہے جس میں ایک عورت کا ذکر بطور "ایک اور کلتی" آیا ہے (1901 میں 297)

(75) SII - iii صفحہ 3، حاشیہ نمبر 7

(76) مثلاً 1919 کا 129 —— 1921 کا نمبر 259 —— 1915 کا 167 —— 1892 کا نمبر 90 وغیرہ

(77) لیڈن کے فرمانِ عطیہ کی تختی (۱ 77) میں "جن پد" کو "کوٹم" کا ہم معنی بتایا گیا ہے اور "جن پدنوا ما" کو "ولنا ڈو" کا ہم معنی

(78) SII - ii تمہید صفحات 21 تا 29 - گنگا پاڈی کی خطہ "منڈی کونڈ شولا منڈم" کہلانے لگا (1911 کا نمبر 499)

(79) (1897) صفحہ 144

(80) ii 15، 148 - 49، اور 434

(81) ii - 6، 62، اور 617 - تا اصل متن

(82) 1905 کا 84 (SII - iii - 142)

(85) 1917 کا کتبہ نمبر 330 (جو راجا آدھیراج کے تیسویں سال کا ہے) ملیک فرمان کی تعمیل میں غیر معمولی تاخیر کی ایک مثال ہے ـــــ 1916 کے نمبر 332 سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ پانڈیا ریاست کے وائسرائے بھی ضابطے کی کارروائی عین اسی طرح ہی عمل میں لاتے تھے ۔

(84) II، 34 - 36

(85) اس مرحلے پر ترِوِ والنگاڈو کی تختیوں میں پانچ اِدِگاریگل کا اندراج ہے (II، 5 48 - تا 94)، اور لیڈن کے فرمانِ عطیہ میں واضح طور پر نو (9) افسران بتلائے گئے ہیں (II، 138 - 43)

(86) II، 129 تا 150

(87) II، 49 تا 52، 57 تا 21 اور 494

(88) 1915 کا کتبہ نمبر 182

(89) لفظی معنی ہیں "تاڑ کا پتہ"، جس پر دستاویز لکھی جاتے تھے ۔

(90) یہ اکثر "ترومندر اولئی" کہلاتا تھا یعنی مقدس کلام کا منشی ۔

(91) یہ اکثر "ترومندر اولئی نائیکم" بھی کہلاتا تھا ۔ "نائیکم" کے معنی ہیں صدر یا نگراں

(92) یہ بعض اوقات "نیوگم" بھی کہلاتا تھا (1927 کا نمبر 93)

(93) 132 - 33، موازنہ کیجئے لیڈن - II، 174، 75، ترِو والنگاڈو II، 143 - 44 وغیرہ

(94) پورم 260، 1 - 9 دفہرستِ مضامین S.I. پورود

(95) S.II، iii، 142، II، 29، 50، 57 - نیز E.I، iii، x، صفحات 5 - 6 - نیز S.II - ii - صفحہ 380 سے متن 1، 99 سے E.I - 4 صفحہ 224، متن 1، 19 ـــــ ARE - 1920، II، 4

(96) S.II کے فاضل مولفین نے اُن کثیر التعداد اور مبہم اصطلاحات میں بہت احتیاط سے کام لیا ہے جن کی انہیں وضاحت کرنی پڑی ہے ۔" پُرودو ۔ وری ۔ تِنک ۔ کلتو وری پوتگ تا ئیگم " کا جملہ S.II - ii - 88 میں درج ہے

ور اُس کا ترجمہ وینکیتا نے یوں کیا ہے : " جاگیروں یا اوقاف سے وصول کئے جانے والے ٹیکسوں کے محکمے (تنائی کلم) میں لگان اراضی کے گوشوارے کا مختارِ کل "۔ ایک نوٹ میں ادھیراجندر کے ایک کتبے (SII - iii - صفحہ 116) کا حوالہ دے کر وہ اپنے اس قوم کی وضاحت کرتا ہے۔ اس کتبے کے مطابق "دیوان" کے مواضعات کی آمدنی کو "پردو وری تنائی کلم" کے افسران مندر کے اخراجات کے لئے مخصوص کر دیتے تھے لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے ہم منصب افسران کی مانند اُن دنوں کے محکمۂ مال کے افسران کو بھی متعدد اور مختلف نوعیت کے فرائض سونپے جاتے تھے، ان فرائض کا ہر چند کہ ٹیکسوں کی فراہمی سے کوئی براہِ راست تعلق نہیں ہوتا تھا تاہم متعلقہ افسران انہیں بطرزِ احسن اور معمولی سی محنت کے ساتھ بجا لاتے تھے۔ SII - ii - 88 میں دئے ہوئے جملے کا ترجمہ میں یوں کروں گا :

" محکمۂ مال میں مالگزاری کے گوشوارے کا مختارِ کل "

(97) II - 120 و صفحاتِ مابعد

(98) ترووالنگاڈو کی تختیوں نمبر 1 - 60 میں مشمولہ "کیل مگوپٹی" سے موازنہ کیجئے۔

(99) SII - iii - صفحہ 139

(100) SII - iii - صفحہ 301، حاشیہ نمبر 1

(101) SII - iii - 67

(102) 1915 کا 183

(103) 1926 کا 136

(104) 1927 کا نمبر 2

(105) 1910 کا نمبر 274

(106) 1916 کا نمبر 630

(107) 1911 کا نمبر 497

(108) 1912 کا نمبر 142

(109) 1927 کا نمبر 2

(110) 1920 کا نمبر 539 ـــــ نیز 1911 کا نمبر 502 - ان کا موازنہ مندرجہ ذیل کے ساتھ کیجئے : اشوک متن اور اس کے حواشی، صفحہ 122 - ید اکرم II، 34 سے پیرا پُرانم شیڑو تو نڈا " ۷۷ ـ 22 و 9

(111) 1910 کا نمبر 274

(112) 1917 صفحات 42 تا 44

(113) 1917 کا نمبر 351

(114) 1930 کا نمبر 113

(115) 1915 کا 182 ـــ اس فہرست کے بعد اٹھائیس " ویڈائیل ادیگاریگل " کے نام دیئے گئے ہیں -

(116) 1916 کا نمبر 429

(117) 1924 کا نمبر 433

(118) 1919 کا نمبر 180 - یہاں " واکو دیچم " کا کلمہ استعمال کیا گیا ہے -

(119) SII - III - اشاریہ ۷.۶. دھرم آسن

(120) تنڈتا نکو نڈ پُرانم ـ ۷۷، 51 تا 63 - نیز دیکھئے صفحہ 83 وصفحاتِ مابعد

(121) کاغذات کے محافظ خانے کے متعلق متن بالکل واضح ہے :

" مُرنڈ دو تیلیا مرا مڑاتیا وسنے لتال اولئی - یرن - دڑو - کاپل ویرو نرالئی تدنو پونو کی "

(122) 1927 کا 308

(123) 1914 کا نمبر 129

(124) 1898 کا نمبر 1

(125) شکار کی ٹولیوں کو پیش آنے والے حادثات کی تعداد اسقدر کثیر ہے کہ انہیں بیان کرنا ممکن نہیں ـــ 1919 کے کتبہ نمبر 273 میں (جو کلوتنگا کے تینتالیسویں سال کا ہے) گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر شکار کھیلنے کا ذکر آتا ہے - وہ بڑا لڑائی یا کُشتی میں کسی کو جان سے مار دینے یا کسی داشتہ کی عصمت دری

کی کوشش میں اُسے مار ڈالنے کی سزا بھی اسی طرح سے دی جاتی تھی —

1895 کا 109 — 1906 کا 77

(126) 1904 کا 227

(127) 1906 کا 80

(128) 1897 کا 48

(128-الف) 1932-33 کا نمبر 162 — ARE، صفحہ 66-II 26 جہاں اس کتبے کا متن دیا گیا ہے۔

(129) 1911 کا 497

(130) 1900 کا 647

(131) 1929 کا 200

(132) 1902 کا نمبر 223

(133) 1919 کا 110 — 1925 کا نمبر 80

(134) 1929 کا نمبر 489 ۔

(134-الف) 1931-32 کا نمبر 115 — ARE، 1931-32، II، 37

(134-ب) 1931-32 کے نمبر 70-71؛ ARE 1931-32،

(135) 1920 کا 577 - باب iii، ماقبل

(136) 1922 کا 379

(137) 1917 کا 277

(138) صفحہ 426 ماقبل

(139) 1904 کا نمبر 315 — 1900 کا 104 — 1921 کے نمبر 168-169 — 186 ودیگر کتبات۔

(140) 1896 کا نمبر 2 — EI-iv، صفحہ 179

(141) صفحہ 95

اٹھارھواں باب

مقامی حکومت

حکومت میں گاؤں کا کردار

ہمارے زمانے کی زندگی میں حکومت کی بنیادی اکائی کی حیثیت سے شہر نے گاؤں کا مقام لے لیا ہے۔ ہندوستانی زندگی زیادہ تر دیہات میں بسر کی جاتی ہے، لیکن شہروں میں پیدا ہونے والے خیالات جن کی نشر و اشاعت شہر سے شائع ہونے والے اخبارات اور شہری طریقۂ تعلیم کرتے ہیں بڑی سرعت سے گاؤں کے عوام کے دیہاتی نظریات کو بدل رہے ہیں، اور ان نئی طاقتوں کے حلقۂ اثر میں آنے والے چند ہی افراد ایسے ہونگے جو اب دیہات میں پورے طور پر اپنا نباہ کر سکتے ہوں یا اپنے قریب ترین شہر میں منتقل ہو جانے کی خواہش کو روک سکیں۔

لیکن ابھی حال کی بات ہے کہ اپنے روزمرہ کے معمولات میں دیہات کی زندگی متمول اور مہذب ہندوستانیوں کو بھی اپنی طرف متوجہ کرتی رہی ہے۔ ایسے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد اپنی رہائش گاؤں میں رکھتی تھی۔ ہندوستان میں انیسویں صدی کے ابتدائی حصے کے برطانوی منتظمین نے ہندوستان کی قدیم دیہی جمہوریتوں کے مشاہدے کے بعد جو تعریف کی ہے۔ وہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ اُن کے زمانے تک گاؤں سماجی زندگی کا اصل مرکز اور سماجی محاسن کا گہوارہ تھا۔ اور سینکڑوں چولا کتبات سے جو ہمارے ہاتھ لگے ہیں ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ چولوں کے تحت جنوبی ہند کے دیہاتوں میں زندگی کی ایک لہر جاری تھی۔

چولوں کے تحت دیہی حکومت کا جو نظام اپنے پورے عروج پر تھا۔ اُس کی شروعات اُس سے

قبل کے کبھی زمانے میں ملے گی۔ آٹھویں صدی اور نویں صدی کے ابتدائی دور کے پانڈیا اور پلوگرانٹ کے کتبوں سے ایک ایسے دیہی نظام کا پتہ چلتا ہے جو پورے تامل خطے میں رائج تھا۔ یہ نظام اگرچہ چولوں کے دیہی نظام کے برابر ترقی یافتہ نہ تھا، لیکن اس سے ملتا جلتا ضرور تھا۔ ہمارے مقاصد کے لئے اتنا مشاہدہ ہی کافی ہے کہ ضلع تنجے دیلی کے مقام مانور سے ملا ہوا ۸۰۰ء کا ایک کتبہ کئی لحاظ سے پرانتکا اوّل کے ان معروف کتبوں کا پیش رو معلوم ہوتا ہے جو ضلع چنگل پٹ میں اُترمیرور سے ملے ہیں۔ دیہی اداروں کی، جو قومی زندگی کی بقا کے لئے خلیہ کا کام کرتے تھے، زندگی اور طریق کار پر شاہی خاندانوں کی جنگوں اور اعلیٰ سطح پر سیاسی طاقت کی منتقلی کا بہت اثر پڑتا تھا۔

دیہی مجلسیں

گاؤں کے بالغ افراد پر مشتمل بنیادی مجلسوں کے ذریعے حکومت چلانا دیہی نظام کی مرکزی خصوصیت تھی۔ ان مجلسوں کے علاوہ متعدد دیگر کارپوریشنیں اور جماعتیں بھی موجود تھیں جو سماجی مذہبی یا اقتصادی نوعیت کی تھیں اور جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی مقامی ادارے یا کسی مخصوص کام کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ ان جماعتوں کے، جو قریب قریب ہر ایک گاؤں میں پائی جاتی تھیں، اور دیہی مجلس کے باہمی تعلق کو جدید سیاسی اصطلاحوں کے ذریعے آسانی سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ گاؤں کی مجلسیں ہوں یا دیگر جماعتیں، سبھی کے اختیارات کا منبع قدیم رسوم و رواج اور حق (دھرم) تھے۔ مخصوص معاملوں میں اُن کے طرزِ عمل پر اُنہیں جو عوامی خوشنودی حاصل ہوتی تھی وہ دونوں صورتوں میں اُن کے روزمرہ کے کاروبار کے لئے ایک طرح کے بنیادی قانون کی حیثیت رکھتی تھی۔ آخری چارہ جوئی دونوں راجہ کی حکومت سے کر سکتی تھیں، بشرطیکہ جو کچھ اُنہوں نے کیا تھا وہ تسلیم شدہ اخلاقی ضابطوں کے مطابق رہا ہو، ہر معاملہ میں حق کیا ہے، یہ اس معاملہ کے حالات پر منحصر ہوتا تھا یا ان پر کہ قانونی ضابطوں (دھرم) اور پرانی مثالوں کی روشنی میں اُن پر عقلِ سلیم کا اطلاق کس طریقہ سے ہونا چاہئے۔ ایسے باریک نکتوں کو حل کرنے ہی میں اُس زمانے کے فاضل بھٹ سماج کی سب سے اعلیٰ خدمت انجام دیتے تھے۔ کیونکہ جس حد تک ان کا فیصلہ غیر جانبدارانہ، معقول اور تعصب اور بددیانتی سے پاک ہوتا تھا، اُسی حد تک سماجی اتحاد کو فروغ ملتا تھا اور باضابطہ اور پُرسکون ترقی کی بنیادیں مضبوط ہوتی تھیں۔ اس بات سے کہ یہ نظام گذشتہ صدی کے آغاز تک جوں کا توں قائم رہا، یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ مجموعی طور پر یہ نازک اور بھاری ذمہ داری کا کام وہ افراد بطرز احسن

انجام دیتے تھے جن کے متعلق یہ کہا گیا تھا۔ دیہی مجلسوں اور دیگر جماعتوں کے حکومت اور سماج کے ساتھ تعلقات کم و بیش ایک ہی طرح کی بنیادوں پر ہوتے تھے لیکن قوم کی زندگی میں انکی اہمیت یقیناً برابر اور مساوی نہیں ہوتی تھی۔ دیہی مجلس کا اپنے علاقے میں بہت وسیع دائرہ کار ہوتا تھا جبکہ دوسری جماعتوں کی کارکردگی چند مخصوص مقاصد تک محدود ہوتی تھی۔ جیسے کسی مندر کا انتظام یا کسی ایک پیشے یا تجارت کو منضبط کرنا۔ یہ چھوٹی جماعتیں جو کچھ کام کرتی تھیں، نہ صرف ان کاموں میں بلکہ اس کے علاوہ جن امور سے ان جماعتوں کا کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا ان میں بھی دیہی مجلس دلچسپی لیتی تھی۔ دیہی مجلس کا اختیار ان معاملات میں بھی ہوتا تھا جو کسی مخصوص جماعت کے دائرہ کار میں ہوتے تھے اور متعلقہ جماعت سے اگر ان امور میں کوئی زیادتی یا کوتاہی سرزد ہوتی تھی تو کوئی بھی اس کے خلاف دیہی مجلس میں اپیل کرسکتا تھا۔ جب تک یہ چھوٹی جماعتیں اپنا کام اچھی طرح چلاتی رہتی تھیں۔ اس وقت تک دیہی مجلس اس کام سے بے فکر رہتی تھی لیکن مقامی فلاح و بہبود کی قطعی اور آخری ذمہ داری دیہی مجلس پر ہی ہوتی تھی۔ مختلف فلاحی جماعتوں کے ارکان دیہی مجلس کے رکن بھی ہوتے تھے۔ اور اس سے ان کے آپس کے تعلقات پر کافی اثر پڑتا تھا۔ جہاں جماعتیں بعض مخصوص مفادات کی نگرانی کرتی تھیں، جن میں ایک دوسرے سے تصادم بھی ممکن تھا۔ وہاں دیہی مجلس مجموعی طور پر سبھی مفادات کی نگرانی کرتی تھی اور عدل گستر ادارے کی حیثیت سے مخالف مطالبات میں ہم آہنگی پیدا کرکے فریقین کو مطمئن کرنے میں معاونت کرتی تھی۔ ان مختلف رشتوں سے ملتی جلتی قریب ترین مثال حکومت اور مختلف جماعتوں کے باہمی رشتوں کے فلسفۂ کثرتِ وجود میں ملتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں یہ رشتہ مقامی اداروں میں اور جماعتوں میں تھا۔ جو پورے قومی میدان میں کام نہیں کرتی تھیں بلکہ جن کا دائرہ کار محدود تھا۔ قومی مملکت، جس کی نمائندہ راجہ کی حکومت ہوتی تھی، تمام دیہاتوں اور جماعتوں پر محیط تھی۔ اور ان کو متحد رکھے ہوئے تھی۔

جماعتیں

گاؤں کی انجمنوں کی اقسام اور ان کے طریق عمل پر بحث کرنے سے پہلے زیادہ مہم جماعتوں کی کچھ سرکردہ مثالوں پر نظر ڈالنا ضروری ہوگا۔ ہم جب ان جماعتوں کا اور خود دیہی مجلسوں کا ذکر بطور کارپوریشن کے کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ ان دنوں انجمن سازی کا کوئی ضابطہ موجود نہیں تھا جس سے کسی جماعت کی ایک مخصوص قانونی حیثیت معلوم ہو جاتی ہو بلکہ یہ جماعتیں ایک فرد واحد کی طرح کام کرتی تھیں۔ وہ خرید و فروخت کرتی تھیں۔ اور مقدمے دائر کرتی تھیں اور جماعت

کی حیثیت سے اُن پر مقدمات دائر کئے جاتے تھے۔ وہ یہ بھی تسلیم کرتی تھیں کہ بطور کارپوریشن اُن کی زندگی کا تسلسل اُن کے عملے میں تغیر و تبدل سے بے نیاز رہے[2]۔ کتبات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک عالمگیر قاعدہ تھا۔ یہ فرض کر لیا جاتا تھا کہ ان پہلوؤں سے ایک فردِ واحد اور افراد کی اس جماعت کے درمیان کوئی فرق نہیں تھا جو ایک مشترکہ مقصد کے لئے متحد ہوئے تھے۔ اور اسی حیثیت سے گرد و نواح میں جانے جاتے تھے۔ ایسی جماعتیں ہر قسم کے مقاصد کے لئے منظم کی جاتی تھی۔ کچھ تو اقتصادی انجمنیں ہوتی تھیں جیسے "ولنجیار" اور "منی گرامم" کی تجارتی انجمنیں۔ اکثر ان کے نام اس مقام کے نام پر رکھے جاتے تھے جہاں یہ واقع ہوتی تھیں۔ جیسے "ترو پُرمنم" کی "ولنجیار"[3] اور آدت پور کی منی گرامم[4]۔ ان تجارتی انجمنوں پر ہم ایک ضمن میں مفصل بحث کریں گے۔ کچھ اور جماعتیں بھی تھیں جو کثیر تعداد میں تھیں اور جنہیں مذہب کی بنا پر منظم کیا گیا تھا۔ مختلف مقامات کی "مُول پروڈئیار" نامی انجمن واضح طور پر مندروں کی نگراں تھی۔ سچندرم میں یہ انجمن پرانتکا اوّل کے زمانے سے راج راجا اوّل کے عہد تک مقامی مہاسبھا کے ماتحت کام کرتی رہی۔ بعد ازاں یہ انجمن مندر کے انتظام سے دست بردار ہو گئی۔ اور اس کام کو "مہاسبھا" کو واپس کر دیا۔ ایسا کرنے کے بعد انجمن نے خود اپنا وجود اس وقت ختم کر دیا جب اس نے محسوس کیا کہ وہ ٹھیک طرح سے کام نہیں کر سکتی اور آئندہ کے لئے اُس نے اپنے فرائض کی ذمہ داری "مہاسبھا" کو منتقل کر دی۔ ترو گڈاموکُل نامی مقام کی "مُول پرُوڈئیار" کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ "ترُو ناگیشورم" کے مندر کی نگراں تھی[5]۔ اس مندر سے وابستہ پجاریوں نے خود کو کئی خوبصورت ناموں والے مختلف گروہوں میں منظم کر رکھا تھا شیومت کے پجاریوں کی ان انجمنوں کا عام نام "شیو برہمن" ہوتا تھا۔ ویشنو پجاریوں کی انجمن کا نام "ویکھانس" تھا۔ کچھ مخصوص انجمنوں کے نام یہ تھے۔ "اگا نائیگی شیو برہمنار"[7] "پتی پاد مُولتار"[8] "ترو ونالی کینگ کنپ پیرو مکل" "ترُو ونالگی"[9]۔ ایسے کتبوں کے آخر میں جن میں کسی مندر کو دئے جانے والے عطیوں کا اندراج ہوتا تھا۔ "پن ماہیشورر" اور شری ویشنوا کی خیر اور سلامتی کی دعا کی گئی ہے۔ یہ مذہبی فرقوں کے گروہ تھے جو بعض اوقات اٹھارہ اٹھارہ اضلاع (وشایم یا ناڈو) میں پھیلے ہوئے تھے لیکن ان اضلاع کے نام کہیں نہیں دئے گئے ہیں[1]۔ شات گنم، "کمار گنم"، "کرشن گنم"، "کالی گنم" اور اسی طرح کے دوسرے گروہ کسی نہ کسی واحد مندر کے منتظم یا ٹرسٹی تھے۔ اور انہیں مندروں سے انہوں نے اپنا نام مستعار لیا تھا۔ "پیرلمائیار" اور شنکر پاڈیار[2]۔ کچھ اور جماعتیں تھیں جو مندروں سے وابستہ تھیں اگرچہ ان کے فرائض مبہم ہیں۔ مندروں سے منسلک بعض اور برادریوں اور

گرہوں کے نام بھی ہیں لیکن یہاں ان کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ گاؤں کے مقامی گرہوں اور پیشہ وارانہ جماعتوں کے نام بھی ملتے ہیں۔ گاؤں اکثر "شیریوں" گلیوں اور محلوں میں بٹا ہوا ہوتا تھا اور مخصوص مقاصد کے لئے ہر "شیری" کے لوگ اپنی انجمن بنا لیتے تھے۔ شہنشاہ اتم چولا نے کانچی پورم شہر کی "دو شیریوں کے" باشندوں کو "اورگم" کے مندر کا نگراں مقرر کیا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ وہ مندر کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیں[3]۔ پرانتکا اول کے عہدِ حکومت کے بارہویں برس میں اُتّر میرور کی دیہی مجلس کی مجلس عاملہ میں نمائندگی کے لئے "شیریوں" کو بنیاد بنایا گیا تھا[4]۔ پینا ڈم سے ملے ہوئے ۱۰۱۱ء کے ایک کتبے میں[5]۔ مڈی گونڈ شولا چتر ویدی منگلم کی "شیریوں" کی سبھاؤں کا ذکر آتا ہے اور ایک دوسری مثال ایسی ہے۔ جہاں سبھا کی قرار دادوں کا مسودہ تیار کرنے والے اشخاص کی کمیٹی میں الگ الگ شیریوں کی نمائندگی دی گئی ہے[6]۔ پیشہ وارانہ تنظیموں کی کچھ مثالیں یہ ہیں۔ تلی چنگاڈو (ضلع تنجور) "ایلو" بڑھیوں، سناروں لوہاروں اور دھوبیوں کی "کلنی" فالی انجمنیں[7]۔ اور دوسرے مقامات میں (گڈریوں کی؟) منرادک "کلنی"[8]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر انجمنوں کا درجہ دوسری انجمنوں سے ادنیٰ اور کمتر ہوتا تھا اور اسی کے مطابق ہی ان کا نام "کیلک کلنی گل" رکھا جاتا تھا[9]۔

۱۰۰۰ء میں چیبر ولو میں[10] مقامی مندر کے کچھ چراغوں کے وقت کو مستقل طور پر ستھان پتی اور اس مقام کے تین "شوایا لوؤں" اور تین "سو سائلوؤں" کی نگرانی میں رکھ دیا گیا تھا۔ کامرس ولّی میں ۱۰۹۶ء میں ایک مقامی انجمن نے جو "ساڑھے سات سو" کہلاتی تھی[12] ایک جاگیر کا چارج لیا۔ اس کے فرائض میں کچھ مقررہ چندوں کی فراہمی اور اس آمدنی کے ذریعے مندر کی پوجا اور وہاں کے کچھ مقررہ تنخواہوں کے خرچ چلانا تھے[13]۔ اناشی ناڈوؤں کے چتی رمیلی پیریا ناڈو" نے ججوں کی حیثیت سے ایک مقدمے کی سماعت کی۔ یہ مقدمہ کلوتنگا دوم کے عہد کے تیسرے سال میں جمبئی میں شکار کے دوران ایک اتفاقیہ قتل ہو جانے کے متعلق تھا[22]۔ راج راجا دوم کے دوسرے سالِ حکومت میں کنتان دار کوئل (پڈوکوڈم) کے ایک وقف کی حفاظت کا کام اُس مقام کی ارائیہ نے اپنے ذمہ لے لیا تھا[14]۔ راجا دھیراج کے چوتھے سالِ حکومت میں ادکورر (ضلع جنوبی ارکاٹ) میں ہونے والے ایک اتفاقیہ قتل کے لئے پرائشچت یا کفارہ طے کرنے والی اُس مقام کی بھٹّار، پیریا نٹّار اور "پناٹار" تھیں[15]۔ یہی کام کچھ برس بعد اسی خطے میں ویلور کے مقام پر صرف "پناٹار" نے کیا تھا[16]۔ راجہ کلوتنگا سوم کے انیسویں سالِ حکومت میں بارہ ناڈوؤں کی "پیریا نا ٹو وشیا نار" نے ضلع کے

قانون دانوں کی تصانیف میں بھی ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ ہندوستان میں اصولی قانون کے اس دلکش پہلو پر بحث مباحثہ زیادہ حد تک بڑھا ہو۔ اگرچہ یہ جماعتیں اپنے حقوق کو انتہا تک پہنچا کر اُن کو خوشی سے منوانے کے جذبے سے سرشار ہوتیں تو اُن کے باہمی تعلقات اسقدر پیچیدہ ہو جاتے کہ وہ ایک سوچے سمجھے مشیت قانون کی مدد کے بغیر کبھی سلجھ نہ سکتے۔ یہ انجمنیں لگ بھگ کئی پشتوں تک قائم رہیں۔ لیکن اُن کے حقوق اور باہمی تعلقات کا صحیح تعین کرنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ زیادہ تر یہی کوشش رہی کہ باہمی رواداری سے ہی کام چل جائے۔

مجلسوں کی اقسام

بنیادی دیہی مجلسوں کی دو قسمیں ہماری نظر میں آتی ہیں جن میں فرق دو ناموں "اور" اور "سبھا" سے کیا جاسکتا ہے۔ مقامی مجلسوں کی ایک تیسری قسم "نگرم" تھی جو صرف تجارتی شہروں کے لئے مخصوص تھی۔ یہ سب بنیادی مجلسیں تھیں جنھیں متعلقہ مقامات کے باشندگان ہی بناتے تھے اور اُن کے تمام مشترکہ معاملات کا بندوبست بالعموم یہی مجلس کرتی تھیں۔ مجموعی طور پر اُن کی نگرانی راجہ کی مرکزی حکومت کے افسران کرتے تھے۔ جو گاہے گاہے اُن کے حسابات کی جانچ پڑتال بھی کرتے رہتے تھے۔ ویسے اُن کو آزادانہ طور پر کام کرنے دیا جاتا تھا۔ جب وہ کوئی اہم نوعیت کے فیصلے کرتی تھیں مثلاً اپنے آئینی ضابطۂ عمل میں یا اراضی کے حقوقِ ملکیت میں تبدیلی جس سے گورنمنٹ کی آمدنی میں فرق پڑتا ہو۔ تو مرکزی حکومت کے افسران ان مجلسوں میں شرکت کرتے تھے"۔ ان کی موجودگی سے اجلاس کی کارروائی پر کتنا اثر پڑتا تھا۔ یہ آسانی سے نہیں کہا جاسکتا۔ کئی مقامات پر بڑے بڑے مندروں کا انتظام باقاعدہ سرکاری افسران چلاتے تھے۔ اور وہ اسمبلی کے اُن اجلاسوں میں بھی شرکت کرتے تھے۔ جن میں مندر کے معاملات زیرِ بحث لائے جاتے تھے"۔ بعض اوقات زیادہ اہم معاملات فیصلے کے لئے راجہ کے پاس بھی پہنچائے جاتے تھے۔ کلوتنگا اوّل کے دو کتبوں میں سے جو ترنمبودی سے دستیاب ہوئے ہیں، راجہ کو ایک "کائی" سے استفادہ کرنے کے حقوق کو منضبط کرتے دکھایا گیا ہے۔ اور ترنمبودی میں سپاری کے درخت لگانے کے کام کو فروغ دینے کی ایک نئی سکیم مرتب کرتے ہوئے ظاہر کیا گیا ہے"۔

اُور "اور" اُن دیہی مجلسوں کی سب سے سادہ قسم تھی۔ اس لفظ کے معنی ہیں گاؤں یا قصبہ اور "اُور" کی نِسبت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ اُور کے اضافہ شدہ

"اُور دَم"، کے جملے سے بھی واضح ہو جاتا ہے۔ جس کے معنی ہیں "گاؤں کے باشندے جو "اُور" کی صورت میں اپنا اجلاس منعقد کرتے تھے"۔ یہ جملہ کئی کتبوں میں آیا ہے۔ نیز کئی جگہ اس امر کا ذکر بھی آیا ہے کہ "سبھا" کی مانند "اُور" نے بعض کتبات کے مسودے تیار کرانے اور انہیں کندہ کروانے کے لئے بھی اپنے کارکنوں کو حکم دیا۔[3]"اُور"، کئی مقامات پر "سبھا کا شانہ بشانہ کام کرتی تھی۔[4] کہیں کہیں آزادانہ اور کہیں کہیں "سبھا" کے اشتراک سے جیسا بھی زیر غور معاملہ کا تقاضا ہو۔ اس کے برعکس کئی مقامات پر "اُور" ہی واحد مجلس ہوتی تھی۔

سبھا

دیہی مجلسوں کی وہ قسم تھی جس کا مفصل احوال ہمیں کتبوں میں ملتا ہے۔ یقیناً یہی وہ مجلس ہے جو برہمن گاؤں "چترویدی منگلم" سے وابستہ تھی۔ اس طرح کے کئی "اگرہار" اور "منگلم" شاہی اوقات کی بدولت وجود میں آئے تھے۔ اراضی وقف کرنے (دکھوودان) سے ثواب ملنے کا اعتقاد بہت عام تھا اور جو لوگ اس کی توفیق رکھتے تھے وہ اکثر ایسا کرتے تھے۔ اس طرح مقدس اور فاضل برہمنوں کی نئی بستیاں ملک کے مختلف حصوں میں آباد ہو گئیں۔ اور ان برہمنوں نے "سبھا" اور اس کی مجلس عاملہ میں شامل ہو کر گاؤں کے مقامی معاملات پر قابو پا لیا۔

دونوں اداروں کے باہمی تعلقات

"سبھا" نیز "اُور" اُن جگہوں پر قائم رہیں جہاں کسی "منگلم" کے قیام سے قدیم آبادی پر برہمنوں کی نئی آبادی کا اقتدار قائم ہو گیا تھا۔ لگ بھگ ہر مقام پر نو واردوں کی آمد کا بہت سی وجوہات کے پیش نظر خیر مقدم کیا گیا ہوگا۔ اکثر نئی "منگلم" کے عطیہ پانے والوں کو جو اراضی کسی راجہ یا رئیس کی جانب سے دی جاتی تھی۔ وہ اُن کے سپرد کرنے سے پہلے اُن اشخاص یا جماعتوں سے جو اُس کے مالک ہوتے تھے، خریدلی جاتی تھی۔ اُس کے نتیجے میں اراضی کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ بہرکیف اُس سے "اُور" کی تحویل میں کافی رقم آجاتی تھی جسے وہ کسی مفید کام میں صرف کر سکتی تھی۔ اگر فروخت ہونے والی اراضی شاملات ہوتی، جیسا کہ اکثر ہوتا تھا۔ تو اس کی فروخت سے حاصل شدہ رقم رفاہِ عام کے منصوبوں پر سرمایہ کاری کے لئے خرچ کی جاتی تھی۔ پھر یہ بھی تھا کہ ایسے افراد کی آمد جو اپنے علم و فضل اور خوبیٔ کردار کے لئے ممتاز ہوتے تھے۔ عوام کیلئے

باعثِ فیض ہوتی تھی۔ کیونکہ اس سے عوام کا اُس زمانے کے بہترین کلچر سے سابقہ ہوتا تھا اور انہیں قدرتی رہبروں کا ایک طبقہ دستیاب ہو جاتا تھا جس سے وہ آڑے وقتوں میں مشورے اور قیادت کے لئے رجوع کر سکتے تھے۔ عوام الناس حسب سابق "اور" کی حیثیت سے اپنے اجلاس منعقد کرتے اور اپنا معمولی کاروبار چلاتے رہتے تھے۔ نو واردوں نے اپنے آپ کو "سبھا" کی شکل میں منظم کیا۔ جو معمولی سبھا کی نوعیت کی تھی۔ اس عہد کے کتبات سے جن واقعات کا قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اُن کا خاکہ کچھ ایسا ہی ہے۔

بعض اوقات ایسی ہی وجوہات سے ایک گاؤں میں دو "اور" اسمبلیاں منظم کی جاتی تھیں تقریباً ۱۲۲۷ء میں شانا منگلم نامی گاؤں میں دو اسمبلیاں تھیں۔ ایک میں تو گاؤں کے اس حصے کے باشندگان شامل تھے جو ہندو "دیلودان" تھا۔ اور دوسری میں جین "پلی چندم" کے باشندگان شریک تھے۔ یہ دونوں اسمبلیاں ہی "اور" کہلاتی تھیں۔ اور انہوں نے ایک تالاب اور پھولوں کے باغ کی تعمیر کے لئے کچھ اراضی مخصوص کرنے اور اس کو لگان سے مستثنےٰ کروانے میں تعاون کیا۔ وہ اس طرح کہ اس اراضی کا لگان اور دیگر واجبات ادا کرنے کی ذمہ داری انہوں نے اپنے اوپر لے لی[38] اسی طرح ۹۴۵ء کے قریب اُرثور کوڑم میں دو گاؤں کمار منگلم اور امن کڈی ایسے تھے۔ جہاں دو اسمبلیاں تھیں۔ یہ گاؤں موجودہ ریاست پڈوکو میں پڑتے ہیں[39]

اُور کی ساخت اور طریق کار

"اور" کی صحیح ساخت کے متعلق ہمیں براہِ راست کوئی واقفیت نہیں۔ عام مستعمل اصطلاح "اُور" وم سے ہم یہی اندازہ لگا سکتے کہ "اُور" کے سبھی باشندگان اس کے اجلاس میں شامل ہوتے تھے اگرچہ مباحثے میں زیادہ حصہ گاؤں کے سرکردہ اشخاص ہی لیتے ہوں گے۔[40] "اور" کی ایک مجلس عاملہ ہوتی تھی۔ جو "آلنگم" یعنی حکمران جماعت کہلاتی تھی۔ یہ اصطلاح اکثر اپنی مختصر شکل میں "گنم" بن گئی تھی ہے۔ اور اپنی طویل میں "ہی" یا "آلنگم" بن کر استعمال میں آتی[41] ہے اس مجلس عاملہ کے اراکین کی تعداد اور اس کی تقرری کا طریقہ ہمیں نہیں معلوم۔ ہم ایک اور اصطلاح "اُور آلوار گل" کو بھی زیر استعمال دیکھتے ہیں۔ یہ بھی "آلنگم" کی مترادف ہے[42]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ کچھ "سبھاؤں" کی بھی اسی طرح سادہ قسم کی مجلس عاملہ ہوتی تھی جو تمام معاملات میں ان کے سامنے جواب دہ ہوتی تھی[43]۔ کیونکہ بعض "گنموں" کے اراکین میں ہم بھٹوں (دانشور برہمنوں) کے نام دیکھتے

ہیں۔ اس صورت حال کی ایک اور وضاحت بھی پیش کی جا سکتی ہے۔ وہ یہ کہ جو مہتیا فاضل
برہمن "اگرہارم" کے ارکان ہوتے تھے وہ دراصل "اُور" کی مجلس عاملہ کے اراکین ہی ہوں گے دوسرے
الفاظ میں وہ قدیم گاؤں کے اصل باشندگان میں سے ہی ہوتے ہوں گے۔ اور نئے "منگلم" آباد
ہونے کے بعد بھی اپنے گاؤں کی سبھا کے بدستور ممبر رہے ہوں گے۔

میسور سے ملے ہوئے حقیقتہ کے ایک کتبے میں[۹۰] "اُور" کے دو عہدہ داروں "منتزل" اور
"نیائتیار" کا ذکر آتا ہے۔ اور ان کے علاوہ نو دیگر افراد کا جن کے ناموں سے پہلے "اور کیچ
چننیم پاڈی" کا فقرہ استعمال کیا گیا ہے جس سے یا تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مواقع پر "اور" کی
مقامی مجلس کی نمائندگی کرتے تھے یا عارضی طور پر اس کی مجلسِ عاملہ کا کام دیتے تھے۔

سبھا کی ساخت اور طریق کار

اصلی طور پر سبھا مقامی نظم و نسق کے لیے زیادہ پیچیدہ نظام رکھتی تھی اور کمیٹیوں
کے ذریعے سے کام کرتی تھی جو "وارئم" ، "وارئم" غالباً تامل لفظ ہے لیکن اس کے صحیح معنی واضح نہیں
ہیں۔ ملیالم کے لفظ "وارم" یعنی آمدنی سے اور کنڑ کے لفظ "وارم" یعنی "سخت مطالبہ" سے اس کا تعلق ہو سکتا
ہے۔[۹۱] یہ بھی ممکن ہے کہ "وارئم" اصل میں سنسکرت کے لفظ "واریہ" کی تامل صورت ہو۔ "واریہ"
کے معنی سنسکرت میں "منتخب" ہیں دراصل۔

وارئم

ایک کتبے میں منتخب کرنے کے فعل کے لیے "وارئم شیدل" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے
اور سبھا کی مجلسِ عاملہ کو "وارئم" کہا گیا ہے۔[۹۲] اور لفظ "وار نر" کا مطلب ہے وہ افراد جو بعض مخصوص
فرائض کی ادائیگی کے لیے "سبھا" نے ملازم رکھے ہوں۔ جب "متول پروڈئی" یا "پنچ وارم" اس وقت
مندر کا انتظام کرنے کے قابل ہوتی تو سبھا اس کام کو کرنے کے لیے دو "وار نر" مقرر
کر دیتی تھی جو سبھا کی جانب سے یہ فرض انجام دیتے تھے۔ مانور سے دستیاب شدہ مندر کے
ایک کتبے میں، جس کا حوالہ پہلے بھی دیا جا چکا ہے، یہ شرط تحریر کی گئی ہے کہ کسی بھی قسم
کی "وارئم" ایسے اشخاص کے سپرد نہیں کی جائیگی جو کچھ مخصوص قابلیتوں سے عاری ہوں "وارئم"
کی ابتدائی تاریخ بالکل دھندلی ہے لیکن اس امر کا کافی ثبوت موجود ہے کہ سبھا کی نظم و نسق

میں انتظام کی خاطر مختلف کمیٹیوں کی باضابطہ تقرری ایک خاصے طویل تجربے، آزمائش اور غلطیوں کا
ماحصل تھی۔ ابتدائی مرحلوں میں ایسا کام کچھ افراد یا بہت چھوٹی جماعت کرتی رہی ہوگی۔ شری نواسنتو
کے ایک کتبے میں ایک ایسے ادارے کا ذکر ہے جو کسی مخصوص عارضی مقصد کے لئے قائم کیا گیا تھا۔
اور ایک ہنگامی "وارِیَم" جیسا دکھائی دیتا ہے۔[46] اس کتبے کی بالکل صحیح تاریخ متعین نہیں کی جا سکتی
کیونکہ اس میں حکمرانِ وقت راجہ کا ذکر اس کے نام سے نہیں بلکہ اُس کے لقب "راج کیسری" سے
کیا گیا ہے۔ لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ قدیم چولا کتبہ ہے: "یہ وارِیَم" علاقائی سبھا نے
مقرر نہیں کی تھی بلکہ مندر منتظم کی "مول پرُوڈئی" نے اس کی تقرری کی تھی جو مقامی مندر کی نگران تھی
اور "وارِیَم" کے سپرد جو کام کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ مندر کی ملکیتی "دیودان" اور "ارانئیل" اراضیات
کی مستند وضاحت اور اس کے رقبے حدود کا صحیح اندراج کرائے۔ اسی طرح کی خاص "وارِیَم" کی
اور بھی کئی مثالیں ہونگی جن کا تقرر کچھ مخصوص مقاصد کے لئے کیا گیا ہوگا۔ اب اس بات کا قطعی
فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ کہ ان آزمائشوں سے جو تجربہ حاصل ہوا اُس نے نظم و نسق میں "وارِیَموں"
کے نظام کو توسیع دی یا کمیٹیوں کی جو مشینری اپنے کام کے لئے سبھا نے وضع کی تھی اُس کو دیگر
کارپوریشنوں نے اپنا لیا۔ کافی دیر بعد ۹۶۰ء میں ترُوکنڈائیور کے ایک "تل وارِیَم" کا ذکر ملتا ہے۔
جو بلاشبہ سبھا کے تحت کام کرنے والا افسر تھا۔ سبھا کی مجلس عاملہ کے ارکان عموماً "سوار یہ
پیرُومکل" کہلاتے تھے۔[49]

مختلف سبھاؤں میں "وارِیَموں" کی تعداد اور نوعیت اور اُن کی تقرری کا طریقہ مختلف ہوتا تھا
ایسی "وارِیَموں" کی تشکیل کی بہترین مثال جو ہمارے علم میں ہے وہ اُتّر میرور کی سبھا ہے۔ یہ گاؤں
آج بھی اسی نام سے ضلع چنگل پٹ میں موجود ہے۔ اور پھل پھول رہا ہے اور اُس کی شان و شوکت
کے بیشتر آثار بدستور برقرار ہیں

اُتّرمیرور

اس صاف ستھرے اور منصوبہ بند طریقے سے تعمیر کئے گئے گاؤں کے لگ بھگ دو میل مغرب
کی جانب واقع آبپاشی کا ایک عظیم تالاب بلاشبہ وہی مشہور ویر میگھا تٹکا ہے جس کا تذکرہ اُتّر میرور
کے پلّو اور چولا کتبوں میں موجود ہے۔ یہ وہ تالاب تھا جو اُن دنوں میں سبھا کی بیشتر توجہ کا مرکز تھا
اور اُسے ایک مخصوص تالاب کمیٹی کے زیر انتظام رکھا گیا تھا جو "ایری وارِیَم" کہلاتی تھی پر اسکا

اوّل کے بارہویں سالِ حکومت؁ یعنی ۹۱۹ء میں سبھا نے ایک قرارداد پاس کی جس کی رو سے اس کی مجلس عاملہ میں تقرری کے لیے طریق کار متعین کیا گیا اور سبھا کی پانچ مجالس عاملہ مقرر کی گئیں۔ یہ قرارداد (ویوستھا) راجہ کی حکومت کے فرمان (شری مکھم) کے ذریعے اجلاس میں شرکت کیلئے بھیجی گئی تھی۔ اِس نئے انتظام کا اصل مقصد یہ تھا کہ مذکورہ کمیٹیوں میں نہ صرف تیس "کڈمیو فن" (وارڈ) کی نمائندگی ہو سکے، جن میں پورا گاؤں منقسم تھا، بلکہ بارہ شیریوں "(گلیوں) کو بھی حق نمائندگی مل سکے جن میں یہ وارڈ تقسیم کئے گئے تھے۔ انتخاب قرعہ اندازی (کُڈوولئی) کے ذریعے ہوتا تھا۔ لیکن انتخاب اُن چند امیدواروں تک محدود رہتا تھا جن کو "کڈمیو"، خود کچھ اصولوں کے مطابق باقاعدہ نامزد کرتے تھے۔ ان اصولوں کی رو سے ایسی نامزدگی کا استحقاق حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط پوری کرنا پڑتی تھیں۔ کمیٹیوں میں "کڈمبو" اور "شیری"، دونوں کی نمائندگی کو یکجا کرنے کی کوشش کامیاب نہیں ہوئی اور اس کے بعد جو تعطل پیدا ہوا تو دو برس کے بعد کمیٹیوں کے چناؤ کے طریقہ میں اصلاح کی ایک اور کوشش کی گئی۔ "شیری"، گوشۂ گمنامی میں چلی گئی۔ اور کمیٹیوں میں کڈمبوؤں کی براہِ راست نمائندگی ہی واحد مقصد ٹھہری۔ لیکن اس ترمیم کے موقع کو کچھ دیگر سوالوں کی وضاحت کے لئے بھی استعمال کیا گیا۔ جو درمیانی وقفے میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ نیز اس کی بدولت کڈمبوؤں کی جانب سے نامزدگیوں کے لئے زیادہ مفصل اور خصوصی ضابطے بنائے گئے۔ آئین پر یہ نظرِ ثانی بھی راجہ کے ایک افسر کی موجودگی میں کی گئی اور یہ سبھا کی ایک "ویوستھا" (قرارداد) کی صورت میں لکھی گئی۔ اس سے اگلے ہی برس ۹۲۰ء میں جو پرانتکا اوّل کا پندرہواں سالِ حکومت تھا۔ سبھا نے گاؤں کی سبھی باشندگان کی خاطر سونا پرکھنے والی ایک کمیٹی کا تقرر کیا۔ یہ کوئی نئی "وارئم" نہیں تھی۔ یہ آٹھ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تھی جو ٹیکس ادا کرنے والے اُن شہریوں میں سے بذریعہ قرعہ اندازی چُنی گئی تھی۔ جو گاؤں کے مخصوص حصّوں میں رہائش پذیر تھے۔ اور جو سونا پرکھنے کے فن میں مشہور تھے یہ کمیٹی غالباً سبھا کی "پون وارئم"، (سونے سے متعلق کمیٹی) کے کام میں مدد کرنے کے لئے بنائی گئی تھی۔

دیگر سبھائیں

ہمیں کسی بھی دوسری سبھا کی ساخت اور طریق کار کے متعلق اس قدر معلومات حاصل نہیں جتنی کہ "اُترمیرور" کے بارے میں۔ تاہم کتبوں میں جو دیگر مقامات کی "وارئموں" کے حوالے

دے گئے ہیں، اُن سے ہمیں یہی اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف انتظامی فرائض کی تفصیلات ان کمیٹیوں کے سپرد کرنے کے طریقِ کار کی تقلید دوسری سبھاؤں نے بھی کی جب انہوں نے یہ دیکھا کہ اتنی تفصیلات میں جانا ایک کمیٹی کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ کام اعزازی نوعیت کا ہوتا تھا اور کسی بھی کتبے یا دستاویز میں کسی وقم کی ادائیگی کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اور کسی سے اس سے زیادہ توقع بھی نہیں کی جاتی تھی کہ وہ اپنے وقت اور استعداد کا محض کچھ حصہ ایسے کاموں میں لگائے گا۔ بہت ساری کمیٹیوں کے مابین جن کی تعداد گاہے بگاہے بدلتی رہتی تھی، کام کی تقسیم قدرتی تھی۔ چنانچہ اسی کو اپنایا گیا[58] راج راجا اوّل کے گیارہویں سالِ حکومت ۹۹۵ء کے دو کتبات جو تینیری سے ملے ہیں، دیہی نظم و نسق کی ان تدابیر کے ایک مقام سے دوسرے تک بتدریج پھیلنے اور مقبول ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کتبوں میں سے ایک میں اتم شولا چترویدی منگلم کی دیہی سبھا کی ایک قرارداد درج ہے۔ کہ "سوارئم"، میں خدمت کرنے کا وہی مستحق سمجھا جائے گا جسے "منتر برہمن" کا علم ہوگا اور دیہی مجلس کی قراردادوں کے مسودے بھی بنا سکے گا[59] اور اگر اس کی قرارداد کی خلاف ورزی کوئی شخص کرے گا تو وہ اسی سزا کا مستوجب ہوگا جو راجہ کی حکم عدولی کرنے والوں کو ملتی ہے۔ "ترودائی مزدتار پدم ونذم" اس قرارداد کو منظور ہوئے دو مہینے بھی نہیں گذرے تھے کہ اسی سبھا نے ایک اور قرارداد منظور کی جس کا مقصد اُن لوگوں کو "وارئم"، کی رکنیت اور اس کی قراردادوں کے مسودے بنانے کے شرف سے محروم کرنا تھا۔ جو کسی برہمن کا مال چوری کرنے یا اُس سے زیادہ کسی سنگین الزام کے مجرم قرار پائیں "میل پڈؤ کرنم"۔ اگر ثبوت کی ضرورت ہو تو ان قراردادوں کی سادگی اور ان کی تشکیل کی تدریجی نوعیت اور تاریخیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان کثیر التعداد سبھاؤں کی اپنے آئین اور انتظامی تدابیر کو ترقی دینے کی رفتار ایک سی نہیں تھی۔ جب اتم شولا چترویدی منگلم کی "دیہی سبھا" میں یہ قراردادیں منظور کی گئیں تو راجہ کی حکومت کا کوئی افسر سبھا کے اجلاسوں میں موجود نہیں تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ زیادہ تر ان سبھاؤں کے کام میں مداخلت نہیں کی جاتی تھی اور ہر سبھا اپنے مخصوص حالات کے مطابق ایسے انتظامات کرنے میں آزاد ہوتی تھی جو اس کے حالات کے لئے سازگار ہوں، مثال کے طور پر امنی نارائن چترویدی منگلم کی سبھا نے پارتھی ویندر ورمن کے تیسرے سالِ حکومت میں کم از کم نو "وارئموں" کی تشکیل کی[60] جبکہ ۹۱۹ء کے ترو پارکڈل کے ایک کتبے میں صرف چار وارئموں کا ذکر ملتا ہے[61]

ستھ ولی، تعلقہ، منہ گدی، ضلع تنجور کے ایک کتبے میں جو ۱۰۰۰ء ادھیراجندر کے تیسرے

سالِ حکومت کا ہے، ایک بڑے دلچسپ "اُگرم دیہ سبھا" (گاؤں کی ایک آئینی قرارداد) درج ہے جو سبھا نے اپنے مکمل اجلاس میں منظور کی۔ یہ اجلاس پہنچنے سے اطلاع دیے کر بلایا گیا تھا اور ایک شاہی افسر کی موجودگی میں منعقد ہوا تھا۔ اس قرارداد میں یہ کہا گیا ہے کہ سبھا کی مجلس عاملہ (اُدو کوتم) نیز وارگموں "(یعنی آوردارگم) اور ناڈو کی وارگموں (پوٹن گراہی) کے دس لوگ منتخب کئے جائیں گے جو شاسن بدھر اور شاسن بدھ مکل "ہوں گے۔ اگر ان کے علاوہ دوسروں کو ان کمیٹیوں میں کام کرنا ہے تو ان کا انتخاب سبھا کے مکمل اجلاس میں ہونا ضروری ہے جو ایک شاہی فرمان (تروُدوانئی) کے ذریعہ مناسب نوٹس کے بعد طلب کیا جا سکتا ہے۔ تاہم اگر حکومت براہِ راست ان کا تقرر کر دے (راپڑی انشر کے راج کلنال ورن جیورا) تو "کوتم" کے لئے فی شیری دس ممبران "وارگم" کے لئے فی شیری ایک ممبر اور ناڈو ووارگم کے لئے فی شیری تین ممبران ہونے ضروری ہیں۔ اور ہر حالت میں صرف وہی افراد چنے جا سکیں گے جو متعلقہ کمیٹی میں پانچ برس کام نہ کر چکے ہوں ان پانچ برسوں میں انتخاب کا سال بھی شامل ہوگا۔ کتبے کی عبارت یہاں اچانک ختم ہو جاتی ہے اور شاید مکمل نہیں ہے۔ لیکن اس کا جو حصہ باقی بچا ہے، دو پہلوؤں سے اہم ہے۔ ایک تو اس میں گاؤں اور ناڈو کی مجلسِ عاملہ کے رکن کی حیثیت سے تقرری کے لئے تین متبادل طریقے بتائے گئے ہیں (۱) موروثی حق جس کی ضامن "شاسن" ہوگی (۲) سبھا کا خود انتخاب کرنا (۳) حکومت کی ہوئی تقرری۔ پھر اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ افراد کا ایک طبقہ اپنے نجی استحاق کی بنا پر سبھی انتظامیہ عہدوں کے لئے اہل تصور کیا جاتا تھا۔ اس طبقے کو "شاسن بدھر" اور "شاسن بدھ مکل" کے نام سے پکارا گیا ہے۔ یہ اصطلاحیں آسان نہیں ہیں اور ان کی وضاحت محض قیاسی طور پر ہی کی جا سکتی ہے۔ اتم چولا کے عہدِ حکومت کے ایک کتبے سے جو ضلع تنجور میں شیمبین مہادیوی کے مقام سے ملا ہے، ظاہر ہوتا ہے کہ اس گاؤں کے شاسن بدھ جبر دیدی بھٹ تانپ پیرڈ مکل" کو وجود میں لانے والی وہی مہارانی تھی جس کے نام سے یہ "برہم دیہ" گاؤں موسوم ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ اصطلاح ان آدمیوں کے لئے استعمال ہوئی ہے جن کے نام "شاسن" کے اس اصل دستاویز میں درج ہیں جس کی رو سے یہ "برہم دیہ" وجود میں آیا، اور جو اپنی قابلیت اور اونچے کردار کی بدولت منتخب کئے گئے ہیں۔ اور ہمارے کتبات "مکل" کی جو اصطلاح آئی ہے۔ اس کا مفہوم ان افراد کی اولاد ہو سکتا ہے۔ اگر یہ رائے صحیح ہوئی تو اس سے ہم مزید یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ "برہم دیہ" اراضیات کے موروثی مالکوں کو مقامی معاملات کے انتظام میں دوسروں کو اپنا شریک بنانے میں کوئی عذر نہیں تھا۔ اور اگر ضروری ہوتا تھا تو وہ اپنی

جاہ طلبی کے دائرے کو محدود رکھنے پر بھی قانع ہوجاتے تھے تاکہ ان کے ساتھیوں کے لئے گنجائش نکل سکے۔ یا غالباً اُن کو بدلتے ہوئے حالات کے دباؤ کی وجہ سے مجبوراً ایسا کرنا پڑتا تھا۔

دوسری جانب ایسی مثالوں کی بھی ہمارے یہاں کمی نہیں جہاں راجہ کی حکومت سبھا کے آئینی ڈھانچے کو منضبط کرنے کی خاطر حکومت کی مداخلت کی مثالیں جو عام طور پر چولا عہد حکومت کے آخری حصے سے تعلق رکھتی ہیں، نایاب نہیں ہیں۔ ان مثالوں سے اگرچہ یہ صاف واضح نہیں ہے۔ تاہم قرین قیاس یہی ہے کہ تحریک خود سبھاؤں کی جانب سے ہوتی تھی اور آئینی بندوبست کی تمام شرائط جن کی اطلاع راجہ کو اس کے افسران کی جانب سے دی جاتی تھی اور جنہیں راجہ اپنی منظوری عطا کرتا تھا، کی بنا متعلقہ اسمبلی ہی کی منظور کردہ قرار دادوں پر رکھی جاتی تھی۔ البتہ کتبوں میں صرف اس کے افسروں ہی کی پیش کردہ تجاویز پر راجہ کی جانب سے دی گئی منظوری کا اندراج ملتا ہے۔ تلائی ماڑ (ضلع تنجور) کا ایک کتبہ جو کلوتنگا سوم کے ساتویں سال حکومت کے تہتّرویں دن کندہ کیا گیا تھا ہے۔ ایک خط کی شکل میں ہے جو شہنشاہ کی جانب سے کلوتنگا شولن تنی نائک چترویدی منگلم کی سبھا کو اور اسی گاؤں کے تندوان (کلکٹر) کو ارسال کیا گیا تھا۔ اس میں اسمبلی کی مجلس عاملہ (کوٹم) کے چناؤ کے قوانین درج ہیں؟ جو راجہ نے اپنے دو سرکاری افسروں برہمیندر اور وانا دھیراج کی سفارش پر منظور کئے تھے۔ یہ قوانین ترومندر اولئی کے تحریر شدہ ہیں۔ ان کی تصدیق نو دیگر عہدیداروں نے کی تھی جن کے منصب کے آخر میں "رایا"، یا "راجہ" کا لفظ ضرور ہوتا تھا یہ سب بلاشبہ مرکزی حکومت ہی کے کارندے ہوں گے۔ یہ قواعد حسب ذیل تھے۔ شہنشاہ وقت کے ساتویں سالِ حکومت سے صرف وہ اشخاص "کوٹم" کے رُکن منتخب ہو سکیں گے جو اس سال سے قبل دس سالوں میں "کوٹم" کے ممبر نہ رہے ہوں جس میں کہ چناؤ کیا جا رہا ہو۔ امیدوار لازماً چالیس سال سے زیادہ عمر کے برہمن ہونے چاہییں جو فاضل، غیر جانبدار اور غیر متعصب ہوں جو افراد شہنشاہ کے ساتویں سال حکومت سے پانچ برس قبل اور پانچ برس کی مدت میں "کوٹم" کے رکن رہ چکے ہونگے ان کے رشتہ دار "کوٹم" کے رکن چنے جانے کے لئے نااہل قرار دئے جائیں گے راجہ کا حکم یہ بھی تھا کہ وہ سب برہمن جو اعمالِ بد (دنی کیڈر) کے مرتکب ہو، یعنی لگان اراضی (کڈمئی) کی عدم ادائیگی کے خطاوار ہوں اور کمزور برہمنوں پر نیز معزز مزاعین پر ظلم کرتے ہوں، انہیں اُن کے جرائم کے تناسب سے معقول جرمانے کئے جائیں۔ بلا لحاظ اس کے کہ وہ "کوٹم" کے ممبر رہ چکے ہوں یا نہیں اس آخری دفعہ، نیز منتخب ہونے والے امیدواروں کے لئے غیر متعصب اور غیر جانبدار ہونے

کی شرط سے ہمارے اس قیاس کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس کتبے میں جو اصطلاحات درج ہیں اُن کے نفاذ سے کچھ عرصہ قبل تنّی نائر میں مقامی نظم و نسق کو برھتی ہوئی باہمی ناچاقی اور تشدد سے نقصان پہنچا تھا۔ اس طرح مقامی آئین کو شاہی منظوری عطا کرنے کی ایک اور مثال ایم ہٹّی نامی گاؤں میں ملتی ہے[58]۔ یہ واقعہ پانچ برس بعد یعنی ۹۲۱ء کا ہے شہنشاہ نے نلمبادرایا کے ایما پر یہ حکم دیا کہ راجندر شولا چترویدی منگلم کی سبھا مجلس عاملہ (وریم) کا انتخاب ان لوگوں میں سے کیا جائے گا جو پہلے اس میں کام نہیں کر چکے ہوں گے۔ اور جن کی عمر چالیس برس سے کم نہ ہوگی۔

اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے کہ گاؤں کی اسمبلیاں چولوں کے عہدِ حکومت کے اواخر میں کسی کام کے آغاز کرنے کا اپنا حق کھو بیٹھی تھیں۔ اور براہ راست مرکزی حکومت کے اختیار میں چلی گئی تھیں۔ یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ کام دولی چترویدی منگلم کی "مہاسبھا" نے ۱۲۲۳ء میں یہ قرارداد منظور کی تھی کہ وہ پہلے اپنے کسی فیصلے پر کاربند رہیں گے جس کے مطابق اُن کی مجلس عاملہ (گرام کارئم) ان لوگوں میں سے چنی جا سکتی تھی جو سال بہ سال قُرعے کی بنیاد پر اس میں کام کرنے پر رضامند ہوں[59]۔ اور اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ ایسے کسی موقعے پر مرکزی حکومت سے مشورہ یا منظوری لی گئی ہو۔ اسی طرح شیمبن مہادیوی کی مہاسبھا نے اپنی ہی مرضی سے یہ قرارداد منظور کی تھی کہ وہ مقامی نظم و نسق (گرام کارئم) کے لئے اور سبھا کی آمدنی کے معاملات (کڈمئی کارئم) پر غور و خوض کرنے کے لئے رات کو اپنے اجلاس منعقد نہیں کرے گی۔ کیونکہ رات کے اجلاسوں کے باعث کام میں خرابی پیدا ہوتی ہے اور چراغوں میں تیل کا فاضل خرچ بھی ہوتا ہے۔ انہوں نے وہ دن مقرر کر دیا جس سے یہ نیا طریق کار نافذ ہونا تھا۔ انہوں نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ وہ مجلس عاملہ (گوٹم) میں کسی ایسے شخص کو جو ایک بار اپنی رکنیت کی میعاد پوری کر چکا ہو پانچ برس کے اندر دوبارہ تقرری نہیں کریں گے[60]۔ یہ کتبہ راج راجا سوم کے سترھویں سالِ حکومت کا تحریر کردہ ہے۔ یہاں "گرم کارئم" یا مقامی معاملات اور "کڈمئی کارئم" یعنی مالیاتی شعبے میں جو امتیاز رکھا گیا ہے وہ خصوصی طور پر قابلِ توجہ ہے۔ گو یہ فرق دوسرے کتبات میں کہیں بھی واضح طور پر نہیں ملتا۔ لیکن ہم یہ قیاس کرنے میں حق بجانب ہیں کہ اس کو تمام دیہی اسمبلیوں میں یکساں طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔ ان اسمبلیوں کی کچھ واضح ذمہ داریاں اپنے علاقے کے متعلق ہوتی تھیں اور کچھ مرکزی حکومت کے متعلق۔

آخر میں ایک کتبہ راج راجا سوم کے تیئسویں سال حکومت کا ہے (61 الف) جو شیگنور

(ضلع تنجور) سے دستیاب ہوا ہے۔ اور چولا عہد کے اواخر کے مقامی انتظامیہ اداروں کو سمجھنے کے لئے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ گاؤں کی اسمبلی کے آئینی اور دوسرے معاملات کے متعلق ایک دستاویز ہے۔ اس میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ان انتظامات کا حکم جاری کرنے والی وشولیشوارا دیوا کے مندر کی "مول پرودشئی ہے" دیولیشوارا دیور کوئل مول پرودشئیار کوٹن گرئی وڑک۔ کوڈی ارندو گرام کارئم دیوستھئی پنناپڈی اس سے صاف ظاہر ہے کہ مندر کی مول پروشئی (مول پریشت) نے وہ اصول بنائے جو گاؤں کے انتظامات چلانے کے بارے میں اس کتبے میں درج ہیں۔ یہ بات واضح نہیں ہے کہ مہا سبھا نے جس کا ذکر آگے چل کر اس کتبے میں آیا ہے۔ خود اپنے معاملات کو طے کرنے کے بجائے اہم مسائل کا فیصلہ "مول پروشئی"، پر کیوں چھوڑ دیا تھا۔ تاہم کتبے کے عام رجحان سے ہم یہ قیاس کرسکتے ہیں کہ مہا سبھا اراکین کے شدید باہمی اختلافات کے باعث تسلی بخش فیصلے کرنے میں ناکام رہی؛ اور اس نے یہ ضرورت محسوس کی کہ پورے معاملہ کو ثالثی کے لئے کسی بیرونی ادارے کو سپرد کردے۔ اگر یہ رائے صحیح ہے تو یہ بات خالی از اہمیت نہیں کہ مہا سبھا نے ایک اور مقامی ادارے سے مدد طلب کی نہ کہ راجہ کی حکومت سے۔ ممکن ہے کہ راج راجا سوم کے عہد کے خاتمے کے قریب مرکزی حکومت اپنی اہلیت کھو بیٹھی ہو اور رعایا کی نظر میں بھی اس کا زیادہ اعتماد نہ رہا ہو۔ اس موقعے پر بنایا گیا کم از کم ایک قانون اس بات کا شاہد ہے کہ اسی عہد میں راجہ کی حکومت کے کارندے (مدنگل)، بھی مقامی انتظامیہ اداروں کے خوش اسلوبی سے چلتے ہوئے کام میں کچھ مخصوص دھڑوں کے ساتھ سازشیں کرکے روڑے اٹکاتے تھے۔

جو قواعد آگے چل کر اس کتبے میں ملتے ہیں۔ وہ ان فیصلوں کی جو کئے گئے تھے، وضاحت کرتے ہیں۔ اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ "مول پروشئی"، کو اپنے فریضے کی غیر معمولی دشوار نوعیت کا پورا احساس تھا۔ اُن کی سب سے پہلی قرار داد گاؤں کی انتظامیہ (کوٹم) کی اپنی تشکیل سے تعلق رکھتی ہے۔ بہت ہی پرانے وقتوں سے یہ رواج چلا آتا ہے (اناد یاگ دیوستھائی)، کہ جب گاؤں کی مجلس عاملہ چنی جاتی تھی (نمور کوٹم اِڈم اِڈو) تو جو اشخاص ایک مرتبہ اس کے ممبر رہ چکے ہوتے تھے وہ اپنی میعادِ رکنیت کے ختم ہونے کے بعد پانچویں برس میں ہی دوبارہ منتخب ہوسکتے تھے۔ ان کے بیٹے اپنے باپ کی میعادِ رکنیت کے چوتھے برس میں، اور ان کے بھائی تیسرے برس میں اسکے رکن مقرر ہوسکتے تھے اور اس قدیم دستور کو برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ مزید یہ فیصلہ ہوا کہ ہی لوگ مجلس عاملہ کے لئے چنے جائیں گے جن کی عمر چالیس برس سے کم نہ ہوگی۔ "کوٹم" ان لوگوں

کی منظوری ہی سے بخی جائے گی جو "اور" کی حیثیت سے موقع پر جمع ہوں گے۔ جیسا کہ ہمارے بزرگ کرتے تھے "پُورو پرشاگل شیدپڈک کیڈاگ۔ بعض افراد جو دھوکے دھڑی سے داُل ہوئی بھیس بدل کر "مدنیگل" یعنی سرکاری کارندوں کی امداد سے یا ان قوانین کی خلاف ورزی کرکے منتخب ہو جاتے: وہ گاؤں کے غدار قرار دیئے جاتے تھے اور ان کی تمام املاک ضبط کر لی جاتی تھی۔ "کوٹم" ہر مرتبہ صرف ایک برس کے لئے بخی جاتی تھی (سم وتسر درتم) وہ لوگ بھی جو اس عرصے سے زیادہ اپنے عہدوں سے چمٹے رہتے (میٹر بیڈی نترار) وہ بھی گاؤں کے غدار تصور کئے جاتے تھے اور انہیں بھی مذکورہ بالا سزا دی جاتی تھی۔ اسلاف کی روایات کی پابندی، "اور" کی رضامندی اور منظوری پر زور دینا، "مدنگل" یعنی سرکاری اہلکاروں کے ناجائز اثر و رسوخ کے خلاف احتجاج، اور مجلس عاملہ پر ناجائز طریقوں سے غلبہ حاصل کرنے کی یا مقررہ میعاد سے زیادہ دیر تک اپنے عہدے سے چمٹے رہنے کی کوشش کے لئے کڑی سزا، یہ سب اس قرارداد کی وہ خصوصیات ہیں جو ہماری توجہ کے مستحق ہیں۔ البتہ ہم کو یہ نہیں معلوم کہ مجلس عاملہ کا انتخاب اصل میں کس طرح سے ہوتا تھا۔ نہ اس بات کا کچھ پتہ چلتا ہے کہ "اور" اپنی منظوری کا اظہار کس طرح کرتی تھی ظاہر ہے کہ کتبے سے ہم کو یہ پوری داستان نہیں معلوم ہوتی۔ اس سے ہم کو صرف اُن چند نکات پر فیصلوں کا علم ہوتا ہے۔ جو زیر بحث لائے گئے تھے۔ باقی باتوں کا علم اس وقت عام طور سے سب لوگوں کو تھا۔

"دیوسبھا" کا باقی حصہ مالی اور مالیاتی انتظام سے تعلق رکھتا ہے گاؤں کے "کڈمئی" اور کنڈی مئی (عام مالیہ) نیز سبھاونیوگم، یعنی مقامی محصول کرتے ہوئے "کوٹم" کے اراکین کو صرف جائز واجبات (پراپتیم) ہی وصول کرنا چاہئے۔ اور اس سے فاضل کچھ وصول نہیں کرنا چاہئے "سبھاونیوگم" کو "کنڈی مئی" کے خلط ملط نہ کیا جائے بلکہ انہیں الگ الگ وصول نہ کیا جائے۔ اور اُن کو خرچ بھی اُن تحریری احکام کے مطابق کیا جانا چاہئے۔ جو محاسب کو الگ ارسال کئے جاتے ہیں۔ دکن لکھونیوگم ایئوڈک کوڈتو۔

اگر کسی واحد مد پر دو ہزار کاشو سے زاید خرچ کرنا ہو تو اُس کے لئے خرچ کرنے سے پہلے جبا سبھا کی تحریری منظوری حاصل کرنی ہوگی۔ اگر ان قواعد سے انحراف کرکے کوئی خرچ کیا جائے یا ٹیکسوں یا دیگر واجبات کی کوئی فاضل رقم وصول کی جائے۔ تو رقم کا پانچ گنا جرمانہ کیا جائے گا۔ جو لگانِ اراضی کے نادہندگان پر علیحدہ شدہ تعزیری ٹیکس کی رقم کے ساتھ سبھا کے

کے خزانے (سبھا دنوکم) میں جمع کرنا ہوگا۔ ناد ہندگان کو جن کے ذمے لگان اراضی کے بقایاجات ہوتے تھے۔ واجب الادا ٹیکس سے دگنی رقم ادا کرنی ہوتی تھی)، سب سے آخری بات یہ طے کی گئی کہ گاؤں کا محاسب ادر "کارنم"، نیز "کنڈ مبو" کے افسران ہر سال بدل دیئے جائیں گے۔ اور وہ قانونی طور پر ان کے نام جاری کئے گئے احکام کی تعمیل کریں گے۔" آنڈرو مارٹی نوگ پڈری ترنگ کنڈو ڈاکوم ہمارے پاس یہ ٹھیک طرح سے معلوم کرنے کا کوئی وسیلہ موجود نہیں کہ "وارئم" اور "کنڈ مبو"، کا گاؤں کے معاملات میں کیا صحیح صحیح کردار ہوتا تھا۔ ان اداروں کی کارکردگی کے بارے میں بھی، دوسرے امور کی طرح ہماری معلومات غیر مکمل ہیں۔

سبھا، مہا سبھا، اور اس کے ہم معنی قابل الفاظ مثلاً "کرّی"، "ماور"، "پیرن کُرّی"، ایک ہی ادارے کے لئے استعمال ہوئے ہیں کبھی اسے "پیرن کُرّی مہا سبھا" بھی کہا گیا ہے۔ اس کے ممبران کو عمومی طور پر "پیرُن مکل" کہا جاتا ہے اور کئی کتبوں میں ان کے لئے زیادہ ذی احترام اصطلاح "ترددٹیا" بھی استعمال کی گئی ہے۔ سبھا بالعموم اپنے اجلاس گاؤں کے مندروں یا منڈپوں میں منعقد کیا کرتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "برہم ستھان"، کی اصطلاح سبھا کے اجلاسوں کے انعقاد کے لئے مقررہ جگہ کے لئے مستعمل تھی۔ بعض اوقات "سبھا" کے اجلاس گاؤں کے باہر کسی تالاب کے کنارے یا کسی درخت کے نیچے منعقد ہوتے تھے لیکن اس کی وجہ اجلاس کے لئے کسی محفوظ جگہ کی قلت یقیناً نہیں تھی اس طرح کے اجلاسوں کی کچھ مثالوں سے ہم اس کی یہ وجہ قیاس کرسکتے ہیں کہ ان اجلاسوں میں بعض اوقات جو کام کاج ہوتا تھا۔ وہ اتنی نامبارک نوعیت کا ہوتا تھا کہ اس کا گاؤں کے رہائشی حصے سے باہر ہی تکمیل پذیر ہونا مناسب تھا۔ عموماً سبھا کا اجلاس ڈھول شاڑی بجا کر بلایا جاتا تھا۔ اجلاس کا اعلان اکثر بگل (کالم) یا دوہرا بگل (ارٹی کالم) بجا کر بھی کیا جاتا تھا۔ بشرط ضرورت اجلاس راتوں کو بھی منعقد کئے جاتے تھے

نگرم

"نگرم" ایک اور طرح کی مقامی اسمبلی تھی۔ جو اتنی زیادہ عام نہیں تھی جتنی کہ "اور"، اور "سبھا" تھی "نگرم" کی اصطلاح بعض اوقات کچھ پیشہ ور جماعتوں کے لئے بھی استعمال ہوتی تھی مثلاً "تسالیہ نگرتوم" لیکن جب بعض مقامات کی "نگرم"، کا ذکر ہو مثلاً ترو پوری، ترو پلیتم، پر اکیسری پلودم۔ اور تکولم کی نگرم۔ اور کانچی کی نگرم تو ان سے وہ علاقائی اسمبلیاں مراد ہیں جو

اپنے منصب اور فرائض کے اعتبار سے "سبھا" اور "اُور"، کی مشترک خصوصیات رکھتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تملی سنگھم جیسے بعض مقامات [71] پر "نگرم" اور "اُور"، ایک دوسرے کے شانہ بشانہ اپنے فرائض پر انجام کرتی تھیں۔

غالباً "نگرم"، تاجروں کی ایک بنیادی اسمبلی تھی جو اہم تجارتی مراکز میں مقامی اسمبلیوں میں سے ایک ہوتی تھی، اور ان مقامات پر صرف یہی ایک اسمبلی کام کرتی تھی جہاں تجارتی مفادات اور دوسرے مفادات سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے۔

ناڈو

ناڈو کی نمائندگی کرنے والی علاقائی اسمبلیاں بھی موجود تھیں اور یہ بعض اہم فرائض سرانجام دیتی تھیں۔ بالخصوص لگان اراضی سے تعلق رکھنے والے معاملات۔ [72] "اُور" کی طرح ناڈو کے معنی بھی "علاقے کا ایک حصہ ہیں"۔ اور بطور ایک ناڈو کی متحد اور منظم نوعیت ہمیں کتبات میں دی گئی۔ ناڈائی شیندا ناٹوم"، جیسی اصطلاحات سے معلوم ہوجاتی ہے یعنی "ناڈو کے باشندگان جن سے "ناڈو کی تشکیل ہوئی [73] یہ انجمن اپنے نام پر اوقات جاری کرتی تھیں [74]۔ اور ان کا بندوبست کرتی تھیں [75]۔ ایک پراکسیری راجہ کے عہد میں ایک شخص کنڈن مرطون نے جو چولا شہنشاہ کا جاگیر دار تھا، کنرا کوڑم کی "ناٹار"، یعنی ناڈو اسمبلی کے نام ایک فرمان جاری کیا [76] جس میں درج تھا کہ اس جاگیر دار نے ایک شخص کو کچھ اراضی کا عطیہ بطور "کانی" دینے کا فیصلہ کیا ہے اس کے لیے شرط یہ ہوگی کہ وہ دائمی طور پر پچیس [77] پون اس کے لیے بطور مالیہ ادا کیا کرے گا اور مستقبل میں جب بھی اراضیات کے لگان میں عام اضافہ کیا جائے، یہ اراضی اس اضافہ سے مستثنیٰ ہوگی۔ اس جاگیر دار نے "ناٹار" سے درخواست کی کہ وہ ان شرائط کو نافذ کرے۔ چنانچہ اس اسمبلی نے یہ اراضی متعلقہ شخص کے حوالے کردی اور مستقبل میں لگان کے کسی اضافے کے وقت اس اراضی کا لگان نہ بڑھانے کی ذمہ داری لی۔ اراضی کی "قسم زمین" کا تعین باقاعدہ وقفوں کے بعد مالگزاری کی دوبارہ تشخیص، نیز بعض اراضیات دوامی بندوبست جو "ناٹار" کے فرائض کے طور پر اس کتبے میں شائع کئے گئے ہیں۔ وہ اس زمانے کے بندوبست اراضی متعدد قابلِ توجہ خصوصیات ہیں۔ شہنشاہ راجا راجا نے "آنئی منگلم" نامی گاؤں ناگ پٹم کے بدھ وہار کو دان کرنے کا جو فرمان جاری کیا وہ بعض دوسرے اداروں اور افسروں کے علاوہ پٹنا کوڑم کی "ناٹار" کے نام بھی جاری کیا گیا تھا۔ ناڈو کی ان اسمبلیوں کی تشکیل کے آئین و قواعد کے متعلق کوئی بھی براہِ راست شہادت دستیاب نہیں ہوتی تاہم انئی منگلم

کے بطور عطیہ دئے جانے کا جو فرمان لیڈن کے عطیہ نامے میں درج ہے، اُس پر ثبت کئے گئے متعدد دستخط اِس ضمن میں کافی معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ اس فرمانِ عطیہ پر سب سے پہلے "پرودری" کے اس افسر نے دستخط کئے ہیں جو اس وقت "ناتار" کے ہمراہ موجود تھا۔ جب انہوں نے ایک ہاتھی کے ذریعے سے زمین روند کر متعلقہ گاؤں کی حد بندی کی تھی اور پھر اُس آدمی کے ذریعے حدود کی نشان دہی کی گئی جو اُس موقعے پر ہاتھی پر سوار تھا اس کے بعد پٹناکورم کے ستائیس[27] دیہاتوں کے محاسبوں نے جن میں خود "انئی منگلم" کا محاسب بھی شامل تھا اور آخر میں ان فاضل برہمنوں نے نشان دہی کی جن کی نگرانی میں تمام کارروائی مکمل کی گئی تھی۔ محاسبوں نے اپنے اپنے گاؤں کی "سبھا" یا "اور" کی جانب سے اور ان کی ہدایات کے مطابق فرمانِ عطیہ پر دستخط کئے۔ یہ واضح نہیں ہے کہ ناڈو کی اسمبلی کی تشکیل اس کے تمام دیہاتوں کے نمائندوں سے ہوتی تھی یا نہیں، جن میں محاسب بھی شامل ہوتے تھے۔

کلوتنگا اول کے دسویں سال حکومت میں[27] "پرطلئی ناڈو کی "ناتار" کو تیرتھ ملئی (ضلع سلیم) کے مندر میں ایک پجاری کی تقرری کرتے دکھایا گیا ہے۔ [1049ء] میں ودا اپن گاڈو (ضلع پڈوکوٹہ) کی ناڈو نے یہ فیصلہ کیا کہ نل وانلور یا اس کے گرد و نواح میں اگر "امبنا ودو" کی جانب سے قابلِ کاشت اراضی یا شاہراہ کو کوئی نقصان پہنچے گا تو اس کی پاداش میں ایک "ما" کے برابر قابلِ کاشت اراضی بطور جرمانہ کی جائے گی[26] جو مقامی مندر کے نام کر دی جائے گی۔ کریکال چولا دیو کے عہد کے ایک کتبے میں جو جمبئی سے دستیاب ہوا ہے[27]، وان گپاڈی کی ناڈو کا دائیور نگر یوگ وار کے مندر کے معاملات میں بہت اہم عمل دخل بتایا گیا ہے۔ اس مندر کو دان کرنے والے کے، جو بان خاندان کا ایک سردار تھا، بیان کے مطابق اس کے بزرگوں نے رن بھیم منگلم کا گاؤں مندر کو دان دیا تھا۔ بعد ازاں اس سردار نے جاگیر موقوف اور اس کے اخراجات کی شرح میں اضافہ کر دیا اور نئی شرح کی نگہداشت ناڈو کے سپرد کر دی۔ یہ بات بھی دلچسپ اور قابلِ توجہ ہے کہ ناڈو کے زیر نگہداشت بھی تمام انتظامیہ امور ایک ہی گاؤں کے سپرد ہوتے تھے جس کا ایک سال کے لئے قرعہ اندازی سے انتخاب ہوتا تھا۔ یہ ایک ایسا قاعدہ تھا جو ناڈو کی اسمبلی اور دیہی اسمبلیوں کے مابین اُس باہمی تعلق کو ظاہر کرتا ہے جو کافی پہلے کے زمانے کے لیڈن کے فرمانِ عطیہ میں بتایا گیا ہے۔ ایک گاؤں کے گڈریوں نے یہ اقرار کیا تھا کہ وہ مندر کو سالانہ ایک مخصوص رقم ادا کریں گے اور اس اقرار نامے کی تصدیق سرشنفہ دیہاتوں سے تعلق رکھنے والے اٹھارہ[؟] اشخاص نے کی تھی۔ یہ اشخاص خود کو "اُور" کہتے تھے یعنی وہ لوگ جو بظاہر دلوپاڈی ناڈ کی اسمبلی میں اپنے اپنے گاؤں کی نمائندگی کرتے تھے

یہ دیہات مذکورہ ناڈو میں شامل تھے؟؟ الف) یہ اطلاع شری رنگم کے کتبے سے ملی ہے جس پر کلوتنگا سوم کے چھٹے سالِ حکومت ۱۱۸۴ء کی تاریخ درج ہے۔ چولا عہد حکومت کے اواخر کے تحریر شدہ کانچی پورم کے ایک ۵؟ کتبے میں تیلگو چوڑا راجہ مدھرانتکا پوتپی چولا کی جانب سے جیئن گونڈ اچولا منڈلم کی "ناڈو" کی ایک قرارداد کا اندراج ملتا ہے جس میں یہ طے پایا ہے کہ مختلف اقسام کی اراضیات پر بی" ویلی" (اراضی کی پیمائش کا ایک پیمانہ) چھ کلم "(وزن کا پیمانہ) دھان کی معافی "کڈمئی" لگان" میں دی جائے گی۔ اس معافی سے مستفید ہونے والی اراضیات (کی قسمیں) یہ تھیں: ترتو ویادیلودان" "تروو ذئی تم"۔ "پلی چنڈم"۔ اگر پڑو۔ مڈ پرتم جیوت پڑو۔ پڈنی پڑو۔ اور ونا پڑو۔ ملکیتی اراضی کے اقسام کی یہ فہرست بظاہر مکمل معلوم ہوتی ہے۔ اور اس میں "ناڈو" کی ہر قسم کی قابلِ کاشت اراضی شامل کر لی گئی ہے۔ لہٰذا ہمارے سامنے جو مثال ہے وہ "ناڈو" کی دی ہوئی مالیہ کی عام معافی کی مثال ہے۔ جسے علاقے کے حکمران نے اپنی منظوری عطا کر دی تھی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ تیرھویں صدی تک بھی ناڈو کی اسمبلی کو اتنا بڑا اختیار حاصل تھا۔ "ناڈو" اکثر دیگر انجمنوں اور انفرادی افسروں کے ساتھ عدلیہ کے کاموں نیز دوسرے معاملات میں تعاون کرتی دکھائی دیتی ہیں؟؟

تامل کتبوں میں "نگرم" اور "ناڈو"، خواہ اور کسی اعتبار سے نہ سہی، کم از کم نام کے لحاظ سے ضرور سنسکرت لٹریچر کے "پورا" اور "جن پدا"، کے ہم معنی ہیں۔ تاہم ان سوالات کا کوئی قطعی جواب دینا مشکل ہے کہ کیا ہندوستانی نظامِ حکومت پر قلم اٹھانے والے مصنفین کو جنوبی ہند کی "اور"، اور "سبھا" کہلانے والی اسمبلیوں کا بھی علم تھا اور "جن پدا" کے زمرے میں انہوں نے ان اسمبلیوں کو بھی شامل کیا تھا۔

اجلاسوں کی کارروائی

اوپر جن اداروں کا ذکر آیا ہے اُن کے اجلاسوں میں کارروائی کس طرح ہوتی تھی، اس کا ذکر کسی کتبے میں نہیں ملتا۔ ماسوائے اترمیرور کے باقی اسمبلیوں کی مجلس عاملہ کے چناؤ کا طریقہ بھی معلوم نہیں جہاں تک دوسرے دیہاتوں کی اسمبلیوں کی مجالسِ عاملہ کا تعلق ہے ہمیں ان کے ممبروں کی قابلیتوں اور عہدے کی میعاد کے متعلق تو علم ہے لیکن ان کے تقرری کے اصل طریقۂ کار کی بابت کچھ واقفیت نہیں ہمیں لازمی طور پر یہی قیاس کرنا پڑتا ہے کہ عام اسمبلی کی ممبری پر کوئی پابندی تھی اور گاؤں کے سبھی باشندے اس کے رکن ہو سکتے تھے۔ کتبوں میں اکثر یہ ذکر آیا ہے کہ فلاں اجلاس میں حاضری مکمل تھی

اور سب بوڑھے اور جوان اس میں حاضر تھے۔[79] (الف) کورم یعنی فیصلے کرنے کے لئے ممبران کی کم سے کم تعداد کا تصور ان دنوں میں موجود ہونے کی کوئی گواہی نہیں ملتی۔ تاہم اجلاس طلب کرنے کے کچھ مخصوص طریقے مقرر تھے اور اس کے لئے عام طور پر مستعمل اصطلاح "کوٹ کرائی ورکوڈی ارندو"[80] (ب) سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اجلاس کے موقع پر مجلس عاملہ کے سبھی ممبران کی حاضری کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ قرار دادوں کے لئے ووٹ لئے جاتے تھے۔ تاہم ظاہر ہے کہ جب کوئی سوال زیر بحث آیا ہوگا تو اس پر عام بحث ہوتی ہوگی اور اس بحث میں سرکردہ افراد اپنے سماجی مرتبہ کے مطابق حصہ لیتے ہوں گے۔ اور اگر زیر بحث معاملہ کسی خاص طبقے یا گروہ سے تعلق رکھنے والا یا اس پر اثر ڈالنے والا ہوتا ہوگا تو یقیناً اس طبقے کے نمائندگان کو اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کا موقع دیا جاتا ہوگا۔ آخری اور قطعی فیصلہ اتفاق رائے سے کیا جاتا تھا۔ مانگو اسمبلی کی مانند دوسری اسمبلیوں میں بھی دھڑے بندی اور اجلاسوں کی کاروائی میں اڑچن ڈالنے کے خلاف قاعدے بنائے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے قواعد کا اطلاق رائے عامہ کی حمایت اور مدد پر منحصر ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجموعی طور سے اجلاسوں کا دستور العمل سادہ ہوتا تھا اور اسمبلیوں کی حیثیت سوائے ان کی مجلسِ عاملہ کے محض ایک بھیڑ کی تھی۔ جو جمع ہو جاتی تھی۔

اسمبلیوں کے مابین باہمی تعاون

مشترکہ مقاصد کی تکمیل کے لئے مقامی اسمبلیاں آپس میں اور دوسری انجمنوں کے ساتھ تعاون کیا کرتی تھیں۔ ترنی مور کی "سبھا" وہاں کی "نگرم" اور "دیوکنمس" مشترکہ طور پر وہاں کے مندر کے انتظامات صحیح طریقے سے چلانے کے لئے ذمہ دار تھیں۔ اور وہ جب اس کے معاملات پر بحث کرتی تھیں تو وہ مندر کے تھیٹر (ناٹک شالا) میں اپنے اجلاس منعقد کرتی تھیں۔[81] ترُدوا ماتور کے ایک اور مندر کے ملازمین کی تنخوا ہیں۔ اس گاؤں کی "سبھا" "اس کی" "اُور" اُس کے شو برہمنوں اور "رُدرگنوں" کے ایک مشترکہ اجلاس میں مقرر کی گئی تھیں۔ "رُدرگن" وہ لوگ تھے۔ جو مندر میں دیوتاؤں کے روبرو مقدس بھجن گایا کرتے تھے۔ اجلاس میں ان ملازمین کی حاضری جن کی تنخواہ مقرر کی جانے والی ہوتی تھی۔ یہ ظاہر کرتی ہے کہ ان کی خواہشات کا احترام کیا جاتا تھا۔ یہ اس زمانے کے اقتصادی نظام کے لچکدار اور ہمدردانہ مزاج کی ایک روایتی مثال تھی۔ ایک اور مثال ایسی ہے جہاں پلوٗ نرنا کے مندر کے پجاریوں اور دوسرے ملازمین کو متعلقہ ضلع کی "ناتور" کے ساتھ[82] ایک چراغ کر لئے

وان کی گئی نقد جاگیر کا نگران مقرر کیا گیا تھا۔ دو چترودس گاؤوں کی سبھاؤں کے ریکارڈ میں ایک ایسی مثال درج ہے۔ جہاں کے ان دونوں گاؤوں نے متفقہ فیصلہ کر لیا کہ آئندہ وہ ایک تصور کئے جائیں گے۔[84] یہ واقعہ پرانتکا اوّل کے عہد کا ہے اور ۹۳۹ء میں ہوا۔ اور اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان مقامی اسمبلیوں کو اس زمانے میں کتنی آزادی حاصل تھی دونوں گاؤوں کا اتحاد ان کی اپنی مرضی سے ہوا تھا اور مرکزی حکومت کی براہِ راست منظوری حاصل کئے بغیر عمل میں لایا گیا۔ کوئی برہم دیہ یا دیو دان عطا کیا جاتا تو اس کا عمل درآمد کرنے کے لئے بہت سی تنظیموں اور انجمنوں کا تعاون درکار ہوتا تھا۔ پلائیا نور کا عطیہ اس کی مخصوص روایتی مثال ہے جس کی تعمیل پلائیا نور ناڈو کی "ناٹار" نے برہم دیہ، میں شامل دیہاتوں کے بڑے بوڑھوں کے علاوہ جن دوسروں کی مدد سے کی وہ یہ ہیں: (1) سبھا، دیو دان (2) تمام "اوروں" کے "اور گلیلار" (3) پتی چندم" (4) کنی مرژ تو" (5) دیٹی بیرژ (6) پرانا اٹرچالابھوگ اور (7) نگرم۔[85] ان تعاون کرنے والے اداروں کی یہ تفصیل دو پہلوؤں سے دلچسپ ہے۔ ایک تو اس میں کچھ مخصوص لگان داریوں کا ذکر ہے جن کے پٹے دیئے جاتے تھے اور جن پر ہم آگے چل کر اور بحث کریں گے۔ دوسرے یہ کہ اس سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ ناڈو کی اسمبلی (ناٹار) گاؤں کی اسمبلی "اُور" "گل" اور شہروں کی اسمبلی "نگر تگل" سے ایک علیحدہ اسمبلی تھی لیڈن کے فرمانِ عطیہ کے برخلاف جو تمام مقامی گروہوں اور اسمبلیوں کو کم و بیش ایک ہی طرح سے مخاطب کرتا ہے اور جس پر ناڈو کے تمام دیہاتوں اور شہروں کے نمائندوں کے دستخط ہیں تروُوالنگاڈو کے اس عطیہ کی تصدیق محکمۂ مال کے افسروں کے علاوہ اُن دیہاتوں نے کی ہے جن کے حقوق اراضی پر اس عطیے کی وجہ سے کوئی اثر پڑتا تھا۔ اس فرق کے علاوہ دونوں عطیہ نامے حیرت انگیز طور پر ایک دوسرے کی توثیق کرتے ہیں اور ان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ناڈو کی اسمبلی کی تشکیل پورے ضلع میں شامل گاؤں اور شہروں کی اسمبلیوں کے نمائندے کرتے تھے۔[86] ایسی مثالوں کی کمی نہیں ہے جہاں ناڈو کی ایسی متعدد اسمبلیوں نے کسی مشترکہ مقصد کے لئے باہم تعاون کیا ہو۔[87]

مقامی حکومت

اس طرح مقامی حکومت گاؤوں اور شہروں کی بنیادی اسمبلیوں اور ضلعوں کی نمائندہ اسمبلیوں کے ذریعے چلائی جاتی تھی۔ "سبھا" "اُور" اور "نگرم" کی نوعیت عوام الناس کے ایک

جگھٹ کی سی ہوتی تھی جس میں ہر اُس فرد کو جس کا اس علاقے میں کچھ دعوےٰ ہوتا تھا، شریک ہونے کا حق تھا۔ یہ بات اجلاس طلب کرنے کے طریقے سے بالکل واضح ہو جاتی ہے کیونکہ عام اعلان کے ذریعے یا ڈھول بجا کر یا اور کسی معقول طریقے سے اجلاس کے انعقاد کے وقت اور مقام کی خبر کی جاتی تھی۔ اسی اصول کے پیش نظر ان اجلاسوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اکثر بتایا گیا ہے کہ اجلاس میں حاضری پوری تھی اور اجلاس کا مناسب نوٹس پانے کے بعد سبھی بوڑھے و جوان اُس اجلاس میں موجود تھے، لیکن ووٹ ڈال کر کسی معاملے کا فیصلہ کرنے کی ایک بھی مثال نہیں ملتی اور اس کا امکان بھی دکھائی نہیں دیتا۔ اس زمانے کی سیاسی سپرٹ کچھ اس طرح کی تھی کہ اس کا مقصد مختلف میں مساوات پیدا کرنا نہیں بلکہ ان میں ہم آہنگی اور آشتی قائم کرنا تھا۔ جدید جمہوریت کی نگاہوں میں ایک ایسے صحت مند معاشرے کی کوئی خاص افادیت نہیں ہے جو چھوٹی چھوٹی جائیدادوں کی عام لوگوں میں تقسیم پر منحصر ہو اور جس میں کسی ایک طبقے کو دوسرے طبقے کے اقتصادی استحصال کا موقع نہ ہو۔ سماجی زندگی پر ایسے طبقات کا غلبہ تھا جن کی بنیادیں قدیم رواجات اور معیاری حقوق پر استوار تھیں اور نیم مذہبی جذبات اس میں جابکدستی سے سموئے ہوئے تھے۔ ایسے ماحول میں اگر کسی چیز کی ضرورت تھی تو بس یہی کہ واقعات کی رفتار پر نظر رکھنے کا موقع حاصل رہے اور اس بات کا بھی امکان ہو کہ اگر کوئی زیادتی کی جائے تو اس کے خلاف احتجاج کیا جا سکے یا اگر کسی کے نقطۂ نظر کو نظر انداز کیا جا رہا ہو تو اس پر توجہ دلائی جا سکے۔ یہ موقع اسمبلیوں اور مختلف انجمنوں کے وقفے وقفے پر منعقد ہونے والے اجلاسوں کے ذریعے میسّر ہو جاتا تھا، لیکن ایسے جمگھٹوں میں قیادت انہی لوگوں کے ہاتھ میں رہتی تھی جو قدرتی طور پر اس کے لئے موزوں ہوتے تھے۔ اس طرح کی قیادت کے لئے اُن کی عمر، تعلیم، دولت اور مالی خاندانی نمایاں ترین شرائط تھیں۔ ایک اوسط آدمی کا احترام حاصل کرنے کے لئے اُن کا سرکاری عہدہ اور اُن کے کئے ہوئے رفاہِ عام کے کام مفید ثابت ہوتے تھے۔

مقامی ٹیکسوں کا عائد کرنا

گاؤں "چھوٹی جمہوریتیں" ہوتے تھے جو اپنے معاملات میں وسیع خود مختاری رکھتے تھے۔ یہ اس بات سے واضح ہے کہ مقامی مقاصد کے لئے ٹیکس عاید کرنے اور اس نوعیت کے ٹیکسوں اور واجبات کی ادائیگی سے چھوٹ دینے کے اختیارات ان کی اسمبلیوں کو حاصل تھے۔ جو

الگ انتظامیہ عمدا رکھتی تھیں۔ اور یہ عملہ بلاشبہ صرف چند اہلکاروں پر مشتمل ہوتا تھا جن کو وہ اپنی ملازمت اور کنٹرول میں رکھتی تھیں۔ مقامی مقاصد کے لئے اُن کے ٹیکس لگانے کے اختیارات کی وسعت کا اندازہ ان مثالوں سے کیا جاسکتا ہے۔ جن میں اسمبلیوں نے شہنشاہ کی حکومت سے مشورہ کئے بغیر اپنے خود مختارانہ اختیارات کے ذریعے ہی ٹیکسوں سے معافی دے دی یا لگان اراضی کو بطور جاگیر بخش دیا۔ ایک راج کیسری راجہ کے دوسرے سال حکومت میں تالور کی سبھا نے جو مقامی مندر کی مقروض تھی۔ قرضے کے سود کے عوض دکانوں پر لگائے گئے ایک ٹیکس کی آمدنی (انگاڈی کولی) مستقل طور پر مندر کے نام کردی۔ کمار ماتانڈپورم کی "نگرم" نے اپنی "وارا ویگل" (اس ٹیکس نوعیت واضح نہیں) کی سالانہ آمدنی ایک جین عبادت گاہ کی مرمت کے لئے وقف کردی۔ ترودیرمبور میں شری کنتھا چترویدی منگلم کی سبھا نے یہ قرارداد منظور کی کہ تاریخ منظوری سے مقامی مندر کی املاک پر وہ کسی طرح کا کوئی ٹیکس نہیں لگائے گی۔ ایک اور موقع پر انہیں کسی شخص سے ایک خطیر رقم یک مشت مل گئی۔ کیونکہ انہیں ایک تالاب کھدوانے کے لئے رقم کی ضرورت تھی۔ اس فیاضی کا احترام کرتے ہوئے سبھا نے ایک گاؤں کے کاشتکاروں سے مقررہ شرح پر دھان وصول کرنے کا حق مذکورہ شخص کے نام کردیا۔ آلی پور کی "اُور" نے اپنی بستی کے مندر کے لئے دائمی طور پر کئی ٹیکسوں کی ادائیگی سے چھوٹ حاصل کی اور ان رعایتوں کا اعلان اُترمیرور کی سبھا نے کیا جس نے تمام بیرونی طاقتوں کی دخل اندازی سے بستی کو آزاد کردیا۔ ان مثالوں اور اسی نوع کی دوسری مثالوں جو کلی طور پر اُن کے اختیار میں تھے۔ اور جنہیں وہ اپنے زیر انتظام عوام کی ایک محدود تعداد ترقی کے لئے جس طریقہ سے بھی چاہیں استعمال کرسکتے تھے۔ ان معافیوں اور ٹیکسوں جنہیں یہ دیہی اسمبلیاں خود وصول کرسکتی تھیں۔ ایک دوسری نوعیت کے ٹیکسوں اور معافیوں کے ساتھ خلط ملط کرنا غلط ہوگا؛ جن کے اختیارات بھی گاؤں کی اسمبلیوں کو حاصل تھے۔ اس دوسری نوعیت کے ٹیکس کی معافیاں اس طرح کی تھیں کہ جب مقامی اور مرکزی حکومت کی طرف سے کوئی یک مشت رقم دیہی اسمبلی کو پیشگی دے دی جاتی تھی تو اس کے عوض دیہی اسمبلی اراضی کے کچھ قطعات سے وصول ہونے والے تمام واجبات دائمی طور پر مقامی اور مرکزی حکومت کو دے دینا منظور کرلیتی تھی۔ ان معاملات میں مذکورہ یک مشت رقم اراضی کے سالانہ واجب الوصول لگان کی نقد مالیت ہوتی تھی اور عام طور پر "اِرائی دردیم" یا "اِرائی کادل" کہلاتی تھی۔ غالباً اور اصطلاح "پوروا چارم" کے بھی یہی معنی ہیں کیونکہ یہ بھی

کئی کتبات میں اسی معنوں میں استعمال ہوئی ہے۔ مستقبل میں وصول ہونے والے ٹیکسوں کی اس طرح یک مُشت پیشگی ادائیگی اسمبلیوں کو دو وجوہات سے کی جاتی تھیں۔ ایک تو اس لئے کہ جو لوگ اراضی اوقات کے لئے دیتے تھے۔ وہ بیشتر یہ خواہش کرتے تھے کہ وقف میں دی جانے والی اراضی کو تمام ٹیکسوں اور باجداریوں سے مستثنیٰ کیا جائے اور ایسا کرنے کے لئے عام رائج طریقہ یہ تھا کہ اس دیہی پنچایت کو جس کے علاقے میں متعلقہ اراضی واقع ہوتی تھی، ٹیکسوں کی نقد مالیات ادا کر دی جاتی تھی اور آئندہ کے لئے دیہی اسمبلی ہی کو ہر ادائیگی کا ذمّہ دار بنا دیا جاتا تھا۔ دوسرے اس لئے کہ اسمبلیاں اکثر رفاہ عام کے کاموں پر خرچ کرنے کے لئے رقم اکٹھی کرتی تھیں جو کسی اور دوسری صورت سے فراہم نہیں ہو سکتی تھیں۔ مثال کے طور پر ایک "برہم دیہ" گاؤں شترانئی چوڑ کی سبھا کو ایک شخص کا بہت سا روپیہ ادا کرنا تھا اس شخص کی تمام املاک کچھ نامعلوم وجوہات سے راجہ نے ضبط کر لی تھیں جب سبھا کو حکم دیا گیا کہ وہ اس شخص کو جو رقم ادا کرنی تھی، اُس کو راجہ کے خزانے میں جمع کرے تو اُس کو مطلوبہ رقم گاؤں کے مندر سے قرض لینی پڑی۔ اور اُس کے عوض سبھا نے مندر کی بعض اراضیات کے ٹیکس جو ادا کرنے کی ذمّہ داری لی۔[۹۹]

مقامی مجلسِ عاملہ

جیسا پہلے بتایا جا چکا ہے، مقامی نظم و نسق کی کُل ذمّہ داری عام اسمبلی کی مقررہ کردہ چھوٹی مجلس عاملہ کے سپُرد ہوتی تھی۔ ان چھوٹی مجلسوں کا کام اعزازی طور سے کیا جاتا تھا۔ ہر گاؤں کی مجلس عاملہ کی امداد کے لئے اور کاغذات دیہی کے رکھنے کے لئے گاؤں میں تھوڑا سا تنخواہ دار عملہ ہوتا تھا۔ یہ دیہی کارندے "مدھ یتھ" کہلاتے تھے۔ "مدھ یتھ" ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے معنی اکثر ثالث کے لئے جاتے ہیں۔[۱۰۰] واقعی اس لفظ کے معنی "ثالث" ہی ہیں۔ لیکن یہ بات بینا دشتبہ ہے کہ چولا کتبوں میں بھی اس کا مفہوم یہی ہے یا یہ کہ اسمبلیوں کے تعینات کردہ مدھ یتھوں کے فرائض میں فریقین مقدمہ کے درمیان سمجھوتہ کروانا بھی شامل تھا۔ شاید گاؤں کے ان کارندوں کو "مدھ یتھ"، کا نام یہ واضح کرنے کے لئے دیا گیا تھا کہ گاؤں کے سیاسی معاملات میں غیر جانبدار رہیں گے۔ وہ اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرتے تھے۔ اور اجلاس کی کارروائی چلانے میں امداد دیتے تھے لیکن بحث مباحثہ میں حصّہ نہیں لیتے تھے۔ اسمبلی اُن کی تنخواہ اور فرائض اپنی مرضی سے مقرر کرتی تھی۔ مثال کے طور پر ۹۲۱ء میں اُن جسثم کی سبھا نے یہ فیصلہ کیا کہ مقامی تالاب

دایری) کے حساب کتاب لکھنے پر مامور مدھیستھوں[9] کو اُن کی خدمات کے عوض میں اُجرت یومیہ چار نالی (دھان کا ایک پیمانہ) دھان فی کس دی جائے گی اور سالانہ ات کلنجو، سرخ سونا، اور ایک جوڑا کپڑوں کا فی کس دیا جائے گا۔ نیز ہر ایک مدھیستھ کو ایک برس کی ملازمت مکمل کر لینے پر اپنا حساب کتاب پیش کرنا ہوگا۔ اور گرم کئے ہوئے سرخ لوہے (ملو) کے امتحان سے گذرنا پڑے گا اور ان میں سے جو مدھیستھ بے عیب قرار دیئے جائیں گے۔ انہیں تھوڑا سونا بطور انعام (بونس) دیا جائے گا۔ اور جو اس امتحان میں ناکام رہیں گے وہ دس کلنجو سونا بطور جرمانہ ادا کریں گے اس بھاری جرمانہ کی وجہ یہ تھی کہ تالاب کی تعمیر کا فنڈ (ایری مدل) ناکافی تھا۔ اور ایسے معاملوں میں سبھا کوئی جسمانی سزا (شریر دنڈم) نہیں دے سکتی تھی؟[9] عموماً مدھیستھ ہی اجلاس کی کاروائی تحریر کرتا تھا۔ جس کو اجلاس میں شرکت کرنے والے ایک یا زیادہ سرکردہ ارکان لکھواتے جاتے تھے اہلکاروں کی ایک اور قسم "کرنتار" کہلاتی تھی۔ ان کے ٹھیک ٹھیک فرائض کا۔ کرئی کلوکک۔ کن کا نک لنکو[9] جیسے جملوں سے پتہ چلتا ہے یعنی حدود (اراضی) کی نگرانی رکھنے والا محاسب ۔۔۔ء میں ایک محاسب جو ایک سبھا نے ملازمت سے برخاست کر دیا۔ اور اس کی اولاد اور اقارب کو اس عہدے پر دوبارہ تعینات ہونے کے لئے نااہل قرار دیا۔ منارکوئل۔ ضلع تنے ویلی سے جو کتبہ ملا ہے اور جس کی تاریخ کا علم نہیں ہے۔ اس میں مدھیستھ لوہار بڑھئی زرگر (سنار) اور گاؤں کے شودروں کا ذکر ان افراد کے طور پر آیا ہے جن کی مدد سے مرکزی حکومت کے نمائندوں نے وندلور نامی گاؤں کے حدود کی نشان دہی کی تھی۔ جبکہ یہ گاؤں "تردوڈ یاثم"[9] کے طور پر دیا گیا تھا۔ پانڈیچری میں واقع تربھوونی سے دستیاب شدہ ایک عجیب و غریب کتبے میں[9] جو کلوتنگا حکومت کے تینتالیسویں سال حکومت ۔۔۔ء کا ہے۔ ایک شرط کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس کے مطابق کاریگروں اور پیشہ وروں کے لئے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے پیشوں کا کام اپنے گاؤں کی حدود کے اندر ہی کریں گے۔ اور ان میں سے جو بھی دوسرے گاؤں کا کام کرے گا۔ اس کو ایک سنگین اور خلاف قانون جرم کا مرتکب تصور کیا جائے گا۔ گاؤں کے مفادات کے تحفظ کی ایک دلچسپ مثال ہے لیکن ایسا یقین کر لینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ یہ دستور عام طور سے رائج تھا۔ دوسری طرف اپنے گاؤں کے باہر کام کرنے کے موقع بھی اکثر میسر نہیں آتے تھے۔ ترومانی کلی۔ ضلع جنوب ارکاٹ کے ایک کتبے میں ایک "اورپ پڑین" کی جانب سے ۔۔۔ء میں دان دیئے گئے ایک سندی "دلکوم" کا اندراج ملا ہے۔[9]

اسمبلیوں کے فرائض

اسمبلیوں کے فرائض کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ اصولی طور پر سب دھرمارتھ ٹرسٹ براہ راست
اُن کے زیرِ نگرانی تھے اگر ان کتبات کی کثیر تعداد اور اُن کے جائے وقوع سے اندازہ لگایا جائے
جن میں ایسے عطیوں کا اندراج ہے تو ہم دیکھیں گے کہ رفاہِ عام کا یہ وسیلہ کہیں بھی ایک بیوقت
چیز نہیں تھا اور کچھ دیہاتوں میں تو یہ بذاتِ خود اسقدر اہم ادارہ تھا جس کے انتظام کے لئے
ایک الگ مجلس "دھرم وارئم" کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی۔! اعداد و شمار تو زمانۂ حال کی چیزیں ہیں اور
ماضی بعید کے متعلق ان کو بیان کرنے کا حوصلہ کرنا کوئی سہل کام نہیں لیکن چولا عہد کا طالب علم اس
سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ کیا اپنے علاقے کی فلاح و بہبود کے لئے دولت مند لوگوں کے عطیات اس
رقم سے زیادہ نہیں تھے جو اس زمانے میں اُن ٹیکسوں سے وصول ہوتی تھی جن کو اسمبلیاں اپنے
علاقوں کے باشندگان پر لگاتی اور اُن سے وصول کرتی تھیں۔ کچھ بھی ہو یہ اسمبلیاں مقامی زندگی
کو سماجی اور ثقافتی سہولیات بہم پہنچانے میں پیچھے نہیں رہتی تھیں۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ ماضی
میں دیئے گئے اوقاف کی دستاویزات کو احتیاط سے رکھتی تھیں اور اس بات کا پورا خیال رکھتی تھیں
کہ اُن کے شرائط کی تعمیل متعلقہ فریقین سے کروائی جائے۔! گو بدلے ہوئے معاشی حالات کے تحت
کئی مرتبہ اصل شرائط پر نظرِ ثانی بھی کی جاتی تھی، تاہم خلوصِ دل سے یہ کوشش کی جاتی تھی کہ ان
کثیر التعداد مستقل قدیمی کتبوں کی افادیت ختم نہ ہو جائے۔ ان میں سے زیادہ تر عطیات اپنے گاؤں
کے مندر ہی کے متعلق تھے جو ایک غیر واضح مذہبی بنیاد سے شروع ہو کر چولوں کے عہدِ حکومت
تک ملک بھر میں سماجی زندگی کے سبھی پہلوؤں پر حاوی ہو چکا تھا۔ اپنے گرد و نواح کی دنیاوی
زندگی میں مندر کا کردار بہت اہم تھا۔ اور مندر اور اس کی ضروریات کی دیکھ بھال مقامی اسمبلیوں
کا فریضہ تھا۔ مندروں اور ان کے اندر واقع نجی عبادت گاہوں کی دیکھ بھال اور بندوبست کرنے
والے الگ الگ لوگ ہوتے تھے۔ لیکن یہ کارندے دوہرے کنٹرول کے تحت کام کرتے تھے
ایک تو ان پر مقامی اسمبلی کی عمومی نگرانی ہوتی تھی، دوسرے راجہ کے مقرر کردہ محاسب کا کنٹرول
بھی ہوتا تھا جو اُن کے حساب کتاب کی جانچ پڑتال کرتا تھا۔ عوامی ثقافت اور تفریح کے متعلق
سبھی تنظیموں کا مرکز گاؤں کا مندر ہوتا تھا۔ ان اداروں کا مفصل حال اس کتاب میں کسی اور
مقام پر دیا گیا ہے۔ یہاں مندر کی مرمت اور نگہداشت میں دیہی اسمبلی کے رول کا جائزہ

یا جائے گا۔ اسبلیاں اکثر ان افراد کے گذارے کے لئے کچھ اراضی مخصوص کردیتی تھیں جو مندر کے دالانوں میں رامائن اور مہابھارت جیسی رزمیہ داستانوں کا بیان اور پرانوں کی وضاحت کرتے تھے اس طرح کی اراضی "بھارت پٹ پنگو" (بھارت کا حصہ) کہلاتی تھی[109] اور عموماً لگان سے مستثنیٰ کردی جاتی تھی۔ گانے بجانے، ناچنے اور ناٹک کے ذریعے مقبول حصے کہانیوں اور داستانوں کو پیش کرنا مندر کے عام معمولات میں شامل ہوتا تھا۔ اور تیوہاروں اور خوشی کی تقریبات کے مواقع پران کی جانب خاص توجہ دی جاتی تھی اور ان مقاصد کے لئے "ناٹک شالائیں" خاص طور پر تعمیر کی جاتی تھیں[110]۔ مندروں میں روزانہ کی پوجا میں تامل اور سنسکرت کے بھجن گائے جاتے تھے اور ان پوجا کے کاموں کے اخراجات چلانے کے لئے گاؤں کی شاملات اراضی کا کچھ حصہ مخصوص کردیا جاتا تھا اعلیٰ تعلیم کی درسگاہیں اور شفاخانے بھی مندروں کے ساتھ منسلک ہوتے تھے۔ اسبلیاں کچھ خاص مضامین کی تعلیم کے لئے جاگیریں بھی خود عطا کرتی یا دوسروں سے وقف کرواتی تھیں۔ مثلاً پربھاکر کے میماسا،[108] اسکول اور ویدانت[107]، ویاکرن[109]، بھوشیہ[110]، تیتریہ[111]، واجسنیہ[111]، وغیرہ کے لئے، شفاخانے قائم کرنے اور ان میں مقرر کردہ وئیدوں کی گذر اوقات کے لئے اسبلیاں عطیہ دینے والے اشخاص کو خوشی سے امداد دیتی اور ان سے تعاون کرتی تھیں[112]۔ وہ ان لوگوں کی بھی امداد کرتی تھیں۔ جو مسافروں کے لئے سرائے (امبلم) تعمیر کرنا اور ان میں پینے کے پانی کا بندوبست کرنا چاہتے تھے[113]۔ حقوقِ اراضی آبپاشی کی نگہداشت جن کا ذکر اس کتبات میں کسی اور مقام پر کیا گیا ہے، ایسے اہم امور ہوتے تھے جن میں اسبلیوں کو گہری دلچسپی ہوتی تھی مرکزی حکومت ان معاملات سے متعلق اپنے پاس جو ریکارڈ رکھتی تھی، اُن کے علاوہ گاؤں کی اسبلیوں نے اپنے پاس بھی ریکارڈ کی الگ کتابیں کھول رکھی تھیں جن میں ایک اراضیات کا رجسٹر (نلاندل) اور ایک لگان کا رجسٹر (پوتگ) ہوتا تھا[114]۔ گاؤں کی کسی بھی اراضی کی قسم زمین بدلنے کے لئے سبھا کی منظوری لینا لازمی تھا۔ راجہ مقامی حکومت کے مقررہ کردہ افسر (ادھیکاری) متعلقہ سبھا کو ایک سات چٹھی جاری کرتا تھا[115]۔ تب وہ آپس میں مل کر احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ مقدمات کا فیصلہ کرنے میں اسبلیوں کے رول کا ہم پہلے ہی جائزہ لے چکے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں کے عدلیہ کے افسران (نیائیتار) اپنے عاید کردہ جرمانوں کی آمدنی کو کسی رفاہ عام کے کام میں استعمال کرتے تھے۔ ایک ایسی مثال بھی ہے جب انہوں نے اسی جرمانوں کی آمدنی سے مقامی مندر کے دیوتا کو ایک طلائی تاج بھینٹ کیا[116]۔

سنہ 1236ء میں ترد دیلرائی (ضلع ترچناپلی) کی "مول پریشت" کا اجلاس کچھ دیہاتوں کے پٹے پر دینے کے معاملے پر غور کرنے کے لئے مقامی مندر میں منعقد ہوا۔ یہ دیہات شہنشاہ راج راجا سوم کی نجی ملکیت تھے۔ بظاہر یہ ایک ایسی اسمبلی تھی جس کے زیر انتظام مندر اور اس کے امور کا بندوبست ہوا کرتا تھا۔ اسمبلی نے غالباً چار ممبروں پر مشتمل مجلس عاملہ کو ہٹا کر اس جگہ آٹھ اراکین کی ایک کمیٹی مقرر کر لی۔ اس کمیٹی کو یہ کام سپرد کیا گیا کہ وہ طے کرے کہ پٹے پر دی گئی اراضیات پر قابض مزارعین سے "کڈمئی" اور "کڈمئی" ٹیکس جو واجب الوصول ہو، کتنا وصول کیا جائے اس کمیٹی کے ممبران کو ان کے کام کا معاوضہ دیا جانا بھی تجویز ہوا اور اُن کی ممبری کی مدت ایک سال مقرر کی گئی، یہ بھی طے ہوا کہ جو ممبر ایک مرتبہ اس کمیٹی میں کام کر چکا ہوگا۔ وہ پھر چار برس تک اس میں کام نہیں کر سکے گا[611 الف]

ترو کولکاڈو کے ایک کتبے میں جس کی تاریخ معلوم نہیں، لیکن جو یقیناً چولا عہد حکومت کے ابتدائی دنوں کا ہے، ایک مندر کی کچھ اراضی پر کسی سبھا کے غیر قانونی قبضے کی مثال ملتی ہے۔ مامار یامنگلم کی سبھا نے راجا اُتم چولا کے تیسرے سال حکومت سے لے کر راجندر اوّل کے انتیسویں[29] سال حکومت تک پینتیس[35] برس تک یہ ناجائز قبضہ قائم رکھا۔ راجہ کو اس کے خلاف درخواست دی گئی جس کے نتیجے میں شاہی افسر نے معاملے کی تحقیقات کی اور سبھا کے جرمانے کے طور پر 400 کاشو ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ جبکہ اس زمین سے سبھا نے اس وقت تک 200 کاشو ادا کئے تھے۔ سبھا نے ایک سو کاشو کی زمین واپس کر دی اور بقایا کے لئے وعدہ کیا کہ وہ ہمیشہ زمین کے تمام ٹیکس وغیرہ حکومت کو ادا کرتی رہے گی۔ اس طرح 300 کاشو کو "اڑئی کاول" مان لیا گیا۔ [611-ب]

بعض اوقات گاؤں کی اسمبلیاں رفاہِ عام کے لئے اگر کوئی شخص دان پُن کرنا چاہتا تھا تو اُس کی حوصلہ افزائی کرتی تھیں اور دان کرنے والوں کی سخاوت کا کھلے بندوں اعتراف کرتی تھیں سنہ 1229ء کے ایک کتبے میں ترد ویر کی سبھا نے بھٹ نامی ایک شخص کے تئیں اپنا شکریہ کندہ کروا دیا جس کی دعائیں اور خیرات گاؤں کے لئے ایسے وقت میں بہت کارآمد اور بابرکت ثابت ہوئیں جب گاؤں مصیبت میں پڑ گیا تھا اور لوگ اس کو چھوڑ کر بھاگ رہے تھے[612]

اُترا میرور کی سبھا نے ایک دیسوا کو کچھ موروثی حقوق عطا کئے کیونکہ اس نے وشنو کے مقامی مندر کی بڑے پیمانے پر مرمت کروائی اور اس میں توسیع و اضافہ کیا[613] ترو مل واڈی کی

ستھانتانا اور وہار کے باشندوں نے اپنے ایک محسن کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ایک دلچسپ طریقہ اختیار کیا۔ اس شخص نے مندر کی درستی کرائی تھی۔ اور کولرون ندی کا رخ موڑ کر گاؤں کو سیلاب میں غرق ہونے کے خطرے سے بچالیا تھا۔ اس کی اس خدمات اور دیگر احسانوں کے صلے میں "ستھانتانا" نے مندر کے دیوتا سے ایک تہوار کے موقع پر درخواست کی کہ گاؤں میں اس کی رہائش کے لئے دائمی طور پر ایک مفت مکان مہیا کرنے کی منظوری دی جائے اور پھر دیوتا کی منظوری کا اظہار کرتے ہوئے بڑی دھوم کے ساتھ مندر کی املاک میں سے ایک مکان اس مقصد کے لئے مخصوص کردیا[119] یہ 1229ء کا واقعہ ہے۔ اسی طرح کی اور مثالیں بھی کتبات سے مل سکتی ہیں۔

دسویں اور گیارھویں صدی میں مقامی اسمبلیوں اور گروہوں کی جو نوعیت اور تنظیم تھی۔ اور ان کے جو فرائض تھے وہ اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ ایک عمومی بیان میں اکثر تفصیلات چھوٹ جاتی ہیں۔ جو تصویر کو زیادہ اجاگر کرنے میں معاون ہوتی ہیں۔ لیکن ان تفصیلات کی گنجائش، ظاہر ہے کہ ان اسمبلیوں کی مفصل تاریخوں ہی میں نکل سکتی ہے۔ یہاں انہیں قلم بند کرنے کی گنجائش نہیں ہے[120] لیکن جو کچھ بھی اوپر بیان کیا گیا وہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ ایک قابل شاہی افسر اور ایک مستعد مقامی اسمبلی اپنے تعاون سے شہریت کا ایک زندہ احساس پیدا کرتے تھے اور اس سے انتظامی اہلیت کا ایک اعلیٰ معیار قائم ہو جاتا تھا جو ہندو حکومتوں کی تاریخ میں بلند ترین معیار تھا جس تک کبھی بھی رسائی ہوئی ہو۔

چولا سلطنت میں قصبات کی جو حالت تھی اس کی متوازی مثال ہمیں رومن سلطنت کے گال کے شہروں میں ملتی ہے جن کا حال فسٹل ڈی کولنجس نے بیان کیا ہے[121] ہر شہر کی اپنی عوامی جائداد ہوتی تھی جس میں عمارات، اراضی، نقد سرمایہ اور چندے شامل ہوتے تھے۔ شہر کی انتظامیہ عطیات اور متروکہ یا وصیت کی ہوئی جائداد یں قبول کر سکتی تھی۔ ان املاک کا وہ براہ راست انتظام کرتی تھی۔ اراضی کے حقوق ملکیت کا انتظام اور اپنی رقومات کو سود پر قرض دینا اس کے فرائض میں شامل تھا۔ اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے اسے کئی طرح کی رقوم مثلاً محصول چنگی منڈی ٹیکس، پلوں اور سڑکوں کا ٹیکس وصول ہوتی تھیں۔

وہ اپنی عمارات (قلعے)، گلیوں، بازاروں، عدالتوں، مندروں، عوامی غسل خانوں، تھیٹروں سڑکوں اور پلوں پر اسے اپنے اخراجات پورے کرنے ہوتے تھے۔ یہ اسکول کھولتی تھی۔ اور تہوں

کی تعریف کیا کرتی تھی۔ اور اسی لئے ہیں معالجوں کا تقرر کرتی تھی...... مختصر شہر اور اس کا علاقہ ایک حقیقی ریاست کا نمونہ ہوتے تھے۔ یہ کہنے سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ شہر خود مختار ہوتا تھا یہ کہنا بھی کہ مرکزی سلطنت کی نگرانی میں یہ ایک آزاد جمہوریت ہوتی تھی، مبالغہ سے خالی نہیں ہوگا۔ اس کو شہنشاہ کی حکومت کے ہر حکم کی تعمیل کرنی پڑتی تھی۔ شہر کے دروازے صوبے دار کے لئے، جب وہ شہر میں آنا چاہے، کھول دیے جاتے تھے۔ بلکہ اس سے بھی آگے یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس کو کم و بیش اپنے تمام اقدامات کی تجاویز صوبیدار کے پاس بھیج کر اس کی منظوری لینی پڑتی تھی۔ لیکن پہلی بات جو قابلِ توجہ ہے وہ یہ ہے کہ شہنشاہ کی حکومت کا کوئی نمائندہ شہر میں ہمیشہ موجود نہیں رہتا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ شہر کا اپنا ایک جداگانہ نظام اور مخصوص زندگی ہوتی تھی۔ اس کی اپنی ہی مجلس عاملہ، مجسٹریٹوں کی جماعت، پولیس، خزانہ، منقولہ اور غیر منقولہ املاک، عوامی فنڈ، اسکول، پجاری اور مہنت ہوتے تھے ان میں سے کوئی بھی شہر سے باہر کا نہیں ہوتا تھا۔ مجسٹریٹ، پروفیسر، پجاری تمام وہیں کے ہوتے تھے۔ بلاشبہ یہ ایک خود مختار ریاست تو نہیں تھی۔ لیکن ریاست ضرور تھی۔"

اٹھارھواں باب

حاشیے

(1) EI ـ xxii ـ صفحات 5 تا 11
(2) "Studies" صفحات 101، 129 ـــــ 1898 کا کتبہ نمبر 67
(3) 1897 کا 71
(4) 1895 کا 33
(5) 1896 کا 82 ـــ 1896 کا 85 ـــ TAS ـ ii ـ صفحہ 7 ـ اس تنظیم کا توڑ دیا جانا ہی صحیح مفہوم ہے جو ہمیں 1، 14 سے معلوم ہوتا ہے۔ اس میں پروڈائی کے ارکان کے لیے جو اپنے معاہدے سے گریز کریں، انفرادی طور پر سزا تجویز کی گئی ہے، اجتماعی حیثیت سے نہیں
(6) 1911 کا نمبر 214
(7) 1916 کا 629
(8) 1895 کا نمبر 39 ـــ 1910 کا نمبر 117
(9) 1902 کا نمبر 120
(10) 1900 کا 145 ـــ 1902 کا 339
(11) 1905 کا 640 ـــ 1922 کا 519
(12) کرشنا شاستری کی رائے یہ ہے کہ "شنکر پاڈی" ان مکانات کی بستی کا عام نام ہوتا تھا جن میں شہر کے شیو لوگ رہتے تھے۔ (SII ـ iii ـ صفحہ 275، حاشیہ نمبر 1) ـ تاہم یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ تقریباً سبھی ایسی مثالوں سے جو ہمارے علم میں آئی ہیں، پتہ چلتا ہے کہ "شنکر پاڈیاروں" کا فرض منصبی مندر کے چراغ کو جلائے رکھنے کا انتظام کرنا اور بالخصوص

تیل فراہم کرنا ہوتا تھا۔ 1920 کا 547۔ 1897 کا 80 — 1898 کا 78 وغیرہ۔ اس کے علاوہ دو کتبات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ روغن فروشوں کی ایک اپنی جماعت تھی۔ کلوتنگا اوّل نے اپنے عہد حکومت کے دوسرے سال میں یہ حکم دیا تھا کہ "ششنکر پاڈی"
ترودالنگاڈو (ضلع شمالی ارکاٹ) میں بسا دیا جائے۔ اس نئی بستی کا نام راجندر شولا پاڈی رکھا گیا۔ ان 25 خاندانوں کو 15 چراغوں کے لیے تیل مہیا کرنے کا ذمہ دار بنایا گیا (S II-iii-65)۔ اچیوتا منگلم (ضلع تنجور) سے دستیاب شدہ ایک کتبے میں یہ جملہ لکھا ہے: "شیکوادنرکوڑ شنکر پاڑیار پیروپتی رنڈُ دُاگ" (1925 کا 395)

(13) مدراس کے عجائب گھر کی تختیاں - S II - iii - صفحہ 269، 11، 3-6، اور 112-13

(14) 1898 کا نمبر 2

(15) 1929 کا 238

(16) S II - iii - صفحہ 177، یہ مُلیتش کے خلاف ہے

(17) 1925 کا 198

(18) 1920 کے کتبات نمبر 597، 620

(19) 1888 کا 118

(20) 1897 کا 151

(21) 1914 کا 73

(22) 1906 کا 67۔ 1199ء سنہ میں "ایلو بتون بڈوناٹوم" اُترناڈو کی "ناڈو" (ضلع اَبکی) اور "نگر" (بلدیہ) کے فیصلوں کو پتھر پر کندہ کروانے کے کام کی نگرانی کرتے تھے۔ (1912 کا 521)

(23) 1914 کا 372

(24) 1909 کا 352

(25) 1909 کا 106 — نیز 1900 کا نمبر 77

(26) 1894 کا 197

(27) 1911 کا 368

(28) Pd. - 152

(29) 1921 کا 27، جو نوتشکا اول کے عہد کا [illegible] کتبہ ہے۔

(30) 1922 کا 543

(31) 1902 کا 610

(32) S II - iii - 210

(33) 1898 کے نمبر 1-2 — 1904 کا نمبر 692 — 1917 کا 335 —
1919 کا 178 — 1917 کا 348

(34) 1895 کا 152، اور 154

(35) 1919 کے 206، 201

(36) Pd. - 20، 59 — 1903 کا 279 — 1906 کا 285

(37) مثال کے طور پر تبرہ ویربھوٗر (1914 کا 112، 123)۔ ترانیموٗر (1907 کے نمبر 201، 216) شیوالاتی (1902 کا نمبر 362)۔
اُتر میرور (1898 کا 89) وغیرہ۔ قیاس یہ ہے کہ "اور" اور "نگرم" میں "برہمنی نقہ کی روایتی "سبھا" کی رکنیت کے لیے درکار سبھی شرائط نافذ تھیں، سوائے اس کے کہ "ایران کے لیے ویدوں کا عالم ہونا ضروری نہیں تھا۔" ARE - 1913، II - 23 — اس کی تائید میں کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔

(38) 1912 کا 466

(39) Pd. - 198

(40) 1898 کے نمبر 3، 58

(41) 1895 کا 40

(42) S II - iii - 1، 1915 کا 357 — 1929 کا 234

(43) 1902 کا 610 — 1947-48 کے کتبات نمبر 66، 72، 73 تا 75 (ضلع چنگل پٹ سے دستیاب شدہ) میں "نیا تنار" اور "نیائے مدلیوں" کا ذکر آیا ہے۔

(44) کتبہ S.V. - داری، — 1914 کا 33 (راج کیسری کے پانچویں برس کا) میں جملہ آیا ہے: "اِرا انڈ ذ شری کوئل واری سے گزر ابھاگی وار تر"

(45) 1928 کا 113

(46) 1904 کا 596 = "دارِیم دیٹیوٗ وائیک پتّا واگرُم کتکمُ ارندوٗشہ

(47) 1906 کا نمبر 43

(48) "پیرُوٗ سَتل" کے لفظی معنی ہیں "بڑے لوگ"

(49) ASI 1905 - Studies - ch - vi — 1930 کا 176 -

پرانتکا اوّل کے زمانۂ حکومت کی ایک اور مثال پیش کرتا ہے۔ یہ مثال نزاوُر کی سبھا کی ہے اور اس میں سبھا کے کاروبار کو چلانے کے لیے "گُڈُبوٗ" (حلقہ) کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ اس میں یہ قاعدہ بنایا گیا ہے کہ ہر معاملے پر بحث میں ہر حلقے کے ایسے دو اشخاص کو اس کی نمائندگی کرنی چاہیے جنھوں نے اس سے پہلے بحث میں شرکت نہ کی ہو (پنڈو نراوُنی اریادار)۔ معاملاتِ مال سے تعلق رکھنے والے کاغذات کے متعلق دیگر لازمی شرائط، مدھیستھ کی تنخواہ وغیرہ کے لیے دیکھیے - ARE-1930 'II' 16

(50) تاڑ کے پتوں کے وہ ٹکڑے جن پر مطلوبہ شرائط پر پورے اترنے والے اشخاص کے نام تحریر کیے جاتے تھے، ان کو ایک تنگ منہ والے برتن میں ڈال کر تمام اسمبلی کی موجودگی میں خوب اچھی طرح ملایا جاتا تھا اور کسی بچے سے یہ کہا جاتا تھا کہ وہ ایک ایک کر کے اس برتن سے ان پتوں کے ٹکڑوں کی مطلوبہ تعداد نکالے۔ یہ تعداد اتنی ہوتی تھی جتنی کمیٹیوں کی تشکیل کے لیے درکار تھی۔

(51) 1898 کا نمبر 12

(52) ARE-1905 'II' 7

(53) 1922 کے 24 - 41 - 24 - "سبھا۔مارن جول دَم" کے معنی محض "سبھا میں بولنا" نہیں ہو سکتے۔ کتبوں میں اکثر یہ درج ملتا ہے کہ وہ کسی شخص کے لکھوانے یا "شرائط کے مطابق تحریر کیے گئے۔ یہ لکھوانے والا شخص عام طور پر "بھٹ" ہوتا تھا اور میرا خیال ہے کہ "سبھا مارن جوٹو" سبھا میں منظور کیے گئے فیصلوں کو محفوظ رکھنے کی غرض سے انھیں پتھر پر کندہ کروانے کی کارروائی سے تعلق رکھتا ہے۔ 1926 کے کتبہ نمبرہ 6 میں یہ لفظ اپنی سادہ شکل "مارم" میں استعمال ہوا ہے۔

(54) SII - iii ' 156 ' —— ii ' 1 - 3

(55) SII - iii - 99

(55-الف) 1945—46 کا کتبہ نمبر 5

(55-ب) 1925 کا 446—نیز 480

(56) 1927 کا 148—ARE، 1927، II، 28

(57) دوسری اسمبلیوں کی "کورم" (مجلس عاملہ) کے لیے دیکھیے
1907 کا 581—1918 کا 527—اور 1925 کا 231

(58) 1928 کا کتبہ نمبر 113، اور 120—معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نمبر ایک ہی کتبے کی نقل ہیں۔

(59) 1914 کا نمبر 92—"منبو بیٹا دیوستھائپ۔ پڈیئے۔ سم ونسرا۔
ورن ماگ آمینراتک۔ کونڈوگرام۔ کاریَن جے یکدکنڈ دوم۔ آگ

(60) 1925 کا 500

(60-الف) 1932 کا 89—ARE-1932

(61) 1894 کا 30—1922 کا 241

(62) 1915 کا 260—نیز 1910 کا 332—ARE، 1910، II، 21—1919 کا
640—Studies صفحہ 94

(63) 1921 کا 553—1896 کا 85—1914 کا 72—1897 کا 103

(64) 1921 کا 268۔ اس میں "دیا پاری نگرتوم" کا بھی ذکر ہے۔

(65) 1894 کا 243

(66) 1928 کا 165

(67) 1895 کا 66

(68) 1897 کا نمبر 6

(69) 1921 کا 76

(70) 1895 کا 40

(71) Pd. —38

(72) 1926 کا 217—1912 کا 411—Pd. 85

(73) Pd. —36

(74) 1924 کا 356

(75) 1905 کا 676

(76) 1914 کا 373 (Pl. - 186)

(77) 1906 کا 109

(77-الف) 1936-37 کا نمبر 61 — ARE، II، 32

(78) 1919 کا 556

(79) کُلوتنگا دوم کے عہد میں شمبھو درائیار کے ساتھ تعاون — 1900 کا نمبر 64

(79-الف) 1898 کا 62 ——— Studies صفحہ 121

(79-ب) SII-iii-77

(80) 1907 کا 199 — 1895 کا 154

(81) 1922 کا نمبر 18 — "اُڈچر" نے نواز (بانسری بجانے والے) اور ڈھول بجانے والے ہوتے ہیں جو مندر میں پوجا کے دوران اپنے ساز بجاتے ہیں۔

(82) 1912 کا 594 — "مرکانم" سے دستیاب ایک اور ایسی ہی مثال آپ کو 1919 کے نمبر 28 میں ملے گی۔

(83) EI-iii صفحات 145، 147 (SII-ii صفحہ 370)

(84) اصل متن میں "بُکل وَرَ" لکھا ہے جس کا ترجمہ کرشنا شاستری نے "سربراہ" کیا ہے۔

(85) SII-iii صفحہ 402 ——— II، 2 تا 5 — مزید دیکھئے EI-

۲۷-اَنبل کی تختیاں ا—124 ٹ ——— SII-iii-142 ب ——— II، 4 تا 8 ———

لیڈن کا فرمانِ عطیہ ا-113

(86) صفحہ 296 ماقبل

(87) 1921 کا 103

(88) 1910 کا 321

(89) 1911 کا 222

(90) 1914 کا 133 — 1914 کا 105

(91) 1898 کا 41

(92) 1892 کا 100

(93) 1898 کا 14

(94) 1925 کا 105

(95) S II – iii – اشاریہ – S.V. – مدھیشور

(96) 1915 کا 226

(97) 1919 کا 30

(98) 1904 کا 583

(99) 1916 کا 400

(100) 1919 کا 205

(101) 1902 کا 167

(102) S II – iii – 6

(103) 1907 کا 199 — 1895 کا 92

(104) 1897 کا 63 — 1923 کے 48، اور 50 — "پنکو" کی بجائے "انسر درم" یا "ورتی" بھی استعمال ہوا ہے۔

(105) 1907 کا 199 — 1905 کا 157 — 1921 کا 98 — 1925 کا 152؛ 1914 کے نمبر 253 - 54۔

(106) 1911 کا 233 — 1923 کا 333

(107) 1925 کا 276

(108) 1898 کا 18 — 1912 کا 202

(109) 1898 کا 29 — یہ "پڑان" کا نام نہیں بلکہ ایک "سُوتر" کا نام ہے۔
(S II – ii صفحہ 524، I - 118)

(110) 1898 کا 33

(111) 1923 کا 194

(112) 1898 کا 36 — 1925 کا 112-113 — 1915 کا 182 — 1928 کا 47 —

انیسواں باب

تشخیص محاصل اور مالیاتی نظام

کن چیزوں پر ٹیکس لگتا تھا

قرون وسطیٰ کی حکومت کی اقتصادیات اور جدید حکومتوں کی اقتصادیات میں یکسانیت کم ملتی ہے۔ ہندوستان کی حکومتیں بھی اِس قاعدے سے مستثنیٰ نہیں تھیں۔ ٹیکس لگانے کی بنیاد کچھ تو رواج پر تھی اور کچھ عوام کی رضامندی پر، بالخصوص جہاں نئے ٹیکس عاید کئے جا رہے ہوں۔ قومی معاشیات کا دار و مدار زمین پر تھا اور لگانِ اراضی جنس کی شکل میں یا نقد صورت، سرکاری آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ چولا ریاست میں وصولی لگان کی یہ دونوں صورتیں رائج تھیں۔ اشیاء کی درآمد برآمد پر ٹیکس، چنگی، پیشہ وروں پر ٹیکس جو مختلف طریقوں سے عاید کیا جاتا تھا اور زمین کی مختلف قسم کی قدرتی پیداوار جو اس سے حاصل ہوتی تھی مثلاً کانوں کی دھات، جنگل کی لکڑی اور نمک پر ٹیکس، یہ آمدنی کے دوسرے ذرائع تھے۔ بیگار بھی کم و بیش باقاعدگی سے لی جاتی تھی۔ جب ان کا مجموعی بوجھ ناقابلِ برداشت ہو جاتا تھا تو لوگ اپنا گھر بار چھوڑ کر کسی دوسری جگہ منتقل ہو جاتے تھے۔ اس طرح بستیوں کے اُجڑ جانے کا ڈر ٹیکس وصول کرنے والے کی سخت گیری پر ایک مستقل روک کا کام دیتا تھا۔

قومی اخراجات

قومی آمدنی کس طرح خرچ کی جائے، اس کا دار و مدار اس ادارے پر ہوتا تھا جو ٹیکس یا واجبات جمع کرتا تھا کیوں کہ تنہا راجہ کی مرکزی حکومت ہی ٹیکسوں کی شکل میں مالگزاری وصول نہیں کرتی تھی بلکہ مقامی اسمبلیاں اور دوسرے ادارے بھی مختلف ضروریات کے لیے محصول عاید کرتے تھے۔ راجہ کی آمدنی کا زیادہ حصہ سرکاری اہلکاروں کی تنخواہوں اور بری اور بحری فوج پر خرچ

ہوتا تھا۔ سرکاری ملازمین کے اعلیٰ حلقوں میں تو یہ تنخواہیں جاگیروں اور عطیات کی صورت میں ادا کی جاتی تھیں۔ یعنی الگ الگ علاقوں میں کچھ مخصوص ذرائع مال گزاری، ملازم افسروں کے نام کر دئے جاتے تھے اور اس طرح راجہ کے خزانے (تالم) میں، اس طرح کی تنخواہیں وغیرہ مال گزاری میں سے وضع کرنے کے بعد جو باقی رہتا تھا، وہی جمع کیا جاتا تھا۔ انتظامیہ کے اخراجات ادا کرنے کے بعد جو کچھ بقایا بچ جاتا تھا وہ راجہ کی ملکیت سمجھا جاتا تھا اور مکمل طور پر اس کے استعمال کے لیے مخصوص ہوتا تھا۔ اس کا ایک خاصہ بڑا حصہ بلاشبہ راجہ کے اپنے کنبے پر خرچ ہوتا تھا، جس میں متعدد رانیاں اور اُن کے ملازمین شامل تھے۔ شاہی خاندان کے ان افراد کو جن سے حکمران راجہ کو خصوصی محبت ہوتی تھی مثلاً شہنشاہ اتم چولا کے عہد میں مہارانی سیمبیئن مہادیوی اور رراج راجا کے زمانے میں رانی کندوَی، ان کو راجہ زانے سے خطیر رقومات ملتی ہوں گی۔ خزانے کا زیادہ حصہ جواہرات اور قیمتی پتھروں کی شکل میں ہوتا تھا جس سے دوسرا مقصد حاصل ہوتا تھا۔ ایک تو ان سے راجہ کی شان و شوکت بڑھتی تھی، دوسرے ملک کے لیے دولت کا ایک سرمایہ محفوظ رہتا تھا۔ ابوزید نے جو بات عمومی طور پر دسویں صدی کے اوائل کے ہندوستانی حکمرانوں کے بارے میں کہی ہے وہ بلاشبہ چولا دربار کے حالات پر بالکل صادق آتی ہے[1]۔ وہ کہتا ہے کہ "ہندوستان کے راجہ قیمتی پتھروں سے جڑی ہوئی سونے کی بالیاں کانوں میں پہنتے ہیں۔ اپنے گلے میں بیش قیمت مالائیں پہنتے ہیں جو قیمتی جواہرات سُرخ یاقوت اور سبز زمرّد سے تیار کی جاتی ہیں۔ لیکن موتیوں کی قدر و قیمت سب سے زیادہ ہے اور زیادہ تر وہی استعمال کیے جاتے ہیں اور راجاؤں کے خزانوں کا بہت بڑا سرمایہ اور دولت کا ذخیرہ ہیں[2]۔ بڑے بڑے جرنیل اور اعلیٰ افسر بھی اسی طرح موتیوں کے ہار پہنتے ہیں۔" جاگیردار اور افسر جن کے نام مختلف ٹیکسوں کی بافت کر دی گئی تھی اور جنھیں اپنی اپنی جاگیر سے اچھی خاصی آمدنی تھی، چھوٹے پیمانے پر راجہ کی قائم کردہ مثال کی نقل کرتے تھے۔ وہ اپنی آمدنی کا کچھ حصہ جمع کر لیتے، کچھ ذاتی اخراجات میں لگ جاتا تھا، اور کچھ خیرات کر دیا جاتا تھا جس کو ہم سماجی اخراجات کہہ سکتے ہیں۔

مالیہ کی اصطلاحات

ٹیکسوں اور دیگر واجبات کا ذکر کرتے وقت کتبوں میں جو زبان استعمال کی گئی ہے اُس کی تسلی بخش

تشریح فی الحال ممکن نہیں اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ہم ان دستاویزات کا مختصر ایک امکانی مفہوم پیش کریں جو مزید مطالعے کی روشنی میں تصدیق یا ترمیم کا محتاج ہوگا۔ محصول اور محصولوں کے لیے عام اصطلاح جو چولا عہد کے کتبوں میں استعمال کی گئی ہے "اِڑَی" یا "اِرَی" ہے۔ دو اور مروّج اصطلاحیں "منروپاڈو" اور "دنڈم" ہیں۔ ان میں سے اوّل الذکر ایک عدالتی تاوان کی حیثیت رکھتا تھا جو خاص خاص جرائم کی پاداش میں عائد کیا جاتا تھا۔(3) "دنڈم" بھی اسی طرح کی ایک اصطلاح ہے اور ہمیشہ "منروپاڈو" کے ہمراہ استعمال کی جاتی ہے لیکن ایک جگہ تو اوّل الذکر کو موخر الذکر کی شمال کہا گیا ہے،(4) لیکن "دنڈم" ایک ایسا لفظ ہے جس کا مفہوم کچھ اور بھی لیا گیا ہے، کم از کم ایک جگہ تو لازماً اس کا مفہوم مختلف ہے۔ راجہ پرانتکا اوّل نے اپنے عہد حکومت کے اڑتیسویں سال یعنی ۹۴۵ء میں ترد کڈموکل کی اسمبلی سے تین ہزار طلائی کلنجو کا دنڈم وصول کیا۔(5) یہ رقم اسمبلی کو "پانڈیپ پڈئی" کو ادا کرنا تھی جو شاید وہ فوج تھی جو پانڈیا ریاست کے خلاف جنگ میں مصروف تھی۔ یہاں "دنڈم" جنگ کے لیے ایک خصوصی چندہ معلوم ہوتا ہے اگرچہ یہ بات صاف طور پر واضح نہیں ہے۔ کتبے میں اس وصولی کا کوئی سبب نہیں بتایا گیا ہے۔ اس مثال میں "دنڈم" کی رقم بہت بھاری تھی۔ اور اسمبلی گندرادتیہ کے تیسرے سال حکومت تک اپنی کچھ اراضیات مقامی مندر کے ہاتھ فروخت کرکے یہ رقم ادا کرتی رہی تھی۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ شاید کسی خاص وجہ سے سبھا پر یہ رقم بطور سزا عاید کی گئی ہو۔ آنگلڈی کے ایک کتبے میں لکھا ہے کہ ویراراجندر نے وینگی کے خلاف اپنی جنگ کے اخراجات کے لیے ایک "دیلی" زمین پر ایک کلنجو سونے کی شرح سے ایک خصوصی ٹیکس عاید کیا تھا۔(6)

ایک اور عام اصطلاح جس کا مفہوم واضح نہیں ہے "اِرُدُو" ہے جو اُن واقعات میں سے جو اب تک ہمارے علم میں ہیں کم از کم ایک واقعے میں(7) ایک ایسے محصول کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے جو جنس کی شکل میں ادا کیا جاتا تھا اور مقدار میں "پُرُدُو" یعنی لگان اراضی کے ۲۰ فیصدی سے قدرے زاید ہوتا تھا۔ لفظ "اِرُدُو" ہمیں "کرل" میں لکھے ہوئے ایک مشہور قول کی یاد جس میں اُس راجہ کو ایک رہزن سے تشبیہ دی گئی ہے جو مالی امداد کے لیے اپنی رعایا کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ خود یہ قول کوٹلیہ کے "پرنیہ" (خیرات) کے متعلق اقوال کی یاد دلاتا ہے۔

ٹیکسوں کے مختلف اقسام

عام استعمال میں آنے والی دوسری اصطلاحات "آیم" (مال گزاری) "گڈمی" اور گڈیمی تھیں جن کے لفظی معنی محصول اور لگان اراضی ہیں۔ "آیم" کا استعمال اسی طرح وسیع پیمانے پر ہوتا تھا جیسے "ارئی" کا۔ اور متعدد چھوٹے چھوٹے ٹیکسوں کو ایک زمرے میں رکھ دیا گیا تھا جو "شتائم" یا "شلرائی" کہلاتا تھا۔ کبھی کبھی ان دونوں الفاظ کا استعمال ایک ہی کتبے میں کیا گیا ہے۔[8] لیکن ان ٹیکسوں اور دیگر واجبات کی اہم ترین تقسیم جسے ٹیکسوں کے پورے نظام کی کنجی کہا جا سکتا ہے، راج راجا اوّل کے عہد حکومت کے بیسویں سال کے ایک کتبے میں دیئے ہوئے ایک جملے میں ملتی ہے۔[9] "کسی بھی قسم کی گڈیمی، جس کی ادائیگی مقدس باب فتح کے سامنے لازمی ہو" دری پاڈو "ٹیکس جو "اور" (گاؤں یا شہر کی اسمبلی) وصول کرتی ہو اور دیگر کسی نوعیت کی گڈیمی۔ اس کتبے کی آخری مد کو اس طرح اور واضح کیا گیا ہے۔ "ارئی "اُن پر ہے جن پر ارئی" واجب ہو اور "ایچوڑو" بھی۔[10] "مقدس باب فتح" (ترو-کوڑا واشل) کا مطلب بلاشبہ شہنشاہ کے محل کا صدر دروازہ ہے۔ ٹیکسوں کی پہلی قسم جو فہرست میں درج ہے۔ ان ٹیکسوں کی ہے جو مرکزی حکومت وصول کرتی تھی۔[11] اُس کے بعد اُن واجبات کا نمبر آتا ہے جو مقامی اسمبلیاں "اُور" "سبھا" یا "نگرم" وصول کرتی تھیں اور انہیں "اور ریڈد دری پاڈو" کے زمرے میں رکھا گیا تھا، یعنی وہ محصول جنھیں وصول کرنے کا حق قصبے یا گاؤں کو حاصل تھا۔ سب سے آخر میں دیکھنے کی یہ بات ہے کہ گڈیمی کی اصطلاح اِن تمام اقسام کے ٹیکسوں کے لیے بلا امتیاز استعمال ہوتی تھی۔ اگر اس طرح اسے سمجھا جائے تو "گڈیمی" سے مراد ہوگی "گڈیوں کے فرائض" یا "شہریت کے بوجھ"۔ اور یہ تشریح "گڈیمی" کے لغوی معنی کے بھی بالکل قریب آجاتی ہے۔ نیز کنم کی اسمبلی (اُور) نے ایری پٹی (تالاب کی زمین) کی نوعیت کے کچھ کھیتوں کے عطیے کا اندراج کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ آئندہ وہ اپنا ٹیکس وصول کرنے کا حق اس طریقے سے کبھی استعمال نہیں کرے گی جس سے اس عطیے کی تنسیخ ہوتی ہو۔[12] کچھ اراضیات کے متعلق "اُور کیل اڑائیکی" یعنی "اُور کے تحت ٹیکس سے مستثنیٰ" کی جو اصطلاح استعمال کی گئی ہے، اُس کا مطلب بھی یہی ہے کہ متعلقہ اراضیات کا ٹیکس معاف کر دیا گیا تھا کیوں کہ

گاؤں کے تمام باشندگان نے اراضی کے اپنے اپنے رقبہ کے تناسب سے معاف شدہ ٹیکس کی ذمہ داری لے لی تھی[13]۔

مرکزی گرفت

راج راجا اوّل کے ایک عام فرمان سے جو اُس نے اپنے دارالسلطنت تنجاوُور سے جاری کیا تھا اور جس کا اطلاق جولا، تونڈئی اور پانڈیہ ریاستوں پر ہوتا تھا، پتہ چلتا ہے کہ مقامی حکام کس حد تک مقامی ٹیکسوں کو خود وصول کر سکتے تھے اور مرکزی حکومت بوقت ضرورت اُن کے مطالبات کی وصولی میں کس حد تک اُن کی مدد کے لیے تیار تھی۔ چند اقسام کے مواضعات میں جو برہمنوں، "دیکھانسوں" اور شرمنوں" کے گاؤں تھے، وہ لوگ جو اراضی بعوض خدمت (کانی ادیّا) کاشت کرتے تھے، اپنے گاؤں کے حکام کے لگائے ہوئے ٹیکسوں کی ادائیگی میں تساہل برتتے تھے۔ ایسا کیوں ہوتا تھا، اس کی کوئی وجوہ نہیں بتائی گئی ہیں۔ شاید وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ ان چھوٹے ٹیکسوں کی ادائیگی کے ذمہ دار نہیں ہیں اور وہ مل کر وصولی ٹیکس میں مزاحمت کرتے تھے۔ یہ تنازعہ طول پکڑتا جاتا تھا اور مدتوں تک چلتا رہتا تھا اور سارا معاملہ بالآخر فیصلے کے لیے راجہ کے پاس پہنچتا۔ مذکورہ کتبے میں شہنشاہ کے کئے ہوئے فیصلے کا اندراج ہے[14] جو مزارعین کے خلاف کیا گیا تھا اور دیہات (کی اسمبلیوں) کو اُن سے بھی اُسی طرح ٹیکس وصول کرنے کا اختیار دیا گیا جس طرح وہ دوسرے دیہاتی باشندگان (اادرگلیار) سے وصول کرتے تھے۔ حکمرانِ وقت کے سولہویں سال حکومت سے تئیسویں سالِ حکومت تک کے درمیانی عرصے میں جن اسامیوں کے ذمے دو پورے سالوں اور تیسرے سالِ رواں تک کا لگان واجب الادا تھا، ان کی اراضیات قرق کر لی گئیں اور دیہی اسمبلی کو انھیں فروخت کرنے کا مجاز قرار دیا گیا۔ نیز لگان کی عدم ادائیگی کے مرتکب مزارعان کو اس کارروائی میں کسی قسم کا حصہ لینے کی ممانعت کر دی گئی۔ شہنشاہ نے یہ حکم اپنے عہدِ حکومت کے چوبیسویں سال کے ایک سو چوبیسویں دن صادر کیا تھا۔

ٹیکس کی معافیاں

مختلف ٹیکسوں کے ناموں اور اُن کی نوعیت کا پتہ اُن بیشمار کتبات سے چلتا ہے۔

جن میں مختلف اداروں کو ان ٹیکسوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ کرنے کے اعلانات کا اندراج کیا گیا ہے۔ ہر چند کہ خود مقامی اسمبلیوں کو اس نوع کے ٹیکس معاف کرنے کے اختیارات حاصل تھے، پھر بھی ایسی مثالوں کی کمی نہیں ہے جہاں راجہ نے کچھ مخصوص معاملوں میں اپنی طرف سے اس قسم کی معافیاں منظور کیں[15]۔ دونوں حالتوں میں یہ سمجھنا چاہیئے کہ متعلقہ مجاز حاکم یا ادارے نے وہ مخصوص واجبات معاف کئے جو اس معافی کی عدم موجودگی میں واجب الوصول تھے۔ کچھ مثالوں میں یہ صاف واضح کر دیا گیا ہے کہ مندروں کی اُن اراضیات پر جو پہلے "اُدرکیل۔ ارائیلی" رہی ہوں، کن حالتوں میں "سبھا ذیوگم" معاف کر دیا جاتا ہے[16]۔

مبادلہ

ٹیکسوں کی معافی اور ٹیکسوں کے مبادلے (   ) میں فرق پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ جیسا کہ ہم اور کسی مقام پر بتا چکے ہیں، ٹیکسوں کی تخفیف کے معاملوں میں یہ ہوتا تھا کہ مستقبل میں واجب الادا ٹیکسوں کی رقم کے مساوی ایک ایک مشت رقم پیشگی جمع کر دی جاتی تھی۔ اس یک مشت رقم کا تخمینہ نقد سکے کی شکل میں رائج شرح سود کو ملحوظ رکھ کر کیا جاتا تھا۔ اگرچہ دونوں حالتوں میں معافی کا فارمولا ایک ہی ہوتا تھا، پھر بھی دونوں میں ایک اہم فرق تھا۔ جب ٹیکس معاف کئے جاتے تھے تو کسی کی طرف سے کچھ بھی واجب الادا نہیں رہتا تھا۔ جب ٹیکسوں کا مبادلہ کیا جاتا تھا تو اس کے لئے عام دستور یہ تھا کہ جس گاؤں کی حدود میں مبادلے سے متاثر ہونے والی جائداد یا ادارہ واقع ہو، اس گاؤں کی اسمبلی وہ یک مشت رقم وصول کر لیتی تھی اور اس کے بعد وہ خود کو اس ذمہ داری کا پابند کر لیتی تھی کہ وہ مستقبل میں اس جائداد پر واجب الادا تمام ٹیکسوں کی ادائیگی حکام متعلقہ کو اپنی جانب سے کرے گی اور متعلقہ فریقین کو اپنی اس ذمہ داری کی ایک تحریری اطلاع دے دیتی تھی[17]۔ اس طرح کی تحریروں اور یک مشت ادا کی گئی رقم دونوں کو اِرَئی کادل (ٹیکس کی ضمانت) کہتے تھے۔

اسمبلیوں کی ذمہ داریاں

گاؤں کی اراضیات پر جو لگان مرکزی حکومت کو واجب الادا ہوتا تھا اس کے لیے دیہی

اسمبلیوں کو ذمہ دار گردانا جاتا تھا۔ یہ طریقہ ہمارے زیر مطالعہ چولا عہد کے اختتام تک جاری رہا۔ کلپاں ضلع تنجور سے ملے ہوئے ایک کتبے میں[18] جو 1279ء کا ہے، گاؤں کی دیہی اسمبلی کی مجلسِ عاملہ کی جانب سے ایک شخص کی ملکیتی اراضی کی فروخت کا حال درج ہے۔ یہ شخص چولا ریاست سے ہجرت کر کے پانڈیہ ریاست میں آباد ہو گیا تھا اور اپنی اراضی کے لگان کے دس برس کے بقایاجات ادا کئے بغیر فوت ہو گیا۔ یہ بات کہ دس برس تک لگان کے بقایاجات اکٹھے ہوتے رہے، ظاہر کرتی ہے کہ آج کے لگان وصول کرنے کے دستور اور اس وقت کے طریقے میں کتنا فرق تھا۔

رواج اور دستورِ ماسبق

ٹیکس متعین کرنے میں دستور کا رول اُن قدیم اقدار کے حوالوں سے واضح ہوتا ہے جن کا خاص خاص معاملوں میں سالہا سال سے احترام ہوتا چلا آرہا تھا۔ ایک فعال شہری زندگی کے دور میں شعوری تقلید لازمی طور پر مختلف شہروں کے رواجوں میں یکسانیت لانے کا ایک ذریعہ ہوتی ہے۔ چولا عہدِ حکومت میں اس کی نمایاں ترین مثالوں میں سے ایک مثال ہمارے سامنے نندی پورم شہر کے قدیم معیار اپنائے جانے کی ہے۔ سندر چولا اور راج راجا اوّل کے عہدِ حکومت میں میل پرودر اور ترو چنگوڈو نامی شہروں میں جب "منڑ و پاڈد" لگایا گیا تو نندی پورم کے قدیم معیاروں کی تقلید کی گئی[19]۔ نندی پورم جو آیراتلی کے نام سے بھی مشہور ہے[20] ضلع تنجور کا ایک بارونق قصبہ تھا جس کا ذکر کتبات میں اکثر آیا ہے۔ "ویرشولئم" نامی تصنیف پر کئے گئے تبصرے کے ایک شعر میں سندر چولا کو نندی پورم کا راجہ بیان کیا گیا ہے۔

خصوصی محصول

باقاعدگی سے وصول کیے جانے والے ٹیکسوں اور واجبات کے علاوہ مقامی اسمبلیاں اکثر خصوصی مقاصد کے لئے بھی کچھ محصول وصول کرتی تھیں۔ 922ء کے ایک کتبے میں جو ایروڈ میں ملا ہے، لکھا ہے کہ ایک پورے ناڈو کے باشندوں نے ایروڈ میں کرشن کے ایک وشنو مندر میں پوجا کے اخراجات کے لئے کچھ نئے ٹیکس

ادا کرنے کی ذمہ داری لی تھی۔ نئے ٹیکس یہ تھے:۔ ہر ایک گھر (کڈی) پر نصف پنم، شادی کی تقریبات میں دولہا اور دُلہن کے گھرانوں میں سے ہر ایک سے ½ پنم، اور ہر ایک شمشان گھاٹ سے ایک "منجاڈی" اور سونے کی ایک "کزی"۔ واقعی یہ نرالے قسم کے ٹیکس[21] تھے۔ کنڑدیو کے بائیسویں[22] سال حکومت یعنی قریب ۹۶۵ء میں باہورناڈو کے منرادیوں (گڈریوں) نے یہ فیصلہ کیا کہ جب بھی اُن میں سے کوئی شادی کا ٹیروپم پوڈو رچایا جائے گا تو باہور شہر کے شری مول تھانم کے پیرومال دیوتا (وشنو) کو ایک بھیڑ نذر کرے گا۔ یہ قاعدہ ان پر بھی نافذ ہوتا تھا جو باہر سے آکر باہور میں آباد ہوتے تھے۔ اگر کوئی گڈریا بھیڑ نذر نہ کرتا تو "گن پیرومکل"، (مجلس عاملہ) اور "دیور ڈیار" جس کے لغوی معنی میں دیوتاؤں کے خادم، یعنی مندر کے ملازم یا مندر کی رقاصائیں، دونوں کو یہ اختیار تھا کہ وہ جبراً اُس کی دو بھیڑیں اُٹھا لائیں۔[21الف] پھر ضلع تنجور کے ایک مقامی تلائی جنگاڈو میں راج راجا اول کے عہد میں مقامی مندر کو دینے کے لئے بستی کے مختلف پیشہ ور اور مذہبی برادریوں سے ایک سو کاشو کی رقم لی گئی۔[22] ۱۰۹۹ء میں کام رساولی ضلع ترچناپلی کے باشندوں نے ایک تیوہار منانے اور مندر میں کچھ نذر دینے کی غرض سے مندرجہ ذیل چندے فراہم کرکے مندر کو بھجوانا لازمی قرار دیا:۔ دھان، باجرہ اور تل کی پیداوار والے کھیتوں سے فی "ما" ایک کرونی دھان، ہر سپاری کے درخت سے ایک سپاری، اور ہر کاشتکار (ویلان) کے گھر سے تیل کا ایک الکو (23)۔ کلوتنگا اول کے تینتالیسویں سال حکومت یعنی ۱۱۱۳ء میں تروواٹے پاڈی ناڈو کے لڈریوں نے فیصلہ کیا کہ ان میں سے ہر ایک گڈریا اپنے بیٹوں کی شادیوں کے موقع پر، اپنی بیٹیوں کے الگ گھر بار بسا لینے پر اور اپنے بچوں کی "تلئی منی" (؟) کے موقعوں پر کرور میں واقع وشنو کے مندر "جلاشا تینم" میں ایک بھیڑ نذر کرے گا۔ ۱۱۷۰ء کے لگ بھگ ضلع جنوبی ارکاٹ میں تیاگڈی کے مقام پر بھومی دیوی نامی دیوی کی ایک مورتی نصب کی گئی اور چتر میلی پیریاناڈو، اور تیشائی آئرتو آئنوڑوور، کی مشترکہ اسمبلی نے نئی دیوی کی پوجا اور نذر و نیاز کے لئے ذیل کے چندے وصول کرنے کا فیصلہ کیا:
ہر ایک ہل (ایر) پر سالانہ ایک "پڈکو" دھان۔ ہر مزدور (آل) سے ایک "کرونی" اور ہر مالی دمالی کٹی پر بیاری دار۔ سے پانچ کاشو۔ ٹیکس لگانے والے دونوں محکموں کے

ہر ملازم سے دو کاشو، اور گاؤں کے گوالوں کے ہر ایک گھر سے گھی کے چار پیمانے۔ جو لوگ اُن گاؤں میں چندے وصول کرنے کے لئے جائیں گے، انھیں ہر گاؤں کی جانب سے سفید چاول (دینی ارشی کا نصف "کلم"، "پڑی" قسم کے چاول کا ایک "کلم"، پچاس سپاریاں، دو "پڑو" پان کے پتے، ایک "نالی" نمک، ایک "اڑی" کالی مرچ اور ایک پیمانہ تل کا تیل ادا کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ چندہ جمع کرنے والوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ مکانوں کے اندر جا کر چندہ وصول کرنے کی کارروائی کے دوران میں بشرط ضرورت دھات کے برتنوں کو قرق کر سکتے ہیں اور مٹی کے برتن پھوڑ سکتے ہیں[24] اس میں شبہ ہے کہ کیا ان اختیارات کا استعمال بھی کیا جاتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ صرف اس لئے تھے کہ لوگوں کو ان چندوں کی اہمیت اور فوری ضرورت کا احساس ہو جائے۔ چار برس کے بعد 1172ء میں تیل کے بیوپاریوں کی انجمن نے جو کاپی پورم کے تیل فروشوں کی بڑی انجمن (مانگرم) کے ماتحت تھی، یہ فیصلہ کیا کہ کسی مندر کی حدود میں واقع ہر کولہو چراغوں کی ایک مقررہ تعداد میں تیل ڈالنے اور مندر میں بھینٹ چڑھاوے کے لئے چندے کی شکل میں مقررہ "گذمئی" فراہم کرے گا اور سالانہ ایک پرانا کاشو بھی ادا کرے گا۔ اور اس دستور پر ذات برادری (جاتی دھرم) کے قانون کے طور پر عمل کرے گا۔[25] تردکنا پورم (ضلع تنجور) کے مندر اور مٹھوں سے وابستہ مہیشوروں نے 1233ء میں مندر کے کمزور مالی وسائل کو تقویت دینے کے لئے کچھ مخصوص علاقوں میں واقع مندروں کے ملازمین سے اور مقدس دھاگا "پونولے کریا گا" پہننے والوں سے چندہ فراہم کرنے کا فیصلہ کیا۔ چندے کی فراہمی کے لئے بڑی جانفشانی سے انتظامات کئے گئے اور چندہ جمع کرنے والوں کے لئے معاوضہ بھی منظور کیا گیا۔[26] شکیندی (ضلع ترچناپلی) کے "پیری نائیار" نے مقامی مندر کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کاشتکاروں سے دھان اکٹھا کرنے کا حکم جاری کیا تھا۔[27] راجندر سوم کے گیارھویں سال حکومت (1257ء) کے دوران کوویور (ضلع تنجور) کی "نگرتار" نے معمولی کے طور پر وصول کئے جانے والے اپنے بعض ٹیکس اور دیگر واجبات "لوشاتا نم اُڈائیار" کے مندر کے حوالے کر دیئے یعنی دھان "جو نگرتار" کو اپنی اراضیات سے بطور "نل کولی" وصول ہوتا تھا اور شہر میں درآمد ہونے والے

چاولوں پرفی بوری (پوڈی) جومختلف محصول، "پاڈی کادل"، "کئی واشی"، اور نقد مالگزاری (کاشوورگم) کی شکل میں ملتے تھے۔[28] آنگوڈی کے ایک کتبے میں بتایا گیا ہے کہ 1264ء میں کسی مقصد کے لئے "رتھ کارول" نے اپنے اوپر خود ایک رضاکارانہ ٹیکس لگایا۔ چوں کہ یہ کتبہ ٹوٹا پھوٹا ہے اس لیے ٹیکس کا مقصد واضح نہیں ہے۔[29] آخر میں ترو ڈپلم کے ایک کتبے میں، جس پر تاریخ تحریر نہیں ہے، "ناڈو"، "نگرم" اور "پدی نین وشاتم"، کی ایک قرارداد درج ہے، جس میں کچھ محصولوں کی وصولی کے اختیارات مندر کے نام منتقل کر دیے گئے ہیں۔ معمولاً یہ محصول ہمیشہ یا اسمبلیاں ہی کسانوں سے وصول کرتی تھیں۔ ان میں کالی مرچ، سپاری اور کپڑے کی گانٹھوں اور چاول کی بوریوں پر وصول کئے جانے والے محصول بھی شامل تھے۔[30]

ٹیکس کا بوجھ

اس نوعیت کے مقامی محاصل جن کے ساتھ یہ بیان بھی شامل ہے کہ چوں کہ رعایا مزید ٹیکسوں کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی اس لئے قرض لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا، ہمیں یہ تاثر دیتے ہیں کہ ایک طرف تو ٹیکسوں کی بھرمار سے لوگ تنگ آجاتے تھے اور دوسری طرف ہنگامی نوعیت کے ٹیکس لگانے کے لئے ادا کنندگان کی پیشگی رضامندی بھی حاصل کی جاتی تھی۔

بعض اوقات کچھ مخصوص ٹیکسوں کی آمدنی کسی مقررہ مقصد کے لیے الگ چھوڑ دی جاتی تھی مثلاً کسی مقامی مندر کی جانب سے "سبھا" کو دیئے گئے مستقل قرضے پر سود کی ادائیگی۔[31] دریائے کاویری اور اس کی مختلف شاخوں کے کناروں پر آباد دیہاتوں کو بعض اوقات دریا کے باندھ کی مرمت اور دریا کی طغیانی کی روک تھام کے لئے کچھ خصوصی انتظامات کرنے پڑتے تھے، ان دیہاتوں کو اس مقصد کے لئے کچھ خصوصی محصول اکٹھا کرنا پڑتا تھا۔ گلوتنگا سوم کے زمانے کے ایک کتبے میں جو ترڈپاسرم سے دستیاب ہوا ہے، "کاویرک کارئی ونیوگم" نامی ٹیکس[32] کا ذکر موجود ہے۔

اراضیات کی پیمائش

اراضی اور مکانات وہ بنیادی اشیاء تھیں جن پر ٹیکس لگایا جاتا تھا۔ راج راجا اوّل کے عہد حکومت کے وسط میں کسی وقت اراضی کی صحیح صحیح پیمائش کی گئی جس کی بدولت اراضی کے حقوق ملکیت کا با احتیاط ریکارڈ تیار کیا گیا۔ اور اُسی وقت سے زمین کی گرداوری اور پیمائش کے حوالے بیشتر اُس شکل میں دستیاب ہوتے ہیں جس میں وہ ان ریکارڈوں میں درج ہیں۔[33] ترومنگلم (ضلع تنجور) کا سنہ ۱۱۰۹ء کا کتبہ خاص دلچسپی کا حامل ہے[36] اس میں لکھا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ گاؤں کی اراضیات کے حقوق ملکیت کے ریکارڈ اور زمین کی واقعی تقسیم میں کچھ اختلافات ہو گئے تھے۔ ان کی وجوہات یہ تھیں۔ اولاً ریکارڈ کو صحیح اور تا دم تحریر مکمل رکھنے میں تساہل، دوسرے حریص کسانوں کی طرف سے عام راستوں اور نہروں کے باندھوں وغیرہ پر غیر قانونی قبضے۔ ان لوگوں نے چپکے چپکے اپنی ملکیتی اراضیات میں توسیع کر لی تھی۔ اور آخری وجہ یہ تھی کہ دکرم چولا بیراڑ (ندی کا نام) نے اپنا راستہ بدل لیا تھا جس سے کچھ کھیتوں کو نقصان پہنچا، اور اس نقصان کے لئے کوئی رعایت دئے بغیر تمام زرعی ٹیکس پہلے کی شرحوں پر ہی وصول کئے جاتے رہے۔ چنانچہ نئی گرداوری کی گئی اور اس کے مفصل نتائج زیر حوالہ کتبے میں درج کئے گئے۔ مذکورہ ریکارڈوں میں گاؤں کے تمام مندروں کے نام، اُن کی حدود اور اُن کی ملکیتی اراضیات کی تفصیلات کا اندراج ہے۔ رجسٹر میں کئے گئے اندراجات میں مندرجہ ذیل قابل توجہ ہیں:

"پڈاری" کی بھینٹ چڑھانے کے لئے بکرے ذبح کرنے کی مخصوص جگہ (رکڈا) گاؤں کے امبٹر اور "ناودر" کے گھروں کے لئے کانیال[35] "یعنی کمہار، بڑھئی، لوہار، سنار، دھوبی اور "پلیوں" کے لئے بلا معاوضہ حصے دئے گئے۔ وہ رقبہ جہاں سے باندھ بنانے کے لئے مٹی کھودی گئی اور مردے جلانے کی جگہ کو "نیگل" (لگان سے مستثنیٰ) قرار دیا گیا۔

قسم اراضی کا تقرر

اس طویل کتبے میں اگر متعدد خالی جگہیں نہ ہوتیں تو اس سے ریکارڈ مرتب کرنے

کے وقت گاؤں کی تقسیم اراضی کا حال معلوم ہوتا۔ لیکن ان کتبات میں سے کسی کتبے میں بھی کوئی ایسا قطعی بیان نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ پیداوار کا کتنا حصہ معمول کے طور پر حکومت کو بطور لگان دیا جاتا تھا۔ اکثر بتایا گیا ہے کہ ٹیکسوں کے طور پر ایک خاص رقبے سے کس قدر دھان وصول کیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر راجا دھیراج اول کے زمانے کے ایک کتبے میں[36] لکھا ہے کہ ایک مندر کو کچھ اراضیات پر 28 کلم دھان فی ویلی رقبہ کی شرح سے بطور "وارئی"، ادا کئے جاتے تھے جبکہ کچھ دوسری زمینوں پر یہ مقدار صرف 19 کلم تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ زمین کی زرخیزی کے تناسب سے لگان میں کمی بیشی کی جاتی تھی۔ اراضی کی مختلف مقرر کر دی گئی تھیں۔ اس کی کم از کم بارہ یا اس سے زائد اقسام (ترم) تھیں۔[37] ایسی اراضی (ترلی) بھی تھی جس کی قسم نہیں مقرر کی گئی تھی۔ ان باتوں سے بھی ہم اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ لیکن ایک واحد مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس سے ہم زرعی پیداوار اور لگانِ اراضی کا باہمی تناسب معلوم کرنے کے لئے اعداد و شمار حاصل کر سکیں۔ ان حالات میں چولوں کے زیرِ حکومت جو لگانِ اراضی تھا اور جو اِس وقت ہے، ان کا مقابلہ ممکن نہیں ہے۔[38] اس طرح کے مبہم بیانات کہ راجہ منو کے قوانین کی پیروی کرتا تھا یا وہ اراضی کی پیداوار کا چھٹا حصہ لگان کے طور پر وصول کرتا تھا، چولوں کے تو ہرگز تسلیم نہیں کئے جا سکتے۔[39] ایک سو کلم فی "ویلی" کی معیاری شرح جو راج راجا کے عہد کے تنجور کے کتبوں میں "دیو دان" کی اراضیات کی پیداوار میں مندر کا حصہ بتائی گئی ہے۔[40] حساب لگانے پر جملہ پیداوار کے ایک تہائی حصے کے لگ بھگ ہوتی ہے، بشرطیکہ ہم یہ فرض کر لیں کہ اُن دنوں میں زمین کی زرخیزی ویسی ہی تھی جیسی ہمارے زمانے میں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دراصل ان اراضیات سے وصول کیا جانے والا حکومت کا حصہ ہو جو کہ مندر کو دے دیا جاتا تھا۔ اگر یہ نتیجہ صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ چولوں کے عہد میں اراضی کا لگان دوسرے زمانوں اور ہندوستان کے دیگر حصوں کے مقابلے میں زیادہ نہیں تھا۔ انیسویں صدی کے شروع میں منرو نے حساب لگا کر بتایا تھا کہ تنجور میں اراضی کی کل پیداوار کا ½ 45 فیصدی سرکار کا حصہ تھا۔[41]

استمراری بندوبست

کتبات سے اِس امر کی اچھی شہادت ملتی ہے کہ زرعی زمینوں کے مالیہ پر وقتاً فوقتاً

نظر ثانی کی جاتی تھی اور زرخیزی اور اجناس کی کاشت میں تبدیلیوں کو ملحوظ رکھ کر قسم اراضی بھی گاہے بگاہے ترمیم کی جاتی تھی[43] ان معاملات میں باقاعدہ دستور کیا تھا، اس کا اندازہ اُن مستثنیات سے کیا جاسکتا ہے جو خاص طور سے ضبط تحریر میں لائی گئی ہیں۔ کچھ مثالیں ایسی بھی ہیں جن میں ناٹار (ناڈو کی اسمبلی) یا سبھا (دیہی اسمبلی) نے طے کیا کہ ایسی اراضی کی جو فلاحِ عام کے لئے وقف کی گئی ہو، قسم زمین ادنٰے سے اعلیٰ درجے میں کبھی تبدیل نہیں کی جائیگی۔ کچھ دوسری مثالیں ایسی ہیں جن میں اراضی کے کچھ مخصوص قبوں سے قابلِ وصول لگان دوامی طور پر "نلئ اڑئ" مقرر کر دیا گیا تھا۔ ایک پرکیسری راجہ کے پندرھویں سالِ حکومت میں ایک چولا جاگردار کنڈن ماڑون کے ایما پر گنرک کوٹم کی "ناٹار" (ضلعی اسمبلی) نے کچھ اراضی ایک سرکاری ملازم کو بطور اس کی جنم بھومی ریا "جیوتا"؟) بخش دی اور یہ حکم دیا کہ وہ اس اراضی پر ایک ناقابل تبدیل ٹیکس (نلئ اڑئ) ادا کرے گا جو سرکاری خزانے کے معیاری سونے کے 25 کلنجو (تال چپئ) کے برابر ہوگا۔ ترو والنگاڈو کی تختیوں میں درج ہے کہ راجندر اول نے پلائیانور گاؤں کی "دیودان" اراضی پر مہادیو کے مندر کو دیا جانے والا سالانہ لگان دائمی طور پر ایک بار مقرر کر دیا تھا۔[44]

ٹیکسوں کے نام

مخصوص نوعیت کے کچھ کتبوں کے مختصر جائزے سے ہمیں مختلف ٹیکسوں، محصولوں اور دوسرے واجبات کی نوعیت اور تعداد کا کچھ اندازہ لگ سکتا ہے۔ اگرچہ اُن کے ناموں کی تعداد کثیر ہے ان میں سے زیادہ تر ٹیکس عام نوعیت کے نہیں تھے بلکہ وقتی اور ہنگامی تھے اور ان کا دائرہ اطلاق محدود تھا۔ اُکل کی سبھا نے ۱۰۹۶ء میں یہ فیصلہ کیا کہ مجالس عاملہ سودتم باکم میں آباد مزارعوں سے "ویٹی" (بیگار)، "ویلائی" اور "والکاتم" وغیرہ ٹیکس وصول کرنے سے احتراز کریں[45] سودتم باکم اس علاقے کے وشنو کے مندر کو دی ہوئی ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ البتہ مندر کو اُس علاقہ کی کسانوں پر اُن کی خطاؤں اور گناہوں (کُرم دوشم) کی تقصیریں جرمانے (منڑو پاڈو) عاید کرنے اور وصول کرنے کا حق دیا گیا تھا۔[46] اُتم چولا کی تختیوں میں جو مدراس کے عجائب گھر میں

محفوظ ہیں، درج ہے کہ کانچی پورم میں واقع شولانیام کے قدیم باشندگان تمام پُرانے ٹیکسوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دئے گئے تھے۔ یہ گاؤں مندر کی ملکیت تھا۔ تاہم اس گاؤں کے باشندے جو دوسرے قصبوں اور دیہاتوں سے آکر وہاں آباد ہوئے تھے، ان کے لئے یہ لازمی قرار دیا گیا تھا کہ وہ "ادرگم" کے دیوتا کو چوتھائی کنستر تیل اور دو نالی چاول فی گھر ماہانہ ادا کریں۔ یہ لوگ بھی "نگرم" کی جانب سے وصول کئے جانے والے باقی ٹیکسوں سے مستثنیٰ کر دئے گئے تھے۔ کانچی پورم کے کول نرنی کولی اور کالی الودکولی" نامی ٹیکس جن کی آمدنی اورگم کے مندر کے نام کر دی گئی تھی، اُن کی وضاحت عجائب گھر میں رکھی ہوئی تختیوں کے سنسکرت میں تحریر شدہ حصے میں اس طرح کی گئی ہے کہ یہ وزن اور حجم کے حساب سے ناپی جانے والی اشیاء پر لئے جانے والے ٹیکس تھے[48]۔ راج راجا اوّل کے زمانے کے ترووا ماتور کے کتبے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس ٹیکس سے بہت قلیل آمدنی ہوتی تھی کیونکہ کتبے میں اس ٹیکس کی شرح فی کلم نصف نالی دھان لکھی ہوئی ہے[49]۔ اس جگہ یہ "کولی" (ٹیکس) گاؤں کے پلیّوں کو دے دیا جاتا تھا جو ۱۰۱۰ء تک مزارعوں کی طرف سے مندر کو واجب الادا دھان کا وزن کیا کرتے تھے۔ ۱۰۱۹ء میں مندر کے معاملات میں ایک تحقیقات کے نتیجے میں یہ "کولی" "ادچار" کو اُن کی خدمات کے عوض میں جو وہ مندر میں بجالاتے تھے، منتقل کر دی گئی۔ ان میں اُن کپڑوں کی قیمت بھی شامل تھی جو اُس "مانی" یعنی برہم چاری کو دئے جاتے تھے جو شری بلی کی رسم کے موقعے پر پجاری کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ راجندر اوّل کے عہد کے چوتھے سال میں تروُولم کے باشندوں کے عام ٹیکس جو عاید تھے، ان کی مندرجہ ذیل مثالیں بتائی گئی ہیں:- کنوؤں اور تالابوں سے حاصل کئے جانے والے پانی کی قیمت اور خوشی کی تقریب منانے والوں کا سونا۔ موخرالذکر ٹیکس "منگیاریوں" ایک معمولی چندہ تھا جو ہر خانہ دار کو شادی بیاہ جیسی تقریبوں پر دینا پڑتا تھا[50]۔ تروُوالنگاڈو کی تختیوں میں اُن "پریہاروں" کی ایک لمبی چوڑی فہرست درج ہے جو راجندر اوّل کے عہد میں مندر کو دئے گئے تھے۔ یہ فہرست بہت طویل ہے پھر بھی مکمل اور سیر حاصل نہیں ہے[51]۔ یہ سبھی "پریہار" آئندہ کے لئے راجہ کو نہیں بلکہ مندر کو وصول کرنے تھے۔ اس کے چند سال بعد

۱۰۲۱ء میں دیبڑور کی سبھا نے شری کُنڈتی ٹئی کے شو کے مندر سے بینیسٹھ کاشو کی رقم حاصل کی[52] اور اس رقم کے سود کے عوض سبھا نے مندر کی اراضیات پر وصول کئے جانے والے مندرجہ ذیل واجبات سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کیا:۔ "ستدھایہ کا شو"، "پنچوار" کا دھان، چنے اور دال، تیل اور گھی اور دیگر "واری"، جو شہر ادہی (واری) کی طرف سے وصول کئے جاتے تھے۔ تالاب کی بابت ادائیگی (ایری ایود) اور بیگار (ویدنئی) جو دریاؤں کے کناروں اور باندھوں۔ (کلی اور کرنیگو) کی تعمیر کے لئے کی جاتی تھی اور کچھ دوسرے چھوٹے موٹے محصول (شیلوری)۔ ترووالیشورم سے ملے ہوئے اُڈنیار سندر چولا پانڈیا کے ایک کتبے میں[53] درج ہے کہ پانچ "ولی" اراضی جو پہلے "برہم دیہ" تھی، رعیت واڑی اراضی (ویلان وگئی) میں تبدیل کر دی گئی اور بعد [illegible] ان اراضی "اڑالک کڑن" کے طور پر 642 "کلی" چھ مکرونی "پوتنے تین" "نالی" اور ڈھائی "شیوڈو" دھان وصول کرنے کا حکم دیا گیا جو "نارایم" کی پیمائش کے مطابق پانچ نالی کے برابر ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اس پر $\frac{1}{2}$ 35۔ اور $\frac{3}{80}$ کاشو بطور "اُرودکول نکن کاشو" اور پانچ کاشو بطور "کاچی ایردو کاشو" وصول کرنے کا حکم دیا گیا۔ کیلور کی بعض اراضیات پر جو ٹیکس نقد رقم کی شکل میں (۸۶۸/۱۸) وصول کئے جاتے تھے وہ یہ تھے:۔ "منجاڈی" "پاڈی کاول" ویٹ دکول "مناتک کانچی پیڑد کوڑا مک کاشو۔ کڈاک کاشو اور دیگر محصول۔ جو اراضیات دو ہلاڑ تیمن سرداروں نے تردکوئیلور میں واقع مندر کے بعض اخراجات کے لئے الگ وقف کر دی تھیں اُن پر (پہلے کی دیودان زمینوں کو مستثنےٰ کر کے) مذکورہ بالا "آیم" کے علاوہ کوئی اور ٹیکس عاید نہیں کیا جاتا تھا[54]۔ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ محاصل میں سے "منجاڈی" وہ ٹیکس تھا جو ہر مفید درخت پر ایک طلائی "منجاڈی" کے حساب سے لگایا جاتا تھا۔ "پاڈی کاول" بلاشبہ گاؤں کے چوکیدار کی اجرت کا خرچ پورا کرنے کے لئے لگایا گیا تھا۔ "کڈاک کاشو" ہر نر مویشی پر وصول کیا جانے والا ایک معمولی سا ٹیکس تھا۔ دوسرے واجبات کی نوعیت سمجھ میں نہیں آتی۔ راجہ راج اول کے زمانے کے ترجھوونی کے ایک کتبے سے یہ بات ہمارے علم میں[55] آتی ہے کہ 72 ویلی اراضی سے زمین دار کو سالانہ بارہ ہزار کلم دھان اپنے حصے کے

سے تھے ۔ یہ آدھا وسفا پچھ ،، کلم دھان کی ویلی ہوتی ہے نیز یہ بھی کردھان کی یہ مقدار ادا کر کے ان اراضیات کے کاشتکار صرف "ایری آیم" اور "پاڈی کاول کولی" ادا کرنے کے اور "امبنی" یعنی تالاب پر بلا معاوضہ تعمیر کا کام کرنے کے ذمہ دار ہوتے تھے ۔ اور کسی قسم کے روایتی ٹیکس جو گاؤں کے "پڈاگی" طبقے پر عاید ہوتے تھے ، انہیں ادا نہیں کرنے پڑتے تھے مثلاً ویلان اِڑئی ، الاوڑتی ، "آل" ، اور امنجی۔ ویر راجندر کے دوسرے سالِ حکومت[56] میں تین ناڈوؤں (ضلعوں) سے تعلق رکھنے والے متعدد دیہاتوں سے حاصل ہونے والے مندرجہ ذیل ٹیکسوں کی آمدنی شہنشاہ کی سالگرہ اور تیوہاروں کے اخراجات پورے کرنے کے لئے ترووینکاڈو کے مندر کے سپرد کر دی گئی ۔ تمام "کیل اِراتپ پاٹم" (معمولی محصول ۔ جن میں "اُودک کلنجو" "کمار کچانم" ، "میں پاٹم" ، "آڑپ پاٹم" اور "تِڑارپ پاٹم" ۔ تڑپ پڑوئی دشاوندم وپلک کاشو ، شیولک کاشو ۔ ونگلی دہائمی ، تنگل موہم ، شامل ہیں ۔ نیز ان دیہاتوں سے وصول کئے جانے والے "پنیمی" اور "پنڈادیٹی" (بلا معاوضہ فراہمی ؟) کی طرح کے محصول بھی جن کی شرح دس کاشو فی کس تھی ۔ اس سے تین سال بعد کے اسی عہدِ حکومت کے ایک کتبے میں اسی سے ملتی جلتی کچھ ٹیکسوں کی ایک فہرست دی گئی ہے جو جنگل پٹ ضلع کے کچھ مقامات سے تعلق رکھتی ہے ۔ درج فہرست ٹیکسوں کی آمدنی اسی نوع کے کسی مقصد کے لئے اچر پاکم کے مندر کے نام کر دی گئی تھی[57]۔ اس فہرست میں "انترائم" کی اصطلاح بہت سارے ٹیکسوں کے لئے استعمال ہوئی ہے ، جنھیں سبھا وصول کرتی تھی ۔ ان میں "اِڑلی پلک کاشو" ، پنمی ، پنڈدیٹی ، اگِری پون ، "کاول شیرگ" وغیرہ ٹیکس شامل تھے ۔ دوسرے ٹیکس "گڈمیتی" اور "کُدمی" کے زمروں میں آجاتے ہیں ۔ ہر چند کہ خود ان ٹیکسوں کے ناموں سے ان کی زمرہ بندی کا کوئی اصول سمجھ میں نہیں آتا ۔

سنہ ۱۱۰۰ء میں چولاپورم (جنوبی ٹراونکور) میں "ریودان" اراضیات کے کچھ ٹیکس معاف کئے گئے ۔ ان ٹیکسوں میں "ماڈانئی کولی" اور "دشاوندم" شامل تھے جو "وپلم" زمرے کے ٹیکس تھے اور جن میں "انترائم" اور "شِل گُدمی"[58] بھی شامل تھے ۔ تینیری (ضلع جنگل پٹ) کے سنہ ۱۱۳۶ء کے ایک کتبے میں کچھ زمینوں پر بسنے والے

لوگوں کو "واشل نرامم" (دروازہ ٹیکس) کی ادائیگی سے مستثنےٰ کر دیا گیا اور کچھ خاص مواقع پر "منئی پڑئی شورو" اور "ویٹی مٹی یال" (خاص مواقع پر بلا معاوضہ خوراک و بیگار) مہیا کرنے سے بھی معافی دی گئی۔ مہاسبھا نے اس اراضی پر "نیرولیئ انترائم" اور تمام شرطرائی، خود ادا کرنے کا ذمہ لیا[59]۔ اسی طرح تنڈی ونم سے دستیاب شدہ ۱۱۲۳ء کے ایک کتبے میں مذکور ہے کہ 20 کاشو ملکیت والے ایک قطعۂ اراضی کا ٹیکس نقد ادا کرنے کی غرض سے ایک معطی کو ایک سو کاشو کی رقم ادا کرنی پڑی، جس کے سود سے مذکورہ ذیل محصولات وضع کرنے کا وعدہ کیا گیا:۔ "شینیر انجی تردویلوچک کُڈیمئ پیُرودری شِلڑئی ایجورو دیٹی مٹاتیال کوئل راشیل پونڈگدیمئ ایریٹادم (59 الف) اسی کتبے میں مندرجہ ذیل محاصل گاؤں کے رہائشی حصے "نگولئ" سے واجب الوصول بتائے گئے ہیں:۔ اُپُوکاشو، شینیر۔ انجی تردویلوچک کُڈیمئ ایجوڑد کوڑوٹیلو اسے بیرچٹا مدُھرانتکم کی سبھا نے قصبے کی "گوپرچار بھومی" یعنی شاملات چراگاہ میں سے کچھ زمین فروخت کی اور اس کے عوض میں اس نے فروخت شدہ زمین پر واقع سپاریوں کے پیڑوں پر واجب الوصول "کُڈِمئ" کی چھوٹ دے دی۔ یہی نہیں بلکہ اس کے دوسرے سبھی ٹیکس (واری) بھی معاف کر دیے گئے جن میں "منئ اڑئی" یعنی اُس پر تعمیر شدہ مکانوں کا ٹیکس بھی شامل تھا[60]۔ راج راجا سوم کے کتبوں میں مذکور دیگر ٹیکسوں کے نام یہ ہیں:۔ ماپ پڈکوُ، کنکانی، ترئ اڑئی، جوتر دمڈئ دلاگم (مندر کے احاطے) میں لگایا جاتا تھا، ٹگن سئی، جوتر کھانوں، لوہاروں اور کمہاروں سے لیا جاتا تھا۔ نی کس ٹیکس جو "وانیار" یعنی تیل کے بیوپاریوں سے اور "کڈمئ"، جو ہر کولہو سے وصول کیا جاتا تھا اور جس کا ذکر منور ضلع جنوبی اکاٹ سے ملے ہوئے شہنشاہ (راج راجا سوم) کے تیرھویں سال حکومت کے ایک کتبے میں کیا گیا ہے[61]۔ تنیات پیرو، اور کنگانی ما۔ نیلو جن کا ذکر شہنشاہ کے پندرھویں برس کے اس کتبے میں ہے جو وائیلوُر، یا دائیلور سے دستیاب ہوا ہے[62]۔ کارتگئ ارشی، کارتگئ پچئ، اور دوسرے نقد محاصل (کاشائم)۔ لڈئ اڑئ (دکان ٹیکس) اور آجیولک کاسو، جو "آجیوکوں" پر لگایا جاتا تھا اور

جس کا ذکر بائیسویں سال کے ایک کتبے میں ملتا ہے جو دیریچی پورم کے قریب واقع پوتیگئی سے دستیاب ہوا ہے[63]۔ کنکاوری، ایڈوکوٹی۔ اور اری کمئی، یہ تینوں محصول دھان کی شکل میں وصول کئے جاتے تھے، اور ویٹپ پڈوئی، مدرراہم، وگانڈ کا شو، پڑلانک کاشو، مل دشبنم، ولیپ پیاڑو، تاپڈی ارشی، اچاتری، شالگاتت تڑی، توشکت تڑی، پڑاتت تڑی، معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب نقدی کی شکل میں وصول کئے جانے والے چھوٹے چھوٹے محصول (کاشوکڈمئی) تھے جن کا ذکر اسی مقام سے ملے ہوئے ایک اور کتبے میں آیا ہے[64] جو شہنشاہ کے اٹھائیسویں سال حکومت کا ہے اور جس میں "اور دیگر واجبات جو نقدی اور جنس دونوں صورتوں میں وصول کئے جاتے تھے کا جملہ بھی آخر میں درج ہے۔ اور آخری بات یہ کہ "پٹت تینڈم" ماوڈی، اور مرداڈئی، نامی ٹیکسوں کے نام تروونالمئی سے دستیاب شدہ تیسویں سال حکومت کے ایک کتبے میں درج ہیں[65]۔ ان میں سے بیشتر اصطلاحیں ہنوز مبہم ہیں اور ان کا مفہوم واضح نہیں ہے۔ لیکن ان سے ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ٹیکسوں کے ڈھانچے میں ٹیکسوں کے متبادل مقامی ناموں اور بہت ہی معمولی قسم کے محاصل کا اندھا دھند اضافہ کس حد تک کیا گیا تھا۔ اس سے یہ بھی تاثر ملتا ہے کہ جوں جوں مرکزی حکومت کا اثر و اقتدار کمزور ہوتا گیا۔ ٹیکسوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ خواہ کسی بھی معیار سے جانچا جائے، محاصل کا یہ نظام، بالخصوص چولا عہد کے اواخر میں نہایت پیچیدہ، الجھا ہوا انتہائی حد تک تکلیف دہ تھا۔ غالباً اس سے کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔

ادھیراجندر کے ایک کتبے میں[66] لکھا ہے کہ ترودلم کے مندر کی ملکیت میں جو "دیودان" گاؤں تھے اُن سے وصول کئے جانے والے کچھ ٹیکس "کیل ری پاٹم" اور "انترائم" کے زُمروں میں آتے تھے۔ یہ ٹیکس ایک ہزار "کلم" کیا تھے؟ انھیں کل پیداوار سمجھا جائے یا پیداوار میں سے صرف مندر کا حصہ؟۔ اگر اوّل الذکر مفروضہ صحیح ہو تو یہ ادنےٰ محاصل بھی اراضی پر جو مالی بوجھ تھا، اس میں ایک بھاری اضافہ کرتے ہیں۔ چونکہ اسی کتبے میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک کاشو کی مالیت چار کلم دھان کے برابر ہوتی تھی اس لیے ان ادنےٰ ٹیکسوں کی فاضل وصولی کا بوجھ دس

فیصدی ہو جاتا تھا۔ اگر یہ شرح کل پیداوار پر لگائی جاتی ہو اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ مذکورہ شرح پر لگان عاید کرنے کا دستور اس زمانے میں بھی جاری اور برقرار تھا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کاشتکاروں کو کسی نہ شکل میں جملہ پیداوار کے چالیس فیصدی سے زائد حصے سے دست بردار ہونا پڑتا ہوگا۔ مگر لگان کی یہ شرح سلطنت وجے نگر اور مغل حکمرانوں کے عہد کی شرح مال گزاری سے زیادہ نہیں تھی۔

پاڈی کاول

"پاڈی کاول" کی اصطلاح جس کا ٹیکسوں کی فہرست میں ایک سے زائد مرتبہ ذکر ہے، دوسری مدّات کے مقابلہ میں ہماری توجہ کی زیادہ مستحق ہے کیوں کہ یہ چوری سے جائداد کی، بالخصوص رات کے وقت، حفاظت کے عالمگیر دستور کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ یہ دستور تھا جس کے تحت ہر گاؤں اپنا اپنا الگ "کاول کارن" رکھتا تھا جو کچھ باقاعدہ مشاہرے کے عوض گاؤں کی املاک کی سلامتی اور حفاظت کے لئے اس حد تک ذمہ دار تھا کہ تلف شدہ مال کو یا تو ڈھونڈ کر واپس دیتا تھا یا اس کے نقصان کی تلافی کرتا تھا۔ یہ دستور تامل خطّے میں کچھ حد تک تو زمانۂ حال تک جاری رہا ہے اور اس کی ابتدا بھی دراصل بہت قدیم معلوم ہوتی ہے۔ یہ کام ایک خصوصی عملے کے سپرد تھا جس کی تنخواہ وغیرہ کے اخراجات ایک خاص ٹیکس کی آمدنی سے پورے کئے جاتے تھے جو اس مقصد کے لئے نامزد کر دی جاتی تھی۔ یہ عملہ جو بعض اوقات "پاڈی کاول کولی" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، چولوں کی انتظامیہ کا ایک باضابطہ حصہ تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ چولا حکومت کے اواخر میں یہ فرائض ان ماتحت سرداروں کے ہاتھوں میں منتقل ہوتے چلے گئے جو ضرورت سے زیادہ طاقت پکڑ چکے تھے اور ان کا یہی عروج چولا سلطنت کے زوال کا باعث ہوا۔ اس کے برعکس جو معمولی حیثیت کے افراد نسبتاً محدود علاقوں کے نگراں تھے وہ خاموشی سے اور مرکزی سرکار کے مفادات کو کم ضرر پہنچاتے ہوئے اپنے کام کو جاری رکھے ہوئے تھے۔ تلائی چنگاڈو (ضلع تنجور) کے ۱۰۱۲ء کے ایک کتبے میں ذکر ہے کہ "پاڈی کاپار" ملازمین کو ان کے مشاہرے کے علاوہ

گاؤں میں رہائش کی جگہ بھی مہیا کی جاتی تھی۔[67] اِس دوسری قسم کی مثالیں بہت ملتی ہیں۔ اگر ہم دیکھتے ہیں کہ کسی فردِ واحد کو زیادہ رقبے کا نہیں تو پورے ناڈو کے "پاڈی کاول کانی" (محصول) کا مالک قرار دے دیا گیا ہے اور ایسا شخص مندروں کی متبرک املاک کی طرف سے واجب الوصول محصول کی معافی دے کر اکثر اپنی عظمت اور تقدس کا اظہار کرتا تھا یا مندروں کو یہ ہدایت کرتا تھا کہ وہ اسے ٹیکس ادا کرنے کی بجائے اس کے حسبِ خواہش مندروں میں مستقل چراغ جلا کر روشنی کا انتظام کریں یا مذہبی تقریبات منعقد کریں۔ وان کوو ریا، ملائیمان' متریّا، شامبوورایا، اور کاڈورایا، جاگیردار سب اس رواج کی مثالیں ہیں۔[68] "پیرمباڈی کاول"[69] اور "میرپاڈی کاول"[70] کی اصطلاحیں بھی کہیں کہیں استعمال کی گئی ہیں۔ شاید ان سے متعلقہ افسروں کے وسیع تعزیری و تادیبی اختیارات کا پتہ چلتا ہے۔ یا عام "پاڈی کاولوں" کے مقابلے میں اُن کے امتیازی اور اعلیٰ تر درجے کا اظہار ہوتا ہے۔

اِڑائیلی

چولا عہدِ حکومت کے کتبوں میں اڑائیلی کی اصطلاح کا کثرت سے استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے "لگان سے مستثنیٰ"۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مفہوم ہمیشہ تمام ٹیکسوں اور واجبات کی ادائیگی سے یکسر استثنیٰ نہیں ہوتا۔ جو بھی معافی دی جاتی تھی، اُس کی نوعیت صاف واضح کر دی جاتی تھی۔ جب کسی اراضی کے متعلق یہ اصطلاح استعمال کی جاتی تھی تو اس کا مطلب محض یہی ہوتا تھا کہ متعلقہ اراضی پر کسی قسم کی رعایت دی گئی ہے۔ یہ نتیجہ ہم نہ صرف بعض کتبوں میں "اِڑائیلی کاشو" نامی ٹیکس کے ذکر سے اخذ کرتے ہیں، جس کا مفہوم غالباً "اِڑائیلی قسم کی اراضیات سے وصول کیا جانے والا ٹیکس ہے، بلکہ راج راجا اوّل کے عہد کے اس کتبے سے بھی جو ضلع شمالی ارکاٹ میں تروپان ملی کے مقام سے ملا ہے۔[71] اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوڑکم پاڈی نامی گاؤں تروپان ملی میں واقع جین مندر کے مصرف (بھوگم) میں تھا۔ اِلاڈا جاگیردار جو راج راجا کے

آٹھویں سالِ حکومت سے قبل یعنی زیر بحث کتبے سے پہلے اس خطے پر حکمران تھے، مذکورہ مندر سے "کر پور دلی"، وصول کرتے تھے، جس کے باعث مندر کے پاس اپنے اخراجات کے لئے کافی رقم نہیں بچتی تھی[72]۔ اِلاڈا سردار دیر شولا کی اہلیہ نے اس امر کی جانب اُس وقت اپنے شوہر کی توجہ مبذول کروائی جب وہ دونوں اکٹھے مندر میں عبادت کے لئے گئے۔ اسی وقت سے دیر شولا نے آئندہ کے لئے مندر سے "کر پور دلی" اور ایک دوسرے محصول کی وصولی بند کر دی جو "اِنیا یا داو دنڈاڑی" کہلاتا تھا اور جس کی صحیح نوعیت اور تفصیل کا کچھ پتہ نہیں چلتا[73]۔ ترو کڈائیور کا ایک کتبہ جو راج راجا سوم کے عہد کا ہے[74] اس امر کا شاہد ہے کہ اِڑائیلی زمینوں کو بھی اڑائیلی حیثیت کی تجدید کے لئے معمول سے کچھ کم شرح پر بعض واجبات ادا کرنے پڑتے تھے۔ اڑائیلی درشائی یاڈی اِڑی مُدڑ کا شوتنڈ کڈ ڈوان۔ پیڈی تویرا۔ اس کتبے میں جن اراضیات کا ذکر کیا گیا ہے وہ "کا شوکولا اور کیل اِڑائیلی" کے نام سے پکاری گئی ہیں۔

مزید براں جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں " اور کیل اڑائیلی" کی اصطلاح سے معلوم ہوتا ہے کہ "اُور" ان اراضیات کے واجب الوصول ٹیکسوں کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لیتی تھی۔ ایک دوسری بات بھی ممکن ہے کہ اس عنوان کے تحت آنے والی اراضیات مقامی ٹیکسوں کی ادائیگی سے تو بری تھیں لیکن مرکزی حکومت کا مالیہ انہیں دوسری اراضیات کی طرح ادا کرنا پڑتا تھا۔

اراضی جس پر محصول نہیں لگتا تھا

راج راجا اوّل کے عہد کے تنجور کے کتبوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر گاؤں میں کچھ زمین ہر طرح کے ٹیکسوں اور محصولوں سے یکسر بری ہوتی تھی۔ ان زمینوں میں "اور نتم" ہوتی تھیں یعنی گاؤں کی آبادی۔ مندر، تالاب، گاؤں میں سے گزرنے والی "الیاں"، "پڑانچری" یعنی کمین لوگوں کی بستیاں، "کمان چیری" دکاریگروں کے مکان، دیشستان (شمشان) (رشڈ ڈکاڈو) (75) شامل تھے۔ مال گزاری کی وصولی کے قابل گاؤں کی کل اراضی کے رقبے کا تعین کرنے کے لئے وہ رقبہ جس پر محصول نہیں

لگ سکتا تھا کل رقبے سے منہا کردیا جاتا تھا۔ اِس طرح یہ بات بخوبی ثابت ہوجاتی ہے کہ مختلف اقسام کی "اڑائیلی" اراضیات تھیں جنھیں الگ الگ طریقوں سے ٹیکسوں سے معافی حاصل تھی۔

ترووورتّور سے دستیاب شدہ چولا عہد کے اواخر کے ایک کتبے میں جو 1223ء کا ہے درج ہے کہ کچھ اراضیات جو "اِڑنگل" تصور کی جاتی تھیں، تحقیقات کے بعد محض "منگل" ثابت ہوئیں اور اس کے نتیجے میں اُنھیں مندر کے خزانے میں بہت سے ایسے ٹیکس جمع کرنے پڑے جو اُس وقت تک وصول نہیں کئے گئے تھے۔(76) یہ صاف واضح ہے کہ "اِڑنگل" کی اصطلاح کا مفہوم ٹیکس سے بری ہونا ہے جبکہ "منگل" کے معنی صرف یہ ہیں کہ متعلقہ اراضیات پر واجب الوصول ٹیکس سرکاری رجسٹروں سے اس بنا پر حذف کردیئے گئے ہیں کہ وہ کسی اور ادارے کے استعمال کے لئے اُس کے نام منتقل کردیئے گئے تھے۔(77) قابل کاشت آبادی جو "پڑلی" تھی یعنی جس کا کوئی دعویدار نہیں تھا، تلائی چنگاڈو کی سبھا نے 1233ء میں علاقے کے تین شیومندروں کو بطور "اڑائیلی دیودان" عطا کی۔ اس عطیے میں یہ شرط تھی کہ اگر اس اراضی کا اندراج "اولگو" اور "پوتگم" یعنی دستاویز ملکیت اور لگان کے رجسٹر میں بطور "اڑائیلی" نہ کیا گیا بلکہ محض "ترپو" یعنی اراضی قابل محصول کے طور پر کیا گیا تو اُس پر "اِڑی" اس گاؤں کے باشندگان کو ادا کرنی ہوگی۔(78) صاف ظاہر ہے کہ یہ کتبہ جب کندہ کیا گیا تھا تو اس اراضی کی حیثیت کا قطعی فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ دیہی اسمبلی نے صرف مرکزی حکومت سے اس اراضی کو "اِڑائیلی" کا درجہ دلانے کے لئے قدم اٹھائے تھے اور یہ بھی طے کرلیا تھا کہ اگر ان کی سعی ناکامیاب ہوئی تو کیا کیا جائے گا۔ اس طرح کے کتبوں سے ہمیں مرکزی حکومت اور مقامی حکام کے باہمی تعلقات کی بھی ایک سرسری جھلک مل جاتی ہے۔

ٹیکسوں کا بوجھ

ٹیکسوں اور دیگر واجبات کے ایک ایسے پیچیدہ نظام کا کیا بوجھ پڑتا تھا اس کا تعین کرنا ہمیشہ ایک کار دشوار رہے گا جس کے تحت مرکزی ٹیکس بھی آتے

تھے اور مقامی محصول بھی ۔ لازمی ٹیکس بھی آتے تھے اور اختیاری بھی ۔ اور جن میں جزوی اور کلی دونوں طرح کی معافیوں کے ذریعے ترمیم بھی ہوتی رہتی تھی اور ہمارے پاس جو شہادت موجود ہے اس کی رُو سے تو یہ قطعاً ناممکن ہے ۔ مختلف علاقوں میں ٹیکسوں کا بوجھ ان مقامی ٹیکسوں کی تعداد اور شرح کو دیکھتے ہوئے مختلف رہا ہوگا ۔ مرکزی ٹیکسوں کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ تمام صوبوں میں کم وبیش یکساں تھے ۔ پھر اس رواج سے جو عام تھا کہ ٹیکسوں کی آمدنی سرکاری افسروں، امرا، جاگیرداروں اور مندروں وغیرہ کے لیے نامزد کردی جاتی تھی، ایک نئی صورت پیدا ہوگئی تھی ۔ یہ تمام ادارے اپنے ٹیکسوں کی وصولی کے لئے ایک جیسے سخت طریقے اختیار نہیں کر سکتے تھے ۔

ٹیکسوں کی وصولی کے طریقے

مقامی زیادتیوں کے خلاف آخری تدارک کے طور پر مرکز کے پاس اپیل کی جاسکتی تھی یا جہاں اور کوئی چارہ نہ ہو وہاں آخری حربہ یہ تھا کہ اپنے وطن کو خیرآباد کہہ دیا جائے ۔ یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ ٹیکس وصول کرنے کے ایسے مختلف النوع اداروں کے ہوتے ہوئے مستعد سرکاری افسران کی لاکھ احتیاط اور خبرداری کے باوجود ٹیکسوں کی وصولی کا کوئی یکساں دستور قایم کرنے میں کامیابی ہوئی ہوگی ۔ ٹیکسوں اور دیگر واجبات کی وصولی میں ظالمانہ طریقوں کے استعمال کی مثالیں بھی نایاب نہیں ہیں ۔ "برہم دیم" مہندر منگلم کی سبھا نے یہ حقیقت ایک تحریری ریکارڈ کی شکل میں چھوڑی ہے[79] کہ سنہ ۱۰۰۱ء میں فوجدار (ٹنڈا نائیلار) نے اُن کو پانی اور دھوپ میں کھڑا کر کے اسقدر اذیتیں دیں کہ وہ ان کو برداشت نہ کرسکے اور ایک محافظ کو ساتھ لے کر تنجاوُر چلے آئے تا کہ تمام معاملہ راج راجا مہاراجا کے روبرو رکھ سکیں ۔ لیکن راجہ نے معاملہ پھر مقامی حکام کے پاس بھیج دیا ۔ موقعے پر کام کرنے والے اہل کار کی تائید و حمایت کرنا بظاہر نظم ونسق میں کوئی اتنا جدید حربہ نہیں، جتنا کہ ہم سمجھتے ہیں ۔ یہ اُن زمانوں میں بھی زیر استعمال تھا ۔ زیر تبصرہ کتبہ اگرچہ ادھورا ہے، لیکن اس سے یہی تاثر ملتا ہے کہ پہلا ہی حکم بغیر کسی ترمیم کے قایم رکھا گیا ۔ راجندر دوم کے تیسرے سال حکومت جبئی نامی گاؤں میں ایک افسر نے ایک عورت سے کسی ٹیکس کا مطالبہ کیا[80] ۔ جب اس عورت نے اس ٹیکس کی ادائیگی کی ذمہ داری

سے انکار کیا تو افسر نے کوئی ایسی حرکت کی جس[81] کے باعث اس عورت نے مجبور ہو کر زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ افسر مذکور کو ۲۲ کاشو کے خرچ سے ایک چراغ دان کر کے اس جرم کا کفارہ ادا کرنا پڑا۔

اس طرح جہاں چولا شہنشاہوں کی حکومت کے ابتدائی زمانے میں ٹیکسوں کی وصولی میں سختی اور جبر اور بعض اوقات ظلم تک کیا جاتا تھا، وہاں بعد کی رعایا کو ایک اور خطرے سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ خطرہ انہیں مقامی سرداروں اور جاگیرداروں کی بڑھتی ہوئی خودمختاری سے پیش آیا کیوں کہ ان لوگوں پر ایک قومی مرکزی حکومت کی روک ٹوک نہیں رہی تھی۔ اور اکثر دولت اکٹھی کرنے کے لئے ظالمانہ طریقوں سے کام لیتے تھے۔ ۱۲۱۳ء کے تردو دریور کے ایک کتبے[82] میں ایک دردناک سانحہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے جو غالباً اس زمانے کے متعدد ایسے واقعات کی ایک مثال ہے جو حلقۂ تحریر میں نہیں لائے جا سکے ایک یادو رایا سردار نے کوئی نیا ٹیکس لگایا یا کسی پرانے لگائے ہوئے ٹیکس میں ترمیم کی۔ اس ٹیکس کا نام "پون واری" تھا اور یہ ٹیکس فی "ویلی" اراضی پر ایک چوتھائی "ماڈی" کی شرح سے تجویز کیا گیا۔ اس سردار نے اجڑے ہوئے یا انحطاط پذیر قصبات کے لئے مقرر رعایتیں اس ٹیکس میں نہیں دیں اور ناڈو کی تمام بستیوں سے مطالبہ کیا کہ خواہ ان کی حالت کیسی بھی ہو وہ پوری شرح سے یہ ٹیکس ادا کریں۔ یادو رایا کا تعینات کردہ محصل اس ٹیکس کی وصولی کے لئے پنئی وائیل میں آیا اور جس قدر ٹیکس وصول کر سکتا تھا اکٹھا کرنے کے بعد اس نے مقامی سبھا کے ممبروں کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ اس پر سبھا کے اراکین نے اس ظالمانہ محصول کے بقایا کی ادائیگی کی خاطر گاؤں کی ۸۰ ویلی قابل کاشت اراضی معہ کچھ رہائشی رقبہ کے ۲۰۰ پلنگاشو کے عوض فروخت کرنے کے لئے کارروائی شروع کی۔ جس شخص نے یہ اراضی خریدی اس نے فوراً ہی اسے تردو دریور کے مندر کے نام منتقل کر دیا اور اسے چند مذہبی اور تعلیمی مقاصد کے لئے مخصوص کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے دردناک حالات کے تحت حاصل کی ہوئی جائداد کو اپنے نجی مقاصد کے لئے استعمال کرنے سے اس شخص کو جذباتی طور پر ناپسندیدگی ہوئی۔ اس لئے اس نے ایسا کیا۔ فی الواقع اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک نامعلوم نیک دل انسان نے مظلوم سبھا کی مدد کی اور یہ بھی کوشش کی کہ نئے ٹیکس کے

باعث گاؤں کے زیادہ غریب ہو جانے کے باوجود اُس کا اٹھایا ہوا نقصان اس کے لئے قابلِ برداشت ہو جائے کیونکہ اس سے نواح کی سماجی سہولیات میں یقینی طور پر کچھ اضافہ ہو گیا۔ ہماری نظر سے ضلع تنجور کے عین مرکز میں واقع منارکڈی کے وہ کتبات بھی گزرے ہیں جو 1238ء اور 1239ء کے ہیں (83) اور جن میں ہر با اختیار افسر یا ادارے کی جانب سے رعایا پر لگائے جانے والے جابرانہ اور آزار دہ ٹیکسوں کا غیر مبہم الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اسی کے نتیجے میں عوام نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اراضی کی کاشت کرنا اس وقت تک بند کر دیں گے جب تک حالات میں اصلاح نہیں ہوتی۔ اس میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ صاف اور واضح ہے اور چولا سلطنت کے دورِ زوال میں ملک کے اندرونی حالات کی شہادت دیتی ہے۔ "پلرم کئی وندپڈی تنڈِک کو لگئی یالے اینگلوکُت تری پڑودیالے" "چوں کہ متعدد افراد کے ہم سے جابرانہ ٹیکس وصول کرنے کے باعث ہمارا جینا دشوار ہو گیا ہے" عوام کی ان شکایات کی سنوائی منارکڈی کی سبھا نے کی جس کا اجلاس پانچ نواحی نادوؤں کی اسمبلیوں کے ساتھ مشترکہ طور پر منعقد کیا گیا۔ اس اجلاس کے فیصلے کے مطابق عوام کو اختیار دیا گیا کہ وہ صرف جائز اور قانونی محاصل ادا کریں اور ان قابلِ ادائیگی ٹیکسوں کو تفصیل سے تحریر میں لایا گیا۔ نیز یہ فیصلہ ہوا کہ اس اجلاس کی شرح سے زائد کسی بھی ٹیکس کے مطالبے کی مزاحمت کریں۔ یہ بات خاص توجہ کی مستحق ہے کہ یہ کتبے جتنی مدت اور جتنے علاقے پر پھیلے ہوئے ہیں اس کے پیشِ نظر اس قسم کی جابرانہ کارروائیوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں معلوم ہوتی۔

یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ فاضل اور خلافِ معمول ٹیکسوں کے خلاف عوام احتجاج اور مزاحمت کر کے ان کو عوام رواج کے مطابق بنانے میں اکثر کامیاب بھی ہوئے۔ میسور کے علاقے سے دستیاب شدہ کلوتنگا اول کے تیسرے سالِ حکومت کا کتبہ (84) اس امر کی بہت دلچسپ مثال ہے۔ یہ کتبہ عظیم اسمبلی "ہریادشیام" کی کارروائی کی تحریری دستاویز ہے۔ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ جب سے چولا حکمرانوں کی نسل وجود میں آئی تمام چولا عملداری میں، جس میں نگرلی شولا منڈل کے 78 ناڈو، جین گونڈا شولا منڈلم کے اڑتالیس ہزار "بومی"، اور راجندر

شولپ پدی میں پومی کا صوبہ جو عظیم فوج کے افسر ولنگی مہاشینائی کو جاگیر میں دیا گیا تھا، شامل تھے، گایوں اور بھینسوں پر کبھی ٹیکس نہیں لگایا گیا تھا۔ اس لئے جو نیا ٹیکس ادیگار گل شولا مو دیند ویلار، کی جانب سے گائے بھینسوں پر عاید کیا گیا تھا اس کو ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ جنگلات کے خطوں اور بارانی اراضیات سے پیداوار کا پانچواں حصہ بطور سرکاری لگان کے وصول کیا جاتا تھا اور کسی تالاب سے سیراب ہونے والی دھان کی فصل والی زمین سے پیداوار کا تیسرا حصہ لگان کے لئے مخصوص کر دیا جاتا تھا۔ پہاڑی قبائل (ویڈار) کی پہاڑی اراضی کی کھیتی پر لگان کی شرح 1500 "کلیئوں" پر ایک کپڑا (پڈوئی) تھی۔ مذکورہ کتبے میں تمام دیگر متفرق محصول اور خدمات کی شرحیں بھی درج ہیں اور سب سے آخر میں اراضی کی پیمائش میں کام آنے والے ڈنڈے یا پیمانے کی لمبائی بھی درج ہے۔ سرکار کو ادا کئے جانے والے ٹیکسوں کی شرحیں مقرر کر دینے کی عوامی کوششوں کی اس طرح کی دستاویزی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ اور ایسی کوششیں خود سر اور مطلق العنان راجاؤں اور جاگیرداروں کو اپنی من مانی کاروائی سے روکنے میں ہمیشہ کامیاب بھی نہیں ہوئی ہوں گی۔ لیکن اس طرح کی کوششیں کی گئیں اور عوام کے شعور و احساس میں حکومت کے ٹیکس لگانے کے اختیار کی ایک واضح حد موجود تھی۔ یہ بہت اہم حقیقتیں ہیں اور چولوں کے نظام حکومت کے کسی بھی تذکرے میں ان پر توجہ دینا ضروری ہوگا۔

تاہم ٹیکسوں کی وصولی کے طریقوں میں اراضیات کی قرقی اور نیلام بھی شامل تھے، ایسے نیلام عام ہوا کرتے تھے اور ان کا نام اس راجہ کے نام پر رکھا جاتا تھا جس کے زمانے میں وہ عمل میں لائے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر راجندر پر ر ولئی، میں ارنجگائی چتر ویدی منگلم کی اسمبلی کے ہاتھ کچھ اراضی لگ گئی کیوں کہ نارائن کرم وِتن، کے تین بیٹے کسی اور مقام کو ہجرت کر گئے تھے اور انھوں نے قریب پندرہ سال کا لگان ادا نہیں کیا تھا(۶۵)۔ چولا، پانڈیا اور تونڈئی کی ریاستوں میں دیہاتوں کے کچھ خاص زمروں کے "کانی ادیماروں" (خدمتی کاشتکاران) کے خلاف جاری کیا گیا راج راجا کا فرمان جس پر ہم اوپر بحث کر چکے ہیں، زمینوں کے ضبط کرنے اور "اودراڈو۔ وری پاڈو" کے بقایاجات، ان کو نیلام کر کے وصول کرنے کے لئے

جاری کیا گیا۔

تروکاچور (ضلع چنگل پٹ) کی "اُور" پر فصل تباہ ہونے کے باعث جب مصیبت آپڑی اور ٹیکس ادا کرنا ان کے لئے دشوار ہو گیا تو انھوں نے مجبور ہو کر پڑوس کے ایک مالدار شخص سے قرض لیا، لیکن قرض ادا نہیں کر سکے۔ شاید وہ اس کو ادا کر بھی نہیں سکتے تھے۔ "اور" نے اس شخص کو یہ اجازت دے دی کہ وہ گاؤں کی کچھ بنجر زمین کو زیر کاشت کر لے اور تب انھوں نے قرضے کی رقم کے سود کے عوض نو توڑ اراضی کے سب ٹیکس ادا کرنے کا ذمہ لے لیا۔[86] پانی کی قلت کے باعث فصل کی بربادی کی اسی طرح کی ایک اور مثال ضلع تنجور کے ایک گاؤں میں ملتی ہے جہاں صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے آبپاش اراضی کے رقبے میں تخفیف کر دی گئی اور فیصلہ کیا گیا کہ مقامی مندر کی کچھ اراضی میں پان کی کاشت کی جائے تاکہ گاؤں کے آبپاشی کے وسائل پر بوجھ کم ہو جائے۔[87] مندر نے کچھ رقم سبھا کو قرض بھی دی۔ اور متعلقہ اراضی کو "کاشو کولا اِڑا ایلی" (ٹیکسوں سے مستثنے) قرار دلوایا۔

چولا عہد کے اواخر میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں کہ اراضی کا لگان عدم وصولی کی صورت میں آخری حربے کے طور پر نادہندگان کی زمین فروخت کر کے وصول کیا گیا؛ "وان دنمادیوی چتردیدی منگلم" (ترچنگو رائی) ضلع تنجور کے کچھ برہمن مزارعان ٹیکسوں کی ادائگی نہ کر سکے اور اپنی زمینیں چھوڑ کر گاؤں سے کہیں اور ہجرت کر گئے۔ اور ان کی یہ اراضیات ۱۱۱۲ء میں پڑوس کے ایک مندر کو بیچ دی گئیں۔[88] یہ بات واضح نہیں ہے کہ اراضیات کو چھوڑ جانے والے کیوں ٹیکس ادا نہ کر سکے۔ کیا ٹیکسوں کا بوجھ بھاری ہونے کی وجہ سے ایسا ہوا یا ٹیکسوں کی وصولی میں بے قاعدگی کی وجہ سے ٹیکسوں کا بقایا بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ اور گاؤں کی سبھا نے مذکورہ زمینوں کو فروخت کیا۔ اس سے موخرالذکر مفروضہ کا امکان زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ اس واقعہ کے دو برس بعد بالکل اسی طرح کا کونیری راجاپورم میں زمینیں چھوڑ بھاگنے اور متروکہ اراضیات کی فروخت کا واقعہ کتبوں میں تحریر ملتا ہے۔[89] یہ مقام بھی ضلع تنجور میں واقع ہے۔ لیکن اس واقعے میں یہ صاف واضح ہے کہ مزارعان ہی نے دیدہ و دانستہ ٹیکس ادا

نہیں کئے ۔ اس معاملے میں ٹیکسوں کا بقایا بھی زیادہ نہیں ہوا تھا کیونکہ متنازعہ رقم حکمرانِ وقت کے صرف اُنچاسویں سالِ حکومت سے متعلق تھی جس کے متعلق یہ کتبہ لکھا گیا تھا اور شہنشاہ کے محکمہ مال کے افسران نے ایک خط کے ذریعے گاؤں کی سبھا سے مطالبہ کیا کہ وہ متعلقہ زمین کو فروخت کرکے ٹیکس کے واجبات وصول کریں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ٹیکسوں کو زیادہ باقاعدگی سے وصول کرنے کا بندوبست کرنے کی بھی سعی کی گئی ۔

وکرم چولا کے پانچویں سال حکومت میں کریکال چولا چتر ویدی منگلم کی مہاسبھا نے لگان اراضی ادا کرنے کی توفیق نہ رکھنے والے اور کسی دوسرے مقام کو ہجرت کر جانے والے اشخاص کی جانب سے واجب الادا ٹیکسوں کے متعلق اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا فیصلہ کیا۔ لہٰذا ان لوگوں کی زمینوں کو "سبھائی دلی" میں یعنی سبھا کے حکم سے کھلے نیلام میں بیچنے یا ان کو "اٹائیکی دیودان" کے زمرے میں لانے کا فیصلہ کیا گیا جس سے کم از کم ٹیکسوں کے مساوی رقم مندر کے خزانے سے حاصل کی جا سکے ۔(۹۰)

اُدیتور، ضلع ترچنا پلی سے دستیاب شدہ وکرم چولا کے عہد کا ایک کتبہ کئی پہلوؤں سے دلچسپ ہے[(۹۱)] اس میں لکھا ہے کہ ایک شخص جو ایک "کانی" (بہت بڑی اراضی) کا مالک تھا، اپنی "کانی" پر عائد شدہ ٹیکس ادا نہ کر سکا ۔ یہ اراضی اس کی زر خرید تھی اور شری کنٹھا چتر ویدی منگلم میں واقع تھی۔ وہاں کی سبھا نے اس معاملے پر غور کیا ۔ دریں اثنا وہ شخص مندر میں کوئی معمولی سا جرم کرنے کا خطاوار پایا گیا اور اس پر بیس[۲۰] کاشو جرمانہ کیا گیا ۔ اُس کی اراضیات فروخت کر دی گئیں اور اُس سے جو رقم ملی اس سے عام محصولات اور جرمانہ وصول کر لئے گئے ۔ اسی مقام سے ملے ہوئے ۱۱۹۹ء کے ایک اور کتبے میں کئی برس بعد ان واقعات کا دوبارہ ذکر ہے[(۹۲)]۔ کتبے میں بتایا گیا ہے کہ یہ اراضی ایک برہمن کی اصل ملکیت تھی جو مندر کی دیوی کے جواہرات چراتا ہوا پکڑا گیا۔ لہٰذا اُسے حکم دیا گیا کہ وہ مذکورہ زمین، اپنا مکان اور اپنے غلام بطور "دیودان" "ناتھم" (ضلعی اسمبلی) کے حوالے کر دے ۔

بعض مرتبہ مندر کو بھی اپنی جائداد کا مالیہ چکانے کے لئے اپنی اراضیات کو بیچنا پڑتا

تھا۔ اس کی ایک مثال ۱۰۶۱ء کے لگ بھگ ہمیں شالوُوں کوہم میں ملتی ہے جو مالاپورم کے قریب واقع ہے[93]۔ دوسری جانب مندر اپنے مزارعین سے واجب الوصول ٹیکس حاصل کرنے کے لئے اکثر ان کی اور املاک بھی قرق کروا لیتے تھے اور اگر ضرورت پڑے تو شہنشاہ سے منظوری لے کر اس کو فروخت کر ڈالتے[94] تھے۔

مجلسی اخراجات

چولا نظامِ حکومت کے مالی پہلو کا کوئی بھی تذکرہ اس وقت تک مکمل نہیں سمجھا جا سکتا جب تک یہ واضح نہ کر دیا جائے کہ اس نظام کی زیادتیاں کہاں تک خود اپنے بُرے اثرات کو زائل کر دیتی تھیں۔ کیونکہ ٹیکسوں سے حاصل کی گئی آمدنی بہت سے سماجی بھلائی کے کاموں میں صرف کی جاتی تھی۔ زر اندوزی یا روپیہ دبا کر رکھنا، خاص طور پر راجاؤں اور مندروں کی جانب سے ناپید نہیں تھا لیکن یہ لوگ خرچ بھی کافی کرتے تھے اور قرونِ وسطیٰ کی زندگی کے حالات میں سماج دشمن نوعیت کے فضول اور گھر لٹانے والے اخراجات کے مواقع بھی زمانۂ حال کی نسبت کم میسّر تھے۔ امیر اور زردار رئیس اور اس کے نادار پڑوسیوں کی نجی عادتوں میں کوئی بڑا فرق نہیں ہوتا تھا۔ دولت مند لوگوں کو امتیاز اور شہرت حاصل کرنے کے لئے دیوتاؤں اور غریبوں کی خدمت میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنی پڑتی تھی۔ اس طرح کے کام سماجی شہرت اور عوامی تحسین و منزلت حاصل کرنے کے عام مروّج راستے تھے، مثلاً مندر تعمیر کرنا، کوئی مٹھ بنا دینا، مندر یا مٹھ کے ساتھ کوئی مدرسہ یا شفاخانہ منسلک کر دینا، کسی بنجر زمین کو قابلِ کاشت بنانا؛ وہ مندر جنھوں نے اپنے جمع شدہ خزانوں کے باعث بعد کے زمانوں میں غیر ملکی حملہ آوروں کی حرص و آز کو اپنی جانب راغب کیا، اس عہد میں عوام کا سب سے بڑا سہارا تھے، اور مالی مصیبت کے اوقات میں ان کی سب سے بڑی پناہ گاہ بھی تھے۔ وہ ایک طرح کا ریزرو بنک تھے جس کی شاخیں ہر گاؤں میں تھیں اور جو پرسکون زمانے میں عوام کی فاضل دولت سمیٹتا اور اُسے محفوظ رکھتا تھا۔ اور مالی قلت اور تنگی کے دور میں اسے عوام کے استعمال کے لئے باہر نکالتا تھا اور ہمیشہ سنگین مصائب سے بچ

نکلنے میں سماج کی مدد کرتا تھا۔ کوئی تباہ کن سیلاب ہو یا طویل المدت قحط، علاقے کے معاشی نظام کو ان مصائب سے زیادہ مستقبل اور دیرپا نقصان پہنچتا، اگر عوام کو مندروں کے ان وسائل کی دستگیری حاصل نہ ہوتی جو ان کے اسلاف نے پشتہا پشت سے اپنی راستبازی اور محنت سے جمع کئے تھے۔ راجا رؤسا اور مندر کئی طرح سے عام لوگوں کی محنت و مشقت سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ لیکن اس طرح حاصل کردہ دولت کا ایک بڑا حصہ کچھ اس طرح سے عوام کو واپس مل جاتا تھا جس سے کہ ان کی مشترکہ فلاح کو فروغ ملتا۔ یہ ایک حیرت انگیز مجلسی ہم آہنگی تھی جس کی اساس افراد یا طبقات کی برابری پر تو نہیں تھی لیکن ایسے باہمی لین دین اور خیرسگالی کے جذبات پر مبنی تھی جن کی جڑیں سماج کی زندگی کے سنگِ بنیاد تک گہری تھیں۔

انیسواں باب

حاشیے

(1) فرانٹر، کی تصنیف۔ صفحہ 138

(2) ترووالنگاڈوکی تحقیقوں میں درج پایا گیا ہے کہ راجندر اوّل نے جنوبی ہند پر اپنی فوج کشی میں پانڈیا راجہ کے موتی چھین لئے۔

(3) اس معنی میں "منرا" کے بطور فعل استعمال پر غور کیجئے (SII iii - 27، 9)

(4) (SII - iii - 93 - "دنڈم - الٹو - ایپرپٹا منرو یاڈم" (ii، 28 تا 30) اس سے پہلے کے ارکان تہجی "آنوائے" "دنڈم" کو کرشنا شاستری نے "دنڈم" کے ساتھ ملا کر پڑھا ہے اور "آنوائے دنڈم" کے جملے میں اُس نے ایک نیا ٹیکس سمجھا ہے۔ میرے خیال میں "آنوائے" کے معنی ہیں حسب موقع۔ پھر کرشنا شاستری "منرو پاڈو" کو وہ محصول بتاتا ہے جو اسمبلی عاید کرتی تھی۔ اگر اس ٹیکس کو عاید کرنے اور وصول کرنے میں اسمبلی کا ہاتھ تھا تو اس کے پاس ایسے مواقع کے لئے تعزیری اختیارات بھی رہے ہوں گے۔

(5) 1911 کا 255

(6) 1920 کا 521 — ARE-1921، ii، 25

(7) SII - iii - 142

(8) 1923 کا 194

(9) 1925 کا 121 - ایسے ہی جملوں کے لئے 1913 کے 388 اور 1926 کے 140 کے ساتھ مقابلہ کیجئے۔ 1925 کے 147 میں یہ عبارت ملتی ہے "پرد - وری - بشل - وری ترد - واشبل پونٹا گڈ مائی اپیر یڈم" نیز 1926

کا ۱۶۹ بھی دیکھئے۔

۱۰) یہ مشکل ترین اصطلاحوں میں سے ایک ہے۔ آخر اس کے معنی کیا "اچورو" ہیں یعنی "کسی بھی قسم کا کھانا"، یا "کسی بھی حساب میں کھانا"۔ یہ بات یاد رکھنی ہوگی کہ کچھ لوگوں کا مفت کھانا حاصل کرنے کا استحقاق اکثر حالات میں تسلیم کیا جاچکا تھا۔

۱۱) بعض کتبوں میں ہم اس قسم کے لئے صرف "داشیل۔ پوندگُڈ بائی" ہی دیکھتے ہیں جیسے کہ 1913 کے 388 میں۔ موازنہ کیجئے "راج دوارا" جو 1913 کے ۱۹۷ میں درج ہے۔

12) SII – iii – ۹۳ – اس میں جو جملہ استعمال ہوا ہے وہ "کُڈِ مائی شے یل" ہے، اگر (ہم) "کُڈِ مائی" لگائیں۔ کرشنا شاستری اس کا ترجمہ یوں کرتا ہے۔ "اگر ہم اپنے مالکانہ حقوق کا دعویٰ کریں"۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اقرار اراضی پر ناجائز قبضے سے احتراز کرنے کا نہیں تھا بلکہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کے ناجائز تصرف سے ہاتھ روکنے کے لئے تھا کیونکہ یہ تالاب کی مرمّت اور دیکھ بھال کے لئے وقف کردی گئی تھی۔

(13) معلوم ہوتا ہے کہ "اور۔ کیل۔ ارائیل" کے مفہوم کی وضاحت ۱۹۱۱ کے کتبہ نمبر ۱۰۹ کی مندرجہ ذیل عبارت میں کی گئی ہے۔ اِنی لنگ لکو اور دِیکاڈو پڈی پوپیرّی وتہ نِلم اینگل پیر گلیلے ایری۔ اِرلگ۔ کنڈ ودم آگوم سے اینگل پکل دِرُ وکو نڈارُم ستری۔ دھنم پیرارُم مرتم پیر واڈُ ٹیارُم اِپڈی اِرلگ کاڈور گل۔ آگ دُم"۔ ۱۱۶۹ء کے کتبے۔1917 کے نمبر ۲۲۴ میں جو کولوکائی (ضلع تنجور) سے ملا ہے ایک ایسی سبھا کی مثال دی گئی ہے جس نے مندر کے خزانے سے ۱۶۰ کاشو کی رقم (اُدھار) لی اور نصف "نلم" پر تمام واجب الادا محصولات ادا کرنے کا اقرار کیا۔ لیکن یہ اراضی کئی برسوں تک غیر آباد پڑی رہی۔ اس کے بعد اُسے اس لئے زیر کاشت لایا گیا کہ اس کی آمدنی سے ہر رات مندر کے لئے پھولوں کا ایک گجرا مہیا کیا جاسکے۔ سبھا نے حقوق ملکیت میں کسی طرح کی تبدیلی کئے بغیر ٹیکس ادا کرتے رہنے کا اقرار کیا۔

(14) SII - iii - 9

(15) 1920 کا 604

(16) 1918 کا 526

(17) 1929 کا 168

(18) 1925 کا 336

(19) 1924 کے 365 —— SII، iii، 212

(20) 1928 کا 145

(21) 1910 کا 167 : یہ کتبہ اصل کتبے کی ایک بعد کی نقل ہے۔

(21 الف) 1902 کا 77 (SII - vii - نمبر 804)

(22) 1925 کا 198

(23) 1914 کا 73

(23 الف) 1936-37 کا 165؛ ARE - II - 28

(24) 1903 کا 21

(25) 1909 کا 261

(26) 1922 کا 537

(27) 1928 کا 387

(28) 1908 کا 204

(29) 1899 کا 4

(30) 1928 کا 187

(31) TAS - vi صفحات 11، 12

(32) 1911 کا 96، موازنہ کیجئے "سبھاونیوگم" کی اصطلاح کے ساتھ۔

(33) 1927 کا 199 —— 913 کا 59 —— 1902 کا 413 وغیرہ

(34) 1927 کا 113

(35) اب دونوں الفاظ کے معنی ہیں "حجام"۔ ممکن ہے کہ ماضی میں ان دونوں طبقات کے درمیان باہم کچھ فرق رہا ہو۔

(36) 1912 کا 103

(37) 1917 کا 343، 111 —— 1903 کا 386 مورخہ 1907ء میں مہادان پُورم میں چودہویں درجے کا ذکر ہے۔

(38) IA۔ جلد 40 (مطبوعہ 1911ء) صفحات 165 تا 168 میں اس جانب ایک محض نمائشی کوشش ملتی ہے۔

(39) SII - iii ص 28، 701

(40) SII - ii ص 5-4 وغیرہ

(41) گورنر کے پرائیویٹ سیکریٹری کے نام خط مؤرخہ 20 جون 1815ء جو مانت پور سے لکھا گیا۔ میں اس خط کے لئے ڈاکٹر کے این۔ وی۔ شاستری کا احسان مند ہوں۔ مزید دیکھئے مورلینڈ کی تصنیف "India at the death of Akbar" صفحہ 98

(42) 1899 کا نمبر 3، ایک بہت دلچسپ کتبہ ہے اگرچہ یہ ٹکڑوں میں ہے جس میں اس زمانے کے دوبارہ بندوبست مال کے طریقے اور لگان اراضی کے رجسٹروں کی صحت کے متعلق ایک بہت ہی واضح بیان ملتا ہے۔

(43) 1924 کا کتبہ نمبر 356

(44) "نیزی رانیا لے" II، 70

(45) جن کیٹیوں کے نام دئے گئے ہیں وہ "سمودایہ"، "ایری" اور "توٹم" ہیں۔

(46) SII - iii - 24

(47) II، 89 تا 94 —— "پورو - مرجادی - ایری" کا جملہ ہمیں اتر میرور کے کتبے میں مذکور "پوررا چارم" کی یاد دلاتا ہے۔

(48) II، 4، 15 تا 16

(49) 1922 کا 16

(50) SII، iii - 4، 5 —— متن کی عبارت یوں ہے: "ے۔ نیرم کنارم۔ نیر کیہ وییۂ انیار نیرم" ہلٹش نے اس کا ترجمہ کیا ہے، "اونچی سطح والا پانی"۔

کنوئیں۔ پانی کے لئے ادا کی گئی قیمت۔ اگیآر کا سونا "کنرُد (کنوئیں) کے برعکس "ے نیر" کے معنی وہ جگہ ہے جہاں اوپر سے آنے والا پانی جمع ہوتا ہے، یعنی تالاب۔ لہٰذا پہلا جملہ پورے کا پورا ایسا ہی سمجھنا چاہیئے۔

(51) SII-iii — صفحات 410-411، 11، 436 تا 442۔ کرشناشاستری نے اپنے ترجمے میں ان میں سے بعض کے عارضی ترجمے دئے ہیں (صفحات 436-437)

(52) 1909 کا 292

(53) 1916 کا 327

(54) 1902 کا 262

(55) 1919 کا 176

(56) 1896 کا 113

(57) 1901 کا 253

(58) 1896 کا 31

(59) 1922 کا 224 - "ترمم" (درجم) لفظ پر دھیان دیجئے

(59 الف) 1902 کا 205

(60) 1896 کا 128

(61) 1919 کا 57

(62) 1922 کا 421

(63) SII-i-59 — "آشوک گل۔ بیرار۔ کا شو"، کا جلد 1912 کے کتبہ نمبر 199 میں آیا ہے۔ یہ بڑا دلچسپ کتبہ ہے۔

(64) SII-i-64

(65) 1902 کا 495

(66) SII-iii-57، 11-8، صفحات مابعد

(67) 1925 کا 207، مُرکا دنوڈنیا پاڈی کا پار

(68) 1929 کا 243 - 1906 کا 177 - 1903 کا 16 - 1901 کا 244 - وغیرہ

(69) 1902 کا 157

(70) 1904 کا 502 ــــ "شِرُو. پاڑی. کاول" کی اصطلاح 1912 کے 1904 میں اور 1922 کے 421 میں ملتی ہے۔

(70 الف) اُتر میرور سے دستیاب شدہ 1923 کے 160 میں لکھا ہے کہ سالِ رواں کے لئے بعض اراضیات پر "اِرائیلک کا شو" وصول نہیں کیا جائے گا اور بعد کے برسوں میں اس مد میں پانچ کا شو سالانہ کی شرح سے وصول کیا جائیگا۔

(71) 1890 کا 19 ــ 17-EE صفحات 137 تا 140۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وینکیّیا کو اس بات کا ذکر کرنا یاد نہیں رہا کہ مندر پہلے تو اپنی "ارائیل" اراضیات پر کچھ محصولات ادا کیا کرتا تھا اور بعد میں اسے اس طریقے سے ان ٹیکسوں کی ادائیگی سے مُستثنیٰ کر دیا گیا جو کتبے میں درج تھا۔

(72) متن کی عبارت ہے: "اِترِم کیٹو پودوو"

(73) وینکیّیا اس کے دو مفہوم بتاتا ہے: ناجائز کھڈیوں پر یا ایسے خاندانوں پر محصول (ایضاً)

(74) 1925 کا 245 ــــ اسے ARE - 1925، ضمیمہ ب میں "امائی کا ول" کی ادائیگی سے چھوٹ تصور کیا گیا ہے۔

(75) II S - ii - 4، پیراگراف 1۔ ترِو وینکاڈو میں بعض اراضیات کی سرحدوں میں ہمیں ایسے راستوں کا بھی ذکر ملتا ہے "جن سے لاشوں کو لے جایا جاتا تھا"۔

(76) 1912 کا 199 ــــ اس کتبے میں کپڑا رنگنے والوں (شوپوتُوئیار) پر لگائے جانے والے ایک ٹیکس (اُڈمیَ) کا ذکر آیا ہے۔ اس میں بہت سارے ٹیکسوں اور واجبات کے نام درج کئے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ یہ فصل کی اقسام کے مطابق بدلتے رہتے تھے۔ اس میں نمک سازی کے تالابوں (کنالوں) پر وصول کئے جانے والے "اَرشی کا شو" کا بھی ذکر ہے۔

(77) سی دَیل کی تصنیف HISI صفحہ 136 - حاشیہ 2

(78) 1925 کا 201

(79) 1895 کا 159 - اِس معاملے میں معلوم ہوتا ہے کہ سبھا کو اپنے ایک منیم کی غفلت کے باعث نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ گاؤں میں اس مُنیم کی ایک "دکانی" زمین تھی -

(80) 1906 کا 80

(81) جب اس خاتون نے ٹیکس ادا کرنے کی ذمّہ دار ہونے سے انکار کر دیا، افسر نے جو کارروائی کی وہ "ادلائی کوچپئی وِک" کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے - ARE - 1907، II، 42، میں کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے اُس افسر نے اُسے سخت اذیت دی - "کوچپئی" کے معنی ہیں "ایوُد" یعنی بے حرمتی - یا اس سے بہتر لفظ ہے "کوچپیہ دل" یعنی مجبور کرنا، جیسا کہ SII - viii، نمبر 529 — 1، 3 - الف میں درج ہے۔ یہ خیال مجھے دلشیکا وِ ناٹکم پِلّے سے ملا ہے -

(82) 1912 کا 202

(83) 1897 کے کتابت نمبر 96، 98، اور 104

(84) 1911 کا 464 — = EC-X-M1، 49 (الف) - دیکھیے iii X viii-الف

(85) 1914 کا 189

(86) 1909 کا 274

(87) 1925 کا 191

(88) 1909 کا 620

(89) 1909 کا 647

(90) 1914 کا 4

(91) 1912 کا 512

(92) 1912 کا 940 - لیکن یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ پہلے والے کتبے میں مذکورہ بِھنے "بشیردا پرادم" اور بعد کے کتبے میں مذکورہ [illegible] برات کی چوڑی" کے رقبے میں بہت تفاوت ہے - یہ تعجب کی بات ہے کہ اس جُرم کا کتوالی

جرم کہا جائے ۔ پھر پہلے والے کہتے ہیں مندرہیں کئے گئے جرم کے لئے صرف بیس؟ کا شو کا جرمانہ درج ہے اور مکان اور ملازمین کی ضبطی کا کوئی ذکر نہیں ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ ایک ہی شخص جب دوبارہ جرم کا مرتکب ہوا ہو تو اس کے نتیجے میں اپنا گھر اور ملازمین بھی گنوا بیٹھا ہو کیونکہ پہلے جرم کے موقعے پر اس کی اراضیات نیلام کر دی گئی تھیں اور اب یہی اس کے پاس باقی رہ گیا ہو ۔

(93) 1890 کا 57

(94) 1911 کا 264

بیسواں باب

آبادی: طبقہ بندی اور معیارِ زندگی

سماج کی عام کیفیت

ذات پات سماجی تنظیم کا سنگِ بنیاد تھی ۔ اور ہم اپنے سماجی اور اقتصادی مطالعہ کے دوران میں ذات پات کی متعدد تنظیموں کا سرسری جائزہ لے چکے ہیں ۔ ہر ایک ذات کم و بیش ایک موروثی پیشہ اختیار کرنے والوں کا گروہ ہوتی تھی جو اپنے معاشی اور سماجی مفادات کی حفاظت کی غرض سے خود کو منظم کر لیتے تھے ۔ اُن دنوں کے ہندوستانی سماج کا صحیح ترین تصور یہی ہے کہ یہ کچھ ایسے منظم گروہوں کی ایک وفاقی جماعت تھی جس کے پیچھے سماجی حقوق و فرائض کا ایک مشترک پس منظر تھا جو اُن کے درمیان باہمی رواداری اور مروّت داشتی کو قائم رکھے ہوئے تھا، اس میں خاص بات یہ تھی کہ ایسے بھونڈے سماجی تنازعات اور باہمی رقابت کی اس میں کوئی مثال نہیں ملتی جو دائیں باز و اور بائیں بازو کی ذاتوں کے مابین یا زمانۂ حال کے برہمنوں اور غیر برہمنوں کے درمیان پائی جاتی ہے ۔ یہاں ہمیں ایک سماجی ہم آہنگی ملتی ہے جس میں نہ تو اتنی قناعت تھی کہ بلند ہمتی ختم ہو جائے اور نہ طبقاتی مفادات کا آنکھ بند کر کے تعاقب تھا۔

سماجی آزادی

اُن دنوں میں دیہات میں آج کی نسبت عموماً زیادہ سماجی آزادی تھی بالخصوص

اعلیٰ طبقوں اور ذاتوں میں ۔ اور پیدائش کسی آدمی کے اپنا پیشہ اور اس کے ساتھ اپنا جماعتی رشتہ تبدیل کر لینے میں رکاوٹ نہیں بنتی تھی ۔ یہ حقیقت اِس امر سے واضح ہے کہ جن برہمنوں نے ایناٹرم میں تجارت کا پیشہ اختیار کر لیا تھا اُن کا شمار[1] ایناٹرم کے جنوبی بازار کے ولینجیا تاجروں کی ذات برادری میں ہونے لگا تھا۔ مگر ان مثالوں کی حیثیت صرف مستثنیات کی تھی ، ورنہ ایک ذات یا طبقے کے طور پر برہمن اپنے قدیم روحانی کلچر اور سادہ بود و باش کے نصب العین پر قائم تھے اور دوسرے طبقات اُن کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے ۔ جیسا کہ ان اَن گنت عطیوں سے ظاہر ہے جو انہیں بلا امتیاز ملک کے ہر حصے میں اور ہر طبقے کی جانب سے دیے گئے تھے ۔

آبادی

ان دنوں چولا سلطنت کی آبادی کتنی تھی ، اس کے متعلق صحیح نتیجے پر پہنچنے کے لئے ہمارے پاس وسائل نہیں ہیں ۔ اس موضوع پر کوئی قابلِ اعتماد اندازہ نہ تو ہمارے کسی ہندوستانی تاریخی ریکارڈ میں ملتا ہے اور نہ کسی غیر ملکی تاریخی یادداشت میں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسی حکومت کو جو مال گزاری کی وصولی کی غرض سے اراضی کے ریکارڈ پوری صحت و تفصیل سے رکھنے پر سختی سے کاربند تھی ، اس کو کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ وہ اپنے زیرِ حکومت رہنے والی آبادی کی باقاعدہ وقفوں پر مردم شماری کرائے ۔ کیونکہ یہ بات تقریباً ناممکن ہے کہ اگر اس قسم کا دستور ملک میں رائج ہوتا تو اس کا ان ہزاروں کتبوں میں کوئی ذکر نہ ہوتا جن سے ہے اُن دنوں کی حکومت کے طریق کار کے متعلق ہمیں واقفیت حاصل ہوتی ہے ۔ اس لئے ہمیں مجبوراً اس دَور کی تاریخی دستاویزوں سے جو مبہم تاثرات ملتے ہیں انہیں پر انحصار کرنا پڑتا ہے ۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ آج کے زمانے میں بیشتر گاؤں اور قصبے جو ہمارے علم میں ہیں ، کتبوں میں کم و بیش اپنے قدیم ناموں سے موسوم ہیں ۔ ان میں سے کچھ شہر جیسے ضلع چنگل پٹ میں اُترمیرور ، ضلع تنجور میں شیندلئی اور ترووڈئی مرُدُوُر ، ضلع ترچناپلی میں ترُوُ ویرمبور اور لال گڈی وغیرہ[2] اور کچھ دیگر قصبے جو ضلع مدورا اور رتنے ویلی میں ہیں ،

واضح طور پر انہی ناموں والے موجودہ شہروں کے مقابلہ میں زیادہ گنجان آباد اور بارونق تھے۔ دوسری جانب اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ مدراس اور شاید مدورائی اور ترچنا پلی کو چھوڑ کر ان دنوں کے بڑے بڑے شہر اتنے گنجان آباد اور بڑے نہیں تھے جتنا کہ آج کے اوسط درجے کے شہر ہیں۔ انتظامیہ کے مقاصد کے لئے مرکزی حکومت کے ایک افسر کی نگرانی میں جو اوسط رقبہ ہوتا تھا وہ اپنے طول و عرض میں آج کل کے ایک تعلقے کے برابر تھا۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ خود تعلقے کا رقبہ سلف کے انتظامیہ دستور کا نتیجہ ہو۔ ان دنوں کی زراعت، صنعت و تجارت اور بری اور بحری فوج کے حالات کے متعلق اور فائدہ مند نیز زیب و آرائش کے لئے بنائی گئی عوامی عمارت پر جو محنت لگی تھی، ان کے متعلق جو شہادتیں ہمیں ملتی ہیں، اُن سے بھی ہمارے اس قیاس کی تائید ہوتی ہے کہ چولا ملک کی آبادی کثیر تھی جو اپنے کام کاج میں لگی رہتی تھی اور ملک میں امن و امان اچھی طرح قایم تھا۔ نیز شادی بیاہ اور معیارِ زندگی کے متعلق لوگوں کے نظریات میں اس وقت کے مقابلے میں کوئی زیادہ فرق نہیں تھا۔ اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں ہو سکتا کہ وجیالیہ نسل کے چولا راجاؤں کے تحت جنوبی ہند میں دُور دُور تک گنجان آبادی تھی اور سنگم کے زمانے کے مقابلہ میں یہاں کی سماجی زندگی بھی زیادہ ترقی یافتہ ہو چکی تھی۔ اسی طرح یہ بھی واضح ہے کہ آبادی کہیں بھی اتنی نہیں رہی ہو گی جتنی کہ آج برطانوی حکومت کے ڈیڑھ سو سال کے پُرامن وقفے کے بعد ہے۔ اس وقت کی صورتِ حال غالباً ایسی تھی جیسی کہ برطانوی حکومت کے قیام سے فوراً پہلے اٹھارہویں صدی کے خاتمے پر تھی۔

مختلف طبقات میں باہمی تعاون

ذات پات اور الگ الگ طبقاتی گروہوں کی تقسیم مشترکہ مقاصد کے لئے باہمی تعاون میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈالتی تھی۔ تلی چنگاڈ کے باشندوں کے الگ الگ طبقوں اور گروہوں نے جس طریقے سے "مول پروڈئی" یعنی مندر کے ایما پر مندر کی خدمات کا بوجھ مشترکہ طور پر سنبھالے رکھا اور جس طرح وہ روزانہ باقاعدگی سے دس برہمنوں کو کھانا کھلانے کی ذمہ داری نبا ہتے رہے[3] وہ عوامی مفاد کے لئے

احساس اور مشترکہ مقاصد کی تکمیل کے لئے آمادگی کی ایک روایتی مثال ہے۔ علیحدگی پسندگی اور طبقاتی رقابت کی علامات بالکل مفقود نہیں تھیں، تاہم ایسے رجحانات اچھی طرح سے قابو میں تھے۔ برہمن ضرور اس کے خواہش مند تھے کہ وہ الگ دیہی آبادیاں قائم کریں جہاں ان کی خود اپنی "سبھائیں" ہوں جہاں تک ممکن تھا وہ اپنے گاؤں کی اراضی میں دوسری ذاتوں کے حقوق کا دخل پسند نہیں کرتے تھے اور انھیں اپنے گاؤں سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ ان کے ان دونوں رجحانات کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حکومت اور عوام کی منظوری حاصل تھی[۹]

خصوصی مراعات

دوسری ذاتیں بھی اپنے لئے کچھ خصوصی مراعات حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ راج راجا اول کے عہد حکومت میں کنزادتن کوٹم کے "دیلالوں" نے کچھ مقامی ٹیکسوں سے معافی حاصل کرلی[۶] کانچی میں واقع ادیکل کے کاریگروں کو بظاہر یہ شرف حاصل تھا کہ راجندر کے عہد حکومت میں تانبے کی تختیوں پر راجہ کے فرامین وہی کندہ کرتے[۵] تھے، بالکل اُسی طرح جیسے اُتم چولا کے زمانے میں شاہی ملبوسات کانچی کے بافندگان تیار کیا کرتے تھے۔ (7)

پابندیاں

اس کے برعکس آبادی کے کچھ طبقوں کی سرگرمیوں پر بعض پابندیاں بھی عاید تھیں۔ پلائیاں نور کے "دیودان" میں "ایلوون" کو ناریل اور کھجور کے پیڑوں سے تاڑی اتارنا منع تھا[8] اس طرح کی امتیازی مراعات اور ممانعتوں سے قطع نظر جو خصوصی معاہدوں کے ذریعے منضبط کی جاتی تھیں، سماج کے ہر طبقے کے فرایض اور ان کا مقام قدیم دستور پر منحصر تھے۔ ان میں بھی بلاشبہ نئے حالات کے تقاضوں کے تحت ایک آہستہ اور غیر محسوس تبدیلی ہوتی رہتی تھی۔ کتبوں میں جو کچھ درج ہے، اُس سے ان معاشی رابطوں کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے جنھوں نے ہر پیشے اور ذات کے افراد کو اتحاد و یگانگت کے دھاگے میں پرو رکھا تھا۔ اجتماعی ذمہ داری کے

موں پر عام طور سے عمل کیا جاتا تھا۔ مختلف طبقات اپنے ممبران کے چال چلن کے ضامن بھی ہوتے تھے(۹)

مخلوط ذاتیں

کتبوں میں مخلوط ذاتوں اور ان کے فرایض کا ذکر ملتا ہے ۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ مخلوط ذاتوں "انولوما" اور "پرتی لوما" کے متعلق مفروضات محض ہمارے قانون سازوں کے تخیل کا کارنامہ نہیں تھے جیساکہ ہم اکثر سمجھتے ہیں، بلکہ مجلسی زندگی میں واقعی ان کا ایک مقام تھا۔ اس سے زیادہ قرین قیاس بات یہ ہے کہ آبادی کے کچھ خاص طبقے کچھ ایسی باتوں پر یقین کرنے لگے تھے جنھیں ہم ایک اساطیری نظام سے وابستہ کہہ سکتے ہیں۔ کچھ بھی ہو یہ مان لینا مشکل ہے کہ چار ابتدائی ورنوں کا نظام جنوبی ہند کی سماجی زندگی کے حقایق سے کبھی کوئی مطابقت رکھتا تھا۔ اس سے بھی کم قابلِ یقین یہ بات ہے کہ کچھ ذاتیں مخلوط شادیوں سے ظہور میں آئی ہیں۔ راجا کلوتنگا اوّل کے عہد کے آخری دنوں میں راجا شریا چتر ویدی منگلم کے بھٹوں نے شاستروں کی مدد سے "رتھ کاروں" کی "انولوما" ذات کے اختیار کرنے کے لیے پیشے مقرر کر دئے، مثلاً راج گیری، بگھیاں اور رتھ بنانا، "گوپوروں" کی تعمیر کرنا اور ان کے اوپر مورتیاں بنانا اور منڈپ تعمیر کرنا۔ "بلیدان" کے لئے اوزار بنانا وغیرہ وغیرہ(۱۰)۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ یہاں جو فیصلہ ضبط تحریر میں لایا گیا ہے وہ وجنانیشور کے نظریات کے عین مطابق ہے جو "متاکشرا" نامی کتاب کا مصنف اور اس عہد کا ایک ماہر قانون تھا۔ متاکشرا نامی کتاب "یاجناولکیہ سمرتی" کی مشہور تفسیر ہے۔ ۱۱۶۹ء کے ایک کتبے سے پتہ چلتا ہے کہ "رتھ کاروں" کی برادری میں لوہار، سُنار، پتھروں کا کام کرنے والے راج اور بڑھئی شامل تھے(۱۱)۔ وکرم چولا کے عہد کے دو کتبوں میں اُنکرشٹا آیوگووں، یا پٹنوانوں۔ کے طبقے کے جو حالات دئے گئے ہیں وہ اُن قانونی تصانیف سے جو موجود ہیں، خاص طور سے "متاکشرا" سے بالکل مطابقت نہیں رکھتے۔ یہ دونوں کتبے اس طبقے کی ابتدا کے متعلق نہ صرف آپس میں بلکہ یاجناولکیہ سے بھی متفق نہیں ہیں۔ "سمرتی" میں ان لوگوں کو ویش عورت سے شودر مرد

کی اولاد بتایا گیا ہے۔ ایک کتبے میں انہیں "برہم ویشیہ" کی اولاد قرار دیا گیا ہے
یعنی شاید ان برہمنوں کی جو ویشیوں کا پیشہ کرتے تھے۔[12] جبکہ دوسرے کتبے میں ایک
سنسکرت شلوک کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ "آیوگوا" کھشتریہ عورت سے ویش
مرد کی اولاد ہے۔[13] مجموعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کو "پرتی لوما" ذات کا مان
لیا گیا تھا۔ ان کا پیشہ کپڑا بننا تھا اور اُپ نین اور دیگر گھریلو رسومات کے لئے نیا کپڑا
مہیا کرنا، تیوہاروں کے دوران مندروں کے "دھوج پتاکاؤں" کے لئے کپڑا
فراہم کرنا اور دیوتاؤں، برہمنوں اور راجاؤں کے لئے عام طور پر مطلوب سوت کی
بنی ہوئی سبھی چیزیں تیار کرنا ان ہی کا کام تھا۔ سنہ 1127ء میں اس ذات کے کچھ کتبوں نے
تربھوونی میں کچھ "اڑائیلی" اراضی قبول کر لی اور اس کے عوض چند خاص خاص
موقعوں پر کپڑے کی ایک مقررہ مقدار مقامی مندر کے لئے فراہم کرنے کا ذمہ لیا۔
انھوں نے مندر کے "شری ویشنووں" کو یہ اختیار دے دیا کہ اگر وہ اس معاہدہ کی
خلاف ورزی کریں تو اُن کے گھروں کی ناکہ بندی کر سکتے ہیں، انہیں قید کر سکتے ہیں۔
اور معاہدے کی تعمیل کے لئے انھیں پابند کرنے کی خاطر تمام ضروری اقدامات کر سکتے ہیں۔[14]
اگلے ہی برس سنہ 1128ء میں اس برادری کے 20 خاندان پانچ مختلف موضعات سے
ہجرت کر کے تروکنا پورم میں جا بسے اور وہاں کے "برہم دیہ" گاؤں اور اس کے
مندر میں ملازمت اختیار کر لی۔ ان کی وہاں آبادکاری کی شرائط کے تحفظ کا ذمہ دار
"مہاسبھائی ایلائمبدنار" کو "مہاسبھا۔ 35" کو اور اٹھارہ ناڈووں کے "شری
ویشنووں" کو بنایا گیا۔ (15)

کردوور اور پیرور سے دستیاب ہونے والے کتبوں میں وینگل ناڈو اور تینگونگو
کے "کمالروں" (پتھر کی چنائی کرنے والے معماروں) اور دوسرے مقامات پر
رہنے والے کاریگروں کو دی گئی مراعات کا اندراج ملتا ہے۔[14] یہ مراعات ایک
چولا شہنشاہ نے عطا کی تھیں جس کے نام کا پتہ نہیں چل سکا کیونکہ اس کا ذکر محض
کونیرآن مائیکونڈان کے لقب سے کیا گیا ہے۔ مذکورہ مراعات یہ تھیں: گھروں
میں خوشی یا غمی کے مواقع پر دوہرا سنکھ بجانا، ڈھول بجانا، گھر سے باہر جاتے
ہوئے کھڑاؤں پہن لینا، اپنے گھروں کی دیواروں پر چونے کا پلاسٹر کرنا؛ ان

مراعات میں دو منزلہ مکانات بنانا، اُن کے دوہرے دروازے رکھنا اور اپنے گھروں کے سامنے کے حصے کو کنول کے پھولوں سے آراستہ کرنا بھی شامل تھے۔[17]

دائیں بازو اور بائیں بازو کی ذاتیں

جنوبی ہند کی سماجی تقسیم کی کوئی بھی تصویر اس وقت تک نامکمل رہے گی جب تک اُس میں ملک کی صنعتی آبادی کی اس موٹی تقسیم کا ذکر نہیں کیا جائے گا، جو دو حصوں پر مشتمل تھی، دایاں بازو اور بایاں بازو۔ یعنی "ولنگئی" طبقہ اور "اڈنگئی" طبقہ۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے میں انہی دونوں طبقوں کے تنازعات سے مدراس میں خون خرابے کا خطرہ رہا کرتا تھا۔ اس تقسیم کی ابتدا کے بارے میں کچھ معلوم نہیں[18]۔ قصے کہانیوں میں اس کا بانی راجا کریکال چولا کو کہا جاتا ہے۔ زیادہ قرینِ قیاس یہ ہے کہ اس تقسیم کا ذمہ دار ایک خاص واقعہ ہے۔ جب یہ دونوں طبقے اپنے تنازعات ایک چولا شہنشاہ کے سامنے لائے، ایک فریق راجہ کے دائیں طرف کھڑا ہوا اور دوسرا بائیں طرف[19]۔ فوج کی بہت سی پلٹنیں راج راجا اول کے عہد میں ولنگئی زمرے میں شمار کی جاتی تھیں[20] اور اس طبقے کا ذکر راجندر اول کے تیسرے سال حکومت کے اُس کتبے میں بھی موجود ہے جو ترودشلور سے ملا ہے[21]۔ مہاراجہ کلوتنگا اول کے عہد میں دائیں اور بائیں بازو کی ذاتوں کے مابین ایک تصادم کے نتیجے میں راج مہندر چترویدی منگلم نامی ایک گاؤں کو آگ لگا دی گئی جو ضلع تنجور کے پاپ ناشم تعلقہ میں واقع ہے۔ اس گاؤں کی تمام متبرک عمارات کو مسمار کر دیا گیا اور ڈاکوؤں نے مندر کا خزانہ بھی لوٹ لیا۔ جو املاک بچ گئی وہ بھی مندر میں محفوظ نہ تھیں۔ اس گاؤں کی از سرِ نو آبادکاری کے لیے مقامی سبھا نے پچاس "کلنجو" کا قرضہ لیا جس میں خالص ہونے کی مقدار "راجندر شولن ماڈئی" کی نسبت نصف "ماتو" کم تھی۔ یہ رقم ایک برس کا سود شامل کر کے 75 کلنجو ہو جاتی تھی۔ اسی رقم میں سے پانچ کلنجو اس عہدِ حکومت کے تیسرے برس میں مندر کی تجدید اور تعمیرِ نو پر خرچ کیے گئے اور باقی ماندہ رقم مندر کے لئے کچھ اراضیات خریدنے اور انھیں لگان سے مستثنےٰ کرانے پر خرچ

کی گئی۔ وہ کتبہ جس میں ان اراضیات کا ٹیکس معاف کرنے کا فیصلہ درج ہے گلوتنگا اول کے گیارھویں سال حکومت کا ہے۔ یہ کتبہ کچھ نامعلوم وجوہ کی بنا پر شری رنگم میں نصب کیا گیا۔(۲۱ الف) گلوتنگا سوم کے عہد حکومت کا ایک عجیب سا کتبہ ہمارے علم میں آیا ہے جس میں "اِڈنگئی" ذاتوں کی اصل کے متعلق اب تک جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کا سب سے پرانا تذکرہ درج ہے[22]۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ان کی پیدائش کشیپ رشی کے یگیہ کی حفاظت کے لئے اگنی کنڈ سے ہوئی ہے اور یہ کہ وہ شہنشاہ ارِندما کے عہد میں چولا ریاست میں آن کر بسے تھے۔ اِس شہنشاہ نے مقدس برہمنوں کی ایک بڑی تعداد انتر ویدی سے اپنی ریاست میں بلا کر آباد کروائی۔ ان برہمنوں کے ساتھ "اِڈنگئی" ذات کے لوگ ان کے پاپوش برداروں اور چھتری اٹھا کر چلنے والوں کی حیثیت سے آئے۔ انہیں پانچ دیہاتوں میں کچھ زمین مل گئی۔ یہ سب گاؤں اب ضلع ترچناپلی میں ہیں۔ یہ لوگ طویل عرصے سے اپنی اصل کو بھول چکے تھے لیکن 1128ء میں یکایک انہیں اس کی یاد آگئی۔ تب انھوں نے ایک باہمی سمجھوتہ کیا کہ وہ آئندہ اپنے کو ایک ہی باپ کی اولاد سمجھیں گے اور اگر "اِڈنگئی" برادری کے خلاف کوئی تحقیر آمیز برتاؤ کیا جائے گا تو وہ متحد ہو کر اپنے حقوق منوانے کی کوشش کریں گے حتیٰ کہ وہ انہیں حاصل کرلیں۔ یہ بھی طے ہوا کہ صرف وہی اشخاص جو فرقہ وارانہ جھگڑوں کے فیصلے کے لئے منعقد ہونے والی پنچایتوں میں سینگ سنکھ اور چھتر کے نشانات (برد) کی نمائش کریں گے، ان کی ذات کے افراد سمجھے جائیں گے۔ آئندہ ان کی شناخت ان کے ان امتیازی نشانوں سے کی جائیگی۔ سارس کے پر اور کھلے ہوئے بال۔ نرسنگھا اور سنکھ بھی ان کے سامنے اسی طرح سے بجانا لازم ہوگا جس طرح سے "اڈنگئی" لوگ بجاتے ہیں۔ جو افراد ان قواعد کی خلاف ورزی کریں گے، ان کے ساتھ ذات کے دشمنوں کا سا سلوک کیا جائے گا۔ جو افراد "اِڈنگئی" کے لئے وضع کردہ قوانین سے انحراف کریں گے، انہیں برادری سے خارج کر دیا جائے گا اور انہیں "شرتی مان" تسلیم نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ دشمن ذاتوں کے غلام تصور کئے جائیں گے۔ یہ کتبہ اڈتُور اور ترُوپنلی میں اس علاقے کے "شرتی مانوں" نے کندہ کروایا تھا۔ آڈتورئی سے ملے ہوئے ایک بعد کے کتبے میں "اِڈنگئی" ذات

کی اٹھانوے گوتیں مذکور ہیں۔[23] اس کتبے میں وہ مشکلات بھی درج ہیں جو ان گوتوں کو دنیا مزارعوں اور برہمن اور ویلال زمینداروں کے ہاتھوں پیش آئیں جن کی پشت پناہی سرکاری اہل کار کر رہے تھے۔ 1227ء میں بلاڈ جو 79 ناڈوؤں پر مشتمل تھا، کے گیارہ ناڈوؤں کی "ناٹور" نے ورنجرم میں واقع "تردونجرم اُڈئیار" کے مندر میں اپنا اجلاس منعقد کیا۔ ورنجرم ضلع جنوبی ارکاٹ کے تعلقہ کال کرچی میں واقع ہے۔ یہ اجلاس اس غرض سے بلایا گیا تھا کہ "اِڈنگئ" کے زمرے میں "ملایامکل" اور "نتامکل" نامی دو ذاتوں کو داخل کرلیا جائے اور ہمیشہ کے لئے اس فیصلے کا احترام کرنے کی قسم کھائی جائے۔ علاقے کے دوسرے "اِڈنگئ" لوگوں کو بھی یہ قسم کھانا تھی۔ یہ علاقہ اِڈنگئ تنتم کے نام سے موسوم تھا۔ آبادی کے دو طبقوں کے مابین ایک پوشیدہ لیکن گہری عداوت کا، جس کے باعث ان دونوں میں بعد کے وقتوں میں اکثر کھلم کھلا جھگڑے ہو جاتے تھے، یہی آغاز تھا۔ کانچی پورم میں "ونگئ" اور "اِڈنگئ" دونوں ذاتوں کے لوگ نہ تو ایک مندر میں عبادت کرتے تھے اور نہ مذہبی مقاصد کے لئے ایک ہی عمارت کو استعمال کرتے تھے۔[24] اِس تفرقے کا اثر قحباؤں اور رقاصاؤں پر بھی پڑتا تھا۔ (25)

ذاتی نام

افراد کے ناموں سے اکثر ان کے سماجی مرتبے کا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا مثلاً ارنجمادیوا اڈِگل خود مہارانی نہیں تھی جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ وہ محض مہارانی کی کنیز (پینڈائی) تھی اور اس کی بیٹی جو اردمولی دیون نامی کسی شخص کے ساتھ بطور داشتہ رہتی تھی، بھٹن گندھرادتی کے نام سے موسوم تھی۔[26] ایسا لگتا ہے کہ تعداد و شمار سے تعلق رکھنے والے ہندسوں والے نام مثلاً منوڑون، اِیرائی رون وغیرہ ہر طبقے کے لوگ رکھ سکتے تھے۔

عورتیں

سماجی زندگی اور اس کی سرگرمیوں میں عورتوں پر کوئی پابندی عاید نہیں تھی،

اگرچہ شرم و حیا خواتین کے اوصاف میں اعلیٰ ترین وصف سمجھا جاتا تھا۔ کتبات میں اعلیٰ طبقوں کی ایسی خواتین کی متعدد مثالیں موجود ہیں جو جائیداد اور املاک کی خود مالک تھیں اور وہ ان کو حسبِ مرضی منتقل کرسکتی تھیں ۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ شاہی خاندان کی بعض شہزادیوں کا حکمران راجاؤں کی حکومت کی پالیسی پر بے حد اثر تھا۔ اگرچہ راجہ اور امراء ایک سے زیادہ بیویاں کیا کرتے تھے ۔ تاہم عام رواج ایک ہی شادی کا تھا۔ ایسے دھندوں میں جہاں کم ہُنرمند مزدوروں سے کام چل سکتا تھا عورتوں کا مزدوری کرنا ایسے ہی رائج تھا جیسے کہ آجکل ہے ۔

ستی کا رواج کم تھا

اکثر کتبوں میں عورتوں کے اپنے شوہر کی چتا پر ستی ہونے کا ذکر آیا ہے ۔ لیکن ایسے حوالے کم ہیں۔ لہٰذا اس کو چولوں کے زیرِ حکومت تامل خطے کا عام رواج تصور نہیں کیا جا سکتا۔ بتایا گیا ہے کہ ویر شولا النگو ویلار کی بیوی گنگا دیویار نے اپنے شوہر کی چتا میں بیٹھنے سے پہلے ایک چراغ کا عطیہ دیا تھا۔(27) یہ واقعہ شاید راجا پرانتکا اول کے عہد کے ابتدائی دنوں کا ہے ۔ ترووالنگاڈو کی تختیوں(28) میں واناون مہادیوی کی مثال ملتی ہے ۔ جو شہنشاہ سندر چولا کی مہارانی تھی ۔ اس سے قبل کے ایک تامل کتبے میں جو اس مہارانی کے نامور بیٹے راجا راجا اول عہد کا ہے، ستی کا یہ واقعہ زیادہ مفصل طور پر درج ہے۔(29) ان کتبوں کی عبارت اور اس بات سے بھی کہ کسی اور چولا رانی کے ستی ہونے کی مثال نہیں ملتی، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ واناون مہادیوی کے اقدام کی تعریف تو کی گئی لیکن کسی نے اس کی نقل نہیں کی۔ امراء اور عوام الناس کے طبقوں سے تعلق رکھنے والی تین عورتوں کے ستی ہونے کی مثالیں ریاست میسور سے بھی ملی ہیں۔ 1057ء میں ایک شخص نے کشتیوں کے ایک مقابلے میں راجہ کے ایک رشتے دار کو جان سے مار دیا۔ لہٰذا اُسے سزائے موت دی گئی۔ اس کی بیوی دیکبے جو ننک ناڈ کے ایک جاگیردار کی بیٹی تھی اپنے والدین کی شدید مخالفت کے باوجود اپنے شوہر کے ساتھ ستی ہوگئی۔ یہ تمام روداد "کاویہ" کے طرز پر لکھی ہوئی ایک دردناک کنڑ نظم میں بیان کی گئی ہے ۔ (30)

باقی دو مثالیں 1067ء اور 1068ء کی ہیں۔ ان میں سے ایک تو حقیقی واقعہ کے طور پر درج (31) ہے لیکن دوسری کا ذکر مرنے والوں کے بیٹے کی جانب سے اُن کی روح کی شانتی کے لئے دئے گئے ایک عطئے کا ذکر کرتے ہوئے ضمناً کیا گیا ہے۔(32) ریاست میسور سے 1058ء کی ایک مثال ملی ہے جس میں ایک شخص نے اپنے بیٹے اور اس کے ساتھ ستی ہو جانے والی اپنی بہو کی موت کا سوگ منایا ہے۔(33) جنوبی ارکاٹ سے دیر راجندر کے عہد کا ایک کتبہ ملا ہے جس سے ان متضاد جذبات کا پتہ چلتا ہے جو ایک طرف تو جل مرنے کی جسمانی اذیت اور دوسری طرف فرض کی ادائگی کے ایک غیر انسانی معیار پر پورا اترنے کی شدید آرزو سے عورت کے دل میں پیدا ہوئے ہیں۔ وہ اقرار کرتی ہے کہ اگر وہ اپنے شوہر کی موت کے بعد زندہ رہی تو وہ اس کی دوسری بیویوں کی خادمہ بن کر رہ جائیگی۔ وہ اُن لوگوں کو کوستی ہے جو اس جل مرنے سے احتراز کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، بلکہ وہ ان لوگوں کو بھی بُرا بھلا کہتی ہے جو آگے بڑھ کر اُسے باندھ کر چتا کی آگ میں نہیں پھینکتے۔ یہ لعن طعن اتنا دردناک ہے کہ یہاں اسے نقل نہیں کیا جا سکتا۔(34) ایسے کتبے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں عام طور پر ماحول ستی کی رسم کے حق میں نہیں تھا۔

بیسوائیں

بیسواؤں کے طبقے کا ہندوستانی سماج میں ہمیشہ سے اہم مقام رہا ہے۔ عہدِ عتیق ہی سے رقاصہ سماج میں ایک باعثِ کشش ہستی رہی ہے۔ اس کا عوام کے سامنے آنا بالعموم مذہبی تیوہاروں کے موقعوں پر ہوتا تھا۔ وہ مردوں سے ملنے میں آزاد تھی اور سماج کے ان ضوابط کی پابند نہیں تھی جو گھریلو عورتوں کے لئے مخصوص ہوتے تھے۔ اس کی نجی صحبت صرف منتخب احباب ہی کو حاصل ہوتی تھی جن کے انتخاب میں جتنا جذباتی لگاؤ کارفرما ہوتا تھا اتنا ہی کسب زر کی ہوس کو بھی اس میں دخل ہوتا تھا۔ اگر ہم لٹریچر اور کتبوں کی روشنی میں دیکھیں تو جس تعصب سے اس ادارے کو ہمارا سماجی ریفارمر دیکھتا رہا ہے اس کا ہمیں کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ دراصل ہمارے ریفارمروں کے نظریات مجبور و لاچار عورتوں اور لڑکیوں کی اس بے رحمانہ تجارت کو دیکھ کر قائم

ہوتے ہیں جسے آج کل کے بڑے بڑے شہروں میں کافی فروغ ملا ہے۔ قسمت ور بیسوائیں ان دنوں میں ایک آرام اور انبساط کی زندگی بسر کرتی تھیں اور اپنی یونانی بہن "ہیٹیرا" کی مانند ان افراد کی تفریح کا باعث ہوتی تھیں جو اس کی قیمت ادا کر سکتے تھے۔ اگر وہ اتنی خوش قسمت نہیں تھیں تو وہ مندر کی داسیوں میں شمار ہوتی تھیں جو کسی بھی اجنبی راہ گیر کو جنسی آسودگی دیتے ہوئے یہی سمجھتی تھی کہ وہ عبادت کا کام کر رہی ہے۔ مسلمان مصنفوں کی تحریریں متفقہ طور پر اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ ان بیسواؤں کی آمدنی مندروں میں پوجا کے مصارف چلانے کے لئے پجاریوں اور مندر کے دیگر منتظمین کے حوالے کر دی جاتی تھی[35]۔ لیکن چونکہ ان مسلم مصنفین میں اپنے پیشروؤں کے بیانات کو بغیر تنقید دہرانے کا رجحان پایا جاتا تھا، ہمیں ان کی گواہی پر فوری یقین نہیں کر لینا چاہیئے، کیونکہ ان کی شہادتوں کی تصدیق وطنی ذرائع سے نہیں ہوتی۔

بے شمار کتبات میں عوامی فلاح کے متعدد کاموں کے لئے جو عطیات ان بیسواؤں نے دئے تھے، ان کا ذکر آیا ہے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ قدیم چولا سلطنت میں بیسواؤں کو ایک بلند سماجی مقام حاصل تھا اور ان کے عوامی فلاح کے جذبات کا مقامی اختیار لوگوں کی جانب سے جو اعتراف ہوتا رہا، اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ ترووَدریور کے سنہ 1050ء کے ایک کتبے میں چترَل چتری نامی ایک "دیورڈیال" (بیسوا) کو ناگن پیرُن گاڈن کی زوجہ (اہمودایال) بھی بتایا گیا ہے[36]۔ ایک اور رقاصہ کی شادی کا ذکر کلوتنگا سوم کے عہد کے ایک کتبے میں آیا ہے[37]۔ یہ رقاصہ ضلع تنجور کے ایک مندر سے منسلک تھی۔

غلامی

چولا عہد کے لٹریچر سے یہ صاف واضح ہے کہ آبادی کا ایک خاصہ بڑا حصہ بالخصوص کھیت مزدوروں کا ایسی حالت میں بسر اوقات کرتا تھا جو غلامی سے بہتر نہ تھی۔ متعدد کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نجی املاک کی سب سے گھناؤنی قسم یعنی انسانوں کی صورت میں جائداد بھی غیر موجود نہیں تھی، جنھیں کھلے بندوں دوسرے لوگ اُن کی اپنی خواہش کے خلاف خریدتے اور بیچتے تھے۔ آزاد مرد اور عورتیں مختلف وجوہ سے غلامی میں پھنس

جاتے تھے ۔ ان غلاموں کے بھی مختلف درجے تھے ۔ کتبوں میں انسانی فروخت کی بیشتر مثالیں مندروں کے ہاتھ بیچے گئے افراد کی ہیں ۔ بعض مرتبہ تو یہ فروخت رضاکارانہ ہوتی تھی ۔ دو عورتوں نے اپنے آپ کو مع اپنے متوسلین اور اقارب کے ضلع تنجور کے ایک مندر کے پاس فروخت کر دیا تھا ۔ (38) ایسی مثالوں میں دینی جذبہ اقتصادی مقصد سے زیادہ غالب ہوتا ہوگا ۔ لیکن جب کوئی شخص چھ افراد کو ایک ہی سال کے دوران ایک ہی مندر کے ہاتھ تیرہ کاشو کی رقم کے عوض فروخت کر دے ، تو ایسے سودے میں نہ تو مذہبی نوعیت کی جھلک ملے گی اور نہ ہی رضاکارانہ جذبے کی ۔ (39) اس سے کچھ سال قبل کی ایک اور مثال کتبوں میں درج ملتی ہے جب اُسی مقام پر آٹھ افراد اور فروخت کئے گئے اگرچہ ان کی قیمت فروخت نہیں بتائی گئی ۔ (40) ان سب کتبوں پر ایک غیر معروف چولا راجہ کے عہد حکومت کی تاریخ درج ہے ۔ 948ء کے لگ بھگ نندی درمن منگلم نامی گاؤں کے ایک " مدھیستھ " نے وائلور ، ضلع ترچناپلی کے ایک مندر کو " ترو پر یُم " گانے کے لئے اور بھگوان پرمیشور کی کورپتا ، چنوری بردار کے طور پر خدمت بجا لانے کے لئے تین عورتیں نذر کیں ۔ ان سے چھ برس پہلے یہ عورتیں بطور " کلال " (؟ 40 الف) حاصل کی تھیں ۔ ایک اور کتبے میں جو راجا راجا اول کے سترھویں سال حکومت یعنی 1002ء کا ہے اور ترو وڈنڈئی (ضلع چنگل پٹ) سے ملا ہے ، بتایا گیا ہے کہ مچھیروں کے بارہ کنبوں نے خود کو شری وراہ دیو کے مندر کے حوالے کر دیا ۔ ایسا انھوں نے اپنے علاقہ میں تعینات دو افسروں کے ایماء پر کیا تھا جو " ناڈو کنکاچی " اور " ناڈو وگئی " کے عہدوں پر کام کر رہے تھے ۔ جن بارہ اشخاص کے نام اس کتبے میں دئے گئے ہیں ، ان کے کنبوں نے اپنی ماہی گیری اور پارچہ بافی کی آمدنی میں سے پون ($\frac{3}{4}$) کلنجو سونا مندر کو ادا کرنے اور مندر کے دو سالانہ تیوہاروں کے منانے میں مدد دینے کا ذمہ لیا ۔ ان میں سے ایک تیوہار تو ہفتہ بھر جاری رہتا تھا اور اس کا اختتام " آونی " مہینے کے " شدایم " کے دن ہوتا تھا جو راجہ کا یوم ولادت تھا ۔ ترو وڈنڈئی کی " سبھا " اور " اُور " نے ذمہ لیا کہ وہ مذکورہ بارہ خاندانوں اور ان کی اولاد کو اپنی ان ذمہ داریوں کو نباہنے کا سختی سے پابند کریں گے ۔ (41) اس خودسپردگی کی شرائط مجموعی طور پر نرم تھیں

اور انھیں غلامی نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ ان شرائط میں سپرد شدہ خاندانوں کے لئے کچھ خصوصی مراعات بھی شامل تھیں جیسے کہ تیوہار کے دنوں میں "پرسادم" (یعنی نذر شدہ خوراک) حاصل کرنا۔ لیکن اس خود سپردگی کی موروثی نوعیت، پھر اس میں دوسرکاری افسروں کا کردار، "اور سبھا" اور "اُور" کی جانب سے یہ ذمہ داری کہ وہ طے شدہ شرائط کی سختی سے پابندی کروائیں گی، اس بات کا ثبوت ہیں کہ "پٹنادر" (ماہی گیروں) کے ان ایک درجن کنبوں نے ان انتظامات کو برضا و رغبت منظور نہیں کیا ہوگا۔ سنہ 1129ء میں شہنشاہ کلوتنگا اوّل نے حکم دیا کہ کالی بستی کے مندر کے چند "دیورادیاروں" کو جنھیں غلطی سے محل کی ملازمت میں دے دیا گیا تھا، مندر کی ملازمت میں واپس کر دیا جائے۔ ان لوگوں کو شہنشاہ کی مہر سے داغا گیا تھا۔ اب شاہی مہر کو مٹا کر ان کے جسموں پر ترشول کی مہر داغی گئی جو مندر کی ملازمت کی علامت تھی۔(42) سنہ 1119ء میں ترودلم میں بانوپورم کے "ویلکل" (تیر اندازوں) میں سے ایک نے اپنے کنبے کی کچھ مستورات کو "ترشول" کے نشان سے داغ کر "دیورادیار" (دیوداسیوں) کے طور پر دان دے دیا تھا۔(43) راجادھیراج دوم کے عہد حکومت کے دوران سنہ 1175ء میں چار عورتوں کی فروخت کا ذکر درج ملتا ہے۔ یہ عورتیں ترودالنگاڈو کے مندر کو سات سو کاشو کے عوض فروخت کی گئی تھیں۔(44) چونکہ کاشو لفظ مختلف مالیت کے سکّوں کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے، لہٰذا اس قیمت فروخت کا ان قیمتوں سے مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہے جو متذکرہ بالا کتبوں میں سے کچھ میں درج پائی گئی ہیں۔ ترووالنگاڈو (ضلع تنجور) سے دستیاب شدہ ایک کتبے میں(45) جس کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہو سکی کچھ ایسے حقایق کا ذکر ملتا ہے، جس سے غلامی کی عام موجودگی اور غلاموں سے کئے جانے والے سلوک کی نشاندہی ہوتی ہے۔ واتّرادرایار نامی ایک شخص کے بہت سے غلام تھے۔ ان میں سے کچھ غلام تو اس کے اپنے تھے اور کچھ اس کی بیویوں کے ساتھ جہیز میں آئے تھے۔ اپنی بیویوں کی رضامندی سے اس نے کچھ غلاموں کو مقامی مندر کے ہاتھ بیچ دیا جس نے ان کو اپنے مٹھ (منڈاڈی مائیگل) میں بطور غلام کام کرنے کے لئے خرید لیا۔ ایک بیعنامہ کی شرائط اور شاہی فرمان (راج سادنا) کے مطابق مندر کے "مہیشوروں" اور مختاروں نے اس سودے کو ایک

جرے کتبے پراگندہ کیا۔ غلاموں کے جسموں پر ترشول کا نشان داغنا اور کچھ مخصوص فرائض ان کے سپرد کرنے کا، نیز فرض کی تعمیل میں کوتاہی کی صورت میں انہیں سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ آگے چل کر کتبے میں لکھا ہے کہ کچھ عرصہ بعد بعض غلاموں نے مندر کے "ستھاناتار" کی حکم عدولی کی اور شر پسندانہ طور طریقے اختیار کئے۔ تب سارا معاملہ مندر اور مٹھوں کی عظیم مجلس کے روبرو رکھا گیا۔ کتبے کی عبارت کے درمیان کچھ جگہیں خالی ہونے کے باعث مجلس کے فیصلے کا صاف پتہ نہیں چلتا۔ دراصل یہ غلام اگر اپنی زبوں حالی پر صابر رہتے تو ان کا شمار انسانوں سے کسی اونچی صف میں ہوتا۔ نیز چونکہ غلامی کا دستور صرف مندروں تک محدود نہیں تھا اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تمام غلام اپنی زندگی کو خدائی خدمت سمجھ کر دل کو تسلی دے لیتے تھے۔ ہمارے سامنے کچھ ایسی مثالیں بھی ہیں جہاں غلامی مفلسی کے باعث اختیار کی گئی تھی۔ قحط کے دنوں میں بے یار و مددگار لوگ موت سے اسی وقت بچ سکتے تھے جب وہ خود کو بیچ دیں اور بعض مرتبہ وہ مستقبل میں پیدا ہونے والی اولاد کا بھی سودا اپنی زندگی بچانے کے لئے کر لیتے تھے۔ صرف مندروں نے اپنے غلاموں کی جماعت میں لوگوں کے برضا و رغبت داخل ہونے کا ریکارڈ چھوڑا ہے۔ لیکن ہم یہ یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ دولت مند اور طاقت ور افراد اپنے مقابلتاً کم خوش قسمت بھائیوں کی ضرورت مندی کا فائدہ نہیں اٹھاتے ہونگے۔ (47)

اجرتیں اور قیمتیں

اجرتوں اور قیمتوں کے متعلق کتبوں میں دئے ہوئے اعداد و شمار سے ہمیں محنت کشوں کے مختلف زمروں کی اقتصادی حالت کا کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔ (48) لوگوں کے معیار زندگی کے متعلق کوئی عام بیان نہیں دیا جا سکتا۔ اور نہ ہم لوگوں کے معیاروں اور پسند میں بتدریج رونما ہونے والی تبدیلیوں کا سراغ لگا سکتے ہیں۔ ہماری معلومات کے وسائل اتنے وسیع اور صحیح نہیں کہ ہم اس طرح کی کوشش میں کامیاب ہو سکیں۔ ذیل میں کی جانے والی بحث میں ہم گاؤں کے مستقل ملازمین اور ان دوسرے لوگوں کو شامل نہیں کر رہے ہیں جو خدمتی معافی دار یا موروثی کاشت کار تھے۔ اسی طرح کمین، رعیت اور غلام بھی اس بحث سے خارج ہیں۔

عام مزدوروں کی اُجرتوں کا اندازہ مندرجہ ذیل مثالوں سے کیا جاسکتا ہے۔ مدراس کے عجائب گھر میں رکھی ہوئی اتم چولا کے عہد کی تختیوں میں ایک چوکیدار کی اُجرت ایک کرُونی یومیہ اور اس کے لباس کے لئے معاوضہ دو کلنجو سالانہ بتایا گیا ہے اور مالی کی مزدوری چھ "نالی" یومیہ اور اس کے علاوہ سالانہ بھتہ نصف کلنجو درج ہے۔ ۹۶۰ء کے لگ بھگ لال گڈی (ضلع ترچناپلی) میں کھدائی کی شرح فی کا شو پچاس "کلی" تھی۔ ایک "کلی" کا حجم اندازاً ۱۰×۱۰×2½ مکعب فٹ ہوتا تھا۔[49] ضلع جنوبی ارکاٹ کے کلیانور گاؤں میں سبھا کا اجلاس بلانے کے لئے بگل بجانے والے کو 1001ء سے گاؤں کے خرچ پر دی جانے والی اجرت (نوندم) صرف دو وقتوں کا کھانا کر دی گئی تھی اور اس کے علاوہ اُسے اپنے ذاتی استعمال کی وہ اشیاء بھی فراہم کر دی جاتی تھیں جو گاؤں ہی میں فروخت ہوتی تھیں۔[50] 1018ء میں نتم (ضلع چنگلی پٹ) میں ایک لکڑہارے کی یومیہ مزدوری چار "نالی" دھان[51] تھی۔ ایک برہمن رسوئیے کی یومیہ اجرت بھی یہی[52] تھی۔ شہنشاہ راجندر اوّل کے زمانے میں تروٹکوڈل میں ایک پالکی بردار کی مزدوری چار "نالی" دھان ہوا کرتی تھی۔[53] ظاہر ہے کہ یہ پورے دن کی اجرت نہیں تھی۔ کیونکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسی مقام پر اور اسی زمانے میں باغوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو دس "نالی" دھان کی یومیہ اُجرت ملتی تھی۔[54] اُجرت کا یہی نرخ شہنشاہ راجا دھیراج اوّل کے ایک کتبے میں دیا گیا[55] ہے مگر یہاں یہ ایک کنبے کی اجرت کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ پانی اٹھا کر باغوں اور کھیتوں کی آبپاشی کرنے والوں، پھول جمع کرنے والوں اور اسی طرح کے دیگر کاموں کے لئے 1030ء میں تروواماتور (ضلع جنوبی ارکاٹ) میں مرد آٹھ نالی (دھان) فی کس پاتے تھے۔ عورتیں جنھیں پھولوں کے ہار پرونے کے کام پر لگایا جاتا تھا، اس کا نصف پاتی تھیں۔[56] راجا دھیراج اوّل کے عہد میں تروونکاڈو میں ایک رسوئی گھر میں تعینات کچھ عورتوں کی اجرت دو نالی (دھان) یومیہ[57] تھی۔ تروودیاور میں 1072ء میں ایک عوامی سبیل پر پانی پلانے والے ایک آدمی کو دو کا شو سالانہ کے علاوہ ایک "کرونی" یومیہ اجرت دی جاتی[58] تھی۔ 1113ء میں کڈومیاملی میں ایک کمہار اور ایندھن مہیا کرنے والے کی یومیہ اجرت دو نالی بتائی گئی ہے جو مقابلتاً بہت کم

ہے۔ لیکن یہ شرح بلاشبہ جزوی کام کی مزدوری کی ہے[59]۔ دن کے باقی حصے میں آدمی کہیں اور کام کرکے مزید اجرت کمانے کے لئے آزاد ہوتا تھا۔

ایسے کام دھندوں کی اجرت مقابلتاً زیادہ ہوتی تھی جس میں کسی پیشہ ورانہ تربیت یا مہارت اور خاص قسم کے اوزاروں اور آلات کی ضرورت ہوتی تھی۔ ترووِیل اڑیچاکئی نامی ایک شخص کو ایک کوتو کے لئے جو ایک طرح کا ناچ تھا، دو "کلم" دھان کی شرح سے معاوضہ ادا کیا جاتا تھا۔ اور راجہ آدتیہ دوم کے زمانے میں اسے ایک ہی مندر میں سال بھر میں اس طرح کے سات ناچ دکھانے کا موقع تھا[60]۔ غالباً اسے دوسرے مقامات پر بھی مزید کام کرنے کی آزادی تھی۔ اس کے ساتھ ہم اس معاوضے کا مقابلہ کر سکتے ہیں جو شہنشاہ راج راجا اول نے تنجور کے عظیم مندر کے ارد گرد ناچنے والی چار سو رقاصاؤں کے لئے ایک سو کلم سالانہ فی کس کے حساب سے مقرر کیا تھا۔ مزید براں ایک مکان بھی مستقل طور پر ہر رقاصہ کے نام کر دیا گیا تھا[61]۔ اسی مندر میں "ترو پدیم" گانے کے لئے پچاس موسیقاروں کی جو جماعت اس راجہ نے تعینات کی تھی، ان کی اجرت فی کس تین "کرونی" یومیہ تھی[62]۔ تنجور کے ایک اور کتبے میں اسی راجہ کی مقرر کردہ ایک اور اُجرت کی شرح بھی قابلِ توجہ ہے۔ راجہ کے مقرر کردہ نرخ کے مطابق[63] مندر میں سیوا کرنے والے ہر ایک مانی (برہم چاری) کو ایک "پدکو"، (۱۶ نالی) دھان یومیہ دیا جاتا تھا اور اس کے علاوہ چار کاشو (دو کلنجو) سونا سالانہ اور بھی ملتا تھا[64]۔ ان برہم چاریوں میں سے دس کو جنھوں نے دائمی طور پر مندروں کی ملازمت میں رہنے کا اقرار کیا تھا، دھان کی ایک کرونی (۸ نالی) یومیہ مزید اجرت دی جاتی تھی۔ بیس دوسرے "مانی"، (برہم چاری) جو بظاہر پھولوں کے گجرے پروتے تھے، ایک "پدکو" روزانہ اجرت پاتے تھے اور اس کے علاوہ پانچ کاشو سالانہ بھی۔ مندر کے ایک محاسب کو ۲۰۰ کلم دھان سالانہ ملتا تھا اور اس کے نائب کو پچھتر کلم جو بالترتیب $6\frac{2}{3}$ کرونی دھان یومیہ پڑتا ہے۔ ایک اور منیم جو پیریا کوڑ وکئی ضلع تنجور کے غالباً چھوٹے مندر سے وابستہ تھا، راج راجا سوم کے زمانے میں ڈیڑھ "کرونی" دھان روزانہ اجرت پاتا تھا[65]، ترودوریور کے ۱۰۳۸ء کے ایک کتبے میں لکھا ہے[66] کہ مندر میں دو پھولوں کے گجرے بنانے والے دس "نالی"، دھان فی کس یومیہ پر رکھے

گئے تھے۔ نیز کیڑوں کے لئے ان کو سالانہ ڈیڑھ کلنجو سونا فی کس دیا جاتا تھا۔ ستو تروں اور ویدوں کے پاٹھ کے لئے چار برہمن فی کس بارہ نالی (یعنی ایک کرونی 4 نالی دھان) یومیہ اور کپڑوں کے لئے فی کس ½۱ کلنجو سونا سالانہ پر ملازم رکھے گئے تھے۔ لگ بھگ انھیں دنوں میں اینا ئرم میں[67] جو لوگ مندر میں "ترودائمولی" کا پاٹھ کرتے تھے انھیں اسی شرح پر اجرت دی جاتی تھی جس پر تنجور کے مندر میں "ترو پدیتم" گانے والوں کو۔ یعنی تین کرونی یومیہ جو ترو دریور کے برہمنوں کی تنخواہ سے دگنی ہوتی ہے۔ ۱۰۱۱ء میں تربھوونی میں بھی "ترودائمرلی" گانے والوں کی اجرت کی یہی شرح تھی[68] یعنی تین کرونی یومیہ، جبکہ قائم مقام پجاری کو صرف ایک "پدکو" یومیہ اجرت ملتی تھی۔ ۱۰۵۴ء میں ترو ناگیشورم کے مندر میں شیو دھرم کی تفسیر بیان کرنے کے لئے تعینات کردہ ایک برہمن کو بھی 75 کلم دھان سالانہ اجرت دی جاتی تھی،[69] جو کہ تنجور مندر کے ادنیٰ محاسب کی اجرت کے برابر تھی۔ ترومنن جیری، ضلع تنجور میں مندر کے "نمبی" (قائم مقام پجاری) کو دو کرونی دھان یومیہ اجرت ملتی تھی اور اس کے علاوہ مزید سولہ کلم دھان سالانہ دو کا شو سونے کی بجائے دیا جاتا تھا۔[70]

تبادلۂ اشیاء

غلّے کے بدلے میں اشیاء کے تبادلے کی قدیم عادت چھوٹے سکّوں کی ترویج سے قطعی طور پر ختم نہیں ہوئی۔ تامل کی قدیم ترین نظم میں بتایا گیا ہے کہ دھان سے نمک اور ہرن کے گوشت کا تبادلہ کیا جاتا تھا۔ آج تک بھی جنوبی ہند کے دیہاتوں میں گرہست عورتیں اپنے کھاروں سے غلّہ ان گوالنوں اور خونچے والوں کی ٹوکریوں میں ڈالتی دکھائی دیتی ہیں جو انہیں اس کے عوض ترکاری، گھی یا دہی وغیرہ مہیا کرتی ہیں۔ چولوں کے تحت ملک کی اقتصادی زندگی کی تصویر اس وقت تک مکمل نہیں سمجھی جائیگی جب تک دھان کی شرح تبادلہ دوسری اشیاء اور روپیہ کے مقابلے میں معلوم نہ ہو۔ گھی اور سونے کی باہمی شرح تبادلہ ۹ کرونی گھی فی کلنجو سونا تھی، یعنی 15 کلم گھی کی مالیت بیس کلنجو سونے کے برابر

تھی۔ اگر 1012ء میں جب متعلقہ کتبہ تحریر کیا گیا تھا، کاں ہستی میں رائج قیمتوں میں مذکورہ بالا شرح تبادلہ رہی ہو[71] تو اُن دنوں میں گھی کی قیمت اس کی موجودہ قیمت کا چھٹا یا ساتواں حصہ رہی ہوگی۔ ڈیڑھ نالی دہی ایک نالی دھان کے عوض میں ملتا تھا[72]۔ دھان کا نرخ فی "پون کلنجو" ساٹ کلم تھا۔ یہ نرخ 1937ء کے نرخ سے تھوڑا مہنگا ہے۔ تاہم ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ سونے کے تبادلے میں دھان کا نرخ وقت اور مقام کے اعتبار سے بدلتا رہتا تھا۔ نتم (ضلع چنگلی پٹ) میں 1014ء میں تین نالی دھان کے عوض 48 پان کے پتے اور بارہ دلنے سپاری کے مل جاتے تھے[73]۔ اسی سال ضلع ترچنا پلی کے مقام تردبنگلی میں ایک نالی عمدہ دال کی مالیت پانچ نالی دھان کے برابر تھی۔ کچی شکر کے ایک "پلم" کی قیمت دو نالی دھان کے برابر تھی۔ مندر میں ایک کڑھی کے چڑھاوے کے لئے ایک نالی دھان درکار ہوتے تھے[74]۔ ضلع چنگلی پٹ کے مقام تردکوڈل میں 1016ء میں چار نالی دھان کے عوض ایک نالی تیل خریدا جاسکتا تھا۔ ایک نالی گھی 2½ کلم دھان کے عوض ملتا تھا اور دہی[75] کا ایک پیمانہ دھان کے دو پیمانوں کے برابر تھا۔ دودھ بھی اسی شرح سے ملتا تھا اور ایک کرونی دھان کے عوض ایک نالی ہلدی خریدی جاسکتی تھی[76]۔

خوراک

خیراتی لنگر جاری کرنے کے لئے قایم شدہ اوقاف کا اندراج جن کتبوں میں ملتا ہے، ان میں اخراجات کے کچھ گوشوارے بھی دیئے گئے ہیں، جن کتبوں لنگروں میں مہیا کی جانے والی خوراک کے معیار اور اجناسِ خوردنی کے نرخوں کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔ تردوڈنڈی کے 1004ء کے ایک کتبے میں بتایا گیا ہے کہ بارہ برہمنوں کو ایک وقت کھلانے کے لئے 5/6 کلم دھان صرف ہوتے تھے۔ اس میں اخراجات کی مدیں یہ تھیں۔ 1¾ نالی فی کس کے حساب سے 21 نالی چاول (جو 52½ نالی دھان سے حاصل ہوتے تھے)۔ ایک الکو اور 2½ شیو یڈو گھی کے لئے 6 نالی دھان۔ 5 نالی دھان ترکاری کے لئے۔ 5 نالی

دھان دہی کے لئے۔ $\frac{1}{2}$ نالی دھان نمک کے لئے۔ 2 نالی دھان اس شخص کے لئے جو ایندھن مہیا کرتا تھا۔ 4 نالی دھان برہمن بادرچی کے لئے، تین نالی دھان اس کمہار کے لئے جو مٹی کے برتن مہیا کرتا تھا اور 2 نالی دھان پان کے پتوں اور سپاریوں کے لئے"۔ اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ $\frac{3}{4}$ کردنی دھان ایک بالغ کے پیٹ بھر کھانے کے لئے بالکل کافی ہے، اینائرم کے کالج کے کم سن طلبا کے لئے فی کس $\frac{3}{4}$ کردنی اور بڑے طلبا کے لئے $1\frac{1}{2}$ کردنی دھان کی منظوری شدہ مقدار ان کی ضروریات کے لئے بالکل کافی سمجھنی چاہیئے۔ اور اسی طرح تربھووتی کی درسگاہ کے چھوٹے اور بڑے طلبا کے لئے بھی بالترتیب $\frac{3}{4}$ کردنی اور ایک کردنی دھان کے الاؤنس کو کافی سمجھنا چاہیئے۔ کلوتنگا اول کے عہد کا سنہ 1115ء کا ایک کتبہ شاہد[79] ہے کہ ایک وشنو مٹھ میں چاند کی پہلی تاریخ کو پچاس برہمنوں کو کھانا کھلانے کے لئے قایم شدہ ایک وقف میں ایک کردنی دھان فی کس دیا گیا تھا۔ اس میں چاول، سالن، نمک، کالی مرچ، گھی، دہی، مٹی کے برتن، ایندھن، سپاری اور پان، ان سب کے اخراجات شامل تھے۔

دھان کے نرخ

دھان کی قیمتوں میں کافی فرق ملتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ عام طور پر اس کا نرخ مختلف علاقوں کی زرخیزی کے اعتبار سے ہوتا تھا۔ اکثر یہ نرخ عارضی نہیں ہوتے تھے جو کتبے کی تحریر کے وقت رائج رہے ہوں بلکہ یہ معیاری اور اوسط نرخ ہوتے تھے جن کا نفاذ مستقبل میں بھی کیا جاتا تھا۔ ترودلم ضلع شمالی ارکاٹ میں[79] سنہ 992ء میں دھان کا بھاؤ ایک کلنجو کے 40 "کاڈی یا $13\frac{1}{2}$ کلم تھا۔ اور یہی بھاؤ اس ضلع کے ایک اور کتبے میں دوہرایا گیا ہے جو سنہ 1015ء کا ہے[80]۔ "کے علاوہ بھی کال ہستی کے سنہ 1012ء کے ایک کتبے میں ایک "پون" کی مالیت سات کلم دھان بتائی گئی ہے۔ اور "پون" اور "کلنجو" ایک ہی سکے کے نام تھے[81] اکثر پیمانوں میں فرق کی وجہ سے نرخوں کا موازنہ دشوار ہو جاتا ہے۔

ترو کوڈل (ضلع چنگل پٹ) سے ملے ہوئے ویر راجندر کے ایک کتبے میں بتایا گیا کہ راج کیسری وزن کے پیمانے کے مطابق ۱۶ کلم دھان کی مالیت ایک کلنجو سونے کے برابر[82] ہوتی تھی۔ ترو لیکّور ضلع تنجور میں ۱۰۰۶ء میں دھان کا نرخ آٹھ کلم فی کاشو تھا یعنی ایک کلنجو کے سولہ کلم[83]۔ چدمبرم میں راج کیسری راجندر کے عہد کے ایک مضمون کتبے میں ایک کاشو کے ۸½ کلم دھان کا نرخ[84] ہے یعنی ایک کلنجو کے سترہ کلم۔ ایک اور راج کیسری کتبے میں پنڈارواڈی (ضلع تنجور) میں دھان کا مروج نرخ 15 کلم فی کلنجو دیا گیا[85] ہے۔ ۱۰۴۸ء میں تربھوونی میں رائج بھاؤ ایک کلنجو کے دس کلم دھان کا بتایا گیا ہے جو کافی مہنگا بھاؤ ہے اگرچہ جو قدیم چولا عہد کے کتبات اوقات میں مندرج سب سے مہنگا بھاؤ نہیں[86] ہے جو خیرات کے مستقل عطیات کے تخمینے کی بنیاد بنا ہو۔ ۱۰۱۹ء میں تم (ضلع چنگل پٹ) میں ایک کلنجو کے بارہ کلم دھان بکتے تھے[87]۔ کلوتنگا اول کے عہد کے اوائل میں جب کاشو ہنوز نصف ”ماڈا“ کی مالیت کا ہوتا تھا، کولار میں دھان ایک کاشو کے ۲½ کلم ملتے تھے اور ترو وڈر لوُر میں ایک کاشو کے ۴ کلم[88]۔ یہ مہنگائی بدنظمی اور بلووں سے پیدا ہونے والی قلت کے باعث ہوئی ہو گی۔ یہی بلوے ادھیراجندر کے قتل کا باعث اور چالوکیہ راجا وکرمادتیہ ششم اور کلوتنگا کے درمیان جنگ کا پیش خیمہ تھے۔ کلوتنگا کے عہد حکومت کے خاتمے پر تنجور کے علاقے میں ایک کاشو کے ۱۳ کلم دھان خریدے جا سکتے تھے[89]۔ لیکن ۱۱۳۶ء میں ایمپرو (ضلع جنوبی ارکاٹ) میں ایک ”ماڈا“ کے عوض ہی آٹھ کلم دھان مل جاتے تھے[90]۔

نقد قیمتیں

نقدی کی شکل میں اشیاء کی قیمتوں کا کتبوں سے بہت کم پتہ چلتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ صرف زیادہ قیمتی اشیاء کی خرید و فروخت سکّے کے عوض ہوتی تھی۔ یہ وہ اشیاء تھیں جن کی تجارت دور دراز ملکوں کے ساتھ ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر تنجور کے کتبوں سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ راج راجا اول کے عہد حکومت کے اواخر میں ایک کاشو (نصف کلنجو) کے عوض ۱½ کرونی الائچی دانہ آ جاتا تھا۔ دو کرونی چمپا کی کلیاں آ جاتی تھیں۔ خشخاش کی جڑوں کے 605 ”پلم“ آ جاتے تھے، ڈھائی تین کلنجو کا فور آ جاتا تھا[91] اور

2 پلم شکر خریدی جاسکتی تھی جس کا ان دنوں عیاشی میں شمار ہوتا تھا۔[92] سنہ 931ء میں میل پلودر ضلع ترچناپلی میں ایک کاشو کے عوض نو بھیڑیں خریدی[93] جاسکتی تھیں۔ سنہ 1014ء میں سیکرم ضلع شمالی ارکاٹ میں بھی ایک کاشو کے بدلے 9 بھیڑیں[94] ملتی تھیں لیکن تنجور کے ایک کتبے میں ایک کاشو کے عوض صرف تین بھیڑوں کی شرح بتائی گئی ہے۔[95] سنہ 1136ء میں تاگذی ضلع جنوبی ارکاٹ میں ایک پشتو رگائے) کی قیمت پندرہ کاشو بتائی گئی ہے۔[96] تنور ضلع تنجور میں 1162ء میں ناریل کے ایک ثمردار درخت (کاتینگو) کی قیمت ایک بٹا چار کاشو ہوتی تھی اور اگر یہ پھل دینے والا نہ ہو تو ⅛ کاشو[97] لیکن شہنشاہ راج راجا سوم کے زمانے میں کاشو سکے کی قیمت میں کافی تخفیف ہوچکی تھی۔

دھاتوں کی قیمتوں کے بارے میں ہمیں سرسری طور پر پتہ چلتا ہے کہ کانسی ایک کاشو (نصف طلائی کلنجو) کے عوض 35 پلم کے حساب سے بکتی تھی۔ تانبا ایک کاشو کا تیس پلم آتا تھا۔ ٹین ⅔ 26 پلم اور "ترا" (نقلی دھاتوں کا مرکب یا کھوٹ) ستر پلم ملتا تھا۔ یہ نرخ سنہ 1099ء کے ایک کتبے میں درج ہیں جو تروپنن دال سے ملا ہے۔[98]

قحط

کتبات میں ضمناً قلت اور قحط کے کچھ واقعات کا بھی ذکر آیا ہے۔ لیکن ایسی مثالیں بہت کم ہیں۔ سنہ 1131ء میں، جو وکرم چولا کا تیرہواں سالِ حکومت تھا، ضلع جنوبی ارکاٹ کے پہاڑی علاقوں میں قحط پڑجانے کے باعث لوگوں نے اپنی اراضیات فروخت کرکے ارکنڈنلور (تردکوتیلور تعلقہ) سے ہجرت کرنا شروع کردیا۔ اس گاؤں کی سبھا نے اپنا اجلاس منعقد کرکے گاؤں کی اراضی میں چوبیس حصے نئے لوگوں میں تقسیم کردیئے اور یہ شرط عاید کردی کہ کسی بھی باہر کے آدمی کو یہ اراضی فروخت نہیں کی جاسکے گی اور نہ تبادلے میں دی جاسکے گی اور اس شرط کی خلاف ورزی کی صورت میں زمین ضبط کرلی جائیگی اور اس کے علاوہ 64 "کلنجو" کا جرمانہ بھی وصول کیا جائے گا۔ اکثر لوگوں پر مصیبت پڑجاتی تھی تو جیسا ہم پہلے واضح کرچکے ہیں، ان کو اپنی آزادی کو بیچ کر اپنا پیٹ پالنا پڑتا تھا۔ اس کی نمایاں ترین مثال اس وسیع پیمانے پر نازل ہونے والی آفت کی ہے جس کی تفصیل اور جس کا مقابلہ کرنے کے اقدامات کا ذکر آلن گڈی (ضلع تنجور) کے ایک کتبے

میں ملتا ہے، جو 1152ء کا ہے[99] اس کتبے میں بتایا گیا ہے کہ راجہ وجے راجندر دیو کے عہد کے تیسرے سال میں کچھ "کال دوشم" یا برا وقت آن پڑا تھا۔ یہ راجہ کلیان پورم اور کولاپورم کو تسخیر کرنے کے بعد ایک ہاتھی کی پیٹھ پر سواری کی حالت ہی میں مر گیا۔ جس راجہ کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے اور وہ بھی اس کی وفات کے تقریباً ایک صدی بعد وہ یقیناً راجادھیراج اول ہوگا یا اس کا چھوٹا بھائی اور وارثِ تخت راجندر دوم[100]۔ جس قلت[101] کے باعث آنگاڈو کے لوگ مصیبت کا شکار ہوئے اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی لیکن کتبے ہمیں بتاتے ہیں کہ لوگوں نے مقامی مندر کے خزانے سے وہ تمام طلائی زیورات اور چاندی کی بنی ہوئی اشیا، ادھار لے لیں، جن کے بغیر مندر کا گزارہ چل سکتا تھا۔ اور 1011 کلنجو سونا اور 464 پلم چاندی مندر سے ادھار بھی لئے تاکہ وہ اپنا گزارہ کر سکیں اور بیج اور کھاد وغیرہ خرید کر از سر نو زمین کاشت کر سکیں۔ اس قرضے کی ادائیگی کی شرائط کے متعلق مندر کے ساتھ نیا معاہدہ کرتے وقت مذکورہ بالا سود کا ذکر کیا گیا ہے۔

بیسواں باب

حاشیے

(1) 1917 کا 343

(2) ۲۱۹ء کے ایک کتبے میں جو ترائیور (ضلع ترچناپلی) سے ملا ہے، "اور مڈل" (شہر کی فصیل) اور "پلکڈائی مڈِل" (پچھواڑے کی دیواروں) کا ذکر ملتا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ شہروں اور مکانوں کو بعض مرتبہ حفاظت از سلامتی کی غرض سے حفاظتی فصلیں تعمیر کر کے محفوظ کر دیا جاتا تھا (۱۹۰۹ کا 701

(3) 1925 کا 198

(4) 1897 کا 22 — 1911 کا 311

(5) 1911 کا 375

(6) تروو النگاڈو کی تختیاں II، 517 تا 524 — انبل کی تختیاں صرف ایک اکیلے صنعت کار وزیر چولا تکشن نے کندہ کی تھیں۔ لیڈن کا فرمان عطیہ II، 107 وصفحات مابعد

(7) عجائب گھر کی تختیاں I، 10

(8) تروو النگاڈو کی تختیاں I، 456

(9) 1923 کا 197 — SII - ii صفحہ 251 — TAS - ۷ صفحات 29 : 3

(10) 19-8 کا 479 — ARE، 1909، II، 45 - نیز یاجناولکیہ پرمتاکشرا کی تفسیر I، 95۔

(11) 1925 کا 184

(12) 1919 کا 208 - موازنہ کیجیے شمالی ہند کے کتبوں میں مذکور برہم کشتری۔

ARE کا یہ بیان کہ یہ لوگ برہمن مردوں اور ویشیہ عورتوں سے پیدا ہونے والی اولاد تھے، صحیح نہیں معلوم ہوتا

(13) 1922 کا 509

(14) 1919 کا 208

(15) 1922 کا 509

(16) 1890 کا 22 (25-iii-5 II) — 1893 کا 582 — ARE-1905، II

43

(17) 1905 کا 136

(18) ایم سری نواسا آئینگر کی Tamil Studies صفحہ 100، وصفحات مابعد

(19) ARE-1921، II، 47

(20) II 9-ii-تمہید۔ صفحہ 10

(21) 1907 کا 341

(21-الف) 1936-37 کا کتبہ نمبر 31 — ARE، II، 27

(22) 1912 کا 489 — ARE، 1913، II، 39

(23) 1913 کا 34

(23-الف) 1940-41 کا 184 — ARE، 1939-40، 1942-43، II، 42

(24) ARE-1921، II، 47

(25) سماج کی دائیں اور بائیں بازو کے طبقات میں تقسیم جس زمانے کی ہم سمجھتے ہیں اس سے بہت پہلے کی ہے، بلکہ کلوتنگا سوم کے عہد کے "مشرقی مان" بھی اسے جس دور کی پیداوار خیال کرتے ہیں، یہ اس سے بہت پہلے کی ہے۔ تیسری صدی کا ایک چینی مصنف، جس کے اقوال کا حوالہ دسویں صدی کے ایک اور قلم کار نے دیا ہے فو۔نان کے بارے میں کہتا ہے:

پی۔ پیلیٹ ۔ "ل فوتان" BEFEO-iii ۔ صفحہ 282۔ نیز چمپا میں اسی خصوصیت کے لئے viii ، صفحات 316-17 دیکھئے۔

(26) 1926 کا 235

(27) 1903 کا 376

(28) VV ، 65-66

(29) 1902 کا 236

(30) 1898 کا 141 — EC-iv ، 149-18 — EI-iv صفحات 213 تا 219

(31) 1911 کا 174 — EC-ix ، VD ، 14

(32) 1911 کا 188 — EC-x-CT-161

(33) 1911 کا 499 — EC-iv-H-100

(34) 1906 کا 166 — ARE-1907 ، II ، 41۔

(35) فیرانڈ کی کتاب VOYAGE ، صفحہ 124 میں ابوزید کے اقوال کا حوالہ

(36) 1912 کا 147

(37) 1925 کا 411

(38) 1925 کا 218 (تیس کاشو کے لئے سات آدمی) — 1925 کا کتبہ نمبر 219 (اتنی ہی رقم کے لئے پندرہ آدمی)۔ ARE-1925 ، II ، 18

(39) 1925 کا 217

(40) 1925 کا 216

(40-الف) 1936-37 کا 149 — ARE ، II ، 21

(41) 1910 کا 274

(42) 1922 کا 141

(43) 1921 کا-23- جسم پر گودنا گودنے (الچنائی) کے لئے کیا جاتا تھا یہ واضح نہیں ہے۔ "اوٹو" یا "شاتی" کے الفاظ کا مفہوم ضروری طور پر داغنا ہے جیسا کہ اکثر کتبوں سے متعلق رپورٹوں میں ان الفاظ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

(44) 1913 کا 8۔

(45) 1926 کا 94

(46) 18'II'925.ARE

(47) دوسری کچھ مشہور مثالیں مختصراً یہاں بیان کی جاتی ہیں: 1099ء میں ترودکرائی (ضلع جنوبی ارکاٹ) میں میں "ویلالوں" نے دو عورتوں اور اُن کی اولاد کو "دیورڈیار" کے طور پر بیچ دیا (1904 کا کتبہ نمبر 163)۔ 1105ء میں ضلع تنے ویلی کے ایک مہآرایا نے ایک "اوُچ اڈمائی" بطور دھرم دان دیا (1928 کا کتبہ نمبر 280)۔ دراکشارامائیں 1113ء میں ایک مٹھ میں خدمت کرنے کے لئے دو غلام بطور دان دیے گئے۔ (1893 کا کتبہ 354)۔ کیلیئوُر (ضلع تنجور) کے ایک مندر اور مٹھ کے زیر ملکیت "اڈمائیوں" کی فہرست مورخہ 1198ء (1295 کے کتبات نمبر 74، 76)۔ ترووالنگاڈو میں ایک رئیس نے 1198ء اور 1208ء میں (حوالہ 1926 کے کتبات نمبر 90-91) کثیر تعداد میں "تُد-اڈمائی" خریدے اور مقامی مٹھ کو دان کر دیے۔ ایک ویلال اور اس کی دو بیٹیوں کی مثال بھی ہے جنھوں نے خود کو تردپامبرم کے مندر کے ہاتھوں 1201ء میں اس لئے فروخت کر دیا کہ فاقہ کشی سے بچ سکیں۔ (حوالہ 1911 کا کتبہ نمبر 96)۔ ایک مندر کے دو مینوں نے بہت سی عورتوں کو جو غلام تھیں اور ان کی موروثی جائداد کا ایک جزو تھیں، فروخت کر دیا۔ علاءنگلو کر مانگت مائے وردگنیر اڈیار ۔ (1911 کا کتبہ نمبر 296) ان کے علاوہ اور بھی کئی مثالیں 1904 کے کتبہ نمبر 499 میں (جو ویدارنائم سے ملا ہے اور 1219ء کا ہے)، اور 1925 کے 409 میں ملتی ہیں۔ موخر الذکر میں پتھر کا کام کرنے والا ایک ستری، اس کی بیوی اور چار بیٹے فروخت ہوئے (اچیوتامنگلم میں) ہوا یہ واقعہ 1219ء کا ہے۔ (1917 کے نمبر 223 کے مطابق) ایک مندر کے غلاموں کا گروہ (فروخت ہوا) جن کی تعداد 100 سے بھی زاید تھی۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ (کورکائی۔ 1235ء)۔ 893 کے کتبہ نمبر 110 میں بھی ویسی مثال ہے جیسی ترُو ودریور کے 1235ء کے کتبے (1912 کا نمبر 122) میں ہے۔ نیز میل پیرمبل۔ o.N کے کتبات، 1925 کے نمبر 216، اور 217 تا 219 میں بھی اسی طرح کی

مثالیں ملتی ہیں۔

(48) مزید دیکھئے SII - ii - تمہید۔ صفحات ۱۷ - ۱۸ جن میں تنجور کے کتبوں سے حاصل کردہ اعداد و شمار پر بحث کی گئی ہے۔

(49) ۱۹۲۹ کا کتبہ نمبر ۱۰۴ - میرا قیاس ہے کہ ایک "پڈی" چار نالیوں کے برابر ہوتی ہے۔

(50) 1919 کا 156

(51) 1912 کا 263

(52) ۱۹۱۰ کا 267 (تروو ڈندائی)۔ ۱۱۱۵ء میں بھی وہی مزدوری تھی (۱۹۱۰ کا 281)

(53) 1915 کا 175 : مندر کے "تروپلی چوری کاٹک۔ کا ولر غالباً ویشنو برہمن تھے

(54) 1915 کا 172

(55) 1925 کا 45 - ترو وارور کے مندر میں جو "تیپیسار" تروونجم کے لئے پانی مہیا کرتا تھا اس کی اجرت بھی یہی تھی - ۱۹۱۹ کا 671 (۱۰۹۴ء)

(56) 1922 کا 18

(57) 1918 کا 450

(58) 1912 کا 154

(59) 1906 کا 364

(60) SII - iii - 202

(61) SII - ii - 65

(62) SII - ii - 66

(63) SII - ii - 29 - کتبے میں بعض خالی جگہوں کے باعث یہ فہرست بدقسمتی سے نامکمل رہ گئی ہے۔

(64) نتم (ضلع چنگل پٹ) کے ۱۰۱۸ء کے ایک کتبے میں (۱۹۱۲ کا نمبر 263) پارچہ جات کی قیمت دو کاشو سالانہ لکھی ہے جو ہر سال ہر ایک "مانی" کو دیے جاتے تھے۔

(65) 1926 کا 368 (۱۲۴۳ء کا)

(66) 1912 کا 146

(67) 1917 کا 533

(68) 1919 کا 176

(69) 1911 کا 214

(70) 1914 کا کتبہ نمبر 10 (بلا تاریخ) ۔ اُتم چولا کی تختیوں، 11، 42 تا 44 سے جو عجائب گھر میں محفوظ ہیں، پتہ چلتا ہے کہ پجاری کا معاوضہ ایک "پڈکو" یومیہ تھا اور کپڑوں کے لئے پانچ کلنجو سالانہ بھتہ ملتا تھا۔

(71) 1904 کا 299 سنہ 1038ء کے ایک اور کتبے میں ترووریور میں پچاس نالی فی کلنجو کا نرخ بتایا گیا ہے (1912 کا 146)

(72) ایضاً

(73) 1912 کا 263 ۔ لیکن سنہ 1104ء میں اسی ضلع کے مقام نرسنگ پورم میں ایک "نالی" کے عوض 8 سپاریاں اور 22 پان کے پتے مل جاتے تھے۔

1910 کا 249

(74) 1892 کا 91

(75) تبادلۂ اشیا کا یہ نرخ مقرر کردہ معلوم ہوتا ہے۔ 1920 کے کتبہ نمبر 506 میں (جو اُلنگڈی سے دستیاب ہوا ہے اور سنہ 1099ء کا ہے) اور 1920 کے نمبر 518، اور 512 میں بھی یہی نرخ درج ہے۔ یہ سب کتبے بھی اسی مقام سے ملے ہیں اور بالترتیب سنہ 1116ء، سنہ 1117ء اور سنہ 1125ء کے ہیں۔

(76) 1915 کا 175

(77) 1990 کا 273 — 21/II/1911-ARE

(78) 1910 کا 281

(79) 1921 کا 218

(80) 1915 کا 176

(81) 1909 کا 299

(82) 1915 کا 192

(83) 1928 کا 63

(84) 1888 کا 118

(85) 1923 کا 232

(86) 1919 کا 176

(87) 1912 کا 263

(88) 1892 کا 131 — 1892 کا 109

(89) 1891 کا 44

(90) 1921 کا 533

(91) 1912 کے کتبہ نمبر 146 (تاریخ 1038ء) میں جو ترو ودر لیوڑ سے ملا ہے، تین کلبو کا نرخ ہے۔

(92) SII - ii - تمہید 18 - جدول الف

(93) 1924 کا 378

(94) 1921 کا 149

(95) SII - ii ص 63 - 64 میں یہ شرح تبادلہ درج ہے: چھ بھیڑیں = 3 گائیں = ایک بھینس 1901 کے کتبہ نمبر 302 میں ایک گائے = 9 بھیڑیں کی شرح تبادلہ بتائی گئی ہے۔ یہ راج راجا سوم کے سولہویں سال کا کتبہ ہے۔

(96) 1903 کا نمبر 15

(97) 1911 کا 58

(98) 1914 کا 46 — ARE - 1915 'II' 23

(98 الف) 1934-35 کا 151 — ARE 'II' 14

(99) 1899 کا 5

(100) ARE - 1899، پیراگراف 53 — SII - iii صفحہ 191۔ لیکن صفحہ 258 ماقبل اور حاشیہ نمبر 66 (صفحہ 279) دیکھئے

(101) دیکلیتا کی رائے میں برسات کا نہ ہونا اس قحط کا باعث ہوا، اور یہ کہ راجندر دوم رعایا کے بچاؤ کے لئے کوئی امدادی کاروائی نہ کرسکا کیونکہ اسے اپنے جنگجو اور فضول خرچ بھائی راجا دھیراج اوّل سے وراثت میں ایک خالی خزانہ ملا تھا۔ ARE۔ ایضاً

اکیسواں باب

زراعت اور زمین کے حقوق

خود کاشت کرنے والے مالک اراضی

رعایا کی کثیر تعداد دیہاتوں میں دہقانی زندگی بسر کرتی تھی اور زراعت اُس کا اصل پیشہ تھا، زمین کی ملکیت سے جو وقار حاصل ہوتا تھا اس کی ایک سماجی قدر و قیمت تھی، اور آج کی طرح اُن دنوں بھی آزاد طور پر اراضی کا مالک کسان معاشرے کی ریڑھ کی ہڈی سمجھا جاتا تھا۔ ہر شخص کا نصب العین چاہے وہ کوئی بھی کام کرتا ہو یہی ہوتا تھا کہ چھوٹا سا قطعۂ اراضی ضرور ایسا ہو جو اس کی ملکیت ہو اور جسے وہ اپنا کہہ سکے۔ درحقیقت گاؤں بنیادی طور پر کسانوں ہی کی بستی تھی اور دیہی اسمبلی ان ہی کی انجمن۔

گاؤں کی شاملات

گاؤں کے نواح میں واقع اراضی کا کچھ حصّہ شاملات دیہہ ہوتا تھا۔ اور باقی اراضی تھوڑا عرصہ پہلے تک بھی گاہے بگاہے دوبارہ تقسیم کر دی جاتی تھی![1] ضلع تنجور کے بعض دیہاتوں میں آج بھی یہ دستور رائج ہے۔ چولا عہد میں مشترکہ ملکیت کی شہادت دینے والی کچھ اصطلاحات ہمارے سامنے موجود ہیں مثلاً سبھا منجکم[2] اور میبکم[3] اور اُور پوڈو[4] وغیرہ۔ یعنی گاؤں کی ضبط شدہ زمین جس کے ذمّے واجب الوصول "اِڑئی" باقی رہ گئی ہو[5] نیز گاؤں کی جانب سے بنجر زمین کی اس غرض سے فروخت کہ اس کو آباد کر کے کسی خاص مقصد کے لئے زمین کو استعمال میں لایا جائے[6] سندر چولا کے عہد کے ایک کتبے میں جو مدھرانتکم سے ملا ہے۔ سبھا کی جانب سے کچھ اراضی کے نیلامِ عام (سبھا ولئی) کا ذکر آیا ہے۔ اس اراضی کو واضح طور پر مشترکہ زمین کا ایک حصّہ بنایا گیا ہے جو اس وقت تک کسی مصرف میں نہیں لائی گئی تھی

نجی املاک

زمین کی نجی ملکیت بھی واضح طور پر تسلیم کی جاتی تھی اور کتبوں میں بے شمار ایسی مثالیں ملتی ہیں جن میں اکثر افراد نے اپنی اراضی کے حقوقِ ملکیت فروخت یا ہبہ کر کے دوسروں کے نام منتقل کئے اور وراثت کی رُو سے باپ کی جائداد کے حقوقِ مالکانہ رواج کے مطابق بیٹے کے نام منتقل ہوئے۔ قانون کی کتابوں کے نظریات بھی اس موضوع پر بالکل واضح ہیں۔

کھیت مزدور

اراضی کے بڑے اور چھوٹے مالکان کے علاوہ کچھ ایسے لوگ اور بھی تھے جن کی زندگی کا انحصار زراعت پر تھا۔ بے زمین مزدوروں کا ایک خاصا بڑا طبقہ جن میں سے کچھ کی حیثیت نیچ ذات کی سی تھی، کھیتی کے کام میں مدد دیتا تھا اور پیداوار کا کچھ حصہ پاجاتا تھا۔ قریب قریب تمام دیہاتوں میں دو طبقات کا باہمی امتیاز نمایاں طور پر قایم ہو چکا تھا۔ ایک وہ جو اراضی کا لگان (اڑئی کڈگل) ادا کرتا تھا اور دوسرا وہ جو لگان نہیں دیتا تھا۔ اوّل الذکر طبقے کو حکومت کے کاموں میں بہت عمل دخل تھا۔ ہر گاؤں میں ادنےٰ ترین سماجی طبقے کے کچھ لوگ ہوتے تھے جو گاؤں کے چھوٹے موٹے کام دھندے کرتے تھے۔ اُن کو اِن خدمات کیلئے گاؤں کی شاملات زمین میں سے حصہ دیا جاتا تھا گاؤں کی اراضیات میں کاریگروں کے حصے بھی ہوتے تھے یہ حصے انھیں اس لیے دیے جاتے تھے کہ وہ گاؤں میں رہیں اور جب بھی انھیں کام ملے اسے کرنے کے لیے آمادہ رہیں۔ البتہ ہر کام کے لیے انھیں الگ معاوضہ ملتا تھا، جس کو فریقین آپس میں طے کر لیتے تھے۔

غریبوں کی زندگی

دیہات کے زیادہ غریب طبقوں کی جو سماج کے ادنےٰ ترین درجوں میں شمار کیے جاتے تھے، زندگی کا کچھ اندازہ شہر آدنور کی تصویر سے کیا جا سکتا ہے۔ جس سے شاعر شیکی لار نے نیچ (بریاہ) سنت نندن کی زندگی کا احوال شروع کیا ہے۔ گو اس تصویر کشی میں اَدبی افاظی کا کافی حصہ ہے لیکن اس سے اُن دنوں کی دیہاتی زندگی کے متعلق مصنف کی گہری واقفیت کا پتہ چلتا ہے۔ اُس نے لکھا ہے: "آدنور کا شہر میرکا ناڈو کا ایک متمول اور قدیم شہرت والا شہر تھا۔ یہاں دریائے کولڈم یا کولرون کا پانی اپنی لہروں سے دونوں کناروں پر زرخیزی کے جواہرات بکھیرتا نظر آتا تھا۔ اور یہاں کی دھرتی اپنے پھولوں بھرے ہاتھوں سے خوشحالی کی اس سوغات کو قبول کرتی دکھائی دیتی تھی۔ ...... آدنور شہر کی خوشحالی اِس کے زرخیز کھیتوں اور باغوں کی دین تھی اس شہر میں کثیر تعداد میں بلند عمارتیں تھیں اور اس کی آبادی گنجان تھی۔ اس شہر کے مضافات میں "پُلئیاؤں" کی ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ جس میں جگہ جگہ پھوس کی چھت کے چھوٹے چھوٹے جھونپڑے تھے ان جھونپڑوں پر "شرئی" کی بیلیں پھیلی

ہوئی نظر آتی تھیں اور ان میں چھوٹے موٹے کام دھندے کرنے والے کھیت مزدور بسے ہوئے تھے۔ جھونپڑوں کی دہلیزوں پر جن پر چمڑے کے ٹکڑے لگے ہوئے تھے۔ چھوٹے چھوٹے چوزے ٹولیوں میں گھومتے تھے۔ سیاہ لوہے کے کڑے پہنے ہوئے سیاہ فام بچے کتوں کے ننھے ننھے پلّے اٹھائے ادھر ادھر اُچھلتے کودتے تھے اور اُن کی کمر کے گرد بندھی گھنٹیوں کے شور میں پلّوں کے بھونکنے کی آوازیں گم ہو جاتی تھیں۔ "مردُود" کے درختوں کی چھاؤں میں ایک مزدور عورت (ڈُلتی) نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر اپنے ننھے بچے کو سلا دیا تھا۔ وہاں آم کے درختوں کی ٹہنیوں میں ڈھول لٹک رہے تھے۔ اور ناریل کے درختوں کے تلے زمین پر چھوٹے چھوٹے گڑھوں میں ننھے سروں والی کتیائیں اپنے پلّے جن کر خاموش پڑی تھیں۔ سُرخ کلغی والے مرغ صبح صادق سے پہلے بانگ دیکر گٹھیلے بدن والے "پلئیاروں" کو اپنے دن کے کام پر جانے کا بلاوہ دیتے تھے۔ اور دن میں کانجی کے درخت کے لمبے سائے میں لہراتے ہوئے بالوں والی "پلئیا" عورتوں کی آواز بکھر جاتی تھی جو دھان کوٹتے ہوئے گایا کرتی تھیں۔ چہچہاتے ہوئے طیور سے بھرے ہوئے تالاب کے کنارے ان عورتوں کی مے نوشی کے ساتھ ساتھ کئی طرح کے ساز بجتے۔ اِن "پلئیا عورتوں نے اپنے بالوں میں خوشبودار پھول اور دھان کی بالیاں باندھ رکھی تھیں۔ جوں جوں شراب کا نشہ بڑھتا جاتا، رقص کرتے کرتے ان کے قدم لڑکھڑانے لگتے تھے۔ سب سے نیچ ذات (کنڈامنر) کے لوگوں کی اس بستی میں ایسے لوگوں کا جنم ہوا جس کے دل میں شو کے ساتھ سچّی عقیدت تھی۔ وہ بے مثال نندنار تھا جسے پڑوس کے قصبے (آدُور ٹیمانی) کے لوگوں کی خدمت کرنے کا کام اپنے باپ دادا کی وارثت کے طور پر ملا تھا۔ اپنا پیٹ پالنے کیلئے اُس کا گاؤں کی اس زمین پر انحصار تھا جو قصبے کی جانب سے نیچ ذاتوں کے لئے مخصوص کر دی گئی تھی جو گاؤں والوں کی ملازمت میں تعینات تھے۔ اس حیثیت سے وہ اپنے پیدائشی پیشے کو اختیار کر کے ترشول دھاری بھگوان شو کے مندروں کو ز، مُہرہ، چمڑا اور چمڑے کی پٹیاں مہیّا کرتا تھا۔ جو دیوتاؤں کی پوجا کے لیے ڈھول بنانے کے کام میں آتے تھے۔ اس طبقے کے لوگ سچ مچ غلاموں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ اُنہیں نقل و حرکت کی بھی آزادی میسّر نہیں تھی۔"

یومیہ اُجرت پر کام کرنے والے مزدور

کتبوں میں دیئے گئے سرسری حوالوں سے ہمیں یومیہ اجرت پر کام کرنے والے مزدوروں کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے جو کھیتی میں دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ اس کے عوض میں انہیں یومیہ اجرت ملتی تھی۔ جو عموماً غلے کی شکل میں ہوتی تھی[9]

بے زمین کھیت مزدوروں اور خالی اوقات میں اُجرت پر کام کرنے والے معمولی کسانوں کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں تھا۔ مندروں کے باغوں میں کام کرنے کے لئے باغبان مزدور ایک مرکال اور دو نالی دھان یومیہ کی عام شرح پر رکھے جاتے تھے۔ یہ شرح ۱۰۱۹ء اور ۱۰۵۳ء کے دو کتبات میں مذکور ہے۔ ایک جگہ سات "پاڈگم" رقبے کے ایک باغ کیلئے آٹھ مزدور سال بھر کیلئے رکھے گئے تھے اور دوسری جگہ دو "ما" رقبے کیلئے دو مزدور۔ کئی ایسی مثالیں بھی سامنے آتی ہیں جن میں کسی عوامی مقصد کے لئے کسی مندر یا مٹھ کو دی گئی اراضی کا تھوڑا سا رقبہ اُن مزدوروں کے کنبوں کی رہائش کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا جو وہاں کاشت کے لئے تعینات کئے جاتے تھے۔ ایسے مزدور مالکانہ حقوق رکھنے والے کسان نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ اُن کی حیثیت اُجرت پر کام کرنے والے مزدوروں کی سی تھی انہیں کام کی جگہ سے نزدیک ہی رہائش کی جگہ دی جاتی تھی۔ اُن کی مزدوری پیشگی طے کر دی جاتی تھی اور ان کی زمین سے جو کچھ پیدا ہوتا تھا اُس کا تنہا حقدار زمین کا مالک ہوتا تھا۔ لگان پر کاشتکاری کا رواج بھی تھا۔ کاشتکار عموماً زمین کے مالک کو پیشگی طے شدہ "عیل وارم" ادا کر کے باقی ماندہ پیداوار اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔ کاشتکاری کے اخراجات اور اراضی پر لگائے گئے چھوٹے موٹے ٹیکسوں کو کاشتکار ہی ادا کرتا تھا۔ خدمت کے عوض جو اراضی دی جاتی تھی اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس میں مالک اور کاشتکار دونوں کی عارضی شراکت ہوتی تھی۔

ایک انتباہ

کتبوں سے ہم کو جو کچھ پتہ چلا ہے وہ اس قدر نامکمل اور ایک طرفہ ہے کہ اس سے اس عہد کے زرعی نظام کا کوئی جامع تذکرہ مرتب نہیں کیا جا سکتا لگ بھگ سبھی کتبوں میں اراضی کے متعلق کارروائیاں درج ہیں۔ وہ مذہبی اور خیراتی نوعیت کی ہیں۔ اور یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہے کہ ان میں جو حالات بتائے گئے ہیں۔ وہ کس حد تک نجی کاشتکاری کے نظام کے اجتماعی پہلوؤں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس بات کو مدِنظر رکھتے ہوئے کہ زراعت بھی دیگر صنعتوں کی مانند بنیادی طور پر مقامی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے عمل میں لائی جاتی تھی اور اسلئے بھی کہ اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ کاشتکاری نے کبھی سرمایہ دارانہ قالب اختیار کر لیا ہو۔ یہ ممکن ہے کہ نجی ارضیات اور سرکاری یا خیراتی اداروں کی زیرِ ملکیت ارضیات کی کاشت کرنے والوں میں بہت معمولی بلکہ شاید کوئی بھی فرق نہیں تھا۔ اگر اس مفروضہ کو درست تسلیم کر لیا جائے تو ذیل میں اراضی کی ملکیت، آبپاشی، اراضی کی قیمتوں وغیرہ کے متعلق جو کچھ کہا جا رہا ہے، اُس کے بیشتر حصّے کو پورے زرعی نظام کی خصوصیات کا نمائندہ سمجھا جا سکتا ہے

حقوقِ اراضی کی قسمیں

ہم گاؤں کی زمین پر گاؤں والوں کی مشترکہ ملکیت کی طرف پہلے ہی اشارہ کر چکے ہیں۔ باقی ماندہ غیر ملکیتی اراضی پر سرکار کا حق بغیر کسی بحث کے تسلیم کر لیا گیا ہوگا۔ سرکاری زمین کو چھوڑ کر تمام قابل کاشت اراضی پر حقوق کی تین موٹی موٹی قسمیں تھیں اور انہی میں سے کسی ایک قسم کے تحت ہی اراضی آجاتی تھی۔ ان اقسام کو اس طرح الگ الگ بیان کیا جا سکتا ہے! کسانوں کی خودکاشت ملکیتی اراضی جسے کتبوں میں "ویلان وگئی" کا نام دیا گیا ہے۔ خدمتی حقوق کاشت جس میں جیوتا۔ بھوگ۔ کانی۔ ڈرتی وغیرہ ناموں کے تحت آنے والی سبھی اراضیات شامل تھیں اور خیراتی حقوقِ قبضہ جس میں برہم دیہ۔ دیودان۔ اور شالا بھوگ زمروں کی اراضیات آجاتی تھیں اور کسی خیراتی عطیے کے نتیجے میں اور خصوصی شرائط کے تحت دی گئی ہوتی تھیں۔ یہ شرائط خاص اصطلاحی زبان میں تانبے یا پتھر کی تختیوں پر یا دونوں طرح کی تختیوں پر کندہ کروادی جاتی تھیں۔ خدمات کے لئے انعام کے طور پر دی گئی اراضی کے متعلق اندراجات بھی پتھر کی تختیوں پر کندہ کروادئے جاتے تھے لیکن یہ اندراجات مقابلتاً سادہ ہوتے تھے اور ان میں محض انعام میں دی گئی زمین کا رقبہ اُس کے پانے والے کا نام اور اس مخصوص خدمت کی تفصیل درج ہوتی تھی جس کے معاوضہ میں یہ اراضی عطا کی گئی تھی۔ متعلقہ فریقین کے حقوق کی تفصیلات کا تعین مقامی رواج پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اب ہم حقوقِ اراضی کی ان تین مختلف اقسام پر، جن کا فرق اوپر بتا دیا گیا ہے۔ قدرے تفصیل سے بحث کرینگے۔

مالکوں کی خودکاشت اراضی

"ولان وگئی" کی اصطلاح دو الفاظ پر مشتمل ہے جن میں سے پہلے لفظ کے معنی واضح طور پر کاشت کے ہیں۔ دوسرے لفظ "وگئی" کے جو معنی اس جگہ برمحل معلوم ہوتے ہیں، وہ ہیں "طبقہ" یا طریقہ، کتبوں میں "وگئی" کا لفظ قبضے یا حقوق کے لحاظ سے اراضی کی قسم کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اگر ہم "ناڈو وگئی شیڈول" کی اصطلاح کو یاد کریں جو محکمۂ مال کے ان اہلکاروں کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ جو لگانِ اراضی کے بندوبست میں لگے رہتے تھے۔ تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ اس "وگئی شیڈول" میں اقسام اراضی اور حقوق کاشت کا اندراج ہوتا تھا۔ جس میں عام کاشتکاروں (ویلان) کے حقوق بھی شامل ہوتے تھے۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی کر دینا چاہیے کہ زرخیزی کے لحاظ سے اراضی کی قسم زمین متعین کرنے کو "ترم اڈودل" کہا جاتا تھا۔ یعنی درجہ بندی۔ کتبوں میں "ویلان وگئی" کا مطلب دوسری اقسام کی اراضی سے واضح طور پر مختلف ہے۔ کردپور اُن بہت سے دیہاتوں میں سے ایک تھا جن کو راج راجا نے تنجور کے مندر کو اناج

کی کچھ مخصوص مقدار مہیا کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ اُس غلّے کی مقدار متعین کرنے کیلئے صرف "ویلان وگئی" کے زمرے میں آنے والی اراضیات کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔ "دیودان" اور "شالابھاگ" قسم کی اراضی اس میں شامل نہیں کی گئی تھی"۔ اس کے بعد تروو النگاڈو کی تختیوں میں بھی سرسری طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ معمول کے طور پر ٹیکس ادا کرنے والا گاؤں "ویلان وگئی" ہی ہوتا ہے۔ پلائیانور نامی گاؤں جو برہم دیہ تھا اور شنگلانتکا چتر ویدی منگلم کی سبھا کے قبضے میں تھا، بعد میں "دیلان گئی" قرار دے دیا گیا۔ اور سبھا کو اس کے بدلے تلائی ماڑو میں دوسری زمین دیدی گئی۔ اس تبدیلی کے بعد پلائیانور کو تروّ والنگاڈو کے مندر کی "دیودان" قرار دیا گیا۔ اس گاؤں اور "ویلان وگئی" کے زمرے کے دیگر دیہاتوں کے مابین جو فرق تھا وہ ذیل کے الفاظ میں واضح کر دیا گیا ہے[12]۔ "یہ اور" دیلان وگئی کے زمرے میں آنے والے دوسرے دیہاتوں کی "مانند اڑئی" کی ادائیگی سے مستثنیٰ ہے۔ چھٹے سال کے بعد آئندہ ہر سال یہ" اور "مندرجہ ذیل مستقل سالانہ شرح پر اڑئی" (نتر یرائی) ادا کیا کرے گی۔ تین ہزار دو سو اٹھاسی کلم، سات کرونی اور پانچ نالی دھان، "ایک سو ترانوے کلنجو (ایک) منجادی اور ایک "ما" سونا جیسا کہ ادا کیا جاتا تھا۔ اور جس میں "پڈی"، "اور پلی"، بھی شامل تھے[13]۔ اس تشخیص کو درج کا غذات کیا جائے: راجہ کے فرمان کے یہ الفاظ چولوں کے زیر حکومت رائج بندوبست اراضی کے اہم پہلوؤں پر نظر ڈالنے کے لئے ایک دریچے کا کام دیتے ہیں ـــ آجکل ہم جس معمولی گاؤں کو رعیت واڑی کہتے ہیں۔ وہی "ویلان وگئی"، ہوتا تھا جسکا سرکار سے براہِ راست تعلق ہوتا تھا اور جو لگان گاؤں سے ملتا تھا اس میں کبھی کبھی ترمیم بھی ہو سکتی تھی یقینی طور پر کچھ معلوم نہیں کہ یہ بندوبست انفرادی طور پر کاشتکار کے ساتھ ہوتا تھا جیسا کہ آجکل ہوتا ہے۔ یا جیسا کہ قرین امکان ہے پورے گاؤں کے ساتھ۔ کیونکہ اُن دنوں کی دیہات کی زندگی اور گاؤں کی برادری کی طاقت در تنظیم سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ بیان کہ جب پلائیانور سبھا کے تحت ایک "برہم دیہ" گاؤں تھا جو مقابلتاً زیادہ "اڑئی ادا کرتا تھا، اس بات کا ثبوت ہے کہ "برہم دیہ" کچھ محصولات مرکزی سرکار کو یک مشت سونے کی شکل میں ادا کرنیکا ذمہ دار ہوتا تھا[14]۔ "برہم دیہ اراضی" بازیاب بھی ہو سکتی تھی یعنی اصل مالکوں کو واپس بھی مل سکتی تھی۔ اس صورت میں اراضی سے مستفید ہونے والے افراد کو بدلے میں کوئی دوسری اراضی دینی پڑتی تھی۔ اور واپس لی گئی "برہم دیہ" اراضی کو کسی دوسرے مقصد کیلئے استعمال کیا جا سکتا تھا جیسا کہ اس گاؤں میں اس کو دیوان میں بدل دیا گیا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ پلائیانور گاؤں جب مندر کو دیا گیا تھا تو "معمولی دیودان" کے طور پر نہیں بلکہ "ویلان وگئی"

کے طور پر دیا گیا تھا اور اُس کا بندوبست مالگزاری بھی دائمی طور پر کر دیا گیا تھا۔ یہ مالگزاری سرکار کی بجائے مندر کو ادا کی جاتی تھی۔ اس اُلٹے سیدھے انتظام کی کیا وجہ تھی یہ نہیں بتایا گیا ہے، لیکن ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کا مدعا یہی تھا کہ اصل کاشتکاروں کی حیثیت بدستور رہے۔ جب گاؤں کی زمین "برہم دیہ" تھی تو گاؤں کے کاشتکار زمیندار کو 8 ع 32 کلم۔ 4 کرونی اور 3 نالی دھان، اور 92 کلنجو "ایک منجادی اور ایک" سونا دیتے تھے اور اب بھی انہیں اس بات کا پابند کیا گیا کہ وہی ادائیگی اپنے سابقہ زمینداروں کی بجائے مندر کو کرتے رہیں"۔ اگرچہ اس وقت کے حالات کے پیش نظر گاؤں کی جانب سے مندر کو واجب الادا لگان کے دائمی بندوبست کا حکم دیا گیا تھا لیکن اُس کا مدعا صرف یہ تھا کہ یہ تشخیص اسی طرح بار بار نہیں بدلی جائیگی جس طرح کہ "ویلان وگئی" مواضعات میں ہوتا ہے۔ کیونکہ یوں تو ہر فرمان یا قرارداد اپنے اجرا کے وقت دائمی نوعیت کی بتائی جاتی تھی لیکن تازہ حالات کے تقاضوں کے تحت بعد میں اُس پر دوبارہ غور کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا تھا۔ اور اس حکم کے الفاظ سے جو عام "ویلان وگئی" گاؤں کے لگان اور پلائیانور کے مقررہ سالانہ لگان کے مابین فرق کو نمایا کرتی ہے۔ یہ تاثر بھی ملتا ہے کہ "ویلان وگئی" اراضی میں حکومت کا حصہ اُس کی سالانہ پیداوار پر منحصر ہوتا تھا لیکن اُس کے متعلق ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ "برہم دیہ" اراضی کو "ویلان وگئی دیودان" میں بدل دینے کی ایک ایسی ہی مثال چولا یا نڈیا نائب السلطنت سندرا کے سولہویں سال حکومت کے ایک کتبے میں مذکور ہے جس میں پانچ "ویلی" اراضی جو اصل میں "برہم دیہ" تھی تروداشیورم کے مندر کو ویلان وگئی کے طور پر دی گئی اور اُس کا سالانہ لگان 472 کلم۔ 6 کرونی۔ 3 الکو اور 1/4 شیوڈ ڈ سالانہ مقرر کیا گیا۔ "ناراگم" کے پیمانہ سے شیو یڈ ڈ "پانچ نالی کا ہوتا ہے۔ نیز سالانہ لگان میں نقد 4 کلنجو اور تین کانی سونا اس کے ساتھ واجب الادا تھا جس میں سے پانچ کاشو لو کا پُچی ایٹر دو کاشو کے تھے اور باقی اُروود کول نین کا شو کے"۔ ان مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ راجندراؤں کے زمانے میں "ویلان وگئی" قسم کی زمینیں بھی کم از کم دو زمروں میں بٹی ہوئی تھیں ایک وہ جس کا سالانہ لگان حکومت کے پاس براہِ راست جمع ہوتا تھا اور قابلِ ترمیم تھا۔ دوسرا وہ جس کا کم و بیش مستقل سالانہ مالیہ ان عوامی اداروں مثلاً مندروں وغیرہ کو ادا کرتا تھا جن کی ملکیت میں متعلقہ اراضی ہوتی تھی۔ ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کے کوئی وسائل موجود نہیں ہیں کہ ان دونوں اقسام میں سے کاشتکاروں کے لیے کونسی زیادہ سود مند تھی۔

"برہم دیہ" اراضی کو "ویلان وگئی" کے زمرے میں منتقل کرنے کی ایک اور نمایاں مثال کلوتنگا اول کے گیارہویں سال حکومت (1081ء) کے کتبے میں ملتی ہے (الف) اس کتبے اور تروالنگاڈو کی

تختیوں کی طرزِ تحریر میں بڑی مشابہت ہے اور ان تختیوں کی مانند اس کتبے میں محکمہ مال اور انتظامیہ کے متعلق کئی دفتری اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں جو ابھی مطالعہ کی متقاضی ہیں۔ دوسرے کے نام حقوقِ کاشتکاری کے انتقال کے لئے ضروری دفتری کاروائی میں برسوں لگ جاتے تھے۔ مندرجہ بالا منتقلی کی کاروائی راجندر دوم کے عہدِ حکومت میں شروع ہو کر کلوتنگا کے زمانے میں ختم ہوئی۔ ویرلینر نے ضروری حکم ناثار، برہم دیہ کلور، دیودان، پلی چندا اور شالا بھوگ اراضیات کے، اور اسی نوع کے دوسرے خیراتی مواضعات کے اُدر گلیار کو، نیز "نگرانگالیلار" کے نام جاری کیا۔ جو اراضیات اس طرح دوسرے زمرے میں منتقل کی گئیں۔ اُن سے ایک نئے گاؤں کی تشکیل کی گئی۔ اور اُسکا نام راجندر تلوّر رکھا گیا۔ اور اس گاؤں کو سالانہ دو ہزار کلم دھان بطور مقررہ لگان (نیزرائی) تردنا تنگائی الشیورم کے مندر کو ادا کرنیکا پابند کیا گیا۔ اس مندر کو نکن ترنی یائین دال نے تعمیر کروایا تھا نیا بندوبست شہنشاہ کلوتنگا اوّل۔ کے گیارہویں سال حکومت سے عمل میں آیا کلوتنگا دوم کے تیسرے سال حکومت میں ضلع جنوبی ارکاٹ کے ایک گاؤں ادیالور کو "نالو برہم دیہ" سے بدل کر ٹیکس سے۔ ۱۶۔ب۔ مستثنیٰ اراضی ترونامتوکانی کے زمرے میں کر دیا گیا۔

نڈور ضلع تنجور کے ایک ۱۲۳۳ء کے کتبے میں درج ہے[?]۔ کر کو بیرن جنگا کی ظالمانہ حکومت سے آزاد ہونے کے بعد اس گاؤں کے کسان اپنی اقتصادی بدحالی کی شکایت لیکر سبھا کے پاس پہنچے۔ سبھا نے نیا بندوبست کر دیا اور یہ ہدایت کی کہ لگان کے یہ واجبات جنس یا نقدی کی شکل میں، اصل کاشتکاروں کی طرف سے زمینداروں (بیرن گڈیگل) کے پاس جمع کروائے جائیں زمینداروں کو لگان کی وصولی میں تشدد سے منع کیا گیا۔ "کڈمئی" کی شرح ایک فصل کے لئے خی مندر گائی (جو ایک دیلی اراضی $\frac{1}{20}$ حصہ ہوتا ہے۔) بائیس کاشو مقرر کی گئی۔۔ دینک کاشو اور دنوکم یہ دونوں ٹیکس بالترتیب ۲ کاشو اور ایک کاشو مقرر کئے گئے۔ ہر ایک "کانی" اراضی پر ایک مزدور بلامعاوضہ دینا ضروری تھا۔ اور باقی مزدوروں کو معمولی شرح پر اجرت ملتی تھی۔ اراضی پر اگر کوئی مزید ٹیکس لگتا تو اس کی ادائیگی کے لئے بیرن گڈیگل (زمیندار) ذمہ دار تھا۔

اراضی خدمتی خدمات کے عوض جو اراضی دی جاتی تھی، اُس کی کئی قسمیں تھیں۔ سرکاری ملازمین کو اپنے سرکاری کام کے معاوضے میں حکومت کی طرف سے جو اراضی دی جاتی تھی اُس پر ہم پہلے ہی بحث کر چکے ہیں۔ یہ پٹے محض اراضی سے بعض ٹیکسوں اور محصولوں کی وصولی کے حقوق کے لئے ہوتے تھے اس لئے انہیں مخصوص خدمات کے عوض ملنے والی اراضی سے

مختلف سمجھنا چاہیے۔ مثلاً ۱۰۸۶ء میں مانم باڑی (ضلع تنجور) کے "نگرتار" اور مندر کے حکام نے کچھ زمین کو "نانک کانی" کے طور پر دی۔ یہ ویرنارائنا پورم کے جہادیو مندر میں چترائی کے مہینے میں ایک تیوہار کے دن پانچ نال کو تودں یعنی ناچ ناچنے کے عوض دی گئی۔[۱۶] ایف

فوجی جاگیریں

چولا عہدِ حکومت میں اراضی کا مالیہ یا خود اراضی فوجی خدمات کے عوض میں دینے کا ایک عام دستور تھا۔ ۱۰۱۷ء اور ۱۰۳۵ء کے دو کتبوں میں جو ترڈ دا ڈ تزائی سے ملے ہیں، یہ ذکر آیا ہے کہ قابلِ کاشت اراضی کا خاصا بڑا رقبہ کلوتنگا شولا نلور کے نئے نام سے میرکا ناڈو کے کائیکولا افسروں کو "ویر بھوگ" کے طور پر دے دیا گیا تھا۔ یہ کائیکولا افسران "شرڈ دانم" کا منصب رکھتے تھے اور گنگائی کونڈا شولا پورم کے محل میں ملازم تھے۔[۱۸] شیوپوری (ضلع رام نڈ) کا ۱۲۶۸ء کا ایک کتبہ مظہر ہے[۱۹] کہ شہنشاہ کے ایک اطاعت گزار شنڈن گنگائی کونڈان نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے فوجیوں کے جو جنگ میں مارے گئے تھے، وارثوں کو پانچ "ما" اچھی الاضی اور تین "ما" خراب اراضی بطور "ادِرپ پٹی" کرے گا۔ اس نے یہ وعدہ بھی کیا کہ اگر ان فوجیوں کے ملازمین میں سے کوئی بھی لڑائی میں یا بیماری کے باعث فوت ہو جائے تو وہ اُسکے اقارب سے کوئی ٹیکس، جس کے دینے کے وہ ذمہ دار ہوں، بغیر اُن کی رضامندی کے وصول نہیں کرے گا۔ ضلع تنجور میں مقام کودن کاڈو سے دستیاب شدہ ۱۲۸۶ء کے ایک کتبے میں نندی منڈلم کے شولا گنگن والیے پائیور کے ایک اقرار کا ذکر آیا ہے جس کی رو سے اُس نے اعلان کیا تھا کہ وہ اپنی اُس تمام اراضی کے کاشتکاروں سے جو بطور "پڈئی پرو" اُس کی ملکیت تھی فی ما چھ تنو کاشو نقد اور دو کلم دھان سے زاید کوئی محصول وصول نہیں کرے گا۔[۲۰] یہ ایک واضح مثال ہے جس میں ایک جاگیردار کو اپنی حاصل کردہ جاگیر کی اراضی کے لگان اور دیگر محصولوں کو اپنی نجی آمدنی کے طور پر وصول کرنے کے حقوق دے دئے گئے تھے۔ یہ حقوق اُسے بوقتِ ضرورت شہنشاہ کی خدمت کے لئے ایک مقررہ تعداد میں فوج تیار کرنے کے عوض دئے گئے تھے۔

مندروں اور دیہاتوں سے خدمت کے عوض اراضی دئے جانے کی بہت اچھی مثالیں ملتی ہیں۔ مندر اور دیہات اپنے ملازمین کو اس طریقے سے معاوضہ ادا کرتے تھے۔ مندروں کی انتظامیہ اکثر مندروں کے اراضیات کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرکے اُنکو "جیوتاہ بھوگ" یا کانی کے طور پر عطا کر دیتی تھی۔ یہ تمام اصطلاحات اُن لوگوں کی بابت بڑی لاپروائی سے

استعمال کی گئی ہیں جو مندر کے دیوتاؤں کے اشنان کے لئے پانی بھر کر لاتے تھے[21]۔ مندر کی عمارت کی نگرانی کرتے تھے، سنکھ (شنگو) بجاتے تھے[23]، "ارچنا کرتے تھے"، "شری بلی" کے موقع پر مدد کرتے تھے[24]، مندر میں بھجن گاتے تھے، گانے والوں کو تربیت دیتے تھے[25] وغیرہ۔ راجندر اوّل کے نویں سالِ حکومت کے دوران جن ناتھ چترویدی منگلم کی سبھا کا اجلاس اس غرض سے منعقد کیا گیا کہ مہاشاستا کے مقامی مندر کی اراضیات پر مندر کے ملازمین کے قبضے کو باضابطہ کیا جا سکے اور ان اراضیات کے قابضوں کے فرائض کی نوعیت اور دائرے کو متعین کیا جا سکے۔ مثلاً پوجا کروانا چراغوں کے لئے تیل مہیا کرنا اور مندر کی نگرانی کرنا[26]۔ انفرادی طور پر صاحب خیر افراد مندر کو دی ہوئی اراضی کو کچھ خاص خدمات کے لئے وقف کر دیتے تھے۔ اگرچہ اس رواج کی ابتدا قدرے مختلف تھی لیکن یہ متذکرہ دوسرے طریقہ سے کسی طرح مختلف نہیں تھا مندروں کی اراضیات میں سے ملازمت کے عوض جو اراضی دی جاتی تھی، اس کی دو مثالیں حسب ذیل ہیں۔ (۱) ترو واڈ توری کے سالانہ تہواروں میں "آرائیک گوتو" (ناچ) پیش کرنے کے عوض راج راجا اوّل کے نویں سالِ حکومت (۹۹۴ء) سے ایک "نرتیہ بھوگ" (شاکئی کانی) جاگیر منظور کی گئی[27]۔ (۲) ایک "دستار کانی" یعنی سنار کی جاگیر مہارانی دنتی شکتی وٹنکی نے عطا کی جو مہاراجہ راجندر کے چوتھے سالِ حکومت سے ترد وارور کے مندر کے ساتھ منسلک کر دی گئی[28]۔ گاؤں والوں کے جو چھوٹے بڑے کام کئے جاتے تھے اُن کا معاوضہ بھی اسی ترکیب سے دیا جاتا تھا۔ یہ بھی دو طرح سے کیا جاتا تھا۔ کبھی تو دیہی اسمبلی ہی پہل کرتی اور شاملاتِ دیہہ کا کچھ حصّہ بعض خدمات کے معاوضے کے لئے بطور "بھوگ" الگ رکھ لیتی تھی اور کبھی مالدار اور فیاض افراد بعض ضروری نوعیت کی مقامی حاجتوں کو اپنی جیب سے پورا کرنے کے لئے کمربستہ رہتے تھے اور ضرورت پڑنے پر دھرمارتھ کے لئے گاؤں والوں سے زمین خرید کر مقامی حکام کے زیر انتظام چھوڑ دیتے تھے۔ پہلے طریقے کی متعدد مثالیں بھٹ ورتی کی شکل میں سامنے آتی ہیں جنہیں دیہی اسمبلیاں اسکولوں کے استادوں کے لئے قایم کرتی تھیں یا اُن افراد کے لئے جو پراتوں کی کتھا سنا کر یا مندروں میں فلسفے کی تشریح کر کے کلچر کا پرچار کرتے تھے۔ یہ اسمبلیاں دستکاروں مثلاً زرگروں کے لئے[29]، گاؤں کے طبیب کے لئے[30] اور رقاص کے لئے "کانیاں" قایم کرتی تھیں[31]۔ دھرم سخاوت کی ایک عام شکل یہ تھی کہ کئی لوگ جھام کشتیوں (کیچڑ نکالنے والی کشتیوں) کے اخراجات اور اُن ملازمین کے اخراجات کے لئے جو تالابوں کی مرمّت اور دیکھ بھال کرتے اُن میں سے ریت کیچڑ نکالتے، اُن کے بندھوں کی مرمّت کرتے اور کئی دوسرے مخصوص طریقوں سے

انہیں صحیح حالت میں رکھتے تھے، اراضی بطور عطیہ دیتے تھے[93] اس طرح کی عطیہ شدہ اراضی کو "ایری پٹی" کہتے تھے۔ ایسی کچھ اراضیات "امبلاپورم" کہلاتی تھیں۔ جو سرائے اور سبیلوں کے اخراجات چلانے کے لئے بخشی جاتی تھیں[94] "نی کس تین "ما"، اراضی کا عطیہ دیکھکر سوم ناتھ چترویدی منگلم کے تین بڑھئی مناسب معاوضے کے عوض گاؤں کی کئی چھوٹی چھوٹی نواحی بستیوں کا کام کرنے پر رضامند ہو گئے[95] دراصل مختلف اقسام کی خدمات کے بدلے میں اراضی دینے کا دستور ہمہ گیر تھا اور پوری سلطنت میں موجود تھا۔ اس کا ثبوت تاریخی کتبوں سے ملتا ہے۔ ٹیکسوں کے نظام میں ان خدمتی اراضیات ہونے سے بہت سے تنازعات پیدا ہو گئے تھے جنکا تصفیہ راج راجا کے ایک عام فرمان کے ذریعہ سے کردیا گیا۔ یہ فرمان شہنشاہ نے اپنے عہد کے چوبیسویں برس میں جاری کیا تھا۔ اس فرمان سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ خدمتی اراضیات پر معمول کے وہ سبھی مرکزی اور مقامی ٹیکس واجب الوصول تھے جو دوسری اراضیات پر وصول کئے جاتے تھے۔ جب تک کہ ان ٹیکسوں سے مستثنےٰ کئے جانے کا کوئی الگ حکم جاری نہ کیا گیا ہو۔ مندروں پر چراغ جلائے رکھنے کے اخراجات کے لئے جو زمینیں دی جاتی تھیں وہ خدمتی اراضی کی بہترین مثالیں تصور کی جاتی ہیں۔

خیراتی زمینیں خیراتی اراضیات کی تین خاص اقسام "برہم دیہ" "دیودان" اور شالابھوگ تھیں۔ اوّل الذکر دو اقسام اکثر ایک ہی گاؤں میں اکٹھی ہو جاتی تھیں اور ایسا گاؤں "برہم دیہ دیودان" گاؤں کہلاتا تھا[96] "دیودان" اور "تردیڈیائم"[97] نیز "تردنا مُتک کانی" میں فرق ہے۔ موخرالذکر دو اصطلاحات اُن اراضیات کے لئے استعمال ہوئی ہیں۔ جو کُلّی طور پر مندروں کی ملکیت تھیں جس طرح کے اور زمینداروں کی[98] ایسے حقوق قبضہ عموماً اس طرح وجود میں آتے تھے کہ کچھ اراضی اصل مالکوں یا اس پر قبضہ رکھنے والوں سے خرید لی جاتی تھی۔ پھر ایک رسمی کاروائی کے بعد اُس کو عطیے میں دیدیا جاتا تھا عطیہ کی تحریر میں عطیہ کے متعلق جُملہ حقوق و مراعات اور ذمّہ داریاں بھی واضح طور پر بتادی جاتی تھیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایسے عطیات خصوصاً راجا اور دیہی اسمبلیوں کی طرف سے اُن زمینوں کے متعلق ہوتے تھے جو ابھی تک کسی کو دی ہوئی نہ ہوں۔ جب کوئی ایسی اراضی خرید کر بطور عطیہ دی جاتی تھی جسکا کوئی اور مالک رہا ہو تو یہ سوال سامنے آتا تھا کہ اصل کاشتکار (کُڈی) کے حقوق کا کیا کیا جائے۔ بالکل ایسا ہی سوال کارانمئی اور می کانچی یا "میاچی" حقوق کے متعلق بھی اٹھتا تھا۔ ان اصطلاحات کے معنیٰ بالترتیب کاشتکار کے حقوق اور مالکِ اراضی کے حقوق ہیں۔ کیونکہ زمین کا مالک خود ہی اُس کو

کاشت بھی کرتا تھا۔ اِس لئے جن قابضان کو صرف کاشتکاری کے حقوق حاصل ہوتے تھے اُن کو کبھی کبھی "کیل کارانمیٔ اُڈانیا گُدیگل" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا یعنی تحتی کاشتکاری کے حامل۔[9] ڈکی کتبات ہیں جن میں ان عطیات کا اندراج ملتا ہے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان سوالات کو کسطرح حل کیا جاتا تھا کہ کوئی ملکیت "کُدی نیلک کارانمیٔ منٹہ کانچی ہے"[9] یا کُدی نینگاک کارانمیٔ ہے۔[4] ایک عجیب بات یہ ہے کہ حقوقِ قبضہ کے اس نظریہ کا نفاذ کبھی کبھی منقولہ املاک پر بھی ہوتا تھا بشکلہ، کا تروا ئیاڑد کا ایک کتبہ مظہر ہے کہ بھیڑوں کا ایک ریوڑ ایک شخص کے سپرد کیا گیا جس نے اس شرط کے ساتھ مندر میں دو چراغ روشن رکھنے کی ذمہ داری لی کہ مذکورہ بھیڑیں "گُدی نیکا۔ چادا مُوواپیراڈ" بھی جائیں۔ یعنی بالغ عمر کی بھیڑیں جو نہ مرتی ہیں اور نہ بوڑھی ہوتی ہیں اور جن پر قبضہ کا شمار مستقل کاشتکاری کے طور پر ہوگا۔ برہمنوں، مندروں اور لنگروں وغیرہ کو اراضی کے عطیات دیتے وقت ایک اور موضوع جس پر خاص توجہ دی جاتی تھی یہ تھا کہ اراضی کے عطیے میں دیدئے جانے کے بعد اس پر واجب الادا ٹیکسوں اور دیگر واجبات کی ادائیگی کون کرے گا اور کیسے؟ اکثر ان اراضیات کو ٹیکس لگانے والے حکام، مرکزی اور مقامی بھی، یا تو جملہ ٹیکسوں سے مستثنےٰ قرار دیکر "ارائیلی" بنا دیتے تھے یا اُن پر "اڑائی" کی رقم یک مُشت پیشگی وصول کرلی جاتی تھی جسے "اڑائی کادل" کہا جاتا تھا۔ جب تک کسی اراضی کے لئے مذکورہ بالا کسی مد کے تحت ٹیکس کی معافی کا واضح حکم نہیں دیا جاتا تھا اُس پر معمول کے ٹیکس ہی عاید کئے جاتے تھے۔

ایک بھوگ اراضیات

سندر چولا کے زمانے کی انبل کی تختوں میں اراضی کے ایک عطیے کا اندراج ملتا ہے۔ راجہ نے دس "ویلی"، رقبہ کا یہ قطعہ اراضی "ایک بھوگ برہم دیہ" کے طور پر عطا کیا۔ "ایک بھوگ" کے اسم صفت کا مفہوم "برہم دیہ" سے بالکل مختلف ہے جس میں متعدد افراد عطیہ شدہ اراضی کے ساجھے دار ہوتے تھے۔ "ایک بھوگ برہم دیہ" صرف ایک واحد شخص کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔ مذکورہ مثال میں یہ انی رُدھو برہمادھیراجانامی ایک شخص کو ایک عوامی تقریب منعقد کرکے دیا گیا تھا۔ اس موقعہ پر ادا کی گئی اراضی کی حدود کی نشاندہی ایک ہتھنی سے کروائی گئی۔ تامل زبان میں لکھے ہوئے فرمان عطیہ میں اس کے ذریعے دئے گئے تمام حقوق و مراعات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ البتہ سنسکرت والے حصّے میں یہ اختصار کے ساتھ ان الفاظ میں لکھے گئے ہیں: "ہم نے مذکورہ اراضی کی نشان دہی اس کی سرحدوں پر مٹی کے تودے (کُرو) کھڑے کرکے اور تھوہڑ کے درخت لگا کر کر دی ہے۔ اِس

اراضی میں جو دوسری مشمولات تھیں مثلاً ثمر دار پودے، پانی، زمین، باغ، تمام پھلتے پھولتے درخت اور گہرے کنویں، خالی جگہیں[49]، غیر آباد اراضی جس میں بیل بچھڑے چرتے تھے، گاؤں کی آبادی کی جگہ بامیاں (چیونٹیوں کے بنائے ہوئے ٹیلے) چبوترے (جو درختوں کے ارد گرد بنائے گئے تھے) نہریں[44] غار ندیاں، اور ان کے کچھار، تالاب، کھلیان، (کوئی گارم) مچھلیوں کے جوہڑ، شہد کی مکھیوں کے چھتوں سے آباد دراڑیں، گہرے تالاب (کوٹم) یہ سب شامل کر کے اور مزید ہر وہ چیز جس پر چھپکلی دوڑتی ہے اور کچھار رینگتا ہے، اور اس کے ہمراہ اُس علاقے کے جملہ محصولات جیسے کہ عدالتوں (منو پاڈوم) سے حاصل ہونے والی آمدنی، پان کے پتوں اور کرگھوں کے کپڑے پر عاید شدہ ٹیکس "کولم" گاڑیوں پر لگائے گئے (سونے کے) "کانم"، دوکانوں پر لگنے والے "پاٹم" ٹیکس کی آمدنی بشمولیت "کاراٹمی" اور "میاٹچی"، اور پرانے مزارعوں کو بے دخل کر دینے کے حقوق، گویا ہر وہ چیز جو وہاں راجہ کے اختیار اور استعمال میں ہو سکتی تھی۔ مذکورہ شخص کو عطا کر دی گئی۔ اُسے پوری آزادی ہوگی کہ وہاں ایوان بنوائے اور پختہ اینٹوں سے اُن کی بالائی منزلیں تعمیر کروائے۔ چھوٹے یا بڑے کنویں کھودے۔ وہاں خوشبو دار پھول اور خس کے پودے لگائے اور آبپاشی کی ضروریات کے مطابق نہریں کھدوائے۔ "شینیر" کو ضائع نہ کرے[45] بلکہ ایسے پانی کو باندھ لگا کر آبپاشی کے لیے اکٹھا کر لے مگر ایسے پانی کو اٹھانے کے لئے کوئی بھی چھوٹی ٹوکریاں استعمال نہیں کرے گا[46]۔ اس طریقے سے پرانا نظام بدل دیا گیا۔ پرانے نام اور ٹیکس ختم کر دیئے گئے۔ اور کرونا کر منگلم کے نئے نام سے ایک نئی "ایک بھوگ برہم دیہ" کی تشکیل ہوئی۔

اسی طرح کے مراعات کی ایک سند معمولی سے رد و بدل کے ساتھ "برہم دیہ" کے عطیوں اور دیو دانوں" میں موجود ہے۔ مثال کے طور پر ترودالنگاڈو کی تختیاں بھی ان مراعات کو اسی طرح کے الفاظ میں بیان کرتی ہیں[47]۔ نیز ان میں کچھ اور مراعات کا اضافہ بھی کرتی ہیں مثلاً ناریل اور تاڑ کے درختوں سے تاڑی نکالنے کے لئے "ایلودں" کو ان پر چڑھنے کی ' الغت کی گئی نیز گاؤں کے تالاب کو جتنا ممکن ہو بلند کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ اس میں پانی کی زیادہ سے زیادہ مقدار جمع کی جا سکے۔ کئی بار عطیے کی شرائط کی رو سے عطیہ پانے والوں اور ان کے وارثوں پر ان کے فروخت یا رہن کے حقوق پر پابندیاں لگا دی جاتی تھیں[48]۔

علیحدگی پسندی معلوم ہوتا ہے کہ راج راجا اور راجندر اوّل کے عہدِ حکومت میں "برہم دیہ" دیہاتوں کی امتیازی نوعیت کو برقرار رکھنے کے لئے ان میں دوسری

ذاتوں کے لوگوں کو زمین کا مالک بننے سے روک دیا گیا تھا۔ تاریخ کا جدید طالب علم تو فوری طور پر یہی سمجھے گا کہ یہ پالیسی برہمنوں کے ذات پات کے احساس برتری اور سماجی علیحدگی پسندگی کے باعث اختیار کی گئی۔ لیکن حقیقت میں اس سے زیادہ ایک اور بات اُس کی محرک ہوئی اور وہ یہ تھی کہ اس طرح کے کسی گاؤں کو ایسے آئینی نظام میں شامل کرنے میں جس میں "بھٹوں" اور "کرم دتوں" اور گاؤں کے دوسرے لوگوں کے مقاصد، ضروریات اور اہلیت میں فرق ہوتا تھا، مشکلات پیش آتی تھیں کسی اور جگہ یہ بتایا گیا ہے۔ کہ بڑے بڑے دیہاتوں میں جہاں اس طرح کی یکسانیت قائم نہ رہ سکی وہاں پہلو بہ پہلو دو طرح کی سبھائیں قایم کی گئیں ۹۹ ایک "دیہی سبھا" اور دوسری "اُدر"۔ لیکن ایسے مقامات پر جہاں برہمنوں کی اکثریت تھی۔ اور دوسری ذاتوں کے پٹے دار اتنے کم تھے کہ اُن کی الگ "ادر" قائم نہیں کی جا سکتی تھی، وہاں ایسے پٹے داروں کو ایک ایسی "سبھا" کے ارکان کی حیثیت سے قبول کرنا پڑتا تھا جن میں شرکت اور ملازمت کے لئے اعلیٰ تعلیمی قابلیت ضروری تھی۔ ایسی تعلیمی قابلیت نہ عام لوگوں کو آسانی سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ یا پھر اُن دنوں میں زمین کی ملکیت سے متعلق جو مراعات حاصل تھیں اُن کے بغیر رہنا پڑتا تھا۔ انہیں نہ تو اظہارِ خیال کا مناسب موقع مل سکتا تھا اور نہ اپنی ضروریات کی طرف سبھا کو متوجہ کرنے کا۔ ان کے لئے صرف یہی راستہ رہ جاتا تھا کہ وہ اپنے لئے کوئی الگ سازگار ماحول تلاش کریں۔ ممکن ہے کہ اس نوعیت کی دشواریوں کا شروع شروع میں پہلے سے اندازہ نہیں کیا جا سکا تھا اور "برہم دیہ" دیہاتوں میں اراضی پر دیگر ذاتوں کے لوگوں کی ملکیت پر کوئی پابندیاں نہیں لگائی گئی تھیں لیکن جب اس پالیسی پر عمل کیا گیا اور موقع پر کئی جگہ بہت دشواری پیش آئی جو کہ ان حالات میں ایک بالکل فطری بات تھی اور اس کا کوئی تسلی بخش حل نہیں نکل سکا تو اس کی جانب راجہ کی توجہ مبذول کرائی گئی۔ شہنشاہ راج راجا نے اپنے سترہویں سالِ حکومت یعنی ۱۰۰۲ء میں ایک عام فرمان جاری کیا کہ برہمنوں کے دیہاتوں میں برہمنوں کے علاوہ اور سب کی زمینیں (کانی) بیچ دی جائیں۔ لیکن ان ملازمین کو اس حکم سے مستثنیٰ رکھا گیا جنہیں اراضیات کے خدمتی پٹے ملے ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ برہمنوں سے توقع تھی کہ وہ نقد رقم ادا کر کے یہ زمینیں خرید لیں گے۔ ایک خاص افسر راج کیسری چتر ویدی منگلم میں تعینات کیا گیا تا کہ وہ سبھا سے اس حکم کی تعمیل اور جلد ادائیگی کروائے۔ اس موقع پر فروخت کی گئی کچھ اراضی راجہ کی بہن کندڈئی نے خریدی اور مقامی مندر کو دان کر دی۔ شہنشاہ راجندر اوّل کا بھی ایک ایسا ہی فرمان اُس کے عہدِ حکومت کے چھٹے سال کے ایک کتبے میں درج ہے۔ یہ کتبہ ویلی چیری سے ملا ہے جو بلنوّر کوٹم میں ایک برہم دیہ گاؤں تھا۔

کوتنگا سوم کے بیسویں سال حکومت میں کولیڈم ندی (دریائے کولرُون) کے کٹاؤ کے باعث شری نگم کے مندر اور ترِ دوانئی کاول کے مندر کی ملکیتی اراضی کی حدود میں فرق آگیا ای. الف۔ یہ اراضی شری رنگم کے تالوپر واقع تھی: "پُر دُو دارِک کوڑو شیواز" اور "پُر دُو دری ناٹکم شیوار" کے عہدے رکھنے والے شاہی افسروں نے دونوں مندروں اور سبھا کے نمائندوں، دونوں دیہاتوں کی اراضیات متعلقہ کے محاسبوں اور دونوں مندروں کے مہتمموں کے مشورے سے نئی سرحدیں طے کیں۔ انہوں نے اِس امر کو ملحوظ رکھا کہ شہنشاہ کے اُنیسویں سالِ حکومت سے قبل (یعنی دریا کے کٹاؤ سے پہلے) دونوں مندروں کی اراضیات کتنی تھیں۔ اور جہاں جہاں ضروری سمجھا، اراضیات کا مناسب تبادلہ کر لینے کی تجویز بھی پیش کی۔ اس تصفیے پر دونوں فریقین راضی ہو گئے۔ اور چکر (دشنو) اور شُول (شِو) کے نشان والے نئے سرحدی پتھر نصب کر دئے گئے۔ چلتے چلتے یہاں ہم جین مت والوں کے نصب کئے گئے، سرحدوں پتھروں کے لئے "کُنڈی گا ئیکل" اور "مُکو" ڈائیکل کی اصطلاحات دیکھ سکتے ہیں ۱۵۔ ب۔

راج راجا سوم کے عہدِ حکومت سے ہمیں ایک ایسی مثال بھی ملی ہے۔ کہ جب ایک "برہم دیہ" گاؤں تلاینگا ڈو کی اراضیات کے ریکارڈ کا اصل رجسٹر ایک شورش میں گم ہو گیا تو گاؤں کے حکام نے مرکزی حکومت کی منظوری سے قبضۂ قدیم کی بنیاد پر حقوق کے ایک نئے رجسٹر کی تیاری کے اقدامات کئے۔ سبھا نے ایک کتبے میں اس تمام معاملے میں دلچسپی لینے والے اصل محرک کا شکریہ ادا کیا جس نے اراضیات کے حقوق کا دوبارہ اندراج کروایا اور گڑبڑ اور افراتفری کے دور کے بعد امن و امان بحال کیا[۵۲]۔ یہ کتبہ ۱۲۳۵ء کا ہے۔

دیلودان دیلودان اراضیات کی حدود کی نشان دہی، جیسا کہ ہم ابھی دیکھ چکے ہیں، ایسے سرحدی پتھروں کے ذریعے کی جاتی تھی جن پر اُس دیوتا کا خصوصی نشان لگا ہوتا تھا جس کی یہ اراضیات ملکیت ہوتی تھیں[۵۳]۔ "دیلودان" میں گنوائے گئے حقوق اور معافیاں "برہم دیہ" حقوق اور رعایات ایسی مشابہت رکھتے تھے جیسے کہ وہ ایک خاندان کے ارکان ہوں۔ مندر کے کارکن دوہری نگرانی میں "دیلودان" اراضیات کا انتظام چلاتے تھے۔ ایک طرف ان پر دیہی اسمبلی کی نگرانی ہوتی تھی اور دوسری طرف مرکزی حکومت کی۔ مندر کے کارکنان کو جو مقامی اسمبلی کے مشورے سے کام کرتے تھے۔ یہ اختیار ہوتا تھا کہ وہ مندر کے ملازمین کو اُن کی خدمات کے معاوضے میں، یا مندر کے استعمال کے لئے مطلوبہ اشیاء کی فراہمی کے لئے "جیوِتا" اور کانی "عطا کر دیں۔ اس طرح

کے عطیئے بعض اوقات اسمبلی خوداپنی جانب سے بلا مشورہ بھی دے دیتی تھی۔ مثال کے طور پر شہنشاہ اُتّم چولا کی طرف سے کچھ سیراب اراضی اور ایک مکان نیر کپشی کی "اور" کو ملا، "یہ ترُومُنڈ دکنم اُڈیار کے لیے بطور دیودان دیا گیا تھا۔" "اُور" نے راج راجا اول کے تیسرے سالِ حکومت میں یہ املاک بطور کانی "ایک شخص کو دے دیں جس کو اُئن سنکرانتی" کے دنوں میں نصف پلم چندن کا لیپ پادپلم گوگل اور اس کے علاوہ اشنان کا سامان مندر کو فراہم[59] کرنا تھا۔ مندر کو اکثر کم زرخیز اراضی یا بنجر زمین بھی اس وقت دیہی مجلسوں سے مل جاتی تھی جب ان اسمبلیوں کو کسی عوامی مقصد کے لئے روپے کی اشد ضرورت ہوتی تھی۔ ایسی گھٹیا اراضی کو زرخیز بنانے کے مواقع مندروں کو زیادہ حاصل تھے۔ کیونکہ کچھ لوگ عقیدتاً اس کام کا بیڑہ اٹھانے کو تیار ہو جاتے تھے۔ جب ایسی اراضی اس طریقہ سے بہتر ہو جاتی تو بالعموم اس سے مندر کو پہلے کی نسبت زیادہ آمدنی ہوتی[60]۔ شہنشاہ راج راجا اوّل کے زمانے میں ایک "دیودان" گاؤں کی اراضیات جو بچندرم کے مندر کی ملکیت میں تھیں، دو زمروں میں بانٹ دی گئیں۔ ایک زمرے کی زمینوں کا تو مزارعوں کی طرف سے واجب الوصول لگان (کانک کڈن)، تین کلم فی "ما" اراضی سے بڑھا کر تین کلم اور ایک "تونی" کر دیا گیا جب کہ دوسرے زمرے کی اراضی جو اتنا لگان ادا نہیں کر سکتی تھی۔ براہ راست مندر کے کارکنوں (دیوکن مگل) کے زیرِ انتظام کر دی گئی[61]۔ مندر کی اراضیات پر قابض کچھ ایسے مزارعین بھی تھے جنہیں زمینیں زیادہ اچھی شرائط پر ملی ہوتی تھیں۔ اور کچھ نہیں تو انہیں بوقت ضرورت اپنے پٹے کی شرائط میں ترمیم کروانے کے بہتر مواقع حاصل تھے۔ اس طرح مانا بھرن چترویدی منگلم نامی گاؤں کی جانب سے منار کوئل کے وشنو مندر کو جس کا نام شہنشاہ راجندر چولا کے نام پر رکھا گیا تھا، جو کانک کڈن" واجب الادا تھا وہ ۹۵۰ کلم دھان کے لگ بھگ مقرر کیا گیا تھا۔ بعد میں جب یہ لگان بہت زیادہ معلوم ہوا تو چیرا حکمران راج راجا دیو نے اصل رقبے میں دس "ویلی" اراضی کا اضافہ کر دیا اور اضافہ شدہ رقبے سمیت پورے گاؤں پر ۶۰۰ کلم لگان مقرر کر دیا[62]۔ اس طرح کی مثالوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مندروں کی اراضیات کے انتظام میں اقتصادی وجوہات کے علاوہ بہت سے خارجی تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھنا پڑتا تھا۔ یہ تقاضے کیا تھے؟ ایک تو عطیہ دینے والے کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ اس کے عطیئے سے مندر کو یا اُس کے مزارعین کو زیادہ سے زیادہ مفاد حاصل ہو۔ دوسرے مزارعین بھی اس مقصد کی تکمیل کے لئے محنت کرنے پر رضامند رہتے تھے یا کم از کم ان کی یہ کوشش ضرور ہوتی تھی کہ وہ ایک عوامی ادارے سے حلال کی روزی حاصل کریں بشرطیکہ ایسا کرنے میں

کوئی بدنامی نہ ہو۔ یہ کچھ ایسے اسباب تھے جن کا بٹائی کی شرائط پر واقعی اثر ہوتا تھا۔ مندروں کی اراضیات کے مزارعین کے معاشی حالات سے اس مساوات کی کوئی جھلک نہیں ملتی جو دوسری طرح کے کاشت کاروں میں رواج یا فصل اگانے یا اس کو بانٹنے کے طریقوں سے وجود میں آئی تھی۔ آدیتیہ دوم کے زمانے کے ایک عجیب کتبے سے وقفے وقفے سے ہونے والی مندروں سے حساب کتاب کی جانچ مرکزی حکومت کے افسر کرتے تھے۔ یہ ایک ایسا کتبہ ہے جس میں ایک سوچی سمجھی دھوکا دینے کی سازش پکڑے جانے کی تفصیل بتائی گئی ہے۔ اس دھوکا دہی کے باعث ترُودیوڈی مرُودل کے مندر سے مزارعین سالانہ ۹۶ کلم دھان کی چوری کر رہے تھے۔ یہ لوگ ہر سال ۱۶۰ کلم دھان بطور "پنچوارم" جمع کرواتے تھے جبکہ اقرارنامے کے تحت ۲۵۶ کلم واجب الادا تھے۔ تحقیقات کے دوران میں جو صفائی پیش کی گئی وہ یہ تھی کہ متعلقہ اراضی "گڈنیکا دیو دانم" زمرے کی تھی یعنی اس میں مستقل قبضہ کے حقوق تھے۔ لیکن جب اصل دستاویز دیکھی گئی، جس میں اس "دیودان" کا ذکر تھا۔ تو یہ دعویٰ غلط نکلا۔ اس پر مزارعوں کو حکم دیا گیا کہ وہ "پنچوارم" پوری اونچی شرح سے ادا کریں۔[58]

ترُومالم ضلع تنجور کے ایک کتبے میں[59] جو ۱۱۲۶ء کا ہے، درج ہے کہ شہنشاہ کلوتنگا اوّل نے اس گاؤں کے مقامی مندر کی اراضیات کے کچھ مزارعوں کو بے دخل کر کے وہ اراضیات دوسرے مزارعین کو پٹے پر دینے کی تجویز کی منظوری دے دی کیونکہ ان کی طرف سے واجب الادا "میلوارم" کے بقایاجات چڑھ گئے تھے، نیز وہ ایسے وسائل فراہم نہیں کر پا رہے تھے جن سے نئی فصل اگا سکیں۔ اس کام کے لئے شہنشاہ کی پیشگی منظوری لینا پڑی کیونکہ "دیودان" اراضیوں کے مزارعے ایسی منظوری کے بغیر نہیں بدلے جا سکتے تھے۔ یا غالباً اس لئے ایسا کیا گیا کہ بے دخل شدہ مزارعوں کی جانب سے ہونے والی مقدمہ بازی کے خطرے کا پہلے ہی سے سدِباب کر دیا جائے۔

نارتاملائی، ضلع پڈوکوٹہ کا ۱۲۱۵ء کا ایک کتبہ[60] ایک "کڈی نینگا دیوردانم" سے متعلق ہے جو "نگرم" نے منظور کی تھی، جس نے کچھ اراضی دو تاجروں کے ہاتھ فروخت کی۔ اس فروخت کی شرائط سے پتہ چلتا ہے کہ حقوقِ اراضی سے متعلقہ شرائط کتنی پیچیدہ لیکن از رُوئے انصاف کتنی جائز تھیں۔ اس اراضی پر جتنے بھی محصول وغیرہ راجا کو ادا کئے جانے لازمی تھے اُن کی ادائیگی اس زمین کی فروخت کے بعد بھی نگرم نے اپنے ذمے رکھی۔ ان دونوں اشخاص کو جنکے

باٹھ دو برابر حصّوں میں یہ اراضی فروخت کی گئی تھی، معمول کی فصل ہونے کی صورت میں سالانہ[۳۹] کلم دھان مندر کو ادا کرنے تھے۔ خراب فصل والے سالوں میں انہیں صرف رقبہ زیرِ جنس پر ۱/۲ کلم فی "ما"، کے حساب سے لگان ادا کرنے کا پابند کیا گیا تھا۔ اراضی کو ادنےٰ ترین درجے کی اراضی (ترم) قرار دیا گیا اور ہمیشہ کے لئے اس کا تقرر لگان بھی اسی درجے کے حساب سے کرنے کا حکم دیا گیا یہ بات واضح ہے کہ اس مثال میں مندر کے حقوق صرف پہلے سے مقرر کردہ شرح پر "میلوارم" کی وصولی تک ہی محدود تھے۔ باقی ماندہ پیداوار مزارعہ اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔ اُسے مرکزی حکومت کو واجب الادا ٹیکس بھی نہیں ادا کرنے پڑتے تھے، کیونکہ یہ ٹیکس "نگرم" ادا کرتی تھی۔

آبپاشی

کسی بھی زراعتی ملک کی خوشحالی بہت حد تک آبپاشی کی سہولیات پر منحصر ہوتی ہے۔ جنوبی ہند میں کافی مقدار میں پانی کی فراہمی کی اہمیت بہت قدیم زمانے سے محسوس کی جاتی تھی۔ قدرتی ندیاں اور اُن سے نکالی گئی قابلِ اعتماد نہریں پانی کی فراہمی کا اوّلین ذریعہ تھیں، لیکن ترُوواڈلوراتی سے دستیاب شدہ پراکسیری راجہ کاریکال چولا کے، جس نے دریائے کاویری کے کناروں کو اونچا کروایا تھا، ایک کتبے میں[۴۰]۔ اور دوسرے کتبوں میں بھی قدرتی ندیوں کو آبپاشی کے مصرف میں لانے کے لئے اختیار کردہ طریقوں کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس بات کے ثبوت میں بہت سی ادبی تصانیف کے حوالے دئے جا سکتے ہیں کہ خاص چولا ریاست کی خوشحالی دریائے کاویری کی مرہونِ منّت تھی۔ اور اس عظیم دریا کے ڈیلٹے میں اس کی مختلف شاخوں کے جتنے بھی نام آج ہمارے علم میں ہیں، اُن کا ذکر چولا کتبوں میں مل سکتا ہے۔ جہاں قدرتی ندیاں نہیں ہوتی تھیں، وہاں تالابوں کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ اور آبپاشی کے متعلق اس زمانے کے کتبوں سے جتنی بھی ہمیں شہادتیں ملتی ہیں، اُن میں سے بیشتر تالابوں کی مرمّت اور اُنہیں سالم حالت میں رکھنے سے متعلق ہیں۔ آبپاشی کی غرض سے تعمیر کئے گئے کثیر التعداد تالابوں میں سے مندرجہ ذیل تالاب صرف کچھ سرکردہ مثالیں ہیں جن کا ذکر کتبوں میں آیا ہے۔ شوننگوُر کا چولا وارِدھی تالاب مدورائی میں آنئی ملئی کے نزدیک واقع کلیانیری، شولاپورم کا "کلی ننگئی کلم" پلووں کے زمانے کا "وائر میگھا تٹکا"، تالاب جو اُترمیرور میں واقع تھا، باہور کا عظیم تالاب اور ینگا نور کا راجندر شولپیریا ایری نامی تالاب، دیہی اسمبلیوں کا سب سے بڑا کام اپنے زیرِ انتظام تالابوں سے

ہر سال برسات شروع ہونے سے پہلے ریت اور کیچڑ وغیرہ نکلوانا تھا۔ یہ کام انہیں وقت پر کرنا پڑتا تھا تاکہ اگلے سال کے لئے پانی کی پوری مقدار کا ذخیرہ کرنے کے لئے تالاب ضروری حد تک گہرے کر دئے جائیں بیشتر اوقات ہر تالاب کے لئے خاص دھرمار تھ جاگیریں اس مقصد کی خاطر دی جاتی تھیں۔ تاکہ گاؤں کے حکام کی غفلت یا ناداری سے اس اہم کام میں خرابی نہ ہو، یہاں تک کہ ایسے مقامات پر جہاں باہور یا تر بھووُنی کی طرح مخصوص دھرمار تھوں کے ذریعے سالانہ مرمت کا خرچ فراہم نہیں کیا گیا ہوتا وہاں گاؤں کے مزارعین سے اس مقصد کے لئے ایک خاص محصول "ایری آئم" وصول کیا جاتا تھا۔ جس کی شرح زیر کاشت رقبے کے ایک "ما" اراضی پر ایک "پدکو" اناج بتلائی گئی ہے۔ ہر قطعہ اراضی آبپاشی کے حقوق اس وقت طے کر لئے جاتے تھے جب بیع یا عطیے کے ذریعہ یہ قطعہ ایک مالک سے دوسرے مالک کے نام منتقل ہوتا تھا جہاں کہیں قدرتی سطح پانی کے بہاؤ کے لئے موافق نہ ہوتی وہاں سے پانی کو اٹھانا پڑتا تھا اور اس مقصد کے لئے عموماً ٹوکریاں استعمال کی جاتی تھیں۔ بیلوں سے کام کرنے والا پانی کا رسٹ بھی رائج ہوگا لیکن اس کا ذکر کتبوں میں کہیں نہیں ملتا۔ ۱۰۱۰ء کے قریب ضلع جنوبی ارکاٹ میں واقع نیلی کی سبھا نے ایک مقامی تالاب کی دیکھ بھال اور مرمت کے لئے اپنی کچھ آمدنی "ایری آئم" کے طور پر الگ مخصوص کر دی تھی۔ اس گاؤں کو ان دنوں چلکی گُل کال چتر دیدی منگلم کہتے تھے۔
ان میں سے ایک ذریعۂ آمدنی ایک بڑا معمولی سا محصول تھا جو چوتھائی "پون" ہر برہمن مرد اور عورت پر موت کے وقت لگایا جاتا تھا (الف۶۵) ایک کتبے کے مطابق ۱۱۱۱ء میں ترو کانجی کے تالاب میں ایک طوفان کے باعث شگاف پڑ گیا اور ایک مقامی "ارائین" نے اس کی مرمت کروائی۔ اس مرمت میں تالاب کی دیواروں میں پتھروں کی چنائی ۶۳ بھی شامل تھی۔ ترد کا چور کے نزدیک واقع ایک تالاب کی توسیع کی گئی۔ اور مندر کے اخراجات پر پانی کے نکاس کے لئے ایک نئی موری بنائی گئی۔ تاکہ مندر کی اراضیات کی آبپاشی صحیح طور پر ہو سکے۔ اصل میں یہ تالاب شینگرم کے لوگوں کی ملکیت تھا اور تالاب کی توسیع کرنے سے پیشتر ان کی رضامندی حاصل کر لی گئی تھی۔ تالاب کا پانی اس گاؤں کے لوگوں اور مندر کے مابین اپنی اپنی ملکیت اراضی کے تناسب سے تقسیم کیا جاتا تھا ۶۹ وکرم چولا کے بارہویں سال حکومت میں آبپاشی کی ایک نہر میں کیچڑ جمع ہو جانے کے باعث نیر کرم کی اسمبلی کو ایک نواحی گاؤں کے چشمے سے پانی موڑ کر اپنے گاؤں کو دینا پڑا اور نواحی گاؤں کو اس کا معاوضہ ادا کیا گیا (۶۲ الف) اس کے بعد

راج راجا دوم کے پندرھویں سالِ حکومت میں ترّو دائپاڈی (ضلع تنجور) کی "مہول پرلیشت" نے گاؤں کی کچھ قابلِ کاشت آراضی کی آبپاشی کی خاطر ایک بندھ باندھنے اور ایک نہر کھودنے کے لئے گاؤں کی کچھ غیر مزروعہ شاملات اراضی فروخت کردی[69ب]۔ ایسی بہت سی اور مثالیں بھی جو موجود ہیں، اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ لوگ آبپاشی کی اہمیت کو سمجھتے تھے اور آبپاشی کے مسائل کو صحیح طریقے سے حل کرنے اور اس کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے آمادہ رہتے تھے

زمین کو کاشتکاری کے قابل بنانا

زراعت کا ایک اور پہلو جو خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہے، اور بنجر اور جنگل کی زمینوں کو بتدریج زیر کاشت لانا تھا۔ عام روایت کے مطابق جنوبی ہند میں اراضی کے وسیع رقبوں سے جنگل کٹوانے اور انہیں زراعت اور انسانی آبادی کے قابل بنانے کا سہرا پلّو راجاؤں (کاڈو ویٹوں) یا قدیم چولا شہنشاہ کریکال کے سر ہے۔ ان روایتوں کی تاریخی اہمیت خواہ کچھ بھی ہو، کتبات سے ان دانستہ سرکاری مساعی کا ناقابلِ تردید ثبوت ملتا ہے جو رفتہ رفتہ زراعت کی توسیع کے لئے کی جا رہی تھیں۔ نیز اس طرح کی کوششوں کی حوصلہ افزائی کے لئے اور طرح کی ترغیبیں بھی دی جاتی تھیں مثلاً ٹیکسوں میں رعایتیں، پٹے کے ابتدائی برسوں میں زیادہ آسان شرائط۔ یہاں ان تفصیلات کا ذکر بے کار ہوگا جو کتبوں سے باآسانی معلوم کی جا سکتی ہیں[65]

آراضی کی پیداوار

زمین کی پیداوار اور اراضی کی قیمتوں کے بارے میں ملنے والی شہادتیں نہ تو واضح ہیں اور نہ کافی تعداد میں ملتی ہیں۔ دھان کی اراضی پر سال میں دو یا زیادہ سے زیادہ تین فصلیں اگائی جاتی تھیں[66]۔ کتبوں میں یہ کہیں بھی نہیں بتایا گیا ہے کہ زمین کی پیداوار کیا تھی۔ ان میں زمیندار کا حصّہ مختلف طریقوں سے دیا گیا ہے۔ اسے کہیں "میلوارم"، کہیں "بھوگم"، اور کہیں کہیں "اڑئی" کہا گیا ہے۔ اُن چند مثالوں میں جہاں کُل پیداوار بتائی گئی ہے۔ ایک راج کیسری راجندر کے چدمبرم کے کتبے کی ہے[67] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۴ ویلی آراضی میں کُل ۱۰۰۰۰ کلم دھان کی پیداوار ہوتی تھی اور اس پر "میلوارم" کل پیداوار کا

۵۰ فیصد ہوتا تھا۔ راجا دھیراج کے زمانے کے میسور کے ایک کتبے میں "میلوارم" کی شرح زیر آبپاشی
اراضی کے لئے پیداوار کا ۲/۵ حصہ اور جس میں آبپاشی میسر نہ ہو، ۱/۳ حصہ تھی[68] ترودور پور کے کتبوں میں
صاف درج ہے کہ ایسی بنجر زمین کی جو پہلی بار ہل کے نیچے لائی جاتی تھی، اتنی پیداوار نہیں تھی کہ ایک
جگہ اس پر ۳۰ کلم فی ویلی، جیسا قلیل "میلوارم" بھی جائز سمجھا گیا ہو اور دوسری جگہ دو مختلف قسموں
کی اراضی پر بالترتیب 28 کلم اور ۱۹ کلم[69]۔ راجندر اول کے چھٹے سال کا منتم ضلع چنگل پٹ کا ایک کتبہ
بتاتا ہے کہ ایک "کُلی" زیر کاشت رقبے میں زمیندار کا حصہ ایک کردنی اور پانچ نالی اناج ہوتا تھا[70]۔ ۱۲۹۹ء
میں وردھاچلم میں کچھ اراضی (۹۰ ویلی)، بطور دیودان اور بطور مٹھ پرا ارائیل دی گئی۔ اس پر جو "آزائی" مقرر
کی گئی وہ راج کیسری پیمانے (مرکال) کے مطابق چالیس کلم دھان فی ویلی تھی[71]۔ ایرد مُور ضلع جنوبی
ارکاٹ کے ۱۳۵۲ء کے ایک کتبے میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دیودان اراضی پر جو بہت اعلےٰ درجے کی تھی
لگان ۲۶¼ کلم فی ۱۰ ما، مقرر کیا گیا جو 525 کلم فی ویلی یا "ئم" ہوتا تھا۔ اس میں "کدمئی" "پادی کاول"
"شلوری" اور اسی طرح کے سبھی واجب الوصول محصولات شامل تھے[71]۔ سب سے آخری میں پیریا
کورنڈ کئی (ضلع ترچناپلی) کے راج راجا سوم کے عہد کے ایک کتبے میں پتہ چلتا ہے کہ اس دیہات
میں بعض "دیودان" اراضیات پر سب ملا کر ۱۰ کلم دھان بطور لگان زیر آبپاشی رقبے (نشیہ) پر اور
۱۰ کلم دھان غیر آبپاشی رقبے (پنجئی) پر ادا کیا جاتا تھا[72]۔

آراضی کی قیمت

زمین کی قیمت سے متعلق اعداد و شمار سے کبھی حالات میں بہت زیادہ فرق ملتا ہے مختلف
مقامات پر اور مختلف سودوں میں قیمتوں کا باہمی فرق اس قدر زیادہ ملا ہے کہ ایسے فرق کی تفصیل
سے وضاحت کرنا ممکن نہیں ہے۔ جب تک کہ متعلقہ اراضی کی نوعیت کا پتہ نہ چلے اور نہ اراضی کی
موجودہ قیمتوں سے اُس وقت کی قیمتوں کا مقابلہ کرنا آسان ہے۔ البتہ کچھ متفرق مثالوں سے ہم ایک
سرسری اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اِس اندازے سے نہ صرف قیمتوں کے باہمی فرق واضح ہو جائیں گے
بلکہ اُن شرحوں کے بڑے اختلافات کا بھی اندازہ ہو جائے گا جس کی بنیاد پر "اڑئی کاول" جسے
"ٹیکس فنڈ" بھی کہا جا سکتا ہے، کی ایک مُشت پیشگی ادائیگی کا حساب لگایا جاتا تھا۔ ترودائیلڈو
(ضلع تنجور) میں ۱۰۰۵ء میں ایک ویلی زمین ایک سو طلائی کلنجو کے عوض بکتی تھی[73]۔ ضلع تنے ویلی میں
کتّالم کے علاقے میں آٹھ "ما" اراضی کی ملکیت مع اُس کے ٹیکسوں کے 43 کاشو ہوتی تھی[74]۔

یہ راجندر اوّل کے زمانے کی بات ہے۔ اس کے دو برس بعد ضلع تنجور میں دو ویلی اور آٹھ "ما" سیراب اراضی اور اتنی ہی غیر سیراب اراضی مع ایک تالاب کے صرف دس کاشو کی قلیل رقم کے عوض بکی اگرچہ اس پر "اڑئی کادل" ۱۰۰ کاشو تھا۔ اس سودے میں قیمت فروخت کم ہونے کا سبب غالباً یہ تھا کہ اس میں شاملات زمین نہیں گئی تھی۔ اور وہ بھی مندر کے ہاتھ۔ اسی سال اُسی مقام پر ایک اور بیعنامے میں قیمت فروخت چالیس کاشو فی ویلی اور "اڑئی کادل" نوّے کاشو فی ویلی بتائی گئی ہے جو زیادہ صحیح اور معقول ہے۔ شہنشاہ راجندر اوّل کے تیسویں سالِ حکومت میں ترُدُ وور لُور میں ایک مدھرانکن ماڈی (سکے) کا نام ہے کے عوض ۵۰۰ کلی اراضی یعنی ½ ویلی رقبہ خریدا جا سکتا ہے۔ ساڑھے تین ویلی اور دو ½ ما رقبہ راجندر دوم کے آٹھویں سال حکومت میں ترُدُ وارورُ میں ۷ کاشو کے عوض فروخت ہوا۔ اور اتنی ہی رقم اُسے قابلِ کاشت بنانے کے لئے دی گئی۔ ۱۰۷۴ء میں کاپی پورم میں ایک "ویلی" ۱۰۰ کاشو کے عوض فروخت ہوئی اور ترُدُ وور لُور میں اس سے کچھ کم قیمت پر۔ ترُدُ ود تور (ضلع شمالی ارکاٹ) میں ۱۰۸۱ء میں ۹۲۵۰ کلی غیر سیراب زمین بتّیس کاشو کے عوض فروخت ہوئی۔ ایٹا تُور ضلع ترچنا پلی میں ۱۰۹۲ء میں چار ویلی اراضی ۹۰ کاشو میں فروخت ہوئی۔ جبکہ ایک کاشو اس وقت ½ طلائی کلنجو کے برابر تھا۔ شہنشاہ کلوتنگا دوم کے دسویں سال حکومت ۱۱۴۳ء میں ترُدُ وار یُور (ضلع تنجور) میں فی ویلی ۴۰ کلم "میلوارم" کی آمدنی دلانے والی اراضی کی قیمت ۹۰ کاشو اور ۹۵ کاشو حاصل ہوئی تھی۔ الف

راج راجا دوم نے اپنے چوتھے سالِ حکومت کے دوران ضلع تنجور کے متعدد دیہاتوں کیلئے ایک فرمان جاری کیا جو "سمو دائے ترُدُ مگم" کہلایا۔ اس فرمان کے ذریعے تمام ورودُراج بھٹنیکرا ولناڈُ میں اراضی کی قیمت کو باضابطہ کر دیا گیا۔ اس حکم کے ماتحت جو نیا بندوبست ہوا اُس سے اُس کے مشہور کے پندرھویں سالِ حکومت تک کاشتکاری سے متعلق جو قوانین رائج تھے وہ ختم ہو گئے۔ نئے قوانین کا جو بہت سے اعلیٰ افسروں نے باہم مشورے سے مرتب کئے تھے مختلف قسم کے پٹوں پر اطلاق ہوتا تھا جیسے کہ "دیو دان"، "برہم دیہ"، "پلی چندم"، "راج کی ورکانی پڑُو" وغیرہ۔ ب

جیسا کہ ہم ایک اور جگہ بھی اشارہ کر چکے ہیں۔ کاشو کی قیمت میں بہت تیزی سے کمی آتی گئی یا شاید بعد کے کتباب میں کاشو کی اصطلاح کا استعمال کسی بہت کم قیمت کے سکّے کے لئے ہونے لگا تھا۔ اراضی کی قیمت جو اس نئے سکّے کے حساب سے بتائی گئی ہے۔ اُس سے اوپر لکھی گئی قیمتوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے مطابق ترُدُ ملنم میں ۱۲۱۹ء میں ایک "ما" اراضی کی قیمت دو ہزار کاشو تھی جو فی ویلی چالیس ہزار کاشو ہو جاتی تھی۔ اور ۱۲۲۲ء میں کمبا کونم میں فی ویلی ۲۵۷۹۲ کاشو ہوتی تھی۔ انہی دنوں میں ترُدُ

ویکاڈو میں ایسی اراضی جس کو ابھی قابلِ زراعت بنانا تھا، کی قیمت 1339 کاشو فی ما تھی۔ اور اس کو قابلِ زراعت بنانے میں تخمیناً ۵۰۰ کاشو کا خرچ تھا[91] پھر 1221ء میں کمبا کونم میں دو ویلی اور ۱۹/۲۰ ما، رقبہ اراضی چار لاکھ پچاس ہزار کاشو[95] اور ترو والنگاڈو (ضلع تنجور) میں 16 کاشو فی ویلی تھی[86] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راج راجا سوم کے عہدِ حکومت کے اختتام کے بعد کاشو سکّے کی قیمت بڑھ گئی تھی۔ راجندر سوم کے کتبوں میں زمینی املاک کی جو قیمتیں درج ہیں اُن سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ کٹالم (ضلع تنجور) میں 1243ء میں مکان کی تعمیر کے لئے بارہ منائک کول "رقبہ" ۶۰ کاشو کے عوض فروخت ہوا[97] اُس کے پانچ برس بعد ترِ وکتا پورم میں ایک ویلی اور ۱۶/۲۰ ما، زرعی اراضی ۵۲۵۰ کاشو کے عوض میں دیدی گئی جو اُن دنوں تیرہ کلنجو سونے کے برابر تھی[98] آخر میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ 1267ء میں ترو ویلی ملائی میں ۱۹/۲۰ ما، اراضی ایک ہزار کاشو میں فروخت ہوئی اور دس کلی رقبہ ایک مکان کے لئے ۴۰۰ کاشو میں بکا[99] راجندر سوم نے چولا سلطنت میں جان ڈالنے کی کوشش کی اور سکّے کی اصلاح بھی ضرور اسی کے منصوبے سے ہوئی ہوگی۔ یہ بات بھی مستحق توجہ ہے کہ چولا عہد کے دوسرے نصف کے بیشتر کتبے ضلع تنجور ہی میں پائے گئے ہیں۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ سرحدی صوبوں میں مرکزی حکومت کا براہ راست اقتدار بہت کم ہوتا جا رہا تھا بلکہ قریب قریب معدوم ہو گیا تھا۔

متذکرہ بالا اعداد شمار کا باہم موازنہ کرتے وقت اس بات کا ضرور لحاظ رکھنا ہوگا کہ نہ تو ناپ کا پیمانہ اور نہ سکّوں کا پیمانہ ہمیشہ ایک رہا۔ اِس کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ جریب کی لمبائی اور ایک "ما" میں جتنے کلی ہوتے ہیں، اُن کی تعداد میں مقامی اختلافات کی وجہ سے، نیز مختلف قسم کے نئے اور پرانے سکّوں کے اوزان اور اُن میں خالص سونے چاندی کی مقدار کے گھٹنے بڑھنے کے باعث ان اعداد و شمار کا مفصل موازنہ کرنے کی ہر کوشش قطعاً رائیگاں ثابت ہوگی۔

مویشی

زراعت کے ساتھ گہرا تعلق رکھنے والا پیشہ مویشی پالنا اور دودھ مکھن فروخت کرنا تھا۔ یہ ایسا کاروبار تھا جسے منراڈی یا گڈرے چلاتے تھے۔ یہاں بھی ہمیں اپنی معلومات کے لئے مندروں کے دستاویزات پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ ایسا لگتا ہے منراڈیوں نے اپنے پیشے کی بنا پر اپنی الگ ذات "کلنائی" بنا لی تھی۔ اور بالعموم انہوں نے مندروں کو چراغ جلائے رکھنے کی خاطر مجوزہ شرائط پر دیئے گئے مویشیوں کو اپنے انتظام میں لے لیا تھا۔ اگرچہ پشو (یعنی گائے)

اور آڈو (یعنی بھیڑ) اکثر گنتی ہی کے لئے استعمال کئے گئے ہیں، پھر بھی بیشتر مثالوں میں یہ بلاشبہ زندہ مویشیوں کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ سانڈ اور مینڈھے بھی عطیات میں شامل ہوئے تھے مویشی پالنے کے دھندے کی اہمیت بعض محصولوں کے ناموں سے بھی ثابت ہوتی ہے جن کی اصل نوعیت ٹھیک طرح سے معلوم نہیں ہو سکی اور جن کے نام ہیں، مثلاً، تِلّے رَدُو دُو وغیرہ۔

اکیسواں باب

حاشیے

(1) دیکھئے SII-i-40 — کلوتنگا اوّل کے عہد کا ایک کتبہ جو لاگنڈی سے ملا ہے — (1929 کا 142) اس حقیقت کا مظہر ہے کہ دیہی اراضی کی ہر سال ازسرِ نو تقسیم ہوتی تھی۔ (کنوژرک۔کرانک۔کانی۔یانڈ وتورم کُر تُو وُرنگئی یالے) اور اس کارروائی سے زراعت کو بہت نقصان پہنچتا تھا۔ نیز دیکھیے 1912 کا 441 — تیرو نیوڑائی کے نگرتار (شہر کی اسمبلی کے صدر) شاآلیا کے زیرِ قبضہ اراضیات۔

(2) SII-iii-156، 181 — کیا SII-iii-7 میں مذکور لفظ "سبھا بھیئم" دیسی لفظ ہے؟

(3) 1890 کا 4 — 1901 کا 266

(4) 1903 کا 42

(5) SII-iii-162

(6) 1901 کا 220

(7) 1922 کا 396 — نیز دیکھیے 1922 کا 157

(8) مورلینڈ کے اس موضوع پر شبہات قطعاً بے بنیاد ہیں (The Agrarian Systems of Moslem India - صفحہ 4)

(9) ایم پنیائی کے کتبے — 1928 کے نمبر 114 میں درج ہے کہ تیرھویں صدی کے آغاز میں اجرت کے مزدوروں کی غیر معمولی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ مختلف وجوہات سے "دیلالوں" کی تعداد کم ہو چکی تھی اور ایسے مزدوروں کی روپیہ اجرت، دھان کی شرح تبادلہ پر بڑھتی جا رہی تھی۔

(10) 1915 کا 172 — 1925 کا 45

(11) SII - ii - 5 - پیراگراف 2 - اس سے بعد میں آنے والے اگلے پیراگراف میں یہی جملہ پھر سے آتا ہے اور کچھ ایسے دوسرے جملوں کے درمیان آتا ہے جو آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے۔ تاہم متن کے محتاط اور بغور مطالعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کیسی بھی تاویل کی جائے۔ "دیلان وگانی" کی اصطلاح کا مفہوم مزارعوں کے مالکانہ حقوق ہی سمجھنا پڑے گا۔ اس کا ترجمہ "مزارعہ کا حصّہ" (جو ہلٹش نے کیا ہے) اس کے مفہوم کے تکنیکی کردار کو صاف طور پر سامنے نہیں لاتا جس کا اس سے واسطہ ہے۔

(12) SII - ii - 205، حصّہ سوم، تامل، II ـ 19 تا 25

(13) "اِدّ درمّن اِرتّا پڈّئم پلّئم اُٹ پڈا" ان الفاظ کا ترجمہ کرشتنا شاستری نے کیا ہے "جس طرح گاؤں پہلے معہ پلّی ادا کیا کرتا تھا" دوسرے الفاظ میں وہ "اِرتّا پڈّئم" کا مفہوم لیتا ہے "جس طرح ادائیگی کی جاتی تھی"؛ اس رائے کی تائید میں 1، 71 کے ان الفاظ کا حوالہ دیا جا سکتا ہے "اِدّور پلّی اُٹ پڈا اِرئی کاٹنا نیلوُ" لیکن اس میں پڈّئمُ (یا پڈّیمُ) کی "اُم" مشکل پیدا کر دیتی ہے۔ میں نے یہ بہتر سمجھا ہے کہ "پڈّی" کو "پلّی" کی طرح کوئی ٹیکس یا محصول تصور کیا جائے جس کی نوعیت واضح نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر کہ 1، 71 میں اسے حذف کر دیا گیا ہے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ یا تو یہ بہت ہی معمولی محصول ہوتا تھا یا "پلّی" کا تقریباً ہم معنی تھا۔

(14) شنگلانشکا چتم پر کل 598 کلنجو اور ایک "کنڑی" لگان تجویز کیا گیا تھا۔ اس میں سے پلائیا نور کی جانب سے کتنا واجب الادا تھا، یہ پوری طرح معلوم نہیں۔ شاید یہ رقم 193 کلنجو سے کچھ زاید تھی جس کا بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس رقم کے مساوی جتنا دھان لکھا گیا ہے وہ عطیہ پانے والے ان برہمنوں کا حصّہ تھا جن کے پلائیا نور کی اراضی میں مالکانہ حقوق تھے۔ "نگرم" (شہری اسمبلی) بعض مرتبہ اپنے ٹیکس سونے کی شکل میں ادا کرتی تھی (SII - iii - صفحہ 390 - حاشیہ نمبر 1)

(16) 1916 کا 327

(16-الف) 1931 - 32 کا نمبر 74 — ARE - II - 14 کا متن دیکھیے

(16-ب) 1939 - 40 کا 260

(17) 1921 کا 536 — ARE، 1922-II-25 میں غلطی سے 532 لکھا گیا ہے۔

(17-الف) 1931-32 کا نمبر 90 — اسی مجموعے کے کتبات نمبر 93، 94 میں بھی اسی مندر کو دیئے گئے اسی نوع کے عطیات کا اندراج ملتا ہے جو اسی تہوار میں دوسری پوجا اور روایتوں کے لیے تھے۔ ان میں "کوتو" بھی شامل تھی۔

(18) 1926 کا 72 — 1926 کا 69

(19) 1929 کا 47

(20) 1926 کا 94 — "پڈائپ پرڈو" کے ساتھ ہی 1919 کے 556 میں "جیوتلہ پرڈو" یا "ونی یپ - پرڈو" کا ذکر بھی ہے۔

(21) 1923 کا 276

(22) 1914 کا 112

(23) 1895 کا 58

(24) 1913 کا 384

(25) 1895 کا 141

(26) 1912 کا 386

(27) 1925 کا 120

(28) 1894 کا 216

(29) 1919 کا 210

(30) 1898 کا 36

(31) 1924 کا 361

(32) 1893 کا 27 — 1921 کا 252

(33) 1894 کا 170

(34) 1935 کا 405 — نیز 1919 کا 205

(35) 9-iii-SII

(36) 1925 کا 127 — 1913 کا 388

(37) 1896 کا 126 — گاؤں میں مروج "الایکی پتہ" کی مندرجہ ذیل اقسام اور تو... کے کتبے (1912 کے نمبر 525) میں درج ہیں:-

دلودان - ترڈودڈیاٹم - پلی چندم - ایئن پتی - مڈپورم - اگراپتڈ - بھٹ ورتی -

(38) سنہ 1222ء میں تلائی چنگاڈو میں جب "ریوان" اراضی پر قابض ایک مزارعے کے ذمہ سالانہ "گڈمائی" کے بقایاجات کی بھاری رقم واجب الادا ہو گئی تو وہ اس بات پر رضامند ہو گیا کہ اس کی زیر کاشت زمین "ترڈناتوکانی" قرار دے دی جائے اور اس کا بقایا صاف کرنے کے لیے نئے مزارعوں کو پٹے پر دے دی جائے "۔ ازن پیرال انجادون ایدرا مائڈ وکارہ۔ وری شنگیان کاشم دیلاپ۔ پوری نیلم کرائی وائیکول ترزئی یم اینال پوکرکپ۔ پوگا دیزم نلم دیلیئم پشان مدل دِلتو دِڈو۔ ترتوتندڈرائی تکوٹموکرکل پرٹ پشاموں شاد انشکم تردکرین بزرنان دنپتن جیپہ' (1925 کا 209)

(39) 1896 کا کتبہ نمبر 73 — EJ-V صفحہ 45

(40) SII-ii-92'1'1

(41) 1905 کا 111 — نیز ARE-1929'II'16

(42) 1894 کا 213

(43) "منرقو" جس کا ترجمہ گوپی ناتھ راؤ نے "ایوان" کیا ہے

(44) اوڈیتم اُڈئی یم" کا ترجمہ گوپی ناتھ راؤ نے "جوہڑ اور ندیوں کے شگاف" کیا ہے

(45) بارش کا پانی؟

(46) میں نے اس میں سے "گڈئی - نیر" اخذ کر لیا ہے۔ دیکھیے EI-XV-صفحہ 72' حاشیہ نمبر 3 - ترڈوالنگاڈد کی تحقیقوں (II' 445-446) میں اس پابندی کو ان اشخاص تک محدود بتایا گیا ہے جو "امتیار" یعنی عطیہ یا بندہ نہیں ہیں۔

(47) II - 426 تا 458 میں اپل کی تحقیقوں سے کہیں زیادہ باریک تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔ نیز 1921 کے نمبر 103' اور دوسروں میں بھی۔

(48) 1902 کا 118

(49) Studies - صفحہ 78' نیز صفحہ 492 ماقبل و صفحات مابعد

(50) 1897 کا 46

(51) 1911 کا 311

(51-الف) 1938-39 کا 113 — ARE-II-23

(51-ب) ARE، 1939-40، 1942-43، II، 36 (اختتام)

(52) 1925 کا 213

(53) II S-i-59، ii، 6، 61 — 1909 کا نمبر 5 - ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جن میں کچھ نقد محصولات اور ان کے وصول کرنے کے حقوق کو "دیودان اراضی" قرار دیا گیا۔

1899 کے مجموعے کا 363 -

(54) 1918 کا 57 - دوسری مثالوں کے لیے دیکھیے "Service Tenure" "خدمتی حقوق" ماقبل

(55) 1918 کے مجموعے کا 495

(56) TAS - iv - صفحہ 129 - "کڈن پراڈ نیلم" (I، 21) کے معنی محصولات سے مستثنیٰ اراضیات نہیں جیسا کہ اس کتبے کے مؤلف نے سمجھا ہے۔

(57) 1905 کا 111

(58) II S-iii-203 — اِس حقیقت سے کہ 160 "کلم" اناج "پنچوارم" تھا اور 800 کلم اناج زمین کی کل پیداوار میں سے مزارعے کا حصہ۔ یہ تاثر ملتا ہے کہ "دیودان" اراضی کے مزارعے کو جو اپنا حصہ زمین کی پیداوار میں سے ملتا تھا "پنچوارم" دراصل اس کا ½ حصہ ہوتا تھا جو مزارعے کو رضاکارانہ چھوڑنا پڑتا تھا۔ لیکن ہم یہ بات یقینی طور سے نہیں کہہ سکتے کیونکہ کتبے میں دیے ہوئے اعداد و شمار میں سے کسی کے ساتھ بھی 256 کلم کی شرح کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن کتبے میں کئی اہم خلا ہیں۔ اصل متن میں جہاں جہاں "کڈی" کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے وہاں میں نے "قابض" اور "حقوقِ قبضہ" کے الفاظ برتے ہیں کیونکہ یہاں ان کا مفہوم اراضی کا اصل کاشت کرنے والا ثابت ہوتا ہے نہ کہ محض اس کا پٹے دار — البتہ کرشنا شاستری نے مزارعہ (Tenant) اور مزارعانہ حقوق (Tenancy) کے الفاظ ایک ہی ضمن میں استعمال کیے ہیں۔ مثلاً جیسے صفحات 577 - 78 پر حوالے کے طور پر دی ہوئی عبارت میں۔

(59) 1910 کا نمبر 93

(60) Pd. — 170

(61) 1925 کا 110

(62) 1902 کا 178 — 1909 کا 192

(62-الف) 1942-43 کے مجموعے کا 156

(63) 1919 کے مجموعے کا 215

(64) 1909 کا 295۔

(64-الف) 1934-35 کا 152

(65) 1924 کے مجموعے کا 357 — 1911 کا 287 — 1903 کا 385 — 1902 کا 485 — 1902 کا 506 وغیرہ

(66) 1915 کا 271

(67) 1888 کا 118 — ہر چند کہ یہ کتبہ کئی اعتبار سے غلط ہے پھر بھی اس کا یہ حصہ بالکل اصلی ہے۔

(68) 1911 کا 505

(69) 1912 کا 103 — 1912-ARE 'II' 22 — نیز 1912 کا 228

(69-الف) 1912 کا 263

(70) 1918 کا 63

(71) 1913 کا 397

(72) 1926 کا 266 — 1926-ARE 'II' 29 — 1891 کے کتبہ نمبر 31 میں تہوکیشورم میں "بنجائی" قسم کی اراضیات پر لگان کی شرح پانچ کلم بتائی گئی ہے۔

(73) 1894 کا 219

(74) 1926 کا 104

(75) 1925 کا 102

(76) 1925 کا 109

(77) 1912 کا 156

(78) 1919 کا 677

(79) 1919 کا 522 — 1912 کا 133

(80) 1900 کا 88

(81) 1912 کا 509

(81-الف) 1904 کا 553

(81-ب) 1931-32 کا 103-ARE-II '16

(82) 1928 کے کتبہ نمبر 180 کا موازنہ کیجیے تر دو داڈ تورائی کے 1238ء کے کتبے کے ساتھ جو 1925 کے مجموعے کا نمبر 156 ہے اور جس میں 6 "ما" اراضی کی قیمت تیرہ ہزار کاشو بتائی گئی ہے۔

(83) 1927 کا 298

(84) 1918 کا 504

(85) 1927 کے نمبر 929 کی ــ "تاڈو ڈورائر ڈوائمبدی نائرم" ــــ عبارت کا موازنہ کیجیے 1920 کے کتبہ نمبر 666 کی اس عبارت کے ساتھ ــ "منتورو آئر تاڑپدی ائرم" ــــ صاف ظاہر ہے کہ ان دنوں لوگ لاکھ کے ہندسے سے آشنا نہ تھے۔

(86) 1911 کا 58 ـــ 1926 کا 96

(87) 1907 کا 495

(88) 1922 کا 522

(89) 1908 کا 399

بائیسواں باب

صنعت و تجارت

مال کی تیاری اور تجارت کی حالت زیادہ تر صنعتوں میں مقامی فروخت کے لئے مال تیار کیا جاتا تھا۔ ملک کے اندر بعض اشیاء کی سرگرم تجارت اس سے ثابت ہوتی ہے کہ بیوپاری برابر ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے رہتے تھے اور ملک کے مختلف حصوں میں تجارتی ادارے بہت اعلیٰ طریقہ سے منظم تھے۔ کہیں ہمیں ملائی ناڈو (مالابار) کا کوئی تاجر تِرووڈنڈئی (ضلع چنگل پٹ) میں بیوپار کرتا دکھائی دیتا ہے[1]، کہیں منیلاپور کا بیوپاری تنجور میں تجارت کرتا نظر آتا ہے[2] اور کہیں لنکا کا کوئی شخص سچندرم (جنوبی ٹراونکور) کے مندر میں چراغ نذر کرتا ہوا پایا جاتا ہے[3]۔ یہ محض اکا دکا مثالیں نہیں بلکہ اس قسم کی کثیر مثالوں میں سے کچھ نمائندہ مثالیں ہیں جو کتبوں میں درج ہیں اور جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطنت کے مختلف حصوں کے مابین تجارتی تعلقات عام تھے۔ چولا حکومت کی توسیع کے بعد ایک واحد سیاسی طاقت کے تحت ایک مضبوط مرکزی انتظامیہ کی بنیاد پڑی۔ ماسوائے چند مقامی بغاوتوں کے جن کو سرکوبی کی خاطر فوجی مہمات بھیجنی پڑیں۔ ایک وسیع خطے میں عام طور پر امن وامان پشتوں تک قایم رہا جو اس سے پہلے متعدد ایسی خود مختار ریاستوں میں بٹا ہوا تھا جو باہم برسرپیکار رہتی تھیں نئے دور کے زیادہ پرامن حالات میں صنعتی فنون کو بہت زیادہ فروغ ملا اور تجارت کے مواقع بڑھ گئے۔

دھات کی صنعت دھات کی صنعتیں اور زیورات بنانے کا فن اوج کمال تک پہنچ

چکے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دھات کے بنے ہوئے گھریلو برتن صرف امرا ہی کے استعمال میں آتے تھے۔ مٹی کے برتنوں کا ذکر زیادہ تر صرف شالاؤں "(لنگر خانوں) میں کھانے پکانے کے سلسلے میں آتا ہے۔ کتبات میں تنجور کے مندر کی مورتیوں اور برتنوں کا جو مفصّل تذکرہ درج ہے اور اس زمانے کی کانسی کی بنی ہوئی جو اشیا اب تک باقی بچی ہیں، اُن سے مختلف دھاتوں کے مرکبات کو حسین پیکروں میں ڈھالنے کے فن میں اس عہد کے ٹھٹھیروں کی مہارت کی شہادت ملتی ہے۔ سونے اور چاندی کے علاوہ تانبا، کانسی اور پیتل اس کام میں استعمال کیے جاتے تھے

زیورات جواہرات ہیرے، سونے اور بیش قیمت پتھروں کے زیورات، نیز ان میں جو قیمتی پتھر لگائے گئے ہیں اور جن کی تفصیل بہت احتیاط سے قلم بند کی گئی ہے، ان کا ذکر پڑھکر کوئی بھی جدید جوہری ان کی نقل تیار کر سکتا ہے بشرطیکہ اُن کی عام ساخت کا اسے علم ہو جائے۔ مذکورہ زیورات میں سے بہتوں کا تو اب مدّتوں سے رواج نہیں ہے اور فوجی حملوں اور جنگوں کی دستبرد سے تو کوئی بھی واقعی پُرانا زیور محفوظ نہیں رہ گیا ہے۔ تاہم تنجور کے کتبے سے ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ چولوں کے زیر حکومت جوہریوں کا فن اپنے اوج کمال تک پہنچ چکا تھا اور تنجور کے جوہری قیمتی پتھروں اور موتیوں کو اس خوبصورتی سے جڑتے تھے کہ ان کے رنگوں میں بہترین امتزاج پیدا ہو جاتا تھا۔ اگر یہ بات یاد رکھی جائے کہ مندر سجے ہوئے محل تھے، دیوتاؤں کو وہ تمام اعزاز حاصل تھے جو راجاؤں کو دیے جاتے تھے (راجوپچار) راجہ کی تقلید رعایا کرتی تھی اور تنجور کا مندر سینکڑوں دیگر مندروں سے اس پہلو سے ممتاز تھا کہ اس کی جسامت بہت بڑی تھی اور اب تک جو کتبے اس کے محفوظ ہیں، وہ بالکل مکمل ہیں، تو ہم دیکھیں گے کہ ہیرے جواہرات کی شکل میں مندروں میں جمع کی گئی دولت اور زرگری کے پیشہ کی اہمیت کے بیان میں مبالغہ ممکن نہیں ہے۔ نہ تو حملہ آوروں کے لشکروں کی غارتگری لوگوں کو دولت جمع کرنے اور چھپا کر رکھنے کی عادت سے روک سکی اور نہ وہ تحفظ جو رعایا کو مستحکم حکومتوں سے حاصل تھا۔ برطانیہ کا امن وامان بھی اس میں اتنا ہی ناکام رہا جتنا کہ ملک کا فور اور حیدر علی کے زمانے کے حالات۔

نمک سازی کتبات میں عوام کے روزمرّہ کے کام دھندوں اور ہنروں کے متعلق صرف چند ہی حوالے اور اشارے ملتے ہیں اور یہ تھوڑی سی بہت معلومات

بھی ہم کو لٹریچر اور فن سنگتراشی کے نمونوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ سمندری نمک بنانے کی صنعت حکومت کے زیر نگرانی تھی اور اس پر نقد اور جنس کی شکل میں کئی طرح کے مقامی اور مرکزی ٹیکس لگائے جاتے تھے۔ مرکانم کنیا کماری۔ مدیوڑا اور اُتوری نمک بنانے کے گڈھے یا نمک سازی کے اہم مراکز تھے۔ یہ صنعت ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ ۱۲ ؁ ۱۱ء میں باپٹلا کے نمک کے گڈھے سمندر کے اندر آجانے کے باعث تباہ ہو گئے تھے۔[5]

دربار اور مندر کے ساتھ صنعت کا تعلق

کانچی پورم کے کپڑا بننے والوں کی نمایاں مثال یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ کچھ صنعتوں کو دربار میں اور بڑے مندروں میں خصوصی مقام حاصل تھا۔ کانچی پورم شہر کے چار وارڈ (پاڑی) ایسے تھے جن میں کپڑا بننے والوں کا طبقہ بسا ہوا تھا جو پٹشالین کہلاتا تھا۔ انہیں شاہی ملبوسات کے تیار کرنے والوں کی حیثیت سے اعزاز حاصل تھا اور شہنشاہ اتم چولا نے انہیں کانچی پورم میں "اُورگم" کے مندر کے مالی معاملات کا انتظام بھی سونپ رکھا تھا۔ شولانیا نم کے غریب باشندوں کو اس لیے تمام سرکاری ٹیکسوں سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا کہ انھوں نے مندر کے حساب کتاب ٹھیک طرح سے رکھنے اور انہیں ماہواری جانچ پڑتال کے لئے پیش کرنے کا ذمہ لے رکھا تھا۔ یہ جانچ وہ کپڑا بننے والے کرتے تھے جن کے ہاتھوں میں مندر کا انتظام تھا۔ کانچی پورم کی نگرم نے بھی اس انتظام کی توثیق کر دی تھی۔[6]

رسل و رسائل

اندرونی ملک تجارت کے لیے[7] ہونے والے رسل و رسائل کا مفصل حال بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ جنوبی ہند میں تجارتی مال کو ملک کے اندرونی علاقوں تک لے جانے کے لئے قدرتی دریاؤں کے استعمال کی بہت ہی کم گنجائش تھی اور اس امر کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ زرعی زمینوں کی آبپاشی کے علاوہ بھی کسی مقصد سے نہریں تعمیر کی گئی ہوں۔ ملک کے ہر حصے میں پائے جانے والے کتبوں میں جہاں کہیں اراضیات اور دیہاتوں کی حدود بیان کی گئی ہیں، سڑکوں کا ذکر بھی آیا ہے۔ ان چھوٹی بڑی سڑکوں کو صحیح حالت میں رکھنا مقامی حکام کے فرائض میں شامل تھا اور دیہات کے لوگوں سے اکثر یہ امید کی جاتی تھی کہ وہ اس کے لئے مزدور بلا کسی معاوضہ کے (ویٹی) فراہم کریں۔ سڑکیں دو مختلف اقسام کی ہوتی تھیں۔ ایک تو وہ تھیں جو پگڈنڈیوں سے کچھ ہی بہتر ہوتی تھیں اور ظاہر ہے کہ وہ پہیئے دار گاڑیوں کی نقل و حرکت کے لئے موزوں نہیں تھیں

ان میں ایک ایسی ہی تنگ سڑک یا ودیٔ سیلاب میں بہہ گئی تھی اور یہ راستہ انسان تو کیا مویشیوں کے استعمال کے بھی قابل نہیں رہا تھا۔ اس راستہ کو دوبارہ تعمیر کرتے وقت سبھا نے اسے چوڑا کر دینے کا فیصلہ کیا اور اس غرض سے اُس نے متصل زمینیں متعلقہ کاشتکاروں سے خرید لیں[7]۔ اس سے بہتر قسم کی سڑکیں "پیروَوَلی" یعنی بڑی سڑکیں کہلاتی تھیں اور کتاب میں انہیں اسی نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ شاہراہیں ہوتی تھیں جو ملک کے ایک بڑے حصے کو دوسرے سے ملاتی تھیں۔ جیسا کہ اُن کے ناموں سے ظاہر ہے مثلاً آندھرا کی شاہراہ، وڈوگا پیروَولی یا آندھراپتھ[8] کونگو کو جانے والی عظیم شاہراہ (کونگاپیروولی)[9]۔ بیناڈم کو جانے والی شاہراہ[10] تنجاوور پیروولی جسکا ذکر آڈوتورئی کے کتبے میں آیا ہے[11]۔ ان سب میں اہم ترین کلیان پورم کو جانے والی شاہراہ تھی جو ضلع تنجور کے ایک کتبے میں مذکور ہے[12]۔ ان میں سے ایک شاہراہ کا عرض دو کول (۲ بانس) یعنی تقریباً چوبیس فٹ بتایا گیا ہے[13]۔

تاجروں کی انجمنیں تاجر قومی تجارتی انجمنوں اور کارپوریشنوں کی شکل میں منظم ہو کر تجارت کرتے تھے۔ کوڈمبالور کی "منی گرامم" جس نے سلیم میں ایک خیراتی ٹرسٹ[14] قائم کیا اور تیرولپورمبئم کی "نسیجری"[15]۔ اس طرح کی انجمنوں کی مثالیں ہیں۔ بیزواڈہ کی "تیلکی" بھی ایک اس طرح کی کارپوریشن تھی جس کا ذکر راج راجادوم کے کتبوں میں آیا ہے[16]۔ "ستیہ واچکا" (یعنی سچ بولنے والے) دودھنم وانیار" یعنی منصف مزاج سوداگران بھی کہلاتے تھے، اپنے نام پر ایک مٹھ چلا رہے تھے اور تیرووناملئی مندر کے تین سالانہ تیوہاروں پر رنگ کوڈی یعنی مقدس جھنڈا چڑھاتے تھے۔ تینی لنگنی کی توجکر گروناکر دیررید ولنجیار نامی انجمن جو ۱۰۹۹ء سے ترووکنا پورم کے ولیشنو مٹھ کے اخراجات چلانے کے لئے چندہ دیتی تھی[18]۔ اسی طرح تنئے ویلی کی ولنجیار تھی جسے مقامی مندر کی ارضیات کی "کارانسی" اس شرط پر ملتی تھی کہ وہ مندر میں پوجا کے لئے کچھ مخصوص ضروریات کی چیزیں مہیا کرے[19]۔ ۱۲۰۷ء[20] میں نیلور، نارائن پورم، آنکاڈو، مائیلاپور، ترووودر پور، پونڈاملئی، نیدم پڑئی، دمنک چیری، پیرن گلور اور ترونیرو کے بیوپاری طبقوں نے باہمی تعاون سے ایک پورا گاؤں خرید لیا اور اسے بطور "دیودان" ترواشور کے مندر کے سپرد کر دیا تاکہ مندر کی چار دیواری (مدل) تعمیر کی جا سکے۔ ان تاجروں نے یہ گاؤں توسنگ

کے زیر انتظام چھوڑ دیا تھا۔ پھر ۱۲۳۵ء کے اُن بِل کے ایک کتبے میں بہت سی انجمنوں کے ایک اجلاس کا ذکر کیا گیا ہے جن میں یہ انجمنیں شامل تھیں: چترمیلی پیریا ناٹا، "تشئی آئرتو آئنوموُرور" بہت سی منڈلوں میں ناڈووں کے شیٹی "دونچ چیٹی۔ جیسے پال منی ویرکوڈیار اعلیٰ ترین شلپی اور مدو پڈلی کا انانیار۔ اس اجتماع کا نام "راج راجیہ پیروونزاولوم" بتایا گیا ہے۔ بدقسمتی سے اس اجتماع کی غرض و غایت کا پتہ نہیں چل سکا کیونکہ یہ کتبہ مسخ شدہ حالت میں ملا ہے۔[21] سب سے آخری مثال "ونجیاز" اور "نانا دیشت تشئی آئرتا ئنوزورد" کی ہے جس نے ترولاکنڈی کے مندر کا ایک حصّہ بنوایا تھا۔

نانادیشی

ان تجارتی انجمنوں میں سے مشہور ترین انجمن نانادیشا تشائیا ئرتو آئنوزوُوُر تھی اس طویل نام کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: تمام ملکوں میں ایک ہزار اطراف سے پانچ سو یا۔ تمام ملکوں اور اطراف سے ایک ہزار پانچسو۔ لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ اس انجمن کو بعض مرتبہ "نانادیشی" یا "آئنوزورز" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے پہلا مطلب زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس انجمن کی کامیابی کا ایک طویل اور شاندار ریکارڈ تھا۔ اس کی اہمیت وجیالنسل کے چولا شہنشاہوں کے عروج سے پہلے سے مانی گئی ہے کیونکہ ریاست پڈوکوٹ میں منی شندائی کے مقام سے جانے والے دو مختصر کتبوں سے جو غالباً شہنشاہ وجیالہ اور پرانتکا اوّل کے زمانے کے ہیں۔ یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ کارپوریشن پہلے ہی مستحکم بنیادوں پر قائم تھی۔ منی شندائی کے تالاب کا نام اسی کارپوریشن کے نام پر رکھا گیا تھا۔ ان کتبوں میں تالاب کی گاہے گاہے مرمّت کی خاطر دیئے گئے عطیئے کا اندراج موجود ہے۔ اس کارپوریشن کے ممبران نے کچھ مکانات بھی حاصل کئے تھے۔ یہ مکانات انہیں ۱۰۱۵ء میں نگرلی شولا چترویدی منگلم کی سبھا نے رہائش گاہوں کے اور گوداموں کے طور پر استعمال کرنے کے لئے دیئے تھے۔ ۱۰۳۳ء میں اسی انجمن کے روحانی فیض (شہ تیم) کیلئے امبا سمدرم کے ایک شو مندر کی پوجا کی خاطر دیئے ہوئے ایک عطیئے کا اندراج بھی ملتا ہے۔[22]

لوبو تو ئیوات جو ننک سماترہ میں واقع ہے تامل زبان کا جو ٹوٹا ہوا کتبہ ملا ہے اس میں تاجروں کی اس جماعت کا ذکر آیا ہے۔ اس کتبہ پر شاکا سمت ۱۰۱۰ء (مطابق ۱۰۸۸ء) کی تاریخ درج ہے تو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس زمانے کی بین الاقوامی بحری وسیع تجارت میں اس انجمن کا بہت بڑا حصّہ تھا۔ اس انجمن کی ابتدا اور تنظیم کے متعلق جو خیالی

داستان مشہور ہیں اُن کی کچھ دلچسپ تفصیل میسور کے خطّے میں ملنے والے چند کتبوں میں ہمیں ملتی ہے۔ اس کے اراکین کن تجارتی اشیاء کا بیوپار کرتے تھے، کن ملکوں سے کرتے تھے اور اس کے لئے وہ کونسے ذرائع رسل ورسائل کام میں لاتے تھے، ان باتوں کا بھی پتہ ان کتبوں سے چلتا ہے۔ کیونکہ وہ اسُودیو، کندلی اور مول بھدرا کی نسل سے تھے، اُن پر دیوی بھگوتی کی خاص نوازش تھی آگے چل کر اُن کی بہت سی شاخیں بن گئیں جو ان لوگوں سے پیدا ہوئیں جو مختلف ممالک میں آتے جاتے رہتے تھے۔ انھوں نے چیرا ریاست، چولا، پانڈیا، حلینا مگدھ، کوشل، سوراشٹر، دھانشٹرا، کرمبا، کام بھوج، لالا، برُودرا، نیپال، ایک پدالمبکرنا ستری راجیہ، گھول مکھا، اور دیگر بہت سے ملکوں کا سفر کیا اور بری اور بحری راستوں سے چھ کے چھ براعظموں کے اندرونی حصّوں تک رسائی حاصل کی۔ وہ اعلیٰ قسم کے ہاتھیوں اچھی نسل کے گھوڑوں، ہر قسم کے قیمتی پتھروں، گرم مسالوں، خوشبویات اور ادویہ کی تجارت کرتے تھے۔ وہ انہیں تھوک کے بھاؤ فروخت کرتے یا اپنے کندھوں پر اٹھا کر پھیری لگا کر بیچتے تھے۔ وہ اکثر اپنا مال گدھوں یا بھینسوں پر لاد کر بیچنے کیلئے جاتے جنہیں وہ سُرخ رنگ کے ساز پہناتے تھے۔ وہ اپنے پانچ سو "ویرشاسنوں" کے لئے مشہور تھے۔ ایک ایسے "ویر شاسن" کا ذکر راجا دھیراج اوّل کے بتیسویں سال حکومت یعنی ۱۰۵۰ء کے ایک کتبے میں ملتا ہے۔[26] ناناد یشئوں اور ان کے پیروؤں نے اپنی تجارتی انجمن کی ایک قرار داد کے ذریعہ یہ فیصلہ کیا کہ شیراولی گاؤں کو "ناناد یشیہ دشماڈی ایڑی ویر پٹنا" میں بدل دیا جائے اور اس کے باشندوں کو کچھ مراعات عطا کی جائیں کتبے میں اس تجارتی انجمن کو سمیٹ بتایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ پیادہ سپاہیوں اور شمشیر زنوں کی پلٹنیں اس ادارے کی ملازمت میں تھیں (سمتو ترووڈکپ پی شیم) مثلاً پور میں تاجروں کی اسی جماعت کا ایک اور اجلاس منعقد ہوا، جس نے یہ فیصلہ کیا کہ لور جوامل میں پہلے ایک "ایوپل تھا۔ ویرپٹنا میں بدل دیا جائے۔ یہ مرتبہ ملک کی تجارت میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔[27] پھر ۱۱۹۹ء میں اوتھوہر (ضلع ترچناپلی) کی "ناڈو" اور "نگرم" کے ایک اجلاس نے وین منب پاڈی کا گاؤں انہیں بخش دیا اور اس کا رتبہ بدل کرا سے تجارتی شہر بنا دیا جو تانگونل پورم کہلایا۔[28]

"ناناد یشی" اُن دنوں تاجروں کی ایک با اقتدار خود مختار کارپوریشن تھی۔ بظاہر اسکی

سرگرمیاں سیاسی حدود کی پابند نہیں تھیں۔ اپنی تجارتی کاروائیوں کے سلسلے میں یہ تاجر تمام ملکوں کا سفر کرتے تھے اور ہر جگہ انہیں معزز اور ممتاز حیثیت حاصل ہوتی تھی جو لا ریاست میں انہیں مرکزی حکومت اور مقامی حکومت مثلاً دیہی سبھائیں برابر تسلیم کرتی تھیں۔ انکی اپنی تنخواہ دار فوج تھی، جو بلاشبہ گوداموں میں رکھے ہوئے ان کے تجارتی مال کی حفاظت کیلئے نیز نقل و حمل کے لئے دوران اسکی سلامتی کیلئے تعینات کی جاتی تھی۔ یہ تاجر جن مقامات پر آباد تھے وہاں کی مقامی انتظامیہ کے معاملات میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔ ملور پٹن میں انہوں نے ونڈور کی سبھا کے ممبران سے مندر سے لئے گئے ایک دائمی قرضے کا سود باقاعدگی سے وصول کرنے میں مندر کے شری دیشنودوں سے تعاون کیا دنڈوراٹن ولنوں شولامادلوی چترویدی منگلم بھی کہلاتا تھا۔ یہ راجندر اول کے زمانے ابتدائی دنوں کی بات ہے[29]۔ انکی کامیابی اور خوشحالی کچھ حد تک ان ریاستوں کی باہمی جنگ اور امن کے نشیب و فراز سے بے نیاز تھی تیرھویں صدی میں ناناد یشئون نے برما میں پگن کے مقام پر ایک دیشنو مندر تعمیر کروایا اور ساحل مالابار کے ایک بندرگاہ کے رہنے والے ایک تاجر نے اس مندر کو کچھ تحائف نذر کئے[30]۔

تجارتی انجمنوں اور حکومت کے باہمی تعلقات

ایک جدید مصنف نے ابھی حال ہی میں یورپ اور مشرقی ممالک کی تجارتی تنظیموں کے درمیان فرق بیان کیا ہے[31] چین کے ساتھ یورپ کی تجارت کا ذکر کرتے ہوئے اس نے چین کے بیوپاری طبقے کی بنیادی کمزوری کا مقابلہ یوروپین تاجروں کی حالت سے یوں کیا ہے: "یورپ کی مستند اور منظور شدہ تجارتی کمپنیوں کو تجارتی اجارہ داری اور اپنی حکومتوں کی حمایت حاصل تھی وہ بھی کھلی تجارت کے نام پر چینی تجارتی انجمنوں سے کم گنہگار نہیں تھے لیکن سوداگر طبقے کی خود مختاری کے حامی تھے، محض سرکاری افسروں کی سخت گیری اور طمع پرستی کے نہیں۔ چین میں بیوپاری افسر شاہی کے مقابلے میں لاچار اور بے بس تھا سیاسی طور پر اس کی وقعت نہیں تھی۔ شہری ریاست کا تجارتی نظام موجود نہ تھا جس سے وہ اپنی طاقت کا اندازہ کر سکتا۔ یورپ میں بورژوا طبقہ بتدریج حکومت پر غلبہ حاصل کر رہا تھا جبکہ چین میں وہ "منڈارنوں" کا خدمت گذار ایجنٹ تھا" جنوبی ہند میں بیوپاریوں کو یقیناً زیادہ آزادی اور کسی تحریک کے مواقع حاصل تھے اور چین کے

مقابلے میں یہاں رضاکارانہ تنظیم قائم کرنے کی زیادہ اہلیت تھی یہاں کے تاجر بہت کم افسر شاہی کے رحم و کرم پر ہوتے تھے اور اپنے معاملات کو باضابطہ کرنے میں کافی حد تک خود مختار تھے۔ حکومت ان کے لین دین میں دخل دینے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی تھی اور جب تک ایسا کرنے کیلئے اس سے درخواست نہ کی جائے وہ کوئی دخل نہ دیتی تھی۔ دوسری جانب حکومت غیر ملکی تجارت میں مصروف تاجروں کی حمایت اور سرپرستی نہ تو کرتی تھی۔ نہ کر سکتی تھی جتنی کہ یوروپین حکومت اپنی تاجر کمپنیوں کی کرتی تھی جنوبی ہند کے نہ تو تاجروں کو اور نہ ہی حکومت کو اس بات کا احساس تھا کہ اقتصادی سامراج بھی قائم ہو سکتا ہے۔ ان کی نظر میں تجارت خود ایک مقصد تھا۔ اگر حالات سازگار رہیں تو وہ تجارت جاری رکھنے پر تیار رہتے انہیں یہ بات کبھی نہیں سوجھی کہ سنگین کی نوک پر بھی غیر ممالک کو خریدنے اور بیچنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

نگرم تاجروں کی کچھ مقامی تنظیمیں بھی تھیں جو بڑے بڑے تجارتی مراکز جیسے کانچی پورم اور رامالاپورم میں "نگرم" کہلاتی تھیں[32]۔ تاجروں کی ان مقامی تنظیموں کا عمومی نوعیت کے بڑے تجارتی اداروں جیسے "منی گرامم" اور "نانا دیشی" وغیرہ کے ساتھ کیا تعلق تھا۔ یہ ٹھیک ٹھیک نہیں بتایا جا سکتا۔ یہ بات کہ برہمن بھی کبھی کبھی تجارت میں حصہ لیتے تھے، بالکل واضح ہے کیونکہ ہم براہِ راست برہمنوں کا ذکر پڑھتے ہیں۔ جو انیائرم کے جنوبی بازار میں "ولنجیاڈ" کے ساتھ کاروبار میں شریک تھے[33]۔ اینائرم جنوبی ارکاٹ میں وشنو ازم تعلیم کا عظیم مرکز تھا۔ وہاں کی "نگرم" بعض مخصوص مقاصد کیلئے اپنے ممبران سے رضاکارانہ چندے اکٹھے کیا کرتی تھی۔ اس کی صرف ایک مثال لیجیے۔ ۱۰۳۳ء میں شہر والیسور کی نگرم نے فیصلہ کیا[34]۔ کہ آئندہ اس کی جانب سے مقامی مندر میں چراغ جلانے کا خرچ نیز مندر سے ادھار لی ہوئی رقومات کا سود "نگرم" ایک باقاعدہ ٹیکس کی آمدنی سے ادا کیا کرے گی اور یہ ٹیکس ایک مقررہ گوشوارے کے مطابق تمام تجارتی سودوں پر لگایا جائے گا۔ خریدار اور بائع دونوں غلے کی خرید و فروخت پر فی قلم "ایک نالی" کی شرح سے کال الوڈ پیتم "ادا کریں گے، فی "نزائی" "ایک پنم" کی شرح سے "کول کولی" یعنی وزن کرنے کا محصول ادا کریں گے اور ہر ایک ہزار سپاری کے سودے پر دس سپاری کے حساب سے ٹیکس دیں گے۔ کتبوں میں تجارتی برادریوں کے خود مختارانہ حقوق کے

اس طرح کتبوں میں کیا گیا ہے ان کو بغور دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ کم از کم چار قسم کے منتقلی طریقے رائج تھے (۱) اَجنا کارِیَم (۲) بیرُو دِلئی (عظیم بکری) جو راجہ کرتا تھا (۳) چند لیشور کی بیرُو دِلئی۔ اور (۴) سبھائی دلئی یا اُور دلئی۔ پہلی قسم میں جو "آجنا" یا شاہی فرمان کے ذریعے کی جاتی، اُن لوگوں کی جائداد فروخت ہوتی تھی جو راجہ یا اُس کے خاندان کے خلاف بغاوت کے مجرم قرار پاتے تھے۔ اس کی سرکردہ مثال وہ نیلام ہے جو جاڑنیار گنڈی کے کتبے میں مذکور ہے اور ان لوگوں کی جائداد کے متعلق ہے جو آدتیہ دوم کے قتل میں ملوث پائے گئے تھے۔ راجاؤں کی "بیرُو دلئی" کاشتکاروں کی اراضی کی وہ فروخت تھی جو اس وقت عمل میں لائی جاتی تھی جب کاشتکار سے لگان کی وصولی کے دوسرے ذرائع ناکام ہو جاتے تھے۔ "چند لیشورا بیرُو دلئی" وہ بکری تھی جو شو مندروں کے ذریعے کی جاتی تھی اور جس میں چند لیشور "شوجی کے آدی داس" (اوّلین معتقد) حیثیت سے اُن کی نمائندگی کرتا تھا۔ وشنو کے مندروں کی جانب سے عمل میں لائی جانے والی جائدادوں کے فروخت کے لئے اِس سے ملتی جلتی اصطلاح "سیناپتی دلئی" تھی۔ "سبھائی والائی" یا "اور دلئی" جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہے، گاؤں کی مقامی اسمبلی کے ذریعے شاملات دیہہ میں سے کسی زمین کی فروخت کو کہتے تھے۔ ان مختلف اقسام کی فروخت میں جن قیمتوں کا ذکر آیا ہے اُس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ قیمتوں پر اقتصادی اسباب کے علاوہ کئی اور وجوہات اثر انداز ہوتی تھیں۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ ہر سودے میں فروخت کی نوعیت خصوصی طور سے الگ بتادی جاتی تھی۔ فروخت کی جو قیمتیں درج ملی ہیں، اُن کا تعلق بظاہر نواحی علاقے میں اراضی کے بازار بھاؤ سے بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ اغلب ہے کہ "بیرُو دلئی" (عظیم فروخت) میں نیلام عام جیسا طریقہ اختیار کیا جاتا ہو یعنی پہلے سے مقررہ وقت اور جگہ پر سب سے کم قیمت کی بولی بلند آواز سے لگائی جاتی ہو۔ اور جو لوگ وہاں موجود ہوں اُن کی جوابی بولی کا انتظار کیا جاتا ہو۔ یہ بھی مشکوک ہے کہ کیا یہ واقعی نیلام ایسا ہوتا ہوگا جس میں خریداروں کو ایک دوسرے کی بولی پر بڑھا کر بولی دینے کی اجازت ہوتی ہے۔ کتبوں میں دیئے گئے فارمولے سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ صرف مقررہ قیمت کا مع دیگر شرائط فروخت کے اعلان کر دیا جاتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ خریدار کی رضامندی کا بھی[56]

اراضی کے بیعناموں میں جو فارمولا استعمال کیا جاتا تھا اُس کی خاص خاص خصوصیات مختصراً یہ ہیں۔ ہر معاملے میں جس احتیاط کے ساتھ متعلقہ جائداد کی حدود بیان کی جاتی تھیں، وہ تانبے کی تختیوں سے ظاہر ہوتی ہے، مثلاً انیل، آنئی منگلم، ترُوو النگاڈو، اور کرن دئی (ضلع تنجور) کی تختیاں۔ یہی خصوصیت پتھر کے کتبوں میں بھی نمایا ہے۔ البتہ ان میں جو حال بیان کیا جاتا تھا

استعمال کی اسی طرح کی اور بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔

شنگم

اس عہد میں محصول جنگی اور درآمد ٹیکس کے متعلق براہ راست شہادتیں بہت کم ملتی ہیں۔ ہم عصر تصانیف اور کتبات میں کلوتنگا اوّل کی اس بات کے لئے تعریف کی گئی ہے کہ اس نے "شنگم" ختم کر دیا تھا۔ ہمارے پاس سلطنت کے اس اہم واقعے کا مفصل بیان موجود نہیں ہے اور یہ جاننے کا بھی کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ یہ کام کیسے ممکن ہو سکا۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ اس ٹیکس کی معافی سے حکومت کی آمدنی میں جو کمی ہوئی اس کو پورا کرنے کے لئے کیا ضروری اقدامات کئے گئے۔ شنگم کی اصطلاح میں وہ ٹیکس شامل تھے جو جہازوں اور بیل گاڑیوں کے ذریعہ درآمد ہونے والے تجارتی مال پر لگائے جاتے تھے چاہے وہ مال سمندر سے آیا ہو یا خشکی کے راستہ سے کہیں اندرون ملک سے[35]

پرونوٹ

قرض لینے کی غرض سے یا تمسک کا عام رواج تھا۔ راج راجا کے عہد کے ترُوواڈ توری کے ایک کتبے میں اس کا کچھ ذکر آیا ہے[36]۔ اس مقام کی سبھا کو کچھ رقم کنیکولا نامی ایک شخص کو ادا کرنی تھی جو سبھا نے تمسک دکھیے کتو لنئی لکھ کر اس سے قرض لی تھی۔ کچھ ایسے اسباب سے جو بیان نہیں کیے گئے ہیں۔ کنیکوکن کی تمام جائیداد "راجسوم" قرار دے دی گئی یعنی شہنشاہ نے ضبط کر لی اور قدرتی بات ہے کہ شہنشاہ نے سبھا سے قرضہ کی رقم وصول کرنے کی کوشش کی سبھا نے رقم کی ادائیگی کیلئے مندر سے قرض لیا اور اس کے بدلے میں گاؤں کی کچھ اراضیات مندر کے نام کر دیں۔ اس اقدام کی وضاحت کرتے ہوئے یہ واقعات کتبے میں تحریر کئے گئے ہیں۔ اسی طرح پرونوٹ لکھ کر قرض لینے کی ایک اور مثال راجندر اوّل عہد کے ایک کتبے میں ملتی ہے[37] جس میں تلئی چنگا ڈو کی "سول پر ددئی پنچی" کے مندر سے ستّو کا شو کا قرضہ لیا تھا۔

قرضوں پر سود کی شرح

سود کی شرح میں کافی فرق تھا اور اسی طرح سود کا حساب لگانے اور اس کے اظہار کے طریقے مختلف تھے۔ مذہبی اداروں کی جانب سے دیئے قرضوں پر $12\frac{1}{2}$ فیصدی سالانہ اور ایک کلنجور سونے پر $\frac{1}{8}$ کلنجور بہت مدت تک مستند شرح سود رہی[38] کی فیصدی یا تین منجاڈی "فی کلنجور شرح سود بھی اکثر ہوتی تھی[39] کم سے کم شرح سود جو ہماری نظر سے گذری ہے۔

وہ 5 فیصدی یا ایک منجاڈی فی کلنجو ہے، اگرچہ اس شرح کا رواج راجہ دیجے کمپا ورمن کے زمانے میں تھا نہ کہ کسی چولا راجہ کے عہد میں۔ زیادہ مہنگی شرحیں بھی کہیں کہیں دیکھنے میں آتی ہیں اگرچہ یہ اتنی کثیر تعداد میں نہیں جتنی کہ 12½ اور 15 فیصدی کی شرحیں۔ ہم 12½ فیصدی ششماہی رُبو شرح سود بھی کہیں کہیں دیکھتے ہیں جو 25 فیصدی سالانہ ہوتی ہے[41]۔ چار[42] سو کلنجو پر کبھی ایک سو بچاس کلنجو سالانہ سود بھی ملا ہے۔ اکثر 37½ فیصدی[42] یا 40 فیصدی تک بھی سود وصول کیا گیا ہے جو نصف کاشو فی کاشو سالانہ کی شکل میں تحریر کیا گیا ہے[43]۔ سردست ان شرحوں کی وضاحت آسانی سے نہیں کی جاسکتی۔ تاہم یہ امر یقینی ہے کہ سود کی شرحوں میں فرق نہ تو قرضہ لینے کے مختلف مقاصد کی وجہ سے تھا اور نہ سیاسی حالات کے بدلنے کا نتیجہ تھا جن کا اثر سماجی تحفظ پر پڑتا تھا۔ راشٹر کوٹوں کے حملے سے شرح سود میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا جیسا کہ ان کتبوں سے ظاہر ہے جن پر راجہ کرشن کے سنہ جلوس درج ہیں[44]۔ راجندر اول کے عہدِ حکومت میں اونچی اور نیچی دونوں طرح کی شرحیں مروّج تھیں۔ ان دنوں ملک کی اندرونی سلامتی کو کوئی خطرہ درپیش نہیں تھا۔ اکثر اوقات شرحِ سود اشیاء کی صورت میں لکھی گئی ہے بلکہ سود پر دی ہوئی رقم بھی اکثر جنس کی ایک خاص مقدار کی شکل میں دکھائی گئی ہے، عموماً اناج کی مقدار میں دی ہوئی اشیاء کی شرحوں میں بھی اتنا ہی اونچ نیچ پایا جاتا ہے جتنا کہ نقد شرحوں میں۔ ایک کلنجو سونے پر کم سے کم شرح سود کلم دھان کی[45] سالانہ تھی، اور زیادہ سے زیادہ تین[46] بلکہ اکثر چار کلم بھی[47]۔ عام رائج شرح ایک کلم یا 1⅓ کلم سالانہ فی کلنجو کی قریب تھی۔ ایک ہی علاقے میں اور ایک ہی وقت میں دو دیہی اسمبلیوں کو ایک ہی قرض خواہ یعنی ایک ہی مندر سے سود کی دو مختلف شرحوں پر قرض لیتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ یعنی سالانہ ⅔ کلم فی کلنجو اور سالانہ ایک کلم فی کلنجو[48]۔ عام طور پر جہاں اصل رقم غلّے کی شکل میں بتائی گئی ہے وہاں سود کی شرح کافی اونچی ہے[49]۔ اور شاذ ہی 12½ فیصدی سالانہ سے کم ہے۔ ایک جگہ تو سود کی شرح ناممکن حد تک اونچی دکھائی گئی ہے یعنی 50 فیصدی سالانہ[50]۔ سود کی مختلف شرحوں کو دکھانے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ ایک ہی قسم کی خدمت کیلئے عطیے کی مختلف رقوم لگادی جاتی تھیں اس طرح چوتھائی ذ بہ تیل یومیہ مہیا کرنے کے لئے نقدی کی شکل میں ایک جگہ سونے کے 15 کلنجو و منجاڈی اور ایک کثری لگائے گئے۔ اور دوسری جگہ صرف کلنجو ایک

یہ بات ہم یقینی سمجھتے ہیں کہ بیوپاریوں اور سوداگروں کے مابین اپنے معمولی کاروبار میں اُدھار پر کافی خرید و فروخت ہوتی ہوگی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لین دین کا کوئی ریکارڈ باقی

نہیں رہ گیا ہے۔ کتبوں میں جتنے بھی اندراجات ملتے ہیں وہ لگ بھگ سبھی خیراتی فنڈوں کے متعلق ہیں جو بالعموم خاص خاص مقاصد کیلئے وقف تھے اور بعض مرتبہ تو اس طرح کی سرمایہ کاریاں ان خصوصی مقاصد کو ایک پائیداری عطا کر دیتی تھیں اور ان کی شرائط و ضوابط کو بھی ناقابل تنسیخ بنا دی جاتی تھیں۔ اس طرح ملئی ناڈو کے ایک سوداگر نے "ایک واڈاکڈن" یعنی مستقبل قرضے میں ۱½ طلائی کلنجو کا سرمایہ لگایا جس کے سود سے تر ودڈنڈی (ضلع چنگل پٹ) کے وارہ دیو کے مندر میں ہر سال ایک مہینے (کمبھ) کے لئے برہمنوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔[52] اسی طرح کانچی پورم کے ایک مندر سے کونیری کی "اُد" نے پانچ کلنجو کا ایک قرضہ ان شرائط پر لینا قبول کیا کہ "اور ۵/۸ کلم فی کلنجو سالانہ کی شرح سے سود ادا کرے گی اور کبھی اس قرضے کی اصل رقم واپس کرنے کی پیشکش نہیں کرے گی"[53] ملورپٹن (بنگلور) کے ایک کتبے میں جو راجہ راجندر اوّل کے عہد کا ہے ایک اور مثال درج ہے جو اسلئے خاص طور سے دلچسپ ہے کہ اس میں قرضے کی شرائط کی تعمیل کروانے کے لئے تعزیری شرائط بھی تحریر ہیں[54] اس مستقبل قرضے میں سود پر چڑھائی گئی غلے کی اصل مقدار (نیلو مدل) ۲۲۰ کلم بھی تھی اور اس پر شرح سود ۴½ کرونی فی کلم سالانہ تھی، جس سے ۱۰۰ کلم سالانہ سود کی آمدنی ہوتی تھی؛ یہ دو قسطوں میں مندر کو واجب الادا تھی یعنی ۵۰ کلم ایک فصل پر اور ۵۰ کلم دوسری فصل پر۔ قرض لینے والے ونڈوُر کی سبھا کے ممبران تھے جنھوں نے سود وصول کرنے کی خاطر آنے والے کارندوں کو دو وقت کا کھانا دینا بھی مان لیا تھا۔ بشرطِ ضرورت یہ کارندے قرقی کی کارروائی کا سہارا بھی لے سکتے تھے، جیسے پانی اور آگ کی فراہمی کے وسائل بند کر دینا، تاکہ بندی کر دینا اور مویشیوں کو کانجی ہاؤس میں دیدینا۔ ان حد درجہ سنگین تادیبی اختیارات کے جواز میں کچھ نہیں لکھا گیا ہے، ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ان اختیارات کو کبھی استعمال بھی کیا گیا تھا یا نہیں۔ جدید اقتصادیات کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ عوامی قرضوں کا سود ادا کرنے کے لئے فنڈ قائم کیا جائے لیکن جنوبی ہند کے مندروں کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ کس طرح اپنے سرمائے پر سود کی ایک مقررہ اور مستقل آمدنی حاصل کی جائے۔

منتقلی جائداد عام طور پر منقولہ جائداد کے مقابلہ میں غیر منقولہ جائداد کی منتقلی میں زیادہ کاغذی کارروائی عمل میں لانی ضروری تھی۔ ہمارے پیش نظر کتبات میں جائداد کے وہ سودے جو عام افراد کے مابین طے پاتے تھے، شاذ ہی درج ملتے ہیں صرف وہ سودے جن کو عوام سے واسطہ تھا کتبوں میں مذکور ہیں اور اراضی کے جن سودوں کا اندراج

وہ تانبے کی تختیوں کے مقابلہ میں مختصر ہوتا تھا۔ پھر ہر بیان میں "مگودک کرمی اُلڈنگا" کا جملہ لازماً شامل رہتا تھا جس کے معنی ہیں "کمی بیشی شامل کر کے" یعنی دی ہوئی پیمائش کی بجائے جو حدود یہاں بتائی گئی ہیں، وہی فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہیں۔ پھر کہیں کہیں ایسے جملے آ گئے ہیں۔ جو دوسری جائداد کو مستثنےٰ کرتے تھے، مثلاً قدیم دیو دان، نہریں، سڑکیں وغیرہ جن کو منتقل منظور نہیں ہوتی تھی۔ عطیوں کی دستاویزوں کی مانند بیعناموں میں بھی متعلقہ جائداد میں جو حقوق قدرتاً شامل تھے۔ ان کی تفصیل درج کر دی جاتی تھی۔ ان میں زیر زمین دفینوں، درختوں، پہاڑیوں، کنوؤں وغیرہ کی ملکیت، آبپاشی اور آرام و آسائش کے حقوق وغیرہ کا شمار ہوتا تھا۔ عموماً دستاویز کے آخر میں یہ اعلان درج کیا جاتا تھا کہ طے شدہ قیمت پوری پوری ادا کر دی گئی ہے اور زیر فروخت اراضی باقاعدہ بنا دی گئی ہے۔ اور تحریر شدہ دستاویز زر ثمن کی ادائیگی کی سند کے طور پر کام آئے گی۔ نیز مستقبل میں کوئی مزید رسید طلب نہیں کی جائے گی۔ سنہ 1232ء کے ایک بیعنامہ میں جو اُرپاکم سے ملا ہے[58] مندرجہ ذیل شرائط درج ہیں۔ اس میں پہلے تو یہ اقرار کیا گیا ہے کہ فروخت شدہ اراضی پر کوئی بار نہیں ہے اور اگر مستقبل میں اس پر کوئی بار ثابت ہو تو بائع ہی اراضی کو اُس بار سے چھڑائے گا۔ زر ثمن کی ادائیگی کا اقرار بھی اس میں شامل تھا۔ پھر یہ اقرار کہ خریدار نے اراضی کے جملہ حقوق حاصل کر لئے ہیں، جس میں بیع، رہن یا عطیہ میں دینے کے حقوق بھی شامل ہیں، نیز یہ کہ بائع بعد میں کسی بھی مرحلے پر اس طرح کا کوئی اعتراض نہیں اٹھائے گا اور یہ دلیل نہیں پیش کرے گا کہ بیعنامہ تحریر کے ناممکن ہونے یا ایسے ہی دوسرے اسباب کی بنا پر کالعدم ہے۔ تروونا ملئی کے سنہ 1204ء کے ایک کتبے میں[59] مہیشوروں کی ایک قرارداد درج ہے کہ تروملئی ولاگم "(مندر کی زمین)" پر تعمیر شدہ مکانات جب فروخت ہوں گے تو ان کی قیمت مندر کے خزانے کا مہتمم مقرر کریگا، جسے "کنکانی" کہتے تھے۔ اور نصف زر ثمن مندر کو دیا جائے گا اور مکان کا مالک صرف باقی نصف کا حقدار ہوگا۔ اکثر اراضی کی قیمت کے علاوہ بھی ایک مزید رقم بائع کو ادا کی جاتی تھی تاکہ اُس سے اراضی کے آئندہ کے ٹیکسوں اور دیگر واجبات کو ادا کیا جا سکے اور اراضی مشتری کے پاس بلا کسی ٹیکس کے رہے۔ ایسے سودوں میں یہ مزید رقم بھی دستاویزوں میں خرچ کر دی جاتی تھی اور واجب الادا ٹیکسوں کی تفصیل بھی خصوصی طور پر دے دی جاتی تھی۔ بعض مرتبہ "اڑئی کاول" ایک علیحدہ دستاویز کی صورت میں ہوتی تھی یہ اس وقت لکھی جاتی تھی جب زمین کی خرید کے کچھ عرصہ بعد متعلقہ اراضی کے کچھ ٹیکس معاف یا کم کر دیئے جاتے تھے۔

بہت ہی قدیم زمانے سے جنوبی ہند کی فروغ پذیر تجارت جزیرہ نما کے دونوں اطراف

(یعنی مشرق و مغرب) میں واقع سمندر پار کے ممالک اور اقوام کے ساتھ ہوتی رہی تھی۔ چوتھی صدی عیسوی
یا اس کے فوراً بعد سے عربوں سے کہیں بڑھ کر ایرانی بحرِ ہند کے زیادہ جرأت مند اور باحوصلہ جہاز راں
رہے تھے۔ پانچویں اور چھٹی صدیوں نیز ساتویں صدی کے ابتدائی سالوں کے چینی تاریخی ریکارڈوں
میں لنکا اور ہندوستان کی سبھی مصنوعات کو عرب اور افریقہ کی دیگر اجناس و اشیاء کے ہمراہ
ایران کی مصنوعات میں شمار کیا جاتا تھا۔ تاہم بتایا جاتا ہے کہ چین اور ہندوستان کے درمیان براہِ
راست بحری راستہ ساتویں صدی کے اواخر میں عام طور سے استعمال میں آیا اور اِتسینگ نے تو
اپنے زمانے میں ہی کم از کم سینتیس[37] زائرین ایسے گنوائے ہیں جو ہندوستان اسی راستہ سے آئے۔
ہندوستانی سوداگروں نے تو جزیرہ نمائے ملایا، مجمع الجزائر مشرق الہند، یہاں تک کہ ہند چینی اور
چین کے ساحلوں پر بھی اپنی آمد و رفت کبھی ترک نہیں کی۔ جہابلی پورم، کاویری پٹنم، شالسوتر، اور
کورکئی بھارت کے مشرقی ساحل پر اور قیلان مغربی ساحل پر عظیم تجارتی مرکز تھے۔ جہاں غیر ملکی
تاجروں کی آمد و رفت مسلسل جاری رہتی تھی۔ لمبے بحری سفر پر جانے والے جہازوں کیلئے ہند کے
مشرق میں لنکا اور نکوبار کے جزائر اور مغرب میں لکادیپ اور مالدیپ کے جزائر اچھے پڑاؤ کا کام دیتے
تھے۔

خلیج فارس نویں صدی تک جنوبی ایشیا کے ممالک میں وسیع بحری اور تجارتی سرگرمی دکھائی
دینے لگی تھی اور یہ ممالک اس قدر خوشحال ہو چکے تھے کہ اُن کی مثال تاریخ میں
کہیں نہیں ملتی۔ چین کی تنگ سلطنت، شیلندر راجاؤں کے تحت شری وجیا کی طاقت ور
ریاست اور بغداد کی عباسیہ خلافت، یہ ہندوستان کے باہر وہ سرکردہ سلطنتیں تھیں جو اس
تجارت سے مستفید ہو رہی تھیں۔ نویں صدی کے آخری حصے میں چین کے سیاسی انتشار کے
باعث پرانے تجارتی تعلقات میں کچھ عرصے کیلئے رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ چین اب غیر ملکی تاجروں کے
لئے محفوظ مقام نہیں رہا تھا۔ انہوں نے پیچھے ہٹ کر جزیرہ نمائے ملایا اور سماترہ کو اپنا مرکز
بنا لیا جہاں چینی جہازوں کو غیر ملکی اشیاء خریدنے کے لئے جانا پڑتا ہے۔ کھلے سمندروں میں
چینی جہاز رانی کی یہ شروعات تھی۔ بارھویں صدی عیسوی میں کانٹن کی سمندری کشتیاں
مغرب میں مالابار کے ساحل پر قیلان تک پہونچ گئیں 63۔ ان دنوں میں خلیج فارس کے مشرقی
ساحل پر سیراف نامی بندرگاہ مغرب کی سرکردہ منڈی تھی[64]۔ ایک ہمعصر عرب مصنف ابن حوقل کا

کہنا ہے کہ یہاں زمین پر کسی طرح کی زراعت نہیں ہوتی اور لوگ پانی بھی دور سے لاتے ہیں۔ سراف کے مضافات میں درخت بھی مطلقاً نہیں ہیں۔ اور یہاں کے باشندے اپنا تمام وقت تجارت اور مال کے لین دین میں صرف کرتے ہیں۔" سراف میں تجارت کو اسقدر زیادہ اہمیت حاصل تھی کہ اس کے محلِ وقوع اور آب و ہوا کی خرابیوں کے باوجود اس میں عظیم الشان عمارتیں شامل تھی اور آبادی گنجان تھی۔ تمام بحرِ ہند کے خطے کے جہاز راں اور سوداگر، چین جاوہ، ملایا، اور ہندستان سے تعلق رکھنے والے سبھی اپنی مصنوعات کے تبادلے کیلئے سراف میں آتے تھے۔ اُن دنوں سراف ایک بین الاقوامی شہر تھا اور یہاں کے سرکردہ بیوپاری جب غیرملکیوں کا بطور مہمان خیر مقدم کرتے تو بڑی عقلمندی سے اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ مہمانوں کے طور طریقوں کے مطابق اُن کے ساتھ پیش آئیں۔ ابوزید ہند میں ایک ایسی ذات کی موجودگی کا ذکر کرتا ہے جس کے افراد کسی کے ساتھ ایک ہی تھالی میں اکٹھے نہیں کھاتے تھے اور نہ ایک ہی دسترخوان پر کسی دوسرے کے ساتھ کھاتے تھے۔ اس ذکر کے بعد وہ لکھتا ہے کہ "جب اس ذات کے علیحدگی پسند تاجر سراف میں وارد ہوتے ہیں تو یہاں کے سرکردہ سوداگروں میں سے کوئی ایک انہیں اپنے گھر پر کھانے کیلئے مدعو کرتا ہے جہاں تقریباً ایک سو افراد کھانا کھلانے میں مدد کرتے ہیں میزبان ان علیحدگی پسند مہمانوں میں سے ہر ایک کے آگے الگ الگ تھالی رکھواتا ہے جس میں صرف ایک شخص کھاتا ہے اور تھالی اُسی کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔" لیکن جیسا ابُوزید کا خیال ہے کھانا کھانے کیلئے الگ تھالی کا استعمال کیسی ایک ذات یا فرقے تک محدود نہیں تھا بلکہ ہندوستان میں یہ ایک عام اور ملک گیر رواج تھا۔ تاہم یہ بیان اِس لحاظ سے اہم اور کارآمد ہے کہ یہ نویں اور دسویں صدی عیسوی کے دوران باقی دنیا کے ساتھ ہندوستانیوں کے تجارتی اور معاشرتی تعلقات کی **شہادت مہیا کرتا ہے**۔

چین

دسویں صدی کے اختتام تک چین کے سیاسی **حالات اعتدال پر آگئے** اور سونگ خاندان کی حکومت نے اپنے ملک کی بیرونی تجارت میں گہری **دلچسپی کا اظہار** کیا۔ اس تجارت کو سرکار نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس کو ترقی دینے کیلئے جی توڑ کوششیں کی گئیں۔ "شہنشاہ چین نے ایک سفارتی وفد باقاعدہ سفارتی سندات کے ساتھ جن پر شہنشاہ کی مُہر ثبت تھی غیر ملکوں کو بھیجا اور سونے کی مصنوعات اور دیگر تجارتی سامان کے کچھ نمونے بھی اُس کے ساتھ بھجوائے تاکہ ان کے ذریعے جنوبی سمندروں کے غیرملکی تاجروں کو اور ان لوگوں کو جو سمندر پار کے ملکوں میں

بیوپار کرنے جاتے تھے چین آنے کے لئے ترغیب دی جاسکے"۔ اُن کے ساتھ سامان درآمد کرنے
کی خاطر خصوصی لائسنس دینے کے وعدے کئے گئے"۔ اس طرح تجارت کے جن نئے مواقع کی
پیشکش ہوئی ان سے فایدہ اٹھانے کیلئے چولا راجگان کسقدر مشتاق اور بے تاب تھے اسکا
اظہار شہنشاہ راج راجا اور راجندر دونوں کے اس اقدام سے ہوتا ہے کہ انہوں نے سفارتی وفد چین کو
بھیجے۔ چولا ریاست اور چین کے درمیان فاصلہ بہت طویل تھا اور دونوں ملکوں کے درمیان قایم شدہ
براہِ راست رابطہ ابھی نیا نیا تھا۔ ان وجوہ سے چین کی مغرور حکومت نے چولوں کے حاصل کردہ مقام
اور اہمیت کو ٹھیک طریقے سے تسلیم کرنے میں پس و پیش کیا۔ چولا راجاؤں کے سفارتی نمائندے
اپنے ہمراہ بہت سے بیش قیمت تحائف لے گئے لیکن انہیں مشرقی ترکستان کی ایک ماتحت ریاست
کے ساتھ جگہ دی گئی"۔ چولوں کا سفارتی وفد جو تین برس سفر میں گذار کر ۱۰۱۵ء میں چین پہنچا، راج
راجا کے عہد کے اختتام کے دنوں میں چولا ریاست سے روانہ ہوا ہوگا۔ چینی تاریخی تذکروں میں
راج راجا کو "لو۔ سا۔ لو۔ سا" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس سفارتی وفد کے متعلق چاؤ۔ جو۔
کوا لکھتا ہے: "پہلے زمانے میں وہ ہمارے دربار کو خراج نہیں بھیجتے تھے لیکن "تا چنگ اور سیانگ
فو" کے زمانوں کے آٹھویں برس میں (۱۰۱۵ء میں) اس کے (چو۔ لین یعنی چولا ریاست) کے حکمران
نے موتی اور اسی طرح دوسری اشیا بطور خراج اپنے سفارتی وفد کے ذریعے بھجوائیں۔ ان سفارتی
نمائندوں نے جو کچھ (دربار میں) کہا"، اُس کے مترجموں نے ان کے بیان کا ترجمہ کرتے ہوئے فرمایا
کہ وہ چینی دربار کے تئیں دور دراز ملک کی جانب سے اظہار احترام کرنا چاہتے ہیں"۔ انہیں شاہی
فرمان کے ذریعے حکم دیا گیا کہ وہ شاہی محل کے بازو والے دروازے پر حاضر ہوں اور دربار کے
مورخوں کو حکم دیا گیا کہ اُن مہمانوں کی تواضع کریں۔ شہنشاہ کی نوازش سے اُنہیں کوچی کے
سفارتی نمائندوں کے ساتھ مقام دیا گیا۔ اس روز بادشاہ کی سالگرہ تھی اور سفارتی نمائندوں کو
اس روز مقدس احاطے میں جشن تہنیت دیکھنے کا عمدہ موقع مل گیا۔ دوسرے سفارتی مشن کی بہت
کم تفصیلات محفوظ ہیں۔ یہ مشن شی (لو)۔ لو چابن۔ تو۔ لو۔ چو۔ لو (شری راجا اندر چولا یعنی چولا)
کی جانب سے بھیجا گیا تھا اور ۱۰۳۳ء میں چین پہنچا تھا۔ اس طرح چین کے ساتھ جس تجارت کا آغاز
ہوا، معلوم ہوتا ہے وہ گیارھویں صدی میں بغیر رکے ٹوک چلتی رہی اور آسمانی دربار چین کے
شاہی دربار کے مورخوں کے الفاظ میں چولا راجگان چین کے دربار کو خراج ارسال کرتے
رہے۔ شہنشاہ راجندر نے شری وجیا کے خلاف جو بحری مہم بھیجی وہ اس مہم کو جو کامیابی حاصل

ہوئی اس کے باعث" جنوبی سمندر وا[illegible] سلطنت چین کے ذرائع رسل ورسائل پہلے کی بنسبت بدرجہا آسان اور باقاعدہ ہوگئے۔ "نڈارم کے سیاسی معاملات کے تصفیے میں دیر راجندر سے مدد کی اپیل کی گئی تھی۔ اس سے ہ[illegible]ری اس زمانے کی توثیق ہوتی ہے کہ چولا راجاؤں اور مشرقی ممالک کے درمیان تعلقات پہلے سے موجود تھے۔ ایک اور سفارتی مشن کا بھی ذکر موجود ہے جو [illegible] میں چین بھیجا گیا تھا۔ اس اہم سفیر چولا راجہ کلوتنگا اول کا نام (جس نے یہ وفد بھیجا تھا) سنگ خاندان کی تاریخی تصانیف میں بگڑی ہوئی شکل میں موجود ہے۔"

اشیائے تجارت

تجارتی مال کی وہ خاص خاص اشیاء جو اس دور دراز تجارت میں شامل تھیں، لازمی طور پر وہی اشیاء تھیں جن کی قیمت زیادہ اور جسامت کم تھی۔ سراف کے متعلق مصنف اصطخری دسویں صدی کا مصنف تھا یوں رقم طراز ہے "یہاں جو اشیاء درآمد کی جاتی ہیں وہ یہ ہیں۔ مصبر کی لکڑی (جلانے کے لئے) عنبر، کافور، قیمتی جواہر بانس، ہاتھی دانت، آبنوس، کاغذ، صندل کی لکڑی۔ اور ہر قسم کی ہندوستانی خوشبویات ادویات اور گرم مسالے۔ خود اس شہر میں نہایت عمدہ رومال اور کتان بنتے ہیں اور یہ موتیوں کی عظیم منڈی ہے۔" گیارھویں صدی کے وسط سے سراف کی اہمیت گھٹنے لگی۔ اور ہندوستانی تجارت کی منڈی کی حیثیت سے اُس کی جگہ قیس یا کیش کے جزیرے نے لے لی۔ اسپین کے ایک یہودی سیاح بنجمن آف ٹڈیلا کے بیان کے مطابق بارھویں صدی کے وسط کے لگ بھگ کش کا جزیرہ فارس اور مغربی ممالک کے ساتھ بیوپار کرنے والے ہندوستانی سوداگروں کی حد فاصل تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ "کش خاصی بڑی منڈی ہے۔ کیونکہ یہ وہ مقام ہے جہاں ہندوستان کے اور جزائر شرق الہند کے سوداگر اپنی اشیاء لاتے ہیں اور جہاں میسوپوٹیمیا یمن اور فارس کے بیوپاری ہر قسم کا ریشم اور ارغوانی رنگ کے کپڑے، روئی، سن، پٹ سن ماش، گیہوں، جو، جوار، باجرہ، رائی اور دیگر ہر طرح کی اشیاء خوردنی اور دالیں درآمد کرتے ہیں اور ایسی دوسری اشیاء جن کا تبادلہ ہو سکتا ہے۔ وہاں ہندوستان کے سوداگر بڑی تعداد میں مسالے درآمد کرتے۔ اور جزیرہ کش دونوں فریقین کے مابین دلالی کرکے جو کچھ کماتے ہیں۔ اسی سے اپنا گزارا کرتے ہیں۔ اس جزیرے کوئی پانچ سو یہودی آباد ہیں۔"

گھوڑوں کی تجارت

عرب تاجروں کی گھوڑوں کی تجارت کو بھی اہمیت اُنہی دنوں میں ملی جب جنوبی ہند میں چولا سامراج کی زبردست توسیع ترقی

ہورہی تھی۔ عربوں کی یہ گھوڑوں کی تجارت وسیع پیمانے پر کئی صدیوں تک فروغ پذیر رہی۔ چولا افواج اور اُن کی مخالف طاقتوں کی فوجوں میں گھوڑسوار دستوں کی اہمیت کتبوں سے بالکل واضح ہے کتبوں میں "کدیرائچ چیٹی"[23] یعنی گھوڑوں کے بیوپاریوں کے متعلق بھی اکثر حوالے آئے ہیں جو بلاشبہ دوسرے ملکوں سے گھوڑے درآمد کرتے تھے، بالخصوص عرب سے اور غالباً پیگو سے بھی اور پھر یہ گھوڑے راجاؤں اور ملک کے بڑے بڑے امراء اور جاگیرداروں کو مہیا کرتے تھے۔ چونکہ بتایا جاتا ہے کہ یہ چیٹی "ملئی ناڈو سے آئے تھے"[24] یہ نتیجہ نکالنا درست ہے کہ جنوبی ہندوستان میں درآمد کئے جانے والے گھوڑوں کی ایک بہت بڑی تعداد ملک عرب سے آتی تھی۔ مارکو پولو اور وصاف نے تیرھویں صدی کے آغاز میں گھوڑوں کی جس وسیع تجارت کا ذکر کیا ہے اُس کو دفعتاً ہی فروغ نہیں ہوگیا ہوگا بلکہ اُس کا آغاز پہلے نہیں تو چولا عہد میں ہوا ہوگا۔

چینی درآمدات

راک ہِل کے مطابق[25] اس تجارت میں چینی درآمدات میں دو ممتاز زمروں کی اشیاء شامل تھیں۔ ایک تو بنا ہوا تیار کپڑا زیادہ تر سوتی اگرم مسالے اور ادویات؛ اور دوسرے جو اشیاء کہ حقیقتاً قیمتی تھیں مثلاً جواہرات، نیم قیمتی جیسے اشیاء ہاتھی دانت، گینڈے کے سینگ، آبنوس، عنبر، مونگا اور ایسی نوع کی دوسری اشیاء نیز خوشبو کے مسالے یا عطر جو یا تو دھونی دینے کیلئے اشیاء تیار کرنے میں کام آتی ہیں یا جسم میں خوشبو کے طور پر لگائی جاتی ہیں"۔ دوسرے زمرے کی اشیاء کی بھاری قیمت اور ان کی بڑھتی ہوئی مانگ کے باعث چینی حکومت نے ان اشیاء کی بکری کو حکومت کی اجارہ داری بنالیا۔ ان چیزوں کی تجارت کی اجازت صرف لائسنس دکانداروں کو ہوتی تھی۔ جو اپنا مال سرکاری گوداموں سے حکومت کی مقررہ مقدار میں اور مقررہ قیمت پر خریدتے تھے۔ سوتی کپڑے، مسالوں اور ادویات کی فروخت پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ ان اشیاء پر محض ایک درآمدی ٹیکس لگتا تھا جو جنس کی شکل میں چکایا جاتا تھا اور اس کی شرح درآمد شدہ مال کے $\frac{1}{10}$ سے $\frac{3}{10}$ تک ہوتی تھی۔ اس درآمدی ٹیکس کے علاوہ جو مال کے چینی بندرگاہ میں داخل ہونے کے وقت وصول کیا جاتا تھا اس مال پر جہاز میں وزن کے حساب سے بھی محصول ادا کرنا پڑتا تھا۔ مجموعی طور پر اس تجارت کو چین کیلئے سودمند سمجھا جاتا تھا اور اس سے حکومت کو کوئی تشویش نہیں تھی۔ تاہم کچھ وقت گذرنے پر سامانِ آسائش کی تجارت میں کچھ بدعنوانیاں شروع ہوگئیں اور تجارت سے سکوں اور قیمتی دھاتوں کا غیر ممالک کو تیزی سے نکاس حکومت کیلئے گہری تشویش کا باعث بن گیا۔

بارہویں صدی میں ان خرابیوں کا پتہ چلا اور چینی حکومت کو اس کے لئے ایک قانون بنانا پڑا جس کے تحت قیمتی دھاتوں اور سکوں کی صورت میں رقومات کی برآمد کی ممانعت کردی گئی اور مابارد مالابار، اور گلم (ساحل کارومنڈل اور قیلان) کے ساتھ تجارت کی مقدار محدود کردی گئی۔

چینی حکومت کی جانب سے حوصلہ شکنی کے باوجود بھی ایسا لگتا ہے کہ چین اور جنوبی ہند کے مابین تجارتی تعلقات کم و بیش باقاعدگی سے تیرھویں صدی کے آخر تک قائم رہے۔ تامل بھاشا میں لکھا ہوا شاکا سمت ۱۰۱۰ (سنہ ۱۰۸۹ء عیسوی) کا لابو تیوا (سماترا) کا کتبہ جس میں "تشئی اَئرتانی نوٹرور" کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس بات کا مظہر ہے کہ جنوبی ہند کے تاجروں کی بستیاں ہندوستان کے باہر موجود تھیں اور یہ عین ممکن ہے کہ ان تاجروں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں خلیج فارس اور بحیرۂ چین کی سبھی اہم منڈیوں میں رہی ہوں۔ چین کے ایک بندرگاہ کے شہر چوان چُو کے ایک چینی مندر میں ہندو فن سنگتراشی کے کچھ نمونے ملے ہیں جو یقیناً جنوبی ہند کی طرز کے ہیں۔ یہ شہر فارموسا کے بالمقابل واقع ہے سنگتراشی کے ان نمونوں میں پرانوں کی کچھ کتھاؤں کے موضوعات پیش کئے گئے ہیں مثلاً گجیندر موکش، درختوں کے بیچ میں ایک اوکھل کے ساتھ کرشن جی کو باندھ کر رکھنے وغیرہ کے واقعات۔ یہ مورتیاں بارہویں یا تیرھویں صدی عیسوی کی معلوم ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ عین ممکن ہے کہ چوان چو بندرگاہ کے شہر میں جنوبی ہند کے تاجروں کی ایک بستی آباد ہو چکی ہو جسے قرون وسطیٰ کے سیاح زیتن کہتے تھے۔

چاؤ۔ جو کوا نے ہندوستانی مصنوعات کی جو فہرست دی ہے اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ جنوبی ہند سے چین جو چیزیں درآمد کرتا تھا اُن میں تیرھویں صدی کے آغاز میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ کوا کہتا ہے کہ[76] دیسی (جنوبی ہند کی) تجارتی اشیاء میں موتی، ہاتھی دانت، شفاف شیشہ، سپاری، الائچی، غیر شفاف شیشہ، رنگین ریشمی تاگوں یا جھالروں والا سوتی کپڑا اور سوت کی دوسری اشیاء شامل ہیں۔" ایسی مصنف کی تحریر کے مطابق چولا ریاست کے ٹیکس اور اہداریاں بے شمار تھیں اور بھاری بھی۔ اس لئے تاجر شاذ و نادر ہی وہاں جاتے تھے۔ یہ تنقید دراصل چین کے درآمدی ٹیکسوں کے ساتھ اجتماعی موازنے پر مبنی ہے اور اس کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے۔ کیونکہ جنوبی ہند کی ترقی پذیر غیر ملکی تجارت اور یہاں کی بندرگاہوں میں بدیشی بیوپاریوں کی چھوٹی چھوٹی بستیوں کی موجودگی کے متعلق ہمارے پاس بہت سی دوسری شہادتیں موجود ہیں۔ ایسے تذکرے بھی موجود ہیں جن میں جنوبی ہند کے راجاؤں اور

منگول شہنشاہ قبلائی خاں کے درمیان سفارتی اور تجارتی وفود کے متعدد باہمی تبادلوں کا ذکر آیا ہے۔ تمام وفود سمندری راستوں سے آتے جاتے تھے۔ اور ان کی نوعیت نیم تجارتی اور نیم سفارتی تھی۔ لیکن چونکہ یہ وفود کلی طور پر پانڈیا عروج کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں اور چولا سلطنت سے ان کا کوئی براہِ راست واسطہ نہیں تھا، اس لئے یہاں اُن کی تفصیل درج کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی وجہ سے مارکو پولو کا تحریر کردہ مابار (مالابار) کا تذکرہ جو بذاتِ خود بہت دلچسپ اور اہم ہے، چولا تاریخ کے مطالعہ میں محض سرسری توجہ کا مستحق ہے۔

ٹودیلا کے بنجمن کا کہنا ہے کہ مچلم جزیرہ کش سے سترہ دنوں کا سفر تھا۔ لہٰذا مچلم یا تو قیلان کا یا ہندوستان کے مغربی ساحل پر قدرے شمالی کی طرف واقع کوئی دوسری بندرگاہ جو غالباً چولا حکومت کے خلاف ہوگی۔ اس مقام کے باشندوں، اُن کی حکومت اور ملک کے بارے میں بنجمن لکھتا ہے ؟؟ "یہ لوگ خشس کی نسل سے ہیں۔ جیوتش میں زیادہ یقین رکھتے ہیں اور بالکل سیاہ فام ہیں۔ تجارت کے معاملات میں یہ قوم قابل اعتماد ہے اور جب بھی غیر ملکی سوداگران لوگوں کی بندرگاہ میں داخل ہوتے ہیں، راجا کے تین سیکریٹری فوراً آنے والے جہاز پر آکر اُس کی مرمت کرواتے ہیں۔ اُن کے نام نوٹ کرتے ہیں۔ اور اُس کی خبر راجہ کو کرتے ہیں۔ اُس پر راجہ اُن کی املاک کی سلامتی کی ضمانت دیتا ہے اور وہ اپنے مال کو بغیر کسی پہرے اور نگرانی کے کھلے کھیتوں میں بھی چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ راجہ کے افسران میں سے ایک منڈی میں بیٹھتا ہے اور اس مال کو اپنی تحویل میں لے لیتا ہے جو کہیں بھی ملا ہو۔ یہ مال ان درخواست کنندگان کو واپس کر دیتا ہے جو اس کی تفصیل اچھی طرح بتا سکیں"۔ کاروبار کے اوقات کے متعلق بھی بنجمن کا کہنا ہے کہ "ایسٹر سے لیکر نوروز کے آغاز تک (یعنی اپریل سے اکتوبر تک)، تمام موسم گرما کے دوران میں شدت کی گرمی پڑتی ہے۔ دن کے تیسرے گھنٹے (یعنی صبح کے نو بجے) شام تک لوگ خود کو گھروں میں بند رکھتے ہیں شام کے وقت ہی ہر شخص باہر آتا ہے۔ سڑکوں اور بازاروں میں روشنی کر دی جاتی ہے اور یہاں کے باشندے رات بھر اپنے کاروبار میں لگے رہتے ہیں۔ شدت کی گرمی کے باعث انہیں دن میں کام کرنے کی ممانعت ہے۔

اپنی قومی زندگی کے اس اہم ترین پہلو یعنی چولا سلطنت کی غیر ملکی تجارت کے متعلق اپنی واقفیت اور معلومات کیلئے ہمیں کُلی طور پر عرب اور چینی ماخذ کا سہارا لینا پڑتا ہے اور اس سے بہتر ہمارے ہندوستانی ماخذ کے نامکمل ہونے کا کوئی اور ثبوت نہیں ہے۔

بائیسواں باب

(1) 1910 کا 263

(2) 1895 کا 147

(3) 1896 کا 71

(4) 1919 کا 23-24 —— TAS-i-صفحات 162 تا 164، 247 —— 248، نیز 1925 کے بڑے کا 239

(5) 1897 کا نمبر 207

(6) عجائب گھر میں رکھی ہوئی اتم چولا کی تختیاں

(7) 1898 کا نمبر 9

(8) SII-iii-64

(9) 1911 کا 281

(10) 1915 کا 233

(11) 1907 کا 363

(12) 1908 کا 203

(13) SII-iii-15، 1 ـ 2

(14) 1888 کا 47

(15) 1897 کا 71

(16) 1897 کا 189، اور 192

(17) 1902 کا 547 —— 1902 کا 550

(18) 1922 کا 505

(19) 1927 کا 28

(20) 1930 کا 120

(21) 1902 کا 601

(22) 1926 کا 131

(22-الف) -

مطبوعہ 1934 صفحات 614 تا 618

(23) 1916 کا 651

(24) 1907 کا 82

(25) 118 - SK. vii '17-Hg' iv-EC

(26) 1912 کا 342 — ایک اور "ایری - دیر - پٹنا" تھا "منگرا جو اسی نواح میں واقع تھا (1912 کا 321)

(27) 1912 کا 256 — کتبے کے جس حصے میں ان مراعات کا اندراج کیا گیا ہے اس کی عبارت بہت ناقابل فہم ہے۔

(28) 1912 کا 521

(29) 1911 کا 512

(30) EI - vii صفحات 197-98

(31) ہڈسن کی تصنیف، صفحہ 265-

(32) SII - iii - عجائب گھر میں محفوظ اتم چولا کی تختیاں اور 1894 کے مجموعۂ کتبات میں سے کتبہ نمبر 171

(33) 1917 کے مجموعۂ کتبات میں سے کتبہ نمبر 343

(34) 1906 کا 82

(35) پربیجے للگر کا "گرل" پر تبصرہ۔ صفحہ 756

(36) 1925 کا 105

(37) 1925 کا 187

(38) S II – ii – تمہید – صفحہ 17 —— 1921 کا کتبہ نمبر 255 — 1897 کا نمبر 8، جس میں اناج کا نرخ درج ہے۔ 1906 کے کتبہ نمبر 147 میں ہے نرخ ½8 کاشو (وزن) فی کاشو (سکہ) بتایا گیا ہے۔ 1893 کے کتبہ نمبر 1 میں ½8 ترمیم فی کاشو ماہانہ کا نرخ دیا گیا ہے۔

(39) 1893 کا 75 — 1912 کا کتبہ نمبر 164، 169، 172، 179 — 1915 کا کتبہ نمبر 176 —— 1921 کا نمبر 216 — 1907 کے کتبہ نمبر 19 میں نرخ کے لیے تامل میں مروج اصطلاح "دھرمپ پوریشائی" درج ہے۔

(40) S II – iii – 128 – 11، 36-37

(41) 1899 کا 16 — 1928 کے کتبہ نمبر 57 میں 40 کے بجائے دس ½ کاشو کا نرخ دیا گیا ہے۔ نیز 1920 کے مجموعۂ کتبات میں سے نمبر 518 میں بھی۔

(42) 1925 کا کتبہ نمبر 203

(43) 1925 کا کتبہ نمبر 193 —— 1910 کے کتبہ نمبر 281 میں بھی پچاس فیصدی کا نرخ دیا گیا ہے۔

(44) 1912 کا 179

(45) 1903 کا 316

(46) 1897 کا 58

(47) 1928 کا 90

(48) عجائب گھر کی تختیاں – II، 28 تا 34

(49) 1920 کے کتبہ نمبر 506 میں 30 کلم فی سینکڑہ کی شرح کو "دھرمپ - پولشائی" مانا گیا ہے۔

(50) 1923 کا 232

(51) S II – I، 84 — اور 1895 کا نمبر 67

(52) 1910 کا نمبر 273

(53) 1893 کا نمبر 54

(54) 1911 کا 512 (EC، ix، CP. - 829)

(55) 1920 کا 577 ـــ نیز 1922 کا 379

(55-الف) II S-iv نمبر 504 ـــ v- نمبر 885 ـــ vi- نمبر 59، 63 وغیرہ

(یہ حوالے دیشیکا ونائکم پلے نے مہیا کئے ہیں۔)

(56) 1905 کا 458

(57) 1894 کا 219 ـــ 1911 کا 305 ـــ 1922 کا 522 وغیرہ

(58) 1923 کا 137

(59) 1902 کا 486

(60) چاؤ - ڑو - کوآ Chou-Fu-Kua صفحات 7-8

(61) ایضاً - صفحہ 9 ـــ حاشیہ نمبر 1

(62) فرانڈ (Ferrand) کی تصنیف Voyage - صفحات 14-15

(63) چاؤ - ڑو کوا صفحہ 18

(64) جدید تہری (Tahiri) 38 27 درجے شمالی طول البلد۔
20 52 (52 اعشاریہ 20) درجے مشرقی عرض البلد

(65) ولسن کی تصنیف The Persian Gulf - صفحہ 94

(66) فرانڈ کی Voyage ـــ صفحہ 138

(67) چاؤ - ڑو - کوا صفحہ 19

(68) چاؤ - ڑو - کوا صفحہ 101، حاشیہ 11

(69) صفحہ 96

(70) چاؤ - ڑو - کوا - صفحہ 100

(71) ولسن کی "دی پرشین گلف" - صفحہ 94

(72) آر - ایچ - میجر کی تصنیف India in the fifteenth Century
تمہید - صفحات xiv-1 - نیز ولسن کا حوالہ سابقہ - صفحات 98-99

(73) 1904 کا 556 - جنگی گھوڑوں کی غیر ممالک سے درآمد پہلے ہی کدمبا راجاؤں اور پلّو حکمرانوں کے عہد میں شروع ہو چکی ہو گی۔ اس ضمن میں ہم آپ کو اس حوالے کی یاد دلادیں، جو کاسٹنھا ورمن کے تالگنڈہ کے کتبے کے اسے ہیں "پلّو اشو سمستھینا کھن میں آیا ہے

(E I - viii، صفحہ 32 تا 41)۔ نیز اس سلسلے میں کچھ قدیم مورتیوں کا حوالہ بھی دیا جاسکتا ہے۔ نیز دیکھیے "پٹنا پالائی" ۔۔ 1، 185۔

(74) 1928 تا 196

(75) تونگ پاؤ (T'ung Pao) ۔ XV ۔ صفحہ 419

(75-الف) Ostasiatische Zeitschrift (مطبوعہ 1933)
صفحات 5 تا 11

(76) صفحہ 96

(77) آر ایچ ہیجر ۔ ایضاً

تیئسواں باب:

سکے اور ناپ تول کے پیمانے

جنوبی ہندوستان کے فنِ سکہ سازی کی تاریخ میں نمایاں سنگ میل کی عدم موجودگی اور منقوش سکوں کی بہت تھوڑی تعداد جواب تک دریافت ہوئی ہے، جنوب کے فن سکہ سازی کے سائنسی مطالعہ میں رکاوٹ بنی رہی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ دستیاب شدہ کتبات کی افراط نے جنوبی ہند کی تاریخ کے مطالعے کو سکہ شناسی کے دشوار اور غیر معتبر نتائج کا دست نگر نہیں ہونے دیا۔

اوزان کے دو مستند معیار

جنوبی ہند کے قدیم سکوں سے اوزان کے دو نظام دریافت ہو سکے ہیں۔ "دکن کے طلائی سکے" "گدیانا" کا اوسط وزن 58 گرین ہے۔ ان میں بھاری سے بھاری گدیانا 1/60 گرین تک وزنی ملا ہے۔ تامل دیش میں یہ مستند یا معیاری اکائی تھی جو "گدیانا" یا "کلنجو" کہلاتی تھی[1] اگر راجہ اُتم چولا کے گم شدہ طلائی سکے کا، جس کی تصویر ایلیٹ نے دی ہے[2]، وزن 50 سے 60 گرین تک صحیح درج ہے تو اس سکے میں "گدیانا" کے معیار کو برقرار رکھا گیا ہوگا۔ یہ سکہ دسویں صدی کے اواخر میں رائج رہا ہوگا۔ ایک معمولی سے محصول "کُل رکچانم"[3] کا بہت بعد کے وقتوں تک برقرار رہنا اس بات کا ثبوت مانا جا سکتا ہے۔ لیکن چولا عہد میں زیادہ مروج اسٹینڈرڈ کلنجو تھا جو 20 "منجاڈی" کا ہوتا تھا اور قواعد کے مطابق 72 گرین

وزن کے برابر تھا، لیکن بعض مرتبہ یہ 80 گرین تک بھی چلا جاتا تھا[4] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ سونے کے وزن کی اکائی تھی جس کا ذکر پرانتکا اوّل کے تیسویں سال حکومت کے ایک کتبے میں آیا ہے۔ اس کتبے میں کلنجو کو سنسکرت کے "نشک" کے مساوی بتایا گیا ہے[5]۔ چولوں کے سکے کب اس وزن کے معیار پر لائے گئے، اس کا صحیح صحیح تعین کرنا ممکن نہیں ہے۔

پون۔ماڈئی

ان متعدد کتبات کے پہلو بہ پہلو جن میں وزن کے حساب سے کی جانے والی ادائیگیوں کے لیے "کلنجو" کے استعمال کا ذکر ہے، بعض کتبے بھی ایسے ہیں جن میں "پون" کے استعمال کا ذکر کیا گیا ہے اور اسے کلنجو کا ہم قیمت بتایا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ "پون" پورے کلنجو کے وزن کا سکے کی شکل میں ڈھلا ہوا سونا تھا[6]۔ یہ سکہ "مدھرانتکا دیون ماڈئی" بھی کہلاتا تھا جو سونے کو پرکھنے کی غرض سے معیار کا[7] کام دیتا تھا اور اس پر اتنا ہی سود ملتا تھا جتنا کہ ایک طلائی کلنجو پر۔ اس سکے کا ذکر راج راجا دیو کے اکتیسویں سال حکومت میں آیا ہے[8]۔ اور اگر یہ حکمراں راج راجا اوّل تھا، جیسا کہ قرین قیاس ہے تو اس سکے کا اجرا، اس کے پیش رو مدھرانتکا اتم چولا کے عہد حکومت کے دوران ہوا ہوگا۔

کاشو

ماڈئی سے ٹھیک نصف قیمت والا سکہ "راج راجن کاشو"[9] تھا جو ایسا لگتا ہے کہ راج راجا اوّل نے جاری کیا تھا۔ لیکن اس وزن اور سونے کی خالص مقدار والا "کاشو" یقیناً راج راجا اوّل کے عہد سے بہت پہلے بھی رائج تھا۔ آدیتہ دوم کے چوتھے سال حکومت کے ایک کتبے میں[10] مذکور ہے کہ 20 کاشو 10 کلنجو کے برابر ہوتے تھے۔ یہ سکہ راج راجا کے بعد بھی رائج رہا کیوں کہ بعد کے کچھ کتبوں میں بھی کاشو اور کلنجو کا وہی سابقہ رشتہ پھر سے نظر آجاتا ہے[11]۔ دراصل "گاڈئی" اور "کاشو" جو چولا سلطنت کے مستند طلائی سکے تھے، 1010ء سے قبل کے

عہد کے دونوں چولا راجاؤں نے جاری کئے تھے۔ کتبوں میں ان سکوں کے مختلف اجراء میں امتیاز اس طرح کیا گیا ہے کہ متعلقہ سکے کے نام سے پہلے حکمران کا نام جوڑ دیا گیا ہے۔ اس طرح ہم کتبوں میں ایسے جملے دیکھتے ہیں جیسے راج راجا کا " ماڈئی "[12] راجندر شولن کا " ماڈئی "[13] یہ ایک ایسا جملہ ہے جس سے زیادہ اغلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ " مدھرانتکا دیون ماڈئی " راج راجا کے پیش رو نے جاری کیا تھا۔ نیز ایسے جملے ملتے ہیں جیسے " انتراڈو۔ نار کاشو " جس کے معنی ہیں " اچھا رائج کاشو " اور " پلن گاسو " (پرانا کاشو)[14] اور کئی مرتبہ " اتراڈو (نر) پلن گاشو " جس کا مفہوم ہے رائج الوقت اچھا (پرانا) کاشو۔ جو بعد کے کتبوں میں مذکور ہے۔[15]

" مدھرانتکن ماڈئی " کلوتنگا اوّل کے زمانے میں ہنوز رائج تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس وقت یہ 9½ " ماڑی " خالص سونے والے کلنجو یا ⅔ 3 کاشو کے برابر تھا۔[17] یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ سکے کی اصل قیمت اور وزن کا یہ اعلیٰ معیار سبھی وقتوں میں ایک جیسا نہیں تھا۔ مختلف جگہوں میں، مختلف پر اس میں کس حد تک تبدیلی ہوئی، کتبات اس کے متعلق بہت کارآمد معلومات مہیا کرتے ہیں۔

1946ء میں ضلع مشرقی گوداوری کے گاؤں دھولیشورم میں اتفاقیہ سکوں کا ایک عمدہ ذخیرہ برآمد ہوا جس میں 127 طلائی سکے ہاتھ لگے۔ یہ قدیم طلائی سکوں کا ایک اصلی مجموعہ ہے جو اور مقامات پر سنار کی کٹھالی کی نذر ہو کر معدوم ہو چکے ہیں۔ یہ سب سکے خالص سونے کے ہیں۔ ان کی پتلی اور گول توے دار سطح کے بیچ میں " لانچن " منقوش ہے اور گول حاشئے کے ساتھ ساتھ حروف کندہ ہیں۔ یہ سبھی چیزیں توے دار سکے کے چہرے پر کندہ ہیں اور پشت خالی چھوڑ دی گئی ہے۔ اس ذخیرے میں 49 سکے راج راجا اوّل کے ہیں جو مشرقی چالوکیہ نسل کا راجا تھا (دیکھئے تختی پر 5 اور 6) جس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان پر سال حکومت 33۔ 34۔ اور 35 درج ہے جو عیسوی سن 1055-57 کے مطابق ہے کیونکہ راج راجا کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے اپنا جشن تاج پوشی 1022ء میں چولا راجہ راجندر اوّل کی مدد سے منایا تھا۔ باقی

ماندہ سکّے" دو مجموعوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں جن میں مختلف عبارتیں تامل گرنتھ رسم الخط میں منقوش ہیں۔ لیکن سکّے" کے ایک طرف کے پھیلاؤ کے عین وسط میں وہی "لانچن" ہے جو واضح طور پر چولوں کا نشان ہے ایک مجموعہ (ع 1، ع 2) پر کندہ عبارت یوں پڑھی جا سکتی ہے :-

کم۔ گئی۔ کو۔ نڈا۔ چو۔ لن

ان پر سالہائے حکومت 28 سے 33 تک درج ہیں۔ یہ واضح ہے کہ سکّے" راجندر اوّل کے جاری کردہ ہیں اور ان پر کندہ سالہائے حکومت 1040ء سے 1045ء تک ہوتے ہیں۔ جہاں سال حکومت کندہ کیا گیا ہے۔ اس کے اوپر کچھ اور ہندسے بھی منقوش ہیں مثلاً 4000 اور 11 جن کی اہمیت کا کچھ پتہ نہیں۔ اسی طرح بیچ میں بھی "لانچن" کے بالکل نزدیک کچھ حروف کندہ ہیں جو ابھی تک تشنۂ تشریح ہیں۔

46 سکوّں پر مشتمل دوسرے مجموعہ پر یہ عبارت ملتی ہے ۔

ما۔ لا (ئی) نا۔ ڈو۔ کو۔ نڈا۔ چو۔ لن

ان پر حکمران وقت کا سن حکومت 34 سے 36 تک درج ہے۔ ان سکوّں کو بہ آسانی راج کیسری راجا دھیراج اوّل سے منسوب کیا جا سکتا ہے جسے اس کے والد شہنشاہ راجندر اوّل نے 1018ء میں ولی عہد سلطنت تسلیم کر لیا تھا۔ اور جو اپنے والد کے شریک کار کے طور پر 1044ء تک مشترکہ حکومت چلاتا رہا اور پھر مزید دس سال تک اس نے بطور خود مختار حکمران اس وقت تک فرمانروائی کی جب تک وہ کوپم کے میدان جنگ میں لڑتا ہوا مارا نہیں گیا۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ راج راجا اوّل چالوکیہ کا عہد حکومت ایک پر مصائب دور تھا اور اسے کو بہت موقعوں پر مغربی چالوکیوں اور وجے آدیتہ ہفتم کے حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے چولا امداد کے لیے درخواست کرنا پڑی۔ راجا دھیراج نے کیرالا میں اپنے والد کی طرف سے جو جنگیں لڑیں انہیں کے فیض سے اس نے "ملئی ناڈو کونڈا" کا لقب کیا ہوگا۔ اور یہ لقب اسی غرض سے چنا گیا ہوگا کہ اس کے سکوّں پر نقش کیا جائے تاکہ اس کے جاری کردہ سکّے" شہنشاہ راجندر کے جاری کردہ سکوّں سے الگ پہچانے جا سکیں۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ سکّے" جو اپنی ساخت میں مشرقی چالوکیہ سکوّں

سے بہت قریبی مشابہت رکھتے ہیں، صرف ریاست وینگی ہی میں رائج کرنے کی غرض سے ڈھالے گئے تھے یا ان کا استعمال اور زیادہ عام تھا۔

سکوں کا مقامی اجراء

کلوتنگا اوّل کے عہد حکومت سے لے کر بہت سی دوسری اقسام کے سکوں کا بھی ذکر کتبات میں نظر آنے لگتا ہے۔ اور یہ بلاشبہ ان مقامی حکمرانوں کے جاری کردہ تھے جو چولا سلطنت کے ماتحت جاگیردار تھے۔ ایسے کچھ جاری کردہ سکوں کی مثالیں یہ ہیں: "جیئہ ماڈا" جس کا ذکر شاکا سمت 998 کے چیبرولو کے کتبے میں ہے[18] "اتم" گونڈ ماڈا" جو باپتلا کے[19] کتبے میں مذکور ہے۔ "چام ماڈا" اور "بروا ماڈا" جو اسی مقام سے کچھ عرصہ بعد کے دستیاب شدہ کتبوں میں مذکور ہے[20] "نکی ماڈا" جس کا ذکر کانچی پورم کے اس کتبے میں آیا ہے جو راجادھیراج دوم کے چودہویں سال حکومت کا ہے[21] اور جس میں گنگا منڈلم کے ایک جاگیردار کا عطیہ درج ہے۔ اس جاگیردار کا لقب بھج بل ورمن تھا۔ پھر "بھج بل ماڈئی" جس کا ذکر سب سے پہلے شاید کلوتنگا سوم کے تیسرے سال حکومت کے ایک کتبے میں آیا ہے جو نندلور سے ملا ہے[22] اسی سکے" کا ذکر بعد کے کانچی پورم اور تروپالئی ونم کے کتبوں میں بھی آیا ہے[23] "پلم پلی ماڈئی" جو 1232ء کے ترو ملتی وائل کے کتبے میں مذکور ہے[24] اور "گنڈگوپالن ماڈئی" جو معلوم ہوتا ہے کہ نیلور کے تیلگو چوڑا حکمرانوں نے جاری کیا تھا جو راج راجا سوم اور راجندر سوم کے ہم عصر تھے[25]

ایک ہی وقت اور ایک ہی مقام کے دو کتبوں کو چابکدستی سے استعمال کرکے ماڈئی" میں خالص سونے کی مقدار اندازاً $8\frac{3}{8}$ "ماتو" تھی[26] لیکن اس سے کلوتنگا کے عہد کے کتبے کے اس واضح بیان کی تردید ہوتی ہے جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے۔ البتہ یہ بھی ناممکن نہیں ہے کہ دونوں کتبوں میں دو الگ الگ "کاشوؤں" کا ذکر آیا ہو، ہرچند کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور خالص سونے کی مستند اور معیاری مقدار دونوں تذکروں میں ایک ہی سی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ایک کتبے میں مذکور "شیمبن" سکے" میں خالص سونے کی اتنی ہی مقدار تھی جتنی کہ $9\frac{1}{2}$

"ماتو" وزن والے "مدھرانتکن ماڈلی" میں ہوتی تھی۔ کاڈرنگٹن مزید لکھتا ہے کہ "اب چولا سکوں میں سے کوئی بھی اس معیار تک نہیں پہنچتا اور ایسا ممکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ "ماڈلی" حساب لگانے کی ایک ایسی اکائی تھی جس کی مالیت مذکورہ معیار کے سونے کے ایک "کلنجو" کے برابر تھی اور جس کا اس سکّے سے قطعاً کوئی تعلق نہیں رہ گیا تھا جس میں خالص سونے کی اصل مقدار بتدریج گھٹتی جا رہی تھی۔ یہ نتیجہ درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا اگر اس کا مقصد یہ ہو کہ خالص سونے کی مقدار والا "کاشو" دراصل شاہی ٹکسال سے جاری ہی نہیں کیا گیا اگر اس امر کو مد نظر رکھا جائے کہ معیاری اور مستند کاشو راجا دھیراج اوّل کے چھتیسویں سال حکومت 1053ء میں بھی ہنوز جاری[27] تھا اور کئی بار تو کتبوں میں اس سے گراں وزن کے کاشو کا بھی ذکر آیا ہے جو $\frac{3}{4}$ کلنجو اور تین منجاڈی وزن رکھتا تھا[28] جب کہ اس کے بمقابلہ ایک کم وزن والا یعنی سات منجاڈی کا کاشو بھی رائج رہا ہے[29] تو ہمیں سکّوں کی مختلف مالیت کی اکائیوں کی موجودگی کا صحیح سبب کہیں اور ڈھونڈنا ہوگا، جیسا کہ کاڈرنگٹن نے خود ہی کیا ہے۔ "ایسا ممکن نظر آتا ہے کہ سلطنت کے ہر صوبے نے اپنا الگ مقامی سکّہ برقرار رکھا تھا۔" اور مستند سکّے سے اس کا تناسب ہر موقع پر الگ حساب لگا کر متعین کیا جاتا تھا۔ "ماڈلی" کے اعلےٰ معیار کے خالص سونے والے بہت کم سکّے ہم تک پہنچے ہیں اور اس کی وجہ شاید یہی ہے کہ کسی بھی قدیم سکّے کے جو سنار کی کٹھالی (پگھلانے) کے قابل تھا، بچ رہنے کی صدیوں تک کوئی گنجائش نہ تھی۔ اغلب ہے کہ دَھولیشورم کے سکّوں کے ذخیرے کا بھی خاصا بڑا حصّہ اسی طریقہ سے تلف ہوا ہو۔

مستند کاشو دراصل لنکا سے اخذ کیا گیا تھا جہاں سکّے ڈھالنے کا نظام چولا سلطنت کے مقابلہ میں کہیں قدیم تر اور باقاعدہ تھا۔ چولا سلطنت میں تو سکّے ڈالنے کی ابتدا نویں دسویں صدیوں میں ہوئی۔ "ایلک کاشو" ایلم یعنی لنکا کا کاشو تھا اور اس میں بھی خالص سونے کی مقدار "ماڈلی" کی مقدار کا نصف حصّہ یعنی نصف کلنجو ہوتی تھی[30] اور یہ جزیرۂ لنکا میں کافی پہلے ساتویں اور آٹھویں صدیوں میں رائج تھا[31] پرانتکا کے مدورا کو تسخیر کرنے سے صدیوں پہلے لنکا اور مدورا کی

ریاست میں باہمی قریبی تعلقات موجود تھے اور اس سکّے کا چولوں کی کرنسی میں داخل ہونا یقیناً مدورا اور جزیرہ لنکا پر پرانتکا کے حملے کا ہی نتیجہ ہوگا[32] سکوں کے جو اصل نمونے ہمارے علم میں ہیں ان میں سے لنکا مارکہ اور روایتی چولا طرز کا سکہ دونوں شروع ہی سے ساتھ ساتھ رائج تھے۔ لنکا مارکہ سکّے پر سیدھے رخ پر ایک اجڈ انسانی شبیہہ کھڑی حالت میں منقوش ہے اور الٹے رخ اسی انسانی شبیہہ کو بیٹھی ہوئی حالت میں دکھایا گیا ہے۔ روایتی چولا طرز کے سکّے پر شیر، مچھلی اور کمان کے شاہی نشان دیکھے جاسکتے ہیں۔ لنکا مارکہ سکہ پانڈیا ریاست میں رائج کرنے کے لیے بہت موزوں تھا جہاں اس کا رواج بہت پہلے سے تھا۔ جو بھی صورت رہی ہو، اصل بات یہ تھی کہ لنکا کے مستند معیار کو اپنانا تھا اور یہ اقدام معلوم ہوتا ہے کہ راج راجا کے عہد حکومت سے بہت پہلے ہوگیا تھا۔[33]

کرن گاشو

"ماڈی" "کاشو" اور مقامی اور غیر معتبر معیار کے دیگر کچھ سکوں کے علاوہ کتبوں میں "کرن گاشو" یا "ایل کرن گاشو" یعنی لنکا کے "سیاہ کاشو" کا بھی ذکر آتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس سکّے کی اصل و ابتدا بھی لنکا کی ہے جہاں "گریانا" کے ایک ہم وزن چاندی کے سکہ "نیل کہاپنا" کا بہت پرانے وقتوں سے چلن تھا۔ چولوں کے وقت کے کچھ کھوٹے چاندی کے سکّے، خواہ وہ پورے وزن کے تھے یا نصف وزن کے اسی سلسلے سے منسوب کئے جاسکتے ہیں[34] چولوں کے جاری کردہ تانبے کے سکوں کی جو کلنجو کی بجائے "گدیانا" کے معیار کے مطابق تھے، شبیہیں ایلیٹ اور دوسرے مصنفین نے اپنے تذکروں میں پیش کی ہیں۔

ضلع مدوراسے دستیاب شدہ پرانتکا اوّل کے تینتیسویں سال حکومت کے برابر ہوتا تھا۔ یہی بات راجہ آدتیہ دوم کے ایک کتبے میں دہرائی گئی ہے[38] لیکن دوسری اکائی کے ساتھ اس کا رشتہ نہیں بتایا گیا۔ تاہم راج راجا کے دنوں میں "اکم" یقینی طور پر کاشو کا $\frac{1}{12}$ حصّہ مانا جاتا تھا[39] لہٰذا یہ کلنجو کا $\frac{1}{14}$ حصّہ تھا۔ یہ واضح ہے کہ پرانتکا اور راج راجا کے مدورا اور تنجور کے کتبوں میں

"اکم" کی اصطلاح باہم مختلف قیمت کے سکوں کے لیے استعمال کی گئی ہے۔ کیونکہ کتبوں سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ پرانتکا کے عہد کا "ایلک کاشو" اور راج راجا کے عہد کا "کاشو" ہم مالیت سکے تھے اور ان میں خالص سونے کی مقدار اور ان کی قیمت برابر تھی۔[40]

چولا سکوں کا پھیلاؤ

راج راجا اوّل کی فتوحات کے نتیجے میں چولا سلطنت کی توسیع ہوئی تو چولوں کا سکے کا نظام بھی پوری سلطنت میں پھیلا دیا گیا اور اس کے باجگزار صوبوں میں بھی۔ جیسے نیا سکہ وینگی کی ریاست نے 1000ء میں اپنایا۔[41] "راج راجا کے سکے" کا وزن اس کی سلطنت کے باہر بھی پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مغربی چالوکیہ جگدیک ملا کے اور گوآ کے کادمبا خاندان کے راجاؤں کے جاری کردہ سونے کے سکوں میں[42] "گدیانا" کے بجائے "آڈولم گڈیانا" جو گیارہویں صدی میں کونگالوا راجاؤں[43] کا سکہ تھا، غالباً چولوں کے اصلاح شدہ طلائی سکے کا نام تھا۔[44] دوسری جانب بعض مرتبہ دوسرے علاقوں کے انواع و اقسام کے مقامی سکے چولا سلطنت کے اندرونی علاقے تک پھیلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ 1049ء کے لگ بھگ ایک مشرقی چالوکیہ راجا نے ترووئیارو کے مندر کو 300 "راج راجا ماڈا" کی رقم بھینٹ چڑھائی جو "گڈی نائیکل" کے مطابق 337½ کلنجو کے برابر ہوتی ہے۔[45]

سونے اور چاندی کا باہمی تناسب

ضلع چنگل پٹ میں واقع کلوتنگا اوّل کے دسویں سال حکومت کے ایک کتبے میں مستند کاشو اور خالص چاندی کا باہمی تناسب بتاتے ہوئے 433 4 کلنجو چاندی کو ایک سو طلائی کاشو کا ہم قیمت ٹھہرایا گیا ہے۔ جس کے حساب سے مستند خالص سونے کی 9½ "ماتو" مقدار والا ایک کلنجو 8ء66 کلنجو چاندی کے برابر ہوتا ہے۔[46] سونے کے کاشو کی ایسی مختلف قسموں کا ہم ذکر کر چکے ہیں جن میں سونے کی

مقدار قدرے بیش وکم بھی ہوتی رہی ہے۔ کاشو میں خالص سونے کی جتنی مقدار ہوتی تھی وہ بعض کتبوں میں صاف طور پر بیان کر دی گئی ہے اور یہ ممکن ہے کہ ان بیانات میں ہونے کے کھرے پن کا معیار "ماڈلی" والا معیار ٹھہرایا گیا ہو۔ تاہم یہ کچھ مثالوں میں واضح طور پر بتایا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لگ بھگ 1063ء کے ضلع شمالی ارکاٹ کے کتبوں میں کاشو کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں جن میں کھرے سونے کی مقدار بالترتیب 8،356 "منجاڈی" اور 7 "منجاڈی" ہوتی تھی۔[47] 1077ء کے تردوڑیور کے کتبے میں 6 منجاڈی سے کچھ زیادہ وزن کے کاشو کا ذکر کیا گیا ہے۔[48] تردواڈتوری کے 1111ء کے کتبے میں 6،813 منجاڈی وزن کے کاشو کا ذکر کیا گیا ہے[49] اور 1122ء کے تردواردر کے کتبے میں پورے $6\frac{1}{2}$ منجاڈی وزن کے کاشو کا۔[50] ضلع تنجور کا ایک اور کتبہ جو 1133ء کا ہے، کلنجو کے $\frac{3}{4}$ وزن والے کاشو کا ذکر کرتا ہے۔[51] گویا یہ وہ سکہ تھا جس میں "گدیانا" کے معیار والے پرانے "ماڈلی" کا وزن برقرار رکھا گیا تھا۔ بہت دنوں بعد یعنی 1152ء کے آننگڈی کے ایک کتبے میں کلنجو کے ایک تہائی وزن کے سونے کے کاشو کا ذکر ملتا ہے۔[51الف]

کھوٹ

مذکورہ بالا سکے جن میں خالص سونے کی مقدار اچھی خاصی تھی، جاری شدہ سکوں میں سے بچی ہوئی چند محدود امتیازی مثالیں ہیں کیوں کہ چولوں کی کرنسی کی تاریخ سونے کے بتدریج گھٹتے ہوئے معیار مقدار کی مظہر ہے۔ راج راجا اوّل کے جاری کردہ سکے لنکا کے نمونے پر کھرے سونے کے ہیں لیکن بعد کے راجاؤں کے سکوں کے نمونے خصوصاً راجا دھیراج اوّل کے عہد سے لے کر آگے تک بہت کھوٹے سونے کے سکے ہیں بلکہ یہ صرف چاندی کے ہیں اور ان پر سونے کا ملمّع کر دیا گیا ہے۔[52]

نیا کاشو

کلوتنگا سوم کے زمانے سے کاشو کی اصطلاح کا استعمال کم قیمت کے ایک تانبے کے سکے کے لیے ہونے لگتا ہے۔ اس میں دھات کی مقدار بھی مختلف مقامات

پر مختلف رہی ہوگی۔ یا یہ بھی بہت ممکن ہے کہ اس سکّے کے ہر نئے اجرا، میں یہ مقدار بدلتی رہی ہو۔ اس عہد میں دو سے تین "پلنگا شو" کی رقم ایک چراغ کا عطیہ دینے کے لیے بہت کافی ہوتی تھی۔[53] مندر میں پوجا کے دوران ایک چراغ جلائے رکھنے کا خرچہ گیارہ سو کاشو رائج الوقت ہوتا تھا۔ اور مستقل چراغ کے لیے 9000 نو ہزار کاشو ایک اور مثال میں دو سو نئے کاشو ایک چراغ کے اخراجات کے لیے کافی ثابت ہوئے۔ راجندر سوم کے بیسویں سال کا ایک کتبہ مظہر ہے کہ اس وقت سونے کا ایک کلنجو $411\frac{7}{4}$ کاشو (تانبے کے) کے برابر ہوتا تھا۔[56] ضلع سیلم کے ایک مقام آرگالور میں واقع تیرہویں صدی کے ایک پانڈیا کتبے میں درج ہے کہ ایک سو "شولیا کاشو" کا ایک "فنم" ہوتا تھا۔ جنوبی ہند کے شہروں کے بازاروں میں اب بھی تانبے کے ایسے سکّے مل جاتے ہیں جن پر راج راجا کا لفظ کندہ ملتا ہے اور بلاشبہ یہ وہی بعد کے زمانے کے چولا کتبات میں مذکور تانبے کے کاشو ہیں۔ کاڈرنگٹن آخری چولا شہنشاہوں کے سکوں کے متعلق یہ کہتا ہے[58] کہ ان کی ساخت راج راجا اول کے سکوں کی ایسی ہے لیکن ان پر دی ہوئی انسانی شبیہہ زیادہ گھٹیا ہے اور ان پر عبارت بھی بڑے بے ہنگم طریقے سے نقش کی گئی ہے۔ کہیں کہیں "راج راجا" کا "جا" الٹا کھدا ہے۔ سانچے کے بتدریج گھسنے یا بگڑنے کے مختلف مراحل صاف دکھائی دیتے ہیں اور غالباً بعد کے متعدد راجاؤں نے انہی پرانے سانچوں سے سکّے ڈھلوائے۔ یہاں تک کہ پرانے سانچے میں حکمران کا نام تک نہیں بدلا گیا۔ زیادہ اچھے ڈھلے ہوئے اور ہمارے خیال میں پرانے نمونے کے سکّے کا ایک رخ خالی، چپٹا اور ہموار تھا اور خالی رخ کی چوڑائی اعشاریہ 76۔ انچ تھی۔ اس کا وزن 63 گرین تھا۔ یہ شاید نیا کاشو تھا یا اس کا جوڑ۔

ترمم

کتبوں میں گاہے گاہے "ترمم" کا بھی ذکر آیا تھا یہ بات واضح نہیں ہے کہ یہ کوئی سکّہ تھا یا محض حساب لگانے کی چھوٹی اکائی۔ کانچی پورم میں 1076ء میں "چھ ترمم" سے ایک کاشو بنتا تھا[59] جبکہ اس سے کوئی 40 برس سے بھی زیادہ

عرصہ بعد ضلع رام نڈ میں ایک کاشو ساٹ ترم کے برابر تھا۔[60]

وزن کے متعدد نظام

ہر چند کہ ملک کے مستند طلائی سکے کا وزن اور اس میں کھرے سونے کی مقدار بڑی حد تک معین تھے، وزن کرنے اور کسوٹی پر جانچنے پرکھنے کے کئی طریق کار موجود تھے۔ ہم ان کی طویل اور سیر حاصل تفصیل بیان کرنے کے لیے یہاں رکے بغیر صرف ایسی چند مثالیں دینے پر اکتفا کریں گے جن سے اس ضمن میں اس وقت کے عام حالات پر روشنی ڈالی جا سکے۔ آدیتہ اوّل کے ایک کتبے میں "وڈگو کل" کا ذکر آیا ہے۔ یہ طریقہ ترچناپلی کے علاقے میں کمارواٹلور میں سونا تولنے کے لیے استعمال کیا[60-الف] جاتا تھا اور کتبے میں اس کے ذکر سے اس بات کی نشان دہی ہوتی ہے کہ حکمران خاندانوں کے بدل جانے کے باوجود ناپ تول کے سابقہ پیمانے عام طور پر رائج رہتے تھے۔ راج راجا کے تنجور کے کتبے میں وزن کرنے کی دو مختلف اکائیوں کا استعمال مذکور ہے۔ ایک اکائی "آڈولان" تھی جو سونے کا وزن کرنے میں استعمال ہوتی تھی۔ دوسری "دکشا میرو وٹنکن" تھی جو جواہرات تولنے میں کام آتی تھی۔ تنجور کے باہر "دہ پتھر اب بھی دیکھا جا سکتا ہے جو تردوا رور میں "راج راجن کا شو" کا وزن کرنے کے لیے استعمال ہوتا تھا[61] اور ترومل واڈی میں "وائیگتار کل"[62] اور تردچند درائی[63] اور بلودور[64] میں "وڈیل وڈگا کل" اور تاواڈی ملنگی میں "کیمپوناگرشونڑئی" کے طریقے رائج تھے۔[65] یا تروویرمبور کے شری کنٹھا چتردیدی منگلم گاؤں میں صرف جو پتھر استعمال کیا جاتا[66] تھا ان مختلف اکائیوں کے ٹھیک ٹھیک وزن کا تعین آسانی سے نہیں کیا جا سکتا لیکن ان سبھی اکائیوں میں کلنجو کا استعمال ہوتا تھا اور یہ کلنجو حسب دستور 20 منجاڈی کا ہوتا تھا اور ایک منجاڈی دو "کنڑی" کے برابر ہوتا تھا۔

سونے کے کھرے ہونے کا معیار

اسی طرح سونے کے کھرے ہونے کا بیان بھی مختلف طریقوں سے کیا گیا ہے۔ "ماڈئی" اور شیمبن (لال سونا) کے کھرے ہونے کا معیار پہلے ہی بتایا جا چکا ہے۔ ان میں لال سونے

کی اصطلاح اس سونے کے لیے مستعمل ہوتی تھی جو کچھ مقررہ ترکیبوں سے صاف کیا جاتا تھا۔[67] غالباً اسی کو "تلئی پون" یا "تلئی نڑلئی پون" کہتے تھے۔ بعض مرتبہ سونے کے کھرے ہونے کی وضاحت لمس کے حساب سے کی جاتی تھی مثلاً کاشونڑلئی کل[68] کے حساب سے ۹ "ماتو" سونے کے خالص ہونے کا بیان چولا عہد کے پہلے کتبات میں کچھ اور الفاظ میں بھی کیا جاتا تھا مثلاً "پلنگا شو" کے معیار کا سونا یا شاہی خزانے (نال چہائی) کے مقرر کردہ معیار کا حاصل سونا وغیرہ۔[69] اس طرح مختلف مقامات اور علاقوں میں رائج سونے کے سکے کی اصل اکائیوں میں کوئی یکسانیت نہیں تھی اور نہ مختلف علاقوں میں مقامی لین دین کو ضابطہ بند کرنے کے لیے ان کے مستند وزن اور کھرے ہونے کے معیار میں کوئی باہمی مطابقت تھی۔ لہٰذا اس صورتحال میں ان "سوناکیٹیوں" کی ضرورت واضح ہو جاتی ہے جو سونے کی جانچ پرکھ کے لیے مختلف دیہات کی اسمبلیوں نے قایم کر رکھی تھیں۔

دوسری ترکیبیں

مختلف علاقوں میں زمین، سیال اشیا، اور اناج کے ناپ تول کے نظام میں بھی ایسی ہی گوناگونی دکھائی دیتی ہے۔ زمین ناپنے کی اکائی "نلم" یا "ویلی" تھی جسے انبل کی تختیوں میں وانِکا کہا گیا ہے[70] جسے نصف، چوتھائی، $\frac{1}{8}$ $\frac{1}{20}$ $\frac{1}{80}$ اور $\frac{1}{320}$ حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ایک دوسرا سلسلہ (پہلی کیل) اس بنیادی سلسلے کے $\frac{1}{320}$ کا ہوتا تھا۔[71] اور پھر اس کا $\frac{1}{320}$ (دوسری کیل) تیسرا سلسلہ بناتا تھا۔ ایک تیسری کیل کا سلسلہ ($\frac{1}{320}$) بھی کبھی کبھی استعمال ہوتا تھا۔[72]

اتنی باریکی اور صحت کے ساتھ اراضی کی پیمائش کیسے کر لی جاتی تھی، اس کا علم ہم کو نہیں ہو سکا لیکن "ویلی" کے ذریعے زمین ناپنے کا طریقہ جو چولا ریاست کا قدیمی طریقہ تھا، چولا سامراج کی توسیع کے ساتھ ساتھ جنوبی ہند کے دوسرے صوبوں میں بھی پھیل گیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اقتدار کے ختم ہوتے ہی یہ معدوم ہو گیا۔ مثال کے طور پر پانڈیا ریاست میں موجود چولا کتبوں میں اس نظام

کے استعمال کا ذکر ہے، حالانکہ یہ نظام وہاں نہ تو چولوں سے پہ پایا جاتا تھا اور نہ ان کے بعد برقرار رہا۔ باوجود اس کے کہ تنجور اور دوسرے مقامات کے کتبوں میں "ویلی" کے چھوٹے سے چھوٹے حصّے بنانے میں بڑی احتیاط اور باریک بینی سے کام لیا گیا ہے خود "ویلی" کا صحیح رقبہ غیر معیّن رہا ہے۔ زمین ناپنے والے ڈنڈے (کول) کی لمبائی کا اندازہ تو کتبات میں مذکور کچھ ایسے جملوں سے لگایا جا سکتا ہے جیسے کہ 16 بالشت کا "کول"[73] گنڈیگالی کلتو کول[74] "شری پادکول"[75] "مالگئی کول"[76] وغیرہ۔ "کلی" کا رقبہ پیمائشی ڈنڈے کی لمبائی کے ساتھ نہ صرف بدل جاتا تھا بلکہ ایک "ما" یا ایک "شیرو" کتنے "کلی" سے بنے گا، اس کی تعداد بھی جگہ جگہ مختلف تھی[77]۔ "ما" یا "شیرو" ایک ویلی کا بیسواں حصّہ ہوتا تھا۔ جنوبی ارکاٹ کے مقام کیلور میں ایک "ما" 256 کلی کا ہوتا تھا جب کہ پیمائشی ڈنڈا راجندر اوّل کے چھٹے سال حکومت میں 16 بالشت[78] کا تھا۔ اسی سال ضلع تنجور کے ترووا ڈتورئی میں "مالگئی کول" کے پیمائشی دستور سے ایک "ما" ایک سو "کلی" کا ہوتا تھا[79]۔ لگ بھگ بارہ سال بعد ترووامانور میں جو کیلور سے زیادہ دور نہیں 16 بالشتوں والے پیمائشی ڈنڈے سے ایک "ما" دو سو "کلی" کا شمار کیا[80] جاتا تھا۔ لہٰذا سکّے کی طرح اراضی کی پیمائش میں بھی مرکزی حکومت کی طرف سے ایک مستند معیار قائم کرنے کا رجحان مقامی اکائیوں کے استعمال سے چمٹے رہنے کی کوشش کے پہلو بہ پہلو موجود تھا۔ "مالگئی کول" (راج محل کا پیمائشی ڈنڈا) ایک سو کلی والا "ما" جیسی اصطلاحات اور "ویلی" نامی اکائی کا خاص چول ریاست کے باہر بھی استعمال میں لایا جاتا، اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ مختلف صوبوں پر ایک یکساں نظام پیمائش نافذ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ضلع تنجور میں ترووالنگاڈو کے مندر میں اراضی کے مستند کول یا پیمائشی ڈنڈے کی لمبائی ایک پتھر کی دیوار اور گوپدم" دونوں پر منقوش ہے اور یہ اس "کول" کے مطابق ہے۔ جو تنجور کے مندر کی دیوار پر کندہ ہے[81]۔

لیکن مستند ناپ کے پیمانے رائج کرنے کی کوششوں میں کتنی کم کامیابی ہوئی یہ ان پیمانوں کے انتشار سے ظاہر ہوتا ہے جو مستند معیار کے متعلق بعد کے

چولاکتبوں میں درج ہیں۔ 1072ء میں تردوورلور میں "دیلی" 16 بالشت والے پیمائشی ڈنڈے کے حساب سے دو ہزار کلیوں پر مشتمل[82] تھی جب کہ 1204ء میں اترمیرور میں ایک "دیلی" $6\frac{1}{2}$ "پاڈگم" کے برابر مانی جاتی تھی[83] تردکڈائیور میں 1097ء، 138 کلی کا ایک "ما" 128 "کلی" کے برابر[85] تھا۔ اور اس سے اگلے ہی سال اسی سبھا نے ایک اور پیمانہ استعمال کیا جس کے حساب سے "ما" ایک سو کلی کے برابر مانا گیا۔[86] پھر 1138ء میں ضلع جنوبی ارکاٹ میں 512 کلی کا "ما" شمار کیا گیا اور اس کا حساب لگانے میں پیمائشی ڈنڈے کی لمبائی 14 بالشت مانی گئی[87] اور "ما" کے اتنے ہی "کلی" منیور ضلع تنجور کے 1220ء کے ایک کتبے میں مذکور ہیں اگرچہ یہاں پیمائشی ڈنڈے کی لمبائی معین نہیں کی گئی۔[88] راج راجا دوم کے عہد میں اسی ضلع کے ایک اور مقام ولنور میں 513 کلی کا "ما" دیکھنے میں آتا ہے۔[89] یہ فہرست مکمل نہیں ہے۔ ایک اکائی کو دوسری اکائی میں بدلنے کے لیے شاید ہی کہیں اس طرح کا حساب ملتا ہے جیسے کہ تردواڈتورئی کی سبھا کے بعض کتبات میں درج پایا گیا ہے۔ اس میں سبھا کے پیمانے کے مطابق ناپے ہوئے $4\frac{1}{2}$ "ما" کو سرکاری سروے کے 6 "ما" کے برابر بتایا گیا ہے اور سبھا کے پیمائش کردہ 6 "ما" اور ایک "کانی" رقبے کو سرکاری عام بندوبست کے 8 "ما" کے مساوی قرار دیا گیا ہے۔ اس بندوبست میں 100 "ما" کو "کلی" کے برابر تسلیم کیا گیا ہے۔[90]

سیال اشیاء اور غلے کے ناپ تول کے لیے جو پیمانے مختلف مقامات پر زیر استعمال تھے ان میں بھی عدم یکسانی عام تھی اور کتبوں میں طرح طرح کے "نالیوں" اور "مرکال" کا ذکر ملتا ہے۔ تنجور کے کتبوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ راج راجا اوّل کے عہد میں راجدھانی ہی میں نہیں بلکہ شاید پوری سلطنت میں حساب کتاب کے لیے "آڈولان" مستند پیمانے کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ یہ "راج کیسری" کے برابر تھا۔ ممکن ہے کہ اسی پیمانے کا ذکر شہنشاہ راجندر اور راجا دھیراج کے زمانے میں "ارمولی دیون" کے نام سے آیا ہو۔[91] اگرچہ اس کا نام "راج کیسری" بھی مسلسل زیر استعمال رہا۔[92] مستند پیمانے "راج کیسری" اور "ویدی وڈنگن" نامی ایک اور پیمانے کے مابین فرق کو راج راجا اوّل کے چھبیسویں برس کے ایک کتبے میں نمایاں

کیا گیا ہے۔ جو تروواما لور میں ملا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ راج کیسری کی بجائے جب "دیدی وڈ نگن" کے پیمانے سے دھان کو تولا جائے تو کچھ فاضل بچ رہتا تھا۔[93] "کوملم" یعنی "کوولانگ" اور "کچی پیڈ دنتران" کچھ دوسرے پیمانے تھے جو جنگلی پٹ میں استعمال ہوتے تھے۔[94] ایسا لگتا ہے کہ سیال چیزوں اور غلے کے ناپ تول کے یکساں اور مستند پیمانوں کو رائج کرنے کی سعی میں دوسرے پیمانوں کے مقابلہ میں زیادہ کامیابی ہوئی۔ کچھ بھی ہو راج راجا اوّل کے عہد کے بعد کے کتبوں میں اراضی کے ناپ تول سونے کے تول کے پیمانوں کے مقابلے میں ان پیمانوں کی بہت کم قسمیں درج ملتی ہیں۔

آڈو

یہ ایک انوکھی بات ہے کہ قیمت واضح کرنے کے لیے "آڈو" (جس کے لفظی معنی بھیڑ ہیں۔) ایک مستند اکائی تھا جو اتنی رقم کے برابر تھا جس پر سالانہ ایک کنستر گھی بطور سود حاصل ہو سکے۔ مہاراجہ راجندر اول کے سولہویں سال حکومت میں 25 کا شو مالیت میں ایسے $22\frac{1}{2}$ "آڈو" کے برابر ہوتے تھے[95] جن سے سال بھر میں اتنے ہی کنستر گھی حاصل ہو سکتا تھا۔ کسری آڈو جو کتبوں میں مذکور ہے[96] تبھی سمجھ میں آسکتا ہے جب اسے کسی رقم کا ٹکڑا مانا جائے نہ کہ جاندار مویشی کا۔

سال

سال عام طور پر 360 دنوں کا شمار ہوتا تھا، لیکن ایسی مثالیں بھی سامنے آتی ہیں جن میں 365 دنوں کے حساب سے سال کا شمار کیا جاتا تھا۔[97] یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ہندوؤں کی علم سیار گان کی تصانیف "سوریہ سدھانت" اور "سدھانت شرومنی" میں دوسری باتوں کے علاوہ سال کا حساب جوڑنے کے مذکورہ دونوں طریقے درج ہیں اور دونوں طرح سے حساب جوڑنے کے مخصوص مقاصد بھی بیان کیے گیے ہیں۔ تاہم چولا کتبات میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی مقاصد کے لیے دونوں طریقوں سے حساب لگایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر چراغوں کا خرچ چلانے کی غرض سے گھی کی مقدار

دونوں طریقوں سے متعین کی گئی ہے۔

کتبوں میں دیئے گئے ناپ تول کے بنیادی پیمانے

(1) سیاّل اشیا، اور غلّے کے پیمانے

2 شیوڑو	=	1 پڑی
5 شیوڑو	=	1 آلاکو
2 آلاکو	=	1 الکوّ
2 الکو	=	1 اری
2 اری	=	1 نالی
8 نالی	=	1 کڑونی
2 کڑونی	=	1 پدکوّ
2 پدکوّ	=	1 تونی
3 تونی	=	1 کلم

(2) سونے کے اَوزان

1 منجاڈی = 2 کنزی = 10 "ما" = 40 کانی = 20 منجاڈی

1 کلنجو (تقریباً 68 تا 72 گرین سونا)

نوٹ:

"ما" اور "کانی" کے پیمانوں کا جب اراضی کی پیمائش کے ضمن میں ذکر کیا جائے تو یہ بالترتیب $\frac{1}{20}$ اور $\frac{1}{80}$ دیلی اراضی کی اکائیوں کے مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں۔ ہلتش نے یہ اندازہ لگایا ہے (دیکھئے سیریز 2۔ ii۔ صفحہ 65 کا ذیلی حاشیہ) کہ شروع میں "ما" اور "کانی" یہاں بھی وہی جزوی قیمت رکھتے تھے اور یہ 2 منجاڈی یا $\frac{1}{10}$ کلنجو کی اکائی کے حصّے ہوتے تھے جو سکے "فنم" کہلاتے تھے

وہ عموماً وزن میں مستند کلنجو کا دسواں حصہ ہوتے تھے اور "پن توکم" ہمیشہ کلنجو کا دسواں حصہ ہی رہا ہے۔ 1927 ، کے 273 (دِک۔ 3 شیوپورم) میں "ما" کا شو کے $\frac{1}{20}$ کے برابر بتایا گیا ہے۔

(3) طول وعرض ناپنے کے پیمانے جو بُت تراشی میں استعمال ہوتے تھے

8 تورنٔ (یعنی دھان کی بالی) = 1 درل (انگلی)

12 درل = 1 شان (بالشت)

2 شان = 1 ملم (ایک ہاتھ)

حاشیے

(1) کاڈرنگٹن کی تصنیف۔ صفحات 6۔7

(2) CSI ۔ نمبر 151

(3) TAS - i : صفحہ 165 ــ 1915 کا 182

(4) کاڈرنگٹن۔ صفحات 3، 7

(5) S II ۔ iii ۔ 104 ۔ نیز 1912 کا 181

(6) 1888 کا 49 ــ 1893 کا 54 وغیرہ۔ اس کے خلاف دیکھئے کاڈرنگٹن جس نے کہا ہے کہ "قرون وسطیٰ کا ابتدائی "پون" دراصل سونے کا ٹکڑا ہی معلوم ہوتا ہے اور اس کا کوئی سکہ ہونا ضروری نہیں" (ص۔ 52)

(7) 1912 کا 140 ــ ARE ۔1913، II، 22

(8) 1915 کا 252

(9) 1912 کا 141 ۔ جس کا ذکر 1925 کے نمبر 484 میں بھی آتا ہے۔

بابت 1054ء

(10) 1923 کا 241

(11) 1925 کا 203 ـــ 1923 کا 228

(12) 1925 کا 104 ــ 1919 کے نمبر 671 میں یہ "ماڈئی" سونے کے کھرے پن کے معیار کو جانچنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

(13) 1925 کا 203

(14) 1916 کا 629 ۔ اور 1925 کا 484

(15) 1926 کا 71 ۔ 1901 کا 217 ــ 1929 کا 329

(16) 1893 کا 17 ۔ 1911 کا 180 ــ ARE-1936-37، II، 27

(17) 1928 کا 90

(18) 1897 کا 151

(19) 1897 کا 236

(20) 1897 کا 210 ــــ 1897 کا 176

(21) 1893 کا 48

(22) 1907 کا 586

(23) 1919 کا 360 ــــ 1929 کا 311 ــ ARE. 1929'II'28

(24) 1904 کا 674

(25) 1921 کا 266' نیز دیگر متعدد کتبے

(26) حوالۂ سابقہ صفحہ 86

(27) 1923 کا 228

(28) 1925 کا نمبر 105 ۔ نیز قدرے کم قیمت والے کاشو کے لیے۔
1904 کا نمبر 571 ۔ یہ دونوں راج راجا اوّل کے زمانے کے تھے۔

(29) 1890 کا 5

(30) 1895 کے نمبر 25' 156 ــ اور 1915 کا 252 ۔ تامل میں لفظ "ایلم" سونے کے معنوں میں استعمال کیا جانے لگا اور "دو اکرم" میں بھی انہی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے لیکن میں نے اس سے قبل کہیں اس لفظ کو ان معنوں میں استعمال ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یہ معنی اس حقیقت سے اخذ کیے گیے ہوں کہ "ایلک کاشو" ایک سونے کا سکہ تھا ؟

(31) 1904 کا 435

(32) کاڈرنگٹن ۔ صفحہ 73

(33) اس کے برعکس دیکھیے کاڈرنگٹن صفحہ 84 ۔ یہ بات غالباً نوٹ کرنے کی ہے کہ راج راجا کے عہد کا نام نہاد "لنکیشور مارکہ سکہ" دراصل چولا سکہ نہیں ہے (دیسکاچاری کی تصنیف ۔ صفحہ 183) لیکن غالباً لنکا کی کہاونو سیریز سے تعلق رکھتا ہے ۔ اور اس کے اوپر کندہ شدہ عبارت اب اس طرح پڑھی جا سکتی ہے "سری لنکا وبھو"۔ کاڈرنگٹن حوالۂ سابقہ، صفحہ 54 ۔ بدقسمتی سے دیسکاچاری نے اس قسم کے سکے کا نمونہ اور وزن نہیں دیا۔ تانبے کے "کو ونڈراما" سکے (دیسکاچاری۔

صفحہ 66) بھی واضح طور پر پانڈیا عہد کے ہیں نہ کہ چولا عہد کے

(34) SII . iii . 120' — 1907 کا نمبر 242 — 1923 کے نمبر 238 اور 266

(35) کاڈرنگٹن۔ صفحات 13، 14

(36) ایلیٹ کا سکہ نمبر 152 پورے وزن کا ہے۔ اسی طرح ہلٹش کا نمبر 26، نمبر 27 جس کا ذکر اس نے IA - 1896 میں صفحہ 221 پر کیا ہے، اپنے نام "چول نارائن" کی وجہ سے اب راج راجا سے منسوب کیا جاسکتا ہے کیوں کہ میسور کے کتبوں میں راج راجا کو بھی چول نارائن کا نام دیا گیا ہے۔ صفحہ 317 - IA - 1896 پر مذکور ایک سکہ نصف وزن کا ہے، یعنی 30 گرام کا۔ اسی جگہ ایک اور سکہ کا ذکر ہے جو ½51 گرام کا ہے اور جو ایلیٹ کے نمبر 153 کے قریب ہے جس کا وزن ½52 گرام ہے۔

(37) SII . iii . 102 — اس کا شو کا ذکر 1904 کے 435 (تیسویں سال) میں بھی ملتا ہے۔

(38) 1923 کا نمبر 275 — "اکا" لنکا مارکر "کہا دلنوا" کے ایک ٹکڑے کے برابر تھا اور کاشو کی مانند وہیں سے ملا ہوگا۔ کاڈرنگٹن صفحہ 98

(39) SII - ii . 7

(40) صفحات 71 تا 74 پر کاڈرنگٹن نے اس بحث کا اختتام کرتے ہوئے یہ بات ثابت کی ہے کہ چولوں نے اپنا سکے کا معیار لنکا سے مستعار لیا تھا جہاں چولوں کی تسخیر سے قبل اس کی ایک طویل اور مسلسل تاریخ رہی تھی۔ یہ پرانا نظریہ کہ "اس کا استعمال لنکا میں اس لیے مستقل طور پر رائج ہوا کہ اس جزیرے پر چولوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔" (ریپسن)، حقیقت کے عین برعکس ہے۔ مزید دیکھئے سمتھ کی IMC - I، صفحات 327 - 28

تاہم کتبات کی شہادتوں کے محتاط مطالعے سے کاڈرنگٹن کے اس نظریے کی تائید نہیں ہوتی کہ راج راجا اوّل نے سکوں میں اصلاح کی (23 صفحہ 7) اس نظریہ کی بنیاد جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، دو حقائق پر ہے: (ا) 1916 کے نمبر 629 میں جو راجہ کے ستائیسویں سال کا ہے، "پلنگا شو" کا ذکر (ب) گم شدہ سونے کے سکے کا وزن (ایلیٹ نمبر 151) جس پر "اتم شولن" لکھا ہوا ہے۔ (صفحہ 7

اور 74) ان حقائق کی دوسری تشریحات بھی ہوسکتی ہیں۔ چونکہ کاشو ۰ ایک کاشو ۰ ½ کلنجو کی باہمی شرح تبادلہ کا مستقل رشتہ راج راجا کے عہد سے پہلے کا ہے جیسا 1895 کے نمبر 25 سے ظاہر ہے جو پرانتکا اوّل کے چوبیسویں سال کا ہے اور 1895 کے نمبر 156 نیز 1923 کے نمبر 241 سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ سکّے بالترتیب پرانتکا دوم (سندر چولا) اور آدتیہ دوم کے زمانے کے ہیں۔

چولا سکوں پر ناگری بھاشا کی عبارت سب سے پہلے راج راجا اول کے عہد حکومت میں دکھائی دیتی ہے جو قدیم زمانے کی "گرنتھا" کی عبارتوں کی جگہ لے لیتی ہے۔ مقابلہ کیجئے CSI میں اتم چولا کے طلائی سکّے کا نقش۔ یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہے کہ یہ چولا سکہ سازی پر لنکا والوں کے بڑھتے ہوئے اثر کا ایک اگلا قدم ہے یا ایک دوسری بات کا اثر ہے جو اگر پہلی وجہ سے بڑی نہیں تو برابر ضرور ہے یعنی شمالی ہند کے شیومت کا اثر چولا دربار پر قایم ہونا شروع ہو چکا تھا۔ اس دوسری وجہ سے ناگری رسم الخط کا پہلے برصغیر ہند میں استعمال شروع ہوا ہوگا اور اس کے بعد یہ لنکا میں بھی پھیل گیا ہوگا۔

(41) IA. XXV ـ صفحہ 321

(42) IMC. I صفحات 313-14

(43) EC. i. 49

(44) کاڈرنگٹن۔ صفحہ 8

(45) 1894 کا نمبر 221۔ چولا "ماڈا" اس "کل" کے حساب سے محض ایک کلنجو سونے کا سکّہ ہوتا تھا۔

(46) 1922 کا 211

(47) 1916 کا 157 ـ 1890 کا 5

(48) 1896 کا 401

(49) 1925 کا 150

(50) 1904 کا 563

(51) 1912 کا 509 ـ کاڈرنگٹن حوالہ سابقہ صفحہ 85

(51 الف) 1920 کا 521

(52) کاڈرنگٹن۔حوالہ سابقہ صفحہ 73

(53) 1900 کا 40 ۔ 1902 کا 449

(54) 1913 کا 264 ۔ 1892 کا نمبر 63

(55) 1902 کا 449

(56) 1922 کا 522

(57) 1913 کا 439

(58) حوالہ سابقہ صفحہ 85

(59) 1893 کا نمبر

(60) 1923 کا 284

(60 الف) 1936 ۔37 کا 141

(61) 1919 کا 680

(62) 1920 کا نمبر 1

(63) 1903 کا 316

(64) 1918 کا 353

(65) 1911 کا 491

(66) 1892 کا 100

(67) S II ۔ iii ۔ صفحہ 229، حاشیہ نمبر 5

(68) TAS ۔ iv ۔ صفحات 139 تا 141

(69) 1925 کا 50 ۔ 1924 کا 356

(70) آج کل تنجور کا "ویلی" چھ ساٹ ایکڑ کے برابر ہوتا ہے ۔ ممکن ہے "ویلی" کی پرانی اکائی بھی اس سے مختلف نہ رہی ہو ۔

(71) S II ۔ ii ۔ صفحہ 64 ۔ پیراگراف 15

(72) S II ۔ ii ۔ صفحہ 64، پیراگراف 15

(73) 1902 کا 261 ۔ 1912 کا نمبر 344 ۔ 1922 کا نمبر 18 ۔ iii.S II

64۔ 1910 کے نمبر 229 میں 14 بالشت ۔ 1922 کے کتبہ نمبر 413 میں
20 بالشت ۔ 1928 کے نمبر 102 میں 12 بالشت۔

(74) 1921 کے نمبر 160 اور 172

(75) 1900 کا نمبر 87

(76) 1914 کا 99 ۔ 1925 کا 102

(77) 1902 کا 250

(78) 1902 کا 261

(79) 1925 کا 102

(80) 1922 کا 18

(81) 1926 کا 93-97

(82) SII - iii - 64

(83) 1898 کا 76

(84) 1925 کا 243

(85) 1925 کا 155 ۔ اس کتبے میں لکھا ہے کہ اس وزن کی اکائی کے مطابق $4\frac{1}{2}$ "ما" عام مروّج پیمانے کے چھ "ما" کے برابر ہوتے تھے۔ کیا یہ صرف اندازاً تخمینہ ہے؟

(86) 1925 کا 150

(87) 1918 کا 179 - 81

(88) 1902 کا 207

(89) 1912 کا 428

(90) 1925 کے 155، 144

(91) 1921 کا 401 - 1921 کا 262

(92) 1912 کا 140

(93) 1922 کا 21

(94) ARE - 1911، II، 21

(95) 1895 کا 78

(96) 1888 کا 40

(97) 1904 کا 556 ۔ 1909 کا 731 ۔ 1918 کا 504

(98) 1921 کا 219 (راج راجا اوّل۔ 22 واں سال)

چوبیسواں باب :

تعلیم و علمیت

قدیم نصب العین

ہمہ گیر تعلیم ایک جدید نصب العین ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہنوز جدید ہندستان نے اسے مکمل طور پر قبول نہیں کیا ہے۔ ہندوستان میں تعلیم کا قدیم نصب العین یہ تھا کہ ہر ایک کو اس کی صلاحیت کے مطابق تعلیم دی جائے اور یہ صلاحیت استاد متعین کرتا تھا۔ اس صلاحیت کا تعین نہ صرف شاگرد کے ذاتی رجحانات بلکہ اس کی پیدائش اور زندگی میں اس کے رتبہ کو ملحوظ خاطر رکھ کر کیا جاتا تھا۔ آج کل جسے صنعتی اور تکنیکی تعلیم کہا جاتا ہے وہ زیادہ تر ہنرمندوں اور کاریگروں کے گھروں میں ذات پات کے قاعدوں اور رسم و رواج کے تحت دی جاتی تھی۔

خواندگی

خواندگی کی مقبولیت اور اس کی قدر و قیمت کے [illegible] نوعیت کی [illegible] بہت کم [illegible] ہے، لیکن ہم اتنا ضرور قیاس کر سکتے ہیں کہ خواندگی کا تناسب [illegible] کے اس قلیل تناسب سے ضرور زیادہ تھا جس کا پتہ ہندوستان کی حالیہ [illegible] سے چلتا ہے۔[1] درختوں کے سائے میں [illegible] کے

برآمدوں میں لگنے والا دیہاتی اسکول ایک عام ادارہ تھا اور اس کا معلم روایتی[2] ملازمین کے اس عملے میں شامل ہوتا تھا جنہیں ان کی خدمات کا معاوضہ گاؤں کی شاملاتِ اراضی میں سے دیا جاتا تھا پنایا درم (ضلع جنوبی ارکاٹ) کا مفت تعلیم دینے والا اسکول[3] جس کا ذکر ایک بغیر تاریخ کے کتبے میں کیا گیا ہے۔ غالباً اسی قسم کا اسکول تھا۔ پتھر اور تانبے کا کام کرنے والے ہر جگہ عام طور سے ملتے تھے جو پتھر اور تانبے کے کتبے کندہ کرتے تھے۔ یہ کام اکثر نہایت درجہ صحت اور فن کاری کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ بعض کتبوں میں جو کہیں کہیں غیر شائستہ اور روزمرّہ بول چال کے الفاظ اور جملے استعمال ہوئے ہیں۔ اُن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کام عموماً ایسے کاریگروں کے سپرد کیا جاتا تھا جو صرف خواندہ ہوتے تھے نہ کہ عالم و فاضل۔ مرکزی اور مقامی حکومتوں کے پیچیدہ ریکارڈوں کو تیار کرنے کے لیے افسروں اور منشیوں کے خاصے کثیر عملے کی بھرتی کی ضرورت پڑی ہوگی اور ضرورت کا یہ تقاضہ لوگوں کے اعلےٰ علمیت حاصل کرنے لیے محرّک بنا ہوگا۔ کیوں کہ ایسی علمیت ہی سرکاری نوکریاں پانے کا راستہ تھی۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ بڑھتی ہوئی چولا سلطنت نے جس محنت سے ایک منظم افسر شاہی کی داغ بیل ڈالی تھی اُس سے ایسے پڑھے لکھے افراد کی خدمت کی مانگ میں قابلِ فہم حد تک اضافہ ہوا۔

تعلیمِ عامہ

تعلیمِ عامہ وسیع معنوں میں قومی رزمیہ داستانوں مثلاً "رامائن" اور "مہابھارت" اور پرانوں کی کتھا اور تشریح کے ذریعے معبدوں اور عوامی اجتماع کے دوسرے مقامات پر دی جاتی تھی۔ بعض مرتبہ روحانیت اور فلسفہ کے عناصر کسی خاص مذہب یا فرقے کے مخصوص نقطۂ نظر سے اِسی طرح سمجھائے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر شیودھرم[4] سوم سدھانت اور رامانج بھاشیہ کے زاویۂ نگاہ ہے۔

اعلیٰ تعلیم

اعلیٰ تعلیم عموماً مذہبی نوعیت کی ہوتی تھی اور مٹھوں اور مندروں کے ساتھ ملحق درسگاہوں میں دی جاتی تھی۔ مٹھ، پلی اور وہار تعلیم کے ایسے مرکز تھے جن کے اپنے بہت بڑے بڑے کتب خانے تھے اور جن سے نقلیں تیار کرا کے مختلف موضوعات پر کثیر تعداد میں قلمی لٹریچر سے تعلیم کی اشاعت ہوتی تھی۔ ان کتابوں کی تعداد اور ان کی گوناگوں نوعیت پشت در پشت بڑھتی ہی چلی جاتی تھی۔ بعض علوم کی خصوصی شاخوں کے لیے بے شمار چھوٹی چھوٹی جاگیریں عطا کی جاتی تھیں مثلاً پربھاکر کی "میماسا"[5] کے لیے اور گرامر (ویاکرن)[6] کے لیے جن کا مطالعہ کسی ایک معلّم کی رہنمائی میں کیا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ اعلیٰ عمومی تعلیم کے لیے کالج ہوتے تھے جو علوم کی مختلف شاخوں کا درس دیتے تھے۔ ان کالجوں میں کثیر تعداد میں اساتذہ اور طلبا رہتے تھے اور انہیں باہم ذہنی اختلاط کی وہ تمام سہولتیں حاصل تھیں جو ایک جگہ رہ کر تعلیم حاصل کرنے کے باعث مل سکتی ہیں خواہ وہ ایک ہی چھت کے نیچے نہ رہتے ہوں۔ یہ عظیم تعلیمی ادارے بھی اوقاف کی امداد پر چلتے تھے اور ان میں تمام جگہیں بغیر کسی معاوضہ کے صد درجہ مستحق شاگردوں سے بھری جاتی تھیں جو علوم کی الگ الگ شاخوں کے لیے مقابلے کے امتحان کے بعد داخل کیے جاتے تھے۔ افسوس کہ قرونِ وسطیٰ کے جنوبی ہند کے ان کالجوں کو یہ شرف حاصل نہ ہو سکا کہ I تسنگ جیسے کسی غیر ملکی شاہد کے قلم سے ان کا احوال بیان کیا جاتا۔ نہ انہیں یہ سعادت نصیب ہوئی کہ صدیوں تک زیر زمین دفن رہنے کے بعد آثار قدیمہ کی کھدائی کرنے والے کوئی کدال دفعتاً انہیں ہم سے روشناس کرتی۔ لیکن ہم عصر کتبات اس عظیم کام کی پرزور گواہی دیتے ہیں جو اعلیٰ تعلیم کے ان ہندو مراکز نے اپنے زمانے میں انجام دیا تھا اور جس کی تحسین بھی ایک بڑی حد تک انہوں نے بجھدار عوام سے حاصل کی۔ "چندر گا کنڈی پورم" نامی ایک ویدک مدرسے کی موجودگی کی تصدیق پرانتکا اوّل اور سُندر چولا دونوں شہنشاہوں کے عہد کے کتبوں سے[6الف] ہوتی ہے۔ اس ویدک مدرسے کے لیے کام الپور (یا کا پلور) ضلع شمالی ارکاٹ کی دیہی سبھا کی مجلس عاملہ کے ایک رکن نے جاگیر دی تھی۔ اندازاً 999 میں آٹیور

(حال آتورم) ضلع چنگل پٹ کی مہا سبھا نے ویدوں کی تعلیم، نیز گرامر (اشٹ ادھیائے) اور دیگر مضامین کے درس کے لیے "بھٹ ورتی" (وظیفے کی رقم) مہیا کی۔ یہ توقع کی جاتی تھی کہ ایک "بھٹ" کو ویدوں پر پوری دسترس حاصل ہو گی۔ وہ پانینی کی ویاکرن (گرامر) اور "النکاروں" کی تعلیم دینے کے قابل ہوگا اور "میماسا" کے بیس کے بیس باب پڑھا سکے گا۔ اُسے نہ صرف اپنے شاگردوں کو پڑھانا ہوتا تھا بلکہ اُن کے طعام کا بندوبست بھی کرنا پڑتا تھا۔ "میماسا" کے بیس ابواب کا ذکر قابل توجہ ہے۔ اب "میماسا" کے صرف 16 باب ملتے ہیں اور یہ مانا جاتا ہے کہ باقی ماندہ چار تلف ہو چکے ہیں۔ لیکن یہ راج راجا اوّل کے زمانے میں موجود اور زیر مطالعہ تھے۔

اینائرم

شہنشاہ راجندر اوّل کے زمانے میں راج راجا چتر ویدی منگلم (اینائرم) ضلع جنوبی ارکاٹ کی سبھا نے راجا کی حکومت کے ایک افسر کی موجودگی میں یہ قرار داد منظور کی کہ وہ خود راجہ کے جاری کردہ ایک فرمان کے مطابق ایک کالج کے طلباء کے طعام اور اساتذہ کے معاوضے کا انتظام کریں گے۔[7] کتبے کے الفاظ سے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کالج کی بنیاد اسی موقع پر رکھی گئی تھی یا جب راجندر نے کالج کی اتنی بڑی مدد کے لیے پیش قدمی کی تھی تو کالج اس سے کچھ مدت پہلے سے موجود تھا۔ بات جو بھی ہو لیکن کالج کے طلباء کی تعداد مختلف نصابوں کی مقبولیت، مختلف مضامین کے اساتذہ کی ایک دوسرے کے مقابلہ میں کیا اہمیت تھی (جہاں تک ان کی تنخواہوں سے اندازہ ہوتا ہے۔) اور مختلف درجوں کے طلباء کے اخراجات پر اوسطاً کتنا خرچ آتا تھا، ان سب باتوں کا پتہ کتبے میں مندرج تفصیلات سے چل جاتا ہے۔ اس کتبے میں جو خرچ درج ہے، وہ 270 ۔ ادنیٰ درجوں کے متعلمین، 70 ۔ اعلیٰ جماعتوں کے طلباء اور 14 ۔ افراد پر مشتمل اساتذہ کے عملے کے متعلق ہے۔ ادنیٰ درجوں کے طلباء جو برہمچاری کہلاتے تھے، ان میں سے چالیس "رُدپادتارا" کے قواعد کے مطابق گرامر کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور باقی ویدوں کو زبانی یاد کرتے تھے۔ 75 طلباء رگ وید کا درس لے رہے تھے اور 75 یجر وید کا۔ بیس بیس طالب علم "واجسینہ" "چندوگا" اور "تلوکارسانا"

کا، دس "اتھروید" اور باقیماندہ دس بودھایَنا گرہ، "کلپ" اور "گن" کا درس لے رہے تھے۔ اِن ادنیٰ درجوں کے طلباء میں سے ہر ایک کے لیے 6 "نالی" دھان یومیہ راشن منظور کیا گیا تھا۔ اعلیٰ درجوں کے 70 متعلمین (چھاتروں) کے لیے 10 "نالی" یومیہ مقرر تھا۔ یہ متعلمین تین اونچے درجے کے مضامین کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ویاکرن کے 25، پربھاکر میمامسا کے 35 اور ویدانت کے 10 ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تعلیمی نصابوں میں، جہاں چاروں ویدوں کو نمائندگی حاصل تھی وہاں رِگ وید کا صرف ایک سوتر شامل تھا۔ شہنشاہ راجندر کے زمانے میں سنسکرت صرف ونحو کی تعلیم کے لیے "رُیاوتارا" نامی تصنیف کا استعمال[8] پربھاکر رشی کی "میمامسا" کی اس حد تک مقبولیت کہ بھٹ مکتبۂ خیال کو تقریباً ترک ہی کر دیا گیا تھا، پھر اگر یہ سارا کالج ایک ویشنو ادارہ تھا جیسا کہ غالباً یہ تھا ہی، تو وششٹا دوئت مکتبۂ خیال کے ویدانت کا مطالعہ کے ایک مضمون کے طور پر ذکر آتا اور وہ بھی رامانج کے عظیم "بھاشیہ" کے وجود میں آنے سے قبل۔ یہ سب باتیں اِس پہلو سے قابلِ توجہ ہیں کہ یہ جنوبی ہند میں سنسکرت کی تعلیم وتدریس کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ اساتذہ میں سب سے زیادہ یعنی $1\frac{1}{3}$ کلم غلہ یومیہ ویدانت کے پروفیسر کو ملتا تھا۔ ان سے دوسرے درجے پر وہ نمبی آتے تھے جو میمامسا اور ویاکرن پڑھاتے تھے۔ انہیں فی کس ایک کلم غلہ یومیہ ملتا تھا۔ باقی ماندہ سب معلم ایک ہی سطح پر رکھے گئے تھے اور ان کو صرف تین "کرونی" یا چوتھائی کلم یومیہ غلہ دیا جاتا تھا۔ غلے کے علاوہ تمام اساتذہ اور چھاتروں (اونچے درجوں کے طلباء) کو، ماسوائے ویدانت کے پروفیسر کے دیگر الاؤنس سونے کی شکل میں ملتے تھے۔ ویاکرن اور میمامسا کے اساتذہ کو ایک ادھیائے پڑھانے کے عوض ایک کلنجو کی شرح سے نقد الاؤنس دیا جاتا تھا۔ اس طرح ان دونوں مضامین کے استاد سارے نصاب کے لیے بالترتیب 8 کلنجو اور 12 کلنجو کے حقدار بن جاتے تھے۔ باقی سب کو نصف کلنجو فی کس سالانہ نقد الاؤنس ملتا تھا۔ ویدانت پڑھانے کے عوض روپیہ لینا قانوناً اور رواجاً منع تھا، اور ایسا لگتا ہے کہ اسی وجہ سے ویدانت کے معلم کو سونے کی شکل میں کوئی رقم پیش نہیں کی جاتی تھی۔

ترِبھُووَنی

اینائرم کے کالج سے مِلتا جُلتا ایک اَور کالج پانڈیچری کے نزدیک ترِبھُووَنی کے مقام پر چل رہا تھا۔ اس میں 260 طالِب علم اَور 12 اساتذہ تھے۔ درس کے مضامین عموماً وہی تھے جو اینائرم میں مقرّر کیے گئے تھے۔ اگرچہ "پربھاکرم" کا اِن میں ذکر نہیں، پھر بھی دوسرے نئے مضامین ان میں شامل تھے جیسے "ستیہ سادھ سوتر" "منوشاستر" اور "ویکھانساشاستر" اور ان کے علاوہ مہابھارت، رامائن۔ یہ آخری دو لوگر تھ عوام کو کتھا کی صورت میں سنائے جاتے تھے۔ اسکولوں میں بطور مضامین نہیں پڑھائے جاتے تھے۔ یہاں طلبا، اور اساتذہ دونوں کو یومیہ ادائیگی جنس کی شکل میں کی جاتی تھی۔ صغیر میں متعلموں کو چھ پیمانے فی کس یومیہ اور بڑے درجوں کے طلبا کو آٹھ پیمانے فی کس یومیہ استادوں میں سے ویدانت کے استاد کو ½1 کلم یومیہ الاؤنس ملتا تھا جب کہ دوسروں کو مختلف مقداروں میں ایک کلم سے لے کر ¼ کلم تک دیا جاتا تھا۔ راجا دھیراج کے 1048ء کے کتبے میں اِن باتوں کا اندراج ملتا ہے، کالج کے اساتذہ اور طلبا، کو دیہی اسمبلی کی مختلف کمیٹیوں کی خدمت سے سبھا کی ایک قرارداد کے مطابق مستثنٰی کر دیا گیا تھا۔

ترِوُمکوڈل

آگے چل کر ویرراجندر کا 1067ء کا وہ مشہور کتبہ ہمارے زیرِ مطالعہ آتا ہے جو ترِوُمکوڈل میں مِلا ہے۔ اس کتبے میں مہاوشِنو کے مقامی مندر کی جملہ آمدنی اور خرچ کا مفصّل حساب درج ہے۔ ان اخراجات میں ایک کالج اَور ایک ہسپتال کے اخراجات بھی شامِل ہیں۔ یہ کالج مقابلتاً ایک چھوٹا ادارہ تھا۔ اور اس میں صرف دو وید (رِگ وید اور یجر وید)، تیز دیاکرن اور "رُدپادتارا" پڑھائے جاتے تھے۔ دونوں ویدوں میں سے ہر ایک کی تعلیم کے لیے دس دس طلبا، اور ایک ایک معلّم کی اَور دیاکرن کے لیے ایک اُستاد اَور بیس طلباء کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ وید پڑھانے والے معلموں، کو معاوضہ ایک "پدکوتا" دھان یومیہ اَور نقد دس کاشو سالانہ

تھا جب کہ دیاکرن کے استاد کا معاوضہ ایک "توُنی" (یعنی پدّ کو کا مُگنا) یومیہ اور نقد دس کا شُو سالانہ تھا۔ یہ صاف واضح ہے کہ وید پڑھانے کا مدرسہ محض وہ ادارہ تھا جسے ہم اب "ادھیّن پاٹھشالہ" کہہ کر پکارتے ہیں، یعنی ایسی درسگاہ جہاں ویدوں کے نسخے زبانی رٹا دیئے جاتے تھے۔ طلبا کو نہ صرف ½1 نالی چاول یومیہ اور ترکاری طعام کے لیے ملتی تھی بلکہ سونے کے لیے چٹائیاں اور سر پر لگانے کے لیے ہر سنیچر کو تیل بھی دیا جاتا تھا (سال میں 51 سنیچر شمار کئے جاتے تھے) نیز رات کی روشنی کے اخراجات بھی دیے جاتے تھے۔ دو خادمائیں بھی مدرسے اور طلبا کے چھوٹے موٹے کام دھندوں کے لیے تعینات تھیں۔

تروواڈُوُرئی کا طبّی تعلیم کا اسکول

تروواڈوُرئی میں واقع وکرم چولا کے تیسرے سالِ حکومت یعنی 1121ء کے ایک کتبے میں مذکور ہے"کہ ایک مقامی مٹھ میں جن لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا ان میں علم الادویہ اور گرامر (دیاکرن) کے طلبا، واگ بھٹ کی "اشٹ نگر ہدئیا" کے پڑھنے والے اور "چَرک سمہتا" نیز "رُدپادِتارا" کے طلبا شامل تھے۔ شہنشاہ کلوتنگا دوم کے تیرہویں سال حکومت میں پروُدیلوَر (ضلع جنوبی ارکاٹ) میں ویدوں اور شاستروں پر دسترس رکھنے والے دسؔ بھٹوں، ایک شیو آچاریہ اور ایک وئیدیہ کے لیے 12 ویلی اراضی الگ مخصوص کر دی گئی تھی۔ ان سب کو مندر کے شمال اور مغرب میں رہائشی مکانات مہیا کیے گیے تھے۔ یہ جاگیر راجندر شولا شمبھوُوَرن نے عطا کی تھی۔ جس نے ان بھٹوں کے "دیاال" مزارعین کے لیے بھی اراضیات دی تھیں، نیز "دیلودان" اور "اگرم" زمرے کی اراضیات پر "پاڈی کاول" (کاٹیکس)[11 الف] معاف کر دیا تھا۔

تروُوورلوُر کا دیاکرن کا مدرسہ

تروُوورلوُر کے 1213ء کے ایک اور کتبے میں شِوجی کی جانب سے پانینی رِشی پر دیاکرن (گرامر) کے چودہ سوتروں کا الہام ہونے کی قدیم روایت کو دہرایا گیا ہے اور

بتایا گیا ہے کہ یہ واقعہ ترِوَوّورِیُورَ مندر کے "دیاکرن دان منڈپ" پر وقوع پذیر ہوا تھا نیز اِس کتبے میں مذکورہ منڈپ کے اندر دیاکرن کا ایک مدرسہ چلانے اور خود منڈپ کی مرمت اور دیکھ بھال کے لیے 65 ویلی اراضی کی جاگیر کا اندراج بھی موجود ہے[11-ب] ترِدُوڈائیکلی ضلع تنجور کے 1229ء کے کتبے میں بھی مقامی مٹھ میں مالابار کے علاقے سے آئے ہوئے ان برہمن طلباء کے لیے جو ویدانت کے طالب علم تھے مفت کھانے کے انتظام کا ذکر موجود ہے[12] ایک کتبے میں جس پر تاریخ تحریر درج نہیں لیکن جسے تیرہویں صدی کے آخری نصف حصّے سے منسوب کیا جا سکتا ہے، شری رنگم کے مندر میں ایک کتب خانے کی بنیاد رکھے جانے کا ذکر ہے۔ اِس کتب خانے کا نام "سرسوتی بھنڈارام" تھا اور اُس کی بنیاد مذکورہ کتبے کے مطابق پال پی نیل کنٹھ نائیکر نے رکھی تھی جس نے کتب خانے والے منڈپ میں بایہ گرلوا سرسوتی اور ویدویاس کی مورتیاں بھی نصب کی تھیں اور اُن کی روزانہ پوجا کا بندوبست بھی کیا تھا[12-الف] اس کے علاوہ ان مذہبی علوم کی تحصیل میں امتیاز حاصل کرنے والوں کو انعامات دینے کے لیے متعدد جاگیریں موجود تھیں جس طرح کہ کامرساولی کا 998ء کا عطیہ جو ان طلباء کے لیے دیا گیا تھا جو "تالَوکارا سام" کے کچھ حصص زبانی سناتے تھے۔ تعلیمی نوعیت کے کچھ دوسرے ادارے بھی تھے جن کے صرف نام ہی ہم تک پہنچے ہیں مثلاً ویمبرٹّور کا ادارہ "گھٹکا"۔

تامِل مطالعات

اِس طرح جہاں سنسکرت کی اعلیٰ تعلیم کی نوعیت اور تنظیم کے متعلق ہمیں بکثرت شہادتیں دستیاب ہوتی ہیں وہاں یہ بات بہت مایوس کُن ہے کہ تامل کی تعلیم کے متعلق کوئی ایسی شہادت نہیں ہے جس سے ہم کو اس کی بابت کوئی علم ہو سکے۔ پھر بھی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ لاتعداد مٹھ، جن کے نام مُلک بھر میں بکھرے ہوئے کتبوں میں مذکور ہیں، تامِل زبان میں بھی مذہبی اور غیر مذہبی دونوں طرح کی تعلیم کو فروغ دینے کے کم و بیش اہم مراکز کا کام دیتے تھے۔ ہم یہ بھی یقین کر سکتے ہیں کہ مندروں میں "ترِدُپدِکُم" گانے کی غرض سے گانے والوں کو تربیت دینا بھی ان مٹھوں کے اوّلین فرائض میں شامل تھا۔

حاشیے

(1) مقابلہ کیجئے النتسن کی تاریخ بندد ۔ صفحہ 205

(2) 1920 کا 17

(3) 1917 کا 323

(4) 1917 کا 321 ۔ 1896 کا 403 ۔ 1919 کا 493

(5) 1911 کا 233 ۔ 1925 کا 335

(6) 1898 کا 18 ـــ 1912 کا 202

(6۔الف) 1938 ۔ 39 کے 268 ، 270 : ARE ۔ II ۔ 12

(6۔ب) 1932 ۔ 33 کا 76 : ARE ۔ II ۔ 22 i این ایل راؤ نے پراجنا پاٹھشالا ۔ منڈل گرنتھ مالا کے میمانسادرشن ایڈیشن کا مجھے حوالہ دیا ہے ۔ اس میں لگ بھگ بیس ابواب ہیں۔

(7) 1917 کا 333 ـــ ARE ۔ 1918

(8) "روپ آوتار" کے مصنف دھرم کیرتی کا زمانۂ حیات بارہویں صدی سے بہت پہلے کا ہوگا ۔ اگرچہ ایم رنگاچاریہ نے "روپ اوتار" کے اپنے تالیف کردہ ایڈیشن میں اسی (بارہویں) صدی کی تاریخ کو اس کا زمانۂ حیات بتایا ہے

(8۔الف) یہ "وشنو وششٹ ادوئیت" اور "پربھاکر میمانسا" کے گیان شاستر اس مشترک نقطۂ نظر کی رو سے ہوگا جو کہتا ہے کہ تمام گیان جائز ہے۔

(9) 1919 کا 176

(10) 1915 کا 182 ۔ EI ، xx i صفحہ 220 وصفحات مابعد

(11) 1925 کا 159

(11۔الف) 1937 ۔ 38 کا 512 : ARE ۔ II ۔ 38

(11۔ب) 1912 کا 202

(12) 1925 کا 276

(12 الف) 1938 - 39 کا 139 : ARE - II - 70

(13) 1914 کا 76 ۔ اینا رزم سے دستیاب شدہ کتبے 1917 کے نمبر 343 میں
تمام دیدوں کے پڑھنے والوں کے لیے تحائف کی منظوری کا اندراج ہے ۔

(14) 1908 کا 293

پچیسواں باب

مذہب

مندر اور مٹھ

مندر اور مٹھ جنوبی ہند کو قرونِ وسطیٰ کے ہندو دھرم کے عظیم انعامات تھے۔ چولوں کے زیرِ حکومت ہی ان اداروں نے بتدریج توسیع اور مقبولیت کے میدان میں قدم رکھا۔ عوام کو اپنی طرف راغب کیا اور امرا کی فیاضی کے دروازے کھول دیئے۔ اس طرح وہ بدھ "وہار" اور جینیوں کے "بلی" پر سبقت لے کر اقتدار کے ایک محفوظ مقام پر پہنچ گئے اور انھوں نے اپنے اس مقام کو زمانہ حال تک بغیر کسی تغیر کے قائم رکھا۔ اپنے بدعتی حریفوں کے جو ویدوں کے تقدس کے منکر تھے اور خدا کے وجود کو چیلنج کرتے تھے، خلاف کش مکش کے دباؤ کی وجہ سے خود ہندو مت میں اپنی صفوں کو باہم قریب تر لانے اور اختلافات کو بھلا کر خدا کو ماننے والے تمام فرقوں کے مذہبی اتحاد کو نشو و نما دینے کا اندرونی رجحان پیدا ہو گیا۔ اس نئے اتحاد اور یکرنگی کی اساس "ترِمورتی" کے عقیدے پر تھی جس کے معنی ایک ہی خدائی طاقت کی سہ رنگی جلوہ گری کے ہیں۔

پس منظر

آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں جنوبی ہند نے ہندو دھرم کے دو عظیم علم بردار پیدا کئے، کمارل بھٹ اور شنکر آچاریہ، جنھوں نے بدعقیدگی کے خلاف قدیم برہمن دھرم کی لڑائی لڑی۔ لیکن اس میں زیادہ جبر و ظلم، جن معنوں میں ہم جبر و ظلم کو آج کل سمجھتے ہیں نہیں

ہوا: جبر و تشدد کی کہانیاں بعد کے گھڑے ہوئے خیالی قصے ہیں جن کو "پیریا پُرانم" کے مصنف کی خوش اعتقادی نے سریلے اشعار کی شکل دے دی۔ شنکر آچاریہ کی قیادت میں ہندو دھرم نے جدید بدھ دھرم کے تخیلی نظام اور عملی تنظیم کی نمایاں خصوصیات اپنے میں جذب کر لیں۔ یہی خاص وجہ تھی جس سے ایک طرف تو بدھ دھرم بعد کے زمانے میں جنوبی ہند سے بالکل جلا وطن ہو گیا اور دوسری طرف شنکر آچاریہ کے عقیدے کے مخالفوں کے لئے اسے بدھ دھرم کا خفیہ پیرو کہہ کر بدنام کرنا آسان ہو گیا۔

تاہم بدعقیدگی کے خلاف جہاد میں شنکر آچاریہ کے عہد سے بہت پہلے عظیم شیو نائنار (NAYANARS) اور وشنو آلوار (ALVARS) شامل ہو چکے تھے۔ عوامی گیتوں کے ان اساتذۂ فن کی "جذباتی خدا پرستی" جو وشنومت اور شیومت کے دو متوازی دھاروں میں پھوٹ نکلی تھی، تاملوں کے مذہبی تجربے کا نمایاں ترین ماحصل تھی۔ ان مقدس ہستیوں کے، جو تمام تامل سرزمین میں گیت گاتے، اپدیش دیتے اور تنظیم کرتے ہوئے گھومے، عظیم کام کو ان کے بعد آنے والی شکر گزار نسل نے خوبصورت قصے کہانیوں کی شکل میں محفوظ کر دیا ہے جو اپنی سہو زبانی کے باوجود بھی کمال درجہ اہمیت رکھتی تھیں۔

ایک دلچسپ حکایت

ایک اسی طرح کا قصہ ناناسمبندر اور ترومنگئی آلوار کی دوستانہ ملاقات کا ہے۔ اس واقعے کا قدیم ترین تذکرہ جو ہم کو معلوم ہوا ہے "دویہ سوری چرتا" (DIVYA SURICARITA) ہے[2]۔ بتایا جاتا ہے کہ جین مت کا مخالف ناناسمبندر (NANASAMBANDAR) بدھ دھرم کے عظیم حریف وشنومت سے ملنے کے اشتیاق میں شیالی سے اس کے پاس گیا تاکہ اسے وہ شیالی آنے کی دعوت دے سکے۔ ترومنگئی ایسے کسی شہر میں قدم رکھنے کے لیے تیار نہ تھا جس میں کوئی وشنو مندر موجود نہ ہو۔ سمبندر نے اس کے اعتراض کو یہ انکشاف کر کے دور کر دیا کہ شیالی میں وشنو کی ایک پرانی مورتی موجود ہے جو کبھی ایک مندر میں نصب تھی جو اب برباد ہو چکا ہے، اور یہ کہ اب بھی ایک "ارچک" (پرستار) باقاعدگی سے اس مورتی کی پوجا اپنے نجی مکان میں کرتا ہے۔ تب سمبندر اور ترومنگئی دونوں اکٹھے شیالی میں داخل ہوئے۔ وہاں ترومنگئی نے کچھ بھجن کہے، جنہیں سمبندر نے بہت سراہا اور اپنے شہر آلی نگر روانہ ہونے سے پہلے اس نے کچھ

دولت مند افراد کو جو ایک شیو مندر کی آرائش میں مصروف تھے اس بات کی ترغیب دی کہ وہ وشنو کے مذکورہ ویران مندر کی تجدید کا کام بھی ہاتھوں میں لیں اور اپنی دینی بہن سے عداوت ترک کر دیں۔ تاریخ کی حیثیت سے تو یہ کہانی ناممکن ہے لیکن اس میں گیارہویں اور بارہویں صدی کے ویشنوؤں کا یہ عقیدہ پنہاں ہے کہ شیو دھرم اور وشنو مت کا مقصد ایک تھا۔ ویدوں کے خلاف بدعقیدگی کے شدید طوفان کو روکنے میں آلواروں اور نائناروں نے ماضی میں مل کر کام کیا تھا اور ان کے جانشینوں کے لیے اس سے زیادہ سازگار بات کیا ہو سکتی تھی کہ وہ جین دھرم کے ایک عظیم مخالف شیو سنت اور بدھ مت کے ایک اتنے ہی عظیم حریف ویشنو سنت کو ایک دوسرے کے قریب لائیں۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ گیارہویں صدی میں اور بارہویں صدی کے آغاز میں ایسی کسی کہانی کا مشہور ہونا اس امر کا مظہر ہے کہ شیو مت اور ویشنو مت کے مابین اس وقت تک ایسا فرقہ وارانہ تعصب نہیں برتا جاتا تھا جو بعد کے زمانے میں ان کے تعلقات کا معمول بن گیا تھا۔ تاہم سنت راما نج پر چولا راجاؤں کے مظالم کی کہانی کو ہندو دھرم کی برادری میں متعصبانہ غیر رواداری کی ابتدا کہا جا سکتا ہے اور سمبندر اور ترومنگئی کی ملاقات کی حکایت غالباً ارمانوں بھری خوش آئند یاد کا اظہار تھی۔

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وجیالہ نسل کے چولا حکمرانوں کے عہد میں جنوبی ہند کے شیو مت اور ویشنو مت کے دورِ سیمیں کا آغاز ہوا۔ اگرچہ دستیاب شہادتوں کی موجودہ صورت میں اس کی صحیح صحیح تاریخ متعین کرنا دشوار ہے پھر بھی ہم یہ یقین کر سکتے ہیں کہ نائناروں اور آلواروں کے متبرک بھجنوں کو ان کی مذہبی شکل میں گیارہویں صدی کے دوران کسی وقت مرتب کیا گیا تھا۔

شیو گرنتھ

مصنف نمبی آنڈار نمبی (Nambi Andarnambi) جس نے شیوؤں کے مذہبی قوانین کو بڑی حد تک ان کی موجودہ شکل میں مرتب کیا، غالباً راج راجا اوّل اور راجندر اوّل کا ہم عصر تھا۔ اس کی سوانح حیات اور کارکردگی کا تذکرہ ایک مختصر پران میں ملتا ہے جس کی تصنیف چودہویں صدی کے اوائل کے اماپتی شوآچاریہ (Umapati Siv Acarya)

سے منسوب کی جاتی ہے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اس تذکرے میں خود نمبی اور اس کے جانشینوں کے ہاتھوں شیوَ دھرم کے گرنتھوں کے ارتقا کا خاصا صحیح حال محفوظ ہے، اگرچہ اس میں کافی قصے کہانیوں کی بھی آمیزش ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ دھرم گرنتھ میں خود نمبی کی اپنی لکھی ہوئی نظموں اور کرووَر دیور (Karuvur Dever) جیسے کچھ دوسرے اہل قلم کی منظومات کی شمولیت، جو صاف ظاہر ہے کہ راج راجا کے عہد کے بعد ہوئے، نیز نمبی کے ہم عصر چولا راجہ کو اُماپتی کی جانب سے دیئے گیے "ابھیہ" اور "کُل شیکھر" جیسے خطابات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس گرنتھ کو بعد کی کسی تاریخ میں مرتب کیا گیا تھا۔ نمبی کے زمانے میں بھجنوں کے مجموعے کی تکمیل میں دشواری پیش آئی، جیسا کہ ترووڈئی وائل پرناتا سمبندر کے بھجن سے معلوم ہوتا ہے جو مذکورہ گرنتھ میں شامل نہیں ہے بلکہ ایک کتبے میں محفوظ تھے یا جیسا کہ اس کہانی سے ظاہر ہوتا ہے جس کے مطابق تاڑ کے ان پتوں کے کافی بڑے ڈھیر کو دیمک نے کھا لیا تھا جن پر بھجن تحریر کیے گیے تھے۔

ترُوپدَم

مندروں میں ان بھجنوں کے گائے جانے کا رواج راج راجا کے عہد سے بہت پہلے عام ہو چکا تھا۔ ضلع ترچناپلی میں لال گڈی اور آلور کے مقامات پر پرانتکا اول کے عہد کے کچھ کتبات پائے گیے ہیں جن میں مندروں میں روزانہ پوجا کے وقت "ترو پدیَم" گانے والے برہمنوں کے اخراجات کے لیے عطیوں کا اندراج ہے۔ پرانتکا کے عہد سے پہلے پلّو وجیا نندی وکرم ورمن (Pallava Vijaya Nandi Vikrama Varman) کے زمانہ حکومت میں ترُووَتّم کے مندر کے خادموں کی فہرست میں "تروپدیَم" گانے والوں کا بھی شمار کیا گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ نمبی آنڈار نمبی کے ان بھجنوں کو یکجا کر کے ان کی موجودہ مستند شکل میں جس میں کہ یہ ہم تک پہنچے ہیں، تالیف و تدوین کرنے سے بہت عرصہ قبل یہ بھجن الہامی لٹریچر کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔ پرانتکا اوّل کے عہد سے چولا اور تونڈئی ریاستوں میں کتبوں کی شکل میں ہمیں ایسے فرامین عطیہ کا ایک پورا سلسلہ ملتا ہے جن کے ذریعہ موسیقی کے مختلف سازوں کے ساتھ مندروں میں ان مقدس بھجنوں کو گانے کے لیے جاگیریں دی گئی تھیں۔ راجندر اوّل کے عہد میں ایک "دیوار نائکم" (Devara nayakam) یعنی

"دیوارم" کے نگراں کا ذکر اس امر کا شاہد ہے کہ اس کام کی نگرانی کے لیے اور اسے صحیح طریقہ سے انجام دینے کے لیے ایک باقاعدہ سرکاری محکمہ موجود تھا۔ البتہ یہ بات واضح نہیں ہے کہ اس محکمہ کی کارکردگی صرف تنجوری تک محدود تھی یا دوسرے مقامات پر بھی اس کا عمل تھا۔ تلور ضلع جنوبی ارکاٹ میں کلوتنگا سوم کے زمانے میں تل نائینار کے مندر میں خاص خاص مواقع پر مانک واشگر (Manikka vasagar) کے "تروچالل" (Tiruccalal) اور "ترودیبادی" (Tiruvembavai) کے نیز "شاکئ کوتو" (Sakkai kutta) گانے کے لیے اخراجات منظور کیے گیے تھے۔ "ترودیبادی" سنگیت تین حصوں میں منقسم تھا، مُدل، ارنڈام پاتو اور کنڈی کا پو۔ ان میں سے ہر حصے کو گانے کے حقوق الگ الگ "دیوراڈیاں" (Devaradiyar) کو فروخت کیے جاتے تھے۔ ایک اور مندر الگنتور ضلع جنوبی ارکاٹ کے الگن ناتھ مندر میں گانے اور ناچنے کا کام تیوہار کے مختلف دنوں کے لیے مختلف رقاصاوں کو سونپا گیا تھا اور اس امر کا ذکر ایک دوسرے کتبے میں درج ہے۔[8]

ویشنو گرنتھ

- مذکورہ عہد میں ویشنو بھجن مالا کی تاریخ بھی شیووں کے بھجنوں کی تاریخ سے ملتی جلتی تھی۔ قدیم روایات کے مطابق ویشنو بھجنوں کے لیے ناتھ مُنی (Natha muni) کو ویسا ہی کام کرنے کا شرف حاصل ہے جیسا شیو بھجنوں کے لیے نمبی آنڈار نبی کو۔ اگر ہم شری ناتھ کو جس کا ذکر انبل کی تختیوں میں آیا ہے،[9] ویشنو سنت ناتھ منی سمجھیں تو اس کا زمانۂ حیات نویں صدی عیسوی کے اواخر اور دسویں صدی کے آغاز کے قریب ہوگا اور یہ مفروضہ اس موضوع پر ہماری دوسری، گو قلیل، شہادتوں کے مطابق ہے۔ واقعہ جو بھی ہو انبل کی تختیوں میں مندرج واقعات۔ یعنی پرانتکا دوم کے وزیر انی رُدھ [illegible] کے خاندان کا ویشنو دھرم میں کثر اعتقاد، اس کی والدہ اور اس کے دادا کی رنگ ناتھ دیوتا کے ساتھ عقیدت، غریبوں اور ناداروں کو اس کے پردادا اننت کی جانب سے دی جانے والی فراخدلانہ امداد۔ یہ سب باتیں اس زمانے کی معاشی اور مذہبی زندگی میں وشنو دھرم کے کردار کا ایک واضح تصور ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں۔ ناتھ منی کی وزارت کا زمانہ بھی اس سے زیادہ دور نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ان آچاریوں کی نسل میں سے

اوّلین آچاریہ تھا جنھوں نے قدیم وقت کے آلواروں کے کام کو آگے بڑھا کر پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔؎ کہانی اس طرح ہے کہ ناتھ منی نے ایک بار اپنے گاؤں میں کُرُدگور سے آئے ہوئے کچھ لوگوں کو دس شعروں پر مشتمل ایک بھجن گاتے ہوئے سنا۔ یہ بھجن "ترُدُ وائیولی" (Tiruvaymoli) میں سے تھا جو شاٹھ کوپا (Sathaa kopa) کے کہے ہوئے ایک ہزار بھجنوں کا مجموعہ تھا اور جو نمآلوار (Nammalvar) کے نام سے بھی مشہور تھا۔ اس بھجن کی موسیقی سے مسحور ہو کر اور اس کے آخری بھجن سے یہ اندازہ کر کے کہ نمآلوار کے کہے ہوئے ایک ہزار بھجنوں میں سے یہ صرف دس بھجن تھے، ناتھ منی نے کردگور کا سفر اختیار کیا جہاں نمالوار پیدا ہوا تھا۔ وہ یہ امید لے کر گیا تھا کہ وہاں اسے ان بھجنوں کا پورا مجموعہ مل جائے گا۔ کرُدگور پہنچ کر ناتھ منی وشنو کی پوجا کر کے اس امید میں املی کے مقدس پیڑ کے نیچے بیٹھ گیا کہ وہاں آلوار سے اس کی ملاقات ہو جائے گی۔ اس کے غم و یاس کی کوئی حد نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ اس کی یوگ شکتی اس کے سامنے شاٹھ کوپا کا پیکر لا کھڑا کرنے میں ناکام ہو گئی۔ تب اس نے یہ ترکیب سوچی کہ مدھرکوی (Madhara kavi) نے اپنے گرو شٹھ کوپا سے متعلق جو بھجن کہا تھا وہ اسے بارہ ہزار مرتبہ گائے گا۔ اس عمل سے خوش ہو کر شٹھ کوپا اور مدھرکوی دونوں ناتھ منی کے سامنے آگئے اور انھوں نے اسے چاروں "پربندھوں" (Prabandhas) کا علم مع ان کے مطالب کے عطا کیا۔ اس کے بعد ناتھ منی نے کردگور ہی میں رک کر "پربندھوں" پر غور و فکر کیا۔ حتیٰ کہ اسے اس کی جائے پیدائش کے مقامی دیوتا ویر نارائن کرشن نے بلا بھیجا اور وہ ویر نارائن پور کو واپس چلا گیا۔ یہاں اس نے کچھ چیلوں کی ایک منڈلی اپنے گرد جمع کر لی جس نے یہ بھجن ملکوتی سروں میں گائے۔؎

یہ بڑا ظلم ہوگا اگر ایسے خیالی قصے کہانیوں کو تاریخی تنقید کی روشنی میں دیکھا جائے۔ جہاں تک اس کی سچائی کا تعلق ہے یہ کہانی عظیم ہستیوں اور ان کے کارناموں کی یاد تازہ رکھنے کا ایک روایتی ہندستانی طریقہ ہے۔ یہ اس قیاس کو حق بجانب قرار دیتی ہے کہ وشنو دھرم گرنتھوں کی ترتیب اور اس کی موسیقی کی طرزوں کا تعین جنوبی ہند کی وشنو دھرم کی تاریخ کے دوسرے عظیم حصے کے اوّلین عظیم آچاریہ نے کیا۔ تاریخ کا یہ دوسرا حصہ بھجنوں کے زمانے اور ان بڑے مبصروں کے عہد کی، جو رامانج کے ... بعد

ہوئے، درمیانی کڑی تھا۔[13] اگل کے راج راجا کے عہد کے ایک کتبے میں ترو وائیمولی دیور (Tiruvaymolidevar) کا ذکر اور وشنو مندروں میں ترو پدیم کے گائے جانے کا تذکرہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اس سلسلے میں شیو دھرم اور وشنو دھرم عملی طور پر متوازی خطوط پر گامزن تھے۔ اتر میرور کے راجندر اوّل کے عہد کے دو کتبوں میں اس امر کی منظوری کا اندراج ہے کہ جو بھوجن دیوتا کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے وہ ان "شری وشنووں" میں تقسیم کیا جائے گا جو پوجا کے دوران "ترو پدیم" گاتے تھے۔[14] اور ان تین افراد کے گذارے کے لیے اراضی وقف کی جائے گی جو مندر میں باقاعدگی سے "ترو وائیمولی" گانے کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔[15] شری رنگم کے مندر میں "ترو پلی ییلوچی" کے دوران میں "ترو وائیمولی" گانے کے انتظام کی منظوری سنہ ۱۰۸۵ء کے ایک کتبے میں بھی درج ہے۔[16] سنہ ۱۰۸۸ء کے ایک کتبے میں تحریر ہے کہ شری رنگم مندر میں ایک تیوہار کے دوران تین راتوں تک دیوتا کے حضور میں کل شیکھر آلوار کا وہ بھجن گایا گیا تھا جو "تیٹارندرل" (Tettarandirel) سے شروع ہوتا ہے۔[17] ترو کوئیلور میں ارپشی (اکتوبر نومبر) اور وائیگاشی (مئی جون) کے مہینوں میں منعقد ہونے والے تیوہار کے دوران "ترو وائیمولی" گانے کے اخراجات کی منظوری راجا دھیراج دوم کے آٹھویں سالِ حکومت سنہ ۱۱۷۱ء کے ایک کتبے میں درج ہے۔[18] سنہ ۱۲۴۲ء کے ایک کتبے میں ۵۸ برہمنوں پر مشتمل ایک بھجن منڈلی کا ذکر آیا ہے جو کانچی میں "ترو مولی"[19] گانے کے لیے تعینات تھی ایک کتبے میں جو ترو کوئیلور میں ملا ہے لیکن جس کی تاریخ مشتبہ ہے مقامی وشنو مندر میں "ترو نیڈن داندگم" گانے کے انتظام کے لیے ایک وقف کا اندراج ہے۔[20] سب سے آخر میں ایک کتبے میں جو غالباً کلوتنگا سوم کا ہے کانچی پورم میں کسی ایسے شخص سے جو اس کا اہل ہو روزانہ باقاعدگی کے ساتھ "رامانج بھاشیہ" کی تشریح کروانے کے لیے ایک "بھاشیہ ورتی" (مفسر کا وظیفہ) منظور کیے جانے کا ذکر کیا گیا ہے[21] اور یہ مثالیں بھی کسی طرح جامع نہیں کہی جا سکتیں۔

سنہ ۹۹ء کے ایک کتبے میں "ترو پدیم" کی ایک ہم عصر تحریر کی ایک انوکھی مثال درج ملی ہے۔ یہ "ترو پدیم" "کولنار کُلل" (Kolanar.kulal) سے شروع ہوتی ہے اور ترومال [illegible] دیوتا کی تعریف میں لکھی گئی ہے۔[22] لیکن دھرم گرنتھوں کے بھجنوں کی ایسی نقلیں بہت کم دستیاب ہوتی ہیں اور بعد کے زمانے کی شیو دھرم کی نظموں کے

برعکس انہیں مذہبی لٹریچر میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

ویدوں کا پاٹھ

یہ بات قابل توجہ ہے کہ مندروں میں تامل زبان کے بھجنوں کے گائے جانے سے ان کی وہ اہمیت واضح ہو جاتی ہے جو ان کو سنسکرت زبان کے ویدوں کے مقابلہ میں حاصل تھی اور جو ان کو شیومت اور وشنو دھرم دونوں نے دے رکھی تھی۔ یہ بات نہ صرف بڑے بڑے مندروں میں رائج آج کل کے طریقہ کار سے معلوم ہوتی ہے بلکہ چولا عہد کے کثیر التعداد ہم عصر کتبوں سے بھی عیاں ہے کہ اس زمانے میں مندروں میں پوجا کے وقت وید روزانہ گائے جاتے تھے۔[23] ایسا وہ برہمن کرتے تھے جنہیں خاص طور پر اس مقصد کے لیے مندروں میں تعینات کیا جاتا تھا۔ مذکورہ کتبوں میں سے دو ایک خاص دلچسپی کے حامل ہیں۔ راج کیسری کے چودہویں سال حکومت میں[24] پنڈارا واڈی میں ایک عطیہ اس غرض سے دیا گیا تھا کہ اس سے "آردرا" کے تیوہار کی رات کو منعقد کیے جانے والے پاٹھ کے سالانہ مقابلے میں جیتنے والے کو انعام دیا جا سکے۔ مقابلہ میں شریک ہونے والے کو جیمنی کے سام وید کا کوئی مخصوص حصہ گانے کے لیے کہا جاتا تھا۔ تیوہاروں کے موقع پر دیوتا کے سامنے ویدوں کا پاٹھ کرنے کے لیے معمول سے زیادہ آدمی لگائے جاتے تھے اور کئی بار ایسی عارضی خدمات کے لیے بھی عطیے منظور کیے جاتے تھے۔[25]

دیگر گرنتھوں کے پاٹھ

کتبوں میں کچھ اور پاٹھوں کی مثالیں بھی ملتی ہیں جو زیادہ مقبول نوعیت کے تھے اور جن کا مقصد معتقدین کی تعلیم و تربیت ہوتا تھا۔ یہ مثالیں آلو دائیا نمبی (Aludaiyanambi) کے "شری پران (Sri Puranam)" اور "شودھرم"[26] نیز "سوم سنتھا" جیسے گرنتھوں کے پاٹھ کی تھیں۔ ابھی تک ان تصانیف کی نوعیت واضح نہیں ہو سکی اگرچہ آخری تصنیف کے متعلق "پربودھ چندرودیہ" (Prabodhacandrodaya) میں جو حوالہ آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیو دھرم کے "کاپالکا" مکتبہ خیال کے عقیدے کا پرچار کرتی تھی۔[27]

مندر

متبرک لٹریچر کی فراہمی اور حفاظت کے علاوہ مذہب کی نئی زندگی پتھر کے
چھوٹے بڑے مندروں کی تعمیر کی صورت میں نمودار ہوئی جوان سبھی پاکیزہ مقامات پر بنائے
گئے جو عہد قدیم کے آلواروں اور نائناروں کی زندگیوں کے ساتھ وابستہ ہونے کی وجہ
سے مقدس مانے جاتے تھے۔ مذہبی ادارے کی حیثیت سے جنوبی ہند کے مندر کا واسطہ بہت
ہی قدیم زمانے سے تھا اور سنگم لٹریچر سے بھی برہمنی، بودھی اور جینی دیوتاؤں کے
مندروں کی موجودگی کی تصدیق ہوتی ہے۔ قدیم وقتوں کے مندر اینٹوں اور گارے سے
بنی ہوئی تعمیرات تھے یا پلّو حکمرانوں کے تحت یہ سنگلاخ پتھر کی چٹانوں کو کاٹ کر بنائے جاتے
تھے۔[28] چٹانوں کو کاٹ کر سندر تعمیر کرنے کا فن بھی انجانا نہیں تھا اور کانچی پورم کا کیلاش
ناتھ مندر اور مہابلی پورم کا ساحل سمندر پر واقع مندر اس بات کے شاہد ہیں کہ مہندرورمن
کے بعد دو صدیوں میں فن تعمیر میں کس قدر ترقی ہوئی۔ یہ وہ مہندرورمن تھا جو "وچترچت"
(Vicitra - citta) تھا۔ اور جو بغیر کسی دھات، لکڑی یا اینٹوں کے ایک مندر کو معرض وجود
میں لاکر خود ہی اپنے کارنامے پر حیران رہ گیا تھا۔[29] تاہم اس بات کی تصدیق ہمعصر کتبات
سے بخوبی ہو جاتی ہے کہ پتھر سے بنے ہوئے مندر نویں اور دسویں صدی کے دوران چولا
ریاست میں کمیاب تھے اور وجیالہ نسل کے راجاؤں نے ان کی تعداد بڑھانے میں
پہل کی۔ انبل کی تختیاں بتاتی ہیں کہ آدتیہ اوّل کے عہد حکومت کی بڑی خصوصیت یہ
تھی کہ اس نے دریائے کاویری کی پوری گذرگاہ کے دونوں کناروں کو پہاڑ سے لیکر سمندر
تک بے شمار بلند اور نہایت مستحکم مندروں سے ڈھک رہا تھا جو پتھر سے تعمیر کئے گیے تھے اور
شِو کے نام سے منسوب کر دیئے گیے تھے۔ پرانتکا اوّل کے عہد کے کتبات بتاتے ہیں کہ آدتیہ
کے کام کو اس کے جانشین نے جاری رکھا۔ اس جانشین نے چدمبرم کے مندر کی چھت
کو سونے سے مڑھوانے کی وجہ سے شہرت حاصل کی۔ اس دور دور تک پھیلی ہوئی تحریک
کی قیادت کرنے والوں میں راجاؤں کے علاوہ ان کے بعض اقربا اور افسر بھی پیش پیش
دکھائی دیتے ہیں۔ ترو کرّتی پتّن (Tirukkarrali Pitan) جس کا ابھی تک ایک بت ترو واڈوتورئی
میں موجود ہے[30] ان افراد میں سے ایک تھا اور وہ راجا پرانتکا اوّل کی ملازمت میں تھا۔ راشٹرکوٹا

حملہ آور راجہ کرشن سوم نے بھی اپنی نو مفتوحہ ریاست میں متعدد مندر تعمیر کیے۔ ان میں سے ایک کاویری پاکم کا کال پریہ (Kalapriya) مندر ہے[31]۔ راجا گندھرم آدتیہ کی مہارانی اور راجہ اُتم چولا کی ماں شیمبین مہادیوی اپنے عنفوان شباب ہی میں بیوہ ہو گئی تھی اور اس واقعہ کے بعد کافی برسوں تک زندہ رہی۔ اس کی زندگی مذہبی زہد و عقیدت کی زندگی تھی اور یہ ممکن ہے کہ جس جرم کو کر کے اس کے بیٹے نے تخت تک پہنچنے کے لیے اپنا راستہ ہموار کیا تھا، اس جرم نے مہارانی کے زہد و عقیدت کو شدت عطا کر دی تھی۔ کچھ بھی ہو اس نے اپنے بیٹے کے پورے عہد حکومت کے دوران، یہاں تک کہ اس کے جانشین راج راجا اوّل کے عہد میں بھی عرصہ تک غیر معمولی طور پر کثیر التعداد مندروں کی تعمیر اور ان کے لیے فراخدلی سے عطیے دلانے کی غرض سے اپنے وسیع رسوخ اور زبردست وسائل کا پورا پورا استعمال کیا[32]۔ شیمبین مہادیوی نام کا گاؤں کلی طور پر اس کا بسایا ہوا تھا اور ترودکرئی ضلع جنوبی ارکاٹ میں "چندر مولیشورا" (candra maulisvara) دیوتا کے نام سے منسوب مندر جو 1001ء کے لگ بھگ تعمیر ہوا تھا اس کی زندگی کی آخری تعمیرات میں سے ایک تھا۔ پرانے مندروں کی تجدید کے نام پر نئے مندروں کی بنیاد رکھنے کے نام پر، یا شاذ و نادر کسی مرنے والے کی یادگار قائم کرنے کی غرض سے، غرضیکہ کسی نہ کسی حیلے سے پتھر کے مندروں کی تعمیر پورے چولا عہد میں جاری رہی اور حقیقت میں تو یہ ہمارے اپنے زمانے تک بھی جاری چلی آئی ہے۔ گیارہویں صدی کے ابتدائی حصے کی سب سے نمایاں تاریخی یادگاریں اور کچھ پہلوؤں سے تمام جنوبی ہند کے مندروں میں خوبصورت ترین مندر تنجور اور گنگائی کونڈا چولا پورم کے مندر تھے۔

شیومت کی حالت

راج راجا کے عہد کے تنجور کے کتبے اس زمانے میں شیو دھرم کی حالت کا غیر معمولی طور پر مکمل نقشہ پیش کرتے ہیں۔ سنتوں کی وہ سوانح حیات جنہیں قلم بند کرنے کے لیے ایک صدی سے زیادہ عرصہ بعد شیکلار جیسا کلاسیکی شاعر ملا، پہلے ہی بہت مقبول ہو چکی تھیں اور ان میں سے کچھ کو اس زمانے کے بت تراشی کے نمونوں میں بھی پیش کیا جا چکا تھا گو ان کی بعد کی شکلیں تفصیلات میں پہلے سے مختلف تھیں[33]۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہند کے شیو دھرم کا باقی ہندوستان کے شیو دھرم کے ساتھ جیتا جاگتا تعلق تھا جیساکہ اس واقعے سے

ظاہر ہے کہ راجندر اوّل نے غلّے کی کثیر مقدار بطور "آچاریہ بھوگ" سالانہ "اڈئیار شروشوپنڈت" کے لیے مہیا کرنے کا خرچ منظور کیا تھا جو تنجور کے مندر میں پوجا کیا کرتا تھا۔ نیز اس کے چیلوں کو، اور پھر ان کے چیلوں کو بھی خواہ وہ آریا دیش میں رہتے تھے یا مدھیہ دیش میں یا گوڑ دیش میں[34]۔ کلوتنگا سوم کے عہد کے کتبے شاہد ہیں کہ شمالی ہند اور جنوب کے درمیان یہ تعلق بعد کے چولا عہد میں بھی قائم رہا۔ اومکار دیو اراولر نامی ایک شخص نے ۱۲۱۴ء میں تروپاشور (ضلع چنگلی پٹ) کے دیوتا کو تردپوترم نذر کرنے کے لیے کچھ رقم دی۔ اس عطیہ دینے والے کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ وارانسی (بنارس) کے کولامٹھ (Kolla matha) کے لکشادھیایا اراولر (Laksadhyaya Iravalar) کی سنتان میں سے ایک مقدس شخص جنان شواراولر (Jnana-siva Iravalar) کا چیلا تھا[35]۔ اس کے تین سال بعد کے پانڈنلور (ضلع تنجور) کے ایک کتبے میں وارانسی کے بھکشامٹھ کے ایک اور اراولر کا ذکر کیا گیا ہے[36]۔ چند متفرق اشعار میں ایک روایت محفوظ ہے جس کا حوالہ انت شمبھو نے تریوچن شیو کی "سدھانت ساراولی" پر اپنی تفسیر میں دیا ہے[37] اور جو اس طرح ہے کہ راجندر اوّل نے دریائے گنگا کے کناروں سے کچھ شیووں کو بلوایا اور انھیں چولا ریاست میں مختلف مقامات پر بسا دیا۔ یہ روایت بھی اسی حقیقت کی جانب اشارہ کرتی ہے کہ ہند کے مختلف حصوں میں واقع شیو اداروں کا آپس میں جیتا جاگتا تعلق موجود تھا۔

مذہبی رواداری ایک اصول کے طور پر

عام طور سے چولا عہد کا مذہبی مزاج، خصوصاً اس کے پہلے نصف حصے میں ہرگز تنگ دلانہ اور متعصبانہ نہیں تھا۔ راجگان نہ صرف اپنے دھرم کے علاوہ دیگر مذاہب سے رواداری برتتے تھے بلکہ وہ تمام مذاہب کی یکساں سرپرستی کرتے تھے۔ راج راجا جیسے روشن خیال شہنشاہ نے تو مذہب کے تئیں اپنے اس عام رویے کا واضح اظہار اس خصوصی اقدام کے ذریعے سے کر دیا کہ تنجور کے عظیم شیو مندر کی آرائش میں وشنو دھرم اور بدھ دھرم تک کے موضوعات شامل کر دیے۔ اس کی بہن کندوئی نے ایک مندر وشنو کا، ایک شو کا اور ایک جن (جینیندر مہاویر) کا ایک ہی مقام راج راجا پورم میں تعمیر کروائے

جو آبنگل دادا پورم کہلاتا ہے۔ اور ان سب عبادت گاہوں کے لیے اس نے جو عطیے دیئے ان کا اندراج ایک ہی کتبے میں مل جاتا ہے۔[38] عطیے میں دیئے ہوئے جواہرات کی فہرست میں کئی سونے کے بنے ہوئے نامم (Namam) شامل ہیں۔ "نامم" ویشنو فرقے کا نشان تھا۔ متعدد مندر ایسے تھے جن کے اندر وشنو اور شیو دونوں کی عبادت گاہیں تھیں۔ ایسے مندروں کی ممتاز ترین مثال چدمبرم مندر تھا۔ اس مندر میں نٹ راج اور گووندراج دونوں کی مورتیوں کی نشست ترو کوئیار (Tiru KKovaiyar) کے ایک شلوک میں صحت کے ساتھ یوں بیان کی گئی ہے کہ وشنو نٹ راج کے مقابل لیٹے ہوئے ہیں اور نٹ راج کے رقص کے لیے اوپر اٹھے ہوئے ایک پاؤں کے دھیان میں مگن ہیں۔ اور دوسرے پاؤں کے بھی درشن کروانے کے لیے ان سے التجا کر رہے ہیں۔[39] ترووکرئی میں واقع شمبھو مہادیوی کے از سر نو تعمیر کردہ چندر مولیشورا کے مندر کی حدود کے اندر" وررا جا پیرومال" کی ایک عبادت گاہ تھی جسے پہلے کوچولا (Koccola) نے اینٹوں سے تعمیر کروایا تھا اور ادھیر آجندر کے مختصر سے عہد حکومت کے دوران جس کو از سر نو پتھر سے بنوایا گیا۔[40] اگر یہ حوالہ شینگنان کے متعلق مانا جائے، جو قدیم قصے کہانیوں کا مشہور راجہ ہے جسے ترومنگئی اس نام سے پکارتا تھا۔[41] تو اس دستاویزی حوالے سے اہم کوئی شہادت اس بات کی نہیں ہو سکتی کہ اس نے ترومنگئی کے پہلو ہی میں وشنو کی عبادت گاہ تعمیر کروائی اور آٹھ بازوؤں والے "ایش" کے ستر خوبصورت محل بنوانے کی وجہ سے شہرت پائی۔ ہندو دھرم اس وقت تک مجموعی طور پر زندگی کے متعلق ایک رویہ تھا اور اس نے اپنے آپ کو ابھی متعصبانہ عداوتوں کے بے آب و گیاہ بگرمؔ (ن) میں گم نہیں کیا تھا۔

مستثنیات

اس بات پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ اکثر ایسے موقعے بھی آئے جب کسی ایک فرقے کی نارواداری اور تعصب کو غلبہ حاصل ہو گیا۔ کیونکہ جہاں مختلف فرقے باہم خیرسگالی کی فضا میں رہتے بستے تھے اور انھیں راجاؤں اور ملک کے امراء اور جاگیرداروں سے یکساں سرپرستی حاصل تھی وہاں ہر ایک فرقہ اپنی الگ اور جداگانہ زندگی بھی بسر کرتا تھا اور ہندوستانی سماج کی تاریخ میں اس سے بڑی حیرت کی اور کوئی بات نہیں ہے کہ اس میں دانشورانہ رواداری اور سماجی علیحدگی پسندی دونوں کو یکجا کرنے کی مہلک گنجائش

ہے۔ لیکن سماجی علیحدگی پسندی یقینی طور پر کبھی نہ کبھی اپنا فطری نتیجہ بھی سامنے لاتی ہے اور یہ نتیجہ ہوتا ہے اپنے فرقے یا جماعت کے مقابلے میں دوسرے فرقوں کی بھلائی سے بے نیازی۔ اور جب عقائد کے اختلافات شدید ہو جاتے ہیں تو یہ بے نیازی سرگرم دشمنی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ چولا عہد میں مذہبی ناروا داری کی سرکردہ مثال یہ ہے کہ رامانج اور اس کے مریدوں پر چولا راجہ نے، جس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کون تھا' مظالم ڈھائے۔ ہمارے سامنے یہ باور کرنے کے معقول اسباب موجود ہیں کہ ان مظالم کا ردعمل ایک عوامی بغاوت کی شکل میں نمودار ہوا جس میں وجیالہ نسل کا آخری مرد حکمراں ادھیر اجندر اپنی جان گنوا بیٹھا۔ اگر واقعات نے متعلق یہ رائے صحیح ہو تو ہم اس سے دو نتیجے نکال سکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ ویشنو مت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا کبھی بھی چولا شہنشاہیت کی پالیسی کا حصہ نہیں تھا اور رامانج پر ظلم اصل میں محض ایک واحد حکمراں کا انفرادی جنون تھا۔ دوسرا یہ کہ عام ماحول تنگدلانہ مذہبی پالیسی کے لیے اس قدر ناسازگار تھا کہ جس راجا نے اسے اختیار کرنے کی جرأت کی وہ عوامی بغاوت میں مارا گیا اور تب سے ساری دنیا نے اسے "کرمی کنٹھ" (متعفن گردن والا) قرار دے کر ملامت اور نفرت کا ہدف بنا لیا۔ کوئی بھی ظلم بالآخر مظلوم فرقے کے لیے فائدہ مند ثابت ہونے میں ناکام نہیں رہا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رامانج کے مت نے جو پہلے ہی اس ریاست میں "آلواروں" اور "آچاریوں" کے ایک طویل سلسلے کی مذہبی قیادت کے طفیل مستحکم ہو چکا تھا' اس احمقانہ اور عارضی کوشش کی وجہ سے، جو اسے کچل کر صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی غرض سے کی گئی تھی، تازہ قوت حاصل کر لی۔ تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ ہے کہ اس وقت سے جنوبی ہند۔ کے شیو اور ویشنو اس دوستانہ جذبہ سے محروم ہو گئے جو پہلے وقتوں میں ان کے درمیان قائم تھا جب انھوں نے بدھ اور جین دھرم کے خلاف مشترکہ لڑائی لڑی تھی۔

ویشنو مت کے خلاف مذہبی منافرت کے ایک اور طوفان کی تصدیق رامانج پر کیے گئے "مظالم کے مقابلہ میں بہتر طریقے سے ہو سکتی ہے۔ رامانج کے خلاف ظلم و ستم کی داستان تو خیالی قصے کہانیوں سے اس قدر بھری ہوئی ہے کہ اصل واقعات کا اس میں دریافت کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ہم کلوتنگا دوم کی طرف سے چدمبرم مندر میں کی جانے والی کارروائیوں کی مثال لیتے ہیں۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں ان کی تصدیق ہم عصر لٹریچر سے بھی واضح طور پر کی جا سکتی

ہے۔ اس بات کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ کلوتنگا دوم ایک متعصب شیو تھا اور وہ جنوبی ہند کے شیومت کے متبرک ترین مرکز میں واقع عظیم مندر میں شیو اور وشنو کی مورتیوں کی نشست کو جس کا مدتوں سے احترام کیا جاتا تھا' بدل دینا چاہتا تھا۔ کلوتنگا نے اس طرح دونوں دھرموں کا جو توازن بگاڑ دیا تھا اسے بعد کے زمانے میں وجیانگر کے حکمرانوں نے ٹھیک کیا لیکن ایک بار پھر پرانی یک جہتی جاتی رہی اور عقیدت مندوں کے دونوں گروہوں کا رویہ' جنہیں مندر کی حدود میں شانہ بشانہ چلنا ہوتا ہے، کبھی بھی اتنا دوستانہ نہیں ہو سکتا تھا جتنا کہ ان دیوتاؤں کی باہمی قربت کا تقاضا تھا جن کی یہ دونوں گروہ پرستش کرتے تھے۔

۱۱۶۰ء میں ترد کنڈائیور کی مہا سبھا نے جو سرسری فیصلہ کیا اس میں مختلف فرقوں میں بڑھتی ہوئی علیٰحدگی پسندی کی جھلک دکھائی دیتی ہے[12]۔ سبھا نے یہ قرارداد منظور کی کہ مہیشور جو شیو مندر کے نگراں کی حیثیت سے قواعد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ویشنوؤں کے ساتھ کھلم کھلا میل جول رکھے گا اس کی جائیداد مندر کے حق میں ضبط کر لی جائے گی۔ یہ اس نوعیت کی واحد مثال ہے جو تحریری شکل میں موجود ہے' پھر بھی اس کی اہمیت میں کوئی شک نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ اس بتدریج بگڑتے ہوئے مذہبی ماحول کی جو سامنے آرہا تھا' ایک مثال تھی۔

کانچی

کانچی پورم کی جو چولا سلطنت کی راجدھانیوں میں سے ایک شہر تھا' لاثانی حیثیت ان باہم مخالف مذہبی فرقوں کے باہمی تعلقات کے بارے میں بڑی سبق آموز ہے جو سرکاری سرپرستی اور عوامی مقبولیت حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے کے خلاف صف آرا تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس شہر میں تین سرکردہ حصے تھے اور ہر حصہ ایک الگ دھرم اور اس دھرم کی تبلیغ کرنے والے اداروں کا معتقد تھا۔ ان میں سب سے بڑا حصہ شیو کا معتقد تھا۔ اس کے بعد شہر کا وہ حصہ آتا تھا جو اکثر چھوٹا کانچی پورم کہلاتا تھا اور جو ہستی گری الوار کا یا اردلال پیرومال کے روپ میں وشنو کا متبرک مقام ہے۔ سب سے آخر میں شہر کا "جن کانچی" نامی حصہ تھا جو عام طور پر "ترو پرتی کنڑو" کہلاتا تھا۔ یہ حصہ بلاشبہ باقیوں سے بڑا اور زیادہ خوشحال حصہ تھا اور چولا سلطنت کے دنوں میں کانچی پورم خاص کے ساتھ اس کا تعلق زمانۂ حال کی نسبت زیادہ بہتر تھا

ہم یہاں یہ بھی یاد دلادیں کہ کانچی پورم میں ایک ایسی بستی کے بھی بہت سے کھنڈر ملے ہیں جو کبھی بوڑھوں کی ایک کثیر آبادی کی بستی رہی ہوگی۔ اس عظیم اور قدیم شہر کے مختلف حصوں کے نقشے سے اور ان کے باہمی تعلقات کے مطالعے سے ایسی بہت سی باتوں کا پتہ چلتا ہے جن سے جنوبی ہند کے اس وقت کے مذہبی عقائد اور رسوم کی جب وہ اپنی بہترین صورت میں تھے، تاریخ معلوم ہوتی ہے۔

عوام کے دیوتا

رواداری، اور تمام مذاہب کی خوبیاں اپنا لینے کا جو تاثر اس زمانے کے مذہبی نظریہ میں ملتا ہے وہ اور بھی مستحکم ہوجاتا ہے جب ہم ان مختلف قسم کے دیوتاؤں پر جن کی ملک بھر میں پرستش ہوتی تھی، نظر ڈالتے ہیں۔ شو[43] اور ان کے مختلف اوتاروں مثلاً "کراتا رجنیہ"، بھکشاتن، کلیان سندرا، پنچ دیہار لنگ پران دیو، اُما سہتا، شراج دکشنا مورتی، شری کنٹھا وغیرہ کی مورتیوں کے علاوہ تنجور کے عظیم مندر کو اپنے شاہی سرپرستوں کی طرف سے نذر کی جانے والی مورتیوں میں گنپتی، سبرامنیا، مہا وشنو اور سوریہ کی مورتیاں[44] شامل تھیں۔ شیو سنتوں کی مورتیاں بھی تھیں جن میں سے کچھ کی باقاعدگی سے پوجا ہوتی تھی جیسے چنڈ یشورا۔ "دیوارم" کے تینوں مصنف میہ پورل نانار، شرو تونندر اور شیرالر[45] اور چند دوسرے۔ دیویوں میں کال پڈاری۔ درگا پرمیشوری اور ایملتو درگا نیار اور مکار سندری[46] کا ذکر آتا ہے۔ تنجور کے کتبات میں بعض نواحی دیہاتوں میں پوجے جانے والے کچھ دیگر چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں کے نام بھی مذکور ہیں۔ یہ گاؤں کے دیوتا پڈاری۔ شیٹنیار یعنی جیشٹھا[47] کے مختلف سروپوں اور دیگر دیوتاؤں پر مشتمل تھے جن کی عبادت گاہیں شری کوئیل کہلاتی ہیں۔ کچھ دیگر کتبوں میں سات ماتاؤں[48] اور کرشن[49] رام۔ سیتا۔ لکشمن[50] اور ہنومان[51] کا ذکر آتا ہے۔ تردوریور شہر تمام کے تمام تریسٹھ[63] شیو سنتوں کی پوجا کرتا تھا[52] اور کال ہتی شہر نے ایک باغ کے نام سے جو کنپر کے نام سے منسوب تھا ایک مقامی قدیم داستان کی یاد کو زندہ رکھا۔[53] اینا ئرم وشنومت کا ایک بڑا مضبوط مرکز تھا۔ یہاں شری مول استھانم اُڈئیار۔ سرسوتی۔ شری بھتارکی۔ مہا موڈی۔ سوریہ دیو سپت ماترگل۔ مہا شاستا۔ درگا۔ جیشٹھا اور شیرس کے دیوتاؤں کے مندروں کو گاؤں کی

ارضیات میں سے حصے دیئے گیے تھے۔[54] عملی طور پر جو مذہب عوام میں مقبول تھے ان کی تصویر مکمل کرنے کے لیے ہم یہ بھی بتادیں کہ خصوصی متبرک مقامات کی زیارت بھی ان دنوں کی جاتی تھی اور کچھ لوگوں کی سخاوت اس طرح بروئے کار آتی تھی کہ وہ یاتریوں کو تروملئی (ترو پتی) پہنچنے اور وہاں سے واپس ہونے کے لیے سہولیات بہم پہنچاتے تھے۔[55] راجندر اوّل کے زمانے کے میسور کے ایک کتبے میں یہ بھی مذکور ہے کہ ناڈو کی کرُواعورتیں ہر منگل کو منڈیشوری دیوی کو ایک بکرا بلیدان چڑھاتی تھیں۔[56]

اریہ ہندو مت

اس طرح مقبولِ عام ہندو دھرم کا کوئی بھی ایسا عنصر ہمارے علم میں نہیں ہے جسے دسویں اور گیارہویں صدی کے مذہبی رسوم وعقائد میں نمائندگی نہ ملی ہو۔ ہندستان کی مذہبی تاریخ کے غیر ملکی طلبا کو یہ دیکھ کر اکثر حیرت ہوتی ہے اور کبھی کبھی کوفت بھی کہ ہندو مت نے اندھادھند طریقے سے نکمّے توہمات اور بھوت پریتوں کی پوجا تک کو اپنے اندر سمیٹ لیا اور ساتھ ہی ساتھ اعلیٰ ترین قسم کی بھگتی اور دھیان کو بھی اپنا لیا۔[57] لیکن یہاں دوسرے معاملات کی طرح مذہب میں بھی جو نصب العین سامنے تھا وہ مساوات نہیں بلکہ ہم آہنگی تھا یعنی ایک ایسے مذہبی نظام کی تشکیل جس میں ہر شخص اور ہر طبقے کو ایک موزوں مقام اور ایک سہارا مل جائے جہاں سے اگلا قدم آگے رکھا جا سکے۔ کرم اور تناسخ کے اصول قوم کے زندہ مذہب کا حصہ تھے۔ اور عوامی مذہب میں مذہبی محرکات کے ابتدائی مظاہر کی شمولیت محض ایسے فلسفے کا نتیجہ تھی جو ادنےٰ ترین انسان بلکہ دراصل ہر جاندار میں خدائی الوہیت کی ایک چنگاری دیکھتا ہے، جو اپنے ماضی کے اعمال میں قید ہے اور اپنی اصل پاکیزگی کی طرف واپس جانے کی سعی کر رہی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ دھرم میں بہت سے نائناروں اور آلواروں کو جو احترام اس بات کے باوجود بھی حاصل تھا کہ وہ پجاریوں کی ذات میں پیدا نہیں ہوئے تھے اور نیچ ذات کے سنت نندن کی کہانی یہ ثابت کرتی ہے کہ ہندو مت میں غیر ترقی یافتہ مذاہب کے داخلے سے روحانی اقدار کا معیار ہرگز پست نہیں ہوا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ مذہبی محرکات کو پاک اور بلند کیا جائے۔ اگرچہ اس بات کا بھی امکان تھا کہ ادنیٰ معتقدات کو بلندی عطا کرنے کی سعی

میں، عملی بھی ضرر سے بالکل محفوظ نہیں رہ سکتے تھے۔

ریاضت اور نفس کشی

ایک تارک الدنیا شخص کی زندگی لوگوں کے تخیل کے لیے زبردست کشش رکھتی تھی اور مذہبی سخاوت کے عام طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ مندروں اور مٹھوں کے تپسویوں کو باقاعدگی سے یا گاہے لگاہے کھانا کھلایا جائے۔ ویشنو دھرم کے مجموعی طور پر تپسوی آدرش سے عقیدت مندی معتدل اور متوازن تھی اور شیو دھرم کی طرح اس میں بھونڈی اور مضحکہ خیز باتوں کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ ویشنوؤں کے عطیات عموماً شری ویشنوؤں اور "تادر" (داسوں)[59] کو یا ان برہمنوں کو کھانا کھلانے کے لیے منظور کیے جاتے تھے جنہیں ویدوں پر پورا ملکہ حاصل ہوتا تھا اور رادھا پنتھ کے پست عقیدے کا ویشنو مت ابھی جنوب میں رائج نہیں ہوا تھا بلکہ شاید یہ جنوبی ہند میں کبھی مقبول نہیں ہوا۔ کتبوں سے ویشنو مٹھوں کی مثالیں مل سکتی ہیں۔ مثلاً اگرمیرور کا کندوئی مٹھ۔[59] شیو دھرم اس زمانے میں شنکر آچاریہ کے ادویت طریقے سے جسے سمارت ہندومت کہا جاسکتا ہے، شدید تضاد رکھتا تھا اور اس میں مختلف فرقے شامل ہو گئے تھے جن میں شائستہ شیو یوگیوں سے لے کر انتہائی متعصب اور مکروہ فرقے مثلاً پشوپتا، کاپالکا، اور کالا مکھ وغیرہ شامل تھے۔ شیو یوگی جیسا کہ اس کے نام سے پتہ چلتا ہے، اپنی زندگی شیو کے دھیان میں گزارتا تھا اور اس دھیان کے ذریعے مادی زندگی کے بندھنوں سے نجات حاصل کرنے کا بندوبست کرتا تھا، بتایا جاتا ہے کہ موت آنے کے وقت وہ اپنے جسم پر بھبھوت مل لیتا تھا، چند شیو منتروں کا جاپ کرتا تھا اور اپنی چھاتی پر شیو لنگ کی پوجا کرتا تھا۔ مندروں اور مٹھوں میں شیو یوگیوں کو کھانا دینے کے لیے کثیر عطیات دیئے گئے تھے جن کا ذکر کتبوں میں ملتا ہے۔[60] کالا مکھ جو مہاورتی بھی کہلاتے تھے، ان میں غالباً سب سے زیادہ انتہا پسند فرقہ تھا اور یہ کاپالکوں سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔ کالا مکھوں کا عقیدہ ہے کہ اس دنیا اور اگلی دنیا کی تمام خواہشات کی تکمیل کے ذرائع مندرجہ ذیل ہیں،

(۱) کھوپڑی میں کھانا کھانا (۲) جلی ہوئی لاش کی راکھ بدن پر ملنا (۳) راکھ کو کھانا (۴) ڈنڈا ہاتھوں میں لیے رکھنا (۵) شراب کا برتن رکھنا (۶) اور اس میں بٹھا کر دیوتا کی پرستش

کرنا[62] ان عادتوں کی وجہ سے وہ "مہادرتی" کہلاتے تھے یعنی عظیم عہد والے لوگ۔ ان کی
ان عادات سے نرم دل ریفارمر راما نج کے دل میں شدید بیزاری پیدا ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے
کہ وہ انسانی قربانی بھی کرتے تھے[63] نویں، دسویں اور گیارہویں صدی میں "کالامکھ" تمام
جنوبی ہند میں دور دور تک پھیل گئے تھے۔ راجاؤں اور عوام سے انھیں سرپرستی یا امداد کی کمی نہیں
تھی۔ شہنشاہ پرانتکا اول کے ہم عصر کوڈمبلور کے سردار وکرم کیسری نے تین مندر (دمان ترئم) تعمیر
کروائے جو "مودر کودل" کہلاتے ہیں۔ تب اس نے "آتریہ گوتر" کے مشہور اور نامور مقدس
ہستی ملکا ارجن کو ایک بڑا مٹھ (برہمن مٹھ) نذر کیا۔ ملکا ارجن مدورا کا رہنے والا ایک شخص
تھا جو ویدوں پر عبور رکھتا تھا اور ودیا راشی اور تپو راشی کا شِشیہ (شاگرد) تھا۔ اس یادو وکرم
کیسری نے بھی اپنے گورو اور کالامکھا دان کے سب سے بڑے تپسوی کو گیارہ گاؤں بھی دیے
تاکہ ان کی آمدنی سے پچاس "است دکتر" تپسویوں کو روزانہ باقاعدگی سے کھانا دیا جا سکے[64]
پڈوکوٹہ کے اس کتبے سے پہلے کے ایک کتبے میں جو ضلع شمالی ارکاٹ کے ایک مقام
ویڈال سے ملا ہے "ہاریت گوتر" کے کالامکھ وش پورتن اور آپستمب سوتر[65] کا ذکر آیا ہے۔ ریاست
کے اسی علاقے میں میل پاڈی کے مقام پر کالامکھوں کا ایک مٹھ تھا جس کے سربراہ
کو "لکولیشوراپنڈت[66]" کہتے تھے۔ ترودوڑپور میں ان کا ایک اور مٹھ تھا جس کا سربراہ
"چترانن پنڈت[67]" کہلاتا تھا۔ راجا ویر راجیندر کے عہد کے جبنی ضلع جنوبی ارکاٹ
کے ایک کتبے میں مقامی مندر کے حکام کی فہرست میں "مہادرتی لکولیشوراپنڈت" کا
بھی ذکر موجود ہے۔ گومنڈ تو اروالال بھٹن نامی ایک کالامکھ نے ۱۱۲۳ء میں کوئل تیورائن
پیٹئی (ضلع تنجور) کے مندر کے پاس کچھ اراضی فروخت کی تھی[68] ۱۱۲۷ء، ۱۲۰۵ء اور ۱۲۳۱ء
میں ترودانی کوئل (ضلع چنگل پٹ) کے مندر میں اسی پنتھ کے شیل راشی اور جنان راشی
نامی کالامکھوں کا ذکر چراغوں کا عطیہ دینے یا مندر میں چراغوں کے عطیے کے انتظام کے
سلسلے[69] میں کیا گیا ہے۔ یہ تمام مثالیں چولوں کے عہد حکومت میں جنوبی ہند کے شیومت
پر "کالامکھوں" کے اثر و رسوخ کی وسعت اور تسلسل کی نشان دہی کرتی ہیں۔ تاہم اس بات
میں شبہ ہے کہ ان فرقوں کے ارکان جو مندروں سے وابستہ تھے اور شاید وہاں پوجا
وغیرہ بھی کرواتے تھے ان لازمی مذہبی اصولوں اور قواعد کی پابندی بھی کرتے تھے
یا نہیں جو ان سے منسوب کیے جاتے تھے اس کا تسلی بخش جواب دینے کے لیے ہمارے

پاس ہم عصر کتابوں کی کوئی شہادت نہیں ہے۔

ایک چترانن پنڈت

ترو دوریور کے مٹھ کے ایک "چترانن پنڈت" کی زندگی اور سرگرمیاں[75] کنردیو کے زمانے کے ایک کتبے میں پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور ایک مفصل مطالعے کی مستحق ہیں کیونکہ ان سے ان محرکات کی کچھ دلچسپ اور معتبر مثالیں مل جاتی ہیں جو لوگوں کو ایک تارک الدنیا شخص کی زندگی اختیار کرنے کے لیے راغب کرتے تھے۔ ولبھ کی پیدائش کیرالا کے ایک مقامی سردار کے خاندان میں ہوئی تھی۔ وہ گوہ سے ملتا جلتا تھا اور بہت سے نیک اوصاف کا حامل تھا۔ لڑکپن میں اس نے سبھی علوم و فنون پر عبور حاصل کیا تھا اور عین عنفوانِ شباب میں دنیا کی خدمت کا ولولہ دل میں لے کر چولا ریاست میں پہنچا اور ایک سامنت اور عزیز دوست کی حیثیت سے راجا راج آدتیہ کے قریبی مصاحبوں میں شامل[76] ہوگیا۔ چونکہ دوسری مصروفیات کے باعث اسے اپنے دوست راجا آدتیہ کے ہمراہ جنگ میں لڑنے اور اس کے ساتھ مرجانے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی، اس لیے اسے اس کا شدید احساس ہونے لگا کہ اس کی زندگی اس کی پیدائش اور اعلیٰ تعلقات کے شایاں نہیں۔ چنانچہ وہ دنیا سے بے نیاز اور لاتعلق ہوگیا۔ تب اس نے گنگا میں اشنان کیا اور ترو وڈیور میں سنیاسی بن گیا۔ اس نے نرنجن گورو سے "ورت" لیے اور اس طرح "مہاورتی" بن گیا۔ اس کا نام چترانن پڑ گیا اور وہ مقامی مٹھ کا سربراہ بن گیا۔ جس کتبے میں یہ احوال دیا ہوا ہے اس پر کنردیو کے بیسویں سالِ حکومت کی تاریخ درج ہے۔ کنردیو نے سنہ ۹۶۰ء کے قریب کانچی اور تنجور کو تسخیر کیا تھا۔ اس وقت وہ اپنی لشکر کشی کے نتیجے میں چولا ریاست کے شمالی اضلاع پر مکمل قبضہ کر چکا تھا۔

تپسویوں کی اپنی کوئی جائداد نہیں ہوتی تھی لیکن ان تنظیموں یعنی مٹھوں کی ملکیت میں وسیع جائدادیں ہوتی تھیں جن کی آمدنی ان کی نگہداشت اور علم و فن کی حوصلہ افزائی پر خرچ ہوتی تھی۔ آبادی کا کتنا حصہ اس طرح کی پاکیزہ مفلسی کی گو وہ تکلیف دہ نہ سہی، بسر کرتا تھا، اور آیا وہ آج کے مقابلے میں زیادہ تھا، یہ طے کرنا واقعی مشکل ہے۔ تارک الدنیا تپسوی کے آدرش کے لیے زمانہ ان دنوں بے شک سازگار تھا اور ملک میں رائج تمام مذہبی

نظام اسے سراہتے تھے۔ تپسیا میں دوہری برکت تھی۔ وہ شخص جو تپسوی بن جاتا تھا اور وہ شخص
جو تپسوی نہیں بنتا تھا بلکہ گرہست ہی رہتا تھا، دونوں اس سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ دونوں
مذہبی ثواب کماتے تھے کیونکہ گرہست کو اپنے دیئے ہوئے دان کی بدولت عاقبت میں اچھی
جگہ ملنے کا اتنا ہی یقین تھا جتنا کہ سنیاسی کو اپنے ترک دنیا اور نفس کشی کی بدولت۔ بلاشبہ
بعض ایسی مثالیں بھی سامنے آتی تھیں کہ تپسوی میں لباس میں لوگ ریاکاری کے مرتکب
ہوتے تھے لیکن ایسے لوگ عوام کے مذاق کا ہدف بن جاتے تھے کیونکہ عوام اتنی سمجھ رکھتے
تھے کہ ایسے ریاکاروں کو فوراً پہچان لیتے تھے۔ لیکن آج کل کا جدید نظریہ جو معاشی ترقی کے
نام پر سادھو یا فقیر کو نکما اور بیکار قرار دیتا ہے۔ اس وقت بالکل مفقود تھا اور اپنے
شدائد اور گمراہیوں کے باوجود تپسوی زندگی کے آدرش نے اعلیٰ روحانی اقدار پر زور دے کر
اور انسانوں کو زندگی کی سنگین حقیقتوں کا سامنا کرنے کے قابل بنانے کے لیے ایک
بنا بنایا فلسفہ عطا کرکے عوام کا بہت بھلا کیا ہے۔ یہ آدرش شہر کے لوگوں کو نہ سہی لیکن
گاؤں کے لوگوں کو اب تک عزیز ہے۔

مٹھ اور گپھائی

یہاں ہم چولا عہد کے مٹھوں اور گپھائیوں کی تاریخ کا[72] مفصل جائزہ نہیں لے سکتے
ان کی ابتدا راج راجا اوّل کے عہد سے بہت پہلے کی ہے[73] اور جنوبی ہند میں چولا عہد
کے دوران ان کی تعداد اور اثر و رسوخ میں بتدریج اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ان مٹھوں
کے اہم مراکز سے شروع ہو کر جہاں پہلے پہل ایک یا زیادہ مٹھ قائم ہوئے، یہ تحریک تمام
ملک میں پھیل گئی حتیٰ کہ ہر ایک مندر کے ساتھ اس کے نواح میں ایک یا ایک سے زیادہ
مٹھ منسلک ہو کر کام کرنے لگے۔ شروع ہی سے ان مٹھوں نے چند اہم مراکز کے گرد اپنا
حلقہ بنایا اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ "سنتانوں" کی ایک محدود تعداد کچھ زیادہ مشہور
اور ممتاز ہو گئی۔ یہ "سنتان" وہ روحانی گروہ تھے جو گوروؤں کی خاص خاص گدیوں سے
منسلک تھے۔ ایسے "سنتانوں" کی کچھ مثالیں یہ ہیں:۔ لکشادھیائے سنتان جو پیڑ براپلیار
(چدمبرم) کے مقام نیلا پجری میں واقع پتنجلی دیور کے مٹھ سے وابستہ تھا۔ یہ مٹھ کیلئی کتور
(کیلا مئور، متعلقہ نیرگا پٹم، ضلع تنجور) کے "آچاریہ ستھان" وارانسی کے کولا مٹھ اور ترووائی

کادَن میں واقع نڈودوں مٹھ[73] کی نگرانی کرتا تھا۔ اسی طرح ترُوچِچی مَڑم میں مدلئیاروں کا سنتان[74] اور ترُووِڈائی مرُدُل کا مانگئی مٹھ تو مدلئیار سنتا نم تھے[75]۔ ان میں سے زیادہ تر گروہوں کی سرگرمیوں کا دائرہ صرف تامل ریاست تک ہی محدود تھا۔ یہ خاص تامل شیومت تھے۔ کچھ دوسرے مٹھوں کے تعلقات و روابط زیادہ وسیع تھے اور وہ آریہ دیشم، بنارس اور کشمیر تک کے ساتھ اپنے تعلقات اور رابطوں پر فخر کرتے تھے۔ گولکی مٹھ کے بھی جنوبی ہند میں خاصی تعداد میں معتقدین تھے اور وہاں اس کو مقبولیت حاصل تھی۔ کتبات اور پرانی روایتیں دونوں شمالی ہند سے جنوبی ہند کے اہم مذہبی مراکز کی طرف بالخصوص شری رنگم کی جانب کثیر تعداد میں بھٹوں کی ہجرت کی گواہی دیتی ہیں۔ شری رنگم میں کشمیر دیشم سے ہجرت کرکے آئے ہوئے بھٹوں کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے اور ان کے علاوہ چینگلی پٹ اور رام نڈ کے اضلاع میں بھی۔[76] نمونا وہ مٹھ جو ایسے بیرونی روابط رکھتے تھے، "پشوپتیا" اور "کاپالکا" وغیرہ کے مدرسہ فکر سے متعلق تھے شیو برہمنوں اور ویشنوؤں کی طرف سے چلائے جانے والے کچھ دوسری طرح کے مذہبی ادارے بھی ہوں گے، اگرچہ ہمیں کتبوں سے ان کے متعلق بہت کم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

ایک مٹھ کی مثال یہاں خصوصی ذکر کی مستحق ہے جو تیرتھ یاتریوں کے لیے سہولیات فراہم کرتا تھا۔ گووند پتور کے ۱۲۳۸ء کے ایک کتبے میں درج ہے کہ چدمبرم (دیاگھرپوری) کے سبرہمنیا شیو نے جو ایک نامور شخص کند حابھرن کا پوتا تھا، کئی اشخاص سے زمین خریدی اور ترُو توند تو گئیان ترُوونڈم کے مٹھ نے جن خصوصی خدمات کا ذمہ لیا تھا ان کے لیے وقف کردی۔ مذکورہ مٹھ گووند پتور میں ترُووشسیا منگئی کے مندر میں واقع تھا۔ اس اراضی کی آمدنی سے جو خدمات سرانجام دی جاتی تھیں ان میں تیرتھ یاتریوں کو نمک اور ارنڈی کا تیل مہیا کرنا اور ان معتقدین کو جو بیمار پڑ جاتے اور جن کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہوتا، طبی امداد فراہم کرنا بھی شامل تھا۔ یہ بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ سبرہمنیا شیو نے جو بظاہر خود مٹھ کا سربراہ بھی تھا یہ شرط عائد کردی تھی کہ اس کے جانشین جنہیں وہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں مٹھ کے انتظامات چلانے کے لیے خود مقرر کرے گا اس خاص انتظام کو چلاتے رہیں گے اور اگر وہ اپنا جانشین منتخب کیے بغیر فوت ہو جائے تو جانشین ایک اور مٹھ یعنی چدمبرم مٹھ کا سربراہ منتخب کرے گا اور جو بھی منتخب ہوگا وہ عطیہ کے خاص مقصد کو قائم رکھے گا۔ چدمبرم مٹھ کو "ترُو توند تو گئیان

ترومڈم" کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ ممکن ہے کہ اور مقامات پر بھی کھانا کھلانے اور درس وتدریس کے علاوہ ان متفرق خدمات کے لیے بھی جو ان مذہبی اداروں کی طرف سے سرانجام دی جاتی تھیں، اسی نوع کے اوقاف موجود رہے ہوں۔ لیکن ہمیں ان کے متعلق تفصیلی طور پر کوئی علم نہیں ہے۔ بتایا گیا ہے کہ بعض مرتبہ تو اس طرح کے اداروں میں جانوروں تک کی بھی دیکھ بھال کی جاتی تھی اور اس سلسلے میں ٹراونکور ریاست کی ایک مثال کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔[77]

ایک کلہم

منٹھوں پر بحث کا اختتام کرنے سے پہلے ایک بلوے کی طرف توجہ دلانی ضروری ہے جو راج راجا سوم کے دوسرے سال حکومت کے ایک کتبے میں "گھائی اڈی کلہم" کے نام سے مذکور ہے۔[78] یہ ایک بغاوت تھی جس میں منٹھ مسمار کر دیئے گئے تھے۔ یہ فساد یا بغاوت شہنشاہ کلوتنگا سوم کے بائیسویں سال حکومت یعنی ۱۲۰۰ء میں ہوئی۔ اور اس میں ترتورائی پونڈی میں واقع ایک "گھائی" کی جائداد کو بہت نقصان پہنچا۔ اس مظاہرے کے اسباب نہیں بتائے گئے اور ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ مظاہرہ اسی خاص "گھائی" کے خلاف تھا یا اجتماعی طور پر تمام "گھائیوں" کے خلاف۔ اگر ہم موخر الذکر صورت کو مانیں تو یہ عجیب بات دکھائی دیتی ہے کہ اس سے متعلق بجز اس سرسری حوالے کے کوئی اور بات نہیں معلوم ہوتی۔

مندر کا کردار

چولا حکومت کے طویل زمانے میں ہندو مندر کا ملک کی سماجی زندگی پر اثر اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ اب یہ اینٹ گارے کا وہ چھوٹا سا ڈھانچہ نہیں رہا تھا جو محض پوجا کا مرکز ہوتا تھا جس میں گاؤں والے شریک ہوتے تھے۔ پتھر کے مندر کے نئے تصور نے ہنرمندی کے اظہار کے اور مواقع فراہم کیے جو اس کی تعمیر اور آرائش کے لیے درکار تھے۔ مندر کے عروج کے ساتھ ساتھ ہر مندر میں ایک پیچیدہ رسمی معمول ظہور میں آگیا۔ جو اراضی اور سونے کی اس فراہمی سے پائیدار اور مستحکم ہوتا گیا جو لوگوں کے پاک عطیوں کا نتیجہ تھی۔ یہ عطیے

فراخدلی سے دیئے جاتے تھے اور مکمل احتیاط اور دیانت سے ان کا انتظام کیا جاتا تھا۔ ایسی دیانت اور احتیاط اب مدتوں سے معدوم و مفقود ہے۔ ہر نئی نسل جو کچھ اس کو اپنے اسلاف سے ملتا تھا احتیاط سے استعمال کرتی تھی اور اس میں تازہ اضافے کر کے اپنے اخلاف کے لیے اس سے زیادہ میراث چھوڑ کر جانے میں کامیاب ہوتی تھی۔ مندروں کی بے شمار اور بڑھتی ہوئی دولت سے اپنے گرد و نواح کے ساتھ ان کے بہت زیادہ قریبی کاروباری تعلقات پیدا ہو گئے اور تنجور میں شہنشاہ راج راجا کے انتظام میں ایک حیرت انگیز عظیم مندر کچھ اس طرح ابھرا، جیسے وہ کسی جادوگر کا کام ہو۔ یہ مندر کئی پشتوں کی سعی و کوشش سے حاصل کی ہوئی کامیابیوں کو بھی پیچھے چھوڑ گیا۔ نہ صرف اس کے پُر شوکت نقشے نے اُسے جنوبی ہند کے مندروں کے فنِ تعمیر کے عظیم شاہکار کی حیثیت سے ایک دیرپا مقام دلوایا بلکہ اس مندر کے معاملات کے انتظام کے لیے بہت محنت اور غور و خوض سے اعلیٰ ترین بندوبست بھی کیا گیا، جس کو مندر کی دیواروں پر باحتیاط کتبوں کی شکل میں لکھوا دیا گیا۔ اس طرح مندروں سے متعلق وقت کے بہترین راجوں کا مختصر حال جو مستقبل کے لیے ایک قابلِ تقلید مثال قرار پایا، درج ہو گیا۔ ان انتظامات میں ہر مد کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مندر کا عوام کی زندگی کے متعدد پہلوؤں سے ایک قریبی رابطہ قائم کروانے کی دانستہ کوشش صاف نظر آتی ہے۔ چونکہ یہ عظیم مندر تمام سلطنت کے دارالخلافے کی شان تھا اور جنوبی ہند کے عظیم ترین شہنشاہ نے اس کی بنیاد رکھی تھی، اس کے تعلقات و روابط کا دائرہ قدرتی طور پر عام مندروں سے کہیں زیادہ وسیع تھا۔ تاہم جنوبی ہند کا ہر مندر خواہ وہ اپنی جسامت میں کتنا ہی چھوٹا ہو اور اس کا اثر و رسوخ کتنا ہی محدود ہو، تنجور کے عظیم مندر ہی کا ایک چھوٹا روپ تھا، اور اپنے خد و خال اور خصوصیات کے اعتبار سے اس عظیم مندر ہی کی نظیر تھا۔

عظیم مندر

تنجور کے عظیم مندر کو آسانی سے اس زمانے کا متمول ترین مندر کہا جا سکتا ہے۔ خود راجا اپنے عہدِ حکومت کے انتیسویں سال تک، سونے کی ایک کثیر مقدار اور زیورات، جواہرات اور [illegible] کی شکل میں کثیر خزانہ اس کی نذر کر چکا تھا۔ ان میں بیشتر حصہ اس مالِ غنیمت کا تھا جو جنگوں کے نتیجے میں اس کے ہاتھ لگا تھا۔ [illegible]

گیا ہے ۰۰۵۱۴ کلنجو تھی۔ یا اگر کلنجو کا ۰، گرام وزن لگایا جائے تو اس کا وزن پانچ سو پونڈ ٹرائے سے زیادہ ہوگا۔ جواہرات جو نذر کیے گیے تھے ان کی قیمت ۰۰۱۰۲ کاشو تھی یعنی طلائی کلنجو کی شکل میں اس کی نصف تعداد[80] شہنشاہ نے جو چاندی نذر کی تھی وہ ۵۰۶۵۰ کلنجو یعنی ۶۰۰ پونڈ ٹرائے سے زائد وزن کی تھی۔ اس نے اپنی تمام عملداری میں جس میں لنکا کا جزیرہ بھی شامل تھا بہت سے گاؤں کی اراضیات سے مندر کے نام کردیں۔ ان اراضیات سے مندر کو ایک لاکھ سولہ ہزار کلم دھان کی سالانہ آمدنی ہوتی تھی جو اس وقت کی قیمتوں کے مطابق نقد کی شکل میں اٹھاون ہزار کاشو کے برابر تھی[81]۔ اس کے علاوہ گیارہ سو کاشو کی نقد آمدنی بھی مندر کے نام کی گئی تھی۔ مندر کی پُوجا کے لیے چار سو رقاصائیں جو ریاست کے دوسرے مندروں کی رقاصاؤں میں سے چن کر منگوائی گئی تھیں، تعینات تھیں اور ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ "پنگو" یعنی حصہ عطا کیا گیا تھا جو ایک رہائشی مکان اور ایک ویلی اراضی پر مشتمل تھا جس سے سالانہ ایک سو کلم دھان خالص لگان کی آمدنی ہوتی تھی۔ اسی طرح کے تقریباً ۸۰۱ مزید حصے ۲۱۲ مرد خادموں کے گزارے کے لیے الگ مخصوص کردیئے گیے تھے۔ ان افراد میں رقص سکھانے والے اُستاد موسیقار، ڈھولچی، درزی، سنار، محاسب وغیرہ شامل تھے۔ ان میں سے تین آدمی "آریَم" گاتے تھے اور چار دوسرے شخص تامل گاتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں فن موسیقی کی وہ قسمیں تھیں جو دوسری جگہوں میں بالترتیب "اہمارگم" اور "دیشی" کہلاتی تھیں[82]۔ پچاس اشخاص کا ایک طائفہ بھی تھا جو مختلف آلات موسیقی کے ساتھ "ترویدیَم" گاتا تھا۔ اس طائفہ میں سے اگر کسی کی موت ہوجاتی یا کوئی دوسری جگہ چلا جاتا اور اپنے بجائے اپنا کوئی عزیز جو اس کام کے لیے مناسب ہو نہ چھوڑ جاتا تو اس کی خالی جگہ کو پُر کرنے کے لیے طائفہ باہمی صلاح مشورے سے دوسرے کسی موسیقار کو نامزد کرنے کا مجاز تھا۔ طائفہ کے ارکان کی یومیہ اُجرت تین کرونی دھان فی کس مقرر تھی[83]۔ راج راجا کی بڑی بہن کُندوئی نے مندر کو قریب قریب دس ہزار کلنجو سونا اور اٹھارہ ہزار کاشو کی مالیت کے برتن نذر کیے۔ دیگر لوگوں یعنی مہارانیوں، اعلیٰ افسروں اور سپاہیوں کی پلٹنوں نے اور عطیات دیے جن کا اندراج بہت ہی احتیاط اور صحت کے ساتھ مندر کی دیواروں اور ستونوں پر کردیا گیا۔ نقد کی صورت میں موصول ہونے والے سب عطیات جو کئی ہزار کاشو کی مالیت کے تھے، لاتعداد دیہی اسمبلیوں کو مقررہ شرح سود پر قرض دے دیئے جاتے تھے اور ان کا سود نقد یا جنس

کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا جو عموماً بارہ فیصدی سالانہ ہوتا تھا۔ اس طرح کافور، الائچی دانہ، چمپک کی کلیاں اور خس کی جڑیں نقد تحائف سے مہیا کی جاتی تھیں۔[93]

حقیقت میں دارالخلافے کی اور پوری سلطنت کی معاشیات میں عظیم مندر کی اہمیت کچھ معمولی نہ تھی۔ اس کی تعمیر میں کئی برس صرف ہوئے ہوں گے اور ملک کے بہترین معماروں اور سنگتراشوں کو اس کام سے روزگار ملا ہوگا۔ ان کے علاوہ کثیر تعداد میں عام مزدوروں کو بھی روزی ملی ہوگی۔ کثیر التعداد دھات کی مورتیوں کے صحیح اور مفصل احوال سے جو اکثر گڑھوں میں ڈھالی گئی ہیں، اور ان کی شکلوں کے ذریعہ سے جو جذبات کی عکاسی کرتی ہیں، پرانے قصّے کہانیوں کے مقبول عام موضوعات کو پیش کیا گیا ہے اور ان سے اس بات کا تاثر ملتا ہے کہ دھاتوں کی ڈھلائی کے فن میں کمال درجے کی مہارت حاصل کی جا چکی تھی اور اس کام میں تربیت یافتہ اور ماہر کاریگر کے لیے کم و بیش مستقل اور سود مند روزگار ملنے کے مواقع حاصل تھے۔ زیورات اور جواہرات کا جن سے ان مورتیوں کو آراستہ کیا گیا تھا، اتنا ہی مفصل بیان فنِ زرگری میں حاصل کردہ اعلیٰ ترین کمال کی گواہی دیتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ دولت مند مندر نے اس فن کو فروغ دینے میں کس حد تک حصہ لیا واقعہ یہ ہے کہ ہر چھوٹا یا بڑا مندر اپنے گرد و نواح کے علاقے کے ساتھ وہی تعلق رکھتا ہے جو کہ تنجور کا عظیم مندر دارالخلافے کے ساتھ رکھتا تھا۔ اس میں فرق صرف درجے کا تھا زمیندار، روزگار دینے والا، مال اور خدمات کا صارف، بنک، مدرسہ، عجائب گھر، شفاخانہ اور تھیٹر، غرض ان تمام حیثیتوں سے یا مختصر الفاظ میں ایک محور کی حیثیت سے جو ان تمام باتوں کو اپنے گرد جمع کر لیتا ہے جو ایک مہذب زندگی کے بہترین عناصر ہیں اور جو دھرم کے جذبے سے پیدا ہونے والی نیک دلی کے ساتھ ان سب کو منضبط کرتا ہے۔ قرونِ وسطیٰ کے ہندوستانی مندر کی نظیر انسانیت کی تاریخ میں کم ملتی ہے۔ مندروں کے انتظام اور دیگر معاملات میں مرکزی حکومت کے اعلیٰ ترین افسروں کی بلکہ بعض اوقات خود راجا کی جانب سے جانچ پڑتال، جس کا ذکر کتبوں میں موجود ہے، اس امر کی مظہر ہے کہ چولا حکومت مندر کے کردار کی بڑھتی ہوئی سماجی اہمیت کو سمجھتی تھی اور اس کے کاروباری معاملات کی سختی سے جانچ کرنے کی ضرورت کو محسوس کرتی تھی۔[94]

جین مت

شیو مت اور وشنو مت نیز ہندو مت کی ان مختلف صورتوں کے ساتھ ساتھ جن کی طرف پہلے توجہ دلائی جا چکی ہے، جین دھرم بھی اپنے معتقدین کی ایک کثیر تعداد رکھتا تھا اور اسے راجاؤں اور عام لوگوں کی سرپرستی حاصل تھی، ہر چند کہ یہ اتنی نہیں تھی جتنی کہ قدامت پرست دھرموں کو حاصل تھی۔ اس زمانے کے محکمہ مال کے کاغذات میں "پلچ چندم" یعنی پلی یا جین مندر کی اراضی، وہ تسلیم شدہ زمرہ تھا جو ٹیکسوں سے مستثنیٰ تھا۔ جین مصنفین کی تصنیفات نے تامل لٹریچر کو بہت مالامال کیا اور پرانی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ بارہویں صدی کے وسط میں شیکیلار کو شہنشاہ کلوتنگا دوم نے "پیریا پرانم" یعنی "سنتوں کی سوانح عمریاں" جیسی پرشوکت کتاب لکھنے کے لیے مجبور کیا کیونکہ وہ اس جین مصنف کی ایک تامل تصنیف "شیوک شنتامنی" کی نظموں سے، جو کہ ایک غیر مذہبی "کاویہ" (شعری مجموعہ) تھا، لطف اٹھا چکا تھا۔ جین دھرم کی کچھ یادگاروں کا پتہ ریاست ٹراونکور میں چلا ہے جن پر اگرچہ کوئی تاریخ درج نہیں ہے لیکن وہ ضرور دسویں سے تیرہویں صدی تک کے درمیانی عرصے کی ہیں۔[85] چولا کتبوں میں تامل اضلاع میں واقع جین مراکز کے کافی قابلِ توجہ حوالے موجود ہیں۔ ہستی ملا کی اداتندرم کی تختیوں میں درج ہے کہ دگمبر جینیوں کی ایک قدیم "پلی چندم" دو "پٹی" اراضی پر مشتمل کنڈلی کوٹر نامی گاؤں میں واقع تھی اور پرانتکا اول کے عہدِ حکومت میں اس گاؤں کو عطیے میں دیتے وقت اس "پلی چندم" کو خاص طور پر اس میں سے خارج کر دیا گیا۔[86] ویڈال ضلع شمالی ارکاٹ میں جینیوں کی ایک بڑی خانقاہ تھی جس میں دو فریقوں کے درمیان ایک تنازعہ کھڑا ہو گیا تھا۔ اس میں ایک راہبہ اور اس کے پانچ سو چیلے ایک طرف تھے اور چار سو راہبائیں دوسری طرف۔ اس جھگڑے کا خاتمہ اس مقام کے کچھ گرہست جینیوں نے کروا دیا تھا۔ وہ اس طرح کہ انھوں نے تنازعے کے ایک فریق کو اپنی حفاظت[87] میں لے لیا۔ یہ تقریباً ۸۸۵ء کی بات ہے۔ شیرامور ضلع جنوبی ارکاٹ میں ایک راج کیسری راجہ کے سترہویں سالِ حکومت کا ایک کتبہ ہے جس میں پارشوناتھ کے مندر کے اس منڈپ میں ایک چراغ جلائے رکھنے کے لیے عطیہ کا اندراج ہے جس میں شاستر کی کتھا ہوتی تھی۔[88] راجندر پورم کے رہنے والے گنگا شور

پیرم بلی نامی ایک شخص کا ذکر ترکوں (ضلع شمالی ارکاٹ) کے ایک کتبے میں ملتا ہے[89] اور للت سینا بھٹارا نامی شخص کا جو "پلی" رکھتا تھا، شیندلی کے کتبے میں ذکر ہے۔ موخر الذکر کتبہ ایک پراکیسری راجہ کے بارہویں سالِ حکومت کا ہے۔[90] ضلع چنگلی پٹ کے مقام آنندمنگلم میں ایک چٹان پر، جہاں تین گروہوں کی جین مورتیاں ایک ہی سیدھ میں تراشی گئی ہیں، ایک کتبہ بھی کندہ ہے جس میں جن گرپ پلی ایک "اڈیگل" کو روزانہ کھانا کے اخراجات کی منظوری درج ہے۔[91] اس کتبے پر پرانتکا اول کے عہد کی تاریخ ۹۴۵ء درج ہے۔ اسی برس جینیوں کی عظیم بستی ترِوپان ملئی کے گورو ارشٹ نیمی بھٹارا کے ایک شاگرد نے جس کا نام پنگ کرتی اڈیگل تھا، ولاپاکم میں ایک کنواں کھدوایا اور کنواں اور ایک مکان اس مقام کے "چوبیس" کی نگرانی میں راہباؤں کی رہائش کے لیے دے دیا۔[92] راج راجا کے سترہویں سالِ حکومت میں تروناٹر نگونڈئی میں جو ضلع جنوبی ارکاٹ میں ایک "پلچ چندم" تھا، ایک اراضی کے عطیے کے ذریعے سے دو چراغ بڑی خانقاہ کو دئے گئے۔[93] اس زمانے کے دو اور عظیم جین مراکز ضلع شمالی ارکاٹ میں پولور کے نزدیک تروملئی اور ضلع ترچنا پلی میں ترومل واڈی تھے۔ موخر الذکر مقام پر کندوئی نے ایک جین مندر تعمیر کروایا تھا۔[94] کانچی پورم کے مضافات میں ترو پرُئی کرم کے مقام پر ایک مشہور جین مندر آج تک موجود ہے۔ یہ مقام اکثر جن کانچی کہلاتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہاں کے "رشی سمودائے" یعنی راہبوں کی جماعت نے ۱۱۱۶ء کے قریب کچھ اراضی خرید کی۔[95] اسی "سمودائے" کا ذکر راجہ وکرم چولا کے عہد کے ایک بعد کے کتبے میں بھی آیا ہے۔[96] کلوتنگا اول کے ایک بلا تاریخ کے کتبے میں اراضی کے ایک عطیے کا ذکر ہے جو پیرم پلی کو دی گئی تھی۔ یہ مندر کھور ضلع تنجور میں تھا اور اس کا نام راجا کے نام پر رکھا گیا تھا۔[97] ۱۱۹۴ء کے مرتو وکڈی ضلع تنجور کے ایک کتبے میں دو مزید پلیوں کا ذکر ملتا ہے۔[98] جن کانچی کی جین بستی کا ذکر پھر ایک ۱۱۹۹ء میں آیا ہے جب کہا جاتا ہے کہ کرُوکل چندر کیرتی اور کچھ دیگر اشخاص نے اس اہم عبادت گاہ کے لیے "پلچ چندا رائیسلی" کے طور پر ایک عطیہ منظور کروانے کی کوشش کی تھی۔[99]

ان واقعات سے ہم کو جین مت اور بدھ مت پر مظالم توڑے جانے اور ان کی بیخ کنی کی داستانوں کو جو ہندو فرقوں نے اپنے سنتوں کے متعلق بیان کر رکھی ہیں تسلیم کرنے سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

بُدھ مت

چولا عہد کے کتبوں میں بدھ دھرم کا اتنا ذکر نہیں ملتا جتنا کہ جین مت کا۔ دراصل لیڈن کے مشہور فرمان عطیہ میں نیگاپٹم کے چوڑامنی درما دیو کے بدھ وہار کو دیئے گئے ایک پورے گاؤں کے عطیہ کا ذکر آیا ہے اور شہنشاہ کلوتنگا کے عہد میں جب اس غرض کے لیے کڈارم کے راجہ نے اپنے سفیروں کے ذریعے التماس کی تو ایک نیا عطیہ دیکر اس جاگیر میں مزید اضافہ کر دیا گیا۔ وشنو دھرم کی پرانی روایتوں میں ترومنگئی آلوار کی ایک عجیب سی کہانی محفوظ ہے جس کے مطابق اس نے شری رنگم میں رنگ ناتھ کے عظیم مندر کی تعمیر کے لیے مطلوبہ رقم حاصل کرنے کی غرض سے نیگاپٹم کے بدھ وہار سے بدھ کی ایک سونے کی ٹھوس مورتی جبراً اٹھوالی۔ شاید اس قصے کا مطلب یہ ہے کہ جب بارھویں صدی میں آلواروں کے حالاتِ زندگی اکٹھا کیے گیے، اس وقت تک نیگاپٹم بدھ مت کا ایک مضبوط مرکز تھا جس کی دولت اور اثر ور سوخ عوام کے لیے باعثِ کشش تھے۔ کانچی پورم میں بھی بدھ دھرم کی کچھ یادگاریں دریافت ہوئی ہیں اور یہ عین ممکن ہے کہ کانچی پورم میں جو ہند و دھرم کے عظیم مراکز میں سے ایک تھا، ان دنوں بودھوں کی کوئی بستی رہی ہو۔ مالابار میں ایک مقام شری مول واسم جو اسی عرض البلد پر واقع تھا، جس پر نیگاپٹم واقع تھا لیکن جو نیگاپٹم کے مقابل کے ساحل پر آباد تھا، بدھ مت کا ایک اور اہم مرکز تھا جس کا اثر ور سوخ بہت پرانے وقت میں گندھارتک کے دور دراز مقامات تک محسوس کیا جاتا تھا۔ اب تک جنوبی ہند میں بودھوں کے آثارِ قدیمہ کی جو تلاش کی گئی ہے اگر اس سے کبھی بہتر تحقیق کی گئی تو اس مذہب کے کچھ اور مراکز کا بھی پتہ چل جائے گا جو ابھی تک ہمارے علم میں نہیں آئے ہیں۔ بودھ مصنفین نے بھی تامل لٹریچر کے فروغ میں حصہ لیا گو اس حد تک نہیں جس حد تک جینیوں نے۔ اس کے باوجود کتبوں اور لٹریچر دونوں سے یکساں طور پر یہی تاثر ملتا ہے کہ عیسوی سن کی دسویں اور گیارھویں صدیوں کے دوران بدھ دھرم تامل سلطنت میں اتنا مقبول اور ہر دلعزیز نہیں تھا جتنا کہ جین دھرم اور غالباً اس زمانے سے پہلے کے عہد کے مذہبی تنازعات میں بدھ دھرم کو زیادہ نقصان پہنچا اور یہ اس ملک کے عوام پر اپنا اثر جین دھرم کے مقابلہ میں زیادہ مکمل طور پر کھو بیٹھا۔

عام یک جہتی

یوں اس ملک کی مذہبی زندگی کی تصویر بڑی پیچیدہ ہے۔ مختلف دھرموں میں ہمیشہ اختلاف ہوتا رہتا تھا۔ یہ ایک دوسرے پر اثر ڈالتے تھے اور اثر قبول بھی کرتے تھے۔ انجذاب کے اس طویل عمل میں بودھ "وہار"، جین "بسلی" اور ہندو مندر اپنے طریقِ عبادت، تنظیم اور تیوہاروں میں ایک دوسرے سے بہت مشابہ معلوم ہوتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ مختلف بھی۔ ریاضت، نفس کشی اور ترکِ خواہشات کے آدرش ان سبھی دھرموں کو یکساں طور پر اپنی طرف مائل کرتے تھے۔ مجموعی طور پر اس زمانے کے مذہبی اختلافات، جیسے بھی وہ تھے، سماجی نزاع پیدا کرنے کا باعث نہیں تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باہمی احترام نہ سہی لیکن باہمی رواداری کا رویہ برابر قائم رہا۔

حاشیے

(1) صفحہ ۱۸

(2) نظم کا باب XIV ، 88-89

(3) اسے تاریخ قرار دینے کی ایک ناکام کوشش کے لیے دیکھئے ایس کے آئینگر کی کتاب صفحات 413 - 14 دوسری جانب ایم راگھو آئینگر کا کہنا ہے کہ یہ کہانی آلوڑیاناسی یعنی سندر موتی (جو ترومنگائی کا ہمعصر تھا) اور آلوڑیا پلئے (سمبندر) دونوں اشخاص کے خلط ملط ہوجانے کی وجہ سے وجود میں آئی ہے۔ "آلوارگل کالنلائی" کا صفحہ 137 - یہ حرف ایک ذہانت بھرا اندازہ ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ حال ہی میں اسی مصنف نے ایک جگہ ڈاکٹر ایس کے آئینگر کے دلائل کو دہرایا ہے اور دونوں بھجن لکھنے والوں کو ایک دوسرے کا ہمعصر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس کی نئی دلیل اس غیر ثابت شدہ اور غیر ممکن قیاس پر مبنی ہے کہ نندتی ورمن پلو ملاّ نے ویر میگھا کا لقب اختیار کر رکھا تھا۔ صفحہ 210

(4) دیکھئے کے ایس سری نواس پلّے کی "تامل درلارو" حصۂ دوم۔ صفحہ 179 وصفحات مابعد اس کے برعکس دیکھیے: ARE - 1918 - II - 34 جس میں تعجب کی بات ہے کہ شیکی لار کو ترومرائی کی دریافت سے متعلقہ "پرانم" کا مصنّف بتایا گیا ہے۔

(5) 1918 ٥ ٨

(6) 1903 کا 373 - نیز 1929 کا نمبر 99

(7) S II - iii - صفحہ 93 ، II ، 32-33

(8) 1914 کا 129 - 1918 کا نمبر 349 - 1903 کا 358 - 1915 کا نمبر 199 وغیرہ ، 1905 کے نمبر 12 میں "ترودیمباولی" کا ، 1906 کے نمبر 165 میں "تردچالل" کا ، اور 1912 کے نمبر 421 میں "ترودیمباولی" نیز "تردوادوورالی ناشار" کا ذکر قابل توجہ ہے۔

(8 الف) 1932 کا نمبر 97 - لیکن دیکھیے تامل فرہنگ مولفہ ایس وی دیلوزن۔

(8.ب) 1940-41 کے نمبر 143-44، 149 نیز 160-161 : ARE-1939، 40، 1942/43، II، 41

(8.ج) 1940-41 کا 176

(9) V-46 نیز EI-XV صفحہ 54

(10) ناتھ منی کی جائے پیدائش ویرنارائن پورم کہلاتی ہے۔ یہ ریلیں پرانتکا کے ایک خاندانی نام کی یاد دلاتا ہے۔

(11) شتھ کو پا کی تصانیف سے مراد ہے۔

(12) "دویہ سوری چرتر" XVi، 13 تا 21 "گورو پرمپراؤں" میں یہی کہانی کچھ قدرتی مبالغے کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ بعد کے تذکروں میں جو خاص خاص فرق پائے جاتے ہیں وہ یہ ہیں: (ا) ویرنارائن پورم میں آنے والے زائرین جن سے ناتھ منی کو بھجنوں کی موجودگی کا پتہ چلا، مغربی ریاست سے آئے تھے نہ کہ کردگور سے (ب) کردگور میں ناتھ منی کو بلاشبہ مدھر کوی کا ایک شاگرد پران کش داسا یہ بتاتا ہے کہ "ترو وائیمولی" اور دوسرا مقدس لٹریچر بہت عرصہ پہلے تلف ہو چکا تھا۔ (ج) ناتھ منی کو شتھکو پا کے پورے کے پورے چار ہزار بھجنوں کا عرفاں ہو جاتا ہے نہ کہ محض ایک ہزار سے کچھ زائد بھجنوں کا۔

(13) آرجی بھنڈارکر نے کل شیکھر آلوار کے لیے جو بارہویں صدی کی تاریخ منسوب کی ہے (صفحات 49-50) وہ صاف طور پر غلط ہے۔ 1088ء کے ایک کتبے (SII - ii صفحہ 148) میں کل شیکھر کے ایک بھجن کا خصوصی طور پر اس کے ابتدائی لفظ "ٹیٹ رندرل" کا حوالہ دے کر ذکر کیا گیا ہے۔

(14) 1928 کا 181

(15) 1923 کا 176

(16) 1892 کا 61

(17) 1892 کا 62

(18) 1921 کا 343

(19) 1919 کا 557

(20) 1900 کا 126 ۔ یہ شولاکیرل دیوکا ایک کتبہ ہے

(21) 1919 کا 493

(22) 1906 کا 333

(23) 1926 کا 103 ۔ 1928 کا 52

(24) 1923 کا 266

(25) SII ۔ ii ۔ 25 میں میری رائے میں ایک اسی طرح کے وقف کا اندراج کیا گیا ہے۔ اس میں جو جملہ استعمال کیا گیا ہے۔ وہ "ترپ۔پرلی۔ارائیاوم" ہے۔ ہلتش نے اس کے معنی "مقدس ڈھول کی آواز کے ساتھ" لکھے ہیں۔ اس حقیقت سے کہ یہ کام "گھنٹا" کی "الوردلوں" کے ساتھ کرنا لازمی ہوتا تھا (دیکھئے SII ۔ iii ۔ صفحہ 233 حاشیہ نمبر 2) اس سے ایک بہتر تاویل ہماری سمجھ میں آتی ہے: "پرلی" کا مطلب "لفظ" بھی ہوتا ہے۔ اور "ارائی" کے معنی ہوتے ہیں "سنانا" میرے خیال میں یہاں دیدوں یعنی مقدس لفظ کا سنانا ہی مطلب ہو سکتا ہے۔

(26) 1896 کا 403 ۔ 1911 کا 214 ۔ اور 1917 کا 321

(27) ARE ۔ 1912، II، 29 ۔ نیز دیکھئے، JPASB ۔ XXVI (1930)، صفحات 130 ۔ 32 پر، چتّی کا قول ۔

(28) آنئی ملائی (مدورا) کا گپھا مندر جو نرسمہا کی یادگار میں بنا تھا، ان معدودے چند پانڈیا مندروں میں سے ایک ہے جو ہمارے علم میں ہیں۔ EI ۔ VIII صفحہ 317 و صفحاتِ مابعد

(29) EI ۔ XVII ۔ صفحہ 14

(30) 1925 کا نمبر 132

(31) EI ۔ IV صفحہ 281 ؛ اور 1905 کا نمبر 382

(32) ARE ۔ 1926 ۔ II ۔ 22

(33) SII ۔ ii ۔ تمہید صفحات 39 ۔ 40

(34) SII ۔ ii ۔ 20 ؛ دیکھئے گوپی ناتھ راؤ کی تصنیف ۔

(35) 1930 کا 111

(36) 1931 کا 72

(37) JOR Vii صفو 200

(38) 1919 کا 8 ۔ جی ۔ جو ڈیو ۔ ڈبریل کا کہنا ہے کہ پندرہویں صدی سے قبل "نامم" دیکھنے میں نہیں آتا: (ii ۔ صفو 62) اس کتبے سے صاف پتہ چلتا ہے یہ چار صدیاں پہلے سے زیر استعمال رہا ہوگا۔

(39) اشلوک نمبر 86

(40) 1904 کا 205۔

(41) پریا۔ ترو۔ مول۔ VII ' 6 ' 4

(42) 1925 کا 257

(43) SII ۔ ii ۔ تمہید ۔ صفحات 29 تا 41

(44) ایضاً 1902 کا 606 ۔ 1907 کا 177 ۔ اور 1914 کا 118

(45) نیز 1913 کے نمبر 56 ، اور 57

(46) 1919 کا 207

(47) 1898 کا 10

(48) 1909 کا نمبر 705 ۔ 1892 کا 131 (SII ۔ iii ۔ 66)

(49) 1925 کا 93 ۔ 1897 کا 289

(50) 1910 کا 244

(51) 1906 کا 335

(52) 1912 کا 187

(53) 1922 کا 125

(54) 1917، کا 335 ۔ سوریہ، سات دیولیوں اور شاستا کا ذکر 1892 کے 131 میں ایک ساتھ کیا گیا ہے۔

(55) 1905 کا 430 ۔ 1915 کا نمبر 255

(56) 1911 کا نمبر 484

(57) اس خصوصیت کی انوکھی لیکن خلاف عقل تشریح کے لیے دیکھیے ترلوسکس۔

کی تصنیف صفحہ 7 تا

(58) 1917 کا 333

(59) " دیدم الگداگ ولاّبر ہمنار " ۔ 1917 کا 343

(60) 1923 کا 184

(61) 1908 کا 467 ۔ 1920 کا 577 ۔ 1911 کا 227 ۔ 1914 کا 101 ۔ 1894 کا نمبر 241 وغیرہ

(62) بھنڈارکر حوالۂ سابقہ صفحہ 127

(63) گوپی ناتھ راؤ ۔ حوالۂ سابقہ

(64) PD نمبر 14 : مزید دیکھئے PK صفحات 116 ' اور 117

(65) 1908 کا 85

(66) 1889 کا 85

(67) 1912 کا 177 ' اور 181 وغیرہ

(68) 1923 کا 247

(69) 1911 کے 360 ۔ 357 ۔ 352

(70) لکلیشورا اور چترانن جیسے نام اصل میں شخصی نام نہیں بلکہ القاب ہیں ۔ اس حقیقت کو اچھی طرح نہ سمجھ سکنے کے باعث کچھ غلط باتیں لکھ دی گئی ہیں مثلاً فلیٹ کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ اس نے میلپاڈی کے کتبے میں مذکور لکلیش ہی کو " پشوپتا " کا بانی تصور کرلیا (VEI ۔ صفحہ 288 ۔ اس کے خلاف دیکھئے گوپی ناتھ راؤ ۔ حوالۂ سابقہ صفحہ 17 ' وہ صفحات مابعد) جسے پھر اس کے جمبائی کے ہم نام سے مخلوط کرکے وہی شخص تصور کرلیا گیا (ARE ۔1907 ۔ II ' 39) دوسری شناخت پہلی شناخت کی طرح تاریخی ناممکنات میں سے نہیں ہے ۔ لیکن یہ بات ناممکن ضرور ہے کہ ایک ہی شخص ایک ہی وقت میں میلپاڈی اور جمبائی دونوں مقامات پر اہم مذہبی فرائض کا نگران تھا ۔ ترودورلور کے کتبات سے اس بات میں ذرّہ برابر شک کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ " چترانن " مقامی مٹھ کے سربراہ کا لقب تھا ، جس کو یکے بعد دیگرے کئی اشخاص نے جو اس عہدے پر فائز رہے ، اختیار کئے رکھا ۔

(71) 1912 کا 181 ARE — 1913 · II · 17 - EI · ii XXV 'صفحہ 293 ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا یہ شخص شہنشاہ راج آدیتہ کا دہی کیرلا جرنیل ویلنگو مرن تھا جس نے گرامم میں شیو کا مندر تعمیر کروایا تھا۔ (1905 کا 735) اور جو راجا آدیتہ کی ملازمت میں کام کرنے والے بے شمار کیرل کے باشندوں میں سب سے ممتاز اور نامور تھا۔

(72) تامل زبان کی قدیم فرہنگ "پنگلم" کے مطابق "گھائی" کے معنی وہ مقام ہے جہاں سنیاسی بستے ہیں (منی وار اور پڈم) یعنی، خانقاہ۔ دیکھئے تامل فرہنگ S.V : گھائی۔

(73) اس کے خلاف دیکھیے ARE ۔ 1909 ' II ' 53 : ترو واڈ توراائی (1925 کا 111) اور ترودورلپور (1912 کا 181) ان قدیم ترین جگہوں میں سے ہیں جہاں "مٹھ" تعمیر ہوئے۔ مزید دیکھیے ARE ۔ 1911 ۔ II ۔ 31 ' اگر چند مٹھوں کا مختصر جائزہ لینا منظور ہو۔

(73 ۔ الف) 1946 ۔ 47 کا 88

(74) 1908 کا 322

(75) 1911 کا 49

(75 ۔ الف) 1936 ۔ 37 کا 14 : ARE ۔ II ۔ 28

(76) 1929 کا 192

(77) ARE ۔ 1929 ۔ II ۔ 39 : TAR ۔ 1920 ۔ 21 صفحہ 14

(78) 1912 کا 471

(79) اس کے خلاف دیکھیے ARE ۔ 1913 ' II ' 42

(80) SII ۔ ii ۔ 38 ' پیراگراف 48

(81) SII ۔ ii ۔ صفحہ 68

(82) 1907 کا 360 ۔ 1912 کا 211

(83) SII ۔ ii ۔ 65

(83 ۔ الف) 1129؛ میں ترو کنا پورم میں شوری پیرومال کے مندر میں گھی اور

کافور کا ایک چراغ فروزاں رکھنے کے لیے 20 کلنجو طلائی کے وقف کی ضرورت ہوتی تھی (1922 کا نمبر 509)

(84) میں نے اپنے معانے "چولا عہد میں جنوبی ہند کے ایک مندر کی اقتصادیات" میں جو میں شائع ہوا تھا، ایسی مثالوں کی تفصیلات دی ہیں۔

(85) TAS .ii ۔ صفحہ 125، وصفحاتِ مابعد

(86) SII - ii -76 ، VV ، 27 - 28

(87) SII . iii . 92

(88) 1909 کا 201

(89) 1916 کا 277

(90) 1899 کا 7

(91) 1922 کا 430

(92) 1900 کا 53 ۔ غالباً 24 ، اراکین پر مشتمل ایک مقامی جین اسمبلی ہوتی تھی۔ ممبران کی یہ تعداد اس لیے مقرر کی گئی ہوگی کہ جینیوں کے 24 تیرتھنکر ہوئے ہیں۔

(93) 1902 کا 385

(94) SII - i - 67 - 68 : کندوئی نے واداپورم میں ایک اور جین مندر تعمیر کروایا تھا (دیکھئے صفحہ 643 ماقبل)

(95) 1929 کا 382

(96) 1929 کا 381

(97) 1917 کا 288

(98) 1907 کا 392

(98۔الف) 1890 کا 43

(99) IA ۔ 44 صفحہ 127

(100) TAS .ii ۔ صفحہ 117

چھبیسواں باب

چولوں کے عہد میں لٹریچر

تمہید

دوسرے میدانوں کی طرح لٹریچر میں بھی چولا شہنشاہوں کا زمانہ جنوبی ہند کی تاریخ کا ایک بہت بڑا تخلیقی زمانہ تھا۔ عہد سنگم کی شاندار کامیابیوں کے بعد، جن میں چولا نسل کے راجاؤں کا شعرا کے سرپرستوں کی حیثیت سے اور کبھی کبھی خود مصنفوں کی حیثیت سے خاص حصہ تھا، چار یا پانچ صدیوں کے عرصے کے لیے لٹریچر اور فن پلّو اور پانڈیا راجاؤں کے زیرِ سرپرستی آ گیے۔ اس مدت میں تامل اور سنسکرت لٹریچر کی وسیع پیمانے پر تخلیق ہوتی۔ پالی زبان میں بھی تصنیف کا کچھ کام زیادہ تر اس عہد کے بدھ سنتوں نے کیا۔ "دیورام" اور "تروواسگم" چار ہزار مقدس بھجن نامی تصنیف کا زیادہ تر حصہ اور اس کے علاوہ پانڈی کووئی، شولامنی، نندی کلمبکم، اور پیرن دیونار کی تصنیف "بھارت وینبا"[4] بلاشبہ اسی عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ سنسکرت کے میدان میں کمارل اور شنکر کے روشن نام بھی اسی عہد سے متعلق ہیں۔

چولا اقتدار کی توسیع کے اثرات

چولا طاقت کے عروج کے ساتھ لٹریچر کے دھارے بھی وسیع ہونے لگے اور ادبی کاوشوں کے سرچشمے لبریز نظر آنے لگے۔ یہ اس تازہ توانائی کا اظہار تھا جو جنوبی ہند میں پہلی مرتبہ ایک سامراجی سلطنت کے قیام سے پیدا ہوئی تھی۔ چولا سلطنت کے عروج، جو ایک نئی سیاسی حقیقت تھا اور نئے لٹریچر کی تخلیق کے درمیان جو براہِ راست باہمی رابطہ

تھا وہ صاف سامنے آجاتا ہے جب ہم چولا کتبوں کی مرصع اور شاعرانہ پرشستیوں کا مقابلہ اس سے قبل کے زمانے کے کتبات کی قلیل اور خشک نثر سے کرتے ہیں۔

کتبوں کا لٹریچر

تامل میں جو عوام کی زبان تھی یہ فرق سنسکرت کے مقابلہ میں جو علمی زبان تھی، زیادہ صاف نظر آتا ہے۔ راج راجا اول کے عہد سے لے کر چولا راجاؤں کی پرشستیاں صرف چند کو چھوڑ کر اس زمانہ کے لٹریچر کے بہترین نمونوں میں شمار کی جا سکتی ہیں۔ ان کی شاہانہ زبان، اشعار کی سلاست اور روانی اور تاریخی واقعات کا زوردار بیان انہیں تامل لٹریچر کے ادب عالیہ کے طور پر نمایاں کرتے ہیں۔ شاہی پرشستیوں کے علاوہ کتبوں میں لٹریچر کی دوسری مثالیں بھی موجود ہیں۔ جو مثالیں آسانی سے سامنے آتی ہیں وہ چدمبرم اور تروودی کے کتبوں کی ہیں جن میں نرلوک ویرا کی زندگی اور کارناموں کا حال درج ہے۔ نرلوک ویرا ایک افسر تھا جس نے شہنشاہ کلوتنگا اول اور وکرم چولا کی نمایاں خدمات انجام دی تھیں ان کے علاوہ اتی، وائیلور، اور وردھاچلم کے کتبوں کا جو کاڈوا رراجاؤں کی پرشستیاں ہیں وہ بھی اسی نوع کی ہیں۔ ان شعری تخلیقات کی بحریں بڑی فنکاری سے استعمال کی گئی ہیں۔ تامل عروض کے قدرے پیچیدہ قواعد بڑی عمدگی کے ساتھ نباہے گئے ہیں جس سے شاعر کا کلام مبہم الفاظ کے استعمال اور تصنع سے بچ گیا ہے۔ بیانیہ شاعری کی حیثیت سے ان کتبوں کی اور شاہی پرشستیوں کی کچھ بہترین خصوصیات مشترک ہیں۔ لہٰذا اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یہ نظمیں اعلیٰ پایہ کے درباری شعرا کی کہی ہوئی تھیں جن کی خدمات کی مسلسل مانگ سے اس دور کے غیر مذہبی لٹریچر کی نشوونما کو بہت فروغ ہوا۔

گم شدہ نظمیں

کتبوں میں اتفاقیہ طور پر کچھ تصنیفات کے نام محفوظ رہ گیے ہیں لیکن اس کے علاوہ ان کے متعلق اور کچھ نہیں معلوم ہے۔ کسی وقت ان کتابوں کو عوامی قدرومنزلت حاصل تھی، لیکن چونکہ خود ان تک ہماری رسائی نہیں ہے، اس لیے ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ان کا احترام ان کی اعلیٰ ادبی خصوصیات کی وجہ سے تھا یا دیگر مقامی یا نجی اسباب کا نتیجہ۔ اس کا جواب جو بھی

ہوا ان تصانیف کے نام اور کتبوں میں ان کے ذکر کے وجوہ سے ہم کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ادبی تصانیف میں عوام کی دلچسپی کس حد تک تھی اور کس قسم کے لٹریچر کو قبول عام حاصل تھا۔
راج راجا اول جو اس خاندان کا شاید سب سے عظیم شہنشاہ تھا دو تصانیف کا موضوع ہے جن میں سے ایک ڈرامہ ہے اور ایک کاویہ (شعری داستان) یعنی "راج راجیشورا ناٹکم" اور "راج راجا وجئم"۔ اول الذکر جو ڈرامہ تھا وہ تیوہاروں کے دوران تنجور کے عظیم مندر میں کھیلا جاتا تھا اور موخر الذکر ترووپونڈرتی کے مندر میں پڑھ کر سنائے جانے کے لیے تھا۔ اور ان دونوں کاموں کے اخراجات کے لیے اوقاف عطا کی گئی تھیں۔ یہ یقینی طور پر معلوم نہیں کہ یہ تصانیف تامل میں تھیں یا سنسکرت میں۔ غالباً "ناٹکم" راج راجا کی سوانح حیات پر مبنی ڈرامہ نہیں تھا بلکہ اس میں تنجور کے عظیم مندر کی تعمیر کی کہانی ڈرامے کی شکل میں پیش کی گئی تھی بشرطیکہ یہ محض کسی شیو روایت کو مقبول عام بنانے کا بہانہ نہ رہا ہو۔ "راج راجا وجئم" راج راجا کے عہد حکومت کے حالات سے متعلق ایک نیم تاریخی نظم رہی ہوگی۔ بہرصورت دونوں تصانیف میں اگر راج راجا کی زندگی کے بڑے بڑے واقعات کا صحیح صحیح بیان نہ بھی ہوگا تو بھی ان کے متعلق متعدد اشارے ضرور ہوں گے اور تصنیفات کا تلف ہو جانا فی الواقعی افسوسناک ہے۔ شہنشاہ کلوتنگا اول ایک اور کتاب کا موضوع تھا۔ یہ ترونارائن بھٹ کی تصنیف "کلوتنگا چولا چرتائی" ہے۔ یہ مصنف "کوی کمد چندرا" بھی کہلاتا تھا اور تربھونی کے ایک گاؤں مان کلاشنی چیری کا ایک پنڈت تھا۔ اس گاؤں کی سبھا نے اس کو نصف "نلم" اور دو "ما" اراضی بطور انعام (سرکارم) دے رکھی تھی اور اس اراضی پر ہمیشہ اسی شرح پر لگان عائد ہو سکتا تھا جو بارھویں درجے کی اراضی کے لیے منظور شدہ تھا۔ سبھا نے یہ انعام شہنشاہ کے ایک فرمان کے مطابق عطا کیا جس میں راجہ نے سبھا کو حکم دیا تھا کہ وہ کاویہ (شعری تصنیف) کو پرکھ کر اس کے مصنف کو معقول انعام دے۔
چدمبرم (ضلع جنوبی ارکاٹ) کے ۱۱۱۱ء اور ۱۱۱۹ء کے دو کتبوں میں ایک "ستھل پران" اور ایک ناٹک کی قدر دانی کے طور پر جو مقامی داستانوں پر مبنی تھے، لگان سے مستثنیٰ اراضی بطور عطیہ دیے جانے کا اندراج ہے۔ یہ کتابیں کملا لیہ بھٹ نامی ایک شخص کی لکھی ہوئی تھیں اور "کنی ون پرانم" اور "پوم پلئور ناڈگم" کے ناموں سے موسوم ہوئیں۔ ان ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تامل زبان کی عوامی مقبولیت رکھنے والی کتابیں تھیں۔ تروولنگاڈو (ضلع شمالی ارکاٹ) میں ۱۲۱۰ء میں ایک چراغ کا عطیہ دیتے ہوئے ارمباکم کے ایک باشندے اڑنلائی وشاکھن ترے لوکیہ مالن

وتس راجن نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے "بھارت" نامی گرنتھ کا ترجمہ خوبصورت تامل میں کیا ہے اور
شو سے ملنے کی راہ[43] دریافت کی ہے۔ بستہ[46]ء میں مرو دتّور اڈّییان نامی ایک شخص نے بیان کیا
ہے کہ اس نے ناگوپٹی کے مندر کو کچھ اراضی دی جو اسے پیتّور کے سردار ویدونموڑیان سے ملی
تھی کیونکہ اس نے موخرالذکر کو اپنی شاعری کے ذریعے سے شہرت بخشی تھی[ہ]۔ دو اور مثالیں ایسے
کتبات میں ملتی ہیں جو اگرچہ بلاشبہ چولا عہد ہی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کی صحیح تاریخ کا تعین
نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جن راجاؤں کے عہد میں یہ کتبے کندہ کیے گئے تھے ان کے نام ان پر درج
نہیں ہیں۔ جب شہنشاہ ترووارور کے مندر کے ایک ایوان میں پونگوتل ناٹکت۔ تلائی کولی
کا رقص دیکھ رہا تھا تو احق نے پونگوتل بنی کو وایاٹر در کے "برہم دیہ" گاؤں میں کچھ اڑائیل اراضی کا
عطیہ دینے کے لیے حکم دیا۔ اس شخص نے شہنشاہ نکل کے باجگزار ویرشولا انوکر کی تعریف اپنی
"ویرانکش وجیم" نامی نظم میں کی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بنی اور تلائیکولی ایک ہی مندر میں کام کرتے
تھے۔ ایک آخری مثال یہ ہے کہ ترووِلم کے مندر کے خزانے کے افسروں نے مندر کی زمین میں
سے ..اکلی" اراضی کرتی کے وردیپ پلور کو بخش دی جس نے "ولتی اندادی" نامی نظم مقامی دیوتا
کی تعریف میں[ءء-الف] لکھی تھی۔ بھولی بسری نظموں کی یہ مثالیں جو کتبوں کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتیں
خاصی دور دور تک پھیلی ہوئی عوامی نوعیت کی ادبی سرگرمیوں کی موجودگی کی تصدیق کرتی ہیں۔
اگر ہم ان نظموں اور تصانیف کی فہرست کا اضافہ کریں جن کے کچھ ٹکڑے پرانی کتابوں کی تفسیروں
اور حاشیوں میں محفوظ ہیں، تو ہم پورے اعتماد سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ بہت سا اعلیٰ قسم کا
کام کچھ اس طرح تلف ہوا ہے کہ اب اس کی بازیابی ممکن نہیں ہے۔ یہ بات کسی حد تک ہر ملک
کے قدیم لٹریچر کے بارے میں صحیح ہو سکتی ہے لیکن جہاں تک جنوبی ہند کا تعلق ہے یہ ماننا پڑے گا
کہ یہ بہت بڑا نقصان تھا کہ چند امتیازی مثالوں کو چھوڑ کر جو کچھ لٹریچر بچا ہے وہ زیادہ حد تک
کسی کی ذاتی پسند یا اتفاقیہ حادثے کی وجہ سے ہے نہ کہ اس لیے کہ اس کی ادبی خوبیوں کی وجہ
سے دانستہ انتخاب کر کے اس کو محفوظ کیا گیا ہے۔

پیرن گدئی

بر ہت کتھا یا پیرن گدئی یا ادیانن کدئی کی تاریخ تصنیف پلّو دور حکومت کے اختتام
کے آس پاس متعین کی جا سکتی ہے جس شاعر نے اسے تصنیف کیا وہ کونگو ویلر کے نام سے موصوف

ہے یعنی کونگو کا سردار۔ اس کی سوانح حیات کے متعلق بہت کم معلوم ہے۔ ایک حالیہ تصنیف "کونگو منڈلا شتکم" میں بتایا گیا ہے کہ منگائی کا باشندہ تھا جسے آجکل کا وجے منگم شناخت کیا گیا ہے اور جو ضلع کوئمبٹور کے ایروڈ تعلقے میں واقع ہے۔ "شلپدی کارم" کے معروف تفسیر نگار کا کہنا ہے کہ "ادیائنن کدئی" سنگم کے عہد ثانی کی متعدد کتابوں کے مطالعے پر مبنی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ اس کتاب کی تاریخ تصنیف تیسری صدی عیسوی یا اس سے بھی قبل کی ہو سکتی ہے۔ تاہم یہ بھی کوئی بالکل تقینی بات نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ بارھویں کے دوران اڈیار کونلار کے وقت میں "اوادئنن کدئی" کے متعلق یہی سمجھا جاتا تھا۔ دوسری طرف سوامی ناتھ آئیر کی یہ رائے ہے کہ اس کتاب کا مواد اس کے سنسکرت روپ سے مستعار لیا گیا ہے جو چھٹی صدی عیسوی کے گنگا حکمران درونیتا کا مرتب کردہ بتایا جاتا ہے۔ سوامی ناتھ آئیر وہ عظیم عالم ہیں جن کی وجہ سے مذکورہ کتاب کے بچے کھچے مواد کا ایک عالمانہ ایڈیشن ہمارے ہاتھوں تک پہنچا ہے[9]۔ اوادئنن کی کہانی سب کو بخوبی معلوم ہے اور یہاں اس کو دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بیٹے نرواہن کے کارناموں کے متعلق گناڈھیا کی اصلی تصنیف "بیرن گدئی" کے جو حصے موجود ہیں ان میں کچھ نہیں بتایا گیا ہے۔ یہ مختلف لمبائی کے ایک سو حصوں پر مشتمل ہے۔ اور اس کا سب سے مختصر حصہ پچاس مصرعوں پر اور سب سے طویل دو سو سے کچھ زائد مصرعوں پر مشتمل ہے۔ اس میں "اہوَل" بحر استعمال کی گئی ہے۔ یہ بہت لچکدار بحر ہے اور انگریزی کی غیر مقفیٰ شاعری کی طرح ہے، اور بیانیہ شاعری کے لئے حد درجہ موزوں ہے۔ مصنف کا انداز بیان نہایت پاکیزہ ہے اور اس نظم کو تامل دنیا کے کلاسیکی ادب میں ایک نہایت بلند مقام دیا جا سکتا ہے

شنِدامنی

جین شاعر تروتکا دیو کی تصنیف "شیوکا شندامنی" کو تامل لٹریچر میں بہترین "مہا کاویہ" تصور کیا جاتا ہے۔ چونکہ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اس میں وادیبہ سمہا کی تصنیف "کشتر چوڑامنی" کی تقلید کی گئی ہے اور یہ خود گن بھدر کی ۸۹۷ء کی تصنیف "اتر پران" پر مبنی ہے[10]۔ اس لیے اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ "شندامنی" دسویں صدی عیسوی میں کسی وقت لکھی گئی ہوگی[11]۔ نچی نار کینار کا کہنا ہے کہ اس کا مصنف چولوں کے خاندان میں پیدا ہوا[12] تھا۔ تامل جینیوں کی بعد کے زمانہ کی ایک مقبول روایت اس سلسلے میں مزید بتاتی ہے کہ تامل اور سنسکرت کی تعلیم کا نصاب

مکمل طور پر پڑھ کر وہ بہت چھوٹی عمر میں سنیاسی بن گیا اور مدورائی چلا گیا اور وہاں تامل سنگم کے عظیم شعرا کی رفاقت میں کچھ عرصہ بسر کیا۔ سنگم کے ان شعرا نے جہاں مذہبی اور متبرک لٹریچر کے میدان میں جین مصنفین کے امتیازی کمال کو تسلیم کیا، وہاں وہ ان کی عام صلاحیتوں کے قائل نہیں ہوئے بالخصوص عشق و محبت کے لٹریچر میں انھوں نے تروتکا دیوار کی صلاحیتوں سے انکار کیا۔ تپسوی شاعر نے اس چیلنج کو قبول کر لیا اور اپنے گورو کو مطمئن کرنے کے بعد اگر اسے ایک شہوانی نظم لکھنے کی اجازت دے دی جائے تو وہ اپنا روحانی توازن نہیں کھوئے گا' اس نے جیوکن کی زندگی پر ایک طویل نظم لکھی۔ یہ موضوع اس کے گورو نے تجویز کیا تھا۔ اس نظم سے گورو بہت مسرور ہوا لیکن اس سے سنگم کے ناقدین خاموش نہیں ہوئے۔ وہ لوگ نظم کے محاسن سے تو انکار نہیں کر سکے لیکن اب انھوں نے اس کے مصنف کے چال چلن کے متعلق یہ کہہ کر شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی کہ ایسا شخص جسے جنسی زندگی کا کوئی تجربہ نہ ہو ایسی نظم نہیں کہہ سکتا۔ تب تروتکا دیوار نے نفس کشی کے آدرش کا نیک نیتی سے پابند ہونے کا مظاہرہ ایک آزمائش سے گزر کر کیا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم ایسی کہانیوں کو تاریخ سمجھ کر یاد کر لیں' خاص طور سے اس لیے کہ تروتکا دیوار کی نظم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کا جواب اس مفروضے کی مدد سے نہ دیا جا سکے کہ یہ جینی شاعر تامل زبان میں حد درجہ رومان انگیز اور روح پرور داستانوں کو منتقل کرنا چاہتا تھا جو جینیوں کے پُرانوں میں محفوظ تھیں۔

جیوکا کی سوانح حیات ایک مثالی ہیرو کی سوانح عمری ہے جو جنگ اور امن دونوں کے فنون میں یکساں طاق ہے۔ وہ ایک مکمل درویش بھی ہے اور ایک عشق پیشہ انسان بھی۔ کارناموں سے بھری ہوئی نوجوانی گزارنے کے بعد جب اس کی زندگی اپنے شباب پر تھی، جیوکا نے خود کو ایک پرشوکت ریاست کا شہنشاہ دیکھا۔ کچھ برسوں تک وہ اپنی ان آٹھ حسین و جمیل بیویوں کی رفاقت میں عیش و آرام کی زندگی بسر کرتا رہا جن سے اس نے اپنی زندگی کے دوران مختلف اوقات پر شادیاں کی تھیں۔ "شنداامنی" ایک اور نام "من۔ نول" سے بھی موسوم ہے یعنی "شادیوں کی کتاب" کیونکہ جیوکا کی زندگی کا ہر کارنامہ ایک پرمسرت شادی پر ختم ہوتا تھا۔ اچانک ایک واقعہ جیوکا کی عیش و آرام کی زندگی کو ہلا دیتا ہے۔ یہ واقعہ اگرچہ بہت معمولی تھا لیکن جیوکا کے لیے بہت اہم ثابت ہوتا ہے۔ وہ ایک مختصر سے لمحے میں انسانی زندگی کھوکھلے پن اور اس کے بندھنوں سے چھٹکارا پانے کی دانائی کو بھانپ لیتا ہے اور تخت پر اپنے بیٹے کو بٹھا کر خود جنگل

میں جاکر شانتی کی تلاش کرتا ہے اور بالآخر نجات حاصل کر لیتا ہے۔

اپنی موجودہ شکل میں یہ نظم ۳۱۴۵ بندوں پر مشتمل ہے۔ ہر بند چار مصرعوں کا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ شاعر نے دراصل ۲۷۰۰ بند موزوں کیے تھے۔ باقی ۴۴۵ کا اضافہ بعد میں اس کے گورو نے جس کی اجازت سے کر اس نے نظم لکھی تھی، اور ایک دوسرے شخص نے کیا۔[۱۰۳] حاشیہ نگار نے دو اشعار کے متعلق بتایا ہے کہ یہ گورو کے اشعار ہیں لیکن جس دوسرے لکھنے والے کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اس کے کیے ہوئے اضافوں کو شناخت کرنے کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ تروکّکا دیوار کا فن عظیم شاعری کے جملہ محاسن کا حامل ہے اور جیسا کہ بخوبی معلوم ہے اس نے کمبن کے ایسے ہوشیار آدمی کے لیے بھی ایک قابل تقلید مثال قائم کی ہے۔ ہم بعد میں بتائیں گے کہ یہ بالواسطہ سہی مگر "پیریا پرانم" کی تصنیف کا بھی محرک بنا۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "ولیاپتی" اور "کنڈل کیشی" نامی دو اور مہاکاویہ بھی کم و بیش اسی زمانے میں لکھے گئے جب "شنداما نی" تصنیف ہوئی۔ ان مہاکاویوں کے صرف کچھ ٹکڑے دوسری تصانیف میں ملتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ "نیل کیشی" کے علاوہ "کنڈل کیشی" بودھوں کی ان تمام تصانیف میں سے ہے جو کہ ہمارے علم میں ہیں۔

کلاڈم

"کلاڈم" ایک نظم ہے جو کلاڈنار نے لکھی ہے۔ نظم اور اس کے لکھنے والے دونوں کا نام ایک مقام کے نام پر[۱۰۴] رکھا گیا ہے جو غالباً لکھنے والے کی جائے پیدائش تھی۔ یہ شاعر سنگم عہد کے اپنے اسی ہم نام شاعر سے مختلف ہوگا جس کے کچھ گیت "پورنانورو"[۱۰۵] میں اور دوسرے کچھ "اہنانورو" اور "کرندوگئی" نامی دو تصانیف میں شامل ہیں۔ ایک پرانی روایت یہ ہے کہ "کلاڈم" کے مصنف نے "تروچرمبلک کووئی" میں سے ایک سو اشعار منتخب کر کے انہیں اپنی تصنیف کی بنیاد بنایا اور یہ بات ممکن بھی ہو سکتی ہے۔ یہ کتاب ایک مخصوص طرز میں لکھی گئی ہے اور سنگم عہد کی شاعری کی اصناف اور طرز تحریر کو از سر نو زندہ کرنے کی ایک دانستہ کوشش ہے۔ اس طرح پوری کی پوری نظم اپنی فضیلت مآبی دکھانے کی ایک کوشش بن کر رہ گئی ہے۔ اس کے ایک سو ٹکڑے ہیں جن میں سے ہر ٹکڑے میں محبت کی ایک الگ جذباتی کیفیت کا اظہار کیا گیا ہے۔ محبت کی صرف رسمی اور روح کی کاسی "تو کووئی" کے طرز میں کی گئی ہے، ایک جدید ذہن

کی نظر میں حقیقی لٹریچر کے امکانات کو تباہ کرنے کے لیے کافی دکھائی دیتی ہے۔ ہمارے مصنف نے "ترو کووئی" سے انتخاب کیے ہوئے اشعار کے ساتھ خود کو باندھ کر نیز ایسی زبان اور محاورے لکھنے کی دانستہ کوشش کر کے جو اس کے عہد کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے تھے، اپنے اوپر مزید پابندیاں عائد کر لی ہیں۔ ایسا تاثر دینے والی بھی کوئی شہادت نہیں ہے کہ مصنف اس نظم کو مزاحیہ شاعری کے طور پر پیش کرنا چاہتا تھا۔ یہ اتنی سنجیدہ نظم ہے کہ طنز و مزاح کے زمرے میں آ بھی نہیں سکتی۔ اور کہا جاتا ہے کہ "ترو کووئی" کی فضیلت سنگم عہد کی نظر میں محض کلاڈنار کی اسی کوشش کے طفیل تسلیم کی گئی۔ ذوقِ سلیم کے زوال اور ادبی تنقید کے کسی مناسب معیار تک پہنچنے اور معیار کو برقرار رکھنے میں ناکامی کا بہترین ثبوت اس سے مل جاتا ہے کہ بیساکھیوں کے سہارے چلنے والی اس شاعری کی تعریف زمانہ حال کے علما اور شعرا کی کئی نسلوں نے دل کھول کر کی ہے۔[16]

کلاڈنار شیو کے متعلق ان قدیم روایات سے پوری طرح واقف تھا جن کا مرکز مدورائی تھا۔ وہ ان معجزوں کے اشعار حوالے دیتا ہے جو شیو جی نے مانک واشگر درمی، اڈنی کاڈرا اور دوسروں کی وجہ سے دکھائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شیو گرنتھ کے گیارھویں حصے میں جو "ترو کنپ دیو ترو ممرم" شامل ہے وہ بھی اسی شاعر کی تخلیق ہو۔ "کلاڈم" کے زمانہ تحریر کے متعلق کوئی قطعی شہادت نہیں ملتی۔ یہ پہلے لکھی گئی ہو تو دسویں صدی کی تصنیف ہو سکتی ہے یا اس سے بہت بعد کی۔ لیکن یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ چولا شہنشاہوں کے زمانے ہی کی تصنیف ہے۔

کلنگتو پرنی

ملک الشعرا جینن کونڈار کی تصنیف "کلنگتو پرنی" جسے اس نے کلوتنگا اول کے عہد کے اختتام کے قریب لکھا، ہمارے ہاتھوں تک پہنچنے والی "پرنیوں" میں سے قدیم ترین اور بہترین ہے۔ یہ ایک نہایت ہی نفیس چھوٹا سا شاہکار ہے۔ پوری نظم میں تاریخی واقعات اور فرضی افسانوں کو الگ کرنے والی حد فاصل صاف دکھائی دیتی ہے۔ بہترین زبان اور محاورات کے انتخاب میں شاعر کی مہارت نیز استعمال کی ہوئی بحروں اور بیان کردہ واقعات کے مابین مسلسل مطابقت اور ہم آہنگی تامل لٹریچر کی پوری صف میں لاثانی ہے۔ "پرنی" ایک بہترین رزمیہ نظم ہے اور اس میں نہ صرف جنگ کی سج دھج اور حالات کو بیان کیا گیا ہے بلکہ میدان کارزار کی تمام اذیت ناک تفصیلات بھی بتائی گئی ہیں۔ چلتے چلتے ہم یہ بھی نوٹ کر لیں کہ کلوتنگا کی چھیڑی ہوئی کالنگا کی جنگ بہت سی

ادبی کاوشوں کا موضوع بنی۔ اگر ہم اس موضوع پر لکھے ہوئے ادھر ادھر کے کچھ متفرق اشعار سے اندازہ لگائیں جو ویریشولئم، اور دئیہ لنگارم کی تفسیروں میں کہیں کہیں محفوظ ہیں تو ہم دیکھیں گے کہ ان کاوشوں کا ایک خاصہ بڑا حصہ تلف ہو چکا ہے اور اس کی بازیابی ناممکن ہے۔ "کولنگتو پرنی" کا نسالم کی سالم بچ جانا شاید اس کے اعلیٰ ترین اوصاف کے باعث ممکن ہو سکا کیونکہ ہندوستانی لٹریچر کی تاریخ میں ایسی متعدد مثالیں مل جاتی ہیں کہ اچھی کتاب نے بہت سی پست درجہ کی کتابوں کا ملیامیٹ کر دیا۔ جیئن گونڈار کی نقل کرنے والے بہت تھے لیکن بعد کے زمانے کے شعرا میں اس کا کوئی مدمقابل نہیں اٹھ سکا۔

کوتن.

کوتن یا اوٹاکوتن "شینگندر" طبقے کا آدمی تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس طبقے کے لوگ فوج میں بھی سپاہیوں یا ان کے افسروں کی حیثیت سے کام کرتے تھے، نیز کپڑا بننے کا دھندا کرتے تھے[17]۔ چولا ریاست کے ایک غیر معروف گاؤں ملری میں اس مصنف کا جنم ہوا[18]۔ اس نے پروتی کے سردار شنکرن کے ہاں ملازمت کر لی جو شاڈیمن کا والد تھا۔ شاڈیمن خود نامور اہل قلم کمبن کا مربی اور سرپرست رہا تھا۔ گانگیین نامی ایک شخص نے جلد ہی بھانپ لیا کہ کوتن کو قدرت نے کسی اعلیٰ مقصد کی تکمیل کے لیے پیدا کیا ہے نہ کہ شنکرن کی گھریلو ملازمت کے لیے۔ اور کوتن نے اپنے مربی گانگیا کے تئیں اپنی احسانمندی کے اظہار کے لئے اس پر ایک نظم "نالائراکوئی" کے نام سے لکھی۔ کوتن کا ایک اور سرپرست پوتائی یعنی تربھوونی کا، جو پانڈیچری کے قریب بستی رہنے والا ایک شخص سومن تھا۔ جب کوتن کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تو یکے بعد دیگرے تین چولا راجاؤں نے جن میں اولین وکرم چولا تھا، کوتن کو اپنے دربار میں بلا کر اس کی خاطر و مدارات کی۔ اس نے ان تینوں راجاؤں میں سے ہر ایک پر ایک ایک "الا" لکھی۔ اس کے علاوہ وکرم چولا کی کالنگا کی جنگ کو شہرت بخشنے والی ایک "پرنی" اور کلوتنگا دوم پر ایک پلّئی تمل بھی لکھی۔ موخرالذکر نظم واقعی اپنے شوکت الفاظ سریلے اشعار اور لطیف تخیل کے باعث اس شاعر کی مشہور نظموں میں سے بہترین نظم ہے۔ "اِٹی بیلو پدؤ"، ایلو بیلو پدوا اور "تکیاگ پرانی" لکھنے کے لیے کوتن کو جن حالات سے تحریک ملی ان کی کہانیاں تاریخ سے زیادہ انسانیات سے تعلق رکھتی ہیں۔ جب اس شاعر کی شہرت عروج پر پہنچی تو شینگندر ذات کے لوگوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ کوتن اپنی ذات کی عظمت کا جشن منائے۔

لیکن جب شاعر نے یہ کہہ کر معذرت چاہی کہ وہ اس سے اس بات کی توقع نہ کریں کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو اپنی ذات برادری کی تعریف کے لیے استعمال کرے، تو غضب ناک ہو کر شینگندروں نے یہ تہیہ کر لیا کہ وہ ایسے شخص کو جان سے مار ڈالیں گے جو ذات پات کے شعور سے اس قدر بے گانہ ہے۔ شاعر کے دوستوں نے بے وقوف شینگندروں کے ساتھ ایک عیاری کی جس کے طفیل شاعر جان بچا کر بھاگ نکلا لیکن اس کے بعد اس نے "اِٹّی" (بھالے) کی مدح لکھنا منظور کر لیا جو کہ جنگ میں شینگندر کا سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ لیکن شرط یہ رکھی کہ شینگندر لوگ گھروں میں سب سے پہلے پیدا ہونے والے 1008 جوان بیٹوں کے سر کندھوں سے کاٹ کر دیوی کے لئے لائیں تاکہ وہ اس کام کے لیے اس کو ترغیب دے۔ کچھ دلیل و حجت کے بعد اس شرط کو تسلیم کر لیا گیا اور کوتن نے "اِٹّی ایلوپدو" گایا یعنی برچھے کی توصیف میں ستّر اشعار اور "ایڑا ایلوپدو" گایا یعنی ستّر اشعار جن کا مقصد ان 1008 نوجوانوں کو پھر سے زندہ کرنا تھا جن کی زندگیاں قربان کی جا چکی تھیں۔ دوسری نظم کے تو محض چند ٹکڑے ہی باقی بچے ہیں اور یہ کسی طرح بھی تامل شاعری میں بلند مقام کی مستحق نہیں ہے۔ "اِٹّی ایلوپدو" بھی کمزور شاعری کا ایک نمونہ ہے اور اس میں تلمیحات یعنی ان تاریخی واقعات کی طرف اشاروں کی بھرمار ہے جن میں شینگندر سپاہیوں اور سرداروں نے حصہ لیا تھا' لیکن ان تلمیحات کی وضاحت کا کوئی بھی ذریعہ ابھی تک نہیں ملا اور حاشیہ نگار چونکہ اس سلسلے میں اپنی لاعلمی کا اعتراف کرنے پر آمادہ نہیں ہیں اس لئے نئے نئے قصّے تراشتے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ کوتن اس وقت سے اوٹا کوتن کہلانے لگا جب سے اس نے شینگندر جوانوں کے کٹے ہوئے سروں کو پھر اپنے دھڑوں سے جوڑ دیا۔ اس نام کی ایک اور کم افسانوی اور زیادہ قابل فہم وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ چولا شہنشاہ کی درخواست پر شاعر نے ایک "الا" کی کنّی" کو اپنے ایک اور شعر میں جو اس نے فی البدیہہ کہا تھا' جوڑ دیا۔ "تکیاگ پرنی" جو بظاہر اپنی بحروں اور زبان میں "کلنگتو پرنی" کی نقل معلوم ہوتی ہے پران کی ایک کہانی کو بڑے زور دار انداز میں بیان کرتی ہے اور اسے لٹریچر میں اعلیٰ مقام عطا کیا جانا چاہیے۔ ہر چند کہ یہ اپنے معیاری نمونے سے قدرے پست ہے۔ دوسری منظومات جو کوتن کے ساتھ منسوب کی جاتی ہیں ان میں ایک "سرسوتی یندادی" ہے جو اس کی سب سے پہلی تخلیق بتائی جاتی ہے۔ یہ اس نے علم و فن کی دیوی سرسوتی کی تعریف میں لکھی تھی جس کی نوازش سے وہ شاعر بنا۔ اس کے علاوہ ایک اور نظم "اربنیت تولاترم" ہے۔ کوتتور نامی گاؤں میں جو ضلع تنجور میں دریائے اری شِل کے کنارے اب بھی موجود ہے' اس شاعر کی اور چولا حکمرانوں کی جانب سے اس کے فن کی

قدر دانی اور سرپرستی کی یاد کو تازہ رکھے ہوئے ہے۔ ان حکمرانوں نے یہ گاؤں اسے بطور جاگیر عطا کیا تھا۔ اس گاؤں میں سرسوتی کا ایک مندر اور اس میں بارھویں صدی کے تامل میں کندہ ایک ستون کی کرسی اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ جن کہانیوں میں کوتن کی سرسوتی کے ساتھ خصوصی نسبت بتائی جاتی ہے وہ قطعاً بے بنیاد نہیں ہے[19]۔ اس ستون کی کرسی پر یہ عبارت تامل میں کندہ ہے:

"ٹکری کے کوئی چکرورتی کے پوتے کوی بیرومال عرف اووادکوتر نے یہاں سرسوتی کی ایک مورتی نصب[20] کی تھی جواب موجود نہیں ہے۔"

کمبن

اوٹا کوتن سے ایک زیادہ عظیم شاعر "راماتنم" کا مصنف کمبن تھا۔ یہ نظم تامل لٹریچر میں عظیم ترین رزمیہ داستان ہے اور اگرچہ مصنف کا کہنا ہے کہ اس نے والمیک کی تقلید کی ہے لیکن اس کی تصنیف محض ایک ترجمہ نہیں ہے اور نہ اسے اصل سنسکرت نسخے کی کچھ بدلی ہوئی شکل قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس داستان کے واقعات کے بیان اور اس کے سرکردہ کرداروں کی عکاسی میں کمبن کہیں کہیں اصل متن سے دور نکل گیا ہے اور اس نے موضوع کو ایسی چابکدستی، جدت پسندی اور شاعرانہ تجربہ کی گہرائی کے ساتھ پیش کیا ہے جس کی نظیر تامل لٹریچر میں کہیں نہیں ملتی۔ ان بڑے شعرا کی طرح جنہوں نے رام کی داستان اپنی تصنیفات میں لکھ کر ہندوستان اور مشرقی ممالک کی مختلف زبانوں کے لٹریچر کو مالا مال کیا ہے، کمبن نے بھی اپنے بیان میں اپنے زمان و مکاں کے مطابق رنگ آمیزی کی ہے۔ اس طرح کوشل کی ریاست کے متعلق اس کا بیان دراصل ایک تصوری چولا ریاست کی منظر کشی معلوم ہوتا ہے اور جب وہ چاندنی کی شوکت بیان کرتا ہے تو وہ اسے اپنے قاری کو یہ کہہ کر ذہن نشین کرواتا ہے کہ چاندنی چاردانگ عالم میں اس طرح پھیلی ہوتی تھی جیسے اس کے سرپرست شاڈیَن حاکم وینائی کی شہرت کل دنیا میں[21]۔ رام خود بھی تامل محاورے پر اتنا ہی عبور رکھتے تھے جتنا کہ سنسکرت محاورے پر[22]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کمبن کہیں کہیں تامل فنِ شاعری کے قدرے سخت قواعد سے بری طرح مجبور ہوگیا ہے۔ جیسے کہ اس وقت جب وہ متھلا پوری میں رام کے داخلے کے بعد رام اور سیتا م کی اتفاقیہ ملاقات کے وقت دونوں کے جذبات کا تفصیلی تجزیہ کرتا ہے اور کئی جگہ مثلاً جب ہنومان رام کی انگوٹھی سیتا کے حوالے کرتے ہیں تو وہاں سیتا کے ردعمل کو بیان کرتے ہوئے کمبن سیتا کے جذبات کی عکاسی میں والمیک کے دیئے ہوئے

ایک مختصر اشارے کو زیادہ وسعت دے کر بیان کرتا ہے۔ والمیک نے اس ضمن میں لکھا تھا کہ سیتا اس قدر شاد و مسرور ہوئی جیسے وہ اپنے شوہر سے پھر مل گئی ہو لیکن کمبن دوسرے واقع پر وہ والمیکی کے بیانات کو نہایت مختصر کر دیتا ہے۔

اس شاعر کے نام کے گرد گھومنے والی کثیر التعداد کہانیوں میں چند باتیں بہت نمایاں ہیں۔ اس کا باپ ترووانڈور ناڈو میں واقع موولور گاؤں کا رہنے والا آدتیہ نامی ایک شخص تھا یہ گاؤں ضلع تنجور کے تعلقہ مایاورم میں پڑتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ذات "اوچن" تھا۔[23] اوائل ہی میں وہ پڑوسی کے نزگرتا سردار شڈیاپولی عرف شڈراسن کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ نزگرتا راجہ کا ذکر وکرم شولن الامیں بھی آیا ہے[24] اور موولور اور ترولکوڈی کاول سے ملے ہوئے کچھ بلا تاریخ کے کتبوں میں بھی جن میں اس کا ذکر گنگا نسل کے چھیدی رایا کے نام[25] سے آیا ہے۔ ہم عہد چولا شہنشاہ نے بھی کمبن کی سرپرستی کی اور اسے کمبناڈو کی جاگیر اور "کوی چکرورتی" کے خطاب سے نوازا۔ اسے "رامائن" کے موضوع سے بے حد دلبستگی تھی، اس لیے اس نے رامائن کو نظم کرنے کا بیڑہ اٹھایا، بلکہ "رامااوتار" کو کیونکہ وہ اسے "رام اوتار" ہی کے نام سے پکارتا تھا۔ اس نے کہانی کو صرف رام کے بن باس کے بعد ایودھیا لوٹ آنے اور بطور راجہ ان کے جشن تاج پوشی منعقد ہونے تک لاکر چھوڑ دیا۔ "اتر کانڈم" کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ یا تو اوٹاکوتن کی تصنیف ہے یا اس سے کم معروف ایک شاعر وانی داسم یا وانئن تادن کی۔

ایسی تفصیلات جو کم معتبر ہیں وہ غالباً نجی نوعیت کی تفصیلات ہیں۔ اسے وتی نامی ایک رقاصہ سے عشق ہو گیا جس سے اس کی ملاقات ترووڈریور کے شیو مٹھ میں ہوئی تھی۔ اس مٹھ کا سربراہ چترانن پنڈت تھا۔ "تامل ناولر چرتائی" میں ایسے اشعار محفوظ ہیں جن سے رقاصہ وتی سے کمبن کی شدید محبت اور جذبات مدح و تحسین کا اظہار ہوتا ہے، اور ایک دوسری لڑکی سے جو اس کی محبت کی طلبگار تھی، بے اطمینانی اور بیزاری کا۔ کہانی یوں بتائی جاتی ہے کہ کمبن کے ہم عصر تمام حکمران راجگان اس کا احترام کرتے تھے جن میں پانڈیا اور کاکیتیا رد آرا بھی شامل تھے۔ چولا شہنشاہ یہ دیکھ کر حسد کی آگ میں جل اٹھا اور اپنے اس ضرورت سے زیادہ طاقتور ماتحت سے چھٹکارا پانے کے لیے اس نے اس کے قتل کی سازش کی اور خود اپنے ہاتھوں اس سازش کو عملی جامہ پہنایا۔ ابھی تک ہم کو یہ فیصلہ کرنے کے لیے کوئی معتبر ذریعہ دستیاب نہیں ہوا کہ کیا شاعر کے انجام کی اس طفلانہ روداد کی کوئی بنیاد بھی ہے یا نہیں۔[26]

اُس کا زمانہ

کمبن کے زمانہ حیات کے متعلق کافی متضاد دعوے پیش کیے گئے ہیں۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ اب اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ وہ اوٹاکوتن اور شیکی لر کا ایک کم رتبہ ہم عصر تھا یا اس کا زمانہ ان کے فوراً بعد کا ہے۔ شاڈیّن جس کا ذکر اوپر آیا ہے، کے کتبے اور کمبن کا یہ بیان کہ چولا سلطنت کا مالک 'تیاگ ماونودن' تھا (یہ کلوتنگا سوم کا لقب[27] ہے) دونوں اس معاملے میں خاصے فیصلہ کن ہیں۔ کمبن کی عظیم تصنیف میں 'شیوک شنداِمنی' کی واضح صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ اس تصنیف کی جو تاریخ دی گئی ہے اس کی روشنی میں کمبن کے لیے ہماری تجویز کردہ تاریخ کی توثیق ہوتی ہے[27الف]

'راماینم' کے علاوہ کمبن کو 'ایریلو پدو' اور 'شٹ گوپ نِدادی' کا بھی مصنف بتایا جاتا ہے اور 'تمنک کووَئی' کا بھی درحقیقت دستیاب نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے کمبن کی شاعری پر وائتن تادن نے معاندانہ تبصروں کا طوفان کھڑا کر دیا۔ 'ایریلو پدو' اور اس کے ساتھ 'ترو کئی ونکم' بھی زراعت کی اور کاشتکار طبقے یعنی 'ویلالوں' کی مدح میں لکھی گئی ہیں۔ ایک مجمع میں جب یہ نظم پڑھ کر سنائی جارہی تھی تو شاڈیّن کے بیٹے چیدی رائن کو سانپ نے کاٹ لیا اور وہ مر گیا۔ شاعر نے دو وینبا موقع پر موزوں کر کے اسے پھر سے زندہ کر دیا۔ یہ 'وینبا' شاعر نے خاص اسی مقصد کے لیے نظم کیے تھے۔ 'اندادی' کمبن کو اس لیے لکھنی پڑی کہ وہ اس نظم کے ذریعے شری رنگم کے دیوتا کو خوش کرنا چاہتا تھا جس سے اس نے 'راماینم' لکھنے کی منظوری طلب کی تھی اور جس نے اس کے لیے یہ شرط عاید کر دی تھی کہ کمبن اپنے اشلوکوں میں ایک سو اشعار اس کے محبوب بھگت شٹھ کوپا کی تعریف میں نظم کرے گا۔ ہندوستانی لٹریچر میں رائج ایک عام رجحان یہ ہے کہ معمولی ادبی کاوشوں کو جن کے لکھنے والے کا پتہ نہیں ہوتا کسی مشہور لکھنے والے سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔ اس رجحان کے پیش نظر اور اس لیے بھی کہ مذکورہ دونوں نظمیں معمولی درجے کی ہیں، ہم ان کے اصل مصنف اور اس موقع کے متعلق جس پر لکھی گئیں، عام طور سے رائج قصوں کو آسانی سے تسلیم نہیں کر سکتے۔

پگلیندی

ایک روایت کے مطابق جو برابر چلی آرہی ہے، پگلیندی، اوٹاکوتن کا ایک ہم عصر تھا۔ تونڈئی

ناڈمیں کلندائی اس کا وطن تھا۔ اس نے پانڈیا کے دربار میں اپنی ملازمت شروع کی۔ بعد میں جب چولا شہنشاہ نے پانڈیا خاندان کی ایک شہزادی سے شادی کرلی تو وہ چولا دربار میں منتقل ہوگیا وہاں کوتن کو اس سے حسد پیدا ہوگیا اور ایک دوسرے کے خلاف ان کی ریشہ دوانیوں سے شاہی خاندان میں تنازعات پیدا ہوگئے۔ بالآخر راجہ کی نجی مداخلت سے دونوں میں صلح ہوگئی اور وہ امن وآشتی سے رہنے لگے۔ تاہم اس خوبصورت کہانی پر ہمیں یقین نہیں ہے۔ پھر تونڈئی منڈل شتکم میں لکھا ہے کہ پگلیندی نے ایک کلمبکم تحریر کی۔ یہ جینجی (شینجیرلون) کے سردار کوڑندئی پر لکھی گئی تھی اور مختلف بحروں میں تھی۔ اگر ہم اس کہانی کو باور کرلیں کہ اوتاکوتن اور پگلیندی ہم عصر تھے تو جینجی کا یہ سردار اس شخص کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا جس کا ذکر وکرم شولن الا میں آیا ہے[28]۔ لیکن یہ بات مشکوک ہے اور جدید ناقدین اس کا زمانہ کوتن کے عہد سے سو سال بعد بتاتے ہیں۔ پگلیندی اپنی نظم نل وینبا کی وجہ سے زیادہ مشہور ہے جس میں کوئی چار سو بندوں میں نل کی کہانی بیان کی گئی ہے اور یہ وینبا بحر میں لکھی ہے۔ "وینبا" بحر کا تامل میں وہی مقام ہے جو سنسکرت میں "انوشتھپ" کا۔ یہ بحر ایک سادہ اور لچکدار ذریعہ اظہار ہے جو کسی بڑے شاعر کے ہاتھوں میں عظیم نتائج پیدا کرسکتی ہے۔ پگلیندی کے "وینبے" واقعی بہت اعلیٰ پائے کے ہیں اور چونکہ جس موضوع پر اس نے قلم اٹھایا ہے وہ بہت ہر دلعزیز تھا۔ اس لیے وہ عام طور سے رائج ہوگیے کچھ دوسری تخلیقات بھی جو کسی ادبی وقعت کی مستحق نہیں اکثر پگلیندی سے منسوب کردی گئی ہیں۔ اس کی وجہ کچھ تو یہ ہے کہ نل وینبا کا طرز بیان بہت سادہ ہے جس نے پگلیندی کو ہر دلعزیز بنا دیا۔ لیکن نل وینبا کی بلند پایہ شاعری اور ان پست درجہ کی تک بندیوں کے مابین جو عوام میں رائج جہالت بھری کہانیوں نے اس کے نام منسوب کردی ہیں کوئی بھی بات مشترک نہیں ہے۔ پگلیندی کا زمانہ حیات کسی قابل وثوق شہادت کی مدد سے متعین نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ملوا ناڈو میں واقع مرنائی نگر کے ایک شخص چندرن سورکی کے متعلق اس نے جو حوالے دیئے ہیں ان کا ابھی تک کتبوں کے ساتھ کوئی رابطہ قائم نہیں کیا جاسکا ہے۔ پگلیندی کی نظم میں کمبن کے افکار یہاں تک کہ جملوں کی بازگشت ایسی واضح ہے کہ پگلیندی کا عظیم شاعر کمبن کا پیش رونہ ہونے کا نظریہ عین معقول معلوم ہوتا ہے۔

دوکوواتیاں

"کلونگن کوواتی" اور "تنجا یورن کوواتی" چولا عہد کے آخری حصے سے تعلق رکھنے والی بہترین غیر مذ

تصنیفات میں شمار کی جانے کی مستحق ہیں۔ پہلی تصنیف جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، کمارکلوتنگا پر کہی ہوئی ایک "کووائی" ہے جسے ہم فی الحال کلوتنگا سوم فرض کر لیتے ہیں۔ اس کے مصنف کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے نظم میں کوئی نمایاں خوبی بھی نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ ایک عظیم چولا حکمراں کے گرد گھومتی ہے اور سرسری طور پر اس کے چند جنگی کارناموں کے حوالے فراہم کرتی ہے۔ "کووائی" بھی "الا" کی مانند ایک صلح و آشتی کی نظم ہے۔ اس کا مقصد عاشق اور معشوق کی محبت کے ارتقائی مراحل کی، جب سے ان دونوں کی ایک بار اتفاقاً کہیں ملاقات ہو جاتی ہے، تصویر کشی کرنا ہوتا ہے۔ ہر موقع کی عکاسی کرتے ہوئے، شاعر کہانی کے ہیرو کی پیدائش اور اس کے کارناموں کی تفصیلات بھی بیان کر دیتا ہے۔ "تنجائی وانن کووئی" چولوں کے زمانہ اقتدار کے تقریباً باہر پڑتی ہے۔ مانک واشگر کی "ترک کووئیار" کے بعد یہ اس قسم کی نظموں میں سب سے زیادہ مقبول نظم ہے۔ اس کا مصنف پویا مولی طور یقیناً ونجی کا باشندہ رہا ہوگا جیسا کہ اس کے نام ونجی پویا مولی سے ظاہر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ عرصے تک تروچین گاٹن گڈی، تراتیور اور مدورا میں مقیم رہا اور بالآخر تونڈی منڈلم چلا گیا۔ لیکن ایک اور روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ شاعر اپنے سرپرست شینگن والیئے ارانیشور کی چتا پر زندہ جل مرا۔[29] اس "کووائی" کے ہیرو اور تنجائی کے باشندے وانن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ پانڈیا راجہ کا وزیر اور تنجاکور کا جاگیردار تھا۔ یہ مقام مدورا کے نزدیک مارناڈو میں واقع تھا۔ "کووائی" میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے[30]۔ "اس پانڈیا حکمران کی آنکھ جس نے ملئی ناڈو کو تسخیر کیا"۔ یہ حوالہ یقیناً ماڑوزن کل شیکھرا اول کے متعلق معلوم ہوتا ہے جس کا عہد 1268ء سے 1308ء تک تھا اس خیال کو ایک اور بات سے تقویت ملتی ہے۔ اس "کووائی" میں "بمنی امپوڑل" کے قواعد کو بار بار بیان کیا گیا ہے اور اس کتاب میں کل شیکھرا کو اس عہد کا راجہ بتایا گیا ہے جس میں یہ کتاب لکھی اور شائع کی گئی تھی[31]۔

شیکی لار

شیکی لار کی "پیریا پرانم" اور پیرم برپ پلیتور بنی کی "تروولیّادل پرانم" بلند پایہ ادبی کتابیں جن میں شیووں کے سنتوں کی قدیم روایات درج ہیں اور اس سے پہلے کہ ہم چولا عہد کے خالص بھگتی لٹریچر کا جائزہ لیں ہم دونوں کتابوں پر مختصر بحث کریں گے۔ "تروتونڈر پرانم" یا "پیریا پرانم" کی تخلیق کا مفصل حال جو اماپتی شوآچاریہ نے قریب 1313ء کے لکھا تھا، ہمارے علم میں ہے۔ شیکی لار

نائنار پرانم میں شیکی لار کی سوانح حیات بیان کی گئی ہے۔ یہ تصنیف ایک پران ہونے کے باوجود اپنی تاریخی اور سوانحی دلچسپی کے لئے لاثانی ہے۔ اماپتی نے وہ زمانہ پایا جب عظیم چولا شہنشاہوں اور ان کے کارناموں کی یاد ابھی تازہ تھی۔ لہٰذا اسے بہت سی معتبر معلومات تک رسائی حاصل ہوئی ہوگی اور اسی کے غیر معمولی تاریخی شعور کی دین شیکی لار کی یہ سوانح عمری ہے۔ ایک اور تصنیف بھی اوماپتی ہی کی بتائی جاتی ہے اگرچہ اس میں دی ہوئی بہت پہلے کے زمانہ کی تفصیلات زیادہ قابل اعتماد نہیں ہیں۔ یہ تصنیف "ترو مُرائی کنڈ پرانم" ہے جو نمبی آندر نمبی کی کتاب کے متعلق لکھی گئی ہے، جس کا کچھ حال ہم پہلے دے چکے ہیں۔

شیکی لار کی پیدائش کنڑائیول ناڈو میں واقع ایک مقام کنڑا تور میں ہوئی۔ یہ ناڈو تونڈئی منڈلم میں پلئور کوٹم کا ایک حصہ تھا۔ وہ شیوئی کا ولزاور گنگئی کل تلک کے نام سے بھی موسوم تھا۔ وہ ذات کا ویلال تھا۔ اس نے چولا حکومت کے تحت سرکاری نوکری کی اور اعلیٰ مناصب تک پہنچا اور اتم "شولا پلوتن" کا خطاب حاصل کیا۔ وہ ترو ناگیشورم کے دیوتا کا عقیدتمند تھا اور اس نے اس عقیدت کا اظہار اپنے آبائی شہر کنڑا تور میں ایک شو مندر تعمیر کر کے کیا جو ہو بہو ترو ناگیشورم کے نقشے پر بنایا گیا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ ایک ملحد جین کی گمراہ کن تصنیف "جیوک چنتامنی" چولا شہنشاہ کے دربار میں شوق سے پڑھی جا رہی ہے اور اس کی تعریف ہو رہی ہے تو چونکہ وہ ایک گہرے مذہبی مزاج کا آدمی تھا اس نے اس صورت حال کے خلاف احتجاج کیا۔ اس کی رائے میں ایسی کتاب کے مطالعے پر وقت ضائع کرنا اپنی موجودہ زندگی اور آئندہ زندگی دونوں کے مواقع برباد کرنے کے مترادف تھا۔ اس نے چولا تاجدار کو تلقین کی کہ اس کی بجائے وہ شیو سنتوں کی ان سوانح عمریوں کی طرف توجہ دے جو سندر مورتی نے اپنی کتاب "ترو تونڈ توگئی" میں لکھی ہیں اور جن کی وضاحت نمبی آندار نمبی نے کی ہے۔ تب راجہ نے شیکی لار کو حکم دیا کہ وہ ان سنتوں کی سوانح عمریاں اسے سنائے اور ان کے موضوع کی طرف حد درجہ مائل ہو کر اس نے شیکی لار سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ ان سوانح عمریوں کو پوری تفصیلات کے ساتھ ایک بڑی نظم کی شکل میں تحریر کرے اور اسے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کثیر رقم دی۔ تب شیکی لار نے چدمبرم جا کر تنہائی اختیار کی اور فضل الٰہی سے اپنے ذہن کو یکجا کرے۔ جب ایک آواز نے اسے "الگیلام" کے الفاظ سے کام شروع کرنے کا حکم دیا۔ اس نے مندر کی چار دیواری کے اندر ایک ہزار ستونوں والے منڈپ میں "ترو تونڈر پرانم" کو نظم کرنا شروع کیا۔ گاہے گاہے ایلچی چولا شہنشاہ کے پاس

جاکر کام کی ترقی کی رفتار کی خبر دیتے رہے حتیٰ کہ یہ کل 4253 بندوں میں مکمل ہو گیا۔ تب شہنشاہ خود چدمبرم آیا۔ ایک بار پھر پازیب کی جھنکار کے ساتھ ایک آواز نے شہنشاہ کو حکم دیا کہ وہ شیکی لار کی عظیم تخلیق کو توجہ سے سنے۔ اور اس طرح اس نظم کا اجرا ہوا۔ اور ایک سال تک شیکی لار اسے پڑھ کر سناتا رہا۔ اس تخلیق کو تامل زبان کا حقیقی پانچواں وید کہہ کر ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور اسے شیوؤں کے دھرم گرنتھوں میں فی الفور بارہواں مقام مل گیا۔ مصنف کو تو تدرشیر پرودوار کے خطاب سے نوازا گیا جس کے معنی ہیں "سنتوں کی عظمت سرائی کرنے والا"۔ اور اسے گیان مکٹ (تاج علم) سے مزین کیا گیا۔ چولا دربار میں حاضر ہر شخص نے مع شہنشاہ کے اس کو سلام کیا۔ اگر یہ دیکھنا ہو کہ جنوبی ہند کے شیو دھرم کی تاریخ میں اس عہد آفریں واقعے کا ذکر اپاتی نے کس جوش سے کیا ہے تو اس مصنف کی اصل نظمیں پڑھنی ضروری ہیں۔

"پریاپرانم" نے تاملوں کی شیو آبادی کی زندگیوں اور خیالات کو اپنی تخلیق کے وقت ہی سے متاثر کیا ہے۔ عوامی احترام کے لحاظ سے اس نے خالص لٹریچر کی دوسری بہت سی کتابوں کو جو ناصحانہ اور مذہبی مقاصد سے، جن سے "پرانم" بھری ہوئی ہے، خالی تھیں، پس پشت ڈال دیا اور آج کے دن تک ہزاروں تامل لوگ ایسے ہیں جو شیکی لار کی خوش آہنگ شاعری میں پیش کی ہوئی قدیم کہانیوں کو حرف بحرف تاریخی اعتبار سے بالکل درست سمجھتے ہیں۔ ہمارے لیے اس کتاب کی اہمیت اس مقام کی وجہ سے ہے جو اسے تامل لٹریچر کے شاہکاروں میں حاصل ہے اور اس تصویر کے باعث جس میں تامل شیو مت کے سورماؤں کا زمانہ دکھایا گیا ہے، جس میں اسے تامل سرزمین کے انتہائی مذہب پرست رشیوں میں سے ایک نے دیکھا۔ ہر اعتبار سے یہ ایک ایسی ادبی تخلیق ہے جو ایسے انداز میں جو اس کی شان کے شایاں ہے، چولا شہنشاہوں کے عظیم عہد اور شیو دھرم سے ان کی عقیدت کی یاد تازہ کرتی ہے۔

شیکی لار خود ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اس نے یہ کتاب چولا شہنشاہ انپایا کے، جس نے پیرمبلم کو سونے سے ڈھک دیا تھا، دربار کو خوش کرنے کی غرض سے لکھی تھی[32]۔ اور ہم جانتے ہیں کہ یہ بیان کلوتنگا دوم پر صادق آتا ہے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ شیکی لار نام کلوتنگا اول کے عہد میں ۱۰۹3ء میں محکمۂ مال کے ایک افسر کی حیثیت سے آیا ہے[33]۔ اگر یہ افسر اس بڑے شاعر ہی کے خاندان سے تھا تو ہمیں شاعر کے متعلق یہی سمجھنا چاہیے کہ وہ ایسے خاندان کا فرد تھا جو کئی نسلوں سے حکومت کی ملازمت میں ایک نمایاں مقام حاصل کر چکا تھا۔ اپاتی شیو آچاریہ

بتاتا ہے کہ شیکی لار کا ایک چھوٹا بھائی پالڑا وائر تھا اور اغلب ہے کہ کلوتنگا دوم کے ابتدائی عہد کے ایک کتبے میں اسی کا ذکر شیکی لار پالڑا وائر کلپالرائن ساکن کنٹر تور کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہے کہ شیکی لار ایک خاندانی نام تھا۔ اس حقیقت سے ہماری مجوزہ بالا شناخت کی تائید ہوئی ہے۔ کنٹر تور رچیکلار ترو مر یوشیر ندود نرے (راماپتی) اسی خاندان کے ایک اور فرد شیکی لان امتی یپّن پرانتکا دیون عرف کریکال شولا پلّور ائن" نے 1182ء میں ترو کڈائیور (ضلع تنجور) میں ایک عطیہ دیا تھا۔[35]

نمبی کی ترِوولیَادل

پرم برتّپ پلتور نمبی کی کتاب ترو ولائیاڈل ہمارے ہاں تامل میں ان قدیم قصّے کہانیوں کی سب سے پہلی پیش کش ہے جو مدورا کے اردگرد گھومتی ہیں اور جن میں شِو کی چونسٹھ معجزہ صفت لیلائیں بیان کی گئی ہیں۔ اس کا مصنف ایک برہمن تھا جو شیلی نگر میں پیدا ہوا تھا۔ یہ مقام ضلع تنے ویلی میں کری ولم وند نلوّر کے نزدیک واقع ہے۔ اس نے اپنی اس کتاب کو ہم عصر پانڈیہ حکمران کی درخواست پر لکھا تھا اور اس کی اس ادبی کاوش کے لیے اسے کثیر انعام واکرام ملا تھا۔ اس کا روحانی گورو چدمبرم میں واقع ایک مقام مالگئی مٹم کا رہنے والا ونانک تھا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ چدمبرم (پیرم برتّپ پلتور) اپنے نام سے پہلے غالباً یہ ظاہر کرنے کے لیے جوڑتا تھا کہ اس نے اپنی تعلیم وہاں شروع کی تھی یا عام وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ نٹ رلج سے اپنی ارادت کے اظہار کے لیے یہ نام جوڑتا تھا جو اس مقام کا صدر دیوتا تھا۔ بتایا گیا ہے کہ 1227ء میں ہمارے اس مصنف کے خاندان کے ایک فرد آنند تانڈو نمبی نے یا اس کی بیوی نے مدورا میں ایک گوپورا تعمیر کیا۔ اس سے ہمارے مصنف کے زمانہ حیات کی بھی اندازاً نشان دہی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے اور آنند تانڈو نمبی کے درمیان صحیح صحیح تاریخی رشتہ ابھی متعین نہیں کیا جا سکا۔[36]

مقدس لیلاؤں کی بہت بعد کی ایک تالیف نے جو پرن جوتی نے کی تھی، قبول عام حاصل کر لیا اور نمبی کی پہلے کی تالیف اس وقت تک کے لئے کھو گئی جب تک کہ جدید تامل دانشوروں کے سرخیل سوامی ناتھا آئر نے بہت سی دوسری کلاسیکی [illegible] کی طرح اسے بھی دریافت نہ کر لیا۔ نمبی کی کتاب بہت سی اہم باتوں میں پرن جوتی کی کتاب سے مختلف ہے۔ بالخصوص

ان پانڈیا راجاؤں کے نام کے متعلق جن کے عہد میں کچھ خاص معجزے رونما ہونے کے متعلق یقین کیا جاتا ہے "پرن جیوتی" اور "ہالاسیا ماہاتمیہ" میں جو ایک جعلی فہرست ان راجاؤں کی دی گئی ہے جن کو چونسٹھ پشتوں تک تخت شاہی ورثے میں ملا تھا یعنی باپ کے بعد بیٹے کو اور علیٰ ہذالقیاس وہ نمبی کے ہاں نہیں ملتی۔ نمبی نے دس سے بھی کم راجاؤں کے نام گنوائے ہیں۔ ترتیب جس سے لیلائیں بیان کی گئی ہیں، بھی مختلف ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے معمولی اختلافات ہیں جو "نمبی پرانم" کے فاضل مرتب نے باحتیاط نوٹ کیے ہیں۔ جو مصنفین قدیم خیالی قصوں سے تاریخ اخذ کرنے میں جلد بازی کرتے ہیں ان کے لیے بہتر ہوگا کہ اس تنبیہہ پر توجہ دیں جو ان دونوں تالیفات کے مطالعے سے ملتی ہے۔

مذہبی لٹریچر

اب ہم اس عہد کے خالص مذہبی لٹریچر کی جانب متوجہ ہوں گے۔ تامل شیو گرنتھوں کی موجودہ ترتیب نمبی آندار نمبی کی مرہون منت ہے جسے اگر دسویں صدی کے آخری حصے سے نہیں تو یقیناً گیارہویں صدی کے آغاز سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے اماپتی شیو آچاریہ ایک مختصر سی کتاب "ترومرائی کنڈ پرانم" میں تسلیم کرتا ہے کہ نمبی آندار نمبی نے شیو گرنتھوں کو از سر نو ترتیب دے کر نئے سانچے میں ڈھالا۔

ترومرائی

اماپتی کا کہنا ہے کہ نمبی نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دھرم گرنتھوں کو دس جلدوں میں ترتیب دیا۔ ان میں سے پہلی تین جلدیں ترونانا سمبندر کے 4 ؍ 3 "پدی گوں" پر مشتمل تھیں۔ جلد چہارم تا ششم میں تروناوکرشو کے 307 "پدیگم" شامل تھے۔ ساتویں جلد میں سندرا کے ایک سو "پدیگم" تھے۔ آٹھویں جلد میں مانک واشگر کا "ترووا شکم" شامل کیا گیا اور نو مختلف مصنفوں کے متعدد "ترودشا پا" اور "ترومولر" کا "ترومندرم" آخری دو جلدوں کا حصہ بنے۔ ہمیں پتہ چلا ہے کہ بعد میں شہنشاہ نے نمبی سے درخواست کی کہ وہ باقی ماندہ "پدیگموں" سے ایک اور کتاب مرتب کرے اور انھیں شو کے حضور کہے ہوئے "پاشرم" کو بھی شامل کرلے جو انھوں نے سدھی حاصل کرنے کی غرض سے بتایا تھا چنانچہ نمبی نے دھرم گرنتھوں کی گیارہویں جلد بھی مرتب

کرڈالی۔ یہ جلد جس میں نمبی کی خود اپنی نظمیں بھی شامل ہیں، بارہ مختلف اہل قلم کی تخلیقات پر مشتمل ہے جن میں سے دو شیو دھرم کے تریسٹھ سنتوں میں سے تھے۔[37] "پریاپرانم" اس سلسلے کی بارہویں جلد شمار کی جاتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ ان جلدوں کی ترتیب تاریخ وار نہیں ہے۔ اس کی سب سے نمایاں مثال یہ ہے کہ ترومولر "اصل میں سندر امورتی سے پہلے کی ہے اور اس کا ذکر تروتونڈ توگئی" میں موجود ہے، لیکن "ترومندرم" صرف دسویں جلد ہے جب کہ سندر مورتی کے بھجن ساتویں جلد میں شامل ہیں۔

دھرم گرنتھوں کی نویں جلد کے مصنفین میں گندھر آدتیہ کی شناخت صحیح طور پر کی جا سکتی ہے۔ وہ یقیناً پرانتکا اول کا بیٹا گندھر آدتیہ[38] تھا۔ شنید نار کو ترومالی گیتیور سمجھنے کی کوشش کو صرف راج راجا اول کے عہد کے تروولی ملئی کے ایک کتبے کی شہادت کی بنا پر صحیح نہیں سمجھا[39] جا سکتا۔ جس کتبے کا حوالہ دیا گیا ہے وہ اس شناخت کا قطعی ثبوت فراہم نہیں کرتا۔ اور یہ بھی غیر ممکن سی بات نہیں ہے کہ قدیم روایتوں نے اس حد تک غلطی کی ہو کہ ایک مصنف کے دو مصنفین بنائے ہوں، کیونکہ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ دھرم گرنتھ اپاتی کے زمانے سے قبل ہی اپنی موجودہ صورت میں آچکے تھے۔ کرووور دیور کے تین بھجن چولا مندروں پر لکھی ہوئی اس نویں جلد میں شامل ہیں۔ یہ مندر کلندئی کا آدتیشورا مندر، تنجور کا راج راجیشورا مندر گنگائی کونڈ چولا پورم کا گنگائی کونڈا چولیشورا مندر تھے۔ جیسا اس شاعر کے نام سے ظاہر ہے یہ کرووور کا باشندہ تھا اور اس کے نام کے گرد گھومنے والی کہانیاں "کرووور پرانم"[40] میں ملتی ہیں اس کا زمانہ حیات گیارہویں صدی کے پہلے نصف حصے میں متعین کیا جا سکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ نمبی کاڈنمبی جس نے دو بھجن ایک تروواروریرا اور دوسرا کوئل (چدمبرم) پر گائے ہیں، دراصل آتریہ نمبی کاڈنمبی تھا جس کا ذکر ایک ارچک (پجاری) کی حیثیت سے ترودوائیارو کے 1050ء کے ایک کتبے میں آیا ہے۔[41]

دینیات

مذہبی عقائد کی کتابوں میں "شونانا بودم" تامل شیو دھرم کے عقائد کو ضابطہ بند طریقے سے بیان کرنے کی پہلی کوشش تھی۔ یہ کتاب تیرہویں صدی کے اول نصف حصے سے کنڈار نے لکھی[42]۔ یہ ایک درجن مقولوں (سوتروں) کا، جو معلوم ہوتا ہے کہ سنسکرت کے اصل نسخے سے ترجمہ

کیے گیے ہیں[44]۔ ایک مختصر رسالہ ہے۔ مصنف نے اس میں اپنی "وارتکاؤں" کا بھی اضافہ کیا ہے جن میں ہر ایک سوتر کی دلیل دی گئی ہے اور اس کا مفہوم سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ "شیونانابودم" نام کی یوں وضاحت کی گئی ہے: "شوم" ایک ذات واحد ہے۔ "نانم" اس کی حقیقی فطرت کا علم ہے "بودم" (بودھ) ایسے علم کے حصول کا نام ہے[44]۔ بارہ سوتروں کی ترتیب بالکل سادی ہے۔ پہلے تین سوتروں میں تین حقیقتوں کی موجودگی کا دعوی کیا گیا ہے۔ پرماتما (پتی)، بندھن (پاش) اور روح (پشو) اگلے تین سوتروں میں ان کی تعریف کی گئی ہے اور ان کی فطرت اور باہمی رشتے کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے بعد کے تین سوتر بندھن سے نجات پانے کے وسائل (سادھنوں) سے متعلق ہیں اور آخری حصہ نجات کی نوعیت پر بحث کی نذر کیا گیا ہے۔ تامل شیودھرم میں میکنڈار کی تصنیف کے سرکردہ مقام کو ایک اشلوک میں واضح کر دیا گیا ہے جو یوں ہے: "وید گائے ہے۔ اس کا دودھ سچا آگم ہے۔ چاروں (ویدوں) میں گائی گئی تامل دودھ سے نکالا ہوا گھی ہے اور شہرۂ آفاق شہر وینائی کے رہنے والے میکنڈان کی تصنیف گھی کا عمدہ ذائقہ ہے[45]۔"

"بودم" سے پہلے دو مختصر کتابیں شائع ہوئیں جن میں سے ایک کو متن اور دوسری کو اس کی تفسیر کہا جا سکتا ہے[46]۔ یہ کتابیں "ترووندیار" اور "ترو کلی رپادیار" ہیں جنہیں دو الگ الگ مصنفین نے لکھا ہے، ایک استاد نے اور دوسری اس کے شاگرد نے۔ روایات میں یہی بتایا گیا ہے۔ دونوں مصنفوں کا نام بلکہ لقب "ایاّ۔ وند۔ دیور" مشہور تھا۔ یہ دونوں کتابیں شیو عقائد اور عمل کی اہم باتوں کو سلیس انداز میں پیش کرنے کی غرض سے لکھی گئی تھیں۔

"شیونانابودم" کے بعد عقائد پر اگلی اہم کتاب "شیوناناشتیار" ہے جو ارونندی نے لکھی ہے جس کے متعلق روایات میں مشہور ہے کہ پہلے وہ میکنڈار کے والد کا گورو تھا اور بعد میں وہ خود میکنڈار کا چیلا بنا۔ اگرچہ یہ کتاب نظم میں ہے، یہ سچے عقائد (سکم۔ سوپکش) کا ایک جامع بیان ہے جس کی تمہید میں باہم مخالف مذاہب (پرا۔ پکم) پر ناقدانہ بحث کی گئی ہے۔ اس میں چودہ[14] مذاہب زیر بحث لائے گیے ہیں جن میں بدھ مت کے چار اور جین دھرم کے دو مکاتیب فکر شامل ہیں۔ اس عظیم تصنیف کی جو دراصل تامل شیودھرم پر ایک کلاسیکی مقالہ ہے، بہت سی تفسیریں لکھی گئی ہیں اور آج تک یہ کتاب شیودھرم کے صحیفہ کی حیثیت سے تاملوں میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے کیونکہ میکنڈار کی کتاب بہت زیادہ پر اسرار ہے اور دوسرے دھرموں کے مقابلے میں شیودھرم کے مقام کی وضاحت کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ اسی لکھنے والے کی

ارپا۔ ورپاہدو" کا یہ نام اس لیے ہے کہ اس کی بیّس نظموں میں دو بحریں استعمال ہوئی ہیں۔ جن میں مذہبی عقائد کو گورو اور چیلے کے درمیان مکالمے کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ کتاب ارنندی نے اس مقصد کے لیے لکھی تھی کہ وہ اس کے ہر شعر میں اپنے گورو کی یاد کو محفوظ رکھ سکے۔ چنانچہ کتاب اس مقصد کو پورا کرتی ہے۔

سوال و جواب کی شکل میں لکھی ہوئی ایک اور کتاب جو شیو دھرم پر، جتنے مقالے لکھے گیے ہیں، ان سب میں سلیس ترین ہے" انمائی ولکم" جو ترووڈی (ضلع جنوبی ارکاٹ) کے باشندے منوا شگن گونندار نے لکھی اور جس کا دعویٰ ہے کہ آگموں (ویدوں) کے نچوڑ سے ذرۃ برابر فرق اس کی کتاب میں نہیں ملے گا۔ اماپتی شوآچاریہ جو تیرھویں صدی کے خاتمے اور چودھویں صدی کے ابتدائی سالوں میں موجود تھا[47] مذہبی عقائد پر آٹھ کتابوں کا مصنف تھا جو تامل میں شیو سدھانت شاستر کی تکمیل کرتی ہیں۔

یہ کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ شو پرکاشم : بہت بلند پایہ مقالہ جس کی اہمیت صرف" شونانا شتیار" سے کم تھی۔ اس میں ایک سو اشلوک تھے۔

۲۔ ترو ورٹ پاین: مشہور زمانہ" ترو کرل" کے نمونے پر لکھی گئی تھی اور دس دس کریوں" والے دس حصوں پر مشتمل تھی۔

۳۔ وناوینبا : تیرہ وینبوں پر مشتمل مکالمے کی شکل میں لکھی ہوئی ایک کتاب۔

۴۔ پوٹری پاہروڈی: ایک مختصر صرف سو مصرعوں پر مشتمل ایک کتابچہ۔

۵۔ کوڈی کوی : صرف چار اشلوکوں میں بیان کی ہوئی ایک تخلیق۔

۶۔ نینجو وڈو توتو: جو سندیش کی شکل میں لکھی گئی ہے جس کی نقل تامل اہل قلم پہلے ہی کر رہے تھے۔

۷۔ انمائی نیری ولکم، جس میں حصول نجات کی راہ پر" اوندس کاریوں" پر بحث کی گئی ہے۔[49]

۸۔ سنکرپ نرا کرم: یہ کتاب" شتیار کی پرپکش" کی طرح دوسرے مذاہب پر تنقید کے لیے وقف کی گئی تھی۔ اس میں پہلی کی کتاب کے برعکس خود شیو دھرم اندر باریک اندرونی اختلافات پر مدلل بحث کی گئی ہے۔

تامل میں وشنو دھرم کی کتابوں کی قلت

یہ عجیب بات ہے کہ چولا عہد میں تامل سلطنت کے وشنووں نے بہت کم مذہبی

لٹریچر لکھا۔ پہلے بھی اس امر کی جانب اشارہ کیا جا چکا ہے کہ وشنو اور شیو دھرم گرنتھوں کی ترتیب و تدوین دسویں اور گیارھویں صدیوں کے دوران ساتھ ساتھ ہوئی۔ بہت سی شہادتوں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یکے بعد دیگرے آنے والے عظیم وشنو آچاریوں نے اس عہد میں سنسکرت زبان میں بھگتی کی بے شمار نظمیں اور فلسفے کی کتابیں لکھیں۔ یامنا چاریہ، یادو پرکاش اور خود رامانج ایسے مصنفین کی طویل صف میں سے محض چند برگزیدہ مثالیں ہیں جو بجا طور پر اپنی عقیدت، بھگتی اور ادبی کارگزاریوں کے لیے مشہور ہیں۔ تاہم یہ بڑے اچنبھے کی بات ہے کہ وشنو دھرم جو مذہبی اصلاح اور احیاء کے لیے ایک عوامی تحریک کے طور پر شروع ہوا تھا، چولا عہد میں ایک متکبرانہ رجحان کا شکار ہو گیا اور اس نے عوامی بول چال کے استعمال کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔ دراصل اس مدرسۂ فکر کے مصنفوں نے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک جانا پہچانا اسلوب تحریر اختیار کر لیا جو اپنی ساخت میں تامل سے زیادہ سنسکرت سے ملتا جلتا تھا اور جس کا بہترین نمونہ ہمیں پیریا واچان پلّے اور نمبی لاّئی کے تبصروں میں ملتا ہے۔ اس اسلوب میں لکھی ہوئی کتابوں میں سے ایک قدیم ترین کتاب "آرائیرپڈی" ہے جو نمّا لوار کی تصنیف "ترو وائے مولی" پر ایک مختصر تبصرہ ہے۔ یہ تفسیر کروگئی پران پلّان نے لکھی جو رامانج کا ایک رشتے دار اور شاگرد تھا۔

رامانج نوٹندادی

تاہم ایک نظم ایسی ضرور ہے جو اس لیے قابل ذکر ہے کہ یہ اس زمانے کے وشنو اہل قلم کے اپنائے ہوئے عام اصول سے مستثنیٰ ہے۔ یہ نظم "رامانج نوٹندادی" ہے جو "کلتوّ ڑی" بحر میں رامانج کی تعریف میں کہے ہوئے ایک سو اشلوکوں پر مشتمل ہے۔ یہ اشلوک رامانج کے چیلے ترووَرنگتوامدنار نے کہے تھے۔ نظم جو بھگتی کے سادہ اسلوب میں لکھی گئی ہے، بہت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی گئی ہے اور لوگ اسے پربندھم کا آخری تک کا درجہ دیتے ہیں، کیونکہ یہ اکثر روزانہ کے پاٹھ کے طور پر پڑھی جاتی ہے۔ اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ گورو کی نگاہِ کرم کے بغیر نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ مصنف یقین سے کہتا ہے کہ اسے "تپ" میں کوئی اعتقاد نہیں ہے[49] اور سوائے رامانج کے دھرم کے باقی سب متوں کو غلط قرار دیتا ہے[50]۔ نظم میں رامانج کی گہری اور دائمی بھگتی اور "شوراد کا دل پیرنجلی" نیز "رامائن" سے اس گہری وابستگی پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے[51]۔ یہ بہت ممکن ہے کہ ہمارا یہ مصنف دراصل مونگری کنڈی کا تروورنگت

مدنار ہو جس کا ذکر کلوتنگا دوم کے تیسرے سال حکومت کے ایک کتبے میں کیا گیا ہے جو تروکوئلور سے دستیاب ہوا ہے[43]

گرامر وغیرہ

گرامر، فن خطابت اور فرہنگ نویسی تحریری لٹریچر کے آغاز ہی سے مصنفین کی توجہ کا مرکز رہے ہیں اور چولا عہد میں ان شعبوں میں بڑے بڑے اضافے کئے گئے ہیں۔

امِتاساگر

ایک جین جیتسوی، امتاساگر کی دو کتابیں "یاپرنگلم" اور "یاپرنگل کارگئی" دسویں صدی کے آخر میں کسی وقت تصنیف کی گئی تھیں۔ مصنف کے نام کی صحیح شکل امتاساگر ہے (یعنی بحر بے پایاں۔ الپرنگڈل) نہ کہ "امرت ساگر" جیسا کہ اکثر غلطی سے لکھا جاتا ہے۔ مصنف خود کو گن ساگر نامی گورو کا چیلا بتاتا ہے، "شولامنی" کے حوالے دیتا ہے، اور "ویرشولیم" کا مفسر پیرن دیونر خود مصنف کا حوالہ دیتا ہے۔ "ویرشولیم" کا متن اور اس کی تفسیر دونوں ہی ویراجندر کے زمانے کی ہیں۔ "شولامنی" کا زمانۂ تحریر متنازعہ ہے۔ اسے عموماً نویں صدی کے دوسرے نصف سے منسوب کیا گیا ہے[44] لیکن اس کا کچھ صدی پہلے کی تخلیق ہونا بھی بعید از امکان نہیں۔ امتاساگر کی تصنیف "کارگئی" کو جلد ہی حد درجہ شہرت حاصل ہوگئی اور جس مقام پر یہ کتاب تصنیف کی گئی تھی وہ کارگئی کلتور کہلانے لگا جیسا کہ کلوتنگا اول کے دو کتبوں سے ظاہر ہے جو نڈوویر میں ملے ہیں[45]۔ ان کتبوں میں لکھا ہے کہ کلتور کے ایک شخص کنڈن مادھون کے کسی بزرگ نے امتاساگر کو صلاح دی کہ وہ جینگن گونڈ شولا منڈلم میں واقع سٹروکنراتا ناڈو میں آکر سکونت اختیار کرے۔ اگر امتاساگر کے زمانے میں یہ نام رائج تھا تو "یاپرو" دونوں کتابیں راج راجا اول کے آخری سالوں کے بعد لکھی گئی ہوں گی۔ کیونکہ راج راجا نے جینگن گونڈ شولا کا لقب اپنے عہد حکومت کے آخر میں اختیار کیا تھا۔

"یاپرنگلم" علم عروض پر ایک مقالہ ہے جس کے خلاصہ کے طور پر "کارگئی" لکھی گئی ہے۔ اس کا حلقہ وسعت میں لاثانی ہے اور تامل شاعری میں رائج مختلف النوع بحروں پر اس میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہ اس تفسیر کے باعث اور بھی قیمتی ہوگئی ہے جو اس پر لکھی گئی ہے

کیونکہ اس تفسیر میں متعدد ایسے ادبی نمونے بھی محفوظ کر دیئے گئے ہیں جو بصورت دیگر ہماری نظروں سے اوجھل رہتے۔ یہی رائے اس شرح پر بھی صادق آتی ہے جو گن ساگر نے "کارگئی" پر لکھی ہے۔ گن ساگر کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہ امتا ساگر کا شاگرد تھا اور اس شاگرد نے اپنا نام اپنے گورو کے نام پر رکھ لیا تھا۔

بدھ مترا

اس کے بعد بدھ مترا کی تصنیف "ویر شولئم" اور اس پر اس کے شاگرد پیرن دیونار کی شرح ہماری توجہ کی طالب ہوتی ہیں۔ چولا شہنشاہ ویر راجندر کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ ایک عظیم تامل عالم تھا۔[56] یہ حقیقت اور اس کتاب کا نام اس بات میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتے کہ یہ کتاب ویر راجندر کے دور حکومت کی تصنیف ہے۔ اس کتاب کی شرح میں راجندر اول کی "تِرومنی ولا" والی تمہید کا حوالہ دیا گیا ہے۔[57] اور کوپم[58] اور کوڈل سنگم[59] کی جنگوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے "پائرم" یعنی دیباچے میں بدھ مترا کو "پونیٹری کا راجہ" بتایا گیا ہے۔ پونیٹری غالباً تنجور میں واقع پون پتی ہوگا۔[60] اور بدھ مترا کے خطاب کا بھی یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ اسے پون پتی کے مالیہ سے چولا شہنشاہ کی جانب سے جاگیر عطا ہوئی تھی ۔ "ویر شولئم" کو "کلتورائی" بحر میں نظم کیا گیا ہے اور اس کی بندش تامل اور سنسکرت کی گرامر اور خطابت دونوں کے امتزاج کی حامل ہے۔ اس میں معمول کے مطابق پانچ حصے ہیں۔ سندھی (ایلتو)، شول۔ پورل۔ یاپو۔ اور النکار رانی)۔ ہم پہلے اور آخری حصے کے ناموں سے یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مصنف سنسکرت عنوانات کو ترجیح دیتا ہے۔ مختلف حصوں کے ناموں اور ترتیب سے سنسکرت قواعد کے حق میں مصنف کی جانب داری کا اور زیادہ اظہار ہوتا ہے۔ تامل زبان کے نحوی نظریے کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے طالب علم کے لیے یہ کتاب دلچسپی سے خالی نہیں۔

ڈنڈیا لنگارم

"ڈنڈیا لنگارم" وہ واحد کتاب ہے جو کلی طور پر "النکارون" یا "انی" پر بحث کرنے کے لیے وقف کی گئی ہے۔ کتاب کے اس نام کا جواز یہ ہے کہ اس کو ڈنڈی کی تصنیف "کاویہ آدرش"[61]

کے نمونے کی عین تقلید کرتے ہوئے لکھا گیا ہے بلکہ دراصل یہ اسی کتاب کا تامل میں کم وبیش ترجمہ ہے۔ مصنف کا نام اور اس کی زندگی اور زمانہ حیات کی تفصیلات دفعتاً غائب ہوگئی ہیں۔ ایک انجانے زمانہ کا ایک شعر ہماری نظر میں ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ مصنف امبکاپتی کا بیٹا تھا اور خود دنڈی کہلاتا تھا۔ اس نے سنسکرت اور تامل کی تعلیم میں امتیاز حاصل کیا اور سنسکرت کے ماہرین لسانیات کے وضع کردہ خطوط پر تامل میں النکاروں کی تشریح کی۔ عظیم شاعر کمبن کے متعلق بھی مشہور ہے کہ اس کا بھی امبکاپتی نامی ایک بیٹا تھا۔ یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ ہمارا زیر بحث مصنف کمبن کا پوتا تھا۔ دنڈیالنگارم کے متعلق دیئے ہوئے سب سے پرانے حوالوں میں ایک حوالہ اڈیارکنلار کا ہے۔ جو اس نے شلپدی کارم کی اپنی مشہور شرح میں دیا ہے۔ اس کتاب کو مختلف ناموں سے بھی پکارا جاتا تھا، مثلاً "انی یئل" "انی یلکنم" اور انیادی گارم کا دیاورش کی طرح یہ "سوتروں" کے طرز پر نظم کی گئی ہے۔ اس میں شاعری اور کاویہ کی نوعیت اور کلمے کے اقسام کو دو شعبوں یعنی "ارتھ النکار" (پورلنی) اور شبد النکار (شولنی) میں تقسیم کرکے ان پر بحث کی گئی ہے۔ اٹھارھویں صدی کی ایک تصنیف "پریوگ وویکم" کے مصنف کا کہنا ہے کہ دنڈیالنگارم کے مصنف نے سوتروں کی شرح بھی خود لکھی تھی اور خود ہی ان کی وضاحت مثالوں سے کی۔ یہ ممکن دکھائی دیتا ہے اور پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ کچھ وضاحتی بند اپنایا چولا کی تعریف میں ہیں۔[62]

نیمی نادم

گن ویر پنڈت کی تصنیف "نیمی نادم" ایک مختصر صحیفہ ہے جو وینبا بحر میں نظم کیے ہوئے ایک سو سے کم اشعار پر مشتمل ہے اور جس میں تامل زبان کے علم ہجہ اور ترکیب نحوی پر بحث کی گئی ہے۔ کتاب کا نام تمائیلاپوری میں واقع جنوبی مائیلاپور کے تیر تھنکر نیمی ناتھا کے نام پر پڑا ہے۔ مصنف ایک اجینی تھا اور کلندئی کے وچنانندی یا وجرنندی کا شاگرد تھا۔ کلندئی غالباً وہی جگہ ہے جسے پگلنیدی بھی کہتے ہیں۔ عروض پر لکھی ہوئی گن ویر کی ایک اور کتاب کا نام وینباپاٹیئل ہے۔ مصنف کے گورو کے نام پر "وچنانندی مالائی" کے نام سے بھی موسوم ہے یعنی "وچنانندی کی مالا"۔ "وچنانندی مالائی" کے چیئی لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف کی ادبی کاوشیں تربھون دیو کے عہد حکومت میں معرض وجود میں آئیں جو بلاشبہ وہی حکمران تھا جس کا ذکر کتبوں میں تربھون دیو دیوا

کے نام سے آیا ہے یعنی کلوتنگا سوم۔ اگر یہ رائے صحیح ہے تو وہ نیمی ناتھ جو حال ہی میں شائع ہونے والی ایک تالیف تامل ناولر چرتائی میں مندرج ایک قدیم روایت کے مطابق اوٹاکوتن کا ہم عصر بتایا گیا ہے، ہمارا زیر بحث مصنف نہیں ہو سکتا۔

نتول

پوتندی کی تصنیف نتول دبعنی اچھی کتاب) کلوتنگا سوم کے زمانے میں تحریر ہوئی۔ پوتندی بھی ایک جین تھا۔ اپنی سلاست اور عبارت کی شستگی کے باعث یہ تامل گرامر کے مبتدی طلبا کے لیے اتنا اچھا کتابچہ ثابت ہوئی کہ اس نے اس زمرے کی دوسری کتابوں کو پس پشت ڈال دیا۔ اس مصنف کو شہنشاہ کلوتنگا سوم کے ایک جاگیردار امرابھرن شیاگنگن کی سرپرستی حاصل تھی۔ "نتول" میں صرف ایلتو اور شول کا جائزہ لیا گیا ہے اور یہ واضح نہیں ہے کہ مصنف نے اسی بحث پر اکتفا کی یا اس کی تصنیف کا باقیماندہ حصہ کہیں تلف ہو گیا۔

نمی کی اہپورل

نارکویراج نمی کی "نمبیا اہپورل" آخری کتاب ہے جس کا یہاں جائزہ لینا باقی ہے۔ تامل لٹریچر کا مواد دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، "ایک پرم" اور دوسرا "اہم"۔ ان کے لغوی معنی بیرونی اور اندرونی ہیں جو فلسفے کی دو اقسام، خارجی اور داخلی کے ساتھ تقریباً مطابقت رکھتے ہیں۔ "اہپورل" میں بالعموم شہوانی مواقع پیش آنے کے جوابی عمل کے متعلق مفصل بحث کی گئی ہے، گو یہ کتاب اس موضوع پر حرف آخر نہیں ہے۔ یہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ یہ کتاب مارورمن کل شیکھر اول کے عہد کی تصنیف ہے۔ اور "تنجائی وانن کووئی" میں اس کی باضابطہ وضاحت کی گئی ہے

فرہنگ نویسی

"پنگلندی" اور "چوڑامنی" دو لغات ہیں جو غالباً چولا عہد حکومت میں لکھی گئی تھیں۔ "چوڑامنی" یا "نگنڈو چوڑامنی" جیسا کہ شاید مصنف منڈل پرش نے خود اس کا نام رکھا ہے، میں یہ وضاحت کرتے ہوئے کہ یہ لفظ کن مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے، اتنا ساگر کی تصنیف "کارگئی" کا خاص طور پر ذکر ہے۔ لہذا "چوڑامنی" یقیناً "یاپرنگل کارگئی" کے بعد ہی تصنیف ہوئی ہوگی۔ لیکن یہ طے کرنا

آسان نہیں ہے کہ موخر الذکر سے کتنا عرصہ بعد اس کی تصنیف ہوئی[64]۔ ان دونوں لغات سے تامل زبان میں فرہنگ نویسی کی بتدریج ترقی کا پتہ چلتا ہے۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ اگر "پنگلندئی" کے مصنف کو جیسا کہ اس کے پائرم (دیباچے) سے ظاہر ہوتا ہے، تامل کی سب سے اولین "نگنڈو" کے مصنف شیندن دِواکرم کا بیٹا مان لیا جائے اور ان لوگوں کو حق بجانب سمجھا جائے جو دِواکرم کو بہت قدیم زمانے سے منسوب کرتے ہیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ "پنگلندئی" وجیالیہ نسل کے چولا راجاؤں کی حکومت کے آغاز سے بہت پہلے کی چولا تصنیف ہوگی[65]۔

شرحیں

چولا حکومت کی صدیوں کے دوران کچھ عظیم مفسر بھی پیدا ہوئے ہونگے لیکن ان کے زمانۂ حیات کے متعلق صحیح اور قطعی طور سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ دوسری جانب یہ تعین کرنے کے لیے کہ ان مصنفین میں سے کون کس وقت ہوا کوئی باضابطہ کوشش بھی نہیں کی گئی۔ ان قدیم ترین مفسرین میں بلاشبہ الم پورنر بھی تھا جس کا ذکر سنیاسی ہونے کے باعث اکثر "اڈگل" کے نام سے کیا جاتا ہے وہ دواکرم کے حوالے دیتا ہے اور "تولکاپیم" پر لکھی ہوئی اس کی شرح ایک بہت مشکل متن کی نہایت سلیس، شستہ اور ناقدانہ تشریح کا نمونہ ہے۔ شیناورائیار، پیراشریار اور نچی نارکنیار نے اس کی تقلید کی اور وہ اکثر اس کی آرا کا حوالہ دیتے ہیں خواہ ہمیشہ اس کا نام نہ لیں۔ شیناورائیار کے بارے میں فی الحال ہم اس کے نام اور اتنی بات کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے کہ اس نے "تولکاپیم" کے "شولادگارم" نامی حصے کی شرح لکھی تھی۔ اس کا نام تک مشکوک ہے کیونکہ بتایا جاتا ہے کہ شیناورائیار ایک ذات کا نام ہے۔ یہ بات "ننول" کی شرح میں مفسر میلی لئی ناتھار نے لکھی ہے۔ پیراشریار کی جو شرح ہم تک پہونچی ہے وہ پورل ادگارم کے کچھ حصوں کی ہے۔ یہ کتاب کبھی اس کی تصنیف سمجھی جاتی تھی لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ایک شخص دیہ وچی لائیار نے لکھی ہے۔ پیراشریار نے تروچرمبلکو وائیار پر بھی تفسیر لکھی ہے[65الف]۔ "یاپرنگلم" کے مفسر نے بہت احترام سے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس بنا پر اسے "کلویال" کا پراسرار مصنف ارائینار قرار دینا[66] صحیح نہیں ہوگا۔ اڈیار کنلار جو شلپدی کارم پر لکھی ہوئی تفسیر میں جئین گونڈار اور کوتن جیسے اس زمانے کے بڑے بڑے شعرا کے حوالے کثرت سے دیتا ہے اور پریمیلا لگر جس پر نچی نارکنیار نے اعتراضات کئے ہیں[67]، یہ دونوں بھی چولا عہد سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ پریمیلا لگر نے ترو کرل اور پری پاڈل پر

بہت اعلیٰ تفسیریں لکھی ہیں۔

سنسکرت لٹریچر

اگر تامل زبان کی سلسلہ وار ادبی تاریخ بہت سے ناقابلِ حل مسائل سے پر ہے تو سنسکرت لٹریچر کی صورت حال اس سے بھی بدتر ہے۔ اس بات کی شہادتیں ہمیں ہر طرف سے اور کافی تعداد میں ملی ہیں کہ سنسکرت کی تعلیم اور اس کے مختلف شعبوں میں ادبی سرگرمیوں کی کافی ہمت افزائی ہوئی اور ہمارے زیرِ مطالعہ عہد میں ان کو ایک اونچی سطح پر حاصل رہی۔ اور مقامات پر اس امر کی جانب توجہ دلائی جا چکی ہے کہ ان کالجوں کے لیے جہاں ویدوں اور فلسفے کے مختلف شعبوں کی تعلیم دی جاتی تھی، وقف قائم کیے گئے تھے۔ "پربھاکرمیمانسا" اور "روپاوتارا" دونوں کتابوں کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کی طرف بھی ہم توجہ دلا چکے ہیں جس کی تصدیق اس دور کے کتبوں سے بھی ہوتی ہے پھر بھی اس عہد کے سنسکرت لٹریچر کا کوئی مفصل تذکرہ مرتب نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کے لیے وہ ابتدائی تحقیق ہونی ابھی باقی ہے جس کے بغیر دو یا تین صدیوں پر پھیلے ہوئے اس دور کی ادبی سرگرمیوں کا عام جائزہ لینا آسان نہیں ہے۔ لیکن ایک یا دو اہم حقائق کی طرف ہم توجہ مبذول کروائیں گے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے پاس یہ ثابت کرنے کے لیے شہادتیں موجود ہیں کہ چولا تاجدار سنسکرت کی ترقی اور اشاعت میں ذاتی دلچسپی لیتے تھے۔ سنسکرت کی ایک فرہنگ "نانارتھارنوسمکشیپ" کے تمہیدی اشلوکوں سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کلوتنگا اول نے چولا ریاست میں شیو برہمنوں کی ایک بستی بسائی جو سنسکرت کے علم میں ماہر تھے۔ اس گاؤں میں وتس گوتر کا کیشوسوامی (سوامن) نامی ایک برہمن جو ہشتیئی گرامر جاننے والوں کے ایک خاندان سے تعلق رکھتا تھا، راج راجا دوم کی ملازمت میں تھا۔ شہنشاہ نے اسے کم سن طلبا کے استعمال کے لیے ایک سنسکرت لغت لکھنے پر تعینات کیا۔ اس لغت میں الفاظ کی ترتیب حروف ابجد کے حساب سے دی گئی ہے۔ اور ان کے مختلف معنی ان کے آگے لکھے گئے ہیں۔ یہ سب کام خود شہنشاہ کی ہدایت کے مطابق سرانجام دیا گیا تھا۔ سنسکرت کی تعلیم کی شاہی سرپرستی کی اس سے زیادہ اہم مثال اس سے بہت پہلے کی ہے۔ وہ یہ ہے:

وینکٹا مادھو کی رگ وید بھاشیہ

وینکٹاریہ اور سندری کا بیٹا مادھو دریائے کاویری کے کنارے پر آباد ایک گاؤں میں

رہتا تھا۔ اس نے رگ وید پر ایک طویل "بھاشیہ" لکھا۔ وہ کہتا ہے کہ جن دنوں اس نے اپنی عظیم کتاب تصنیف کی وہ دنیا کے مشہور ترین سورما کی ریاست میں بڑے آرام اور چین کے ساتھ رہتا تھا: "جگتم ایک ویریہ وشیہ نواسن سکھم"[68]۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شاہی سرپرستی میں خوشحالی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اگرچہ وہ اپنے سرپرست شہنشاہ کا نام نہیں لیتا پھر بھی ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ اشارہ شہنشاہ پرانتکا اول کی طرف ہے جس کے متعلق ویرا جیندر کے کنیا کماری کے کتبے میں بتایا گیا ہے کہ اس نے ناقابل تسخیر کرشن راجہ کو زیر کر کے "ویرچوڑا" کا لقب اختیار کیا تھا[69]۔ بعد کے زمانے میں وجیہ نگر کے راجاؤں کی زیر سرپرستی جو عظیم "وید بھاشیہ" لکھا گیا اس میں وجیالہ نسل کے چولا حکمرانوں کے پہلے عظیم شہنشاہ کے عہد میں جو نمونہ قائم کیا گیا تھا اسی کی تقلید کی گئی۔

سوتروں کے لٹریچر کا ایک نامور مفسر ہردتا نویں یا دسویں صدی عیسوی میں ہوا ہے بھارت سوامی جو تسالہ راجہ رام ناتھ کے عہد میں سام وید کی شرح لکھنے کے لیے مشہور ہے۔ شڈ گورو شِشیہ کا زمانہ حیات بھی لگ بھگ وہی ہوگا۔ شڈ گورو شِشیہ کا مطلب ہے چھ استادوں کا شاگرد۔ اس کا اصل نام اب کسی کو نہیں معلوم۔ اس شخص نے "آتریہ برہمن" اور "ارنیک" گرنتھ کی، کاتیاینا کی کتاب "سروانو کرمنی" کی، اور "اشولاین شروتا سوتر" کی، ان سب کی تفسیر لکھی ہے۔

یہ خیال کیا جاتا ہے کہ پرانوں میں سے بھاگوت پران "جو بھگتی" اور "ادویت ویدانت" کا امتزاج پیش کرتا ہے، جنوبی ہند میں دسویں صدی عیسوی کے ابتدائی سالوں لکھا گیا تھا۔ وشنو چت نے تیرھویں صدی کے ابتدا میں "وشنو پران" کی تفسیر لکھی۔ اڈالی کی "ودیک تلک" نامی تفسیر جو اس نے رامائن پر لکھی بارھویں صدی عیسوی سے منسوب کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اس مفسر کا حوالہ "اڈو" (تیرھویں صدی) میں دیا گیا ہے۔

آلوار کل شیکھر (نویں صدی عیسوی) نے ایک بھگتی گیت "مکند مالا" تصنیف کیا جس کی ہر دلعزیزی آج تک برقرار ہے۔ اس کے تھوڑی ہی مدت بعد شنکر کے نامور چیلے شکتی بھدر کا زمانہ آیا۔ اس کتاب "آشچریہ چوڑامنی" رام کی داستان شجاعت میں سے ایک چھوٹے سے واقعے کا بیان ہے جسے جنوبی ہند میں لکھا جانے والا پہلا مکمل ڈرامہ (ناٹک) تصور کیا جاتا ہے — اسی مصنف کی ایک اور کتاب "انمادو اسوادتا" اب دستیاب نہیں ہے۔ کیرالا کے کل شیکھر ثانی

ے (جس کا زمانہ حیات 935ء تا 955ء تھا) مہابھارت کے کچھ واقعات کو ڈرامے کی شکل میں ترتیب دے کر اسے اسٹیج پر پیش کرنے کے قابل بنادیا۔ اور انہی ان تصنیفات کا نام "پنچ سم ورت" اور "سبھدرا دھننجیہ" رکھا۔ اس مصنف راجہ نے "نلودے" کے مصنف واسودیو کی بھی سرپرستی کی۔ "نلودے" کو غلطی سے کالی داس کی تصنیف بتایا گیا ہے۔ نیز اس نے ملو انگل سوامی عرف "لیلا شکا" کی بھی سرپرستی کی جس کی تصنیف "کرشن کرنامرت" بھگتی کی ایک بے نظیر نظم ہے جو تین "آشواسوں" میں لکھی گئی ہے۔

تیرھویں صدی میں ضلع چنگل پٹ کے ایک پڑھے لکھے گھرانے کے چشم و چراغ شاردا تنیہ نے فن خطابت پر "بھاو پرکاشا" نامی ایک کتاب لکھی اور موسیقی پر بھی ایک مقالہ "شاردیہ" کے نام سے لکھا۔ وینکٹ ناتھا یا ویدانت دیشکا کی پیدائش اگرچہ 1268ء میں ہوئی لیکن اس کی تصانیف زیادہ تر ہمارے زیر مطالعہ عہد سے بعد پڑتی ہیں جیسے کہ کمارل اور شنکر کی کتابیں اس عہد کے آغاز سے پہلے کی مانی جاتی ہیں۔

فلسفے میں بارھویں صدی کا مصنف وردراجا ہماری توجہ کا مستحق ہے وہ "تارکک رکشا" کا مصنف تھا اور ادانا کی تصنیف "کسمانجلی" پر اس نے ایک تفسیر (بودھنی) قلم بند کی۔ یہ غالباً وہی شخص تھا جس نے علم قانون پر ایک مقالہ "ویو ہار نرنئے" کے عنوان سے لکھا تھا۔ اس مصنف نے "نیائے دویک دیپکا" نامی ایک اور کتاب بھی لکھی تھی جو پربھاکر کے مکتبۂ خیال کی "میمانسا" کی شرح تھی۔ شنکر اور کمارل کے چیلوں اور پھر ان کے شاگردوں نے "ادویت ویدانت" اور "میمانسا" کے نصائح (کی تصنیف) کو جاری رکھا۔ لیکن اس عام تاریخ میں ان کے کام کا کوئی مفصل جائزہ نہیں لیا جاسکتا۔ "وششٹ ادویت" سے متعلق لٹریچر پر بھی یہی بات صادق آتی ہے۔

سنسکرت میں شیو فلسفے کی نمائندگی ہردتا چاریہ (سال وفات 1119ء) نے کی ہے جو "شرتی سوکتی مالا" کا مصنف تھا۔ یہ کتاب "چترویدتات پریاسنگرہ" کے نام سے بھی موسوم ہوئی ہے۔ "ہری ہرتارتمیہ" بھی اسی مصنف نے لکھی ہے۔ یہ ایک فرقہ وارانہ مناظرہ ہے۔ اس کے بعد فلسفے کے موضوع پر لکھنے والا شری کنٹھ تھا جس کی کتاب "برہم سوتر بھاشیہ" شیو دھرم کے نقطۂ نظر سے بادرائن کے سوتروں کی تشریح کرتی ہے جو بالکل شیو سدھانت کے مطابق تو نہیں ہے لیکن اسے "شیو دویت" کہا جاسکتا ہے۔ اگھور شیو آچاریہ (تقریباً 1158ء) اور اماپتی شیو آچاریہ نے بھی جسے ہم پہلے ہی تامل مصنفین کے زمرے میں زیر بحث لاچکے ہیں، شیو فلسفے

پر سنسکرت میں قابل قدر کتابیں لکھی ہیں۔ ان کے علاوہ سوریہ نارکوئل کے جنان شو آچاریہ نے "رَوَروآگم" کے ایک حصے "شوجنان بودھ" کی تفسیر لکھی ہے۔ اس کی تفسیر اس لئے بھی توجہ کی مستحق ہے کہ اس میں بعض ایسی کتابوں سے حوالے دیئے گئے ہیں جو اب تلف ہو چکی ہیں۔ اس نے شیو پری بھاشا اور کچھ دوسری کتابیں بھی لکھی ہیں۔

فرہنگ نویسی میں یادو پرکاش، جو راما نج کی ابتدائی زندگی کا گورو تھا، کی تصنیف "وجینتی" اور گرامر میں ہردتا (نویں صدی عیسوی کا مصنف) کا کام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ ہردتا کی تفسیر "پدمنجری" جو اس نے وامن اور جیہ دتیہ کی کتاب "کاشکا" پر لکھی ہے، ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ تیرھویں صدی میں کرشن لیلا شکانے دیو کی تصنیف "دیوا" کی ایک شرح لکھی جس کا نام "پرشن آکار" تھا۔ یہ خاص طور سے موزوں 200 اشعار کا ایک مقالہ ہے جو قافیہ اور ردیف کی قید میں رہ کر نظم کیا گیا ہے۔ اس تفسیر میں اس کے ایک "وارتک" ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے اور اسے گرامر کی کتابوں میں ایک بلند مقام حاصل ہے۔

حاشیے

(1) S II . ii . صفحہ 306 ـ 1931 کا 120 ـ ARE . 1931'II'12

(2) 1919 کا 198

(3) 1902 کے 128 ' 129

(4) "پاردن دنائی ارندملپاڈیچ ۔ چونیری کنڈ" 1905 کا 482

(5) 1914 کا 335 ' PD ۔ 129 ۔ نان کوئی پاڈی پاڑناکوکو" ایکو" پرشل تندتن کا نیا ناگڈی کاڈو۔

(6) 1904 کا 548 ٹراونکور کے کتبات (دیسکا ونا ئیکم) میں مذکور کنجو کوٹم (فوجی دستوں ۔ پٹالم) کا مکمل سے موازنہ کیجئے۔

(6.الف) 1921 کا 233

(7) JRAS ـ 1906 صفحات 689 تا 692

(8) دی سوامی ناتھ آئر کی تصنیف "پیرن گدی" صفحہ XXViii کا لاکوٹ کی "گنا دھیا اور برہت کتھا" (کا ترجمہ 1923) صفحہ 148 سے مقابلہ کیجیے۔

(9) حوالۂ سابقہ صفحہ Viii ۔ حاشیہ۔

(10) ٹی ایس کپو سوامی شاستری کی مؤلفہ "کشیتر چوڑامنی" مطبوعہ 1903 ، تمہید کا صفحہ 3 ۔

(11) "شیوک بشنڈامنی" صفحہ II ۔ حاشیہ ۔ V صفحہ 98 و صفحات مابعد

(12) V ۔ 3143 ۔

(13) V ۔ 3143 ۔ پرکھی نارکنیار، اور صفحہ 914 پر سوامی ناتھ آئر کا حاشیہ۔

(14) "کلاڈنک ۔ کلند ندرلی تروواشگم (کیرتی I ' II)

(15) ان میں سے ایک (385) ارووندائی کی تعریف میں ہے جو ضلع تنجور میں واقع امبر کا سردار تھا۔ یہ سردار شیندن دواکرم کے مصنف کا سرپرست ہوگا۔ آر راگھو آئینگر (V ۔ صفحہ 114 ' و صفحات مابعد) نے یہ دلیل دی ہے کہ "دواکرم" آج سے 1800

برسوں سے بھی کچھ زیادہ پہلے لکھی گئی تھی۔ دوسری جانب ایس۔ وائیاپوری پلے (" نام دیپ نگھنٹو صفحہ ۱۷) کی رائے ہے کہ " دواکرم" میں مذکور ارو وندالی، اس ارو وندالی کی اولاد میں سے ہوگا۔ جس کا ذکر "پورنانورو" میں آیا ہے اور یہ کہ " دواکرم" کی تصنیف آٹھویں صدی کے پہلے نصف حصے میں ہوئی تھی۔

(16) کہاوت یہ ہے۔ " کلاڈم کرونی ڈتو شولاڈادے"۔ شاید بات کسی اور معنی میں صحیح ہو۔ یہ خیال میں رکھنا چاہیے کہ کسی بھی بڑے تبصرہ نگار نے اس تصنیف کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

(16۔ الف) کنڈر پدی درو ماڈر پرٹیون ۔ ایٹے نیار لیا کنمر شنڈیون۔ 95

(17) "دواکرم" کا متن یوں ہے: شینگندپ، پڈایئر شینائت تلنی ورنتو وائز کارگر کا نیکولر"۔ گواسکے لیے کوئی اچھی سند نہیں ہے۔

(18) مختلف تذکروں میں کوتن کا مقام پیدائش مختلف بتایا گیا ہے۔ کچھ کتابوں میں ملری کی بجائے منوالی کو اس کا مقام پیدائش بتایا گیا ہے جب کہ بعض دیگر تصانیف نے شیال کو کوتن کا مقام پیدائش ہونے کا شرف بخشا ہے۔ لیکن ملری کی تصدیق کتبوں سے بھی ہوتی ہے۔ 1928 کا کتبہ نمبر 109 دیکھیے۔

(19) 1928 کا نمبر 109 ۔ ARE ۔ 1928 ۔ I ۔ 3، ۔ 1932، II، 47

(20) کوتن سے متعلق معلومات کے لیے دیکھیے پنڈت وی سوامی ناتھ آئر کی لکھی ہوئی "تکیاگ پرنی" کی تمہید۔ آر۔ راگھوآئینگر کی تصنیف شین تامل۔ III۔ صفحہ 164 و صفحات مابعد نیز ناگ لنگا منی ور کی تصنیف شینگندر پر بند ترلٹو (مطبوعہ 1926ء)

(21) میتلالی کا پچی۔ V ۔ 74

(22) نگرنینگو۔ پڈلم، V۔ 140

(23) کالی اور اسی طرح کے دیگر دیوتاؤں کے مندر کا "ارچک" (پجاری)

(24) گزشتہ صفحہ 347 دیکھیے۔

(25) 1925، کے کتبات 29 تا 34 ۔ 1931 کے 57، 58 :ARE ۔ 1925، II، 43 ۔ سبھی "ویلالوں" کو روایتی طور پر گنگالی کل کا بتایا گیا ہے

(26) آر راگھوآئینگر نے "شین تامل" کی جلد سوم میں کمبن کی حیات اور اس

کام پر بڑی قابلیت سے بحث کی ہے۔

(27) "مرتوملاپ پڈلم" 58۔ کمبن کی تاریخ کے متعلق دو روایتی اشلوک ہیں۔ ایک میں تو واضح طور پر شاکا سمت 807 درج ہے اور دوسرے میں شاکا سمت 1100۔ اول الذکر تو ایک مبہم قصے کے مطابق ہے کہ "رامائنم" کی اشاعت ناتھ منی کی سربراہی میں شری رنگم کے مندر میں کی گئی تھی (شین تامل۔ XXV۔ صفحات 309۔ 9) لیکن اس واقعے کا ذکر "دویہ سوری چرت" یا "گورو پر مپرا" (دونوں کتابوں میں) کہیں نہیں ملتا۔ آر۔ راگھو آئینگر نے یہ کہا ہے کہ جو تاریخ عام طور پر سمت 807 سمجھی جاتی ہے وہ دراصل 107 ہے اور اس میں ہزار کا ہندسہ سہواً چھوٹ گیا ہے، یعنی دراصل یہ سمت 1107 ہے۔ (شین تامل۔ iii۔ صفحہ 179) اور اس طرح دونوں منظومات میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایس وآئیاپوری نے بھی اسی نظریے کو تسلیم کیا ہے۔ (دیکھیے تملیچ چوڈرمنی گل صفحہ 130۔ وائیاپوری کا کہنا ہے کہ مذکورہ نظم 1185ء میں کلوتنگا سوم کے زمانے میں شائع ہوئی تھی۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ "تیایا سمدر تیاگا" اور "تیاگ ولودا" بالترتیب وکرم چولا، کلوتنگا دوم اور کلوتنگا سوم کے بھی القاب تھے (ایضاً صفحہ 126 اور اگلے صفحات)

(27۔ الف) EC .V۔ حسن 77۔ 1377ء میں کمبن کے ایک مہ ونی خاندان کا حوالہ دیا گیا ہے۔

(28) گزشتہ صفحہ 347۔ اور شین تامل۔ ii۔ صفحہ 393 و صفحات مابعد دیکھیے۔

(29) کہانی یوں بیان کی جاتی ہے کہ شاعر کو ایک بار اپنے سرپرست کے بستر پر [illegible] آئی اور شینکی کی ڈالی کو اس کا پتہ نہ تھا اور وہ بھی کچھ دیر کے لیے اسی بستر پر سو گئی کچھ دیر بعد شینکی خود [illegible] پہنچا تو اس نے دیکھا کہ کیا واقعہ ہوا ہے۔ اس طرح شاعر کو سخت شرمندگی اٹھانی پڑی، حالانکہ اس کے سرپرست کو اس سے [illegible] کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔

(30) اشلوک 18

(31) [illegible] میں یہ واقعہ دیا گیا ہے وہ اپنے متن کا [illegible] اور متن کے [illegible] کا نمونہ ہوا ہے۔ شین تامل۔ V۔ صفحہ 544۔

(32) بیبا [illegible] کونتر و مبو مان، جیبا دن [illegible]۔ یہ [illegible]۔ جیبا، تویا [illegible] [illegible] یا تیرہ انیا حن ارشوانی۔ پائرم۔ 8

(33) 1894 کا 180

(34) 1912 کا 445

(35) 1906 کا 39

(36) مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے اس کتاب کے دی. سوامی ناتھ آئر کے تالیف کردہ ایڈیشن کی تمہید۔ لیکن یہ لحاظ رہے کہ 1908 کے کتبہ 133 (1304ء) میں یا ہمارے مصنف کا ذکر ہے یا اس کے کسی ہم نام کا۔

(37) ان میں تنجور کے مندر پر اور اس مندر کے ہم شکل گنگائی کونڈ چولا پورم کے مندر پر لکھے گئے بھجن شامل ہیں۔ ان سے ہمیں نمبی آندار نمبی کی تاریخ کی نشان دہی مل جاتی ہے بشرطیکہ ہم یقین کریں کہ بھجنوں کی یہ نویں کتاب ویسی ہی ہے جیسی نمبی نے اسے چھوڑا تھا۔

(38) گزشتہ صفحہ 152 دیکھیے۔

(39) 1908 کا 449 : شین تامل. iii صفحات 358 تا 362

(40) باب 39، VV، 62 تا 80 : شین تامل. iv صفحات 141 تا 145

(41) 1494 کا 221

(42) شین تامل. iii. صفحات 189-90

(43) رمنا شاستری کا کہنا ہے کہ اس کا اصل متن "رورو آگم" کا ایک جزو ہے (ترومندرم تمہید، صفحہ 7) اکثر اس رائے کا اظہار کیا گیا ہے کہ تامل کتاب اصل تصنیف ہے اور سنسکرت کتاب اس کا ترجمہ ہے۔ دیکھیے۔ ٹی آئی تمبیاہ کی تصنیف صفحہ xix. اس رائے کی تائید میں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں ان سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ سنسکرت کی تصنیف تمام دوسرے "آگموں" کی طرح الوشتھپ بحر میں لکھی گئی ہے اور یہ تامل سوتروں کے ہم آہنگ ہے اور اس میں کوئی بھی خصوصیت تامل کے "وارتکوں" کی سی نہیں ہے۔ "پوشکرا بھاشیہ" کے مصنف اماپتی شو اور شیواگر یوگی دونوں کی یہی رائے تھی کہ اصل تصنیف سنسکرت ہی کی ہے۔ اس کا موازنہ وی پی۔ کانتی متی ناتھ پلے کی تصنیف "تامل چور (شو) نانا بودھ - چرتو" (مطبوعہ 1926) صفحات 54، 69 سے کیجیے۔ بتایا جاتا ہے کہ ودیار نیا نے سنسکرت تصنیف کی ایک شرح توحید

کے عقیدے پر مبنی تھی۔ ایضاً صفحات 30، 47 شیو نے گرو کی حیثیت سے مانک واشگر کو بتایا کہ انہوں نے "شیو۔ نانا۔ بودم" کو اپنے ہاتھوں میں تھاما تھا۔ دراصل یہ میکنڈار کی تصنیف کو پہلے کی ثابت کرنے کی اتنی جرأت مندانہ کوشش نہیں ہے جتنی کرپوپ نے سمجھ لی ہے۔ ترووانگم ۱۱ء جبکہ یہ اسی نام کی سنسکرت تصنیف کی قدامت میں اپنے یقین کا اظہار ہے۔

(44) "شیوم او ترو : اونانت۔ ترودل نانم تیرندرنانت۔ تیلدل بودم"۔ کڈول۔ ما۔ منی ور : V ۔ 36 '۔ ترو پیرندو راچ۔ چُرکم۔ ترو واد وور۔ اڈیگل پُرانم۔

(45) دیدم پشو' اَدَن پال میہ آگم نال وَر' اوڈم تمل ادنن الوَرُم نییہ پوڈمیگو' نے ین اُرشو ویام نیل ونیالُ میہ کنڈان، شیبہ داتمل لونن ترم۔

(46) انوَرتا ونالکم پلے کی تصنیف "شیوسیتانت ورلارو" (مطبوعہ مدراس 1908)۔

(47) اس کی کتاب "سنکر پیراکرنم" کا پاٹرم 26 جس میں شاکا سمت 1235 کی تاریخ دی گئی ہے۔

(48) یہ ہیں : تورویم، تتودرشنم اور تتوشدھی، آتم رُوپم' آتم درشنم اور آتم شدھی' شیودرشنم، شیولوگم اور شوبھوگم۔ حال ہی میں اس کتاب کو تصنیف کرنے کا شرف شیالی کے تونا تر سے منسوب کیا گیا ہے۔ اور شیترمبلا ناڈگل کی تصنیف "تنگرو لودم" کو اس کے مسوّدات کے تازہ مطالعہ کی بنا پر چودہ شاستروں میں شامل کر دیا گیا ہے۔ دیکھیے "شیو سدھانت شاترم" مطبوعہ 1934، صفحات 980-82' اور 1124۔

(49) V ۔ 14

(50) V ۔ 99

(51) V ۔ 15

(52) V ۔ 37

(53) 1921 کا 315 ۔ اس کے خلاف دیکھیے ARE . 1922 . II . 23 جس میں مذکورہ کتبے کو کلوتنگا سوم سے منسوب کیا گیا ہے۔

(54) " شین تامل ۔ V ۔ صفحات 99 تا 102

(55) 1921 کے 534، 535 نمبر کے کتبے ۔ کے وی ایس آئر نے جس نے ان کتبوں کو تالیف کیا ہے (XVIII ۔ EI ۔ نمبر 8) کئی جگہ غلطی کی ہے اور ان غلطیوں کی تصیح ایم۔ راگھوا آینگر نے JIH میں کی ہے۔ میں یہاں مزید یہ عرض کردوں کہ میں امت ساگر کے گروگن ساگر کی اس شناخت کو درست تسلیم نہیں کرسکتا جس میں اسے کلو تنگلائی کے کتبات میں مذکور گن ساگر مانا گیا ہے، اور اس کا ثبوت اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے کہ ان دونوں اشخاص کا نام ایک سا ہے۔ حالانکہ یہ نام جین تپسوّیوں میں بہت عام ہے۔

(56) میوٹیاوین کڈایچ۔ چیمبٹن ویرراجندرن۔ رن نادلن شینڈمٹ۔ چولن مولی (شندی کا بند نمبر 7)

(57) یپّو ۔ 19

(58) یپّو ۔ 34

(59) "النگارم" ۔ 39

(60) ARE ۔ 1899 ۔ پیراگراف 50

(61) " دنڈیالنگارم" کے مروجّہ ایڈیشنوں میں آڈیار کنلاّر کے وہ سبھی اقوال نہیں مل سکے جو اس کتاب میں شامل ہیں۔

(62) " دنڈیالنگارم" کے 1920ء کے مطبوعہ، اور اروُمگم شیروائی کے تالیف کردہ ایڈیشن کی تمہید دیکھئے۔

(63) " منوّل مالائناورُوری" صفحہ xvii

(64) اگر اس کتاب کے نویں حصے کے بند نمبر 10 میں مذکورہ کرشن رائے وجے نگر ہی کے حکراں کا نام تھا تو یہ تصنیف اس دور میں شمار نہیں کی جاسکتی جس کا ہم اس باب میں مطالعہ کر رہے ہیں کیونکہ یہ اس دور سے باہر کی کتاب ہے۔

(65) مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے ایس وائیاپوری پلّے کی تامل فرہنگ کی تمہید صفحہ xxvi

(65۔ الف) کچھ عالموں کا خیال ہے کہ اس نام کے دو مصنّف ہوئے ہیں۔

(66) یاپڑنگلم مؤلفہ بھونندم پلے۔ صفات iv ۔ v

(67) "پری پاڈل" کی تمہید۔ صفحہ xxi

(67۔الف) نانارتھارلوَ سمکشیپ TRI V ۔ سنسکرت سیریز، نمبر 23، 29 اور 31:

vv، 1 تا 20، شروع کا حصّہ۔

(68) پانچویں کل ہند اورینٹل کانفرنس کی کارروائی۔ صفحہ 263، اور اگلے صفحات۔

(69) گزشتہ صفحہ 126 دیکھیے۔

ستائیسواں باب :

چولا آرٹ

چولوں سے قبل کا زمانہ

تامل دیش میں آرٹ کی تاریخ عملی مقاصد کے لیے ساتویں صدی عیسوی میں سمہا وشنو نسل کے پلوو راجاؤں کے عروج کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔ منڈگپٹو (تعلقہ ولا پورم۔ ضلع جنوبی ارکاٹ) میں اپنے عہدِ حکومت کا پہلا چٹان میں سے تراشا ہوا مندر تعمیر کروانے کے بعد مہندر ورمن نے اپنے اس کارنامے کو طفلانہ شادمانی کے ساتھ ایک کتبے میں درج کروایا، جس میں دعویٰ کیا گیا کہ اُس نے برہما، ایشورا اور وشنو کا ایک مندر، اینٹ، لکڑی، دھات اور گارے کے استعمال کے بغیر تعمیر کروایا۔

۱۔ یہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ اس کے عہدِ حکومت سے قبل مندر لکڑی سے بنائے جاتے تھے اور اس میں دھات، کیلوں یا آہنی پتی سے بھی مدد لی جاتی تھی اور یہ اینٹوں اور گارے سے بنائی ہوئی کرسی پر اٹھائے جاتے تھے۔ یا یہ محض اینٹ اور پتھر سے تعمیر کیے جاتے تھے جن میں لکڑی اور دھات بھی استعمال کی جاتی تھی۔ ان قدیم یادگاروں میں سے کوئی بھی باقی نہیں بچی ہے۔ لیکن یقیناً ان کے نقشے اور خاکے پلوو دور کی تعمیرات، ان کے ستونوں، ستونوں کے بالائی حصوں اور ان کے آرائشی نقش و نگار کی بنیاد بنے ہوں گے۔ ہمارے پاس محلوں، مندروں، شہروں کے بڑے بڑے ایوانوں، اور بازاروں کے متعلق حوالے، نیز کچھ مفصل لیکن ظاہراً مبالغہ آمیز تذکرے موجود ہیں جن کی تصدیق کے وسائل اب دستیاب نہیں ہیں۔ پلووں کے زیرِ حکومت، جو نویں صدی تک حکمراں رہے، فنِ تعمیر اور سنگ تراشی میں بہت پیش رفت ہوئی۔ مملا پورم کا ساحل سمندر کا مندر، اور کانچی پورم کے کیلاش ناتھ

اور وینکنٹھ پیرومال کے مندر پلو آرٹ کے عروج کے آئینہ دار ہیں۔ ان کے بعد چھوٹی چھوٹی عمارات دیکھنے میں آتی ہیں جو پلو عہدِ حکومت کے اختتام کے قریب اس سلطنت کے گھٹتے ہوئے وسائل کی غمازی کرتی ہیں۔ جنوبی ہند میں کانسی کے کسی بھی ایسے بت کی نشان دہی نہیں ہوئی ہے جس کو پلو عہدِ حکومت کا قرار دیا جا سکے۔ لیکن دھاتوں کی ڈھلائی کے فن میں چولا عہد کے اوائل ہی میں جو ترقی اور کامیابی ہوئی تھی، اس کو دیکھ کر ہم بجا طور پر یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ دھاتوں کی ڈھلائی کے ہنر کی شروعات بھی یقیناً پلوؤں ہی کے زمانے سے منسوب کی جانی چاہیئے۔

چولا آرٹ

چولوں نے جو پلوؤں اور پانڈیوں کے جانشین تھے، ان کے عہد کی آرٹ کی روایات کو برقرار رکھا اور آگے بڑھایا۔ ان دونوں خاندانوں کے زیرِ اقتدار بھی فنون ـــــ فنِ تعمیر، سنگتراشی اور مصوّری کے نمونے بیشتر عوامی استعمال کی تعمیرات خاص طور سے مندروں میں ملیں گے۔ محل؛ مکانات اور دوسری طرح کی غیر فوجی تعمیرات مسمار ہو چکی ہیں، گو ایک محتاط مطالعہ سے شہروں کے نقشے اہم شہروں کی بڑی بڑی سڑکوں اور گلیوں کے نام، جیسے کہ اُترا میرو ر میں ۲ اب بھی معلوم ہو جاتے ہیں۔ آخری پلو راجاؤں کے عہد میں قدرتی چٹانوں کو کاٹ کر مندر اور شہ نشین بنانے کا رواج ختم ہو چکا تھا اور پتھر کی چُنائی سے مندروں کی تعمیر کا کم و بیش عام طریقہ ہو گیا تھا۔ چولوں کا ایک خاص کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے اس کو پوری تامل سلطنت میں رائج کر دیا۔ چولوں کے ابتدائی زمانے کے مندر بہت سادہ تھے اور ان میں اور آخری پلو تاجداروں کے دورِ زوال کے تعمیر شدہ مندروں میں تمیز کرنا مشکل ہے۔ مندر کی جسامت سلطنت کی وسعت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی حتیٰ کہ تنجور اور گنگائی کونڈ چولاپورم کے دیو قامت مندر تاملوں کی سب سے بڑی سلطنت کی طاقت اور شوکت کا ساری دنیا میں اعلان کرنے لگے۔ دڈّا اور مندروں نے جو دارا شرم اور تر بھوونم (نزد کمبا کونم) میں تعمیر ہوئے چولا عہد کی عظیم تاریخی یادگاروں کی داستان مکمل کر دی۔ سنگتراشی، مصوّری اور کانسے کی ڈھلائی کے فنون میں بھی نسبتاً خاصی ترقی ہوئی۔

جی جوویو۔ ڈبریل نے جو جنوبی ہند کے فنِ تعمیر کے سائنسی مطالعے کا بانی تھا یوں اظہارِ رائے کیا ہے؛ "پلو سنگتراشی میں سبقت لے گئے تھے۔ چولا فنِ عمارت سازی میں ماہر تھے۔ ان کا طرزِ تعمیر اپنی سادگی اور شوکت و عظمت کے باعث ممتاز ہے۔" تاہم آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ چولا سنگتراش بھی

بھی چولا معماروں سے کسی طرح کم نہیں تھے اور نہ پلّو سنگ تراشوں سے ان کا درجہ کسی طرح نیچا تھا۔ ان کے کمالات کا جواب نہیں ملتا۔ بڑی مقدار میں دھات پگھلا کر ان سے چیزیں تیار کرنے میں ان کو خاص تکنیکی مہارت حاصل تھی۔

مندروں کی اصل و ابتدا

جنوبی ہند کا مندر متعدد طریقوں میں سے کسی ایک سے شروع ہوا۔ کچھ مندر ایسی جگہوں پر تعمیر ہوئے جہاں آریوں سے قبل کے زمانے سے درختوں کو دیوتا کا گھر مانا جاتا تھا اور ان کی پوجا کی جاتی تھی۔ ان جگہوں کے گرد کثیر التعداد دراوڑ و آریائی مافوق الفطرت خیالی داستانیں جمع ہو جانے کے بعد بھی یہ درخت "ستھل ورکش" قرار دیے گئے۔ اس طرح کی مثالوں میں کانچی پورم کا آم (ایکامر) کا درخت، شری رنگم کے جزیرے میں جمبوکیشورم کا "جمبو" کا درخت، اور چدمبرم کا "تلئی" کا جنگل شامل ہیں۔ دوسرے مندر ان مقامات پر تعمیر ہوئے جہاں عام اعتقادات کے مطابق "پرانوں" کے کچھ واقعات اور کہانیاں وقوع پذیر ہوئی تھیں۔ ان دونوں طرح کی عبادت گاہوں کا ذکر "دیوارم" کے بھجنوں میں اور "دِویہ پربندم" میں نمایاں طور پر کیا گیا ہے۔ "نائینماروں" اور "آلواروں" کے گیتوں اور بھجنوں کے ذریعے جب ان مندروں کی شہرت پھیلی تو ان کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی اور قدرتی طور پر فیاض مندر تعمیر کرنے والے افراد کی توجہ ان کی جانب مائل ہوئی۔ اُن کے بعد سمادھیوں کا نمبر آتا ہے جو "پلی پڈئی" کہلاتی تھیں اور سنتوں، سورماؤں اور راجاؤں کے پھول (استھیوں۔ ہڈیوں) پر تعمیر کی جاتی تھیں۔ ایسے مندر جتنا ہمارا خیال ہے اس سے کہیں زیادہ تعداد میں تھے۔ گو ان میں سے کچھ ہی بڑی جسامت کے تھے یا جن کو شہرت نصیب ہوئی۔ ایسے چند مندروں کا ہم سیاسی تاریخ کے ابواب میں حوالہ دے چکے ہیں۔ آخری قسم کے مندر وہ تھے جو طاقتور شہنشاہوں کے حکم پر ان کے منتخب کردہ مقامات پر تعمیر کئے گئے۔ تنجور کے برہدیشورا مندر، اور گنگائی کونڈ چولا پورم کا مندر جو راج راجا اوّل اور اس کے بیٹے راجندر اوّل نے تعمیر کیا۔ ایسے مندروں کی نمایاں ترین مثالیں ہیں۔ غالباً کانچی اور ایلورا کے دونوں کیلاش ناتھ مندر اسی زمرے میں شامل کیے جانے کے مستحق ہیں۔

پتھر کے مندر

چولوں کا دورِ حکومت اندازاً چار صدیوں تک (۸۵۰ تا [illegible]ء

عیسوی رہا ایک طویل مدت میں نہ صرف پورے تامل خطے میں جگہ جگہ مختلف جسامت کے پتھر کے مندر "کرڈالی" تعمیر ہوئے یعنی ایسے مندر جو بنیاد سے کلس تک (آپانادی ستوپی پرینتم) پتھر کے بنے ہوئے ہوتے تھے اور جن کا ذکر بطورِ امتیاز کے ہونے لگا تھا، بلکہ چولا فنِ تعمیر کے اصولوں اور قواعد پر تامل خطے سے باہر بھی عمل کیا جانے لگا تھا مثلاً لنکا، میسور، وراکشارا، اور آندھرا جیسے دیگر مقامات پر بھی۔ یہاں ان تمام عمارتوں کا جائزہ لینا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنی توجہ خاص تامل خطے اور ان چند خصوصی نمائندہ عمارتوں تک جو فنِ تعمیر کے ارتقا کے الگ الگ مراحل کی خصوصیات کی حامل ہیں، محدود رکھنا پڑے گا۔

مندروں کی تاریخ تعمیر

ایسے مندروں کی تعداد زیادہ نہیں ہے جن کی صحیح تاریخِ تعمیر ہمیں معلوم ہو۔ البتہ اگر انکے نقشوں کو بغور دیکھا جائے تو ان سے تعمیر کے ارتقا کے ہر مرحلے کی نمائندہ خصوصیات کا پتہ چلتا ہے مثال کے طور پر ضلع تنجاوری میں کوڈرکالی کا شیو مندر (تختی 3۔ شکل 5) ایک بہت قدیم چولا مندر کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اس کی دیواروں پر کلوتنگا اوّل کے زمانے سے پہلے کی کوئی عبارت کندہ نہیں ہے۔ تاہم اگر یہ دیکھا جائے کہ بعد کے کتبات صرف "مہامنڈپ" ہی میں ملتے ہیں اور "گربھ گرہ" اور "اردھ منڈپ" کی بیرونی اور اندرونی وسعت تقریباً اتنی ہی ہے جتنی کہ قدیم چولا وقتوں کے پڈوکوٹہ کے مندروں کی گگر کے نیچے "ہنس" کی شکل کی زیبائشی پٹی بنی ہوئی ہے اور مندر گربھ کی بیرونی دیواروں میں طاقچے نہیں ہیں تو اس بات میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ اصل مندر یقیناً راج راجا کے عہد سے پہلے کا بنا ہوا ہے اور "مہامنڈپ" اس میں بعد کا اضافہ ہے دوسری طرف بعض اوقات ابتدائی چولا عہد کے اور کہیں کہیں تو چولوں سے قبل کے طرزِ تعمیر کے کچھ آثار ان مندروں میں دکھائی دیتے ہیں جن کے متعلق سب کو معلوم ہے کہ وہ چولا دورِ حکومت کے آخر میں تعمیر ہوئے جیسے مایاورم ضلع تنجور کا منوکرناتھ مندر اور ضلع جنوبی ارکاٹ کے برہم دیشم میں واقع برہمیشور کا مندر۔ پرانے مندروں میں بعد کے زمانوں میں جو اضافے کئے گئے ان سے اور بھی ایک دِقت پیدا ہوتی ہے۔ یہ اضافے بیشتر "ستون دار منڈپ" اور غلام گردش کی شکل میں ہیں جن کے باعث قدیم آرٹ کی خاص خوبیاں چھپ جاتی ہیں۔ بعد کی ایجاد شدہ عمارتیں، چہار دیواریاں اور ان پر بنے ہوئے "گوپورے" مندر کی ایک طرح کی الجھی ہوئی شکل پیش کرتے ہیں

جس کے ارتقا کے مختلف مدارج کا پتہ چلانا آسان کام نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ضلع ترچناپلی میں آیا
کونڈان ترو ملئی کا مندر پہلے ایک پہاڑی پر واقع کھلا ہوا قدیم چولا مندر تھا۔ راجندر اوّل کے تحت
اس کے ارد گرد منڈپ بنا دیئے گئے جو اصل مندر سے کچھ فاصلے پر تعمیر کئے گئے تاکہ اصل مندر کے
خدوخال دھندلے نہ پڑ جائیں۔ لیکن بعد میں جو اضافے ہوئے وہ اس شعور کے زیر اثر نہیں کئے گئے
اور ان کی وجہ سے اس مندر کی اصل خوبصورتی اور محل وقوع کا اندازہ کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

ابتدائی چولا دور کے مندر

اینٹ کی بجائے پتھر کے استعمال میں چولوں کے تحت مسلسل اور بتدریج اضافہ ہوتا گیا جس کا ذکر
کتبوں میں آیا ہے۔ اس کی سب سے پہلی مثال غالباً ضلع چنگل پٹ کے ترزکلک کرم کے مندر کی
ہے۔ اس مندر کے تمام قدیم کتبے ایک محراب نما پتھر کی عمارت میں یکجا ہیں جس کی چھت مسطح ہے
اب یہ قیمتی اشیاء کے محفوظ رکھنے کے کمرے کا کام دیتی ہے۔ اس کی طرز تعمیر کی خصوصیات یا تو پلو
کے دور آخر کی یا چولا عہد کے اوائل کی سی ہیں۔ راج کیسری کے ستائیسویں سال کے ایک کتبے میں
9 یہ کہا گیا ہے کہ اگر بہت پرانے وقت سے نہیں تو کم از کم سکند شیشہ کے عہد حکومت سے لے کر
آدیتہ اوّل کے زمانے تک یہ مندر اینٹوں کی عمارت کی شکل میں رہا ہوگا۔ آدیتہ اوّل کے عہد میں اسے
پتھر سے بنایا گیا اور اس کے لیے جو اوقات سکند شیشہ کے وقت سے کئے ہوئے تھے ان کی تجدید
کر دی گئی۔ بعد کے زمانے میں پھر کسی وقت اس پتھر کی عمارت کو بھی ترک کر دیا گیا اور اس کی جگہ ایک
بہت بڑا حجری مندر تعمیر کیا گیا۔ سہیادری سے لے کر سمندر تک شیو کے پتھر کے بہت سے مندر
تعمیر کرنے کے لیے آدیتہ اوّل کی تعریف کی گئی ہے۔ تاہم اس کے عہد میں کچھ اینٹوں کے مندر
بھی تعمیر ہوئے۔ ایک پلو ویٹر یا سردار کندن ماڑون نے ترکّو توم اُدئیا مہادیو کا اینٹوں کا ایک
مندر تعمیر کیا جو کئی برس کے بعد کلوتنگا اوّل کے عہد میں پتھر سے از سر نو تعمیر کیا گیا۔ اس کے ساتھ
ہی ساتھ اسی وقت اگستیشور کا ایک اور پتھر کا بہت عمدہ مندر (دیکھیے تختی نمبر 9۔ شکل نمبر B)
اسی مقام پر آدیتہ کے عہد میں بنایا گیا۔ اس مندر کا جو آج تک بہت صحیح حالت میں ہے۔
پلو طرز تعمیر سے لے کر چولا طرز تعمیر اپنائے جانے تک جو تبدیلیاں ہوئیں ان کی تمام قابل ذکر
خصوصیات محفوظ ہیں جیسے کہ وہ ستون جن کا نصف زیریں حصہ اکڑوں بیٹھے ہوئے شیروں کا
بنا ہوا ہے اور جن کی چوٹیوں پر بڑے بڑے اور موٹے پھلکائی ہیں (دیکھیے تختی نمبر 9۔ شکل نمبر 9)

ترو کوڈی کاول (ضلع تنجور) میں مہادانی سیمبین مہادیوی نے اپنے بیٹے اتّم چولا کے ساتویں سالِ حکومت میں اینٹوں کے ایک پرانے مندر کو پھر سے پتھر سے تعمیر کروایا۔ راج راجا نے اپنے اٹھائیسویں سالِ حکومت میں ترومل واڈی کے مندر کو از سرِ نو پتھر سے تعمیر کرنے کا حکم دیا اور اس کام کو اس کے بیٹے نے مکمل کیا جیسا کہ ایک کتبے میں درج ہے۔ 6 اس قسم کی دوسری مثالوں کے یہاں گنوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اینٹ اور پتھر دونوں کی چنائی کے طرزِ تعمیر کو ساتھ ساتھ فروغ ملا۔ آج بھی ہمارے سامنے ناگور (ضلع تنجور) کا وہ مندر ہے جو تمام کا تمام اینٹوں سے بنا ہوا ہے اور جس میں اس کے بنیادی چبوترے کی ساخت اور چولا طرزِ تعمیر کے دیگر خصوصی خد و خال صاف نظر آتے ہیں۔

ججو ویو ڈبریل کا کہنا ہے کہ "تاہورنے پیگوڈا میں پلّو عہد کے اس طرزِ تعمیر کی جھلک ملتی ہے جو نویں صدی عیسوی کے آغاز تک رائج تھا اور تنجور کے مندر کی طرزِ تعمیر گیارہویں صدی کے اوائل کی ہے۔ بیچ کی دو صدیوں کے وقفہ میں ایک درمیانی طرز کی تاریخی عمارات تعمیر ہوئیں۔" فاضل مصنف نے آگے چل کر شری نواسنلور (تعلقہ شیری ضلع ترچناپلی) کے مندر کے مفصل مشاہدے کی مدد سے اس طرز کی وضاحت کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔

طرزِ تعمیر کے دو دور

لیکن اس درمیانی طرزِ تعمیر کے زمانے کو مزید دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا وہ دور جس میں پلّو طرزِ تعمیر بتدریج چولا طرزِ تعمیر میں تبدیل ہوا۔ اس مدت میں چھوٹے اور درمیانہ دونوں جسامت کے کثیر التعداد مندر وجود میں آئے جن میں پلّو اور چولا طرزِ تعمیر دونوں کے خد و خال مختلف تناسب میں دیکھے جا سکتے ہیں اور جو دیکھنے میں پلّووں کے دور کے چنائی کے مندر معلوم ہوتے ہیں۔ دوسرا وہ دور ہے جس میں چولا طرزِ تعمیر زیادہ واضح ہے۔ پہلا دور وجیالیہ اور آدیتیہ اوّل کے عہد پر مشتمل تھا جبکہ دوسرے دور میں پرانتکا اوّل کا زمانۂ حکومت اور اس کے اور راج راجا اوّل کے زمانوں کا درمیانی وقفہ شامل تھا۔

تبدیلی

چھوٹی جسامت کے قدیم چولا مندر دیکھنے میں کانچی کے مکتیشور اور منتگیشور مندروں سے اور اسی طرح ترتنی اور تاہور کے مندروں سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھے جو کہ سب پلّو عہد کے آخری

تعمیر تھے۔ ان کی بنیاد کے اوپر کے حصے اُپ پیٹھ کی گڑھائی مندر کے ڈھانچے پر طاقچوں اور مربع ستونوں کی ترتیب اور ایک مربع تہ خانے (گربھ گرہ) پر اوپر کو اٹھتا ہوا "ومان" جس کا گھیرا اوپر کی جانب بتدریج تنگ ہوتا جاتا تھا۔ یہ سب خصوصیات کم و بیش ایک جیسی تھیں۔ "ومان" کے سب سے اوپر کے حصے یعنی "گریوا، شکھر" اور "ستوپی" دراصل "گربھ گرہ" کے نقشے کے مطابق بنائے جاتے تھے۔ "گربھ گرہ" عموماً مربع شکل کا ہوتا تھا۔ لیکن کبھی اس کا کچھ حصہ گول ہوتا تھا جیسے نرتا ملئی کے وجیالیہ چوبشورا مندر میں جو کانچی کے تریپرانتکیشورا و مکتیشورا اور متنگیشورا مندروں کے مشابہ ہے۔ ان قدیم چولا مندروں میں سے کچھ مندروں کے اردگرد کچھ چھوٹے مندر بھی ہیں جن کی تعمیر کو سمجھنے کے لیے ہمیں پھر پلو مندروں کا سہارا لینا ہوگا۔ کانچی کے کیلاش ناتھ (راج سمہیشورا) کا گربھ گرہ ایک مخلوط طرزِ تعمیر کی عمارت ہے۔ اس میں ایک مرکزی حجرہ ہے جس کا رخ مشرق کی جانب ہے۔ اس کے ساتھ متصل چھوٹے چھوٹے مندر ہیں جو اس کی تین کھلی اطراف کی دیواروں کے ساتھ اور چاروں کونوں میں بنے ہوئے ہیں۔ ان تمام چھوٹے مندروں میں شیو کی مورتیاں رکھی ہیں۔ پن ملئی میں چھوٹے مندر ان تین کھلی اطراف کے بیچ میں واقع ہیں۔ جب کہ ایور کوئل کے مندر میں جو کوڈمبالور میں واقع ہے، وہ اصل مندر کے چاروں کونوں میں بنائے گئے ہیں۔ کیلاش ناتھ کی تکمیل میں دونوں طریقوں سے کام لیا گیا ہے۔ قدیم چولا مندروں میں چھوٹے مندر "گربھ گرہ" سے الگ ہیں اور وہ اس کے اردگرد صحن میں تعمیر کیے گئے ہیں۔ ان کا رخ بڑے مندر کی طرف ہے اور ان میں سے ہر مندر ایک الگ دیوتا (پریوار دیوتا) کے لیے نامزد ہے۔ ستونوں سے گھرے ہوئے یہ چھوٹے مندر جن میں سے ہر ایک مرکزی گربھ گرہ کا ایک چھوٹا نمونہ ہے عموماً باہر کی چار دیواری سے ملے ہوئے ہیں جس کے مقابل عام طور پر ایک گوپورہ بنا ہوا ہے۔ گوپورہ البتہ ایک بہت چھوٹی عمارت ہوتی ہے جو ہرگز اس مقصد سے نہیں بنائی جاتی کہ وہ "ومان" کی غالب حیثیت میں کمی کرے۔ بعد کے زمانوں میں مندروں کی جسامت میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان چھوٹے مندروں کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔

آغازِ نو

چولا عہد کے آغاز کے ان مندروں کے متعلق پرسی براؤن لکھتا ہے کہ "یہ تمام چھوٹی چھوٹی عمارتیں اپنی شکل و صورت میں بالکل مکمل ہیں اور پلوؤں کے طرزِ تعمیر کے آخری نمونوں کے برعکس ان میں تر و تازگی اور امنگ کی جھلک ملتی ہے۔ یہاں تک کہ یا تو ان سے ایک نئی طرزِ تعمیر کی آمد کی خبر ملتی ہے یا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جاندار ذریعہ ان کا محرک ہوا ہے۔ جو غالباً کرمند و حصہ زیادہ قرین قیاس ہے۔

کیونکہ اس زمرے کے تمام مندروں کی بناوٹ چالوکیہ طرز تعمیر سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے نہ کہ ان کے فوری پیش رو پلّوؤں کے احیا شدہ طرز تعمیر سے[8]۔ یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ بادامی کے چالوکیوں نے اپنے پٹاد کل میں تعمیر کروائے ہوئے مندروں کو بنواتے وقت پلّوؤں کے تجربے سے استفادہ کیا تھا اور آٹھویں صدی کے تقریباً وسط میں ان کی جگہ راشٹر کوٹا حکمرانوں نے لے لی جنہوں نے چنائی سے تعمیر کیے جانے والے اور چٹانوں سے تراش کر بنائے جانے والے مندروں کی ساخت میں پلّو چالوکیہ روایات کو برقرار رکھا۔ چالوکیہ اقتدار دسویں صدی کے اختتام تک بحال نہ ہو سکا۔ معلوم ہوتا ہے کہ براؤن کا پہلا قیاس یعنی ایک نئے طرزِ تعمیر کی آمد آمد کے امکان کا اظہار چولا عہد کے اوائل کی تاریخی عمارات کی تازگی کی صحیح توجیہہ ہے۔
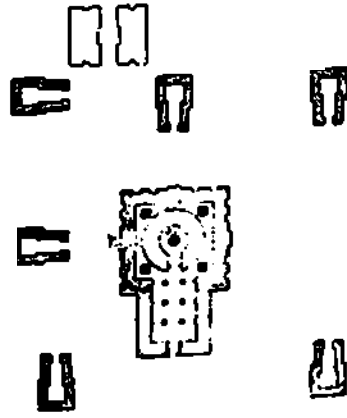
نقشہ ۱۔ وجیالیہ چولیشورا مندر

وجیالیہ چولیشورا

نارتا ملائی کا وجیالیہ چولیشورم مندر (ملاحظہ تختی ۱۔ اشکال ۱ و ۲) ان تاریخی عمارات میں سے اولین عمارت ہے جو توجہ کی مستحق ہے۔ اس کا نام ایک بعد کے پانڈیا کتبے میں مذکور ہے لیکن اس کی تعمیر کی تاریخ کی ہمارے حسب منشا صاف طور پر تصدیق نہیں ہو سکی[9]۔ البتہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے اس مندر کی صحیح شناخت یا اس کے زمانۂ تعمیر پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ دکھائی نہیں

دیتی۔ مندر ایک پہاڑی پر ہے اور اس کا رخ مغرب کی طرف ہے۔ اس کے اردگرد سات چھوٹے مندر
ہیں جو اب کھنڈروں میں تبدیل ہو چکے ہیں (اوپر دیا ہوا نقشہ ملاحظہ ہو)۔ ان کے مقابل میں نندی
بیل (کی مورتی ہے) جس کا اب کوئی نشان باقی نہیں ہے۔ ان مندروں کا احاطہ کیے ہوئے جو چہار
دیواری تھی اب وہ کلی طور پر معدوم ہو چکی ہے۔ صدر مندر اچھے گڑھے ہوئے پٹی تاشم کے ٹکڑوں
سے بنایا گیا ہے جو بڑی مہارت اور چابکدستی سے جوڑے گئے ہیں۔ مندر کا رقبہ ۱۲۹۰ مربع فٹ ہے
گربھ گرہ گول شکل میں بنی ہوئی ہے اور پانچ فٹ موٹی دیوار اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کا اندرونی
قطر ۸ فٹ ۶ انچ ہے اور بلندی ۸ فٹ ہے۔ گول دیوار کو ایک مربع عمارت نے گھیر رکھا ہے جس کی ہر دیوار
کی لمبائی ۲۹ فیٹ ہے۔ مندر ہی کے چبوترے پر سامنے کی انترال یعنی ڈیوڑھی چھ ستونوں اور اتنے
ہی چوکور مربع کھمبوں پر اٹھائی گئی ہے۔ اس کی چپٹی ہموار چھت ہے جو ایک موٹے کارنس کی شکل میں
آگے تک نکلی ہوئی ہے جس میں جگہ جگہ چھوڑ چھوڑ کر محرابیں بنی ہوئی ہیں اور کوڈوؤں سے اسے آراستہ
کیا گیا ہے۔ کوڈوؤں کے اندر تین تین پتیوں کے پھولوں کے گچھوں کے نیچے انسانی سروں اور جانوروں
کی شکلیں دکھائی دیتی ہیں۔ پورے چھت کے کنارے کنارے ایک سینے تک اونچی دیوار بنی ہوئی ہے۔
جس کے اوپر نقش و نگار کی شکل میں پنجروں کا سلسلہ ہے۔ یہ پنجرے گوشوں میں مکعب کی شکل کے ہیں۔
اور ان کی چھتیں چاروں طرف سے خمیدہ ہیں۔ درمیانی حصے کے پنجرے مستطیل شکل کے ہیں اور ان کی چھتیں
ریل کے ڈبے جیسی ہیں۔ پنجروں پر طاقچے بنے ہوئے ہیں جن میں خوبصورت رقص کرتی ہوئی عورتوں کی
مورتیاں بنی ہوئی ہیں۔ گول گربھ گرہ کے اوپر ایک "وِمان" خاص طرز تعمیر کا تین درجوں میں، جو بتدریج
تنگ ہوتے جاتے ہیں، بلند ہوتا ہے۔ ہر درجے کے الگ الگ کارنس اور کوڈو ہیں۔ نیچے کے دو درجے
مربع شکل کے ہیں اور سب سے اوپر کا درجہ گول ہے۔ اور چوٹی پر جو گریوا "شکھر اور ستوپی" ہیں ان کے لیے
کرسی کا کام دیتا ہے۔ گول درجے کے چار کونوں پر جو اس کے نیچے کے مربع شکل کے درجہ کے چاروں کونوں
کے محاذ میں ہیں، چار نندی بیل رکھے گئے ہیں، جن کا رخ باہر کی جانب ہے۔ گول درجے کے چاروں
کونوں پر مورتیاں رکھنے کے لئے طاق بھی بنے ہوئے ہیں۔ شکھر ایک ہموار گول گنبد ہے جو بلطرز کے
ہشت پہلو گنبد سے مختلف ہے۔ اس کے بھی باہر کو نکلے ہوئے کوڈو ہیں جن کی چوٹیوں پر شیروں کے
چہرے (سمہالاٹ) بنے ہوئے ہیں جو نچلے حصے کی گریوا (گردن) کے طاقوں کے اوپر لگے ہوئے ہیں۔ ستوپی
بھی جو اب باقی نہیں رہی، گول شکل کی رہی ہوگی۔ "ومان" اندر سے کھوکھلا ہے اور جیسے جیسے اوپر اٹھتا ہے
جسامت میں گھٹتا جاتا ہے۔ اندر کی "انترال" (ڈیوڑھی) کے اندر کے ستون اور بیرونی دیوار وں کے پہیل

پایوں کی بناوٹ کے برعکس جو کرچولا طرز تعمیر کے ہیں) اب بھی پٹو نمونے کے ہیں۔ یعنی ان کی کٹائی مربع شکل کی ہے لیکن درمیان میں اسے ہشت پہل بنا دیا گیا ہے۔ اس کے کھانچوں پر "ترنگے" بنے ہوئے ہیں جن کے بیچ میں ایک پٹی ہے لیکن اس پر کنول کے نقش نہیں ہیں۔ مندر کے صدر دروازے کی بالائی چوکھٹ خوشنما پھولوں کے نقش و نگار سے مزین ہے اور بغل کے طاقوں میں دو بازوؤں والے پر وقار دوار پال کھڑے ہیں۔ ان دوارپالوں "(دربانوں) کی پتھر کی مورتیاں 3 فٹ اونچی ہیں اور ان کا رُخ سامنے کی طرف ہے۔ لیکن ان کے جسم دروازے کی جانب جھکے ہوئے ہیں۔ ایک ٹانگ دوسری ٹانگ کے اوپر رکھی ہے (دیکھیے شکل 99) سات چھوٹے مندروں میں سے چھ بالکل درست حالت میں موجود ہیں اور ساتواں مسمار ہو چکا ہے۔ یہ سب صدر مندر کے چھوٹے نمونے ہیں اور پتھر کاٹ کر بنائے گئے ہیں

دوسری مثالیں

اسی زمرے کے دوسرے مندر جو اگرچہ جسامت میں چھوٹے ہیں، پڈوکوٹہ کے علاقے میں پائے جاتے ہیں۔ ورالور میں شیو کا چھوٹا سا مندر ہے جس کا ومان گول شکل کا ہے جس میں مربع شکل کی کرسیں حذف کر دیا گیا ہے اور گنبد بالکل چھت پر بنا ہوا ہے۔ چھوٹے مندروں کے کھنڈر یہاں بھی ہیں کنا نور کا بالاسبرا منیا مندر جس کے ستونوں کے بالائی حصے کی جھالریں پورے تیالی نہ کہ صرف ان کے نصف دھڑ، جیسے کہ دوسری مثالوں میں ملتے ہیں) بنائے گئے ہیں، آدتیہ اول کے عہد کا بنا ہوا ہے جبکہ وشلور، ترپورا اور کالیا پٹی کے چھوٹی جسامت والے شیو کا مندر سب دیکھے ہیں وجیالیہ کے عہد حکومت کی تعمیرات معلوم ہوتے ہیں۔ یہ سب رواجی مربع شکل کی چھوٹی چھوٹی لیکن جامع عمارات ہیں جن کے گربھ گرہ کی بیرونی وسعت آٹھ فٹ مربع ہے اور اندرونی طول و عرض 5 فٹ مربع ہے۔ اس کے آگے ایک چھوٹا سا اردھ منڈپ ہے جو دونوں بغلوں سے بند ہے اور اس کا پست دروازہ مشرق کی جانب کھلتا ہے۔ ان مندروں کا ومان "جو شکل میں مربع ہے بالکل چھت کے اوپر بنا ہوا ہے "شکھر" (چاروں طرف سے خمیدہ) ہے جس پر بڑے بڑے "کوڈو" ہیں جن پر نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ نیچے کی "گریوا" (گردن) میں بنے ہوئے طاقچوں کے اوپر تمہا مکھ (شیروں کے منہ) بنائے گئے ہیں۔ طاقچوں میں بالعموم مشرق کی جانب اندر، جنوب کی طرف دکشنا مورتی، مغرب میں وشنو اور شمال میں برہما کی مورتیاں رکھی ہوئی ہیں۔ زیادہ بڑے مندروں میں بھی گربھ گرہ کی دیواروں پر نشست کی یہی ترتیب دہرائی گئی ہے لیکن اس فرق

کے ساتھ کہ بعض اوقات مشرق کی جانب اَمَرَ رِکی مورتی نہیں بنائی گئی ہے اور مغرب میں وشنو کی
مورتی کے بجائے لنگودبھاو بنا دیا گیا ہے۔ ان چھوٹے مندروں کا موازنہ مامَلّاپورم کے اس مندر کے ساتھ
کیا جا سکتا ہے جو چٹان سے کاٹ کر بنایا گیا ہے اور جس میں بھاگیرتھ (یا ارجن ؟) کی تپسیا کی منظر کشی کی
گئی ہے۔ پنن گڈی کا اگستیشورا مندر (دیکھیے تختی ۵۵ شکل ۳) بھی اسی زمرے کا ہے لیکن اس میں
زیادہ ریزہ ریزی سے کام لیا گیا ہے کیونکہ اس کے گربھ گرہ کی دیواروں میں طاقچے بنے ہوئے ہیں تاریخی
مقامات کی کھدائی سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے ارد گرد سات اور چھوٹے مندر تھے جیسے کہ اور مندروں
کے ارد گرد سات جن کا ذکر اب تک کیا گیا ہے۔

ترو کٹلائی

چوری دور کی سب سے زیادہ نمائندہ مثال ترو کٹلائی (نقشہ دیکھیے) کا مندر ہے جو
بہت اچھی حالت میں موجود ہے اور آج کل سندر یشورا مندر کہلاتا ہے۔ اس کی تعمیر آدتیہ اوّل
کے تیسرے سال حکومت میں ہوئی تھی ۔۔ اس مقام کا جدید نام مندر کے قدیمی نام کرکرچی ترو کرٹی
سے اخذ کیا گیا ہے جو قدیم ترین کتبوں میں مذکور ہے۔ اس میں مرکزی مندر کی گربھ گرہ مربع ہے (باہر ۲۱ فٹ
اور اندر ۱۰ فٹ) اس میں ایک اَردھ منڈپ اور ایک مکھ منڈپ شامل ہیں۔ موخر الذکر بعد کا
اضافہ معلوم ہوتا ہے جو راجا کلوتنگا اوّل کے عہد میں ہوا۔ اس کا ومان قریب قریب مربع شکل کا
ہے اور اس کا پتھر کا کلس اسی طرح کا ہے۔ ستوپی کے نیچے براہم رنگیہ سمبا للاٹ (شیروں
کے چہرے) ہیں۔ اس سے اور نیچے ومان کے درجوں پر ایک دوسرے کے اوپر بنے ہوئے
طاقچوں کی دو قطاروں میں جنوب کی جانب دکشنا مورتی اور بھکشاٹنا مورتی کے بت بیٹھی ہوئی
حالت میں ملتے ہیں۔ مغرب میں وراہ مورتی اور وشنو کی مورتیاں ہیں اور شمال میں ودبرکا
بیٹھے دکھائی دیتے ہیں۔ اور گربھ گرہ کی اصل دیوار پر کھڑی ہوئی حالت میں ونادھرا دکشنا
مورتی جنوب کی جانب (دیکھیے شکل ۵۵) ایک لنگودبھو مغرب کی جانب اور برہما کی مورتی شمال
کی جانب موجود ہیں۔ دیوار کے ستون پائے خاص چولا انداز کے بنے ہوئے ہیں لیکن اسکے توڑے
اگرچہ نوکیلی شکل کے ہیں ان پر پھولدار کے ابھرے دار نقش و نگار بنے ہیں جن کی ڈھلائی اندر سے
کھوکھلی ہے (اس کے زیریں کونے پر کوئی ابھرے دار نقش نہیں ہے) اور اس سے آگے اوپر کی جانب
کارنس سے اوپر کُھنی (یلیونی) ایک چھالر ہے جس کے کونوں پر مگرمچھوں کے سر باہر کی طرف

نکلے ہوئے ہیں۔ کارنس کے نیچے گنوں کی ایک جھالر ہے۔
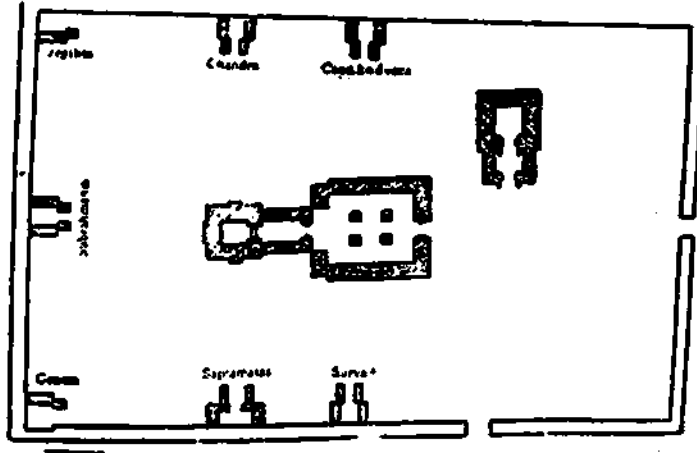
نقشہ ۱۱۲ تر دکشلاؤ میں واقع سندریشورا مندر کی زیریں منزل۔

سات چھوٹے مندر جو بڑے مندر کی ہوبہو نقل ہیں چار دیواری کے ساتھ ساتھ بنے ہوئے ہیں اور ان میں سوریہ کی مورتی ہے اور سپت ماترکاؤں (سات ماتاؤں) کی مورتیاں ایک ہی قطار میں ہیں۔ ان کے ایک سرے پر گنیش اور دوسرے سرے پر ویربھدرا کی مورتی ہے۔ اس مندر کی چھت ریل کے ڈبے کی سی ہے جس پر کلسوں کی ایک قطار بنی ہوئی ہے اور پھر بندرکشا کی ترتیب سے گنیش، سبرامنیا، چندرا اور چنڈیکیشورا کی مورتیاں ہیں۔ اس قدیم مکمل چولا مندر کے جو آج بھی موجود ہے دروازے کے اوپر ایک چھوٹا سا گوپورم ہے۔

ناگیشورا

کمباکونم میں واقع ناگیشورا کے مندر (ملاحظہ ہو تختی ۳۵ شکل ۴۵) اور تر دکشلاؤ کے مندر میں بہت سی بنیادی خصوصیات مشترک ہیں۔ اوّل الذکر کا تنقیدی جائزہ لینا اس لیے مشکل ہے کہ بعد کے زمانے میں بہت سے مندر اس کے بہت قریب بنتے چلے گئے ہیں۔ یہاں گنوانے کے قابل جو مشترکہ خصوصیات ہیں ان میں گربھ گرہ کی پشت پر بنی ہوئی اردھ ناری کی مورتی ہے۔ دوسرے اردھ منڈپ کے گوشوں اور طاقوں میں بنی ہوئی شبیہیں ہیں۔ نیز اس منڈپ کے پیل پایوں کے زیریں حصے پر بنے ہوئے رامائن کے مناظر ہیں جن پر فن سنگتراشی کے زیر عنوان

آگے چل کر مزید بحث کی ضرورت پڑے گی۔ اس "ؤمان" کے تیسرے درجے سے اوپر کے حصے جو اصل میں پہلے پتھر سے بنائے جاتے ہوں گے، اینٹ سے ان کی تکمیل کی گئی ہے۔ بعد کے چھوٹے مندروں میں شیروں کی مورتی والے چار ستونوں کی موجودگی یہ ظاہر کرتی ہے کہ ان کی تعمیر پلو عہد حکومت میں ہوئی ہوگی۔ جنوب مغربی کونے میں گنیش کا مندر، مہامنڈپ کے شمال میں ویدیہ ناتھ کا مندر، شمال مشرقی گوشے میں سوریہ کا مندر اور سنگتراشی سے ابھاری ہوئی جیشٹھا کی قدیم سی مورتی، اصل "پیریوار مندر" کی بس یہی بچی کچھی نشانیاں ہیں۔ چند وجوہ سے اس مندر کو اپتر کا "تر دکڈن ولی کیل کوئم" مندر بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ چولا طرز تعمیر کے ابتدائی دور کے کچھ دیگر اہم مندروں کی مثالیں، ترو چیند ورائی (ضلع ترچنا پلی) کا مہادیو مندر جسے چولا راجہ ارکل کیسری کی مہارانی بھوتی آدتیہ پیدار کا نے راجا آدتیہ اول کے عہد حکومت میں تعمیر کروایا تھا اور میل پلو دور کا گنیشورم مندر ملاحظہ ہو سکتی ہے۔ شکل مثلاً جس کا گول "ؤمان" مربع "گربھ گرہ" کے اوپر بنا ہوا ہے اس مندر کا "گربھ گرہ" شہنشاہ وجیالیہ یا آدتیہ کے زمانے کا تھا۔

چولا طرز تعمیر کے خدوخال

اس سے پہلے کہ ہم اگلے عہد کے مندروں کا جائزہ لیں جو پرانتکا اول سے راج راجا اول کے عہد تک پھیلا ہوا ہے جس کے دوران میں خالص چولا طرز تعمیر وجود میں آیا، ہم عبوری دور کی واضح خصوصیات اور چولا طرز تعمیر کے مثالی خدوخال پر غور کریں گے۔ سب سے زیادہ قابل توجہ خصوصیت مرکزی مندر کی اہمیت ہے۔ مرکزی مندر اپنے مقام وقوع اور طرز تعمیر کی بدولت تمام چھوٹے مندروں پر جو اس کے گرد ہیں حاوی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ صدر مندر "گربھ گرہ" کا بیرونی حصہ دوسرے حصوں کے مقابلہ میں بہت سادہ ہے۔ بہت سی غیر ضروری اور پریشان کن تفصیلات کو خارج کر دیا گیا ہے اور پلو عمارتوں کی نسبت ان چولا تعمیرات میں سادہ اور ہموار جگہوں کی اہمیت کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے، اور بعد کے چالوکیہ اور ہوئسالہ عہد کے عمارتوں کے مقابلے میں تو چولا طرز میں خالی جگہوں کی قدر و قیمت کا بہت زیادہ احساس پایا جاتا ہے۔ "انترال" یعنی "گربھ گرہ" کے مقابل کی ڈیوڑھی مرکزی مندر کا ایک لازمی حصہ ہوتی ہے۔ پلو مندروں میں تو "ؤمان" کی سب سے زیریں گولائی ان دونوں (یعنی مرکزی مندر اور ڈیوڑھی) کو ڈھک لیتی ہے۔ یہ خصوصیت جو قدیم چولا مندروں میں بھی برقرار رکھی گئی ہے، مثلاً وجیالیہ چولیشورم

میں جلد ہی معدوم ہو جاتی ہے "انترال" جیسا اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے، گربھ گرہ اور اس کے مقابل کے مہامنڈپ کے درمیان آمد و رفت کا راستہ بن جاتی ہے۔ نئے مندروں میں "وماں" صرف مقدس حجرے کے اوپر ہی اٹھتا ہے۔ "انترال" یہاں اردھ منڈپ بھی کہلاتی ہے۔ نچلی منزل (اُپ پیٹھ) میں کمدم کا آغاز ایک ہشت پہل شکل میں ہوتا ہے لیکن بعد میں یہ گول ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کپوتم بھی آغاز میں بالکل سیدھا ہوتا ہے یعنی جو کونے ٹکڑوں کو ملا کر جو باہر کو نکلے ہوئے ہیں بنتا ہے۔ لیکن بعد میں یہ ایک خمدار کارنس کی شکل اختیار کر لیتا ہے ستونوں اور دوسری جگہوں میں پلّو طرزِ تعمیر میں شیروں کے جو چہرے عام طور سے بنے ہوئے تھے وہ بتدریج بالکل ختم ہو جاتے ہیں اور ستون اور پیل پائے نئے ڈھلائی کی خیالی شکلیں اور اسی طرح کی دوسری شبیہوں کے پیکر اوڑھ لیتے ہیں۔ (براؤن) ستونوں کی چوٹی چولا طرز میں دو باتوں میں پلّو طرز سے مختلف ہے۔ ستون اور اس کی چوٹی کے درمیان ایک گردن پدم بندھ کا چولا طرز میں اضافہ کیا گیا ہے جس سے چوٹی کے حصوں میں ایک حصہ اور بڑھ جاتا ہے۔ یہ اضافہ چوٹی کے نچلے سرے پر ایک برتن کی شکل میں ہے۔ چوٹی کے اوپر کی ہموار تختی (پلگائی) بہت زیادہ چوڑی ہو جاتی ہے۔ یہ مربع شکل کا ایک موٹا پتھر کا ٹکڑا ہے جس کی پشت پر پتیوں کے نقش و نگار (ادل) بنے ہوئے ہیں اور جو چوٹی کا سب سے نمایاں حصہ ہے بعد کی تعمیرات میں "پلگائی" پتلا پڑتا گیا ہے اور "ادل" میں بھی کئی دلچسپ ترمیمیں کر دی گئی ہیں

آگے چلئے تو چولا طرزِ تعمیر میں تورا آزاویے کی شکل اختیار کر لیا ہے، جبکہ بعد کے پلّو طرزِ تعمیر میں یہ گولائی میں مڑا ہوا ہوتا ہے) توڑے کے ارتقا کی اپنی طویل اور دلچسپ کہانی ہے جو اپنے عروج پر پہنچ کر جدید زمانے کی پوسنی کی شکل میں وجود میں آتا ہے (دیکھئے اس باب کے آخر میں خاکہ 5) لہرے دار زیبائشی ڈھلائی کا طریقہ جس میں ایک درمیانی پٹی بھی ہوتی تھی یا تو ترک کر دیا گیا یا کبھی کبھی اس کے موڑ کو پیچ دار بنا کر کچھ ترمیم کی جانے لگی۔ توڑے کی دونوں ہی اقسام یعنی سادہ اور لہرے دار اکثر ایک ہی جگہ ساتھ ساتھ نظر آتی ہیں جیسے چتور ژپڈ (کوٹہ) کے اگنیشورا مندر میں۔ پرانے طرزِ تعمیر کی بچی کھچی نشانیاں بھی کہیں کہیں مل جاتی ہیں مثلاً اڈیار گڈی کے شیو مندر کی بھاری چوٹی جس کے اوپر ایک "کوڈو" بنا ہوا ہے۔ اسی طرح کوڈمبالور کے موور کوول مندر اور پنجائی کے شیو مندر کی چوٹیاں۔ ان سب پر آگے چل کر ہم ایک بار پھر مفصل بحث کریں گے۔ ان مندروں کے بیرونی حصے کی تراش خراش تو خالص فنِ تعمیر کے

مظاہرے کے لیے کی گئی ہے لیکن اس کے علاوہ پہلے سے تیار کیے ہوئے طاقچوں میں سنگتراشی مورتیوں پران کی کتھاؤں کے کرداروں یا انسانی شبیہات کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ کرسی کے ذرا اوپر پایلیوں کی جھالریں اور اس کے نیچے بھوت گنوں کی مختلف مضحکہ خیز حالتوں میں منقوش مورتیوں کی قطاریں اور بالائی کارنسوں سے اوپر پھر "یالیوں" کی قطاریں جن کے درمیان تھوڑی تھوڑی جگہ چھوڑ کر "کوڈو" اور لہرئے دار زیبائشی نقش و نگار بنے ہوئے ہیں جو "کوڈی کرو" کہلاتے ہیں نئے طرز کی کچھ اور مثالیں ہیں۔ "کوڈو" اپنی شکل بدل چکے ہیں۔ ان کے بیلچے کی شکل کے اوپری حصے کی جگہ سہ گوشہ تیپوں کے نقش و نگار یا شیر کے چہروں نے لے لی ہے اور محرابوں کی جگہ وسط میں بنے ہوئے دائرے ہیں جن میں پلو طرز کے کوڈوؤں کے برعکس پتھر کی کوئی شبیہ نہیں بنائی گئی ہے۔

ستونوں سے گھرے ہوئے چھوٹے مندر جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں "گروہ" میں بنے ہوئے چولا طرز تعمیر کے مندروں کا ایک لازمی[12] جزو ہیں۔ ایرمبور (ضلع جنوبی ارکاٹ) کے شیو کے مندر کے اندر کندہ ایک کتبے میں آٹھ چھوٹے مندر گنوائے گئے ہیں جن میں مرکزی مندر کے مقابل میں نندی کا مندر بھی شامل ہے۔ ان مندروں میں جو دیوتا رکھے ہوئے ہیں اور مرکزی مندر کے تعلق سے ان کو جو درجہ حاصل ہے وہ مختلف مندروں میں مختلف کتبوں میں اکثر ہر ایک مندر کے متعلق دی گئی مکمل تفصیل میں درج ہے۔ یہاں اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کے متعلق کچھ نہ کچھ اطلاع پہلے بھی الگ الگ مندروں کے تذکروں میں دی جا چکی ہے۔

کورنگ ناتھ

پرانتکا اول کے عہد کے فنِ تعمیر کا قدیم ترین نمونہ وہ مندر ہے جو عام طور سے کورنگ ناتھ مندر کہلاتا ہے۔ یہ ضلع ترچناپلی کے تعلقہ مشیری میں شری نواسنلور کے مقام پر واقع ہے اور قدیم ترین کتبوں میں اس مندر کے دیوتا کا نام "تروکر کتورائی پیرومانڈگل" دیا ہوا ہے[13]۔ یہ ایک درمیانہ جسامت کا مندر ہے (دیکھیے شکل نمبر ۱۰) جس کی کل لمبائی 50 فٹ ہے۔ اس کا مربع شکل کا "گربھ گرہ" 25 فٹ طول و عرض رکھتا ہے۔ اور اس کے مقابل کا منڈپ 25×20 فٹ کا ہے۔ "شکھر" کی چوٹی سطح زمین سے 50 فٹ اونچی ہے اور منڈپ اور گربھ گرہ کا کارنس سطح زمین سے ۱۵ فٹ کی بلندی پر ہے۔ "گربھ گرہ" جو دیکھنے میں اس لئے دو منزلہ نظر آتا ہے کہ اس

کی بلندی کے وسط میں ایک کارنس آجاتا ہے۔ اندر سے بارہ فٹ مربع ہے اور اس میں داخلے کے لیے چار ستونوں پر استادہ "انترال" (ڈیوڑھی) میں سے ہوکر جانا پڑتا ہے۔ "گربھ گرہ" کی تینوں کھلی طرف وسط میں ابھرا ہوا ایک ایک طاقچہ اور طاقچے کے دونوں طرف کی خالی جگہوں میں نصف قدِ آدم مورتیاں یا پتھر میں سنگتراشی سے ابھاری ہوئی شبیہیں جو اتنی اونچی اٹھی ہوئی ہیں کہ قریب قریب گول معلوم ہوتی ہیں موجود ہیں۔ "انترال" کی شمالی اور جنوبی دیواروں میں بھی اسی طرح کے طاق ہیں جن میں کبھی درگا اور گنپتی کی مورتیاں رکھی رہی ہوں گی۔ دوار پالوں کے لیے مخصوص طاق بھی خالی ہیں۔ طاقچوں کے اوپر کی محرابوں کی سجاوٹ کانچی کے کیلاش ناتھ مندر اور تنجور مندر کے ملتے جلتے طرز کی معلوم ہوتی ہیں۔ بنیادی چبوترے میں کوئی کپوتا نہیں ہے اور اس کی جگہ "سمہا" (شیروں) والی جھالر نے لے رکھی ہے جو اتنی ہی نمایاں ہے جتنی کہ اس سے بعد کے عہد کے تنجور مندر میں۔ "گربھ گرہ" کی کارنس سے نیچے "گنوں" کی جھالر نہیں بنائی گئی ہے اس کے بجائے ہم شہتیر کے اوپر ٹکی ہوئی اندر کی کڑیوں کے باہر نکلے ہوئے سرے دیکھتے ہیں جو کسی اینٹ اور پتھر کے مندر کی چوبی کڑیوں کی نقل ہیں۔

دیگر مندر

کلیانور (ضلع جنوبی ارکاٹ) کا اگستیشورا مندر بھی پرانتکا اول ہی کے زمانے کا ہے۔[14] یہاں مربع شکل کے بنیادی چبوترے کی چنائی کی سب سے نچلی (اُپان۔ یا جگتپ پڈی) ایسے پتھروں کی ہے جنہیں "وہرے کنول" (پتیوں کی شکل میں تراشا گیا ہے۔ جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورے کا پورا "اُرمان" "کمد" سے لے کر اوپر تک ایک کھلتے ہوئے کنول کے پھول میں استادہ ہے اور جس سے ایک "پدم کوش" (کنول کے اندر گربھ کیسر) کی شکل بن گئی ہے۔ "کمد" کی ڈھلائی سری نو سنور مندر کی طرح نصف دائرے کی شکل میں ہے۔ تنڈی ونم (جنوبی ارکاٹ) کا تروتنڈیشورا مندر[15] ۹۱۰ء سے قبل کا بنا ہوا ہے۔ تردویر مبنور (ضلع ترچناپلی) کا چپلیکیشور مندر بھی لگ بھگ انہی دنوں میں شمبین ویدی ولان نے تعمیر کروایا تھا[16] جو سندر چولا کا ایک باجگزار جاگیردار تھا۔ یہ مندر اپنی سنگتراشی کے لیے مشہور ہے۔ اس میں کمبا کونم کے ناگیشور مندر کی طرح باہر کی طرف کے بغل پایوں کے زیریں حصے پر پرانوں کی کتھاؤں کے مناظر الگ الگ چوکھٹوں میں سنگتراشوں نے پیش کیے ہیں۔ یہ دونوں مندر ابتدائی زمرے میں آتے ہیں۔ جس میں

اگستیشورا کا مندر ۔ برہم دیشم مندر (ضلع تنے ویلی) کے نزدیک تروویلیشورم کا مندر اپنی عمدہ کاریگری اور مورتیوں کے بہترین نمونوں کے لیے مشہور ہے۔ یہ مورتیاں اس کے "ومان" کے بالائی درجوں کے اوپر بنائی گئی ہیں۔ یہ مندر راج راجا کی تخت نشینی سے کچھ عرصہ پہلے کا ہے جس کے کتبے موجودہ عمارت کی دیواروں پر جو کتبے ملے ہیں ان میں سب سے پرانے ہیں۔ اس عمارت میں بعد میں جن حصوں کا اضافہ کیا گیا ہے ان میں وہ مہامنڈپ ہے جو چولا پانڈیا وائسرایوں کے زمانے کا بنا ہوا ہے۔ تیرہویں صدی کا تعمیر شدہ ایک امن کا مندر بھی ہے۔ پرانتکا اول کے عہدِ حکومت کے ابتدائی دنوں کا پلنگا لی ضلع تنجور کا مندر بہت سی باتوں میں کمبا کونم کے ناگیشور مندر سے ملتا جلتا ہے[17] اور اپنے زیبائشی نقش و نگار والی دیوارگیروں کے لیے مشہور ہے جو کہ اس عہد میں دستیاب ہونے والی دیوارگیروں کی قدیم ترین مثالوں میں سے ایک ہے۔ نیز یہ اپنے نفیس طاقچوں اور ان میں رکھے ہوئے سنگتراشی کے نمونوں کے لیے بڑا مشہور ہے جن پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔

ترووڈائی مرودور ضلع تنجور کا مہالنگا سوامی مندر یقیناً ۹۱۰ء میں پتھر سے بنایا گیا ہوگا۔ اس مندر میں کندہ پرانتکا اول کے چوتھے سالِ حکومت کے ایک کتبے میں لکھا ہے[18] کہ مندر کے تھیٹر میں منعقدہ ایک اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ پرانے کتبات کو نقل کروا کر گربھ گرہ اور "ومان" میں از سرِ نو کندہ کروا دیا جائے۔ پرانے فرامین عطیہ میں سے جو درج کیے گئے ہیں ایک کا ڈونتی گل نندی پوتر یار یعنی نندی ورمن دوم یا سوم سے متعلق ہے۔ مندر کے بنیادی چبوترے کا ہشت پہلو ڈھلا ہوا گمبد ہے اور اس کا چھوٹا سا کنٹھ متعدد پیل پایوں پر اٹھایا گیا ہے جو ایک سیدھے "کپوتے" کو سہارا دیتے ہیں۔ اس کے اوپر نیچے والے "کنٹھ" سے مشابہ ایک ڈیڈو یا حاشیہ ہے جس میں پتھر کی مورتیوں کے چوکھٹے بنے ہوئے ہیں۔ اس کے اوپر ایک موٹی کارنس باہر کو نکلی ہوئی ہے جس کے نیچے کی سطح پر کنول کی پتیاں تراش کر بنائی گئی ہیں۔ چولا آرٹ پر اس عام بحث میں ہم طرزِ تعمیر کی اس رنگارنگی کا جس سے فن کی مہارت اور اختراع کی آزادی کی تصدیق ہوتی ہے تفصیل سے جائزہ نہیں لے سکتے۔ اس مندر کے ابتدائی کتبوں میں پران گنپتی کے ایک مندر کا ذکر ملتا ہے جس سے یہی مطلب لیا جا سکتا ہے کہ مرکزی مندر کے ارد گرد کسی وقت چھوٹے مندر موجود تھے ایک منڈپ بھی اس مندر میں تھا جس کا بیوپاریوں کی ایک نامور انجمن تشائی آئرتو ائینوڑ ودر کے نام پر رکھا گیا تھا۔

اسی زمانے کے دوسرے ایسے مندروں میں جن کی تاریخِ تعمیر صحیح معلوم ہے اور جن کا مفصل جائزہ یہاں نہیں لیا جا سکتا، کوڈمبالور کے مچھ کنڈیشورا (912ء کے قریب) کا نام لیا جا سکتا ہے۔ میل پل دورر (ضلع ترچناپلی) کے چولیشورا زمرے کے دونوں[19] مندر ترونامنلور (جنوبی ارکاٹ) کا بھکت جنیشورا مندر[20]، انڈنلورر (ضلع ترچناپلی) کا وٹ تیرتھ ناتھ مندر[21] اور ایرمبولا (جنوبی ارکاٹ) کا کاڈمبونیشورا مندر[22] ہے۔ 937ء میں تعمیر کیا گیا تھا اور اس میں گربھ گرہ کے مغرب کی جانب کے طاقچے میں ہمیں وشنو اردھ ناری یا لنگو دبھاوے کی مورتی کی بجائے شِو کے اردناچلیشورا روپ کی مورتی دکھائی دیتی ہے۔ آتیہ دوم کے زمانے کے پنجابائی میں واقع نلتونی ایشورم مندر کا ذکر بھی یہاں کیا جا سکتا ہے۔[23]

مُوورکووِل

اسی زمرے میں بہت سے مندر ہیں۔ ان کو نظرانداز کر کے ہم پدوکوٹہ کے مندروں، چتور میں واقع اگنیشورم اور کوڈمبالور کے موورکوول کا ذکر کریں گے۔ پہلے مندر میں راج کیسری گندھر آدتیہ کے عہد کے چوتھے برس کا ایک کتبہ موجود[29] ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ لگ بھگ 950ء میں تعمیر ہوا ہوگا۔ یہاں توڑے کی ساخت گوشے دار ہے اور اس کے کونے کے خم کے قریب لہرے دار ڈیزائن اور درمیانی پٹی بنا کر اس کی گردن کو سنوارا گیا ہے۔ دوسری قسم کا توڑا بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اور مندر کے دیگر اطراف میں بھی پیل پائے سی کر اسی طرح تعمیر کئے گئے ہیں۔ کوڈمبالوران تین مندروں میں سے جو سندر چولا کے عہد میں بھوتی وکرم کیسری نے ایک جگہ تعمیر کئے تھے۔ صرف دو ابھی تک باقی ہیں (ملاحظہ ہو تختی ۱۲ شکل ۲۷) کھدائی سے پتہ چلتا ہے کہ "دمان ترائم" کی بنیاد معہ اس کے نواحی مندروں کے ایک احاطے کے اندر رکھی گئی تھی جس کے مغرب میں داخلے کا صدر دروازہ تھا (دیکھئے متعلقہ نقشہ) تینوں مرکزی مندروں میں سے ہر ایک کا رقبہ ۱۰ فٹ مربع ہے۔ یہ مندر شمالاً جنوباً ایک سیدھی قطار میں ایک دوسرے سے لگ بھگ دس دس فٹ کے فاصلے پر ہیں۔ ان کا رخ مغرب کی جانب ہے۔ وسط اور جنوب کی جانب کے مندروں کے دمان صحیح حالت میں محفوظ ہیں لیکن شمالی مندر کا صرف بنیادی چبوترہ باقی رہ گیا ہے ان میں سے ہر ایک مندر کا اردھ منڈپ ۱۸ فٹ مربع تھا لیکن ان اردھ منڈپوں کے بنیادی چبوتروں کے علاوہ اب کچھ باقی نہیں بچا ہے۔ اس سے آٹھ فیٹ کے

فاصلے پر عین مرکز میں نندی بیل کا ایک چھوٹا سا مندر سوا گیارہ فٹ مربع رقبے کا بنا ہوا تھا۔ نندی کے مندر اور صدر دروازے کے بیچ میں مرکزی محور پر بلی پیٹھ یا دھوج ستمبھ تھا جس کا رقبہ لگ بھگ ۳ فیٹ ۹ انچ مربع تھا۔ ان سب کی صرف بنیادیں ہی باقی رہ گئی ہیں۔

(نقشہ ۔ لوڈ مبالوریں وا بنا مودر ںوںوں)
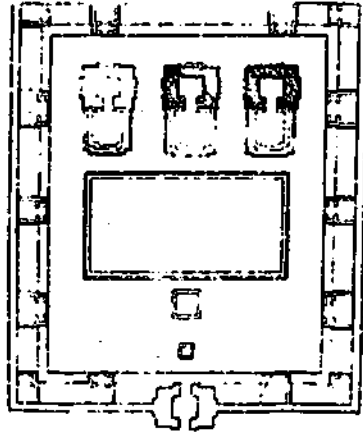
ان مرکزی مندروں کے ارد گرد احاطے کے ساتھ ساتھ پندرہ نواحی چھوٹے مندروں کا ایک چھتہ تھا۔ ان مندروں میں سے ۱۰ کی بنیادیں محفوظ ہیں لیکن جنوب مشرقی کونے کا مندر سرے سے غائب ہو گیا ہے۔ احاطے کی دیوار بہت چوڑی ہے یہ پتھر کی 3 فٹ ۹ انچ چوڑی دیوار ہے۔ مغربی صدر دروازہ ۹ فٹ ۰ انچ چوڑا ہے اور اس کے پہلو میں فٹ چوڑا ایک راستہ شمال مشرقی گوشے میں بنا ہوا ہے جو ایک زینے سے اتر کر پتھر کے ایک گول کنویں تک گیا ہے جس کا قطر دس فٹ ہے۔ اصل مندر "پدم کوش" کہلاتے ہیں اور ان کی کرسی کی گڑھائی یا اور جو کچھ بھی ان کا باقی بچا ہے، اعلیٰ فن کاری کا نمونہ ہے ومانوں کے بھاری محرابی کارنس کے نیچے "بھوتوں" اور "گنوں" کی جھالریں کچھ عجیب بے تکی اور مضحکہ خیز شکلوں کا منظر پیش کرتی ہیں۔ "ومانوں" پر شیو کے مختلف کی بہت سی نفیس مورتیاں اور "پریوار دیوتاؤں" کی اِدھر اُدھر پڑی ہوئی یا کھدائی سے نکلی ہوئی مورتیاں مستحق توجہ ہیں۔

ان میں اردھ ناری۔ ونادھرا دکشنا مورتی۔ گجاری۔ انتکاسر سمہار، کرات گنگا دھرا، ہری ہر، اما پرساد، سپت ماترکا، موہنی، اور دوسری مورتیاں شامل ہیں۔

جاوا پر اثر

مودر کو دل کے تین مرکزی مندروں کو جو یکساں طور پر خوبصورت اور اہم ہیں اور ان کی کثیر نواحی عبادت گاہوں کو دیکھ کر جاوا میں واقع پرمبنم کے مشہور برہمنی مندروں کے جھرمٹ کی یاد آجاتی ہے۔ یہ دونوں مندر جو ایک دوسرے سے نصف صدی کے فرق سے بنے اور جو ایسے زمانے میں بنے جب ہندوستان ؛ ورانڈ ونیشیا میں باہم میل ملاپ کے بہت سے مواقع موجود تھے، ایک ہی خیال کو عملی جامہ پہنانے میں ایکدوسرے سے مختلف ہیں۔ ملک جاوا کا مندر چولوں سے قبل کے اس ہندوستانی نظریئے کی نمائندگی کرتا ہے کہ ایک ہی دیوتا مختلف روپوں میں صدر مندر اور اسکے نواحی مندروں میں دکھائے جائیں۔ یہاں کا مندر ان روپوں کی تعداد کو ایک غیر معین حد تک بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر پرمبنم کے مندروں کے جھرمٹ میں ۱۵۶ چھوٹی عبادت گاہیں ہیں۔ چولا سلطنت کے معمار اونی مندروں کی کثیر تعداد کے ذریعے اپنے دیوتا کے پیکروں کے اظہار کے خلاف ہیں۔ وہ محض اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ ایک صدر دیوتا دکھایا جائے اور اس کے ماتحت دوسرے دیوتاؤں کا صرف روایتی گروہ سامنے لایا جائے۔ دوسری جانب جہاں پرمبنم کے مرکزی مندروں میں شیو، وشنو اور برہما یعنی ہندو دھرم کی "ترمورتی" کی مورتیاں رکھی گئی ہیں وہاں کو ڈمبا نور میں صرف شیو ہی تینوں مرکزی مندروں کے متبرک حجروں میں براجمان ہیں۔

وسطی چولا عہد

اب ہم وسطی چولا عہد (سنہ ۹۸۵ تا سنہ ۱۰۷۰) کی عمارات کا جائزہ لیں گے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب چولا آرٹ اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا بلکہ اس سے آگے نکل گیا تھا۔ اس دور میں جو مندر تعمیر ہوئے ان کی تعداد حسب دستور بہت بڑی تھی اور ان کی تعمیر چولا سلطنت کے گوشے گوشے میں دور دور تک ہوئی لیکن، اس عمومی تذکرے میں ہم بعض واقعی دلچسپ عمارتوں کو جن کی تاریخِ تعمیر بھی معلوم ہے نظر انداز کر کے اپنی توجہ صرف تنجور اور گنگائی کونڈ چولا پورم کے دو مندروں ہی پر مرکوز کریں گے جو ہندوستانی

فنِ تعمیر کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

تنجور

اسی عہد کے چھوٹے مندروں کے مقابلہ میں یہ دونوں مندر پرسی براؤن کے الفاظ میں ڈیسے ہیں جیسے گاؤں کے گرجے کے مقابلے میں کوئی بہت بڑا کلیسا[27] مندر کے اندر کندہ کتبات کے مطابق تنجور کے مندر کی تعمیر تقریباً ۱۰۰۳ء میں شروع ہوئی۔ اس مندر (راج راجیشورا جواب بر ہدیشورا کہلاتا ہے) کی تعمیر کا کام ۱۰۰۹ء تک کافی آگے بڑھ چکا تھا۔ یہاں تک کہ جب شہنشاہ راج راجا اپنے چالوکیہ حریف ستیہ آشریا کے خلاف جنگ سے واپس آیا تو اس نے مرکزی مندر میں پوجا کی اور سونے کے پھول نذر کیے۔

ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ اپنے پچیسویں سالِ حکومت ۱۰۰۹ء کے دوسو چہترویں دن اس نے باضابطہ طریقہ سے تانبے کا برتن (کلس) اس مندر میں چڑھایا جو مندروں کے دمان کی چوٹی پر "ستوپی" (کلس) کا کام دینے کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔[28] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تامل فنِ تعمیر کا ایک بلند مقصد منصوبہ تھا جو چولا سلطنت کی وسیع طاقت اور اس کے بڑھتے ہوئے حدودِ سلطنت اور وسائل کے عین شایانِ شان تھا (ملاحظہ ہو تختی ۶ شکل ۱۱) اس کی صدر عمارت ۱۸۰ فٹ لمبی ہے اور اس کا عظیم مخروطی "دمان" حجرۂ مقدس کے اوپر ۱۹۰ فٹ کی بلندی تک اٹھتا چلا گیا تھا اور اس طرح یہ اونچائی میں بھونیشور کے ۱۶۰ فٹ اونچے لنگ راج پر بھی سبقت لے گیا ہے جو ان دنوں ابھی تازہ تازہ تعمیر ہوا تھا۔ نندی منڈپ۔ کرو دور دیور کے مندر ژامن کے مندر اور سبرہمنیا کے مندر کو چھوڑ کر جو کہ بعد کے اہم اضافے ہیں، اس عظیم الشان مندر کے بیشتر حصے ایک ہی عہد میں تعمیر ہوئے ہیں اور ایک واحد منصوبہ کی حیثیت سے اس کی شوکت اور سادگی کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے مرکزی عمارتیں۔ دمان۔ اردھ منڈپ۔ مہا منڈپ اور گرانڈیل نندی بیل مشرق کی جانب ایک متناسب طول و عرض کے احاطے میں بنائے گئے ہیں۔ ان کے مقابل میں ایک اور "گوپورہ" بنا ہوا ہے اندرونی مڈل سے متصل کھمبوں والا ایک لمبا منڈپ ہے جو ۳۵ چھوٹے منڈپوں کو باہم ملاتا ہے یہ مندر خاص خاص مقامات پر اور چاروں طرف تھوڑی تھوڑی جگہ چھوڑ کر بنے ہوئے ہیں مقابل میں ایک اور "گوپودہ" ہے جو ایک دوسرے بیرونی احاطے کے صدر دروازے کا کام دیتا ہے۔

مرکزی "دمان" اتم (اعلیٰ) قسم کا ہے۔ یہ تامل میں "ماڈکوول" بھی کہلاتا ہے اور جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں "دکشن میرو۔ کورنگ ناتھ اس قسم کے "دمان" کی پہلی مثال ہے۔ یہ ایک

ٹھوس مربع بنیاد پر استادہ ہے جو 99 فیٹ لمبی ہے، جس کا افق سے متوازی حصہ پانچ جگہ باہر کو نکلا ہوا ہے اور اس طرح یہ پانچ حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ وسط میں باہر نکلا ہوا حصہ سب سے بڑا ہے۔ ان نکلے ہوئے حصّوں کے دونوں جانب خلا ہے اور یہ سب بنیادی چبوترے سے لے کر مخروطی، وماں کی سب سے بالائی منزل تک چلے گئے ہیں جہاں "شکھر" شروع ہوتا ہے۔ بنیادی چبوترے (پیٹھ) کو پیل پایوں سے آراستہ کیا گیا ہے، پیل پایوں کے اِدھر ادھر طاقچے ہیں اور ان سب کے اوپر ایک "کپوتا" (کارنس) ہے جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "یالیوں" کی جھالر کے بوجھ سے نیچے کو دبایا ہوا ہے۔ اس "پیٹھ" کے اوپر مقابلتاً کم رقبے یعنی 63 فٹ مربع کا ایک "اُپ پیٹھ" تعمیر کیا گیا ہے جس کا کتبوں سے ڈھکا ہوا "پان" ایک "پدم دل" بناتا ہے جو نصف دائرے کی شکل کے وزنی "کمد" کے رکھنے کی جگہ کا کام دیتا ہے کمد مشرقی سرے پر ہشت پہل ہے۔ "کنٹھ" اور "کپوتا" قریب قریب نہ ہونے کے برابر ہیں کمد کے عین اوپر "وریمانم" دکھائی دیتا ہے جس پر شیر کی مورتیوں کی ایک پوری لڑی بنی ہوئی ہے۔ شیروں کی پیٹھ پر ان کے سوار ہیں۔ کونوں پر شیروں کی جگہ مگرمچھوں کے سروں نے لے لی ہے اور ان کے کھلے جبڑوں کے درمیان سپاہیوں، گھوڑوں اور شہسواروں کی مورتیاں ہیں۔ "گربھ گرہ" کی عمودی دیواریں، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کے مثلث حصّے کی ساخت کے مطابق ہیں اور پچاس فٹ بلند ہیں۔ ایک بھاری اور خمدار کارنس ان دیواروں کو دو منزلوں میں تقسیم کرتی ہے۔ کارنس پر کوڈ ہیں جن پر ہلکے نقوش میں بت ابھارے گئے ہیں۔ دوسری منزل بھی ایک نکلے ہوئے کارنس پر جا کر ختم ہو جاتی ہے جس کے اوپر "یالیوں" کی پٹی بنی ہوئی ہے۔ ساری عمارت کے طاقچے اور خالی جگہیں خوبصورت مورتیوں سے پُر ہیں جو روایتی چولا تعمیر طرز کے زیبائشی نمونوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان میں سے بعض اس طرزِ تعمیر کی اس قدر صحیح عکاسی کرتی ہیں کہ وہ خصوصی ذکر کی مستحق ہیں۔ جیسا ہم پہلے بتا چکے ہیں یہ طاقچے (دیوگوشٹھا) پلوؔ عہد کے طاقچوں کے مانند محض اوچھے خانے نہیں ہیں جنہیں سنگتراشی کے ہلکے ہلکے نقوش سے آراستہ کیا گیا ہو بلکہ گہرے خول ہیں جن میں بڑی بڑی مورتیاں رکھی ہوئی ہیں۔ یہ مورتیاں دراصل شیوؔ کے مختلف روپ ہیں۔ طاقچوں کے دونوں جانب پیل پائے ہیں جن کا اوپر کا حصہ بھاری ہے۔ اور جو دوسرے پیل پایوں سے اس اعتبار سے مختلف ہیں کہ ان کی بناوٹ

مربع ہونے کے بجائے کثیرالاضلاع ہے۔ پھر طاقچوں کی محرابوں کے نقش ونگار کے بیچ
ہمیں ایک "ترو واچی" نظر آتی ہے جس کی شکل "کوڈو" سے ملتی جلتی ہے۔ بعد کے زمانے میں
یہ تبدیلی مکمل ہو جاتی ہے۔ کوڈو کی طرح اس "ترو واچی" کا بیچ کا حصہ گول ہے لیکن دونوں
کناروں پر بنے ہوئے مگرمچھوں کی دُمیں پلو طرز تعمیر کی عمارتوں کی طرح لٹکی ہوئی ہیں۔

لیکن یہ خصوصیت بعد میں غائب ہو جاتی ہے۔ چولا عہد کی ایک اور روایتی خصوصیت
پلو یادگاروں میں دیکھنے میں نہیں آتی۔ یہ خصوصیت طاقچوں کے درمیان میں جو خالی
جگہیں ہیں ان میں درخت یا ستون کا ہونا ہے جو ایک برتن (کمبھ) میں سے نکلتا ہے۔
ستون کے اوپر پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہوئے گھوڑے ہیں جو ایک ایسی چیز کو سہارا دیے
ہوئے ہیں جس کی شکل "ترو واچی" سے ملتی ہے۔ "ترو واچی" کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ یہ چیز
پھول کی شکل کی ہے جس میں چنگاریاں سی نکلتی دکھائی دیتی ہیں یا جس پر طغرادی شکل
کی گلکاری ہوتی ہے۔ چودھویں صدی میں چوکور زیبائشی ستونوں کا یہ نمونہ "کمبھ پنجرا" کی
صورت اختیار کر گیا جس میں سب سے اوپر کا حصہ "پنجرا" سا دکھائی دیتا ہے۔

وِمان کی بالائی منزلوں کی طرح "گربھ گرہ" کی دیواروں اور طاقچوں کے عمود کا احساس
مندر کے ان بھاری حصوں کی وجہ سے کم ہو جاتا ہے جو افق کے متوازی بنے ہوئے ہیں
جیسے عمارت کے مثلث حصے کے بھاری "کمد" کی ڈھلائی اور دونوں منزلوں کی آگے
کو نکلی ہوئی بڑی کارنسیں۔ یہ عمودی دیواریں مندر کے ایک حجرے کو جو 45 فٹ
مربع ہے گھیرے ہوئے ہیں۔ حجرے کے اردگرد 9 فٹ چوڑی ایک غلام گردش بنی
ہوئی ہے۔ "گربھ گرہ" کی اندرونی دیواروں میں بھی بیرونی دیوار کے خدوخال کا اعادہ کیا گیا
ہے۔ اس میں پیچھے کو نکلے ہوئے مرکزی طاقچے ہیں جن میں مورتیاں رکھی ہوئی ہیں اور
جن میں باہر کی دیوار کے مستطیل دریچوں سے روشنی آتی ہے۔ ان دریچوں کو بعد میں غالباً
"نائک" عہد میں بند کر دیا گیا تھا۔ ٹوٹے پھوٹے اینٹ پتھر کی یہ دیواریں اب ہٹا دی گئی
ہیں۔ اسی غلام گردش میں جو کہ "وِمان" کے نیچے اور "گربھ گرہ" کے گرد ہے آبی رنگوں میں چولا
تصاویر سنہ 1930ء کے قریب دریافت ہوئی ہیں جو آج کل مشہور ہیں۔ "گربھ گرہ" کے اندر
ایک بہت بڑا شیولنگ رکھا ہوا ہے جو اپنی کرسی کو شامل کر کے گربھ گرہ کی دونوں
منزلوں کی بلندی تک چلا گیا ہے۔

گربھ گرہ یا متبرک حجرے کے اوپر کا مخروطی ومان" 13 گھیروں میں اوپر اٹھتا ہے جو بتدریج چھوٹے ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ چوٹی پر گھیرے کی چوڑائی اس کی بنیاد کی چوڑائی کا تیسرا حصہ رہ جاتی ہے۔ براؤن کے الفاظ میں "اس طرح بنے ہوئے مربع چبوترے پر گنبد استادہ ہے۔ اس کی گردن کا خم جو اندر کی جانب ہے عمارت کے بے لوچ بیرونی خطوط میں ایک حسن پیدا کر دیتا ہے جب کہ پیاز کی شکل کا گنبد جو ایک ہلکا لیکن مضبوط کرہ ہے ایسے شاہکار کی بلند پردازی کی تکمیل کرتا ہے"۔ مخروطی ومان کا تاثر اس کی بناوٹ کے بخوبی سوچے سمجھے طریق کار سے اور بھی بڑھ جاتا ہے جس میں پنجر کے عمودی خطوط کو بتدریج تنگ ہونے ہوئے گنبد کے گھیروں کے افق سے متوازی خطوط اس طرح کاٹتے ہیں کہ ان سے فنِ تعمیر کا ایک بہت خوبصورت شاہکار سامنے آجاتا ہے۔ پرسی براؤن کے الفاظ میں "آخر میں چوٹی پر گول گنبد جس کے چاروں طرف طاقچے بنے ہوئے ہیں، عمارت کی سنگینی کو جہاں اس کی ضرورت ہے دور کرتا ہے۔ ومان کو مخروطی عمارت کے فنی اصولوں پر تعمیر کرنے میں اس کے معماروں کو کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا کیوں کہ ایسی ساخت نہ صرف طاقت اور استحکام کا تاثر دیتی ہے بلکہ فی الواقعی یہ سب سے پائیدار اور مستقل طرزِ تعمیر ہے جو اب تک دریافت ہوسکی ہے ...... بلاشبہ تنجور کے مندر کا "ومان" دراوڑ معماروں کا اعلیٰ ترین واحد شاہکار ہی نہیں ہے بلکہ مجموعی طور پر ہندوستانی فنِ تعمیر کی پرکھ کی کسوٹی بھی ہے"۔

چنڈیکیشورا کا مندر تنجور کے صدر مندر کے بہت ہی قریب اس کے شمال کی سمت واقع ہے اور صدر مندر کی ہو بہو نقل معلوم ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی گربھ گرہ کی دوہری منزل بھی صدر مندر کی نقل ہے۔ کھمبوں والا چھتہ پینتیس مندروں کی لڑی کو باہم جوڑتا ہے جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ ان میں سے چار مندر اس کے چاروں کونوں پر ہیں۔ چھ درمیان میں اور مشرقی "گوپورم" کے ہر دو جانب، سات مغرب کی جانب ہیں اور باقی دونوں اطراف میں نو نو۔ ان میں سے بہت سے مندر اب دیواروں سے بند کر دیے گئے ہیں اور دوسرے مصرف میں لائے جا رہے ہیں۔ چاروں مندر جو کونوں پر ہیں، صحیح حالت میں محفوظ ہیں۔ ان کو دیکھ کر ہمیں ابتدائی چولا عہد کے چھوٹے مندروں کی یاد آجاتی ہے جن پر ہم اوپر بحث کر چکے ہیں۔ ان چھوٹے مندروں میں اور "مودر کو دل"

میں رکھے ہوئے پڑیوار دیوتاؤں کی مکمل تفصیلات تو شاید ہمیں کبھی معلوم نہ ہو سکیں گی۔
احاطے کی دیواروں کو اگر باہر سے دیکھا جائے تو وہ برابر کی اونچائی والی دو منزلیں دکھائی دیتی ہیں اور ان دونوں منزلوں پر اپنا الگ الگ جسیم اور بھاری خمدار کارنس ہے ان کے چار پہلو ستون جن کی چوٹی پیاز کے شکل کی ہے دیکھنے میں بہت دلنشیں ہیں اور دیواروں پر برابر برابر وقفے سے نندی بیل نصب ہیں۔

گنگائی کونڈ چولا پورم

تنجور کے عظیم مندر کی تکمیل کے بیس برس کے اندر ہی گنگائی کونڈ چولا پورم مندر تعمیر ہوا (تختی 6 شکل 12) اس میں تنجور کے لگ بھگ سبھی نمایاں خد و خال کو دہرایا گیا ہے لیکن دونوں میں ایک بڑا فرق ہے۔ پرسی براؤن نے اسے تنجور کا نسوانی نصفِ ثانی کہا ہے۔[29] جس میں اپنے پیش رو کی مردانہ خصوصیات کا فقدان ہے لیکن جس میں خود ایک الگ قسم کی عشرت خیز خوبصورتی ہے۔ تاثر کا یہ فرق اس آرائش و زیبائش کا نتیجہ ہے جو اس کے "ومان" کی بناوٹ میں سیدھی لکیروں کے بجائے خمدار خطوط کے استعمال سے پیدا ہوئی ہے۔ جدید انجینئری کی دست برد سے اس عظیم مندر کو بہت نقصان اٹھانا پڑا ہے۔[3] ایسا لگتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ جتنا مندر تھا اتنا ہی قلعہ بھی تھا۔ اس کے جنوب مغربی گوشے میں ایک برج ہے اور مغرب کی طرف بھی ایک چھوٹا برج بنا ہوا ہے۔ خود مندر مستطیل شکل میں ہے۔ اس کا طول 343 فٹ اور عرض ۱۰۰ فٹ ہے۔ اس کا منڈپ 175 فٹ x 95 فٹ ہے اور گربھ گرہ مربع شکل کا ہے۔ جس کا ایک ضلع ۱۰۰ فٹ ہے۔ ان دونوں کے بیچ میں ڈیوڑھی ہے۔ جس کے دونوں سروں پر تنجور مندر کی طرح شمال اور جنوب میں دروازے ہیں۔ دونوں دروازے بہت خوبصورت ہیں جن پر پارعب "دوارپالک" کھڑے ہیں اور ان دروازوں تک ایک زینے کے ذریعہ پہنچا جا سکتا ہے۔ (دیکھئے تختی نمبر 7 شکل نمبر 13)

منڈپ کے مشرقی سرے کا صدر دروازہ ایسا لگتا ہے کہ سوچ سمجھ کر زیادہ بڑا اور شاندار بنایا گیا ہے۔ یہاں تعمیر اور بت تراشی بہت بڑے پیمانے پر کی گئی ہے۔ منڈپ ۱۹۰ کھمبوں پر مشتمل ایک لمبا ہال ہے۔ کھمبے اس منڈپ کی چوڑائی میں آٹھ

قطاروں میں بنے ہیں اور ۹ فٹ اونچے ایک چبوترے پر تعمیر کیئے گئے ہیں جس کے بیچوں بیچ ایک چوڑا راستہ جو اس کی سطحِ زمین کے برابر ہے بنا ہوا ہے۔ یہ راستہ آگے چل کر اس پورے ہال کے اندر چکر کرتا ہے اور قدرے تنگ ہو جاتا ہے۔ یہ اندرونی چکر ایک ہموار چپٹی چھت سے ڈھکا ہوا ہے۔ جو سطحِ زمین سے بیچ میں 18 فٹ اور کناروں پر 16 فٹ بلند ہے۔ اس اسکیم میں ڈیوڑھی جو دور کے کنارے پر بنی ہوئی ہے' بہت اہم ہے اس کا بیرونی حصہ منڈپ کی چھت سے بھی زیادہ بلندی تک اٹھایا گیا ہے اور منڈپ اور مخروطی "وِمان" ایک دو منزلہ عمارت بن گیا ہے۔ ڈیوڑھی کے اندر بڑے بڑے چوکور ستونوں کی دو قطاریں ہیں۔ ہر قطار میں چار ستون ہیں۔ اس طرح ایک ستونوں سے بھرا ہوا حصہ بن جاتا ہے جس کے دوسری طرف حجرۂ مقدس ہے۔

"وِمان" 160 فٹ کی بلندی تک اٹھا ہوا ہے۔ اس طرح یہ اتنا اونچا نہیں ہے جتنا کہ تنجور مندر میں۔ لیکن یہاں بھی یہ پورے مندر پر چھایا ہوا ہے۔ جیسا کہ حالیہ کھدائی سے پتہ چلا ہے اس مندر میں کئی چھوٹے معبد تھے جو ابھی تفصیلی مطالعے اور تحقیق کے محتاج ہیں۔[3] "وِمان" کی عمودی بنیاد یعنی اگر بھ گرہ کی دیواریں 35 فیٹ بلند ہیں اور تنجور مندر کی طرح ایک بہت بڑی کارنس اسے دو منزلوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ البتہ مشرق کے سوائے اور کسی جانب اس میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔ مخروطی ومان کی صرف آٹھ منزلیں ہیں نہ کہ تیرہ۔ عمارت کے اسی حصے میں وہ حسین پیچ و خم پائے جاتے ہیں، جن سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ طرزِ تعمیر اب درمیانی اسٹیج کی تنگ حدود سے گزر چکا ہے۔ یہ دو باتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ ایک تو ومان کے کناروں کا پیالہ نما خطوط اور دوسرے اس کے پہلوؤں کے جھکے ہوئے خدوخال سے۔ یہ دونوں نفاستیں اس رومان انگیز دل کشی کے لئے ذمہ دار ہیں جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ آرائش و زیبائش کی یہ فراوانی گنبد کی چوٹی تک لے جائی گئی ہے جہاں چار زیبائشی "چیتیہ" رکوڈو پنکھوں کی مانند کلس کے گنبد سے باہر کو نکلے ہوئے ہیں۔ مجموعی طور پر اس مندر میں اس قدر زیادہ آرائش ہے کہ دیکھنے سے جی اوب جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود فنِ تعمیر کے اس چولا شاہکار میں ایک عروج پر پہنچی ہوئی خوبصورتی نمایاں ہے"[32] (پرسی براؤن)

چنڈیشورا مندر کے علاوہ' جس کا مرکزی مندر سے وہی رشتہ ہے جیسا کہ تنجور کے

مندر میں، ہمیں دیوی کے الگ مندر پر بھی نظر ڈالنی ہے جو اپنے مرکزی مندر کے مقابلہ میں تنجور کی زیادہ قریبی نقل ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مندر اپنے مرکزی مندر ہی کا ہمعصر ہوگا۔

دیوی کا مندر

اس سے پیشتر کہ ہم چولا آرٹ کے آخری دور کا جائزہ لینا شروع کریں، ہمیں ان نئی اجتماعی تبدیلیوں کا مطالعہ کرنا ہے جن کی طرف ہماری توجہ "امن" کے مندر کے ذکر کی وجہ سے مبذول ہو جاتی ہے۔ دیوی کے جسے تامل زبان میں "امن" کہتے ہیں ہر مقامی مندر میں الگ الگ نام ہیں اور اس کی پوجا سے مرکزی مندر کی دھرم پتنی سمجھ کر کی جاتی ہے۔ اس کی مورتی کی الگ مندر میں تنصیب راجندر اوّل کے زمانے سے خال خال دیکھنے میں آتی ہے لیکن اس کے بعد ایسے مندر قدرے باقاعدگی سے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ان مندروں کو "ترو کام کوٹم" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اگرچہ گنگائی کونڈ چولا پورم میں اس طرح کا دیوی کا مندر صدر مندر کے ساتھ ہی یا اس کے بہت جلد بعد تعمیر ہو گیا تھا۔ تنجور میں اس کا متوازی مندر یعنی برہنا ئکی کا مندر تیرہویں صدی میں کہیں جا کر تعمیر ہوا۔[33] راجندر اول کے زمانے کے ایک اور امن کے مندر کا ذکر اس کے عہد کے ایک کتبے میں پایا جاتا ہے۔ یہ کتبہ کنڈ یور ضلع تنجور کے شیو مندر کے اندر "منگلا مبکا" کے مندر کی ایک دیوار پر کندہ ہے۔ لیکن اس کتبے کی عبارت کے درمیان کچھ خالی جگہ ہے جس سے بہت حد تک اس کا مفہوم مبہم ہو جاتا ہے۔[34] یہ ممکن ہے لیکن یقینی طور سے نہیں کہا جا سکتا کہ راجندر اول کے چھبیسویں سال حکومت کے ایناٹرم (ضلع جنوبی ارکاٹ) کے کتبے میں مندروں کی جو فہرست درج ہے اس میں درگا کے علاوہ شری بھٹار کیتیار مندر کا جو ذکر آیا ہے وہ بھی دراصل دیوی ہی کے علیحدہ مندر کا نام ہو۔[35] دیوی کے ایسے مندروں کی موجودگی اور از سرِ نو تعمیر کا زیادہ واضح ثبوت چولا عہد کے اواخر میں چولا سلطنت کے مختلف حصوں سے ملتا ہے۔[36] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کلوتنگا سوم اور اس کے جانشینوں کے عہد میں نیز راج راجا سوم اور راجندر سوم کی حکومت کے دوران پہلے سے موجود مندروں میں "ترو کام کوٹم" مندروں کا اضافہ اور نئے مندروں کی تعمیرات میں ان کی شمولیت ایک عام رواج بن گیا تھا۔ ان مندروں کے لئے نہایت فیاضی سے وقف

بھی کئے جاتے تھے۔ ان سب باتوں کی تصدیق اس عہد کے کتبوں سے ہوتی ہے[37]۔ کلوتنگا سوم نے تروبھوونم کے مشہور سنسکرت کتبے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے خود چدمبرم کے نٹ راج مندر کے اندر واقع شیوکام سندری دیوی کے مندر کی سجاوٹ میں اضافہ کیا کیوں کہ اس میں اس نے ایک گوپورہ اور سنہری "پرا کار ہرمیہ" تعمیر کیے[38]۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ چولا حکومت کے دور آخر میں بہت سی تعمیرات ہوئیں اور جاگیریں دی گئیں جن سے دیوتا کے ساتھ ساتھ دیوی کی عظمت و اہمیت پر بھی زیادہ زور دیے جانے کا پتہ چلتا ہے اور یہ رواج بعد میں بھی قائم رہا۔ دیوی کا مندر عموماً مہامنڈپ کے شمال کی جانب تعمیر کیا جاتا تھا اور اس کے داخلے کا دروازہ مہامنڈپ ہی میں کھلتا تھا یا اس مقابل کے صحن میں جس کا رخ جنوب کی جانب منڈپ کے سامنے ہوتا تھا۔ کبھی کبھی یہ مندر بڑے مندر کی حدود میں کچھ دوسرے حصوں میں بھی تعمیر کر دیا جاتا تھا جیسے دلوودر (ضلع تنجور) کے مندر میں یہ شمالی صحن کے شمال مغربی گوشے میں بنا ہوا ہے۔

گوپورے اور منڈپ

دیگر نئی تبدیلیاں جو اس زمرے میں شامل کی جا سکتی ہیں وہ گوپوروں اور منڈپوں کی تعمیر ہیں۔ ان کی اہمیت بھی چولا عہد کے اواخر میں بڑھ گئی اور بعد کے زمانوں میں بھی برقرار رہی۔ ایک واحد سادہ سا گوپورہ توپلوؤں کے عہد ہی سے ہر ایک مندر کے نقشے میں شامل ہوتا تھا اور ہم اس کی مثالیں طرز تعمیر کے تبدیلی کے عبوری دور اور قدیم چولا عہد کے مندروں میں دیکھ چکے ہیں جیسے تروکٹلائی، "مووَر کوول" اور ایرمور کے مندر۔ پھر ہمیں اُتم چولا کے بارہویں سال حکومت کا ایک کتبہ ورد ھاچلم (ضلع جنوبی ارکاٹ)[39] سے ملتا ہے جس میں درج ہے کہ اس کی والدہ سمبیَن مہادیوی نے ایک مندر تعمیر کر دایا تھا جس میں شری کوئیل، سنپن منڈپم، گوپورہ اور دیگر چھوٹے مندر شامل تھے۔ تنجور کے مندر کا اندرونی گوپورہ راج راجن تروواشل اور بیرونی گوپورہ کیرلانتکن تروواشل دونوں پتھر کے بنے ہوئے ہیں اور مندر کے ہم عصر ہیں۔ دوسرا صرف پتھر کا بنا ہوا گوپورہ [illegible] ارکاٹ [illegible] مندر کا چھوٹا سا خوبصورت گوپورہ ہے [illegible] کی تعمیر [illegible] کلوتنگا سوم

چولا شہنشاہوں میں سے آخری عظیم معمار تھا اور اس کے تربھونم کے عظیم مندر کا گوپورا (جس کا حال ہم ابھی بیان کریں گے) گوپوروں کے چولا طرزِ تعمیر کا آخری نمونہ ہے۔ یہ ایک پست قد اور مضبوط مستطیل عمارت ہے جس کی پانچ منزلیں ہیں جو بتدریج تنگ ہوتی جاتی ہیں۔ اس کی "گریوا" (گردن) بھی مستطیل شکل کی ہے جس کے اوپر ریل کے ڈبے کی شکل کا شِکھر ہے شِکھر کے دونوں طرف "کوڈوڈوں" کے سرے اور چوٹی پر بہت سے کلس ہیں۔ تاہم ان گوپوروں میں سے کسی کی بھی عمارت ایسی نہیں ہے جس سے مندر کے وِمان کی غالب حیثیت میں کوئی مداخلت ہوتی ہو۔ مگر آخری پانڈیا راجاؤں اور ان کے جانشینوں کے عہد میں، جو ریاست وجے نگر کے حکمران تھے۔ یہ حالات تقریباً بالکل برعکس ہو گئے۔ پانڈیا راج کچھ حد تک ان دنوں میں بھی شروع ہو گیا تھا جب ابھی گوپوروں کے چولا طرزِ تعمیر نے میدان خالی نہیں کیا تھا۔ جو ویوڈبریل نے چدمبرم، تروونا ملئی اور جمبوکیشورم کے ۱۱۰۰ء سے ۱۳۵۰ء تک کے درمیانی عرصے کے تعمیر شدہ جو گوپورے پانڈیا عہد کے طرزِ تعمیر کی وضاحت کے لئے چنے ہیں، ان میں آخری چولا عہد کی بھی کچھ رنگ آمیزی ہے اس طرح "منڈپ" بھی مندر کے نقشے کا ایک لازمی حصہ ہے۔ چولوں کے عہد میں اس کو خوب ترقی ہوئی۔ اور ان کے جانشینوں کے دور میں اس کی اہمیت پر اور زیادہ زور دیا گیا۔ بالخصوص وجے نگر کے تاجداروں اور ان کے جاگیرداروں کے تحت۔ یہاں تک کہ یہ ایک بے معنیٰ اور فضول نمائش کا طریقہ بن گیا۔ اگر ہم ستونوں سے بھری ہوئی عمارتوں کو نظر انداز بھی کر دیں جو "تروچیرالائی" کہلاتی تھیں اور کسی زمانے میں دو منزلہ اور سہ منزلہ بنائی جاتی تھیں، تو بھی تنجور اور گنگائی کونڈ چولا پورم اور ان سے پہلے کے یعنی "مودر کوول" مندر کے منڈپوں کو ان کے بعد کے بڑے منڈپوں کا پیش رو قرار دیا جا سکتا ہے۔ راجندر اوّل کے عہدِ حکومت کے چوتھے برس میں میلپاڈی کے مندر کے شمال کی جانب ایک منڈپ تعمیر کیا گیا جس کا نام "آرمولی دیون" رکھا گیا۔ "گوسنین مندر" کی عمارت زیادہ بڑی نہیں ہوتی ہو گی۔ لیکن مندروں میں "نرت منڈپ" کی عمارت جس کا ذکر کتبوں میں ملتا ہے ضرور خاصی بڑی رہتی ہو گی۔ ان میں سے کچھ منڈپ تو اتنے بڑے تھے کہ وہ راجاؤں کے کیمپ یا کبھی کبھی تحقیقاتی عدالت کا کام بھی دیتے تھے، جب کبھی شاہی افسروں کو کسی اہم معاملے کی تفتیش درپیش ہوتی تھی۔ شیکیلار کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ اس نے اپنی "پریا پرانم" نامی تصنیف

سب سے پہلے چدمبرم کے مندر کے ایک ہزار ستونوں والے منڈپ میں پڑھ کر سنائی گئی اس کے یہ معنی ہوئے کہ جب شیکی لار کی پرانم" جس میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے، لکھی گئی اس وقت یہ منڈپ تعمیر ہوچکا تھا۔ لیکن اس بات کو ثابت کرنے کے لئے بہت کچھ کہا جاچکا ہے کہ غالباً ایک کافی بڑا منڈپ اس وقت شیکیلار کے استعمال کی غرض سے موجود تھا۔

آخری چولا عہد کا فنِ تعمیر

چولا عہد کے آخری حصے (۱۰۷۰ء سے ۱۲۵۰ء تک) میں بھی مندروں کی تعمیر اتنی ہی سرگرمی سے جاری جس طرح پہلے ہوتی رہی تھی۔ ہمیں چھوٹے مندروں کو نظرانداز کرنا پڑے گا کیوں کہ وہ نہ صرف لاتعداد ہیں اور ایک دوسرے سے حددرجہ مشابہ ہیں بلکہ بعض بعض مندروں میں تو امتدادِ زمانہ کے باعث اس قدر تبدیلیاں ہوگئی ہیں کہ دو مختلف ادوار کے فنِ تعمیر کے مخلوط نمونے معلوم ہوتے ہیں جن میں تمیز کرنا آسان نہیں ہے۔ ہم صرف ان دو بڑے مندروں کا اختصار سے جائزہ لیں گے، جو چولا طرزِ تعمیر کے ارتقا کی صدر شاہراہ میں پڑتے ہیں اور اس میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

دارشرم

سب سے پہلے ہم داراشرم (ضلع تنجور) دیکھئے تختی [illegible] شکل [illegible] کو لیں گے۔ یہ مندر اپنے کتبات میں "راج راجیشورا" کے نام سے موسوم ہے کیوں کہ یہ راج راجا دوئم سے منسوب ہے جس کے عہدِ حکومت میں یہ تعمیر ہوا تھا۔ اگرچہ کلوتنگا سوم نے بھی اس میں کچھ اضافے کئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں اس مندر کے اندر کئی احاطے (پرکارم) تھے جن میں سے ہر ایک میں "گوپورا" کا دروازہ کھلتا تھا۔ ان میں سے صرف ایک اب تک محفوظ ہے۔ اس کے محور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے صدر مندر کا نقشہ اور اس کے حصے ویسے ہی ہیں جیسے کہ تنجور کے مندر کے۔ البتہ صرف اس کے مقابل کے "مہا منڈپ" کے سامنے ایک کھمبوں والے "اگر منڈپ" کا اضافہ کیا گیا ہے جس کے جنوب میں ایک ڈیوڑھی ہے یہ منڈپ جو "راج گمبیرن ترومنڈپم" کہلاتا ہے اس طرح بنایا گیا ہے کہ اس پر ہاتھیوں سے کھینچے جانے والے پہیے دار رتھ کا دھوکا ہوتا ہے۔ تنجور کے مندر کی طرح یہ مندر بھی

"نیروتّ زمرے" کا مندر ہے اور ایک "پدم کوش" تصور کیا جاتا ہے۔ جہاں اس مندر اور اس کے پیش رو "تنجور" اور "گنگائی کونڈ چولا پورم" کے مندروں کی عام مشابہت میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ وہاں اس مندر کے ہر ایک حصّے میں صورتی اور زیبائشی سنگ تراشی میں بہت اضافہ کیا گیا ہے۔ سنگتراشی کے ان نمونوں کا دلچسپ ترین مجموعہ وہ سلسلہ ہے جس میں "پریا پرانم" کے مناظر کی عکاسی کی گئی ہے۔ یہ نقش و نگار دیواری ستونوں پر چھوٹی چھوٹی ٹپیوں اور ان کی درمیانی جگہوں میں ستون کے اس حصّہ میں ہیں جو "یالی" کی پٹی کے اوپر گر بہ گرہ کی دیوار کی کرسی پر ہے۔ سندر کی زندگی کے مناظر جو یہاں پیش کیے گئے ہیں ان میں اور تنجور کے مندر کی دیواروں پر کی گئی مصوری میں حیرت انگیز مشابہت ہے ان منقوش مناظر سے شیکیلار کی بیان کی ہوئی سنتوں کی سوانح عمریوں کے زبردست اخلاقی اثر کی تصدیق[42] ہوتی ہے۔ طرز تعمیر کی امتیازی خصوصیت میں ایک نئی تبدیلی جو خاص توجہ کی مستحق ہے وہ یہ ہے کہ "پلگائی" کے نیچے جو آرائشی حاشیہ انگریزی حرف S کی شکل کا ہوتا تھا وہ پورے کھلے ہوئے کنول کے پھول کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ جس کی پھیلتی ہوئی پتیاں ایک حلقہ بنا لیتی ہیں اور جو اصطلاح میں "اڈل" کہلاتا ہے۔ بعد کے نمونوں میں یہ بہت سے پھولوں کا مجموعہ بن گیا ہے جس میں پھول کی پتیوں کے دو یا اس سے زیادہ حلقے ہوتے ہیں۔ "توڑے" بھی رفتہ رفتہ بعد کی پشپ بودگائی کی صورت اختیار کر گئے ہیں، خاص طور پر مرکزی چول کے دونوں جانب کے تراشے ہوئے حصوں کی وجہ سے جنہوں نے پھول کی شکل اختیار کرنا شروع کر دیا ہے جو "مڈلائی" کہلاتے ہیں۔ "کمبھ پنجرا" نے بھی جس کی شروعات تنجور مندر کی دیوار کے طاقچوں سے ہوئی تھی، نیچے کے کمبھ اور چوٹی کے پنجرے، دونوں طرف تبدیل ہونا شروع کر دیا ہے۔

"ومان" کی بالائی عمارت میں پانچ بتدریج چھوٹی ہوتی ہوئی منزلیں ہیں۔ ان میں سے دو نچلی منزلوں میں "اردھ منڈپ" بھی شامل ہے۔ پہلی منزل (تل) چھوٹے مکمل مندروں کی ایک لڑی ہے جو چھت کی ہموار سطح کے کنارے کنارے بنے ہیں اور ایک نیچی دیوار کے ذریعے باہم جڑے ہوئے ہیں۔ "پنجرے" اپنی نشست میں نیچے کی دیواروں سے باہر نکلے ہوئے دریچوں کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اور نیچے دیوار مع اپنے کارنس کے طاقوں سے ہم آہنگ ہے۔ دوسرے تل (منزل) میں بھی پہلی منزل ہی کی "پنجروں" کی ترتیب

کو دہرایا گیا ہے۔ لیکن اس کا اردھ منڈپ والا حصہ محض ایک دیواروں والا احاطہ ہے جس کی دیواروں کی چوٹی پر کنارے کنارے نندی بیلوں کی قطار بنی ہوئی ہے۔ تیسری، چوتھی اور پانچویں منزل میں بھی "پنجروں" کی یہی ترتیب رکھی گئی ہے اور یہ تینوں منزلیں مرکزی مندر ہی میں ہیں۔ پانچویں منزل کے اوپر گول گریوا (گردن) ہے، جس میں خاص خاص مقامات پر طاقچے بنے ہوئے ہیں اور کونوں پر نندی بیل ہیں جن کا رخ باہر کی طرف ہے۔ "گریوا" کے اوپر گول گنبد (شکھر) ہے جو بیچ میں باہر کی جانب نکلا ہوا ہے اور جس کے نیچے کے حصہ کا ابھار بھی قدرے باہر کی جانب ہے۔ دھات کی "ستوپی" (کلس) اب غائب ہو چکی ہے اور صرف اس کی مرکزی سلاخ اپنی اصل جگہ پر قائم ہے۔ چوٹی کا بیشتر حصہ استرکاری سے دھندلا پڑ گیا ہے۔ غالباً یہی وہ حصہ تھا جس پر کلوتنگا سوم نے سونے کی اینٹیں لگوائی تھیں۔

"اگر منڈپ" کے شمال کی جانب (دیکھئے تختی 9 شکل 16) پاروتی کا ایک مندر ہے جس کا رخ ڈیوڑھی کی طرف ہے۔ اس منڈپ اور ڈیوڑھی کے ستونوں کے دونوں طرف ان کے ساتھ جڑے ہوئے بیل پائے ہیں۔ جن کی کرسی "یالیوں" اور ہاتھیوں پر ہے۔ یہ ستون مخلوط طرز تعمیر کی قدیم ترین مثالیں ہیں۔ اس طرح کے ستونوں کا رواج بعد کے زمانے میں بہت عام ہو گیا تھا۔ مہامنڈپ کی جنوبی دیوار کے سہارے شیو کا مندر ہے جس میں ان کے "شربھا روپ"[43] کی مورتی ہے۔ یہ مندر بھی دوہرے بنیادی چبوترے پر تعمیر کیا گیا ہے۔ یعنی ایک "پیٹھ" اور ایک "اپ پیٹھ" پر۔ اور اس کے مقابل میں کھمبوں والی ایک چھوٹی سی ڈیوڑھی ہے جس تک رسائی مشرق کی جانب سے ایک زینے سے ہوتی ہے۔ اس زینے کے دونوں جانب یالیوں کے خمدار جنگلے بنے ہوئے ہیں۔

ایک دلچسپ خصوصیت یہ ہے کہ "مہامنڈپ" اور "اگر منڈپ" کے اوپر چبوترے کے کنارے کنارے تین طرف "یالی" کی پٹی کے اوپر تین قسم کے "پنجرا" بنے ہوئے ہیں جو شکل میں چوکور، مستطیل اور محرابی ہیں اور جو ایک کے بعد ایک کر کے استعمال ہوئے ہیں۔ یہ بات دجیالیہ چولیشورا مندر کے مقابل کے منڈپ اور چالوکیوں کے مندروں میں دیکھنے میں آتی ہے۔ البتہ ایرادتیشورا مندر کی ڈیوڑھی کے کناروں پر پنجرے نہیں دکھائی دیتے بلکہ وہاں نندی [illegible] بنائے گئے ہیں۔

"اگرمنڈپ" کے مقابل ایک چھوٹا سانندی کا مندر اور ایک بلی پیٹھ" ہیں جن میں تنجور کے
طرزِ تعمیر کی ابتدائی خصوصیات صاف دکھائی دیتی ہیں یعنی چوکور پیل پائے اور رکھا پنچ دار
"توڑے"۔ لیکن اس کے زینے کی سیڑھیاں اور ان کے جنگلے یقیناً بعد کے زمانے کے
ہیں۔ صحن میں مہامنڈپ کے شمال کی جانب چنڈیشورا کا مندر ہے۔ اس کے خدوخال،
ان مندروں سے مشابہ ہیں جو تنجور اور گنگائی کونڈ شولا پورم کے مندروں میں پائے
جاتے ہیں۔ صحن کے اردگرد ستونوں سے گھرا ہوا ایک چھتہ ہے جو مرکزی مندر کے ساتھ ہی
تعمیر شدہ ہے۔ اس میں صرف چھ چھوٹے مندروں کی موجودگی کا اس وقت پتہ چلتا ہے
جو اس کی لمبائی کے ساتھ ساتھ بنے ہوئے ہیں۔

محوری مندروں سے الگ ایک اور مندر پاروتی کا ہے جو مقامی طور پر دیو نائکی
کے مندر کے نام سے پکارا جاتا ہے (ملاحظہ ہو تختی ـــ شکل ـــ) یہ متعدد پہلوؤں سے
بالکل مرکزی مندر کے مشابہ کی مورتیاں رکھی ہیں اور اس میں ایسی خصوصیات ہیں جنکی
بنا پر اسے قدرے بعد کے زمانے کے ترد کام کو نمونہ میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ یہ غالباً
کلوتنگا سوم نے تعمیر کیا تھا۔ باہر کا گوپورہ ان دنوں کھنڈر بن چکا ہے۔ اس کے خالی طاقچوں
میں کچھ عبارتیں کندہ ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی ان میں 63 دیوی دیوتاؤں کی
مورتیاں رکھی جاتی تھیں جن کے نام وہاں درج ہیں۔[۹۹] اندرونی گوپورہ ابھی تک موجود
ہے اور اس کی "دوتل" (منزلیں) ہیں۔

طرزِ تعمیر کے لحاظ سے یہ مندر کئی باتوں میں اس عبوری دور کی نشاندہی کرتا ہے
جب چولا طرزِ تعمیر نے جس کا اظہار تنجور اور گنگائی کونڈ چولا پورم کے مندروں میں ہوتا ہے
آگے بڑھ کر ان عظیم مندروں کے جھرمٹ کی شکل اختیار کی جو چولا عہد کے تعمیر ہوئے۔

تربھونم

کمپہریشورا کا مندر جو اپنے کتبات میں تربھون ویریشورا کے نام سے مذکور ہے
واضح طور پر شہنشاہ کلوتنگا سوم کی تعمیر ہے جس کی تصدیق اس بغیر تاریخ کے دوہرے
سنسکرت کے کتبے سے ہوتی ہے جو اس کے "گربھ گرہ" اور گوپورے کی دیواروں پر کندہ
ہے (ملاحظہ ہو تختی ۱۹ شکل ۱۰) اس کا روایتی نام اس اعتقاد کی وجہ سے ہے کہ دیوتا

نے ایک چولا راجہ کی کپکپی (کمپ) کا مرض ختم کر دیا تھا جو ایک برہمن کے قتل کے گناہ کا مرتکب ہوا تھا۔ اس مندر اور دارا شرم کے مندر میں بہت سی باتیں ایک جیسی ہیں مثلاً "اگر منڈپ" اور داخلے کی ڈیوڑھی۔ بنیادی چبوترے کے پیل پایوں پر پیچواں نقش کاری (کوڈی کرکو) کی گئی ہے۔ جبکہ خالی طاقوں کو رقاصاؤں کی شکلوں سے آراستہ کیا گیا ہے جس میں بھارت ناٹیہ کے مناظر معہ ڈھولیوں اور دوسرے موسیقاروں کے دکھائے گئے ہیں جو سب مل کر "مبیئہ" کہلاتے ہیں۔ دوسری جگہوں کی طرح یہاں بھی "یالیوں" شیروں اور ہاتھیوں پر لوگ سوار دکھائے گئے ہیں۔ مندر کے ستونوں کی چوٹی پر مربع شکل کی تختی (پلگائی) دارا شرم کے مندر اور آخری چولا عہد کے دیگر مندروں کے "پلگا یتو ن" کی طرح بہت پتلی ہے جب کہ اس کے برعکس پلو عہد اور ابتدائی چولا عہد کے مندروں میں، جن میں تنجور کا مندر بھی شامل ہے، "پلگائی" بہت موٹی اور وزنی ہوتی تھی۔ اس مندر کا "توڑا" بھی پشپ بودگائی کے پرانے طرز کا ہے۔ پہلے ڈالا خمدار وسطی کھانچا اس مندر میں الٹی گھنٹی کی شکل والے "پلستر" میں بدل گیا ہے۔ دونوں طرف کے گنیا سے گرے ہوئے زاویے یہاں خمدار اور پھول کی شکل کے "ڈلائیوں" میں تبدیل ہو گئے ہیں یہ ایراوت شیورا مندر کے "توڑے" کے مقابلے میں ایک حد تک ترقی کی علامت ہے "کپوتا" اور چھت کے دیگر ملحقہ حصوں کی ساخت میں لکڑی کے کام کی تفصیل کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ "گربھ گرہ" کی بیرونی دیواروں کے مرکزی طاقوں کی دونوں جانب خالی جگہوں میں مستطیل کھڑکیاں (جالکا) ہیں جو پہلو کے پیل پایوں اور اوپر کی "تورن" سے ملکر بنے ہیں۔

"دمان" چھ تلوں" (منزلوں) کا اوپر کی طرف کو تنگ ہوتا ہوا مخروطی شکل کا ہے جس کی سب سے نچلی دو منزلوں نے "اردھ منڈپ" کو ڈھک رکھا ہے جیسا کہ دارا شرم اور تنجور کے مندروں میں ہے۔ ایک خاص خصوصیت پہلی منزل کے مرکزی "پنجرے" کے طاقچے کے دونوں جانب دو گول پیل پایوں کی موجودگی ہے۔ ان پیل پایوں کی چوٹی پر ایک ایک "کوڈو" ہے۔ یہ بنیادی نقشہ پلوؤں کے زمانے سے چلا آتا ہے اور چولوں کے ابتدائی دور کے کچھ مندروں میں مثلاً اڈتیار گڈی کے اگنیشورا کوڈمبالور کے موورکو دل" اور پنجائی کے نلتونائی ایشورا میں دیکھنے میں آتا ہے۔ ان باہر کو نکلے ہوئے پنجروں" کی درمیانی جگہوں میں چھوٹے چھوٹے مندر سنگتراشی سے ابھارے گئے ہیں

نوں گریوا" اور گنبد نما شیکھر" بظاہر اینٹوں اور مسالے سے بنے ہوئے ہیں جب کہ باقی
کی تعمیر تراشے ہوئے پتھر کی ہے۔

مہامنڈپ اور اگرمنڈپ کے بڑے پیل پایوں کی چوکور کرسیاں ہیں جن کے اوپر
کے چاروں کونوں پر "ناگ پدم" ہیں۔ "ناگ پدم" ہیں سے ہشت پہل ستون اوپر کو اٹھتے ہیں
یہ ستون اوپر جاکر ایسی چوٹی پر ختم ہوتے ہیں جس کی تراش بھی نیچے کی طرح ہشت پہل ہے
دیواروں کی ابھری ہوئی سطحوں کے طاقچوں کے نیچے مقابلتاً چھوٹے پیل پائے ہیں۔ ان کی
کرسی بھی اسی طرح مربع شکل کی ہے اور چوٹی پر "ناگ پدم" بنا ہوا ہے۔ لیکن ان کے کھمبے
اور چوٹیاں سولہ پہلو کی ہیں۔ اوپر کی لوح مربع شکل کی ہے۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ
"توڑے" پرانے طرز کے ہیں جن میں سادہ وسطی کھانچا ہے، نیز بغلی کھانچوں پر مدھم سے
ہرے دار نقش و نگار (ترنگے) سے زیبائش کی گئی ہے۔ طاقچوں کے اوپر باہر کو نکلی ہوئی
کارنس پر "پنجرے" ہیں اور بڑے بڑے کوڈو بھی بنے ہوئے ہیں جن کے اندر مندروں کے
بہت مختصر نمونے ہیں۔ اندر کی طرف کی دیواروں کے طاقچوں کے ساتھ چھوٹے پیل پائے
اور ان پر کلغیاں ہیں۔ ان میں توڑے نہیں ہیں اور ان کے اوپر باہر کو نکلے ہوئے حصے
میں "تورن" محرابیں بنی ہوئی ہیں۔

"اگرمنڈپ کے جنوب کی ڈیوڑھی اسی نمونے کی ہے جیسی ایراوتیشورا مندر کی،
لیکن شیر اور ہاتھیوں پر رکھے ہوئے ستونوں کی بجائے ہم سادہ نقش و نگار کی ستون
دیکھتے ہیں۔ ڈیوڑھی خود ایک کثیر پہیوں کی رتھ ہے جسے دو ہاتھی کھینچ رہے ہیں جو مشرقی
سیڑھیوں اور جنگلے کے مقابل بنے ہوئے ہیں۔ رتھ کے باہر کو نکلے ہوئے دھروں کو تند
شیروں نے سہارا دے رکھا ہے۔ اس کے پہیے جو الگ بھی کئے جا سکتے ہیں، اپنی جگہ سے
غائب ہیں۔ ڈیوڑھی کے مغرب میں سوماسکند کا پرانے وقتوں کا ایک مندر ہے جس کے
مربع شکل کے پیل پائے ہیں، "ادل" پتھر کی پھول پتیوں سے بنا ہوا ہے اور گنیا سے گڑھے
ہوئے کھانچے دار توڑے ہیں۔ اس عمارت کے اس حصے میں جو مہامنڈپ کی جنوبی
دیوار کے سہارے بنا ہوا ہے اور ایراوتیشورا مندر کے "شربھا منڈر" کی جگہ پر ہے، ایک
سردار کی مورتی استرکاری سے بنائی گئی ہے۔
مقابل میں شمال کی جانب دیوی کا مندر اور "دمان" کے شمال کی طرف چنڈیشورا

مندر کچھ زیادہ ترقی یافتہ وسیات کا حامل ہے۔ آدھی شُشھان کا بنیادی چبوترہ "پدم دل" کی شکل کا ہے اور اس کا کمہ "نصف دائرے" میں ڈھالا گیا ہے۔ توڑے پرانے طرز کے "پشپ بودھکا" نمونے کے ہیں۔ "پلگائی" اپنی مربع شکل میں نہیں رہ گیا ہے بلکہ ستون اور اس کی چوٹی کی طرح ہشت پہل ہے۔

مندر مجموعی طور پر سنگتراشی اور بت سازی کے طرح طرح کے نمونوں کی ایک نمائش گاہ ہے۔ اس کے دونوں گوپوروں میں سے اندرونی "گوپورا" کی چوٹی کا حصہ خراب و خستہ حالت میں ہے لیکن باہر کا گوپورہ صحیح و سالم ہے۔ مغرب میں اس مندر کی پشت پر ایک اور اجڑا ہوا گوپورہ ہے۔ یہ سب تنجور کے گوپورے کی طرح پستہ قد اور مضبوط مستطیل شکل کی عمارتیں ہیں لیکن ان کا اور پانڈیوں کی سلطنت کے دوسرے دور میں کلوتنگا سوم کے عہد کے بعد جو بڑی اور شاندار عمارتیں تعمیر ہوئیں ان کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ چولا طرز تعمیر میں "ومان" کی غالب حیثیت کو قائم رکھنے والے مندروں میں یہ آخری مندر ہے۔

___ چولا آرٹ کا بیرونی ممالک بالخصوص ہند چینی اور مشرق بعید کے ممالک پر کیا اثر پڑا؟ یہ ایک ایسا دلچسپ سوال ہے جس کا ہم یہاں محض ایک مختصر جائزہ لے سکتے ہیں ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ چولا سلطنت کا چین اور ہند چینی کی ہندو ریاستوں کے ساتھ تجارتی اور دوسرے ذرائع سے سرگرم رابطہ قائم تھا۔ یہ ممکن ہے کہ انگ کور کے عظیم مندر اور تنجور اور گنگائی کونڈ چولا پورم کے مندر اپنے تعمیری تخیل اور اس تخیل کو مادی لباس پہنانے میں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئے ہوں اور مذہبی فن تعمیر کے ایک ہی ارتقائی دھاگے میں بندھے ہوں۔ چولا فن تعمیر اور سنگتراشی کے نمونوں کی ایک زیادہ قریبی اور حد درجہ حیران کن متوازی مثال بلکہ ان کی ہو بہو نقل جس کی جانب اے۔ کے۔ کمار سوامی نے ہماری توجہ دلائی ہے،[85] قدیم زے تن میں ملی ہے جو جزیرۂ فارموسا کے مقابل جدید چوان چو میں واقع ہے۔ جہاں لگ بھگ تیرہویں صدی کے یا اس سے بعد کے ایک پرانے مندر میں کمار سوامی نے ایک بنیادی چبوترہ دریافت کیا ہے جس کی بناوٹ "چولا اُپ پیٹھ" کی طرح ہے۔ نیز یہاں ستونوں پر ایسے چوکھٹے بھی ملے ہیں جن میں سنگ تراشی سے شیو اور کرشن کی لیلائیں دکھائی گئی ہیں (دیکھیے تختہ۔ ۱۱ اشکال الف۔ ب۔ ج)

اس سے ہمیں جنوبی ہند کے آرٹ کے ایک ایسے باب کی جھلک ملتی ہے جس کے متعلق ابھی بہت کم معلومات ہیں۔

سنگ تراشی

اس کا پلو حکمرانوں سے تعلق

پتھر کو تراش کر اس کے اوپر نقش ابھارنے کے فن میں پلو سنگتراشوں کو سبقت حاصل تھی۔ تخیل کی بنیادی سادگی اور تصویر کے ہر جزو کو اس کا صحیح مقام دینا وہاں نظر آتا ہے جہاں کرشن کو گووردھن کی حیثیت سے یادرگا کو مہیشاسر سے نبرد آزمائی کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ گنگا کے اتر نے (یا ارجن کی ریاضت) کا منظر جو پتھر پہ نقش ہے۔ اس سے بھی انہیں خوبیوں کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ تمام مناظر مامالاپورم میں دستیاب ہوتے ہیں یہ ایسے شاہکار ہیں جو دنیا کے آرٹ کی کسی بھی تاریخ میں مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ راجا سمہاوشنو اور مہندر ورمن اول اور ان کی مہارانیوں کی تصاویر جو آدی وراہا کے غار میں جو مامالاپورم میں ہے، بنی ہوئی ہیں، اپنی غیر معمولی خوبیوں کے پیش نظر حد درجہ تحسین و توصیف کی مستحق ہیں۔ پلو عہد کے فنکاروں کی طرح چولا سنگتراشوں نے پتھر پر بڑے بڑے قد و قامت کی تصاویر بنانے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے پتھر پر اونچے نقوش ابھارنے پر زیادہ کام کیا نیز انہوں نے اپنی توجہ زیادہ تر بت تراشی پر مرکوز کی جس نے "نایناروں" اور "آلواروں" کی تصنیف کردہ مقدس ہستیوں کی سوانح عمریوں کی مقبولیت کے ساتھ ساتھ ترقی پائی، کیوں کہ ان مذہبی قائدوں کے مقبول عام بھجنوں کی وجہ سے پرانوں کی کہانیاں پورے تامل ملک میں رائج اور ہر دلعزیز ہو گئی تھیں جب انہوں نے پران کی کتھاؤں کو پتھر پر تصویریں نقش کر کے بیان کرنا چاہا تو اس مقصد کے لئے چھوٹے چھوٹے چوکھٹوں کو استعمال کیا۔ یہ چوکھٹے بعض مرتبہ چھ انچ × چار انچ کے ہوتے تھے جن کے نمونے کمباکونم کے ناگیشور مندر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ شاذ و نادر ہی یہ چوکھٹے ۲ فٹ × ۱ فٹ سے بڑے ہوتے تھے جو انداز "ارامائن" کے مناظر کے ان

چوکھٹوں کا رقبہ ہے جو ترھبو ونم میں کپمبرکیشورا کے مندر میں ہیں۔ شخصی تصاویر بنانے میں وہ پلو سنگتراشوں پر بھی سبقت لے گئے جب انہوں نے سری نواسنلور اور رکمبا کونم (ناگیشور مندر) میں اس کام کو ہاتھوں میں لیا۔ لیکن کچھ اسباب کے پیشِ نظر جن کا واضح طور پر پتہ لگانا ممکن نہیں ہے، انہوں نے اس میدان میں کام سے ہاتھ روک لیا۔ البتہ انھوں نے کافی بڑے قد و قامت کی دھات کی مورتیاں بنانے میں بے مثال مہارت حاصل کرلی۔

سنگتراشی کے اقسام

سنگتراشی سوائے ان حالتوں کے جہاں دھات استعمال میں لائی جاتی تھی، عموماً فنِ تعمیر کے تابع تھی لیکن اس وجہ سے اس کو ٹیکنیکی طور پر کندہ کاری اور مورتیوں کے ڈھالنے کے فنون سے باہر نہیں کہا جاسکتا۔ اس فن کا استعمال مندروں کی دیواروں، ستونوں، بنیادی کرسیوں، چھتوں اور دوسری خالی جگہوں کی زیبائش کے لئے کیا جاتا تھا۔ لیکن چولا سنگتراش کو دیواروں پر خالی جگہوں کی اہمیت کا احساس تھا اس لئے وہ ان جگہوں کو تصویروں سے بھر نہیں دیتا تھا۔ نہ ہی وہ ہاتھی دانت پر نقاشی کرنے والے کاری گر یا زرگر کی طرح اپنے زیبائشی کام میں باریکی اور نفاست کو راہ دیتا تھا۔ وہ عموماً سنگلاخ چٹان پر کام کرتا تھا اور اپنے ہاتھ کی بے باکانہ جنبش اور کھلتے ہوئے خطوط پر نتائج کے لئے انحصار کرتا تھا۔ اس عہد کے دھات کی مورتیاں بھی انہیں خصوصیات کی حامل ہیں۔ البتہ دھات کی مورتیاں بنانے میں تفصیلات و جزئیات پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ چولا سنگتراشی کی تین خاص اقسام ہیں، صورت گری۔ بت تراشی اور سنگتراشی سے زیبائشی نقش و نگار ابھارنا۔ تصاویر یا شبیہیں بہت کم ملتی ہیں اور وہ بھی ابتدائی زمانوں کی ہیں۔ لوگ ان سے جلد ہی واسطہ ختم کر دیتے ہیں۔ اکثر ان تصاویر اور مورتیوں میں کوئی حدِ فاصل نہیں ملتی، خصوصاً درویشوں اور دیگر مذہبی شخصیات کے معاملے میں۔ بہت سے سنگتراشی کے نمونے جو غالباً شخصی شبیہات ہیں اب ناقابلِ شناخت ہیں کیوں کہ ہم کو ان کا کوئی حال معلوم نہیں ہے۔ مورتیوں میں جو چولا آرٹ کا سب سے اہم سرمایہ ہیں شیو دھرم سے متعلق مورتیاں کثیر تعداد میں ملتی ہیں کیونکہ چولا راجگان کٹر قسم کے شیو تھے۔

اگرچہ وشنو اور جین مورتیوں کے بہت اعلیٰ نمونے بھی ناپید نہیں ہیں۔ اقسام سازی کے فن کے کوئی خاص قواعد و ضوابط نہیں ہیں[96] اور یہ فن ابھی تک کتابی قواعد کے اثر سے آزاد ہے۔ چولا بت گری میں مکانکیت اور تعصب کا عنصر آخر تک بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ زیبائش نقاشی کی متعدد شکلیں ہیں۔ تعمیر کے بنیادی تصورات، پھول پتیوں اور بیل بوٹوں کے نمونے، جانوروں، پرندوں اور رقص کرتے ہوئے لوگوں اور ان کے سازندوں کی پٹیاں اور پرانوں کے نیز دیگر قدیم قصے کہانیوں کے مناظر کے مرقعے۔ یہاں لاتعداد مندروں سے جو کثیر مقدار میں مواد دستیاب ہوا ہے اس پر تبصرہ کرنا غیر ممکن ہوگا۔ اس لیے ہم ہر ایک قسم میں سے نمائندہ مثالیں ہی پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔ یہ بات بھی مستحق توجہ ہے کہ تنجور مندر کی کانسے کی بیشتر اعلیٰ مورتیاں جن کا ذکر اس مندر کے راج راجا اوّل کے عہد کے کندہ شدہ کثیر التعداد کتبوں میں بڑی تفصیل کے ساتھ آیا ہے اب دستیاب نہیں ہیں۔

شخصی تصاویر

چولا فن سنگتراشی کی مصدقہ اور مستند شخصی تصاویر کی خاص طور سے کمی ہے جس طرح کہ کسی حد تک تمام ہندوستانی فنِ سنگتراشی میں ہے۔ اس کی وجہ "شکرنیتی سار" کے ایک بیان سے معلوم ہوگی[97]۔ گو یہ ایک بعد کے زمانے کی تصنیف ہے لیکن اس میں ایک معتبر پرانی روایت درج ہے: "ایک دیوتا کی تصویر خواہ بدصورت ہو پھر بھی وہ انسان کا بھلا کرتی ہے۔ لیکن ایک انسان کی تصویر خواہ کتنی ہی بہتر ہو، ان کا قطعاً کچھ بھلا نہیں کرتی"۔ پھر یہ بھی ہے کہ کسی زندہ مثال کی ہو بہو نقل کرنے کی فطری خواہش میں فرد کو ایک مخصوص زمرے میں مدغم کرنے کا رجحان اپنے قابو میں کیے رہتا تھا۔ ابتدائی چولا آرٹ میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جو اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں۔ لیکن اب ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ تصاویر جو ہو بہو صحیح ہیں، کن کی ہیں۔ تین ایسی تصاویر شری نواسنلور میں کورنگ ناتھ کے مندر کی دیواروں پر ملتی ہیں۔ دو عورتوں کی اور ایک مرد کی۔ لیکن بدقسمتی سے یہ بری طرح مسخ ہو چکی ہیں (ملاحظہ ہو تختی 12، اشکال 21-23)۔ ان کے علاوہ کمبا کونم کے ناگیشورا مندر میں کئی اور مردوں اور خواتین کی تقریباً قدِ آدم

تصویریں (اشکال ۲۹-۲۹ ب) ملی ہیں جو بہت اچھی حالت میں ہیں۔ کمبا کونم کی سنگتراشی کے متعلق اجیت گھوش لکھتے ہیں :[98] "یہاں پہلی بار چولا سنگتراشی کا کام اپنے پلوپیش رووں اور ان کے شدید طور پر تصوری اور مثالی نظریے کے خلاف ملتا ہے۔ ظاہری طور پر دیکھنے میں ایک پلو راجہ اور کسی دیوتا کی شکل میں کوئی فرق نہیں نظر آتا۔ اور اسی طرح ایک پلو رانی اور کسی دیوی میں بھی کوئی فرق نہیں نظر آتا لیکن اس چولا سنگتراش کو زندگی اور حسن کا ایک نیا اور ایک دل کش تصور ملا تھا۔ تصاویر کی یہ چولا خواتین خوبصورت انسانی شبہیں ہیں جو نسوانی حسن اور زندگی کی شادمانی سے مالامال ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مندر کے طاقچوں میں رکھا ہوا ہر ایک مجسمہ ان اوصاف کا حامل ہے۔ یہ آرٹ جو اتنا غیر روایتی ہے اس طرح اپنے تصور اور جذبے میں نیا ہے۔ یہ انسان دوستی جنوبی ہند کے فن کو چولوں کی سب سے بڑی دین ہے۔ یہ غیر رسمی وضع قطع میں اپنی شکل و صورت اور قد و قامت کے اختلاف میں جو ہر شکل کو ایک واضح انفرادیت عطا کرتا ہے، اور اپنے چہروں خاص طور سے آنکھوں اور منہ کے تاثرات کی حقیقت نگارانہ عکاسی میں، ان مورتیوں کا چولا آرٹ کے کسی دور تو کیا، جنوبی ہند کے پورے آرٹ کے کسی بھی زمانے میں کوئی جواب نہیں ہے۔ اگرچہ پتھر کے ان ٹکڑوں سے جن سے انہیں تراشا گیا ہے، الگ نہ ہونے کے باعث ان مورتیوں کا پورا بدن نہیں بنایا گیا ہے۔ پھر بھی تکنیکی مہارت اور استعداد کے کمال کی وجہ سے ان کی شکلیں بالکل واضح اور نمایاں ہیں۔ شکلیں عام طور پر ایک رخ سے بنائی گئی ہیں اور یہاں جو استثنیٰ ہے (جیسا کہ شری نواسنلور میں بھی ہے) کہ سامنے کے رخ کی تصویر بنانے کے روایتی طریقہ پر عمل کیا گیا ہے اس سے ایک رخ کی صورت گری کی فوقیت ظاہر ہوتی ہے۔ عورتوں کے ملبوسات، ان کی کنگھی چوٹی، اور مردوں اور عورتوں دونوں کے گہنوں کی تصاویر سے اعلیٰ سماجی طبقے کی زندگی کا کافی حد تک پتہ چلتا ہے، ہمیں افسوس ہے کہ ہم صرف اندازہ ہی لگا سکتے ہیں کہ یہ تصاویر غالباً شاہی فیاض افراد یا شاہی گھرانے کے افراد کی ہوں گی۔ زیادہ قریبی مشاہدے سے ایک زنانہ تصویر میں عورت کی انگلیوں کی بناوٹ میں اور ایک اور مورتی کے اوپر کے دھڑ اور تمام مورتیوں کے پاؤں کی بناوٹ میں کچھ کوتاہیاں بھی نظر آتی ہیں لیکن ان مجسموں کی عام برتری اتنی واضح ہے کہ اس سے اس عام نظریے پر نظرثانی کرنی پڑتی ہے کہ چولا سنگتراشی راج راجا اول

اور راجندر کے عہد میں اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ شری نواسنلور اور رکمبا کونم کی یہ مورتیاں راج راجا کی تخت نشینی سے ایک صدی قبل کی ہیں لیکن ان کا ایسا کوئی اور شاہکار ہمارے پاس نہ ان سے پہلے کا ہے اور نہ بعد کا۔

چولا عہد کی قدیم ترین شخصی مورتی جس کی صحیح اور قطعی تاریخِ تخلیق بھی معلوم ہے ترووکرتی پچّن (شکل نمبر 3) کی ہے بتایا جاتا ہے کہ اس شخص نے 932ء میں ترووادتورئی کا پتھر کا مندر تعمیر کیا تھا[49]۔ اس کی شکل پتھر کے اوپر تراش کر ابھاری گئی ہے۔ اس مورتی کا قد تقریباً ایک فٹ ہے اور یہ مندر کی مرکزی عبادت گاہ کی جنوبی دیوار پر بنائی گئی ہے۔ اس کے پہلو ہی میں ایک الگ چوکھٹے میں جو ایک تنگ سی عمودی پٹی کے ذریعے اس مورتی سے جدا کیا گیا ہے اِلیَا ترونادکرائین کی شخصی تصویر ہے جو اس پتھر کے مندر کے دیوتا کا بھگت تھا[50]۔ اگرچہ امتدادِ زمانہ سے یہ تصویریں خستہ ہوچکی ہیں، پھر بھی ان دونوں افراد کے خدوخال اور وضع قطع اس امر کا ثبوت دیتے ہیں کہ دسویں صدی کے فنکار چہرے کے حقیقی نقوش کی نقل پتھر پر اتار سکتے تھے۔ پچّن نے اپنے بائیں بازو پر مقدس راکھ (بھبھوتی) کا ایک تھیلا لٹکا رکھا ہے جب کہ دوسرے ارادت مند نے اسے نزدیک ایک اونچی جگہ پر رکھ دیا ہے[51]۔

ایک عورت کا جس کا حسن بیتاب کن ہے (دیکھئے تختی نمبر 15 شکل نمبر 31) کانسے کا خوبصورت مجسمہ واشنگٹن DC کی فریر آرٹ گیلری میں محفوظ ہے۔ اس کی تصویر اے۔ کے۔ کمار سوامی نے شائع کی ہے جن کا خیال ہے کہ یہ لکشمی یا پاروتی کا مجسمہ ہوسکتا ہے یا شاید یہ کسی مہارانی مثلاً سمبئن مہادیوی کی تصویر ہو[52]۔ اس کے دل خوش کن متناسب اعضا اور فنکارانہ چابک دستی دیکھ کر اسے یقیناً ابتدائی چولا دور کا کانسے کا بت قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہم کچھ اور ایسی مثالوں کا بھی جائزہ لیں گے جن کی حیثیت شخصی تصویر اور مورتی کے درمیان کی ہے۔

راجندر اوّل کے عہد کی صرف ایک شخصی تصویر ہمارے علم میں ہے۔ یہ کال ہستی کے مندر کی ایک شاندار کانسے کی مورتی ہے جو راج راجا اول کی ملکہ مہارانی چولا مہادیوی کی شبیہ ہے (دیکھئے تختی نمبر 15 شکل نمبر 31) اس مورتی کے زمانۂ تخلیق اور [illegible] شناخت دونوں کی تسلی بخش تصدیق ہوچکی ہے۔ اس تصدیق کا اس مجسمے کے پا[illegible] [illegible] شد[illegible]

عبارت سے پتہ چلتا ہے جس میں لکھا ہے کہ یہ مجسمہ راجندر چولا دیو کے حکم کی تعمیل میں نچیپا لگن نے ڈھالا[53]۔ ظاہر ہے کہ موخرالذکر نام بت تراش کا ہوگا۔ جنوبی ہند کے آرٹ میں یہ دھات کی سب سے پہلی مورتی ہے جس کی تاریخ یقینی طور سے معلوم ہے۔ یہ ایک بہت اعلیٰ اور نفیس شخصی تصویر اور اس زمانے کے آرٹ کا ایک عمدہ شاہکار ہے۔

ایک لڑکے کا دھات کا مجسمہ جس پر کچھ عبارت کندہ ہے جس کے دائیں ہاتھ میں خنجر ہے اور دوسرا ہاتھ کتھک ناچ کی وضع میں سینے تک اٹھا ہوا ہے، دراصل راجہ کلوتنگا سوم کی مورتی ہے۔ (ملاحظہ ہو شکل ۔33) اس کو اڈینا کمی نے کال ہستی میں کالتی اڈینار کے مندر کو تحفے کے طور پر دیا تھا[59]۔ یہ مجسمہ تقریباً کلوتنگا سوم کی تخت نشینی کے وقت بنایا گیا ہوگا۔ مجسمہ بہت سے زیورات پہنے ہوئے ہے اور اس کے چہرے سے جوانی کی طاقت اور ولولے کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ مجسمہ اس لئے بھی بہت اہم ہے کہ یہ غالباً کسی چولا شہنشاہ کی پہلی ہم عصر مستند شبیہہ ہے جو ابتک ہمارے علم میں آئی ہے۔ یہ 1180ء کے قریب بنایا گیا ہے۔

تین اور مورتیاں، ایک پتھر کی جو شری نواسنلور میں ملی ہے اور دو دھات کی جو جنوبی ارکاٹ اور تنجور کے اضلاع سے ملی ہیں، اس نسوانی تصویر کی طرح جس کا جائزہ ہم اوپر لے چکے ہیں، شخصی تصاویر اور بت تراشی کے درمیان کی چیزیں ہیں۔ شری نواسنلور والا مجسمہ (شکل ۔35) کورنگ ناتھ مندر کی شمالی دیوار کے ایک طاقچے میں رکھا ہوا ہے۔ یہاں کے دوسرے طاقچوں میں اور مورتیوں کی موجودگی سے ایسا لگتا ہے کہ یہ مجسمہ بھی دوسروں کے مقابلے میں زیادہ صحیح حالت میں برقرار رہے۔ لیکن اس کی نشست اور اس بات سے کہ مجسمہ انجلی میں گھرا ہوا ہے ... ہمیں آدی چنڈیشا کا خیال آجاتا ہے۔ ترو نام نلور ضلع جنوبی ارکاٹ سے دستیاب شدہ ایک دھات کا مجسمہ جو ملاڈ سردار نرسنگھ منیا درایار کا مجسمہ (شکل ۔36) سمجھا جاتا ہے جو سندر مورتی کا سرپرست مشہور تھا۔ نیز کوڈ کرلی ضلع تنجور سے ملا ہوا ... مجسمہ جو شیو آچاریوں کے ایک مشہور بانی گولک مہرشی (شکل ۔39) کی شبیہہ مانا جاتا ہے، دونوں ... سرپرستی والے زمرے والی مورتیاں ہیں نہ کہ شخصی تصویریں۔

اصنام

... پہلا پتھر کے اور پھر دھات کے مجسموں کا جائزہ لیں گے۔ ... مثالوں

کو لیں گے ان میں شیو مورتیوں کی تعداد زیادہ ہے جیسا کہ چولا عہد کی مورتیوں میں عام طور پر دیکھا گیا ہے۔ وشنو مورتیوں پر ہم علیحدہ بحث نہیں کریں گے بلکہ جہاں تک ممکن ہوگا ہم ان کا تاریخ وار ترتیب سے شیو مورتیوں کے ساتھ ہی جائزہ لیں گے۔ ان کی تفصیلات جاننے کے لیے ان کی نقلوں اور ان پر لکھے گئے خصوصی تحقیقی مقالوں کا مطالعہ کرنا ہوگا کیونکہ ایک عام تذکرے میں مکمل تفصیلات نہیں دی جا سکتیں۔ ان مورتیوں سے متعلق قصے بھی انہی مقالوں سے معلوم کیے جا سکتے ہیں۔

ہم پڈوکوٹہ کے ترو کٹلائی (شکل ۸۷) اور کوڈمبالور (شکل ۸۸) مندروں کے طاقچوں میں رکھی ہوئی دو مورتیوں سے اپنا جائزہ شروع کریں گے۔ یہ دونوں مورتیاں وینا دھرا دکشنا مورتی کی ہیں۔ ان دونوں مورتیوں کی "ویناؤں" میں جو فرق ہے اس کا خیال رکھنا ہوگا۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ ترو کٹلائی مندر والی مورتی ترپرانتکا کی ہو، جیسا کہ کوڈمبالور کے مندر سے ملی ہوئی ایک اور مورتی کے ساتھ مقابلہ سے پتہ چلتا ہے جو ترپرسندری کی مورتی کے ہمراہ کوڈمبالور مندر سے ملی ہے (ملاحظہ ہوں اشکال ۸۹، ۹۰) کوڈمبالور ہی سے ہمیں ایک اور مورتی اردھناریشورا کی ملی ہے (دیکھیے شکل ۹۱) اگرچہ یہ مورتی کسی قدر ٹوٹی پھوٹی ہے۔ تاہم اس میں بت تراشی کی نفاست اور دائیں طرف کے نصف مردانہ جسم اور بائیں طرف کے نصف زنانہ جسم کی چابکدستانہ تراش صاف ظاہر ہے۔ مردانہ نصف جسم میں عموماً دو بازو دکھائے جاتے ہیں۔ ایک بازو بیل پر رکھا ہوا اور دوسرا کسی خاص نشان مثلاً ترشول کو تھامے ہوئے۔ اس طرح پوری مورتی کے تین بازو دکھائے دیتے ہیں لیکن یہاں ہم صرف دو بازو دیکھتے ہیں۔ کرشنا ساستری نے ترووینڈی (ضلع تنجور) سے ملی ہوئی ایک غیر معمولی مورتی کا قلمی خاکہ نقل کیا ہے جس میں دائیں طرف کا نصف بدن زنانہ دکھایا گیا ہے اور بایاں نصف مردانہ۔ اس میں صرف ایک بازو ہے جو کولہے پر دھرا ہوا ہے اور کہنی بیل کے سر پر رکھی ہے۔[56] شری نواسنلور کے کورنگ ناتھ مندر سے ہمیں دوہری طرح سے مجروح لیکن نہایت نفیس مورتیاں ملی ہیں۔ ایک کھڑی ہوئی حالت میں شیو کی شبیہ ہے (شکل ۹۹) غالباً ان کا دایاں پاؤں ایک "گن" کے سر پر رکھا ہوا ہے۔ دوسری مورتی بیٹھے ہوئے دکشنا مورتی کی ہے (شکل ۹۳) اس میں دکشنا مورتی ایک درخت کے نیچے ایک بڑے خوبصورت "تورن" کے ایوان میں براجمان ہیں اور انہیں

ان کے شاگردوں ان کے خاص جانوروں اور نیم دیوتاؤں وغیرہ نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔

تروو الیشورم کی مورتیاں

تروو الیشورم (ضلع تنے ویلی) کا شیو مندر راج راجا اول کے عہد سے قبل کی چولا بت گری کا ایک سچ مچ عجائب گھر سا ہے۔ اس کے "ومان" کے پنجروں کے طاقچوں اور انکے درمیان کی خالی جگہوں میں، شیو کے متعدد اوتاروں کی شاندار مورتیاں ہیں۔ مثال کے طور پر جنوب کی طرف وسط میں نٹ راج کی مورتی ہے (دیکھیے شکل ۴۸) اس کے ٹھیک بائیں جانب ورشبھارودڑھ اور گنگا دھر دکھائے گئے ہیں (ملاحظہ ہو شکل ۴۷) اور دائیں جانب ویر بھدرا اور دیوی ہیں۔ مغرب کی جانب لنگودبھاوا اور مرکز میں اس کے ایک طرف وشنو اور دوسری طرف برہما کی مورتی ہے۔ اس کے خاص بائیں جانب کال ہر مورتی اور کرات مورتی کے بت ہیں اور خاص دائیں طرف یوگ دکشنا مورتی اور اما سہتا کے بت (دیکھیے شکل ۴۹) شمال کی طرف وسط میں گجاری مورتی (شکل ۵۰) چنڈیشا لوگرہ اور سکھاسنا مورتی اس کے خاص دائیں جانب (شکل ۵۱) اور سوما سکندا اور ایک گمنام مورتی اس کے ٹھیک بائیں جانب ہے۔ ایک اور مقام پر ہمیں ایک اردھ ناری کی مورتی ملی ہے جو معمول کے مطابق تین بازوؤں والی ہے۔ ساتھ ہی اس میں سوما سکندوں کا ایک گروہ (؟) نندی بیل کے ہمراہ کھڑا دکھایا گیا ہے اور پاس ہی ایک گن بیٹھا ہوا ہے۔ کاویری پاکم سے دکشنا مورتی کا ایک اور مجسمہ (دیکھیے شکل ۵۲) ملا ہے جو بیٹھی ہوئی حالت میں ہے۔ بائیں بازو کے اگلے حصے میں ایک کتاب دکھائی گئی ہے اور دائیں بازو کا اگلا حصہ (جو غالباً جنان مدرا میں تھا) ٹوٹا ہوا ہے۔ اس مجسمے کا تروو الیشورم کے یوگ دکشنا مورتی سے اور پڈوکوٹہ سے ملے ہوئے وینادھرا سے موازنہ بہت سبق آموز ہے۔

پتھر کے دیگر مجسمے

ابتدائی چولا عہد کے دیگر دلچسپ سنگتراشی کے نمونوں میں آٹھ بازوؤں والی درگا کی ایک مورتی ہے جو پتھر کے اوپر نقوش ابھار کر بنائی گئی ہے۔ یہ ویر ٹانیشور سے ملی ہے اور پتھر کے ایک بڑے ٹکڑے پر مبنی ہے۔ اس میں دو بھگتوں کو دونوں جانب گھٹنے

ٹیک کر جھکے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ بائیں طرف والا بھگت تو اس انداز سے جھکا ہوا ہے جیسے اپنا سر دیوی کو نذر کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح اودنگا پورم ضلع جنوبی ارکاٹ کے وشنو کے مندر کے کھنڈرات سے وشنو اور ان کی دو دھرم پتنیوں کی یکجا ایک مورتی دستیاب ہوئی ہے تنجور اور گنگائی کونڈ چولا پورم کے دونوں برہدیشورا مندروں کی دیواروں پر بہت سی مورتیاں ہیں۔ جن کی جسامت بہت بڑی اور تراش خراش غضب کی ہے۔ ان میں سے صرف چند کا حال یہاں بیان کیا جاسکتا ہے۔ سب سے پہلے ہم سرسوتی (للتا) کی مورتی کو لیتے ہیں جو تنجور مندر میں ملی ہے (تختی 23 شکل 54) پھر گنگائی کونڈ چولا پورم کے مندر کے گربھ گرہ کے جنوب میں ایک پُرشوکت نٹ راج کا مجسمہ ہے (تختی 22 شکل 55) یہ شیو کا آفاقی رقص کی حالت میں ایک تصور ہے۔ اس رقص کے متعلق مزید تفصیل آگے چلکر بیان کی جائے گی جب ہم نٹ راج کے دھات کے مجسموں پر بحث کریں گے۔ اسی جانب پہلے ہری ہر کی نفیس مورتی ہے (شکل 56) شمال کی جانب چنڈیشانو گرہ مورتی کا مجسمہ ہے (شکل 57) یہ کافی مشہور ہے کیوں کہ اس کی نقلیں بھی شائع ہو چکی ہیں اور متعدد مصنفین نے اس کی تعریف کی ہے لیکن اس وجہ سے ہم اسے یہاں نظر انداز نہیں کریں گے۔ اس کا مقابلہ ہم اسی موضوع کے ایک چھوٹے چوکھٹے سے کرسکتے ہیں جو تروالیشورم میں موجود ہے (شکل 31) جہاں بیل پاروتی کے پاؤں رکھنے کے لیے تپائی کا کام دیتا ہے۔ بعد کی مورتیاں زیادہ شاندار اور اپنی تکنیک کے اعتبار سے زیادہ مکمل ہیں۔ شمالی دیوار پر کاما نتکا کا چوکھٹا (تصویر 58) ایک بہت عمدہ شاہکار ہے جس کی صحیح شناخت کیطرف اشارہ پاروتی کی تپسیا کے منظر سے ہوتا ہے۔ اس میں دائیں طرف کے بالائی کونے میں پاروتی کو ایک پیر پر کھڑے ہوکر تپسیا کرتے دکھلایا گیا ہے۔ منمتھ اور رتی شیو کی مرکزی مورتی کے، جو بیٹھی ہوئی حالت میں ہے، ٹھیک دائیں جانب بھاگتے ہوئے دکھائے گئے ہیں ظاہر ہے کہ وہ اندر کے اس حکم کی تعمیل میں بھاگ رہے ہیں کہ جاکر شیو کے مراقبہ میں خلل ڈالیں اس طرح یہ مورتی جزوی طور پر مجسمہ ہے اور جزوی طور پر بیانیہ۔ یہاں ہماری توجہ کا مستحق وشنو کا ایک مجسمہ بھی ہے جس میں ان کی دو بیویاں دونوں پہلوؤں میں ان کی طرف رخ کیے دکھائی دیتی ہیں۔ یہ ایک روایتی قسم کے طاقچے میں چوکھٹے کے اندر محفوظ ہے۔ (شکل 59) سوریہ کا ایک عجیب و غریب پتھر کا مجسمہ بھی مکمل رتھ کی شکل میں ملتا ہے

جسے سات گھوڑے کھینچ رہے ہیں۔ یہ گنگائی کونڈا چولا پورم کے مندر کے مہامنڈپ کے مغربی رخ پر بنی ہوئی مورتی ہے (تصویر ۳۲۰) اس میں سوریہ کا سب ساز و سامان موجود ہے لیکن خود اس کی شکل کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ پتھر کی چوٹی جو کنول پھول کی شکل کی ہے وہی سوریہ کے روپ کی نمائندگی کر رہی ہے۔ ہم چولا عہد کی پتھر کی بت تراشی کا عجلت سے لیا ہوا یہ جائزہ کنکال مورتی (شکل ۳۲۱) کے ایک مجسمے اور گجا مورتی کے ایک شوخ نقش (شکل ۳۲۲) پر ختم کریں گے۔ موخر الذکر مجسمے میں گجا مورتی کے پہلو میں اُما ایک سکند سراسیمہ حالت میں دکھائے گئے ہیں۔ یہ دونوں مورتیاں داراشرم کے مندر کی ہیں۔

دھات کے مجسمے

جس مرکب سے دھات کی مورتیاں ڈھالی جاتی تھیں اس میں خواہ کتنی ہی دھاتیں ملائی گئی ہوں اور کسی بھی تناسب سے، لیکن دھات کے مجسموں کے لیے عام مستعمل آسان اور روایتی اصطلاح "برونزز" ہی ہے۔ بیش تر چولا مورتیاں "چرے پیردو" عمل سے بنائی جاتی تھیں اور اس کی کچھ تکنیکی تفصیلات کی طرف اشارے تنجور کے کتبات میں ملتے ہیں ان کتبوں میں ایسے بتوں کا ذکر ملتا ہے جو ٹھوس، کھوکھلے یا آدھے کھوکھلے بنائے جاتے تھے۔ موخر الذکر کی باہری سطح دبیز ہوتی تھی۔ ان کتبوں میں بہت سی ایسی مورتیوں کا ذکر ہے جن سے شیو سنتوں کی زندگیوں کا حال معلوم ہوتا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی مورتی باقی نہیں بچی ہے۔ البتہ اس وقت بھی جنوبی ہند کے مختلف حصوں سے دستیاب شدہ جتنے بھی چولا برانزز (کانسے کے مجسمے) ہمارے پاس ہیں وہ تعداد اور خوبی دونوں اعتبار سے اس عظیم کمال کی ناقابلِ تردید تصدیق کرنے کے لیے کافی ہیں جو اس زمانے میں دھاتوں کی ڈھلائی کے فن نے حاصل کر لی تھی۔ چولا کانسے کے مجسموں میں نٹ راج کے مجسمے اپنے مختلف روپوں میں قدرتی طور پر سب سے اونچا مقام رکھتے ہیں۔ ان روپوں کے پتھر کے کچھ عمدہ بتوں کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ نٹ راج کے کانسے کے بہترین مجسمے نہ صرف دنیا بھر کے عجائب گھروں میں پھیلے ہوئے ہیں بلکہ اب تک جنوبی ہند کے آباد مندروں میں ان کی پرستش کی جا رہی ہے۔ مثال کے طور پر ناگیشورا کے مندر کی نٹ راج کی مورتی جس کا کبھی کوئی فوٹو تک نہیں لیا گیا ہے بڑی اور بہترین مورتیوں میں سے ایک ہے۔ ہم نے کلاسیکی قسم

کی ایک مورتی کی نقل یہاں چھاپی ہے (شکل 63م) اور اس طرح آٹھ بازوؤں والی کالکا تانڈو (شکل 65م) کی جو نلور کے مندر سے ملی ہے اور چیتر تانڈو کی جو پڈوکوٹہ میں ترووننگلم کے مندر میں موجود ہے تصویریں بھی شائع کی ہیں۔ اس کتاب میں ہم نے مدراس کے عجائب خانے کی دو مورتیوں کی تصویر بھی چھاپی ہیں۔ یہ مورتیاں تروالنگاڈو (چتور تصویر 66م) سے اور رویلان گنی (ضلع تنجور۔ تصویر 69م) سے حاصل کی گئی تھیں۔ خدائی رقاص کا تصور اور اس کی آفاقی اہمیت اور اس کو مورتی کی شکل میں پیش کرنے میں جو لابت تراش کی فنکاری اکثر فن شناس نقادوں سے، جن میں روڈن جیسے سنگتراش بھی شامل ہیں زبردست خراجِ تحسین دصول کر چکی ہے۔ گراؤسٹ اس کے متعلق یوں رقمطراز ہے۔

نٹ راج

"اس کے ارد گرد تروواچی کی آتشی بالہ (پربھا منڈل) چاہے ہو یا نہ ہو ——— وہ ہالہ وہ دنیا کا چکر جسے وہ بھرتا ہے اور پھر تجاوز بھی کر جاتا ہے ——— رقص کا راجہ سراپا موزونیت اور غائب انبساط ہے۔ اپنے دائیں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ سے جو دف (ڈمرو) وہ بجاتا ہے وہ تمام جانداروں کو ایک موزوں حرکت میں لاتا ہے اور وہ اس کی رفاقت میں ناچتے ہیں۔ اس کے ہراتے ہوئے بالوں کی لٹیں اور اڑتا ہوا ہوا شانہ پوش اس آفاقی حرکت کی رفتار کا پتہ دیتے ہیں جو مادے کو منجمد کر دیتی ہے اور پھر اسے ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ اس کے بائیں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ میں وہ آگ ہے جو اس آفاقی گردش میں رواں دواں تمام جہانوں کو زندگی بخشتی ہے اور پھر ختم کر دیتی ہے۔ قادرِ مطلق کا ایک پاؤں ایک دیو پیکر فرد کو کچلتا ہوا دکھایا جاتا ہے، کیوں کہ یہ رقص لاشوں پر ناچا جاتا ہے" تاہم دائیں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ نئی یقین دہانی کا اشارہ رائے مدام کرتا ہے۔ آفاقی نقطۂ نگاہ اور ابدیت کے نظریے سے دیکھا جائے تو اس عالمگیر جبر کی بے رحمی بھی دراصل ایک طرح کی عنایت ہے کیوں کہ اس سے مستقبل کی تخلیق کا سامان ہوتا ہے۔ اور اصل میں ہمارے کائنے کے ایک سے زیادہ مجسموں میں رقص کے راجہ (نٹ راج) کے چہرے پر ایک وسیع تبسم نظر آتا ہے، وہ موت اور زندگی، درد و کرب اور سرور و نشاط سب پر یکساں مسکراتا ہے اور اگر ہمیں ایسا کہنے کی اجازت دی جائے تو اس کا تبسم موت بھی ہے اور زندگی بھی۔ دکھ بھی ہے

اور سکھ بھی .... حقیقت یہ ہے کہ اس بلند نظریے سے تمام چیزیں اپنے صحیح مقام پر آجاتی ہیں اور اپنے وجود کے جواز کے منطقی جبر کو پالیتی ہیں۔ یہاں آرٹ فلسفیانہ تصور کا ایک سچا ترجمان ہے۔ شبیہوں کے ذریعہ سے موزونیت کی خوبصورتی جو پیش کی گئی ہے وہ حقیقت میں مثالی موزونیت کے اظہار کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ نٹ راج کے بازوؤں کی کثرت جو پہلی نظر میں حیران کن معلوم ہوتی ہے اپنے مقام پر ایک داخلی قاعدے کی کی پابند ہے۔ بازوؤں کا ہر جوڑا بذاتِ خود حسن کا ایک نمونہ ہے۔ نٹ راج کا پورا وجود اپنی حد درجہ شادمانی میں ہم آہنگی سے بے تاب ہو جاتا ہے جیسے وہ اس بات پر زور دے رہا ہو کہ اس کا رقص سچ مچ ایک کھیل (لیلا) ہے زندگی اور موت کا کھیل ___ تخلیق اور تخریب کا کھیل ___ جو ایک ہی وقت میں لامتناہی بھی ہے اور بے مقصد بھی ___ نٹ راج کے بائیں ہاتھوں میں سے سب سے پہلا ہاتھ ڈھیلے ڈھالے انداز سے بازو کے ساتھ گجہستا (ہاتھی کی سونڈ) کی وضع میں لٹکتا ہے ___ اور آخر میں جب ہم مجسمے کی پشت کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو قدرتاً یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا اس کے کندھوں کی مضبوطی جو پوری کائنات کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں اس کے برعکس جیسے دھڑ کی شان، مادے کے استحکام اور عدمِ تغیر کی علامت نہیں ہے جب کہ اس کی ٹانگوں کی حیران کن تیز گردش میں مظاہر قدرت کے گرداب کی علامت نظر آتی ہے۔

شیو کے دوسرے پیکر

حال ہی میں ترووینکاڈو سے ہمیں ابتدائی چولا دور کی شیو کی ایک دو بازوؤں والی مورتی ملی ہے جس میں ان کی رفیقۂ حیات بھی ہمراہ ہے (تصویر ـ 68) گنگائی کونڈ چولاپورم سے کھڑی ہوئی حالت میں چار بازوؤں والے شیو کی ایک مورتی جو غالباً ورشبھارو ڈھ ہے۔ ہر چند کہ اس میں سے بیل غائب ہے (ملاحظہ ہو تصویر ـ 69) اور پڈوکوٹہ کے عجائب گھر میں بیٹھے ہوئے (سکھ آسن) شیو کی ایک مورتی (شکل 70) دونوں قابل توجہ ہیں۔ پہلی اس عظیم دیوتا کی ابتدائی چولا عہد کی مورتی ہے جس کے دھرم کو چولا راجاؤں نے حد درجہ فروغ دیا۔ دوسری شاید آخری چولا زمانے کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مہابھارت کی وہ کتھا جو بھاروی کی عظیم نظم کراتارجنیہ کے ذریعے بہت مشہور ہوئی ان دنوں میں

مقبولِ عام تھی۔ اس کتھا کے واقعات متعدد مقامات پر پتھر پر منقوش ملتے ہیں اور ان مقامات میں شاید ماملاپورم بھی شامل ہے اور شیو کے کرات مورتی" اذنار کی دھات کی مورتیاں جنوبی ہند کی کانسے کی مورتیوں میں بہترین مورتیاں ہیں۔ یہاں شیو کو کھڑے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ان کے دو بازو ہیں۔ ایک ہاتھ میں کمان ہے اور دوسرے میں تیر۔ یہ ایک فی الواقعی قدیم مورتی ہے، جس کے گرد بیضوی نورانی ہالہ (بربھامنڈل) ہے اور بایاں ہاتھ اس ہالے تک اس وضع میں اٹھا ہوا ہے کہ کمان کو پکڑ سکے۔ یہ مورتی چدمبرم کے قریب تردونکلم سے ملی ہے (شکل 71) جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے یہ جگہ ان مقامات میں سے ایک ہے۔ جہاں "کرات کتھا" کے واقعات پیش آئے تھے۔

اگرچہ اس کانسے کی مورتی کو پلو عہد کی مورتی سمجھا جاتا ہے لیکن ایسا کوئی فیصلہ کن سبب نہیں ہے جس کے پیشِ نظر اسے ابتدائی چولا عہد سے پہلے کی تخلیق قرار دیا جائے، یعنی اس زمانے کی جسے ہم نے تغیر کے عبوری دور کا نام دیا ہے ایک اور مجسمہ جو قدرے بعد کے زمانے کا ہے اور کانسے کی صناعی کا ایک بہترین نمونہ ہے رادھانرسمہاپورم (ضلع تنجور) سے ملا ہے۔ (تصویر 72) کانسے کے اس عمدہ مجسمے کے ہم نے یہاں دو رخ پیش کئے ہیں جن میں جٹا مکٹ اور گردن کے زیورات کی تفصیلات اور چہرے کے پر معنیٰ خد و خال نظر آتے ہیں۔ تردواد تورائی (ضلع تنجور) سے "النگن مورتی" کا ایک مجسمہ ملا ہے جس کے ارد گرد "بربھامنڈل" (نور کا ہالہ) ہے۔ یہ قدیم چولا آرٹ کا ایک اعلیٰ شاہکار ہے (تصویر 73) اس میں شیو اور پاروتی کی مورتیوں کا تناسب اور وضع بہت دلکش ہے اور ان کے سر کے بال کے سنوارنے کا انداز، زیورات اور ملبوسات مطالعے کے مستحق ہیں۔ شیو کے متعلق ایک اور روایت یہ ہے کہ یہ دیوتا ایک برہنہ فقیر (بھکشاٹن) کے روپ میں اِدھر اُدھر مارے مارے پھر رہے تھے یہ روپ انہوں نے "برہم ہتیا" کے پاپ کا پرائسچت کرنے کے لیے اختیار کیا تھا کیونکہ انہوں نے برہما کے سروں میں سے ایک سر کاٹ کر برہم ہتیا کا گناہ کیا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ دارو کون کے سبھی رشیوں منیوں کی بیویاں سوائے مہرشی وششٹ کی بیوی ارندھتی کے اس برہنہ دیوتا کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئیں۔ اس قصے نے "بھکشاٹن مورتی" کے پتھر اور دھات کے بہت سے مجسموں کو جنم دیا ہے اور اس سے بہت زیادہ مشابہت رکھنے والی "کنکال مورتی" کے مجسمے کو بھی جو داراشرم میں بھی ملی ہے اور جس کی تصویر ہم نے اس کتاب میں شامل کی ہے۔

ترونامنلور کے شیومندر میں "بھکشاٹن مورتی" کا دھات کا ایک بہت خوبصورت مجسمہ ملا ہے جو واقعی بہت قدیم ہے (شکل نمبر 79) اور جو اپنی بے باکی اور سادگی کی وجہ سے بعد کے ایک مجسمے سے مختلف جو تروچنگوڈو (ضلع سیلم) سے ملا ہے (شکل 75) اور جس میں دیوتا کے داہنی طرف ایک ہرن ہے اور بائیں جانب ایک "گن" جس کے سر پر خیرات لینے کے لیے پیالہ رکھا ہوا ہے۔ اس طرح یہ مورتی زیادہ مکمل اور پہلی مورتی کی طرح دل کش ہے۔ تروچنگوڈ کی مورتی بھکشاٹن مورتی ہے۔ پہلے والی مورتی کے بازوؤں میں وہ امتیازی نشان نہیں ہیں جو کہ دوسرے بعد کے مجسمے میں پائے جاتے ہیں سوائے برہما کی کھوپڑی کے جو اس کے بالائی بائیں ہاتھ سے چپکی ہوئی ہے۔ سکندیا سبرہمنیا جو شیو اور پاروتی کا چھوٹا بیٹا ہے، بہت ہر دلعزیز دیوتا ہے۔ بعض لوگوں کی رائے میں وہ اصلی تامل دیوتا ہے جس کا تامل نام "مروگا" تھا اگرچہ دیو مالا کے اور بہت سے دیوتاؤں کی طرح جدید تنقید نے یہاں بھی اس دیوتا کی صفات اور کارناموں میں آرین اور قبل از آرین عناصر کے باہمی اختلاط کا عمل تسلیم کیا ہے۔ اس دیوتا کا ابتدائی چولا عہد کا بنا ہوا کانسے کا ایک مجسمہ جس کے گرد بیضوی ہالہ ہے، تروونڈاکلی (ضلع تنجور) میں ملا ہے (شکل نمبر 76) اس کے بہت مدت بعد کا ایک اور مجسمہ جس کی تصویر یہاں شامل نہیں کی گئی ہے۔ تروورنگلم (پڈوکوٹہ) سے ملا ہے۔ اس میں گول نورانی ہالہ ہے، مور کی سواری ہے، اور دیوتا کے دونوں پہلوؤں میں اس کی دو بیویاں کھڑی ہوئی ہیں جن کو ایک ہی تصور کے دو مختلف روپ کہا جا سکتا ہے۔ پہلے والی مورتی جس میں دیوتا کا صرف ایک سر اور چار بازو دکھائے گئے ہیں، جن میں سے دو میں دیوتا کے امتیازی نشان ہیں، آرٹ کے ایک شاہکار کی حیثیت سے کہیں زیادہ دلکش اور دل خوش کن ہے۔ گو شیو دھرم کے عقیدت مند اکثر وجوہ سے بعد کی بنی ہوئی مورتی اور اسی طرح کی اور مورتیوں کو ترجیح دیں گے۔

مذکورہ بالا مجسموں کے بعد جو مجسمے ہماری توجہ اپنی جانب مبذول کرتے ہیں وہ چار وشنو مورتیاں ہیں جو شیر مادیوی (ضلع تنے ویلی) کے ایک مسمار شدہ مندر سے ملی ہیں۔ یہ چاروں چولوں کے ابتدائی دور کی ہیں۔ ان میں سے دو مورتیاں وشنو کی ہیں (تصویر نمبر 77 و نمبر 78) اجیت گھوش کی رائے کے مطابق ان میں ایک رکمنی کی ہے (شکل نمبر 79) اور آخری لکشمی کی (شکل نمبر 80) وشنو کے دونوں مجسمے سمبھنگ وضع میں ہیں۔ ان میں دیوتا کا جسم بالکل سیدھا اور متوازن ہے اور دونوں میں وشنو پدم آسن پر کھڑے ہیں۔

جس کو نیچے بھدر آسن کا سہارا ملا ہوا ہے۔ دونوں مورتیوں میں ہاتھیوں میں تھامے ہوئے نشان اور ہاتھوں کے اشارے ایک جیسے ہیں۔ ان میں سے بڑی جسامت والی مورتی زیادہ سادہ اور صاف ہے اور وہ راجندر اوّل کے زمانے کی ہوگی۔ یہ مورتی تین فٹ دو انچ اونچی ہے اور جنوبی ہند میں وشنو کی کانسے کی مورتیوں میں سب سے بڑی مورتی ہے۔ رکمنی کی مورتی (شاید یہ بھی لکشمی ہے؟) اپنی حد درجہ سادگی کے لیے بہت نمایاں ہے اور تنجور مندر کی سرسوتی سے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے یا لکشمی کے اس کانسے کے مجسمے سے جو اب ہمارے علم میں آیا ہے پہلے کی ہوگی۔ رکمنی اور ملکشمی دونوں ان مورتیوں میں "تربھنگ" وضع میں کھڑی ہیں اور ان مورتیوں کے بہت پہلے ہونے کی وجہ سے ان میں سینہ بند (کچابندھ) نہیں ہے۔ پہلی مورتی کی بائیں ٹانگ قدرے جھکی ہوئی ہے اور دوسری مورتی کی دائیں ٹانگ میں خم ہے۔ اور ان کے کھڑے ہونے کی وضع میں اس فرق کے باعث باقی جسم میں بھی ضروری فرق ہے۔ ان مورتیوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ "لکشمی ایک چھریرے بدن والی جوان دیوی ہے۔ رکمنی پختہ سن کی عورت ہے۔ دونوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے لیکن مبالغے کی حد تک نہیں۔" جہاں تک ان چاروں کانسے کے مجسموں کی تاریخ کا تعلق ہے یہی مصنف کہتا ہے "رکمنی کی مورتی سب سے پرانی ہے۔ اس کے بعد کی مورتی مسکراتے ہوئے وشنو کی ہے۔ اور اس کے بعد لکشمی کا نمبر آتا ہے۔ جب کہ بڑی جسامت والی وشنو کی مورتی ان سب کے بعد کی بنی ہوئی ہے۔ یہ سب مجسمے سنہ 875ء اور سنہ 1032ء کے درمیان کے ہیں۔" لیکن ان کی تاریخوں کی تقدیم و تاخیر کا صحیح ہونا کچھ اتنا یقینی نہیں ہے۔ تین کانسے کی مورتیاں تروکڈائیور (ضلع تنجور) سے ملی ہیں جو رام لکشمن اور سیتا کی ہیں۔ ہنومان اس میں ان کی پوجا کرتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ (تصویر نمبر 81) یہ مورتی چولا عہد کے کانسے کی ڈھلائی کے بہترین دور کی عمدہ ترین تخلیقات میں سے ایک ہے یعنی راج راجا اوّل اور راجندر کے عہد کی۔ اور اسی طرح کی دوسری کثیر تعداد مورتیوں کے گروہ کی نمائندہ ہے جن میں سے خوش قسمتی سے بہت سی ابھی تک مندروں اور عجائب خانوں میں موجود ہیں۔ تروونکاڈو سے ایک بے مثال مورتی حال ہی میں ایک گروہ کی ملی ہے جس میں شیوجی اور پاروتی کی شادی کا منظر دکھایا گیا ہے (شکل نمبر 82)۔

چولوں کے دھات کی ڈھلائی کے فن کا ہمارا مختصر مطالعہ نفاست سے بنائی گئی مہروں کا جائزہ لے کر مکمل ہوگا جو ان تانبے کے بڑے چھلوں پر ہیں جن سے چولوں کی تانبے کی تختیاں

جن پر فرامینِ عطیہ درج ہیں، باندھی گئی ہیں۔ ان میں سے جو مہر بہت اچھی حالت میں ہے اس کا علم ہم کو ابھی حال میں ہوا ہے۔ یہ مہر (شکل 83) کرن دلی کی تختیوں پر ثبت ہوئی دو مہروں میں سے ایک ہے۔ کرن دلی ضلع تنجور میں ہے (شکل 83)

سنگتراشی کی آخری قسم جس پر ابھی غور کرنا باقی ہے وہ امتیازی نشان کی ساخت ہے جو زیبائشی مقاصد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک طرف شخصی تصویروں اور مورتیوں اور دوسری جانب خالص زیبائشی نمونوں کے درمیان کی تخلیق "دوارپالکوں" کی وہ مورتیاں ہیں جو مندروں کے صدر دروازوں کے دونوں طرف پائی جاتی ہیں۔ شاید یہ پرانے زمانے کا دستور تھا کہ مفتوحہ راجاؤں کے پتلے راج محلوں اور مندروں کے صدر دروازوں پر دوارپالکوں کی حیثیت سے لگائے جاتے تھے۔ اس طرح کے کئی حوالے پرانے کتبوں میں ملتے ہیں۔ لیکن جلد ہی اس کے بجائے کچھ روایتی نیم خدائی پیکروں کو "دوارپالک" کے طور پر دکھایا جانے لگا۔ یہ پیکر پہلے دو بازوؤں کے ہوتے تھے۔ پھر ان کے چار بازو ہو گئے۔ دوارپالکوں کے ہاتھوں میں جو نشان ہوتے تھے وہ مندر یا عبادت گاہ کے دھرم کے مطابق مختلف ہوتے تھے۔ بعد میں دوارپالکاؤں (دربان عورتوں) کا رواج بھی چل پڑا بالخصوص دیویوں کے مندروں میں اور کبھی کبھی عام مندروں میں بھی۔ وجیالیہ چولیشورن سے دستیاب شدہ ایک دوارپال (شکل 89) اور ترِبھوونم کے کمبھریشورا مندر کی ایک دربان عورت (دوارپالکا) (تصویر 85) کے دیکھنے سے زیر مطالعہ دور کے آغاز اور اختتام کے وقت ایسے پیکروں کی خصوصیات ظاہر ہوں گی۔ دوارپالکوں اور مورتیوں کے علاوہ جو مندروں کی دیواروں کی بیرونی طرف کے طاقچوں کو مزین کیے ہوتی تھیں عمارتوں کی زیبائش کے اسباب میں کچھ اور عوامل بھی تھے۔ بڑے بڑے مندروں میں بہت وزنی اور دلکش آرائشی حاشیئے تھے جن پر جانوروں اور پرندوں کے نقوش کی جھالریں بنی ہوئی تھیں۔ نارتاملئی کے مندر کے ایک ایسے ہی حاشیئے کی مثال ہم نے تصویر 85 میں دکھائی ہے جس پر ہاتھی، شیر اور یالی باری باری سے بنے ہوئے ہیں۔ کارنسوں کے اوپر اور نیچے یالیوں، گنوں اور پرندوں پر مشتمل دیگر بہت سے حاشیوں کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں جہاں ہم نے الگ الگ مندروں کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اکثر بنیادی کرسی میں بھی مختلف لمبائی چوڑائی کی جگہیں (دیوگوشٹھا) دی جاتی تھیں تاکہ ایک جیسے ڈھلے ہوئے پتھروں کی بڑی

لمبائی میں تنوع پیدا ہو سکے۔ ان کی تین مثالوں کی جو چولا عہد کے تربھوونم کے آخری عظیم مندر کی ہیں۔ تصاویر یہاں پیش کی جارہی ہیں (تختی 35، اشکال 89-91) ان میں سے ایک تصویر میں شیر کے منہ والے ستون کی عدم موجودگی اور دوسری میں اس کی موجودگی اور تیسری میں شیر کے منہ والے ستون کے علاوہ طاقچے کے دونوں جانب پچھلے پیروں پر کھڑے ہوئے بڑے بڑے شیروں کی موجودگی قابل غور ہیں۔ تیسری تصویر وجیا نگر کی سلطنت میں ہونے والی نئی ترقیوں کا پیش خیمہ تھی۔ دوسرے قابل توجہ آرائشی خدوخال زینے اور ان کے کناروں کے کٹہرے تھے۔ ان میں زینوں کے دو کٹہرے خاصے روایتی ہیں، ایک داراشرم کے مندر کے زینے کا (تصویر 87) جس میں کھلے میدان میں ایک ہاتھی پر شیر کے حملے کا منظر ابھارا گیا ہے۔ دوسرا تربھوونم مندر کا جس میں 'یالی' کی سونڈ کا نمونہ بنایا گیا ہے جس کے خم سے محرابی کٹہرے کے اوپر کا آخری حصہ خودبخود بن جاتا ہے۔ نیچے سنگتراشی سے کچھ مناظر پیش کیے گئے ہیں جو خاصے رواجی ہیں (تصویر 88) تنجور کے مندر کے جنوبی دروازے کی طرف لے جانے والے زینے کے کٹہرے پر بدھ کے نروان کے منظر زیبائش کے لیے بنائے گئے ہیں جو کئی اعتبار سے بہت دلچسپ ہیں۔ آخر میں پرانوں کی کتھاؤں کے مناظر والے چوکھٹے ہیں جو زیبائش کے لیے عمارت کی کرسیوں پر مناسب مقامات پر تراشے گئے ہیں۔ بالخصوص اس کشادہ اور ہموار حصے پر جو بڑے مندروں میں فٹ بھر یا ڈیڑھ فٹ کے قریب اونچا ہوتا ہے۔ اس سے عقیدت مندوں کو مندر کی کھلی ہوئی "پرکرما" میں کتھاؤں کے مناظر اطمینان سے بغور دیکھنے اور ان سے سبق حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔ رامائن، مہابھارت، شیو کے کھیل، بزرگ شخصیتوں کی سوانح عمریاں اور ایسے ہی دوسرے سبق آموز مضامین اس سنگتراشی کے موضوعات ہیں۔ یہ بیانیہ چوکھٹے — جن کا مقام آرٹ کے شاہکاروں میں بہت بلند ہے، بذات خود بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ تربھوونم کے مندر میں رامائن کے منظر کے ایک چوکھٹے میں (تصویر 97) کئی ہاتھوں اور سروں والے راون کو سیتا کو اغوا کرکے رتھ میں ڈال کرلے جاتے ہوئے دکھایا گیا ہے، جٹایو نام کا پرندہ جو راون سے مقابلہ کرتا ہے لڑائی میں مہلک طور پر زخمی ہو جاتا ہے اور بعد میں اس کی روح جسم سے پرواز کر جاتی ہے۔ بہت چھوٹے چھوٹے چوکھٹے جو مندروں میں ایسے مقامات پر بنائے گئے ہیں جہاں دیکھنے والے ارادت مند کی نظر کی ان تک رسائی نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ

خاص طور پر انہیں تلاش نہ کرے اور جو 6 ۔ انچ × 9 ۔ انچ تک چھوٹے ہیں اکثر گربہ گرہ کے بیرونی پیل پایوں کے نچلے کناروں پر بنائے گئے ہیں۔ جیسے ناگیشورا، پلمنگائی اور پنجائی کے مندروں میں۔ ناگیشورا مندر کے رامائن کے چوکھٹوں میں سے ہم نے مندرجہ ذیل مناظر والی مورتیوں کی عکسی تصاویر اس کتاب کے آخر میں شامل کی ہیں:۔

1 ۔ اگنی راجہ دشرتھ کو پائیسا پیش کر رہے ہیں (تصویر نمبر 92) 2 ۔ راجہ دشرتھ اپنی مہارانیوں کو پائیسا تقسیم کر رہے ہیں (تصویر نمبر 93) 3 ۔ رام کی پیدائش (تصویر نمبر 94) 4 ۔ رام کی تاڑکا سے لڑائی (شکل نمبر 95) اور 5 ۔ ہنومان کی راون سے دربار میں ملاقات (تصویر نمبر 96) پنجائی کے مندر ہمیں وراہ اوتار کی کہانی کا چوکھٹا ملا ہے تصویر نمبر 98) نیز ایک وہ چوکھٹا جس میں کرشن کو دائی پوتنا کی چھاتی سے دودھ پیتے اور اس کے ساتھ اس کی جان نکالتے ہوئے دکھایا گیا ہے (تصویر نمبر 99) "پیریا پرانم" کی کتھاؤں کے مناظر والی مورتیاں جو دارا شرم کے مندر میں ملی ہیں بہت مشہور ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر بہت سے دلچسپ نمونے پھول پتیوں کے نقش و نگار کے اور بعض جگہ مسلم آرٹ کی طرح ہندسی خاکوں کے بھی دستیاب ہوئے ہیں جن کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ یہاں تفصیل سے ان کا جائزہ لینا ممکن نہیں ہے۔ اصل میں چولا فنِ تعمیر اور فنِ بت تراشی ایسے میدان ہیں جو اب تک عدمِ توجہی کا شکار رہے اور موجودہ مندروں میں جو بہترین ہیں ان پر مقالے تیار کرنے پر فوراً توجہ دینی چاہیے۔

مصوّری

چولا آرٹ کی دوسری اصناف کی مانند چولا مصوری بھی اس میدان میں پلّو یا پانڈیا کارکردگی کے تسلسل اور فروغ ہی کی شکل تھی۔ قدیم تاملِ دیواری تصاویر کی عمدگی اور ان کی وسعت کے دائرے کے متعلق ہم عصر تصانیف کی شہادتیں معتبر بھی ہیں اور کثیر بھی۔ لیکن یہ تصاویر اب باقی نہیں ہیں۔ اور ہمارے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے جس سے ہم اس وقت کے آرٹ کی نوعیت کے متعلق کوئی صحیح اندازہ لگا سکیں۔ دراصل تصویر آرٹ کی ایک بہت نازک تخلیق ہے اور امتدادِ وقت اور موسم کے شدائد کے ہاتھوں سب سے پہلے اسی کو ضرر پہنچتا ہے۔ چٹانوں اور مصوری میں استعمال کیے

جانے والے رنگوں میں جو کیمیاوی تغیرات ہوتے ہیں وہ اس پر مستزاد ہیں۔ بعض مرتبہ قدیم زمانے کی عمدہ تصاویر کے اوپر بعد میں گھٹیا معیار کی تصویریں بنا دی گئی ہیں، جیسے تنجور کے مندر میں۔ البتہ ان بہت سے شبہات کے باوجود بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ تامل دیش میں مصوّری کی روایات کا سلسلہ برقرار رہا۔

کچھ پلو تصویروں کے ٹکڑے جو ابھی تک تروماتم اور رما مندر کے پہاڑی مندروں اور پنا ملائی، کانچی اور مالاپورم کے چنائی سے تعمیر شدہ مندروں میں ملتے ہیں، نیز ماملا پورم کے رتھوں میں بھی ـــ وہ ساتویں اور آٹھویں صدی کی تخلیقات ہیں جب کہ شتن واشل کی تصویروں کی اوپر کی پرت، جسے اکثر غلطی سے پلو عہد کا سمجھا جاتا ہے، نیز تروملئی پورم (ضلع تنے ویلی) کے گپھا مندر کی تصاویر دونوں پانڈیوں کے عہد کی ہیں اور نویں صدی عیسوی کی تخلیق ہیں۔ چولا تصویروں میں سے اہم ترین تصویریں وہ ہیں جو تنجور کے مندر کی پردکشنا (یعنی غلام گردش) میں گربھ گرہ کے چاروں طرف بنی ہوئی ہیں اور غالباً مندر کی تعمیر کے ساتھ ساتھ ہی بنائی گئی تھیں۔ یہ راج راجا اوّل اور راجندر اوّل کے عہد حکومت کی ہیں۔

جنوبی ہند کی تصاویر اجنتا، سگریا، باغ، بادامی اور ایلورا کی مقابلتاً زیادہ مشہور تصویروں سے بالکل جداگانہ طرز کی ہیں۔ ان کے نیچے کا پلستر گھٹیا چونے کا بنا ہوا ہے اور اس کے اوپر چونے کی ہلکی لپائی کی گئی ہے جس کے اوپر چونے کی ترکیب والی تکنیک کے مطابق رنگ کیا گیا ہے۔ رنگ لگانے میں کسی چپکنے والی چیز مثلاً گوند یا سریش کا استعمال نہیں کیا گیا ہے یہ ایک امتیازی خصوصیت ہے جو ان تصاویر کو دکن اور لنکائی تصاویر سے ممتاز کرتی ہے جن میں نیچے کا پلستر چکنی یا دریائی مٹی اور ریت سے بنایا جاتا ہے جس میں تھوڑا سا چونا ملا ہوا ہوتا ہے اور مضبوطی عطا کرنے کے لیے کچھ دوسری چیزیں مثلاً گوبر، بھوسا یا سبزیوں کے ریشے ـــ اس پلستر پر چونا پھیرا جاتا ہے جس کی موٹائی محض انڈے کے اوپری چھلکے کے برابر ہوتی ہے۔ تب اس پر قدرتی رنگوں سے جن میں چپکنے کی غرض سے سریش یا گوند ملا ہوتا ہے، چونا خشک ہو جانے کے بعد تصویر کشی کی جاتی ہے۔ یہ تکنیک ٹمپرا کہلاتی ہے۔ دوسری طرف شتن واشل کی تصاویر میں نیچے کا پلستر چونے اور ریت کا ہوتا ہے جو کھردری زمین بناتا ہے اور جس کے اوپر چونے کا ہلکا پلستر کیا گیا ہے، پھر اس کے اوپر قدرتی رنگوں سے مصوّری کی گئی ہے۔ لیکن ان میں چپکنے والی کوئی چیز نہیں ملائی گئی ہے۔ چونکہ تحقیق سے

یہ ثابت ہوا ہے کہ رنگوں میں چونے کا پانی ملایا گیا ہے اور ان کو خشک کی ہوئی زمین پر لگایا گیا ہے۔ اس لیے یہ خالص "فریسکو سیکو" تکنیک ہے جو اصل "فریسکو" تکنیک سے مختلف ہے جس میں رنگ چونے کی اس پرت پر لگایا جاتا ہے جو ابھی تک گیلی ہوتی ہے اور جس کی ایک بہت عمدہ مثال ہمیں تنجور کی چولا تصاویر میں ملتی ہے۔

کانچی

جنوبی ہند کی مصوری کے تمام دوسرے شاہکار جو ممندر، ترو مایم، کانچی، نارتا ملئی، سوم پالائم، لیپاکشی، ترو لوکرنم، ملنیا ڈی پٹی، ترا ونکور، کوچین اور دوسرے مقامات کے مندروں سے ملے ہیں، "فریسکو سیکو" تکنیک سے تعلق رکھتے ہیں۔[۵]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تنجور کی تصاویر میں، دوسرے مقامات کی طرح ہلکے چونے کا پلستر اس وقت کیا جاتا تھا جب نیچے کی زمین کا کھردرا پلستر ابھی گیلا ہوتا تھا۔ اصل فریسکو تکنیک میں بھی رنگ اس وقت لگایا جاتا تھا جب سطح ابھی گیلی ہوتی تھی۔ اس ترکیب سے رنگ سطح کے اندر جذب ہو جاتا ہے اور اس کے بعد جلد ہی جب پانی کا جزو بخارات بن کر اٹھتا ہے تو گیلے چونے میں جو کیلشیم آکسائڈ ہے اس کا ہوا میں موجود کاربن ڈائی آکسائڈ پر ردِ عمل ہوتا ہے اور سطح پر ایک پتلی حفاظتی شفاف جھلی سی بن جاتی ہے۔ اگر خشک چونے کی سطح پر رنگ لگایا جائے تو اس کا بھی یہی ردِ عمل ہوتا ہے، اور رنگ اگرچہ اس میں جذب نہیں ہوتا لیکن شفاف حفاظتی جھلی اس پر ضرور نمودار ہو جاتی ہے۔ فریسکو تکنیک کا یہی فائدہ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ تنجور میں بہت اچھی طرح ٹھنڈا کیا ہوا چونا جو لکڑیوں کی آگ پر تیار کیا گیا ہوگا۔ اس چونے میں سنگِ مرمر کی خاک نہیں پائی گئی ہے۔ ان تصاویر کے رنگ صرف کالے رنگ کو چھوڑ کر باقی قدرتی دھاتوں سے حاصل کیے ہوئے رنگ ہوتے تھے۔ خاص خاص رنگ جو استعمال ہوتے تھے وہ سیاہ، زرد، بادامی، سرخ، نیلا، سبز، زردی مائل سبز اور ہلکا نیلا تھے۔ ان رنگوں کے لیے جو چیزیں استعمال کی جاتی تھیں وہ تھیں، سفید رنگ کے لیے چونا، سیاہ رنگ کے لیے لکڑی کا کوئلہ یا چراغ کا کاجل۔ نیلے رنگ کے لیے لاجورد، ہلکا نیلا بنانے کے لیے اس میں چونے یا باریک ریت کی آمیزش کی جاتی تھی۔ زرد، بادامی اور سرخ رنگ کے لیے "اوکر" (ایک قسم کی مٹی جس میں لوہا ملا ہوا ہوتا ہے) سبز رنگ کیلئے

ٹیری ور رنٹے زردی مائل سبز رنگ کے لیے لاجورد اور پیلا۔ اور لاجوردی سبز رنگ کے
لئے لاجورد اور کا مرکب۔ رنگوں کے بنانے میں وہی چیزیں استعمال کی جاتی تھیں جن کا ردعمل
چونے کے ساتھ آمیزش کیے جانے کے بعد ناگوار نہ ہو۔ یہ فریسکو تکنیک کی کمزوری ہے چونکہ
فریسکو تکنیک میں تمام رنگ خشک ہو جانے پر ہلکے پڑ جاتے ہیں اس لئے مصور کو اس امر
کا بخوبی اندازہ ہونا چاہیے کہ خشک ہو جانے کے بعد رنگ کتنے گہرے باقی رہ جائیں گے۔ تنجور
کے آرٹسٹوں نے اس کو اتنی اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ انہوں نے رنگوں میں ایک ہم آہنگی حاصل
کرلی تھی۔ کہیں کہیں رنگ ایسی اچھی طرح جڑ نہیں پکڑتے جیسا کہ عام طور پر ہونا چاہیے یہاں
ایسا پایا گیا ہے کہ رنگ چونے والی ترکیب کے ذریعے لگائے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ
ان تصویروں کو "فریسکو" کی تکنیک سے شروع کیا جاتا تھا اور چونے والی تکنیک سے مکمل
کیا جاتا تھا۔ اصل "فریسکو" کے کام میں چونے والی ترکیب کے مقابلے میں زیادہ صحت اور پھرتی
کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کام کی تکمیل چوکھٹے وار کی جاتی تھی اور بہت
احتیاط کے ساتھ ان چوکھٹوں کو آپس میں ملایا جاتا تھا تاکہ ان رنگوں میں مطابقت قائم رہے
تنجور میں چولا عہد کے "فریسکو" تکنیک کے چوکھٹوں کے جوڑ اس خوبصورتی سے چھپائے
گئے ہیں کہ یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے کہ مصوری کس رفتار سے کی جاتی تھی اور دن
بھر میں ایک مصور کتنے رقبے میں کام پورا کر لیتا تھا۔ پلستر اتنا ہلکا کیا ہوا ہے کہ وہ نمی کو
اپنے اندر بہت تھوڑی دیر تک جذب رکھ سکتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصور دن بھر
میں ایک دیوار مکمل کر لیتے تھے یا اتنی دیر تک جب تک اس میں نمی باقی رہتی تھی۔ اس طرح
کوئی بھی جوڑ دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔ اتنا کام کرنا غیر ممکن بھی نہیں تھا۔ کیونکہ ایک دیوار
رنگوں کے ذریعے سے آسانی سے افق کے متوازی کئی چوکھٹوں میں تقسیم ہو سکتی ہے اور ہر
چوکھٹے کو ایک یا ایک سے زیادہ مصور مکمل کرتے ہوں گے۔ حقیقت میں موضوعات کئی
چھوٹے چھوٹے مناظر سے مل کر بنتے ہیں جو الگ الگ چوکھٹوں میں دکھائے جا سکتے ہیں۔ ہر
منظر کی تصویر کشی ایک مصور کرتا ہوگا اور بہت سے مصور بیک وقت ساتھ ساتھ کام کرتے
ہوں گے۔ ان چوکھٹوں کا رقبہ 29 مربع فیٹ سے لے کر 67 مربع فیٹ تک ہے۔ افق
کے متوازی رنگ کی دھاریوں کے ذریعے سے جوڑوں کو چھپانا غیر ممکن نہیں ہے۔ وقت
کی قلت کے باعث جو "فریسکو" طریقے میں لابدی تھی، ملبوسات اور زیورات کو اتنی تفصیل

سے دکھانا اور اتنی عام یہاں تک کہ انسانی شبیہوں میں بھی زیبائشی فضا پیدا کرنا مصوروں کی کامل مہارت کے بغیر ممکن نہیں تھا۔

تنجور کے مندر کے "وماں" کے نیچے پردکشنا کی دیواروں اور اندرونی چھتوں پر بنی ہوئی تصاویر پر روشنی کے لیے گربھ گرہ کی جنوب، مغرب اور شمال کی جانب کی بیرونی دیواروں کے بیچ میں تین دروازے شروع میں بنائے گئے تھے۔ ان دروازوں کو وجیہ راگھو نائک نے سنہ 1653ء اور سنہ 1653ء کے درمیان ٹوٹے پھوٹے اینٹ پتھروں کی دیواروں سے بند کروا دیا تھا۔ ان دیواروں کو اب محکمۂ آثار قدیمہ نے مسمار کروا دیا ہے۔ یہ دروازے اندرونی دیواروں کے دونوں اطراف کے مرکزی دریچوں میں بنے ہوئے طاقچوں کی سیدھ میں ہیں جو "دیوگوشٹھا" کہلاتے ہیں اور جن میں ان کے سائز کے مطابق بڑی بڑی مورتیاں رکھی ہوتی تھیں۔ بیرونی دیوار کے طاقچوں کی ترتیب کے مطابق عمودی پیل پائے بنے ہوئے ہیں جو پردکشنا کے راستے کو پندرہ حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ ان میں سے دو حصے مشرق کے صدر دروازے کے دونوں جانب ہیں، پانچ پانچ شمال اور جنوب میں ہیں اور تین عقب میں مغرب کی جانب ہیں۔ پردکشنا کی ترتیب کے مطابق صدر دروازے کے جنوب سے شروع کریں تو پہلے تین حصوں کی دیواریں اور اندرونی چھتیں سولہویں اور سترہویں صدی کی نائک سیریز کی تصاویر سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ یہ تصاویر کسی چولا تصاویر کے اوپر بنی ہوئی نہیں معلوم ہوتیں۔ چوتھے آٹھویں اور بارہویں حصوں میں جن کی بیرونی دیواروں میں راستے بنے ہوئے ہیں، اندرونی دیواروں پر بڑی بڑی مورتیاں کثرت سے بنی ہوئی ہیں۔ اور آخری تین حصوں (13 تا 15) میں پھر وہی نائک سیریز کی تصاویر ہیں جن کے نیچے کوئی چولا تصویر نہیں ہے۔ باقی چھ حصوں میں بہت ہی اعلیٰ چولا تصاویر ہیں۔ جہاں جہاں ان کے اوپر سے نائک سیریز کی تصویریں چھل کر اتر گئی ہیں وہاں وہاں یہ چولا تصویریں صاف نظر آتی ہیں۔ آثار قدیمہ کے ماہر کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ درپیش ہے کہ دوسری جگہوں سے نائک سیریز کی تصاویر کی پرت اتارنے کا کامیاب طریقہ کیا ہو سکتا ہے جس سے نیچے والی چولا تصاویر کو ضرر نہ پہنچے۔

تنجور کی چولا تصاویر کے موضوعات مذہبی ہیں اور یہ بیشتر مقدس ہستیوں کی سوانح عمریوں سے اخذ کیے گئے ہیں جو بعد میں "پیریا پرانم" کی شکل میں مرتب کر دی گئی تھیں۔ سندر

موری کی زندگی کے واقعات بعض بہترین تصاویر کا موضوع ہیں مغربی دیوار (ساتواں حصہ) کے ایک چوکھٹے کے اوپر کے حصے میں کیلاش پربت کا منظر دکھایا گیا ہے۔ شیوجی شیر کی کھال پر "یوگاسن" میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ نندی بیل سامنے بیٹھا ہے۔ دوسری طرف رشیوں کی ایک ٹولی اور دو رقص کرتی ہوئی "اپسرائیں" ہیں۔ شیو کی تصویر سرخ رنگ سے بنائی گئی ہے اور ایک رشی کی نیلے رنگ سے۔ اس کے بالکل نیچے سندر موری اور اس کے ایک دوست چیرمان پیرومال کی تصویر ہے جو ایک دوسرا تامینار ہے۔ اس منظر میں شیو کی دعوت پر ان دونوں دوستوں کی کیلاش پربت کی یاترا دکھائی گئی ہے۔ نوجوان سندر موری اس تیز رفتار ہاتھی پر بیٹھا ہے جو اسے لانے کے لیے شیو کی جانب سے بھیجا گیا تھا۔ اور چیرمان اپنے گھوڑے پر سوار ہے۔ اس گھوڑے کے کانوں میں چیرمان نے پنچاکھشر (شیو منتر) پھونک دیا ہے جسے سنتے ہی گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا ہے اور اڑتا ہوا آسمان میں پہنچ گیا ہے جس دیوتاؤں کے ہاتھی پر سندر سوار تھا اس کو گھوڑے نے پیچھے سے جا لیا ہے۔ سندر کا سفید ہاتھی تصویر کے وسط میں ہے اور دائیں طرف اس کے سامنے اچھلتا کودتا گھوڑا ہے اور اس کا سوار پیچھے دیکھتا ہوا سندر کو اشارہ کر رہا ہے۔ راجا کی لمبی مونچھیں ہیں گھنی ہوئی داڑھی ہے اور سر کے پیچھے بالوں کی موٹی سی لٹ ہے۔ اس کی صرف کمر پر دھوتی بندھی ہے اور باقی بدن ننگا ہے۔ اس کے گلے کے گرد ایک تنگ مالا اور ایک جھولتی ہوئی ڈوری ہے۔ جس میں ایک رُدراکش کا منکا پرویا ہوا ہے۔ سفید ہاتھی کے بدن پر ساز اور آرائشی لوازمات بہت صاف اور واضح دکھائے گئے ہیں۔ اوپر کے دائیں اور بائیں چوٹی کے کونوں میں بادلوں میں نیم پوشیدہ کچھ آسمانی مخلوق نظر آتی ہے دائیں طرف کی ٹولی میں اپسرا دوشیزائیں اور گندھرو کنول کی پتیاں برسا رہے ہیں۔ ناچ رہے ہیں اور مختلف آلاتِ موسیقی بجا رہے ہیں۔ بائیں طرف کی ٹولی میں کچھ رشی شامل دکھائی دیتے ہیں۔ دائیں طرف چیرمان کے گھوڑے کے آگے سب سے حسین اپسرا دکھائی دیتی ہے۔ اس کا بدن سُرتال کے اوپر بل کھا رہا ہے۔ اس کا دایاں ہاتھ آگے کی طرف دراز ہے اور بایاں ہاتھ ابھیہ مدرا میں جھکا ہوا ہے۔ چہرہ پیچھے کو مڑا ہوا ہے۔ اسکے صاف شفاف کپڑے اور کنگھی چوٹی، بجتی ہوئی پازیبیں اور کلائیوں کی پہنچیاں اسکے خوبصورت جسم کی دلکشی میں اضافہ کر رہی ہیں۔

اس چوکھٹے کے نیچے سندر اور شیو کے درمیان سندر کی شادی کے موقع پر جو جھگڑا ہوا تھا اس کا منظر ہے (صفحہ ۹۷۹ ملاحظہ ہو) ایک طرف ہمیں شیو داڑھی والے ایک بوڑھے کے روپ میں نظر آرہے ہیں اور سندر کے سامنے بیٹھے ہیں ان کے ہاتھ میں تاڑ کے پتے پر لکھا ہوا دستاویز ہے اور وہ اپنا چہرہ اور بازو اوپر اٹھائے ہوئے سبھا کے سامنے بول رہے ہیں۔ پھر دوسری طرف وہی ضعیف آدمی سندر کے دادا کی تاڑ کے پتے پر تحریر کی ہوئی دستاویز پیش کر رہا ہے۔ سراسیمہ اور گھبرایا ہوا سندر سامنے کھڑا ہوا فیصلے کا بیتابی سے انتظار کر رہا ہے۔ سبھا کے اراکین کے چہروں پر جذباتی کشمکش کی گوناں گوں کیفیات ہیں۔ تصویر کے دائیں جانب میں کہانی کے خاتمہ کی منظر کشی کی گئی ہے۔ اس منظر میں کہانی کے تمام کردار ایک مندر میں داخل ہو رہے ہیں۔ زیریں تصویر میں کچھ عورتیں کھانا پکانے میں مصروف دکھائی دیتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ سندر کی شادی کے لیے تیاری کا منظر ہو۔

ایک اور جگہ مغربی دیوار پر (نویں حصے میں) ہمیں ایک بڑے سائز کی نٹ راج اور اس کے بھگتوں کی تصویر دکھائی دیتی ہے اور اس کا موضوع بھی واضح ہے۔ گو اصل تصویر کا بہت سا حصہ ابھی تک اس کے اوپر بنی ہوئی تصویر کے نیچے دبا ہوا ہے۔ اونچے درجے کی بہت سی عورتیں اس منظر میں شامل ہیں۔

لیکن اس سارے سلسلے میں سب سے شاندار تخلیق ـــ "تریرانتکا" والا چوکھٹا ہے جو شمالی دیوار پر (گیارہویں حصے میں) ہے۔ یہ لڑائی کا ایک منظر ہے۔ شیو رتھ کے تختے پر "آلیڑھ" وضع میں کھڑے ہیں۔ ان کا بایاں گھٹنا خمیدہ ہے اور ان کے بدن کا پورا بوجھ دائیں ٹانگ پر ہے جو کہ سامنے کی طرف ہے۔ ان کے آٹھ بازوؤں میں مختلف ہتھیار ہیں۔ ان میں سے ایک میں جو سامنے ہے ایک لمبی کمان ہے۔ ان کا مرتعش جسم اور دلیر نگاہ بتاتی ہے کہ وہ کوئی سخت اقدام کرنے والے ہیں۔ رتھ بان کی نشست پر چار سروں والے برہما باگیں اور چابک پکڑے بیٹھے ہیں۔ یہ منظر کا وسطی حصہ ہے۔ سامنے اسروں (راکشسوں) کے گھوڑے ہیں جو شیو اور ان کے "گنوں" کا سامنا کر رہے ہیں۔ سامنے کے سارے میدان میں دونوں فریقوں کے درمیان مختلف ہتھیاروں سے لڑائی جاری ہے۔ چوٹی پر درگا نظر آرہی ہیں جو اپنے شیر پر سوار ہیں اور اپنا نیزہ ایک "اسر" کے جسم میں بھونک رہی ہیں۔ ان کے شیر نے ایک اور اسر کو گردن سے پکڑ رکھا ہے۔

مندر کی مغربی دیوار پر اور ایک چوکھٹے میں جو حال ہی میں دریافت ہوا ہے، نٹراج کو کنکا سبھا میں دکھایا گیا ہے۔ ایک بھگت راجہ مع اپنی بہت سی رانیوں اور درباریوں کے ان کی پوجا کر رہا ہے۔ اس شاہی شخصیت کو راج راجا اوّل شناخت کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہے یعنی راج راجا جو اس مندر کا بانی تھا جس نے اپنا لقب شیو پاد شیکھر اختیار کیا تھا اور پیمائش کی ہر اکائی کا نام آڈولان رکھا تھا۔ اس سے وہ رقص کے دیوتا نٹ راج سے اپنی گہری عقیدت کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ اس کی خاص مہارانیوں اور بیویوں کی بڑی بڑی تصویریں عقب میں کھڑی ہوئی وضع میں بنائی گئی ہیں جب کہ دوسری رانیوں اور درباریوں کی تصویریں مقابلتاً چھوٹی ہیں۔

جس پر دکشنا (غلام گردش) میں چولا تصاویر دریافت ہوئی ہیں اس کے اوپر ایک اور غلام گردش بھی ہے۔ اس غلام گردش کی اندرونی دیواروں پر چولوں کے وقت کے پرانے پلستر اور مصوری کے آثار اب تک ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نیچے والی غلام گردش کی طرح اس میں بھی مصوری کی گئی تھی۔ اندرونی دیوار کے ساتھ ساتھ بالکل ہماری آنکھوں جتنی اونچائی پر سنگتراشی سے پتھر پر ابھاری ہوئی مورتیاں ہیں جن میں شیو کے تانڈو ناچ کے مختلف انداز دکھائے گئے ہیں۔ اگرچہ اس غلام گردش کی دیواروں پر سنگتراشی کے 108 چوکھٹوں کی گنجائش موجود ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ ان میں سے صرف 82 چوکھٹے مکمل کئے جاسکے اور باقی خالی رہ گئے۔ ان قدرے بھونڈی مورتیوں پر غالباً رنگین استرکاری تھی اور یہ تانڈو رقص کی ان مختلف مدراؤں کی وضاحت کرتی ہیں جو بھرت نے بیان کی ہیں۔

ان تصویروں کے خطوط ہلکے سرخ رنگ یا بھورے رنگ سے کھینچے گئے ہیں اور ان کو سیاہ رنگ اور سرخی مائل بھورے رنگ سے گہرا کیا گیا ہے۔ جسم کے گوشت اور ملبوسات کو نمایاں کرنے کے لیے دوسرے رنگ برش سے استعمال کیے گئے ہیں۔ یہاں مختلف انداز میں تصویر کشی کی شعوری کوشش کی گئی ہے۔ اگرچہ ان مختلف انداز کی تصویروں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے لیکن یہ بالکل روایتی انداز کی بھی نہیں ہے۔ آسمانی مخلوقات اپسراؤں اور گندھروں کے جسموں میں کچھ ایسے پیچ و خم دکھائے گئے ہیں جیسے کسی نہ دکھائی دینے والے سمندر کی لہروں پر تیرتے ہوئے وہ اس شکل میں ڈھل گئے ہوں یا بیٹھی ہوئی وضع میں

عورتوں کی تصاویر کے خطوط میں کھڑی ہوئی عورتوں کی تصویروں کے مقابلے میں زیادہ حسن و نفاست ہے۔ رقص کرتی ہوئی شکلیں تاثرات اور عمل کی مظہر ہیں۔ چہرے سامنے سے تین چوتھائی بنائے گئے ہیں۔ پہلو سے رخ کا خاکہ مربع ہے اور تھوڑی بہت نمایاں ہے۔ بالوں کی کنگھی چوٹی مختلف خوبصورت طریقوں سے کی گئی ہے اور ان کو چھوٹے چھوٹے گچھوں میں سامنے چہرے پر پڑے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ان کی آرائش پھولوں کلیوں اور ہلال اور ستاروں کی شکل کے زیورات سے کی گئی ہے۔ آنکھوں کی بھویں انسانی پیکروں میں نیچے اور آسمانی مخلوقات کے پیکروں میں اوپر بنائی گئی ہیں۔ آنکھیں سیدھی اور مچھلی کی شکل کی ہیں۔ آنکھوں کے پپوٹے بہت واضح نہیں ہیں، پھر بھی جذبات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ناک عموماً لمبی، سیدھی اور تیکھی ہے اور شاذ ہی کہیں خمیدہ دکھائی گئی ہے۔ نتھنے چوڑے اور پھڑکتے ہوئے ہیں۔ عورتوں نے جو زیورات پہن رکھے ہیں وہ خود ایک اچھا خاصا مطالعہ ہیں۔ ان پیکروں کے ملبوسات میں شفاف ململ کی ساڑیاں ہیں جو کمرے کے اردگرد باندھی جاتی ہیں۔ ان سے ٹخنے تک ڈھک جاتے ہیں۔ ان میں نفیس اور پروقار بل بڑے ہوتے ہیں۔ یہ ساڑیاں پھولدار ڈیزائنوں اور افق کے متوازی دھاریوں سے مزین ہوتی ہیں اور انہیں مختلف رنگوں کے پٹکوں سے کمر پر باندھا جاتا ہے۔ ان کمربندوں کے سرے دوہرے لٹکتے رہتے ہیں۔ سینہ عموماً برہنہ ہوتا ہے، صرف بائیں کندھے پر کپڑے کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا دکھایا گیا ہے جو کشادہ چھاتیوں کے بیچ میں گزرتا ہوا دائیں بازو کے نیچے تک چلا جاتا ہے۔ ان تصاویر میں مرد گٹھیلے بدن والے، داڑھی مونچھیں رکھے ہوئے اور سر پر بالوں کی گانٹھیں باندھے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ چولا عہد کی جن تصاویر کی پرتیں اب تک ظاہر ہوئی ہیں ان میں کہیں بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ الگ الگ اصناف کی ہیں سوائے تری پرانتکا یا سندر مورتی والے چوکھٹوں کے۔ اور جب تک چولا تصاویر کی پوری کی پوری پرت عریاں ہو کر سامنے نہیں آجاتی کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ دوسرے اصناف کی شکلوں میں آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہے۔

وجیالیہ چولیشورم میں جو تصاویر کے ٹکڑے ملتے ہیں ان کا رنگ بالکل اتر چکا ہے۔ ان میں سے دو بڑی تصاویر "اردھ منڈپ" کی شمالی دیوار پر بنی ہوئی ہیں۔ یہ دونوں تصاویر بھیرو اور نٹراج کی ہیں۔ ان کی سنگین وضع سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کافی بعد کے زمانے کی ہیں جب دیوار پر مصوری کا فن زوال پذیر تھا۔ لیکن جنوبی دیوار پر پلستر کے کچھ ٹکڑے جن

پر چند خوبصورت آسمانی مخلوق کے چہرے نظر آتے ہیں وہ یقیناً تنجور کے مدرسۂ فن کی یادگار ہیں اور ہم ان کو عارضی طور پر آخری چولا عہد سے منسوب کر سکتے ہیں۔ یعنی بارہویں صدی کے اواخر یا تیرہویں صدی کے اوائل کے زمانے سے ہے۔

حواشی

(1) XVii_E1 صفحات 14 تا 17

(2) STUDIES

(3) i. صفحہ 116

(4) 1894 کا 167 - JMU . xiv، صفحہ 28

(5) 1924 کے 392 تا 94

(6) 1931 کا 36 - 1895 کے کتبات 91، 92

(7) اس باب کے آخر میں دی ہوئی اشکال کو دیکھیے جو جے ڈبریل کی کتاب سے لی گئی ہیں۔ ان سے جنوبی ہند کے فن تعمیر سے متعلقہ تکنیکی اصطلاحات کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔

(8) صفحہ 98

(9) پڈو کوٹائی کے کتبات (PSI) میں سے کتبہ نمبر 282 میں یہ نام ملا ہے۔ یہ کتبہ ماڑورمن سندر پانڈیا اول کے گیارہویں سال یعنی 1227ء کا ہے۔ اصل عمارت کی تعمیر شاتن پودی عرف النگوڈی اریار نے کی تھی اور جب مندر (کرلی) کو آندھی اور بارش سے نقصان پہنچا تو اس کی مرمت ملن دڈومن عرف تینون تملادی ارائین نے کرائی۔ ان دونوں اشخاص کا ذکر حال ہی کے دریافت شدہ ایک کتبے میں پایا گیا ہے جو مرکزی عبادت گاہ کے چبوترے پر کندہ ہے یہ کتبہ دروازے کے شمال کی جانب "دوار پالک" کے نیچے ہے۔ JOR - viii . صفحات 208 - 209، نیز دیکھیے JISOA یعنی - V . (کمار سوامی کی جلد) صفحہ 85

(10) پڈو کوٹہ کے جن مندروں کے متعلق یہاں بحث کی گئی ہے ان کے عام جائزے کے لیے دیکھیے کے آر وینکٹارمن کی تصنیف

صوبائی عجائب گھر کی رپورٹیں برائے 1349 - 51 ، ملی - JOR - iii - xii، اور JISOA (مؤلفہ کمار سوامی) نیز وینکٹ رنگا راجو اور ایس آر . بالا سبرامنین کے مقالے بھی دیکھیے۔

(11) 310 ـ 11 : نیز 1903 کے مجموعہ کتبات میں سے نمبر 316، 319 ـ 320

(12) JISOA ـ vii صفحات 113 تا 115

(13) 1904 کے کتبات 586، 589، 605

(14) 1919 کے مجموعے میں سے کتبات 148، 155 تا 158

(15) 1904 کا 141 (SII ـ vii ـ 154) جو راج کیسری (سندر چولا) کے پانچویں برس کا ہے ۔

(16) 1914 کا 104، EI ـ XIX صفحہ 86

(17) 1921 کا 558

(18) 1907 کا 199 ـ SII، iii ـ نمبر 124

(19) 1924 کے کتبات 364، اور 378 تا 380

(20) 1902 کا 335 ـ EI ـ vii صفحہ 133

(21) 1903 کے مجموعے کے کتبات 348، 359

(22) JISOA ـ vii، صفحات 113 ـ 115

(23) 1925 کا 192

(24) PSI ـ 24 ـ ترجمہ (TRN) صفحات 24، 30، اور اگلے صفحات

(25) PSI ـ 14

(26) اس طرح کی مثالیں دوسروں کے علاوہ یہ بھی ہیں : ترودوڈی (ضلع تنجور) کے پنچ ندیشور مندر میں اترّ کیلاش، جو راج راجہ کی مہارانی دنتی شکتی نے تعمیر کروایا تھا۔ (1894 کے مجموعے کا 219)، تردمل واڈی (ضلع ترچناپلی) کا دیدیہ ناتھ مندر، جسے راج راجہ اوّل کے آخری برسوں میں از سرِ نو تعمیر کروایا گیا اور جس کی تعمیر اس کے بیٹے راجندر اوّل کے عہد میں مکمل ہوئی (1805 کے مجموعہ کتبات میں سے نمبر 91 ـ 92) دادالپورم (ضلع جنوبی ارکاٹ) میں واقع شو اور وشنو کے جڑواں مندر جنہیں راج راجہ کی بہن کندوئی نے لگ بھگ 1016، میں تعمیر کروایا (1899 کے مجموعے کا نمبر 8) ارنجگائی ایشور کا مندر جو اب میل پاڈی (ضلع چتور) کا چولیشورا مندر کہلاتا ہے، اسے راج راجہ اوّل نے ارنجیا کی یاد میں "پلّی پڈائی" کے طور پر بنوایا تھا۔ ارنجیا، آرور کے مقام پر

جنگ میں کام آیا تھا (دیکھیے گزشتہ صفحہ 187) لنکا میں پولونرواکے مقام پر شودیوالیہ
نمبر 2 (ASC ۔ رپورٹ مطبوعہ 1906 ۔ صفحات 17 تا 22) ارنگویشور جواب لڈی گم
(ضلع شمالی ارکاٹ) کا نیل کنٹھیشور کہلاتا ہے جس میں راج راجہ کے نویں سال حکومت
کا ایک کتبہ بھی ہے (1906 کے مجموعے کا نمبر 551) پھر پڈوکوٹہ کی ریاست میں
ترووزنگلم میں واقع ہرتیرتھیشور کا مندر جو 1034ء سے پیشتر تعمیر ہو چکا تھا (1902 کے
مجموعۂ کتبات میں 414) اور کوڈم (ضلع چینگل پٹ) میں تریرانتکیشور کا مندر جس
کی تعمیر 1050ء کے لگ بھگ ہوئی (1909 کے مجموعے کا نمبر 328)

(27) JISOA . ii ۔ صفحہ 4

(28) گزشتہ صفحہ 184 دیکھیے

(29) JISOA . ii ۔ صفحہ 4

(30) گزشتہ صفحہ 235 دیکھیے

(31) اسی وجہ سے اس مندر کی زیریں منزل کا نقشہ جو پرسی براؤن نے دیا ہے، اب بالکل
صحیح اور مکمل نہیں سمجھا جا سکتا۔ تنجور کے مندر کی زمینی سطح یا اس کے کسی سیکشن کا کوئی
نقشہ اس وقت موجود نہیں ہے اور یہ ایسی صورت حال ہے جو محکمہ آثار قدیمہ کی فوری
توجہ کی متقاضی ہے۔

(32) JISOA ۔ ii ۔ صفحہ 5

(33) SII ۔ ii ۔ نمبر 61 : تمہید صفحہ 13

(34) 1895 کے مجموعے کا نمبر 22 (SII ۔ V ۔ نمبر 578)

(35) 1917 کا 335

(36) کرور سے دستیاب شدہ (راجندر دوم کا) کتبہ جو 1890 کے مجموعے کا نمبر
65 ہے (SII ۔ iii ۔ نمبر 22) دھرم پوری سے دستیاب ہونے والے (کلوتنگا اوّل کے)
کتبے جو 1901ء کے مجموعۂ کتبات میں نمبر 357 ۔ 58 ہیں ۔ راج راجہ دوم کا تری بوانم
کا کتبہ (1911 کے مجموعے کا نمبر 70) علیٰ ہٰذالقیاس۔

(37) دیکھیے 1912 کے مجموعے کا نمبر 429 (دلورو ضلع تنجور) ۔ 1905 کا نمبر 577
(دجدیا منگلم ضلع کوئمبٹور) ۔ 1912 کا 504 (اوتتور ضلع ترچناپلی) وغیرہ۔

(38) آچاریہ پشپا نجلی صفحہ 6

(39) 1918 کا 47

(40) 1921 کا 227

(41) ان مندروں کا حال جو آگے بیان کیا گیا ہے، کے ار سری نواس کے مقالے سے لیا گیا ہے۔ JISOA - xvi (1948)، صفحات 11 تا 33

(42) ARE . 1920 صفحات 102 تا 107 . اور تختیاں I تا VI نیز 1908، II، 66. 67

(43) ٹی۔ اے۔ جی راؤ کی تصنیف ii۔ صفحات 171 تا 174

(44) ARE . 1908 صفحہ 81 . پیراگراف 68

(45) oz (N.F. 29) 1933 صفحہ 5

(46) ایچ کے شاستری نے اپنی کتاب میں ایک ہی دیوتا کی مختلف مورتیوں کی ڈھلائی کے فرق اور تبدیلیوں کی جانب توجہ دلائی ہے۔

(47) IV . II، 157 . 58

(48) oz - 1933 صفحہ 165

(49) 1925 کے نمبر 132، اور 136 - ARE، II . 10

(50) 1925 کا 131

(51) "ترو کرتی چپن" (پتھر کے مندر کا دیوانہ) دراصل نام نہیں بلکہ لقب ہے۔ بعد کے زمانے میں یہ لقب پرانتکن شریا دیلار کے نام کے ساتھ بھی شامل ہوا جو راجہ پرانتکا دوم کا سپہ سالار تھا (1908 کا 291)، نیز ترومنن جیری کے آرورن کمبن نے بھی اس لقب کو اختیار کیا (1914 کے مجموعے کا نمبر 9 - 991)۔ ترو واڈتورائی میں جو دیگر تصاویر چپن سے ملتی جلتی موجود ہیں، وہ امبلون ترو وشلورن ترو ناوکر آتن کی ہیں۔ (1925 کا 133) کچھ اور تصاویر ایسی ہیں جن کی تاریخ کم معتبر ہے (1925 کے مجموعے میں نمبر 106، اور 141)۔ SII . iii۔ تختی نمبر xi دیکھیے، جس میں گندھرآدیتہ کی تصویر کو نیری راج پورم (ضلع تنجور) کے ترو نلموڈا لیار مندر کے دیوتا کی پرستش کرتے ہوئے دکھائی گئی ہے۔ (یہ تصویر اب فنی اعتبار سے زیادہ اہم نہیں ہے) یہ مندر اس کی

مہارانی شیمبئن مہادیوی نے بنوایا تھا (SII - iii ۔ نمبر 146، 147 = 1908 کا 450،
اور 1909 کا 626) راجہ کے سر کی پوشش سادہ اور خوشنما ہے اور موتیوں کی لڑیوں سے
آراستہ ہے اور تصویر میں اس نے بازوؤں، گردن اور سینے پر جو زیورات پہن رکھے ہیں
وہ ایک طرح سے نندی کے بھوگ نندیشور مندر کی اس مورتی کی یاد دلاتے ہیں جو "چولا
پرتیما" کے نام سے مشہور ہے (MAR - 1914، 1915)؛ یہ بہترین تصویر بنانے کی،
جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، ایک اچھی مثال ہے۔

کانسے کی مورتیوں کے چند حوالے کتبوں میں بھی پائے جاتے ہیں، جو ان اشخاص کی
شبیہات کے متعلق ہیں (۱) شیمبئن مہادیوی کا (1020 کا) کانسے کا مجسمہ شیمبئن
مہادیوی نامی گاؤں میں ملا ہے۔ ARE - 1926، II 24 ۔ (2) پرانتک دوم اور
اس کی مہارانی وانون مہادیوی کے جو راج راجہ کی والدہ تھی اور خود راج راجہ اوّل اور اس
کی مہارانی لوک مہادیوی کے مجسمے سب کے سب ٹھوس کانسے کے تنجور کے مندر سے ملے ہیں۔
راج راجہ اول کی منقوش شبیہہ جو اب بھی اس مندر میں زیر استعمال ہے، اصل تصویر
کے بجائے بہت بعد میں بنا کر وہاں رکھی گئی۔ ARE - 1925 - II - 12، گزشتہ صفحہ
168 دیکھیے نیز صفحہ 189۔ حاشیہ نمبر 3۔

پتھر پر بنی ہوئی کچھ تصویریں بھی ملی ہیں جو زیادہ محفوظ حالت میں نہیں تھیں
یعنی (۱) ترووشلور (ضلع تنجور) کے شیو مندر میں شیو لنگ کی پرستش کرتے ہوئے ایک
راجہ اور رانی کی تصویر جس کے نیچے ایک کتبے میں "تلا بھار" اور "ہرنیہ گربھ" کی رسومات
کی ادائیگی کا بطور یادگار اندراج کیا گیا ہے۔ یہ رسومات راج راجہ اور اس کی مہارانی لوک
مہادیوی نے ادا کی تھیں (1907 کے مجموعے کا نمبر 42 : EI - xii صفحہ 121 ۔ حاشیہ
نمبر 2 : (2) اس شبیہہ میں ایک راجہ یا جاگیردار کو فرش پر آلتی پالتی مارے اولگاپورم
(جنوبی ارکاٹ) کے ویران شیو مندر میں لنگ کی پوجا کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ 919
کا نمبر 129 ۔ (3) اس تصویر میں انت شیو ایک منڈپ میں "لنگ" کی پرستش
کر رہا ہے۔ یہ منڈپ خود اس نے ترووشلور کے مندر میں تعمیر کروایا تھا (ای جی ارناموون
کی تصنیف شکل نمبر 10) اور (4) پتھر پر ابھاری ہوئی اس تصویر میں رانی کنڈئی
کو ڈلواپورم (ضلع جنوبی ارکاٹ) میں اپنے ہی تعمیر کردہ مندر میں شیو کے سامنے رقص

کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ 1919 کا نمبر 17 ۔

ٹی جی ارواموتن (حوالہ سابقہ صفحات 38-39، وشکل نمبر 13) نے کال ہستی کے مندر سے دستیاب شدہ کانسے کی دو چھوٹی مورتیوں میں ایک چولا جرنیل کیتن آدتن اور اس کی بہن اور اس کی بہن کلیاوتی کی شبیہیں شناخت کی ہیں (ان لوگوں کا ذکر 1922 کے مجموعے کے نمبر 168 ۔ الف میں آیا ہے) شری مشنم (تنجاور ارکاٹ) شیومندر میں تمبران تولن مانکن جارن کی ایک تصویر موجود ہے۔ یہ شخص اس مندر میں "تروپدیکم" سنایا کرتا تھا (1916 کے مجموعے کا نمبر 255) انبل میں لوگوں نے (تقریباً 1250ء میں) پریم پوریشور کے مندر میں کسی شخص پلو دیا نڈان کی تصویر بنائی تھی جس نے اپنی جان پر کھیل کر گاؤں والوں سے لگان کے جو ناجائز اور غیر منصفانہ مطالبات کئے گئے تھے، ان کے خلاف احتجاج کیا تھا (1902 کا 596)

مقبول عام مقامی قصے کہانیوں کی بنیاد پر شری رنگم کے مندر میں ایک بہت بڑی پتھر کی شبیہہ کو کمبن نامی شاعر کی تصویر قرار دیا گیا ہے۔ تیرلندور میں ملی ہوئی پتھر کی دو شکستہ شکلوں کو کمبن اور اس کی بیوی کی بتایا جاتا ہے اور کانچی پورم کے ایکامرناتھ کے مندر میں رکھی ہوئی پتھر کی ایک بہت بڑی تصویر کو جو الگ کھلی جگہ پر رکھی ہے کریکال چولا کی شبیہہ سمجھا جاتا ہے۔

(52) "زودیم" 1930، نمبر 40 ۔ صفحہ 1

(53) 1922 کا 168 (ب)

(54) 1922 کا 168 (الف)

(55) ایچ کے شاستری کی تصنیف صفحہ 162

(56) ایضاً ۔ صفحہ 125 ۔ اور شکل نمبر 80

(57) جلد سوم صفحہ 43

(58) oz :(N.F _ 10) 1934 ۔ صفحات 176 تا 186

(59) جیسا کہ ہم پہلے نوٹ کر چکے ہیں (گزشتہ صفحہ 15، حاشیہ 1) یہ تختیاں ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں، اور مہر سرکاری کتبہ شناس جناب این لکشمی نارائن راؤ کی اجازت سے یہاں نقل کی جارہی ہے۔ اس مہر کی تفصیلات ہم کسی اور مقام پر بیان

کر چکے ہیں۔

(60) انڈین ہسٹری کانفرنس کی کارروائی۔ vii (مطبوعہ 1944) صفحات 168 تا 176۔

(61) ڈاکٹر ایس پرماشون نے جو محکمہ آثار قدیمہ کے کیمیائی ماہر ہیں، ہندستانی تصاویر کے تیار کرنے کے طریقے کا مطالعہ کیا ہے۔ مطلوبہ تفصیلات ان کے قابلِ قدر مقالوں سے اکٹھی کی جا سکتی ہیں۔ ان میں سے مندرجہ ذیل خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

(1) ہندستان کی دیواری تصاویر JMU ۔ xii (مطبوعہ 1940) صفحات 96 تا 128، اور xiii (مطبوعہ 1941) صفحات 1 تا 15۔

(2) حیدرآباد کے محکمہ آثار قدیمہ کی سالانہ رپورٹیں۔ بابت 1936۔37، صفحات 35 تا 38 جن میں اجنتا اور ایلورا پر بحث کی گئی ہے۔

(3) مصنفہ ہارورڈ جلد چہارم مطبوعہ 1937، صفحات 222 تا 239 تنجور سے متعلق ۔ viii، 2 (1939) شتن واشل کے متعلق بحث صفحات 83 تا 89۔

(4) انڈین اکیڈمی آف سائنسز کے اجلاس کی کارروائی۔

vii، 4 (1938) صفحات 282 تا 290 دجیہ چولیشورم کے متعلق۔

x، 2 (1939) صفحات 77 تا 84۔ کانچی پورم مندر کے متعلق۔

x، 9 (1939) صفحات 85 تا 95 جن میں باگ پر بحث کی گئی ہے۔

(62) ان تصاویر کا موضوع ایس کے گووندا سوامی نے سب سے پہلے 1933ء کے مطبوعہ اناملائی یونیورسٹی جرنل۔ ii۔(1933) اور JISOA ۔ i۔ (1933) صفحات 73 تا 80 میں بیان کیا۔ لیکن اس کو ان کی تصویرکشی کی تکنیک کے بارے غلطی ہوئی۔ نیز دیکھیے سی۔ شیوراما مورتی کے نظریات اس کی تصنیف تروسنی ۔ vi۔ مطبوعہ 1933ء کے صفحات 277 تا 234 میں ۔ اوسی گنگولی کے خیالات IAL (ix ـ NS) مطبوعہ 1935ء، صفحہ 86۔ اور ڈاکٹر پرماشون کے افکار JOR ـ ix (1935) صفحہ 363۔

از : پی۔ آر۔ سری نواسن (ایم اے)

تختیوں میں دی ہوئی اشکال کی وضاحت

سرورق کی تصویر (الف)

یہ ایک چوکھٹا ہے جس میں چند آسمانی موسیقاروں کا گروہ دکھایا گیا ہے۔ کچھ گندھرب ہیں اور کچھ اپسرائیں۔ دائیں جانب والی اپسرا مجیرا بجا رہی ہے۔ باقی تینوں نے "وسمیہ" کی "مدرا" میں ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے ہیں۔ وہ ہوا میں اڑنے کی حالت میں نظر آتے ہیں۔ وہ کمر سے نیچے بادل کے زیبائشی پردے میں چھپے ہوئے ہیں۔ اسی سے ان کے اڑنے کی طرف ذہن جاتا ہے۔ بادل کے پردے کو "چینی" بتایا گیا ہے۔ اس چوکھٹے کا مقام وقوع کچھ اس طرح ہے کہ اس کے اوپر ایک اور چوکھٹا لگایا ہے جس میں بنی ہوئی تصویر میں کیلاش پر شیو دکھلائے گئے ہیں۔ بیچ میں زیر بحث تصویر ہے اور اس کے نیچے ایک اور چوکھٹا ہے جس کے اندر کی تصویر میں سندر مورتی نائینار، ایراوت (نامی ہاتھی) پر سوار اور چیرمان پیرومال گھوڑے پر سوار کیلاش پربت کی جانب جاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ دو خطوں اور مقامات کو الگ الگ کرکے دکھانے کے لیے کیا گیا ہے۔ اس تصویر میں "بھنگ"۔ سروں کی پوشش، زیورات اور رنگوں کا امتزاج حیرت انگیز ہے۔ پر اعتماد اور متوازن "ریکھاؤں" سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ تنجور کے فنکار "خطوط" کے ماہر تھے۔

(ب) رقص میں اپسرائیں — یہ بھی اسی مذکورہ بالا منظر کا حصہ ہے۔ یہاں اپسرا رقص کی ایک مشکل وضع کی نمائش کر رہی ہے۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بل کھا رہی ہے۔

آسمانی مخلوق ہونے کے باعث وہ زمین کی کشش کی پابند نہیں ہے۔ یہاں مصوّر کا کمال بہ آسانی دیکھا جا سکتا ہے، خصوصی طور پر توانا اور رواں دواں خطوط سے، خوبصورت زیبائشی جزئیات سے اور دلکش "بھنگوں" سے۔ اس حسینہ کے اردگرد بادل کا پردہ آسمانی خطے کا پورا تاثر دیتا ہے۔

شکل نمبر (1)

وجیالیہ چولیشورا مندر واقع میل ملئی۔ نارتا ملئی، ریاست پُدو کوٹہ۔ نویں صدی عیسوی۔
اس مندر کا مرکزی حجرہ (گربھ گرہ)، اندر سے گول ہے لیکن باہر سے مربع۔ "وِمان" کی تیسری منزل بھی گول ہے۔ گنبد کے اوپر چاروں طرف "کُڈو" کا ڈیزائن بنا ہوا ہے۔ دیواروں کی ڈھلائی اور ستون سادہ ہیں۔ پوری عمارت کے اوپر چاروں طرف وزنی موٹا کارنس ہے۔ اس کے اوپر جڑے ہوئے "کوشٹھوں" اور "شالاؤں" نے ایک سینہ پناہ کی شکل اختیار کر رکھی ہے۔ صدر دروازے کے دونوں جانب کے طاقچوں میں دو دو ہاتھوں والے چھریرے اور خوبصورت جسم کے "دوار پالک" استادہ ہیں۔ مسمار شدہ "پراکار" کا ایک الگ "گوپورا" شاید شمال مشرقی دروازے کی جانب تھا۔ "پراکار" کے اندر چھ یک منزلہ عبادت گاہیں (ایک تل پر شادا) دکھائی دیتی ہیں اور مزید ایک عبادت گاہ کے آثار بھی نظر آتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا مرکزی حجرہ (گربھ گرہ) مربع شکل کا ہے جس پر ایک بڑا "شِکھر" ہے۔ ہر ایک مرکزی حجرے کے مقابل مستطیل شکل کا منڈپ بنا ہوا ہے۔ ترو کٹلائی کے مندر کی طرح شاید اس مندر کی عبادت گاہیں بھی سوریہ، سپت ماترکاؤں، چندر، سبرامنیا، جشیٹھا اور چنڈی کیشورا کے لیے وقف تھیں۔ بلکہ ترو کٹلائی کے مندر میں تو ایک اور عبادت گاہ بھی ملتی ہے اور بعد کے تعمیر شدہ امن کا ایک معبد بھی۔

شکل نمبر (2)

اس تختی میں میل ملائی میں واقع وجیہ چولیشورا کا اصل مندر (اوپر کی شکل 1) دکھایا گیا ہے۔

شکل نمبر (3)

یہ اگستیشور مندر کا شمالی مغربی رخ ہے۔ یہ مندر ملین گڈی، ریاست پُدوکوٹہ میں

واقع ہے اور اس کے متعدد سادہ اور خوبصورت یک منزلہ (ایک تل پرشادا) معبدوں میں سے ایک ہے۔ حجرۂ مقدّس کے بالمقابل جو آڑے رخ والا چبوترہ ہے وہ غالباً ستونوں والا ایک منڈپ ہوا کرتا تھا۔ اس کی ڈھلائی، چوکور کھمبے، توڑے اور کھانچے دار گوشے سادہ وضع کے ہیں۔ غالباً اس میں ایک "پراکار" بھی تھا۔ اس کے کونوں پر نفیس و خوش نما نندی بیل اکڑوں بیٹھے ہوئے گئے ہیں۔

شکل نمبر (4)

اینادی، ریاست پڈوکوٹہ کا شیو مندر۔ یہ مندر اوپر کے پیراگراف میں مذکورہ مندر کی نسبت زیادہ سادہ، زیادہ دلکش اور غالباً زیادہ قدیم ہے۔ اس کا حجرۂ مقدس مکعب ہے اور اوپر کا "شکھر" مربع شکل کا۔ اس کے چوکور ستون سادہ اور اوپر سے کھانچے دار توڑوں والے ہیں۔ "شکھر" کے ہر ایک رخ پر "کیرتی مکھ" والا ایک ایک نفیس "کوڈو" بنا ہوا ہے مکھ منڈپ کو دو بھاری اور چھوٹے ستونوں پر اٹھایا گیا ہے۔ کھلی چھت کا ایک سرا مقدس حجرے کے کارنس کے سہارے پر ہے۔ حجرے کی دیواروں پر کوئی طاقچہ نہیں ہے لیکن شکھر کے نیچے کی دیواروں پر ایک طاقچے کا خاکہ بنا ہوا ہے جسے دیکھ کر مہابلی پورم کے "درد پدی رتھ" کی یاد آجاتی ہے۔

شکل نمبر (5)

شیو مندر شمال مشرق سے۔ یہ مندر کورکاٹی، ضلع ترونیل ویلی میں ہے۔ اس کا حجرۂ مقدس شکل نمبر 4 والے مندر کے حجرے سے مشابہ ہے۔ تاہم یہاں بنیاد کا چبوترہ بلند ہے۔ پورے کارنس کے ساتھ ساتھ ایک مختصر سی سینہ پناہ ہے جس پر جانوروں کی خوب ابھری ہوئی شکلوں کی ایک جھالر بنی ہوئی ہے۔ اور طاقچوں کی غالب خصوصیت بہت نمایاں ہے۔ یہاں ستونوں والی پیش گاہ کی جگہ دیواروں والی "انترال" نے لے لی ہے۔

شکل نمبر (6)

یہ تصویر کمبا کونم ضلع تنجور میں واقع ناگیشور مندر کے مرکزی حصے کی ہے۔ یہ منزلہ مندر

(دوبی تل پرشادا) کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ ہر طرف کے وسط میں اور کونوں میں باہر کی جانب ابھار، عمارت میں روشنی اور سائے کا تاثر دیتے ہیں۔ سینہ پناہ پر تیھر پر ابھارے ہوئے جانوروں کی شکلوں والی جھالر ہے اور اس کے کونوں پر "کرن کوشٹھے" اور وسط میں "شالائیں" بنی ہوئی ہیں۔ اوپر یہ جھالر دوبارہ دکھائی دیتی ہے سب سے نچلی منزل کے لیے ابھی تک غالب خصوصیت (موٹف) استعمال نہیں کی گئی جیسا کہ اس سے بعد کے کچھ مندروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کا "شکھر" مربع شکل کا ہے اور اس کے کونوں پر کوڈو بنے ہوئے ہیں طاقچوں اور کوڈوؤں کے نیچے کئی طرح کی مورتیاں اور نقش ونگار بنے ہوئے ہیں۔ ڈھلائی اور چوکور کھمبے سادہ ہیں۔ توڑے گولائی میں تراشے گئے ہیں جو ایک پرانی خصوصیت کی باقیات ہے۔

شکل نمبر (7)

موورکوول۔ نمبر ایک۔ جنوبی رخ کا منظر۔ یہ مندر ریاست پڈوکوٹہ کے ترچراپلی ضلع میں کوڈمبالور کے مقام پر واقع ہے۔ اصل میں یہاں تین معبدوں کا ایک جھرمٹ تھا۔ ان میں سے جو دو معبد اب تک باقی ہیں، یہ ان میں سے ایک ہے۔ یہ تینوں مندر ایک "پراکار" میں استادہ تھے۔ اس کی بنیادوں کی ڈھلائی پیچواں ہے۔ اس کے اوپر "یالیوں" کی قطار پہلی بار دکھائی گئی ہے۔ "گربھ گرہ" کے تین اطراف کے وسط میں باہر کو نکلے ہوئے طاقچے ہیں، جن میں مورتیاں رکھی ہیں۔ کارنس بہت دبیز اور بھاری ہے جس پر "یالی واری" بنی ہوئی ہے۔ "کرن کوشٹھے" مربع شکل کے ہیں۔ مرکزی "شالا" کی چوٹی دوسری منزل تک اٹھتی چلی گئی ہے۔ کونوں پر نندی کے بیل بنے ہیں۔ مربع "شکھر" کے چاروں طرف "کوڈو" ہیں۔ یہ شکل نمبر 6 والے ناگیشور مندر کے مقابلہ میں زیادہ بلند اور سادہ ہے۔

شکل نمبر (8)

میل پلودور ضلع ترچراپلی کا اگستیشور مندر۔ اس کی بنیاد کی پیچواں ڈھلائی ہے اور اس کے چاروں طرف "یالی واری" بنی ہوئی ہے۔ کارنس کے اوپر "کوشٹھوں" اور "شالا" کی ترتیب انہی عناصر کی مظہر ہے جو موورکوول کے مندر نمبر ایک میں اور ناگیشور ... [illegible] اس مندر کا طرۂ امتیاز اس کا بہت دبیز اور [illegible] "شکھر" ہے اور

نمایاں کوڈو۔ "کوڈ د" میں چاروں طرف دلکش موتیاں ہیں۔ اسے دیکھ کر دجیالیا چولیشورم کی یاد آجاتی ہے۔

شکل نمبر (9)

یہ مذکورہ بالا مندر کے ان ستونوں کی تصویر ہے جن پر شیر کندہ ہیں۔ یہ ستون کانچی پورم کے ویکنٹھ پیرومال مندر کے ستونوں سے مشابہ ہیں، لیکن شیروں کی ایال جو خاص طور سے سنواری گئی ہے، "کمد" کے حصے پر پھول پتیوں کے نقش ونگار، "پلگائی" جو بہت واضح نہیں رہے اور "پلگائی" کے اوپر والے توڑے، ان سب سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہ بعد کے زمانے کے بنے ہوئے ہیں۔ ستون کی بنیاد کے طور پر "یالی" کے استعمال کا آغاز بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ یہ بعد کے بنے ہوئے ہیں۔

شکل نمبر (10)

شری نواسنلور، ضلع ترچراپلی کے کورنگ ناتھ مندر کا جنوب مغربی رخ۔ اوپر ہم جن مندروں کا جائزہ لے چکے ہیں یہ ان سب سے بڑا ہے لیکن اس میں ان سب مندروں کی خصوصیات کا امتزاج موجود ہے۔ اس کی پہلی منزل نیچے کی منزل کی طرح ہے پھر اس کے اوپر "کوشٹھے" "شالائیں" اور "پنجرے" ہیں، جو یہاں پہلی مرتبہ نظر آتے ہیں چوٹی پر مربع "شکھر" ہے جس کے سب طرف محراب دار طاقچے بنے ہوئے ہیں۔ دونوں منزلوں کے طاقچوں کو خوشنما مورتیوں سے سجایا گیا ہے۔ یہ ایک طرح کی منزلیں آنے والے دور کے تنجور اور گنگائی کونڈچولاپورم کے شہرۂ آفاق مندروں میں اس خصوصیت کے رواج پانے کا پیش خیمہ ہیں۔ مقابل میں ایک "مہا منڈپ" ہے۔ ناگیشور مندر کے مہامنڈپ کی طرح یہ بھی زمین سے نیچے کی سطح سے اٹھایا گیا ہے۔

شکل نمبر (11)

تنجور کا برہدیشورا مندر۔ یہ جنوبی ہند کے مندروں کے فن تعمیر کی ایک شاندار مثال ہے جسے عظیم راج راجہ نے تعمیر کیا تھا۔ اس کی بلندی، سنگتراشی کے نمونوں اور گیلے پلستر

پر ان کی مصوری نے عالمگیر خراج تحسین وصول کیا ہے۔ مقابل کے احاطے میں استادہ منڈپ کے اندر بہت بڑا نندی بیل ہے جو اپنے قد و قامت میں ہندستان میں دوسرے نمبر پر ہے۔ اس مندر میں ایک ہی "پراکار" ہے جس کے اندرونی حصے کو ایک بند برآمدے نے گھیر رکھا ہے۔ مقابلتاً چھوٹے معبد برآمدے میں ایک دوسرے سے تھوڑی تھوڑی دور پر بنے ہوئے ہیں۔ اس کے داخلے کے دروازے دو ہیں جن کے اندر پست قد "گوپورے" ہیں جو تصویر میں نظر نہیں آتے۔

شکل نمبر (12)

یہ تصویر گنگائی کونڈ چولاپورم، ضلع ترچناپلی کے برہدیشور مندر کی ہے۔ یہ ایک اور خوبصورت مندر ہے جس کو راجندر چولا اول نے تعمیر کیا تھا۔ یہاں ایک جیسی دو منزلیں صاف نظر آرہی ہیں۔ کوشٹھے، پنجرے اور شالائیں بخوبی واضح ہیں۔ طاقچوں میں خوبصورت مورتیاں رکھی ہیں۔ تنجور کے مندر کے برعکس یہاں "ویمان" سامنے سے مخروطی شکل کا ہے اور اس کی باہر کی سطح قدرے ناہموار ہے۔

شکل نمبر (13)

مذکورہ بالا مندر (شکل نمبر 12) کا شمالی صدر دروازہ۔ شرلی قسم کا جنگلہ بعد کے زمانے کے جنگلوں کے برعکس، جو کہ دارا شرم اور دیگر مقامات پر دیکھنے میں آتے ہیں، بہت سادہ ہے۔ پیچواں ڈھلائی بہت نفیس ہے۔ چوکور کھمبے سکشن میں کافی ترقی یافتہ ہیں۔ "دوار پال" اس عہد کے چولا مندروں کے رواج کے مطابق اپنی سخت گیرانہ وضع اور اپنے ہاتھوں کی "ترجنی" اور "دسمیہ" مدرا کے باعث بہت تند خو اور قوی نظر آتے ہیں۔

شکل نمبر (14)

اس تصویر میں لدّن کم کے "گوپورے" کا دروازہ دکھایا گیا ہے۔ یہ بہت سادہ اور خوبصورت گوپورہ ہے جو اپنی قسم کی قدیم ترین مثالوں میں سے ایک ہے۔ یہ یک منزلہ (ایک تل) عمارت ہے۔ اس گوپورے کی سجاوٹ صرف "کیرتی مکھ" کے نمونے ہیں۔ ایسا

ایک ایک نمونہ گنبد کے دونوں سروں پر بنا ہوا ہے اور یہ نمونہ واضح طور پر بعد کے زمانے کے گوپوروں کی "سالی" والی چوٹیوں کا پیش رو ہے۔

شکل نمبر (15)

اس تصویر میں ایراوتیشورا مندر کا عام منظر جنوب مشرق کی جانب سے دکھایا گیا ہے۔ یہ مندر داراشورم، ضلع تنجور میں واقع ہے۔ یہ اس طرز تعمیر کی ایک اور مثال ہے جس کے مطابق تنجور اور گنگائی کونڈ چولاپورم کے مندر بنائے گئے تھے۔ لیکن یہ ان مندروں کے بعد تعمیر ہوا تھا۔ اس میں جزئیات کا ارتقا ستونوں، ڈھلائی، طاقچوں اور کٹہروں سے ظاہر ہو رہا ہے۔ نیا اضافہ "مہامنڈپ" کے مقابل ستونوں والے ایک کھلے منڈپ کا ہے۔ پرانے مندروں کی تعمیر "مہامنڈپ" پر ختم ہو جاتی تھی۔ زیادہ شاندار اور دلچسپ وہ گھوڑے ہیں جو منڈپ میں جُتے ہوئے ہیں، جس سے منڈپ کی شکل رتھ کی سی ہو گئی ہے۔ یہ ایک بالکل نیا خیال تھا جسے عملی شکل دے دی گئی ہے۔ (چدمبرم اور کمبا کونم کے مندروں میں اس طرح کی مثالوں سے اس کا موازنہ کیجئے) یہاں شرل والے سادہ جنگلے بھی ہیں اور ان کے پہلو بہ پہلو ایسے ہاتھیوں کی شکل والے جنگلے بھی، نیز وہ جنگلے بھی جن میں ہاتھیوں پر شیروں کے حملہ آور ہونے کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ یہی وہ مندر ہے جس میں پتھر پر ابھاری ہوئی تصاویر کا ایک ایسا سلسلہ پیش کیا گیا ہے جس میں شیکیلار کی تصنیف "پیریا پُرانم" کے مطابق مشہور شیو سنتوں کے سوانح حیات دکھلائے گئے ہیں۔ کچھ سنتوں کی سوانح عمری پتھر پر توکندہ نہیں کی گئی البتہ جن تصاویر کو کندہ کرنا تھا ان کا سرخ گیرو سے بنایا ہوا خاکہ اب تک اصلی حالت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ گوپورہ حسب معمول پست قد ہے لیکن بنا سنوارا ہوا ہے، لیکن "دمان" کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی جسامت بتدریج گھٹ رہی ہے۔

شکل نمبر (16)

مذکورہ بالا مندر کا شمال مشرقی رخ۔ اس کے کارنس کے ساتھ ساتھ مسالے سے بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی شالائیں، ملتے جلتے ڈیزائن کے بڑے بڑے اور بھاری ستون، باہر کو

نکلا ہوا کارنس (کوڈ نگائی) گہرے طاقچے جن میں مورتیاں رکھی ہیں، اور "اُپ پیٹھوں" پر تیکھی نوکوں والی کنول کی پتیوں کے نقش و نگار یہاں نئے اضافے ہیں۔

شکل نمبر (17)

مذکورہ بالا مندر کے "النکار منڈپ" کا جنوب مغربی رخ۔ منڈپ کے ستونوں سے کلیدی موضوع (موٹف) کے ارتقا کی دلچسپ جھلک ملتی ہے۔ توڑے پہلے جیسے سادے نہیں بلکہ اب ان پر پھول پتیاں بنی ہوئی ہیں۔ "پلگائی" پتلا اور بہت چوڑا ہے۔ زیریں حصوں پر بنے ہوئے "یال" اور شیر مختلف وضعوں میں دکھائے گئے ہیں۔ بنیاد کے چبوترے میں "پنجرا" ڈیزائن استعمال کیا گیا ہے۔ پہیے اور گھوڑے سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ منڈپ ایک رتھ ہے جنگلے پر بنا ہوا ہاتھیوں کا آرائشی نمونہ بڑی صنعت گری سے کندہ کیا گیا ہے۔

شکل نمبر (18)

مذکورہ بالا مندر میں دیونالکی امنّ کے معبد کا جنوب مغربی رخ۔ صدر دیوتا کی رفیقۂ حیات کی حیثیت سے امنّ کے نام سے وابستہ الگ عبادت گاہ کی یہ سب سے پرانی مثال ہے۔ تقریب 1100ء سے قبل کسی مندر کے صحن میں امنّ کا الگ معبد تعمیر کرنے کا رواج نہیں تھا۔ اس معبد میں جو نئی اور دلچسپ خصوصیات دیکھنے میں آتی ہیں وہ یہ ہیں: "آدی ستھان" کے باہر کو نکلے ہوئے "کوڈو"۔ ابھرے ہوئے شیروں کی بنیاد والے چوکور کھمبے۔ نمایاں کوڈوؤں کے جوڑوں سے مزین کارنس (کوڈ نگائی) سہ منزلہ "دمان" جس کا کچھ حصہ سامنے کی جانب نمایاں طور پر آگے کو نکلا ہوا ہے۔ لمبا اور چھت سے ڈھکا ہوا "اردھ منڈپ"۔ یہ سب بڑی چابکدستی سے کیا ہوا ہے جس سے یہ معبد بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔

شکل نمبر (19)

تربھونم ضلع تنجور کے کمپہریشور مندر کا شمال مغربی رخ۔ یہ چولا عہد کے آخری عظیم مندروں میں سے ایک اور مندر ہے۔ اس کا نقشہ اور عمارت کی شکل تنجور کے مندر کے

سے ہیں، البتہ یہاں نچلی منزل کی شکل کی کوئی اور منزل نہیں ہے۔ چھوٹے چھوٹے معبدوں کی ڈھلائی، ستون، ترتیب اور زیبائش سے فن تعمیر کی مزید ترقی کی جھلک ملتی ہے۔

شکل نمبر (20) الف

زیریں منزل کی جھالر "تاسینگ پاڈ" ایوان کے مثل ہے جو چین میں زین (توان چو) کے مقام پر ہے۔ نچلی منزل "پدم پیٹھ" اور "دیال واڑی" کے نمونوں پر ہے۔ یہ دونوں چولا عہد کے جنوبی ہند کے مندروں کی خصوصیات ہیں۔ جنوبی ہند کے مندروں میں مُروّج "یالیوں" کی جھالر کے بجائے یہاں الگ الگ چوکھٹے میں "یالی" یا "سمہا" کی شکل بنی ہے یا کوئی ملی جلی شکل۔

شکل نمبر (20) ب

اسی مقام پر ہاتھی کو "شیو لنگ" کی پوجا کرتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ "شیو لنگ" ایک درخت کے نیچے بیلوں کے گھیرے میں نظر آرہا ہے، جس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ "شیو لنگ" جنگل میں بیلوں کے نیچے چھپا ہوا تھا۔ ہاتھی کی نظر اچانک "لنگ" پر پڑ گئی اور اس نے اس کی پرستش شروع کر دی۔ یہاں ہاتھی "لنگ" کی چوٹی پر ایک کنول کا پھول رکھ رہا ہے۔ اگرچہ اس تصویر کے عام خد و خال جنوبی ہند کے طرز مصوری ہی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اس کی تفصیلات مثلاً ہاتھی، بیل اور درخت وغیرہ بلاشبہ مقامی اثرات ہیں۔

شکل نمبر (20) ج

اس تصویر میں اسی مقام پر ایک گائے "شیو لنگ" کی پوجا کر رہی ہے۔ گائے کی تصویر کشی اور درخت کی نمائی سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ان کا بت تراش کوئی مقامی شخص تھا لیکن اس نے جنوبی ہند کے آرٹ کی روایات کا کافی اثر قبول کیا تھا۔

شکل نمبر (21)

اس تصویر میں شری نواسنلور، ضلع ترچراپلی کے مندر کے ایک طاقچے میں ایک

بھگت دکھایا گیا ہے۔ وہ دوہرے کنول پھول کے تخت پر "سم بھنگ" وضع میں کھڑا ہے۔ اس نے ہاتھ سینے پر تعظیم اور انکسار کی وضع میں باندھ رکھے ہیں اور اس کے جسم پر "کرنڈ مکٹ" اور دیگر زیورات ہیں۔ اس مورتی کی دائیں ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے۔ پیکر تراشی بہت نفیس ہے۔ مورتی کے اعضا کا تناسب بہترین ہے۔ زیبائش بہت تھوڑی کی گئی ہے اور موضوع کی عکاسی مجموعی طور پر حقیقت نگارانہ اور جمالیاتی اعتبار سے نہایت اعلیٰ درجے کی ہے۔ یہ جنوبی ہند کے نویں اور دسویں صدی عیسوی کے فن بت تراشی کی نمائندہ خصوصیات ہیں جن کی مثال کمباکونم، کوڈمبالور، شری نواسنلور اور دیگر مقامات پر پیش کی گئی ہے۔ عام طور سے یہ مورتیاں چھریرے بدن کی اور خوبصورت ہیں اور حجرۂ مقدس کے دیواری طاقچوں میں رکھی ہوئی ہیں۔ طاقچوں کے دونوں طرف دو چوکور ستون ہیں۔

شکل نمبر (22)

یہ شبیہ جو مذکورہ بالا مندر ہی میں رکھی ہیں، کسی شہزادی کی ہے یا اپسرا کی؟ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ صنف نازک کی بت گری کی ایک حیرت انگیز مثال ہے۔ اس مورتی کی بائیں ٹانگ اور بازو نیز دایاں ہاتھ ٹوٹے ہوئے ہیں۔ اس کا کام شکل نمبر 21 کے مشابہہ ہے۔ وہ "پدم آسن" میں کھڑی ہے۔ اس نے جو "کرنڈ مکٹ" ہار اور جسم کے نچلے حصے پر جو پارچہ جات زیب تن کر رکھے ہیں وہ بہت خوشنما ہیں۔ اس کی بھری چھاتیاں، پتلی کمر اور چوڑے کولہے بڑی مشاقی سے تراشے گئے ہیں اور ان کی تراش و خراش میں نسوانی حسن کے ان معیاروں کو پیش نظر رکھا گیا ہے جو شاستروں میں درج ہیں۔ چوکور ستون کے بالائی کناروں پر تیکھے کھانچوں والے توڑے قابل توجہ ہیں۔

شکل نمبر (23)

یہ ایک اور طاقچے میں رکھی ہوئی کسی شہزادی کی مورتی ہے یا کسی اپسرا کی؟ یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے۔ اس کا بایاں ہاتھ اور دائیں ٹانگ ٹوٹے ہوئے ہیں۔ 21 سے لے کر 23 نمبر تک کی مورتیاں شری نواسنلور کے مدرسۂ فن کی ممتاز مثالیں ہیں۔

اور یہ کمبا کونم اور دیگر مقامات کی مورتیوں کی مثالوں سے مختلف ہیں۔

شکل نمبر (24)

یہ کمبا کونم کے ناگیشور مندر کے ایک طاقچے میں رکھی ہوئی ایک نسوانی مورتی کی تصویر ہے۔ یہ مورتی یہاں ایک سادہ چوکی پر کھڑی ہے۔ اسے سر پر "دھملا" پہنے دکھایا گیا ہے جو پھولوں سے مزیّن ہے۔ گلے میں ہار آویزاں ہیں اور اس نے جسم کے زیریں حصّے پر چست لباس پہن رکھا ہے جس میں سلوٹیں پڑی ہوئی ہیں۔ اس نے "ولایا" اور "نوپور" بھی پہن رکھے ہیں۔ اس کے بازوؤں کے نچلے حصّے پر نمایاں "واجی بندھ" اور پیٹ پر تین سلوٹیں (تردلی) ہیں۔ اس مورتی کا لمبوترہ چہرہ، چھریرا جسم اور زیبائشی تفصیلات اور چہرے کے خدوخال سے نمایاں خوشی کے جذبات، اس مدرسۂ فن کی جملہ تخلیقات کی نمائندہ خصوصیات ہیں۔

شکل نمبر (25)

اس مندر میں ایک طاقچے میں رکھی ہوئی ایک اور عورت کی مورتی جو مذکورہ بالا مورتیوں سے مشابہہ ہے لیکن بعض معمولی باتوں میں ان سے مختلف بھی ہے مثلاً زیورات اور ہاتھوں کے دھرنے کی وضع اور کیفیت میں۔ اس نے بھی سر پر دھملا پہن رکھا ہے جس پر معمول کے مطابق پھول بنے ہوئے ہیں۔ جواہرات سے جڑے ہوئے کنڈل، بازو بند اور کنٹھے زیب تن ہیں۔ بدن کے نچلے حصے پر چست لباس ہے جس کے کنارے بہت خوبصورتی سے لپٹے ہوئے ہیں۔ ان سے جزئیات کی مشاقانہ عکاسی اور کلاسیکی ضبط و توازن کا اظہار ہوتا ہے۔ اس مورتی کا "بھنگ" اور ایک طرف کی تین چوتھائی شکل اسے بے نظیر دلکشی عطا کر رہے ہیں۔

شکل نمبر (26)

اسی مندر کے ایک اور طاقچے میں ایک اور عورت کی مورتی ہے۔ یہ بھی مذکورہ بالا مورتی سے مشابہہ ہے۔ اس میں کنڈل اور ہاتھ میں تھاما ہوا خوشنما کنول پھول

قابلِ توجہ ہیں۔

شکل نمبر (27)

ایک اور عورت کی مورتی۔ یہاں ایسی مورتیوں کی ذاتی دلکشی اور حسن کو اجاگر کیا گیا ہے۔ آرائش کی تفصیلات، سر پر لگائے ہوئے سوریہ اور چندر "پربھا"، شانوں پر گرتی ہوئی پروقار گھونگھریالی لٹیں، نیز کنڈل اور کنٹھے سب ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے بنانے میں نفاست برتی گئی ہے۔ ان پر بہترین پیکر تراشی سونے پر سہاگہ ہے جو بھری چھاتیوں، چھریرے بازوؤں، پتلی کمر اور چوڑے کولہوں کی تراشش سے نمایاں ہے۔

شکل نمبر (28)

یہ اسی مندر کے دوسرے طاقچے میں استادہ ایک مرد کی مورتی ہے۔ اس کی صناعی اوپر کی مورتی جیسی ہے۔ ہاتھوں کی نشست، ہلکا سا "بھنگ" اور دیگر خد و خال خوبصورت ہیں اور حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں۔ پیکر تراشی نفیس اور عمدہ ہے۔ یہ مورتی غالباً کسی سادھو کی ہے۔

شکل نمبر (29)

اسی مندر کے ایک اور طاقچے میں استادہ ایک مردانہ مورتی ہے جو غالباً کسی شہزادے کی ہے۔ اس کے سر پر کیش بند ہے جس کے نیچے جواہرات سے جڑا ہوا موباف ہے۔ وہ ہاتھ میں کنول کا پھول تھامے ہوئے ہے۔ اس مورتی کی آنکھیں، ناک، بھرے ہوئے ہونٹ، گول چہرے کی تراشش، ٹانگوں کی وضع و نشست جسم کے تین چوتھائی حصے کی یک رخی پیکر تراشی اور تکمیل کی عام خوبی اسے یہاں کی دوسری مورتیوں سے ممتاز کر دیتے ہیں اور یہ تاثر پیدا کرتے ہیں کہ یہ مورتی کسی ایسے سنگ تراش کی بنائی ہے جس کی تربیت کسی مختلف مدرسۂ فن میں ہوئی تھی جو غالباً شری نواستلور کا مدرسۂ فن تھا۔

شکل نمبر (30)

یہ تصویر دو بھگتوں کی مورتیوں کی ہے جو ترر واڈتوراتی ضلع تنجور کے شو مندر میں موجود ہیں۔ بائیں جانب کی مورتی "انجلی" کی وضع میں ہے۔ اس کے بائیں بازو میں ایک تھیلا آویزاں ہے۔ اس نے ایک بہت سادہ لنگوٹی پہن رکھی ہے۔ دائیں طرف کے دوسرے بھگت نے اپنے دونوں ہاتھوں کو "انجلی" کی حالت میں اپنے سر کے اوپر تک اٹھا رکھا ہے۔ گردن کے گرد منکوں کی مالا ہے۔ اس کا تھیلا اس کے عقب میں ایک چوکی پر رکھا ہے۔ یہ شبیہات جو پتھر پر نقوش ابھار کر بنائی گئی ہیں، بہت خوبصورتی سے تراشی گئی ہیں۔ ان کے چہروں سے جو جو کیفیات جھلکتی ہیں، وہ سکون اور عقیدت کی مظہر ہیں جو اس طبقے کے افراد کی امتیازی خصوصیت ہیں (دیکھیے صفحہ 725) تامل کردار چولوں کے شروع کے زمانہ کے ہیں۔

شکل نمبر (31)

یہ تصویر جو کانسے کی ہے کسی دیوی کی ہے یا مہارانی کی ؟ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ اس کا مقام نہیں معلوم ہے۔ یہ مورتی "پدم آسن" پر "تربھنگ" وضع میں استادہ ہے۔ اس نے "کرنڈ مکٹ" پہن رکھا ہے۔ ایک چوڑا سا گلوبند، بازوؤں پر "ناگوالیہ" "واجی بندھ" "ولئیا" اور "بھنور لویت" پہن رکھا ہے۔ جسم کے زیریں حصے کی پوشاک اور "نوپور" بہتر طریقے سے زیب تن ہیں۔ دایاں ہاتھ کتھک رقص کی وضع میں اور بایاں ہاتھ "لولا" وضع میں ہے۔ چہرے سے سکون اور استغراق کی کیفیت نمایاں ہے۔ پیکر تراشی اور زیبائش سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ عجائب خانہ مدراس میں وڈکپنا ئیور سے دستیاب شدہ جو سیتا کی مورتی رکھی ہے، اس کے مقابلہ میں یہ مورتی زیادہ پرانی ہے۔ لیکن اس کے غیر معمولی طور پر دبلے پتلے اعضا، خمیدہ کندھے اور کنول کی چوکی کی ساخت لنکا کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

شکل نمبر (32)

یہ کال ہستی، ضلع چیتور سے ملی ہوئی کانسے کی مورتی چولما دیوی کی ہے جو "تربھنگ" وضع میں "پدماسن" میں کھڑی ہے۔ اس نے بڑے باریک کام کے زیورات اور ملبوسات پہن رکھے ہیں۔ سر پر "دھملا" ہے۔ ہاتھ میں کنول کی کلی ہے جو بالکل اصلی کلی معلوم ہوتی ہے۔ جھالردار "کے یور" اور "واجی بندھ" بہت دلچسپ ہیں۔ یہ گیارہویں صدی کی ایک عظیم چولا مہارانی کا پیکر ہے۔

شکل نمبر (33)

کال ہستی، ضلع چیتور سے دستیاب شدہ شہنشاہ کلوتنگا سوم کی کانسے کی مورتی۔ یہ دو "پیٹھوں" پر بالکل سیدھی کھڑی ہے۔ گھونگھروالے بال ہیں۔ زیورات اور لباس بڑے باریک کام کے ہیں۔ دائیں ہاتھ میں خنجر ہے۔ چہرے پر تبسم ہے۔ چولا عہد کے آخری دنوں کی یہ ایک بہترین تصویر ہے اور ایک عمدہ مثال ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آرٹ نے ایک طویل عرصے تک اپنا اعلیٰ معیار برقرار رکھا تھا۔

شکل نمبر (34)

کوڈ کرائی۔ ضلع تنجور سے دستیاب شدہ گولک مہرشی کی کانسے کی مورتی۔ چونکہ اس میں بالکل برہنہ بدن کی پیکر تراشی کی گئی ہے، اس سے تصویر کشی اور خدوخال کی حقیقت نگارانہ عکاسی صاف عیاں ہے۔ ایک خاص شکل کا جٹا بھار (جوڑا)، منکوں کا ایک موٹا سا سر بند اور کھڑے ہونے کا انداز خاص طور پر دلچسپ ہیں۔ یہ ان شکلوں میں سے ایک ہے جو بعد میں ایسی مورتیوں کے لیے نمونہ بنیں۔

شکل نمبر (35)

شری نواسنلور، ضلع ترچراپلی کے کورنگ ناتھ مندر میں چنڈکیشور کی مورتی۔ اس کی کاریگری اس مندر سے دستیاب شدہ اسی قسم کی ان دوسری مورتیوں جیسی ہے جن پر

ہم اوپر تبصرہ کر چکے ہیں۔ جٹا مکٹ" اور ہاتھوں کی "انجلی" کی وضع سے جس کے بیچ میں پھول ہے ثابت ہوتا ہے کہ یہ چنڈیکیش کی مورتی ہے۔ اگرچہ بعض نقادوں کی رائے میں یہ کسی شہزادے کی شبیہ ہے۔ کنول کا آسن اور رغمدد چوکور ستون اس مورتی کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہ مذکورہ عہد کے فن سنگتراشی کی ایک اور حسین مثال ہے۔

شکل نمبر (36)

یہ مورتی عموماً نرسنگھ منا یا دیار کی بتائی جاتی ہے لیکن یہ غالباً رام کی مورتی ہے۔ یہ کانسے کی مورتی ترونا منتور ضلع تجور کے مندر میں موجود ہے۔ یہ "تربھنگ" وضع میں استادہ ہے۔ ہاتھ تیر اور کمان پکڑنے کی وضع میں ہیں۔ معمول کے زیورات زیب تن ہیں۔ بلند "کیریٹ" یعنی مکٹ، چوڑا النفی اور لنگوٹی بہت خوبصورتی سے تراشے گئے ہیں۔ چہرے کی لطیف کیفیت جس سے الوہی نور ٹپکتا ہے، جسم کی خوبصورت وضع اور خدوخال کی حیرت انگیز تشکیل جو چولا کانسے کی مورتیوں کی خصوصیات ہیں، سب یہاں پائی جاتی ہیں۔ اس کے باوجود ان مورتیوں میں جزئیات جس باریکی سے دکھائی گئی ہیں، اس سے یہ صاف واضح ہے کہ یہ مورتی عجائب خانہ مدراس میں رکھے ہوئے "وڈاوٹ پنا یور" زمرے کے رام اور اوپر شکل ۱۹ کے تحت مذکور گولک بھرشی کی مورتیوں سے بعد کی بنی ہوئی ہے۔

شکل نمبر (37)

ترومکلائی (ریاست پدوکوٹہ) کے مندر کے مرکزی حجرے کی جنوبی دیوار کے ایک طاقچے میں شوکی یہ مورتی ایک سادہ سی چوکی پر کھڑی ہے۔ یہ چھریرے بدن اور متناسب اعضائی مورتی ہے جس کے سر پر جٹا مکٹ ہے، گلے میں چوڑا کنٹھا ہے۔ پیٹ پر "ادربند" اور کمر کے گرد خوب صورت پٹی ہے۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک دھنش اور دائیں ہاتھ میں تیر (بان) ہے۔ اس مورتی کے دو زائد ہاتھ صاف طور پر دکھائی نہیں دیتے۔ چہرے پر جس کی نظریں نیچے ہیں، "دھیان" کی کیفیت ہے۔ "پدوکوٹہ" رسالے میں اس کا نام وینادھرودکشنا مورتی بتایا گیا ہے۔ لیکن اوپر جو خدوخال بیان کیے گئے ہیں وہ اسے

ترپرانتکا مورتی شناخت کرنے کے متقاضی ہیں (ذیل میں شکل نمبر 39 میں دیے گئے اس کے بالکل مشابہہ خدوخال سے اس کا موازنہ کیجیے)۔

شکل نمبر (38)

یہ کوڈمبالور، ریاست پڈوکوٹہ کے موورکوول مندر نمبر 1 کے طاقچے میں استادہ ویناد ھردکشنا مورتی ہے۔ یہ مجسموں کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ چہرہ جو استغراق کا آئینہ دار ہے، اوپر کو اٹھا ہوا ہے۔ سر پر اونچا جٹامکٹ ہے۔ زیورات اور کمربند صاف نظر آرہے ہیں۔ آگے کے دونوں ہاتھوں میں وینا تھام رکھی ہے۔ پیچھے کے دونوں ہاتھ یہاں صاف دکھائی نہیں دیتے۔ اس شبیہہ کا "بھنگ" اور مجموعی بناوٹ اس کی شوکت میں اضافہ کرتے ہیں۔

شکل نمبر (39)

اس مندر سے دستیاب شدہ ترپرانتکا مورتی ہے۔ یہ مجسمہ اب مدراس کے سرکاری عجائب گھر میں محفوظ ہے۔ یہ "تربھنگ" وضع میں بڑے پروقار انداز میں استادہ ہے۔ پیچھے کے ہاتھ "پتاکاہست" میں ہیں۔ ان سے آگے ترکش ہیں۔ آگے کا دایاں ہاتھ "دیاکھیان" کی وضع میں ہے، جبکہ بائیں ہاتھ میں لمبی کمان ہے۔ "جٹامکٹ" "چنّ ویرٖ" "ہار" اور دو بل میں خوبصورت پھندوں سے بندھے ہوئے بالائی جسم کے کپڑے، نیز "یگنوپویت" بڑی نفاست سے تراشے گئے ہیں۔ تروکٹلائی کی مثال کی طرح، اس مورتی کے چہرے سے بھی "وسمئے" کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے اور یہ کیفیت مالکِ کائنات کے ترپراسر کو مار ڈالنے کے باعث پیدا ہوئی ہے۔ اس مورتی کی موزونیت، حیرت انگیز پیکر تراشی اور مختلف اعضا کی حقیقت نگارانہ خاکہ کشی اس کو آرٹ کے ایک اعلیٰ شاہکار کا درجہ عطا کرتے ہیں۔

شکل نمبر (40)

مذکورہ بالا مندر میں سے ملی ہوئی "ترپراسندری" کی مورتی۔ جو اب مدراس کے سرکاری عجائب گھر میں رکھی ہوئی ہے، اصل میں شکل نمبر 39 کے جوڑ کی مورتی ہے۔

یہاں جو "سم بھنگ" (بالکل سیدھی) وضع دکھائی گئی ہے وہ دیویوں کی شبیہات کے لیے غیر معمولی ہے۔ اس مورتی کے دایئں ہاتھ میں ایک پھول ہے اور بایاں ہاتھ ران پر رکھا ہوا ہے اور یہ "کرنڈمکٹ" "کنڈلوں" اور گلوبند سے آراستہ ہے۔ "یجنوپویت" بہت نمایاں ہے۔ جسم کے زیریں حصے کے کپڑے بڑی خوبصورتی سے تراشے گئے ہیں۔ اوران کے بل، پھندنے، جھالریں وغیرہ بالکل قدرتی نظر آتے ہیں۔ اپنے شوہر کے برعکس وہ سامنے دیکھ رہی ہے اور اس کے چہرے پر نور برستا ہے۔ پہلی مورتی کی تقریباً ہم شکل ہے اور دونوں ایک ہی کامل الفن کی شاہکار ہیں۔

شکل نمبر (41)

یہ مورتی کوڈمبالور، ریاست پڈوکوٹہ کے مودرکودل مندر سے دستیاب ہوئی ہے۔ یہ "اردھ ناریشور" کا مجسمہ ہے جو "تر بھنگ" وضع میں استادہ ہے۔ دائیں جانب صرف ایک جو دیوتا کا ہے۔ پاروتی والے حصے میں ایک ہاتھ ہے جس میں آئینہ ہے۔ ایک عظیم تصور کو ایک حیرت انگیز شکل عطا کردی گئی ہے یہاں "پرکرتی" اور "پرشو" باہم مل کر کائنات کی اساس بن گئے ہیں۔ اس مورتی نے ناممکن کو ممکن بنادیا ہے۔ اس میں اعلیٰ جمالیاتی معیار سمو دیئے گئے ہیں اور ان کے ساتھ ہی بت گری کے قواعد کی کڑی پابندی بھی ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اس میں اور مہابلی پورم سے ملے ہوئے "اردھ ناری" کے ایک مجسمے میں دور کی ایک مشابہت ہے۔ دونوں جانب سے مجسمے کو گھیرے ہوئے چوکور کھمبوں کے ڈیزائن اس کو ایک دلکشی عطا کرتے ہیں۔

شکل نمبر (42)

کمبا کونم میں ناگیشور مندر کے ایک طاقچے میں رکھی ہوئی "اردھ ناریشور" کی مورتی۔ یہ شکل کوڈمبالور والے مجسمے سے مشابہہ ہے۔ لیکن یہاں اس کی تراش حیرت انگیز اور بے مثال ہے۔ غالباً نویں اور دسویں صدی کے جنوبی ہندوستان نے آرٹ کو اپنے عروج کی انتہائی بلندیوں پر پہنچتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ یہ اس مندر کی تمام مورتیوں میں سے نفیس ترین مورتی ہے۔ اس کے ایک عضو میں چولا عہد کے فن سنگتراشی کا حددرجہ کمال آشکارا

ہے۔ اس کی صناعی کا انداز واضح طور مقامی ہے اور ان طرزوں سے بالکل الگ ہے جو اس وقت کوڈمبالور یا دوسرے مقامات پر رائج تھے۔ یہاں کے چوکور ستون البتہ دلچسپ نہیں ہیں۔

شکل نمبر (43)

اسی مندر میں برہما کی مورتی، نوجوان جسم جس کے تین چہرے ہیں جن سے الوہی دانش و حکمت نمایاں ہے۔ یہ "سم بھنگ" وضع میں "پدم پیٹھ" پر کھڑی ہے۔ اس مورتی کے اوپر کے ہاتھوں میں منکوں کی مالا اور "کنڈکا" ہیں جو اس کی شناخت کی علامتیں ہیں۔ اس کی صناعی بھی اوپر کی مورتی جیسی ہے۔

شکل نمبر (44)

یہ مورتی شری نواسنلور، ضلع ترچراپلی کے کورنگ ناتھ مندر میں ایک طاقچے کی زینت ہے۔ یہ شوکی مورتی اس طرح استادہ ہے کہ اس کا دایاں رخ ہی آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔ دائیں ٹانگ شکستہ ہے لیکن یہ یقیناً بونے "اپسمار" کے سر پر دھری ہوگی "جٹا مکٹ" اور دیگر زیورات حسب معمول نہایت خوبصورتی سے تراشے گئے ہیں۔

شکل نمبر (45)

یہ مذکورہ بالا مندر کے جنوب کی طرف کے ایک طاقچے میں رکھی ہوئی دکشنا مورتی ہے۔ یہ نہایت شاندار مجسمہ ہے لیکن بری طرح مسخ ہو چکا ہے۔ اس کے سر کا بہت گھنا "جٹا بھار" اس کے زیورات کی باریک نقاشی اور اس کی اعلیٰ پیکر تراشی اسے ایک عظیم شاہکار کا مقام عطا کرتے ہیں۔ اوپر جو درخت کی ٹہنیاں دکھائی دے رہی ہیں وہ ایک موثر پس منظر پیش کرتی ہیں۔ ہرن اور شیر جیسے جانوروں، "نیز" ویا دھروں" "رشیوں اور "اپساروں" کی شبیہات سے مورتی کے حسن میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ ان کی صناعی بھی بظاہر ایسی ہی ہے جیسی کہ اصل مورتی کی۔ فن تعمیر کے اعلیٰ محاسن جو یہاں پیش کیے گئے ہیں، منظر کو اور بھی دل کش بناتے ہیں، مثلاً اس کی پیواں ڈھلائی "یالی واری"، پرشوکت ستون،

نفیس تورن" اور خاص قسم کی کھانچے دار چوبی۔

شکل نمبر (46) تختی نمبر (20)

یہ والیشور مندر کے "دمان" پر بنی ہوئی شو کے دو روپوں کی مورتی ہے یعنی "اردھ ناریشور" اور "انوگرہ مورتی" کی۔ یہ ضلع ترونیل ویلی میں ترو والیشورم مندر میں ملی ہے۔ یہ مندر غالباً دسویں صدی کے ابتدائی برسوں کا بنا ہوا ہے۔ اس کی تعمیری تفصیلات اگرچہ خاصی ترقی یافتہ ہیں لیکن یہ پن فلائی اور کانچی پورم کے پلّو طرزِ تعمیر سے مشابہت رکھتی ہیں۔
"اردھ ناریشور" اس مورتی میں "تر بھنگ" وضع میں ایک "کرن کوشٹھے" کے سامنے ایک بیل کے پہلو میں کھڑے دکھائے گئے ہیں۔ بیل حیرت انگیز نفاست تراشا گیا ہے۔ یہ تصویر کشی بڑی پر اثر ہے لیکن اس کے خدوخال قدرے ناہموار ہیں (اوپر شکل نمبر 41- اور 42 کے تحت دی ہوئی "اردھ ناریشور" کی حسین مورتیوں سے اس کا موازنہ کیجئے) شو کی دوسری مورتی اس انداز میں تراشی گئی ہے جیسے اپنے سامنے حاضر افراد میں سے کسی کو صبر کی تلقین کر رہے ہیں۔ "کوڈووں" پر خوبصورت بیلیں بنی ہوئی ہیں۔ "یالی" پتھر پر اونچے ابھارے گئے ہیں جیسے نارتّاملائی میں۔ یہ فن سنگ تراشی کی قدیم خصوصیت تھی۔

شکل نمبر (47) تختی نمبر (20)

اسی مندر میں بنی ہوئی شو کی "ورشبھانتکا مورتی" اور گنگادھر کے روپ میں تصاویر۔ "ورشبھانتکا" روپ میں شو مع پاروتی کے، نفاست کے ساتھ تراشے ہوئے بیل کے برابر کھڑے ہیں۔ شو اور پاروتی دونوں کو پروقار "تربھنگ" آسن میں دکھایا گیا ہے۔ دونوں کے چہروں کی کیفیات سے انتہائی سکون کا اظہار ہوتا ہے۔ اس فنی تخلیق کی اعلیٰ تصویر کشی، اس کے خوبصورت زیر و بم اور کھڑے ہونے کا پرکشش انداز اس کے محاسن میں اضافہ کر رہے ہیں۔
گنگادھر کا روپ بھی بڑی خوبصورتی سے تراشا گیا ہے۔ شو بیک وقت گنگا کو اپنی جٹاؤں میں سنبھال رہے ہیں اور پاروتی کا غصہ بھی فرو کر رہے ہیں، جس نے ان کے اس اقدام پر کچھ اعتراض کیا تھا۔ یہ مجسمہ سبھی زمانوں میں شیومت والوں کا محبوب مجسمہ رہا ہے اسی موضوع کی شاندار اور بے مثال عکاسی مہندر ورمن کے گپھا مندر واقع ترچراپلّی میں ہے۔

شکل نمبر (48) تختی نمبر (19)

اسی مندر کے "ومان" پر بنی ہوئی نٹ راج کی مورتی ہے۔ یہ جنوبی ہند کی ان قدیم ترین مورتیوں میں سے ایک ہے جن میں شو کو رقص کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اس کی وضع "بھجنگ تراست" کی ہے لیکن زیادہ تر یہ "آنند تانڈو" کے نام سے معروف ہے، کیونکہ یہ تمام دیوتاؤں، رشیوں، انسانوں اور حیوانوں کو انتہائی مسرت بخشتی ہے۔ اس کیفیت کے کچھ اور نام بھی ہیں مثلاً "سندھیا تانڈو" اور "گوری تانڈو"۔ شو کے رقص نے ہر زمانے کے مصوروں کو اپنی مہارت دکھانے کے عظیم مواقع فراہم کیے ہیں۔ جب اس مہارت میں دیوتا کے ساتھ نہ ڈگمگانے والی عقیدت و ارادت بھی شامل ہو تو ایسی تخلیق سب ہی کو مسرت عطا کرتی ہے اور خود ہمیشہ کے لئے ایک حیرت انگیز شے بن جاتی ہے۔ چولا راجگان بڑے پکے شیو تھے اور آڈولان یا نٹ راج ان کا سرپرست دیوتا تھا۔ لہٰذا چولا عہد کی نٹ راج کی مورتیاں آرٹ کے نادر نمونوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ زیر بحث مجسمے میں وہ تمام خصوصیات ملتی ہیں جو عموماً بعد کے وقتوں کی اسی قسم کی اور مورتیوں میں دکھائی دیتی ہیں، سوائے چکر کھاتی ہوئی جٹاؤں کے۔ اس کی جنبش میں ہنوز متانت اور وقار ہے۔ بدقسمتی سے اس مورتی کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا ہے۔ نیچے کی جھالریں جو جانوروں کی تصاویر ہیں ان میں ہاتھی ایک شاندار فنی کاوش ہے۔

شکل نمبر (49) تختی نمبر (21)

یہ اسی مندر کے ومان کے مغربی رخ کی تصویر ہے۔ اوپر بالکل چوٹی کے طاقچے میں چار ہاتھوں والا ایک خوبصورت "یوگ نرسمہا" کنول کی چوکی پر بیٹھا دکھائی دیتا ہے۔ کونوں میں آلتی پالتی مار کر بیٹھے ہوئے نندی بیلوں کی گردنوں میں گھنٹیوں کے ہار ہیں۔ نیچے جانوروں کی شبیہات کی ایک جھالر نظر آ رہی ہے۔ شیروں کے بیٹھنے کا انداز ایسا ہے جیسے اوپر نرسمہا کے بیٹھنے کی وضع کا مذاق اڑا رہے ہوں (مہابلی پورم میں ارجن کی تپسیا کی جو مورتی ہے اس میں بلی کی تپسیا بھی دکھائی گئی ہے۔

زیریں منزل میں بائیں سے دائیں کی جانب چلیں تو مندرجہ ذیل مجسمے دیکھنے میں آتے ہیں:۔ (1) کنکال مورتی، پاروتی اور ایک گن کی رفاقت میں۔ پاروتی مورتی بہت دلکش

انداز سے تراشی گئی ہے (2) دکشنا موِرتی ایک پہاڑی پر بیٹھے ہوئے۔ (3) پدم آسن پر لنگودبھاو" خلاف معمول شو کی مورتی کے قامت ہی کی ایک مورتی وشنو کی بائیں جانب استادہ ہے جب کہ اسی قامت کے برہما دیوتا کا مجسمہ دائیں جانب ہے۔ یہ دونوں یعنی وشنو اور برہما "اجلی" کی وضع میں ہیں جو ان کی شکست پر دلالت کرتی ہے۔ اس طرح کے مجسموں میں جو بعد کے وقتوں کے ہیں، وشنو کی شبیہ ایک سور کی بنائی گئی ہے، یا شکل آدمی کی ہے اور سر سور کا ہے جو شو کے پاؤں دیکھنے کے لیے زمین کے اندر جا رہا ہے۔ برہما کی شکل ہنس کی بنائی گئی ہے یا اسے ہنس پر سوار ہو شو کے سر کے درشنوں کے لیے جاتے دکھایا گیا ہے۔ (4) کالاری مورتی جس کے بہت سے ہاتھ ہیں۔ اس دیوتا کا بایاں پاؤں "اُوردھوَ جانو" وضع میں اوپر کو اٹھا ہوا ہے اور اس کے اگلے ہاتھ "کال" کا خاتمہ کرنے کی وضع میں ہیں۔ (کال یہاں صاف طور پر دکھائی نہیں دیتا)۔ تنجور اور کوڈمبالور میں اس طرح کی مورتیوں میں اس موضوع کو زیادہ سادگی اور اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ کوڈمبالور سے جو مورتی دستیاب ہوتی ہے وہ بہت عمدہ ہے۔ (5) دائیں کنارے کے آخر میں تریپرانتکا کی مورتی ہے۔ یہ ایک شاندار کلاسی ہے۔ اس کی وضع کو دیکھ کر تنجور مندر کی رام کی مورتی اور مایورم کی تریپرانتکا کی مورتی کی جانب خیال جاتا ہے۔ جیسا اوپر بھی ذکر آچکا ہے، یہ مورتی چولا راجاؤں کی محبوب مورتی تھی۔ عظیم راج راجا اس سے خاص طور پر بہت متاثر تھا۔ اسی لیے اس نے نہ صرف تنجور کے مندر کے حجرۂ مقدس کی بیرونی دیواروں کے بہت سے طاقچوں کو تراپرانتکا کی مورتیوں سے پر کر دیا بلکہ اس مندر کی غلام گردش میں ایک کمرے کی پوری دیوار اس مقصد کے لیے وقف کر دی تاکہ اس پر شو کی تریپراسروں سے زبردست لڑائی کے پورے منظر کی مصوری کر دی جائے۔

جانوروں کی شبیہوں والی جھالر، پتھر پر تصویروں کا اونچا ابھار، پتھر کا کام اور سادہ شالائیں، یہ قدیم طرز تعمیر کی خصوصیات ہیں۔

شکل نمبر (50) تختی نمبر (19)

یہ اسی مندر میں رکھی ہوئی گجانتکا مورتی ہے۔ اس میں شو کے آٹھ ہاتھ ہیں ان کی بائیں ٹانگ ہاتھی کے سر پر رکھی ہے اس کی کھال شو کے عقب میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ نقشہ ہیبت انگیز ہے۔ زیبائشی کام حسب معمول بہت عمدہ ہے۔ پاروتی کو دائیں طرف اس انداز

میں دکھایا گیا ہے جیسے وہ اس خونریز منظر کو دیکھ کر ایک طرف بھاگ رہی ہوں۔

شکل نمبر (51) تختی نمبر (19)

اسی مندر میں شیو اور ان کے ایک بھگت کی مورتی ہے اور ایک ان کی چنڈیش نوگرہ مورتی ہے۔ پہلے مجسمے میں شوجی "سکھاسن" وضع میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے خصوصی نشان "پرشو" اور "مرگ" اپنے اوپر کے ہاتھوں میں تھامے ہوئے ہیں۔ دائیں طرف کا نچلا بازو ان کے دائیں جانب کھڑے بھگت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ "اپسمار" دانت دکھائی نہیں دیتا۔ بھگت نے "تری بھنگ" وضع میں کھڑا ہے اپنے ہاتھوں میں ایک برتن تھام رکھا ہے۔ اس نے "کرنڈ مکٹ" اور دوسرے زیورات پہن رکھے ہیں۔

دوسری مورتی میں شیو کو بڑے آرام کی وضع میں دکھایا گیا ہے جو عام طور پر دکشنا مورتی کے مجسموں میں دیکھی جاتی ہے۔ یہاں انہیں چنڈیش کے سر کو ایک بار سے آراستہ کرتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ چنڈیش ان کے آگے جھک رہا ہے اور اس کے ہاتھ انجلی کی وضع میں ہیں۔ پاروتی سر پر "کرنڈ مکٹ" پہنے دیگر زیورات زیب بدن کیے (جن میں "جنیو" بھی شامل ہے) اور خوبصورت کپڑوں میں ملبوس اپنے ہاتھ میں ایک پھول تھامے ایک چوکی پر "اتکٹکا آسن" کی وضع میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ ان کا بایاں پاؤں ایک بیٹھے ہوئے بونے کے سر پر رکھا ہے۔ یہ پوری مثال ایسی ہے کہ اس طرح کی مورتی کی کوئی بھی مثال اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ (نیچے شکل نمبر 52 کے تحت دی ہوئی گنگائی کونڈ چولا پورم کی مورتی سے موازنہ کیجیے جو کچھ کم موثر لیکن زیادہ آراستہ اور قد و قامت میں بڑی ہے)

شکل نمبر (52)

ضلع شمالی ارکاٹ میں کاویری پاکم کے انگالمن مندر میں رکھا ہوا دکشنا مورتی کا مجسمہ۔ شیو ایک چوکی پر "اتکٹکا آسن" میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس چوکی پر ہرنوں کے ایک جوڑے اور سانپ کی شبیہیں منقوش ہیں۔ اس مورتی میں خاص دلچسپی کی چیزیں یہ ہیں: بہت بڑا "جٹا بھار" جس میں گھونگھریالے بال پڑے ہوئے ہیں۔ وستر یگیہ اوپویت نیز کائناتی دانش و حکمت کی کتاب رودیہ کے اوراق جو شیو کے ہاتھوں میں ہیں۔ ان شبیہ کی مجموعی ساخت دراصل صورت گری کی

نمائندگی کرتی ہے۔ کاویری پاکم میں پلوّ اور چولا عہد کی بہت سی نادر اور قدیم چیزیں دستیاب ہوتی ہیں۔

شکل نمبر (53) تختی نمبر (19)

یہاں کمبا کونم کے ناگیشور مندر میں شو کے بھکشاٹن روپ کی مورتی دکھائی گئی ہے۔ شو نے یہاں "جٹا مکٹ" اور دیگر گہنے پہن رکھے ہیں۔ ایک سانپ ان کے کربند کا کام دے رہا ہے۔ تین ہاتھوں میں، ایک ڈمرو، ایک میں کپال (کھوپڑی) اور ایک میں ڈنڈا ہے۔ چوتھا ہاتھ ہرن کو تھپکی دے رہا ہے۔ یہ مورتی ایک نادر شاہکار ہے اور ایک حسین وجمیل شخص کے تمام خد و خال اس میں موجود ہیں جو قدیم دھارمک کتابوں میں بھکشاٹن کے اس روپ کے عین مطابق ہیں جس میں وہ دارو کا ون میں رشیوں کی بیویوں کے سامنے ظاہر ہوا تھا۔

شکل نمبر (54) تختی نمبر (23)

یہ تنجور کے برہدیشور مندر کی غلام گردش کے شمالی حصے میں ایک طاقچے میں رکھی ہوئی سرسوتی ؟ کی مورتی ہے۔ دیوی یہاں "اردھ پریالکاسن" میں بیٹھی ہوئی ہے۔ دایاں ہاتھ شکستہ ہے اور بائیں ہاتھ میں اس نے ہمہ گیر علم و دانش کی کتاب تھام رکھی ہے۔ "جٹا مکٹ" "کچ بندھ" اور دیگر گہنے زیب تن ہیں۔ اوپر خوبصورت چھتر ہے اور کسی درخت کی شاخیں ہیں۔ اس کے دونوں جانب ایک ایک "چامر دھرنی" (چنور ہلانے والی) کھڑی دکھائی دیتی ہے اور اوپر ایک گندھرو منڈلا رہا ہے۔ چہرے کی کیفیت روحانی کیفیات کی آئینہ دار ہے۔ اس مجسمے میں مورتی کے سبھی کلاسیکل محاسن نمایاں ہیں لیکن چونکہ اس نے "کچ بندھ" پہن رکھا ہے اور ایک ایسے مندر میں رکھی ہوئی ہے جو شو کی لیلاؤں کے بیان کے لیے وقف کیا گیا تھا اور "للتا سہسر نام" میں شامل ایک اشلوک میں دی گئی ہر تفصیل اس پر صادق آتی ہے، اس لیے یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ یہ سرسوتی کی بجائے اُما کی مورتی ہے۔

شکل نمبر (55) تختی نمبر (22)

گنگائی کونڈ چولا پورم کے مندر کے ایک بیرونی طاقچے میں رکھی ہوئی یہ نٹ راج کی مورتی

ہے۔ یہ مورتی رقاص کے روپ میں شوکی اس وضع کی حسین ترین مورتیوں میں سے ایک ہے۔ جس میں چولا سنگ تراش اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے (اس کا نمونہ از شکل نمبر 48 کے تحت دی ہوئی اس سے پہلے کے زمانے کی نٹ راج کی مورتی سے کیا جاسکتا ہے جو ترو والیشورم ضلع ترونیل ویلی کے والیشور مندر میں رکھی ہے)۔ زیر بحث مورتی میں نٹ راج کی شبیہ زیادہ مکمل اور معیاری ہے۔

مندرجہ ذیل ماتحت شبیہات جو پتھر پر نقوش ابھار کر تراشی گئی ہیں، نہ صرف خوبصورت ہیں بلکہ دلچسپ بھی ہیں کیونکہ وہ پورے منظر کی تکمیل کرتی ہیں۔ نٹ راج کے عقب میں کالی دیوی ہے جو رقص کی "چتر" وضع میں ہے۔ دائیں جانب کے طاقچے سے آگے پاروتی ہے جو ایک بہت ہی نفاست سے تراشے ہوئے بیل کا سہارا لے کر کھڑی ہے۔ بائیں جانب گنیش اور سبرہمنیا کی حسین مورتیاں نظر آتی ہیں یہاں وشنو ڈھول بجا رہے ہیں۔ ان کے بالائی ہاتھ "وسے" کی وضع میں ہیں جس سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ وشنو شو کے آفاقی رقص کے ثنا گو ہیں۔ "اپسمار" بہت بڑا ہے۔ اس کے نیچے چوکی پر ایک "گن" (تانڈو ؟) ڈھول بجاتا ہوا دکھایا گیا ہے، نیز ایک خاتون سنت کارئی کال امیار جھانجھ بجاتی ہوئی دکھائی گئی ہے۔ اس کے دونوں جانب ایک ایک چوکھٹا ایسا ہے جس میں گن رقص کی مختلف وضعوں میں دکھائے گئے ہیں۔

شکل نمبر (56) ایضاً

اسی مندر کے ایک طاقچے میں ہری ہر کی مورتی ہے۔ یہ مورتی "سمبھنگ" وضع میں استادہ ہے۔ شو کا پرشو (کلہاڑا) اور "جٹا مکٹ" اس شبیہ میں دائیں جانب دکھائی دیتے ہیں۔ وشنو کا شنکھ اور "کیرٹ مکٹ" اس کے بائیں جانب ہیں۔ اس مورتی کی بناوٹ میں لوچ نہیں ہے جو اس عہد کے مجسموں میں قدرے خلاف معمول ہے۔ اس کے برعکس پتھر پر کم ابھرے ہوئے نقوش اور مجسمے جو بنیادی چبوترے پر بنائے گئے ہیں، زیادہ عمدہ اور نفیس ہیں۔

اس طاقچے اور شکل نمبر 59 کے تحت دیئے ہوئے نٹ راج کے طاقچے کی تعمیر کے متعلق تفصیلات کا اگر باہم موازنہ کیا جائے تو ایک ہی عمارت کے طرز تعمیر میں بہت سے دلچسپ اختلافات نظر آئیں گے۔

شکل نمبر (57) ایضاً

مذکورہ بالا مندر میں شو کی مورتی چنڈیش انوگرہ مورتی کے روپ میں ہے۔ اس میں چنڈیش "انجلی" کی وضع میں شو کے روبرو دوزانو ہے۔ اوپر شو "سکھ آسن" وضع میں بیٹھے چنڈیش کے سر پر گجرا باندھ رہے ہیں۔ پاروتی بھی "اکنشکا آسن" میں پاس ہی بیٹھی ہیں اور ان کا ہاتھ "آہو پوردا" وضع میں رکھا ہے۔ یہ مورتیاں اپنی دل کش صورت گری، نفیس پیکر تراشی اور دلچسپ زیبائشی جزئیات کی وجہ سے مشہور ہیں۔ اس کا موازنہ شکل نمبر 51 کے تحت دی ہوئی زیادہ حسین مورتی سے کیجئے جو ترووالیشورم سے ملی ہے۔ بائیں جانب پتھر کے اوپر نقوش ابھار کر جو خوبصورت شکلیں بنائی گئی ہیں، ان میں ایک خوش آہنگی دیکھنے میں آتی ہے۔ واضح طور پر اس میں وہ منظر نقوش میں ابھارا گیا ہے جس میں چنڈیش اپنے والد کی ٹانگیں اس لئے کاٹنے کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ اس کو اپنے طریقے سے شو کی پرستش کرنے سے منع کرتا تھا۔ یہ مورتیاں اس لئے دلچسپ ہیں کہ یہ چنڈیش کے قصے کی تائید کرتی ہیں۔ پتھر میں اس داستان کی ڈھلائی حد درجہ مؤثر ہے۔

شکل نمبر (58) تختی نمبر (24)

مذکورہ بالا مندر میں شو کے کامانتکا روپ کا مجسمہ۔ یہ سنگ تراشی کا ایک نادر نمونہ ہے۔ شو "سکھاسن" وضع میں "پدم پیٹھ" پر بیٹھے ہیں۔ "جٹا مکٹ" مکٹ "یگنوپویت" وغیرہ پہن رکھے ہیں۔ اپنے بالائی ہاتھوں میں اپنے جو نشان انھوں نے تھام رکھے ہیں وہ صاف دکھائی نہیں دیتے۔ نچلا دایاں ہاتھ "سوچی ہست" وضع میں نیچے کے ایک منظر کی جانب اشارہ کر رہا ہے۔ بایاں ہاتھ گود میں ہے۔ چہرے پر ہیبت انگیز جذبات ہیں۔ صورت گری کا یہ اعلیٰ نمونہ ہے۔ طاقچے کے اردگرد بھی پتھر پر کئی مورتیاں ابھاری گئی ہیں۔ بائیں جانب منتھ یا کام دیو اپنی رفیقۂ حیات رتی کے ہمراہ، طاقچے میں شو کی جانب اڑتا چلا آ رہا ہے۔ اس طرف ایک اور منظر میں یہ دونوں "انجلی" وضع میں ہاتھ باندھے کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ جس سے شو کے ہاتھوں ان کی شکست ثابت ہوتی ہے۔ دوسری شکلیں جو یہاں دکھائی دیتی ہیں، ان میں ایک پاروتی کی ریاضت کا منظر ہے جس کا تعلق بھی اسی قصے سے ہے۔ یہ سبھی واقعات بڑے مؤثر اور دل

انداز سے دکھائے گئے ہیں اور پتھر کے اوپر نقوش ابھارنے کے فن کی بہت عمدہ مثالوں میں شامل ہیں۔ پتھر پر نقوش ابھارنے کی یہ تکنیک اگرچہ بہت عرصے سے متروک ہوچکی تھی تاہم اب تک اس کا کچھ رواج کہیں کہیں جاری تھا اور کبھی کبھی جیسے کہ زیر بحث مثالوں میں اس کا استعمال بڑی کامیابی سے کیا جاتا تھا۔

شکل نمبر (59) تختی نمبر (23)

اسی مندر میں وشنو کی مورتی۔ اس میں جو شبیہ پیش کی گئی ہے وہ شری نواس دیوتا کی ہے۔ اور یہ "پدماسن" کی وضع میں بالکل سیدھی کھڑی ہے۔ اس کے ایک طرف شری دیوی کھڑی ہے اور دوسری طرف بھودیوی۔ ان مورتیوں میں روایت پرستی کے آثار نظر آتے ہیں۔

شکل نمبر (60)

یہ اسی مہا منڈپ میں رکھا ہوا "نوگرہ" پتھر ہے۔ یہ سیاروں کی صورت گری کی ایک یکتا مثال ہے۔ یہاں تخیل اور اس کو پیکر میں ڈھالنے کا انداز دونوں ہی معرکے کے ہیں۔ کھلے کنول کے پھول کے گرد سیاروں کی ترتیب بہت دلچسپ ہے۔ کھلا کنول نہ صرف سورج کی علامت ہے بلکہ پوری کائنات کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہاں بھی حسب معمول پورے چوکھٹے میں سورج کی غالب حیثیت ہونی چاہئے تھی لیکن اسے صرف سیاروں میں سے ایک دکھایا گیا ہے۔ تاہم اس کی شوکت وعظمت اس کے رتھ وغیرہ سے نمایاں ہے۔

شکل نمبر (61) تختی نمبر (24)

ایراوتیشور کے مندر میں کنکال مورتی کا مجسمہ۔ یہ مندر داراشرم ضلع تنجور میں ہے مجسمہ اب تنجور کی آرٹ گیلری میں منتقل کردیا گیا ہے۔ اس میں شو کھڑاؤں پہنے "تربھنگ" وضع میں کھڑے ہیں۔ اگلے ہاتھ ڈمرو بجانے میں لگے ہوئے ہیں۔ نیچے کا ہاتھ ہرن کو تھپتھپانے میں مصروف ہے۔ بالائی بایاں ہاتھ کندھے پر ہڈیوں کا ایک گٹھا رکھے ہوئے ہے۔ شو نے بلند جٹا مکٹ اور دیگر زیورات پہن رکھے ہیں۔ زیورات بڑی باریکی اور چابکدستی سے بنائے گئے ہیں۔ ان سے اور اس

شبیہ کی عقابی ناک سے فن سنگ تراشی میں ایک رسمی طرز کے آغاز کا پتہ چلتا ہے۔ شوجی کے بائیں جانب ایک "گن" نظر آ رہا ہے۔ صورت گری کمال درجے کی ہے۔ یہ تمام محاسن مجموعی طور پر اس فن پارے کو بہت اثر انگیز بنا دیتے ہیں اور اسے بارہویں صدی کے فن سنگ تراشی کے نفیس ترین نمونوں میں سے ایک شاہکار کا مقام عطا کرتے ہیں۔

شکل نمبر (62)

اسی مقام سے ملی ہوئی گنگا دھر کی مورتی۔ اب یہ مورتی تنجور کی آرٹ گیلری میں منتقل کر دی گئی ہے۔ یہ ایک اور عظیم موضوع کی حیرت انگیز عکاسی ہے۔ اگرچہ یہ پتھر پر اونچے نقوش میں ابھاری گئی ہے پھر بھی اعضا کی تراش خراش اور اس کی "آتی بھنگ" وضع ایسی ہے جس سے یہ گولائی میں نظر آتی ہے۔ اس مورتی کی منضبط اٹھان کو دیکھ کر بے اختیار مہابلی پورم کی مہیش مردنی کی مورتی یاد آ جاتی ہے، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ اس مورتی کے چہرے کی کیفیت سے داخلی خود شناسی کی جھلک ملتی ہے جبکہ مہیش مردنی کی مورتی کا چہرہ خدائی نور اور ناقابل شکست طمانیت سے جگمگا رہا ہے۔ پاروتی کو شو کے بائیں پہلو میں ایک مکمل نرم و نازک پیکر میں دکھایا گیا ہے لیکن ان کا چہرہ دہشت اور "وسمئے" کے ملے جلے جذبات کا مظہر ہے۔ یہ تصویر کشی شکل نمبر 50 کے تحت دی ہوئی تر دو الیشورم کی مورتی سے مختلف ہے جس کا ہم اوپر مطالعہ کر چکے ہیں۔ یہ اختلاف فن کاروں کی آزادی کا ثبوت ہے کہ یہ لوگ اپنی فہم و ذہانت کے مطابق کسی موضوع کو بھی جس طریقے سے چاہتے تھے تصاویر میں پیش کرتے تھے لیکن شاستری کے قوانین کے اندر رہ کر۔ ہاتھی کا سر، ٹانگیں اور پدما سن اعلیٰ پائے کی حقیقت پسندانہ صورت گری ہے۔

شکل نمبر (63)

تنجور کے برہدیشور مندر میں نٹ راج کا کانسے کا مجسمہ۔ یہ مندر کی سبھا میں نصب ہے اور آج تک اس کی پوجا کی جاتی ہے جیسا کہ مندر کے کتبوں سے پتہ چلتا ہے۔ یہ مجسمہ آڈولان کہلاتا ہے۔ اب تک ہمارے علم میں نٹ راج کی جتنی مورتیاں آتی ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ پر شوکت اور شاندار ہے۔ اپسمارا پر شو کا رقص بڑی نفاست اور متوازن طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔ چہرے سے انتہائی روحانی مسرت اور شوکت کا اظہار ہوتا ہے۔

اعضا میں ایک اعلیٰ درجے کا آہنگ اور موسیقیت ہے اور ان کے توازن کی عکاسی بالوں کی چکر کھاتی ہوئی لٹوں اور زاور بندھ کے لہراتے ہوئے سروں سے ہوتی ہے۔ ایک ہالے نے اس موتی کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے جس پر "مکر" (مچھلی) کے سر بڑی خوبصورتی سے بنائے گئے ہیں، جن سے مجسمے کے حسن میں اور اضافہ ہوا ہے۔ اس طرح کا مچھلی کا نقش ایسی مورتیوں میں شاذ ہی ملتا ہے۔

شکل نمبر (64)

ویلانگنی ضلع تنجور کے مندر میں نٹ راج کی کانسے کی مورتی۔ اب یہ مورتی مدراس کے سرکاری عجائب گھر میں رکھی ہوئی ہے۔ یہ ایک اور مکمل اور حسین شاہکار ہے۔ عظیم فرانسیسی فنکار اے۔ روڈن کی تحریروں نے اسے شہرۂ آفاق بنادیا ہے۔ یہ تنجور کے اس مجسمے کے ساتھ بہت مشابہت رکھتی ہے جس کا ہم اوپر مشاہدہ کر چکے ہیں۔ لیکن اس مورتی کی جزئیات مثلاً "پربھا" "پدماسن"، "اپسمارپرش" اور زیورات تنجور کے نٹ راج کے مقابلے میں قدرے سادہ ہیں۔ اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ مجسمہ تنجور کے نٹ راج کے مجسمے سے چند دہے پہلے کا بنا ہوا ہے۔

شکل نمبر (65)

یہ تروو النگاڈو ضلع چتور سے ملی ہوئی نٹ راج کی کانسے کی مورتی ہے جو اب مدراس کے سرکاری عجائب خانے میں رکھی ہے۔ یہ نٹ راج کے "آنند تانڈو" رقص کی بہترین مورتی ہے جو اب تک ہمارے علم میں آئی ہے۔ اس میں "پربھا" (ہالہ) نہیں ہے۔ یہ کانسے کی مورتی بنانے کے فن کا ایک حیرت انگیز نمونہ مانا جاتا ہے۔ سنگ تراش جس مقصد کو حاصل نہیں کر سکا اس تک دھات کے مجسمہ ساز نے رسائی حاصل کرلی ہے۔ اعضا کی جنبش بڑی پرآہنگ اور خوبصورت ہیں اور وضع و نشست پروقار۔ بعض اعضا کی جسامت میں معمولی سا اضافہ بظاہر اس مورتی کو ایک شاعرانہ خصوصیت بخش دیتا ہے اور اس طرح اسے شاندار شاہکار بنادیتا ہے۔ اعضا کی گولائیاں اور دیگر تفصیلات جیسے سر کا لباس جو پیچھے پر اونچا ابھارا گیا ہے اور لمبا کنٹھا چاہے اس شاہکار کی تخلیق کو بعد کے زمانے کی ثابت نہ کریں لیکن یہ مجسمہ ساز

ے علم کی گہرائی اور جزئیات کو صفائی و صحت کے ساتھ اور مؤثر طریقے سے دکھانے کی
مہارت کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔

شکل نمبر (66)

تلور ضلع تنجور سے ملی ہوئی نٹ راج کی کانسے کی مورتی۔ اس مورتی کے آٹھ ہاتھ ہیں
ورنہ چترو وضع میں ہے۔ یہ ایک اور نادر مجسمہ ہے۔ اس مورتی کے سامنے اور عقبی رخ دونوں
کے خدوخال سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کافی پرانے وقتوں کی ہے۔ پربھا۔ اپسمار اور کرسی کی
بناوٹ سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

شکل نمبر (67)

ترودورنگم' ریاست پڈوکوٹہ' ضلع ترچراپلی کے مندر سے دستیاب شدہ نٹ راج
کی کانسے کی مورتی ہے۔ اس میں شو پروقار "چتر تانڈو" رقص کرتے دکھائے گئے ہیں۔ یہ نہ صرف
اپنی نرالی وضع کے باعث بلکہ اپنے کلاسیکی محاسن کے پیش نظر بھی ایک نادر مجسمہ ہے مثلاً
چہرے پر مسکراہٹ اور گہنوں کے ذریعہ محدود و منضبط آرائش۔ ان گہنوں میں روایتی "واجی
بندھ" اور بڑی نفاست سے سنوارا ہوا جٹا مکٹ بھی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ اس مورتی
کے کچھ دیگر محاسن بھی ہیں۔ مثلاً "اپسمار" کی نفیس شبیہ۔ اور بڑے سلیقے اور صفائی سے بنائی
ہوئی کرسی۔ یہ کانسے کے عظیم فن پاروں میں سے ایک ہے۔

شکل نمبر (68)

درشبھانتکا مورتی مع ان کی رفیقۂ حیات۔ یہ کانسے کا مجسمہ ہے اور ترووینکاڈو ضلع
تنجور سے دستیاب ہوا ہے۔ اب یہ تنجور کی آرٹ گیلری میں رکھا ہے۔ یہ مورتی کلیان سندرا
کی مورتی (شکل نمبر 82) اور دو دیگر مجسموں کے ہمراہ ایک گاؤں کے کھیت میں ہل چلاتے ہوئے
نکلی تھی۔ یہ تمام مورتیاں ایک ہی کامل فن استھاپتی کی بنائی ہوئی ہیں اور چولا عہد حکومت
کے ابتدائی دنوں کی ہیں۔ حسب معمول مورتیوں کے اس گروہ میں بھی دو ہاتھوں والے شو ایک
ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر رکھے ہوئے ایسی وضع میں کھڑے ہیں جیسے وہ بیل کا سہارا لئے ہوئے

ہوں لیکن نندی بیل یہاں سے غائب ہے۔ ان کا بایاں ہاتھ "کٹیہ ولبتا" وضع میں ہے۔ اس مورتی میں جٹا بھار سادہ ہے لیکن اس قدر خوبصورت کہ اس کا ثانی ہنوز کسی بھی دوسری کانسے کی مورتی میں نہیں ملتا۔ صورت گری نہایت اعلیٰ ہے اور اس کے حسن میں اس کی نفاست بھری تکمیل اور نازک جذبات سے حد درجہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ پاروتی کی مورتی بھی اتنی ہی حسین ہے۔ وہ جیتی جاگتی معلوم ہوتی ہے اور سرتا پا نسوانی حسن و جمال کا پیکر ہے۔ "کرنڈ مکٹ"۔ گلوبند۔ یجنو پویت۔ کنگن اور بولا ہتا۔ واجی بندھ، چوڑے کوبے اور زیریں جسم کا خوشنما لباس اس مورتی کی دلکشی کو اور بھی بڑھا دیتے ہیں۔

شکل نمبر (69)

ورشبھا نتکا کی کانسے کی مورتی جو گنگائی کونڈ چولا پورم کے مندر میں رکھی ہے۔ اس مورتی کے چار ہاتھ ہیں اور یہ بائیں جانب قدرے خمیدہ ہو کر کھڑی ہے۔ اس کے دائیں کان میں ایک "مکر کنڈل" آویزاں ہے۔ اوپر کی مثال کے مقابلے میں اس مورتی کے کنٹھے، گلوبند اور دیگر گہنے زیادہ سادہ ہیں۔ یہ شبیہ بھی بڑے خوبصورت انداز میں ڈھالی گئی ہے جو چولا بہار کے فن کی نمائندہ طرز ہے۔ لیکن اگر ہم اس کا اوپر والی مورتی سے مقابلہ کریں تو ان کی کاریگری میں فرق صاف نظر آجاتا ہے کیونکہ یہ دونوں مختلف مقامات کی ہیں۔

شکل نمبر (70)

شوکے سکھاسن مورتی کا مجسمہ جو پدو کوٹہ کے عجائب گھر میں رکھا ہے۔ اس میں شو "سکھ آسن" میں "پدم پیٹھ" پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ بالائی ہاتھوں میں پرشو (کلہاڑا) اور ہرن رکھا ہے۔ زیریں دایاں ہاتھ "ابھے" وضع میں ہے اور بایاں "آہو یوردا" وضع میں۔ پوری مورتی کی مجموعی پیکر تراشی بعد کے زمانوں کی مورتیوں کی روایتی خصوصیات کی حامل ہے۔

شکل نمبر (71)

کانسے کی بنی ہوئی "کیرات مورتی" جو تردوریٹ کلم (موجودہ اتا ملائی نگر) کے پشوپتیشورا مندر میں ملی ہے۔ یہ مقام ضلع جنوبی ارکاٹ میں چدمبرم کے نزدیک واقع ہے۔ شو ایک

بہت بڑے بھدرآسن" پر رکھے ہوئے پدماسن" پر "تر بھنگ" وضع میں کھڑے ہیں۔ ان کے دو ہاتھ ہیں جو تیر و کمان پکڑنے کی وضع میں دکھائے گئے ہیں۔ ایک نورانی بیضوی "پربھاولی" (ہالہ) مورتی کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس مجسمے کی نفیس ڈھلائی، باریک زیبائشی لوازمات، خوش ادا وضع اور پراسرار طریقہ سے یہ تاثر دینے کا انداز کہ یہ مورتی سرچشمۂ قوت اور مخزن توانائی ہے، یہ سب اوصاف وہی ہیں جو ۹۰۰ء سے قبل کے مجسموں میں پائے جاتے ہیں

شکل نمبر (72)

کانسے کی بنی ہوئی "کیرات ارجن" مورتی جو رادھانر سمہاپورم، ضلع تنجور میں ملا ہے۔ اس مجسمے کے دو رخ دکھائی دیتے ہیں۔ یہ اسی واقعے سے متعلق ایک اور مثال ہے۔ لیکن سابقہ مورتی کے اس مورتی کی ڈھلائی زیادہ بھاری ہے اور زیورات و دیگر خدوخال بہت نمایاں ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سابقہ مورتی کی بہ نسبت یہ مورتی بعد کی بنی ہوئی ہے۔ یہ مجسمہ غالباً گیارہویں بارہویں صدی کا ہوگا۔

شکل نمبر (73)

شو کے "پردوشں مورتی" روپ کا کانسے کا مجسمہ جو تروواڈتورئی ضلع تنجور سے ملا ہے۔ شو خوبصورت "تربھنگ" وضع میں کھڑے ہیں۔ انھوں نے اپنے بائیں جانب پاروتی کو اپنی بانہہ میں لے رکھا ہے۔ پاروتی بھی اسی "تربھنگ" وضع میں ہیں۔ دونوں ایک ہی "پدماسن" پر جو ایک "بھدر آسن" کے اوپر ہے، کھڑے ہیں۔ بھدرآسن کے ساتھ ایک بہت خوشنما شکل کی "پربھاولی" جڑی ہوئی ہے۔ ہر چند کہ اس مورتی کی صورت گری اور "پربھا" جٹامکٹ اور دیگر زیورات کی صناعی سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ یہ مورتی کافی بعد کی ہے لیکن قدیم نمونوں کے معیاری اصولوں کے تتبع کی کوشش میں یہ مجسمہ ساز حیرت انگیز طور پر کامیاب ہوا ہے۔

شکل نمبر (74)

کانسے کا بنا ہوا "بھکشاٹن مورتی"۔ یہ مجسمہ تروناملور کے شو مندر میں ملا ہے۔ حسب معمول شو نے پاؤں میں کھڑاویں پہن رکھی ہیں اور خود برہنہ ہیں۔ جٹاؤں کی ترتیب بہت

خوبصورت ہے۔ بالوں کے گچھوں کی نوکیں اوپر کو نکلی ہوئی ہیں جس کے باعث ان کے سر کے
پیچھے ایک ہالہ بن گیا ہے۔ سر کے اوپر ایک کھوپڑی اور سانپ دکھائی دیتے ہیں، اوپر کے دائیں
ہاتھ نے ڈمرو تھام رکھا ہے۔ نچلا ہاتھ "سمبہ کرن" وضع میں ہے۔ بائیں طرف کا بالائی ہاتھ "کٹکا"
وضع میں ہے۔ اس ہاتھ میں جو ترشول ہونا چاہیئے تھا وہ یہاں غائب ہے۔ نچلے ہاتھ میں "کپال"
ہے۔ ایک سادہ اور چوڑی کنٹھی (گلوبند)، نمایاں یجنوپویت اور ناگ کی پٹی جسم پر سجے ہوئے
ہیں۔ اس عریاں جسم کے دیکھنے سے ڈھلائی کا کمال صاف نظر آتا ہے۔ حقیقت پسندانہ خدوخال
احساسات کی خوبصورت عکاسی اور محتاط لیکن عمدہ طریقہ سے منعکس کی گئی جزئیات نے
مجسمے کی شان کو دوبالا کر دیا ہے۔ ان تمام اوصاف نے اس مورتی کو کانسے کے شاہکاروں
کے ایک عمدہ اور نفیس نمونے کی حیثیت عطا کر دی ہے۔

شکل نمبر (75)

تروچنگوڈو، ضلع سلیم میں دستیاب ہوا بھکشاٹن مورتی کا کانسے کا مجسمہ۔ اس میں تمام خدو
خال روایتی طرز کے ہیں۔ "پدماسن" پر استادہ ایک ہرن اور ایک "گن" کی اضافی مورتیاں
بھی دکھائی دے رہی ہیں۔ یہ بعد کے وقتوں کے فن کا ایک نمونہ ہے۔

شکل نمبر (76)

یہ کانسے کا مجسمہ ترووڈائیکل، ضلع تنجور میں ملا ہے۔ یہ سبرہمنیا کا "دیوسیناپتی" روپ
ہے۔ وہ ایک "بھدر آسن" کے اوپر بچھے "پدماسن" پر "ترِبھنگ" وضع میں کھڑے ہیں۔ ایک
خوبصورت "پربھاولی" انھیں گھیرے ہوئے ہے۔ "پربھا" کے کناروں سے "مکر" یعنی مگرمچھ کے
نشان کے رواج کے آغاز کا پتہ چلتا ہے۔ یہی نشان آگے چل کر تنجور کے مندر میں نٹ راج
کی مورتی (دیکھئے شکل نمبر 69) کے ہالے کی جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں، ایک خاص زیبائش
بن جاتا ہے۔ چار ہاتھوں میں سے اگلے دو ہاتھ تیر اور کمان سنبھالنے کی وضع دکھائی دیتے
ہیں جس سے ان کے "دیوسیناپتی" ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ اپنے خصوصی نشان "شکتی" اور "وجر"
انھوں نے بالترتیب اپنے دائیں اور بائیں بالائی ہاتھوں میں تھام رکھے ہیں۔ ان کا "کرنڈمکٹ"
"چن ویر" اور دیگر زیورات سادہ اور خوبصورت ہیں۔ یہ چولوں کے عہد حکومت میں آرٹ

کے زمانۂ عروج کی ایک بہت اعلیٰ مثال ہے۔ اس کا طرز بلاشبہ ترووتیکلم سے ملے ہوئے کیرات مورتی کے مجسمے طرز سے تعلق رکھتا ہے، جیسا کہ ہم اوپر شکل نمبر ۱۷ کے تحت دیکھ چکے ہیں۔ گو مؤخر الذکر مورتی اس سے پہلے کی بنی ہوئی ہے۔

شکل نمبر (77)

سرمادیوی، ضلع تنّے ولی سے دستیاب ہوئی وشنو کی کانسے کی مورتی۔ وشنو ایک بھدر آسن" کے اوپر بچھے ہوئے "پدم آسن" پر "سم بھنگ" وضع میں کھڑے ہیں۔ انھوں نے اپنے بالائی ہاتھوں میں چکر اور شنکھ تھام رکھے ہیں۔ نچلا دایاں ہاتھ "ابھئے" وضع میں ہے اور بایاں ہاتھ "کٹیہ ولمبتا" وضع میں۔ سر پر بلند مکٹ ہے۔ کمر کے نیچے کے خوبصورت لباس کے دونوں جانب ناقوس کی شکل کے خم پڑے ہوئے ہیں۔ لباس نیچے ٹخنوں تک پہنچ گیا ہے۔ مورتی کی بناوٹ اور زیبائشی تفصیلات سے یہ چولا صناعی معلوم ہوتی ہے۔

شکل نمبر (78)

مذکورہ بالا مقام ہی سے ملا ہوا یہ وشنو کا کانسے کا مجسمہ ہے۔ جو اوپر والے مجسمے ہی کا ایسا لیکن بعد کے زمانے کا ہے۔

شکل نمبر (79)

اس مقام سے دستیاب شدہ شری دیوی کی کانسے کی مورتی ہے۔ دیوی معمول کے آسن پر کھڑی ہے۔ کرنڈ مکٹ، چن ویرو وغیرہ پہن رکھے ہیں لیکن چھاتی پر "کچ بندھ" نہیں ہے۔ بائیں ہاتھ میں کنول کا پھول ہے۔ اس کی ڈھلائی کے طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعد کے چولا عہد کی تخلیق ہے۔

شکل نمبر (80)

مذکورہ بالا مقام پر کانسے کی شری دیوی کی مورتی جو اوپر والی مورتی کے مشابہ ہے لیکن اس کی صناعی میں کچھ فرق ہے، مثلاً کنول کا پائدان مقابلتاً معمولی اور کم نمایاں ہے۔

شکل نمبر (81)

یہ رام، سیتا اور لکشمن کی کانسے کی مورتیاں ہیں، ہنومان کی مورتی بھی ساتھ ہے۔ یہ مورتیاں ضلع تنجور میں واقع تروکنڈا تیور کے وشنو مندر میں رکھی ہیں۔ رام "تربھنگ" وضع میں "پدماسن" پر کھڑے ہیں۔ انھوں نے اونچا "کیرٹ مکٹ" مکر کنڈل اور متعدد گہنے وغیرہ زیب تن کر رکھے ہیں۔ بائیں ہاتھ میں کمان اور دائیں ہاتھ میں تیر ہے۔ اس شبیہہ کی تکمیل کمال کی ہے اور جزویات اگرچہ بہت باریکی سے نقش کی گئی ہیں لیکن بے حد مسرت بخش اور مؤثر ہیں۔ اعضا کا لوچ خصوصاً بہت نفیس ہے۔ لکشمن کی مورتی رام سے بالکل مشابہ ہے، لیکن یہاں سر کا لباس "جٹا مکٹ" دکھایا گیا ہے اور شبیہہ رام سے چھوٹی بنائی گئی ہے۔ سیتا بھی "تربھنگ" کی خوبصورت وضع میں "پدماسن" پر کھڑی ہیں۔ ان کا "جٹا مکٹ" پتر کنڈل، چن ویرا اور زیریں بدن کا لباس بڑی نفاست سے ڈھالے گئے ہیں۔ ہنومان بہت ہی چھوٹے بنائے گئے ہیں لیکن اتنی چھوٹی سی مورتی میں بھی تمام جزویات بڑے خوبصورت انداز سے موری گئی ہیں۔ یہ مورتیوں کا جھرمٹ اندازاً بارہویں صدی کا شاہکار ہے۔

شکل نمبر (82)

شو کلیان سندر کے روپ میں۔ وشنو اور لکشمی، شو کو پاروتی کا کنیا دان کر رہے ہیں۔ یہ مورتی ضلع تنجور میں ترووینکاڈو کے مندر میں ملی تھی۔ اب تنجور کی آرٹ گیلری میں رکھی ہے۔ مورتیوں کا یہ ایک نادر گروہ ہے اور حال ہی میں شکل نمبر 68 ماقبل کی مورتیوں کے ہمراہ برآمد ہوا تھا۔

شو جی کا پیکر اس گروہ میں سب سے نمایاں ہے، اپنے دائیں پہلو میں پاروتی کو لیے اس کے دائیں ہاتھ کو تھامے ہوئے ہیں۔ یہاں جس قسم کی شادی رچائی جا رہی ہے وہ "پانی گرہن" کہلاتی ہے۔ یہ شادی کی مختلف اقسام میں سب سے زیادہ قابل تعریف قسم ہے۔ پاروتی کی حیا و حجاب بڑی چابکدستی سے ان کی اس ادا سے نمایاں کئے گئے ہیں کہ وہ شرم سے آنکھیں جھکا کر قدرے نیچے دیکھ رہی ہیں۔ ان کی کم سنی کا اظہار اس سے ہوتا ہے کہ ان کی مورتی کی ساخت میں لوچ اور نرمی کی جھلک ملتی ہے جس پر وقار حسین وضع میں وہ کھڑی ہیں اس سے بھی اس تاثر کی تائید ہوتی ہے۔

وشنو ابھنگ" وضع میں کھڑے ہیں۔ وہ اپنے اگلے ہاتھ پاروتی کا کنیادان کرنے کی اہم وضع میں اٹھاتے ہوئے ہیں۔ دوسرے ہاں میں چکر اور شنکھ تھام رکھا ہے۔ انھوں نے سر پر اپنا معمول کا کیریٹ پہن رکھا ہے اور کانوں میں مکر کنڈل۔ لکشمی یا شری جو ان کی رفیقۂ حیات ہیں ان کے بائیں جانب کھڑی دکھائی گئی ہیں۔ وہ ایسی وضع میں ہیں جیسے وہ شرمیلی پاروتی کو شوتک پہنچنے میں مدد دے رہی ہیں۔

ان سب مورتیوں کی کاریگری بہت کمال کی اور لاثانی ہے۔ ان کا ایک شاندار گروہ ہے اور دھات کی مجسمہ سازی میں اپنی نوعیت کا واحد گروہ ہے جو اب تک دیکھنے میں آیا ہے

شکل نمبر (83)

یہ راجندر چولا اول کے کرن دئی کی تانبے کی تختی پر کندہ ایک عطیہ نامے پر ثبت مہر کی عکسی تصویر ہے۔ اس میں چولا راجاؤں کا شاہی نشان شیر اپنا منہ کھولے اپنے کولہوں کے بل بیٹھا ہے۔ اس نے اپنی دم آگے کی طرف پھیلا رکھی ہے۔ اس کا رخ دائیں جانب کو ہے۔ مچھلیوں کا جوڑا جو پانڈیا راجاؤں کا شاہی نشان تھا شیر کے سامنے ہے۔ دائیں جانب بالکل ایک سرے پر ایک چراغ دان، ایک جھنڈا اور ایک تپائی ہے۔ سامنے کنارے پر، شیر کے عقب میں ایک چراغ دان، ایک پیمانہ، نیام میں ایک خنجر اور ایک آنکس دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سب ایک چوڑی اور سیدھی لکیر کے اوپر دکھائے گئے ہیں۔ شیر کے نیچے ایک سور جس نے سر کو نیچے جھکا رکھا ہے اور ایک سواستک کا نشان دکھائے گئے ہیں۔ سور کے سامنے ایک پست سی کرسی ہے جو شاید سنگھاسن کی علامت ہے۔ اس سے پرے ایک ڈھول ہے۔ سور کے علاوہ باقی نشان خوش بختی اور سعادت کے ہیں۔ سور کو جو شیر کے عین نیچے دکھایا گیا ہے، جب اوپر والے آنکس کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو یہ چالوکیوں کی اطاعت گذاری کا مظہر بن جاتا ہے کیونکہ یہ دونوں چالوکیوں کے شاہی نشان تھے۔ تصویر میں سب سے نیچے پانچ پتیوں کا ایک کنول کا پھول دکھایا گیا ہے۔ شیر اور مچھلیوں کے اوپر مچھلوں کا ایک جوڑا ہے۔ مرچھلوں کے درمیان ایک چھتر بنایا گیا ہے جو بادشاہت کا نشان ہے۔ اسے مہر کے بالائی حصہ میں ایک کھلتے ہوئے کنول کی شکل میں ڈھالا گیا ہے۔ ایک دائرہ ان سب شکلوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ مہر کے گھیرے کے قریب گرنتھا حروف میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے؛

راجد۔ راجنیہ۔ مکٹ۔ شرینی رتنیشوت شاسنم
ایتد۔ راجندر چولسیہ پر اکیسری ورمتما ہ

شکل نمبر (84)

یہ شبیہ "وجے چولیشورا" مندر کی مرکزی عبادت گاہ کے داخلے کے دروازے کے دائیں کنارے پر بنی ہوئی ایک دوارپالک کی مورتی ہے۔ یہ مندر ریاست پڈوکوٹاہ میں نارتا ملائی کے مقام پر واقع ہے۔ یہ دوارپال معمول کی "آتی بھنگ" وضع میں کھڑا ہے۔ اس کے صرف دو ہاتھ ہیں۔ یہ خصوصیت قدیم زمانے کے دوارپالوں کی مورتیوں میں پائی جاتی تھی۔ اس کے سر کے بال یوں سنوارے ہوئے ہیں کہ اس کے سر کے پیچھے ایک ہالہ بن گیا ہے۔ اس کا پھندنے دار مکٹ "یجنوپویت" اور دوسرے زیورات بھی دکھائی دے رہے ہیں۔ اس کے چہرے سے ٹپکنے والا رعب اس نوع کے مجسموں کی عام خصوصیت ہے۔ اس کی صناعی عمدہ ہے اور اس میں آخری پلّو اور ابتدائی چولا عہد کے آرٹ کی روایات کا امتزاج پایا جاتا ہے۔

شکل نمبر (85)

یہ ترجھوونم ضلع تنجور کے کمپہریشورا مندر کے دروازے پر بنی "شال بھنجکا" (زنانہ دربان) کی مورتی ہے۔ اس کا نمونہ بہت پرانے وقتوں کا ہے لیکن اس نمونے کو جنوبی ہند کے مندروں کے صدر دروازوں کے اوپر بنے ہوئے عظیم میناروں کو سہارا دینے والے واحد پتھر کے ستونوں کی زیبائش کے لئے بڑی چابکدستی سے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ عورت اپنے عقب کے ایک درخت پر اپنا دایاں پاؤں اور پیٹھ ٹکائے بڑے پر وقار انداز سے کھڑی ہے۔ اس درخت کی ایک ٹہنی اس نے ہاتھ میں پکڑ رکھی ہے۔ اس کی مورتی اس عہد کے آرٹ کا ایک شاندار نمونہ ہے اور یہ بات "کونڈئی" کے زیورات اور ملبوس کی باسلیقہ صناعی سے خاص طور پر آشکار ہوتی ہے۔ اگرچہ زیورات کی افراط اور جزئیات پر ضرورت سے زیادہ زور سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک خاص طرز کا رواج شروع ہو گیا تھا لیکن اس مورتی کے حسن میں اس کی وجہ سے اضافہ ہو گیا تھا۔

شکل نمبر (86)

یہ ایک چبوترہ ہے جس پر جانوروں کی شکلوں کی جھالر بنی ہوئی ہے۔ یہ چبوترہ ریاست پڈوکوٹہ کے مقام نارتّاملائی کے مندر میں "سمن کنڈ گا" کے سامنے بنا ہوا ہے۔ یہاں اس جھالا کا جو حصہ دکھایا گیا ہے اس میں تین چھوٹے خوبصورت ہاتھی بڑی دلچسپ وضعوں میں دکھائے گئے ہیں۔ دو شیر ہیں جن کے چہرے یالیوں جیسے ہیں۔ ایک "یالی" بھی سامنے ہے جس کو ہاتھی کی سونڈ لگادی گئی ہے۔ چکردار دم والے شیر کا نمونہ وشنوکنڈین راجاؤں اور پلّوراجاؤں کے سکوں پر اور اول الذکر خاندان کی تانبے کی تختیوں پر کندہ فرامین عطیہ کی مہروں پر بھی ملتا ہے۔ اس نشان کا یہاں اس جھالر میں پایا جانا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ چبوترہ بہت قدیم زمانہ کا بنا ہوا ہے۔ اس کے پتھر پر ابھارے گئے اونچے نقش ونگار اور خوبصورت نقش گری سے بھی اس کے قدیم تعمیر ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

شکل نمبر (87)

ایراوتیشور مندر کے منڈپ کے کٹہرے پر بنی ہوئی مورتی جس میں ایک شیر کو ہاتھی پر حملہ کرتے دکھایا گیا ہے۔ یہ مندر ضلع تنجور میں دار آسرم کے مقام پر واقع ہے۔ یہ ایک اور عام مروج نمونہ ہے جو ہندوستانی آرٹ میں مختلف انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہاں یہ عیب نمایاں ہوگیا ہے کہ شیر کو ہاتھی کے مقابلے میں دراز قامت دکھایا گیا ہے تاہم اس نمونے کی پیکر تراشی بہت اعلیٰ طریقے سے کی گئی ہے۔ قوت اور حرکت عمل کے اظہار کے لئے یہ ایک بڑا شاہکار ہے۔

شکل نمبر (88)

تربھوونم ضلع تنجور کے مندر کے جنگلے پر بنا ہوا "شرل یالی"۔ یہ دو جانوروں کو ملاکر بنایا گیا ہے۔ اس کا جسم شیر کا ہے اور سر ہاتھی کا' جس کی سونڈ سے لہریئے دار جنگلہ بنایا گیا ہے دونوں جانوروں کو ایک کرکے بنانا اس امر کا مظہر ہے کہ اس بنیادی خصوصیت میں عہد بہ عہد ترقی ہوتی رہی۔ اوپر کی شکل میں قوی شیر کو جو بادشاہت کا نشان تھا ہاتھی پر حملہ کرتے

ہوئے دکھایا گیا ہے اور ہاتھی کی سونڈ سے جنگلے کا کام لیا گیا ہے۔ یہاں سنگ تراش نے ہاتھی کا جسم تراشنے کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ صرف اس کی سونڈ ہی باقی رکھی ہے جس میں اس نے شیر کے بدن کا اضافہ کیا ہے اور جو داراشرم کی مورتی میں بھی غالب عنصر ہے۔ یہ ترکیب سنگ تراشوں کی اس خواہش کی نشاندہی کرتی ہے کہ محنت اور وقت دونوں کی بچت ہو جائے اس زمانے کے راجاؤں نے بھی ان کی اس رائے سے اتفاق کیا۔ دونوں جانوروں کے ملا دینے سے ایک عجیب الخلقت جانور بن جاتا اور شیر کا سیدھا پن اس حقیقت کے ثبوت ہیں کہ شاہی اقتدار بتدریج کمزور ہو رہا تھا اور اس کے نتیجے میں فن اور ثقافت بھی زوال پذیر ہوتے جا رہے تھے۔

شکل نمبر (89) تختی نمبر (35)

مذکورہ بالا "وِمان" کی شمالی طرف کی نچلی سطح پر بنا ہوا زیبائشی طاقچہ۔ یہ ایک ایک منزلہ بہت چھوٹے گوپورہ کا نمونہ ہے۔ اس میں قابل توجہ خصوصیات اس کی بنیاد کے پدم کا نمونہ، سادہ ستون اور پھولوں کے زیبائشی نقش و نگار کی عدم موجودگی ہیں۔

شکل نمبر (90) تختی نمبر ایضاً

اسی مندر کے مہامنڈپ کے بنیادی چبوترے کی جنوبی دیوار پر بنا ہوا ایک زیبائشی طاقچہ۔ یہ اوپر والے طاقچے سے مشابہ ہے لیکن اس کی جزویات اس سے مختلف ہیں یہاں بنیاد میں پیچواں ڈھلائی دکھائی دیتی ہے۔ ستونوں پر ابھرے ہوئے شیر بنے ہوئے ہیں۔ "شالا" اور کلس پر "کوڈو" کندہ ہیں جو اس سے پہلے کی مثال میں نہیں ہیں۔

شکل نمبر (91) تختی نمبر ایضاً

اسی مندر میں ایک اور زیبائشی طاقچہ۔ یہ "کوشٹھا پنجرا" کہلاتا ہے جو "کمبھ پنجرا" سے بالکل مختلف چیز ہے۔ سابقہ مثال کی تمام جزویات اس میں دکھائی دیتی ہیں ماسوائے "شالا" کی جس کی جگہ یہاں ایک واحد "کوڈو" نے لے لی ہے۔ چوٹی کے "کوڈو" کی اندرونی تعمیر اور کثیر التعداد ہیبتناک "یالی" جو اس "پنجرے" کے دونوں جانب بنے ہوئے ہیں، واقعی دلچسپ ہیں۔

شکل نمبر (92) تختی نمبر (34)

یہ تصویر کمبا کونم کے ناگیشور مندر میں بنی ہوئی ہے۔ اس میں اگنی دشرتھ کو "پاتسا" پیش کر رہے ہیں۔ یہ تصویر جو پتھر کے اوپر نقوش ابھار کر بنائی گئی ہے، اسی تکنیک سے تخلیق شدہ بہت ہی قدیم زمانہ کی تصاویر میں سے بچی ہوئی ایک یادگار تصویر ہے، پھر بھی اس میں فن کے اعلیٰ معیار کو برقرار رکھا گیا ہے۔ اس منظر میں بائیں طرف دشرتھ کو اپنی مہارانی کے ہمراہ دکھایا گیا ہے۔ دائیں جانب رشی منی اور دوسرے لوگ ہیں۔ اگنی کنڈ میں سے دویہ پرش نمودار ہوتا ہے جو "پاتسا" کے حامل برتن کو دشرتھ کے حوالے کر دیتا ہے۔ یہ تصویر جیتی جاگتی لگتی ہے اور ہر شبیہ کی ساخت بہت خوبصورت ہے جس نے پوری تخلیق کو ایک عمدہ شاہکار بنا دیا ہے۔

شکل نمبر (93)

اس تصویر میں دشرتھ اپنی مہارانیوں میں "پاتسا" بانٹ رہے ہیں۔ یہ تصویر بھی اسی مندر میں ہے۔ دشرتھ آسودگی اور آرام کی خوبصورت وضع میں بیٹھے ہیں اور "پاتسا" کو ایک برتن سے دوسرے برتن میں ڈھال رہے ہیں۔ انھوں نے "جٹا مکٹ" "کنڈل" "دیگر زیورات" اور ایک موٹا کمر بند زیب تن کر رکھے ہیں۔ ان کی دو رانیاں ان کے مقابل بیٹھی ہیں، اور تیسری ان کے پیچھے بیٹھی ہے۔ ان کے بیٹھنے کی وضع اور کنڈی" دلچسپ ہیں۔ پس منظر میں وزیر دکھائی دے رہا ہے۔ اس تصویر سے نیز ایسی دیگر مثالوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جنوبی ہند میں پتھر پر خوبصورتی اور نفاست سے ابھری ہوئی تصاویر تراشنے کی روایت چولا عہد میں بھی باقی تھی۔

شکل نمبر (94)

رام کے جنم کا منظر۔ یہ تصویر بھی اسی مندر میں ہے۔ کوشلیا ایک پلنگ پر آرام کر رہی ہے۔ دو دوسری رانیاں ان کے عقب میں ہیں۔ دونوں جانب ایک ایک خادمہ دکھائی دے رہی ہے۔ نوزائیدہ رام ان کے پہلو میں لیٹا ہے۔ کوشلیا کی وضع اہم ہے اور یہ امراوتی اور دیگر مقامات سے ملنے والی مایا دیوی کی مورتیوں سے مشابہت رکھتی ہے۔

یہ فنی تخلیق اس بات کا ایک اور ثبوت ہے کہ آرٹ کی روایات کا تسلسل بدستور قائم تھا۔

شکل نمبر (95) تختی نمبر (36)

تاڑ کا راکشسنی کے ساتھ رام کی لڑائی کا منظر: یہ بھی اسی مندر میں ایک تصویر ہے۔ دائیں جانب راکشسنی تاڑکا دونوں بھائیوں رام اور لکشمن کی جانب لپکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اس نے ہاتھ میں ترشول اٹھا رکھا ہے۔ ان کے درمیان مہرشی وشوامتر نظر آ رہے ہیں۔ یہ تصویر ایک پرجوش عمل کا منظر پیش کرتی ہے۔ تاڑکا کی لہراتی ہوئی جٹاؤ اور شہزادوں کی جٹا مکٹوں کا باہمی فرق قابل توجہ ہے۔

شکل نمبر (96)

ہنومان اور راون کی باہم گفتگو۔ صرف ایک ہی سر والا راون ایک وسیع تخت شاہی پر "سکھاسن" وضع میں بیٹھا ہے۔ اس کا بایاں ہاتھ "سوچی سبت" وضع میں ہنومان کی جانب اشارہ کر رہا ہے۔ راون کا شاہانہ تزک احتشام اس کی خوبصورت مورت، اس کے انداز نشست اور اس کے تخت کی صناعی سے ظاہر ہے۔ ہنومان اپنی دم کے پیچوں کے اوپر بیٹھے ہیں۔ ان کے ہاتھ ان کے گھٹنوں پر ہیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک اور مورتی کمان تھامے ہوئے کسی شخص کی ہے۔ غالباً یہ وبھیشن ہوگا۔

شکل نمبر (97)

راون اور جٹایوں کی لڑائی۔ یہ لڑائی اس وقت ہوئی جب راون سیتا کو اغوا کر کے لئے جا رہا تھا۔ یہ تصویر ترببھوونم، ضلع تنجور کے مندر میں ہے۔ راون اپنے سب سروں کے ساتھ اور تمام ہتھیاروں سے مسلح اپنے خدائی رتھ میں کھڑا ہے۔ جیسا کہ گھٹنوں سے نیچے اس کی ٹانگیں چھپی ہونے سے ظاہر ہے۔ وہ لڑنے پر آمادہ ہے۔ سیتا اس کے سامنے اپنی حالت پر سوگوار بیٹھی ہیں۔ پرندوں کا راجہ جٹایو اپنے گرانڈیل جسم اور طرحدار لیکن خوبصورت چونچ کے ساتھ دائیں جانب دکھایا گیا ہے۔ پتھر پر ابھاری ہوئی یہ تصویر کمبا کونم مندر والی تصویر کے بعد کی بنی ہوئی ہے پھر بھی سنگ تراشی کا یہ نمونہ اچھی بناوٹ اور منظر کی جاندار

عکاسی کے لئے قابل توجہ ہے۔

شکل نمبر (98)

یہ تصویر وشنو کے وراہ اوتار کی، ضلع تنجور واقع پنجائی کے مندر میں ہے۔ یہ اس موضوع پر بہترین تصاویر میں سے ایک ہے۔ یہ حرکت وحیات سے پر ہے۔ سور کے سر والے بھگوان وشنو سمندر کی جانب سے دوڑتے ہوئے آرہے ہیں۔ بھودیوی ان کی گود میں ہے۔ کہانی کی منظر کشی کا یہ نادر انداز ہے۔ ناگ راجہ اپنے ہاتھ میں کمان لئے تیزی سے وراہ کا تعاقب کر رہا ہے لیکن اس کی رانی اسے روک لیتی ہے (اس کا موازنہ مہابلی پورم اور دوسرے مقامات سے ملی ہوئی مورتیوں سے کیا جاسکتا ہے جن میں اسی واقعے کی جامد منظر کشی کی گئی ہے)۔

شکل نمبر (99) تختی نمبر (35)

اسی مندر میں کرشن اور پوتنا دائی کی تصویر۔ ننھے کرشن کو جان سے مار ڈالنے کے لئے کنس نے پوتنا راکشسنی کو بھیجا۔ وہ دائی بن کر کرشن کے پاس آئی اور اپنی زہر آلود چھاتی کرشن کو دی لیکن ملکوتی کرشن نے اس کی چھاتی سے دودھ پیتے پیتے اس کی جان نکال لی۔ یہاں اس تصویر میں بچہ بہت خوبصورت دکھایا گیا ہے اور اس کے برعکس پوتنا کو بدصورت، جس کی ذلیل حالت صاف عیاں ہے۔ کرشن کے سر کا لباس بہت دلچسپ ہے۔

تختی نمبر (37) سکے

شکل نمبر (1)

یہ خالص سونے کے پتر کی ایک گول ٹکیہ ہے۔ اس کا قطر لگ بھگ 2،3 سنٹی میٹر ہے موٹائی تقریباً 2،9 ملی میٹر ہے اور وزن اندازاً 4،35 گرام یا 67،2 گرین ہے۔

چہرے والا رخ

گولائی کے ساتھ ساتھ سات سوراخوں کے گول نشان ہیں۔ ہر ایک میں گیارھویں صدی کے گرنتھا رسم الخط میں تامل عبارت لکھی ہوئی ہے۔ چھ نشانوں میں لکھی ہوئی عبارت یوں ہے : بکی گئی کونڈ چولن ۔ ساتویں نشان میں تامل حروف میں 4000/2 3 تحریر ہے۔ نیچے کا ہندسہ سن جلوس ظاہر کرتا ہے۔ سب سے بڑا مرکزی نشان چولوں کے شاہی نشان کا حامل ہے۔ منہ کھولے ہوتے ایک شیر جس کے سر کے اوپر ایک چھتر ہے، دم اٹھاتے کولہوں کے بل بیٹھا ہے۔ اس کے مقابل عین دائیں جانب مچھلیوں کا جوڑا ہے جو پانڈیوں کا نشان ہے۔ ان صورتوں کے دونوں جانب چراغ دان ہیں اور مچھلیوں کے اوپر تامل حرف "چ" لکھا ہوا ہے۔

الٹا رخ

محدّب یعنی اوپر کو ابھرا ہوا اور خالی ہے۔

شکل نمبر (2)

یہ بالکل اوپر کی شکل کا ہے لیکن اس میں اہم فرق یہ ہے کہ مچھلیوں کے جوڑے کے اوپر "راجا" درج ہے جبکہ پہلی مثال میں ان کے اوپر صرف ایک ہی حرف درج تھا۔

شکل نمبر (3)

اس سکے کی شبیہ اور ناپ وغیرہ اوپر کی مثالوں سے مطابقت رکھتے ہیں لیکن ان پر تحریر شدہ عبارت اور ان کی ساخت میں فرق ہے۔

سیدھا رخ

اس پر آٹھ گول سوراخوں کے نشان بنے ہوتے ہیں۔ ان میں سے سات کے بیچ میں تامل عبارت تامل اور گرنتھا دونوں رسم الخط میں کندہ ہے۔ آٹھویں نشان کے اندر $\frac{4000}{34}$ لکھا ہے۔ 34 کا ہندسہ سن جلوس بتاتا ہے۔ مرکزی نشان میں شیر اپنی دم اوپر کو اٹھاتے کولہوں کے بل

بیٹھا ہے۔ اس کے مقابل ٹھیک دائیں جانب مچھلیوں کا جوڑا ہے۔ دونوں اطراف میں ایک ایک چراغ دان ہے۔ شیر کے اوپر ایک چھتر ہے جو خود مختاری کا نشان ہے۔ مچھلیوں کے اوپر حرف "إ" کندہ ہے۔

الٹا رخ

بالکل خالی ہے۔

شکل نمبر (4)

اوپر ہی کی شکل ہے لیکن اس سکے پر سن جلوس پچیسواں لکھا ہے۔ اور وسطی نشان میں مچھلی کے اوپر غالباً "ج" کا حرف کھدا ہوا ہے۔ مرکز کا نشان صاف نہیں ہے۔

شکل نمبر (5)

شکل اور ناپ اوپر والے سکے کے مطابق ہے۔ یہ سکہ اور درج ذیل سکے مشرقی چالوکیہ خاندان کے سکے ہیں۔

سیدھا رخ

اس پر جو نشان ہیں 'من' ہیں۔ ہے پانچ میں عبارتیں درج ہیں جو قدیم تیلگو زبان کے رسم الخط میں ہیں۔ یہ عبارت "شری راج راجا" ہے۔ چھٹے نشان میں لکھا ہے "س۔ 33" یعنی سمت 33 یہ ہندسہ سن جلوس ظاہر کرتا ہے۔ وسطی نشان میں ایک سور کھڑا دکھایا گیا ہے، جس کا رخ بائیں جانب کو ہے۔ اس کے اوپر ایک آنکس بنا ہوا ہے۔ یہ دونوں مشرقی چالوکیہ راجاؤں کے شاہی نشانات تھے۔ اوپر چھتر نظر آرہا ہے

شکل نمبر (6)

اوپر والے سکے کا ہم شکل ہے۔ یہاں صرف چار نشان دکھائی دیتے ہیں جو گولائی میں کنارے کنارے بنے ہوئے ہیں۔ ان میں لکھی ہوئی عبارت "شری راجا" ہیں۔ "33" سمت 133 ہے۔

وسطی نشان کی کیفیت وہی ہے جو مندرجہ بالا سکے کی ہے، البتہ اس میں چھاپ زیادہ صاف اور نمایاں ہے۔ اس عبارت والے سکوں کے انبار کے چار سکوں میں سے یہ ایک سکہ ہے۔

استفاضہ

اوپر بیان کردہ تصاویر کے ماخذ درج ذیل ہیں اور ان کے حقوق اشاعت نامزد فریقین کی ملکیت ہیں:۔

نمبر 25 ۔ 28 ۔ 29 ۔ 53 اور 70 شری کے آر سری نواسن سپرنٹنڈنٹ محکمہ آثار قدیمہ جنوبی حلقہ (سرکل) مدراس کے نجی مجموعے میں سے ہے۔

نمبر 39 ۔ 40 ۔ 64 ۔ 65 نیز سکوں کی تصاویر نمبر 1 تا 6 مدراس گورنمنٹ میوزیم کی ملکیت ہیں۔

نمبر 20 Ostasiatische Zeitschrift ۔ مطبوعہ 1933ء۔F۔N۔9 میں سے لی گئی ہے۔ نمبر 54 ۔ 59 اور 77 تا 80 بھی اسی رسالے کے 1934ء کے شمارے N.F 10 سے اخذ کی گئی ہیں اور نمبر 31 "روپم" مطبوعہ 1930ء میں سے لی گئی ہے۔

سرورق کی تصویر اور تصاویر نمبر 84 ۔ 86 ۔ 88 ۔ 89 ۔ 90 ۔ 91 ۔ 97 ۔ خود مصنف کے نجی مجموعے سے لے کر شامل کی گئی ہیں۔

باقی تمام تصاویر محکمہ آثار قدیمہ، حکومت ہند کی ملکیت ہیں۔

اشکال کی فہرست

دیباچہ

تختی نمبر ۵

شکل نمبر ۹ اگنیشور مندر۔ شیر کندہ ستون۔ واقع سیل پلوودر۔
ضلع تروچراپلی۔

شکل نمبر ۱۰ گورنگ ناتھ مندار۔ جنوب مغربی رُخ۔ واقع سری نواسلور
ضلع ترو چراپلی۔

تختی نمبر ۶

شکل نمبر ۱۱ برہدیشور مندر۔ عام منظر۔ شمال مغربی رُخ۔ واقع تنجور۔
ضلع تنجور۔

شکل نمبر ۱۲ برہدیشور مندر — " وہاں " شمال مغربی رُخ۔ واقع گنگائی
کونڈ چولاپورم۔ ضلع ترچراپلی۔

تختی نمبر ۷

شکل نمبر ۱۳ برہدیشور مندر۔ اصل مندر کے شمالی صدر دروازہ پر
" دوار پالک " واقع گنگائی کونڈ چولاپورم۔ ضلع ترو چراپلی۔

شکل نمبر ۱۴ لدّی گم، گوپُورے کا دروازہ۔

تختی نمبر ۸

شکل نمبر ۱۵ ایراوتیشور مندر۔ عام منظر۔ جنوب مشرقی رُخ۔ واقع داراشرم
ضلع تنجور۔

تختی نمبر ۹

شکل نمبر ۱۶ ایراوتیشور مندر کا شمال مشرقی مندر۔ واقع داراشُرم۔
ضلع تنجور۔

شکل نمبر ۱۷ ایراوتیشور مندر میں " النکار منڈپ " کا جنوب مغربی رُخ۔
واقع داراشرم۔ ضلع تنجور۔

تختی نمبر ۱۰

شکل نمبر ۱۸ دیوناگی اَتمن مندر کا جنوب مشرقی منظر۔ واقع داراشُرم۔
ضلع تنجور۔

شکل نمبر ۱۹ سوامی مندر کا شمال مغربی منظر۔ واقع ترجُودُم۔ ضلع تنجور۔

تختی نمبر ۱۱

شکل نمبر ۲۰ (الف) زیریں منزل کی چار "تاسینگ پاؤ" ایوان کے مثل ہے
جو چین میں زیئین (چوان چو) کے مقام پر واقع ہے۔

شکل نمبر ۲۰ (ب) "شولنگ" کی پوجا کرتا ہوا ہاتھی۔

شکل نمبر ۲۰ (ج) "شولنگ" کی پوجا کرتی ہوئی گائے۔

تختی نمبر ۱۲

شکل نمبر ۲۱ کورنگ ناتھ مندر۔ جنوب کی طرف طاقچہ میں ابھری ہوئی
ایک مرد کی تصویر واقع شرنواسلوُر۔ ضلع ترچراپلی۔

شکل نمبر ۲۲ کورنگ ناتھ مندر۔ مغرب کی طرف طاقچہ میں ابھری ہوئی
ایک عورت کی تصویر۔

شکل نمبر ۲۳ کورنگ ناتھ مندر۔ مغرب کی طرف طاقچہ میں ابھری ہوئی
ایک عورت کی تصویر۔

تختی نمبر ۱۳

شکل نمبر ۲۴ ناگیشور سوامی مندر۔ ایک نسوانی مورتی۔ واقع کمبا کونم۔
ضلع تنجور۔

شکل نمبر ۲۵ ایک اور عورت کی مورتی۔ ایضاً۔

شکل نمبر ۲۶ ناگیشور سوامی مندر۔ ایک نسوانی مورتی۔ واقع کمبا کونم
ضلع تنجور۔

شکل نمبر ۲۷ ناگیشور سوامی مندر۔ ایک نسوانی مورتی۔ واقع کمبا کونم۔
ضلع تنجور۔

تختی نمبر ۱۴

شکل نمبر ۲۸ ناگیشور۔ واقع کمبا کونم۔

شکل نمبر ۲۹ ناگیشور۔ واقع کمبا کونم۔

شکل نمبر ۳۰ شوچندر۔ سکون میں دو بھگتوں کی مورتیاں۔

واقع ترڈ واڈ تورائی۔ ضلع تنجور۔

تختی نمبر ۱۵

شکل نمبر ۳۱ لکشمی (؟)

شکل نمبر ۳۲ چولا دیوی۔ کال ہستی (؟)

شکل نمبر ۳۳ کلوتنگا سوم (؟)۔ کال ہستی

تختی نمبر ۱۶

شکل نمبر ۳۴ گولک مہرشی۔ واقع کوڈکرائی۔ ضلع تنجور

شکل نمبر ۳۵ کورنگ ناتھ مندر۔ شمال کی طرف طاقچہ میں، ابھرتی ہوئی ایک مرد کی مورتی۔ واقع شری نواسنلور۔ ضلع ترچراپلی۔

شکل نمبر ۳۶ شومندر واقع تروناملور میں نرسنگھ منایا دریار کی مورتی۔

تختی نمبر ۱۷

شکل نمبر ۳۷ ترومینی ناتھ سوامی مندر ——— دکشنا مورتی کی تصویر (؟) مرکزی مندر کی جنوبی دیوار کے طاقچہ میں۔ ~~واقع ترو کنلائی~~ (ریاست پڈوکوٹہ)

شکل نمبر ۳۸ وینادھر دکشنا مورتی۔ واقع مودرکوول۔ کوڈمبالور (پڈوکوٹہ) ضلع ترچناپلی۔

شکل نمبر ۳۹ ترپرانتکا مورتی۔ واقع کوڈمبالور۔ پڈوکوٹہ۔

شکل نمبر ۴۰ ترپراسندری مورتی۔ واقع کوڈمبالور۔ پڈوکوٹہ۔

تختی نمبر ۱۸

شکل نمبر ۴۱ کوڈمبالور مندر۔ نمبر ۲۔ اردھ ناری کی مورتی (ریاست پڈوکوٹہ۔ ضلع ترچناپلی)

شکل نمبر ۴۲ اردھ ناری کی مورتی۔ واقع ناگیشور۔ کمباکونم۔

شکل نمبر ۴۳ برہما کی مورتی۔ واقع ناگیشور۔ کمباکونم۔

شکل نمبر ۴۴ کورنگ ناتھ مندر۔ جنوب کی طرف طاقچہ میں ابھری ہوئی شوا کی مورتی۔ واقع شری نواسنلور۔ ضلع ترچناپلی۔

تختی نمبر ۱۹

شکل نمبر ۴۵ کوینگ ناتھ مندر۔ جنوب کی طرف طاقچہ میں ابھری ہوئی دکشنا مورتی۔ واقع شری نواسنلور ضلع ترچناپلی۔

شکل نمبر ۴۸ والیشور مندر کے "ومان" کے جنوب کی طرف نٹ راج کی مورتی۔ واقع ترو والیشورم ضلع ترونیل ویلی۔

شکل نمبر ۵۰ والیشور مندر میں گجا مورتی۔ واقع ترو والیشورم۔ ضلع ترونیل ویلی۔

شکل نمبر ۵۳ بھکشا ٹن کی مورتی۔ واقع ناگیشور۔ کمباکونم۔

تختی نمبر ۲۰

شکل نمبر ۴۶ اردھ ناری کی مورتی۔ والیشور مندر۔ واقع ترو والیشورم ضلع ترونیل ویلی۔

شکل نمبر ۴۷ گنگا دھرا اور درشبھا نتکا کی مورتی۔ والیشور مندر۔ واقع ترو والیشورم۔ ضلع ترونیل پلی۔

تختی نمبر ۲۱

شکل نمبر ۴۹ 'ومان' کے مغرب کی طرف مورتی۔ والیشور مندر۔ ضلع ترونیل ویلی۔

شکل نمبر ۵۱ چندیشا نوگرہ اور شوکی مورتی۔ والیشور مندر۔ واقع تروو الیشم ضلع ترونیل ویلی۔

تختی نمبر ۲۲

شکل نمبر ۵۲ اگالسی مندر میں دکشنا مورتی کا مجسمہ۔ واقع کاویری پاکم۔ ضلع شمالی ارکاٹ۔

شکل نمبر ۵۵ مندر کے مینار کے جنوب کی طرف نٹ راج کی مورتی۔ واقع گنگائی کونڈچولا پورم۔ ضلع ترچراپلی۔

شکل نمبر ۵۶ برہدیشور مندر۔ 'ومان' کے جنوب کی طرف طاقچہ میں ہری ہر کی مورتی۔

واقع گنگائی کونڈ چولاپورم۔ ضلع ترُوچراپل۔

شکل نمبر ۵۷ شِو مندر میں شمال کی طرف چندیشانوگرہ مورتی۔ واقع گنگائی کونڈ چولاپُورم ضلع ترُوچراپلی۔

تختی نمبر ۲۳

شکل نمبر ۵۴ سرسوتی کی مورتی (؟)، تنجور میں برہدیشور مندر۔
شکل نمبر ۵۹ گنگائی کونڈ چولاپُورم میں وشنو کی مورتی۔
شکل نمبر ۶۰ سُوریہ (سورج)، پتھر، بائیں طرف۔ برہدیشور مندر کا مہامنڈپ۔ واقع گنگائی کونڈ چولاپُورم۔

تختی نمبر ۲۴

شکل نمبر ۵۸ برہدیشور مندر — اصل مندر کی شمال دیوار کے طاقچہ میں کا مانِکا کی مورتی۔ واقع گنگائی کونڈ چولاپورم۔
شکل نمبر ۶۱ ایراوتیشور مندر میں کنکال مورتی کا مجسمہ۔ واقع داراشرم ضلع تنجور۔
شکل نمبر ۶۲ ایراوتیشور مندر میں شمال کی طرف گجامورتی کا مجسمہ۔ واقع دارشرم ضلع تنجور۔

تختی نمبر ۲۵

شکل نمبر ۶۳ برہدیشور مندر۔ تنجور میں نٹ راج کا کانسے کا مجسمہ۔
شکل نمبر ۶۴ نٹ راج۔ ویلانگنی۔ (تنجور)۔
شکل نمبر ۶۵ نٹ راج۔ ترُوالنگاڈُو (چتوڑ)۔

تختی نمبر ۲۶

شکل نمبر ۶۶ نٹ راج کے آٹھ ہاتھوں والا مجسمہ، سامنے اور پیچھے کا منظر۔ واقع نلُور ضلع تنجور۔
شکل نمبر ۶۷ شِو مندر۔ نٹ راج کا کانسے کا مجسمہ (سندھیا تنڈو مورتی۔ واقع ترُووارنگالم۔ (ریاست پُڈوکوٹہ)۔

تختی نمبر ۲۷

شکل نمبر ۶۸ رشو کا درش بھانجکا کے روپ میں اوما کے ساتھ کانسی کا مجسمہ۔
ترؤوین کاڈوُ (شیالی تک)، ضلع تنجور۔

شکل نمبر ۶۹ گنگائی کونڈچولاپرم۔ گنگائی کونڈ چولیشور مندر۔ رشو (درشن بھانتکا) کا کانسی کا مجسمہ۔

تختی نمبر ۲۸

شکل نمبر ۷۰ سنگھاسن مورتی (رشو)۔ پڈوکوٹہ عجائب گھر۔

شکل نمبر ۷۱ کیرات مورتی کا کانسی کا مجسمہ۔ ترودیٹ کلم نزدیک چدم برم

شکل نمبر ۷۲ کیرات ارض مورتی کا کانسی کا مجسمہ۔ رادھانرسمہاپورم۔
ضلع تنجور۔

شکل نمبر ۷۳ النگانا مورتی کا کانسی کا مجسمہ۔ واقع ترؤ واڈتورراے۔
ضلع تنجور۔

تختی نمبر ۲۹

شکل نمبر ۷۴ کانسی کا بنا ہوا بھکشاٹن مورتی کا مجسمہ۔ ترؤ نامنلوُر کے رشو مندر میں۔

شکل نمبر ۷۵ کیلاش ناتھ سوامی مندر (کاشی) کا بھکشاٹن مورتی کا مجسمہ۔ (بعدکا)
ترؤچنگوڈ۔ ضلع سیلم۔

شکل نمبر ۷۶ سُبرہمنیا مندر۔ چار بازوؤں والا سکند کا کانسی کا مجسمہ۔
واقع ترووڈائیکالی۔ ضلع تنجور۔

تختی نمبر ۳۰

شکل نمبر ۷۷ وشنوُ۔

شکل نمبر ۷۸ وشنوُ۔

شکل نمبر ۷۹ لکشمی (؟)

شکل نمبر ۸۰ لکشمی۔

تختی نمبر ۳۱

شکل نمبر ۸۱ وشنو مندر۔ رام، لکشمن اور سیتا کی کانسی کی مورتیاں۔
واقع ترذکڈائیور۔ ضلع تنجور۔

شکل نمبر ۸۲ کمیان سندرا کے روپ میں شو کی کانسی کی مورتی۔ لکشمی
اور وشنو کی طرف سے شو کو پاروتی کا کنیادان کرتے ہوئے۔
واقع ترڈوین کاڈو دشیانی تالک، ضلع تنجور۔

تختی نمبر ۳۲

شکل نمبر ۸۳ کرن ڈائی تختیوں پر مُہر۔

تختی نمبر ۳۳

شکل نمبر ۸۴ دوار پالک۔ واقع وجے چولیشورا۔ نارتا ملائی۔
شکل نمبر ۸۶ نارتا ملائی۔ سمن کڈاگو کے سامنے چبوترہ۔
شکل نمبر ۸۷ کھلے میدان میں ہاتھی اور شیر کو لڑتے ہوئے مورتی۔ تفصیل
سے۔ ایراوتیشورا مندر۔ واقع داراشرم۔ ضلع تنجور۔
شکل نمبر ۸۵ زنانہ دربان۔ کمپہریشورا مندر۔ واقع تربھونم۔ ضلع تنجور۔

تختی نمبر ۳۴

شکل نمبر ۸۸ بال اُڑاڈے۔ تربھونوم۔
شکل نمبر ۹۲ ناگیشورا۔ اگنی دشرتھ کو 'پائسا' پیش کرتے ہوئے۔
شکل نمبر ۹۳ ناگیشورا۔ دشرتھ مہارانیوں میں 'پائسا' بانٹتے ہوئے۔
شکل نمبر ۹۴ ناگیشورا۔ رام کا جنم

تختی نمبر ۳۵

شکل نمبر ۸۹ تربھونم ـــــ 'ومان' کی شمال طرف کی نچلی سطح پر بنا ہوا
زیبائشی طاقچہ۔
شکل نمبر ۹۰ تربھونم۔ مہامنڈپ کے بُنیادی چبوترے کی جنوبی دیوار
پر ایک زیبائشی طاقچہ۔
شکل نمبر ۹۱ تربھونم۔ ایک اور زیبائشی طاقچہ۔

شکل نمبر ۹۴ پنجابی۔ کرشنا۔ پیتانا۔

تختی نمبر ۳۶

شکل نمبر ۹۵ ناگیشورا۔ تاڑکا راکھشسنی کے ساتھ رام کی لڑائی۔

شکل نمبر ۹۶ ناگیشورا۔ راون کے سامنے ہنومان۔

شکل نمبر ۹۷ تربھونم۔ راون۔ سیتا۔ جٹایو۔

شکل نمبر ۹۸ پنجابی۔ وراہ اوتار کی (مورتی)

تختی نمبر ۳۷ بچکے

PLATE I

Fig. 1. General view of the Śiva temple, Vijayālayacōḷīśvara on Mēlamalai, from north-west, Nārttāmalai (Pudukkottah State), Tiruchirapalli Dist.
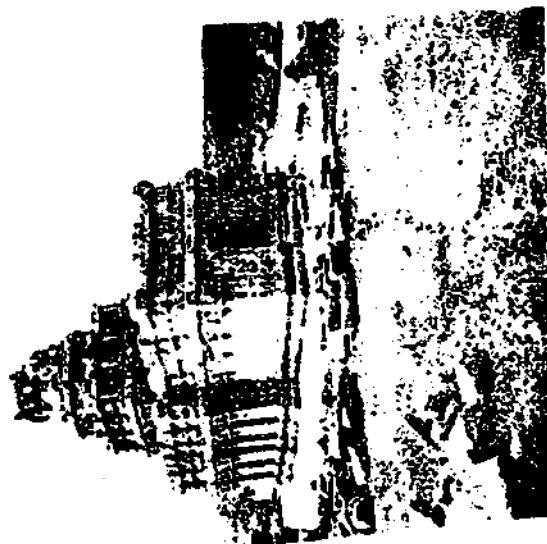
Fig. 2. The main temple, Vijayālayacōḷīśvara on Mēlamalai, from north-west.

PLATE II

Fig. 3. Agastyēśvara temple (Śiva, early Cōḷa) from north-west, Panangudi, (Pudukkottah State) Tiruchirapalli Dist.
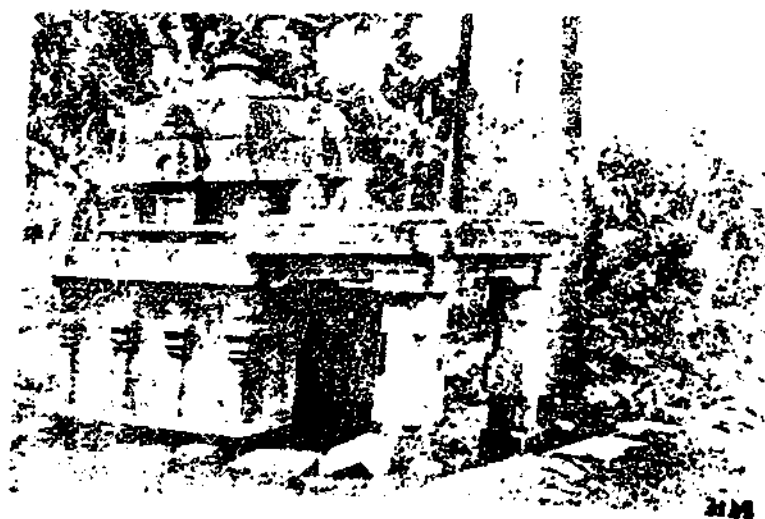
Fig. 4. Śiva temple, early Cōḷa style, Ēnādi (Pudukkottah State), Tiruchirapalli Dist.

Fig. 5. Siva temple — Vimāna (early Cōḷa) from north-east
Korkai Tirunelveli Dist.
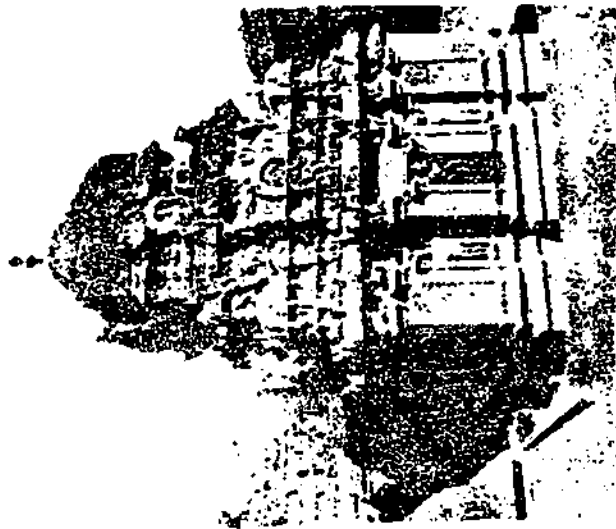
Fig. 6. Nāgēśvara temple. Kumbakonam.

PLATE IV
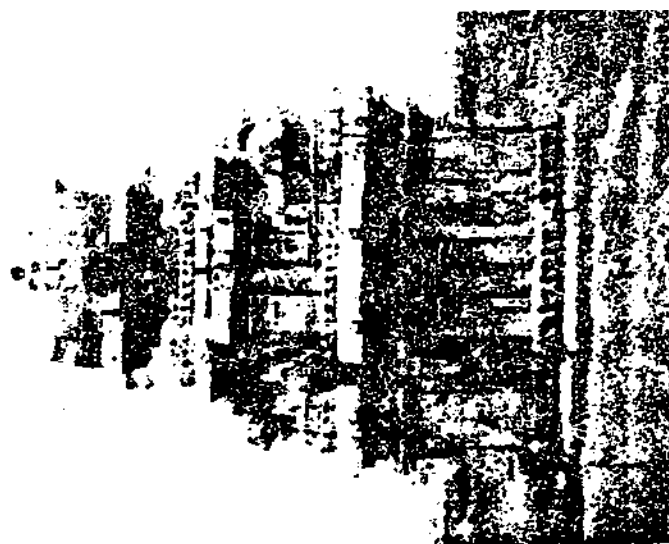
Fig. 7. Mūvarkōvil, No. 1, south view, in Koḍumbāḷūr, (Pudukkottai State), Tiruchirapalli Dist.
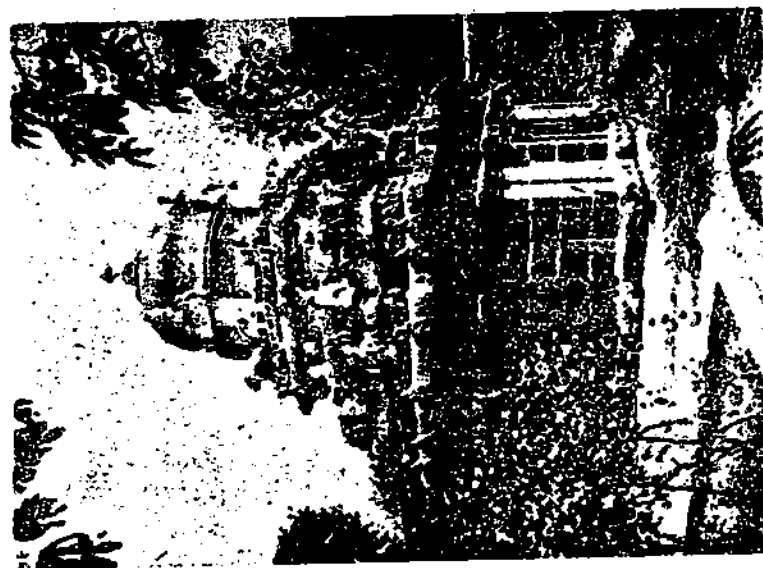
Fig. 8. View of the Agastyēśvara shrine at Mēlappaḻuvūr, Tiruchirapalli Dist.

PLATE V
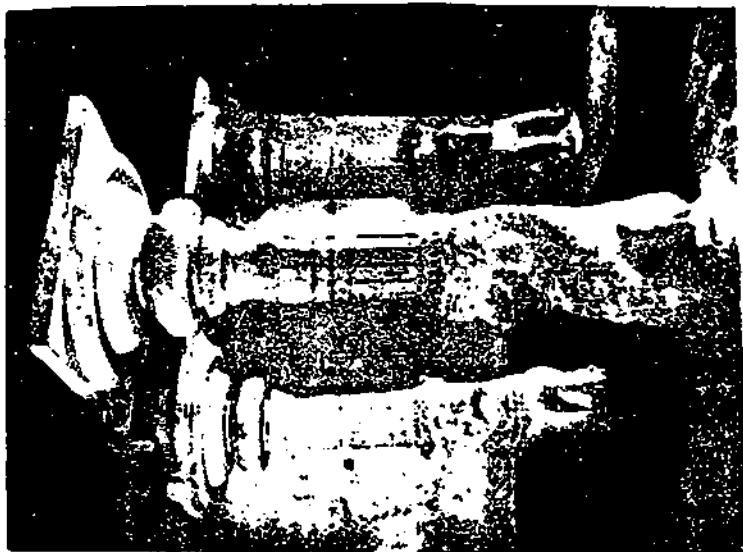
Fig. 9. Agastyēśvara temple—Lion Pillars, at Mēlappaḻuvūr, Tiruchirapalli Dist.

Fig. 10. Koranganātha temple, from south-west, Śrinivāsanallur, Tiruchirapalli Dist.
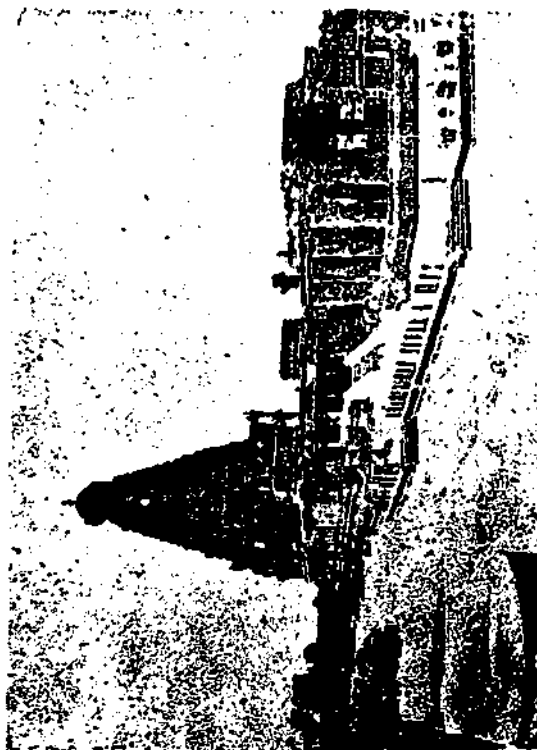
PLATE VI

Fig. 11. Bṛhadīśvara temple, general view, from South-east, Tanjore, Tanjore Dist.
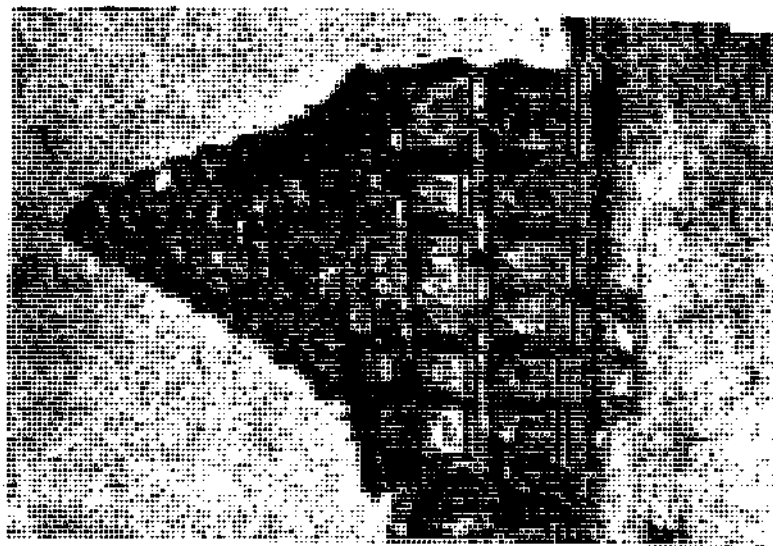
Fig. 12. Bṛhadīśvara temple — Vimāna from North-west, Gangaikoṇḍa-cōḻapuram, Tiruchirapalli Dist.

Fig. 13. Bṛhadīśvara temple, north doorway with Dvārapālakas on the main shrine, Gangaikoṇḍa-cōḷapuram, Tiruchirapalli Dist.

Fig. 14. Laddigam, entrance *gōpura*.

PLATE VIII

Fig. 15. Airāvatēśvara temple, general view, from south-east, Dārāśuram, Tanjore Dist.

PLATE IX
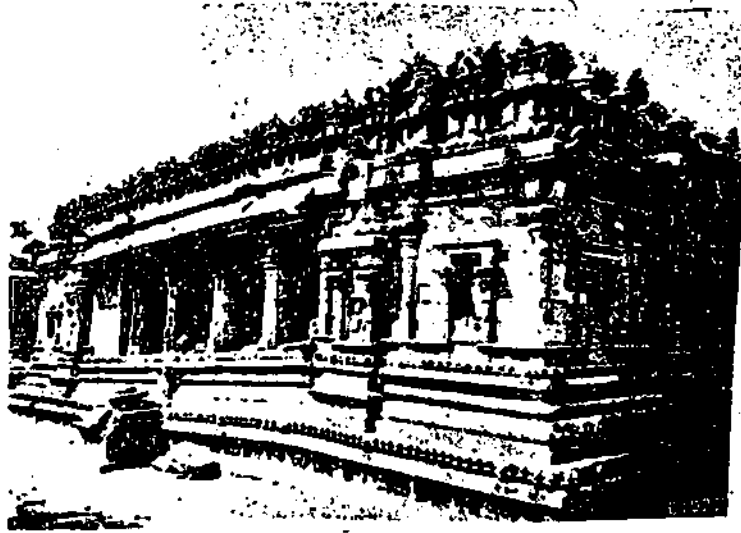
Fig. 16. North-east view of Airāvatēśvara temple, Dārāśuram, Tanjore Dist.
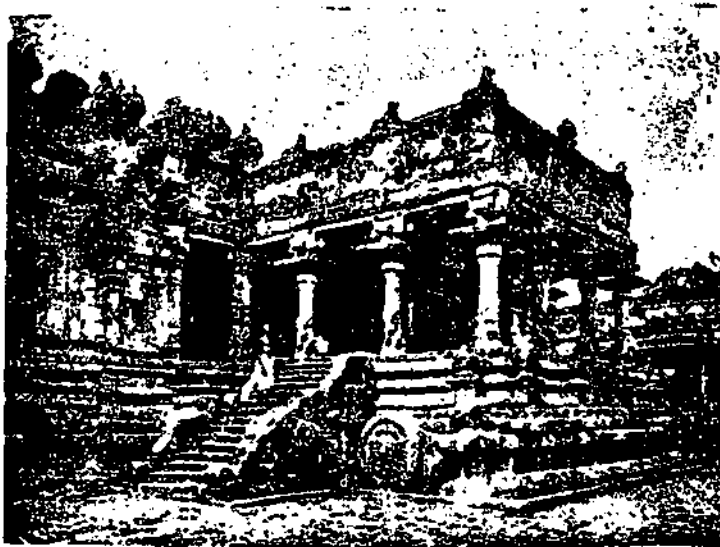
Fig. 17. South-west view of Alankāra maṇḍapa in Airāvatēśvara temple, Dārāśuram, Tanjore Dist.

PLATE X

Fig. 18. South-east view of Devanāyaki Amman shrine, Dārāśuram, Tanjore Dist.
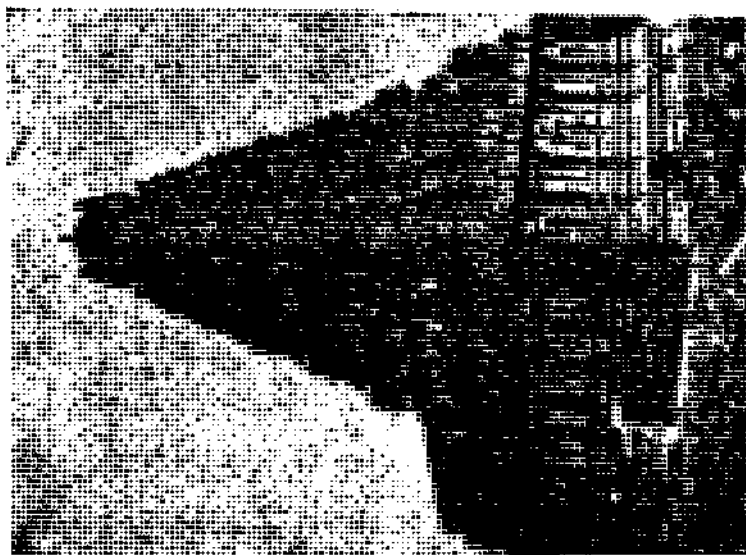
Fig. 19. North-west view of the Svāmi shrine, Tribhuvanam, Tanjore Dist.

Fig. 20. (A) Basement frieze of the Ta-hsiung-pao tien hall, Chuan Chow (Zayton).

Fig. 20. (B) Elephant worshipping a Śiva-liṅga.

Fig. 20. (C) Cow worshipping a Śiva-liṅga.

PLATE XII

Fig. 21. Koranganātha temple — A panel of male figure in the niche on the south, Śrīnivāsanallur, Tiruchirapalli Dist.

Fig. 22. Koranganātha temple — A panel of female figure in the niche on the west side.

Fig. 23. Koranganātha temple — A panel of female figure in the niche on the western side.

PLATE XIII

Fig. 24. Nāgēśvarasvāmi temple, sculpture of a woman, Kumbakonam, Tanjore Dist.

Fig. 25. Another woman, *ibid.*

Fig. 26. Nāgēśvarasvāmi temple, sculpture of a woman, Kumbakonam, Tanjore Dist.

Fig. 27. Nāgeśvarasvāmi temple, sculpture of a woman, Kumbakonam, Tanjore Dist.

PLATE XIV
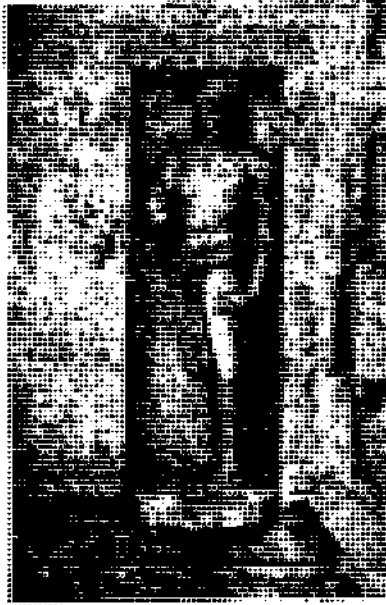
Fig. 28. Nāgēśvara — Kumbakonam.

Fig. 29. Nāgēśvara — Kumbakonam.
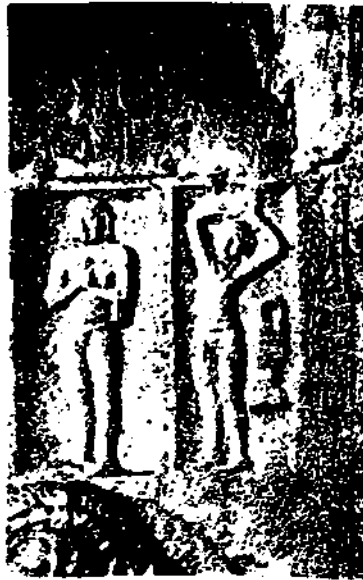
Fig. 30. Śiva temple — Sculptured in relief of 2 devotees — at Tiruvēḍu-tuṟai, Tanjore Dist.

PLATE XV

Fig. 31. Lakṣmi (?)

Fig. 32. Cōḷamādēvi, Kāḷahasti.

Fig. 33. Kulōttunga III, Kāḷahasti

Fig. 34. Gōlakamaharṣi, Kōḍikkarai, Tanjore.

Fig. 35. Koranganātha temple — A panel of a male figure in the niche on the northern side, Srīnivāsanallūr, Tiruchirapalli Dist.

Fig. 36. Metallic figure of Narasinga-munaiyadarayar. Siva temple at Tirunāmanallūr.

Fig. 37. Pudukkottah State, Tirukkaṭṭalai, Tirumēninīthasvāmin temple — Image of Dakṣiṇāmūrti (?) (standing) in a niche on the south wall of the central shrine.

Fig. 38. Vīṇādhara Dakṣiṇāmurti, Mūvarkōvil, Koḍumbāḷūr, (Pudukkottah), Tiruchirapalli Dist.

Fig. 39. Tripurāntaka, Koḍumbāḷūr. Pudukkottah.

Fig. 40. Tripurasundarī, Koḍumbāḷūr. Pudukkottah.

PLATE XVIII

Fig. 41. Koḍumbāḷūr temple, No. 2—Image of Ardhanāri. (Pudukkottah State, Tiruchirapalli Dist.)

Fig. 42. Ardhanāri, Nāgēśvara, Kumbakonam.
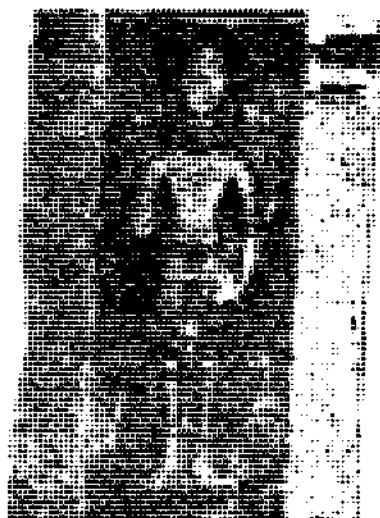
Fig. 43. Brahmā, Nāgēśvara, Kumbakonam.

Fig. 44. Koranganātha temple—A panel of Śiva in the niche on the south, Śrīnivāsanallūr, Tiruchirapalli Dist.
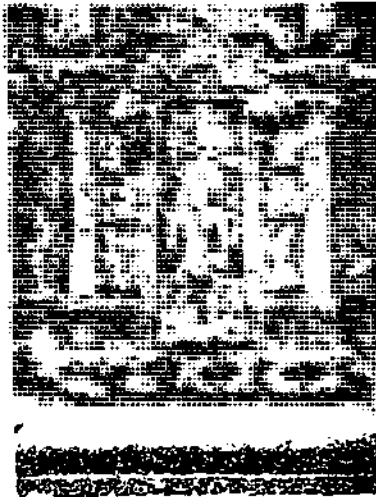
Fig. 45. Koranganātha temple—A panel of Dakṣiṇāmūrti in the niche on the south, Śrīnivāsanallūr, Tiruchirapalli Dist.

Fig. 50. Sculpture of Gajahāmūrti, Vālīśvara temple, Tiruvālīśvaram, Tirunelveli Dist.
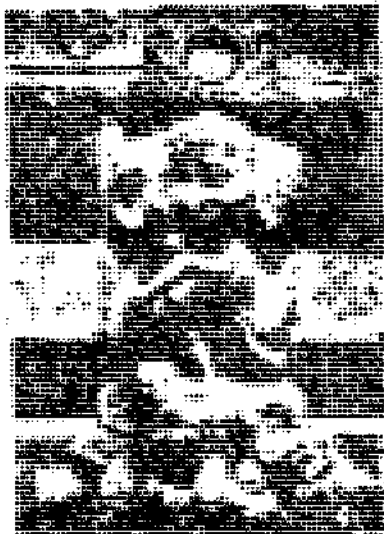
Fig. 48. Sculpture of Naṭarāja on the South side of Vimāna, Vālīśvara temple, Tiruvālīśvaram, Tirunelveli Dist.
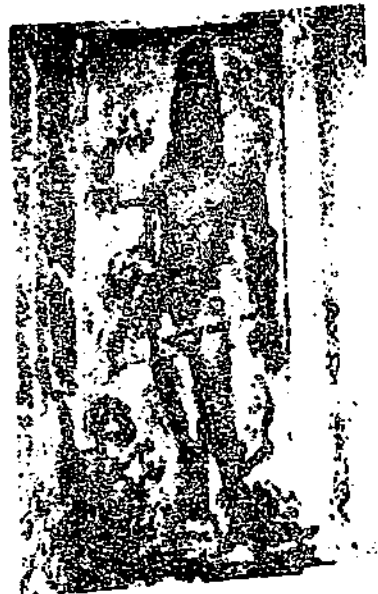
Fig. 53. Bhikṣāṭana, Nāgēśvara (Kumbakonam).

PLATE XX

Fig. [illegible] Sculpture of Ardha[illegible], Vālīśvara temple, Tiruvālīśvaram, Tirunelveli Dist.

Fig. 47. Sculpture of Gaṅgādhara and Vṛṣabhāntika, Vālīśvara temple, Tiruvālīśvaram, Tirunelveli Dist.

Fig. 49. Sculpture on the west side of Vimāna, Vāliśvara temple, Tirunelveli Dist.
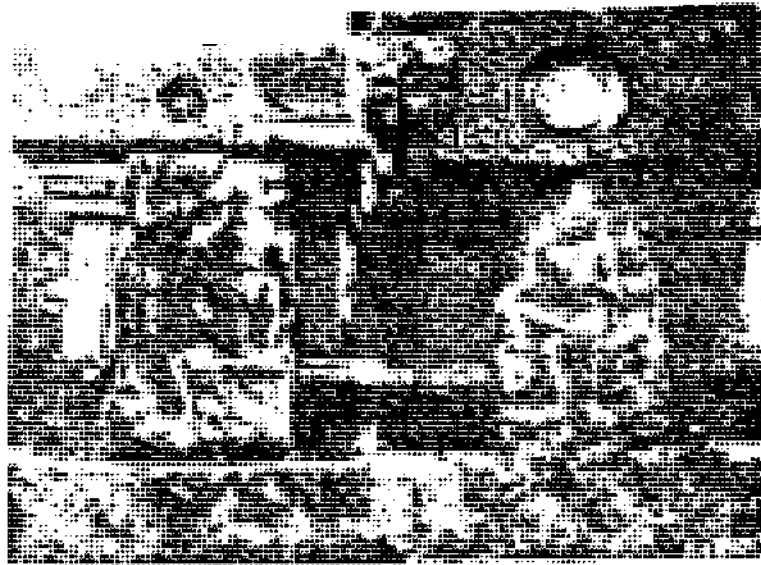
Fig. 51 Sculpture of Caṇḍeśānugrahamūrti and Śiva Vāliśvara temple, Tiruvāliśvaram, Tirunelveli Dist

Fig. 52. Image of Dakṣiṇāmūrti in Angāḷamman temple, Kāvēripākkam, North Arcot Dist.

Fig. 55. Naṭarāja—Image on south side of sanctum tower, Gangaikoṇḍa cōḷapuram, Tiruchirapalli Dist.

Fig. 56. Bṛhadīśvara temple—A panel of Harihara in the niche on the south side of Vimāna, Gangaikoṇḍa-cōḷapuram, Tiruchirapalli Dist.

Fig. 57. Caṇḍēśānugrahamūrti on the north side of sanctum of Śiva temple, Gangaikoṇḍā-cōḷapuram, Tiruchirapalli Dist.

PLATE XXIII
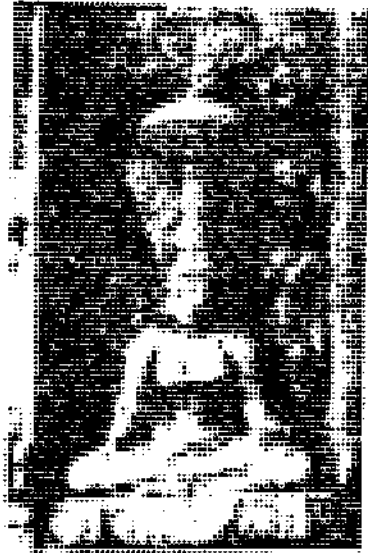
Fig. 58. Sarasvatī (?), the Bṛhadīśvara temple at Tanjore.

Fig. 59. Viṣṇu, the Gangaikoṇḍacōḷapuram temple.
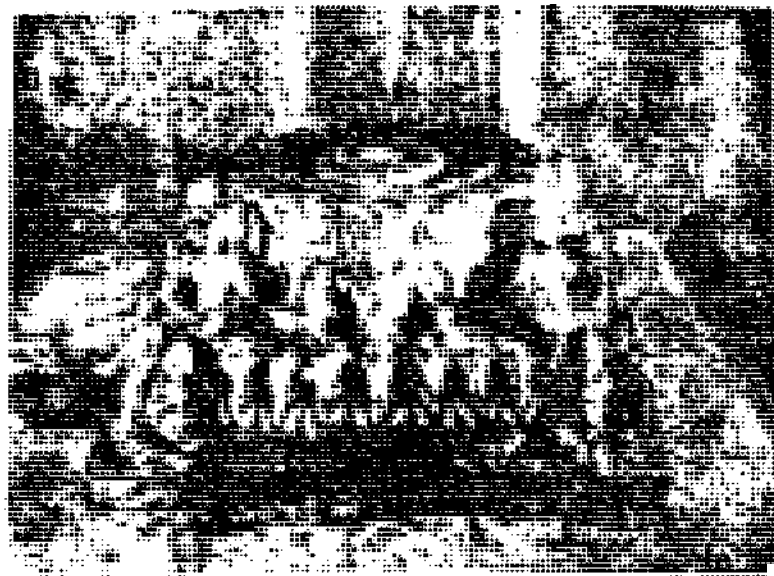
Fig. 60. Sūrya stone (in Kamala Yantra form), west face, the Mahāmaṇḍapa of Bṛhadīśvara temple, Gangaikoṇḍacōḷapuram, Tiruchirapalli Dt.

Fig. 58. Bṛhadīśvara temple—Kāmāntaka in a niche on north wall of main shrine, Gangaikoṇḍa-cōḷapuram.

Fig. 61. Sculpture of Kankālamūrti in Airāvatēśvara temple, Dārāśuram, Tanjore Dist.

Fig. 62. Sculpture of Gajahāmūrti on the north side of sanctum in Airāvatēśvara temple, Dārāśuram, Tanjore Dist.
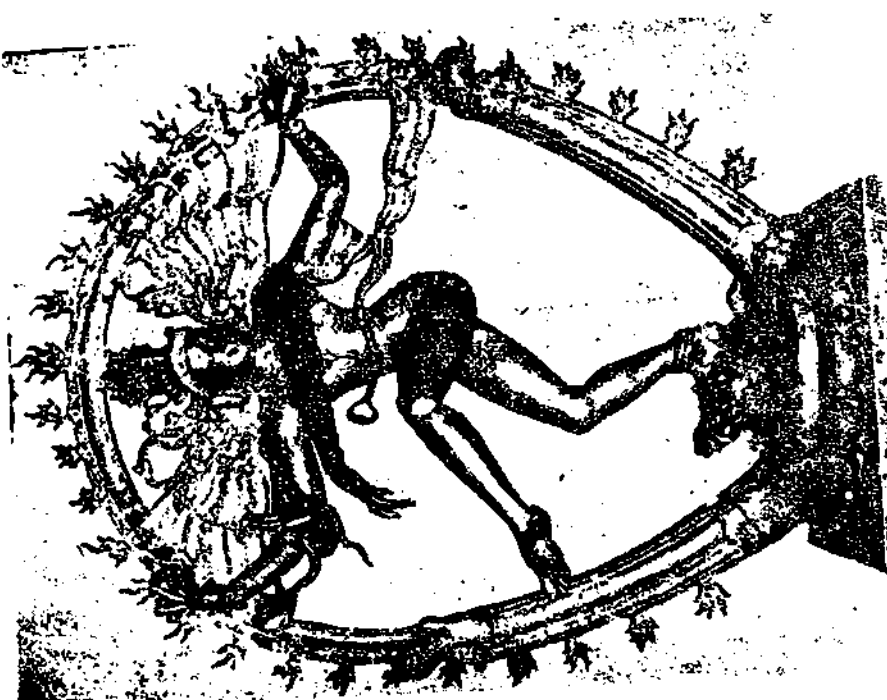
PLATE XXV

Fig. 63. Bṛhadīśvara temple, metallic image of Naṭarāja at Tanjore.

Fig. 64. Naṭarāja, Velāngaṇṇi (Tanjore).

Fig. 65. Naṭarāja, Tiruvālangāḍu (Chittoor).

Fig. 66. Image of Naṭarāja with eight hands, front and back view, Nallūr, Tanjore Dist.

Fig. 67. Śiva temple — Metallic image of Naṭarāja (Sandhyā-Tāṇḍavamūrti), Tiruvarangulam, Pudukkottah State.
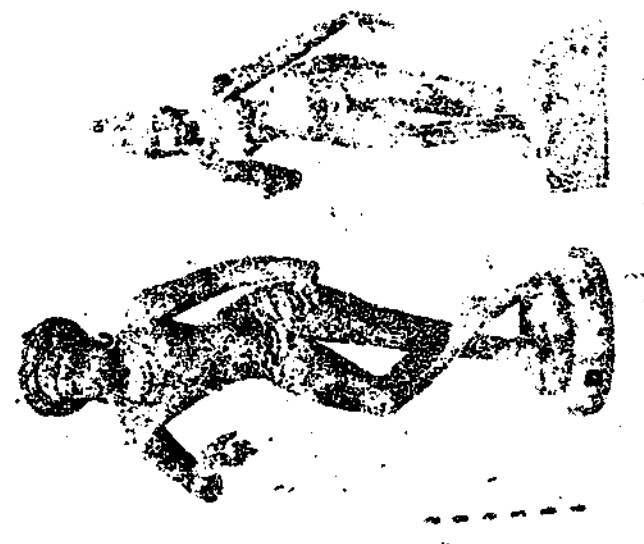
PLATE XXVII

Fig. 68. Bronze—Image of Śiva as Vṛṣabhāntika with Umā, front view, (Treasure trove) Tiruveṇkāḍu, (Shiyali Taluq), Tanjore Dist.

Fig. 69. Gangaikoṇḍa-cōḷapuram, Gangaikoṇḍa-cōḷēṣvara temple—Metallic image of Śiva (Vṛṣabhāntika).

PLATE XXVIII

Fig. 70. Sukhāsanamūrti (late), Pudukkottah museum.

Fig. 71. Bronze statue of Kirāta mūrti--Tiruvēṭkaḷam near Cidambaram.
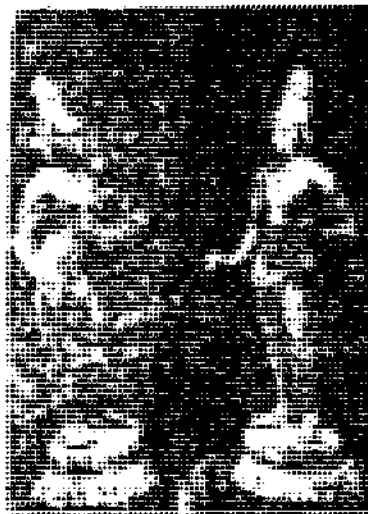
Fig. 72. Metallic image of Kirātārjunamūrti, Radhanarasimhapuram, Tanjore Dist.

Fig. 73. Metallic image of Āliṅganamūrti at Tiruvēḍutuṟai, Tanjore Dist.

PLATE XXIX
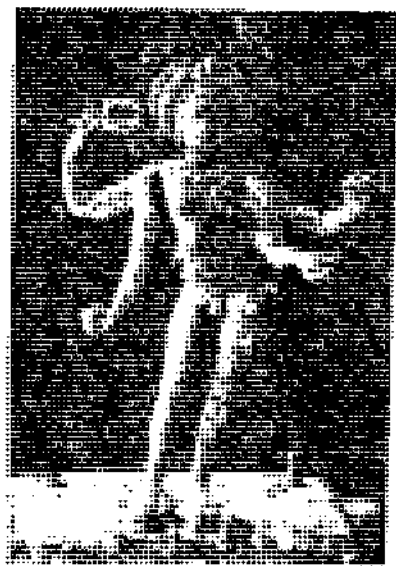
Fig. 74. Metallic image of Bhikṣa-ṭanamūrti (Piċchāṇḍār) in the Śiva temple at Tirunāmanallūr.
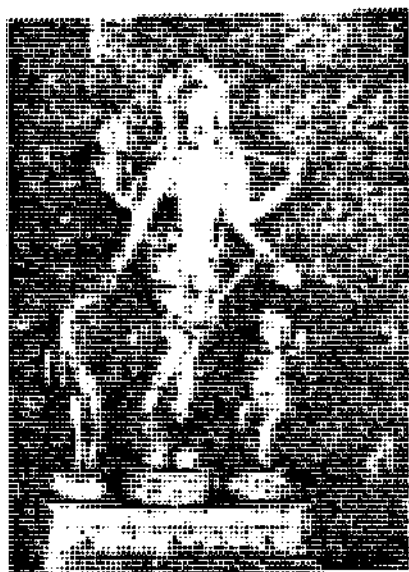
Fig. 75. Kailāsanāthasvāmin temple—Metallic image of Bhikṣāṭanamūrti, (late), Tiruccengōḍ, Salem Dist.

Fig. 76. Subrahmaṇya temple—Metallic image of Skanda with four arms, (Tiruviḍaikali), Tanjore Dist.

PLATE XXX
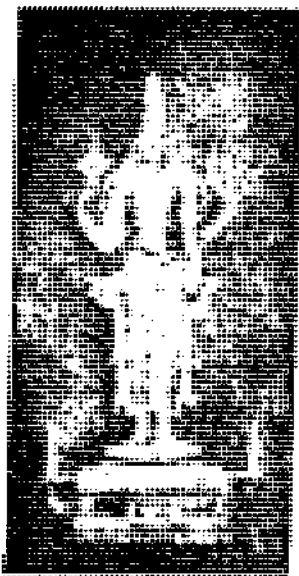
Fig. 77. Viṣṇu.
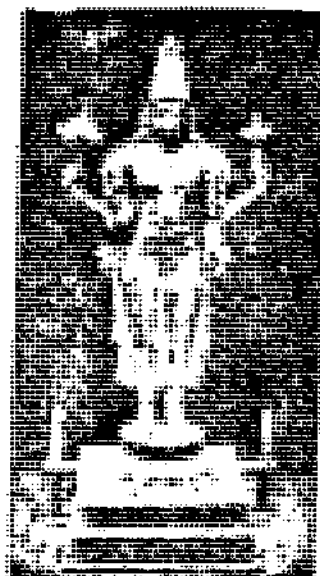
Fig. 78. Viṣṇu.
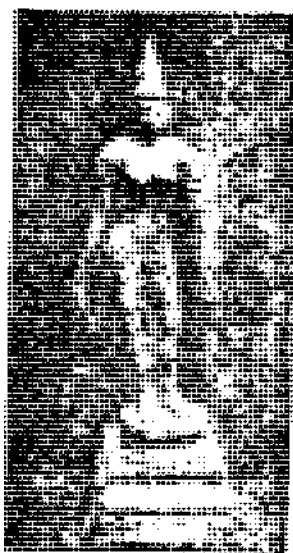
Fig. 79. Lakṣmī (?)
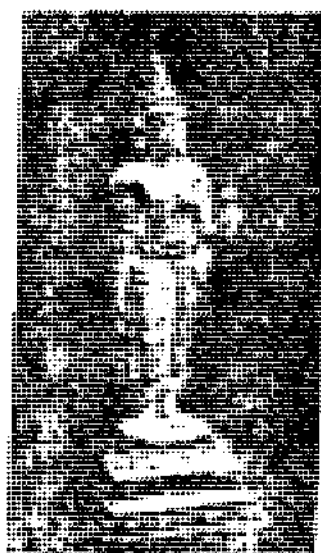
Fig. 80. Lakṣmī.

PLATE XXXI.
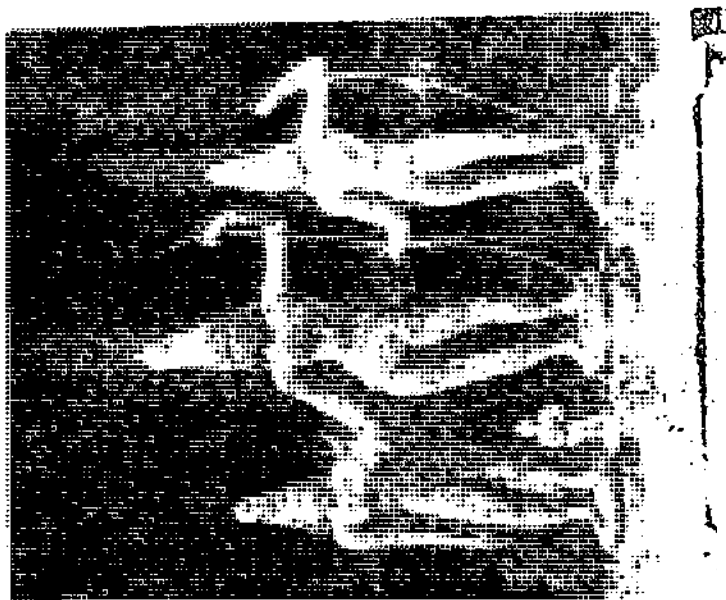
Fig. 81. Viṣṇu temple, metallic images of Rāma Lakṣmaṇa and Sītā, Tirukkaḍaiyūr, Tanjore Dist.

Fig. 82. Bronze image of Śiva as Kalyāṇasundara—Pārvati being presented to Śiva in wedlock by Lakṣmī and Viṣṇu. (Treasure trove) Tiruveṇkāḍu, (Shiyali Taluq, Tanjore Dist.

PLATE XXXIV

Fig. 83. Seal on Karandai plates.
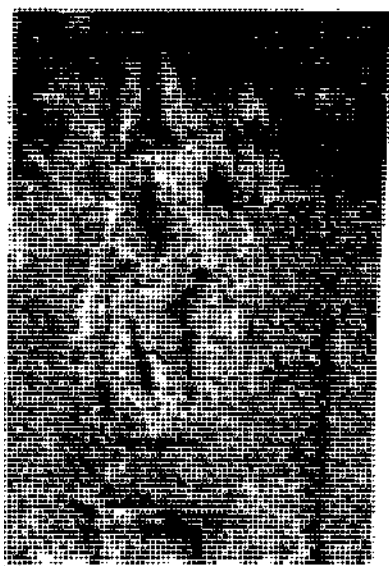
Fig. 81. Dvārapālaka, Vijayālaya-cōḷēśvara, Nārttāmalai.
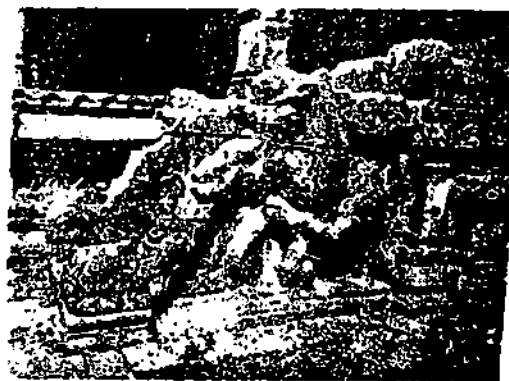
Fig. 87. Detail of sculptured elephant and lion fighting in the open court, Airāvatēśvara temple, Dārāśuram, Tanjore Dist.

Fig. 86. Nārttāmalai—platform before Śantaṇaku ḷagu.

Fig. [illegible] Female door-keeper, K[illegible]arēśvara temple, [illegible]vanam, Tanjore Dist.

PLATE XXXIV

Fig. 88. Balustrade, Tribhuvanam.

Fig. 92. Nāgēśvara, Agni presenting *pāyasa* to Daśaratha.

Fig. 93. Nāgēśvara, Daśaratha distributing *pāyasa* among queens.

Fig. 94. Nāgēśvara, Birth of Rāma.

Fig. 89. Tribhuvanam—Ornamental niche, north basement of Vimāna.

Fig. 90. Tribhuvanam—Ornamental niche, south wall mahāmaṇḍapa basement.
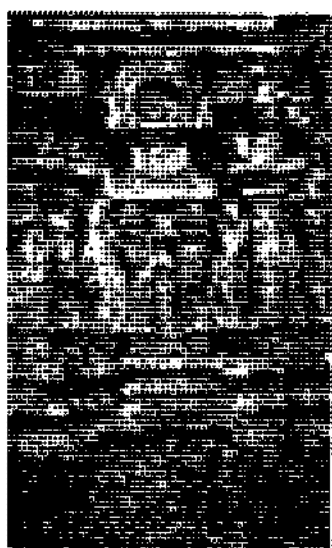
Fig. 91. Tribhuvanam—Another ornamental niche.

Fig. 99. Puñjai, Kṛṣṇa and Pūtanā.
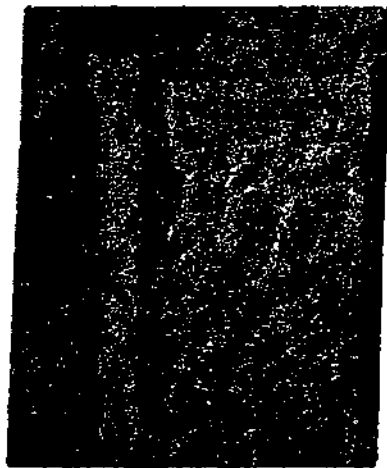
Fig. 95. Nāgēśvara, Rāma's fight with Tāṭakī.

Fig. 96. Nāgēśvara, Hanumān before Rāvaṇa.

Fig. 97. Tribhuvanam, Rāvaṇa, Sīta. Jaṭāyu.

Fig. 98. Puḷḷai, Varāha panel.

PLATE XXXVII — COINS

1 2

3 4

5 6

KĀÑCI
SŌPATMA (MARKĀNAM)
PUHĀR
ĀVUR
NĀGAPATTINAM
KÖTTAIKKARA
TIRUVANJAIKKALAM
URAIYŪR
MADURAI
SALIYŪR
KORKAI
KUMARI
ANURĀDHAPURA
EXTENT
OF
KARIKĀLA'S KINGDOM

MAP TO
ILLUSTRATE
THE KADĀRAM CAMPAIGN
OF
RĀJENDRA
80
90
100
110
120
20
10
0
DVĀRAVATĪ
HAMSAVATI
AMARAVATI
SIAM
(SYAMARATTHA)
ANGKOR
CAMPA
INDRAPURA
LAVAPURI
KAMBHOJA
SAGARA
KĀNCIPURA
NĀGAPATTINAM
ANURĀDHAPURA
MĀPAPPĀLAM
TALAITTAKKŌLAM
(TAKUAPA)
VAIYAI
MĀYIRUDINGAM
ILANGĀSŌKAM
MA-NAKKAVARAM
(NICOBAR IS)
(LAMURI)
ILAMURIDESAM
KADĀRAM
(KEDAH)
TAMBRALINGA
PANNAI
(PANI)
JAMBI
MALAIYUR
SRIVIJAYA
(Palembang)
BANGKA
(S. PORA Is)
(N. PAGI Is)
(S. PAGI Is)
SABAH
PUNANI
BORNEO
MADURA
BALI
LOMBOK
JAVA

COLA EMPIRE
UNDER KULŌTTUNGA III
WARANGAL
VĒNGI
POTTAPI
CUDDAPAH
NELLORE
NANDALUR
HEMĀVATĪ
KĀNCI
MALLAI
YEDURŪR
TAGADŪR
TIRUVANNĀMALAI
KŪDALUR
SENDAMANGALAM
TIRUVĒNDIPURAM
KANNANŪRKOPPAM
KARŪR
AYIRATTALI
SRIRANGAM
TIRUVĒDAGAM
PONNAMARĀVATĪ
MADURAI
KAYTS
RĀMESVARAM
TIRUNELVĒLI
ANURĀDHAPURA
74
76
78
80
82
84
18
16
14
12
10
8
6

(1) Parts of the plinth (upapīṭha).

(2) Parts of the Pillar

(3) Evolution of Palagai.
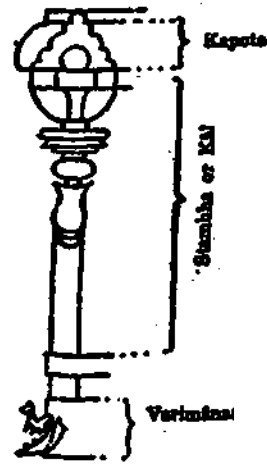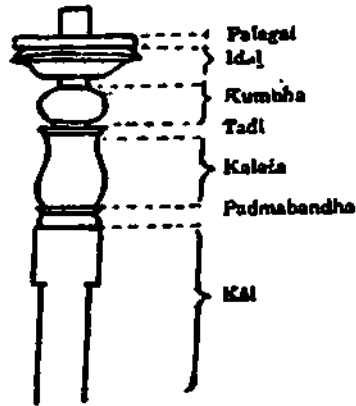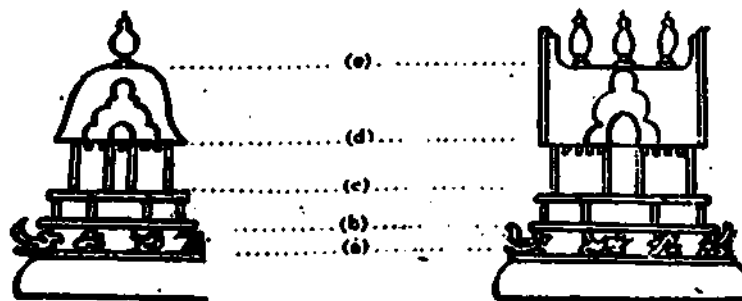
ہماری مطبوعات

کتاب	مصنف / مترجم	قیمت
ابتدائی علم شہریت	ایس، این، چٹوپادھیائے / شریف الحسن نقوی	4/55
اسلامی تہذیب و تمدن	عماد الحسن آزاد فاروقی	14/=
اسلامی سماج	ریوبن لیوی / ڈاکٹر مشیر الحق	60/=
اکبر سے اورنگ زیب تک	ڈبلو ایچ مورلینڈ / جمال محمد صدیقی	21/50
البیرونی کے جغرافیائی نظریات	ڈاکٹر حسن عسکری کاظمی	11/=
انقلاب ۱۸۵۷ء (تیسری طباعت)	مرتب: پی۔ سی۔ جوشی	75/=
انقلاب فرانس (دوسری طباعت)	جے۔ ایم۔ تھامپسن / ڈاکٹر محمود حسین	140/=
اورنگ زیب کے عہد میں مغل امراء	محمد اطہر علی / امین الدین	28/=
بادشاہ	میکاولی / ڈاکٹر محمود حسین	14/=
برطانیہ کا دستور اور نظام حکومت	محمد محمود فیض آبادی	36/=
تاریخ آصفی	مرزا ابو طالب / ڈاکٹر ثروت علی	10/=
تاریخ اور سماجیات	عائشہ بیگم	10/50
تاریخ تحریک آزادی ہند (حصہ اول) (دوسری طباعت)	ڈاکٹر تاراچند / قاضی محمد عدیل عباسی	103/=
تاریخ تحریک آزادی ہند (حصہ دوم)	ڈاکٹر تاراچند / قاضی محمد عدیل عباسی	زیر طبع
تاریخ تحریک آزادی ہند (حصہ سوم)	ڈاکٹر تاراچند / قاضی محمد عدیل عباسی	75/=
تاریخ تعلیم ہند	جے۔ پی۔ نائک / سید نوراللہ	زیر طبع
تاریخ تمدن ہند	پروفیسر محمد مجیب	11/=
تاریخ ٹیپو سلطان (دوسری طباعت)	محب الحسن / حامد اللہ افسر	120/=
تاریخ جہانگیر (دوسری طباعت)	بنی پرشاد / رحم علی الہاشمی	زیر طبع
تاریخ شاہجہاں (دوسری طباعت)	بناری پرشاد سکسینہ / سید اعجاز حسین	زیر طبع

تحریک آزادیٔ ہند	ظہور محمد خاں	2/25
تحریک خلافت	قاضی محمد عدیل عباسی	65/=
تذکرہ دربار حیدر آباد (دوسری طباعت)	رمن راج سکسینہ	زیر طبع
جامع تاریخ ہند (دوسری طباعت)	محمد مجیب ر خلیق احمد نظامی	زیر طبع
جدید سیاسی فکر	سید انوار الحق حقی ر ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی	14/25
جدید ہندوستان کے معمار	آئی، سی، ایچ، آر ر ڈاکٹر قیام الدین احمد	14/=
جغرافیہ کی ماہیت اور اس کا مقصد	ایس۔ ڈبلیو وولرج ر انیس احمد صدیقی	19/=
جدید ہندوستان کے سماجی و سیاسی افکار	ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی	47/=
جنوبی ہند کی تاریخ زمانہ قبل تاریخ سے وجیہ نگر کے زوال تک (دوسری طباعت)	آئی۔ سی۔ ایچ۔ آر ر آر۔ کے۔ بھٹناگر	114/=
چولا راجگان	شریمتی رپدمن سیٹھی	60/=
حکومت اور آئین	مترجم ڈاکٹر قیصر شمیم	2/=
حیدر علی (دوسری طباعت)	نریندر کرشن سنہار ر اقتدار حسین صدیقی	72/=
خلجی خاندان (دوسری طباعت)	کے۔ ایس۔ لال ر محمد یٰسین مظہر صدیقی	88/=
دکن کی قدیم تاریخ	پروفیسر یزدانی	49/=
دکن کے بہمنی سلاطین (تیسری طباعت)	ہارون خاں شیروانی ر رحم علی الہاشمی	88/=
رنجیت سنگھ	نریندر کرشن سنہار ر کیلاش چندر چودھری	9/25

کتاب	مصنف / مترجم	قیمت
ریاست حیدر آباد میں جدو جہد آزادی (۱۸۰۰تا۱۹۰۰)	سید محمد جواد رضوی	20/=
سلاطین دہلی کا سیاسی نظریہ	محمد حبیب ر بیگم افسر عمر سلیم خاں	13/=
سلطنت مغلیہ کا مرکزی نظام حکومت	ابن حسن ر آئی۔اے۔ ظلی	19/=
سویت یونین کا سیاسی نظام	ظفر امام	74/=
سفر نامہ فرنگ مسیر طالبی فی بلاد افرنجی	مرزا ابو طالب اصفہانی ر ثروت علی	32/=
شہیدان آزادی (حصہ اوّل)	ڈاکٹر پی، این۔ چوپڑا ر بھگوت سنگھ	113/=
شہیدان آزادی (حصہ دوم)	پی، این۔ چوپڑا ر سید تفضل حسین	100/=
شیر شاہ سوری اور اس کا عہد	الکا رنجن قانون گو ر رام آسرا شرما	135/=
صوبائی خود مختاری کی ابتدا	ایس گومر ر بشیشور پرشاد	12/50
ظہیر الدین محمد بابر (دوسری طباعت)	ایل، ایف، رش بروک ولیمز ر رفعت بلگرامی	13/=
علی وردی اور اس کا عہد	کالی کنکر دتا ر عبد الاحد خاں خلیل	30/=
قدیم ہندوستان کی تاریخ (دوسری طباعت)	راما شنکر ترپاٹھی	114/=
قدیم ہندوستان میں تعلیم	ڈاکٹر اے۔ ایس التکر ر ابو یوسف	35/=
قدیم ہندوستان کی ثقافت و تہذیب تاریخی پس منظر میں (دوسری طباعت)	ڈی۔ ڈی کو سمبی ر بال مکند عرش ملیانی	73/=
قدیم ہندوستان میں شودر (دوسری طباعت)	ڈاکٹر رام سرن شرما ر جمال الدین محمد صدیقی	82/=
مہاتما گاندھی	بی۔ آر۔ نندا ر علی جواد زیدی	60/=
مغلیہ سلطنت کا عروج و زوال	ڈاکٹر ریاض احمد خاں شیروانی	37/=
مغل دربار کی گروہ بندیاں اور ان کی سیاست (دوسری طباعت)	ڈاکٹر ستیش چندر ر ڈاکٹر قاسم صدیقی	22/=

مغلوں کا نظام مال گزاری (۱۷۰۰ء سے ۱۷۵۰ء تک)	نعمان احمد صدیقی / ایس۔ بی ہادی	9/=
مراد آباد۔ تاریخ اور صنعت	تاباں نقوی	12/=
منتخب دساتیر کا تقابلی مطالعہ	شجاع الدین فاروقی	65/=
ناوابستگی	پروفیسر رشید الدین خاں / ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ مہدی	37/=
وادیٔ سندھ اور اس کے بعد کی تہذیبیں (دوسری طباعت)	سرمور / زبیر رضوی	45/=
وجے نگر کے عہد میں نظام حکومت اور سماجی زندگی	ٹی۔ وی مہالنگم / پروفیسر کے۔ نیل کنٹھ شاستری	41/=
ہمایوں نامہ	گلبدن بیگم / عثمان حیدر مرزا	11/=
ہندوستانی سرزمین اور عوام	نارائنی گپتا / ایس۔ کے۔ سنگھ	2/=
ہندوستان کا شاندار ماضی (دوسری طباعت)	اے۔ ایل۔ باشم / ایس۔ غلام سمنانی	145/=
ہندوستان کے دور وسطی کے مؤرخین	پروفیسر محب الحسن / مسرور علی ہاشمی	45/=
ہندوستانی خارجہ پالیسی کی بنیادیں	بمل پرساد / محمد محمود فیض	12/25
ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کا عروج	ڈاکٹر رفیق زکریا	46/=
ہندوستانی کتبوں کا مطالعہ	ڈی۔ سی۔ سرکار / ملیحہ مسیح الزماں	49/=
ہندوستانی مصوری ایک خاکہ (دوسری طباعت)	انیس فاروقی	130/=
ہندوستانی مصوری عہد مغلیہ میں (دوسری طباعت)	پرسی براون / عبید الحق	158/=
ہندوستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں (دوسری طباعت)	کنور محمد اشرف / قمر الدین	20/=